جستجوئے مدینہ

سرخ رنگ

تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکاتِ نبویہ الشریفہ وآثارِ مدینہ زادا اللہ شرفاہ

تحقیق وتالیف

عبدالحمید قادری

والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون

جستجوئے مدینہ

(تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکاتِ نبویہ الشریفہ وآثارِ مدینہ زادالله شرفاہ)

تحقیق وتالیف

عبدالحمید قادری

جستجوئے مدینہ

(تاریخی، تحریکی، ادارتی، فضائل و محاسن، تحرکات نبویہ شریف و آثار مدینہ زادھا اللہ شرفاً و)

محمد عبدالحمید قادری

aqadri15@yahoo.com

دوران اشاعت فہرست سازی

عبدالحمید قادری، عبدالحمید (۱۹۴۵ء-)

تاریخی، تحریکی، ادارتی، فضائل و محاسن، تحرکات نبویہ شریف و آثار مدینہ زادھا اللہ شرفاً و

جستجوئے مدینہ

(۱) لاہور: اورینٹل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ۳۲۰ص

۱. عنوان I. تاریخ II. سیرت III. مدینہ IV. شمس V. ارض القرآن

VI. تحرکات نبویہ VII. عبدالحمید (۱۹۴۵ء-)، مؤلف

ISBN: 969-8088-02-6

مؤلف یا پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر کتاب کے کسی حصے کی کاپی (کسی بھی طرح، کسی بھی جگہ) کرنے کی ممانعت ہے

الطبعۃ الاولیٰ: ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

لے آوٹ، پروڈکشن: سید اویس علی سہروردی

۳۵-راکل پارک، لاہور فون: 042-6363009

grafixinn@hotmail.com

طابع: محمد اشرف، ایم اے پرنٹرز

ISBN: 969-8088-02-6

ہدیہ: پاکستانی روپیہ =/3600 امریکی ڈالر =/140

اورینٹل پبلی کیشنز پاکستان

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور فون: 042-7213578, 6363009

جستجوئے مدینہ

Modina Rediscovered

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو اُن ہستیوں کے نام کرتا ہوں

جن کا خمیر ارضِ طیبہ سے اٹھایا گیا اور رب ذوالجلال نے انہیں اپنی زندگی کا کچھ حصہ یہاں گزارنے کی سعادت نصیب فرمائی
اور پھر شہرِ حبیب نے اپنا دامنِ رحمت وا کر کے ابدی نیند کے لئے انہیں اپنی رحمتوں میں سمو لیا

اور

اُن ہستیوں کے نام جو زندگی بھر شہرِ حبیب کی زیارت کو ترستے رہے اور مادی کم مائیگی اُن کے آڑے آتی رہی
مگر دم واپسیں وہ گنبدِ خضریٰ کی تصویر دل کے آئینوں میں اتار کر اپنے ساتھ لے گئے

اور

خاص طور پر اُس ہستی کے نام کرتا ہوں جنہوں نے بچپن میں مجھے 'جذب القلوب الی دیار المحبوب' کا تحفہ دیتے ہوئے
فرمایا تھا کہ اس کے فریم میں عصرِ قدیم کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے مدینہ طیبہ کی تصویر لگانے کی اشد ضرورت ہے

بسم الله الرحمن الرحيم
وما ارسلناك الا رحمة للعا

عرضِ خدمت

مدینہ طیبہ ایسا شہرِ مقدس ہے جہاں شب و روز ہر لحظہ اور ہر سو انوارِ رب ذوالجلال والاکرام کی جلوہ آرائی جاری رہتی ہے۔ مدینہ "المنورہ" کی وجہ تسمیہ ہی یہاں نورِ اولیں و آخرین سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کا قیام ابدی ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو چشمِ بصیرت سے ان انوارِ واکرام کی جلوہ آرائی دیکھ لیتے ہیں جن سے چشمِ ظاہر بین مستفید نہیں ہو پاتی تاہم اس کا ظاہری جاہ و جمال کسی بھی نگاہ کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اگر کہیں رات کی ظلمتوں میں جانبِ شہرِ حبیب جانا ہو تو بہت دور سے ہی سے نگاہیں مینارہ ہائے تجلیات پر مرکوز ہو جاتی ہیں طیبہ بطحاء کا یہ مرکزِ تجلیات مسجد نبوی شریف ہے جس کے آنگن سے ہونے والی ضیاء پاشی سے کون و مکاں روشن ہیں۔ جوں جوں زائرِ شہرِ آرزو کے اس مرکزِ انوار کے قریب آتا جاتا ہے اپنے چاروں طرف عالمِ جذب و شوق کا بحرِ بیکراں موج زن پاتا ہے اور پھر انتہائی ادب و احترام سے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ اس ادب گاہِ عالمیں کی طرف ایسے کھنچتا چلا جاتا ہے کہ الفاظ اس کیفیت کے بیان سے یکسر قاصر رہ جاتے ہیں اقبال تو مسجد قرطبہ کے میناروں پر تجلیات کے نزول کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے تھے:

تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور　　تیرا مینارۂ بلند جلوہ گاہِ جبرائیل

اور اگر کہیں ان کی حاضری مدینہ طیبہ میں ہو جاتی تو یقیناً اس حُسنِ لازوال کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر مثلِ کلیم اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھتے۔ اس بقاعِ طاہرہ اور مرکزِ انوار کی شعاؤں نے شہرِ نبوی کے گلی کوچوں کو اس طرح منور کر رکھا ہے کہ چار دانگ عالم میں بسنے والا ہر فرزندِ توحید اس کو مدینہ منورہ (یعنی روشن شہر) کہہ کر پکارتا ہے صرف اس لیے کہ مدینہ طیبہ بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما کے ابدی نور، لامتناہی تجلیات اور جمالِ عالم آرا سے تا بہ ابد منور و تاباں ہے۔ عالم اسلام میں تقدس میں مکۃ المکرمہ کے بعد شہرِ حبیب کا نام آتا ہے مگر جانے والے جانتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق" اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ "جس شہر کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے تھے وہ یہی شہرِ مصطفوی ﷺ ہے جہاں امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تا بہ ابد مقیم ہیں۔ جب ام القریٰ مکۃ المکرمہ نے 'بلد الامین' ہونے کے اعزاز کا حق ادا کرتے ہوئے وہ امانت جس کی بدولت اسے 'الامین' ہونے کا اعزاز نصیب ہوا تھا کو مدینۃ المنورہ کی جھولی میں ڈال دی جس نے اب اصلاً "صاحبِ امانت" ہونے کا کردار ادا کرنا تھا، تو رب العزت ﷻ نے اسے ایک اور خطاب سے نواز دیا اور وہ خطاب اور لقب "مخرجِ صدق" تھا پھر جب اس امانت رب جلیل نے ناقۂ مصطفوی (قصویٰ) پر سوار ہو کر یثرب کی گھاٹیوں پر قدم رنجہ فرمایا تو نہ صرف یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور یہ مدینۃ النبی ﷺ قرار پا گیا بلکہ رب ذوالجلال ﷻ نے اسے "مدخلِ صدق" ہو جانے کا اعزاز عنایت فرمایا اور پھر یہی 'مدخلِ صدق' تا بہ ابد "سراجِ منیر" کا مسکن و مدفن ہو گیا۔

اس موقع پر میں یہ وضاحت کرنا بھی اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں کہ نہ تو میں کوئی عالم ہوں اور نہ ہی کبھی مجھے مورخ ہونے کا ادنیٰ سا گمان بھی ہوا ہے. میں تو صرف شہر حبیب ﷺ کا ایک حقیر و ادنیٰ مدح خواں ہوں جسے رب ذوالجلال نے اپنے کمال لطف و کرم سے بار بار اس سعادت سے نوازا ہے کہ ۱۹۷۵ء سے آج تک اس شہر مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوتا آ رہا ہوں. یہ سعادت سال میں کبھی ایک یا دو بار، کبھی ہر ماہ یا کبھی پندرہ دن بعد مجھے میسر آتی رہی. اتنی کرم فرمائیوں کے باوجود ہر واپسی میری کیفیت بھی ہر اس زائر مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کی طرح ہو جاتی ہے جو لوٹتے وقت ایک طرف اپنے اندر ذوق و شوق کو اور بھڑکتا محسوس کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے غمگین دل کے ساتھ دوبارہ لوٹ آنے کی تمنا لیے بوجھل قدموں سے رخصت بھی ہو رہا ہوتا ہے.

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

میں جب بھی اس شہر حبیب ﷺ سے رخصت ہوا تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ میرے دل نے صرف ایک ہی دعاء کی: ''خدایا ایں کرم بار دگر کن''. اس کی روح پرور اور مشک بیز فضائیں ہر آنے والے کے دل و دماغ پر محبت کی ایسی مہر لگا دیتی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ وہ وہیں کا ہو رہے یا بصورت دیگر اسے وہاں بار بار حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوتی رہے. یہ شہر حبیب اور بلدۃ میمونہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے جس کی حرمت و تقدس کا یہ عالم ہے کہ اس کے کاخ و کو، اس کے شجر و حجر، اس کے چرند پرند، اس کی ہوائیں، اس کی فضائیں اور اس ارض طیبہ کی مٹی تک تقدس میں حرم نبوی شریف کا حصہ ہیں اور واجب الاحترام ہیں. فرمان مصطفیٰ ﷺ میں تو اس بات تک کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی مٹی میں شفاء ہے. اس کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکات نبوی کی امین ہے جن کی کڑی کسی نہ کسی طور پر سیرت مصطفوی ﷺ سے جڑی ہوئی ہے. تاریخ اسلامی کے مختلف سنگ میل انہیں آثار مبارکہ کی شکل میں آج بھی ہر زائر طیبہ کے دلوں میں ان سوانح طیبہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جسے عرف عام میں سیرۃ مطہرہ رسول مقبول ﷺ کہا جاتا ہے.

اسی پس منظر میں میرے دل میں عرصہ دراز سے یہ آرزو جنم لیتی رہی کہ اس رشک جناں شہر حبیب ﷺ کی تاریخ مدون کی جائے جس سے عامۃ المسلمین اور بالخصوص ایسے قاری مستفید ہو سکیں جو اپنے دلوں میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب و بیقرار رہتے ہیں. میں جب بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو وقت نکال کر اسی تگ و دو میں لگا رہتا تھا کہ جو مواد بھی تاریخ مدینہ طیبہ پر مل سکے اسے جمع کیا جائے اور یوں برسوں کی جستجو سے کافی مواد (جن میں کتب کے علاوہ رسائل اور ویڈیو اور آڈیو کیسیٹس بھی شامل ہیں) جمع ہو جانے کے بعد اس قابل ہو گیا کہ انہیں یکجاء کر کے کتابی شکل دی جائے مگر جب بھی لکھنے بیٹھتا تو محسوس ہوتا کہ مجھ میں تو اتنی استعداد ہی نہیں کہ میں اس کار عظیم کا تھوڑا سا بھی حق ادا کر سکوں. وقت اسی مائیگی اور کم مائیگی کے مشکل مرحلے سے گزرتا رہا. آخر بیتابی تمنا نے حوصلہ بڑھایا اور ایک دن میں نے کوئے حبیب میں گنبد خضراء کے سائے میں لرزتے ہاتھوں کے ساتھ قلم اٹھایا اور رب ذوالجلال کے ہاں دعا گو ہوا کہ بارالہا! میری خامیوں پر نہ جا اور مجھے یہ سعادت بخش دے کہ میں کوئے حبیب ﷺ پر کچھ لکھ سکوں. میں اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کاوشوں کے نتیجے میں لکھی جانے والی یہ کتاب کسی بھی معیار سے تاریخ مدینہ نہیں؛ ہاں اس کام میں حتی المقدور خلوص شامل ہونے کی وجہ سے میں اسے صرف 'جستجوئے مدینہ' کا نام دے سکا ہوں اور قارئین کرام سے درخواست گزار ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو جستجوئے شہر مصطفیٰ ﷺ کی ایک ادنیٰ سی کاوش سمجھیں اور اسے تاریخ مدینہ طیبہ پر محمول نہ کریں.

پچھلے تیس اکتیس سالوں میں میرے دیکھتے دیکھتے ارض طیبہ میں بے شمار تبدیلیاں رونماء ہوئیں. عمرانی ترقی نے تو اس کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے. یوں لگتا ہے کہ شہر نبوی پورے کا پورا از سر نو بسایا گیا ہے. جس میں عصر حاضر کی ٹیکنالوجی سے مسلح طرز تعمیر نے تاریخی مدینہ طیبہ کے قدیم عمرانی دور کو یکسر تبدیل کر دیا ہے. سوچتا ہوں کہ یہ تو صرف ایک چوتھائی صدی میں ہوا ہے مگر اس سے پہلے تاریخ مدینہ طیبہ پر کتنے ہی

اور ایسے ادوار آتے رہے ہوں گے کہ جب نئے انداز فکر اور نئی تعمیرات نے اپنے سے پہلی عمرانی روایات کی جگہ لے لی ہوگی تاریخ مدینہ طیبہ کا ہر قاری اس بات سے واقف ہے کہ تاریخ کے دھارے میں شہر نبوی پر اچھے اور برے وقت بھی آئے، اس کے افق پر سیاسی نشیب و فراز بھی آئے، اس نے خلفائے راشدین سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی دیکھا جب اس شہر نبوی ﷺ کی عمرانی ترقی پر بھرپور توجہ دی گئی اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ یزیدی دور میں اسی شہر نبوی ﷺ پر لشکر کشی کر کے نہ صرف اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی بلکہ اس کے راستوں پر جا بجا کٹے ہوئے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کے سر لٹکتے نظر آتے تھے۔ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی حرمت و تقدس تک کو پامال کر دیا گیا لیکن بایں ہمہ اگر اس کے ماضی کا ہمہ گیر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوائے چند معاندانہ واقعات کے عام طور پر ہر نئے حاکم نے مدینۃ النبی ﷺ کو سنوارنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلاطین اسلام اور اُن بادشاہوں نے جن کی مملکتیں شرق سے غرب تک پھیلی ہوتی تھیں اپنے آپ کو "خادم الحرمین الشریفین" کہلوانے پر فخر کیا اور ان میں سے ہر ایک نے خدمت مدینۃ النبی ﷺ میں اپنے پیشروؤں پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی" سے لیکر عثمانی دور تک کتنے ایسے سلاطین آئے جنہوں نے شہنشاہ کہلوانے پر اپنے آپ کو "خادم الحرمین الشریفین" کہلوانے کو ترجیح دی۔ (۱) سعودی دور میں بھی یہ رسم وفاء شاہ فہد بن عبدالعزیز نے "خادم الحرمین الشریفین" کا خطاب اپنا کر نبھائی ہے۔ موجودہ دور میں تو صحیح معنوں میں مدینہ طیبہ کی کایا پلٹ گئی ہے اور قدیم عمرانی ہیئت کو یکسر بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ کسی بھی زائر کو اگر پچھلی دو دہائیوں کے بعد مدینہ طیبہ کی دوبارہ حاضری نصیب ہوئی ہو تو وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ آخر اس شہر نبوی شریف کو کیا ہو گیا ہے۔ صرف چند مربع میل میں پھیلا ہوا قدیم مدینہ طیبہ اب کہاں سے ڈھونڈا جائے اب تو اس کا رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر تک پھیل چکا ہے۔ قدیم زمانے سے موجود تنگ بل کھاتی گلیوں کی جگہ نئے اور وسیع سڑکوں کے جال بچھ گئے ہیں، قدیم مہمان خانوں اور کارواں سراؤں کی جگہ کثیر المنزلی فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے۔ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کے محلے اور بازار یکسر ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ بلند و بالا پلازے سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں۔ قدیم تنگ سڑکیں جہاں گھنٹوں ٹریفک رکی رہا کرتی تھی اب دور رویہ وسیع سڑکیں، پل، سرنگیں اور فلائی اوور بن چکے ہیں جہاں شب و روز گاڑیوں کے قافلے اپنی پوری رفتار سے رواں دواں نظر آتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں اور بقالوں کی جگہ عظیم الشان تجارتی مرکزوں نے لے لی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں ماضی میں صرف چند ہزار حجاج کرام اور زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا کرتے تھے اب جدید مواصلات کی سہولیات میسر ہو جانے سے ان کی تعداد رمضان المبارک اور حج کے مواسم میں بیس سے تیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

عصر حاضر کا مدینہ منورہ

ماضی اور حال کا سب سے بڑا محیر العقول تغیر تو خود مسجد نبوی شریف میں رونما ہوا ہے جہاں دو دہائیاں پہلے صرف چند ہزار نفوس بیک وقت نماز ادا کر سکتے تھے مگر اب ایک اجتماع میں پانچ لاکھ سے زیادہ فرزندانِ توحید اس کے سائبان رحمت تلے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ فصیل شہر کے اندر موجود قدیم شہر نبوی ﷺ پورے کا پورا مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد کھلے علاقوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس مرکز تجلیات کے گرد

---

(۱) یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب سلطان یاوز سلیم خان نے مصر کو ۹۲۳ ہجری (۱۵۱۷ء) میں فتح کیا تو انہوں نے اپنے ایک خوشامدی مصاحب کو یہ کہہ کر چپ کروا دیا جس نے سلطان کے لیے یہ خطاب تجویز کیا تھا کہ مسجدوں میں خطبوں کے دوران انہیں "سلطان الحرمین" کے لقب سے پکارا جانا چاہیے: "میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ مجھے حرمین الشریفین کا ایک ادنیٰ غلام کہا جائے لہذا مجھے آئندہ صرف خادم الحرمین کہا جائے" سی رسم وفاء کو نبھاتے ہوئے شاہ فہد بن عبدالعزیز نے "جلالۃ الملک" کے شاہانہ لقب کی جگہ اپنے سر پر "خادم الحرمین الشریفین" کے لقب کا پروقار تاج سجا کر عالم اسلام میں اپنے وقار کو چار چاند لگائے ہیں۔

واقع کھلے علاقے اور شہری خدمات کے مواقع (Civic Services) اتنی کثرت سے تعمیر کر دیے گئے ہیں کہ آئندہ کئی دہائیوں تک بڑھتے ہوئے مگر رجاج کی ضروریات پورا کریں گے۔ چھوٹے شفاخانوں اور ڈسپنسریوں کی جگہ جدید آلات سے مزین بڑے بڑے ہسپتالوں نے لے لی ہے۔ گلی و بازار یک مدرسوں کی جگہ جنہیں صرف چند مخیر حضرات چندوں کی مدد سے چلایا کرتے تھے اب حکومت کے زیر انصرام چلنے والے کئی و بصری آلات سے مرصع وسیع و عریض سکول اور کالج معرض وجود میں آ چکے ہیں۔ ماضی کے چھوٹے چھوٹے بستانوں کی جگہ خوبصورت پارکوں نے لے لی ہے۔ ایک طائرانہ نظر میں زائر کو شہر نبوی اور حاضر میں بسایا گیا ایک نیا شہر لگتا ہے۔ آج بھی اہل مدینہ طیبہ جنہوں نے چالیس سال سے زیادہ اس شہر حبیب میں گزارے ہیں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ پرانا مدینہ طیبہ تو اب صرف ایک خواب لگتا ہے۔

اس تمام عمرانی ترقی نے بہت سے تبرکات اور آثار نبوی ﷺ کے تاریخی آثار مبارکہ کو ہڑپ کر لیا ہے جو صدیوں سے تاریخ اسلام کے دیوانوں اور عشاق کی پیاس بجھاتے چلے آ رہے تھے ان آثار مبارکہ کا وجود فیوض و برکات کے اس مسلسل کی ایک کڑی تھی جو کہ ہمارے حال کو ماضی سے منسلک کرتا تھا اور جس کی وجہ سے آج کا کم عمل مسلمان اپنے ماضی پر اتراتا نہیں تھکتا تھا۔ موجودہ کایا پلٹ ترقی کی کوکھ سے جنم لینے والے بلند و بالا پلازوں سے تاریخ اسلام تو مٹ نہیں سکی مگر اس کے آثار زیر خاک مدفون ہو کر رہ گئے ہیں جس سے یہ شہر مقدس اپنی روایتی تاریخیت کے ایک بہت ہی پرشکوہ اور روایتی عنصر سے محروم ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں ماضی میں زائر اپنی عظمت رفتہ کے سنگ ہائے میل اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیا کرتا تھا وہاں آج اس قدیم تاریخ کے چوکھٹے میں عصر حاضر کے مدینہ کی تصویر آویزاں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ تحریف کے پل باندھتا ہے مگر اگلے ہی لمحے آثار نبویہ شریف کے اتنی تعداد میں فقدان پر کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ حجاز کا عاشق زار اور تاریخ اسلام کی عظمت و سطوت کے گن گانے والا اقبال اگر آج کا مدینہ طیبہ دیکھتا تو یقیناً یہ شعر کبھی نہ لکھ پاتا:

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر　　کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

عشاق طیبہ آج بھی انہی گزرگاہوں سے گزرنا چاہتے ہیں جہاں جہاں محسن انسانیت سرکار دو عالم نے قدم رنجہ فرمائے تھے۔ مگر جب ان گلیوں کے نشانات ہی معدوم کر دیے جائیں اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو سر پیٹنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے۔ جہاں کبھی مقدس قبرستان ہوا کرتے تھے وہاں محلے کے بچے فٹ بال کھیلتے نظر آتے ہیں جہاں چند سال بیشتر تک متبرک تاریخی مساجد تھیں وہاں گاڑیاں پارک ہوتی ہیں۔ کسی بھی تہذیب یا شہر کے آثار قدیمہ اس کی عظمت و سطوت کو دلوں میں اجاگر کرنے میں جو کردار ادا کرتے ہیں وہ عصر جدید کے فلک بوس پلازے اور سکائی سکریپرز کبھی نہیں کر سکتے و اگر اشارہ کرتے بھی ہیں تو صرف اس کے روشن مستقبل اور مادی بقاء کی طرف جو ماضی سے یکسر کٹا ہوا نظر آتا ہے۔ لوگ سات عجائبات عالم کے ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر ان عظیم تہذیبوں کے گن گاتے ہیں جنہوں نے انہیں بنایا تھا اور جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے مگر انہیں محض ان تہذیبوں کی یادگار کی خاطر زندہ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو انسان کی اجتماعی عظمت رفتہ کا امین گردانا جاتا ہے۔ مگر وائے افسوس کہ مدینہ طیبہ کے سلسلے میں یہ زریں اصول نظر انداز کر دیا گیا اور طیرمہ، فصیل مدینہ طیبہ اور چھٹی صدی کے ماردینی رباط جیسے تاریخی شاہکار عمرانی ترقی کی بھینٹ چڑھا دیے گئے ہیں۔ ترقی زدہ فلک بوس عمارتیں کسی شہر کا مستقبل تو بن سکتی ہیں مگر ماضی اور تاریخ نہیں کہلا سکتیں۔ محبان شہر حبیب ﷺ کے لیے تو مدینہ طیبہ ایک ''ٹائم کیپسول'' سے کم نہیں جس کے روزن تاریخ سے جھانک کر انہیں اسلام کی سطوت رفتہ کے نقش پا تر و تازہ اور نو بہ نو نظر آتے ہیں۔ اسی کے افق سے وہ اپنے روشن مستقبل کا سورج طلوع ہوتے دیکھتے ہیں شائد یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حجرہ ہائے مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد نبوی شریف میں شامل کر دیا جن کی سادگی پر قیصر و کسریٰ کے پرشکوہ محلات رشک کرتے تھے اور جن پر تقدس و حرمت کا ہر انداز سو سو جاں سے نثار تھا تو وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت حیات تھے زار و قطار رو رہے تھے کہ اے کاش ان کاشانہ ہائے اقدس کو یونہی رہنے دیا جاتا تاکہ پتہ چلتا کہ شاہ

ان چند سطور کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مدینہ طیبہ کو اس کی قدیم حالت میں رہنے دیا جاتا اور اس کی عمرانیات و معمر حاضر سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا یا یہ کہ اسے عصر حاضر کی سہولتوں سے بہرہ ور ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا اس کو خوبصورت رکھنے کا حکم تو خود تاجدار مدینہ سرکار دو عالم ﷺ نے دیا ہے اور عالی شان محلات تو بعض اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی تعمیر کر لیے تھے ایسے میں دور جدید میں اہل مدینہ طیبہ کا عمرانی ترقی سے لیے تحقیق تو دوسروں سے زیادہ بنتا ہے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کا بے پناہ تعمیر نو کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس خلاء سے ہے جس کی وجہ سے آج کا زائر اس عظیم شہر بے کراں میں راہ گم کردہ مسافر کی طرح رہ جاتا ہے جو منزل کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے مگر وہاں تاریخی آثار مبارکہ کی نہ کوئی منزل رہ چکی ہوتی ہے اور نہ ہی اس منزل کا سراغ اس پر مستزاد یہ کہ کوئی اس کو راہ دکھانے والا بھی نہیں ملتا یہی مشکل مدینہ طیبہ میں ہر اس زائر کو پیش آتی ہے جو آج کے مدینہ طیبہ میں اپنی میراث گم گشتہ کے نشانہائے میل ڈھونڈنے کی سعی حاصل کرتا ہے اور اسے یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ ان کو دیکھنا تو ایک طرف ان کے متعلق سوچنا بھی شرک ہے ان تمام تر مشکلات کے باوجود ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے ان موجود اور معدوم دونوں قسم کے آثار مبارکہ شریفہ کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جا سکیں جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ کے آسمان کے درخشاں ستارے ہیں اس تگ و دو میں ایک اور مشکل کا احساس بھی ہوا کہ لکھا ہوا مواد تو بکثرت مل جاتا ہے مگر قدیم تصاویر ناپید ہیں بایں ہمہ جہاں بھی ممکن ہو سکا ہم نے ان مقامات کی قدیم و جدید تصاویر سے ان کی تاریخی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے ساتھ ہی ساتھ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ جہاں مدینہ طیبہ کے منور و تاباں ماضی کو اجاگر کریں وہاں ساتھ ہی اس کی عظمت حالیہ کی نقاب کشائی بھی کی جائے۔

بنیادی ماخذات کے طور پر ہم نے شیخ بطحاء تاجدار مدینہ قرار قلب و سینہ آقائے دو جہاں ﷺ کی احادیث مبارکہ کو اولیت دی ہے، پھر مغازی اور سوانح رسول مقبول ﷺ کی طرف رجوع کیا ہے اور پھر اس کے بعد تاریخ خلافت راشدہ اور پھر مدینہ طیبہ کی اولیں مدون شدہ تاریخوں اور پھر اس کے بعد مشاہیر مورخین کے شہ پاروں کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں نے ابن شبہ، ابن نجار، فیروز آبادی مطری، عباسی، برزنجی، محدث دہلویؒ اور سب سے زیادہ امام المورخین امام سمہودی رحم اللہ علیہم اجمعین کی وفاء الوفاء کے شاہکاروں سے بھرپور خوشہ چینی کی ہے

جن کی انتھک مساعی جمیلہ سے دین اسلام کا نور ایک منظم تحریک کی شکل میں دور دور تک ہر اس علاقے میں پہنچ گیا جو کہ ریاست اسلامیہ کے تسلط میں آچکا تھا۔ ریاست اسلامیہ اس وقت کی دنیا کے ۶۰٪ حصہ پر محیط ہو چکی تھی۔ سب سے پہلا مغازی اور سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر تحریری کام اسی دور میں ہوا اس مرحلے پر سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک

طیبہ کی سماجی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ بھی از خود جاگر ہوتی گئی اس کے بعد اگلی نسل نے عرق ریزی کر کے واقعات کی ممکنہ جانچ پڑتال کر کے ان کو مزید وسیع بنیادوں پر مدون کرنا شروع کر دیا جو کہ بعد میں آنے والے مورخین کے لیے اصول ماخذ بن گئے۔ ان تمام ابتدائی کاوشوں کو ہم صرف

آنے والے وقتوں میں لکھی گئی سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سوانح اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اساس اور بنیاد ٹھہریں۔ انہیں ابتدائی کاوشوں نے آنے والی صدی میں تابعین اور تبع تابعین کرام کے افکار کو مہمیز دی

کے تمیذ ابن زبالہ سرفہرست تھے۔

پہلی دو یا تین صدیوں کے مورخین کی اکثر کتب تو اب ناپید ہیں لیکن چونکہ ان کی کتب سے بعد میں آنے والے مورخین نے جی بھر کے خوشہ چینی کی ہے ان کی عبارات کافی حد تک ان کی کتب میں محفوظ ہو گئی تھیں خوش قسمتی سے چونکہ ان متاخرین مورخین کی کتب وقت کی دستبرد سے بچ گئی ہیں اس لیے ان پہلی دو صدیوں کے مصنفین کی عبارتیں ضائع ہونے سے بچ گئیں قارئین کرام کے استفادے کے لیے ہم تاریخ مدینہ طیبہ کے بیانات کے متعلق یہ معلومات ذیل میں ترتیب وار پیش کرنا چاہیں گے۔

(۱) عبد العزیز بن عمران الزہری المدنی (ت ۱۹۷ ہجری): انہیں عام طور پر ابن ابی ثابت الاعرج کہا جاتا ہے انہیں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے ان کی مدون کردہ تاریخ تو بہت عرصہ پہلے ضائع ہو چکی ہے مگر بعد میں آنے والے مورخین نے (بالخصوص ابن شبہ وغیرہ) ان سے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں

(۲) محمد بن الحسن بن زبالہ المخزومی المدنی المشہور بہ ابن زبالہ: یہ حضرت امام مالک بن انسؒ کے تمیذ تھے اگرچہ روایت حدیث میں محدثین کے نزدیک ان کا مقام نہیں ہے مگر تاریخ مدینہ طیبہ کے نقطہ نظر سے ان کی روایات کو ثقہ سمجھا جاتا ہے ان کی تاریخ مدینہ [illegible] جو کہ انہوں نے ۱۹۹ ہجری میں مدون کی تھی جو ضائع ہو چکی ہے جس میں انہوں نے ان تمام آثار مبارکہ کو بالتفصیل بیان کیا تھا جو کہ ان کے دور تک محفوظ و مشہور تھے لیکن چونکہ ابن شبہ، ابن نجار اور سمہودیؒ نے ان کی روایات کو من و عن نقل کیا ہے اس لیے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کی روایات کافی حد تک محفوظ ہیں ان کی تاریخ مدینہ امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہی تھی مگر جب ۸۸۶ ہجری میں مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آ گئی تو ان کی دیگر کتب کے علاوہ یہ نمونہ تاریخ مدینہ طیبہ بھی آگ کی نذر ہو گئی تھی

(۳) محمد بن عمر واقدی (۱۳۰ - ۲۰۷ ہجری) [illegible] واقدی نے کتاب
[illegible] بیان سے متعلق انہوں نے
[illegible] کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا تھا۔ اس
کتاب کا واحد نسخہ بھی ۸۸۶ ہجری میں نذر آتش ہو گیا تھا۔

ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی (ت ۲۱۵ ہجری) [illegible] نے "حرۃ الواقم" پر ایک رسالہ تحریر کیا تھا اسی طرح ان کی ایک اور کتاب "اخبار المدینہ والجبال" بھی تھی۔

(۵) ابو بکر زبیر بن بکار (زبیر بن ابی بکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیرؓ متوفی ۲۵۶ ہجری) نے بھی تاریخ مدینہ طیبہ موسوم بہ "اخبار المدینہ" لکھی تھی جس میں ان زبانی تاریخ سے روایات منقول تھیں وہ اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے سیر چشمہ میں تصور ہوتے تھے ان کا انتقال ۲۵۶ ہجری میں ہوا جب کہ وہ مکۃ المکرمہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ انہوں نے ایک مستقل کتاب وادی العقیق پر بھی تحریر کی تھی جس کا عنوان تھا "عقیق واخبارہ" اس کے علاوہ ان کی اور کتاب "فضائل المدینہ" کے نام سے تھی ایک اور کتاب "اخبار الاسواق والخزرج" بھی تھی ان کے ایک اور معاصر یحییٰ بن حسن الحسینی مدنی (۲۰۲-۲۷۷ ہجری) نے بھی شہر حبیب پر ایک کتاب لکھی تھی مگر بدقسمتی سے یہ کتاب بھی ہم تک نہیں پہنچ پائی تاہم ان کتب کے مخطوطے عام طور پر ان کے زیر استعمال رہے تھے مگر چونکہ ان کا تمام اثاثہ (قلمی نسخے) جل گیا تھا ان کے ساتھ یہ نادر کتب بھی ضائع ہو گئیں۔

(۶) ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری (۱۷۱-۲۶۲ ہجری)، المشہور بہ ابن شبہ مدینہ طیبہ کے یہ پہلے خوش قسمت مورخ ہیں جن کی کتاب وقت کی چیرہ دستیوں سے بچتی بچاتی ہم تک پہنچی ہے اس کتاب کا اصل نام بھی "اخبار المدینہ" ہی رکھا گیا تھا اس نادر و نایاب کتاب کے قلمی نسخہ کا معتد بہ حصہ محفوظ رہا ہے مدینہ طیبہ کی شیخ مظہر نقشبندی (ربط مظہر علی جان جانا نقشبندی) کی کتب خانہ کے نایاب خانوں سے نکل کر یہ کتاب چند صاحب ذوق علماء کی عرق ریزی سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور منصۂ شہود پر نمودار ہوئی ہے "تاریخ مدینہ منورہ" کے نام سے طبع کیا گیا ہے اور یہ چار جلدوں میں دستیاب ہے اس کے باوجود چند صفحات مفقود ہیں اور آخری حصہ بھی ناپید ہے مگر جہاں تک تاریخ مدینہ طیبہ کا تعلق ہے تو وہ حصہ کافی حد تک محفوظ ہے اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک روایت حدیث مبارکہ کا علم سائنسی بنیادوں پر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا اور یوں وہ احادیث مبارکہ جن کو اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے وہ مروجہ طریقہ روایت کے عین مطابق ہیں جیسا کہ دیگر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔

(۷) **محمد بن حسن الشیبانی (ت: ۱۸۹ ہجری)**: ان کی تصنیف "کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ" محمد حسن گیلانی نے ۱۹۶۵ء میں حیدر آباد ،ہند، سے شائع کی تھی۔

(۸) **عبداللہ بن ابی سعد الوراق (۱۹۷-۲۸۴ ہجری)** وہ زبیر بن البکار اور ابن شبہ کے تلمیذ تھے انہوں نے بھی ایک کتاب بعنوان: "کتاب المدینہ واخبارہا" کے نام سے لکھی تھی

نے ان کی روایات سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔

(۱۲) حافظ محمد بن محمود (۵۶۸۔۶۴۱ ہجری)، المشہور "ابن نجار البغدادی" [illegible] مدینہ منورہ پر کافی مواد شامل تھا۔

(۱۳) محمد احمد المطری (۶۷۶۔۷۴۱ ہجری)، المشہور جمال المطری: "کتاب التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ" ان کی تصنیف ہے۔

(۱۴) ابی الیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر الدمشقی المکی (۶۱۴۔۶۷۶ ہجری): ان کی تصنیف "تحاف [illegible] مدینہ منورہ پر کافی مواد شامل تھا۔

(۱۵) عبداللہ بن محمد بن فرحون (۶۹۳۔۷۷۹ ہجری): ان کا شمار مدینہ طیبہ کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا [illegible] بہت دیر تک قاضی بھی رہے تھے مدینہ طیبہ کے علماء اور فضلاء کے متعلق لکھنے کے علاوہ انہوں نے اپنے وقت کے مجاورین کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات کا تذکرہ بھی بہت تفصیل سے کیا ہے ان کی کتاب "نصیحت المشاورۃ والتعزیات المجاورۃ" کے نام سے مشہور تھی

(۱۶) تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی (ت:۷۵۶ ہجری): ان کی کتاب "تنزیل السکینۃ علی تناویل المدینۃ" میں تاریخ مدینہ طیبہ پر کافی مواد موجود ہے تاہم ان کی تحریر میں تاریخیت کی بجائے جذباتیت اور فقہیت کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۱۷) محمد بن عبدالملک القرشی الہکری المرجانی (ت:۷۸۱ ہجری): ان کی تاریخ مدینہ بعنوان "بہجۃ النفوس والاسرار فی تاریخ دار ہجرۃ المختار" بہت مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ مکتبۃ الحرم النبوی شریف میں محفوظ ہے۔

محمد بن احمد بن قشیری (وفات ۹۹۰ ہجری) مصنف نے اپنی حرمتہ پر یک مختصر نوٹ تحریر کی تھی جس کا عنوان "[illegible]
[illegible]

زین الدین عمر بن [illegible] ہجری) مرتب نے ہے، مشہور [illegible]

[illegible]

تصنیف [illegible] تحریر کی جس میں سے ایک جلد صرف مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات پر مشتمل تھی جس کا عنوان "[illegible]

[illegible]

کتب لکھ چکے ہے

- محمد بن [illegible] تحریر [illegible]
  کے تاریخی مقامات پر تین جلدیں تحریر کی تھیں
- محمد بن محمد بن [illegible] تحریر [illegible]
  [illegible]
- محمد بن عبد الرحمن [illegible] تحریر [illegible]
  [illegible]
  اور ان کی تحریروں پر تنقیدانہ رائے زنی کی تھی
- [illegible]

[illegible]

الوفاء" کے نام سے تحریر کی تھی یہ [illegible]

[illegible]

۔ ابن حجر مکی ہیتمی (ت ۹۷۳ ہجری)۔ ان کی کتاب "الجواہر المنظم فی زیارۃ القبر المکرم" آداب زیارت رسول مقبول اور قبر اطہر پر حاضری کے سلسلے میں ایک بہت ہی معیاری کتاب سمجھی جاتی ہے

۔ شیخ عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محدث دہلویؒ (ت: ۱۰۵۲ ہجری): نے "جذب القلوب الی دیار المحبوب" فارسی [illegible] میں تحریر کی تھی یہ کتاب ہندوستان میں اردو زبان میں اس نے بہت سے ترجمہ چھپ چکے ہیں [illegible] ۵۵۹۰ [illegible] میں مدینہ منورہ میں مکمل شائع کیا تھا اور ۱۰۰۱ ہجری میں دہلی میں مکمل یہ کتاب [illegible] مدینہ منورہ جانے کے بعد وہاں آباد ہو کر علمی اور فقہی حیثیت پر عالمانہ رائے زنی کی ہے مدینہ منورہ کے لیے ایک گراں قدر تحفے سے کم نہیں۔

۔ شیخ حمد بن عبد الحمید عباسی (ت: ۱۰۳۵ ہجری)۔ انہوں نے "عمدۃ [illegible] مدینہ منورہ [illegible] زیارت [illegible] کتاب گیارھویں صدی ہجری تک کی معلومات فراہم کرتی ہے۔

۔ سید محمد بہجت حسینی المدنی (ت ۱۰۷۰ ہجری)۔ مدینہ طیبہ کے فضائل و محاسن مفصل بیان کرنے کے [illegible] مصنف نے [illegible] متعلقہ تاریخی مقامات پر اپنی کتاب بعنوان "الجوہر الثمین فی محاسن مدینۃ المرسلین" میں اپنے دور میں [illegible]

۔ سید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی (ت. ۱۳۰۷ ہجری) مشہور برزنجی خاندان کے چشم و چراغ تھے [illegible] مدینہ [illegible] شریف کے علاوہ تاریخ مدینہ طیبہ کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۔ علی بن موسیٰ گنیدی عثمانی حکومت میں مدینہ طیبہ میں تعینات [illegible] مدینہ طیبہ میں [illegible] متعلق [illegible] مدینہ طیبہ [illegible] ۳۰۳ ہجری / ۱۹۵۱ [illegible] مدینہ طیبہ کی تاریخ پر جامع تبصرہ ہے۔ یہ رسالہ سعودی تاریخ دان احمد [illegible]

۔ یوسف پاشا صابری [illegible] تاریخ حرمین اپنے [illegible] تھی جس میں حرمین الشریفین کی باتصویر تاریخ مدون کی [illegible] ۱۳۰۶ ہجری میں "مرآۃ الحرمین" کے نام سے زیور [illegible] ترکی زبان میں ہونے کی وجہ سے [illegible] اس سے استفادہ کرنے سے محروم رہے ہیں

معاملے میں ماضی پرستی سے کام لیتی ہے اور شہر نئی [illegible] پرانی [illegible]
تھیں۔ عہدِ حاضر کے [illegible] میں [illegible]

[illegible] اور ابراہیم المدنی العیرتی [illegible] مدینہ طیبہ [illegible]
[illegible] مدینہ طیبہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[

قبل از اسلام
تاریخ کے آئینے میں

میں جن میں سے ایک زبان عربی تھی (۴) عربی بولنے والوں میں سے بعد
بھی ہے لیکن زیادہ معتبر شجرہ نسب یہ ہے کہ
گزری تھیں اور اگر حوالہ دیا ہے کہ
علیہ السلام کی عمروں کا دورانیہ خاصہ طویل ہوا کرتا تھا جس
اس وقت کا تعین کرنا کہ یثرب کب آباد ہوئی بے سود ہے ہاں
بن قانیہ ان کی اولاد نے اس مقام پر آکر آباد ہونا جو بعد میں
عبیل (یعنی عبیل بن عوص بن ارم) بنی عاد کے معاصر تھے جن میں حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے اور جنہیں طوفان نوح علیہ السلام کے
بعد پہلے نبی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔(۵)

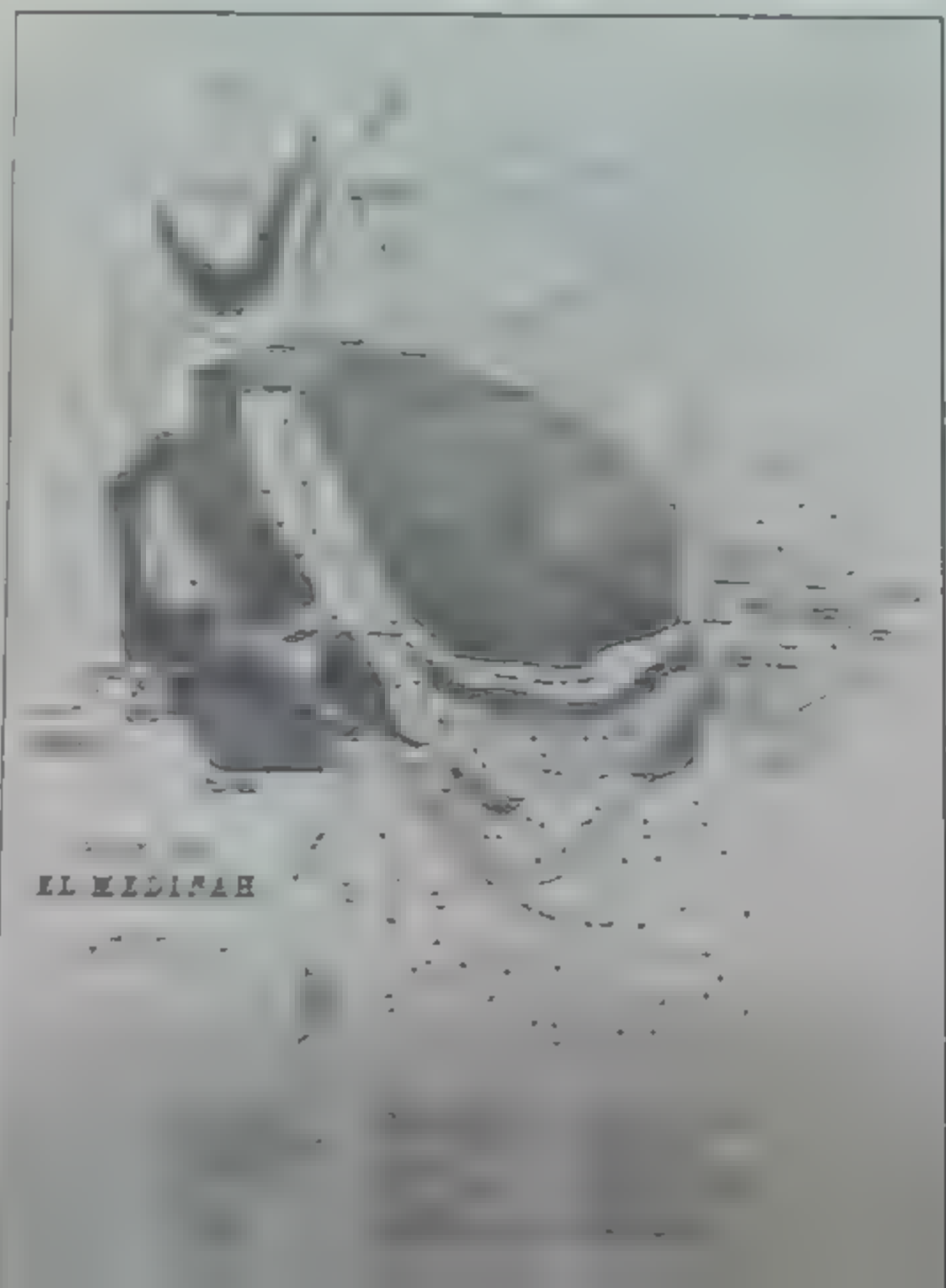

جیسا کہ اوپر دیے گئے شجرہ نسب سے واضح ہے
'یثرب' بنو عبیل میں سے تھے اور اسی لئے بعض مقامات پر
انہیں یثرب بن عبیل بھی کہا گیا ہے۔ یہ بستی چونکہ انہوں
نے اور ان کی اولاد نے آباد کی تھی اس لیے انہی کے نام
سے شہرت پا گئی۔ یثرب کا سلسلہ نسب چوتھی نسل میں
عبیل سے اور ساتویں نسل میں سام بن نوح علیہ السلام
سے جا ملتا ہے۔ عرب اپنے انساب پر بہت فخر کرتے ہیں
اور اسی لیے وہ سامی النسل کہلاتے ہیں (۶) یہ بات
دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ بطلیموس نے ایک ایسی نسل کا
ذکر کیا ہے جسے 'عویلی' کہا جاتا تھا اور اسی طرح دوسرے
قدیم یونانی مورخ پلینوس نے 'عبیلیوں' کا ذکر کیا ہے جو
جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں آباد تھے اور عین ممکن ہے
کہ وہ 'عویلی' یا 'عبیلی' انہی یثرب کے اجداد میں سے (۷)

یثرب اور قدیم تہذیبیں

[illegible] کے بنائے ہوئے نقشوں [illegible]

[illegible] سے لیکر [illegible]

[illegible] میں [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے

جزیرہ نما کا شاخ لردہ
مدینہ طیبہ کا قدیم نقشہ
نے کسی مصور نے
تیار کیا تھا۔ (۱۹۵۲ء)

کے اوقات سفر میں موسمی حالات کا بہت

ں میں موسم معتدل رہتا تھا لہذا سردیوں میں
کے قوافل بلاد الشام کا رخ کرتے تھے۔ چونکہ دونوں
تھے جن کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ القریش میں

قافلوں کا سلسلہ سال بھر چلتا رہتا تھا۔ عام طور پر ایک ہی قافلہ بلاد الشام سے روانہ ہوتا اور مختلف مقامات پر رکتا،
تجارتی میلے لگاتا اور خریدو فروخت کرتا ہوا یہ قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوتا تھا۔ بلاد الشام سے جب یہ قافلہ روانہ ہوتا تو پہلا پڑاؤ
وادی القریٰ میں کرتا تھا جہاں ایک ماہ تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔ (موجودہ خیبر) روانہ ہو جاتا اور پھر وہاں سے وہ کارواں آہستہ آہستہ
جنوب کی طرف گامزن رہتا اور راستہ میں وہ بستیوں سے گزرتا اور مختلف قبیلوں اور قریوں میں رکتا ہوا یہ کارواں عدن پہنچتا جہاں اس کے
لدے ہوئے مال کی سب سے بڑی منڈی لگا کرتی تھی اور پھر وہاں سے عطریات، زرد مصالحے، ریشمی پارچے اور دیگر سامان تجارت لیکر وہ کارواں
مکہ مکرمہ کا رخ کر لیتا اور سفر کا پروگرام عموماً اس طرح بنایا جاتا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوتے تو یہ قوافل مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں خیمہ زن
ہو چکے ہوتے تھے۔ مکہ کا تجارتی میلہ نسبتاً طویل دورانیے کا ہوتا تھا وہاں قدیم اور مشرکانہ روایات کے مطابق وہ لوگ حج کرتے اور پھر ساتھ ہی
عکاظ (جو مکہ مکرمہ سے تھوڑے فاصلے پر آج بھی بہت مشہور مقام ہے) میں بہت بڑے تجارتی میلے میں شرکت کرتے تھے جہاں تجارت کے
ساتھ ساتھ پہلے سے ترتیب دیئے گئے اور اعلان کردہ بہت سے تفریحی اور معاشرتی پروگرام بھی منعقد ہوتے تھے دیگر باتوں کے علاوہ وہاں
ادبی محفلیں سجتیں اور شعری مقابلے ہوتے جن میں دور دراز سے آئے ہوئے شعراء اپنے اپنے قصائد اور رجزیں پیش کرنے کے لیے صلائے
عام دیا جاتا تھا اور جو شاعر عکاظ کے مشاعرے سے نہ لوٹ سکتا اسے شعراء کے حلقوں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یثرب و بطحاء کے نامی
گرامی شعراء جو بعد میں فجر اسلام کے درخشندہ ستارے بنے (مثلاً حضرت حسان ابن ثابتؓ وغیرہ) انہی بین العرب مشاعروں میں اپنا لوہا
منوا چکے تھے۔ بعد میں جب عکاظ کا میلہ اپنے اختتام کو پہنچتا تو کاروانوں کے جم غفیر کا اگلا پڑاؤ یثرب ہوتا اور یوں یثرب کے گرد و نواح کے
تمام نخلستانوں میں خیمے گاڑ دیئے جاتے جو وہاں ایک میلے کا سا سماں پیش کرتے تھے۔ جتنا عرصہ بھی وہ قوافل وہاں رکتے نہ صرف تجارتی
کارروائیاں اپنے عروج پر ہوتیں بلکہ اور بھی بہت سے معاشرتی اور تفریحی پروگرام منعقد ہوا کرتے تھے جس سے یثرب کے باسی جی بھر کے
مستفید ہوتے ادبی محفلوں کے علاوہ وہاں نہ صرف پہلوانوں کے دنگل منعقد ہوتے بلکہ گھڑ دوڑ کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ

کرتے ہیں جو کہ یثرب اور اس کے گرد و نواح میں قوم عاد نے کھودے تھے۔

"قرآن مدینہ ہی ہے جس پر وہ [illegible] قوم عاد سے [illegible]

جس سے اس نظریے کو مزید تقویت ملتی ہے۔

[illegible] میں [illegible] سے [illegible] (Millenium) [illegible] آ چکے تھے جن کے [illegible] گیا ہے (۳)) اور [illegible] میں [illegible] اس پورے شمالی عرب کے علاقے پر [illegible] اور [illegible] میدانوں اور [illegible] پہنچ چکا تھا (۱۵) چونکہ یثرب شمالی حجاز میں آباد ان تمام تہذیبوں کے جنوب کی طرف سے یک [illegible] بھی نبطی ثروفنون سے نہ بچ ہو

نبطی تہذیب کے [illegible] میں رومیوں نے [illegible] کلوتے قدیم تمدنی ورثے سے جس سے عرب قوم بہت زیادہ مستفید ہوئی ہے ان کا ایجاد کردہ رسم الخط ہے جو عربی رسم الخط کا پیشرو سمجھا جاتا ہے وہ اگرچہ عبرانی (آرامائی) زبان استعمال کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے اپنا ایک الگ رسم الخط بھی ایجاد کر لیا تھا جسے بعض عرب محققین نے خط [illegible] کا نام دیا ہے جس کی [illegible] سے بعد میں کوفی، ثلث اور النسخ کے رسوم الخط نے جنم لیا (۱۶) اس سلسلے میں سب سے قدیم کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ جبل درونکہ [illegible] مرقومہ تیس [illegible]

بیسویں صدی کے آغاز میں مدینہ منورہ کی ایک نادر تصویر

لکھی نبطی رسم الخط میں ہے جسے نقش نگاروں کا نام دیا گیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قدیم عربی رسم الخط کا پیش رو ہے (۱۷)

ڈاکٹر مصری موصوف کی تحقیق کے مطابق [پہلے فیمے (Minaeum) قبل از مسیح تک ان عربوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے سمندر (بحر احمر) تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اس کے کنارے آباد ہونا شروع ہو گئے تھے جیسے کہ جدہ قدیم تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک تھے خاصے گاؤں اور قریے معرض وجود میں آ چکے تھے مشہور ادومتو (بائبل میں اسے ادومتو کے نام سے پکارا گیا ہے مگر اس کا اصلی نام ادومۃ یعنی ادومۃ الجندل تھا جو مصر حاضر کے الجوف کے پہلو میں آباد تھا) اور یثرب (یعنی یثرب) وغیرہ جبکہ ایسے بہت سارے اور بھی ہونگے جن پر آثار قدیمہ کے نقطہ نظر سے ابھی تک کام نہیں ہو سکا] (۸)

جب گمنامی اور نیم تاریخیت کے دھندلکے چھٹنے لگے اور قدیم مورخین نے لوح عصر پر اپنے دور کے مشہور سوانح اور واقعات کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ شہر مقدس جس کو آج ہم مدینۃ المنورہ کے نام سے جانتے ہیں وہ زمانہ قبل از تاریخ میں 'یثرب' (Yathribu) کے نام سے جانا جاتا تھا. سکندریہ کے مشہور ریاضی دان اور منجم کلاڈی بطلیموس نے اسے 'لاتھریپو' Lathrippo اور 'ایاتھریپو' lathr ppo کے نام سے تحریر کیا ہے. (۱۹) جب بطلیموس نے اپنے دور میں آباد دنیا کی جغرافیائی شکل ترتیب دی تو اس نے خوشحال عربستان Arabia Felix (یعنی موجودہ یمن) اور صحرائی عربستان Arab a Deserta (موجودہ حجاز اور نجد) کے تقریباً ایک سو چودہ [۱۱۴] قصبوں کا ذکر کیا دیگر قصبوں کے علاوہ اس نے 'رتھریپا' کا محل وقوع ساحلی قصبے 'ینبیاع' Ianbia (یعنی موجودہ ینبع) کے قریب، مگر ساحل سمندر سے ہٹ کر اندرونی علاقہ میں بیان کیا ہے (۲۰) جو حقیقت پر مبنی ہے. کچھ دیگر یونانی مورخین نے بھی اس کا ذکر 'لاتھریپا' کے نام سے کیا ہے. تجارتی قوافل جب عرب کے شرق و دق صحرا سے گزر کر نخلستان یثرب میں کچھ عرصہ ٹھہر کر گزرتے تو اس کی سوغاتیں اپنے ساتھ ضرور لے جاتے یہی وجہ ہے کہ یہ نام 'خوشحال عربستان' (Arab a Felix) یعنی یمن اور حضرموت کے سرسبز علاقے اور 'پیٹریائی عربستان' (Arabia Petra) یعنی نبطی علاقوں (موجودہ اردن اور بلاد الشام) (۲۱) میں اچھی طرح جانا جاتا تھا. یمن سے دریافت ہونے والے قدیم ترین کتبوں نے تو اس نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے جن میں اسے 'یثرب' (YTHRB) لکھا گیا ہے. (۲۲)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۱۹۵۶ء میں ترکی میں 'بیہان' کے مقام پر کھدائی کے دوران ایک کتبہ دریافت ہوا تھا جس کے مندرجات

سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابلی شہنشاہ بخت نصر نے شمالی عرب (یعنی حجاز) کا رخ کیا تو اس نے تیماء کے مقام
بابل نے فرمانے پر مجبور کر دیا تھا (۲۳) وہ تقریباً دس سال تک وہیں رہا اور اس دوران اس نے تیماء میں ایک قصبہ
جات کی یہ بھی ان کی مذہبی اور قدیم سے ہوتا ہوا وہ یثرب بھی آیا تھا یثرب سے متعلق یہ
inscription) پر کندہ ملتا ہے وہ یہی بابلی کتبہ ہے۔(۲۴)

غزوہ احد کے موقع پر جب کفار مکہ کی یلغار سے اہل یثرب مدینہ کو بڑی نازک صورت حال کا سامنا تھا تو ان کے
کی دعوت میں شکست کا مرکزی سبب تھا تو انہوں نے یہ بہانے سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس وقت قرآن حکیم نے ان کے اس رویہ کو
منافقت قرار دیا اور جب ان کے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب تمہاری اب کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے واپس چلے جاؤ اور یہ گروہ نے
مدد کے رسول سے یہ کہہ کر اجازت طلب کی کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے ان کا مقصد جنگ سے فرار کے سوا
کچھ نہیں تھا] (۲۵) یہ آیت کریمہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یثرب کا لفظ غزوہ احد تک (یعنی ۳ ھ تک) استعمال ہوتا رہا تھا گو یہ نام
یہود و منافقین تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا لیکن چار دیگر مقامات پر قرآن حکیم نے اس بلدہ طاہرہ کو المدینہ کہہ کر پکارا ہے جس سے ظاہر ہے
کہ رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل دیا تھا اور وہی مسلمانوں میں رواج پا گیا۔

عمالقہ یثرب میں آباد ہوتے ہیں

جیسا کہ اس باب کے شروع ہی میں بیان کیا گیا ہے، قدیم ترین روایات کے مطابق اس قصبے کو بنو عبیل کے ایک فرد یثرب نے آباد
کیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے اولاد میں سے تھے (۲۶) زمانہ قدیم میں یہی رواج تھا کہ جو کوئی بھی کسی قصبے یا گاؤں کو آباد کرتا یا اسے
فتح کرتا تو وہ قصبہ اسی کے نام ہی سے جانا جاتا مثلاً سکندریہ سکندر اعظم کے نام سے منسوب ہو گیا اور قسطنطنیہ شاہ قسطنطین کی وجہ سے جانا
جانے لگا اسی طرح یثرب نے اپنے بانی کے نام سے شہرت پائی مشہور اسلامی مورخ بلاذری (جو دوسری صدی ہجری کے اواخر میں پیدا
ہوئے) کا خیال ہے کہ بعد میں بنو جرہم کے قبیلے نے بھی وہاں آبادی اختیار کر لی تھی مگر وہ دیرپا ثابت نہ ہوئی اور بنو عمالقہ نے ان کو وہاں سے

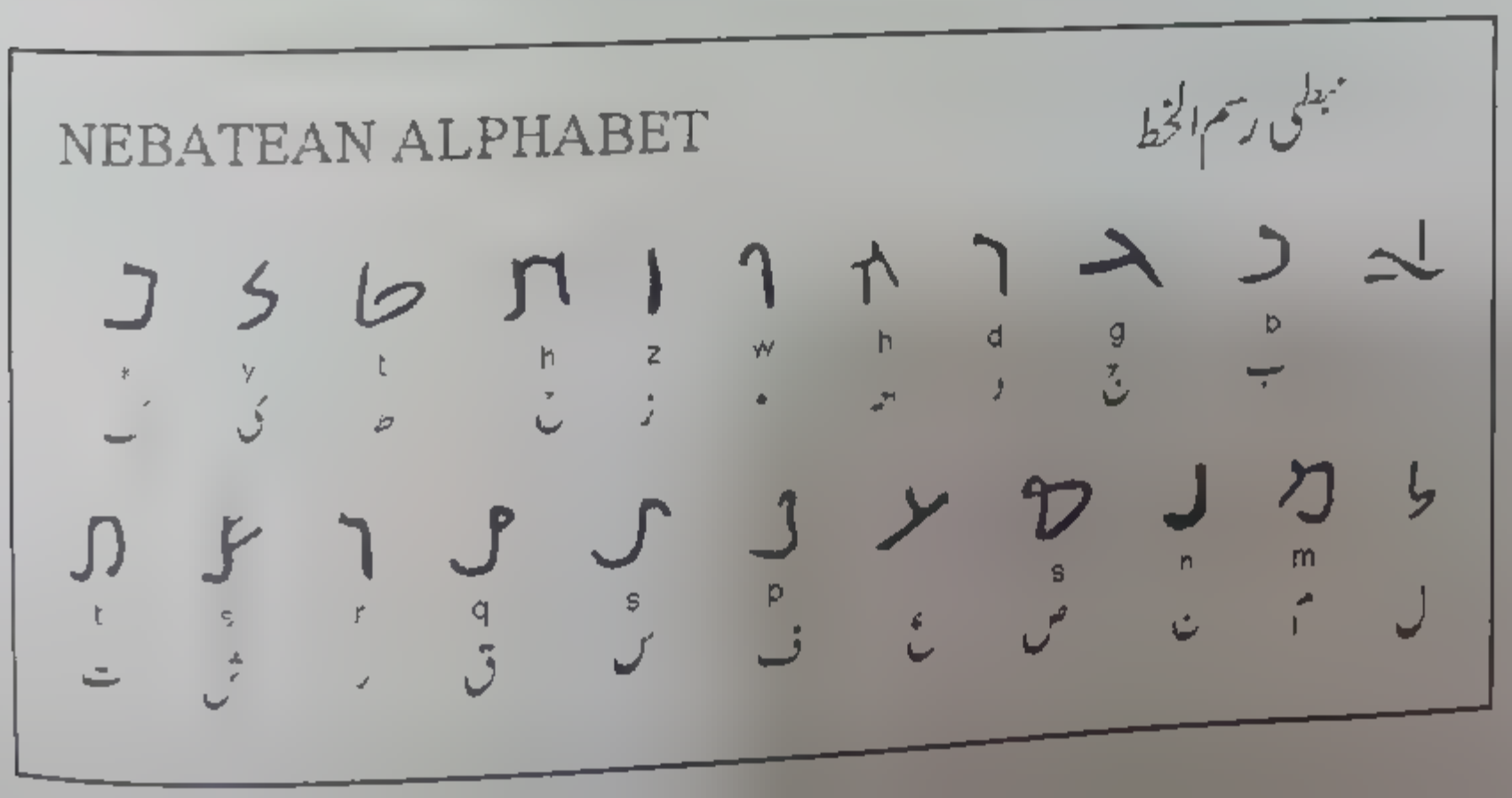

نبطی رسم الخط
جس کی کوکھ سے
عربی رسم الخط نے جنم لیا

...ہوئے (۲۷) ہم سوائے ان کے نام کے تاریخ ہمیں تفصیلی معلومات فراہم نہیں کرتی کہ وہ کیسے اور ... آباد ہوئے ... بنو جرہم مکہ کی طرف سے آئے تھے اور پسپا ہو کر وہیں تک محدود ... یہ ... امت عمالقہ (Ama'elites) کافی عرصہ ارض یثرب پر قابض رہے (۲۹)

عہد نامہ عتیق (Old Testament) کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام کے ... (Esau) تھا جس سے ... عمالق (Ama'ek) تھا (۲۹) انجیل ... ہوئے ... ہوئے ... ہوئے

ق م) اگاگ (Agag) کو بچا کر حکم عدولی کا مرتکب ہوا تھا اس لیے اسے بھی اپنی سلطنت سے ہاتھ
سے اور اس کے ساتھیوں کو بیرِ دشتم سے نکال دیا گیا اور وہ لوگ یونہی بھٹکتے رہے پادری چارلس فاسٹر کے خیال میں
عمالقہ تیتی کے تمام تر واقعات میں سے عمالقہ کے اعدام کے علاوہ زیادہ ہی اہم اور کوئی واقع نہیں ہے جسے موسیٰ
(علیہ السلام) اور یشوع کے پس ماندگان نے انجام دیا ہو (۴۰) اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے
وارثوں نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا اور یوں وہ قوم ۱۲۲۰ قبل مسیح میں صفحۂ ہستی سے معدوم و ناپید ہو گئی یثرب میں وہ قوم
عمالقہ بنو عبید اور العیصون کے علاقوں میں آباد تھی (۴۱) انکے حاکموں میں سے ایک بادشاہ کا نام الارقم بن ابی الارقم
تھا وہ اپنے جور و ستم کی وجہ سے بہت بدنام تھا شمالی حجاز کا علاقہ تیماء اس کا پایہ تخت ہوا کرتا تھا جہاں تک یثرب کا
تعلق ہے وہاں کی آبادی زیادہ تر عمالقہ میں سے لاف بن عملیق کی اولاد پر مشتمل تھی (۴۲)

یہود بے بہبود یثرب میں پناہ لیتے ہیں

جب بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں ہیکل سلیمانی کو تاخت و تاراج کر کے یہود کو فلسطین سے نکال باہر کیا تو وہ ان کی اکثریت کو پابہ زنجیر
کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا تھوڑے بہت جو بچ سکے انہوں نے جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کی اور خود کے ق و دق صحراء کو عبور کر کے
شمالی حجاز کے مرغزاروں میں پناہ تلاش کی اس طرح یہ لوگ تیماء، خیبر، فدک اور یثرب کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے (۴۳) مستشرق غریڈ
گیوم کے مطابق:

''سمریا کی تباہی پر یہودی خطہ عرب میں ۷۲۱ ق م کے لگ بھگ آباد ہو گئے تھے اس کی رائے میں سقوط سمریا پر قوم
یہود مصر میں اسوان کے اردگرد ایک آزاد فوجی بستی کی صورت میں جا بسے تھے اور یہ بات ناممکنات میں سے نہیں کہ ان

میں سے کچھ بھگوڑے محفوظ پناہ گاہوں کی تلاش میں خطہ عرب میں آ بسے ہوں کیونکہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں

[illegible] ایک دوسرا امکان جو بعض مورخین نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ [illegible] قبل اور پھر بعد میں ۱۳۲ء

[illegible] تھے جس طرح کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے (۴۵) دوسرا بڑا قبیلہ بنی [illegible] ان میں سے تھا یہی وجہ تھی کہ یہودی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند سمجھا جاتا تھا اور وہ کاہنین اور [illegible] کا قبیلہ تھا

حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک مرفوع روایت کے مطابق بعض مورخین مدینہ کا خیال ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال یثرب میں ہوا اور ان کو ان کے بڑے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبل احد کی ایک چوٹی پر دفن کر دیا تھا (۴۶) یہودی روایات سے اس بات کی تصدیق ہمارے لیے ممکن نہ تھی لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جبل احد کی شمال مغربی چوٹی پر ایک قبر قرون اولیٰ سے موجود رہی ہے جس کے کھنڈرات آج بھی قبہ ہارون علیہ اسلام کے نام سے جانے جاتے ہیں ماضی میں یہ نیم منہدم غیر مسقف چار دیواری ہوا کرتی تھی (۴۷) مگر اب سعودی حکومت نے وہاں خوبصورت گول عمارت تعمیر کر دی ہے جس میں قدیم طرز کے بہت سے کمرے ہیں جبکہ ان میں سے کسی میں بھی قبر کا نشان موجود نہیں مجدالدین فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۲۳ ہجری) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر جبل احد پر ہے۔ (۴۸) لیکن اس مرفوع روایت پر جس سے اکثر محدثین نے صرف نظر کرنا مناسب سمجھا ہے ثقہ و اتقان کریں زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا خاص طور پر جب کہ تاریخی شواہد اس کے برعکس گواہی دے رہے ہوں جن کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر مبارک صحرائے سینائی میں واقع ہے طبری اور ابن کثیر نے تو بالصراحت بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ اسلام کا انتقال صحرائے سینائی میں تیہ کے مقام پر ہوا تھا (۴۹) یہ مقام موجودہ اردن میں وادی موسیٰ میں پیٹرا (البطرا) کے علاقے میں ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے توریت میں جبل ہور کہا گیا ہے مگر اب وہ جبل ہارون کہلاتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یثرب میں آباد بہت سے شعوب و قبائل کا سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جڑا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حی بن الاخطب جن کو فتح خیبر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا وہ بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ (۵۰)

یثرب آنے پر یہود کی اکثریت ان علاقوں پر اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہوگئی جو زرخیز تھے اور ذرائع آبپاشی سے مالا مال تھے یثرب کثیر الوادی خطہ مشہور ہے اور اس کی وادیاں بارانی موسموں میں پانی سے بھر جاتی تھیں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیاں ندی نالوں کی صورت میں بہتی ہوئی سب سے بڑی وادی 'وادی العقیق' میں آ کر گرتیں اور یوں اعوالی کے آخر میں ان کا سنگم ہوتا جو تقریباً سارا سال پانی سے بھرا رہتا۔ (۵۱) یہود جو اکثر زراعت پیشہ لوگ تھے اسی کے قرب و جوار میں بسنا شروع ہوئے تھے۔ بنی نضیر اور اس کے تمام فروعی شعوب وادی مذینب کے کنارے آباد ہو گئے جبکہ بنو قریضہ اور اس کی تمام شاخیں وادی مہزور کے کنارے کنارے آباد ہوئیں۔ (۵۲) پانی اور ذرائع

لندن ٹائمز، ۱۸۹۰ء - ۱۹۰۰ء

خلدون نے اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالی ہے ہجرت طیبہ پر تمام یہود نے بیک آواز ہو کر میثاق مدینہ پر اس لیے رضامندی سے دستخط دیے تھے کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ ان کے نبی موعود جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہیں وہ حضور سرور دو عالم ﷺ ہی ہیں یہ تو یہاں سے آگے کی بات ہے پیش میں لے رہے ہے جس کی وجہ صرف اور صرف نسلی تعصب تھا (۵۵) سربرآوردہ یہود میں سے بعض تو یہاں سے آگے کی بات ہے پیش میں لے رہے ہے جس کی وجہ صرف اور صرف نسلی تعصب تھا (۵۵) سربرآوردہ یہود میں سے بعض [illegible] سے پہلے مقامی یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے مشہور علماء تھے جن کا آنے والے نامزد [illegible] مقدس صحائف صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور چاروں خلفائے راشدین بھی ان کی [illegible] سے دیکھتے تھے (۵۶) مشہور مستشرق ڈی لیسی اولیری (De Lacy O'Leary) لکھتا ہے "بنی اسرائیل سے بہت سے شعوب و قبائل [illegible] میں بنی حکومت مختلف رہی تھی جہاں تک عربی قبائل کی بات ہے تو ان میں سے [illegible] تھے قحطان شعوب و قبائل کے اس مجموعے کا نام ہے جس کا مورد و مصدر اسلامی تواریخ میں [illegible] تمام مقامی باشندوں کو قحطانی نسل بتایا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق قحطان انجیل باب پیدائش ۱۰-۵۲ [illegible] نے کہا ہے کہ انہیں نے یقطان کو سبا کا والد بتایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قحطان ایک ایسا مجموعہ شعوب و قبائل ہے جس کا [illegible] بعض مورخین نے دوسری صدی میں 'قطابنی' کہہ کر کیا ہے اور ممکن ہے اس کا تعلق قصبہ قحطان سے بھی ہو جو زبید اور [illegible] درمیان واقع تھا (۵۷) بلاذری کے مطابق پہلا قحطانی جس نے یثرب میں سکونت اختیار کی وہ عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرء القیس ابن عامر بن زید بن غوث بن نبط بن ملک بن زید بن کہلان بن سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا (۵۸)

ڈی لیسی اولیری کے الفاظ میں:

> [یثرب میں مقیم یہودی شعوب تین بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے جو سب کے سب عربی نام سے جانے جاتے تھے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ موخر الذکر دو قبائل کا تعلق کاہنین یعنی علماء سے تھا جو اپنے آپ کو بیت ہارون (علیہ السلام) سے بتاتے تھے۔] (۵۹)

اس نظریے کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ بنو قینقاع اپنے آبائی پیشہ یعنی آہنی ہتھیار اور آلات بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص قوت عطا کی تھی جس سے لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ڈھل جاتا تھا اور انہوں نے آہنی ڈھالوں کے بنانے کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

عربوں کا یثرب میں آباد ہونا اور یہود سے بہبود کے ساتھ صراع اور رسہ کشی

جہاں تک عرب آبادکاروں کا تعلق ہے ہمیں بنو قحطان کے دو جڑواں قبائل اوس و خزرج کے نام ملتے ہیں جو دونوں قحطانی النسب تھے مدینہ طیبہ کے بعض مورخین کا خیال ہے کہ اوس و خزرج سے بہت پہلے ہی وہاں چھ دیگر خانہ بدوش عرب قبائل کا گزر ہو چکا تھا جنہوں نے جبل سبع کے دامن میں آباد ہو کر کھیتی باڑی کی بنیاد رکھی تھی۔ ایسے مورخین حضرات ان قبائل کی موجودگی سے استدلال کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بنو [illegible] سے ملقبہ سے جتاتے تھے مثلاً بنو انیف اور بنو مرید وغیرہ۔ (۶۰) ان میں سے بہت سوں نے زراعت اور تجارت سے بہت سرمایہ [illegible] تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے 'اطم' (حصن، محل، یا قلعہ) بنا کر رہا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ کے موقع پر کم و بیش بیس قبائل یہود کے تھے جبکہ عرب شعوب و قبائل کی تعداد لگ بھگ ستر کے تھی (۶۱) یہودی قبائل میں بنو قینقاع (۶۲) بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو سعیدہ، بنو حشم، بنو مہہم، بنو زاعور، بنو ثعلبہ، بنو جفنہ، اور بنو شلیبہ شامل تھے جن میں سے بنو نضیر اپنے نسب کے لحاظ سے سب سے برتر سمجھے جاتے تھے۔ (۶۳) اس کے علاوہ چونکہ یہود اپنے دین کی تبلیغ عربوں میں بھی کرتے تھے اس لیے انہوں نے بنو اوس اور بنو خزرج سے چند افراد کو بھی یہودی بنا لیا تھا (۶۴) [illegible] عربوں کے ساتھ

فرماتے ہیں کہ وہ عورت جس کا شوہر یہودی ہو اور وہ مسلمان ہو اور اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنے یہودی نانا کی مذہب سے متاثر ہو کر یہودیت کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے اور اس کی قیمت پر بھی اپنے ان بچوں کو چھوڑ کر نہیں جاتیں کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ان میں بھی خیر ہے انہیں بھی ہدایت مل جائے گی سے جدا ہو چکی ہے۔)(۶۵)

یہود تب رہی تھے اور ان کی تجارت کا رہی اور یہاں وہ دولت کمانے کے لئے آئے تھے ان کی معاشی برتری کی وجہ سے عرب آبادکاروں پر بیٹھی تھی مشہور یہودی [illegible] کے الفاظ میں

> اگر پہلے کاروباریوں کا نام لیا جائے جو فوراً ذہن میں آتا ہے تو وہ یہودی ہیں ان کی اکثریت نے اس وقت کی نبی اکرم ﷺ کے دور میں صرف ایک عروسی لباس خرید کر ماہانہ [illegible] اور [illegible] کی رقم بھی جاتی تھیں ان کے اس افلاس کو یہودی [illegible] نے [illegible] (۶۶)

اراضی کے بڑے بڑے قطعات خصوصاً کھجوروں کے باغات [illegible] یہودیوں اور تجارتی مراکز یہود کے قبضہ

شکست کا ذکر یہودیوں کی کتاب تالمود میں بھی ہے۔

سے ہ ں

ہ ں

ں

ہ

وقت ں ز

ش ں

ے ہ ں

ے ہ ں

ے ہ

یہودیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قبیلہ بڑا جنگجو تھا اور اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ یہ قبیلہ
دوسرے قبائل کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقتور تھا

دی ہوں جو سارے جہان کا رب ہے (۸۰) دونوں کی قربت

(۸۲) ... نے بھی سبائی قوم کی معیم جوئی کی عادت کا ذکر کیا ہے جب انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وہ

... شوق طبع ان کے لیے بلائے جان بن گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستوجب

سے بے گھر ہو گئے اور گرد و نواح میں پناہ گاہیں ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے (۸۴)

... بنی خزرج نے اپنے لیے یثرب کے نخلستانوں کو چن لیا یہ نقل

میں رخت سفر باندھتے اور سامان

جس کی بدولت نہ صرف تجارتی قوافل کی آمدورفت آسان

چڑھایا تھا (۸۹)

یثرب میں سب سے پہلا یمنی آبادکار ثعلبہ العنقاء بن عمرو بن عامر تھا جو قحطانی تھا۔ اس کی اولاد سے دو قبیلوں کے

میں یثرب کے شب و روز بیت گئے ان قبیلوں کا نام اوس اور خزرج تھا۔ (۹۰) اوس کا معنی 'تحفہ' ہے زمانہ جاہلیت میں ان دونوں منات

خدا سے منات کا تحفہ مانگا جاتا تھا اور جب وہ سلامت لے آئے تو ان کو اوس اللہ (اللہ کا تحفہ) کہا جانے لگا۔ (۹۱) باقی تمام قبائل مشترکہ

ان دونوں قبیلوں کی شاخیں تھیں جب وہ یثرب میں آباد ہوئے تو انہوں نے محنت شاقہ کے بعد

یثرب کی وادیوں کے کنارے واقع اراضی سونا اگلنے لگ گئی۔ انہوں نے اپنے بنتے مسکرتے ماضی

دوبارہ تخلیق کرنے کی۔ تھک کوشش کی اور یوں ایک ہی صدی میں وہاں ہر طرف

یہودی زیادہ تر زرخیز وادیوں کے کنارے آباد تھے۔ اس کے برعکس عربوں (خاص طور پر اوس قبائل) نے

(جو یثرب کے نام سے مشہور ہے) میں رہنا پسند کیا تھا خزرج زیادہ تر ان علاقوں میں آباد ہوئے جو جبل سلع اور جنت البقیع کے

درمیان واقع تھے جس کے قریب بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی مسجد و مسکن کی بنیاد رکھی۔ (۹۲)

ہجرت کے بعد جب اوس و خزرج حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو تقریباً ہر قبیلے نے اپنے اپنے علاقے میں چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنائیں

تھیں جن میں سے چند آج بھی موجود ہیں جو انہی قبائل کے نام سے مشہور رہیں۔ اس طرح آج بھی چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان

مختلف قبائل کے گاؤں یا آبادیوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مسجد بنو معاویہ (موجودہ نام مسجد الایجابہ) بنو معاویہ قبیلہ کی آبادی میں واقع

تھی (۹۳) مسجد بنو ظفر جس کے کھنڈرات آج بھی جنت البقیع کے مشرقی جانب شارع ستین کے اس پار ایک احاطے میں موجود ہیں ہمیں

اس قبیلے کی یاد دلاتی ہے جو اس وقت وہاں آباد تھا۔ اسی طرح بنو عبدالاشہل کا قبیلہ موجودہ جنت البقیع کے شمال مشرقی کونے سے شروع ہوتا تھا

بنو زریق مسجد نبوی کے جنوب میں اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل مدینہ منورہ کی شرعی عدالتوں کا صدر دفتر ہے۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ کے اردگرد

خزرجی بنو ساعدہ کا گاؤں ہوا کرتا تھا جبکہ بنو عدی اور چند اور خزرجی شعوب اس جگہ پر آباد تھے جہاں آج نئی تعمیر شدہ مسجد نبوی کا باب ملک فہد

ے بنو حرام جبل سلع کے دامن میں [illegible] رہتے تھے اور [illegible] رہتے تھے جہاں اب [illegible]

[illegible] ورواج اور سماجی طور طریقے بھی لائے [illegible] فضا [illegible] تھے [illegible] تھے [illegible] تھے

[illegible] صاف کیا گیا تھا۔(۹۷)

[illegible] ہے کہ جس جگہ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی وہاں چند مشرکین کی قبور تھیں جن کی ہڈیوں [illegible]

کچھ عرب دائمی طور پر یثرب میں مقیم تھے جن کو حضارہ کہا جاتا تھا اور [illegible] اس وقت تک [illegible] تھے جن [illegible] اور پانی کا ذریعہ مل جاتا وہیں خیمہ زن ہو جایا کرتے تھے یہ [illegible] مسافر کاشتکاری بھی نہیں [illegible] ان کے برعکس حضارہ عرب قبائل ایسے تھے جنہوں نے گاؤں آباد کئے اور کاشتکاری کو فروغ دیا۔ یہود کے برعکس وہ [illegible] وقت تک [illegible] [illegible] یاد رکھتے تھے یہ اور بات ہے کہ انہیں اپنی بدویانہ روایات پر جو اکثر و بیشتر انہیں زبانی یاد ہوتی تھیں [illegible]

تعلیم کا فقدان تھا اور سیاسی شعور اپنے اپنے قبائل کے روسا کی فرماں برداری اور قبائلی روایات سے [illegible] مقیمین کا مطیع ہوتا اور ہر سطح پر اس کا حکم چلتا تھا وہی قانون سازی کرتا اور وہی منصف ہوتا اور قانون کو نافذ بھی وہی کرواتا۔ سزا اور جزا کے [illegible] ہاتھ میں ہوتی تھی اور قتل کے معاملات میں وہی دیت یا قصاص کا تعین بھی کرتا تھا عام طور پر قبیلے کا [illegible] میں اپنے دیوان خانے (سقیفہ) پر مجلس لگاتا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے معاملات نمٹاتا سقیفہ کی عمارت عموماً کچی اینٹ یا پتھر سے بنی ہوتی تھی یہ صورت میں ہوتی جس کی عموماً تین دیواریں ہوتیں اور چوتھی جانب کھلا دروازہ ہوتا انہیں سقیفوں میں پنچایتیں یا پنچایتیں منعقد ہوا کرتی تھیں ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے حریفوں کی ہجو کے جواب میں اپنی خاندانی برتری کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں

تم میرے خاندان کی عزت و وقار کی بات کرتے ہو، تمہیں شائد وہ دن یاد نہیں جب میرے آباؤ اجداد کا سکہ ہر گھر میں چلتا تھا میرے والد 'سمیحہ' کی منڈیر کے قریب (سقیفے میں بیٹھ کر) لوگوں کے مقدمے سنتے اور ان پر اپنا فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔ (سمیحہ بن کے مشہور قبیلے اور سقیفہ کا نام تھا)۔(۹۸)

سقیفہ یثربی سماجی زندگی کا طرہ امتیاز تھا۔ ان میں سے بعض سقیفے دو منزلہ ہوتے اور بعض یک منزلہ۔ سقیفہ بنی سعدہ کے متعلق روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ایک مرتبہ آں حضور ﷺ نے اس کی بالائی منزل پر نماز بھی ادا کی تھی (۹۹) اسلام کی آمد کے بعد سقیفہ کا مقام اور بلند ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ صرف قبائلی دیوان خانہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہ پبلک ہاؤس بن گیا تھا کیونکہ شعوب و قبائل ایک امت واحد میں ضم ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں سقیفہ بنی ساعدہ کی مثال دی جاتی ہے جسے اسلام کا سب سے پہلا پارلیمنٹ ہاؤس ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ بحث و مباحثہ کے بعد انصار و مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفۃ رسول اللہ چن کر ان کے ہاتھ پر اس سقیفہ میں بیعت کی تھی۔

اہل یثرب میں سے بہت کم ایسے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے جس کی وجہ سے یہودی ان کو امیین یعنی ان پڑھ کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے۔(۱۰۰) لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ بادیہ نشین اپنی روایات کو زبانی یاد رکھتے تھے ماضی بعید میں وقوع پذیر جنگ و جدل کے قصہ ہائے پارینہ شاعری کی مختلف صنفوں میں طویل مثنویوں یا قصیدوں میں ڈھال دیے جاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے ان بادیہ نشینوں کو بلا کا حافظہ دیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ شاعری ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ بنو قینقاع کے علاقے میں ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جس میں شعری مقابلے ہوا کرتے تھے اور ہر قبیلے کے شعراء اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جن میں یہود یا عرب کی تفریق نہیں تھی (۱۰۱) زمانہ قدیم سے ہی عربی شاعری کا قصیدہ اور ہجو گوئی میں کوئی ثانی نہیں تھا مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ زبان غزل گوئی میں کسی سے پیچھے تھی عشقیہ شاعری میں بھی وہ لوگ یکساں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چونکہ شروع ہی سے عربی شاعری ردیف و کافیہ کی سختی سے پابند تھی اس لیے عربی لغت کے قواعد بہت قدیم تصور کئے جاتے ہیں۔ یہ عربی شاعری ہی تھی جس نے عربی زبان کو جلا بخشی تھی۔ زبان دانی، فن تقریر اور شاعری

[(۱۰۲)

یہ تصویر اس معاہدے کی ہے جو کہ
رسول اللہ ﷺ نے جو کی رسم الخط
میں خیبر کے یہود کے ساتھ کیا تھا

کشیدہ کر دیا تھا اس طرح اوس اور خزرج جو ایک ماں کے بطن سے
کرتے تھے دو متحارب گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ یہودی چونکہ
اس لیے جب جی چاہتا جنگ کا الاؤ جلا دیتے اور خود
ایک گروہ کا ساتھ دیکر قوت کا توازن (Balance of Power) قائم کرنے
حق کے خاطر اس سلسلے میں کبھی کبھی حروف میں لکھنے کا قابل ہیں
معرکے تمام ہو چکے تھے بنو قینقاع اور ان کے حاشیہ بردار بنو خزرج سے حلیف بن چکے تھے
نضیر، بنی قریظہ اور ان کے تمام گماشتے بنو اوس کے حلیف بن چکے تھے
دونوں قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے تھے اور یہود ان دونوں کو سامان حرب،
ضرب اور بوقت ضرورت سود پر سرمایہ فراہم کیا کرتے تھے۔ جنگ کی ابتدائی چنگاریاں جو
جاہلی دور کے زمانے میں بھڑکیں یہ وہی اجیحہ تھے جن کے عقد میں سلمیٰ نجاریہ تھیں اور مطلقہ
ہونے پر انہوں نے ہاشم بن عبد مناف مکی و قریشی سے شادی کر لی تھی اور ان کے بطن سے حضرت
عبدالمطلب تولد ہوئے تھے۔ مورخین کے اندازے کے مطابق اس جنگ کی ابتدا ۶۹۲ء سے
بھڑک ہوئی تھی تقریباً ایک صدی سے دونوں قبیلوں میں دائمی سرد جنگ کا سا سماں تھا جو کبھی کبھی
جنگ کا روپ بھی دھار لیتی تھی۔ قبل از اسلام کی ایک صدی میں نہ جانے کتنے خون آشام معرکے
ہوئے اور کتنے اوس و خزرج کے مردان جری ان کی بھینٹ چڑھے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے
صرف وہ معرکے جو کسی نہ کسی ایک فریق کی ذلت آمیز پسپائی پر ختم ہوتے وہی معرکے زبان زدِ
رہتے۔ عام طور پر ایسے معرکے ان مقامات کے نام پر شہرت پاتے جہاں میدان کارزار جما ہوتا اور
پھر کئی کئی نسلوں تک فاتح قبیلے میں ان کا چرچہ رہتا اور بیاہ شادیوں یا دیگر خوشی کے موقعوں پر گویے
قصیدے گا کر اپنے ان سپوتوں کو خراج تحسین پیش کرتے جو ان معرکوں میں کام آئے ہوتے۔ ان
میں سے چند ایک معرکے جو تاریخ کے اوراق کی زینت بنے وہ یہ ہیں: یوم سمیر، یوم کعب، یوم
الربیعہ، یوم الدیک اور یوم البقیع اور یوم الربیعہ پر اوس نے خزرج کو شکست فاش دی تھی جبکہ یوم

ایک فریق عتب بن قیس اور قبیلہ بنی حارث کے سپوت یزید بن
کے درمیان بعاث کے گاؤں کے قریب ہوا جو وادی
وہ گامشتی میں بدلے مگر پھر شمشیر زنی پر منتج ہو گئے۔ دو

ہوئے اور اس طرح اس جنگ کی آگ نے پورے یثرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ جنگ
ہوئی تھی اس لیے مجموعی طور پر اس جنگ کے تمام معرکوں کو جنگ بعاث کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ جنگ
یہ جنگ پانچ سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہو گئی بے شمار معرکے ہوئے اور دونوں طرف کے فریقین کا
جنگ سے تنگ آ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس جنگ سے جان چھوٹے۔ اسی وقت بھی غلط فہمی کی کوئی چنگاری اس فہم و تفہیم کو جھاگ کر خاکستر کر سکتی تھی۔ (۵۱)
فریقین میں جنگ بندی تو ہو چکی تھی لیکن ابھی تک دونوں قبائل میں سے کوئی خزرجی محلوں میں جانے سے کتراتے تھے اور خزرجی بھی
نہ رہتے جس کی وجہ سے کشیدگی تھی۔ اسی دوران میں ایک دفعہ اوس کے چند افراد نے (۵۲) یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے
قدم میمنت لزوم سے قبائلی تعصب اپنی موت آپ مر گیا تھا لیکن ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ نخوت سے بھرے ہوئے کسی
چلے گئے تھے۔ دوبارہ صلح و آشتی کی فضا آپ پر نمودار ہوئے تھے۔ صحیح بخاری میں روایت کی گئی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ایک مرتبہ اس نخوت و
انتقام کی ایک چنگاری نے معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ خود رسول مقبول ﷺ کو نفس نفیس جا کر اس آگ کو بجھانا پڑا۔ حضرت سہل بن سعد
ساعدی بیان کرتے ہیں [ایک مرتبہ قباء کے دو آپس میں اتنا بھڑ پڑے کہ فریقین نے آزمانہ ایک دوسرے پر سنگباری کی جو نبی رسول اللہ
ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپ نے فرمایا: [چلو ہم فریقین میں صلح کروانے چلتے ہیں] (۵۳)

نہیں بچے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں مدینہ طیبہ عمرانی ارتقا کی منزلیں طے کرتا رہا اور آبادی میں اضافہ ہوتا رہا یہ چھوٹی چھوٹی بستیوں کی جگہ بڑے بڑے گاؤں آباد ہوتے گئے جو آگے چل کر مدینہ عظمیٰ میں ضم ہو گئے مثلاً بنو نجار کی مرجغاف کی جگہ اب [illegible] ہے اسی طرح [illegible] تھی جہاں حضرت عثمان ابن عفانؓ نے اپنی محل بھی تعمیر کروایا تھا وہ جگہ [illegible] شروع میں [illegible] کا مشہد و مزار [illegible] ہوا کرتے تھے [illegible] الرسول چنانچہ [illegible] ابن معاذؓ اسی قبیلے [illegible] دخزرج کے اور [illegible] ان آبادیوں (Townships) کو قریٰ یعنی قریے اور گاؤں کہہ کر پکارا ہے سورہ الحشر میں بنی نضیر کے اجلاء کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں اسی قسم کی آبادیوں کو قریٰ کہا گیا ہے۔(۱۱۰)

ان مختلف آبادیوں کے درمیان والی جگہیں کچھ زیادہ ہی ناہموار ہوا کرتی تھیں کبھی کبھار تو وہاں گڑھے ہوتے یا پرانے کھنڈرات یا کچھ اونچی نیچی جگہوں پر خودرو جنگلی درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں زمین کی یہ ناہمواری آتش فشانی عمل سے معرض وجود میں آئے حرہ کے سنگلاخ علاقوں کی وجہ سے تھی حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے علاقے تو خاص طور پر اسی قسم کے تھے جب کبھی بارش ہو جاتی تو پانی کے جوہڑ لگ جاتے جن سے نہ صرف مال مویشی پانی پیا کرتے بلکہ کبھی کبھار ان سے مچھلیاں بھی پکڑی جاتی تھیں جیسا کہ چند احادیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت سلمہ ابن الاکوعؓ کئی مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے حرہ غربیہ سے مچھلی شکار کر کے لائے لوح تخیل پر اگر ہم اس وقت کے یثرب کا ایک قیاسی نقشہ بنائیں تو جو خاکہ ابھرتا ہے وہ کچھ اس حدیث مبارکہ سے مختلف نہیں ہوگا جس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے قرآن کریم کی آیۃ کریمہ (سورۃ بنی اسرائیل ۔ ۸۵) کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "ایک مرتبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینے کے کھنڈرات سے گزر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ ایک سوکھی ہوئی کھجور کے ٹوٹے ہوئے تنے سے ٹیک لگا کر رک گئے اس وقت یہودیوں کا ایک ٹولہ آپ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے روح کے متعلق حضور ﷺ سے استفسار کیا کہ روح کیا ہے.... الخ (۱۱۱) ایک گاؤں سے دوسرے قبیلے کے گاؤں تک جانے کے لیے جانی پہچانی پگڈنڈیوں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا خاص طور پر جب اندھیرہ چھایا ہوتا تھا۔ حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا تھے اور انہیں فجر اور عشاء کی نماز کے لیے مسجد نبوی شریف میں آتے وقت خاصی دشواری ہوتی تھی، لہٰذا ایک دفعہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا [یا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں زہریلے حشرات اور جنگلی جانوروں کی بہتات ہے (اس لیے مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں کیونکہ میں نابینا ہوں)....الخ (۱۱۲)

ان قریوں کی گلیاں زیادہ تر ان لوگوں کے نام سے جانی جاتی تھیں جو وہاں آباد ہوتے جیسا کہ حضرت انس ابن مالکؓ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے [چشم تخیل سے گویا کہ میں ابھی دیکھ رہا ہوں مجھے 'بنو غنم' کی گلی میں دھول اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے کیونکہ جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی فوج کے ہمراہ وہاں سے گزرے تھے جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوہ بنو قریضہ پر روانہ ہو رہے تھے.....] (۱۱۳) ایسی اور بہت سی احادیث ہیں جو ہیں تو کسی اور سیاق میں مگر ضمناً یثرب کی عمرانی صورت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں [ان قریوں اور گاؤں کے علاوہ جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے یثرب میں بہت سے باغات اور بستان ہوا کرتے تھے جو مختلف قبائل کی آبادیوں میں انہی لوگوں کی ملکیت ہوا کرتے تھے ایسے بساتین یثرب کے اطراف واکناف میں پھیلے

رباط بھوپال اور یتیم خانہ کی دائیں جانب واقع تھا اور آج کل باب مک فہد کی طرف سے مسجد شریف سے ملا

واقع تھے قرآن کریم نے بھی جب منافقین کے قول یا حصہ کا ذکر کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یثرب سے تمام مدینہ یہودی اور رومی بھی جب یثرب کہتے تو اس سے ان کی مراد پورا شہر ہوتا جو مختلف قریوں کا مجموعہ تھا عربی عام بول چال کی زبان تھی یہودی اپنی زبان یعنی عبرانی Hebrew اور رومی Aramaic بھی استعمال کرتے تھے مگر یثرب کے تمام قریوں سے باہمی مشترکہ زبان (Lingua Franca) عربی تھی اور یہودی بھی نہ صرف اس کو بولتے تھے بلکہ اسی میں شاعری بھی کرتے تھے اور بہت سے محققین کی رائے میں قدیم عربی شاعری کا معتدبہ حصہ یہودی شعراء سے بھی منسوب ہے یہودیوں میں سب سے مشہور شاعر کعب بن اشرف تھا جو بنو نضیر کا رئیس تھا (۱۱۹) اور چونکہ اسے اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خدا واسطے کا بیر تھا وہ بدبخت پرلے درجے کا گستاخ رسول تھا چونکہ عربی شاعری کی دو اصناف (قصیدہ اور ہجاء) بہت مقبول تھیں یہودی شعراء اپنی شعری مہارت کو اسلام کے خلاف اپنے مذموم مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ وہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت اس بات کے پابند تھے کہ وہ ریاست مدینہ کے وفادار بن کر رہیں مگر وہ بدبخت اسلام دشمنی میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنی شاعری میں کھلم کھلا اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے باز نہ آتے تھے کفار کے پچھ شعراء بھی اس سلسلے میں ان کے ساتھ تھے مثلاً عبداللہ بن زبعریٰ اور سفیان بن حارث وغیرہ چونکہ منع کرنے کے باوجود کعب بن اشرف سنہ ۲ھ میں اکرم ﷺ کی کردار کشی سے باز نہ آیا تو نتیجے کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ (۱۲۰) اسی طرح یہودی شاعر ابو عفک (سالم قرطبیہ) بھی اپنے ہی قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئی ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ عربی ایسی زبان تھی جو تمام یثرب میں بول اور پڑھی جاتی تھی جبکہ عبرانی یہودیوں کی مذہبی تعلیم تک محدود تھی اور صرف ان کے مدراسوں (M.drashes) میں پڑھائی جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب اپنی تورات کو عبرانی میں پڑھتے اور پھر عربی میں مسلمانوں کو بیان کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب پر اتنا زیادہ تجسس نہ کرو بلکہ صرف یہ کہہ دیا کرو (ہم تو صرف اللہ پر اور جو ہم پر اور تم پر نازل ہوئے ہیں

پرایمان [illegible] ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی [illegible] نے حضرت زید ابن ثابت [illegible] حاضر ہوئے۔

اسلام کا آفتاب عالم تاب یثرب کے گھپ اندھیروں کو

مدینۃ النبی [illegible]

[illegible] ایسی جگہ جو آلودگی، [illegible] مجرم کے لئے [illegible] تھا حضرت عیسیٰ [illegible] یثرب کا خوب نقشہ کھینچا ہے [اے عرب! اسلام سے پہلے تم بدترین عقائد اور رسم و رواج سے پیروکار تھے اور تم [illegible] تھے تم [illegible] پر زہریلے سانپوں کے درمیان رہتے تھے اور آلودہ پانی پیا کرتے تھے کھانے کو تمہیں پتھر نہیں ملتا تھا [illegible] نے تمہارے [illegible] تھے اور صدر رحمی کے تمام تقاضے بھول چکے تھے تمہارے دن رات اصنام پرستی اور شرک میں گزرتے اور گناہوں نے تمہیں نامرد بنا چھوڑا تھا۔] (۱۲۴)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں [جب رسول مقبول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کرہ ارض پر اس سے زیادہ بیماریوں سے اٹا ہوا کوئی اور خطہ نہیں تھا جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بیمار پڑ گئے تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا۔] (۱۲۵) اسی طرح وادی بطحان کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ اس کا پانی بہت زیادہ آلودہ ہوا کرتا تھا۔ [جب ہم مدینہ پہنچے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تمام زمینوں سے زیادہ مضر صحت جگہ تھی اور وادی بطحان میں آلودہ، ناپاک اور رنگ دار پانی بہا کرتا تھا۔] (۱۲۶) شائد یہی وجہ تھی کہ وہاں کے قدیم باسی بھی اسے طنزیہ 'یثرب' کہہ کر پکارنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ (۱۲۷) سبحان اللہ کیا مقام تھا ان قدوم میمنت لزوم کا کہ جہاں پڑ گئے اسے جنت نظیر کر دیا۔ جہاں سراج منیر روشن ہو وہاں اندھیروں کیا کام؟

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ خاک کو دیا تو نے طلوع آفتاب

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اور بدر الدجیٰ ﷺ کے انوار لامتناہیہ یثرب کی تیرہ و تار شب دیجور کو من الظلمت الی النور اس طرح لیکر آئے کہ یثرب کے بچے بچے کی زبان پر تھا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

یعنی ارض مدینہ بدر کامل سے روشن اور منور ہو گئی ہے۔

حضرت انس ابن مالک ؓ کا ارشاد ہے کہ: [جس دن رسول مقبول ﷺ نے قباء میں قدم مبارک رکھا یثرب کے اندھیرے چھٹ گئے۔] وہی بطحان جس کا پانی سارے زمانے سے زیادہ آلودہ اور بدبودار تھا جنت کی وادی کہلائی، وہی قصبہ جو بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا اس کی تراب باعث شفاء بن گئی۔ (۱۲۸) اس کی سنگلاخ دھرتی جس کے سینے پر بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ زہریلے سانپ لوٹا کرتے تھے حرم مدنی بن کر تقدس و تکرم کی سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئی خود رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل کر 'یثرب' سے طابہ کر دیا۔ (۱۲۹) اس کے اندر اور

ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے [illegible] مجھے ایک ایسے قریہ میں ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے جو کہ شہروں پر غالب آجائے گا، وہ اسے یثرب کہتے ہیں [illegible] (۳۰)

[illegible]

[illegible] (۳۲)

[illegible] (۳۳)

[illegible] (۳۴)

[illegible] (۳۵)

[illegible] یہودیوں کی غلامی اختیار کر کے صرف اس لیے یثرب میں [illegible] زرتشت تھے، تلاش حق میں پہلے نصرانی ہوئے [illegible]

حواشی

(۱)

(۲)

(۳)

(۴) ۹۲۶ ہجری) معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۹۹۷)، ج ۴، ص ۴۹۶

(۵) عمروں ۱۰۰ سال یا آج کل کی آٹھ ہیڑھیوں کے برابر نہیں سمجھنا چاہئے

(۶) سامی اصل کہلاتے ہیں

(۷)

(۸) پھیل گئے تھے یہ چھوٹی جن کو آج فلسطین کہا جاتا ہے جس کی سرحدیں اس وقت مدین اور حجاز یعنی عرب کے صحرائے نفود تک تھیں یہ بھی ہو گیا ہے کہ نفود کا لفظ بذات خود نبیوں کی بگڑی ہوئی شکل ہے پیغمبران کی حکومت کا پایہ تخت تھا یہ سب ہوا قدیم طرح معدوم نہیں ہوئی بلکہ ان میں سے بعض حضور نبی کریم ﷺ کے دور مبارک تک زندہ تھے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؒ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکم کو پتہ چلا کہ حمص کے حاکم نے کچھ لوگوں کو جزیہ نہ ادا کرنے کی پاداش میں قید کیا ہوا تھا تو اسے منع کیا (صحیح بخاری، ج ۴، نمبر ۲۳۳۰) اس کے علاوہ چند دیگر احادیث میں بھی نبطیوں کا ذکر ملتا ہے جو یثرب میں سوق بنوقینقاع میں کاروبار کیا کرتے تھے ابن سعدؒ نے تو یثرب میں ایک بازار کا بھی ذکر کیا ہے جو بنی عامر کے علاقے میں سوق انباط کے نام سے جانا جاتا تھا (ابن سعد، طبقات الکبری دار صادر- بیروت، ج ۱، ص ۴۹۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں چالیس قبطی معمار جو نباط میں سے تھے روضہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مدینہ طیبہ لائے گئے تھے بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ چونکہ بہت سارے نبطی دائرہ اسلام میں آگے تھے وہ باقی عربوں کی طرح معرب ہو گئے اور انہوں نے بلاد الشام میں اسلامی افواج میں شامل ہو کر جہاد اور فتوحات میں بہت کردار ادا کیا تھا اردن، شام اور لبنان کے بہت سے عرب انہیں نبطیوں کی اولاد میں سے ہیں. بنوامیہ اور بنوعباس کی خلافت کے ادوار میں ان میں سے زیادہ تر کاشتکاری کرنے لگ گئے تھے اور یوں آہستہ آہستہ وہ لوگ عربی دھارے میں شامل ہو گئے تھے.

جہاں تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے 'کیدار' (عربی ان کو قیدار لکھتے ہیں) کا تعلق ہے ان کی اولاد ان علاقوں میں پھیلی پھولی جن کو آج ہم ارض حجاز کہتے ہیں اور ان سے بہت سارے قبیلوں نے جنم لیا جن میں سے ایک قبیلہ 'قریش' بھی تھا پلینوس (Pl ny) جو قدیم یونان کے مشاہیر مورخین میں سے ایک ہے ان انجیلی کیداریوں کو کیدری (Cedrei)، کیدرینی (Cedareni) اور گیدرانائے (Gedranitae) کا نام دیتا ہے. پادری (Reverend) چارلس فورسٹر اپنی کتاب 'جیوگرافی آف عربیہ' (Geograpny of Arabia) کی ج ۱، صفحات ۲۴۲-۲۴۳ میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کیداری جن کا ذکر انجیل میں آیا ہے وہ ان علاقوں میں بس گئے تھے جن کو آج کل ہم حجاز کہتے ہیں وہ عہدنامہ عتیق کی مندرجہ ذیل آیت سے، استنباط کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ '[ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہئے. انہیں چاہئے کہ وہ چٹانوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں] (Isaiah,xlii,11and12) وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انجیل میں دی گئی تفاصیل ارض حجاز میں واقع آبادیوں سے ہی ملتی ہے (ایضاً- ص ۲۴۳).

یہ کتاب پہلے ۱۸۴۴ء میں آرک بشپ آف کینٹربری کے لیے چھپی تھی اور پھر ۱۹۸۴ء میں دوبارہ طبع کی گئی ہے. (یاد رہے کہ عبرانی زبان میں 'سلع' کا ترجمہ 'چٹان' ہے. اس سے مراد جبل سلع ہے جس کے ایک درے میں ثنیات الوداع واقع ہوا کرتی تھے جہاں یثرب کے باشندوں نے دف بجا کر 'طلع البدر علینا' کا خوش آمدیدی نغمہ گایا تھا انجیل کے مترجموں نے اس پیش گوئی کو گمنڈ کرنے کے لیے 'سلع' کی جگہ عام چٹان کا لفظ لکھا ہوا ہے تاکہ انجیل پڑھنے والے اس

(۱۰) [illegible]

(۱۱) [illegible] The Life of Muhammad [illegible]

(۱۲) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (The Life of Muhammad) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی،

(۱۳) [illegible] Duma [illegible]

[illegible]

(۱۴) [illegible] Saudi Arabia and Its Place in the Wold, [illegible]

باب (The Ancient and Historic Legacies of Saudi Arabia)، مرتبہ [illegible]

[illegible] An Introduction to Saudi Arabian Antiquities & Museums [illegible]

العربیہ السعودیہ (۱۳۹۵ ہجری بمطابق ۱۹۷۵ء)، صفحات: ۹۶-۹۷.

(۱۶) ڈاکٹر محمد امان، الکتب الاسلامیہ، کنگ فہد نیشنل لائبریری، ریاض، ۱۹۹۰، صفحات: ۳-۴.

(۱۷) ڈاکٹر حسن الباشا، دراسات فی الحضارۃ الاسلامیہ، قاہرہ، ۱۹۷۵، ص ۱۶۱.

(۱۸) ڈاکٹر حسن المصری، مصدر مذکور، ص ۱۷

(۱۹) پادری چارلس فورسٹر، جیوگرافی آف عربیہ، (Geography of Arabia) ج ۱، ص ۲۶۱.

(۲۰) [illegible] D G Hogarth - The Penetration Of Arabia , Alston Rivers Ltd [illegible]

(۲۱) قدیم مورخین نے جزیرہ نمائے عرب کو جغرافیائی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا پہلا حصہ [illegible] پیٹرا (Petra) [illegible]
سعودی عرب کے کچھ شمالی حصوں پر محیط ہوا کرتا تھا جو نبطی تسلط میں تھا اور ان کا پایہ تخت پیٹرا تھا مدین صالح تک [illegible]
صحرائی عربستان (Arabia Deserta) تھا جو کہ وسطی عرب تھا جو اکثر و بیشتر صحرا ہوا کرتا تھا اور مدینہ منورہ کے شمال سے [illegible]
ہوتے ہوئے ربع الخالی تک پھیلا ہوا تھا اور تیسرے حصے کو وہ خوشحال عربستان (Arabia Felix e Happy Arabia) [illegible]
حضرموت کے علاقوں پر مشتمل تھا جو بحیرہ عرب کے سواحل پر آباد تھے.

(۲۴) فلپ کے حتی، تاریخ عرب (Philip K Hitti History of the Arabs)، دسواں ایڈیشن، سینٹ مارٹن، ص ۵۰

(۲۳) Saudi Arabia and Its Place in the Wold، مصدر مذکور، ص ۱۷.

(۲۴) آرٹیکل (Excavations in Harran's Great Mosque) از D S Rice جریدہ Illustrated London News [illegible]
۴۶۶-۴۶۹. نیز دیکھئے رپورٹ International Congress of Orientalistsn, Munchen, p. 132 et seq

(۲۵) القرآن الکریم (الاحزاب: ۱۳).

(۲۶) امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (متوفی: ۹۴۲ ہجری)، فضائل المدینۃ المنورہ، دار ابن کثیر، دمشق اور بیروت، ۱۹۹۶، ص ۳۲

(۲۷) امام ابی الحسن بلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱، ص ۲۹.

(۲۸) Numb xiii 29, Exod xvii, 1, 8, Numb xv. 25

(۲۹) Gen Xxxvi

(۳۰) البغدادی، سبائک الذہب، مصدر مذکور، صفحات ۱۴۰-۱۵. نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۵۰.

(۳۱) ایوب صابری پاشا، مرآۃ الجزیرۃ العرب، دار الریاض للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۸۳، ج ۱، ص ۳۶

کریم (المنکبوت ۱۵) کے پیش نظر اس بات کو کہ [illegible] کی تصدیق کی جائے گی جس میں ان کے متعلق [illegible] ہوں گے، یہ قوم تخلق کو دیکھ جوان [illegible] کی ملاوٹ میں [illegible] نے قوم [illegible] ہوں گے جن سے مقابلہ میں ٹڈیوں کی پھلنے والی مدیں تھے (Numb 13 32-33)

(۳۳) ابن فہیر [illegible] ۱۱۸۵ [illegible] مدینہ منورہ، مدینہ تاریخ، قسم [illegible]، مکتبہ تجاریہ، مکہ المکرمہ، ص ۲۹

(۳۴) سید [illegible] ۵ ہجری) [illegible] مصطفیٰ، دار احیاء تراث عربی، مصر ۱۹۵۵، ج ۱، ص ۶۲

(۳۵) جرجی زیدان [illegible] مکتبہ [illegible] ہجرت، ص ۴-۱۰۔

(۳۶) القرآن الکریم (المائدہ ۲۱-۲۴)

(۳۷) [illegible] ص ۱۔

(۳۸) [illegible] (1 Sam Chapters xv and xxvii)

(۳۹) (Authorized King James Version, 1 Samuel. Chapter 15 (verses 3-9)

(۴۰) پادری چارلس فورسٹر، مصدر مذکور، ج ۲، ص ۳۹۔

(۴۱) ابراہیم [illegible] المدینہ [illegible] ماضی و حاضر، ۱۰ واں ایڈیشن، مکتبہ ثقافیہ، مدینہ المنورہ، ص ۱۱

(۴۲) ایوب صابری، مصدر مذکور، ص ۳۶

(۴۳) بلاذری، مصدر مذکور، ص ۲۹

(۴۴) دکتور یاسین الغضبان، مدینہ یثرب قبل الاسلام، ص ۷۹۔

(۴۵) محمد حسن شراب، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۸۹۔

(۴۶) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳-۲۶۲ ہجری) تاریخ المدینہ، ج ۱، ص ۸۵ مدینہ طیبہ کے اکثر مورخین نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ کو بہت تحفظات کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ یہ 'مرفوع' حدیث ہے جدید مورخین (مثلاً ابراہیم العیاشی) نے تو اسے یکسر بے بنیاد قرار دیا ہے۔

(۴۷) یہ جبل احد کی جنوب مغربی چوٹی پر واقع ہے سعودی حکومت نے حال ہی میں پکی سڑک بنا کر اس قبۃ ہارون تک راستہ بہت آسان کر دیا ہے ان کا ارادہ سیاحت کو فروغ دینے کا ہے موقف ہذا نے اس جگہ کا مشاہدہ جولائی ۲۰۰۰ء میں کیا تھا، اور اس وقت گول طرز کی عمارت تعمیر کی جا رہی تھی جو چھوٹے چھوٹے بہت سے کمروں پر مشتمل تھی اور درمیان میں زینہ بنا دیا گیا تھا تاکہ اوپر جا کر گرد و پیش کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوا جا سکے قدیم آثار میں سے وہاں کچھ بھی موجود نہیں تھا نہ اس قبر کا کوئی نشان تھا جس کا ذکر مدینہ طیبہ کے بعض تذکرہ نگاروں نے کیا ہے چونکہ یہ عمارت کافی بلندی پر ہے وہاں سے مدینہ طیبہ کا تمام شہر صاف نظر آتا ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو لعقول سے بھی پرے تک منظر صاف دکھائی دیتا ہے

(۴۸) مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، طبعہ اولیٰ (۱۹۶۹) مدینہ المنورہ۔ یہ کتاب مکتبہ حرم نبوی (مدینہ منورہ) میں ۱۲۵۵۱ کیٹلاگ نمبر مورخہ ۱۵-۷-۱۴۱۵ ہجری پر درج ہے

(۴۹) ابو الفداء حافظ ابن الکثیر الدمشقی (ت ۷۷۴ ہجری)، بدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، چوتھا ایڈیشن، ج ۲، صفحات ۱۶-۱۷۔ ابن کثیر نے ان حالات پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے جن میں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا ان کا انتقال مقام تیہ پر ہوا تھا نیز دیکھئے۔ طبری، تاریخ الاسلام، ۱-۲۵۶

(۵۰) سنن ترمذی، نمبر ۳۸۹۲ اور مستدرک للحاکم ۱۴-۲۹ نیز عبد الرحمٰن بن عمرو بن عبد اللہ بن صفوان النصری الملقب بہ 'ابی زرعہ' (ت ۲۸۱ ہجری) تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص ۲۳۸۔

(۵۱) ابن نجار (ولادت ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر (۱۹۹۵)، ص ۳۷۔

(۵۲) دکتور یاسین غضبان، مصدر مذکور، ص ۸۳۔

(۵۳) انجیل میں عہد نامہ عتیق میں دیکھئے (Jed xl.x 28-33 and Ezek xxvii,21) ہیبرو بائبل Hebrew B ble نے انہیں قیدار (Qedar) لکھا ہے (Is 21 16)، سیریائی Assyrian مورخین انہیں (K dri) لکھتے تھے (Luckenbill, Vol II 820 and 869) اور پلینوس انہیں "Cederi" لکھتا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تمام بیٹوں کے ناموں کے لیے دیکھیں (Genesis 25 12-16)

(۵۴) Isaiah, xvi

(۵۵) Isaiah, 42: 1-13 نے تفصیل سے ان پیشینگوئیوں کا ذکر کیا ہے جن سے یہودی صدیوں سے آخری نبی کے انتظار میں تھے۔ یہ پیشین گوئیاں اتنی واضح ہیں کہ تشریح کی بھی ضرورت نہیں رہتی حتیٰ کہ ہجرت رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی ذکر ہے Isa ah 21 17-17 کے الفاظ نقل کرنا بے محل نہیں ہوگا (عرب کا بوجھ اے دیدانیم کے مسافرو تم عرب کے جنگل میں ٹھہرو گے تیماء کے باسی تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی لائیں گے انہوں نے ان کو

روکنے کی کوشش کی جو ہجرت کرنا چاہتے تھے، یعنی وہ سونتی ہوئی تلواروں اور چڑھے ہوئے تیروں
ہی گئی تھی)" عرب کا جنگل تو وہی تھا جس کو عبرانی Yathrbu اور آرامی Yathrepa میں سبا
قبیلہ (اسلام) (Psalms of David) کے باب نمبر ۵۵ میں
کے ہر کونے تک پہنچے گا
کے
کے
کے

(۶۹) صفی الرحمٰن مبارکپوری، مصدر مذکور، ص ۱۸۰.

(۷۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Life and Work of the Prophet (سوانح و افکار رسول) صوت السلام پبلیکیشنز، ریاض (۱۹۹۸) جلد ۱، ص ۱۳۲

(۷۱) زین الدین فی [illegible] (م ۹۸۲ ہجری) تحقیق [illegible] مطبعۃ علمیہ مدینہ منورہ، ۹۸، ص ۲۳

(۷۲) محمد طاہر [illegible] مطبعۃ مدینہ منورہ، طبع اول (۱۳۸۶ ہجری) صفحات ۳۹۰-۳۹۱ نیز ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۳۹

(۷۳) مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، مصدر مذکور، ص ۲۲۵.

(۷۴) عبد القدوس [illegible] مدینہ پوسٹ پبلیکیشن (۱۹۸۵) ص ۲۹

(۷۵) اعظم [illegible] تاریخ یثرب فی الجاہلیۃ والعہد الاسلامی، مکتبۃ [illegible]، طبع دوم، ۱۹۸۰، صفحات ۵۳-۶۰

(۷۶) ڈاکٹر اسرائیل [illegible] تاریخ یہود فی بلاد العرب قدیما و حدیثا (۱۹۲۷) صفحات ۱۶-۱۱۱ ایسے قلعے یثرب میں یہود کی تہذیب میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے قرآن [illegible] (۵۹:۱۴) میں انہیں تم نے قلعوں کا یہ کہہ کر ذکر کیا ہے یہ لوگ (یہود) سب مل کر بھی تم سے لڑ نہ سکیں گے مگر اپنی بستیوں میں قلعہ نشیں ہو کر یا دیواروں کی آڑ میں چھپ کر.

(۷۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مصدر مذکور، ص ۱۴۳.

(۷۸) یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک معاصر اور مدنی مورخ نے کہا ہے کہ یہ قلعہ اس جگہ بنایا گیا ہے جہاں پر کبھی ثنیات الوداع تھی جہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کیا گیا تھا اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ قلعہ قدیم اور قبل از اسلام کا نہیں ہو سکتا، تاہم قدیم ہونے کی وجہ سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسی طرز پر بنایا گیا ہوگا جو کہ باقی قدیم قلعوں کی ہوگی.

(۷۹) سید امیر علی، روح اسلام، The Spirit of Islam، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، ص ۵۳

(۸۰) القرآن الکریم (النمل: ۴۴)

(۸۱) القرآن الکریم (السباء: ۱۵)

(۸۲) القرآن الکریم (النمل: ۲۴)

(۸۳) القرآن الکریم (السباء: ۱۹)

(۸۴) ایضاً

(۸۵) وہبی الحریری الرفاعی (Asir, Heritage and Civilization) سعودی وزارۃ اطلاعات (۱۹۸۰) صفحات ۱۷-۱۸. [عصر حاضر میں یہ خیال بھی عام ہے کہ جنوب مغربی قبائل نے شمال کی طرف نقل مکانی کی عسیر اور اردگرد کے علاقوں سے جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں جن میں سبائی اور معینی کتبہ جات بھی شامل ہیں سے اس خیال کو خاصی تقویت ملتی ہے. اس میں کوئی شک نہیں کہ قحط سالی اور شدید موسمی صعوبتوں اور دیگر زبوں حالی نے ان لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا ہو... اس بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمال میں ۳۵۰ ق م کے لگ بھگ نبطی مملکت قائم ہو گئی.]

(۸۶) القرآن الکریم (السباء: ۱۶-۱۷)

(۸۷) القرآن الکریم (الحجر: ۷۶) قرآن کریم نے آل ایکہ کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی امت تھے اور ثمود (اہل مدائن) کا بھی جو اس خطے میں آباد تھے اور پتھروں میں کھود کر اپنے گھر بنایا کرتے تھے مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں ان کے کھنڈرات آج بھی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں

(۸۸) القرآن الکریم (القریش. ۲).

(۸۹) قرآن کریم نے بھی خاندان تبع کے بادشاہوں کا ذکر کیا ہے (سورہ دخان ۳۶ اور سورہ ق ۱۴) یہ وہ قوم تھی جو اپنے انبیاء کو جھٹلاتی تھی اور اس لیے رب العزت کے غضب اور عتاب و عقاب کا نشانہ بنی تبع ان بادشاہوں کا سرکاری لقب تھا جو حضر موت اور حمیار کے علاقوں پر حکمران تھے. ابن اسحاق کے مطابق وہ تبع جس نے یثرب پر چڑھائی کی تھی اس کا نام تبان "سعد ابو قریب" تھا جو حمیری خاندان (جو قحطانی النسل تھے) کا آخری تاجدار تھا. اس نے کعبۃ المشرفہ پر سب سے پہلی بار غلاف چڑھایا تھا (دکتور علی حسن الخربوطلی تاریخ الکعبہ، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۸، ص ۴۱) یہ وہی تبع تھا جس نے یثرب پر چڑھائی کر دی تھی تاکہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے کیونکہ وہاں بسنے والے یہودیوں نے اس کے شہزادے کو مار دیا تھا عملیات حرب کے دوران چند یہودی ربیوں نے اس کو باور کروا دیا کہ وہ یثرب کو تباہ کرنے کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ یہ وہ جگہ تھی جہاں نبی آخر الزماں ﷺ نے تشریف لانی تھی اس پر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا (سیرۃ رسول اللہ - انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی (۱۹۷۸) صفحات ۷-۶) ابن اسحاق نے وہ نعت بھی نقل کی ہے جو تبع سے منسوب ہے جس میں وہ یہ کہتا ہے

میں جب یثرب آیا تو میرا سینہ اپنے فرزند کے انتقام کی آگ سے جل رہا تھا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس کے ثمر بار اشجار کو تباہ کر کے اس کی

ا...ے ایسے نہ بجادوں گا دم نہ لوں گا، مگر فریضہ سے ایک عالم دین نے مجھے مشورہ دیا کہ اس قریشی ہادی برحق کے صدقے جو مکہ سے آئیں گے ا... شہر محفوظ سے دور ہی رہوں تو اچھا ہے، لہٰذا میں نے ان سب کو معاف کر دیا اور ان کا مو... ر... ش... ک... یہاں اپنے چند... مدعو کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں جو خاندانی ہیں اور بہادری میں ثانی نہیں رکھتے اور جو آخر تک فتح حاصل ... ں ڈٹے رہتے ہیں مجھے ... (...) مجھے اس کا صلہ دیں گے۔

... ے ... ت نوافل ... ں سے اس شہر میں اس لیے مقیم ہیں کہ تورات میں مذکور نبی موعود کا ظہور وہیں سے ہونا ہے تو اس نے ... خاندانوں میں سے ایک قرابت دار نوجوان خط لکھ کر دیا ... ہے ... کر دیا اس خط میں اس نے یہ لکھا تھا

شهدت علىٰ احمد انه — رسول من الله باى السلم

فلو مد عمرى الى عمره — لكنت وزيراً له وابن عم

(میں شہادت دیتا ہوں احمد کے بارے میں کہ وہ اللہ برحق کا رسول ہے (جو خالق اور واحد ہے) اگر میں اس دور تک زندہ رہا جو اللہ ... ان کا وزیر اور قرابت دار ہوں گا (یعنی میں ان کا چچا شمار ہوں گا اور ان کی معاونت میں رہوں گا)

... ل ... ایک ... سے ... متصل ہوتا رہا تا آنکہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں ... حضور سرور کائنات ﷺ

... قبل ... نے کا ذکر ... (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ... ...

(۹۰) جرجی زیدان، مصدر مذکور، ص ۲۴۳۔

(۹۱) ... (Al M... al Munawwara-Urban Development and Architectural Heritage) بیروت (۱۹۸۱) ص ۲۴۹

(۹۲) یہ مقام ... ثنیہ ... جانب ایک اونچی ٹیکری پر واقع تھا جس طرف شارع علی ابن ابی طالب ہے جو پہلے شارع العوالی کہلاتی تھی

(۹۳) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۶۔

(۹۴) قرآن پاک کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ یہود و کفار میں رائج جادو ٹونہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں خود نبی اکرم ﷺ کو بھی یہود نے اپنے سحر کا ہدف بنانے کی کوشش کی تھی۔ (صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر ۶۵۸۔)

(۹۵) ... مصدر مذکور، ص ۹۹ نیز ... تاریخ العرب القدیم، العصر ابی بکر، ... ۱۴۰۴ھ، صفحات ۲۵۔۲۵۸ ... کابت یہ بہت بڑے بتکدے میں مشتمل (قدید) کے مقام پر تھا فتح مکہ کے بعد حضور نبی ... ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا تھا جس نے جا کر اس بتکدے کو مسمار کر دیا تھا اور منات کے صنم کو پاش پاش کر دیا تھا۔

(۹۶) ڈاکٹر ... ابراہیم الشریف، ... المدینہ فی الجاہلیہ و عہد الرسول ﷺ، ... دار الکتاب العربی، قاہرہ، (۲۰۰۰) ص ۱۳۸

(۹۷) صحیح البخاری، باب الصلاۃ، نمبر ۴۱۰ صحیح مسلم نمبر ۸۰۶ اور ۸۱۰، مسند ... نمبر ۱۸۹۵

(۹۸) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص: ۴۱۶۔

(۹۹) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۷۷۔

(۱۰۰) القرآن الکریم (آل عمران ۷۳-۷۵)

(۱۰۱) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۲۸۹۔

(۱۰۲) سنن ابو داؤد، ۴۱۰۰-۴۹۹۳

(۱۰۳) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۵۳۔

(۱۰۴) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۹، ج ۱، صفحات ۵۹۶-۹۸

(۱۰۵) منٹگمری واٹ (Muhammad at Medina) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی۔ اس نے ان حروب قبائلیہ پر بہت سارا مواد اپنے اس کتاب میں ... کیا ہے جو قاری کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں

(۱۰۶) جب حضور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت پر قباء میں نزول فرمایا تو ... صحابی آپ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا حضور ﷺ نے خاص طور پر حضرت ... بن زرارہؓ کی محسوس کی جو وہاں موجود نہ تھے آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ اس لیے قباء تشریف نہیں لائے کیونکہ جنگ بعاث کے دوران انہوں نے اوس ... سے کی ... ولوا ... یا تھا ... اب سی ... کی وجہ سے وہ ... کی ... اقوال میں نہیں جاتے نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور پھر فریقین کی صلح کروا دی تھی

(۱۰۷) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۸۵۸

(۱۰۸) سنن ابی ... ۴۱۰۰-۱۲

(۱۰۹) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ص ۲۳

(۱۱۰) [illegible]

(۱۱۱) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۱۲

(۱۱۲) سنن ابی داود، ۲-۳۳۵

(۱۱۳) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۴۴

(۱۱۴) [illegible]

(۱۱۵) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۵۱۱

(۱۱۶) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، صفحات ۱۷۳-۱۷۴

(۱۱۷) [illegible]

(۱۱۸) القرآن الکریم (۳۳ احزاب ۱۳)

(۱۱۹) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۲، ص ۳۵۸.

(۱۲۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۶۹.

(۱۲۱) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۴۶۰.

(۱۲۲) سنن ابی داود، ۲۵-۳۶۳۱ [حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا میں یہودی کی لکھائی سیکھوں آپ نے فرمایا [رب العزت کی قسم مجھے یہود پر اعتبار نہیں جب وہ مجھے چٹھی دیتے ہیں] میں نے سیکھا ابھی پندرہ دن نہیں ہوئے تھے کہ میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی تھی جب بھی آں حضرت [illegible] کوئی چٹھی لکھنا ہوتی تھی تو میں آپ کے لیے لکھتا تھا، جب وہ آپ ﷺ کو چٹھی لکھتے تو میں آپ کو پڑھ کر سناتا تھا]

(۱۲۳) القرآن الکریم (یوسف ۹۲)، بہت سی احادیث سے مطابق اسی معانی میں مستعمل ہوئے ہے صحیح بخاری نمبر ۲۰۸۰، ۳۳۳۶، سنن ابی داود نمبر ۳۸۷۷، اور مسند امام احمد، نمبر ۷۰۸۸.

(۱۲۴) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۶ سے ایک اقتباس، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۹.

(۱۲۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۹-۲-۲۸۰

(۱۲۶) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۱۳ نیز دیکھئے [illegible] حدیث [illegible] فضل مدینہ، ص ۵۰

(۱۲۷) یہود نے بھی اس کو یثرب کہنا ترک کر دیا تھا وہ اس کو مدینتا Medinta کہتے تھے جو عبرانی زبان میں شہر یا قصبے کے لیے مستعمل ہوتا ہے بعض مستشرقین نے ہرزہ سرائی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یثرب و یہود کی مخالفت حاصل کرنے کے لیے مدینہ کا نام تجویز کیا تھا جو کہ سراسر لغو اور بے سروپا بہتان ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے خود قرآن کریم نے اس بلد قدیم کو مدینہ کہہ کر پکارا ہے اس کے علاوہ کسی بھی سنداً روایت میں سے اس نام سے نہیں پکارا گیا.

(۱۲۸) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۶.

(۱۲۹) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۶۴.

(۱۳۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۹۸

(۱۳۱) القرآن الکریم (البقرہ ۸۹)، شان نزول کے لیے دیکھئے مسند امام احمد، نمبر ۱۹۱۰۰

(۱۳۲) الدر المنثور ۵-۸۸- کنز الاعمال، ۵-۳۵۳ و مجمع الزوائد، ۳-۳۰۰

(۱۳۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۶. و ج:۲، نمبر ۵۵۹.

(۱۳۴) ایضاً ج ۵، نمبر ۷۰۶

(۱۳۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۶-۷

(۱۳۶) ابن حبان کی روایت در سنن ترمذی، نمبر ۳۹۱۹ سہودی، مصدر مذکور، ص ۹۳

(۱۳۷) سہودی، ص ۱۰.

دارالہجرہ

یثرب سے مدینہ طیبہ کا سفر

[illegible] کرتے تھے کافر کچھ وقید کریں یا مار ڈالیں یا نکال دیں
[illegible] کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے
[illegible] ۳۰

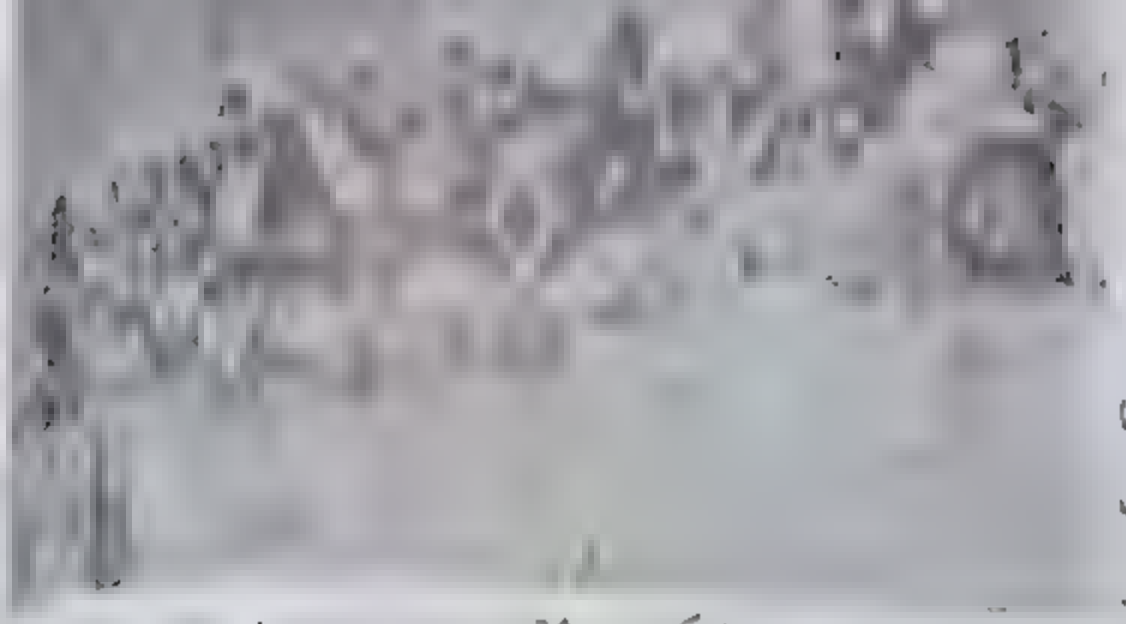

ایک صحرائی گاؤں کی بچیاں
کسی کے انتظار میں

عصر و زماں کا رخش بے زمام اپنی تمام تر جولانیوں
کے ساتھ رواں دواں تھا کہ یکا یک تقویم عالم نے خواب
غفلت سے بیداری کے لیے انگڑائیاں لینی شروع کر دیں۔
۲۷ ستمبر ۶۲۲ء (بروز سوموار) کی صبح کے سورج کی سنہری طشتری حجاز کے نیلگوں آسمان پر ابھر کر حسب معمول
گامزن ہوئی تو یثرب کے قریے نے گمنامی کے گوشوں سے نکل کر تاریخ عالم کے منصۂ شہود پر نمودار ہونے

۶۴

[illegible] حضرت ابن ام مکتوم [illegible] یہیں دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین [illegible] جب رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور میں نے مدینے کے لوگوں [illegible] یہاں یونکہ کنیزیں اور لونڈیاں بھی خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھیں [illegible] ہے رہی تھیں کہ: رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں (۶) یہ چند نفوس پر مشتمل مہاجرین کی جماعت تھی جو ہراول دستے کے طور پر پہلے یثرب پہنچ چکی تھی اس کے علاوہ اوس وخزرج کے انصار تھے. کل تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی.

پہلے دنوں کی طرح آج بھی پیروجوں کی آنکھیں فق کی رفعتوں میں جھانکتے جھانکتے تھک گئی تھیں. مگر سب کو اطمینان تھا کہ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں آج نہیں تو کل ضرور آجائیں گے (۷) یہ تو نڑی دھوپ تھی جوان کو وہاں سے گھر جانے پر مجبور کررہی تھی (۸) ان کو اپنے اپنے گھروں میں پہنچے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہوگی کہ انہوں نے ایک یہودی کو بآواز بلند پکارتے سنا جو کسی کام کی غرض سے اپنی حویلی کی چھت پر چڑھا تھا اور اس کی نگاہوں نے دور افق میں گرد اٹھتے دیکھی تھی. ذرا غور سے دیکھنے پر اس نے دیکھا کہ دو گھڑ سوار جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے (۹) سراب صحرا سے نکل کر یثرب کی طرف آرہے تھے (۱۰) دو 'یارغار' (۱۱) قصویٰ پر سوار تھے (۱۲) جبکہ ان کے پیچھے دو اور اونٹ آرہے تھے. یہودی چلا چلا کر کہہ رہا تھا [اے معشر عرب، اے قیلہ کی اولاد (۱۳) لو یہ آگئے تمہارے جد امجد - وہ جن کا تم کو انتظار تھا.] (۱۴) پھر کیا تھا جس جس کے کان میں یہ آواز پڑی اپنے محبوب کے استقبال کے لیے دوڑ پڑا. ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں تھی. شتر سوار قریب سے قریب تر آرہے تھے. سرکار دو عالم ﷺ نے شتربان کو حکم دیا: [ہمیں قباء میں سیدھے بنی عمرو کی طرف لے چلو. شہر کی طرف ابھی نہ جانا.] (۱۵) اس سے عشاق کا شوق دیدار اور تیز ہو گیا تھا. ہر آنکھ کا جھروکا ایک ہی طرف کھلا ہوا تھا اور ہر نگاہ اپنے محبوب حبیب رب ذوالجلال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھی. یثرب کی سرزمین نے اتنی بے چینی سے کبھی کسی ذی روح کا انتظار نہیں کیا تھا اور نہ ہی اتنے والہانہ پن سے کبھی کسی اور کا استقبال کیا تھا. بنو نجار، بنو غفار، بنو عمرو، بنو اسلم، نومسلمین اور وہ جو تھوڑے ہی دنوں میں مسلمان ہونے والے تھے، مرد و زن، آقا و

غلام سب کے سب بجاتے [illegible] کے ساتھ)

[illegible] کی شریف [illegible] اپنے [illegible] تا [illegible] پر تھپکیاں دیتے ہوئے [illegible] کا استقبال [illegible] کے [illegible] اپنے [illegible] میں [illegible] آمد کی خوشی میں [illegible] کے [illegible] (۱۷)

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں کی اوٹ سے ہم پر بدر کامل طلوع ہوا ہے۔(۱۸)

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اس دعوت الی اللہ پر ہم پر شکر واجب ہو گیا ہے

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اے نبی مبعوث آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی

جئت شرفت المدینہ مرحبا یا خیر أداع

آپ نے مدینہ کو شرف بخشا۔ ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں

یہ وجد آفرین خوش آمدید اور ترحیبی کلمات ہر لحاظ سے عہد آفریں تھے۔ نہ صرف اس دن عہد جاہلیت رخصت ہو رہا تھا بلکہ رشد و ہدایت اور علم و نور کے بدر منیر نے طلوع ہو کر ظلمت و تیرگی کو ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیا تھا۔ ان اشعار کے خالق کون سے صحابی تھے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا مگر یہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں نعتیہ ادب میں ان اشعار کو نہایت ہی بلند مقام حاصل رہا ہے۔ یہاں ہم قارئین کی توجہ ایک تاریخی ستم ظریفی کی طرف ضرور مبذول کرنا چاہیں گے کہ فجر الاسلام کے بہت سے مورخین نے (جن میں ابن ہشام اور طبری بھی شامل ہیں) اس نعت مبارکہ کا ہجرت کے موقع پر کوئی ذکر نہیں کیا اغلب امکان یہ ہے کہ یہ نعت حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر نہیں بلکہ اس وقت گائی گئی تھی جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹے تھے جب کہ شکر سلام مدینہ طیبہ میں شامی ثنیات الوداع، جو کہ اس صدی کے اخیر تک جبل سلع کے دامن میں واقع ہوا کرتی تھی، کے راستے داخل ہوا تھا درحقیقت مدینہ طیبہ میں ازمنہ قدیمہ سے وہ مختلف درے یا راستے ہوا کرتے تھے جن سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ بلاد الشام کی طرف سے آنے والے جبل سلع کے دامن میں واقع شامی ثنیات الوداع کے ذریعے وارد ہوا کرتے تھے جب کہ مکہ مکرمہ سے آنے والے جنوبی ثنیات الوداع والا راستہ استعمال کرتے تھے۔ اس پر مورخین کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کا ہجرت کے وقت ورود

مسعود مکہ مکرمہ سے آتے ہوئے ... تھا تو اس نے یہ قیاس کیا ہے کہ آپ ذوالحلیفہ اور ثنیات الوداع کے درے سے تشریف لائے ہوں گے۔ اسی لیے قبا کو باب المدینہ بھی کہا جاتا ہے اس وقت بنی نجار کی بچیوں نے دف بجا کر جو استقبالیہ نغمات پیش کیے تھے وہ یہ تھے

نحن جوار من بنی النجار
وحبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں ہمیں کیا ہی اچھے ہمسائے نصیب ہوئے ہیں)

اور اس کے جواب میں حضور ﷺ یہ فرما رہے تھے [اللہ گواہ ہے کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں](۱۹) لیکن جب آنحضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے میں واقع ثنیات الوداع کے راستے سے ورود مسعود فرمایا اور اس وقت طلع البدر علینا والے ترحیبی کلمات گائے گئے تھے مدینہ طیبہ کے بچے اور وہ لوگ جو غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے سب نے مل کر آپ کا والہانہ استقبال کیا یہ ثنیات الوداع اس جگہ کے قریب ہوا کرتی تھی جہاں اب نقل جماعی کے بسوں کے اڈے کے قریب شارع ابوبکر الصدیقؓ اور شارع عثمان ابن عفانؓ کا چوک ہے اس سلسلے میں ہم بخاری شریف کی دو احادیث قارئین کرام کے گوش گزار کرنا چاہیں گے۔ حضرت سائب ابن یزیدؓ بیان کرتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بچپن میں باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا (۲۰) دوسرے مقام پر وہ تفصیل سے غزوہ تبوک کا ذکر کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ میں دیگر بچوں کے ساتھ ثنیات الوداع حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے گیا تھا جب آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے۔(۲۱)

اسی طرح ترمذی نے ان کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں [جب اللہ کے رسول ﷺ ثنیات الوداع پر تشریف لے آئے تو لوگوں کا ایک جم غفیر آپ کے والہانہ استقبال کے لیے ثنیات الوداع پہنچا۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ اس وقت میں نے ابھی بلوغت میں قدم رکھنا شروع کیا تھا۔(۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ طیبہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کا دوبار استقبال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی پہلے اس وقت جب آپ حضور ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ثنیات الوداع جنوبی کے راستے ارض یثرب پر قدم رنجہ فرمایا اور بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر آپ کو خوش آمدید کہا اور دوسری بار اس وقت جب کہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹ رہے تھے اس وقت آپ کا استقبال ثنیات الوداع شامی پر ہوا جو جبل سلع کے دامن میں ایک درے پر واقع تھی جس میں اور بچوں کے علاوہ حضرت سائب ابن یزیدؓ نے بھی شرکت کی تھی۔ اس وقت چونکہ یثرب کا نام متروک ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کو مدینۃ النبی کہنے لگ گیا تھا اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نعت میں یثرب کی بجائے یہ الفاظ ملتے ہیں

جئت شرفت المدینہ
مرحبا یا خیر داع

بخاری شریف اور ترمذی کی روایت کردہ احادیث سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ دوسرا استقبال جبل سلع والی ثنیات الوداع میں ہوا تھا۔ انجیل میں عہد نامہ عتیق میں ایک پیش گوئی میں بھی سلع والے راستے کا ذکر ہے جہاں بہت پہلے ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ آپ کا استقبال مدح کا کر کیا جائے گا۔ سیدنا یوشع علیہ

افق ... کا
قباء سے مدینۃ المنورۃ
جانے کا راستہ

صدیوں سے کتنے ملک، شہر اور قصبے فاتحین کے ہاتھوں مات کھا کر ان کے قبضے میں آتے رہے ہیں اور تاریخ عالم نے اس دوران فتح کی زبوں حالی کا قبیح نقشہ بھی کھینچا ہے. تمام انسانی اخلاق واقدار کو بالائے طاق رکھ کر فاتحین نے ہمیشہ مفتوحین کے ساتھ سلوک کیا ہے کہ اس کے تصور سے انسانیت کی روح کانپ اٹھتی ہے. قرآن کریم کے الفاظ میں. [ملکہ سبا نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ کر رکھ دیتے اور وہاں کے سرداروں اور عزت داروں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں.] (۲۸) سکندر و چنگیز خان سے تیمور تک سب کو معلوم ہیں سقوط بغداد پر کیا نہیں ہوا؟ ہٹلر کو زیر کرنے کے لیے کیا لاکھوں انسانوں کے خون کی بلی نہیں دی گئی؟ جاپان کو شکست دینے کے لیے ہیروشیما اور ناگاساکی کے بیگناہ انسانوں کو جہنم کی بھٹی میں نہیں ڈالا گیا؟ اسی طرح اور بھی ان گنت مثالیں ہیں تاریخ عالم کو دیکھ کر اس بار دہ فتح اول کو جب یثرب فتح ہو رہا تھا تو مفتوح ترحیبی کلمات گا کر اپنے فاتح کا استقبال کر رہے تھے. جہاں نو ہو رہا تھا پیدا اور عالم پیر مر رہا تھا جاہلیت پاؤں تلے روندی جا رہی تھی اور عالم سورج کی جگہ شمس الضحیٰ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر یثرب کی تیرہ و تار سرزمین (۲۹) کے انوار ایمانیہ سے منور کر رہا تھا. یثرب مفتوح ہو چکا تھا مگر جس انداز سے اس کے فاتح نے اپنا قدم مبارک اس کی سرزمین پر رنجہ فرمایا تھا تاریخ عالم اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں کر سکتی. فاتح تن تنہا صرف اپنے ایک یار غار کی ہمراہی میں بغیر کسی حفاظتی دستے کے شہر مفتوح میں داخل ہو رہے تھے. نہ دائیں بائیں کوئی چاک و چوبند مسلح افواج ساتھ آئی تھی، نہ کوئی ذاتی باڈی گارڈ تھے، اور نہ ہی فاتح مدینہ حضور پرنور ﷺ خود ہتھیار بند تھے. یہ شان تھی فاتح القلوب فاتح یثرب سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کی جب انہوں نے یثرب کو فتح کیا تھا کمر میں علامتی طور پر صرف ایک تلوار تھی جس کا نام 'ماثور' تھا جو آنحضرت ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ سے

ایک بار پھر ایک دوسرے سیرۃ نگار کی رائے سے متعلق قارئین کو آگاہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے: [حضور نبی اکرم ﷺ

قصوی کا رستہ روک لیا تو حضور رحمت دو عالم ﷺ پیار سے فرماتے [اس کا رستہ چھوڑ دے یعنی اس کو حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے] (۴۴) یوں پورا کارواں اس صرف قصوی کے اختیار کرنے

قصوی کا رستہ چھوڑی ہوئی تھی اور وہ اپنی آزادی سے چل رہی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ تھکی ہوئی سواری کی طرح اس نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا (۴۵) تب حضور

(۴۶)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قصوی اس جگہ پر رکی تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا منبر شریف بنایا گیا تھا جب حضور نبی اکرم ﷺ نیچے تشریف لائے تو فرمایا [انشاء اللہ یہی ہمارا قیام ہوگا] (۴۷) ہر کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا تھا مگر آپ کسی کا بھی دل نہیں توڑنا چاہتے تھے اس لیے قرعہ نکالا گیا جس میں حضرت خالد بن زید بن کلیب ؓ کا نام نکلا جنہیں اسلامی تاریخ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی کنیت سے ہی جانا جاتا ہے خزرج میں سے پہلے اصحاب پھر بھی مُصر تھے کہ آپ حضور ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے چلیں ایک روایت میں ہے کہ جب قصوی بیٹھ گئی تو ایک اصحابی نے اس کو مہمیز لگا دی تا کہ وہ اٹھ کھڑی ہو۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو ایوب انصاریؓ بہت تیز پا ہوئے اور کہنے لگے [گر رسول مقبول ﷺ کی ناراضگی کا خوف نہ ہوتا تو ابھی تلوار نکال لیتا اور تمہیں وہ سبق سکھاتا جو تم ہمیشہ یاد رکھتے] پھر انہوں نے آں حضرت ﷺ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر چل دیے سرکار دو عالم ﷺ مسکرا دیئے اور یہ فرماتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لیے [آدمی کو وہاں جانا چاہئے جہاں اس کی رحل (یعنی سامان) گیا ہو۔] (۴۸)۔

مٹی کا بنا ہوا دو منزلہ مکان جو سڑک کے ایک کنارے پر واقع تھا حضرت ابوایوب انصاریؓ [illegible] آباء و اجداد اس انتظار میں اپنی عمریں بتا چکے تھے کہ دعائے خلیل اور نوید مسیح سید الانبیاء و [illegible] میں بیان کر چکے ہیں حمیری بادشاہ تبع کئی سو سال پہلے جب یثرب آیا تھا تو حضور نبی کریم ﷺ کے لیے [illegible] تاکید کر کے گیا تھا کہ ایک نسل دوسری نسل کو وہ خط منتقل کرتی رہے تا آنکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ورود مسعود ہو [illegible] پیش کر دیا جائے۔ وہ خط اس وقت حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے پاس تھا اور وہ تو پہلے ہی آپ کی آمد کے منتظر تھے [illegible] کے گھر کو سعادت بخشی تو یہ اعزاز بھی انہیں حاصل ہوا کہ وہ نامہ تبع جناب سید الاولین و الآخرین اور خاتم المرسلین حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کریں کئی نسلوں کی امانت کا حق ادا کر کے حضرت ابوایوب انصاریؓ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔

آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں نچلی منزل میں قیام فرمایا کیونکہ خدمت اقدس میں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ضیافت کے لیے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم کھانا پکوا کر اپنے سروں پر اٹھا کر ابوایوب انصاریؓ پر احسان دھرتے تھے حضور ﷺ وہاں تقریباً سات ماہ تک مقیم رہے اور اسی اثناء میں مسجد نبوی شریف اور آپ کی رہائش کے لیے دو کمرے بھی تعمیر ہو گئے حضرت انسؓ نے جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے [اللہ کے رسول ﷺ کا ورود مسعود ابوایوب کے گھر میں ہوا تو آپ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا جبکہ ابوایوبؓ اوپر کی منزل میں رہا کرتے تھے۔ ایک رات ابوایوبؓ نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ یہ کیسے ہے ہماری کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نچلی منزل میں مقیم ہوں اور ہم آپ کے سر مبارک کے اوپر چل پھر رہے ہوں۔ اس خیال میں یہ ایک طرف ہو کر ایک کونے میں سو رہے اور صبح ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں عرض کیا جس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے نچلی منزل ہی زیادہ آرام دہ ہے لیکن حضرت ابوایوبؓ مصر رہے کہ وہ اوپر سکونت اختیار کریں گے چنانچہ آقائے نامدار ﷺ اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے نچلی منزل میں رہنا شروع کر دیا] (۴۹) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے [ایک دن پانی کا ایک برتن ٹوٹ گیا اور میں اور میری بیوی نے اپنے کپڑوں سے پانی کو خشک کیا تا کہ پانی حضور نبی اکرم ﷺ کے اوپر نہ گرنے پائے ہمارے پاس دوسرا کپڑا نہیں تھا جو ہم اس کام کے لیے استعمال کرتے۔] (۵۰)

شیخ [illegible] کی ایک قدیم تصویر

اس طرح رہتے ہوئے جب چھ ماہ گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہؓ اور ابورافعؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ وہ آں حضور ﷺ کے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لا سکیں۔ (۵۱) ابن عبدالبرؒ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے (۵۲) جس میں وہ دیگر باتوں کے علاوہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہؓ اور

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الانفال ۳۰) یہ آیت کریمہ کفار کی ان سازش[illegible] حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف کیا کرتے تھے اور جن کی وجہ سے آپ [illegible] طیبہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے

(۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵ نیز دیکھئے سیرۃ رسول ﷺ از ابن اسحاق (انگریزی ترجمہ الفرید گیوم) [illegible]

(۳) حضرت مصعب بن عمیرؓ کو آقائے نامدار ﷺ نے ان انصاری اصحاب [illegible] ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا تھا جو بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے تھے تاکہ ان کو دین کی [illegible]

(۴) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۶۱

(۵) ایضاً، نمبر ۲۶۲، نیز دیکھئے تاریخ المدینہ از قطب الدین الحلبی (ت ۹۹۰ ہجری)، ناشر مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵، ص ۳۹

(۶) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۶۲۔ حضرت حنش الصنعانیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے (رسول اللہ ﷺ سوموار کے دن پیدا ہوئے آں حضور ﷺ کو نبوت بھی سوموار کے دن عطا ہوئی، حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے بچپن میں حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر جس دن رکھا وہ بھی سوموار کا دن تھا، آں حضرت ﷺ جس دن [illegible] اس دن بھی سوموار تھا اور جس دن آپ نے [illegible] پردہ پوشی فرمائی اس دن بھی سوموار کا دن تھا [illegible] باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۵۱

(۷) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵۔

(۸) ابن ہشام نے انصاری کی یہ روایت بیان کی ہے۔ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی آمد کا انتظار کیا کرتے تھے [illegible] چونکہ وہاں کوئی سایہ وغیرہ نہیں تھا تو جب دھوپ ڈھل جاتی تو ہم اپنے گھروں کو واپس لوٹ جایا کرتے تھے [illegible] تشریف لائے تھے اس دن بھی ہم حسب معمول اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ چکے تھے [illegible]

(۹) حضرت عروہ ابن زبیرؓ کی روایت ہے [illegible] کے رسول ﷺ [illegible] جو شام سے ایک قافلے میں واپس آ رہے تھے حضرت زبیر نے آں حضرت ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو پہننے کے لیے سفید کپڑوں کے جوڑے دیے۔ (صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵۔

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵

(۱۱) القرآن الکریم (التوبہ: ۴۰)۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ذکر "ثانی اثنین" کہہ کر کیا ہے (یعنی دونوں میں سے [illegible] اسی لیے وہ یار غار کہلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر مجھے اپنا خلیل چننا ہوا تو میں ابوقحافہ کے بیٹے (یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ) کو چنوں گا (صحیح مسلم [illegible]

(۱۲) ناقہ نبی کریم ﷺ جس کو قصویٰ کہا جاتا تھا اور جس پر سوار ہو کر حضور سرور دو عالم ﷺ نے سفر ہجرت طے فرمایا سفید رنگ کی اونٹنی تھی۔ سفید رنگ کی اونٹنیاں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور ان کو عموماً سفر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قدیم دور میں جب توہمات عام ہوا کرتے تھے یہ خیال بھی عام تھا کہ [illegible]

سیدنا ابو ایوب انصاری کے مکان کا اندرونی حصہ (بوقت انہدام) جسے ۱۹۸۴ء میں مسمار کر کے اس کے [illegible] رشک ثریا اس گھر کو یہ فخر حاصل ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ ہجرت مبارکہ کے بعد تقریباً سات ماہ تک یہیں قیام پذیر رہے (تصویر شیخ خلیل صدیقی)

دار سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کی ایک پرانی تصویر جو سن ساٹھ کی دہائی سے متعلق ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سفرنامہ ارض قرآن سے ماخوذ ہے۔

تیز گام ہو جاتی ہیں ایسی کان کٹی ڈاچیوں کو عربی میں
قصواء کی نسبت رسول مقبول ﷺ سے جڑ گئی تھی اس لیے بطور اسم معرفہ
قصواء آ[illegible] ﷺ نے سفر ہجرت کے لیے خاص طور پر اسے سیدنا ابوبکر
صدیقؓ سے [illegible] ناقہ تھی جس پر کبھی کسی اور نے
سواری کرنے کی جرات نہیں کی سوائے مسجد قباء کی تعمیر کے وقت جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اذن
خاص [illegible] رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ارشاد فرمایا تھا
کہ [illegible] مسجد کی حدود تصور کر لی جائے۔ سیدنا ابوبکر
صدیقؓ [illegible] اس پر سواری کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے پھر سیدنا
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جونہی اس کی عنان اپنے ہاتھ میں لی تو قصویٰ زمین پر بیٹھ گئی اور سیدنا علی کرم
اللہ وجہہ [illegible] اس قطعہ زمین کا چاروں اطراف کا چکر لگایا جو مسجد قباء کی حدود ٹھہری۔ وقدی
کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اسے بنی قشیر سے خریدا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو
محبوب رب العالمین ﷺ کی ڈاچی جمیع الفرقدین میں چرا کرتی تھی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر
کے سامنے اس کو باندھا جاتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ایام خلافت میں یہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اس کی
مبرک "مبرک ناقہ" کے نام سے صدیوں تک اسی جگہ یادگار کے طور پر رکھی گئی تھی۔

(۱۳) ان کا نام قیلہ بنت الارقم بن عمرو بن جفنہ بن عمرو تھا جو یمن کے حمیری قبیلہ قحطان سے تھیں۔ ان کی شادی
تبعہ بن تمر و بن حارثہ سے ہوئی تھی [illegible] جن کے دو بیٹے ہوئے جن کا نام اوس اور خزرج تھا علی ہذا القیاس قبیلہ کا مطلب 'مکہ' ہے چونکہ بعد میں ان کے دونوں
بیٹوں سے انصار کے مشہور قبیلے ہوئے لہذا ان دونوں قبیلوں کو مجموعی طور پر بنو قیلہ بھی کہا جاتا تھا۔

(۱۴) ابن اسحاق، مصدر مذکور (یہودی بندوبست کے ساتھ پانچ چھ راتوں کے معسکر عرب [illegible] جو عظیم نشان آگے ہیں جن کا تمہیں انتظار تھا لہذا تمام مسلمان
اپنے اپنے ہتھیار پہننے کے لیے دوڑے اور پھر انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کا حمزہ کی گھاٹی پر استقبال کیا [صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵]

(۱۵) بنی عمرو قبیلہ جس کی ایک شاخ تھی حضرت کلثوم بن ہدمؓ نے پہلے ہی حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ کی میزبانی کی تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت سے
پہلے مدینہ منتقل ہو چکے تھے اس وجہ سے گروپ کے جانے کے بعد سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی میزبانی کا شرف قبیلہ بنو عمرو کو ملا تھا

(۱۶) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، (انگریزی ترجمہ اسماعیل رجی فاروقی) دوم، اشاعت، [illegible] کراچی

(۱۷) بیہقی، دلائل، ج ۲-۵۰۸ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۳-۲۰۷ و علامہ سیوطی، خصائص الکبریٰ، ۱-۹۰ یہ روایت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ہے
یحییٰ ابن جوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) لوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۵۴ مگر قدیم ترین سیرت نگاروں (مثلاً ابن اسحاق
و ابن سعد وغیرہ) نے اس نعت کا ذکر ہجرت کے موقع پر نہیں کیا

(۱۸) ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ جبل عیر کی طرف سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے، پھر وہاں سے آپ حضور ﷺ رکوبہ کی طرف گئے اور پھر وہاں
سے آپ نے وادی ریم کی طرف رخ کیا جہاں سے آپ نے قباء میں داخلہ فرمایا۔

(۱۹) شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج ۱، مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۱۶۶ نیز ابن الجوزی، مصدر مذکور، ص ۲۵۳

(۲۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۷۱۰

(۲۱) ایضاً نمبر ۷۱۱

(۲۲) [illegible] (بدیع الزمان) ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور، ج ۱، ص ۲۳

(۲۳) Isaiah xiii, 11, 12

(۲۴) جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، ص ۹۱.

(۲۵) Isaiah xiii, 11, 12

(۲۶) منقول از سمہودی، وفاء الوفاء، جزء ۱، ص ۲۵۵.

(۲۷) سنن ابی داود، ۱۴-نمبر ۴۹۰۵

(۲۸) [illegible] (۳۵)

(۲۹) [illegible] (۱۔ احزاب ۴۵۔۴۶)

(۳۰) [illegible] سحاق مصدر مذکور، ص ۲۲۷

(۳۱) عبدالسلام ہارون، تہذیب سیرۃ ابن ہشام، دمشق، ص ۱۳۵.

(۳۲) Charles le Gai Eaton (Hasan 'Abd al-Hakim), Islam and the Destiny of Man
سہیل اکیڈیمی، لاہور، طبعہ اولیٰ ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱۵.

(۳۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج: ۴، ص ۳۶۶

(۳۴) Dr Martin Lings, Muhammad - His Life based on the Earliest Sources، سہیل اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۳

(۳۵) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۲

(۳۶) سنن ابی داود، ۴۱-۴۹۰۵

(۳۷) تہذیب سیرۃ رسول اللہ لابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۱۳۶ حضرت عتبان بن مالکؓ کا اطم وادی رانونا کے قریب تھا جہاں بعد میں مسجد جمعہ تعمیر ہوئی جو آج تک زیارت گاہ عشاق ہے.

(۳۸) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۵۰

(۳۹) سمہودی، مصدر مذکور، ص ۲۵۶

(۴۰) بنونجار حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلبؓ کے ماموں تھے کیونکہ حضور ﷺ کی پڑدادی (حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ) جن کا نام [illegible] عمرو تھا نجاریہ تھیں. ہاشم بلاد اشام تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے. سلمیٰ سے شادی کے بعد ایک مرتبہ وہ شام گئے اور واپس لوٹ کر نہ آ سکے [illegible] بیماری کی وجہ سے ان کا انتقال وہیں ہوگیا تھا جب کہ ان کے بیٹے حضرت عبدالمطلب اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں تھے ان کا اصل نام شیبہ بن ہاشم تھا آپ نے اپنے بچپن کے تقریباً آٹھ سال مدینہ طیبہ میں ہی گزارے پھر ان کے چچا ان کو مکہ لے گئے جہاں جوان ہو کر انہوں نے [illegible] سنبھالی اپنے دادا محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت عبدالمطلبؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے تجارت پیشہ اختیار کیا اور وہ بھی بلاد اشام [illegible] قافلوں کے ہمراہ جایا کرتے تھے. حضرت آمنہ بنت وہبؓ سے شادی کے بعد وہ ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام گئے اور واپسی پر یثرب [illegible] ان کو بیماری نے آلیا اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا. ان کے ننھال نے ان کو وہیں دفن کیا در یتیم اور یتیموں کے والی نبی اکرم ﷺ کی پیدائش حضرت [illegible] انتقال پر ملال کے بعد ہوئی تھی.

(۴۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۵۰، یہ ایک بہت طویل حدیث ہے جس میں ہجرت مبارکہ کی تمام تفصیل بیان ہوئی ہیں

(۴۲) صحیح بخاری، ج [illegible]

(۴۳) ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۱۳۶

(۴۴) ایضاً، صفحات: ۱۳۶-۱۳۷.

(۴۵) ابن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسول، الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۵۵.

(۴۶) ابن [illegible]

(۴۷) صحیح [illegible]

(۴۸) [illegible]

(۴۹) شیخ عبدالحق محدث، جذب القلوب، صفحات: ۵۷-۵۹

(۵۰) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۵۰۹۹، و ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۲۲۹-۲۳۰.

(۵۱) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۵۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۷۶.

(۵۳) ابن الجوزی، مصدر مذکور، ص ۲۵۳

(۵۴) [illegible]

(۵۵) [illegible]

سحابہ، و اولادہ، و ازواجہ، و ذریتہ، و اھل بیتہ و سب

بہ صل علی محمد [illegible]

احمعین یا ارحم الراحمین۔}

ہر [illegible] سے ہر اس [illegible] مدینہ مقدسہ کی حاضری نصیب ہو یہ تائید ز

[illegible] قدم قدم پر انتہائی ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہئے

[illegible] حدود حرم مدنی میں داخل ہو جائیں

مدینہ النبی ہے جہاں وہ نبی والا استثنا

[illegible] سعادت نصیب ہو تو آواز اتنی دھیمی ہو کہ پاس [illegible]

[illegible] معافی جرم ہے تنبیہ ربانی ملحوظ خاطر رہے: ﴿اے ایمان والو اپنی آوازیں

[illegible] بلند نہ ہو اور جب آپ سے مخاطب ہو تو ایسی آوازوں سے آپ کو مخاطب نہ کیا کرو جس سے تم ایک دوسرے

[illegible] کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔﴾ (۵۰)

بارگاہ ناز میں آہستہ بول ہو نہ سب کچھ رائیگاں آہستہ چل

یہ وہ ادب کا مقام ہے کہ جہاں ادب محض فرض میں ہی نہیں بلکہ اس کے بدلے اللہ عزوجل کے انعام و اکرام کی بے انتہا بارش ہوتی ہے۔ [illegible] وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور دبی آواز میں ادب سے بات کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ عزوجل نے تقویٰ کے لیے [illegible] ہے، ان کے لیے مغفرت اور معافی اور اجر عظیم ہے۔﴾ (۵۱)

مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کے بارے میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں جو کرہ ارضی پر موجود کسی اور شہر کی فضیلت کے بارے میں لکھی گئیں، حتی کہ مکۃ المکرمہ کے لیے بھی اتنی کاوش نہیں کی گئی۔ ایسی تمام کتب میں مدینہ طیبہ کے فضائل و محاسن میں دلیلوں کے انبار لگ گئے ہیں اور بعض عشاق طیبہ نے تو مدینۃ النبی کی فضیلت واضح کرنے کے لیے پچیس سے زیادہ شرعی اور عقلی دلائل دیے ہیں۔ (۵۲) سارا انحصار احادیث نبوی پر کیا ہے تاکہ محسن دار المصطفیٰ بفرمان مصطفیٰ ﷺ بیان ہو سکیں ورنہ دیگر ثقہ ترین روایات کے مطابق دیار حبیب کی خوبیاں تو اتنی ہیں کہ اس موضوع پر ضخیم کتابیں بھی حق ادا نہیں کر سکتیں۔

اختتام سے پہلے ہم عاشق مدینہ طیبہ، امام دار الہجرہ، حضرت امام مالکؒ کے ادب مدینہ طیبہ کی مثال دینا چاہیں گے۔ آپ نے تمام زندگی مدینہ طیبہ میں گزار دی اور صرف ایک بار حج کی غرض سے حدود مدینہ طیبہ سے باہر گئے اور جب تلامذہ اور احباب کہتے تھے کہ مکرمہ چلیں تاکہ عمرہ کر سکیں تو فرماتے کہ حج کے لیے جانا ایک بار فرض تھا اس لیے مدینہ طیبہ سے باہر گیا تھا اور اب کون جانتا ہے کہ حدود نبوی سے نکلوں تو میری موت آ جائے۔ اس لیے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں ہی گزار دی۔ عباسی خلیفہ محمد المہدی نے تین ہزار دینار اپنے معتمد اور نامہ بر ربیع کے ذریعے امام مالکؒ کی خدمت میں ارسال کیے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ میرے ساتھ بغداد چلیں۔ امام مالکؒ نے کہا تھیلیاں اب بھی سربستہ اسی طرح پڑی ہیں، جی چاہے لے جاؤ لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ آں حضرت ﷺ نے کہا ہے کہ: المدینہ خیر الھم لو کانوا یعلمون۔ (۵۳) پھر مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہ خلافت میں حضرت مالکؒ نے یہ کہہ کر سواری واپس لوٹا دی کہ میں مدینہ طیبہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ انہی گلیوں میں تاجدار مدینہ ﷺ پیدل پھرے۔ (۵۴) ان کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے مگر کبھی بھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے اور ہمیشہ پا پیادہ چلتے تھے۔ نے دریافت کیا تو فرمایا: [illegible] مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین نبی الحرمین ﷺ کے قدمین الشریفین سے مشرف ہوئی ہو اس کو میں جانور

جھک اور ان کا انداز اور آداب.

اللہ کریم ہمیں آداب مدینہ طیبہ بجالانے کی توفیق فرمائے. آمین.

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر　　نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حواشی

(۱) "حضرت ابو ہریرہ" کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ہم نے حافظ ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) کی البدایہ و النہایہ سے نقل کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، الرشید، حلب، ج سوم، ص ۱۷۹) نیز یہ حدیث حاکم کی مستدرک میں بھی ہے جسے شیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکندرانی (ت ۱۱۹۲ ہجری) نے اپنے تالیف ترغیب اہل المودہ والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ نے صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا ہے، اس کے علاوہ دیکھیے المحلی ابن حزم، ۷-۴۵۳ اور امام شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ ہجری)، تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ مدینۃ الشریفہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳، ج ۱، صفحہ ۲۱

(۲) صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ عبدالحمید صدیقی)، انٹرنیشنل اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ریاض، ج ۲، نمبر ۳۱۶۲

(۳) ایضاً، ج:۲، نمبر ۱۳۹۳، مسند امام احمد، ج:۵، نمبر ۸۹، ۱۰۲ اور ۱۰۶.

(۴) مسند امام احمد، ۳-۲۴۰.

(۵) القرآن الکریم (الاحزاب:۴۵-۴۶)

(۶) مسند امام احمد ۱، ۴۵۲، حضرت عبداللہ ابن عمر" کی روایت ہے: [رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں وہ فرشتے جو روئے زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں اور جونہی کوئی مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو میری امت کے اس فرد کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔]

(۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۱۱۲.

حضرت جابر ابن عبداللہ" کی روایت ہے: [میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرے منبر کا پایہ جنت میں ہے اور جو جگہ میرے منبر اور (ام المومنین) سیدۃ عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔] ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفاء باحوال المصطفیٰ ا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، ص:۲۵۹. اسی مضمون پر مزید احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم، ترمذی، نسائی مسند امام احمد، ابن سعد، طبرانی، بیہقی، ابونعیم (حلیۃ الاولیاء) اور ابن کثیر کی البدایہ اور النہایہ میں کثرت سے ملتی ہیں (حاشیہ ابن الجوزی، مصدر مذکور، ص ۲۵۹)

(۸) صحیح بخاری، ج.۹، نمبر ۴۳۳، اور ج:۲، نمبر ۵۵۹. نیز الموطاء امام مالک، نمبر ۵۴-۳-۱۰.

(۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۲۹ و ۵۳۰.

(۱۰) مسند امام احمد ۳:۳۴۳-۳۹۷ اور امام بخاری، تاریخ الکبیر ۴:۲۹

(۱۱) سمہودیؒ، وفا الوفاء، مصدر مذکور، جزء ۱، صفحات:۷۴-۸۹

(۱۲) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۰۹

(۱۳) الموطاء امام مالک، ج:۱، نمبر ۱۰۰۵

(۱۴) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج:۲، نمبر ۳۱۵۴

(۱۵) الحسن البصریؒ، فضائل المکہ، مکتبۃ ثقافت الدینیہ، پورت سعید، مصر، ۱۹۹۵، ص:۷۰. یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی نقل کی ہے۔

(۱۶) الہیثمی، مجمع الزوائد، ۳-۳۰۰

(۱۷) الترمذی، المناقب (۳۹۱۷)، ابن ماجہ کتاب المناسک (باب: فضائل المدینہ، ۳۱۱۲).

(۱۸) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر۱۱۱۴ ابن شبہ النمیری البصری نے تاریخ مدینہ (ج:۳،ص:۸۷۸) میں یہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کی ہے.

(۱۹) قرآن کریم (القصص ۵۹) سے سند دیا گیا ہے

(۲۰) حسن البصریؒ، مصدر مذکور، ص۲۶.

(۲۱) ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج:۳، ص۱۷۹، شیخ جعفر بن السید اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والاخرین، دار الکتب والوثائق المصریہ ISBN NO 977-5231-14-0 ۱۹۹۵، ص:۲۶۱.

(۲۲) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص۱۹۲.

(۲۳) امام اسماعیل بن اسحاق الحسنی، النسائی اسمائی (۲۱۹-۲۸۲ ہجری)، فضائل الصلاۃ علی النبی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۷، الطبعۃ الثالثۃ، صفحات ۳۶-۳۷.

(۲۴) ابن اسحاق، The Life of Muhammad Trans Alfred Gilume، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، صفحات. ۲۰۳ - ۲۰۴.

(۲۵) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۱۰.

(۲۶) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۳۰۸، اور ج:۲، نمبر۴۱، اور ج:۴، نمبر۷۸۳.

(۲۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج:۲، نمبر۳۱۷۵.

(۲۸) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۷۰، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ''اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں''. القرآن: البقرہ:۱۲۶ ایضاً سورۃ ابراہیم. ۳۵ اور ۳۷

(۲۹) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۸۹، نیز ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت:۳۰۸ ہجری)، فضائل المدینہ، دار الفکر، دمشق، ص۲۶.

(۳۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۹۲.

(۳۱) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۱۳.

(۳۲) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۹۷، صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۰۱.

(۳۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۰۴.

(۳۴) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۸۷.

(۳۵) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۰۳.

(۳۶) صحیح بخاری، الیکٹرانک مجموعہ احادیث-سی ڈی-نمبر۱۸۸۰ اور ۵۷۳۱.

(۳۷) دکتور صالح بن حمید بن ساعدی الرفائی، الاحادیث الواردہ فی فضائل المدینہ، ص:۱۶۸.

(۳۸) مسند امام احمد، جامع الاحادیث، ۶-۴۴۲، نمبر۲۲۲۷۲.

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۰۰.

(۴۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۲۰۳، نیز صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۹۸. نیز ابن شبہ النمیری البصری نے اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ ایسا ثنیات الوداع کے قریب ہوا تھا، مصدر مذکور، ج:۱، صفحات:۲۷۶-۲۷۷.

(۴۱) ابن حبان کی روایت در ترمذی (دیکھئے: سمہودی، مصدر مذکور، جزء۱، ص:۸۳).

(۴۲) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۷، ص ۱۰۱.

علامہ سیوطی، جامع الاحادیث، نمبر ۴۷۵۶، نیز ترمذی اور حاکم نے بھی اسی حدیث مبارکہ کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے

(۴۳) ابن الجوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۰، ص ۲۷.

(۴۴) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۱۱۵.

(۴۵) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، مصر، ص ۶۲.

(۴۶) قاضی عیاضؒ، الشفاء، ج:۲، صفحات: ۴۴-۴۵؛ سمہودیؒ، الوفاء بما یجب لحضرت المصطفیٰ، ناشر حمد الجاسر (رسائل فی تاریخ المدینہ)، صفحات ۱۰۹-...
نیز: قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافت الدینیہ، مصر، ص ۴۳.

(۴۷) بیہقی نے حیات الانبیاء اور شعب الایمان میں نقل کیا ہے (۲:۲۱۸ نمبر ۱۵۸۳).

(۴۸) سنن ابی داود (مناسک: ۲۰۳۹)، مسند امام احمد، ۲-۵۲۷ اور تفسیر ابن کثیر، ۶-۴۶۴.

(۴۹) ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص: ۲۷۳.

(۵۰) القرآن الکریم (الحجرات: ۲).

(۵۱) ایضاً (الحجرات: ۳).

(۵۲) عبدالرحمٰن عبدالحمید البر، التحفۃ الذکیہ فی فضائل المدینۃ النبویہ، دار الیقین، مصر، ۲۰۰۰.

(۵۳) قاضی عیاض، الشفاء، ج:۲، ص ۴۴. نیز قطب الدین الحنفی، مصدر مذکور، ص ۴۳ اور ۹۹.

(۵۴) سید سلیمان ندوی، حیات (امام) مالکؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۶۵.

(۵۵) ایضاً.

(۵۶) ابن خلکان، ترجمہ مالک بن انس، تزئین الممالک، مصر، ج:۱، ص: ۴۳۹.

مدینہ طیبہ زادا اللہ شرفاً
کے اسمائے مبارکہ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کا نام 'طابہ' رکھوں (حدیث شریف)(۱)

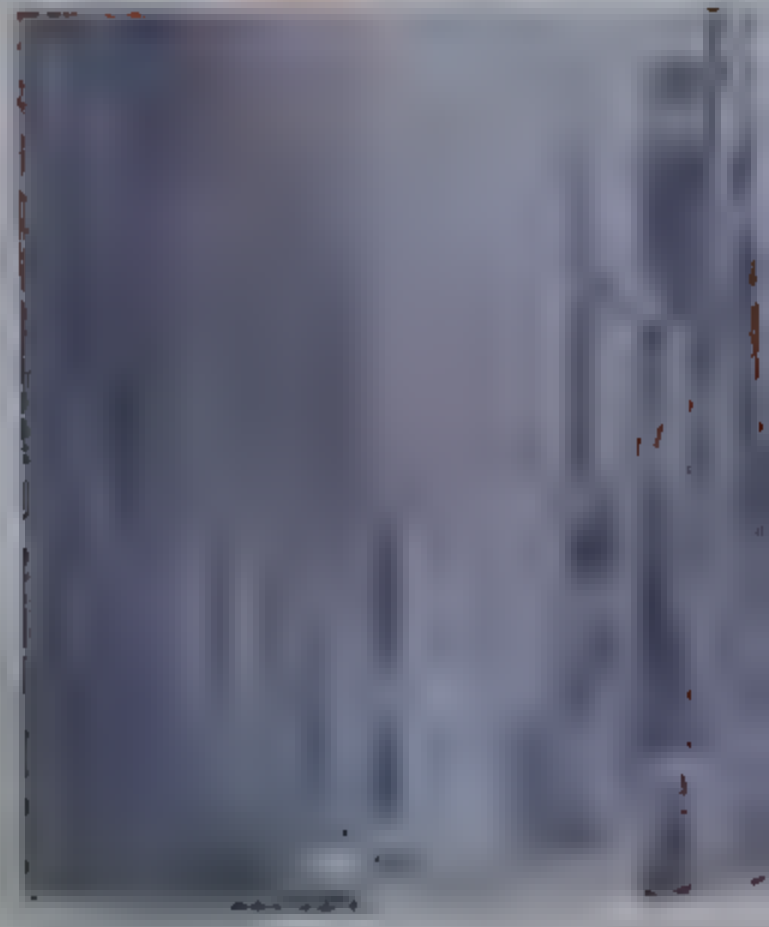

مورخین اور محدثین نے مدینۃ النبی کے سو سے زیادہ اسمائے مبارکہ بیان کئے ہیں. یاقوت الحموی وہ پہلے مورخ ہیں جنہوں نے اپنی شہو
زمانہ تصنیف معجم البلدان میں اس بلدہ طاہرہ کے ۲۹ (انتیس) نام شمار کئے تھے جن میں سے چند یہ ہیں [illegible] طیبہ، مسکینہ
العذراء، الجابرہ، المحبہ، المحببہ، المجبورہ، یثرب، الناجیہ، المحوفیہ، [illegible]
المرزوقہ، الشافیہ، الخیرہ، المحبوبہ، المرحومہ، القاصمہ، طابہ، [illegible] (۲)

اس کے بعد تقریباً ہر محقق نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے. سید سمہودیؒ نے ۹۵ نام گنوائے ہیں [illegible] مجد الدین فیروز
اور محمد بن یوسف الصالحی نے بہت سارے اسماء کی تشریح بالتفصیل بیان کی ہے. یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے [illegible] یہ قصبہ
یثرب کے نام سے جانا جاتا تھا. دراصل یہ شہر خوباں بہت سارے قریوں کا مجموعہ تھا جس میں سے سب سے [illegible] یہ قصبہ
کا تھا اور اسی وجہ سے یہی نام تمام قریوں کے مجموعے کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا تھا، اور جیسا کہ [illegible] میں
بیان کیا گیا ہے قدیم یونانی مورخین نے اسے 'ایاثریبا' یعنی یثرب کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے [illegible]
دو عالم ﷺ نے اپنا قدم مبارک یہاں رکھ کر اسے اپنا مسکن بنایا تو پھر یہ شہر مقدس مدینۃ النبی کے نام سے [illegible]

اس بلدہ مبارکہ کے اتنے سارے نام ہونے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں اس مقدس بقعہ ارض کا کیا مقام
احترام ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسے جتنے بھی نام دئے گئے ہر نام نہایت ہی مناسب اور اسم با مسمی ثابت ہوا ہے. ابتدائے اسلام سے آج
آج تک کبھی اسے مدینۃ النبی، کبھی مدینۃ المبارکہ، کبھی مدینۃ المشرفہ اور کبھی صرف المدینہ یا مدینہ کہا جاتا رہا ہے. یہ صرف عثمانی (ترکی) دور
میں ہی تھا جب کہ اسے مدینۃ المنورہ کہا جانے لگا جو بظاہر اس لیے کہا گیا کہ اس شہر مقدس کی نسبت صرف اور صرف رسول مقبول ﷺ سے ہے
اور چونکہ حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کو قرآن پاک میں 'سراجاً منیراً' کہہ کر پکارا گیا ہے (۳) اس لیے اسی زاویہ نگاہ سے حضور
پرنور ﷺ کے مسکن و مدفن کو 'مدینہ منورہ' کہا جانے لگا اور پھر اس کے بعد یہ نام زبان زد خاص و عام ہو گیا اور یہی نام تمام بین الاقوامی سطح پر ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے مسلم ہو گیا ہے. چند اسماء مبارکہ کا ذکر تو قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے مگر دیگر اسماء مبارکہ فقہاء اور علماء نے مدینہ
طیبہ کی کسی نہ کسی خصوصیت یا صفت کی بنا پر وضع کئے ہیں. ذیل کے چند صفحات میں ہم چند مشہور اسمائے مبارکہ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں

مدینہ:

قرآن کریم نے لفظ مدینہ کا ذکر بطور اسم نکرہ اور اسم معرفہ دونوں طرح کیا ہے. مندرجہ ذیل چار آیات میں لفظ مدینہ بطور اسم معرفہ استعمال ہوا ہے:

(۱) اور تمہارے گرد جو اعراب (بدو قبائل کے لوگ) ہیں ان میں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ سے بھی (ان میں شامل ہیں) جو ابھی بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم ان کو نہیں جانتا مگر ہم جانتے ہیں. (۴)

(۲) نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان کے اردگرد کے (بادیہ میں بسنے والے) گنواروں کو کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہ جائیں اور انہیں چاہئے کہ وہ اپنی جانوں کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عزیز نہ رکھیں. (۵)

(۳) البتہ اگر منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، تو ہم تمہیں ان کے پیچھے لگا دیں گے اور پھر وہ تیرے پاس (یہاں یعنی مدینہ میں) زیادہ دیر نہ رہ پائیں گے. (۶)

(۴) وہ لوگ (یعنی منافق) کہتے ہیں اگر ہم مدینہ میں واپس گئے تو عزت والے لوگ کمتروں کو نکال باہر پھینکیں گے. اور عزت تو اللہ اور اسکے رسول اور ایمان والوں کی ہے، یہ بات منافق کیا جانیں. (۷)

دارالخلافہ قرار پایا اس وقت کی عالمی قوتوں کے تمام دارہائے سلطنت ایک ایک کر کے سرنگوں اور مغلوب ہوا مدینہ طیبہ سے باج گزار بن گئے کیونکہ اسلام کی افواج قاہرہ نے ان کی عظمت وسطوت کو اپنے پاؤں تلے روند کر وہاں مدینہ طیبہ کی عظمت و جبروت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے.

(۳) تیسری بات یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا نام نامی مدینہ رکھ دیا تھا. جونہی اس بات کا چرچا ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے یثرب کہنا یکسر ترک کر دیا. اب اس کا ذکر اگر کیا جاتا ہے تو صرف تاریخی حوالے سے. حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؒ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جو کوئی بھی مدینہ کو یثرب کے نام سے پکارے گا اسے ذوالجلال سے استغفار کرنا ہوگی. یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے.] (۱۴) جلال الدین السیوطی نے جامع الاحادیث (۹-۵۱۲) میں دی گئی حدیث مبارکہ کے الفاظ تو بالصراحت اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ جس نے بھی مدینہ کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کیا کفارے کے طور پر اسے دس بار "المدینہ" کہنا چاہئے.

طابہ: یہ حدیث مبارکہ کہ: [بلاشک مجھے رب ذوالجلال نے حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کا نام طابہ رکھوں.] اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک مدینہ منورہ کا محبوب ترین نام طابہ تھا. حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ: [اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے.] طابہ کا مطلب نفیس، طاہر (پاک) عمدہ اور میٹھا ہے. (۱۵) حبیب خوشبو بھی کہتے ہیں اس لیے طابہ کا ایک مطلب خوشبودار بھی ہے. حضرت جابرؓ ہی کی ایک اور روایت میں جو دوسرے راویان کرام کی سماعت سے بیان کی گئی ہے کہا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں.] (۱۶) حضرت ابوحمید الساعدیؓ نے بیان کیا ہے کہ: [جب ہم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو جونہی مدینہ ہماری نظروں کے سامنے نمودار ہوا حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [یہ طابہ ہے، یہ جبل احد ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.] (۱۷) ابن شبہ النمیری نے بھی ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حوالے سے بیان کی ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [جو بھی مدینہ کو یثرب کہے گا اسے توبہ کرنی چاہئے اور تین مرتبہ استغفر اللہ کہنا چاہئے. یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے.] (۱۸) کیوں نہ ہو کہ وہی یثرب جو آمد رسول مقبول ﷺ سے پہلے فساد و تثریب کا گڑھ تھا قدم بوسی دانائے سبل ﷺ کے بعد فروغ وادی سیناء کی رفعتوں کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ چکا تھا نعلین مبارکہ اور پاپوش ختم الرسل ﷺ نے اس کی غبار راہ تک کو عرش کا ہم پایہ کر دیا تھا. اس کی گلی گلی رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے عطر بیز ہوئی تھی. ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں سے اوجھل ہوتے تو انہیں حضور والا شان ﷺ کو تلاش کرنے میں اتنی دقت نہ ہوتی کیونکہ جس طرف آں حضرت ﷺ کا گزر ہوتا تھا وہ راستے اور وہ ہوائیں بہت دیر تک معطر رہتیں اور اصحابہ کرام اسی طرف کا رخ کرتے اور جا کر حضور پرنور ﷺ کو پا لیتے:

یا خیر من دفنت فی الترب اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم

(اے وہ سب سے اچھی ذات کہ جس کا جسد اطہر مٹی میں دفن کیا گیا، تو اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے.)

طیبہ: حضرت زید ابن ثابتؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ: [یہ طیبہ ہے جس کا مطلب مدینہ ہے: خبث و نجاست کو ایسے نکال باہر پھینکتا ہے جیسے آتش چاندی کے کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے.] (۱۹) جب شہر مدینہ نے بصفت کاملہ اسلام قبول کر لیا تو اس میں کفار کی سکونت کی گنجائش نہ تھی اور یہود بے بہبود کے اجلاء اور دیگر غیر مسلم عناصر کے انخلاء کے بعد یہ شہر خوباں طاہر و طیب ہوا. مشہور صحابیہ سیدۃ فاطمہ بنت قیسؓ فتنہ دجال کی حدیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔] (۲۰) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ: [رب ذوالجلال کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مدینہ کی مٹی اور اراضی مومنہ ہے (یعنی ایمان لا چکی ہے اور امان پا گئی ہے)]. (۲۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ [ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایک مدنی اپنے عزیز یا رشتہ دار کو بلا کر کہے گا کہ چلو کسی ایسی جگہ چل کر بسیں جہاں سامان زیست ارزاں اور بافراط ملتا ہو۔ مگر سچ یہ ہے کہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا اے کاش کہ وہ اسے جان پاتے۔ رب ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ کوئی مدینہ چھوڑ کر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ کو اس کی جگہ بہتر نعم البدل نہ دے۔ یاد رکھو مدینہ ایک ایسی بھٹی کی مانند ہے جو ہر خبث اور کھوٹ سے اس کو پاک رکھے گی۔ قیامت اس وقت تک نہیں آئیگی جب تک کہ مدینہ طیبہ اس خباثت اور کھوٹ کو جو اس میں در آئی ہوگی اس کو اس طرح باہر نکال کر نہ پھینک دے جس طرح ایک بھٹی فولاد سے خام مادے کو الگ کر دیتی ہے۔ (۲۲) اس طرح کی اور بہت سی آحادیث وارد ہوئی جس کی وجہ سے محدثین نے طیبہ کا ایک معنی یہ بھی لیا ہے کہ 'پاک کرنے والا'۔

مطیبہ: یہ مبارک نام بھی طیبہ اور طابہ ہی کے مصدر سے مشتق ہے اور کم وبیش ان جیسے معانی رکھتا ہے۔ ایسا ہی ایک دوسرا مشتق مطابہ بھی ہے جو کہ اس بلدہ طاہرہ کا ایک اور نام ہے۔ طیبہ اور طابہ بھی اسی مصدر سے مشتق ہے۔ ایک ہی مصدر کے مشتقات کی بہتات مدینہ طیبہ کی ان تمام تر خوبیوں اور خصوصیات کا اظہار کرنے کے لیے ہے جن کے معانی: طہارت اور پاکیزگی، عمدگی، لطافت اور نفاست، مٹھاس اور عطر بیزی ہیں جو بلاشک مدینہ طیبہ کی ارض مقدسہ اور فیوض و برکات سے مالا مال ماحول کا طرہ امتیاز ہے۔ یاقوت الحموی البغدادی (ت: ۶۲۶ ہجری) فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا معطر ہے جو فضاء کو عطر بیز رکھتی ہے اور یہ لطیف عطر باقی عطور سے کہیں افضل واعلیٰ ہے۔

یا طیب مبتدا منه و مختتم
بن مولده عن طیب عنصره

(آنجناب ﷺ کی میلاد یعنی پیدائش نے آپ کے عناصر جسدی کی خوشبو کو ظاہر کر دیا۔ سبحان اللہ کیا لطافت ونفاست ہے آپ حضور ﷺ کے اول کی اور آخر کی)۔ (امام بوصیریؒ)

مدخل صدق: قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں مدینہ منورہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ﴿اور کہہ اے رب مجھے مدخل صدق (یعنی مدینہ) میں خوش اسلوبی اور نہایت آبرو سے پہنچا اور جہاں سے تو مجھے نکالنا چاہتا ہے (مخرج صدق یعنی مکۃ المکرمہ) وہاں سے بھی نہایت خوش اسلوبی سے نکالنے کا بندوبست کر اور اپنی جناب سے مجھے قوت ونصرت عطا کر۔﴾ (۲۳) مفسرین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ

[illegible] ہوئی۔ جب کفار مکہ کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں اور وہ رسالت مآب [illegible] خون سے [illegible] کوا ذن ہجرت ہوا کہ آپ عازم مدخل صدق ہوجائیں اور عرض کریں [illegible] صدق کا نام دیا ہے اس وعدہ پر اور قوت و نصرت سے مراد مدینہ طیبہ سے انصار کی اس پر کمر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہر حالت میں آنحضرت [illegible] کا ساتھ دیا طبری نے اس تفسیر کے حق میں حضرت حسن بصری سے بھی نظر سے اختلاف کیا ہے (۲۴) حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ ہے جب کہ مخرج صدق سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور قوت و نصرت سے گروہ انصار مراد ہیں۔ (۲۵)

سید البلدان: جبکہ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ (شہروں کی ماں) کہا گیا ہے مدینہ طیبہ کو سید البلدان (تمام شہروں سے [illegible] سے عام اور یہ مناسب نام ہوگا تھا حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں [جب بھی حضور نبی اکرم [illegible] کسی سفر سے بعد مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے تو مدینہ منورہ سے یوں مخاطب ہوتے: [اے طیبہ، اے سید البلدان۔] نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں حضرت عمر فاروق بھی سید البلدان کہہ کر پکارتے تھے (۲۶)

حرم رسول اللہ ﷺ: نبی الحرمین و محبوب رب المشرقین و رب المغربین ﷺ کا فرمان جلیل ہے "[illegible] حرم [illegible] عمرو بن سعد نے اپنے والد ماجد (یعنی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ) کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تاجدار حرم ﷺ جو کہ حرم حضرت ابراہیم نے فرمایا [میں نے (مدینہ کے) دونوں [illegible] کی سنگلاخ سطوح مرتفع کے درمیان واقع میدانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے لہٰذا اس کے اشجار کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی اس کی حدود حرم میں جانوروں کا شکار کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مزید فرمایا مدینہ ان دونوں کے لیے بہت بہتر ہے اگر یہ جانیں کوئی بھی اس کو ناپسندیدگی کی وجہ سے ترک نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کو اس سے بہتر قوم البدل عطا کردے گا اور جو بھی مدینہ منورہ کی تکالیف اور صعوبات کو صبر و استقامت سے برداشت کرے گا بروز حشر میں اس کی شفاعت [illegible] کا اور اس کا شفیع ٹھہروں گا [(۲۷) رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا [حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکۃ المکرمہ ہے اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے [یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو حرم رسول اللہ ﷺ یا حرم نبوی کہا گیا ہے جس کی حدود شمالاً جنوباً جبل ثور سے لیکر جبل عیر تک اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ (حرہ واقم) اور حرہ غربیہ (حرہ وبرہ) کی سطوح مرتفع تک پھیلی ہوئی ہیں۔]

البلد: سورہ البلد کے شروع میں فرمان الٰہی ہے:

﴿لا اقسم بهذا البلد۔ و انت حل بهذا البلد﴾ مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب آپ اس شہر میں آزاد اور تشریف فرما ہیں۔ (۲۸)

تنزیل کے اعتبار سے گو یہ آیت مکی ہے اور عام مفسرین کی رائے بھی یہی ہے کہ اس آیت کریمہ میں مکۃ المکرمہ کا ذکر ہے مگر بہت سے سرکردہ مفسرین کرام کا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم مشروط ہے، یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی آزادی اعمال کے ساتھ، اس لیے اس قسم کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ہی ہوتا ہے جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کو مکمل آزادی حاصل تھی جبکہ اس کے برعکس مکہ مکرمہ میں آپ حضور ﷺ پر تو اپنے مشن کی تکمیل سے بے بہرہ کا قدغن تھا اور آں حضور ﷺ کو طرح طرح کی مصائب اور مشکلات کا سامنا تھا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ گو کہ یہ آیت کریمہ ترتیب نزول کے اعتبار سے مکی ہے مگر اس کے معانی کے نقطہ نظر سے اس سے مراد مدینہ منورہ بھی ہے کیونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ کا مسکن ابدی مدینہ منورہ ہی ہے جس میں آں حضور ﷺ کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ اسی طرح قرآن کریم نے مدینہ طیبہ کو ارض اللہ کہہ کر بھی پکارا ہے (۲۹) اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کائنات اللہ ہی کی ملکیت ہے مگر مدینہ طیبہ سے خصوصی پیار کی وجہ سے رب کریم جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کے شہر کو خاص طور پر ارض اللہ کہہ کر پکارا۔ بہی جیسے مفسرین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہاں ارض اللہ سے مراد مدینہ طیبہ ہی ہے۔ (۳۰)

قرآن کھا رہا ہے اس خاک کی قسم ہم کون ہیں خدا کو ہے تیری کمی ...

الدار: حضور سرور کائنات ﷺ کے مسکن ہونے کے ناطے مدینہ طیبہ نے دار رسول اللہ ﷺ یا مدینۃ الرسول ... سے بھی شہرت پائی ہے. حضرت عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ؓ فرماتے ہیں [اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو "دار" اور "الایمان" کا نام دیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ﴿والذین تبوؤ الدار والایمان﴾ (۳۱) سے واضح ہے. سورہ حشر کی اس آیت مبارکہ میں ... کے اصول وضع کئے ہیں اور اس کے مستحقین کی وضاحت فرمائی ہے چونکہ اہالیان مدینہ منورہ کو ... اس بلدہ طیبہ کو الدار اور الایمان کے نام سے نوازا گیا ہے.

العاصمہ: عربی زبان میں اس کا مطلب عیوب و نقائص سے مبراء اور منزہ ہے. مدینہ منورہ کے ... نام ہوگا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بالصراحت فرمادیا ہے کہ اللہ رب ذوالجلال نے مدینہ طیبہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ... مٹی ایمان لا چکی ہے. علاوہ ازیں چونکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے کفار کے ظلم و ستم سے نجات پائی تھی اور وہاں ... محفوظ ہو گئے تھے اس لیے بھی مورخین نے شہر مصطفوی ﷺ کو العاصمہ کا لقب دیا ہے اسی طرح اس کا ایک اور نام ... مطلب منافقین اور کفار کے عزائم کو طشت از بام کرنے والا تھا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے

دارالابرار: حضور سرور کونین ﷺ کے نود و نہ ناموں میں سے ایک نام مبارک "سید ابرار" بھی ہے جس کا مطلب پرہیزگاروں کے سید و سردار. اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دارالابرار (یعنی پرہیزگاروں کا گھر) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شہر خوباں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد کا پسندیدہ مسکن بن گیا تھا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ تابعین فقہاء اور اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی. یہ حقیقت کہ تقریباً دس ہزار سے زائد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف جنت البقیع میں مدفون ہیں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ ان اتقیاء اور اذکیاء شخصیات کا مرغوب و محبوب مسکن تھا. مدینہ طیبہ وہ دارالابرار ہے جہاں پر مرنے اور دفن ہونے کی دعا خود سید الابرار ﷺ اور آنجناب کے جلیل القدر صحابی (سیدنا عمر فاروق ؓ) نے بھی کی.

فرخا شہرے کہ تو بودی در آں — اے خنک خاکے کہ آسودی در آں
کوکبم را دیدہ بیدار بخش — مرقدے در سایہ دیوار بخش

(اقبال)

دارالاخیار: آقائے دوسراء ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام "سید الاخیار" بھی ہے جس کا مطلب "چنے گئے پسندیدہ اور بہترین شخصیتوں کا سردار". اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو بھی بلدان عالم میں وہی حیثیت حاصل ہو گئی اور اسے بہترین افراد کا مسکن قرار دیا گیا. اسلامی علوم کا مورد اور منبع ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ دیگر بلدان عالم سے سبقت لے گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ جتنے علماء، فقہاء اور زبدۃ الامت مدینہ منورہ نے پیدا کئے شاید ہی کوئی دوسرا شہر اس کی مثال دے سکے.

دارالایمان: رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود سے یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور وہ "دارالشرک" سے "دارالایمان" بن گیا اور پھر ایسا "دارالایمان" بنا کہ رہتی دنیا تک ایمان کا گھر ہی رہے گا. ایک حدیث مبارکہ کے مطابق مدینہ طیبہ ایمان کا مصدر و منبع ہے اور ایمان اس سے کبھی جدا نہیں ہوگا. حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح ایک سانپ اپنی بل سے زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتا اور ہمیشہ اسی میں ہی لوٹ کر آتا ہے عین ایمان بھی مدینہ طیبہ میں واپس لوٹ آتا ہے. یعنی مدینہ طیبہ اور ایمان لازم و ملزوم ہیں. اسی وجہ سے علماء کرام نے اسے دارالایمان کہا ہے. اس حرم مقدس سے علم و عرفان اور انوار و تجلیات کے سوتے پھوٹتے ہیں اور حکمت و ایمان کے متلاشی عمر بھر اس حسرت میں رہتے ہیں کہ

کب مدینہ طیبہ کی زیارت ہو اور کب وہ 'دارالایمان' کے چشموں سے اپنی پیاس بجھ سکیں.

دارالفتح: فرمان ایزدی ہے ﴿ان فتحنا لک فتحا مبینا﴾ بے شک ہم نے تمہارے لیے فتح مبین کا راستہ کھول دیا ہے مدنی سورۃ فتح کی اس پہلی آیت سے اسلام کی عالمگیر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا. فتح کے معانی کھولنا یا فیصلہ کرنا ہوتا ہے ہجرت طیبہ کے بعد چونکہ اللہ تعالیٰ نے افواج اسلام کو پے در پے فتح و نصرت عطا کی اور چار دانگ عالم میں [illegible] کا بجنے لگ گیا اس لیے مدینہ طیبہ کو 'دارالفتح' کے نام سے بھی پکارا گیا ہے. جب مسلمان مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو وہ بیکس و بے [illegible] تھے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی. اللہ کریم نے ان کے صبر و استقامت کو اس طرح نوازا کہ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کے [illegible] اس وقت کی متمدن دنیا کی عالمی قوتوں کو سرنگوں کر کے دنیا کی زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر دین حق کا بول بالا کر رہے تھے [illegible] فتح مبین کی بدولت مدینہ طیبہ کو دارالفتح کہا گیا ہے.

دارالنخیل یا دارالنخل: زمانہ قبل از تاریخ سے ہی مدینہ طیبہ (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) کھجور کی پیداوار کے لیے مشہور تھا یہاں پر سب سے پہلے کھجور کی شجر کاری عمالقہ نے کی. رب ذوالجلال نے ارض حبیب کو پانی کی نعمت سے [illegible] کیا ہوا تھا اس کے بعد جب قوم [illegible] کچھ دیر مدینہ طیبہ میں آباد ہوئی تو انہوں نے کنویں کھود کھود کر پانی کشید کیا اور اس زمین کو مزید قابل کاشت کر دیا. اور اس طرح مدینہ طیبہ نخل (یعنی کھجور) کی کاشت کے لیے مشہور ہو گیا. ہجرت سے پہلے نبی الامی والعلیم الکریم ﷺ نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ وہ ایک ایسے علاقے میں ہجرت کریں گے جہاں کی زمین کی آبیاری کنوؤں سے کی جاتی تھی اور جہاں کھجور کی شجر کاری بکثرت تھی. یہ تھا رؤیائے صادقہ کا خارجی تعبیر مدینہ منورہ تھی. آج بھی سعودی عرب کی سرزمین پر کم و بیش ۳۰۰ (تین صد) اقسام کی کھجور ہوتی ہے جس میں سے ۲۷۰ اقسام صرف بلد طاہر مدینہ منورہ میں پیدا ہوتی ہیں. اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دارالنخیل یا دارالنخل بھی کہا گیا ہے.

غالبہ: غالبہ کا مطلب واضح ہے یعنی غلبہ حاصل کرنے والا. اکالۃ القرنی کی طرح غالبہ کا بھی وہی مطلب ہے کیونکہ یہ شہر حبیب [illegible] وقت کے بلدان عالم پر غالب آیا تھا. مدینہ طیبہ سے طلوع ہونے والے آفتاب اسلام نے دنیا کے تیرہ و تاریک گوشوں کو منور اور تابندہ کر دیا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو طریق حق پر گامزن کر دیا. کیا ساسانی کیا رومی، کیا مصری اور کیا اتھیوپی، ہر طاغوتی طاقت چشم زدن میں مغلوب و مفتوح ہو کر عاصمۃ الاسلام مدینہ طیبہ کی باجگزار ہو گئی تھی. یہ اعزاز شہر نبوی مدینہ طیبہ کو ایک اور نام دے گیا جسے غالبہ کہا جاتا ہے.

حسنہ: حسنہ کا مطلب خوبی یا نیکی ہوتا ہے. اس شہر حبیب کی حسنات و برکات کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں جہاں ۷۰،۰۰۰ فرشتے آسمان سے نازل ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر شب بھر درود و سلام پیش کرتے ہوں اور صبح ہوتے ہی اتنی تعداد آسمانوں سے دن بھر کے لیے نازل ہوتی ہو اور یہ عمل روز قیامت تک جاری و ساری ہے. (۳۲)

فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں بہت قریب ہے عرش خدا مدینے سے

(سیماب اکبرآبادی)

المحبیبہ: جس سے محبت کی جائے اسے حبیبہ کہا جاتا ہے. حبیب کبریا ﷺ نے رب ذوالجلال سے دعا کی کہ اے اللہ مومنین کے دلوں میں مدینہ کی محبت اجاگر کر دے تاکہ اسے وہ اتنی ہی محبت کرنے لگیں جتنی کہ مکہ مکرمہ سے کرتے ہیں. ایک حدیث مبارکہ میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ: [اے اللہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا کر تاکہ ہم اس سے اتنی محبت کریں جتنی کہ مکہ سے کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ.] (۳۳) یہ دعائے رسول اور ایجابت الٰہی کا ثمرہ تھا جس سے مدینہ طیبہ کو المحبیبہ کا محبوب ترین لقب دیا گیا اور اردو اور فارسی شاعری میں تو دیار حبیب ایک بہت ہی معروف و مقبول نام بن چکا ہے اس لیے کہ یہ شہر مقدس نہ صرف اللہ کو حبیب ہے بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خود

[illegible] ہوئے اور جونہی مدینہ طیبہ رسالت مآب ﷺ کی نظروں کے سامنے
[illegible] ہوئے وہاں پہنچ جائیں، جو سکون آنحضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ میں ملتا وہ کہیں
[illegible] مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: [اور مدینہ ان کے لیے بہت بہتر
[illegible]

[illegible] تمام تر ریشہ دوانیوں کے باوجود بھی مدینہ طیبہ مومنین کے لیے ایک ناقابل تسخیر
[illegible] غبار سے نوا نکال دی بلکہ چار دانگ عالم میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اس لیے مدینہ
[illegible] پندرہ روز پہلے حضور سرور کائنات ﷺ نے بہت سارے معاملات پر جو امت کو درپیش تھے
[illegible] فرمایا اور ایک [illegible] فرمایا۔ [اب شرک مدینہ طیبہ میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔] ایک دوسرے موقع پر یہ ارشاد فرمایا:
[illegible] دجال بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (۳۴) عیسائی جاسوس برکہارٹ جس نے انیسویں صدی کے اوائل میں بھیس
[illegible] ۱۸۱۵ء میں جب مکہ، ینبع اور جدہ طاعون کی تباہ کاریوں سے بری طرح متاثر ہوئے تھے مدینے
[illegible] بندرگاہ ینبع کے درمیان سے طاعون کی وبا سے بالکل محفوظ رہے تھے۔ (۳۵) اسی طرح خلیفہ راشد حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب نیاز سے شمالی مشرق طاعون کی وبا کی لپیٹ میں آ گئے تھے مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بالکل
محفوظ رہا تھا۔

جہاں تک مدینہ طیبہ کا دجال کے دخول سے محفوظ رہنے کا تعلق ہے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ [دجال مدینہ طیبہ کی مشرقی
جانب سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا یہاں تک کہ وہ جبل احد کے پچھواڑے پڑاؤ ڈالے گا تب فرشتے اس کا منہ موڑ کر شام کی
طرف کر دیں گے اور وہ وہاں جا کر واصل جہنم ہو جائے گا۔] (۳۶) یہ حدیث مبارکہ تقریباً تمام کتب احادیث میں مذکور ہے۔ دجال اور طاعون
کا مدینہ طیبہ میں نہ آ سکنا اس کے محفوظ ہونے کا بین ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بلدہ طاہرہ کو 'المحفوظہ' کہا گیا ہے۔

الشافیہ: اس کا مطلب ہے شفاء دینے والا۔ نبی رحمت ﷺ نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ تراب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے شفاء بخشی ہے۔
بالخصوص تربت صعیب (خاک شفاء) کو تو حضور والا شان ﷺ نے بہت سی بیماریوں کے لیے ایک نسخہ اکسیر فرمایا ہے اور متعدد مورخین مدینہ
طیبہ نے بارہا اس نسخے سے صحت یاب ہو کر اس حدیث مبارکہ کی تصدیق کی ہے جن میں ابن نجار اور سید سمہودیؒ بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر
جلدی امراض کے لیے تو یہ اکسیر مجرب ہے۔ جب کبھی بھی کسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر مدینہ منورہ کی گرد اڑ جاتی تو آپ
حضور ﷺ عموماً اسے صاف نہ کرتے اور اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ [غبار مدینہ میں شفاء
ہے] حضرت امام مالکؒ کو تو مدینہ طیبہ کی تراب اور غبار اتنے عزیز تھے کہ ایک مرتبہ جب کسی نے مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارے میں حقارت
سے اسے روی کہہ دیا تو انہوں نے اسے تیس (۳۰) کوڑے لگانے کا حکم دے دیا اور تادم توبہ اس کو محبوس اور مقید کرنے کی سزا بھی سنا دی۔

مہاجر الرسول: چونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے مکیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہ صرف مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی بلکہ تا بہ ابد اسے
اپنا مسکن بنا لیا اس وجہ سے مدینہ طیبہ کو مہاجر رسول کے لقب سے بھی پکارا گیا ہے۔

ذات الحرار: ارض مدینہ طیبہ کی جیالوجیکل یعنی ارضیاتی ساخت اور خصوصیات کی وجہ سے اسے ذات الحرار بھی کہا گیا ہے (۳۷)
کیونکہ اس کی بیشتر اراضی لاوا کی چٹانوں سے بنی تھی جو حرار کی سطوح مرتفع کہلاتی تھیں۔ حرہ عربی زبان میں ایسی پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جو
آتش فشانی عمل کے نتیجے میں جل کر سیاہ چٹان بن چکی ہو۔ مدینہ طیبہ کے دو علاقے تو اس سلسلے میں خاصے مشہور رہے ہیں حرہ شرقیہ اور حرہ

غربیہ یہ دونوں حرار حرم مدنی کی مشرقی اور مغربی حدود کا تعین بھی کرتے ہیں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ [نبی اطہر ﷺ نے جبل احد کی طرف دیکھا اور فرمایا [یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا اور میں ان دونوں سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان والے خطے کو حرم بناتا ہوں] (۳۸) ان دو حروں کے علاوہ مدینہ طیبہ کے گردوپیش میں واقع سطوح مرتفع بہت سے طویل و عریض حروں پر مشتمل ہے. حرار دراصل حرہ کی جمع کا صیغہ ہے. اسی وجہ سے مدینہ طیبہ کو ذات الحرار یا ذات الحرار بھی کہا گیا ہے.

دیگر اسمائے مبارکہ: ان مذکورہ چند اسماء مبارکہ کے علاوہ اس شہر خوباں کے اور بھی بہت سے اسمائے کریم ہیں جو اس کی مختلف خصوصیتوں اور فیوض و برکات کی نسبت سے رکھے گئے ہیں، مثلاً العذراء، المحبوبہ، دارالسلام، دارالسنہ، قلب الایمان، قریۃ الانصار، قریۃ اللہ، قریۃ السلام، قبۃ الاسلام، یثرب (ایک قسم کی خوشبو) اور یثرب وغیرہ. آخر میں ہم دو بہت اہم ناموں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو اپنی شہرت کی وجہ سے زبان زد عام ہو چکے ہیں.

منورہ: سب سے آخری ناموں میں جو مدینہ طیبہ کے لیے رکھے گئے ہیں 'منورہ' آتا ہے جس کا مطلب روشن و تاباں ہے جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں بیان کیا گیا ہے یہ اسم مبارک یعنی حقبہ ترک عثمانی دور میں رواج پذیر ہوا اور اس مبارک نام نے اتنی شہرت اور مقبولیت پائی ہے کہ مکۃ المکرمہ کی طرح مدینہ کے ساتھ المنورہ یا منورہ کا آنا اب لازم و ملزوم ہو گیا ہے اور عالم اسلام کے ہر گوشے میں یہ نام زبان زد خاص و عام ہے. لفظ 'منورہ' مشتق ہے 'نور' سے جو نہ صرف اللہ جل جلالہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے اسمائے حسنہ میں بھی شامل ہے بلکہ خود قرآن کریم کے لیے بھی استعمال ہوا ہے. مزید برآں قرآن کریم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کو 'سراجاً منیراً' (۳۹) کہہ کر پکارا ہے اس لیے ان تینوں نسبتوں سے اس شہر مقدس کو منورہ کہا جانا حق گوئی کے سوا اور نہیں ہے.

بطحاء: عربی میں بطحاء نہایت اونچے مقام اور بلند سطح کو کہتے ہیں. مدینہ طیبہ کے باقی ماندہ ناموں کے علاوہ جو مختلف وقتوں میں اس شہر خوباں کو دیے گئے فارسی شعراء نے اپنے نعتیہ کلام میں بطحاء کا استعمال بکثرت کیا ہے. سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع فرمائی تو مشرقی جانب مسجد شریف کے باہر ایک چبوترہ بنا دیا جس کو بطیحاء کہا جاتا تھا (بطیحاء بطحاء کا اسم تصغیر ہے.) یہاں وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (اور بعد میں تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے جو شاعری میں شغف رکھتے تھے اپنا شاعرانہ کلام باواز بلند پڑھا کرتے تھے کیونکہ مسجد نبوی کے اندر ایسا کرنا مسجد نبوی اور حجرہ مطہرہ کی حرمت کو مجروح کرنے کے مترادف تھا (یہ شرف صرف حضرت حسان ابن ثابتؓ کو ہی رہا کہ وہ آخر دم تک اپنا نعتیہ کلام مسجد نبوی کے اندر ہی پڑھتے رہے کیونکہ شہ بطحاء ﷺ ان سے ان کا کلام موزوں سماعت فرمایا کرتے تھے). اس لیے شعراء نے اور بالخصوص فارسی شعراء نے لفظ بطحاء کو مدینہ طیبہ کے لیے مخصوص کر لیا. بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کے بطیحاء کے علاوہ وادی عقیق میں واقع اس مقام کو بھی 'بطحاء' کہا جاتا تھا جہاں اب مسجد ذوالحلیفہ واقع ہے. وہاں پر حضور رسالت مآب ﷺ نے عمرہ اور حج پر روانگی سے پہلے قیام فرمایا تھا.

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مقام کو 'بطحاء مبارکہ' کے نام سے بھی پکارا ہے (۴۰) جہاں ذوالحلیفہ میں مسجد میقات ہے. (۴۱) امام القرا حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں بطحاء پر اپنی اونٹنی بٹھائی اور وہاں نماز ادا کی.] اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے. (۴۲) چونکہ حجاج کرام کے قوافل ہمیشہ وہاں آ کر رکتے تھے تو وقت کے ساتھ ساتھ بطحاء کا نام خود مدینہ طیبہ کے لیے مشہور ہو گیا. اس کے علاوہ ایک اور بات بھی بطحاء کے وجہ تسمیہ کی باعث ہو سکتی ہے. زمانہ قبل از اسلام میں

یثرب میں مختلف مقامات پر منڈیاں لگا کرتی تھیں. ایسی ہی ایک منڈی بقیع الخیل کے پاس بھی منعقد ہوا کرتی تھی جہاں بنو سلیم گھوڑوں اور اونٹوں اور دیگر مال مویشی کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے. یہ جگہ حضرت زید ابن ثابتؓ کے گھر کے قریب ہوا کرتی تھی (۴۳) جو موجودہ مسجد الغمامہ کے مغربی جانب ہوا کرتا تھا. یہ ایک طرح کا نیلام گھر ہوا کرتا تھا جو عموماً حج کے موسم میں لگا کرتا تھا. چونکہ یہ منڈی بھی بطحاء کے نام سے جانی جاتی تھی لہذا باہر سے آنے والے حجاج کرام اور زائرین بھی اس بطحاء کی شہرت سے واقف تھے. اس لیے شعراء اور ادباء نے (خاص طور پر فارسی اور اردو زبان میں) ستعارے کے طور پر مدینہ منورہ کو اکثر بطحاء کہا ہے. مولانا جامیؒ کی اس نعت نے تو اسے زبان زد عام کر دیا جس کا مطلع ہے:

نسیما جانب بطحاء گزر کن ز احوالم محمد ﷺ را خبر کن

(اے بادِ نسیم تو بطحا یعنی مدینہ طیبہ سے ہو کر گزرنا اور شہ بطحاء کو میری زبوں حالی کی خبر دیتی جانا.)

کاظمہ: اسی طرح دیگر شعراء (بالخصوص علامہ اقبالؒ) نے مدینہ طیبہ کے لیے لفظ 'کاظمہ' کا بھی استعمال کیا ہے. اگرچہ کسی مورخ نے مدینہ طیبہ کے لیے اس نام کا بالصراحت ذکر نہیں کیا مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ 'کاظمہ' اس چشمہ کا نام تھا جو حضرت معاویہؓ نے مدینہ طیبہ کے باسیوں کی سہولت کے لیے احد کے دامن میں کھدوایا تھا جو عین الشہداء کے نام سے بھی جانا جاتا تھا. (۴۴) ممکن ہے کہ بطحاء کی طرح کاظمہ بھی عربی، اردو یا فارسی میں شاعری میں ایسے ہی داخل ہو گیا ہو. سب سے پہلے کاظمہ کو امام بوصیریؒ نے اپنے شہرہ آفاق قصیدہ بردہ شریف میں مطلع کے طور پر استعمال کیا:

من تذکر جیران بذی سلم ام هبت الریح من تلقاء کاظمة

مزجت دمعا جری من مقلة بدم و اومض البرق فی الظلماء من اضم

کیا تجھے ذی سلم کے ہمسائے یاد آ گئے کہ تیری آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو گئے

یا کاظمہ کی طرف سے ہوا چلی یا کوہ اضم پر اندھیری رات میں بجلی چمکی

کوہ اضم وہ پہاڑ ہیں جو کہ وادی اضم میں یا اس کے اردگرد واقع ہیں. وادی اضم جبل احد کے مغرب میں وہ علاقہ تھا جہاں کبھی مدینہ طیبہ کی تمام وادیوں کا سنگم ہوا کرتا تھا اور سب کا پانی مل کر ایک ڈیلٹا کی شکل اختیار کر لیتا تھا. اس علاقے کو زغابہ بھی کہا جاتا تھا. آج کل الخلیل کے علاقے کا کچھ حصہ اسی زغابہ اور اضم کی جگہ آباد ہے.

امام بوصیریؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ اقبال نے بھی بال جبریل میں اپنی مشہور زمانہ وجدانی نظم 'ذوق و شوق' میں مدینہ منورہ کے لیے کاظمہ کا لفظ استعمال کیا ہے:

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب کوہ اضم کو دے گیا رنگ رنگ طیلساں

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

حواشی

۴ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ بعنوان

القرآن الکریم (التوبہ ۱۲۰)

القرآن الکریم (الاحزاب ۶۰)

۸ القرآن الکریم (یٰسٓ ۲۱) دوسرے مقامات جہاں لفظ مدینہ استعمال ہوا ہے وہ یہ ہیں: (الاعراف: ۱۲۳

۹ ابن شبہ النمیری البصری (تاریخ المدینہ)، ج: ۱، ص ۱۶۲ مزید دیکھئے: قطب الدین الحنفی (ت

پورٹ سعید، مصر، ص ۲۔

(۱۰) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۸۹ نیز الموطا، امام مالکؒ، ۵/۴۵۔

(۱۱) سید سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ج ۱، ص ۹۔

(۱۲) [illegible]

(۱۳) سید سمہودیؒ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۸۔

(۱۴) [illegible]

(۱۵) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۹۳ نیز مسند امام احمد، ۵/۹۹، ۱۰۲ اور ۱۰۶

(۱۶) ڈاکٹر صالح بن حمید بن سعید الرفاعی الاحادیث الواردۃ فی فضائل المدینۃ دار الخضراء [illegible]

(۱۷) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۲۰۷

(۱۸) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۲۳۔

(۱۹) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۹۲

(۲۰) [illegible] نمبر ۲۵۔

(۲۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۱۔

(۲۲) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۸۸

(۲۳) [illegible]

(۲۴) الترمذی، جامع ۵/۳۰۴ نمبر ۳۱۳۹ الطبری، جامع البیان ۱۵/۱۳۹۔

(۲۵) عباس کرارو، الدین والتاریخ الحرمین الشریفین، دار مصر للطباعۃ (۱۹۸۰) ص ۳۳

(۲۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور ص ۱۳ سید سمہودی، وفاء الوفاء، ج ۱، ص

(۲۷) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۵۴

(۲۸) القرآن الکریم (البلد:۱)

(۲۹) القرآن الکریم (النساء:۹۷)

(۳۰) سید سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ج:۱، ص:۱۰.

(۳۱) القرآن الکریم (الحشر:۹)

(۳۲) ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص ۲۷۳.

(۳۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۱۱۳.

(۳۴) ایضاً، ج:۹، نمبر ۲۴۶.

(۳۵) رچرڈ برٹن (Quoted by Richard Burton, op cit.) ص ۳۸۴.

(۳۶) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۸۷

(۳۷) الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۶۴۵ صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۴۳۳.

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۴۹۴. (تمہاری جائے ہجرت مجھے دکھادی گئی ہے. میں نے سبخہ (یعنی شور والی زمین) دیکھی ہے جس میں کھجور کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو حروں کے درمیان واقع ہے.)

(۳۹) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۵۔۴۶) اے نبی بیشک ہم نے تمہیں اللہ کے امر کے مطابق شاہد اور خوشخبری دینے والا اور تنبیہ کرنے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے. اسی طرح سورۃ المائدہ (آیت نمبر ۱۵) 'بے شک تمہاری طرف اللہ سے ایک نور (یعنی من اللہ نور) اور ایک کھلی کتاب آئی ہے.

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۴۴۴.

(۴۱) ایضاً ج:۳، نمبر ۵۲۹ اور ج:۹، نمبر ۴۴۲.

(۴۲) ایضاً، ج:۲، نمبر ۶۰۷.

(۴۳) ابن شبہ، ج:۱، ص:۳۰۶

(۴۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۱۲۷۵

ارض جیبہ کے جغرافیائی اور
ارضیاتی خدوخال اور خصائص
(ارضی رقبہ پر ایک طائرانہ نظر)

مجھے تمہاری ہجرت کی منزل بتائی گئی ہے جو کہ ایک شاندار ریگستانی علاقہ ہے
جہاں پانی اور کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے
اور جو دو آتش فشانی لاوں سے بے سنگلاخ علاقوں کے درمیان واقع ہے
اور سیاہ پتھروں اور چٹانوں پر مشتمل ہے۔ (۱)

مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی حصے میں خط طول بلد کے حساب سے (۳۹-۳۶-۱) ڈگری اور خط عرض بلد میں (۲۴-۲۱-۵) ڈگری پر واقع ہے۔(۲) یہ مقدس شہر جدہ سے تقریباً ۴۲۵ کیلومیٹر (۲۶۴ میل) دور ہے، جب کہ مکۃ المکرمہ سے یہاں تک پہنچنے کے لیے ۴۹۰ کیلومیٹر (۳۰۱ میل) کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ ینبع کی بندرگاہ سے اس کا فاصلہ ۲۷۵ کیلومیٹر (۱۷۰ میل) اور ریاض سے، جو کہ مملکت سعودی عرب کا دارالخلافہ ہے، اس کا فاصلہ ۹۹۲ کیلومیٹر ہے۔ زیادہ سے زیادہ چوڑائی کے مقام پر مدینہ طیبہ کا قطر تقریباً ۴۰ کیلومیٹر بنتا ہے۔ جبکہ اس کا کل رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر پر محیط ہے جس میں سے ۲۹۳ مربع کیلومیٹر رہائشی اور تجارتی مراکز پر مشتمل عمارتوں اور میونسپل سہولیات پر محیط ہے۔ باقی کا رقبہ زیادہ تر سلسلہ ہائے جبال اور وادیوں پر مشتمل ہے (جغرافیائی لحاظ سے وادی کا حفظ مدینہ طیبہ کے قدرتی ندی نالوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بارانی دنوں میں جنوب سے شمال کی طرف بہتے ہیں)۔ اسی باقی ماندہ رقبے میں مدینہ طیبہ کے بہت سارے قبرستان، پارکوں اور سڑکوں کے جال اور دیگر بلدیاتی خدمات کے علاقے بھی شامل ہیں۔ یہ بلدہ طاہرہ سطح سمندر سے ۶۲۵ میٹر بلندی پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں تقریباً ۲۵۰ کیلومیٹر دور کوہستانی سلسلے (جسے زمانہ قدیم سے 'جبال الحجاز' کا نام دیا گیا ہے) کے اس پار بحر احمر کا نیلگوں سمندر واقع ہے جس کے کنارے قریب ترین بندرگاہ 'ینبع' ہے۔ شہر مصطفوی کے اردگرد بلند و بالا پہاڑ ہیں جن میں سے مغرب کی جانب حدود حرم سے ذرا باہر جبال الحجی (حاجیوں کے پہاڑ) ہیں اور جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے تھوڑے ہی فاصلے پر جبل سلع واقع ہے۔ طویل و عریض 'جبل عیر' جنوب میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے جبکہ شمال میں مشہور و معروف پہاڑ جبل احد ہے۔ مدینہ طیبہ کا وسطی علاقہ زرخیز اور متبرک وادی عقیق، بطحان اور المحمض کے سنگم کے قریب سطح مرتفع پر واقع ہے (۳) جس میں کسی زمانے میں اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیوں نے اپنے راستے بنائے ہوئے تھے۔

سرسبز و شاداب قطعات میں منقسم ارض حرم نبوی شریف جس میں اکثر و بیشتر برگ نخیل اپنے روائتی حسن سے لہلہاتے ہیں اور جہاں العقیق اور بہت سی دیگر وادیاں بل کھاتی ہوئی جبل احد کے مغرب کی طرف رواں دواں نظر آتی ہیں حضور سرور کونین ﷺ کے اس رویت صادقہ کی حسین تعبیر پیش کرتی ہیں جو شروع میں بیان کی گئی ہے۔ جدید طریقہ، فن اور آلات تعمیر نے اس بقاع نور میں واقع ارضی ناہمواریاں بہت حد تک ختم کر دی ہیں۔ ازمنہ قدیم سے وہ آتش فشانی 'احرار' جن کی سطوح مرتفع کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے آج ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے مگر پھر بھی متلاشی نگاہیں دیکھ لیتی ہیں کہ بعض علاقے آج بھی نسبتاً ناہموار سطوح پر مشتمل ہیں، جن میں 'حارہ غربیہ' کی آبادی (جو دراصل حرہ غربیہ کا بگڑا ہوا نام ہے) وغیرہ شامل ہیں۔

سامراجی دور میں جنگ عظیم اول کی ابتدا پر عرب دنیا میں جاسوسی اور سازشوں کے جال پھیلانے کے لیے برطانوی حکومت کے مشرق وسطی میں عرب بیورو مقیم قاہرہ نے حجاز کے متعلق جو حقائق نامہ جاری کیا تھا، اس کے مطابق:

''مدینہ خالی میدانی علاقے میں اونچی سطح مرتفع پر واقع ہے جس کی اونچائی تقریباً ۲۵۰۰ فٹ ہے۔ تین اطراف سے مدینہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جو اندرون شہر سے پانچ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ مدینہ کے نواح میں مختلف وادیوں کے سنگم کی آبیاری نے اس کو حجاز میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ بنا دیا ہے۔(۴)

مدینہ طیبہ زمانہ قدیم سے ہی نخلستانی علاقہ رہا ہے۔ آتش فشانی عمل سے پیدا ہونے والے لاوے اور پانی کی بہتات نے اس سرزمین کو بہت ہی زرخیز اور قابل کاشتکاری خطہ بنا دیا تھا۔ بنو عمالقہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی شروع کی۔ اس کے زیادہ تر زرخیز علاقے حرے کے سنگلاخ اور چٹانی علاقوں پر مشتمل تھے۔ اس پتھریلی زمین میں وہ مٹی جو سینکڑوں میل دور سے وادی عقیق وغیرہ میں بھل کے طور پر مدینہ طیبہ آ جاتی تھی ملا دی جاتی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کی ساری اراضی

مدینہ طیبہ کے مضافات میں
کھجوروں کے باغات کا ایک منظر

صدیوں سے قابل کاشت ہو چکی تھی اس کو مزید زرخیز بنانے کے لیے اس میں نرم ریت اور مویشیوں کا فضلہ وغیرہ ڈالا جاتا تھا جس سے وہاں ہر طرح کی کاشتکاری ہونے لگ گئی تھی۔ آج بھی سب سے زیادہ زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات اور بساتین انہیں علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں العوالی، قباء، العیون (جو عہد جدید میں تقریباً تمام کا تمام علاقہ رہائشی خطہ قرار دے دیا گیا ہے)، الجرف، العقیق اور حرہ شرقیہ و حرہ غربیہ کے علاقے شامل ہیں۔ پرانے شہری علاقے کے اردگرد زرعی اراضی کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مشرقی جانب کے علاقے کی اراضی سفیدی مائل مٹی سے بنی ہوئی تھی جبکہ حرہ غربیہ کی اراضی زیادہ تر سیاہ رنگ کی ہوا کرتی تھی جس میں زرخیزی دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اس لیے اس جانب اراضی میں سبزیاں، گندم، جو اور بہت سے انواع کے پھل ہوا کرتے تھے۔ قباء، العوالی اور قربان کے علاقے حرہ کے سنگلاخوں کی نسبت زیادہ نرم مٹی سے بنے تھے اس لیے وہاں صدیوں سے سبزیاں اگائی جاتی تھیں (۵) مزید برآں ان دونوں آبادیوں میں سے نہ صرف وادی بطحان، وادی مہزور اور وادی مذینب گزرا کرتی تھیں بلکہ جتنے کنویں اس علاقے میں کھودے گئے تھے اور کسی علاقے میں نہیں تھے۔ اس لیے مدینہ طیبہ کے یہ علاقے ہر قسم کی سبزی، پھل (جن میں انگور، انار، لیموں، کیلا، آڑو اور سیب تھے) اور کھجور کی مختلف اقسام کی کاشت کے لیے مشہور تھے۔ زمانہ قبل از اسلام میں اور عہد نبوی شریف میں مدینہ طیبہ میں جو جناس کاشت ہوتی تھیں ان میں جو (شعیر) سرفہرست تھا۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں گندم بھی بوئی جاتی تھی۔

عام طور پر کھیت کھجور کے درختوں سے بھرے ہوتے تھے مگر ان درختوں کے نیچے زمین میں کیاریاں بنا کر جو اور سبزیاں اگائی جاتی تھیں۔ اسی طرح شمال میں احد سے پہلے واقع علاقہ وادی قناۃ کی وجہ سے بہت زرخیز تھا۔ ۱۳۹۱ھ میں مدینہ طیبہ کا کل قابل کاشت رقبہ ۵۰۰۰ ہیکٹر پر محیط تھا جو عمرانی توسیع کی وجہ سے ۱۳۹۸ھ میں کم ہو کر ۱۲۷۷ ہیکٹر رہ گیا تھا۔ (۶)

آج کل مدینہ طیبہ کی زراعت زیادہ تر اجناس، پھل، کھجوروں اور سبزیوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ مال مویشی کے لیے چارہ بھی کاشت ہوتا ہے جس میں برسیم سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھلوں میں سب سے زیادہ تربوز، انار اور انگور ہوتے ہیں جو مدینہ طیبہ کے نواحی کھیتوں سے آتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ خرمہ (کھجور) ہے جو مدینہ طیبہ کی سوغات سمجھی جاتی ہے اور برآمد بھی کی جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں مشہور خرمہ العجوہ، لون اور برنی ہوا کرتی تھی (۷) اور آج بھی مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور مدینہ طیبہ کا خاص تحفہ تصور ہوتی ہے۔ (۸) دوسری اقسام میں البجدی، حلوہ، شلابی (بغیر گٹھلی کے جو سخل کے نام سے بھی جانی جاتی ہے)، مبروم، البیض، الرابعہ، البرنی، الصفوی، اروثانہ اور العنبرہ بہت مشہور ہیں۔ (۹) مدینہ طیبہ کی کھجور کی منڈی (سوق التمور) میں کم و بیش ۱۵۰ اقسام کی کھجور بکتی ہے جن میں العنبرہ سب سے زیادہ مہنگی ہے۔ پورے سعودی عرب میں تقریباً ۳۰۰ اقسام کی کھجور ہوتی ہے جس میں سے ۲۵۰ اقسام صرف مدینہ طیبہ کے علاقے سے آتی ہیں۔ (۱۰) درحقیقت کھجور مدنی زندگی میں اقتصاد مدینہ کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی رہی ہے۔ اس کے بیخ و بن، اس کے تنے اور ڈالیاں تک استعمال میں لائی جاتی ہیں جن سے بہت سی گھریلو چیزیں (مثلاً چٹائیاں، دستی پنکھے اور چھوٹے چھوٹے ڈبے وغیرہ) تیار ہوتی ہیں۔ ابتداء میں یہ کام غلاموں سے لیے جاتے تھے مگر اب باہر کے ممالک سے افرادی قوت منگائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ پہلے یہود کے ہاں غلام رہ چکے تھے وہ ہاتھ کے پنکھے بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور آپ رضی اللہ عنہ سرور دو عالم جان کائنات ﷺ اور آپ حضور کے اہل خانہ کے لیے کھجور کی پنکھیاں بنا کر لایا کرتے تھے اور اپنے آقا و سرکار دو عالم ﷺ کو مسجد نبوی میں اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلا کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ کی سرزمین کی ارضیاتی (جیولاجیکل) ساخت:

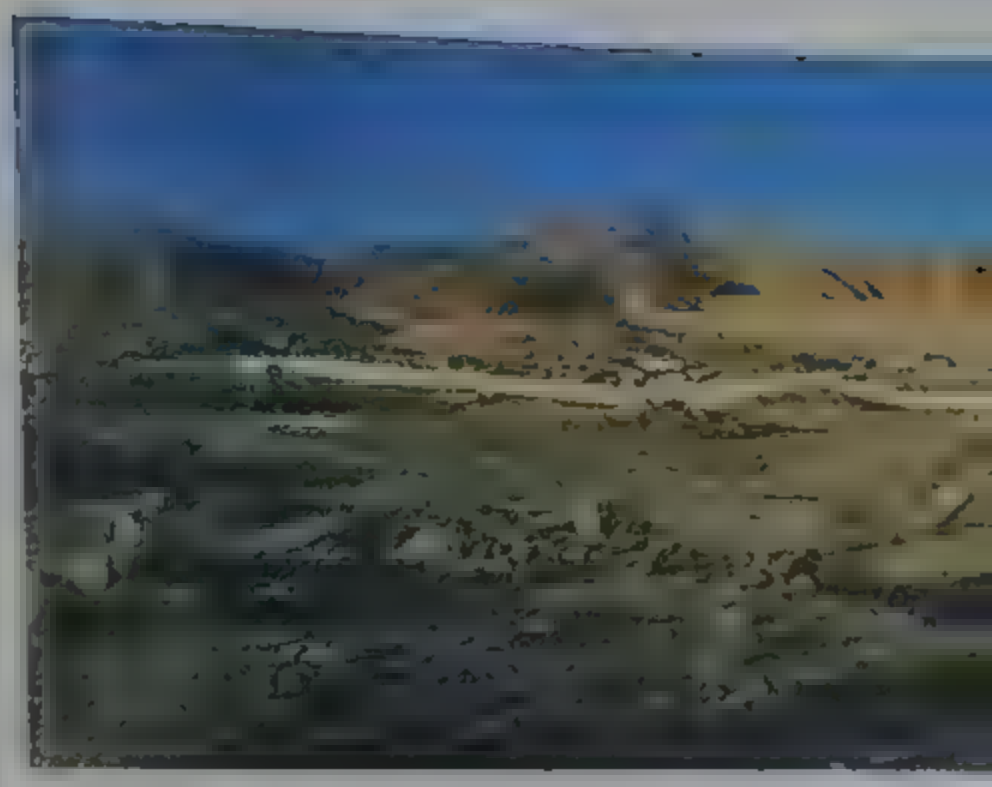

مدینہ طیبہ کے ارضی خدوخال

اراضیات (جیولوجی) کے نقطہ نظر سے مدینہ طیبہ کی سرزمین آتش فشانی عمل سے نتیجہ
معرض وجود میں آنے والے لاوا کے سنگ خارا کی سیاہ اور گہرے بھورے رنگ
چٹانوں سے بنی ہے جس میں بیسالٹ اور گرینائٹ کی آمیزش زیادہ ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ
طیبہ سفر کرتے ہوئے طریق ہجرہ ایک وسیع و عریض میدان سے گزرتے ہیں جو جگہ جگہ
لاوا کے سنگریزوں سے اٹا پڑا ہے جو اس بات کی صاف نشاندہی کرتا ہے کہ یہ پورا خطہ
بعید میں شدید آتش فشانی عمل کا شکار رہا تھا جو ہمیں معلوم سے بہت پہلے یہاں برپا ہوا تھا۔
سائنسی لحاظ سے اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جاری آتش فشانی عمل
سال پہلے ہی اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا کیونکہ ماضی قریب میں یہاں شاذونادر ہی ہوا ہے کہ
وہاں کوئی آتش فشانی انفجار رہا ہو۔ یہی حال مدینہ طیبہ کے جبال اور سنگلاخوں کا ہے جو اسی پس منظر کی پیداوار ہیں۔ سب کے سب پہاڑ اسی
عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئے تھے۔ ان سب پہاڑوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن سے آخرکار لاوا کی جگہ آتش فشانی راکھ خارج
ہوگئی تھی مثلاً جبل بنوقریضہ۔ ایسے پہاڑوں کی چٹانیں ٹھوس پتھریلی چٹانوں کی بجائے راکھ اور نرم اور نہایت ہی ہلکے مادے سے بنی ہیں جن
میں زیادہ تر ملی جلی دھاتیں ہیں جس سے مدینہ طیبہ کی تحت الارض ساخت پر بہت روشنی پڑتی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ ارض مدینہ
کی تہہ میں بہت سی دھاتیں موجود ہیں۔ ارض حرم مدینہ سے چند میل دور مہد الذہب کی موجودگی جہاں سونے کی کانیں ہیں اس بات کا منہ بولتا
ثبوت ہے فوق الارض زیادہ تر پہاڑ سخت لاوائی مادے سے بنے ہیں جن میں معدنی عناصر کم ہیں سوائے سلیکا اور انڈیسائٹ کے

زمانہ قدیم کے آتش فشانی عمل کے علاوہ مورخین مدینہ طیبہ نے زمانہ بعد از اسلام میں بھی چند ایسے برقانی انفجارات کا حوالہ دیا ہے یہ
ہی ایک انفجار ۶۵۵ ہجری (۱۲۵۷ء) میں بھی وقوع پذیر ہوا تھا جس کے نتیجے میں بہنے والا گرم و سرخ لاوا جو تقریباً تیس کیلومیٹر دور مشرق میں
واقع ایک پہاڑ کے جوار سے پھٹنے سے شروع ہوا ندیوں اور وادیوں سے ہوتا ہوا حدود حرم سے باہر مشرقی جانب آکر رک گیا تھا جس نے
پورے علاقے میں بہت زیادہ تباہی مچائی تھی۔ اس کی تفصیل ایک اور باب میں دی گئی ہے۔ اس لاوے کی باقیات جھلسے ہوئے سیاہ اور گہرے
رنگ کے لاوے کے ٹکڑوں کے ڈھیروں کے صورت میں مدینہ طیبہ کے مشرق میں ائرپورٹ کی طرف یا پھر نئی مدینہ ریاض روڈ کے دونوں
کناروں پر حد نگاہ تک بکھری نظر آتی ہیں۔ انگریزی لفظ 'لاوا' دراصل عربی کے لفظ 'لابہ' کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو لاطینی اور دیگر یورپ زبانوں
میں 'لاوا' کہلایا۔ احادیث مبارکہ میں لفظ 'لابہ' اور 'لابتین' (یعنی دو لاوے یا لاوا کے علاقے) بہت دفعہ استعمال ہوا ہے۔ ان لابوں کو عربی میں
'حرہ' بھی کہا گیا ہے جو لفظ 'حر' سے مشتق ہے جس کے معانی 'گرمی' ہے۔ چونکہ یہ لاوے کے سنگلاخ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں معرض وجود
میں آئے تھے اس لیے ان چٹانوں پر مشتمل علاقوں کو 'حرہ' کہا جاتا تھا۔ جہاں تک قدیم لاوے کی باقیات کا تعلق ہے وہ تو مدینہ طیبہ کے اندر اور
باہر مختلف جگہوں پر بکھرے نظر آتے ہیں۔ ماضی میں جب عمرانی لحاظ سے مدینہ طیبہ اتنا نہیں پھیلا تھا تو اس وقت مسجد نبوی شریف کے مشرقی اور
مغربی علاقے خاص طور پر ان سے اٹے نظر آتے تھے۔ ان دونوں مرتفع سنگلاخ علاقوں کو مدینہ طیبہ کی تاریخ میں دو حروں کا علاقہ کہا جاتا تھا۔
حرہ شرقیہ (حرہ واقم) اور حرہ غربیہ (حرہ وبرہ)۔ (۱۱) حضور نبی اکرم ﷺ نے ان علاقوں کو 'لابتین' کہہ کر پکارا ہے۔ مشرقی حرہ پانچ حصوں پر مشتمل
تھا جن میں سے دو حصوں میں یہودیوں کے قبیلے 'بنونضیر'، 'بنوقینقاع' اور 'بنوقریظہ' آباد تھے جب کہ باقی کے تین حصوں میں عربوں کے بنی اوس
کے تین قبائل آباد تھے: بنی ظفر، بنی عبدالاشہل اور بنی زعور۔ (۱۲)

ان دونوں 'حرار' یعنی حروں کو مدینہ طیبہ کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ حدود حرم مدنی کا تعین انہیں سے ہوتا ہے. تاجدار حرم رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے [اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں سنگ سیاہ سے بنے علاقوں کے درمیانی میدان کو (مدینہ کا) حرم بناتا ہوں.] (۱۳) ان دو حروں کے علاوہ اور بھی بہت سے سنگلاخ علاقے ہیں جو تاریخ مدینہ میں اتنی شہرت نہیں پا سکے جن میں سے یک (حرہ شوران) جنوب کی طرف واقع ہے حروں کی اراضی زیادہ تر ناہموار پتھریلی سطح مرتفع سے بنی تھی، لیکن اب وہ صورت حال نہیں رہی اور مدینہ طیبہ کی تمدنی اور عمرانی ضروریات اور دولت اور وسائل کی فراوانی نے ان اونچے نیچے علاقوں کو یکسر ہموار کر دیا ہے سچ پوچھئے تو حرہ شرقیہ و حرہ غربیہ کے ناموں کو اب کم ہی لوگ جانتے ہیں اور ان کا ذکر اب صرف کتب تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے. آبادی چاروں اکناف میں پھیل گئی ہے اور حروں کی غیر ہموار اراضی کی جگہ بلند و بالا عمارات سر اٹھائے کھڑی نظر آتی ہیں اور ماڈرن مدینہ طیبہ کا زائر اس قدیم اور تاریخی مدینہ طیبہ کا دھندلا سا تصور بھی نہیں کر سکتا جو آج سے چند ہی سال پہلے دیکھنے کو ملتا تھا. تادم تحریر مسجد نبوی کے جنوب میں پرانے ریلوے سٹیشن کے پاس صرف ایک علاقہ بچا ہے جو حرہ غربیہ کہلاتا ہے، تاکہ جو ترقی کے سفینے پر سوار ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے.

ماضی بعید میں ادوار کے یہ دونوں سنگلاخ حرے مدینہ طیبہ کے لیے قدرتی دفاعی فائن کا کام بھی دیتے تھے کیونکہ ناہموار پتھریلی چٹانیں کسی بھی بیرونی حملہ آور کے لیے سد سکندری کا کام دیتی تھیں مدینہ طیبہ کی سرزمین کی جغرافیائی ساخت قدرت کا وہ انمول عطیہ تھی جس سے بیرونی حملہ آور اندرون شہر یلغار کرنے سے گھبراتے تھے. جنوب کی طرف جبل عیر اور مغرب و مشرق میں حروں کے نوکیلے سنگلاخ حروں نے اس شہر حبیب کو تین اطراف سے محفوظ کر دیا تھا صرف شمالی جانب جبل احد کی ایک طرف سے حملوں کا خطرہ رہتا تھا اور کفار مکہ مدینہ طیبہ کی اس جغرافیائی اور دفاعی کمزوری سے اچھی طرح واقف تھے یہی وجہ تھی کہ جب مشرکین مکہ نے مدینہ طیبہ پر غزوہ احزاب کے موقع پر چڑھائی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کھلی جانب گہری خندق کھودنے کا حکم دیا تھا جس نے بالآخر مشرکین کی دس ہزار سے زائد افواج کی یلغار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا مدینہ طیبہ کے اس اسٹریٹیجک محل وقوع نے ارض مقدس کے دفاع میں بہت کردار ادا کیا ہے.

دونوں حروں کے درمیانی میدانی علاقے کو جوف مدینہ کہا جاتا تھا. جب رسول اللہ ﷺ نے شمالاً جنوباً جبل عیر اور جبل ثور اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع علاقے کو حرم قرار دے دیا تو پھر اسے منطقہ حرم کہا جانے لگا. منطقہ حرم کے طول و عرض میں واقع گاؤں اور قریے اسی میدانی علاقے میں ناہموار سطح ارض پر واقع ہوا کرتے تھے. قدیم وقتوں میں ایک سے دوسرے قریے کے درمیان آمد و رفت کے لیے اونچی نیچی تنگ گلیاں ہوا کرتی تھیں، مگر جدید آلات اور سہولیات نے تمام مدینہ منورہ کی زمین کو ہموار کر دیا ہے اور بہترین دو رویہ سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا ہے. پرانے شہری علاقوں کے گرداگرد شاہراہ فیصل (جس کا پرانا نام ستین سٹریٹ تھا) چکر لگاتی ہے جو پہلی سرکلر روڈ (رنگ روڈ Ring Road) ہے جو مسجد نبوی کے دائیں

مدینہ طیبہ کے رنگی خدوخال

تصویر تعریف کو آسان بنانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی اب تو حدود حرم کے گرد بہت وسیع اور دوسری رنگ روڈ (یا شریف طریق ہجری) بھی تعمیر کر دی گئی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اس سرزمین (یعنی مدینہ طیبہ) میں بارش کی بہت کمی ہے] ایک اور حدیث جو کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے [مدینہ طیبہ جنت کے بہترین خطوں میں سے ایک ہے اور یہاں بارش کا فقدان ہے] ان احادیث کے مصداق یہاں آب و ہوا صحرائی اور بہت خشک ہے بحر احمر سے مدینہ منورہ سمندر سے ۲۰۰ فٹ (یعنی ۶۰۷ میٹر) کی بلندی پر واقع ہے اس لیے اس کی حدت میں اور بھی شدت محسوس ہوتی ہے مدینہ منورہ کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم، خزاں میں ذرا معتدل اور سردیوں میں کافی سرد ہوتی ہے موسم گرما میں عموماً بہت گرمی پڑتی ہے کبھی کبھی درجہ حرارت ۴۶ ڈگری (اور کبھی تو ۵۰ ڈگری) سنٹی گریڈ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے مگر چونکہ یہ شہر سطح سمندر سے بلند ہے اس لیے گرمی کی وجہ سے ہوا میں نمی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اوسط نمی ۲۲ فیصد کے لگ بھگ رہتی ہے جو کہ بہت خوشگوار ہے گرمیوں میں تو یہ ۱۰ فیصد تک گر جاتی ہے موسم سرما میں سردی زیادہ ہو جاتی ہے تو درجہ حرارت ۱۰-۵ ڈگری تک گر جاتا ہے بارش کبھی کبھار سردیوں یا پھر موسم بہار میں ہوتی ہے کبھی کبھار جب اچانک گرمیوں یا سردیوں میں باران رحمت برسنے لگتا ہے تو موسم بہار میں بھی کبھار موسلا دھار بارشیں بھی دیکھنے میں آ جاتی ہیں ہوائیں عام طور پر دھیمی اور خوشگوار جبکہ گرمیوں میں تیز ہوائیں بھی چلتی ہیں جنوب مغربی جھکڑ عموماً ۵ سے ۸ ناٹس (۲ knots) فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی تعمیر جب مدینہ جیسے شہر تجارت پر واقع ہونے کی وجہ سے قوافل تجار کی کاروان سرائے یا پڑاؤ کا کام دیتا تھا جو شہر سڑکوں کے سنگم پر واقع ہوتے تھے آج کا مدینہ جیسے بھی اپنے اردگرد کے تمام شہروں سے منسلک ہے صدیوں پرانے طریق سلطانی جو کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ جیسے کو ملاتا تھا آج بھی بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے یہ شاہراہ حرمین الشریفین کا وسیلہ اتصال ہے جس کو طریق ہجرہ کا نام دیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ تو پہاڑی راستہ پر سے ہو کر گزرتا ہے جو ہجرت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنایا تھا (۱۵) دیگر شاہراہیں اس شہر مقدس کو سعودی عرب کے تقریباً سب بڑے شہروں سے ملاتی ہیں، مثلاً قصیم، ریاض اور تبوک وغیرہ۔ مدینہ طیبہ شہر مساجد ہے درجہ حرارت یہ بھی مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں۔ مدینہ طیبہ ایک خوبصورت جدید ترین شہر کے طور پر ابھرا ہے جس کی فلک بوس عمارتیں کسی بھی وزٹر شہر کو احساس کمتری میں مبتلاء کر دیتی ہیں۔ پچھلی تین دہائیوں میں اتنی ترقی ہوئی ہے کہ ایسا زائر جو پچیس تیس سال پہلے اگر مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا ہو اگر آج دوبارہ زیارت کے لیے شہر میں آئے تو گشت بدنداں رہ جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ شہر مدینہ میں اب اتنی بلند و بالا عمارتیں اور خوبصورت ہوٹل نظر آتے ہیں کہ سعودی عرب کے کسی اور دوسرے شہر میں نہیں۔ اربوں ریال لگا کر

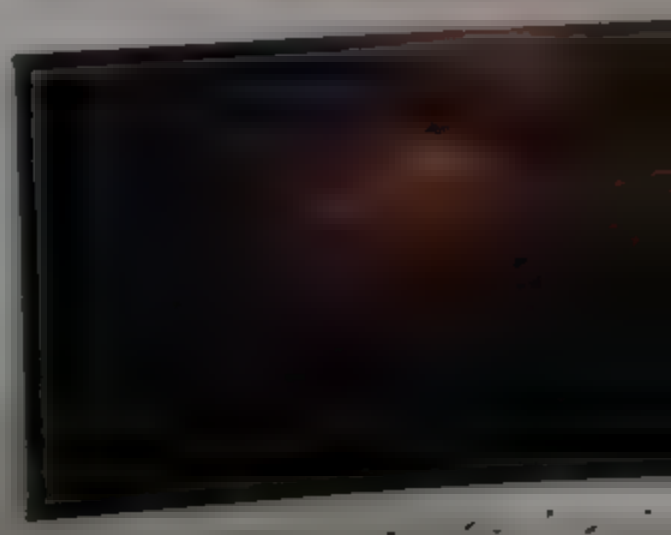

تصویر میں مسجد قبلتین اور مسجد غمامہ دیکھی جا سکتی ہے

سے بہت سے قبائل تو مدینہ طیبہ میں ہی آباد ہو گئے تھے جیسے کہ بنو مزینی اور بنو جہینہ کے کچھ لوگ جن کو جبل سلع کے دامن میں [illegible] اجازت مرحمت فرمائی گئی کیونکہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کے تمام علاقے پہلے ہی آباد ہو چکے تھے اور اس علاقے میں [illegible] گنجائش نہیں تھی مزید نو واردین کے لیے زمین کم پڑ گئی تھی اور ان کو سلع کے دامن کوہ میں بسنے کی اجازت دی گئی تھی۔ مدینہ طیبہ میں [illegible] کے اس رجحان سے یہاں کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جب حضور نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کی معیت میں [illegible] بیش ایک لاکھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے مگر یہ تعداد جزیرہ نمائے عرب کے تمام علاقوں سے تعلق رکھتی تھی جن میں مدینہ طیبہ کے مرد و زن سب سے آگ تھے اگرچہ مدینہ طیبہ کی آبادی ان دو سالوں میں بہت تیزی سے بڑھی تھی مگر یہ اندازہ لگانا کہ کہاں سے کتنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے اس کا تعین کرنے کے لیے [illegible] شواہد کی بجائے صرف ظن و تخمین سے کام لینا پڑتا ہے۔

یہود بے بہبود کی مدینہ طیبہ میں آبادی کے متعلق بھی صحیح معلومات میسر نہیں [illegible] پہلے باب میں تفصیلاً بیان کیا ہے، ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلے تین بڑے قبائل (بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ) [illegible] طور پر زیادہ تر مدینہ طیبہ کے مشرقی حصہ میں رہائش پذیر تھے۔ ان کی آبادی کے بارے میں مختلف اندازے پیش کیے گئے ہیں۔ بنو نضیر (جو جنوب مشرقی حصے میں آباد تھے) کی تعداد کا اندازہ دو سے تین ہزار نفوس کا لگایا گیا ہے۔ جب انہیں مدینہ بدر کیا گیا تو وہ لوگ چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر گئے تھے۔ ان کے بعد دوسرا بڑا قبیلہ بنو قریظہ کا تھا۔ ان کی غداری اور ریشہ دوانیوں کی پاداش میں ان کے چھ یا سات سو آدمیوں کو قتل کی سزا دی گئی تھی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا تھا۔ بنو قینقاع کو بھی مدینہ بدر کیا گیا تھا مگر ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ بہر حال چونکہ ان لوگوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا تھا اس لیے مدینہ طیبہ کی آبادی کے سلسلے میں ان کی تعداد کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ وہ شہر سے نکال

سیٹلائیٹ سے لی گئی مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفاً کی تصویر ۱۴۲۰-۱۹۹۹ء بشکریہ "الہلال و سلام"

دیے گئے تھے.

امام شافعیؒ کے بیان کے مطابق جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ حضور ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جس میں سے تقریباً تیس ہزار مدینہ طیبہ کے شہری تھے جب کہ باقی جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے. (۲۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پرملال کے بعد مدینہ طیبہ میں آبادی میں کمی واقع ہونی شروع ہوگئی تھی کیونکہ عساکر اسلام آئے دن جہاد پر روانہ ہوتے رہتے تھے اور پھر جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، بہت سے خاندان دور دراز علاقوں میں منتقل ہوتے گئے، کچھ کو تو انتظامی امور کے لیے نئے مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق کے لیے جانا پڑا اور کچھ تبلیغ دین یا کاروباری سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے باہر (خاص طور پر دمشق، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں) منتقل ہوگئے تھے. حضرت سفیان بن ابی زہیرؓ نے روایت کی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے. آپ ﷺ نے فرمایا: یمن فتح ہو جائے گا اور بہت سے لوگ اس کی طرف راغب ہو جائیں گے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کو ساتھ لیکر وہاں جا بسیں گے. مدینہ ان کے لیے بہت بہتر تھا مگر ان کو اس کا علم نہیں پھر شام کے علاقے فتح ہو جائیں گے اور لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اپنے اہل و عیال اور غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ وہاں چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر رہتا. اے کاش وہ یہ جانتے. پھر عراق فتح ہو جائے گا اور اسی طرح لوگ اپنے خاندانوں اور جن پر ان کا حکم چلتا ہوگا اپنے ساتھ لیکر وہاں منتقل ہو جائیں گے: اے کاش کہ ان کو معلوم ہوتا کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے.] (۲۲)

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ منورہ کی ایک گلی کی تصویر متمول خواتین پالکی پر آیا جایا کرتی تھیں

فتوحات کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ امت مسلمہ کو آفات وبلیات نے آن گھیرا. تیسرے خلیفہ راشد، سیدنا عثمان ابن عفانؓ، کو بہت بیدردی سے شہید کر دیا گیا اور مدینہ منورہ کے امن وآشتی کو خانہ جنگی کی آتش مردم افگن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مدبرانہ فیصلے کے پس منظر میں سب سے زیادہ عنصر جو کارفرما تھا وہ یہی تھا کہ مدینہ طیبہ کو رزم گاہ نہ بنایا جائے اور اسی لیے وہ عازم بصرہ ہوگئے. اس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی کو زبردست دھچکا لگا اور ہزاروں مدنی مدینہ طیبہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے. حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے یک طرفہ اعلان خلافت نے مسلم امت کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی نے رہتی سہتی کسر نکال دی. جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مکتوب بنام گورنر مدینہ طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے، بنوامیہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کر کے اہل مدینہ کو یا تو اپنے ساتھ ملانے کی سرتوڑ سعی کر رہے تھے یا بصورت دیگر ان کو دھونس کے ذریعے خائف اور ہراساں کیا جا رہا تھا تاکہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دینے سے باز آجائیں. افراتفری کا یہ عالم تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے نامزد کردہ گورنر مدینہ (حضرت ابوایوب انصاریؓ) کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا اور ان کے خلاف وہ شورش برپا کی گئی کہ انہوں نے بھی مدینہ طیبہ سے بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی. بڑے بڑے جلیل القدر اصحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین، مثلاً حضرت سعد ابن ابی وقاص وغیرہ، مدینہ طیبہ سے چالیس یا اس سے بھی زیادہ میل دور جا کر آباد ہونے پر مجبور ہوگئے تھے. حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو اس خانہ جنگی کو دیکھنے کی بجائے مدینہ طیبہ سے بہت دور

اپنے اونٹوں کے باڑے میں کئی سال گزار دیے تھے.(۲۳)

تاہم جونہی خانہ جنگی کی صورت حال ختم ہوئی اور مدینہ طیبہ میں امن وامان کا دور دورہ ہوا تو بہت سے لوگ جو مدینہ طیبہ سے فرار ہو گئے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے اور اس شہر مقدس کی رونقیں بحال ہونے لگ گئیں. بہت سے صاحب ثروت لوگوں نے (جن میں کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مگر زیادہ تر بنوامیہ کے متمول لوگ شامل تھے) وادی العقیق سے مرغزاروں میں اپنے عالی شان محل تعمیر کرنے شروع کر دیے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وادی العقیق مدینہ طیبہ کی سب سے زیادہ پرشکوہ آبادی بن گئی جس میں وسیع وعریض محلات، قلعے، بنگلے اور جدید طرز کی عمارات اور مساجد تھیں. مغرب میں وادی ذوالحلیفہ تک اور شمال مغرب میں [illegible] تک کا علاقہ خوبصورت باغیچوں اور بنگلوں سے بھر گیا تھا. المطری کے بیان کے مطابق سعید بن العاصؓ کی امارت کے دور میں وادی [illegible] کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس سے تجاوز کر چکی تھی (۲۴) العقیق کی زمین کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پلاٹ حاصل کرنے کے لیے امیر مدینہ طیبہ کو بجائے دمشق میں خلیفہ کے دیوان خاص سے رجوع کرنا پڑتا تھا.

جب بنوامیہ کی حکومت مستحکم ہو گئی تو مدینہ طیبہ کی رونقیں واپس لوٹ آئیں، مگر اس مرتبہ سیاسی مرکز کے طور پر نہیں بلکہ مدینہ طیبہ دینی اور روحانی مرکز کے طور پر ابھرا جہاں سے اسلامی تعلیمات کے سوتے پھوٹتے تھے. اسلام کے پہلے سات جید فقہاء مدینہ طیبہ کے افق پر طلوع ہوئے. مدینہ طیبہ نے ایک مینارہ نور کی صورت میں دینی اور روحانی علوم میں ہر طرف روشنی بکھیرنی شروع کر دی. درحقیقت یہ مرتبہ سیاسی مرکز ہونے سے کہیں اہم اور بلند تھا اور یہی وہ مقام ہے جس نے مدینہ طیبہ کی اہمیت میں آج تک کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہونے دی.

بنی امیہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں شہری سہولتوں پر خاص توجہ دی گئی. مشہور زمانہ عین الزرقاء کی زیر زمین نہر مروان بن حکم کے دور امارت میں کھودی گئی جس کے ذریعے پانی کی فراہمی قباء سے مدینہ طیبہ کے ہر گھر کو بآسانی ممکن ہو گئی. آب رسانی کا یہ انوکھا طریقہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مدینہ طیبہ میں آزمایا گیا. بنوامیہ نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کے لیے بہت کام کیے جس میں سرفہرست حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیر نو اور ان تمام مقامات پر خوبصورت مساجد کی تعمیر شامل تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ نماز ادا کی تھی. شہر نبی کو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا، مختلف جگہوں پر پبلک کنویں کھدوائے گئے اور ولید بن عبدالملک کے دور میں مدینہ طیبہ کے وسط میں ایک دیدہ زیب فوارہ بھی نصب کر دیا گیا تھا (۲۵) اس شہر مقدس نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے.: خلافت ایک ہاتھ سے دوسرے میں اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہوتی رہی اور ایک ایسی افتاد بھی امت مسلمہ پر آئی کہ تاتاری منگول خلافت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کو روندتے ہوئے ایک خوفناک طوفان کی شکل میں نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بغداد میں خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا گئے، لیکن اس دور پرآشوب میں بھی مدینہ طیبہ کی اہمیت اور رونقیں ماند نہ پڑیں اور اس کا ماہ کامل آسمان اسلام پر تابندہ و درخشندہ چمکتا رہا. پچھلے چودہ سو سال سے دنیا کے ہر کونے سے مسلمان مدینہ طیبہ کے علمی اور روحانی فیضان سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں. یہ اسی کشش کا نتیجہ ہے کہ آنے والوں میں سے بہت سوں نے اس کو اپنا دائمی مسکن بنا لیا جس کی وجہ سے ہمیں مدنی آبادی میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ملتے ہیں. مراکش سے لے کر جاوہ اور کاشغر اور یمن سے لے کر بوسنیا تک کے لوگوں کو مدینہ طیبہ نے اپنے دامن رحمت میں سما لیا ہے.

بیسویں صدی کا شروع اور مدینہ منورہ کی ایک گلی

برکہارٹ (جو سویٹزرلینڈ کا باشندہ تھا اور برطانوی سامراج کا جاسوس اور ایجنٹ تھا) ۱۸۱۵ء میں مدینہ طیبہ آیا. اس کے اندازے کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی اس وقت تقریباً ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جبکہ ویول (Wavel) کے کہنے کے مطابق اس کی آبادی ۱۹۰۸ء میں ۳۰،۰۰۰ تک پہنچ گئی تھی. تاہم رچرڈ برٹن (جو برطانوی استعمار کا جاسوس تھا اور جو عبداللہ افغانی کے نام سے حرمین الشریفین میں کافی سال رہا تھا) ۱۸۵۲ء میں لکھتا ہے کہ: [حکومتی محتاط اندازے کے مطابق قدیم شہر جو فصیل کے اندر واقع ہے اس میں تقریباً ۱۵۰۰ گھر یا مکانات

ہیں جبکہ فصیل سے باہر مدینہ طیبہ کے مضافات میں تقریباً ایک ہزار مکانات ہیں. میری ذاتی رائے میں یہ اندازے مبالغہ پر مبنی ہیں: شہر کے اندر ۸۰۰ سے زائد مکانات نہیں جبکہ مناخہ کے علاقے میں تقریباً ۵۰۰ گھر آباد ہیں. مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ بھی میرا اندازہ ہی ہے کیونکہ میں نے پوری طرح گنتی نہیں کی. کپتان سیڈلیر (۱۸۱۹ء) کے بیان کے مطابق ترکوں نے جب انیسویں صدی کے شروع میں مردم شماری کروائی تھی تو کل آبادی ۶،۰۰۰ (چھ ہزار) گھروں پر مشتمل تھی جس کی تمام تر نفری ۱۸،۰۰۰ تھی. لیکن اگر ہم اس اندازے کو صحیح بھی مان لیں کہ برکہارٹ کے مطابق اس شہر کی آبادی ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جن میں سے ۹۰۰۰ افراد اندرون شہر مقیم تھے اور ۷۰۰۰ بیرون شہر مناخہ ایریا اور قلعہ شاہی وغیرہ میں تھے تو اس طرح فی گھر اوسط بارہ افراد کی نکلتی ہے جو کہ عرب کے معاشرے میں عین ممکن ہے کیونکہ افراد خانہ کے ساتھ ساتھ [illegible] کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے.] لیکن اس بیان کی وضاحت کے لیے اس نے حاشیہ آرائی بھی کی ہے اور فٹ نوٹ میں مزید انکشاف کیا ہے [illegible]

[بعد میں برطانوی نائب سفیر (چارلس کول) مقیم جدہ نے مندرجہ ذیل معلومات مہیا کی ہیں: مغربی عرب کے ایک واقف حال نے [illegible] معلومات تک دسترس حاصل ہے مجھے بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی آبادی ۱۶،۰۰۰ اور ۱۸،۰۰۰ کے درمیان ہے جبکہ [illegible] افراد پر مشتمل ہے.] (۲۷)

بیسویں صدی کے شروع میں جب مدینہ طیبہ میں ریل کا اجراء ہوا اور حجاج اور زائرین کرام کو سفر کی سہولتیں میسر [illegible] لٹنے کا خطرہ نہ رہا تو مدینہ طیبہ میں واردین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا. ایک جرمن سیاح موریٹز (Montz) کے [illegible] صدی کی ابتداء میں مدینہ طیبہ کی آبادی لگ بھگ ۶۰،۰۰۰ اور ۷۰،۰۰۰ کے درمیان تھی. ایسا ہی اندازہ حبیب جتوئی نے اپنے سفر [illegible] ۱۹۰۹ء میں مدنی آبادی ۶۰،۰۰۰ کے لگ بھگ تھی. مگر جب عالمی جنگ شروع ہوئی اور ترکوں کی اس جنگ میں شرکت سے مدینہ طیبہ کے معاشی حالات بگڑنے لگے تو بہت سے بدیشی جو یہاں بس گئے تھے اپنے اپنے وطن جانے پر مجبور ہو گئے. برطانوی سامراج کا مشرق وسطیٰ [illegible] جنگ عظیم اول میں عربوں کی پشت پناہی کر رہا تھا) یعنی 'عرب بیورو' مستقر قاہرہ، اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے [ترکوں کے [illegible] مدینہ کی آبادی ۳۰،۰۰۰ نفوس سے زیادہ نہیں جن میں سے اکثر کا گزارہ حج اور زیارات کے سلسلے میں آنے والے لوگوں پر ہوتا ہے یا [illegible] مسجد نبوی پر اور حکومتی امداد پر جس کو صرہ کہا جاتا ہے.] دوران جنگ جب مدینہ طیبہ پر فخری پاشا کی سربراہی میں عسکری [illegible] شہری زندگی مزید مفلوج ہو کر رہ گئی تھی. معاشی بدحالی نے دو وقت کی روٹی کا حصول بھی ناممکن کر دیا تھا اس لیے [illegible] چھوڑنے پر مجبور ہو گئے. ہزاروں کی تعداد میں لوگ نقل مکانی کر گئے اور مدینہ طیبہ کی گلیاں سنسان نظر آنے لگیں. سید [illegible] نے ۱۹۲۷ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنی یادداشتوں میں بیان کرتے ہیں کہ جنگ عظیم کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی [illegible] نفوس تک آ گئی تھی. (۲۸) لیکن جونہی حالات معمول پر آنے لگے تو صورت حال بہتر ہونے لگی. ۱۹۲۶ء کے [illegible] میں جب [illegible]

نسق اپنے ہاتھ میں لیا تو اس وقت مدینہ طیبہ کی کل آبادی ۵۰،۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی پھر جوں جوں حکومت مزید سدھرنے لگے آبادی میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ سعودی حکومت نے سب سے پہلی مردم شماری ۱۹۷۴ء میں کروائی جس کے مطابق منطقہ مدینہ کی آبادی ۵۱۹،۴۹۵ نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے مدینہ طیبہ کے شہر مقدس کی آبادی صرف ۱۸۶،۱۹۸ افراد تھی۔ (۲۹) آخری بار تقسیم کردہ شماری ۱۹۹۲ء میں کرائی گئی جس کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی جو پچھلے سال میں بڑھ کر آٹھ لاکھ ہو چکی ہے (۳۰) شروع سے ہی آبادی کی کثافت (Density) کا مرکز مسجد نبوی شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ رہا ہے لیکن مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے بعد یہ علاقے رہائش سے پہلے مدینہ طیبہ کی پوری آبادی کا تقریباً ۱۰ فیصد مسجد نبوی کے گرد پائے جاتے تھے جبکہ باقی علاقوں کی آبادی کی تقسیم کچھ اس طرح تھی (۳۱)

حرہ شرقیہ	۱۱	فیصد
حرہ غربیہ	۴۷	فیصد
سید الشہداء (احد)	۱۱	فیصد
سلطانہ ڈسٹرکٹ	۱	فیصد

سب سڑک شجرکاری نے مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کے حسن لازوال کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے (مسجد قباء کے سامنے کی تصویر: جنوری ۲۰۰۱ء)

مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کے بعد آبادی کی کثافت (Density) کے انداز (Pattern) میں بہت تبدیلی آئی ہے کیونکہ گنجان آباد علاقے، مثلاً محلہ مجیدیہ، حارۃ الغوات، عنبریہ اور عنابیہ (اور اب تو سمانیہ بھی) وغیرہ سب کے سب ختم کر کے ان کی جگہ فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے تادم تحریر عنابیہ کا کچھ علاقہ اور سمانیہ کی پٹی بچی ہے مگر ان کے مکینوں کا انخلاء بھی جاری ہے اور مستقبل قریب میں یہ علاقے بھی صاف ہو جائیں گے۔ شارع ستین کے باہر باب تمار کا علاقہ بھی ابھی تک تھوڑا بہت بچا ہوا ہے مگر تیزی سے پھیلتے ہوئے ہوٹل ان کو جنگل میں آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ اس وجہ سے آبادی کی کثافت والے گنجان آباد علاقے اب معدوم ہو چکے ہیں اور ان کے مکین باہر کے دور دراز علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں اس لیے اب مدینہ طیبہ کی آبادی کی کثافت (Density) دور دراز کے پیٹرن ٹاؤنوں کی طرف زیادہ مائل ہے۔ مدینہ طیبہ کے قدیم طرز تعمیر کی مثال اب شاذ و نادر ہی ملتی ہے کیونکہ ان کی جگہ کثیر المنزلی فلیٹ اور بنگلے اور عمارتیں ہر طرف سر اٹھائے کھڑی نظر آتی ہیں۔ (۳۲) چونکہ مدینہ طیبہ کی مختلف جہات میں بلند و بالا پہاڑ ہیں، ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کو ہموار کیا گیا ہے مگر جہاں بڑے بڑے پہاڑ ہیں ان کو صاف کرنے کی بجائے ان کے دامن میں آبادیوں کو بسا دیا گیا ہے۔ تاہم ایک بات اب بھی بہت واضح ہے کہ گو کہ پرانی آبادی ملیامیٹ ہو گئی ہے، نئی آبادی کا محور اب بھی مسجد نبوی ہی ہے۔ اس لیے تمام کی تمام نئی بستیاں بھی مسجد نبوی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں اور آبادی کی طرز نمو (Pattern) دائری شکل میں باہر کی اطراف کی طرف بڑھی ہے یعنی Radiocentric Growth Pattern ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے ان تمام مقیمین کو سعودی قومیت عطا کر دی تھی جو ۱۹۳۵ء سے پہلے حرمین الشریفین میں آباد ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں شاہ فیصل مرحوم نے ۶ نومبر ۱۹۶۲ کو سعودی عرب میں غلامی پر مکمل قدغن لگا دیا جس کی وجہ سے غلاموں کی بڑی تعداد آزاد ہو کر مساوی معاشرتی حقوق کی مالک بن گئی۔ (۳۳) ان کو آزادی سے آنے جانے اور اپنی مرضی سے کاروبار کرنے اور جائیداد بنانے کے حقوق مل گئے اور تعلیم اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی ان پر کھول دیے گئے۔ ان معاشرتی اصلاحات نے تھوڑے ہی عرصے

بلدیہ نے مخوہ کا ترتیب دیا ہوا ایک نقشہ جو آبادی کی کثافت اور گنجان آباد علاقوں کو ظاہر کرتا ہے

میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا جس نے شہری اور معاشی ترقی کے نئے افاق پیدا کر دیئے. چھوٹے چھوٹے کاروبار زیادہ مقبول ہو گئے جس نے معاشی انقلاب کو تیز تر کرنے میں بہت مدد دی. وہ لوگ جنہیں سعودی قومیت ملی تھی اور وہ غلام جو آزاد ہوئے اب آزادی سے اپنی مرضی سے جہاں چاہے رہ سکتے تھے، جائیداد بنا سکتے تھے اور کاروبار بھی کر سکتے تھے. ایسے افراد کی اکثریت حرمین الشریفین کے اردگرد آباد ہو گئی اور پھر آہستہ آہستہ سعودی معاشرے میں ضم ہو گئی. ان اصلاحات کی وجہ سے ہمیں مدینہ طیبہ میں مختلف النسل اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد ملتے ہیں. مراکش سے لے کر پاکستان اور ہندوستان تک کے لوگ سعودی معاشرے میں ضم ہو چکے ہیں. حاشلندی، بخاری، افغانی، ہندی، سندھی، پنجابی، بوشناق (بوسنیائی)، ایرانی، ترکستانی، ترکی، افریقی، حبشی، مغربی اور سعودی سب شیر و شکر ہو کر رہ رہے ہیں جس سے ایک انوکھا بھائی چارہ معرض وجود میں آ گیا ہے جو ایک دین اور ایک معاشرے اور ایک زبان میں ڈھل کر مدینہ طیبہ کی با[illegible] میں یگانگت، اخوت اور محبت کا رس گھولتا ہے جس میں ترکی و تازی سب اپنی نیرنگیاں چھوڑ کر مدنی یک رنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں

مدینہ طیبہ کے گرد فصیل کی تعمیر:

ازمنہ قدیم میں اہم شہروں کے گرد فصیلیں ہوا کرتی تھیں جو ایک قلعہ کی طرح اس شہر کو حملہ آوروں کی یورشوں اور ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھتی تھیں. مختلف غزوات النبی ﷺ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسی دفاعی فصیلیں دیگر شہروں کے علاوہ خیبر اور طائف کے گرد بھی موجود تھیں جو بہت مضبوط حصاروں کی طرح تھیں. طائف کے لوگوں نے تو ان میں محصور ہو کر مسلم افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا

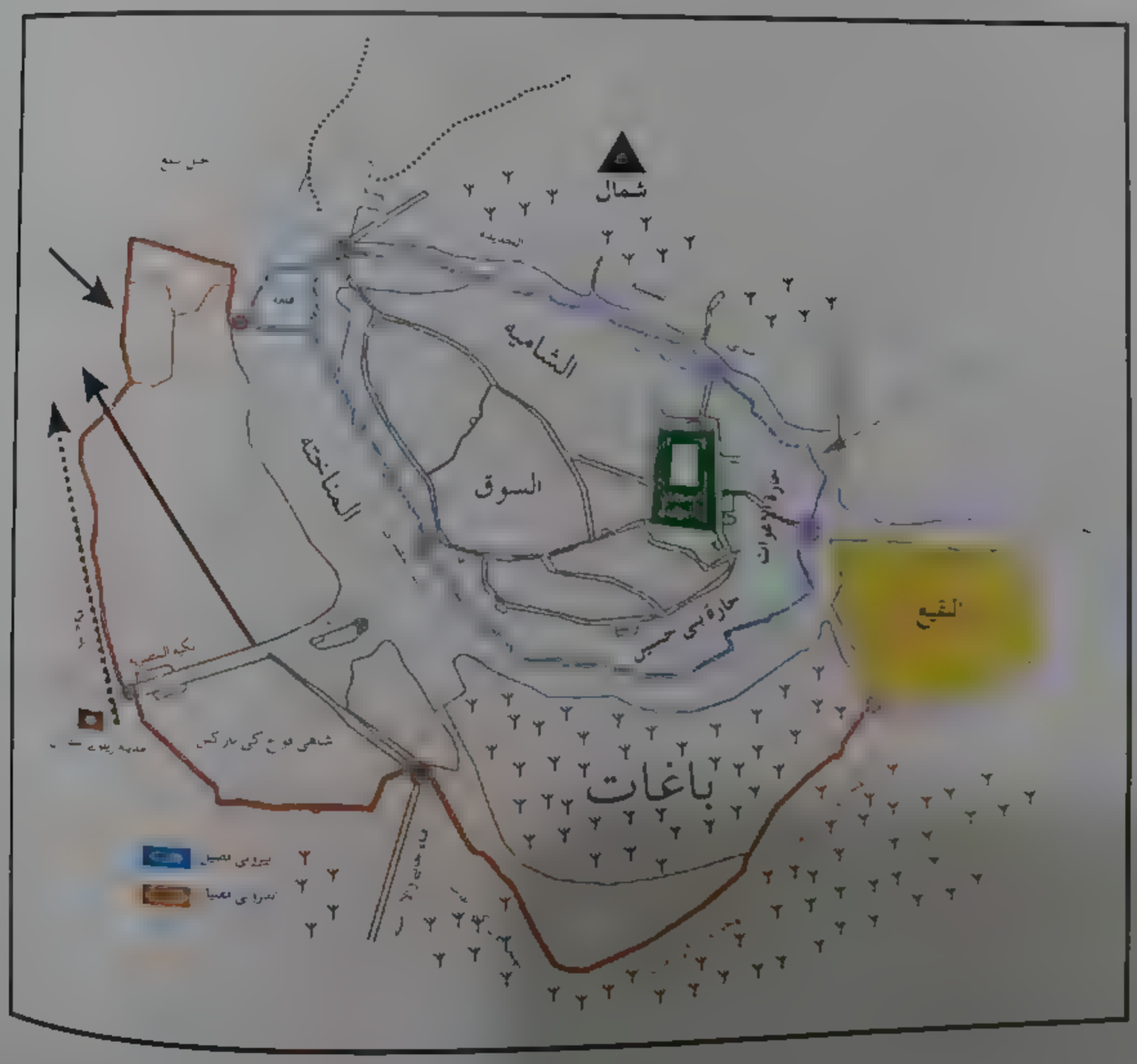

وہاں کا حصار تو اتنا مضبوط تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو چند ہفتوں کے بعد ان کا محاصرہ ترک کرنا پڑا. اس روائتی قلعہ بندی کے برعکس مدینہ طیبہ (یعنی اس وقت کے یثرب) کے گرد کوئی حصار نہیں تھا بلکہ چونکہ تین اطراف سے بلند و بالا پہاڑ

مدینہ منورہ کی تصویر ۱۹۱۲ء
ایک قدیم عکس

[illegal] [illegal] [illegal] [

کے رؤسا نے مدینہ طیبہ کے اس دشت ویراں کو پھر سے آباد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ [illegible]
یوں یہ جنت کی بابرکت وادی صدیوں تک کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے والے کو [illegible]
مدینہ طیبہ کے مورخ ابن نجار نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے [illegible]
ہے۔ لے دے کر اگر کچھ بچا ہے تو وہ ان عمارات کے آثار اور کھنڈرات ہیں جو کبھی [illegible]
نبی اکرم ﷺ نے اسی وادی کی قسمت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا [illegible]
حسرت میں یہ کہے گا کہ لیا ہو گیا ہے اس وادی مبارکہ کو؟ یہاں تو کبھی بہت سے [illegible]

بڑے پیمانے پر تباہی اور بدوؤں کی آئے دن کی یلغار کے بعد لوگ ایسا بکھرے تھا [illegible]
طیبہ کے وسطی علاقے میں منتقل ہو گیا تھا ایک ہزار میل دور بغداد کے دارالخلافے [illegible]
بربادوں کی فریاد سنتے، خاص طور پر پہلی صدی میں جب کہ ان کے پاؤں بھی ابھی پورے طور [illegible]
سے انہیں ہر وقت اہل بیت طاہرہ کی بغاوت کا دھڑکہ لگا رہتا تھا جیسا کہ محمد ابن عبداللہ ابن [illegible]
درحقیقت ان چند عوامل کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی بری طرح متاثر ہوئی اور آبادی [illegible]
رقبہ سکڑتے سکڑتے مسجد نبوی کے اردگرد صرف چند ہزار گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا وہ قبیلے جو روز اول سے [illegible]
جہاں پر تاریخی مساجد بھی ہوا کرتی تھیں (مثلاً مسجد قبلتین اور مسجد ایجابہ وغیرہ) وہ بھی یا تو نقل مکانی کر گئے تھے یا پھر فصیل سے اندر [illegible]
کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہ مساجد یا مقامات آبادی سے دور ٹیلوں کے اوپر اپنی تنہائی اور وقت کی ستم ظریفی پر نوحہ کناں نظر آیا کرتے تھے
بدوؤں کی یلغار پہلی صدی سے لیکر تیسری صدی تک جاری رہی۔ پھر جب فصیل بن گئی تو مدینہ طیبہ کے باسیوں نے [illegible]
آبادی پھر بڑھنے لگی اور لوگوں کو مجبوراً فصیل کے باہر آباد ہونا پڑا تو دوبارہ پھر اسی بے یقینی اور بدامنی کا آسیب ان لوگوں کو ڈسنے لگ گیا

اس بدامنی کی تمام تر ذمہ داری صرف گردونواح کے بدو قبائل پر ہی نہیں ڈالی جا سکتی کیونکہ علوی باغیوں نے بھی اہالیان [illegible]
کا ناک میں دم کر رکھا تھا، وہ بھی کسی نہ کسی طرح جزیرہ نمائے عرب پر اپنا تسلط حاصل کرنے کے درپے تھے۔ مورخہ ۳ ربیع الاول ۲۵۱ھ کو [illegible]
اسماعیل بن یوسف علوی نے مکۃ المکرمہ پر چڑھائی کر دی اور عباسی گورنر جعفر ابن الفضل بن العیسیٰ کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی وجہ سے
میدان علویوں کی ہاتھ رہ گیا۔ بس پھر کیا تھا! قتل و غارت گری نے وہ کھیل کھیلا کہ درندگی
اور بربریت کے تمام حربے مکہ مکرمہ کے نہتے اور بے بس و مجبور باسیوں پر آزمائے گئے۔
حرم مکی کے تقدس کو بھی بری طرح پامال کیا گیا۔ بیت اللہ شریف کے اردگرد جو بھی [illegible]
کے مقابلے میں آتا اس کو ذبح کر کے چاہ زمزم میں پھینک دیا جاتا جس کی وجہ سے چاہ
زمزم انسانی لاشوں سے اٹ گیا تھا۔ جاتے جاتے وہ درندے بیت اللہ شریف میں
صدیوں سے موجود نوادرات اور تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ ان لوگوں نے جب
مکہ مکرمہ میں اپنا شیطانی کھیل ختم کیا تو مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا اہالیان شہر نبی بے خبری
کے عالم میں مارے گئے اور اس شب خون میں لاتعداد مدنی شہید ہوئے۔ عباسی خلیفہ
معتز باللہ کو جب خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکر جرار بغداد سے روانہ کیا جنہوں نے آ کر
علویوں کا قلع قمع کیا۔ یوں امن تو قائم ہو گیا مگر اہل مدینہ کو اس کی بہت جانی اور مالی

قیمت چڑھائی پڑی تھی وقتی سکون تو ہو گیا تھا مگر مستقبل کے خطرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے شہر رسول مقبول ﷺ نے مدینہ منورہ کی فصیل
حکومتوں سے درخواست کی کہ مدینہ طیبہ کے گرد فصیل تعمیر کروائی جائے۔ چنانچہ ایک دہائی کے اندر اندر (یعنی ۲۶۳ ہجری میں) مدینہ کے گورنر ۱۹۸۰ء میں
محمد بن اسحاق الجعدی نے شہر طیبہ کے گرد فصیل تعمیر کروادی۔ یہ مٹی اور گارے سے بنی مضبوط دیوار تھی جس میں آنے جانے کے
لیے چار دروازے رکھے گئے تھے۔ مشرقی دروازہ بقیع غرقدی کی طرف کھلتا تھا۔ مغربی دروازہ وادی العقیق کی طرف تھا۔ شمالی دروازہ جبل احد کی
طرف کھلتا تھا جبکہ ایک دروازہ جنوب کی جانب بھی تھا جہاں سے لوگ قباء آیا جایا کرتے تھے۔ فصیل کی دیواریں چونکہ کچی تھیں اس لیے ایک
ہی صدی میں منہدم ہونی شروع ہو گئیں۔ جب قرامطیوں نے ۳۱۷ ہجری میں مکہ مکرمہ میں تباہی مچائی اور وہ لوگ حجر اسود لوٹ کر چلے گئے تو
ایک بار پھر اہل مدینہ پر خوف طاری ہو گیا کہ کہیں پہلی تاریخ دوبارہ نہ دہرا دی جائے۔ (۳۶) لہٰذا مدینہ طیبہ کے گورنر نے عباسی خلیفہ کو
درخواست کی کہ شہر کی گرد فصیل کو دوبارہ تعمیر کروا دیا جائے۔ (۳۷) یوں ۳۱۸ ہجری میں عباسی خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک نئی اور مضبوط فصیل
تعمیر کروئی جائے جس کی تعمیل جلد ہی کر دی گئی۔ یہ ممکن ہے کہ نئی فصیل پرانی دیوار کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہو۔ اس میں بھی چار دروازے تھے:

(۱) باب البقیع (اسے باب الجمعہ بھی کہا جاتا تھا)
(۲) باب المصری (یہ جنوب کی طرف تھا)
(۳) باب الشامی (اس کا رخ شام کی طرف تھا جو شمال میں تھا)
(۴) باب النجوبی (اس کا رخ قباء کی طرف تھا)

تمام دروازے رات کو بند رکھے جاتے تھے اور ان پر مسلح پہرے دار ہوا کرتے تھے جن کی تعداد جنگ یا خطرے کے موقعوں پر زیادہ
کر دی جاتی تھی۔ فصیل کی اس تعمیر نو نے اہالیان مدینہ طیبہ کو کافی حد تک مامون و محفوظ تو کر دیا تھا مگر اس نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کو بری
طرح محدود کر دیا تھا۔ خطرات کے پیش نظر کوئی بھی اپنا مکان فصیل کے باہر بنانے کو تیار نہ تھا اور چونا چار فصیل کے اندر کئی منزلہ عمارتوں نے
رواج پایا۔ بڑھتی زمین کی قلت سے اسکی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں۔

۷۰۴ ہجری میں عضد الدولہ نے عباسی خلیفہ [illegible] کے دور میں اس فصیل کو مرمت کروایا جو وقت کے ساتھ ساتھ پھر شکست و
ریخت کا شکار ہونے لگ گئی۔ ۵۴۰ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے، جو نور الدین زنگی کے وزیر تھے، نہ صرف اسکی مرمت کروائی بلکہ اسکو
از سر نو بھی بنا دیا۔ ۵۵۵ ہجری میں نور الدین کو بشارت ہوئی تھی جس میں نبیں نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کہا گیا تھا
صلیبیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ وہ مدینہ طیبہ کو تاراج کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی
[illegible] بندرگاہ ینبع کے ذریعے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوجی قوت بھی جمع کی تھی۔ ان کے کچھ دستوں نے ینبع پر حملہ کر دیا تھا مگر مصری

مدینہ منورہ کا حفاظتی فصیل سے متعلق خاکہ نقشہ

چٹانوں کے بلاکوں سے بنائی گئی ہیں جن کو چونے سے پلستر کیا گیا ہے. اس میں مزغل (برج) بنائے گئے ہیں جن میں لمبے لمبے سوراخ ہیں (باہر سے آنے والے حملہ آوروں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے). ان برجوں کے اوپر خوبصورت گول قسم کی چھتیں ہیں اور ان میں گیریاں ہیں جن میں جھروکے رکھے گئے ہیں. (۴۵)

بیسویں صدی عیسوی کی بند میں مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً کا عمرانی منظر

فصیل شہر کے باہر مغربی اور شمال مغربی جانب ترکی رؤساء نے وسیع وعریض قطعہ ہائے اراضی خرید کر وقف عمارتیں تعمیر کردی تھیں. مناخہ کی طرف نئی آبادکاری ممنوع قرار دے دی گئی تھی کیونکہ وہ تمام علاقہ حاجی کیمپ بن چکا تھا جہاں کاروان حجاج کرام آکر رکتے تھے. درحقیقت یہ جگہ سوق النبی کی جگہ تھی. ترکی دور میں اسے 'برالمناخہ' کہا جاتا تھا. المناخہ کا عربی میں مطلب ایسی جگہ ہے جہاں اونٹ بٹھائے جاتے ہوں. چونکہ یہ میدان مدینہ طیبہ کی فصیل سے باہر تھا اس لیے 'برالمناخہ' کے نام سے شہرت پا گیا اکثر وبیشتر فقراء اور وہ حجاج کرام جن کے لیے کرائے کے مکان یا کاروان سرائے میں رہنا محال تھا وہ وہاں اپنے خیمے نصب کر لیتے تھے.

آج کے مدینہ طیبہ میں اس فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا سوائے نام کے کیونکہ کچھ محلے ابھی تک پرانے ناموں سے معروف ہیں جیسے کہ 'باب تمار' کا علاقہ جو مسجد نبوی کے شمال میں پہلی سرکلر روڈ کے بعد آتا ہے جو باب تمار (جو باب المجیدی کا ہی ایک نام تھا کیونکہ اس کے سامنے کھجوریں بیچنے والے اپنی دکانیں سجایا کرتے تھے). جہاں تک قلعہ شامی کا تعلق ہے یہ ایک دھماکے سے اڑا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس میں جمع شدہ تمام اسلحہ بھی تباہ ہوگیا اور ارد گرد کی آبادیاں بھی بری طرح متاثر ہوئی تھیں. پھر دیکھا دیکھی فصیل کے حصے لوگوں نے خود گرانا شروع کردیے کیونکہ بیسویں صدی کی عمرانی نشوونماء کے راستے میں فصیل بری طرح حائل ہو رہی تھی. مزید برآں جدید مواصلاتی ٹریفک (جس کو زیادہ عروج تیل سے حاصل شدہ دولت سے ملا تھا) بھی فصیل مدینہ کی وجہ سے متاثر ہو رہی تھی. لہذا بلدیہ مدینہ طیبہ نے ۱۳۶۸ ہجری میں اس فصیل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا (۴۶) اور پھر چند سالوں کے اندر اندر وہ 'سد مدینہ' نظروں سے اوجھل ہوگئی. اس کے کچھ حصے باقیات کے طور پر بعض حضرات نے محفوظ کر لیے تھے مگر جدید عمرانی تقاضوں کے سامنے وہ حصے بھی آہستہ آہستہ دم توڑ گئے اور یوں وہ فصیل جس نے مدینہ طیبہ اور مدنیوں کی حفاظت میں پچھلے ۱۱۰۰ سال سے (۲۶۳ ہجری سے ۱۳۶۸ ہجری تک) ایک نہایت اہم کردار ادا کیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے

دامن احد میں ایک قدیم دفاعی چوکی کی تصویر

لیے قصہ پارینہ بن گئی.

مدینہ منورہ کے گرد بنائے گئے دفاعی قلعے:

مدینہ طیبہ کے عمرانی خصائص میں جہاں خوبصورت رہائشی عمارتیں ہیں وہاں محلات اور قلعے بھی اس کی عمرانی زندگی کا طرہ امتیاز رہے ہیں. ترکوں نے فصیل مدینہ طیبہ پر صرف قلعہ شامی اور اس کے برج ہی نہیں تعمیر کئے بلکہ اس بلدہ طاہرہ کو کسی بھی بیرونی جارحیت سے محفوظ کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مضبوط قلعے بھی بنوا دئے تھے جو اس شہر مقدس کے چاروں اطراف میں ہوا کرتے تھے. قلعہ شامی کو دوسری دفاعی لائن سمجھا جاتا تھا جبکہ حدود حرم کے اردگرد چاروں طرف قلعے اور چوکیوں کا جال بچھا دیا گیا تھا. سب سے بڑا قلعہ جبل الجرف کے اوپر تھا جو آج بھی موجود ہے. شمالی مدینہ چونکہ شروع سے ہی دفاعی لحاظ سے کمزور تھا جتنے بھی حملہ آور آئے (خواہ وہ قریش مکہ ہوں یا افواج یزید یا نفس الذکیہ کے خلاف عباسی افواج یا اس سے بہت پہلے کے یمنی تبع کے عساکر) سب کے سب اسی جانب سے مدینہ طیبہ پر حملے کی غرض سے وارد ہوئے تھے. (دجال بھی اسی راستے سے مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا.) لہذا اس جانب جبل الجرف پر سب سے بڑا قلعہ بنایا گیا تھا اور اس کے اردگرد مختلف اسٹراٹیجک مقامات پر قلعہ نما چوکیاں تعمیر کر دی گئی تھیں. اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی کاوشوں سے صلیبی طاقت اپنی موت آپ مر چکے تھے مگر پھر بھی ترکوں نے دفاع مدینہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی.

جنوب میں جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور مغرب میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ کے محلات کو بھی عسکری چوکی بنا دیا گیا تھا. اسی طرح جبل احد کے ساتھ ساتھ مغربی جانب بھی چند چوکیاں ہوا کرتی تھیں اور جبل احد سے مدینہ منورہ آتے ہوئے مسجد المستراح کے ساتھ بھی ایک قلعہ تعمیر کر دیا گیا تھا تاکہ خدانخواستہ اگر جارحین پہلی دفاعی لائن عبور کر لیں تو پھر بھی مدینہ طیبہ کے مضافات میں انہیں سخت مزاحمت کرنی پڑے. قلعہ شامی کے باہر دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے جبل سلع کی چوٹی پر بھی ایک چوکی قائم کی ہوئی تھی جس کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں. اسی طرح کا ایک قلعہ قباء میں بھی ہوا کرتا تھا. ان تمام قلعوں میں ترکی افواج کے چاک و چوبند دستے ہر وقت موجود رہا کرتے تھے.

ان سب میں مشہور ترین قلعہ 'قلعہ شامی' تھا جو فصیل شہر سے متصل شمال مغربی کونے پر تھا. اسے سلطان سلیمان الفاتح (قانونی) نے رسول اللہ ﷺ کی ایک بشارت کے نتیجے میں تعمیر کروایا تھا. شاہ عبدالعزیز کے دستوں نے جب مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس میں گھس کر اس کے گولہ بارود کے ذخیرہ کو آگ لگا دی گئی تھی جس سے نہ صرف وہ قلعہ تباہ ہو گیا بلکہ اردگرد کی بہت سی عمارتیں بھی زمیں بوس ہو گئیں تھیں.

باب مصری کے باہر کا سماں
پس منظر میں مسجد نبوی شریف
نظر آ رہی ہے

آج کے مدینہ طیبہ میں ان قوموں کی اکثریت نہ ہونے کے برابر ہے اور شائد یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ نے ان سے بے اعتنائی برت کر انہیں کو منہدم کر دیا ہے اور سوائے چند ایک کے کھنڈرات کے باقیوں کے تو نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں.

مدینہ طیبہ کا عمرانی اور تمدنی ارتقاء:

جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مدینہ طیبہ چند قریوں پر مشتمل تھا جو شمالاً جنوباً جبل احد سے لیکر جبل عیر اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے اندر واقع تھے ان تمام قریوں میں مختلف قبائل رہا کرتے تھے: کچھ علاقے یہود کے لیے مختص تھے جبکہ باقیماندہ قریوں میں عربوں کی کثریت تھی بعد میں جب یہود بے بہبود کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو ان کی رہائشی آبادیاں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں. نبی اکرم ﷺ نے حکم صادر فرما دیا کہ وہ آطام اور قلعے یا حویلیاں جو یہود کے انخلاء اور اجلاء کے بعد مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملی تھیں ان کو مسمار نہ کیا جائے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ان آطام کو مسمار مت کرو کیونکہ یہ مدینہ طیبہ کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں] (۴۷) لہذا ایسے قلعے یا حصون (آطام) جو مدینہ طیبہ کی مختلف اکناف میں موجود ہوا کرتے تھے ان میں سے چند کے کھنڈرات تو آج بھی موجود ہیں قرون اولی میں ان میں مسلمان آباد ہو گئے تھے.

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور اپنی مسجد اور مسکن تعمیر کیا تو اس مقام نے مرکزی حیثیت حاصل کر لی. مہاجرین کو تو وہاں آباد ہونا ہی تھا مگر انصار بھی وہاں آباد ہونے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے تا کہ نبی اکرم ﷺ کے جوار رحمت میں آ جائیں. اس وجہ سے پہلے قریوں کے طرز وقوع کے برعکس (جو ایک دوسرے سے دور دور واقع تھے) نئی تمام تر تعمیرات کا محور مسجد نبوی اور دار رسول مقبول ﷺ بن گیا اور اس طرح جو بھی تمدنی ترقی ہوئی وہ ایک دائرے کی شکل میں باہر کی طرف پھیلتی گئی جس کا نقطہ ارتکاز مسجد نبوی شریف ہی رہا. پھر جب عرب قبیلوں کے وفود مدینہ طیبہ آ کر مشرف بالاسلام ہو گئے ان نو واردین کی آبادکاری کے لیے جبل سلع کے دامن میں جگہ دینی پڑی. بنو حرام اور بنو جہینہ کو جبل سلع کے دامن میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت ہوئی اور بنی مزنہ اور بنی مصطلق کو مسجد نبوی کے جنوب میں حرہ غربیہ میں آباد کیا گیا. مدینہ طیبہ کے تمدن میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کا بڑا دخل رہا ہے اور جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھتی گئی اور شہر نبی پھلتا پھولتا گیا. مگر نو واردین چونکہ مختلف پس منظر رکھتے تھے (ان کی معاشی اور معاشرتی حالت الگ الگ تھی) اس لیے ہر قسم کے مکانات ایک ساتھ دیکھنے کو ملتے تھے. اگر ایک مقام پر کوئی اطم یا محل نما گھر ہوتا تھا تو ہمسائے میں کچی مٹی سے بنے ہوئے گھروندے کو بھی اسی عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ اسلامی معاشرے میں مکان کی

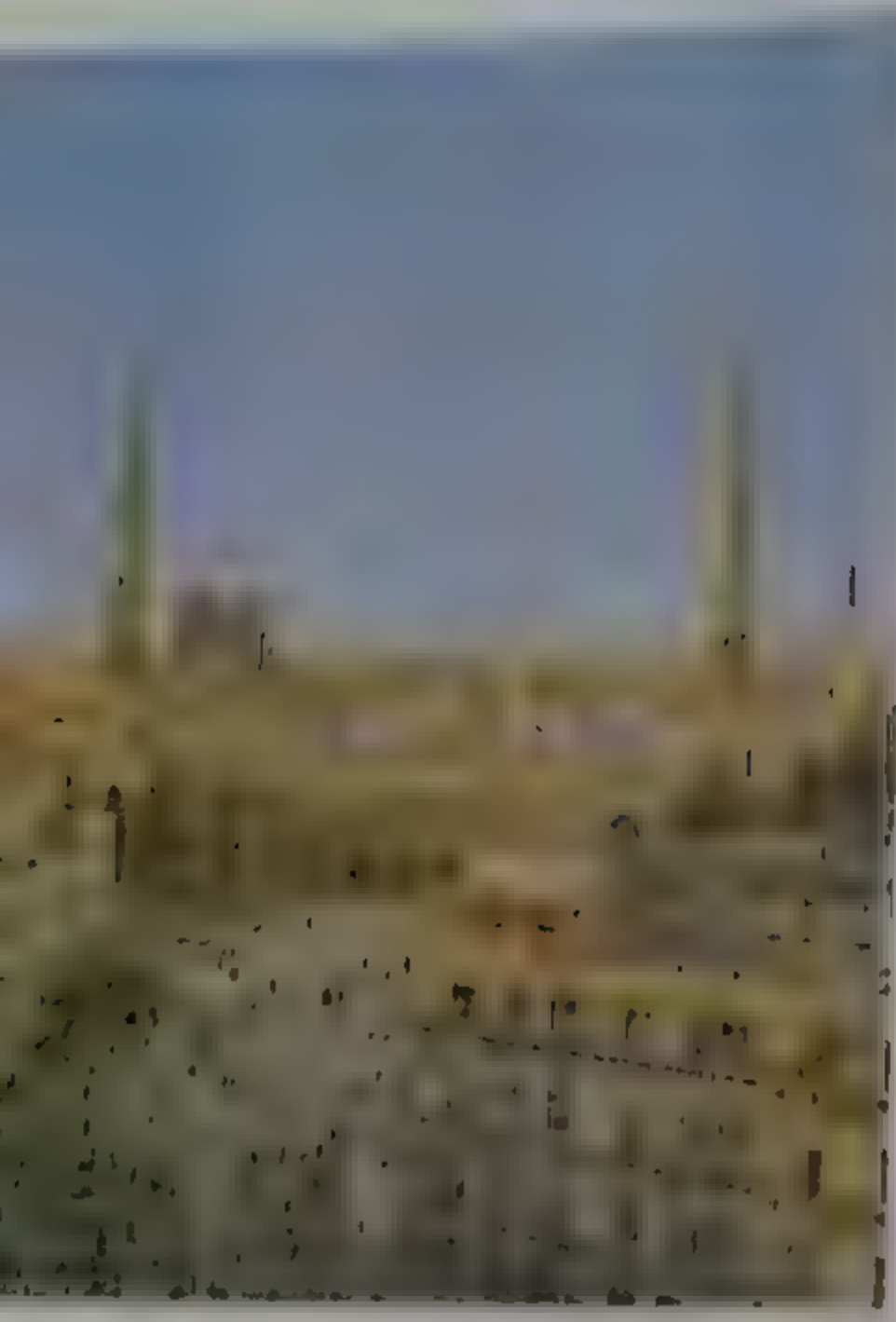

چوک در کعبت
تصویر محمد مہدی

ہوتے تھے جن میں دو منزلہ یا اس سے بھی زیادہ منزلہ مکانات ہوتے تھے مکانوں کے
ریبر ۷ سے ۹ میٹر چوڑی سڑکیں ہوا کرتی تھیں جب سے مدینہ منورہ جدید عمرانیت کی راہ پر گامزن ہوا ہے احواش اور
سمار ہوتے گئے اور ان کی جگہ دوسری عمارات قیمہ ہوتی رہیں اب سوائے ان کے ناموں کے تاریخ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے
بعض حوش جو کبھی بہت مشہور ہوا کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں حوش السید، حوش کرات باش، حوش الخاد، حوش الوشاء، حوش مسجع، حوش
مغربہ، حوش بودیرج وغیرہ۔

اگرچہ مورخین اور علماء نے تاریخ مدینہ پر بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں اور ان کے تاریخی اور اسلامی پس منظر اور متبرک مقامات پر دل
کھول کر تبصرے کیے ہیں مگر ہمارے لیے حیرت کا مقام یہ ہے کہ کسی نامور مورخ نے بھی مدینہ منورہ کے عمرانی ارتقاء پر قلم نہیں اٹھایا ہے اس کا
نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اس شہر رسول ﷺ کے متعلق شہری ترقی اور عمرانی ارتقاء پر بہت کم مواد ملتا ہے البتہ چند زائرین کرام جو مدینہ منورہ
گئے مدینہ طیبہ کے اپنے اپنے سفرناموں میں تھوڑی بہت نقشہ کشی ضرور کی ہے جن میں زیادہ تر مغربی (مراکش یا الجزائر وغیرہ) مبارک
یہ حین ٹرکی میں ایسے ہی ایک زائر مشہور ترک سیاح تھے جن کو اولیاء شاہی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے انہوں نے
مدینہ طیبہ کے پوشیدہ گوشوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور ڈھیر ساری معلومات فراہم کی ہیں گیارھویں صدی میں ان کے بعد
مدینہ طیبہ کے وقت وہاں موجود دینی اداروں کے متعلق وہ لکھتے ہیں باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سیف الدین سلطان ۷۲۲ ہجری میں
سیف الدین خوبان اور اس کی ملکہ نے بنوایا تھا اس کے ساتھ ہی سلطان آیلہانی کا مدرسہ ہے باب جبریل کے باہر دولت محمد پاشا کا

[illegible] نے جو سلطان محمد قانونی کا مشیر خاص تھا اسی طرح باب السلام کے قریب ایک بہت بڑا وقف ہے جسے سلطان محمد سوم نے [illegible]

[illegible] مدینہ طیبہ میں کل مدارس کی تعداد ۱۱۸ ہے۔(۵۱)

[illegible] کی چیزوں سے [illegible] کرتے ہیں کہ اندرون شہر چند حمام اور کارواں سرائے بھی تھیں اور وہاں (کچی) سڑکیں بڑی صاف ستھری اور سفید رنگ کی تھیں۔ شام کے وقت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا جس سے گرد بیٹھ جاتی اور ان میں تھوڑی سی خنکی بھی آجایا کرتی اس شہر مقدس میں بیس کتاب (ایسے مدرسے جہاں بچوں اور نوجوانوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کو بعد کے مورخین نے کتاتیب کے نام سے لکھا ہے) تھے [illegible] تھے جہاں قرآن کریم پڑھایا جاتا تھا اور سات دارالحدیث تھے جہاں حدیث شریف کا درس دیا جاتا تھا [illegible] سرائیں تھیں جہاں غربا کو مفت رہائش اور خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ ان سب سراؤں کے چلانے کی لیے مختلف اوقاف بنائے گئے تھے۔ عین زرقاء سے نکال کر تین بڑی بڑی سبیلیں شہر کے مختلف حصوں میں بنا دی گئی تھیں جن سے راہگیر اور پیاسے پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ ان سبیلوں میں پانی تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں سے اتر کر نیچے جانا پڑتا تھا۔ یہ سبیلیں بھی سلطان سلیمان نے تعمیر کروائی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی سبیلیں تھیں جو مختلف مقامات پر ہوا کرتی تھیں۔ ان تمام مدارس اور کتاتیب کا خرچہ ترکی حکومت کی گرانٹ (جس کو صرہ کہا جاتا تھا) سے پورا کیا جاتا تھا۔ ترک سلاطین نقد اور اجناس اور اشیاء کی صورت میں ہر سال 'صرہ' مدینہ طیبہ ارسال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سارے لنگر خانے بھی تھے جن کو مخیر حضرات چلایا کرتے تھے جہاں مساکین اور مسافروں کو دو وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔(۵۲)

جہاں تک مکانات کی تعداد کا تعلق ہے اولیاء شلبی لکھتے ہیں کہ اندرون شہر تقریباً ۲۰۰۰ مکانات تھے سرائیں، مدارس، مساجد، تکیے، دارالحدیث اور دارالقرآن ان کے علاوہ تھے۔ شامی قلعے کے اندر ۸۰ توپیں تھیں۔ محافظ دستے اور پولیس کے سپاہی اور فوج کی کچھ نفری ہوا کرتی تھی جن میں بینڈ بجانے والی ایک پلٹن بھی ہوا کرتی تھی جو سرکاری مناسبات پر دھنیں بجایا کرتی تھی۔

مدینہ طیبہ میں برصغیر ہندوستان کے بہت سے والیان ریاست نے دل کھول کر مدینہ طیبہ میں رفاہی کاموں میں شرکت کی تھی۔ بہت سوں نے مدرسے بھی بنوائے اور بعض نے تو وہاں باقاعدہ ربطیں تعمیر کروا دی تھیں، مثلاً ربات بھوپال، رباط حیدرآباد اور رباط بہاولپور وغیرہ۔ ان سب کا ذکر رباطوں کے باب میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

اس کے برعکس انیسویں صدی میں برطانوی اور یورپی حکومتوں نے ارض مقدس پر اپنے جاسوسوں کا جال

[illegible] واقع [illegible] بھی [illegible] سے [illegible] ہوتی تھی

[...] لے جاسوس جعلی اسلامی ناموں کے تحت حرمین
[...] ناقصدامت مسلمہ اور خاص طور پر ترکی سلطنت
[...] ں کی سب ہی بڑی سلطنت کا خاتمہ کیا جائے اور اس
[...] ان دونوں مقدس شہروں کے متعلق معلومات اور شماریات جمع کر کے وہ اپنی حکومتوں کو ارسال
[...] دیتے تھے جس میں بلاد مقدسہ کی ارضیاتی رپورٹیں، معاشی اور معاشرتی حالات اور مختلف قبائل کے
[...] رپورٹیں پر معلومات کرتی تھیں (۵۳). وقت گزرنے کے بعد وہ رپورٹیں خفیہ
[...] اور بہت ساری رپورٹیں تو ان جاسوسوں کے ورثاء نے شائع کر دیں تا کہ مال کمایا جا سکے اور باقی
[...] حکومتوں نے افشاء (Declassify) کر دیں. اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جاسوسوں نے امت
مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ
معلومات جو انہوں نے اکٹھی کی تھیں ان کے افشاء سے حرمین الشریفین کی تاریخ کے بہت سے چھپے
[...] ہو گئے ہیں. بلا [...] ان مرحلے پر ہمارے لیے ان کی تاریخی اور علمی حیثیت خاصی نفع بخش
[...] ہو گئی پوری طرح اپنے اپنے کاموں میں ماہر تھے انہوں نے اپنا کام پوری تندہی سے کیا
[...] ثبوت اور شہادت کے طور پر بعض ضروری نقشہ جات اور خاکے بھی بنائے تھے
[...] نے بعض کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے. مثال کے طور پر اس باب کے شروع میں
[...] کتاب سے مستعار ہے جو ارض مقدس کی نقشہ کشی کی تاریخ میں سب سے پہلا
[...] ۱۸۴۲ء سے پہلے کا ہے اس طرح ارچیائی تحریروں سے معاندت اور اسلام دشمنی صاف ظاہر ہو جاتی ہے مگر ان کی آراء اور حاشیہ
[...] سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ ۱۸۵۰ء میں کیسا لگتا ہوگا. اس کے کہنے کے مطابق اندرون شہر مدینہ طیبہ میں مکانات کی
[...] زیادہ نہ تھی مدینہ طیبہ کی ٹاؤن پلاننگ اور عمرانیاتی شکل کے بارے میں وہ رقمطراز ہے:

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ طیبہ میں صرف ایک بڑا ہوٹل ہوا کرتا تھا جو سید عبداللہ المدنی کی ملکیت تھا (مرآۃ الحرمین)

[...] اندرون شہر (فصیل کے اندر) سڑکیں بالکل ایسی ہی ہیں جو ایسی سخت زمینوں پر ہوا کرتی ہیں، گہری، تنگ اور چند جگہوں سے پکی بھی
[...] ہیں جن پر پانی چھڑک کر ان کو پختہ سا بنا دیا گیا ہے. ہر سڑک کا رخ مسجد (نبوی) کی طرف ہے. عوام کے لیے
[...] عمارات ہیں پبلک ایجنسیاں۔ کاروان سرائے۔ (وکالہ) صرف چار ہیں جن میں سے ایک باب السلام، یعنی حرم کے پاس
[...] کاروان سرائے عموماً سٹور کے طور
[...] ہیں اور جیسا کہ قاہرہ میں ہوتا ہے اس کے برعکس ان کو رہائش کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا. مسافرین کو مجبوراً کرائے کے مکانوں
[...] ہے جو کافی مہنگے ہیں یا پھر انہیں غیر صحت مند اور انتہائی نامساعد حالات میں شہر کے باہر خیمے گاڑنے پڑتے ہیں. پبلک عمارتیں
[...] پندرہ قہوہ خانے ہیں اور ایک اچھا حمام زروان کے علاقے میں ہے. مشرقی نقطہ نظر سے مکانات اچھی طرز کے ہیں جن پر سیدھی
[...] ہیں. اکثر دو منزلہ مکان ہیں. عمارتیں زیادہ تر حرہ کے سیاہ پتھروں کے بلاکوں اور مواد اور پکی ہوئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں
[...] پر کھجور کے تنوں کی چھتیں ڈالی گئی ہیں. چند اچھی عمارتوں میں کھلے صحن بھی ہیں اور چھوٹے باغیچے بھی ہیں جن کی آبیاری کے لیے مناسب
[...] کا بندوبست کیا گیا ہے اور ان کی ہریالی دیکھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے.] (۵۴)

[...] کے بعد وہ دوسری اہم یادداشتیں ایک اور عیسائی جاسوس جون برکہارٹ (John Ludvig Burkhardt) کی ہیں جو سوئٹزرلینڈ کا

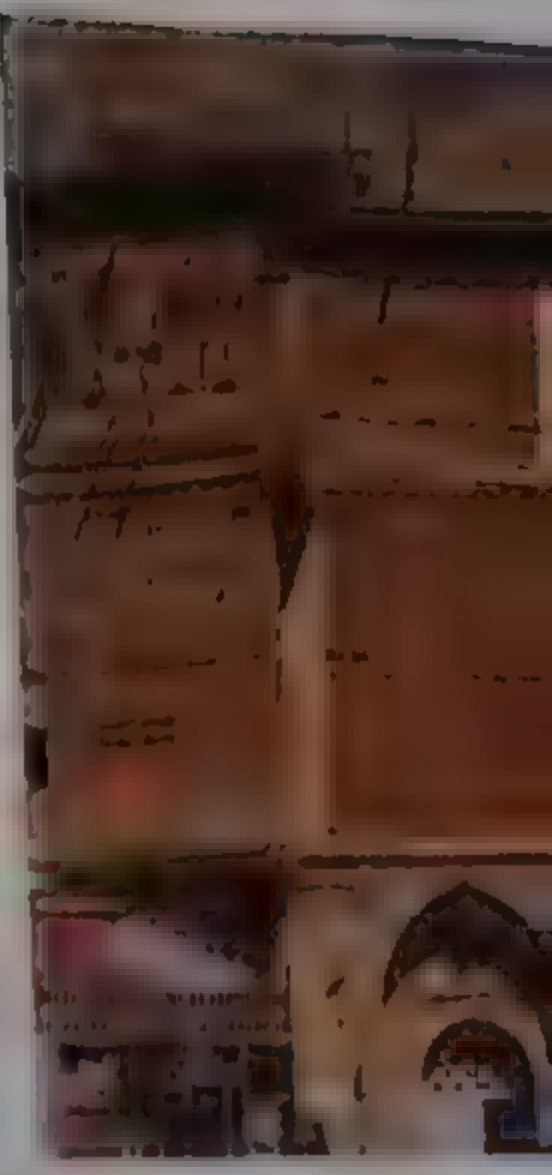

باشندہ تھا۔ وہ [illegible] کی عمر میں [illegible] کرنے نہیں تھکتے تھے (۵۵)

[illegible] مارچ ۱۸۸۶ء [illegible] سے ہمیں اس وقت کے مدینہ طیبہ کے چند اہم گوشوں سے جانکاری ہوتی ہے ان کی مہیا کی گئی [illegible] بہت سی معلومات [illegible] چھوٹا سا شہر تھا، جس میں اور چیزوں کے علاوہ یہ سب کچھ بھی تھا

دینی عمارتیں:

مساجد (مسجد نبوی شریف کے علاوہ)	۳۳
رباط (وقف عمارتیں)	۸
زاویے (خانقاہیں) (۵۶)	۱۴

پبلک عمارتیں:

بازار	۱۱
مدرسے	۳۰
پبلک حمام	۲
تکیے (غرباء اور مساکین کی مفت رہائش گاہیں)	۲
لائبریریاں	۷
ہسپتال (عام لوگوں کے لیے)	۱
ہسپتال (فوجیوں کے لیے)	۱

علی بن وہبی آفندی نے مطابق حساب پینتالیس لوگوں نے [illegible] کی تعداد نہیں لکھی مدینہ طیبہ میں اندرون شہر کل ۴۲ گلیاں ہوا کرتی تھیں اور ان میں بڑی سڑکیں اور ۱۲ چھوٹی سڑکیں تھیں مدینہ طیبہ کی کل آبادی (حارے) آٹھ ہوا کرتے تھے اور عامۃ الناس کے لیے ۵۵ باغ اور باغیچے ہوا کرتے تھے فوجی عمارات میں سے صرف ایک کی عمارت ہوا کرتی تھی جس کا نام قلعہ شامیہ تھا جو فصیل مدینہ کے شمال مغربی کنارے پر واقع تھا (۵۷) فوجیوں کی بارکیں عنبریہ [illegible] تھیں اس علاقے کو تابیہ (فوجی بارکیں) کہا جاتا تھا اب تو یہ تمام علاقہ صاف کر دیا گیا ہے بلکہ جدید [illegible] (آج کل یہ [illegible] ذوالحلیفہ کے مقابل واقع ہے) ابھی بھی ان فوجی بیرکوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو کبھی وہاں ہوا کرتی تھیں یہاں پر [illegible] کے افراد رہا کرتے تھے اس کے علاوہ آفندی نے اور بھی معلومات مہیا کی ہیں مثلاً یہ کہ مدینہ طیبہ میں [illegible] میں کتنے کتنے کھجور وغیرہ کے درخت ہوا کرتے تھے (۵۸) ابن ابراہیم رفاعت پاشا نے مرآۃ الحرمین اور [illegible] نام سے اپنے [illegible]

ہے۔ وہ ۱۹۰۲ء سے تین مرتبہ امیر الحج کی حیثیت سے مصری کاروان حج کی قیادت کر چکے تھے انہوں نے بھی کافی مواد فراہم کیا ہے جو بیسویں صدی کی ابتدا سے متعلق ہے ان کی تحریروں کے مطابق مدینہ طیبہ کے مکانات عموماً پتھر کے بلاکوں سے بنے تھے، عام مکانات دو منزلہ تھے اور چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہوا کرتے تھے بالائی منزل عموماً رہائش کے لیے استعمال ہوتی تھی جب کہ نچلی منزل میں سٹور اور دکانیں ہوا کرتی تھیں صاحب ثروت لوگوں کے گھر کافی کھلے ہوتے اور کافی دیدہ زیب ہوا کرتے تھے۔ کھڑکیاں اور روشن دان مکانوں کو کافی ہوادار بنا دیتے تھے لکڑی کے کام پر کافی نقش و نگار کیا جاتا تھا گھر کے دروازے عموماً گلیوں اور سڑکوں کی سطح سے کافی اونچے رکھے جاتے تھے (۵۹)

ان کی مہیا کی ہوئی معلومات کے مطابق ۱۳۰۹ ہجری میں (۱۸۸۸ء) میں مدینہ طیبہ میں ۱۵ مساجد، ۱۸ زاویے (کتب خانہ جات) اور ۱۷ اسکول (مدارس) تھے ان مدارس کے علاوہ ۱۲ ابتدائی تعلیم کے مراکز بھی تھے جن میں مدنی بچے تعلیم حاصل کرتے تھے ۸ سبیلے (غریب خانے) ہوا کرتے تھے جن میں سب سے بڑا تکیہ مصریہ تھا اور پانی پینے کی ۱۷ سبیلیں اور ایک ہسپتال بھی تھا شہر میں ۱۰۸ ہوٹلیں بھی تھیں جہاں مسافر اور غرباء کے قیام و طعام کا بندوبست تھا رفعت پاشا کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں کل ۵۰۰۰ مکانات تھے، ۸ بیکریاں اور ۳۶ قہوہ خانے تھے اور چھوٹے بڑے باغیچے ملا کر ان کی کل تعداد ۴۸۵ ہوا کرتی تھی اس وقت صرف ایک ہی ہوٹل ہوا کرتا تھا جو عبداللہ مدنی کی ملکیت تھا جہاں موسم حج و زیارات میں مسافرین کا تانتا بندھا رہتا تھا (۶۰) لکڑی کی بنی ہوئی بالکونیاں اور روشن (روشن دان کی جمع جو مدینہ طیبہ میں عام سمجھا اور بولا جاتا تھا) انتہائی خوبصورت نقش و نگار کی حامل ہوا کرتی تھیں جس نے مدینہ طیبہ کی رہائشی فضا میں مزید خوبصورتی کا عنصر بھی شامل کر دیا تھا مکانوں کی چھتیں عموماً لکڑی کی بنی ہوتیں جن پر بھی نقش و نگار کندہ ہوا کرتے تھے

عرب ہیورو کے شروع میں مذکورہ کتابچے نے مدینہ طیبہ کا یہ نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے

شہر کے مکانات گرینائٹ اور اوابی چٹانوں کے بنے بلاکوں سے بنائے گئے ہیں جن کے اوپر چونے کا پلستر کیا گیا ہے ان میں سے بعض تو چار یا پانچ منزلہ بھی ہیں اور ان میں باغیچے بھی موجود ہیں۔ گلیاں ذرا تنگ اور

میں دوہرے برج بنائے گئے ہیں۔ فوجی چھاؤنی باب قباء سے شہر کے باہر کی طرف واقع

ہیں۔ یہ برج آئیں وہ مغربی دروازے سے آتے ہیں اور ان کو برالمناخہ کا کافی بڑا میدانی علاقہ

ہے۔ برالمناخہ میں حجاج کرام کا پہلا پڑاؤ لگتا ہے اور یہاں حجاج کرام جو کرائے

پر شہر میں داخلہ باب مصری سے ہوکر گزرتا ہے جہاں

طرف مڑ جاتی ہے جس میں داخلہ باب سلام سے ہوتا ہے جو کہ مسجد کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے اس

سنگ مرمر، ماخوں اور سنہری کتابت سے سجایا گیا ہے اور مسجد اپنے بلند و بالا میناروں اور ایک عالی شان سبز

(۶۲) صحن کے ساتھ ہر طرف تنگ گلیوں اور مکانات میں گھری ہوئی ہے

چھوٹی چھوٹی پکی اینٹوں سے بھی بنے ہوئے تھے چونکہ اس شہر مقدس نے صدیوں پر

جنہوں نے بحیثیت مجموعی دامے درمے اور قدمے ہر طرح سے اس شہر حبیب

ہے تعمیراتی نقطہ نظر سے مدینہ طیبہ میں ہر دور میں رائج وقت ذوق اور وسائل کے

چونکہ زائرین اور حجاج دنیا کے ہر کونے سے یہاں حاضر ہوتے تھے جن میں

اس لیے اس شہر مقدس کو کبھی پیشہ ور اور ماہر کاریگروں کی کمی نہیں پڑی وہ

اکثر و بیشتر یہیں کے ہو کر رہ جاتے تھے اور مدینہ حبیبہ کو ہی اپنا مسکن دائمی بنا لیتے

آئے ہوئے فنی ماہرین نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے محبوب شہر کی تزئین کے لیے کوئی کسر نہ

ق ہمیشہ دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہاں پر اگر افریقی طرز تعمیر کے نمونے بھی ملتے تھے تو ساتھ ہی

ہندوستان و ایرانی کاریگری کے کام میں ایسا دیدہ زیب کام کر گئے کہ صدیوں تک ان

مدینہ حبیبہ میں صرف عربی طرز تعمیر ہی دیکھنے کو نہیں ملتا تھا وہاں نیل کے ساحل سے

ملک اور قوم میں ہوتے تو ان کو تاریخی اور قومی ورثہ سمجھ کر محفوظ کر لیا

جسے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا۔ موجودہ صدی میں مدینہ منورہ میں یہ

گو کہ جس جگہ وہ واقع تھی وہ جگہ آج بھی مسجد کے احاطے سے

آج بھی مدینہ حبیبہ میں سب سے قدیم اور قیمتی ورثے کی شکل میں جبل سلع کے دامن میں مسجد

(۶۳) لیکن اگر بروقت اقدام نہ کیے گئے تو وہ آثار قدیمہ اور تاریخی عمارت جو

عمارت پہلے ہی بوسیدہ حالت میں ہے اور اس کے معدوم ہونے کے

پر چلتے یہ قدیم ترین عمارت بھی کسی مسلم سربراہ حکومت یا مذہبی رہنماء کے احتجاج

قدیم مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے حاجیوں اور عمرہ زائرین کی بھیڑ جس کو پہلے حجاج جنت کی گلی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ مسجد نبوی کے مشرقی دروازے سے شروع ہو کر جنت البقیع تک جاتی تھی

سے پہلے ہی ملک عدم کو سدھار جائے گی اس کی چند تصاویر ہم نے اسی کتاب کے باب مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد کے زمرے میں دی ہیں۔

مندرجہ بالا صفحات میں مدینہ طیبہ کی قدیم عمرانیات پر ہم نے ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اگر ان اعداد و شمار کو مدینہ طیبہ کی دور حاضر کی وسعت سے موازنہ کریں گے تو یہ ایک سعی لاحاصل ہوگی آج کا دیار حبیب آج سے تیس سال پہلے کے مدینہ طیبہ سے کئی گنا وسیع و عریض ہے آبادی کے لحاظ سے بھی اس میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے۔ آج کے مدینہ طیبہ کا کل رقبہ تقریباً ۶۰۰ مربع کیلومیٹر سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔ مشرق میں اس کی حدود سد العقول سے بھی پار مدینہ ائرپورٹ تک جا چکی ہیں، مغرب میں الجرف اور العقیق تک کا علاقہ زیر آبادکاری آ چکا ہے اور شمال میں آبادی جبل احد کے اس پار دور تک چلی گئی ہے۔ جبل احد کے پار شمالی علاقہ صنعتی اور تجارتی منطقہ بن گیا ہے جہاں نہ صرف بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں بلکہ بڑی بڑی تجارتی نمائشیں بھی وہیں منعقد ہوتی ہیں۔ وہیں پر ایک جدید طرز کا مذبحہ اور مال مویشیوں کی منڈیاں بھی ہیں۔ اسی طرح جبل احد اور دیگر تمام چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے درمیان آبادیاں اور باغیچے موجود ہیں۔ چوڑی دو رویہ جرنیلی سڑکیں، بلند و بالا تجارتی مراکز اور پارکوں سے مزین اس علاقے کو مزید حسین بنا دیا گیا ہے۔ الغابہ کا قدیم جنگل اب ناپید ہو چکا ہے اور اس کی زمین جس کو

(Development of the Centre of Medina)

حواشی

(۱) ... من عدة طبقات مبنية ... ج ... ص ۲۲۹ نیز صحیح بخاری (انگریزی ترجمہ محسن خان)، ج:۳، نمبر ۴۹۴، [آپ کی جائے ہجرت
... لکھا دی گئی ہے میں نے اپنی زمین دیکھی ہے جو شورہ دار ہے مگر جس میں کھجور کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو
وہاں کیدو ... ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب بیان فرمایا تو کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ ہجرت اختیار کر لی اور بعض جو
پہلی ہجرت پر تشریف لے گئے تھے، وہ بھی مدینہ طیبہ منتقل ہو گئے۔ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق جو خاصی طویل ہے اور جسے ام المومنین سیدہ عائشہ
صدیقہؓ نے روایت کیا ہے [اس وقت جب رسول اللہ ﷺ بھی مکہ میں قیام پذیر تھے آپ نے مسلمانوں سے فرمایا] عالم رویا میں مجھے تمہاری جائے
ہجرت دکھا دی گئی ہے جو نخلستان پر مشتمل دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو کہ دو سنگلاخ حروں کے علاقے ہیں [صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵ اسی طرح
ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے: [میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین میں جا رہا ہوں
جہاں کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے پہلے تو میں نے سوچا کہ وہ یمامہ یا ہجر (موجودہ بحرین وغیرہ) کا علاقہ ہوگا مگر یہ مدینہ تھا جس کو یثرب کہا جاتا تھا
صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۴۰، ... نمبر ۵۹ (قوسین کے درمیان تصرف صرف وضاحت کے لیے ہے) نیز دیکھیے صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ عبدالحمید
صدیقی)، ج ۴، نمبر ۶۴۹۔

(۲) فرمان اشریفان ... [illegible] ... کے ایک جلد سے از مطبوعات سعودی وزارت اطلاعات، ۱۴۲۰ھ
(جو سعودی حکومت کی پہلی صد ... کی پر جاری کی گئی تھی) ص ۷۱۔

(۳) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۶۰۹ ... رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [میرے رب کی طرف سے میرے پاس آج ایک فرشتہ آیا اور مجھے
اس وادی بابرکت میں نماز پڑھنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ یہیں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھا جائے۔

(۴) Col. David George Hogarth, Hejaz Before the World War I - A Handbook
2nd Edition, 1917, p 26, reprinted by falcon-Oleander, NY ISBN 0 902675 74 5

(۵) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورہ (۱۳۰۳ ہجری۔ ۱۸۸۵ء)، ص ۱۹

(۶) Ministry of Municipalities and Rural Affairs, the Depty Ministry of Town Planning,
Al-Medina al-Munawwara - Action Master Plan, prepared by the Consultant Group
"Group of Arab Consultants for Development & Reconstruction, undated, p 13
(copy available at al-Haram al-Madani Library).

(۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۱۸۷۲ اور نمبر ۵۰۶۔

(۸) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۶۸: [بیشک عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔] صحیح مسلم، نمبر ۲۰۴۷ (جو اپنے دن کی ابتداء عجوہ کی سات کھجوروں سے کرتا
ہے وہ زہر اور سحر کے اثر سے دن بھر محفوظ رہے گا۔]

(۹) ابراہیم بن احمد حمدی المدنی خربوتلی، الفلاحات المدینہ، یکے اس منشورات ادارہ توجیہ زراعی، مدینہ منورہ، ۱۹۸۹، صفحات: ۶۴۔۶۸۔

(۱۰) انجینئر ادیب عمر الخضری، تمور طابہ (مدینے کی کھجوریں)، مدینہ منورہ، ۱۹۹۸، ص: ۳۷۔

(۱۱) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۷۲۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپ حضور ﷺ حرہ وبرہ پہنچے
تو ایک آدمی جو اپنی بہادری میں بہت مشہور تھا آپ حضور ﷺ کے پاس آیا..... الخ] اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرہ وبرہ کا نام اسلام سے پہلے
کا رائج تھا۔

(۱۲) عبد القدوس انصاری، آثار مدینہ منورہ، چوتھا ایڈیشن، ص ۲۰۶

(۱۳) موطا امام مالک، ج ۲، نمبر ۱۶۴۵

(۱۴) حاجی محمد حسن عبد المقدر انصاری، مکہ مکرمہ تا توسعہ المسجد النبوی الشریف جلد ۱، تاریخ، مدینہ منورہ، نیشنل کلب، بیسواں ایڈیشن، ۱۹۹۰ء، ص ۲

(۱۵) بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج کا طریق ہجرت وہی راستہ پر بنایا گیا ہے جس سے گزر کر حضور ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ
سچائی پر مبنی نہیں ہے بعض مقامات سے ضرور وہاں سے گزرتا ہوگا مگر عثمانیوں کا بنایا ہوا ریلوے (حریق سنتی) اکثر حصوں پر اصل سے دور
گزرتا تھا، اصل طریق ہجرت کے قریب تر تھا

(۱۶) ان تمام مقامات کی تفصیل متعلقہ ابواب میں مہیا کی گئی ہیں

(۱۷) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۵۲۲

(۱۸) صحیح مسلم، ۱۹۰۔ نمبر ۴۴۵۰

(۱۹) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۲۹۳: حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا: ان لوگوں کی تعداد کتنی جنہوں نے اسلام
ہونے کا اعلان کیا ہے۔ لہٰذا ہم نے جب ان کی گنتی کی تو وہ ایک ہزار اور پانچ سو مرد نکلے۔

(۲۰) ایسے تخمینے میں یہودی آبادکاروں کی تعداد شامل نہیں کیونکہ وہ تو تھوڑے ہی عرصہ بعد مدینہ بدر ہو گئے تھے

(۲۱) ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ ہجری) نے اس کا ذکر "فصول فی سیرۃ الرسول" مطبعۃ بیروت، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۷ پر کیا ہے

(۲۲) الموطا، امام مالک ابن انسؓ، ج ۲، نمبر ۱۶۴۲، نیز صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۹۹۔

(۲۳) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی حالت تو یہاں تک ہوگئی تھی کہ فتنہ جنگی کے دوران جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی [illegible] حسن علیہ [illegible]
معاویہؓ کے حق میں اعلان دست برداری کر دیا اور مدینہ طیبہ میں مکمل امن قائم ہو گیا تو اس وقت جب کچھ صحابہ [illegible]
جو مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور تھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا [میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے [illegible]
ہے جو خائف اللہ کا ہو جاتا ہے اور طمع کو ترک کر دیتا ہے اور لوگوں سے چھپ چھپا کر رہتا ہے۔] صحیح مسلم، ۲۰۳۲۔ نمبر ۲۔۔

(۲۴) جبیر مطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ المنورہ، ص ۲۳

(۲۵) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج: ۴، ص: ۱۵۔

(۲۶) صالح لمعی مصطفیٰ، Al-Medina Al Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage, Beirut, 1981، ص ۳۴۔

(۲۷) رچرڈ برٹن Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Meccah, (A reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN No. 486-21217-3), Vol. 1

(۲۸) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبوت کی حاضری (جو ان کی ۱۹۲۷ء کی حاضری کی یادداشتیں ہیں)، فرقان بک ڈپو، لکھنؤ، ہند، ۱۹۹۶ء، ص: ۹۲

(۲۹) Saudi Arabia and Its Place in world، یکے از مطبوعات وزارۃ اطلاعات، ریاض، ۱۹۷۵ء، صفحات ۲۱۔۲۲۔

(۳۰) مذکورہ معلومات اس ویب سائٹ سے لی گئی ہیں: (www.al-madinah org) جو مدینہ منورہ ریسرچ اینڈ سٹڈی سنٹر کا ترجمان ہے۔

(۳۱) ڈکٹور عمر فاروق السید رجب، Al-Medna al-Munawwara - a Study of its Economics, Housing, Population and Morphology, Dar ash-Shoruq, Jeddah, 1979, pp. 105-106

(۳۲) اس وقت جب میں نے اس انگریزی مسودے کا ترجمہ شروع کیا (جون ۲۰۰۲ میں) تو عنابیہ اور سمانیہ کا کافی علاقہ مسمار کر دیا گیا تھا، باقی کی عمارتوں پر نوٹس لگ چکے ہیں تا کہ وہ ایک معینہ مدت کے اندر اپنے کاروبار سمیٹ لیں۔

(۳۳) محمد سعید سمم، المدینۃ المنورہ فی القرن الرابع عشر الہجری، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء صفحات ۵۴-۵۵

(۳۴) ابن نجار (حافظ محب الدین ابوعبداللہ، م ۶۴۳ھ ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵ء، ص ۹۸

(۳۵) شیخ اسماعیل بن عبداللہ، سکداری نقشبندی (ت ۱۱۸۲ ہجری)، ترغیب اہل المودہ، ص ۱۵۷

(۳۶) قتل و غارت کی ایک اور ہی خون آشام واردات میں ۳۱۷ ہجری میں تقریباً ۳۰۰ قرامطی مکۃ المکرمہ میں داخل ہو گئے اور ہر طرف لوٹ مار مچا کر انہوں نے مکیوں کی لاشوں کے انبار لگا دے اس پر بھی ان کا دل نہیں بھرا تو ان کے سردار ابوطاہر قرامطی نے حجر اسود کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ دیا اور ان کو اپنے ساتھ بحرین لے گیا (اس وقت اسے حجر کہا جاتا تھا) یہ تو صرف ۳۳۲ ہجری میں یعنی پندرہ سال گزر جانے کے بعد ممکن ہو سکا کہ انہوں نے حجر اسود کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مکہ مکرمہ کو واپس لوٹائے اور تب ان کو ان کی اپنی اصلی جگہ پر پھر سے نصب کر دیا گیا۔ دیکھئے: سائمہ بکداش، فضل الحجر الاسود و مقام ابراہیم، بیروت، تیسرا ایڈیشن، ۱۴۲۰ھ، صفحات ۳۰-۳۱۔

طبری کے مطابق یہ بدبخت مجرمین نہ صرف حجر اسود کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے ساتھ لے گئے، بلکہ وہ بیت اللہ شریف سے بہت سارے نوادرات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، مثلاً بہشت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجے گئے مینڈھے کے سینگ اور عصائے موسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ حجر اسود تو واپس لوٹا دیا گیا مگر انبیاء کے تبرکات کبھی بھی واپس نہیں آئے (محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، یعنی تاریخ طبری)، بیروت، ج ۱۱، ص ۱۱۹۔

(۳۷) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، ص: ۱۸۱

(۳۸) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۸۹

(۳۹) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، ص

(۴۰) ابی الحسن محمد بن احمد المشہور [illegible] رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۴۵۔ یہ دلچسپی کی بات ہے کہ مدینہ طیبہ کے مختلف دروازوں کے نام کئی ادوار میں بدلتے رہے ہیں [illegible] باب جس کو ابن جبیر نے باب شریعہ کہا ہے وہ بعد میں باب العنبریہ کے نام سے جانا جاتا تھا (کیونکہ وہاں سیدی عنبر آغا نے مسجد عنبریہ بنا کر [illegible] عنبریہ کے نام سے موسوم کر دیا تھا) اور باب القبلہ کو باب قباء کا نام دے دیا گیا تھا البتہ باب البقیع کو اسی نام سے جانا جاتا رہا اسے باب جمعہ بھی [illegible] جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ جو فصیل سے باہر تھے ان کی سہولت کے لیے اس دروازے کو عموماً جمعہ کے روز کھول دیا جاتا تھا۔

(۴۱) ایضاً

(۴۲) یوسف عبدالرزاق، معالم [illegible] مکتبہ العلمیہ، مدینہ منورہ، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱ء، صفحات: ۲۹۳-۲۹۵۔

(۴۳) محمد یاسین خیاری، تاریخ معالم مدینہ المنورہ قدیماً و حدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء، ص ۲۵۴۔

(۴۴) احمد سعید بن سلم، مصدر مذکور، صفحات: ۱۷۴-۱۷۶۔

(۴۵) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، ص: ۳۹۲۔

(۴۶) خیاری، مصدر مذکور، ص ۲۵۴۔

(۴۷) نجیب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الکتبی، معالم المدینہ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جزء دوم، ص ۹۲۔

(۴۸) شیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکداری نقشبندی (ت: ۱۱۸۲ ہجری) ترغیب اہل المودہ والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ، مکتبۃ الثقافہ، مدینہ المنورہ، ص ۲۴۱۔

(۴۹) ابن الاثیر نے اس حدیث کو حسن ابن ابی الحسن (یعنی حضرت حسنؓ ابن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ) سے روایت کیا ہے، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج: ۶، ص: ۱۱۔

(۵۰) نجیب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الکتبی، مصدر مذکور، ص ۱۷۳۔

(۵۱) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ المنورہ، ص ۳۷۔

(۵۲) اولیاء چلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحتنامہ (عربی ترجمہ: الرحلۃ الحجاز از ڈاکٹر صفصافی احمد المرسی) دار الآفاق العربیہ، مدینہ نصر، قاہرہ، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۸۔

(۵۲) ایضاً (تصرف کے ساتھ) صفحات ۱۳۷۔۱۴۰

(۵۳) برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، کو اس کی خدمات کے صلے میں 'لارڈ' بنا دیا گیا تھا اور اس کو مشرقی [illegible] کا سب سے عظیم سیاح' کا خطاب [illegible] ریاضی مقدسہ میں عبداللہ انفانی کے جعلی نام کے تحت در انداز ہوا تھا، وہ ایک اچھا شاعر، ادیب اور برطانوی فوج میں ہندوستان میں [illegible] تھا ترکی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے اس کو مکہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کی جاسوسی سونپی گئی تھی، وہ عربی بہت اچھی طرح بول سکتا تھا اور اس سے [illegible] مقدسہ میں گزارا تھا اس کی کتاب (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah) [illegible] کے علاوہ مدینہ طیبہ کے متعلق بہت ساری معلومات فراہم کرتی ہے ایسا ہی ایک اور جاسوس بشپ آف [illegible] کا نام پادری فونٹر تھا اس کی کتاب بھی انیسویں صدی کے بلاد العرب کے متعلق کافی معلومات فراہم [illegible] ص ۳۶۲

(۵۴) رچرڈ برٹن (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah) [illegible] جہاں وہ عربوں کو [illegible] تھا، وہاں کے مسلمانوں نے بالآخر یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ بدبخت مسلمان نہیں بلکہ کافر تھا اور اس نے [illegible] کے اعتراف جرم پر اس کی گردن کاٹ دی گئی اور اس کی سر بریدہ لاش کو کافر کے طور پر دفن کر دیا گیا، [illegible] ہے کہ انہوں نے اس کی یادداشتوں کا ترجمہ کر کے اپنے فرقے وہابیت کی تعریف میں اس کی یادداشتوں کو [illegible] برکہارٹ' کے نام پر شائع کیا ہے (ایڈیشن دوم، ۱۹۹۱، الریاض)۔ صد افسوس کہ وہابیت کی مدد کے لیے [illegible] کو مدد کے لیے پکارا گیا'

(۵۶) تمام زاویوں (خانقاہوں) میں باب جبریل کے مقابل زاویہ سمان (زاویہ قادریہ)، مسجد کتیبہ کے پاس زاویہ سنوسی، اور مسجد نبوی سے متصل [illegible] زاویہ الشیخ جنید البغدادی اور حارہ الرغوت میں واقع زاویہ الشیخ مظہر الدین نقشبندی (خانقاہ نقشبندیہ)، زاویہ موویہ اور زاویہ شاذیہ بہت مشہور تھے [illegible] یہ تمام زاویے یا خانقاہیں مشہور صوفی طریقہ ہائے تصوف سے متعلق تھے، وہابیوں نے انہیں ختم کر دیا تھا

(۵۷) صالح لمعی مصطفیٰ۔ Al-Madina al-Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage [illegible] ۱۹۸۱، ص ۲۲۔

(۵۸) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۲۔۲۴

(۵۹) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، پہلا ایڈیشن، مطبعہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵، ج ۱، ص: ۳۱۴۔

(۶۰) ایضاً، صفحات: ۴۰۷۔۴۱۰

(۶۱) Col. David George Hogarth، مصدر مذکور، صفحات: ۲۶۔۲۷

(۶۲) ایضاً، ص ۲۷

(۶۳) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۲۴۴۔ لیکن اس کے برعکس مولف ہذا کی رائے میں اس سے بھی قدیم عمارات جواب صرف کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں وہ جبل احد کے دامن میں واقع مسجد فسح اور عنبریہ کے پار مغرب کی طرف واقع مسجد منارتین ہیں۔ بدقسمتی سے تاریخ اسلام کے یہ دونوں قیمتی ورثے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں اپنی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہیں۔ ان دونوں مساجد کی محرابیں بچی کھچی حالت میں ابھی تک موجود ہیں، مگر بے حسی کا یہ عالم نہ جانے کب ان کو ہڑپ کر جائے۔

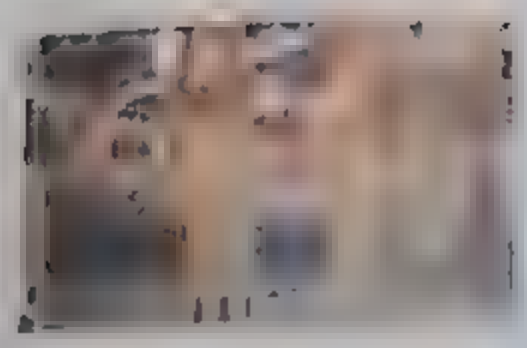

مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً
بطور حرم نبوی

تاجدار حرم منبع جود و الکرم ﷺ
نے اپنی انگشت مبارک مدینہ طیبہ کی طرف
کی اور ارشاد فرمایا:
یہ ارض حرم اور جائے امان ہے۔

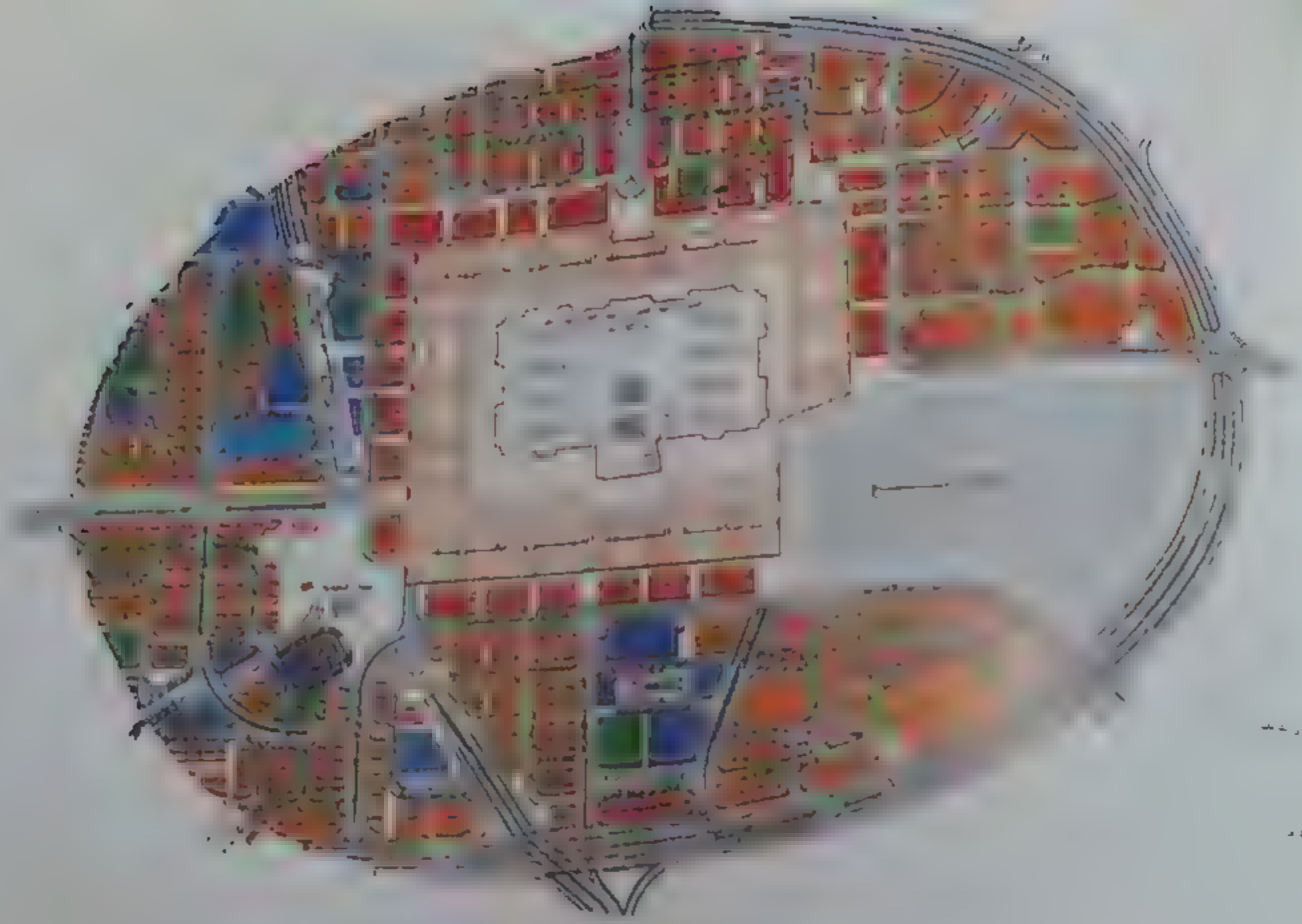

مدینہ طیبہ کے لیے دعا کرتا ہوں [(۷) بنی قتادہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حرہ (غربیہ) میں واقع حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی
راضی پر نماز ادا کی اور ارشاد فرمایا: [اے اللہ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا
کی تھی اور بے شک محمد، تیرا بندہ اور تیرا رسول، آج مدینہ کے لیے اسی طرح تجھ سے دست بدعا ہے کہ تو اہالیان مدینہ کو ان کے صاع اور مد میں اور
ان کے پھلوں میں برکت عطا کر۔ اے اللہ مدینہ ہم کو اتنا ہی پیارا کر دے جتنا کہ مکہ اور اس کی بیماریوں خم سے باہر لے جا۔ اے اللہ میں نے دونوں
لابوں (یعنی حروں) کے درمیانی علاقے کو اسی طرح حرم قرار دیا ہے جس طرح کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔] (۸)

'حرم' کے معانی اور مضمرات پر ایک اور حدیث مبارکہ سے مزید روشنی پڑتی ہے جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے
رشاد فرمایا: [ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے علاوہ اور کچھ نہیں اور اس صحیفے کے علاوہ جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا جس میں یہ لکھا ہے
کہ: مدینہ طیبہ جبل عیر سے فلاں مقام تک حرم ہے اور جو کوئی بھی اس میں کوئی بدعت کا ارتکاب کرے یا اس میں کسی جرم کا ارتکاب کرے یا
سی ایسے شخص کو پناہ دے جو بدعت کا ارتکاب کرے وہ اللہ کے غضب کا سزاوار ہوگا اور فرشتے اور عامۃ الناس کی لعنت ہو اس پر اور اس کے
فرض اور نوافل قبول نہیں ہوں گے .....] (۹) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے: [اس (حرم) کے
ار اور گھاس کے پتے تک نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کے جانوروں کو نہ ڈرایا جائے اور اگر کوئی کسی کی گری ہوئی (گمشدہ) چیز اٹھالے تو
پر واجب ہے کہ وہ اس کے مالک کو ڈھونڈنے کے لیے اس کا اعلان کرائے، اور خونریزی کی غرض سے اس میں کوئی ہتھیار لیکر نہ آئے۔ اس
رختوں کو سوائے اپنے اونٹوں کے چارہ کے لیے اور کسی مقصد کے لیے نہ کاٹا جائے۔ (۱۰)

حضرت نافع بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے عوام سے خطاب کیا جس میں اس نے مکہ، اس کے مقیمین اور اس کے حرم

مسجد نبوی شریف سے جبل عیر تک کی آبادی کا ایک منظر

ثنیہ اور جنوب غربیہ کا درمیانی علاقہ حرم کا علاقہ ہے۔ جبل ثور مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے اس پار ایک چھوٹا سا مخروطی شکل کا پہاڑ ہے جب کہ جبل عیر جنوب میں قبہ کی جانب میقات کی طرف ایک کافی بڑا پہاڑ ہے۔ جبل ثور احد کے شمال میں وادی العقیق میں واقع ہے طبری نے عبدالسلام ہبری سے روایت کی ہے کہ اس نے مدینہ طیبہ کے بہت سے لوگوں سے جبل ثور کے متعلق استفسار کیا تھا اور سب نے بیک آواز یہ کہا تھا جبل احد کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کو جبل ثور کہا جاتا تھا۔(۱۴) قرون اولیٰ سے اب تک اس چھوٹے سے پہاڑ کو جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے حتیٰ کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کبھی اس بارے میں کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھتے۔

مدینہ طیبہ کے اس علاقے کے لوگ بھی اس پہاڑ کو 'جبل الدقاقات' کے نام سے بھی پکارتے ہیں (۱۵)۔ اس علاقے میں شروع سے قبیلہ ولد محمد کے لوگ آباد رہے ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جبل ثور اسی پہاڑ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ اگرچہ اس پہاڑ سے کافی دور شمال میں بستا ہے مگر روزانہ اس سے ان کا جب بھی کوئی فوتیدگی ہو جاتی تھی تو وہ میت کو کندھوں پر اٹھا کر جبل ثور کے اس پار یعنی حدود حرم کے اندر دفناتے رہے ہیں کیونکہ ان کو بھی یہ معلوم تھا کہ جبل ثور سے جنوب کی طرف حدود حرم مدنی شروع ہو جاتی ہیں (۱۶) ان تمام شواہد کی بنا پر تمام محدثین، مشائخ اور مفسرین کا اتفاق رہا ہے کہ حدود حرم جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان اس علاقے میں واقع ہے جو شرقاً غرباً دونوں حروں میں (بشمول دونوں حروں کی ارضی کے) واقع ہے۔(۱۷) ہمیں ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی حدود حرم کے تعین کے لیے ان مقامات پر نشان نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدود حرم میں واقع تمام اشجار کو بھی حرم کا حصہ قرار دیا گیا تھا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے ذات الجیش، مشیرف، اشراف اور تیم پر بھیجا تا کہ میں حدود حرم کے نشانات کا دوں۔] (۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی ایک عربی مخطوطے سے جو انہیں شیخ عارف حکمت کے کتب خانہ میں ملا تھا ایک اقتباس نقل کیا ہے جسے ہم قارئین کی سہولت کے لیے درج ذیل کرتے ہیں: (۱۹)

حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ: [مجھے رسول اللہ نے بھیجا تا کہ میں حرم مدینہ کی حد بندی کر کے آؤں۔ لہذا میں نے مشیرف میں ذات الجیش اور حفیہ میں ماخد، ذوالعشیرہ اور تیم میں حرم کے نشانات نصب کیے۔] (۲۰)

وہ مزید فرماتے ہیں:

جہاں تک ذات الجیش کا تعلق ہے یہ مکہ اور مدینہ والی سڑک پر حفیہ کے درے پر واقع ہے (۲۱) مشیرب ذات الجیش کی بائیں جانب ایک پہاڑی ہے (اس کے اور خلائق کے درمیان الدوبہ ہے)۔ جہاں تک ماخد کا تعلق ہے، یہ پہاڑ شمال کی جانب طریق شام پر واقع ہیں۔ حفیہ ایک پہاڑی ہے جو مدینہ طیبہ کے شمال میں جنگل ہے۔ اور ذوالعشیرہ ایک پہاڑی راستے کا نام ہے جو حفیہ میں واقع ہے اور تیم مدینہ طیبہ

کے مشرق میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ تمام مقامات مدینہ طیبہ سے بارہ
دن کی مسافت پر واقع ہیں۔] (۲۲)

تاجدار حرم ﷺ نے حدود حرم کے تعین اور اس کے تقدس کو ہمیشہ برقرار رکھنے
کے لیے خاص احکامات صادر فرمائے تھے جن کی پابندی اور تنفیذ امت پر
واجب ہے۔ صرف یہی نہیں کہ آپ حضور ﷺ نے احکامات کا اجراء کیا تھا بلکہ
وقتاً فوقتاً اس کی تنفیذ کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ
سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: [میں نے مدینہ کے دو حروں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار
دے دیا ہے۔] اس کے بعد ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ قبیلہ بنی حارثہ کے
گاؤں تشریف لے گئے اور ان کو ارشاد فرمایا: [میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ
حدود حرم سے باہر رہ رہے ہو۔] مگر پھر ارد گرد کا جائزہ لیکر آپ حضور ﷺ نے
فرمایا: [نہیں تم حدود حرم کے اندر ہی ہو۔] (۲۳) اصحابہ کرام رضوان اللہ

جہاں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کا کماحقہ اتباع کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں
[اگر مجھے کوئی غزال صحرائی بھی دونوں
حروں کے درمیان مل جائے تو بھی میں نہ اس کا پیچھا کروں گا اور نہ اس کا شکار کروں گا۔ حضور نبی اکرم
نے مدینہ طیبہ کے مضافات کے
درختوں کے علاقے کو مرغزار یا چراگاہ بنانے سے منع فرمادیا تھا۔] (۲۴) یہ بات قابل ذکر ہے کہ شمال کی
عیر اور جبل ثور کے درمیان ۱۵
سے ۱۸ میل کی مسافت ہے جو تقریباً بارہ میل ہی بنتا ہے۔ اس لیے جو علاقہ بھی ان دو پہاڑوں کے
آتا ہے وہ حرم نبوی کہلاتا ہے۔ رہا
یہ خیال کہ مسجد نبوی کے مغرب میں واقع تین پہاڑ جن کو جماوات کہا جاتا ہے (جماء تضارع، جماء
اور جماء العاقل (جماء العاقر)
جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑیہ عروہ ابن زبیرؓ کے پاس تک پھیلے ہوئے ہیں جہاں سے آگے وادی عقیق شروع ہو جاتی ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اگر تم کو کوئی (حدود حرم میں) درختوں کو
کاٹتا ہوا پائے تو اس کے پاس جو کچھ بھی ہو ضبط کر سکتے ہو۔] (۲۵) عمرو ابن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا ہے کہ: [ایک مرتبہ ان کے
والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سواری پر العقیق میں واقع اپنے محل کی طرف جا رہے تھے جب ان کی نظر ایک غلام پر پڑ گئی جو درختوں کو کاٹ
کر ان کے پتے جھاڑ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے پاس جو کچھ بھی تھا چھین لیا۔ بعد میں جب آپ وہاں سے گزرے تو اس غلام کے مالکوں
نے آپ سے درخواست کی کہ ان کا غلام اور جو کچھ اس سے آپ نے چھینا تھا واپس کر دیں۔ اس پر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے فرمایا: خدا نہ
کرے مجھے وہ سب کچھ واپس کرنا پڑے جو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے غنیمت میں دیا ہے اور ان کو کوئی چیز دینے سے صاف انکار کر دیا۔]
(۲۶) موطا امام مالک میں بھی ایک ایسی ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ میرے پاس آئے
جب کہ میں اعراف میں تھا۔ میں نے ایک شاہین کو پکڑ لیا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے شاہین کو چھین کر اس کو آزاد کر دیا۔] (۲۷)

سیدنا عمر ابن خطابؓ نے اپنے برادر نسبتی حضرت قدامہ ابن مظعونؓ کو حدود حرم میں اشجار کی حفاظت کے لیے مامور کیا ہوا تھا تاکہ
لکڑہارے ان کو نہ کاٹیں۔ انہوں نے ان کو حکم دے رکھا تھا کہ: (تمہارا کام لکڑہاروں پر نظر رکھنا ہے۔ جو کوئی بھی تمہیں دونوں لابوں (حروں)
کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی اپنے قبضے میں لے لو۔) (۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے

کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی
اپنے قبضے میں لے لو۔)(۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے پوچھا کہ آیا
وہ ان کے کپڑے بھی چھین سکتے ہیں تو سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ نہیں یہ
زیادتی ہوگی۔)(۲۹) تمام مکاتب فکر کے فقہاء میں اس امر پر اتفاق پایا جاتا
ہے کہ حدود حرم کے اندر شکار کرنا یا درخت کاٹنا قابل دست اندازی یا قابل
تعزیر جرم نہیں مگر یہ امر ممنوعہ ضرور ہے

جہاں تک مدینہ طیبہ کے حرم کے احترام اور تقدس کا تعلق ہے چاروں
مذاہب میں کچھ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ
باقی تینوں ائمہ کرام (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کی رائے میں حرم
مدنی کی حدود میں شکار کی مکمل ممانعت ہے اور یہ نقطہ نظر حضرت ابوہریرہؓ کی
روایت کردہ احادیث مبارکہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے
یہ ہے کہ حرم مدنی کے معاملے میں [illegible] ہیں اور چونکہ اگر کسی سے احترام
حرم کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کو قابل تعزیر نہیں ٹھہرایا گیا جیسا کہ حرم مکی کے ضمن میں ہے، اس لیے احترام حرم کی پابندیاں اتنی سخت
نہ ہونی چاہئیں جتنا کہ حرم مکی کے معاملے میں لازمی ہیں۔(۳۰) لہٰذا احناف کی نظر میں تقدیس حرم مدنی سے مراد اس کا مکمل احترام ہے لیکن
اگر کسی نے وہاں کسی جانور کا شکار کر کے احترام حرم نبوی شریف کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے قابل تعزیر نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ احادیث مبارکہ
میں اس کی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی (۳۱) وہ ایک اور بات سے بھی استنباط کرتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم حدود حرم مکی میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی
اس کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ نص قرآنی کے مطابق قابل گردن زدنی ٹھہرتا ہے (۳۲)، جبکہ مدینہ المنورہ کے حرم کے متعلق ایسی کوئی سزا وضع
نہیں کی گئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ سے لے کر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار میں ہمیں ایسی بیشمار
مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلمین مدینہ طیبہ میں آتے جاتے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں جب نجرانی نصاریٰ کا وفد مدینہ طیبہ
آیا تو نہ صرف ان کا استقبال مسجد نبوی شریف میں ہوا بلکہ انکو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی گئی تھی اور حق مہمان نوازی ادا
کرنے کے لیے ان کو اس مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا جو مدینہ طیبہ میں بیت بنت الحارث کے نام سے مشہور تھا۔(۳۳) حضور نبی اکرم ﷺ کی
حیات طیبہ سے لیکر جب کبھی بھی ضروری سمجھا گیا تو غیر مسلموں کو مدینہ طیبہ آنے کی اجازت دی گئی۔(۳۴) احناف اس مثال کا بھی حوالہ دیتے
ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں مسجد نبوی شریف کی توسیع ہوئی تو شاہ روم سے چالیس قبطی عیسائی کاریگر بلائے گئے تھے
جنہوں نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

مزید برآں میثاق مدینہ اس وقت کے یثرب کے مسلم اور غیر مسلم (یہود) کے درمیان طے شدہ ایک معاہدہ تھا جس میں یہ طے پایا گیا
تھا کہ 'یثرب' کا علاقہ 'حرم' تصور ہوگا۔ حرم کے مضمرات سے یہود بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ایسا ہی ایک اور معاہدہ حضور نبی اکرم ﷺ نے
ثائدین طائف سے کیا تھا جب طائف کا محاصرہ ختم ہوا تھا جس کی رو سے طائف کی 'وادی وجہ' کو بھی حرم تصور کیا گیا تھا۔ تاہم علماء کرام حرم
وادی وجہ کو وہ رتبہ نہیں دیتے۔ البتہ امام شافعیؒ کی رائے میں وادی وجہ کا حرم مدینہ طیبہ کی طرز کا ہی حرم ہے اور یہی نظریہ شوکانی وغیرہ کا بھی ہے۔
لیکن علماء کی اکثریت (خاص طور پر احناف) اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتی اور اسے حرم تصور نہیں کرتی۔ بعض علماء کے نزدیک مسلمانوں اور

[illegible] وہی وجہ ہو محض اس لیے حرم کہا گیا تھا کہ وہاں قتل و غارت نہیں ہوتی [illegible]

[illegible] بہرحال ان [illegible] حرم مکی اور مقدس ہے۔ اسی نے حرم مدنی کو کم و بیش وہی مقام حاصل ہے جو حرم مکی کو ہے۔ اس [illegible]

[illegible] ہے کہ گو حرم مکی اور حرم مدنی دونوں تقدس کے حامل ہیں [illegible]

[illegible] حرم مکی کو حرم مدنی پر فوقیت دی گئی ہے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دونوں کا پوری طرح احترام [illegible]

[illegible] کی اجازت نہیں ورنہ تو وہ بلا دریغ بات سکتے ہیں ورنہ ہی وہ دونوں حرموں کی حدود میں شکار کھیل سکتے ہیں [illegible]

[illegible] ان کو غم ہے کہ وہ اس چھوٹے سے [illegible] میں تمام من و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کو زندہ [illegible] نہ صرف یہ کہ ان [illegible] کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں بلکہ چرند پرند اور شجار کے ساتھ بھی امن و آشتی کا مظاہرہ کریں۔ (۳۵)

حدود حرم مدنی کا تعین کرنے کے لیے سعودی حکومت نے چند علماء کی ایک کمیٹی قائم کی تھی تاکہ مختلف نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں ان نقاط کا عملی معائنہ کیا جائے جو حدود حرم مدنی کے بارے مشہور چلے آتے ہیں۔ ان کے ذمہ [illegible] ان علاقوں کا مکمل سروے کرنا بھی [illegible] سعودی حکومت نے ایک [illegible] نمبر ۳۲۵۳ مورخہ ۲۵-۲-۳۷۸ [illegible] کی توثیق مفتی اعظم سعودی عرب نے بھی کی تھی وزارت داخلہ، سپریم کورٹ مدینہ المنورہ اور مدینہ طیبہ کے سپریم کورٹ سے باقاعدہ اجازت [illegible] بعد شیخ محمد الحافظ (جج مدینہ طیبہ) [illegible] عدالت مدینہ کے [illegible] ایک کمیشن ترتیب دیا گیا جس میں مندرجہ ذیل علماء [illegible] شامل تھے:

(۱) السید۔ محمود احمد (۲) السید۔ عبید مدنی

(۳) السید۔ محمد الحافظ (۴) الشیخ عمار بن عبداللہ

(۵) الشیخ ابوبکر جابر (۶) السید۔ اسعد طربزونی

اس پینل میں السید عبداللہ بن عقیل نے دارالافتاء کی نمائندگی کی۔ (۳۶) اس کمیشن نے پورے غور و خوض کے بعد اور تینوں مذاہب کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء سے (شافعی، مالکی اور حنبلی) اور سارے علاقوں کا مکمل سروے کرنے کے بعد اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳-۱۱-۱۳۸۰ ہجری کونسل آف منسٹرز (مجلس وزراء) کو پیش کر دی (۳۷)۔

اس کمیشن کے ممبران نے جدید ترین آلات کی مدد سے پورے علاقے کا کئی بار سروے کیا اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ شمال جنوب وہ تمام علاقہ جو جبل ثور اور جبل عیر کے درمیان واقع ہے وہ حرم مدنی میں شامل ہے۔ جہاں تک شرقاً غرباً حدود کا تعلق ہے تو ان کا خیال تھا کہ اگر صرف دونوں پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو حرم سمجھ لیا جائے تو وہ حضرت ابوہریرہؓ کی بتائی ہوئی بارہ میل کی مسافت سے بہت کم پڑتا تھا (۳۸)۔ اس لیے چند دیگر احادیث مبارکہ کے مضمرات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ دونوں لابے (حرہ شرقیہ یعنی حرہ واقم اور حرہ غربیہ یعنی حرہ زہرہ) کی زمینیں بھی حدود حرم میں شامل ہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ جب بنی حارثہ کے قبیلے میں تشریف لے گئے تو پہلے تو ایک نظر دیکھنے پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا گاؤں حدود حرم سے باہر چلا گیا ہے مگر پھر چاروں طرف نظر ڈال کر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حدود حرم کے اندر ہی ہیں۔ (۳۹) واضح رہے کہ قبیلہ بنی حارثہ

حواشی

[illegible]

[illegible] بات قرآن کریم میں سورۃ [illegible] (آیت ۱۲۲) میں شامل ہے

(۸) [illegible] صفحات ۱۸۹

(۹) [illegible] نمبر ۳۶۰۱

[illegible]

(۱۲) [illegible] نمبر ۳

(۱۳) [illegible]

[illegible]

(۱۰) [illegible]

(۱۱) [illegible]

(۱۲) [illegible]

(۱۳) [illegible]

(۱۴) [illegible]

(۱۵) یکتبہ (لاہور) مجموعی طور پر [illegible] کی تعداد میں شائع کی گئی اور اس کی تمام کتب مکتبہ نبویہ (قریب مسجد نبوی) میں فروخت کی گئی تھیں

(۱۶) [illegible] صفحہ نمبر [illegible]

(۱۷) [illegible] کے قول کے مطابق [illegible]

[illegible]

ذکر ہے محل نہیں ہوگا کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر جب مسلم فوج نے پڑاؤ ڈالا تو وہ جس مقام پر تھا اسی وجہ سے جگہ ذات الجیش کے نام سے مشہور ہوگئی
یہی وہ مقام ہے جہاں سے کوچ کرتے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے اپنا ہار گم ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں قرآن کریم کے آیات تیمم کے بارے
میں نازل ہوئیں (فتح الباری، مدینہ منورہ کی مساجد و مواقع زیارت، ص ۲۵۰)

(۲۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad) حیدرآباد پبلیکیشنز، کراچی، ص ۱۲۔ ڈاکٹر موصوف نے جس مسودے کا ذکر
کیا ہے وہ بدر شمینہ فی تاریخ المدینہ نامی سے شائع ہو چکی ہے جو ابن نجار کی شہرۂ آفاق تاریخ مدینہ ہے جو حوالے کے لیے یکجا مصدر مذکور ہے ص ۹۱

(۲۳) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۳

(۲۴) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۶۸ و ۳۱۶۹ نیز الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۶۳۶ اور صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۷

(۲۵) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی، [illegible] ص ۸۱

(۲۶) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۵۶

(۲۷) الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۳ [illegible]

(۲۸) یہ عربی کا لفظ ہے جسے [illegible] ہوتا ہے

(۲۹) ابی سعید مفضل بن محمد جندی مصدر [illegible] ۵۰-۴۹ نیز بلاذری فتوح البلدان ص ۲۲

(۳۰) [illegible] بن نجار، باب ذکر مسجد الرسول، ناشر مرزوق علی ابراہیم، مدینہ المنورہ، ص ۳۳ نیز ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۹۱

(۳۱) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۹

(۳۲) قرآن الکریم (التوبہ ۲۸)

(۳۳) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج ۲، ص ۳-۵ (حاشیہ)

(۳۴) اگرچہ یہودیوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی ان کے مدینہ آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ بہت سے یہود تو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے جیسا کہ
اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال سے پہلے آں حضور ﷺ نے اپنی ڈھال مبارکہ چند صاع غلہ کے عوض رہن رکھی ہوئی
تھی اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے غلام غیر مسلم ہوا کرتے تھے۔ فیروز لؤلؤ، جس نے سیدنا عمر فاروق ؓ کو شہید کیا تھا پارسی تھا جو
حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کا غلام تھا اور مدینہ طیبہ میں ہی کام کرتا تھا۔

(۳۵) تعلیق عبدالحمید صدیقی بر حدیث نمبر ۳۱۷۱ (صحیح مسلم، ج:۲، ص ۶۹۰)۔

(۳۶) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، معالم المدینہ المنورہ، مصدر مذکور، ص ۲۲۵۔

(۳۷) حنفی کتب فکر کے علماء کو اس کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کی نظر میں احناف حرم مدنی کو وہ مقام نہیں دیتے جو حرم مکی کو حاصل ہے۔

(۳۸) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۶۸، نیز الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۶۳۶، نیز: صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۷

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۳

(۴۰) یہ معلومات سید محمد کبریت الحسینی کی کتاب جواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ کے حواشی سے لی گئی ہیں جو محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے 'رسائل فتاوی' جلد ۵، صفحات
۲۳۲-۲۳۸ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں اس کمش کی رپورٹ کی نسبت حضرت کعب ابن مالک ؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے حدود حرم کے تعین کے
لیے تاجدار حرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق حرم کی مختلف اطراف میں سنگ میل نصب کیے تھے۔ دیکھئے: سید سمہودی، وفاء الوفاء، صفحہ: ۹۱۔

مسجد نبوی اور روضہ اقدس ﷺ کا فن کی جو ہوا ہے تجزیہ میں تیار کیا گیا ہے
اسے بل اخبارات سے یہ صفحہ پر شائع کیا گیا ہے جس سے ہمیں حاصل ہوا ہے

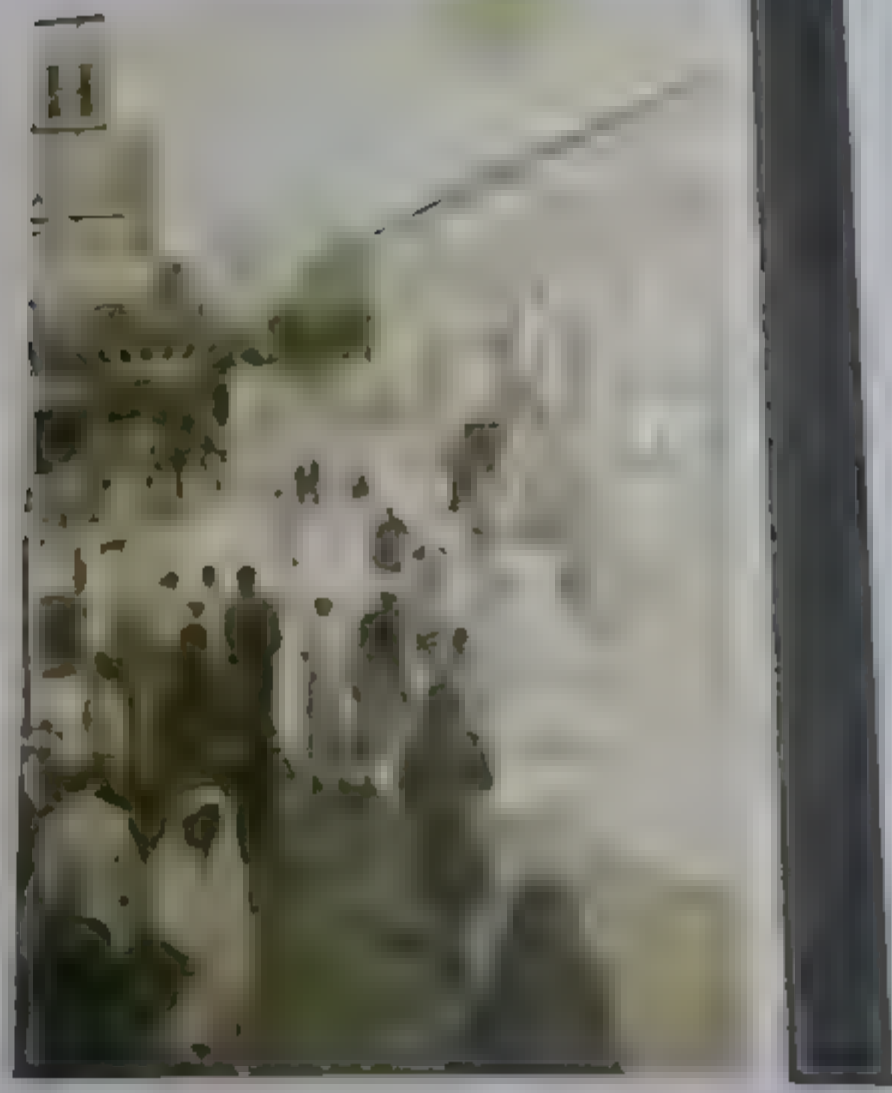

مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفاً کے چند ادوار پر فتن و مصائب

وہ ہیان مدینہ اپنے نظم سے زرائے گا اللہ اس مدارے کا
اس پر اللہ ورس نے فشتوں اور عامۃ ناس کی لعنت ہو
ایسے شخص کے نہ فرض نہ نفل یا اختیاری نیک اعمال یوم قیامت
اللہ کے حضور قبول نہیں ہوں گے۔ (۱)

...ہیشہ اللہ جل جلالہ سے دعا کیا کرتے تھے: [اے اللہ مجھے (۶۰ھ) کے فتنوں سے بچانا اور اس سے پہلے کہ... موت آجائے] (۸) یزید پلید ۶۰ ہجری سے لیکر تین سال تک حکمران رہا اور اس کی منحوس حکومت میں کئے... سے جس کی ہولناکی کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ کی تباہی اور اس کے عوامل... فتنوں کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا جن کے عواقب آج بھی مسلمانوں کے لیے باعث تشویش بنے ہوئے ہیں... حضرت سعید ابن المسیبؒ کے الفاظ میں [جب حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی وقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا صحابی زندہ نہ بچا پھر جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا صحابی زندہ نہ بچا جس سے... کی تھی اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہوگئی ۔

سیاسی خلفشار اور بدقسمتیوں کے علاوہ جنہوں نے مدینہ طیبہ پر دھاوا بول دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مدینہ طیبہ... حادثات اور زلازل کا بھی شکار ہوگا ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا... وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ حجاز میں ایک آگ نمودار نہیں ہوگی جس کی روشنی سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں... دیکھا کریں گے ۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ۔ جس کا... مضافات کے پاس سے گزرے گا تو (اس کی ویرانی کو دیکھ کر) کہے گا کیا ہوگیا اس جگہ کو، یہاں تو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد تھی ۔

(۱۱) حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان مدینہ اس کو چھوڑ جائیں گے اس کے بعد مدینہ پھر آباد ہوگا یہاں تک کہ یہ شہر آبادی سے بھر جائے گا مگر ایک وقت پھر آئے گا کہ یہاں بسنے والے پھر اسے چھوڑ جائیں گے اور پھر اس کے بعد کبھی بھی آباد نہیں ہوں گے ۔] (۱۲) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دجال آئے گا اور مدینہ کے نواح میں خیمہ زن ہوجائے گا تب مدینہ طیبہ میں تین بار زلزلہ آئے گا اور ہر کافر اور منافق مدینہ طیبہ سے نکل کر اس کی طرف چلا جائے گا ۔] (۱۳)

مدینہ طیبہ پر نازل ہونے والے آفات وفتن کے بارے میں اتنی کثرت سے احادیث مبارکہ ہیں کہ جن معروف محدثین نے اس موضوع پر الگ کتابیں تحریر کی ہیں، مثلاً ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) کی کتاب الفتن وامثالہم وغیرہا ۔ ان احادیث مبارکہ میں سے بہت سے واقعات میں سے کچھ تو پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکے ہیں جب کہ ابھی بہت سی پیشین گوئیاں پوری ہونا باقی ہیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق قرب قیامت سے ہے ۔ ذیل کے صفحات میں ہم نے ان چند واقعات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جو پہلے ہی ہو چکے ہیں اور جنہوں نے مدینہ طیبہ کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے ۔ ان واقعات کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ یعنی سیاسی مصائب وفتن اور قدرتی آفات وبلیات جن سے یہ شہر مقدس گزر چکا ہے ۔

(۱) سیاسی مصائب وفتن:

سب سے پہلے ہم سیاسی حوادث اور مصائب وفتن کا ذکر کرنا چاہیں گے جنہوں نے نہ صرف مدینہ طیبہ کے امن وسکون کو غارت کیا بلکہ تمام امت مسلمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا ۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث مبارکہ سے ہم صرف ایک فقرہ پر گفتگو کریں گے ۔ [میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: سب سے پہلے جو حوادث وفتن نازل ہوں گے وہ شخصی نوعیت کے ہوں گے، یعنی ہر ایک فرد کے اہل خانہ، اس کی جائیداد، اس کی ذات اور اس کے ہمسایوں تک محدود ہوں گے جن کا کفارہ صلوٰۃ وقیام، زکوٰۃ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمسک والتزام سے ممکن ہوگا ۔] (۱۴)

ب (یعنی آپ کا دور) ان فتنوں سے محفوظ ہیں، ان کا دروازہ آپ پر نہیں کھل سکے گا [ ] بار بار، دیگر تفصیل سننے کے بعد

ب یہ دروازہ کھل گیا تو سو بھی بسیار کے باوجود پھر کبھی بند نہیں ہوگا۔

یہ پہلی مرتبہ تھی کہ ایک مرتبہ نفاق و منافقت نے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو ڈس دیا تو پھر اس کا

ان فتنوں کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی فضا میں ایک [ ] تفرقہ بڑھتی رہیں، اور

ان فتنوں کے نتیجے میں [ ] ایک [ ] ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے

[ ] نے اپنی امت کو [ ] کر رکھ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور مبارکہ میں

[ ] (یعنی میدان کارزار) بننے سے بچ گیا۔ اس کے بعد

[ ] ارض مقدس ان معرکہ آرائیوں سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی تھی۔

[ ] سے بچ گئی مگر اہل مدینہ کے لیے اس کشمکش اور رسہ کشی سے چھٹکارا

[ ] تعلق زیادہ تجارت سے تھا اس لیے اہالیان مدینہ بھی اس سے اغماض نہ کر سکے۔ اس آتش نفاق کو ختم

[ ] نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام تر سیاسی زلزلوں کے

[ ] دیواریں لرز جاتے تھے۔ تحکیم کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ کو جب

[ ] کی طرف سے شہر نبی کے گورنر تھے، حضرت معاویہؓ نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط جمانے کی غرض سے ایک لشکر جرار بسر بن ارطاہ (بقول ابن

اثیر کے بشر بن ارطاہ) کی سالاری میں مدینہ طیبہ بھیجا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے قتال کی بجائے شہر نبی سے انخلاء کرنا مناسب سمجھا اور

طرح میدان لگنے خون خرابے کے امکانات کو ہاتھ سے گیا۔ جلیل القدر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت مدینہ سے فرار ہونے

پڑ گئی اور انہوں نے مدینہ طیبہ سے [ ] میں غار و کوہ میں پناہ لے کر اپنی جانیں بچائیں۔ یہی حال اس وقت ہوا جب حجاج ابن یوسف

[ ] کا بیان ہے کہ وہ حجاج ابن یوسف کے سامنے لائے گئے تو حجاج نے ان سے کہا: [اے اکوع کے

بیٹے تم نے مدینہ چھوڑ کر [ ] کا راستہ اختیار کر لیا ہے اس لیے تم اسلام سے پھر گئے ہو۔] انہوں نے برجستہ فرمایا: [نہیں! مجھے رسول

اللہ ﷺ نے (ایسے حالات میں) وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔] یزید ابن ابی عبیدؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن عفانؓ شہید کر دیے گئے تو حضرت سلمہ بن اکوعؓ مدینہ طیبہ سے بہت دور الربذہ چلے گئے تھے](۱۶) حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ربذہ جا کر شادی کر لی تھی اور وہیں ان سے اولاد بھی ہوئی اور اپنی وفات سے چند دن پہلے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے (۱۷) اسی طرح حضرت محمد ابن مسلمہؓ بھی اپنا بستر مدینہ طیبہ سے گول کر کے چلے گئے تھے اور بہت دور جا کر خیمے میں زندگی گزارتے رہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ تو مدینہ طیبہ سے نکل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے اس طریقے سے اموی راج مدینہ طیبہ پر مسلط ہو گیا اور بسر بن ارطاۃ کی دھونس اور دھاندلی سے اہل مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی اکراہاً بیعت بھی کر لی (۱۸)۔ کچھ قبائل ابھی بھی پس و پیش کر رہے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں قتل و غارت شروع نہ ہو جائے۔ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی بروقت مداخلت سے قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتے ہوتے رہ گیا کیونکہ بنی سلمہ (جو حضرت جابر [illegible] کا قبیلہ تھا) بیعت حضرت معاویہؓ پر راضی نہیں تھا اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ان کے حوالے کرنے سے انکاری تھا، کیونکہ [illegible] نے واضح الفاظ میں ان کو یہ حکم نامہ بھیجا تھا: [تمہارے لیے نہ کوئی امن ہے اور نہ ہی معافی نامہ جب تک یہ تم (حضرت) جابر بن [illegible] کے حوالے نہ کر دو۔] (۱۹) حضرت جابر ابن عبداللہؓ جیسے جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جس طرح سے جبراً [illegible] بیعت لی گئی تھی اس سے اس انداز پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ مدینہ طیبہ میں خلافت راشدہ سے اموی راج کو کس طرح اقتدار منتقل [illegible] حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بھی خبر دے دی گئی تھی کہ [illegible] دور ۶۰ ہجری سے شروع ہوگا۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ''لوگ مجھے پہلے ہی بہت طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ میں نے معاویہؓ کا ساتھ دیا [illegible] مجھے ۶۰ ہجری سے پہلے ہی اٹھا لینا۔'' حضرت عمیر بن ہانیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے ''اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین یا اللہ مجھے سن ساٹھ نہ دیکھنے دینا۔'' (ابی زرعہ الدمشقی (ت. ۲۸۱ ہجری)، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۶۹)

واقعہ حرہ واقم یا حرہ زہرہ:

مدینہ طیبہ کی ابتدائی تاریخ میں گرچہ فتنوں اور آفات کی یورش رہی ہے مگر 'واقعہ حرہ' یا 'واقعہ حرہ زہرہ' سے زیادہ ہولناک واقعہ شائد ہی رسول اللہ ﷺ کے شہر مقدس کی تاریخ میں کبھی رونما ہوا ہو۔ نبی برحق ﷺ نے اس حادثہ عظیم کی پیشین گوئی بہت پہلے کر دی تھی۔ آپ حضور ﷺ ایک مرتبہ حرہ شرقیہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک فرمانے لگے ''انا للہ و ان الیہ راجعون'' اور پھر حرہ کی طرف انگشت مبارک اٹھا کر آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے بہترین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سے وہاں پر ذبح کر دیے جائیں گے۔ واقدی نے اپنی مشہور ''کتاب الحرہ'' میں اس حدیث مبارکہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس حرہ میں میرے اصحابہ کے بعد میری امت کے بہترین لوگ قتل ہوں گے۔] (۲۰)

حضرت محمدؒ اور عبدالرحمٰنؒ ابناء حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [ایک مرتبہ ہم اپنے والد کی ہمراہی میں حرہ کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ انتہائی دلگداز حالت میں انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور فرمایا: [لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ڈرایا۔] ہم نے ان سے پوچھا کہ: والد محترم کیا کوئی نبی اکرم ﷺ کو بھی ڈرا سکتا ہے؟ جس پر وہ یوں گویا ہوئے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سنا ہے کہ: جو بھی اس علاقے (یعنی مدینہ طیبہ) کے انصاری لوگوں کو ڈرائے گا، اس نے گویا ان دو مقامات کی درمیانی جگہ کو ڈرایا اور پھر آں حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی جبین طاہرہ پر رکھ کر اشارہ کیا (یعنی اپنی جبین مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جو کہ

کرنا جائز ہے۔

اہل مدینہ نے کبھی بھی یزید کو اپنے دل سے خلافت کا حقدار نہیں سمجھا تھا کیونکہ ان سے بیعت ان کی مرضی کے خلاف جبر و اکراہ سے لی گئی تھی چنانچہ اس نے روز اول سے ہی اپنا فتویٰ صادر کر دیا تھا کہ وہ طریق کار جو حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید ولی العہد نامزد کرنے میں استعمال کیا تھا وہ نہ تو ان کے پیشرو خلفاء راشدین کے معمول کے مطابق تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی عمومی حالات اس کا تقاضا کرتے تھے جس کے نتیجے میں سول سوسائٹی سے تحریک اور خلافت کی بجائے خاندانی ملوکیت سے [illegible] بعد دیگرے مدینہ طیبہ مختلف حوادث سے دوچار ہوتا رہا چنانچہ ہی سال گزرے ہوں گے کہ شوال [illegible] برق ناگہانی نے قوت مسلمہ کے نشیمن کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا کہ [illegible] نیدان کر چکا تھا جیسے کوئی جوچال آیا ہو۔ پورے نجد میں [illegible] حوادث سے پہلے ہی پریشان تھے کہ عثمان ابن محمد بن ابوسفیان (جو کہ یزید کا چچیرا بھائی تھا) [illegible] نے رہی سہی کسر نکال دی اور اہل مدینہ حیبہ کا جینا دوبھر ہو گیا اسی اثنا میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا جس میں مدینہ طیبہ کے شہری بھی [illegible] جذبات سے مجبور تھے کہ یزید نے فوجی میں اپنا ایک خاص آدمی مدینہ پر [illegible] کہنے پر چند معزز مدینہ طیبہ کا ایک وفد دمشق روانہ کیا گیا وہ وفد یزید کی مدارت کی اور [illegible] حاصل سے دیدہ دانستہ ہو کر مدینوں نے اپنے گلے سے یزیدی بیعت کے طوق و اتار پھینکنے کا تہیہ کر لیا انہوں نے اس کے گورنر کو نکال باہر کیا اس پر یزید غم و غصے سے آپے سے باہر ہو گیا اور شامیوں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلم بن عقبہ (جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بعض مورخوں نے اسے معون قاتل کا نام دیا ہے) کی زیر کمان مدینہ طیبہ روانہ کر دیا (۲۱)

یزید نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کو جو اس وقت قائدین شہر میں صاحب الرائے تھے اور مدنی معاشرے میں ایک بلند مقام رکھتے تھے دمشق طلب کیا اور انہیں اپنی بیعت یاد دلائی تاہم یزید کے سخت رویے اور بدتمیزی نے الٹا اثر دکھایا اور جب حضرت عبداللہؓ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو ان کے غیض و غضب کا جوالہ بھی پھٹ پڑا اور انہوں نے علی الاعلان یزید پلید کی بیعت سے خلع اور چھٹکارا کر لیا۔ ۶۳ ہجری میں ان کے اتباع میں مدینوں نے بھی یکے بعد دیگرے یزیدی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا (۲۲)۔ ایک فاسق و فاجر، شرابی و تارک صلوٰۃ کا مسلم امت کا خلیفہ رہنا قابل برداشت تھا لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کی بیعت اختیار کر لی اور تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ طیبہ میں ہر طرف علم بغاوت لہرانے لگا لوگ جوق در جوق حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کی بیعت کر رہے تھے اور یوں سول نافرمانی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ بنی امیہ کے مقررہ گورنر کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کیا گیا اور انصار اور مہاجرین کے دونوں گروہوں نے الگ الگ اپنا ایک ایک امیر چن لیا۔ حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ انصار کی نمائندگی کرتے تھے اور قریش کے امیر حضرت عبداللہ ابن مطیع العدویؓ تھے اور حضرت معقل بن سنان الاشجعیؓ (یہ وہ صحابی تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ فتح مکہ میں اپنے قبیلے کے علم بردار ہونے کا شرف حاصل تھا) مہاجرین

کی طرف سے امور مدینہ چلانے ۔۔۔ پہنچ گئے تھے

مروان بن الحکم اور بر طرف ۔۔۔ (حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ) حضرت حسن بن علی کے بیٹے تھے کے ساتھ ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کے ایسے ۔۔۔ سے کئی زیادہ ساتھیوں کو شہر سے ۔۔۔ (جو کہ واقعی الحقیقت ۔۔۔ تھا (۲۳) جب یزید ۔۔۔ کی خبر ۔۔۔) ایک مخصوص وعدے میں محصور کر دیا گیا جو کہ واقعی الحقیقت ۔۔۔ تھا (۲۳) جب یزید ۔۔۔ کی خبر ۔۔۔) ایک مخصوص وعدے میں کر دیا۔ ان کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ ۔۔۔ تھا جو کہ بیعت کی خلاف ورزی پر تلا ہوا تھا جو اپنی چالوں سے حضرت معاویہؓ کا منظور نظر ہو چکا تھا کیونکہ اس نے یزید کی ۔۔۔ میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا (۲۴) حضرت معاویہؓ نے اپنی وصیت اور آخری نصیحت میں اپنے ولی عہد یزید کو ہدایت کی ۔۔۔ اگر مدینہ میں بغاوت ہو جائے تو ان کو زیر کرنے کے لیے کس ہاتھ استعمال کرے اور اس کام کے لیے مسرف بن عقبہ کی خدمات ۔۔۔ حاصل کی جائیں (۲۵) جو کہ مدینہ سے تین ۔۔۔ کا مدینے کی قسمت سے بیٹھا تھا (۲۶) وہ لوگ تو مدینہ کو جنہ حضور نبی اکرم ﷺ ۔۔۔ پہنچا رہے تھے اس وجہ سے ۔۔۔ کر رہا تھا۔ یزید نے اس وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس بدبخت کو اپنے اس لشکر کا سالار مقرر کیا جو مدینہ کو سبق سکھانے جا رہا تھا۔ ان لشکریوں سے ہر طرح کے وعدے وعید بھی کیے گئے۔ اس لشکر میں شامل ہونے کے لیے ۔۔۔ کی تنخواہ کی ۔۔۔ کو ایک ایک سو دینار بھی دیئے گئے اور یہ بھی کہا گیا کہ مدینہ فتح پانے پر ذخیروں مزید انعامات کے مستحق ٹھہریں گے۔ (۲۷)

اہلیان مدینہ طیبہ نے نہایت پامردی اور بہادری کا مظاہرہ کیا وہ خندق جو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی تھی اس کو ۔۔۔ سے عبور کرنے کی کوشش کی گئی۔ تزویری (Strategic factors) نقطہ نگاہ سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ راج سے مسجد احزاب (مسجد الفتح) تک اس کی نگرانی قریشی کر رہے تھے جن کے امیر فتح مکہ کے ایک اصحابی یعنی حضرت معقل بن سنانؓ تھے۔ وہاں سے لیکر بنی سلمہ کے علاقے تک انصاری قبیلہ تھے جن کی کمان حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کر رہے تھے اور باقی کا حصہ دیگر مدنی حضرات کر رہے تھے جن کی کمان حضرت ابو ہریرہؓ کے فرزند ارجمند (حضرت محمدؒ) کر رہے تھے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن ابن زہیر بن عوفؓ (جو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے چچیرے بھائی تھے) کو پوری خندق کی عمومی نگہداری سونپی گئی تھی (۲۸)۔ یزیدی افواج نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔ مروان نے اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو چھڑوانے کے لیے عام معافی کی ایک چال چلی اور سادہ لوح مدنی اس کے جال میں پھنس گئے اور ان سب کو رہا کر دیا۔ اس نے یزیدی افواج سے خفیہ رابطہ رکھ کر ان کو حرہ واقم کی جانب سے خندق میں خفیہ راستے کی خبر دے دی جہاں سے یزیدی فوج اندر آ گئی اور یوں اہلیان مدینہ طیبہ بے خبری کے عالم میں مارے گئے (۲۹)۔ بہت گھمسان کا رن پڑا مدنیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر یزیدی فوجوں کی عددی برتری اور مفاجاتی شب خون کے حربے نے ان کا ۔۔۔ نہ چلنے دیا مدنیوں کے تینوں امیر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش فرما گئے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ بے جگری سے لڑتے

...حضرت عبداللہ ابن مطیع بھی اپنے ...
...(۳۰) ... حضرت عبداللہ ابن محمد بن ابوبکر، حضرت عبدالملک بن جابر بن مالک انجاری (ان ...
...حضرت یزید بن ابی ... حضرت عبدالرحمن بن زید بن ثابت (۳۱)، ...
...حضرت یحییٰ بن زید بن ثابت اور حضرت محمد بن ابو... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ...
...حضرت فضل بن عباس بن ... بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت ...
...(جو حضرت عبداللہ ابن حنظلہ ... تھے)، حضرت ربیعہ ابن کعب (جو ...
...(۳۲)، حضرت معاذ بن حارث ...
...عبداللہ بن زمعہ، ابوسلمہ بن عبدالله بن ...
...ابوبکر بن عبیداللہ بن عمر بن الخطاب، ...
...اور آل ابی طالب سے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، ...
...(۳۴) بنو ہاشم سے دیگر شہداء میں عبداللہ بن فضل بن الحارث بن عبدالمطلب اور عون ...
...کردیا گیا (۳۵).

...نے اپنی فوج کو حکم دیا ہوا تھا کہ جونہی شہر کا سقوط ہو اس کے لشکری جس گھر میں چاہیں گھس جائیں، ...
...کے امکان کو یکسر مٹانے کے لیے ان کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ ہر بالغ مرد کو تہہ تیغ کردیں ...
...حضرت علی ابن حسین علیہ السلام (حضرت زین العابدینؑ) کی ذات اور ان کے اہل بیت کے ...
...(۳۶) حضرت زین العابدینؑ نے اس معاملے سے قطع تعلقی کرلی تھی اور وقتی طور پر آپ ینبع چلے گئے تھے ...
...(جہاں انھیں حضرت علی ... محمد ابن حنفیہؒ کے نام سے جانا جاتا ہے) پہلے ہی حج کی غرض سے مکہ مکرمہ جاچکے تھے ...
...(جہاں انھیں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ... روکا ہوا تھا) اور مدینوں پر جو قیامت ٹوٹی تھی وہ ان کی غیر حاضری میں تھی (البتہ ...
...یہ خونیں واقعہ مورخہ ۲۸ ذوالحج ۶۳ ہجری کو ہوا تھا.

...جو مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک یا ڈیڑھ کیلومیٹر دور تھا. پیر و جواں، مہاجر و انصار، اصحابؓ ...
...یزیدیوں کی خون آشام تلواریں سب پر یکساں برس رہی تھیں. یزیدی افواج نے ...
...کہتے وقت قلم کانپ جاتا ہے. ان کی تیغ ستم کش سے صرف وہ مدنی بچے ...
...جنہوں نے وقتی طور پر پاگلوں کا سا روپ دھار لیا تھا (۳۸) یا پھر وہ لوگ تھے جنہوں نے ...
...(۳۹). ان کے علاوہ وہ لوگ بھی امان پاگئے جنہوں نے اپنے آپ کو ...
...(۴۰) جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید الخدریؓ کے گھر میں وہ لوگ دو بار گھس آئے ...
...اور دوسری بار جب وہ آئے اور انہیں لوٹنے کے لیے کچھ نہ مل سکا تو ان ...
...(۴۱) مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں لاشوں کے انبار لگے ...
...شہیدوں کو گنتا تو ایک طرف کسی کو دفن کرنے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا ...

ہوئے سر چوراہوں میں آویزاں تھے (۴۲) کچھ عمائدین شہر کے بریدہ سر دمشق میں اموی شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیے گئے تھے اور
لوگوں کو بہت مدت بعد اجتماعی قبروں میں دفن کیا گیا تھا۔ بقیع الغرقد کے وسط میں اجتماعی قبر آج بھی اسی بربریت کی یاد تازہ کرتی ہے۔ مدینہ
منی مسلم افواج ہی کے ہاتھوں ظلم و بربریت پر نوحہ کناں تھا وہ شہر نبی جو نبی الرحمت علیہ افضل الصلوۃ والسلام کو اتنا پیارا تھا کہ آپ حضور ﷺ
ہی کے لیے رحمت و برکت کی دعائیں کیا کرتے تھے آج بدبخت یزیدی افواج کے ہاتھوں خون میں لت پت پڑا سسکیاں لے رہا تھا امان
صرف اس کو ملتی تھی جو یزید کی غیر مشروط بیعت کے علاوہ یہ اقرار کرتا تھا کہ وہ اس کا غلام بے دام بن گیا ہے (فرق واضح ہے کہ وہ لوگ جو کل
کے آقا تھے اب یزید کی غیر مشروط غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے پر مجبور تھے) حضرت یزید بن عبداللہ بن زمعہ کو گرفتار کر کے جب مسرف
بن عقبہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے پوچھا "کیا بیعت کرتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب برحق اور سنت رسول
مقبول پر!" اتنا سا جواب بھی اس فرعون کو ناپسند گزرا اور فوراً انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرم اور جائے امن و امان قرار دیا تھا۔ (۴۳) مگر یہ بلد الامان آج خود زبان حال سے امان کا فریادی تھا
ہر طرف الامان الحفیظ کی پکار تھی حرم مدنی کا تقدس پامال کیا جا رہا تھا۔ شقی القلب یزیدی لشکری مدینہ طیبہ کی گلی گلی منہ اٹھائے ہر نئی روح کی (جو
بچ گیا تھا) تضحیک کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت ان عفت مآب اور باپردہ خواتین مدینہ طیبہ کی تھی جن کی کھلے بندوں
آبروریزی کی جا رہی تھی اس لیے کہ ان کی لاج اور عزت کے رکھوالے سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ ابن الاثیر کے
لفظ میں [مسلم بن عقبہ نے اپنی افواج کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ تین دن تک وہ جو چاہیں کریں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں اور
مال غنیمت کے طور پر جو بھی چاہیں لوٹ لیں۔ ان ظالموں کے ہاتھوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی نہ بچ سکے تھے۔] (۴۴) وہ
درندے اپنے گھوڑوں کو مسجد نبوی شریف کے اندر باندھا کرتے تھے اور چونکہ دروازے کھلے رہتے تھے مسجد شریف میں بلیاں اور دیگر جانور
آزادی سے اندر آیا جایا کرتے تھے۔ (۴۵) حضرت سعید ابن المسیبؒ جو مدینہ طیبہ کے سات جلیل القدر تابعین اور فقہاء میں سے ایک ہیں
فرماتے ہیں:

میں نے حرہ کی راتیں دیکھی ہیں۔ میرے علاوہ کوئی بھی مسجد نبوی شریف میں نہ ہوتا تھا۔ شامی گروہ در گروہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور
میری تضحیک کرتے اور کہتے: دیکھو اس بڈھے دیوانے کو! کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ نماز کا وقت آتا اور میں (حجرہ اطہر سے) قبر مبارک سے اذان کی
آواز نہ سنتا۔ پھر میں آگے بڑھتا اور اقامت صلوٰۃ کہتا جس کے بعد میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ میرے علاوہ مسجد نبوی میں کوئی دوسرا فرد نہ ہوتا تھا۔ (۴۶)

مرتبے اور عمر کا لحاظ تو درکنار ان درندوں نے جو بھی عورت ذات ہاتھ لگی اس کی عزت لوٹ لی۔ کٹے ہوئے سر چوراہوں میں ایک
ہولناک منظر پیش کر رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں: [میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر مدینہ کی ایک سڑک پر جا رہا
تھا کہ ان کی نظر ایک کٹے ہوئے سر پر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ نامراد ہے وہ شخص جس نے اسکو قتل کیا ہے۔ جب وہ کچھ آگے گئے تو فرمانے لگے:
میں اس کو بدقسمتی ہی کہہ سکتا ہوں۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: اگر کوئی آدمی میری امت کے کسی فرد کو قتل کرنے کے درپے
ہو جائے تو یہ کہنا چاہیے کہ جو قاتل ہے وہ جہنم میں جائے گا اور جو مقتول ہے وہ جنت میں جائے گا۔] (۴۷) مورخین نے اکثر و بیشتر ان روح
فرسا واقعات کی تفصیل میں جانے سے احتراز کیا ہے مگر مجموعی طور پر تفاصیل ضرور مہیا کی ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۲،۴۹۷ سے زیادہ افراد شہید ہوئے
تھے۔ (۴۸) ان میں سے اکثریت کے لاشے اجتماعی قبروں میں حرہ میں ہی دفنا دیئے گئے تھے مگر کچھ کو بعد میں بقیع الغرقد میں اجتماعی قبر میں دفنایا
گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ جگہ آج بھی مشہد شہدائے حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ صرف عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالبؓ کی قبر الگ ہے
جو ان کے چچا عقیل ابن ابی طالبؓ کے پہلو میں ہے۔ القرطبی کے مطابق اس فتنے کی وجہ سے شہید ہونے والوں کے اعداد و شمار کچھ یوں تھے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین	۱،۷۰۰
تابعین عظام	۱۰،۰۰۰
خواتین	۷۰۰
بچے	۹۷
قریش	۱۲،۴۹۷
کل تعداد	۰۰۰۰

[illegible] نے مہاجرین اور انصار شہدا کی تعداد سات سو اور عامۃ الناس کی تعداد دس ہزار بتائی ہے۔ (۴۹) مہاجرین و انصار میں [illegible] شامل ہوئے تھے۔

[illegible] جنہوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں سے چند کے نام یہ تھے: فضل بن عباس بن ربیعہ بن الحارث [illegible] بن عبدالمطلب، اور ۹۰ سے زیادہ دیگر بنو قریش تھے۔ (۵۰) ابن الجوزی کے مطابق خواتین مدینہ [illegible] بچے تھے جن کی عمریں ۱۰ سال سے کم تھیں۔ ان بچوں کو بعد کے مورخین نے 'اولاد حرہ' کا نام دیا ہے (۵۱) اور جب [illegible] نے بیت المال سے ان کے لیے وظیفوں کا اجراء کیا تھا تو وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

[illegible] 'واقعہ حرہ' یا 'واقعہ حرہ زہرہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حرہ شرقیہ میں العریض [illegible] مسجد نبوی شریف کے مشرق میں تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہوا کرتا تھا (۵۲) علماء اور تاریخ دانوں کے [illegible] یہ مقام ہمیشہ ان منحوس واقعات کی یاد تازہ کرتا تھا جہاں کبھی تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین باب رقم ہوا تھا۔ یہ [illegible] جو ان دو لابوں (لاوا سے بنے سنگلاخ علاقوں) سے بنے سنگ سیاہ کے غیر ہموار [illegible] حدود میں تھے۔

[illegible] رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ سے زندہ بچنے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ مشہور ترین صحابہ [illegible] عبداللہ بن عمرؓ اور تابعین کرام سے حضرت سعید ابن المسیبؒ تھے۔ اہل بیت طاہرہ میں سے حضرت امام زین [illegible] کے متعلق یزید نے خاص احکامات دیے تھے کہ ان پر دست درازی نہ کی جائے اور انہیں [illegible] مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا اتباع کرتے ہوئے کوئی بھی باقی زندہ [illegible] حضرت ابو سعیدؓ جو حضرت المہریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے ایک رات چھپ چھپا کر حضرت ابو سعید [illegible] ہوئے اور عرض کیا کہ حضور مہنگائی اور ستمگر حالات میں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے مدینہ طیبہ میں جینا [illegible] حضرت طلب کی کہ انہیں مدینہ طیبہ سے جانے دیا جائے۔ اس پر حضرت ابو سعید خدریؓ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا: [برہنہ [illegible] اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی مدینہ طیبہ کی صعوبتیں اور [illegible] کا یوم حشر میں آپ حضور ﷺ اس کی گواہی دیں گے اور اس کی شفاعت فرمائیں گے۔] (۵۳) صحیح مسلم کی اس روایت [illegible] کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدنظمی اور زبوں حالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو مدینہ طیبہ پر نازل ہوئی تھی۔ طبرانی، ابن [illegible] مختصر کتب تحریر کر کے اس منحوس واقعہ کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں۔ واقدی نے تو ایک پوری کتاب اس [illegible] کتاب لکھی تھی۔ طبری (۵۴) اور ابن کثیر نے بھی بہت سی معلومات فراہم کی ہیں (۵۵)۔ تاہم اگر کوئی قاری [illegible] معلومات سے کاش کرنا چاہتا ہے تو اسے ابراہیم العیاشی المدنی کی عربی کتاب: المدینہ بین الماضی والحاضر، مطبوعہ مکتبہ

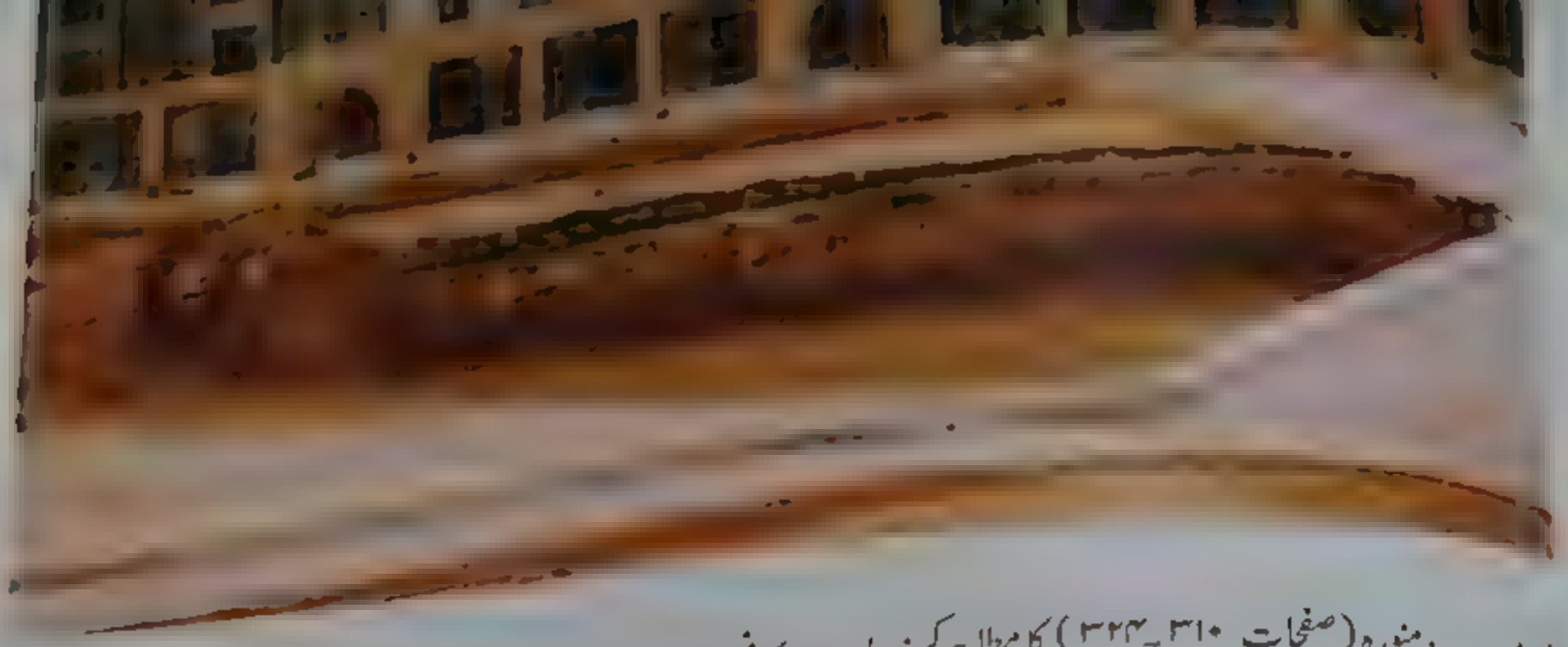

بقیع مرقد میں دفن شدہ اسے حرہ ۱۹۹۶ء

اشاعت، مدینہ منورہ (صفحات ۳۱۰۔۳۲۴) کا مطالعہ کرنا چاہیے جو کافی مواد پر مبنی ہے۔ البتہ اگر کوئی قاری سنجیدگی سے اس معاملے کی تفصیل کے متعلق چھان بین کرنا چاہتا ہے تو اس کو تاریخ خلیفہ بن خیاط، تاریخ طبری اور ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

حضرت سعید ابن المسیب کا قول ہم نے اس باب کے شروع میں بھی نقل کیا ہے مگر سیاق و سباق میں وہ اس موقع پر زیادہ برمحل معلوم ہوتا ہے اور تکرار کا متقاضی ہے۔ انہوں نے فرمایا [جب حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے جنم لیا تو کوئی بھی بدری اصحابی زندہ نہ بچا ﷺ جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا اصحابی زندہ نہ بچا جس نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہو گئی۔ جو حجاج ابن یوسف کی چیرہ دستیوں کی طرف اشارہ تھا۔] (۵۶)

اگرچہ مورخین کی اکثریت نے اس بات کے واضح اشارے دیئے ہیں کہ وہ جگہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر مشرقی جانب واقع تھی، لیکن آج کے مدینہ طیبہ میں عمرانی ارتقاء نے کچھ ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ وہ تمام علاقہ جسے حرہ شرقیہ کہا جاتا ہے وہ ہموار کر دیا گیا اور زیر تعمیر آ گیا ہے اور اس بات کا تعین کرنا کہ وہ مقتل کس جگہ پر برپا ہوا تھا ذرا مشکل ہے۔ حرہ شرقیہ کے علاقے میں ایک چھوٹا سا خطہ حرہ زہرہ کے نام سے تھا جہاں سے گزرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کے بہترین امتی شہید ہوں گے۔ وہ یہی حرہ زہرہ کا واقع تھا جس میں تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین مقتل ۶۳ ہجری میں برپا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے چند معاصر مورخین نے اس سلسلے میں کافی رہنمائی کی ہے اور وہ مسجد ابوذر غفاریؓ کی شمالی جانب کے علاقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ غالی الشنقیطی نے اس علاقے کی طرف اشارہ کیا ہے جو العریض اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے (۵۷) جو کہ ایک بہت ہی وسیع علاقہ ہے۔ اس وقوعے کی جائے حدوث کی نشان بندی دشوار ہے۔ تاہم ابراہیم العیاشی المدنی کی رائے میں، جنہوں نے اس پورے واقعے پر اپنی کتاب 'المدینہ بین الماضی والحاضر' میں سیر حاصل بحث کی ہے، یہ جگہ شارع ستین کے اس پار اس جگہ واقع ہے جس کے اردگرد اب اونچی چاردیواری کر دی گئی ہے۔ یہ جگہ موجودہ مدینہ طیبہ کے پولیس کے صدر دفتر (شرطۃ المدینہ المرکزیہ۔ یعنی محکمہ پولیس کا ہیڈ کوارٹر) کے سامنے واقع ہے۔ ان کی رائے ہے کہ اس سطح مرتفع پر تاریخی مسجد قرصہ ہوا کرتی تھی جو اب ناپید ہے اور اسی جگہ بیگناہ مدنیوں کا بہیمانہ قتل ہوا تھا۔ (۵۸) فجر الاسلام کی شاعری میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو عبدالاشہل کا علاقہ (جو حرہ شرقیہ میں ہی واقع تھا) قتل گاہ بنا تھا اور یہی نظریہ ابراہیم العیاشی کا بھی ہے۔ (۵۹)

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا حجاز میں دور حکومت:

واقعہ حرہ کے بعد اگرچہ مدینہ طیبہ میں امویوں کے خلاف بغاوت پوری طرح کچل دی گئی تھی مگر جونہی یزید کی موت واقع ہوئی بنو امیہ بن افراتفری کے آثار نمایاں ہونے لگ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جنہوں نے بہت پہلے ہی علم بغاوت بلند کر کے مکہ اور اس کے ارد گرد علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا اور دیکھتے دیکھتے ان کی خلافت کی سرحدیں بصرہ تک پھیل گئی تھیں بنی امیہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج بن

کر ابھرے۔ واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ روانہ ہوا تو راستے میں ان کا بد بخت امیر لشکر (مسلم بن عقبہ) مر گیا اور باقی افواج ابھی مکہ ہی پہنچی تھیں کہ پیغام آ گیا کہ یزید مر چکا ہے۔ یزید کی موت اور اس کے جانشین کے تخت اموی پر بیٹھنے سے انکار سے حالات مزید بے قابو ہو گئے اسی اثناء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا اثر و رسوخ دور دور تک پھیل گیا سوائے شام اور مصر کے چند مرکزی علاقوں کے باقی سب علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ عبدالملک بن مروان نے دو بار مکہ پر چڑھائی کی مگر دونوں بار اسے منہ کی کھانی پڑی۔

تاہم حضرت ابن زبیرؓ کا دور حکومت بہت تھوڑا عرصہ چل سکا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے کئی گورنر بدلے مگر ان کی بدقسمتی اندیشیاں ان کو لے ڈوبیں جس سے ان کی حکومت کو بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ان کے نامزد کردہ گورنر نااہل ثابت ہوئے اور اہالیان مدینہ جو پہلے اموی جور و ستم سے دل برداشتہ تھے اب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے گورنروں کے ہاتھوں نالاں ہو گئے۔ انہوں نے عمائدین شہر کو مختلف زنجیروں میں ڈالا اور اس طرح حضرت ابن زبیرؓ کی حکومت کی ساکھ تباہ ہو گئی۔ ادھر عبدالملک کو بنو امیہ کا سب سے بڑا محسن حجاج بن یوسف (جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا) کی شکل میں ہاتھ آ گیا تھا۔ (۶۰) اس نے ۷۲ ہجری میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت دیگر بنو امیہ کے تخت کو گرنے سے بچا لیا طلحہ بن عبداللہ بن عوفؓ نے (جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے) حجاج کی اطاعت قبول کر لی اور اس طرح مدینہ طیبہ مکمل طور پر امویوں کی حکومت کے زیر اثر آ گیا اور پھر جب تک بنو امیہ کا زوال نہیں ہوا مدینہ طیبہ پر دمشق سے ہی حکومت ہوتی رہی انہوں نے بہت سے گورنر بدلے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا گورنر مدینہ طیبہ کو کبھی نصیب نہ ہوا۔

حجاج ابن یوسف کے جور و ستم سے بنو امیہ کے لیے مزید ساٹھ سال تک حجاز میں ہر طرح کی مخالفت اور بغاوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دب تو گئی اور اس طرح ان کی حکومت بہت مستحکم ہو گئی جس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ میں امن و امان کی صورت حال سدھر گئی اور شہر نبی کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں مدینہ طیبہ میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لیے عین الزرقاء کا اجرا ہوا۔ اس پورے عرصے میں بہترین دور حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا تھا جو پہلی بار تین سال تک مدینہ طیبہ کے گورنر رہے اور بعد میں سلیمان بن عبدالملک کی موت کے بعد امیر المومنین بھی رہے۔ ان کی گورنری کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع اور تزئین ہوئی اور مدینہ طیبہ میں اور بہت سے ترقی اور بہبود عامہ کے منصوبوں پر کام ہوا۔ انہیں کے دور میں ان تمام مقامات پر چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کی گئیں جہاں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی۔ بنو امیہ کے اسی دور میں مدینہ طیبہ کی آبادی وادی العقیق تک پھیل گئی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ لیکن جونہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے کر شہید کیا گیا ان کے جانشین حکمرانوں کی رنگ رلیوں نے اہل مدینہ کو پھر دل شکستہ کر دیا۔ مدینہ طیبہ سیاسی طور پر تو صرف ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا مگر اپنی روحانی اور دینی عظمت کی وجہ سے وہ اپنے لیے ایک انوکھا اور نرالا مقام حاصل کر چکا تھا۔ چار دانگ عالم سے علماء اور دانشور مدینہ منورہ میں آتے اور وہیں آباد ہو جاتے تھے۔ ایسے میں حکومت کی ذرا سی بے رہ روی بھی ان کے لیے قلق کا باعث بن جاتی اور اہل مدینہ طیبہ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

شہادت نفس الذکیہ:

امویوں نے اگرچہ اپنے خلاف بھڑکنے والا ہر الاؤ ٹھنڈا کر دیا تھا مگر بہت سی چنگاریاں ایسی تھیں جو پوری طرح بجھ نہ سکیں اور کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھیں کہ کب موافق سمت سے ہوا چلے اور وہ چنگاریاں دوبارہ بھڑک اٹھیں۔ اکا دکا یورشیں ہوتی رہیں مگر ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ بنو امیہ کے لیے کوئی بڑا چیلنج بن سکیں۔ بنو امیہ کی نگاہیں ہمیشہ مدینہ طیبہ پر لگی رہیں کیونکہ ہزار جور و ستم کے بعد بھی وہ اہل مدینہ کے دل سے اہل بیت طاہرہ کی محبت نہ نکال سکے تھے۔ کتنے ہی اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حب اہل بیت میں جام شہادت نوش

[illegible] کی مرضی اور آل رسول مقبول ﷺ پر سب و شتم سے انکاری تھے. ہماری تاریخ کا سب سے المناک حادثہ یہ ہے کہ بنوامیہ کے دوست [illegible] یہ قرار کر لیتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے دس ہزار کے لگ بھگ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تہہ تیغ کر دیا تھا مگر ہم ایک لمحہ [illegible] بچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آخر ان مردان حر کا جرم کیا تھا جس میں ان کو قید و بند اور دار و رسن کے کٹھن مرحلوں سے گزارا گیا تھا [illegible] صرف حب رسول مقبول ﷺ اور حب آل رسول مقبول ﷺ ہی تو تھی کہ سعید ابن جبیر جیسے جلیل القدر صحابی مسکراتے ہوئے خراماں [illegible] مقتل چل پڑتے تھے. سچ تو یہ ہے حب آل رسول ﷺ مدینہ طیبہ کی پاک مٹی میں کچھ اس طرح رچ بس گئی تھی کہ بنوامیہ اہل بیت [illegible] ہمیشہ خائف و لرزہ براندام رہے. ۶۰ ہجری سے لے کر نصف صدی تک حکما مسجد نبوی شریف اور دیگر تمام مساجد میں بر سر منبر سید نا علی [illegible] پر سب و شتم کی جاتی رہی. مگر اتنے وسیع البنیاد شر انگیز پروپیگنڈے اور طویل المدت کردار کشی کے باوجود لوگ اصحاب [illegible] سے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے رہے. مسجد نبوی کے اموی توسیعی منصوبے کے پیچھے بھی سیاسی مصلحت کار گر تھی کہ حجرہ اہل بیت سے [illegible] دور کیا جائے مقصود تھا. اس کے باوجود بھی حضرت حسن علیہ السلام کے پوتے حضرت عبداللہ ابن حسن المثنیٰ کے لیے منبر رسول ﷺ کے [illegible] مسند بچھائی جاتی تھی اور لوگ جوق در جوق آ کر ان سے اکتساب فیض کرتے تھے.

[illegible] جونہی بنوعباس نے علم بغاوت بلند کیا اور بنوامیہ کی مسند خلافت کی چولیں ہلنے لگیں تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس تحریک میں [illegible] ہونے لگے. اس تحریک کا نعرہ بھی اہل بیت کو ان کا حق دلانا تھا اور تحریک کے عمائدین یہ برملا کہتے تھے کہ وہ خلافت اہل بیت کو [illegible] دیں گے (۲) جو کہ اس وقت زیادہ تر مدینہ طیبہ میں مکین تھے. اس طرح ایک بار پھر مدینہ طیبہ سیاسی منظر عام پر آنے لگا تھا تحریک پورے [illegible] زور شور سے بڑھتی رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں مسند خلافت پر بنوامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگ گئی. اہل بیت کو ان کے حقوق دلانے [illegible] نے (جو بعد میں محض ایک ڈھونگ ثابت ہوا) جرس کارواں کا کام کیا اور ایک ایک کر کے وہ علاقے جو کبھی بنی امیہ کے گڑھ سمجھے [illegible] جاتے تھے بنوعباس کی جھولی میں گرنے لگے. تاریخ اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے. اب وقت آن پہنچا تھا کہ بنوامیہ اپنی کئی نسلوں کے اعمال کا [illegible] حساب چکائیں. بنوعباس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی بغاوت کے احتمال اور امکان کو ختم کرنے کے لیے اپنی تلواروں کو انتقام کی سان پر اتنا تیز [illegible] کیا کہ ان کی شمشیر قہر یہ جدھر اٹھی مخالفوں کا خاتمہ ہوتا گیا. مدینہ طیبہ میں ایک بھی بنوامیہ کا فرد زندہ نہیں چھوڑا گیا اور جو بہت عرصہ پہلے مر [illegible] چکے تھے ان کی قبریں تک اکھاڑی گئیں اور ان کو بوسیدہ ہڈیوں پر آتش انتقام کے الاؤ جلائے گئے. بنوعباس کامیاب تو ہو چکے تھے مگر ان [illegible] کو حکومت بنوامیہ کی کھوپڑیوں کے ڈھیروں پر سٹیج بنا کر سجائی گئی. اہل نظر اسی وقت بھانپ گئے تھے کہ اس منتقم مزاجی کا مظاہرہ اہل بیت کو [illegible] حق دلانے کے لیے نہیں بلکہ ان کو مرعوب کرنے کی غرض سے کیا جا رہا تھا.

[illegible] روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا. ہر طرح کی مخالفت کچلی جا چکی تھی. اہل بیت تو معدودے چند نفوس تھے اور ان کا احتجاج صدا بصحراء [illegible] ثابت ہو رہا تھا. پوری حکومتی مشینری بنوعباس کے ہاتھ میں تھی. اگر بنوامیہ کے ہاتھ ایک حجاج بن یوسف لگ گیا تھا تو بنوعباس کے پاس بھی [illegible] حجاج جیسا سفاک موجود تھا. انتقال اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان کو منتقل ہو چکا تھا. اگرچہ اس [illegible] کامیابی کا سہرا انہیں نعروں پر تھا کہ اہل بیت الطاہرہ کو اقتدار سونپ دیا جائے گا مگر تاریخ نے ایک بار پھر اہل بیت طاہرین سے داؤ [illegible] کھیلا. دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک بار پھر پس پشت ڈال دیا گیا. صرف یہی نہیں بلکہ آنے والے وقتوں میں بغاوت کے کسی احتمال کو ٹالنے کے [illegible] وقت سے پیش بندی اور منصوبہ بندہ شروع کر دی گئی اور اہل بیت الطاہرہ میں سے جس پر بھی ذرا شک گزرا داخل زنداں کر دیا گیا اور [illegible] بیشتر اہل بیت تو قید و بند کی صعوبتوں اور تشدد کی وجہ سے اپنی جانیں بھی گنوا بیٹھے. ربذہ جو کبھی حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمہ بن

کرنے کے لیے کا پانی کے طور پر چنا گیا تھا وہاں اب اہل بیت الطاہرہ کے مردان حر رکھے جانے لگے تھے۔

یہی وہ شخصیت حضرت عبداللہ بن الحسن المثنی ابن حسن علیہ السلام کی تھی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان کے لیے منبر رسول ﷺ کے حوض میں مسند بچھا کرتی تھی اور لوگ جوق در جوق ان سے اظہار عقیدت کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے عباسیوں کو ان کی اتنی عزت و تکریم ایک آنکھ نہ بھاتی تھی پہلے تو ان کی مسند وہاں سے اٹھا دی گئی (۶۲) پھر ان کو بہانے سے بغداد بلا کر قید کر دیا گیا جہاں تشدد سے زنداں خانوں کے اندر ہی ان کی موت واقع ہو گئی۔ ردعمل کے طور پر ان کے دو فرزندوں۔ محمد اور ابراہیم۔ نے اعلان بغاوت کر دیا محمد بن عبداللہ جن کو تاریخ مدینہ میں نفس الذکیہ یا مہدی کے نام سے جانا جاتا ہے اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بھی کافی تھی (۶۳) سب سے پہلے انہوں نے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پورے شہر کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اسلامی تاریخ میں وہ ایک ایسا دور تھا جب امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک بن انسؒ جیسی شخصیتیں اسلامی فقہ کو مدون و مروج کرنے میں مصروف تھیں دونوں ائمہ کرام نے نفس الذکیہ کی حمایت کی، امام ابو حنیفہؒ نے تو نفس الذکیہ کے لیے بیس ہزار دینار بھی روانہ کیے (۶۴) نفس الذکیہ نے رجب ۱۴۵ ہجری میں آزادی کا اعلان کر دیا اور بطور خلیفہ حلف اٹھا لیا۔ انہوں نے مقتدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد کو اپنی کابینہ میں شامل کیا، مثلاً عبدالعزیز بن عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ وغیرہ۔ جلد ہی مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کے قبائل ان کی بیعت میں آ چکے تھے۔ عباسی خاموشی سے دیکھتے رہتے تو ان کی موت کا ناقوس بہت جلدی بج جاتا مگر انہوں نے بنو امیہ کے زوال سے سبق سیکھا تھا، فوراً ہی ایک لشکر جرار ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا۔ اس طرح ان کی خلافت بہت تھوڑے ہی عرصے کے لیے چل سکی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، مدینہ طیبہ تین اطراف سے پہاڑیوں اور ارضیاتی ساخت کی وجہ سے محفوظ تھا۔ ایک ہی طرف سے دفاع کمزور تھا جہاں کبھی حضور نبی کریم ﷺ نے گہری اور وسیع خندق کھدوائی تھی۔ اس روایتی دفاعی لائن کو نئے سرے سے کھودا گیا اور جہاں جہاں سے مناسب سمجھا گیا اس کی مرمت اور توسیع کی گئی۔

ابھی پہلی افتاد جو مدینہ طیبہ پر پڑی تھی (واقعہ حرہ زہرہ) کو بمشکل اسی سال ہی گزرے تھے کہ اہل مدینہ ایک بار پھر تباہی کے دہانے پر تھے۔ بہت سے عمر رسیدہ لوگوں کے ذہنوں میں پہلی وحشت و بربریت کے واضح خاکے موجود تھے۔ اس لیے بڑے بڑے دلیروں کے حوصلے پست ہو گئے اور بہت زیادہ تعداد میں خاندان اور قبائل نفس الذکیہ کو چھوڑنے لگے۔ طبری بیان کرتے ہیں کہ مورخہ ۱۲ رمضان مبارک ۱۴۵ ہجری کو عیسیٰ بن موسیٰ نے الجرف میں آ کر پڑاؤ لگا لیا اور عمائدین قبائل سے گفت و شنید کے ذریعے ان کو نفس الذکیہ کی حمایت سے دست بردار ہونے کے لیے اکسانے لگا۔ خون آشام تلواروں کے خوف سے تو بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جایا کرتے ہیں۔ نہتے مدنی کیا کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ دو دھڑوں میں بٹ جائیں۔ عباسیوں کی چال کامیاب ہو گئی اور مدینہ طیبہ خالی ہونا شروع ہو گیا۔ (۶۵) بنی جہینہ اور بنی شجاع کے ایک ایک کر کے تمام قبائل ان سے الگ ہو گئے۔ عباسی افواج نے خندق کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا عباسیوں کی تعداد ۶۰۰۰ تھی جب کہ نفس الذکیہ کے ساتھ صرف ۳۱۳ سرفروش رہ گئے تھے۔ (۶۶) مدنی فوج بہت بے جگری سے لڑی مگر دشمن سے ٹوٹتے ہوئے احجار الزیت کے مقام پر مورخہ ۱۵ رمضان ۱۴۵ ہجری کو شہید ہو گئے (وہ علاقہ آج کل مسجد نبوی شریف کے اندر آ چکا ہے) اور ان کی ہمشیرگان نے ان کو جبل سلع کے دامن میں دفن کر دیا جو بعد میں مشہد نفس الذکیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے برعکس طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا۔ (۶۷) شہادت سے پہلے انہوں نے اپنے ایک ساتھی (عبداللہ ابن عامر الاسلمی) سے کہا

[illegible]

[illegible] (۲۹) [illegible] [illegible] [illegible]

ربیع الاول ۲۵۱ ہجری میں ان کے ایک
(جعفر بن الفضل بن العیسیٰ) بدحواسی کے عالم میں فرار ہو گیا
گورنر
اس نے حرم مکی کے تقدس کو بھی
بے حرمتی کے عالم میں مارے گئے۔ لاتعداد
کر علویوں کو اس بلدہ طاہرہ سے نکالا

مضبوط فصیل تعمیر ہوئی جو ۲۶۳ ہجری میں وہاں کے گورنر محمد بن
کے لیے
مدنی شہریوں
ہمیشہ لوٹ مار کا نشانہ
ابھی آدھی صدی بھی نہیں
۳۱۱ ہجری میں قرامطیوں نے ایک
(۷۱)
اس فصیل کی دیکھ بھال پر کافی توجہ دی
کی حفاظت میں بہت اہم کردار ادا کر رہی تھی مگر اس کے عواقب میں ایک
مگر آبادی کے روز افزوں اضافے نے
مدنی اپنا سب کچھ لٹا چکے ہوتے تھے۔
اور زیارت کے قوافل جو اکناف عالم سے اس بلدہ طاہرہ کا رخ
یہ سلسلہ صدہا صدیوں تک جاری رہا ان گنت واقعات ہوتے رہے مگر تاریخ ان
کے حامل تھے۔
جب مدینہ طیبہ کے رہنے والے قبائل نے آپس میں مل کر شہر نبی پر اجتماعی دھاوا بول دیا۔
مدینہ نے فصیل کے تمام دروازے بند کر دیے۔ بدو حملہ آور بلدہ طاہرہ
کے باشندوں کو
قتل ہوئے
پانی کا ایک ہی بڑا ذریعہ تھا جو کہ قباء سے عین الزرقاء کی شکل میں زیر
منقطع کر دیا اور اہالیان مدینہ بوند بوند پانی کو ترس کر رہ
یہ کنویں تھے وہی اہالیان شہر کی زندگیاں بچانے کا کام کر رہے تھے، آہستہ

[illegible] حدود حرم میں ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا جس سے وہ اس کے تقدس کو مزید پامال [illegible] کے اوپر چڑھ کر اس کو مسمار کرنا چاہتے تھے بتایا گیا ہے کہ ان میں سے [illegible] جہنم ہو گئے [illegible] اس سے باقی کے لشکر نے توہمات کا شکار ہو کر اس فعل بد سے باز رہے۔

[illegible] ایک معاہدہ پر [illegible]

[illegible] کے ساتھ ۱۸۱۵ء میں معاہدہ امن کر لیا تو مصری جرنیل نے شہر کے لوگوں سے ان تحائف میں [illegible] خرید لیے یہ وہ سونے کے تحائف تھے جو اس وقت تک ڈھالے نہیں گئے تھے؛ اس نے ان [illegible] اس قول کی تردید بھی کرتے ہیں مگر میرا یہ بیان زیادہ قوی شہادتوں پر مبنی ہے (۷۹)

[illegible] کی نائب محمد علی پاشا کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکم دیا اس کے امیر لشکر طوسون پاشا نے ینبع کی بندرگاہ سے [illegible] جنوری ۱۸۱۲ء میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ راستے میں [illegible] اور دیگر قبائل سے [illegible] مدینہ طیبہ کے مضافات میں پہنچ چکے تھے۔ وہابیوں نے [illegible] شہر کے تمام راستے [illegible] آخر کار مجبور ہو گئے۔ اکتوبر ۱۸۱۲ء میں وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں ترکی اور مصری افواج نے فصیل کے ایک حصے کو بارودی سرنگ سے [illegible] پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ ناچار ترکی اور مصری افواج نے فصیل کے ایک حصے کو بارودی سرنگ سے [illegible] بتایا جاتا ہے کہ اس نے [illegible] میں مدینہ میں قیام کیا تھا) [illegible] نے وہابیوں پر شب خون مارا دیا برکہارٹ کے مطابق [illegible] جبکہ عبداللہ بن سعود اور اس کے ساتھیوں نے قلعہ شامی میں پناہ لے لی [illegible] نے اب قلعہ شامی کو اپنے [illegible] ہونے سے پہلے وہابیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ۱۸ رجب ۱۲۳۳ھ [illegible] سب وہابیوں نے اپنے [illegible] کے ساتھ ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے ہتھیار ڈالنے پر پہلے وہ ینبع کے راستے قاہرہ میں ترکی نائب محمد علی پاشا کے دربار میں لے جائے گئے [illegible] میں سے صرف ایک صندوق عبداللہ سے برآمد ہو سکا باقیوں کے متعلق اس نے اعتراف کیا کہ [illegible] سے پہلے خزانے میں سے صرف ایک صندوق عبداللہ سے برآمد ہو سکا باقیوں کے متعلق اس نے اعتراف کیا کہ [illegible] خزانے بھرے تھے جو اس نے اپنے دیگر حصہ داروں میں بانٹ دیے تھے۔ ۱۹ محرم ۱۲۳۴ھ [illegible] جس کو اس وقت قسطنطنیہ کہا جاتا تھا) روانہ کر دیا گیا جہاں ان کے اعتراف جرم پر عامۃ الناس کے [illegible] ان کے سر قلم کر دیے گئے (۸۰)

صلیبی جنگوں کے بعد منظر میں یہود و نصاریٰ کی سازشیں:

[illegible] کے نتیجے میں اس کی جھولی میں پڑنے والی فتوحات نے نہ صرف مشرق وسطیٰ میں یہود و نصاریٰ کی قوت [illegible] میں [illegible] کے اپنے وسیع و عریض عدالتوں نے جن پر وہ صدیوں سے حکمران تھے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا جس [illegible] میں [illegible] ہو کر رہ گئے تھے تمام تر کوششوں کے باوجود وہ عساکر اسلام کی پیش قدمی نہ روک سکے تھے۔ روز اول سے [illegible] کر دیکھ رہا تھا جو ان کے بس میں تھا مگر ان کے دیکھتے دیکھتے اسلام جبرالٹر کو عبور کر کے سپین تک بلکہ اس سے بھی [illegible] تک پہنچ چکا تھا ایک طرف دشت ہائے شرق کو عبور کر کے ساسانیوں کے کس بل نکالتے ہوئے وہ کوہ ہندوکش کے اس پار [illegible] اور سنکیانگ تک پہنچ گئے تھے تو دوسری طرف مغرب میں بحرالکاہل میں بھی انکے گھوڑے اترنے سے نہیں گھبراتے تھے۔ صحرا و دریا ان کی [illegible] سے دو نیم و بے جان ہو چکے تھے اور ہمالیہ بھی ان کے یم و یلغار کو روکنے میں ریت کے ایک ٹیلے سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوا تھا۔ [illegible] اس وقت [illegible] کی قوت پک جھپکنے میں ڈھیر ہو چکی تھی۔ ہر طرف سطوت اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور اس دور کی مہذب دنیا کا [illegible] پایہ

[illegible] جب یہ گھر لے لیا اور دعوت کرنے کی غرض سے زہد و اتقاء اور دینی کاموں میں مشغول ہو گئے چند ہی دنوں میں وہ عام [illegible] شیر شکر ہو کر رہنے لگ گئے تھے وہاں میں اپنے تقویٰ اور ورع کے ڈھونگ سے اپنے لیے انہوں نے ایک مقام بنا لیا تھا

اندرون خانہ وہ اپنے مذموم منصوبے پر کام کرتے رہے انہوں نے اپنے مکان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ اطہر کی طرف سرنگ [illegible] تھوڑی دن بھر وہ عبادات اور مطالعے میں مشغول رہتے اور آنے جانے والوں کو وعظ کرتے مگر رات پڑنے پر جب انہیں یقین [illegible] کہ اب ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں تو وہ سرنگ کھودنے میں لگ جاتے۔ سرنگ سے نکالا ہوا ملبہ وہ تھوڑا تھوڑا کر کے یا تو وہ اس کنویں میں [illegible] رہتے جو ان کے گھر میں واقع تھا یا پھر اپنے تھیلوں میں بھر کر اسے بقیع الغرقد میں پھینک آتے تھے اس طرح وہ تقریباً ایک سال سے [illegible] عرصہ تک اپنے منصوبے پر کام کرتے رہے اور ان بدبخت اپنے ہدف کے قریب تر ہو رہے تھے یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا کمال اعجاز ہے [illegible] مسلمہ کو رسوائی اور جگ ہنسائی سے بچایا کافروں کے ذہن و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رسول رحمت ﷺ کی عفت و حرمت اور حفاظت اللہ کے ہاتھوں میں ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے (اور اللہ تمہیں انسانوں سے محفوظ رکھے گا) (۸۸)

سلطان نور الدین زنگی تہجد گزار اور نہایت متقی تھے ایک رات وہ نماز تہجد کے بعد سو گئے اور ان کو بشارت ہوئی (۸۹) ان کو خواب میں [illegible] جن کا رنگ گندمی تھا دکھائے گئے [illegible] نے صرف اشارہ فرما کر حضور نبی اکرم ﷺ نے نور الدین زنگی کو حکم دیا کہ "انجدنی من ہذین" [illegible] ان دونوں کے شر سے بچانے کا بندوبست کیا جائے)۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر نیند کے غلبے سے پھر سو گئے اس بار بھی یہی [illegible] بشارت ہوئی وہ اٹھے وضو نماز ادا کی اور پھر [illegible] میں چلے گئے اس بار بھی یہی بشارت ہوئی چنانچہ سلطان زنگی اسی وقت اٹھے اور اپنے [illegible] الدین اصفہانی اور دیگر امیروں [illegible] چل پڑے وہ اپنے ساتھ بہت سا مال و دولت بھی لائے اور شام سے سولہ دنوں میں [illegible] پہنچ گئے وہاں پہنچ کر [illegible] نے ان دو افراد کی تلاش شروع کی۔ مدینہ منورہ کے بازاروں میں بار بار اعلان کرایا گیا [illegible] جو روضہ قدس کی زیارت کے [illegible] ہیں وہ ہر مدنی مرد کو، بغیر کسی استثناء کے، خیرات تقسیم کرنے والے ہیں اور ہر ایک ان کی [illegible] خدمت میں حاضر ہو لوگوں کا تانتا بندھ گیا [illegible] ایک کو غور سے دیکھتے اور خیرات عطا کرتے جاتے۔ سب لوگ آ چکے تھے مگر وہ چہرے [illegible] جو سلطان کو مطلوب تھے وہ نظر نہ آئے استفسار پر ان کو بتایا گیا کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے بھی افراد ہیں جو زہد و تقویٰ کے اس مقام پر ہیں کہ کسی [illegible] کے دربار میں نہیں جاتے۔ ان دو افراد کے علاوہ مدینہ کا ہر فرد حاضر ہو کر اپنا حصہ لے چکا تھا۔

سلطان نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ان [illegible] سے ملیں گے۔ ان کو بتایا گیا کہ وہ دونوں زاہد اور متقی ہیں اور بہت خیرات وغیرہ کرتے رہتے [illegible] ان کے پاس خود اتنا کچھ ہے کہ وہ کسی کی خیرات نہیں لیتے۔ لوگوں نے سلطان کو یہ بھی بتایا کہ وہ دونوں بلا ناغہ روزانہ بقیع الغرقد اور ہفتے [illegible] ایک بار مزار سید الشہداء پر ضرور حاضری دیتے ہیں۔ سلطان تو حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تڑپ رہے تھے اور مجرموں [illegible] پکڑے بغیر ان کو کسی پل چین نہیں تھا۔ ان کو کامل یقین تھا کہ ان کا خواب سچا ہے اور ہوتا بھی کیوں نہیں کہ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد [illegible] ہے [جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے سچ مچ دیکھا اور شیطان میری مثل میں نہیں آ سکتا۔] اپنے خواب غیر متزلزل یقین نے انہیں ان دونوں کے پاس جانے پر مجبور کیا۔ جونہی سلطان نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو انہوں نے ان دونوں ملعونوں کو پہچان لیا۔ وہ [illegible] تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں خواب میں دکھایا تھا۔

چہرے مہرے سے تو وہ بہت متقی مسلمان لگتے تھے مگر سلطان نے جلد ہی اس جگہ کا پتہ لگا لیا جہاں سے دنیا کی نگاہوں سے بچ کر وہ [illegible] خباثت کرتے تھے۔ پوچھ گچھ کے بعد انہوں نے اعتراف جرم کر لیا اور بتایا کہ وہ دونوں عیسائی تھے اور مغرب سے ان کے عیسائی آقاؤں [illegible] نے یہ سازش کی غرض سے اور ایسے مذموم مقاصد کے لیے بھیجا تھا۔ ان کو اس کام کے لیے بہت سا مال و زر بھی فراہم کیا گیا تھا تاکہ لوگوں

(۱) ... (کتاب التجارت ...)

(۲) ... (التعریف بما انست الہجرہ)

(۳) ... (تحقیق النصرہ)

(۴) ... (تاریخ بغداد)

(۵) ... (کتاب ریاض النضرہ فی فضائل العشرہ)

(۶) ... (تاریخ مدینۃ منورہ)

(۷) ... (وفاء الوفاء باحوال دار المصطفیٰ اور خلاصۃ الوفاء)

(۸) ... (جذب القلوب الی دیار المحبوب)

وغیرہ۔

وجت کا ایک اور واقعہ مصر کے فاطمی حکمران خلیفہ حاکم بامراللہ (جسے دروز قوم آج تک اپنا الٰہ سمجھ کر
ن کی پرستش کرتی ہے) نے مسلحہ کمانڈو بھیجے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مطہر کو مصر لے
ئیں المطری نے بیان کیا ہے کہ وہ کمانڈو زعبدالفتوح نامی ایک شخص کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ
یں وارد ہوئے تھے (۹۴) جب انہوں نے اپنے مذموم منصوبے پر عمل شروع کیا تو ایک خوفناک
آندھی چلی اور مدینہ کی فضاء گردوغبار سے اٹ گئی اور پورا شہر نبوی اندھیرے میں ڈوب گیا اس سے
ن حملہ آوروں کے دلوں پر دہشت بیٹھ گئی اور انہوں نے اپنا کام ادھورا چھوڑ دیا یہ تائید ایزدی تھی
جس کی وجہ سے ان کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا لیکن وہ لوگ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر نہیں گئے تھے
س لیے انہوں نے جاتے جاتے حضرت جعفر الصادقؒ کے گھر کا صفایا کر دیا جو کہ حضرت ابوایوب
الانصاریؓ کے گھر سے ملحق تھا اور جو بھی تبرکات ان کے ہاتھ لگے وہ ان کو لیکر چلتے بنے جن میں قلمی
نسخے اور حضرت جعفر صادقؒ کی ذاتی استعمال کی یادگاریں اور چیزیں بھی شامل تھیں

الحمدللہ، مدینہ طیبہ اللہ کے فضل وکرم سے محفوظ رہا حضور پرنور ﷺ کے نور ابدی سے یہ شہر نبی ہمیشہ منور رہا ہے اور منورہ رہے گا۔

﴿وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ ایسا نہیں ہونے دیگا اور اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا بھلے ان کو یہ بات پسند نہ ہو۔﴾ (۹۵)

قدرتی آفات:

تمام مخلوق حادث و فانی ہے اور بقاء اور دوام صرف خالق کل حی وقیوم کو ہے۔ یہی قانون قدرت ہے لہٰذا کائنات کا ہر ذرہ قانون قدرت کا تابع ہے اور اس میں خالق ہی کا حکم چلتا ہے اور فنا اور بقاء کے اس اصول سے عالمین کے کسی جزو کو استثناء نہیں ہے خواہ وہ مکۃ المکرمہ ہو یا مدینۃ المنورہ۔ چنانچہ مدینہ طیبہ بھی باقی قطع ہائے ارضی کی مانند ارضیاتی اور ماحولیاتی مظاہر قدرت کا تابع ہے، یعنی قحط سالی، بارشوں کی کمی بیشی، زلزلے اور رعد و برق و باراں اور دیگر قدرتی آفات وغیرہ۔ مدینہ طیبہ کے اندر اور گردونواح میں کثیر مقدار میں لاوے کے جلے ہوئے سیاہ رنگ کے پتھر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ لکھوکھا سال پہلے تمام ارض حجاز شدید ارضیاتی اضطراب اور انفجار کی گرفت میں تھا جس سے طویل عرصے پر محیط آتش فشانی عمل اور زلازل نے اس ارض مقدس کی عمیق گہرائیوں میں واقع مواد کو نکال کر باہر پھینکا تھا۔

نار حجاز:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دنیوی حیات طیبہ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے بہت سے ایسے حوادث کے متعلق واضح اشارے دے دیئے تھے جن میں سے بعض کا تعلق تو سیاسی مدوجزر سے پیدا ہونے والے فتنوں سے تھا مگر بعض ارضیاتی مظاہر قدرت سے پیدا ہونے والے حوادث کے بارے میں بھی فرما دیا گیا تھا۔ ایسی ہی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تلک ارض حجاز سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جائے جس کی روشنیوں سے بُصریٰ کے لوگ (رات کے اندھیرے میں) اپنے اونٹوں کے گلے نہ دیکھ لیا کریں گے۔] (۹۶) بُصریٰ کا شہر دمشق سے کچھ ہی فاصلے پر ہے اور جس آگ کی صادق

صدق حضور نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ بروز جمعہ مورخہ ۶ جمادی الآخرہ ۶۵۴ ہجری کو مدینہ طیبہ سے [illegible]
ایک آتش فشانی انشقاق وانفجار تھا جس کو پورا ہونے میں اور ٹھنڈا ہونے میں تین ماہ لگے تھے (۹۷) (حرف [illegible]
کے میدانی علاقے میں جبلیوں کا قدیم شہر ہوا کرتا تھا جہاں راہب بحیرہ کا ٹھیک اور وہ درخت آج بھی موجود ہے [illegible]
نبی ﷺ کے بچپن میں ہی صفات نبوت دیکھ کر پکارا اٹھا تھا کہ آپ حضور ﷺ ہی نبی موعود ہیں)

یہ سلسلہ مکی قوت کے زلزلوں سے شروع ہوا جو جمادی الاول ۶۵۴ ہجری میں محسوس [illegible] کے اور فی [illegible] تک جاری رہا
آخر میں زلزلوں کی شدت میں اضافہ ہونے لگ گیا اور مورخہ ۴ جمادی الآخرہ بروز بدھ نصف شب سے بعد [illegible]
کے مارے اپنے گھروں سے باہر بھاگنے لگے وقفے وقفے کے بعد زلزلوں کا سلسلہ جمعہ کے دن (حرف ۶ جمادی [illegible]) تک جاری رہا
ہر روز تقریباً چودہ زلزلے آنے لگے لوگوں میں خوف وہراس پھیل چکا تھا، وہ مسجد نبوی شریف میں [illegible] شریف اور [illegible]
میر مدینہ، قاضی اور کبار افسران مسجد نبوی شریف میں جمع ہو جاتے۔ زلزلے اتنے شدید تھے کہ حضور نبی [illegible] مدینہ میں [illegible]
گویا اس فانوس بری طرح ہل جاتے تھے بہرا کر دینے والے دھماکوں کی آوازیں ہر وقت کانوں میں گونجتی [illegible]
شگاف پڑ گئے تھے اور درخت اور مکانات اکثر ہلتے نظر آتے تھے۔ بالآخر اس جمعے کے دن زلزلے اچانک [illegible] ہونے لگے پہلے دور پہاڑوں میں
جس میل (۹۸) بنی سلیم کے علاقے میں (جو مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں واقع ہے) ایک مدت [illegible] فشاں [illegible]
اور لاوے کا مادہ اس کی چوٹی سے باہر نکلنا شروع ہو چکا تھا۔ پگھلا ہوا لاوا جو اتنے دنوں سے زمین کی [illegible]
آخر کار اپنا رستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان پہاڑوں کی چوٹیوں میں اسے ایک جوالہ مکھی مل گیا جہاں سے [illegible]
پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلوں کے جھٹکے رک گئے۔

[illegible] اور شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور راکھ اور دھوئیں کے دبیز بادل دور دور تک [illegible] پگھلا ہوا [illegible]
موج بنے جو مکھی سے نیچے مختلف ڈھلوانوں سے ہوتا ہوا ندی نالوں کی طرح بہتا ہوا ہر طرف تباہی پھیلاتے [illegible] جب اردگرد کے تباہ
گڑھے اور ڈھلوانیں بھر گئیں تو سمندی طوفان کی طرح اس لاوے نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کر لیا۔ راستہ میں جو چیز بھی آئی فنا ہو گئی [illegible]
[illegible] کی جغرافی میلوں تک پھیل گئی۔ ایک معاصر (ابو شمع) کے مطابق، جن کے بیان کو سید سمہودی نے نقل کیا ہے اس آتشین [illegible]
میل کا یہ جبل حدو یک طرف چھوڑتے ہوئے حرۃ العریض کے پاس آ کر رک گیا۔ جوالا مکھی سے یہ لاوا تقریباً چودہ میل دور تک وادی قناۃ کے
ساتھ ساتھ پھیلا تھا۔ لاوے کی مختلف ندیاں چار میل چوڑے علاقے میں بہہ نکلی تھیں جن کی کم سے کم گہرائی بھی آدھا میٹر تک تھی۔ جبل وعیرہ
تک پہنچ کر یہ سیلاب رک گیا اور لاوے نے منجمد ہونا شروع کر دیا اور اس طرح مدینہ طیبہ اس تباہی سے بالکل محفوظ رہا۔ میلوں تک پھیلا لاوے
کا یہ میل کیلہ جم کر سیاہ اور گہرے نیلے رنگ کے سنگلاخوں میں تبدیل ہو گیا جو آٹھ صدیاں بیت جانے پر آج بھی مدینہ طیبہ کی شمال مشرقی
جانب حرۃ تک پھیلا نظر آتا ہے۔ اگر ہم جبل معقد مطیر کی چوٹی پر جہاں مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا واٹر سپلائی کا نظام نصب ہے اردگرد نظر
ڈالیں تو ہمیں منجمد لاوے اور میگما کے آثار کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ شہر نبوی سے اگر ہم مدینہ طیبہ کی ایئرپورٹ کو جائیں تو حدود حرم سے
[illegible] سڑک کے دونوں جانب حد نگاہ تک اس لاوے اور میگما کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔

اس لاوے کے میل نے وادی شظاۃ کا راستہ جو جبل وعیرہ کو جاتا تھا مسدود کر دیا جس کی وجہ سے وہاں ایک بہت بڑا [illegible] پڑ گیا
جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا جو ایک ڈیم کا کام دیتا تھا جس کو 'سد العقول' کہا جاتا ہے (۹۹) جو مدینہ طیبہ سے تقریباً بائیس کیلومیٹر دور واقع
ہے۔ بطلی کے بیان کے مطابق بارشوں کے موسم میں جب وہ ڈیم بھر جاتا تو فالتو پانی اس سے بہہ کر مدینہ طیبہ کا رخ کرتا اور اس کے گرد و

لاوے کے تالاب قریب آجاتے تو اس کی قوت بھرپور انداز میں طغیانی کا مظاہرہ کرتی اور اس کی طغیانی سے [illegible]
موجزن کرتا تھا

جوالہ مکھی سے نکلنے والے شعلے اس حد تک بلند ہو رہے تھے کہ دور بہت دور بصری کے نخلستانوں میں رہنے والے بدوؤں کے [illegible]
خیموں میں اپنے اونٹوں کو چرتے [illegible] امام نوویؒ کے بیان کے مطابق اہل شام کئی منزلوں تک اس [illegible]
[illegible] (جو اس وقت مدینہ طیبہ کے قاضی [illegible]) نے بیان کیا ہے کہ ان شعلوں کی روشنی جنوب میں مدینۃ المنورہ تک اور [illegible]
تھی اور [illegible] طرف شمال میں تیماء کے [illegible] کے وقت اس روشنی میں لکھائی پڑھائی کا کام کرتے تھے [illegible]
مکرمہ میں تھے نے بالصراحت بیان [illegible] کہ وہ روشنی مکۃ المکرمہ سے بھی پار جنوب تک جاتی تھی ابن کثیر نے بھی ایک [illegible]
استاذ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان [illegible] کی روشنی سے بصریٰ کے صحرائی مضافات میں بسنے والے بدوؤں کی [illegible]
کی گزرگاہیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ (۱۰۰) ان شعلوں کی روپہلی اور بنفسجی شعاؤں نے مدینہ طیبہ کے در و دیوار روشن کر دیے تھے [illegible]
خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر گھنٹوں تک ایک دوسری سے گپیں لگایا کرتی تھیں۔ (۱۰۱) لیکن کبھی کبھار آتش فشاں سے اٹھنے والے
گہرے دھوئیں آسمان پر بادل کی گھٹاؤں کی طرح چھا جاتے جس سے نصف النہار سورج بھی گہنایا سا لگتا تھا۔

یہ آتش فشانی عمل تقریباً تین ماہ تک جاری رہا اور پگھلا ہوا میگما ندیوں کی صورت میں ڈھلوانوں کی طرف بہتا رہا۔ مطری کے بیان کے
مطابق جب ہر طرح کا آتش فشانی عمل اپنے اختتام کو پہنچ گیا تو اس وقت کے امیر مدینہ (عزالدین مفیف بن شیحہ) نے کچھ لوگوں کو تحقیق
مفعول کرنے کے لیے اس علاقے کی طرف ارسال کیا تاکہ اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی اور نقصان کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس گروپ کے
سربراہ شیخ صالح علم الدین سنجر العزی، کا بیان ہے کہ اس وقت اگرچہ لاوے کا بہاؤ رک چکا تھا اور وہ منجمد ہو چکا تھا لیکن اس کی حدت اس
قدر زیادہ تھی کہ قریب جانے کا یارا نہ تھا۔ منجمد لاوا نہایت گرم اور سرخ رنگ کا تھا۔ وہ اگر کوئی پتھر کا ٹکڑا اس میں پھینکتے تو اس لاوے میں گرتے ہی
بھسم ہو جاتا لیکن اگر انہوں نے اس میں کوئی تیر پھینکا تو اس کا لوہے کا بنا ہوا سرا تو فوراً جل گیا مگر اس کی لکڑی سے بنا ہوا تنا ویسے ہی رہا۔ سبحان
اللہ رب ذوالجلال کا ارض حرم پر اتنا کرم کہ پگھلا ہوا لاوا بھی حدود حرم کا تقدس جانتا تھا، لوہے سے بنا حصہ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر سے آیا تھا
تو وہ جل جاتا تھا مگر لکڑی جو حدود حرم میں بکثرت تھی اور تیر بنانے میں استعمال ہوتی تھی، وہ حرم نبوی کے علاقے سے ہونے کے ناطے بچ
جایا کرتی تھی۔ (۱۰۲)

[illegible] میں اس آگ کے ظہور کے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک [illegible] کی [illegible] سے علاوہ [illegible] کی مختلف [illegible]
میں [illegible] آفات [illegible] میں [illegible] شریف میں [illegible] سے [illegible] تک [illegible] سے [illegible] واقعات بھی شامل ہیں ایک مرتبہ [illegible]
غلطی سے مسجد شریف میں آگ لگ گئی تھی [illegible] اس [illegible] کا تعلق تھا ان تمام [illegible] کا تعلق چونکہ مسجد نبوی شریف سے ہے ہم نے
ان کی تمام تفاصیل متعلقہ باب [illegible] مسجد نبوی میں شامل کر دی ہیں

رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں مدینہ طیبہ اور قرب قیامت کی نشانیاں

ہم اس باب کا اختتام حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے کرتے ہیں جس میں آثار قرب قیامت اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی طرف واضح نشان دہی کی گئی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [illegible] (یعنی شام) کی آبادی اور ترقی مدینہ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اور مدینہ کی تباہی ان لوگوں کے بہت بڑے قاتل سے ظاہر ہونے کی نشانی ہے اور اس قاتل سے ظہور کا وقت [illegible] (موجودہ استنبول) کی فتح کا وقت ہوگا اور جب قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہوگا تو دجال ظاہر ہو جائے گا۔ [جناب رسالت مآب ﷺ نے مزید [illegible] [اس مفتاح قاتل اور قسطنطنیہ کی فتح میں اور دجال کے ظہور میں سات ماہ کا عرصہ ہوگا۔] (۱۰۳)

ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق فرمان مصطفیٰ ہے

مجھے قسم ہے رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مدینہ طیبہ میں بہت [illegible] عمارت ہوگا جس کو حالتہ (جس کا لفظی مطلب سرمنڈانا ہوتا ہے) کہا جائے گا میں سے [illegible] یہ مطلب نہ لیا جائے کہ لوگوں سے [illegible] لیے جائیں گے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فتنے سے لوگوں کے دل ایمان سے خالی ہو جائیں گے۔ جب ایسا وقت آجائے تو مدینہ [illegible] نکل جانا خواہ ایک برید تک ہی کیوں نہ ہو (یعنی بارہ کیلومیٹر تک)۔ (۱۰۴)

جب قیامت برپا ہونے میں چند ساعات رہ جائیں گی تو مدینہ طیبہ پورا اجڑ چکا ہوگا سوائے دو چرواہوں کے جو مزینہ کے قبیلے سے ہوں گے اور اپنی بکریوں کو چراتے ہوں گے۔ جب وہ ثنیۃ الوداع کے مقام پر پہنچیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ منہ کے بل گر کر ہلاک ہو جائیں گے۔ (۱۰۵)

حواشی

(۱) یہ حدیث مبارکہ طبرانی کی اوسط سے لی گئی ہے امام احمد نے اسے سائب ابن خلادؓ نے روایت کیا ہے دیکھئے ابن کثیر ابوالفدا الدمشقی (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دارالرشید، حلب، ج ۸، ص ۱۹۶۔

(۲) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۸۲۔ یہی حدیث مبارکہ صحیح مسلم میں بھی تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ موجود ہے جس کے مطابق حضرت اسامہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے ایک اطم پر چڑھے اور ارشاد فرمایا (تم وہ کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی یلغار ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے کہ بارش کی جگہیں ہوں۔) صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدیقی، ج: ۴، نمبر ۶۸۹۱۔ شارح صحیح مسلم، امام نووی، کے مطابق بارش کی تشبیہ سے مراد وہ فتنے تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیا جس میں بہت زیادہ قتل و غارت ہوا جو سیدنا عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے بعد ہوئے جن میں حرہ زہرہ کے علاوہ دوسرے فتن اور مصائب و آلام بھی تھے جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

(۳) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۸۳

(۴) ایضاً، نمبر ۲۳۷

(۵) ابن شبہ (ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳۔۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج ۱، ص ۲۷۴

(۶) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۱۸۰

(۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج: ۴، نمبر ۶۹۷۱

(۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ، ص ۳۴۔

(۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۵۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۲۳۴ نیز صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۶۹۳۵

(۱۱) ابن کثیر، النہایہ فی الفتن والملاحم، قاہرہ، ج: ۱، ص ۲۰۹

(۱۲) ایضاً، ج: ۱، ص ۹۵

(۱۳) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۲۳۹۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ دجال کبھی بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا کیونکہ مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر فرشتے سید بندہ طاہرہ کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔ حدیث مبارکہ نمبر ۲۴۶ کے مطابق: [دجال آئے گا مگر اسے کسی بھی راستے سے مدینہ طیبہ میں دخول سے منع کر دیا جائے گا اور وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں شوریلی زمین پر اپنا پڑاؤ کرے گا۔

(۱۴) صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۶۹۱۴۔ نیز صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۷۸۶

(۱۵) ایضاً

(۱۶) الربذہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۱۰ کیلومیٹر دور طریق حنا کیہ پر واقع ہیں۔ یہ وہی قصبہ تھا جہاں حضرت ابوذر غفاریؓ جلاوطنی میں چلے گئے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال ہوا اور وہیں آپ مدفون بھی ہوئے چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کرام اور اہل بیت طاہرہ کے چشم و چراغ مدفون تھے اور ان کی قبور مطہرہ پر قبے بنے ہوئے تھے۔ وہابی یلغار نے ان سب کو مسمار کر قصبے کو ویران کر دیا ہے۔ صرف چند کھنڈرات کے علاوہ وہاں باقی کچھ نہیں ملتا۔

(۱۷) صحیح بخاری، ج: ۹، ۲۰۹

(۱۸) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ: وحید الزمان)، اسلامی اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج: ۳، باب ۳۹۹، ص ۴۷۷۔

(۱۹) سید سمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جزء ۱، ص ۴۶۔

A Short History of Saracens, McMillan & Co., NY 1955)، ص:۸۷

(۲۰) ایضاً ص ۱۲۴

(۲۱) سید امیر علی، ج ۵، نمبر ۴۸۵ کے مطابق اکثریت نے بیعت کر لی تھی مگر چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی تھی کہ ان

(۲۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۸۵ کے مطابق اکثریت نے بیعت کر لی تھی مگر چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی تھی کہ ان کے خیال میں حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت کرنا چہ معنی دارد۔ ان کا انکار عشق رسول ﷺ کی بدولت تھا۔ یہ کہ سیاسی طور پر وہ ایسی بیعت کے مخالف تھے

(۲۳) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینہ بین ماضی و حاضرہ، ص ۳۱۲

(۲۴) ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۱۸

(۲۵) ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۸۰۷

(۲۶) وہ اہالیان مدینہ کا جانی دشمن تھا۔ بستر مرگ پر بھی اس بدبخت نے کہا تھا [اب مجھے زیست کی تمنا نہیں رہی کلمہ شہادت کے بعد مجھے جو چیز پیاری تھی، وہ میری یہ خواہش تھی کہ جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے میں اہالیان مدینہ کو قتل کروں میری وہ خواہش اب پوری ہو چکی، لہذا اب زندگی کی مزید خواہش نہیں ہے]

اسبد کردار ملعون نے جب اہالیان مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس وقت بھی وہ سخت بیماری کی حالت میں بستر علالت پر بیٹھ کر احکامات جاری کر رہا تھا، پھر شہر نبوی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے مکہ المکرمہ روانہ ہوا اور راستے میں ہی دم توڑ گیا اور اس کی افواج نے [illegible] سے قدید میں یا اس کے قریب کہیں دفن کر دیا تھا۔ ایک مدنی خاتون نے دو دن کے بعد اس کی نعش کو قبر سے اکھاڑ کر آگ لگا دی تھی کیونکہ اس [illegible] نے قتل کیا تھا اور اس خاتون نے اس سے بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی جب اس کی قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ ایک اژدہا اس کے جسم کو ڈس رہا تھا پھر [illegible] طرف سے کھودی گئی تو وہاں بھی وہ اژدہا اپنا کام کر رہا تھا پھر اس خاتون نے اژدہے کو لکڑی سے ڈرا کر دوسری طرف کیا اور اس کی لاش کو باہر نکال [illegible] کے سپرد کر دیا۔ اس ملعون نے مدینہ طیبہ کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور مسجد نبوی شریف کے تقدس کو بری طرح پامال کیا تھا اس نے [illegible] قتال اور بدکرداری کی وجہ سے یہ سزا ملی تھی

(۲۷) محمد السید الوکیل، المدینہ المنورہ (معالم وحضارہ)، دمشق، ص ۲۳۵.

(۲۸) ابن اثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج: ۳، ص: ۲۱۴.

(۲۹) واقدی کے مطابق یہ سب بنو حارثہ کے ایک فرد کا کیا دھرا تھا جس نے مروان کے ساتھ ساز باز کر کے یزید پلید کی فوج کو مدینہ طیبہ کے شمالی جانب کھودی گئی خندق میں سے ایسے خفیہ مقام سے گزارا تھا جہاں کسی کو خبر نہ تھی جس کی حفاظت اس کے ذمے لگائی گئی تھی اس غداری کے عوض تمام بنو حارثہ کو امان دے دی گئی تھی اور اگر کسی نے ان کے اطام میں پناہ لے رکھی تھی تو اسے بھی امان دے دی گئی تھی جس سے ان کی جان و مال محفوظ رہی.

(۳۰) سمہودی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۲۹ تاہم صاحب 'العقد الفرید' کے مطابق، عبداللہ المطیع مکہ مکرمہ فرار ہو گئے تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جب واقعہ حرہ کی آگ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو وہ واپس مدینہ طیبہ آ گئے، لیکن جب امویوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مدینہ طیبہ کا رخ کیا تو انہیں شہید کر دیا گیا اور ان کا کٹا ہوا سر کئی دن تک مدینہ کے ایک چوراہے میں دیگر مقتولین کے سروں کے ساتھ لٹکایا گیا تھا اور پھر ان کا سر دمشق میں عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا گیا تھا. ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص: ۵۳۴. ایسی ہی رپورٹ ابن سعد نے بھی دی ہے، طبقات الکبری، ج ۵، ص: ۱۴۸.

(۳۱) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۵، ص ۲۶۳ اور ۱۹۴. ابن سعد کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتوں فرزندان نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، دیکھئے ج ۵، ص ۲۶۵.

(۳۲) ابن اثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۲۵۰

(۳۳) ابن سعد، مصدر مذکور، ص ۸۷.

(۳۴) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اولاد سے تھے اور ان کا انتقال ۳۴۶ ہجری میں ہوا تھا)، مروج الذہب، دار الکتب

[illegible] ج ۸ ص ۹۳

[illegible] دمشق ۱۹۹۶ء، ص ۲۲۷

[illegible] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حیات بیت

[illegible] ۳۸۲_۳۹۵

[illegible] ۹۰_۹۷

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد آمنا سامنا ہوا تو سیدہ اسماءؓ نے اسے کہا [رسول [illegible] ان کا اشارہ عبید الثقفی کی [illegible] کذاب) اور ایک انتہائی سفاح قاتل پیدا ہوگا کذاب تو ہم [illegible] تھا) اور جہاں تک سفاح [illegible] نبی سیدہ اسماءؓ کے دوسرے فرزند حضرت محمد ابن زبیرؓ نے واصل [illegible] کھڑا ہو گیا مگر ان کو کوئی جواب نہ دے سکا۔] صحیح مسلم، ج ۶۱۷۷

[illegible] ۳۳۰_۳۳۲

[illegible] ۲۰۰ ہجری) تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۱۷

[illegible] ج ۵، ص ۱۳۱ [سمہودی، وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۹۲۵

[illegible] ۲۳۶ امام ابوحنیفہ کے علاوہ حضرت سفیان الثوریؒ، مسعود بن کدامؒ نے بھی ان کی تحریک کی حمایت کی تھی۔ ابوالفرج [illegible] ۳۲۹ ھ تا ۳۳۰ ھ تاریخ بغداد (ج ۳، ص ۳۸۰) کے مطابق "جونہی بغاوت ختم ہوئی، منصور نے حضرت امام مالک بن [illegible] سمجھا کہ انہیں قید کر دیا اور ان کی موت جیل میں ہی ہوئی" امام مالکؒ سے پوچھ گچھ کے بعد [illegible] سمہودی، حوالہ مذکور، ص ۹۲۳۔

[illegible] ۲۲۶

[illegible] تاریخی شمشیر (ذوالفقار) تھی جو ان کی شہادت کے بعد عباسیوں کے ہاتھ لگ گئی اور الرشید تک تاریخی [illegible] سمہودی، حوالہ مذکور، ص ۹۲۳

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۳۰۷ مورخین میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے مقامات تھے جن کو احجار [illegible] حضرت کعب الاحبارؒ کے کہنے کے مطابق حرہ شرقیہ میں تھا جہاں قبیلہ بنو عبدالاشہل آباد تھا۔ [illegible] بہت قتل و غارت ہوگا جو حقیقتاً وہاں واقعہ حرہ زہرہ کے وقوع پذیر ہونے سے پورا ہو گیا جیسا

[illegible] (Saviors of Islamic Spirit)، اکیڈیمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز، لکھنو، انڈیا، دوسرا

(ب) محمد طاہر حنفی لکھنوی، کتاب تاریخ التقویم لمکۃ و بیت اللہ الکریم، پہلا ایڈیشن، ۱۳۸۵، ص ۳۱۳ قرامطی سردار نے ہتھوڑا استعمال کر کے حجر اسود کے ٹکڑے

قلعے کر دیئے تھے اور پھر ان کو اپنے ساتھ لے گیا تھا. بائیس سال بعد اس کے جانشین (سمر ابن احسن القرامطی) نے ان پتھروں کو واپس پہنچایا

نہ ہم سے اللہ کے حکم سے لیکر گئے تھے اور اللہ ہی کے حکم سے واپس چھوڑے جا رہے ہیں

(۷۰) فصیل مدینہ طیبہ کی مکمل تفاصیل باب (۵) میں دیکھیں

(۷۱) عمر بن سید علی احمد نی المفتی السمہودی (ت:۱۱۵۷ ہجری۔ شہرہ آفاق مورخ مدینہ طیبہ کے پڑپوتے تھے) ؛ تفصیل کے لیے دیکھئے (Al-Madina Al-Munawwarah in One Hundred Manuscripts - Analytical Indix) ناشر مرکز البحوث والدراسات مدینہ المنورہ، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۰ھ

(۷۲) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، مواد لتاریخ الوہابیین (لذویگ برکہارٹ کی کتاب کا ترجمہ ہے) ناشر جامعہ ملک سعود ریاض، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۰ء ص ۹۵

(۷۵) ایضاً

(۷۶) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج ۱، صفحات ۴۵۲_۴۵۶

(۷۷) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، صفحات ۳۶۹_۳۷۰

(۷۸) جب یہ قافلہ رکا تو عبداللہ ابن سعود [illegible] ت کے اندھیرے میں فرار ہونے کی ناکام کوشش کی مگر حربی قبیلے نے اس کو پکڑ کر عثمان پاشا کے حوالے کر دیا

(۷۹) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج ۱، صفحات ۴۵۲_۴۵۶

(۸۰) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، مواد لتاریخ الوہابیین، مصدر مذکور، صفحات: ۱۰۹_۱۲۵

(۸۱) یہ جاسوس ہمیشہ سے ہی حرمین الشریفین [illegible] ندزی کرتے رہے ہیں سر رچرڈ برٹن، پادری چارلس فوسٹر اور ہمفر کی یادداشتیں اور ٹی ای لارنس ورسی ٹولے کے گماشتوں کی یادداشتیں جو عثمانی [illegible] ت کے زوال سے پہلے اور بعد میں چھپتی رہی ہیں ان سازشوں اور جاسوسی کے جالوں سے پردہ اٹھاتی ہیں جو مکہ اور مدینہ طیبہ کے مقدس شہروں تک پھیل چکے تھے عام طور پر ایسے تمام جاسوس مسلم نام اور عادات اپنا کر آگھستے تھے جس سے ان کی پہچان مشکل ہوتی تھی.

(۸۲) سٹینلے لین پول نے ان نازیبا الفاظ کو من وعن نقل کیا ہے، مگر بطور مسلم اور نبی اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے ان نازیبا غلاظت کو خالی چھوڑ دی ہے.

(۸۳) سٹینلے لین پول "Stanley Lane Poole, " Saladin and the fall of the Kingdom of Jerusalem، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ص ۱۷۵. اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں کال نمبر (Call No 923.162.LAN) پر موجود ہے.

(۸۴) ایضاً، صفحات: ۱۷۵_۱۷۶

(۸۵) ایضاً، ص: ۱۷۷

(۸۶) The Travels of Ibn Jubayr, translated by Roland Broadhurst, Goodword Books New Delhi, 2001, pp: 52 - 53

(۸۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸_۱۰۵۲ ہجری) فرماتے ہیں کہ ان کے مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران انہوں نے وہ رباط دیکھی تھی جہاں وہ دونوں مجرم رہا کرتے اور جس کے نیچے سے انہوں نے سرنگ لگائی تھی. وہ ایک ویران سی رباط ہوا کرتی تھی. جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۱۲۷.

(۸۸) القرآن (المائدہ_۶۴)

(۸۹) علامہ جمال الدین الاسنوی اور ان کے شاگرد رشید شیخ زین الدین المراغی نے جو اس وقت کے معاصر علماء میں سے تھے اس معاملے میں کافی معلومات مہیا کی ہیں

(۹۰) حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری، کتاب الرؤیا، ناشر دار اللواء، ریاض، ۱۹۹۲ء، صفحات: ۹۹_۱۰۱

(Al-Medina a -Munawwara -A Study of Its Economic

Dar al-Shorooq, Jeddah, 1979 a

(۳)

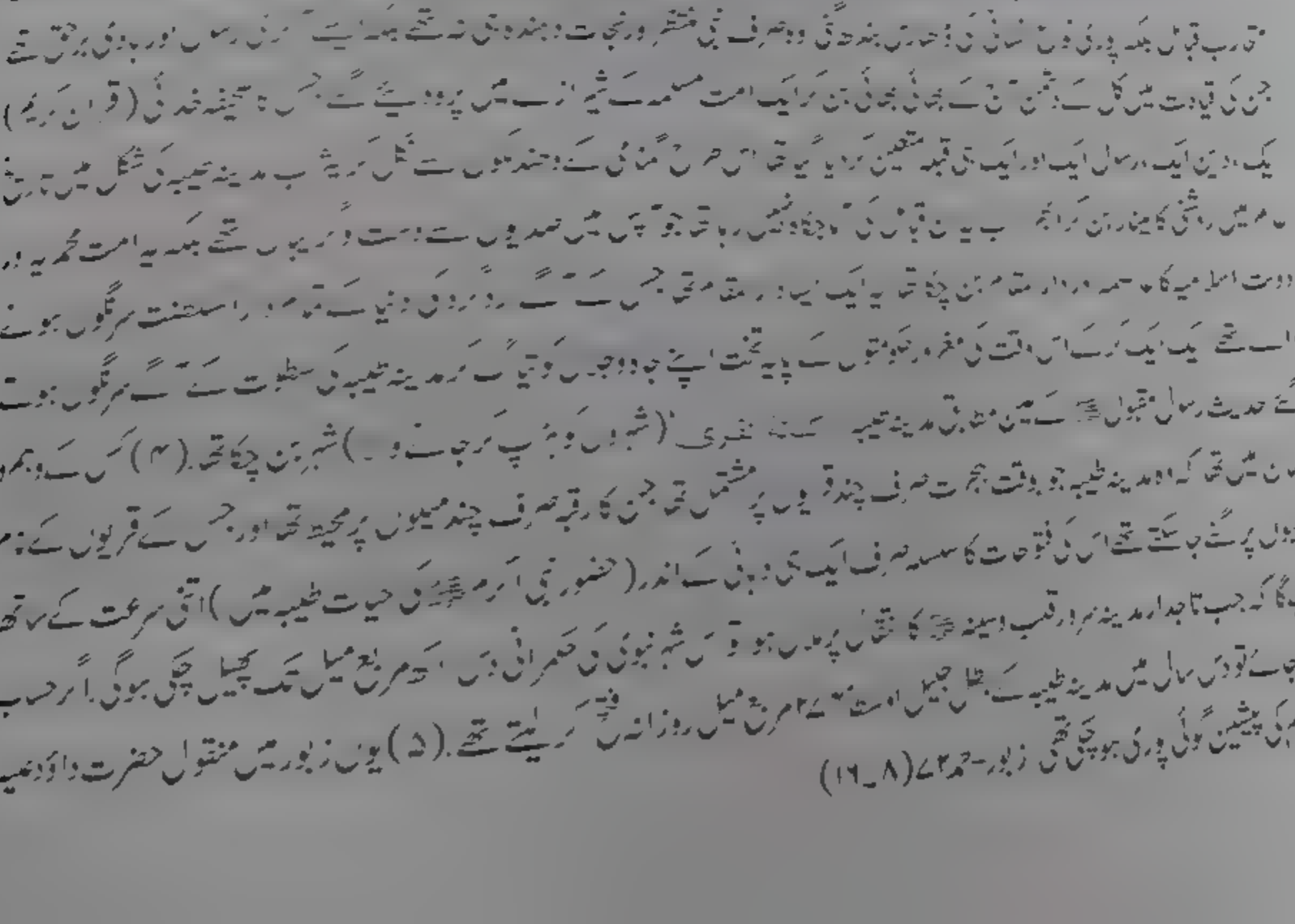

[illegible]

[illegible] آخری حد تک پھیل جائے گی

[illegible] چاٹنے پر مجبور ہو جائیں گے

[illegible] (شان ست) بھی انہیں تحائف بھیجیں گے

[illegible] خدمت بجا لائیں گی

[illegible] آپ اس کی بشارت دی فرمائیں گے

[illegible] فرمائیں گے

[illegible] ان مسلمین کا خون (ان کی زندگیاں) آپ کی نظروں میں

[illegible] خزانے دے دیئے جائیں گے۔ ان پر دائما صلوات وسلام پڑھا جائے گا اور

[illegible] جب تک یہ نظام شمسی قائم رہے گا اس وقت تک لوگ ان پر درود وصلوات بھیجتے رہیں گے تمام اقوام [illegible] ان الفاظ کی توثیق قرآن کریم نے ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ کہہ کر فرمائی ہے)۔

مولای صل و سلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

[illegible] قرآن [illegible] پوری آب وتاب کے ساتھ نافذ کیا جاتا رہا اور رب ذوالجلال نے مدنی زندگی کے [illegible] ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی﴾ کے فرمان کے ساتھ اسلام کو بطور ضابطہ حیات کے [illegible] پر اور تو تمر کی فتیح بے نوا پر فوقیت ختم کر کے عزت و وقار صرف اس کی جھولی میں ڈال [illegible] ریاست کا عملی نمونہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اسلام کا اپنا تشخص اور معاشرہ تشکیل پا چکا تھا جس [illegible] ہوئے تھے کہ جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے عرب قبائل [illegible] (۶) جو نبی مسلمانوں کا پہلا قافلہ حج اپنے نامزد امیر الحج [illegible] کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا اعلان فرما دیا گیا کہ اس سال کے بعد مشرکین حدود حرم میں داخل [illegible] (۷) پھر اس کے بعد تو ان وفود کا تانتا بندھ گیا تاکہ وہ دین سیکھ کر آگے قبائل تک پہنچا سکیں۔ کوئی ان قبائل کو فتح کرنے نہیں نکلا، [illegible] بلکہ رغبت و رضا سے مفتوح ہونے کے لیے وہ وفود مدینہ طیبہ حاضر ہو کر فاتح القلوب محسن انسانیت ﷺ کے [illegible] بیعت کرتے تھے (۸)۔ آئندہ چند صفحات میں ہم مدینہ طیبہ کی سیاسی اہمیت کے بارے میں بیان کریں گے۔

مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرتا ہے

جب مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ورود مسعود ہونے والا تھا تو قبائلی روسا اپنی اپنی تلواریں ہاتھوں میں تھامے پوری طرح مسلح ہو کر [illegible] قدم میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی وفاداری کا دم بھرتے اور حضور والا شان ﷺ سے گزارش کرتے کہ شرف میزبانی ان کو دیا جائے۔ [illegible] قبائل سے وہ اس نجات دہندہ کے لیے چشم براہ تھے۔ آج ارض یثرب کے مقدر کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا اور وہ دار الحرب سے [illegible] بننے جا رہا تھا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ حضور تاجدار مدینہ ﷺ کی ڈاچی [illegible] ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ حضور تاجدار مدینہ ﷺ کی ڈاچی

کی مہربانی کے ساتھ میں ہوا اور وہ آپ حضور ﷺ کو اپنے گھر لے جائے لیکن رسول مقبول ﷺ نہ تو ایک قبیلے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کا مشن کسی ایک قوم تک محدود تھا آپ جناب ﷺ کی بعثت اور رسالت تو تمام عالم اور پوری دنیا کے لیے تھی ایسے میں آپ ﷺ کی ایک قبیلہ یا شعب کے ساتھ کیسے الحاق کر لیتے، لہذا آپ حضور ﷺ نے یہ تمام معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف کر دیا اور جوں جوں قصوی اس کی آگے چلتی جاتی آں حضرت ﷺ ارشاد فرماتے اس کا راستہ چھوڑ دیجئے، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے (یعنی یہ اپنی منزل خوب پہچانتی ہے) حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی گام ہا ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور یوں قصوی بل کھاتی ہوئی ٹیلوں اور [illegible] سے ہوتی اپنی اس منزل کی طرف گامزن تھی جو صرف اور صرف اسے معلوم تھی کبھی دائیں کبھی بائیں اور پھر منزل مقصود کی طرف آگے کو بڑھ جاتی شہر کے مضافات میں ایک کھلی چار دیواری کی پاس جا کر قصوی یکایک رک گئی اسی احاطے میں بعد میں مسجد نبوی اور حضور نبی اکرم ﷺ کا شاندار قدیم گھر تعمیر ہوا مدینہ طیبہ کی تاریخ میں نہ کبھی اتنا بڑا مہمان تشریف لایا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اتنے وقار سے کی کا استقبال کیا تھا شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ اور نور الہدیٰ ﷺ نے پوری تابانی کے ساتھ اس کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل دیا تھا اس دن کے بعد گمنامی کے اندھیروں سے نکل کر تاریخ کی چکا چوند مدینہ طیبہ کا مقدر بن گئی تھی۔

ابتدائی خطرات اور چیلنج

یوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اور اپنا گھر بار چھوڑ کر مہاجرین کا مختصر سا قافلہ حکم الٰہی سے یثرب [illegible] میں آباد ہونے چلے تھے یہ علاقہ اور یہ خطہ تھا جہاں چاروں طرف بے شمار گمبھیر چیلنج سر اٹھائے کھڑے تھے، راستہ پر خطر تھا مگر رہبر حق ساتھ تھا یہ اسی قافلہ سالار کا صدقہ تھا جس پر بیک کہتے ہوئے یہ بے سر و سامان درماندہ دست مگر پر اسرار بندے ذوق خدائی سے سرشار بندگان رضا جوئی کے لیے نکل پڑے تھے سب سے زیادہ چیلنج راہ رو کا شوق کی بجائے تو قافلہ سالار کو درپیش تھے۔ وسائل کا فقدان اور مسائل کے پہاڑ تھے جو کسی بھی انسان کے حوصلے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔ اتنا بار عظیم تو پہلے کسی بھی جلیل القدر پیغمبر کو اٹھانے کے لیے نہیں ملا، نہ نوح علیہ السلام کو، نہ ابراہیم علیہ السلام کو، نہ موسیٰ علیہ السلام کو اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کو انارکی اور افراتفری کو ختم کر کے بنی نوع انسان کو صراط مستقیم پر چلانے کا میثاق پیغمبری صرف صاحب لولاک حضور نبی اکرم ﷺ کے حصے میں آیا تھا ﴿ و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ﴾ یہ کردگار رب ذوالجلال نے اس بار عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ کو اٹھانا پڑ رہا تھا۔ (۹) یوں تو ہر قبیلے کے سردار نے آں حضرت ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی درخواست کی تھی مگر آں حضور ﷺ کی میزبانی اور حمایت کی پیش کشوں کے درپردہ سب کا نقطہ نظر ایک جیسا نہیں تھا۔ یثرب کا ہر قبیلہ جانتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی میزبانی سے اسے کیا کیا سیاسی، معاشرتی اور دیگر فوائد حاصل ہوں گے (۱۰) کسی ایک گروہ کی طرف میلان طبع سیاسی کشمکش میں اضافے کا سبب بن سکتا تھا، لہذا مشیت الٰہی کے مطابق فیصلہ قصوی پر چھوڑ دیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کو ایک ایسی چار دیواری پر لے گئی جو کسی قبیلے کے رئیس کی نہیں بلکہ دو یتیم بچوں کی وراثت تھی جسے بعد میں قیمتاً خریدا گیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں قیام کا فیصلہ بھی بغیر کسی ایک گروہ کی طرفداری کے قرعہ اندازی سے کیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ سیاسی تدبر کی ایک مثال ہے جس نے سب کے دل موہ لیے تھے۔ یوں مہاجر و انصار کے منتشر موتی ایک امت کے شیرازے میں پروئے گئے۔

ہجرت مبارکہ کے فوراً بعد سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ان بے خانماں مہاجرین کا تھا جو اپنا سب کچھ راہ خدا میں نچھاور کر کے غریب الدیار ہو چکے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب ہجرت مبارکہ ہوئی تو مہاجرین کو یثرب کی ہوا راس نہ آئی اور ان میں سے بہت سے نو واردین

مختلف وبائی امراض کا شکار ہوگئے ہیں۔ ... جس نے اپنا گھر یا نہیں آرہا ہوگا۔ حضرت بلال ابن رباح جنہیں شدت بخار میں مکہ کی یاد میں شعار گنگنایا کرتے تھے ... نبی رحمت ﷺ حضور رب ذوالجلال میں یوں دست بدعا ہوئے:

اے اللہ، ہمیں مدینہ اتنا ہی پیارا کر ... جتنا کہ مکہ پیارا ہے، بلکہ اس کو اس سے بھی زیادہ پیارا کر دے اے اللہ اس کی آب و ... ہمارے موافق کر دے اور اس کے توشے سے ہمارے لیے (یعنی صاع اور مد) میں اور اس کے پھل اور غلے میں برکت ڈال دے۔ (۱۱)

جہاں تک اس وقت مدینہ طیبہ کے معاشی حالات کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کافی حد تک اس نے اقتصادی وسائل پر یہود کا قبضہ تھا (۱۲) بادی النظر میں یہ لگ رہا تھا کہ اقتصادی حالات کو قابو میں آتے آتے دیر لگے گی۔ انصار نے بلاشک اپنے تمام تر وسائل حضور پرنور ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے تھے مگر بے خانماں اور بے سروسامان مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کافی گمبھیر بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف یہود جو صدیوں سے نبی آخرالزمان کا انتظار کر رہے تھے اپنے ہی صحیفہ ہائے آسمانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ پر ایمان لانے سے باغی ہو چکے تھے (الا ماشاء اللہ) حضور رسالت مآب ﷺ کی شخصیت معجز نگار کا کمال دیکھئے کہ ان تمام مصعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود تمام بڑے عرب قبائل (اوس و خزرج) اور طاقتور یہودی اقلیت نے آپ حضور ﷺ کو اپنا لیڈر چن لیا تھا اس طرح اللہ کے برگزیدہ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے بلاشرکت غیرے حکمران ہو گئے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق ابھی مسجد نبوی اور حضور نبی کریم ﷺ کے حجرات مبارکہ زیر تعمیر ہی تھے کہ انصار کا کوئی بھی ایسا گھرانہ نہیں تھا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو صرف بنی اوس کے چار گھرانے رہ گئے تھے جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ بنو خطمہ، بنو واقف، بنو وائل اور بنو امیہ (۱۳) انصار نے مہاجرین کو اپنے ساتھ ضم کرنے میں جو جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا کہ چونکہ مہاجرین کی تعداد انصار سے نسبتاً کم تھی اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی کہ کون سا مہاجر کس انصاری کے پاس ٹھہرے گا۔ (صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۱۴۵)۔

ان حالات پر ایک طائرانہ نظر سے ہی یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر طرف مسائل کے پہاڑ نظر آرہے تھے جب کہ وسائل نہ ہونے کے برابر

قابل ترین (Survival of the Fittest) کے اصول پر

ریاست کا ایک طرح کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا تھا

دستور (میثاق مدینہ) ریاست مدینہ میں

ترین تصور کی تمام تر خوبیاں اس میں کما حقہ موجود تھیں

اللہ رب العزت کا عطا کردہ ضابطہ حیات اور اپنا نظام حکومت تھا اور سب سے بڑھ کر یہ

دوسروں پر چھا جانے کی پوری اہلیت رکھتی تھی تیرہ سو سال گزر جانے اور دنیا کے

چاروں چیزیں کسی قوم (Nat on) کا آزاد تشخص قائم کرنے کے لیے ضروری ہیں جب کہ

اسلامی نے اس مملکت کی بنیاد ہی انہی اصولوں پر رکھی تھی

ہجرت مبارکہ کو اگر صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو یہ مشرکین مکہ کے ہاتھوں جور و ستم سے

حاصل کرنا اس کا مقصود تھا، بلکہ اس کا مقصد عظیم تو ایک ایسے قوت کے سرچشمے (Power base) کی بنیاد رکھنا تھا جہاں جہد مسلسل کے ذریعہ

تھی اور سے بھی کہیں زیادہ مخالفت اور معاندت سے نپٹ کر نوع انسانی کے عقائد اور معاشرے کی تشکیل جدید کرنا تھا تاکہ شعوب اقوام میں

منتسم انسانیت ایک بہت بڑی اکائی یعنی ایک امت بن جائے اور صراط مستقیم پر چل کر بنی آدم کے لیے صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ ہونے کا

اعزاز حاصل کر سکے لہذا ہجرت مبارکہ کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ اس کی بدولت دو مواقع میسر آگئے کہ اسلامی ریاست کا عملی نمونہ

'دولت مدینہ' کی صورت میں پیش کیا گیا جہاں اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر انہ کا دین نافذ کر دیا گیا ہجرت مبارکہ میں پوشیدہ اس سیاسی

پہلو کا ایک اور گوشہ بھی ہے جو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو یہ دینی رمز ہے کہ اسلام میں قومیت کا بنیادی اصول جغرافیائی سرحدیں نہیں بلکہ

دینی یگانگت ہے۔ بدقسمتی سے وطنیت اور قومیت کا جدید تصور جو سراسر جغرافیائی سرحدوں کا غلام ہے انتہائی غیر اسلامی ہے جس کی نفی رسول

اللہ ﷺ نے اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو چھوڑ کر اور مدینہ طیبہ میں آباد ہو کر کر دی تھی۔

ہجرت مبارکہ کے وقت یثرب کی سیاسی حالت

مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے وہاں کی آبادی مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹی ہوئی تھی جو اپنے اپنے

نظریات اور مفادات رکھتے تھے جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہتے تھے۔ جنگ بعاث نے عربوں کے دونوں

قبائل کے درمیان دائمی منافرت اور دشمنی کی آگ بھڑکا دی تھی حالانکہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناطے بنو قیلہ کہلایا کرتے تھے؛

[illegible]

[illegible] چونکہ وقتی طور پر ان دونوں قبائل نے یہود کے قبائل سے دوستی کے عہد بھی کیے [illegible] تھا مگر پھر بھی اوس اور خزرج کے لوگ ایک دوسرے کے علاقوں یا گاؤں میں [illegible] ان کا امن کہیں دوبارہ بھنگ نہ کردے اس چپقلش اور باہمی بے اعتمادی کو یہود [illegible] کے ہاتھ میں تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً بین القبائل سرد جنگ کو ہوا دے کر اسے [illegible] یہودی قبائل متحارب گروہوں کے حلیف بن چکے تھے۔ بنو قینقاع الخزرج کے حلیف تھے تو [illegible] ونی چیز نہیں تھی جو یثرب کے امور کو سیاسی استحکام دے سکتی۔ ہر قبیلہ اپنی مرضی کے [illegible] میں کوئی شک نہیں کہ قبائلی نظام کی چند خوبیاں بھی تھیں اور ان کی اقدار و اطوار صدیوں پر [illegible] اپنے متبع کئے ہوئے قانون اور مفادات کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کے قاعدے قانون اور [illegible] کا تعلق ہے، موجودہ معانی میں نظام عدل نام کی کوئی چیز نہیں تھی چونکہ قتل وڈاکہ زنی عام [illegible] جنگ وجدل سے بچنے کے لیے اس برائی کو روکنے کے لیے چند قاعدے قوانین موجود تھے دیت اور [illegible] قبیلے سے متعلق [illegible] صوابدید پر منحصر ہوا کرتا تھا باقی جرائم کی سزائیں بھی قبیلوں کے رسم و رواج کے [illegible] تمام معاملات میں قبیلے سے سزاؤں کا حکم چلتا تھا۔ اس طرح یثرب میں جتنے گاؤں اور قبیلے تھے وہاں اتنے ہی الگ [illegible] چونکہ مرکزی حکومت پر کوئی حکومت معرض وجود میں نہیں آئی تھی اس لیے سیاسی افراتفری اور طوائف الملوکی [illegible]

[illegible]

[illegible] مدینہ طیبہ نے حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے مہاجرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا والہانہ استقبال کیا اور بڑھ چڑھ [illegible] طرح سے مدد کی اور یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلامی تاریخ میں مددگار یعنی انصار کے نام نامی سے جانا جاتا ہے۔ نوع انسانی کی پوری [illegible] اور تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی اور اسی وجہ سے مسلمانان عالم ہمیشہ ان کو بہت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ (۱۴) [illegible] خزرج کے اختلاف مٹائے۔ کل تک جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج باہوں میں

پچپن سے بیس شعب اقبال کی تکمیل ہجرت مدینہ (۱۶)

مدینہ طیبہ کا ایک شہری ریاست (City State) کے طور پر افق عالم پر نمودار ہونا

جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر کیا گیا ہے ہجرت مبارکہ کے فوراً بعد ہی مدینہ طیبہ کے ایک شہری ریاست ہونے کے خدوخال نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے جس کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دن رات ایک کر دیئے۔ وقت ہجرت مدینہ طیبہ میں مسلم صرف ایک اقلیت کی شکل میں تھے جب کہ اکثریت یہود اور مشرکین کی تھی۔ تاسیس ریاست مدینہ طیبہ میں نبی اکرم ﷺ کے

مسجد نبوی ﷺ کے جنوب میں قدیم عمارت

یثرب اور ان لوگوں کے درمیان قرار پایا ہے جنہوں نے

(۸) مدینہ کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہوں گے۔ یہود کو اپنے دین کی آزادی حاصل ہوگی۔

(۹) مدینہ کے یہود اپنے دین کا اتباع کریں گے۔

(۱۰) مدینہ کے یہود میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے محمد (ﷺ) سے منظوری لینے کا پابند ہوگا۔ اور

(۱۱) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۲) مدینہ کے یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات اٹھائیں گے۔

(۱۳) یثرب کی وادی (یعنی اس کا تمام علاقہ) حرم اور مقدس علاقہ تصور ہوگا اور اس میثاق کے دستخط کنندگان اس کے تقدس کا

(۱۴) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۵) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۶) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۷) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۸) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۱۹) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۲۰) مدینہ کے یہود کسی کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں گے تو مدینہ کے یہود بھی مشترکہ دفاع میں حصہ لیں گے۔

(۸) قریش مکہ یا ان کے حلفا، کو کوئی امان نہ دے گا۔

(۹) مکمل وفاداری ہی غداری کے خلاف ڈھال ہوگی۔ جو کوئی غداری کرے گا اس کی سزا بھگتے گا۔ جو بھی اس عہد نامہ کو توڑے گا تو وہ اور اس کے اہل خاندان مستوجب سزا ہوں گے، خواہ وہ مسلم ہو یا یہودی۔

(۱۰) یہ عہد نامہ کسی مجرم اور غلطی کرنے والے کی حمایت نہیں کرتا۔

(۱۱) اگر معاہدہ کنندگان کے درمیان کسی شق پر اختلاف رائے واقع ہو جائے جس سے مشکل پیدا ہو رہی ہو تو معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پیش کیا جائے گا جن کا فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔

(۱۲) بتداس معاہدے کی توثیق کرتا ہے اور اپنے بندوں کی نیکی اور تقوے سے بہت خوش ہے۔ جو اس صحیفے کی شقوں کی پاسداری کرے گا وہ پرہیز گار ہوگا اللہ اور اس کا رسول، محمد (ﷺ)، اس کی حفاظت کریں گے۔

اس صحیفے کی رو سے، جس کو تاریخ میں دستور مدینہ یا میثاق مدینہ کا نام دیا گیا ہے، مسلمانوں اور یہود کے تمام قبائل نے متفقہ طور پر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنا قائد اور قانونی (De Jure) اور حقیقی (De Facto) حکمران تسلیم کیا تھا۔ جس شق میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کوئی بھی فریق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی منظوری کے بغیر کسی جنگ میں نہیں جائے گا اس کی رو سے بلا شک و شبہ یہ امر مسلمہ ہو گیا تھا کہ خارجی امور اور دفاع کے معاملات مکمل طور پر تاجدار مدینہ ﷺ کے دائرہ اختیار میں آ گئے تھے۔ ریاست مدینہ کے مؤسس اور حکمران ہونے کے ناتے مدینہ طیبہ کے دفاع کی پوری ذمہ داری حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ حضور کے پیروکاروں پر آ گئی تھی۔ صحیفہ مدینہ میں اس بات کی گنجائش موجود تھی کہ فریقین کی رضا و رغبت سے اگر یہود کسی جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتے ہیں تو وہ اخراجات حرب و ضرب کے خود متحمل ہوں گے۔ چونکہ تمام دستخط کنندگان کو ایک قوم اور ایک اکائی کا درجہ حاصل تھا اس لیے ریاست سے وفاداری پر بہت زور دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس بات کی صراحت کر دی گئی تھی کہ ریاست سے عدم وفاداری سے مترادف سمجھی جائے گی۔

تمام فریقوں کے متفقہ طور پر یثرب کو حرم قرار دینے سے مدینہ طیبہ میں اندرونی امن و امان اور داخلی استحکام پر زور دیا گیا تھا۔ ایک طرف تو مدینہ طیبہ کا حرم قرار پانا مذہبی طور پر اس کے تقدس کو اجاگر کرتا ہے مگر دوسری طرف یہود کا اس نظریے سے اتفاق کر لینا مسلمانوں کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی۔ مذہبی طور پر تو اس کا تقدس مسلمانوں میں مسلمہ ہے ہی مگر سیاسی طور پر تمام فریقوں کا اس بات پر اتفاق کر لینا اس بات کی ضمانت تھی کہ مدینہ طیبہ ایسا شہر بنے گا جہاں امن و آشتی کا دور دورہ ہوگا اور یہ کہ وہاں یہود و مسلم سب پر اس کے حاکم کا حکم چلے گا۔ معاہدے کی اس شق سے مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ میثاق مدینہ اس بات کی ضمانت بھی فراہم کر رہا تھا کہ یہود کو مکمل داخلی آزادی (Autonomy) حاصل ہوگی اور وہ صرف دفاع اور خارجی امور میں اس دولت مشترکہ (Commonwealth) میں برابر کے شہری ہوں گے۔ یہود کے قبائل کی تمام شاخیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم (composite nation) کے طور پر رہیں گے۔ اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو صحیفہ مدینہ (میثاق مدینہ) نے جدید اصطلاح کے مطابق ایک عظیم تر اتحاد (Grand Alliance) اور ایک دولت مشترکہ (Commonwealth) کو استوار کر دیا تھا جس کی منظوری اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی۔

تاسیس ریاست مدینہ طیبہ کے وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی مگر ان کے عزائم اتنے بلند تھے کہ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتے تھے۔ ان کے سالار اعلیٰ کی معجز نگار شخصیت نے ان بادیہ نشینوں میں بجلی کی وہ کڑک پیدا کر دی تھی کہ وہ کسی بھی قصر سلطانی کے لیے برق

مجوروں کے ایک قدیم باغ کے اردگرد دیوار کا طرز تعمیر

کی راہ میں کسی سے نہیں ڈریں گے (۲۳) اور جب حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ نے ان کو ذہن نشین کروایا کو جو عہد وفا وہ کر رہے ہیں اس
کے مضمرات ہو سکتے ہیں تو آپ نے یک زبان ہو کر کہا [ہم آپ کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسے ہم اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے
ہیں] اور پھر جب ان کو یہ باور کروایا گیا کہ اس عہد کا مطلب پوری دنیا سے جنگ مول لینا ہے تو بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی
انہوں نے صرف ایک خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں کفر اور شرک پر فتح پا لینے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ ان کو تنہا تو نہیں چھوڑ دیں گے ابن اسحاق
کے الفاظ میں انصار نے یک زبان کہا [قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں
گے جس طرح ہم اپنی خواتین کی حفاظت کرتے ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں؛ ہم مردان حرب ہیں اور ہمارے پاس وہ سامان ہے
جو بیٹوں نے اپنے والدوں سے وراثت میں پایا ہے (یعنی ہم نسل در نسل حرب آزمودہ ہیں)۔ جب ابو اثابت کر رہے تھے تو ابو الہیثم بن
تیہان نے ان کی بات کو کاٹ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دوسرے لوگوں (یعنی یہود) کے ساتھ بھی معاہدے ہیں اور اگر ہم ان عہد
سے دستبردار ہو جائیں اور اللہ کریم آپ حضور کو فتح و کامرانی دے دے کیا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ آپ اپنے لوگوں میں واپس لوٹ جائیں اور ہم
سے منہ موڑ لیں اس پر نبی اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور یوں گویا ہوئے [خون خون ہی ہوتا ہے، جس خون کی کوئی قیمت نہ ہو اس کی
کوئی قیمت نہیں ہوتی میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے خلاف نبرد آزما ہوں گا اور جو تم سے امن
کے ساتھ رہے گا میں بھی اس کے ساتھ امن سے رہوں گا] (۲۴) انصار کے عہد و پیمان کے ایک ایک لفظ سے اخلاص و وفا کی خوشبو مہک
رہی تھی اور واقعی جب نبھانے کا وقت آیا تو انہوں نے اس کا حرف بحرف ایفاء کیا۔ یہ اسی تربیت اور رہنمائی کا ثمرہ تھا جس سے اصحاب کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت صرف ایک دہائی میں استقامت و وفاء کی پیکر بن گئی تھی۔ اسوہ حسنہ رسول مقبول ﷺ کو مشعل راہ بنا کر یہ
جماعت صحیح معنوں میں ایک ایسے سانچے میں ڈھل گئی تھی جس کا ہر زاویہ اور ہر سمت قرآن کریم نے ترتیب دی تھی

مدینہ طیبہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے

جونہی اہل مدینہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نوزائیدہ ریاست مدینہ کا قانونی حاکم تسلیم کیا اور دولت اسلامیہ میں داخلی امن و امان قائم
ہو گیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے بیرونی امن اور استقلال قائم کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما دی۔ دراصل میثاق مدینہ کا طے پا جانا بھی
دیگر مقاصد کے علاوہ بیرونی خطرات سے نمٹنے کی طرف پہلا قدم تھا۔ قریش مکہ ہجرت مبارکہ کے بعد مدینہ طیبہ کے جانی دشمن بن چکے تھے۔
پہلے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ اور ان کی صابر جماعت پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا مگر جب دیکھا کہ وہ آپ حضور ﷺ اور آپ کی
جماعت کو ختم کرنے میں ناکام رہے تھے تو انہوں نے تمام تر مخاصمت مدینہ طیبہ پر مرکوز کر دی۔ وہ انہیں کسی بھی قیمت پر وہاں بھی چین سے نہیں
بیٹھنے دینا چاہتے تھے مکہ کے قبائل اپنے سردار ابو سفیان اور ابو جہل کی سرکردگی میں علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں
بیٹھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی جماعت کو مکمل طور پر نیست و نابود نہ کر دیں۔ اس سے پہلے بھی وہ یہی کچھ کر چکے تھے اور
جب مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر جماعت ہجرت حبشہ پر روانہ ہوئی تو کفار نے ان کا وہاں تک پیچھا کیا اور ہر ممکن طریقے سے نجاشی کو ان کی مدد
اور حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی وہ تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر سمندر پار کا علاقہ تھا مگر اب کی بار تو یہ قافلہ غریب الدیار بمع اپنے قافلہ
سالار کے جزیرہ نمائے عرب میں ہی ایک دوسرے شہر میں آباد ہو گیا تھا جہاں ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں اور یہود اور دیگر مشرکین میں ان کی
وفاداریاں بھی تھیں لہٰذا انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان مہاجرین کو مدینہ طیبہ میں پناہ نہ مل سکے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن کعب بن مالکؓ
کی ایک روایت کے مطابق مشرکین مکہ نے ابن ابی کو (جو اپنے سینے میں یثرب کے حکمران بننے کی حسرتیں سمیٹے بیٹھا تھا) ایک خط لکھا تھا جس

ہوئی عورتوں سے پہلے وصول ہوتی تھی [۲۵]

ہونے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت سے [illegible]

کہ تمہیں تو ہمارے مقرر ساتھیوں سے [illegible]

ہیں تمہاری عورتوں کے خطوں سے درمیان حائل [illegible] [۲۶]

نہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں [illegible]

ی کو (جو حضور نبی اکرم ﷺ کے پہلے [illegible]

کیونکہ اہل مکہ نے ان کی مدینہ ہجرت پر [illegible]

جائیداد اور مال و دولت ان کے حوالے کرنا پڑے لی جو اس وقت خاصی قدر و قیمت رکھتی تھی [۲۷]

نہوں نے مسلمانوں کو طواف کعبہ کرنے سے [illegible]

یہ بھیڑ ہو گئی جس میں اس نے اپنے اس [illegible]

ے تو حضرت سعد ابن معاذؓ نے بھی بلا [illegible]

داری اور راستہ فراہم نہیں کریں گے۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے [illegible]

اور بھرپور جنگ کی صورت حال قائم ہو چکی تھی

اسلامی ریاست کے مؤسس اور [illegible] حیثیت سے نبی اکرم ﷺ [illegible]

نہیں تھے اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ ان سے بڑھ کر یہ بات کون جانتا تھا کہ [illegible]

نبی ہذ بغیر چند دن آرام کئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں داخل ہونے [illegible]

کی جارحیت کے خلاف دفاعی نوعیت کے معاہدے بھی کر لیے۔ غزوہ ابواء میں ہونے [illegible]

دفاعی منصوبہ بندی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی اعلیٰ درجے کی سیاسی بصیرت کی عکاسی کرتی ہے وہاں اس سے یہ بھی [illegible]

قدمات نے مکیوں کی چالوں کا مؤثر سد باب بھی کر دیا تھا۔ اس نے ایک طرف تو مدینہ طیبہ سے [illegible]

دوسری طرف مسلمان کفار مکہ کے تجارتی قافلوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں کامیاب ہوئے جو [illegible]

اور انہی علاقوں سے ہو کر جاتے تھے۔ تجارتی قافلے ان کی اقتصاد کی رگ جاں کی حیثیت رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی منصوبہ بندی سے ان کے

تجارتی سفر شدید خطرات سے دوچار ہو گئے۔ اہل مکہ بھی اس سے غافل نہیں تھے اور خطرے کی سنگینی کا اندازہ کر چکے تھے۔ بنا جونہی مسلم

نوجوانوں نے ان تجارتی شاہراہوں پر گشت شروع کی اور چند مقامات پر ان کا آمنا سامنا بھی ہوا تو کفار اپنی تمام تر تجارتی امیدوں پر پانی

پڑتا نظر آنے لگا۔ وہ تو شروع ہی سے نوزائیدہ ریاست مسلمہ کو تباہ کرنے کے لیے اودھار کھائے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کی ان تجارتی شاہراہوں

پر گشت نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا اور ان کے جنگی منصوبوں کو مزید مہمیز لگا دی۔

یہ تھا وہ سیناریو اور پس منظر جس میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو ہتھیار اٹھانے اور جہاد شروع کرنے کا حکم دیا تھا۔ [۲۸]

بقول اقبال

جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
کبھی یہ تیرے پر اسرار بندے
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن

ان پر [illegible] کوئی تنخواہ مقرر ہوئی اور نہ ہی انہیں کوئی دنیاوی لالچ دیا گیا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ صلائے عام دے دی گئی کہ جو بھی راہ حق میں شہادت پائے گا جنت کے انعام و اکرام کا حقدار ٹھہرے گا۔ یہی ترغیب اور پیش کش (Incentive) تھی جو ہر مجاہد کو میدان کارزار کشاں کشاں لے آتی تھی۔ ایک موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔] (۳۱) ہر مسلمان کا جذبہ شہادت دیدنی تھا۔ یہ ترغیب ایسی تھی کہ پیر و جواں تو ایک طرف نابالغ بچے بھی قطار اندر قطار جہاد میں شرکت کے لیے نکل پڑے۔ صرف معدودے چند لوگ تھے جو ابھی مزید وقت اور مہلت مانگ رہے تھے مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ہر مسلمان مرد، عورت، بچہ بچہ اپنے پیارے رسول ﷺ کی ندا پر لبیک کہہ رہا تھا اور اپنی جانوں کا نذرانہ دینے کے لیے بے چین تھا۔ مظلوم ظلم و ستم سے نمٹ چکا تھا۔ مگر اب؟ اب تو ان کی اپنی حکومت تھی اور اپنا نظام تھا اور اپنا الگ وطن تھا جس کا دفاع فرض اولیں بن چکا تھا۔ ہر آزاد ملک کی [illegible] بھی پورا حق تھا کہ وہ دشمن کے تجارتی قوافل کو اپنی حدود سے گزرنے دیتے یا انکار کر دیتے۔ اسی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے مسلح دستے ان راستوں پر گشت کرتے تھے اور جو کارواں بھی ان کی اس آزادی اور حق کو للکارتا اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اس نئی مگر تلخ حقیقت کو تسلیم کر لیتے اور جیو اور جینے دو کی حکمت عملی اپناتے مگر انہوں نے اپنے روایتی تکبر اور نخوت کو ترک نہ کرتے ہوئے اسے اپنی بے عزتی جانا۔ پرانی چشمک اور چپقلش نے ان کی دشمنی کو اور ہوا دے دی اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی بستی کو روند ڈالنے کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے۔

جذبہ شہادت سے سرشار مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج نے جب اپنے سالار اعلیٰ کی کمان میں متحد ہو کر اپنے سے تین گنا بڑی فوج سے ٹکر لینے کی ٹھان لی تو فتح و نصرت ان کی رفیق بنتی رہی تھی اس فتح نے مسلمانوں کے حوصلے اور بلند کر دیے اور جذبہ جہاد کو مزید واضح انداز میں بیان کیا سورۃ انفال ایک عرح کی جنگ بدر پر اترتے ہوئے کی طرف سے تبصرہ (Critique) اور تشریح تھی اس میں مسلمانوں کی چند خامیوں کی نشان دہی کی گئی [illegible] مسلمان اللہ پر کامل ایمان رکھیں گے تو وہی فتح پائیں گے خواہ دشمن تعداد میں ان سے دس گنا ہی کیوں نہ زیادہ ہو جنگ بدر [illegible] ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی ایک آیۃ کریمہ نے آنے والے تمام وقتوں کے لیے مسلمانوں کے [illegible] کر دیا ﴿ اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو باندھو اور اس سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں۔ ﴾ (۳۲)

سینریو خواہ کیسا بھی تھا مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جارحیت میں پہل نہیں کی تمام جنگیں جو مسلمانوں کو [illegible] لڑنی پڑیں مدینہ طیبہ کے قریب یا پھر اس کے گرد و نواح میں لڑی گئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جارح بہت فاصلے سے آتے تھے تمام معرکے مدینہ طیبہ کے قریب یا پھر اس کے گرد و نواح میں لڑی گئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جارح بہت فاصلے سے آتے تھے تمام میدان ہائے کارزار کا فاصلہ مدینہ کی نسبت مکہ المکرمہ سے بہت زیادہ تھا۔ پہلا میدان جنگ مدینہ طیبہ سے ۸۰ میل (۱۲۸ کیلومیٹر) دور تھا جبکہ وہاں سے مکہ مکرمہ تک کی مسافت ۱۶۰ میل (۲۷۰ کیلومیٹر) تھی۔ (۳۳) دوسرا اور تیسرا غزوہ (یعنی غزوہ احد اور غزوہ خندق) تو عین مدینہ طیبہ کے مضافات میں لڑے گئے یعنی دشمن اتنا سفر طے کر مدینہ طیبہ پر جارحیت کے لیے چڑھ دوڑا تھا جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست بار بار اہل مکہ کی طرف سے جارحیت کا شکار ہوئی جو کسی بھی قیمت پر اس کو [illegible] پر تلے ہوئے تھے۔

جارحیت کا آغاز کفار مکہ کی طرف سے ہوا اور پہلے چند غزووں میں مسلمانوں نے دفاعی جنگیں لڑیں اور سب میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا ہر بار دشمن کیل کانٹے سے لیس ہو کر آتا مگر منہ کی کھا کر پسپا ہو جاتا۔ جنگ احد میں ضرور مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر جدید نظریہ جنگ و جدل کی رو سے اسٹریٹیجک توازن پھر بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا کیونکہ کفار میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکیں اور یوں وہ اپنی معمولی برتری کا کوئی بھی ثمرہ نہ اٹھا سکے تھے۔ وہ جس طرح آندھی کی طرح حملہ آور ہوئے تھے اسی طرح پسپا ہو گئے

(۳۶)

مدینہ طیبہ کی ریاست بین الاقوامی افق پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا خواب اور اللہ رب ذوالجلال کا وعدہ پورا ہو چکا تھا (۳۷) اب یہ ایام جاہلیت کا یثرب نہیں رہا تھا بلکہ اب تو یہ مدینۃ النبی اور مدینہ منورہ بن چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق اس وقت کی دونوں عالمی قوتیں ایرانی (ساسانی) اور رومی (بازنطینی) جلد ہی اس کی جھولی میں ٹوٹ کر گرنے والی تھیں۔ مدینہ طیبہ اب صرف چند قبائل کی آبادی نہیں رہا تھا اور نہ ہی اپنی ارض وطن کے

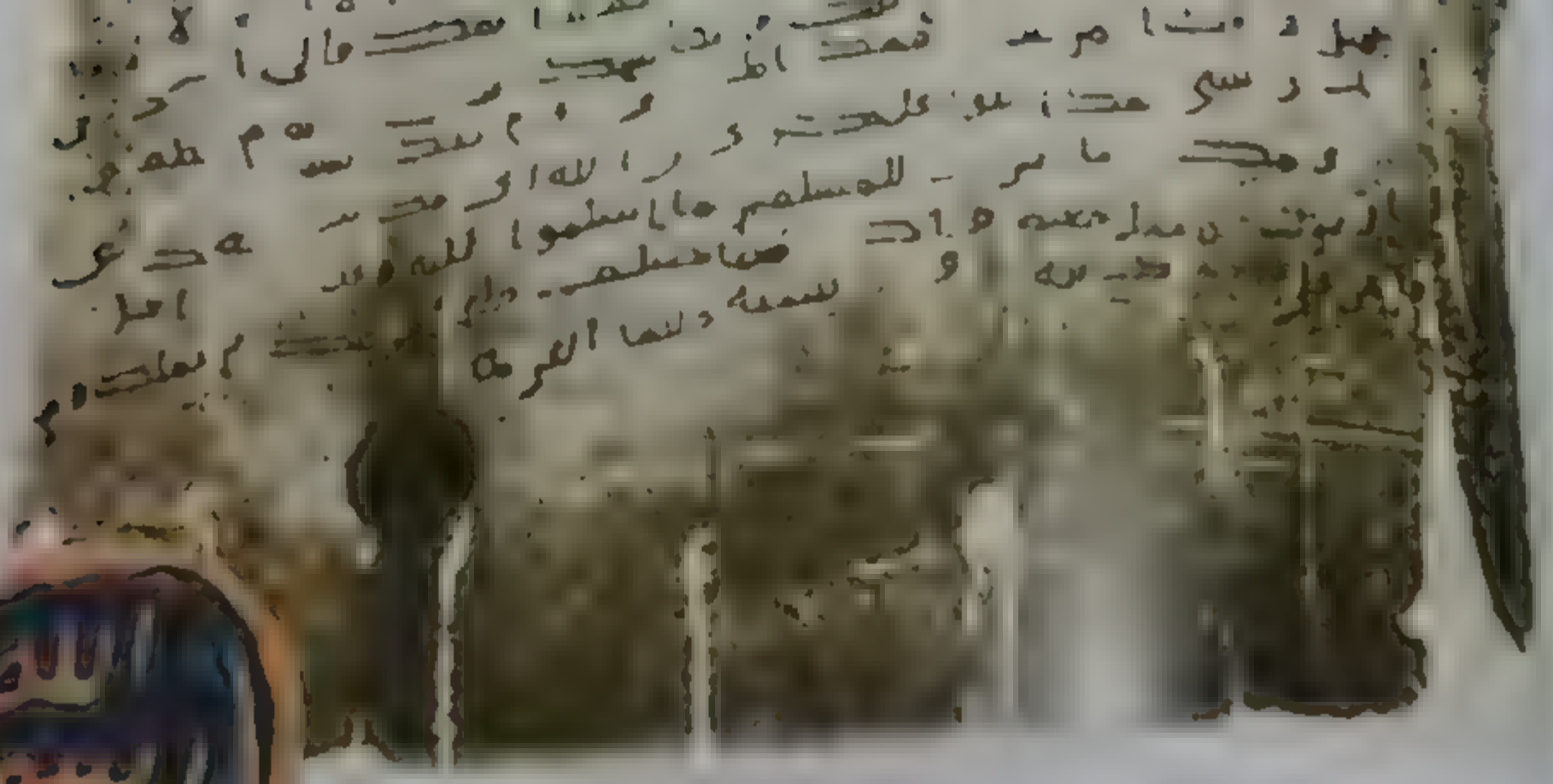

...ی ...ی ...ا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیادوں کی خشت اول رکھ دی تھی اور اس کے لیے
...ی بنیادی ...ا نچہ (infra structure) ...ی ...ع کر دیا تھا یہ مدینہ طیبہ ہی تھا جہاں سے خود حضور رسالت مآب ﷺ
...ی ...ا ...وں کے لیے مسلم فوج ...ی ...ی تھی اور ستائیس سرایا روانہ کئے تھے اور اس کے علاوہ کم و بیش چھیاسٹھ-۶۶ مختلف
...ی ...ت روانہ فرمائی تھیں (۳۸)

مدینہ طیبہ کی شہری ریاست قائم ہوتے ہی منافقین تو اپنی موت آپ ہی مر گئے مگر یہودی جو پیدائشی سازشی تھے اپنی ریشہ دوانیوں کی ...ے مسلسل درپے رہے ہوئے تھے ان کے مختلف قبائل میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں کے مرتکب ہو رہے تھے. بنی نضیر کے یہودیوں ...ے حضور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے اوپر پتھر لڑھکانے کی کوشش بھی کی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جبریل ...ے بروقت آپ حضور ﷺ کو مطلع کر دیا دوسری یہود کو منہ کی کھانی پڑی جس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان ...ہم اجمعین کی معیت میں چھ دن تک ان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور سرنڈر کی شرائط کے تحت ان کو مدینہ بدر ...ا گیا باقی ماندہ یہودیوں میں سے بنی قریظہ نے اہل مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور ان کو غزوہ خندق میں خفیہ اور بھرپور مدد کا وعدہ ...ہ بنی میثاق مدینہ کی کھلی خلاف ورزی تھی، جس کی پاداش میں جونہی جنگ خندق اپنے اختتام کو پہنچی، حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے ...ے کا حکم دے دیا جو ان کے قتل پر منتج ہوا اس سے یہود کی رہی سہی قوت بھی دم توڑ گئی (۳۹) لیکن اس سے بہت پہلے ہی ہجرت مبارکہ ...ے ...ں تحویل قبلہ نے مدینہ طیبہ میں مقیم منافقین اور یہود کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ اسلام وہاں پر ایک واحد قوت (Sole Power) ...ے ...ر چکا تھا جسے اپنی بقاء کے لیے کسی اور کی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں تھی. خیبر فتح ہو جانے کے بعد مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کی ...ب قوت کی شکل میں سامنے آیا تھا جس کی وجہ سے یہ اسلام کا بہت مضبوط قلعہ بن گیا اور جونہی مکہ مکرمہ فتح ہوا مدینہ طیبہ کا حکم تقریباً تمام ...ے پر ...ا اس طرح مدینہ طیبہ عالمی سطح پر اپنے وسیع تر کردار کے لیے تیار ہو چکا تھا. یہ ایک ایسا مرکز بن گیا تھا جہاں سے اس وقت کی عالمی ...ں دعوت نامے ارسال کیے گئے جن کے اوپر نبی اکرم ﷺ کی مہر ثبت ہوا کرتی تھی. ان تمام سربراہان مملکت کو اسلام کی دعوت دی گئی.

(۴۰) اور صرف دو دہائیوں کے اندر اندر برق رفتاری کی ساتھ مدینہ طیبہ کا عمل دخل دور دور تک پھیل گیا۔ شمال میں حلب اور دمشق مسلم خلافت کا جزو بن چکے تھے جبکہ جنوب میں یمن اور حضر موت تک اسلام کا سکہ چلنے لگا تھا اور مشرق میں عراق اور پھر ایران اور مغرب میں مسلم افواج دریائے نیل کو عبور کر گئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلم افواج کے برق رفتار گھوڑے کل تک کے ناقابل تسخیر دارالسلطنتوں کو روندتے ہوئے مشرق و مغرب میں سطوت اسلام کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ (۴۱)

نبی اکرم ﷺ کے قریب ترین حلقے کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے آپ کے آگے زانوئے ادب طے کر کے قرآن کریم کی تخصیصی تعلیمات حاصل کی تھیں اور جنہوں نے بہت سالوں تک قرآنی تعلیمات بلاواسطہ قرآن کریم کے عملی نمونہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں حاصل کی تھیں اب پوری طرح مستعد تھے اور اس اسلامی حکومت کو چلانے کے پوری طرح اہل تھے جس کی سرحدیں اب مشرق و مغرب کے براعظموں کو عبور کر کے دور دور تک پھیل چکی تھیں۔ عسکری سپہ سالاروں، ریاستوں کے امیروں اور گورنروں کی پہلی کھیپ مدینہ یونیورسٹی کے پہلے فارغ التحصیل اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت تھی (مسجد نبوی کے لیے ہم صرف استعارے کے طور پر یونیورسٹی کا لفظ استعمال کر رہے ہیں)۔ چند ایک شخصیتوں کے سوا باقی کے اصحاب یا تو زیادہ تر آزاد کردہ غلام تھے یا 'امی' چرواہے تھے جو مدینہ طیبہ کے نخلستانوں اور مرغزاروں میں گلہ بانی کرتے تھے۔ یہ تو کمال تھا مدینہ طیبہ کی بھٹی کا کہ اس نے مس خام کو کندن بنا دیا تھا۔ (۴۲) مغرور یزدگرد، گستاخ رستم اور شاہی ناز و نعم میں پلے بازنطینی عسکری سپہ سالار جن کو اپنی صدیوں پرانی شجاعت کی روایتوں پر بجا طور پر ناز تھا آج مدینہ طیبہ کے شاہینوں کے سامنے تنکے کی کم مایہ کی طرح ایک سے دوسری جگہ بھاگ بھاگ کر پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے (۴۳) فتوحات اتنی تیزی سے ہوئیں کہ دس سال کے عرصے میں دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ زیر تسلط آ چکا تھا۔ لیکن ان تمام فتوحات میں میرا مام سارے کائنات اور محسن انسانیت ﷺ کی انسان دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حساب کیا جائے تو مسلم شہداء کی تعداد ایک جان ماہانہ سے زیادہ نہ تھی اور دوسری طرف دشمنان اسلام کا جانی نقصان ڈیڑھ صد ماہانہ سے زیادہ نہیں بنتا۔ غزوات النبوی پر تدبر و نظر کرنے والے جب ان اعداد و شمار پر نظر ڈالتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ یہ جہاد برائے امن عالم نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی دس سالہ جہاد پیہم نے مدینہ کو اس وقت عاصمۃ العالم بنا دیا تھا۔ اب کے بعد سیاسی اور دینی قوت کا سرچشمہ مدینہ طیبہ منتقل ہو چکا تھا جہاں سے دنیا پر حکومت ہونی تھی رسول اللہ ﷺ کا سچا خواب پورا ہو چکا تھا (۴۴)۔ بلاشک و شبہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے محبت کرتے تھے اور مدینہ طیبہ آپ حضور ﷺ سے عشق کرتا تھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا انداز حکومت

تاجدار دو عالم سید جن و بشر ﷺ کے انداز حکومت پر صرف ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالنے کے لیے کئی ضخیم جلدیں بھی تحریر کی جائیں تو حق ادا نہ ہوگا چہ جائیکہ کہ مجھ جیسا ہیچ مداں حضور دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ کی سیرۃ مبارکہ کے اس پہلو پر رائے زنی کی جرأت کرے۔ مگر تاریخ مدینۃ النبی کے پس منظر میں سیرۃ طیبہ کے صرف چند ایسے گوشوں پر قلم اٹھائے بغیر مفر نہیں جن سے درحقیقت مدینہ طیبہ کی سیاسی اہمیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ اس لیے ذیل کی اس حقیری کوشش کو اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، حکمران اور رعایا کے حقوق اور فرائض کا تعین کر کے انہیں عامۃ الناس میں مشتہر کر دیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی شہری ریاست کے پہلے حاکم اعلیٰ بنے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق: ﴿اور ہم نے انہیں امام بنایا، ہمارے حکم سے وہ ہدایت دیتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی، اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔﴾ (۴۵)

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پیش رو انبیاء کی طرح حاکم اعلیٰ تھے۔ یہود کے لیے تو آپ حضور ﷺ میثاق مدینہ کے تحت محض سربراہ حکومت تھے جو داخلی امن وامان قائم کرنے اور خارجی اور دفاعی طور پر مدینہ طیبہ کی حفاظت کے ضامن تھے اور بین الیہود معاملات میں ان کو ان کے صحیفہ ہائے سماوی کے مطابق انصاف مہیا کرنے کے پابند تھے (۴۶) لیکن مسلمانوں کے لیے تو آں حضرت ﷺ محض ان کے حاکم اعلیٰ اور سیاسی اعظم ہی نہ تھے بلکہ حضور رسالت مآب ﷺ اللہ کے رسول اور واحد قانون ساز تھے۔ خوشی ہو یا غم، جنگ ہو یا امن، دین ہو یا دنیا، وہ رشد و ہدایت کے لیے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ ریاست مدینہ طیبہ نہ صرف امت اسلامیہ کی سیاسی زندگی کی اساس ہے بلکہ پوری دنیا میں یہ پہلی حکومت تھی جو ایک نظریہ (Ideology) کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی جو شعوب و قبائل اور رنگ و نسل کی حدود سے ماورا آفاقی تصور پر اٹھ گر ہوئی تھی اور جس کے رگ و پے میں قوانین الٰہیہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روح رواں موجزن تھی۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں مدینہ طیبہ میں قیام کے پورے عرصے کے دوران وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہا تھا، اس لیے اس مدت کو اسلام کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسی دور میں دینی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی تحریکات نے تشکیل پائی اور تشریح کے گئے بلکہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کا جیتا جاگتا عملی نمونہ ہادی برحق حضور نبی اکرم ﷺ کی شکل میں مومنوں کے درمیان موجود رہا۔ اسوہ حسنہ اور سنت طاہرہ رسول مقبول ﷺ نے صرف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے افکار کی آبیاری ہی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی نوع انسان کو رشد و ہدایت کا سامان مہیا کر دیا۔ تنزیل قرآن کریم کا سلسلہ چونکہ جاری تھا، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قرآنی رہنمائی نازل ہو جاتی۔ لیکن یہ سلسلہ تو چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات پر منقطع ہو جانے والا تھا اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ حضور ﷺ کے بعد چونکہ وحی کا دروازہ قطعی طور پر بند ہونے والا تھا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسوہ حسنہ (سنت مطہرہ) کے صرف نکات ہی لگائے رکھتے کیونکہ وہ عملی نمونہ ہی بعد میں ان کا رہنما اور رہبر ہونا تھا۔ دوسری طرف نبی اکرم ﷺ بھی وحی الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب اور اصحاب سے مشاورت بھی فرماتے تھے۔ دنیوی معاملات میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے معتمد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے اور بسا اوقات اتفاق رائے سے لیا گیا فیصلہ صادر فرما دیتے۔ قرآن کریم نے اسی طرز حکومت کی تحسین کی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسا کرو، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۴۷) اسوہ حسنہ کا یہی پہلو جو اسی آیہ قرآنی کی مکمل تفسیر تھی بعد میں مکمل شورائی نظام کی اساس بنا۔

حکومت کے انتظام و انصرام کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں سے نقیب (جمع نقباء) مقرر کیے ہوئے تھے جو آپ حضور ﷺ کے لیے مشیروں کی جماعت تھی اور ان پر حضور نبی اکرم ﷺ پورا بھروسا رکھتے تھے اور حالت جنگ و امن میں ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ ایسے نقباء جن کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی (اور زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد چودہ تھی) (۴۸) ایک طرح کی غیر رسمی مجلس مشاورت تھی جسے آج کے دور میں مجلس شوریٰ کہا جا سکتا ہے اور جو آنے والے وقتوں میں (بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں) باقاعدہ طور پر مقرر شدہ مجلس وزراء کی پیشرو اور نظیر بنی۔ تمام نقباء جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوا کرتے تھے جن کا اپنے اپنے قبیلے میں بہت احترام و مقام ہوتا تھا۔ والی (گورنر) اور عمال (حکومتی کارندے) کو حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس منتخب فرماتے جس کے لیے سب سے بڑا معیار آئین اسلام سے غیر متزلزل وفاداری تھا، یعنی احکام خداوندی کی مکمل پابندی اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع کامل اور تقویٰ اور امانت و دیانت داری میں درجہ اتم ہونا (۴۹)۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ امی تھے اس لیے کتابت و املاء کے لیے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مامور تھے جو نہ صرف وحی قرآنی لکھتے بلکہ مکتوبات اور تعہدات (Covenants) بھی تحریر کرتے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔

حجرہ مبارکہ کے بالکل ساتھ ہی مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک اونچا سا مصطبہ تھا جس کو 'الصفہ' کہا جاتا تھا جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت قیام فرما تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیاں حضور نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآنی تعلیمات کے حصول کے لیے وقف کر دی تھیں۔ باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس معاملے میں کسی سے کم نہیں تھے۔ تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دینی اور دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن وقف تھے۔ یہ اللہ کی سپاہ کے عسکری ہر وقت کسی بھی عسکری مہم پر روانہ ہونے کے لیے تیار رہتے تھے اس وقت پورے جزیرہ نمائے عرب میں کہیں بھی مستقل فوج کا رواج نہیں تھا ہر قبیلے کے مرد لڑائی میں استعمال ہونے والے اسلحہ میں خوب تربیت حاصل کرتے تھے۔ صرف اس وقت جب ضرورت پڑتی تو قبیلے کے سرداران کو ساتھ لیتے اور جونہی جنگ کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے تو وہ اپنی معمول کی زندگیوں پر واپس آ جاتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں تو ہر وقت بیرونی جارحیت کا خدشہ تھا اس لیے اس قبائلی ریت و رواج کے برعکس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ تن گوش اپنے آقا کی صلاء وندا کا انتظار کرتے رہتے تھے اور ایک اشارے پر لبیک کہتے ہوئے جدھر حکم ہوتا روانہ ہو جاتے تھے۔ اس ہمہ وقت کی مستعدی کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب و ضرب میں مہارت تامہ حاصل ہو لہذا نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح رائج تھی۔ رہی گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے بہت شوقین تھے۔ پہلوانی اور دیگر جسمانی لیاقت کو جلا دینے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مارشل آرٹس اور فن تیر اندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ (۵۰) ایک حدیث مبارکہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے اذن کے بعد حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جونہی کسی جنگ کے بادل منڈلانے لگتے تو خاص و عام کو ہمہ تن مستعد رہنے کا حکم ہو جاتا تھا۔ پیر و جواں مرد تو ایک طرف نابالغ بچے بھی جذبہ شہادت سے سرشار ساتھ چلنے کا اصرار کرتے تھے، لیکن رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قانون وضع کر دیا تھا کہ نابالغ بچوں اور بوڑھوں کو جنگ میں جانے نہ دیا جائے۔ خواتین کی ایک تعداد بھی جنگ میں بیماروں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ جاتی تھی۔ بعد میں آنے والے وقتوں میں خاص طور پر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہی رہنما اصول ایک باقاعدہ اور مفصل عسکری نظام کا طرہ امتیاز بن گئے تھے۔

جب کبھی بھی میرِ امم حضور نبی اکرم ﷺ کسی غزوہ میں شریک ہوتے آپ حضور ﷺ بنفس نفیس سالار اعلیٰ ہوتے اور جب کسی سریہ کو روانہ کرنے کا موقع آتا تو آں حضرت ﷺ اپنے کسی اصحابی کو میر لشکر مقرر فرماتے۔ جب آپ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہوتے تو تاجدار عرب و عجم حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس رئیس الدولہ ہوتے تھے، مگر جب بھی آپ حضور ﷺ کسی فوجی یا غیر فوجی غرض سے مدینہ طیبہ سے باہر جاتے تو اپنے کسی صحابی کو اپنا نائب اور قائم مقام فرما دیتے تھے، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریضہ کے لیے مضافات مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تب بھی آپ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا تھا۔ امت کے لیے آپ حضور ﷺ کا دائمی حکم (Standing Order) ہے کہ جب بھی سفر پر نکلو تو اپنا ایک امیر چن لو، یہاں تک کہ اگر تین آدمی بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر سفر مقرر کر لیا جائے۔ یہی زریں اصول تھا جس نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں انضباط اور قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم پیدا کر دی تھیں۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہیں ہوگا کہ مسلم افواج کے ۲۵۶ سپہ سالاروں میں سے (جنہوں نے اس وقت کی دنیا کا بہت بڑا حصہ فتح کیا تھا) ۲۱۶ تو اصحابہ کرام تھے اور باقی کے ۴۰ تابعین تھے۔ (۵۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں انتظام و انصرام چلانے کے لیے جو حکومتی ڈھانچہ اختیار کیا گیا، قارئین کی سہولت کے لیے ہم

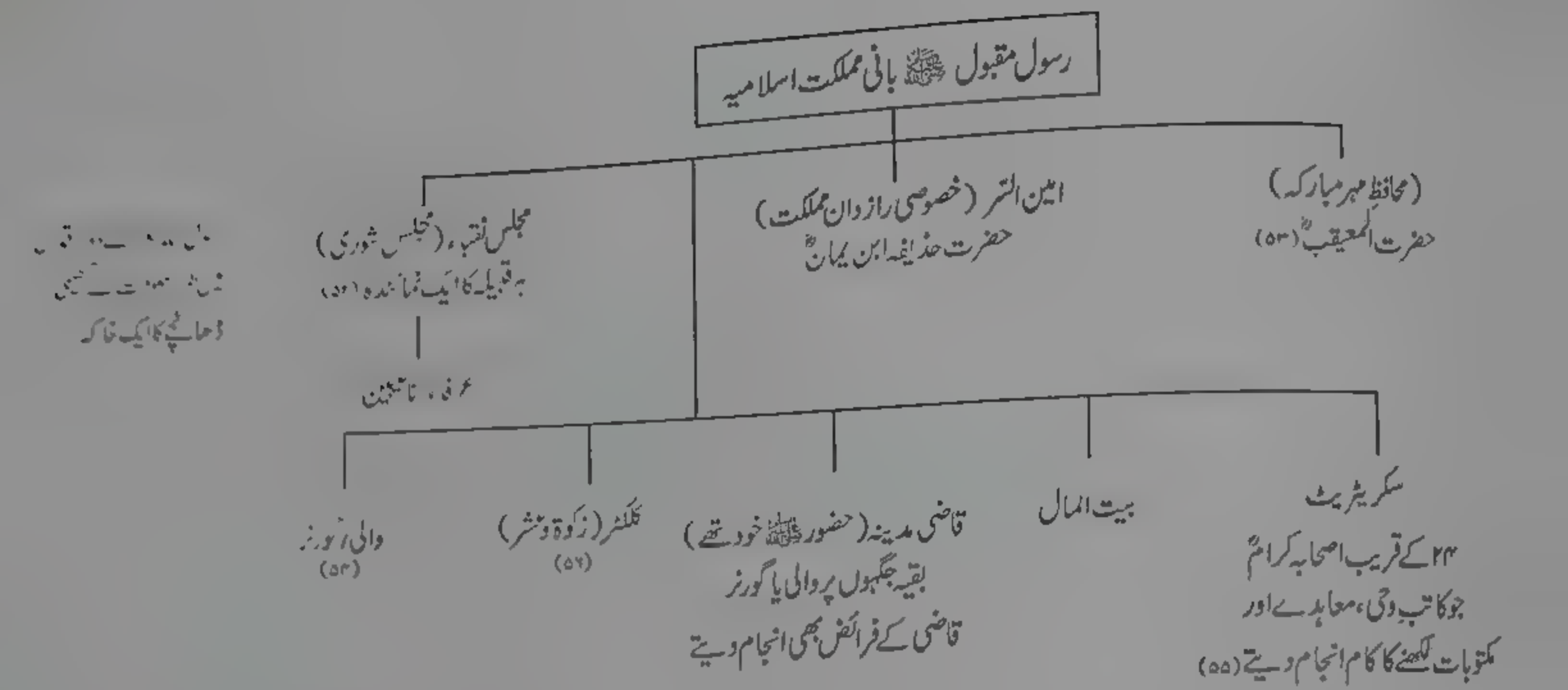

اسے تنظیمی چارٹ کی صورت میں پیش کیا ہے:

مختلف غزوات میں حضور نبی اکرم کی سپہ سالاری میں جن اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ کے سپہ دار ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
حضرت سعد ابن عبادہؓ	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ
حضرت زید ابن حارثہؓ	حضرت مصعب ابن عمیرؓ
حضرت خالد ابن ولیدؓ	حضرت اسید بن حضیرؓ

حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے راہنمائی کا ذریعہ تو صرف وحی الٰہی تھی. اس کے علاوہ کبھی جبریل امین بھی مشورہ دے دیتے تھے. لیکن دنیاوی سطح پر حضور پرنور ﷺ کے مشیر خاص ہونے کا شرف جن اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا ان میں سرفہرست سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے. ان کے علاوہ مختلف مواقع پر کئی دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشورہ بھی لیا گیا مثلاً حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور حضرت سلمان الفارسیؓ وغیرہ. حضرت بلال ابن رباحؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ آپ کے خزانچی تھے. امین السر (صاحبان اسرار) حضرت انس بن مالکؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور آقائے نامدار کی چہیتی لخت جگر سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؓ تھیں. (۵۷) مکتوب نویسوں کی خاصی تعداد تھی جن میں ۲۴ جید اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی آتے ہیں جن کو نہ صرف کاتبین وحی ہونے کا شرف حاصل رہا بلکہ وہ بوقت ضرورت مکتوبات اور معاہدے بھی تحریر فرماتے. ان میں سرفہرست سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں.

مسجد نبوی شریف صرف نماز اور عبادات کے ہی لیے مختص نہیں تھی، بلکہ یہ مؤسس اور رئیس دولۃ الاسلامیہ کا ہیڈ کوارٹر بھی تھی. نماز کے وقت یہ امام اور قافلہ سالار امت مسلمہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے امتیوں کی امامت فرماتے تھے جبکہ بعد میں جب بھی ضرورت ہوتی تو وہیں

امت کے اور حکومتی معاملات بھی نپٹاتے تھے. اکثر اوقات تو تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرش مسجد پر تشریف فرما ہوتے اور شمع رسالت کے پروانے ارد گرد حلقہ زن ہو کر اپنے آقا کے فرمان سماعت کرتے اور کبھی آپ حضور ﷺ مسجد نبوی شریف ہی میں جلسہ عام منعقد کرتے اور کبھی منبر پر تشریف فرما ہو کر اپنے ارشادات سے سب کو نوازتے. جہاں تک دفاعی معاملات کا تعلق ہے، خاص ریاستی امور (Special State Matters) میں صرف معدودے چند صاحب الرائے اصحابہ کبار سے مشورہ فرماتے. حضور نبی اکرم ﷺ عسکری انٹیلی جنس (Military Intelligence) کے جمع کرنے پر بہت زور دیتے اور ابتداء میں جتنے سریہ روانہ کئے گئے ان میں سے بیشتر کا مقصد دشمن کی قوت، حرکات اور جنگی چالوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا. اسلام سے پہلے حاکم و محکوم میں ناقابل بیان فاصلہ ہوا کرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اپنی امت میں گھل مل کر رہتے اور اس طرح وہ تمام فاصلے جیسے ختم ہو کر رہ گئے تھے. حاکم و محکوم میں اتنی ہم آہنگی پیدا کر دی گئی تھی کہ ایک کو دوسرے کے سامنے جواب دہ کر دیا گیا تھا. حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [تم سب ایک دوسرے کے ولی ہو اور اس طرح ایک دوسرے کے لیے مسئول ہو.] (۵۸) اس حدیث مبارکہ کی مزید تشریح ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا [یاد رکھو تم میں سے ہر ایک گلہ بان ہے اور ہر ایک اپنے اپنے گلہ کا ذمہ دار ہے. خلیفہ اپنے عوام پر گلہ بان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی ....] (۵۹)

مدینہ طیبہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں

جب مدینہ طیبہ قوت کا مرکز بن کر ابھر آیا تو پھر صدیوں تک اس کی قوت مسلمہ ہوگئی اس کی سیاسی اہمیت کو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں چار چاند لگ گئے. اس سے پہلے ہی جب حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں یمن حلقہ بگوش اسلام ہوا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پہلا امیر بنا کر بھیجا گیا اور پھر وہاں حضرت معاذ ابن جبلؓ امیر مقرر ہوئے. اسی اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام مفتوحہ صوبوں کے لیے ہر صوبے کے لیے امیر مقرر کئے گئے اور یوں صوبوں کے انتظام و انصرام کے لیے امیری نظام (گورنری نظام) طے ہوا.

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا. ان کو خلیفۃ الرسول کہا جاتا تھا. جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نے آپ کے ہاتھ پر سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کر لی تو آپ نے مسجد نبوی شریف میں مدنیوں کے جم غفیر کے سامنے بطور خلیفہ حلف اٹھایا. اپنے پہلے خطاب میں آپ نے اعلان کیا:

مجھے تم پر اختیار سونپا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں. اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کر دینا. سچائی وفاداری کا نام ہے اور جھوٹ غداری کا مترادف ہے. تم میں سے کمزور میری نظروں میں طاقتور ہے جب تک کہ اللہ کی مدد سے میں اس کو اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے طاقتور میری نظروں میں کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حقدار کا حق نہ دلوا دوں. اگر کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد سے روگردانی کرے تو اللہ اس قوم کو ذلیل و خوار کر دے گا. برائی کسی قوم میں پوری طرح نہیں پھیلتی مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے. جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں میرا اتباع کرنا اور اگر میں ان کا نافرمان ہو جاؤں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے. چلیے نماز قائم کرتے ہیں. اللہ آپ کر رحم کرے.

آپ کی خلافت صرف ۲۷ ماہ تک قائم رہی، مگر یہ قلیل مدت امت اسلامیہ کی تقدیر سنوارنے میں سنگ میل ثابت ہوئی. حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد بہت گھمبیر مسائل نے امت کو آ گھیرا تھا. کچھ قبائل نے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی چند جھوٹے مدعیان نبوت بھی نمودار ہو گئے تھے.

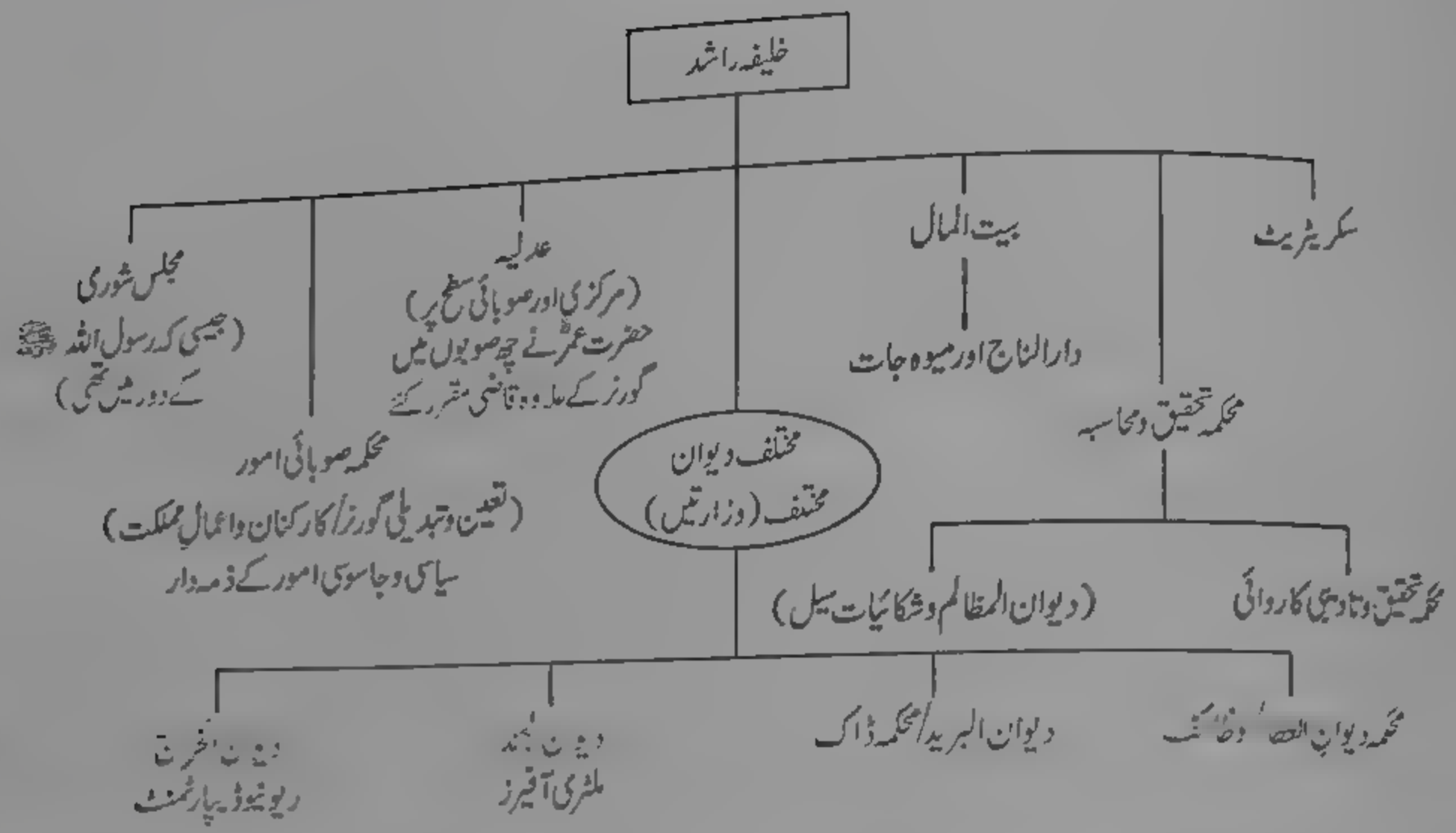

ں پر مستزاد یہ کہ رومی اور ساسانی حکومتوں نے (جو اس وقت کی سپر پاورز تھیں) مدینہ طیبہ کی اس نوزائیدہ ریاست کو میلی آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ منفی قوتیں اسلامی ریاست کو تحلیل کر دیں گی۔ اگرچہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنی عمر کی آخری منازل میں تھے لیکن آپ نے ان تمام چیلنجوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور پہلے مرحلے کے طور پر فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کرنے کا بیڑا اٹھایا اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ پھر شرق وغرب میں فتوحات کا اذن فرمایا۔ حضرت خالد ابن ولیدؓ مسلم فوج کے طاقتور سپہ سالار بن کر ابھرے جن کی قیادت میں لشکر اسلام جدھر روانہ ہوا ہر میدان کارزار سے فاتح وکامران لوٹا (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود دور دور تک پھیل گئیں۔ بلاد الشام اور عراق کے بہت سے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے۔ آپکے عزم واستقلال اور بروقت فیصلوں نے تمام جزیرہ نمائے عرب میں امن قائم کر دیا۔ چونکہ الیمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی میں بہت سے جلیل القدر اور حفاظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہو گئے تھے سیدنا عمر فاروقؓ کے ایماء پر آپ نے قرآن کریم کو کتابی شکل میں مدون کرنے کا حکم صادر فرمایا جو کہ مکمل ہونے پر ام المومنین سیدہ حفصہؓ کی تولیت میں دے دیا گیا۔

اگرچہ ریاست اسلامیہ کی حدود دور دراز تک پھیل گئی تھیں تاہم طرز حکومت حضور نبی اکرم ﷺ کے انداز حکومت کی طرح ہی رہا اور کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی۔ آپ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا۔ یہ ایک ایسی آسامی تھی جو بعد میں آنے والی ہر حکومت کا جزو لاینفک بن گئی۔ آپکا انتقال پر ملال ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو ہوا اور آپ نے خلافت سیدنا عمر فاروقؓ کے سپرد فرمانے کی وصیت کی۔

آپ کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ مورخین آپ کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا سنہری عہد گردانتے ہیں۔ آپ نے امیر المومنین کا خطاب پسند فرمایا۔ تقویٰ وورع میں راسخ، فن شمشیر بازی میں کہنہ مشق، پہلوانی اور خطابت میں اپنا ثانی نہ رکھنے والے، سیدنا عمر فاروقؓ ایک بہترین منتظم اور ایک صاحب بصیرت اور منجھے ہوئے سیاست داں ثابت ہوئے۔ آپ نے مسلم ریاست کے مضبوط انتظامی ڈھانچے (Infra Structure) کی بنیاد رکھی۔ مسلم افواج کے لیے ایک قوی نظام وضع کیا اور مالیاتی نظام (بیت المال) بہت مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا نظام محاسبہ قائم کیا جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ اسلامی دنیا میں سب سے پہلے ڈاک

کا نظام اور بلدیہ کا نظام بھی آپ کے دور خلافت میں جاری ہوا لشکریان اسلام کا باقاعدہ مشاہرہ مقرر کیا گیا. وہ تمام علاقے جو اس وقت اسلامی ریاست کے تحت آ چکے تھے ان میں مردم شماری کروائی گئی. آپ راتوں کو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے اور لوگوں کے مسائل معلوم کرتے اور حل کرتے اور عام آدمی کی طرح سب سے گھل مل کر رہا کرتے تھے. آپ کی شخصیت اور کارہائے نمایاں اور دور خلافت کا مکمل تجزیہ کرنے کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں جس کی ہمارا محدود موضوع اجازت نہیں دیتا صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ آپ کا دور مبارکہ خلافت راشدہ کا بہترین دور تھا جس میں امن و امان اور عدل و انصاف کا ایسا بول بالا تھا جو اس کے بعد امت اسلامیہ کو کبھی نصیب نہیں ہوا. سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی طرح سیدنا عمر فاروقؓ نے بھی مسجد نبوی شریف میں حلف اٹھاتے وقت خطاب فرمایا تھا جس میں سے ایک اقتباس پیش نظر ہے:

''اے لوگو تمہارے مجھ پر کچھ حقوق ہیں جن کا تم ہر وقت تقاضا کر سکتے ہو. ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے جب بھی تم میں سے کوئی میرے پاس کوئی دعوی لیکر آئے تو میرا فرض ہے کہ وہ مطمئن لوٹے. تمہارا ایک حق یہ بھی ہے کہ تم یہ مطالبہ کرو کہ میں محاصل حکومت (بیت المال) میں سے بے انصافی کی ساتھ نہ لوں. تم یہ بھی مطالبہ کر سکتے ہو کہ میں تمہاری حدود کے دفاع کو مضبوط ترین کروں تاکہ یہ غیر محفوظ نہ رہیں تمہارا یہ بھی حق ہے کہ جب تم جہاد کے لیے باہر جاؤ تو میں ایک باپ کی طرح تمہارے اہل خانہ کی نگاہ داشت کروں. اے لوگو اللہ تعالی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو! میری کوتاہیوں سے درگزر کرنا اور میرے کام کی تکمیل میں میری مدد کرنا. نیکی کے نفاذ اور برائی سے منع کرنے میں میری مدد کرنا اور مجھے ان فرائض میں نصیحت کرتے رہنا جو اللہ رب العزت نے مجھ پر واجب کئے ہیں''. (٦١)

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے دور خلافت میں مسلم ریاست کی حدود میں بے پناہ اضافہ ہوا. تمام کا تمام مصر اور بلاد الشام کے باقی ماندہ علاقے اور پورا ایران عساکر اسلام کے آگے گھٹنے ٹیک گیا اور اس طرح سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں مدینہ طیبہ ان تمام نو مفتوحہ علاقوں کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا. ایک شہری ریاست (City State) سے شروع ہونے والا مدینہ طیبہ سطوت و شوکت کی بام عروج پر پہنچ گیا کیونکہ وہ اس وقت کی سب سے بڑی ریاست کا دارالخلافہ بن چکا تھا. حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد مدینہ طیبہ کی شہرت کو اس سے زیادہ کبھی اور چار چاند نہیں لگے.

سیدنا عمر فاروقؓ کا دور خلافت ایک ایسا دور تھا جس میں اسلامی نظام سلطنت کے لیے اداروں کی تشکیل ہوئی جن میں خاص طور پر مالی اداروں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا. اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کا نظام بھی رائج کیا گیا. عساکر اسلام نے کرہ ارض کے بیشتر حصے کو سرنگوں کر لیا تھا اور یہ اسی مضبوط مالی نظام کی بدولت تھا کہ وہ بیشمار دولت جو ان فتوحات سے حاصل ہوئی وہ امت کی بھلائی کے لیے صرف ہوئی. مفتوحہ ریاستوں میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمیوں) پر لاگو جزیہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی اوسطاً سالانہ ٧،٧٢٨،٠٠٠ مصری اشرفیوں (Egyptian Guinneas) سے متجاوز تھی. صرف عراق سے حاصل شدہ خراج کی رقم ٤،٨٠٠،٠٠٠ مصری اشرفیوں کے برابر تھی. ان تمام علاقوں سے حاصل شدہ سالانہ آمدنی کچھ اس طرح تھی:

عراق سے محصولات	٥،٣٢٨،٠٠٠	مصری اشرفیاں
مصر سے محصولات	٨،٠١٦،٦٦٦	,,,,
بلاد الشام سے محصولات	٣٥٠،٠٥٠	,,,,
سالانہ اوسط محصولات کا مجموعہ	١٣،٦٨٤،٧١٦	مصری اشرفیاں

زکوۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی اس سے علاوہ تھی. اتنی زیادہ سالانہ آمدنی کے حساب کتاب کو بطریق احسن رکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا. یہ سہرا سیدنا عمر فاروقؓ کے سر ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسا مالی نظام وضع کیا کہ دنیا ان کی یہ اصلاحات رہتی

دنیا تک یاد رکھے گی. آنے والی نسلوں کے لیے ان کے قائم گئے اصول روشنی کے مینار بن گئے.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ پر سیدنا عمر فاروق ؓ نے اسلامی کیلنڈر کی ابتداء کی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے سال سے شروع کیا گیا اور اسی لیے سن ہجری کہلاتا ہے. (۶۲) معاشرتی اصلاحات میں سب سے زیادہ اہم 'دیوان العطاء' کا اجراء تھا جو ان پاکیزہ نفوس اور شخصیتوں کے لیے تھا جن کو نبی کرم ﷺ کی قربت کا شرف حاصل رہا تھا. (۶۳) ان کے وظیفے مقرر کئے گئے جو بیت المال سے عطا کئے جاتے تھے. اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخصیتیں فکر معاش سے آزاد ہوگئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو درس و تدریس اور دینی اور علمی خدمات انجام دینے کے لیے وقف کر دیا. اس سے ایک طرف تو مدینہ طیبہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا اور دوسری طرف اس دور میں دینی علوم پر اتنا کام ہوا کہ آنے والے وقتوں میں انہی کی بنیاد پر اسلامی فقہ اور حدیث کے علوم استوار ہوئے. قاضی القضاۃ کی باقاعدہ آسامی شروع کی گئی جن کے تحت ہر مفتوحہ صوبے کے قاضی صاحبان مقرر کئے گئے. مدینہ طیبہ کے لیے حضرت زید ابن ثابت ؓ کو قاضی مقرر کیا گیا تھا.

دیئے گئے نقشے سے خبر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت کا تنظیمی ڈھانچہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں انتظامی طریق کار سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوگیا تھا. مسلم ریاست کی حدود کئی براعظموں کو عبور کر گئی تھیں. پہلے تو صرف ان علاقوں سے نپٹنا پڑا تھا جو بدیہی طور پر عرب تھے جن میں کچھ متمدن اور کچھ بادیہ نشین تھے مگر نہ زبان کا فرق تھا اور نہ ہی ان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی اتنی زیادہ مختلف نظر آتی تھی. مگر اب کی بار تو ہر نیا مفتوحہ علاقہ نہ صرف اپنے ساتھ نئے خیالات بلکہ نئے مسائل کا انبار بھی لایا تھا. بیشمار زبانوں سے واسطہ پڑا، ان گنت معاشرتی طور اور طریقے سامنے آئے اور بھانت بھانت کے لوگوں اور ان کے عقائد سے مڈبھیڑ ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیشمار سیاسی نظریات اور طریقہ ہائے حکومت سامنے آئے. سیدنا عمر فاروق ؓ کی قابلیت اور ذہانت کو شائد اس سے زیادہ کڑے امتحان سے کبھی نہ گزرنا پڑا تھا. لیکن اسلام کے اس بطل جلیل کو اللہ رب العزت سبحانہ وتعالی نے وہ عزم اور حوصلہ دیا تھا کہ وہ ان تمام چیلنجوں سے نہ صرف عہدہ برآ اور سرخرو ہوئے بلکہ ایک ایسا نظام حکومت دینے میں کامیاب ہوئے جو کہ ہر آنے والے دور میں قابل رشک رہا ہے. بنیادی طور پر سارا زور قرآن اور سنت کی اتباع پر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ نے انتظامی سٹرکچر میں ایسی دور رس تبدیلیاں اور ایجادیں کیں کہ آنے والے تمام ادوار میں ہر حکومت کو ان کی خوشہ چینی کئے بغیر بن نہ پڑی.

اسلامی طرز حکومت کے تمام تر اداروں کی ترویج اور نشوونما ان رہنما اصولوں پر کی گئی جن کو حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے وضع کیا تھا. پوری دنیا کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اگرچہ امیر المومنین نے دارالخلافہ اور عاصمہ مدینہ طیبہ ہی میں رکھا مگر مدینہ طیبہ کے انتظامی امور نپٹانے کے لیے الگ گورنر مقرر کیا. ایسا کرنے سے مدینہ طیبہ عاصمۃ الاسلام (Metropolis) ہونے کے ساتھ ساتھ باقی صوبوں (امصار) کی طرح ایک الگ صوبہ تصور کیا گیا جس سے اسلامی تصور ریاست اور طرز حکومت نکھر کر ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں. جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ میں پہلی بار نظام حسبہ (میونسپلٹی کا نظام - یا نظام البلدیہ) رائج کیا گیا جس کے تحت مدینہ طیبہ

"حسبکم اللہ"
آیت کریمہ جس پر
سیدنا عثمان غنی
کا خون گرا تھا

درجہ زکے دیگر مدقوں کے تمام شہریوں کے کوائف جمع کیے گئے (۶۴) اور نظام حسبہ کے رئیس کو 'محتسب' کا نام دیا جو ایک طرف تو مدینہ
گورنر کے تحت تھا مگر دوسری طرف وہ امیر المومنین کو بھی بلاواسطہ جواب دہ تھا. حکومتی کارندوں کا مشاہرہ مقرر کیا گیا اور ان کی تنخواہیں
کے مجاہدوں کی تنخواہیں اور الاؤنس مقرر ہوئے. مدینہ طیبہ کے مضافات میں الجرف کے علاقے میں عساکر اسلام کے لیے مستقل
گاہیں (بیرکیں) تعمیر کی گئیں.

چونکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں جو انتظامی لحاظ سے کئی صوبوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ اس لیے سیدنا فاروق
نے ایک نیا سیاسی نظام وضع کیا جس سے یہ وسیع و عریض مملکت ایک ہی اکائی نظر آتی تھی. مملکت کو کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جن
میں سے ہر ایک صوبہ جسے گورنر (والی) ہوا کرتا تھا جس کی تقرری مرکز سے مدینہ طیبہ سے ہوا کرتی تھی. جب بھی کسی نئے امیر کو مقرر کرنا ہوتا تو اس کا
کا حکمنامہ امیر المومنین کے دستخطوں اور مہر سے جاری ہوتا تھا اور اس کے مندرجات کی تصدیق انصار اور مہاجرین کے سربرآوردہ
علیہم اجمعین فرماتے اور پھر اسے مسجد نبوی میں سب کے سامنے پڑھا جاتا اور والی پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اپنی منزل پر روانہ ہونے سے پہلے یہ
تمام احکامات اور دوست لوگوں کے سامنے ظاہر کرے۔ اس طرح محاسبہ کا نظام نافذ کیا جاتا تھا. (۶۵) اپنی شہادت سے چند دن پہلے ایک خطبے
کے خطبے میں سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا [اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے ان تمام والیوں کو ان کے صوبوں میں بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے دین
میں عدل و انصاف کر سکیں. ان کو دین کی تعلیم دیں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت طاہرہ سکھائیں اور ان میں جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم
کریں اور وہ معاملات مجھ کو فیصلہ کے لیے بھیجیں جو ان کے لیے حل کرنا مشکل ہوں....](۶۶) اس روایت سے بالکل واضح طور پر ثابت ہوتا
ہے کہ تمام والیان اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار تھے اور صرف ان معاملات کو مرکز میں ارسال کرتے تھے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اور جن
صوبائی اہمیت کے حامل ہوتے والی کو خاص طور پر یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان نہ بنائے گا بلکہ وہ اپنے مذہب
اپنائے اور اپنی زبان اور روایات کو برقرار رکھنے کے لیے پوری طرح آزاد تھی. لہذا جدید سیاسیات کی اصطلاح میں صوبے خود مختار
(Autonomous) ہوا کرتے تھے جن پر حکمرانی کے لیے صرف مرکز سے ایک امیر (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا جس کی مدد کے لیے متعدد
چند عمال (کارندے) مدینہ طیبہ سے آیا کرتے تھے.

امیر المومنین کی حیثیت میں رئیس الحکومت مسلم افواج کا سربراہ بھی ہوا کرتا تھا. لہذا افواج کی مرکزی کمان مدینہ طیبہ میں ہی رہتی تھی
جہاں الجرف کے مقام پر خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں ان کے لیے مستقل بیرکیں تعمیر دی گئی تھیں. اسی طرح کی فوجی چھاؤنیاں صوبوں
کے صدر مقاموں پر بھی بنائی گئی تھیں جو کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص اور رملہ میں تھیں. جب ایران اور بازنطینی روم کے بہت سے
حصے فتح ہوئے اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ مسلم افواج کی کل تعداد دس لاکھ (ایک بلین) سے متجاوز تھی جس کا ہر مجاہد پوری طرح مسلح تھا
مرکزی قیادت مگر غیر مرکزی کنٹرول (Centralized Command with Decentralized Control) کا نظام رائج کیا گیا تھا یہ نظام
قیادت مدینہ طیبہ سے براہ راست نافذ العمل تھا اگرچہ اس وقت مسلم مملکت کی حدود مصر کے انتہائی مغربی بارڈر سے لیکر ایران کے دور دراز
مشرقی کونوں تک پھیلی ہوئی تھی اور مواصلات اتنی سست رفتار تھی کہ اگر محاذ جنگ عراق میں ہوتا تو مدینہ طیبہ خبر پہنچنے میں ستر دن لگ جاتے
تھے. تیز ترین ذریعہ مواصلات صرف عربی گھوڑے یا عربی ریل (یعنی اونٹ) ہوا کرتے تھے. لیکن ان تمام صعوبتوں کے باوجود متانی کمانڈر
اپنے سالار اعلیٰ یعنی امیر المومنین سے ہمیشہ رابطہ رکھتے تھے. صوبائی چھاؤنیوں سے خط و کتابت معتمد نامہ بروں کے ذریعے کی جاتی جو مدینہ
طیبہ کے لیے ہر وقت رخت سفر باندھے رکھتے تھے.

سول انتظامیہ کے طور پر ہر صوبے کا سربراہ 'والی' ہوتا تھا جو خلیفہ یعنی امیر المومنین کو جواب دہ ہوتا تھا. سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت

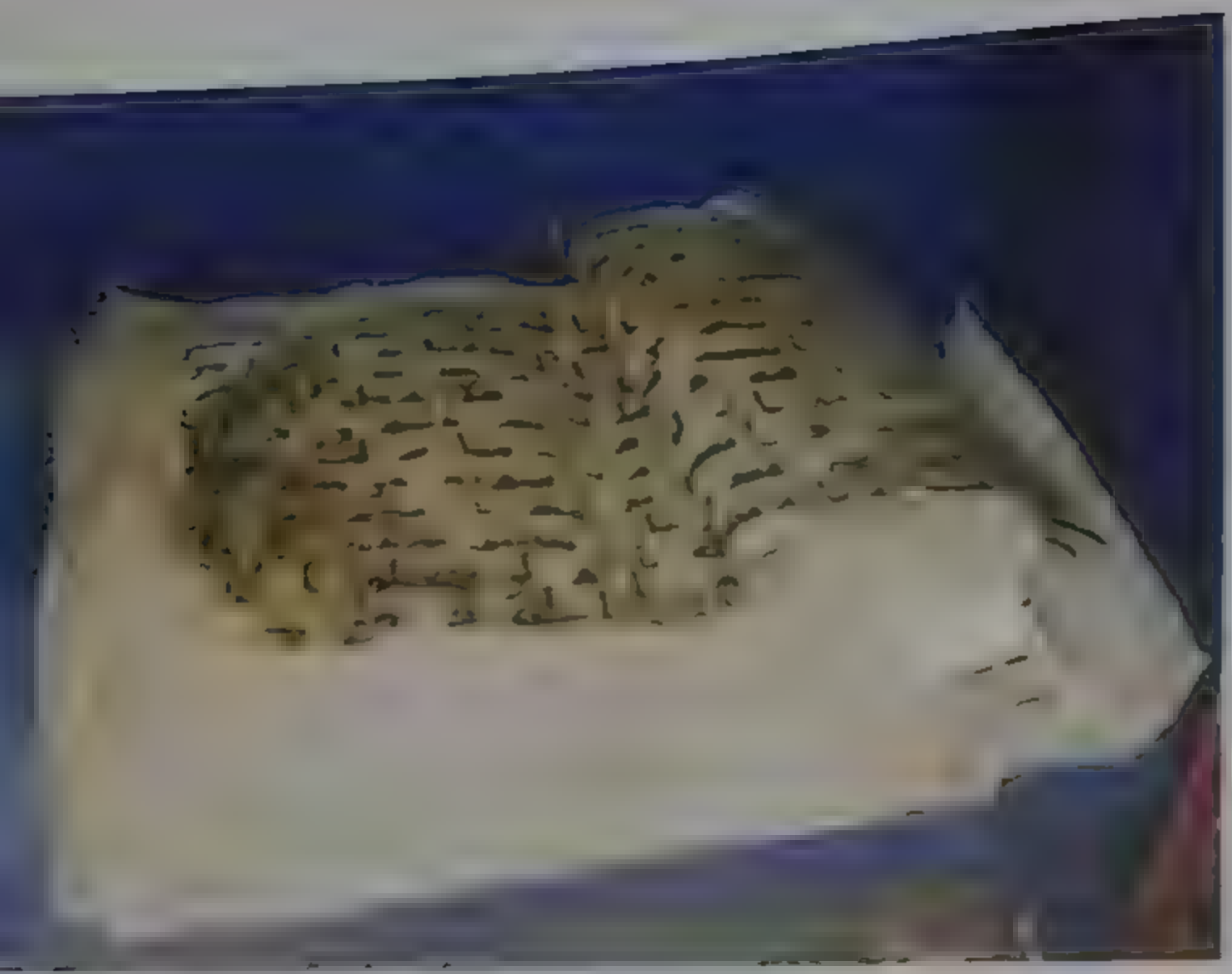

ہی ہمیشہ یہ معمول رہا کہ تمام والی ممالک کے
حج (گورنرز کانفرنس) میں شرکت کے لیے آتے جو بھی
مقدمہ میں منعقد ہوتی اور کبھی مدینہ منورہ میں کسی بھی
کے خلاف موصولہ شکایت کی پوری طرح چھان بین
ہوتی اور اگر صحیح پائی جاتی تو شکایت کنندہ کی فوری حاجت
روائی کی جاتی تھی اس طرح سیدنا محمد فاروق کے دور
حکومت میں محاسبے کا یہ نظام جاری کیا گیا جس کو آج کل
کی اصطلاح میں اوپر سے نیچے کی طرف کمان اور نیچے سے
اوپر تک محاسبے کے نظام کا نام دیا گیا ہے "Top-Down
Command and "Bottom-Up" Accountability"
(۲۷) جو ایک ایسے عقیدے اور قانونی نظام پر مبنی تھا جس
میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں تھی کیونکہ اس کا
ماخذ قرآن کریم کے احکام اور سیدنا و مولانا حضرت محمد
مصطفیٰ ﷺ کی سنت مبارکہ تھی۔

ان کا دور خلافت صرف دس سال تک رہا اور ۲۹ ذوالحجہ ۲۳ ہجری کو جب آپ مسجد نبوی شریف میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو انہیں
زخمی کر دیا گیا اور یوں سیدنا عمر کے بقول جنہیں نے مدینہ منورہ میں شہادت پائی اور یکم محرم ۲۴ ہجری کو آپ کو آقائے دو جہاں حضور
نبی کریم ﷺ کے پہلو میں حجرہ مبارکہ میں دفن کر دیا گیا۔ وصال سے پہلے آپ نے چھ معتمد صحابہ کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جو آپ کی
نظروں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اور امیر المومنین کے منصب جلیلہ کے لیے موزوں تھے اور ہدایت فرمائی کہ ان میں سے کسی ایک کو
امیر المومنین چن لیا جائے۔ (۲۸)

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق [حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد مذکورہ کمیٹی نے اپنا اجلاس منعقد کیا
عبدالرحمن ابن عوفؓ نے کہا: امیدواروں کی تعداد کم کر کے تین کر دی جائے۔ اس پر حضرت زبیر بن عوامؓ نے کہا میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ حضرت طلحہؓ نے کہا: میں حضرت عثمانؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اور سعد (ابن ابی وقاصؓ) نے کہا
میں عبدالرحمن ابن عوفؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ پھر عبدالرحمن ابن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا آپ
میں سے کون بطور امیدوار اللہ اور اسلام کی خاطر دوسرے کے حق میں بیٹھنا چاہے گا تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کریں اس پر
دونوں جلیل القدر ہستیاں خاموش ہو گئیں۔ اس پر عبدالرحمن ابن عوفؓ نے کہا کیا آپ دونوں یہ معاملہ مجھ پر چھوڑنا پسند کریں گے اور میں اللہ کو
گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں دونوں میں سے بہتر کے علاوہ کسی کو نہ چنوں گا۔ جس پر دونوں راضی ہو گئے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا
ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا اے علی آپ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آپ سب سے اولین مسلمانوں میں سے ہیں
کیا آپ وعدہ کریں گے کہ اگر میں آپ کو چن لوں تو آپ انصاف کریں گے اور اگر میں عثمانؓ کو چنوں تو آپ ان کی سنیں گے اور ان کی
اطاعت کریں گے؟ پھر انہوں نے دوسرے (یعنی حضرت عثمانؓ) کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور وہی کلمات دہرائے جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے

دونوں کی رضامندی حاصل کرلی تو انہوں نے کہا اے عثمانؓ اپنا ہاتھ بلند کریں اور انہوں نے خود (یعنی حضرت عبدالرحمنؓ نے) سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی اور پھر یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے تمام لوگوں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔](۶۹) اس طرح سیدنا عثمانؓ کا بطور امیر المومنین انتخاب عمل میں آیا۔

سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں عدل وانصاف، نرم دلانہ اور مشفقانہ طرز عمل اور جہاد فی سبیل اللہ پہلے ادوار کی طرح جاری وساری رہا اسلامی مملکت کی سرحدیں مغرب میں مراکش تک اور مشرق میں افغانستان اور شمال میں ارمینیا اور آزربائیجان تک پھیل گئیں ایران کا بچا کھچا حصہ بھی اسلام کے زیر نگوں ہوگیا سیدنا عثمانؓ کے دور مبارکہ میں مسلم بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ دولت عطا کی تھی اور آپ نے دل کھول کر اپنی دولت کو مسلم امت کی بھلائی کے لیے صرف کیا۔ آپ نے اپنی دولت کو نہ صرف رفاہی کاموں پر خرچ کیا بلکہ جب بھی ضرورت پڑی تو مسلم افواج کو اس سے مسلح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کے دور میں مدینہ طیبہ میں عوامی رفاہی منصوبوں پر عمل ہوا خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باسی جب موسم برسات میں بارانی نالوں میں طغیانی کی وجہ سے پریشان ہوتے تھے تو ان کے بچاؤ کے لیے آپ نے وادی مہزور پر بند باندھنے کے احکامات جاری کیے تاکہ طوفانی پانی مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوسکے۔ (۷۰) یہ بھی آپ کا کارنامہ تھا کہ آپ نے قرآن کریم کے نسخے بنوا کر مختلف صوبوں کے صدر دفتروں میں بھجوائے جن میں سے ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں بھی رکھا گیا تھا۔ آپ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی اور اس میں پہلی مرتبہ جدید طرز تعمیر کے لیے پتھر اور دیگر مواد استعمال کیا۔

دیگر قابل قدر کارناموں کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا شاہکار قرآن مجید در فرقان حمید کے ایک مصحف کی شکل میں نسخے تیار کروا کر صوبوں کے دارالحکومتوں پر ارسال کرنا ہے۔ پہلی بار اس کی تدوین اور تجمیع تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور مبارک ہی میں ہوچکی تھی مگر نسخہ صرف ایک تھا جو کہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا۔ پچھلے صفحہ پر دی گئی تصویر مصحف عثمانی کی ہے جو کہ تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

آپ کے پہلے چھ سال تو آرام سے گزر گئے مگر باقی کے چھ سال فتنوں اور سول خلفشار کا شکار رہے۔ جہاں ایک ایک کر کے غیر مسلم قوتیں اسلامی افواج کے آگے سرنگوں ہو رہی تھیں وہاں انہوں نے اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے سازشوں کے تانے بانے بننے شروع کردیے تھے ایرانی اور رومی اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے پیچھے بھی سازش ہی کارفرما تھی مگر چونکہ ان کا قاتل بھی وہیں ڈھیر ہوگیا تھا اس لیے اس دہشت گردی کی سازش تشنۂ تفتیش ہی رہی۔ (۷۱) شہادت عمر فاروقؓ سے بھی فتوحات کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اب کی بار سازشیوں نے پینترا بدلا اور سیدنا عثمانؓ کے خلاف مزید گہری سازش کی۔ پہلے آپ کے گورنروں کے خلاف محاذ کھول گیا اور پھر اس محاذ کا رخ امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ کی طرف کردیا گیا۔ سازش کا گڑھ مصر تھا جہاں سے وہ فتنہ پرداز عبداللہ ابن سبا کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ وارد ہو کر ان کے خلاف پروپیگنڈے میں مشغول ہوگئے۔ ابن سبا ایک سابق یہودی تھا لیکن ظاہری طور پر مسلمان ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے حلقوں میں اس کو پذیرائی حاصل ہوگئی تھی اور اس طرح چند سادہ لوح مدنی اس کے دام فریب میں آگئے تھے۔ اس نے ہر طرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف زہر گھولنا شروع کردیا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد گئے گئے، کنبہ پروری اور امور مملکت میں نااہلی اور بدعتوں کی ترویج وغیرہ۔ اس طرح جب ان کے خلاف فضا مکدر ہوگئی تو مصر سے بلوائیوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ان کے ساتھ مدینہ طیبہ سے بھی کافی منحرفین مل گئے جن میں خاص طور پر بنو تمیم کا قبیلہ شامل ہے (۷۲) ان شرپسندوں نے امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ کرلیا جو انچاس دن تک جاری رہا شورش بڑھتی گئی۔ بلوائی آپ کے غیر مشروط استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ محاصرے کے دوران آپ پر پانی تک بند کردیا گیا۔ وہ محسن اسلام جو اپنی جیب سے کنویں خرید خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیتا تھا اس وقت ایک بوند پانی کو بھی ترس گیا تھا۔ آخر کار ۱۷ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو ان بدبختوں نے سیدنا عثمانؓ کو اس وقت شہید کردیا جب کہ آپ روزے کی حالت

میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے. اگرچہ آپ کے بہت سے بہی خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دمشق سے فوج طلب کر لی جائے مگر انہوں نے کسی صورت میں بھی مسلمانوں کا خون بہانے سے انکار کر دیا. آپ کو حرم مدنی کا تقدس اتنا عزیز تھا کہ انہوں نے یہ کہہ کر اس مشورے کو رد کر دیا کہ وہ اپنی ذات کے لیے سرزمین حرم میں خون خرابہ نہیں چاہتے اور ان بلوائیوں سے گفت و شنید کے ذریعے معاملات طے کرنا چاہتے ہیں. ان کی شہادت کے ساتھ مدینہ طیبہ کے سنہری دور کا اختتام ہو گیا جس میں ہر طرف امن و آشتی کا دور دورہ تھا. بلوائیوں نے ایک طرح کا مدینہ طیبہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا.

سیدنا عثمانؓ کی اندوہناک شہادت نے امت مسلمہ کو سنگین سیاسی بحران سے دوچار کر دیا تھا. دارالخلافہ بلوائیوں کی قبضے میں تھا. یہود اور دیگر غیر مسلم قوتوں کی سازش کامیاب ہو چکی تھی. اصحابہ کبار حج کے سلسلے میں ابھی تک مکۃ المکرمہ میں تھے اور ہر طرف شر پسند دندناتے پھر رہے تھے. تین دن تک مدینہ طیبہ میں افراتفری کا عفریت حکمران رہا. بلوائیوں کے ساتھ چونکہ کچھ مدینہ طیبہ کے عناصر بھی مل گئے تھے اس لیے ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا. ان میں سے بہت سے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو خلافت سنبھالنے کے مشورے دے رہے تھے مگر ان سے کبھی بھی یہ لوگ آپ سے مخلص نہ تھے. ایک طرف تو یہ عناصر اپنے آپ کو خون عثمانؓ کے قصاص سے بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد امت مسلمہ کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا تھا یہ حالات تھے جن کے تحت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد خلافت کے بوجھ کو اٹھانے کی حامی بھری. روز اول سے ہی امام عالی مقام کو ہر طرف سے مسائل نے گھیر لیا تھا. بلوائیوں نے ہر طرف اور ہر سطح پر خاصہ پروپیگنڈا کر کے فضا مکدر کی ہوئی تھی. ہر طرف فتنہ و فساد کا بھوت ناچتا پھر رہا تھا لوگوں نے مدینہ طیبہ خالی کرنا شروع کر دیا تھا. اس لیے یہ قدرتی عمل تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اپنی توجہ امن عامہ بحال کرنے کی طرف مبذول فرماتے اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا. ایک طرف تو بلوائیوں کے سرغنہ اور اس کے ساتھ اس سازش کے بانی نہایت چالاکی سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی چستی کے نیچے آ کر اپنی جانیں بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ایسا گروہ بھی تھا جو اگرچہ مدینہ طیبہ میں ہی تھا مگر سیدنا عثمانؓ کو بچانے کے لیے کوئی عملی اقدام اٹھانے سے قاصر رہا تھا. اس وقت بہت سے مخلص اور جلیل القدر اصحابہ کرام بھی موجود تھے مگر ان شر پسندوں نے انہیں بھی بے بس کیا ہوا تھا. اس افراتفری کے عالم میں لوگوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا اور سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا انتقام لینے پر تل گئے.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولیں ترجیح بحالی امن تھی لہذا آپ نے سب سے پہلے ان تمام گورنروں کو برطرف کر دیا جو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت سے گورنر چلے آ رہے تھے. سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی سوائے ایک گورنر کے جو حضرت معاویہ ابن سفیانؓ تھے جو دمشق میں گورنر تھے. انہوں نے گورنری سے ہٹنے کے لیے شرط عائد کر دی کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے. ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بھی مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمانؓ کو فوری طور پر انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بھی فوری انصاف کے لیے بیتاب تھے مگر آپ انصاف کے تمام تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے جن میں شہادت اور گواہی سرفہرست تھی. بلوائین میں سے بہت سے تو موقع سے فرار ہو چکے تھے اور باقی زیر زمین چلے گئے تھے اور چند نے تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے وفاداری کا ڈھونگ رچا کر کیموفلیج اوڑھ لیا تھا. عینی شاہد کسی پر واضح انگلی نہیں رکھ رہے تھے. حضرت نائلہؓ جن کی انگلیاں شہادت عثمانؓ کے وقت کٹ گئی تھیں بھی قاتلوں کو پہچاننے سے قاصر تھیں. اس لیے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھوڑی مہلت مانگ رہے تھے تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچا جائے. آپ بغیر ٹھوس شواہد کے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے. آپ تو اسوہ حسنہ کو سامنے رکھ کر بطور خلیفہ راشد اسلامی قانون کو وضع کرنے والے اور نافذ کرنے والے تھے. امیر المومنین علی المرتضیٰؓ جنہوں نے ساری عمر قرب رسول اللہ ﷺ میں گزاری تھی یہ کیسے گوارا کرتے کہ ان کے ہاتھوں اسلامی قانون شہادت کا ہی خون ہو جائے ایک فریق تو بلا کسی تحقیق اور تاخیر کے ہر قیمت پر قاتلان عثمانؓ سے قصاص پر مصر تھا اور دوسری طرف سیدنا علی مرتضیٰؓ بھی یہی چاہتے تھے مگر

آپ انصاف کے تمام تقاضے پورا کرنا چاہتے تھے. یہی ایک ایسی وجہ تھی جس نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے خلاف شکوک وشبہات کو جنم دیا اور شرپسندوں نے اختلافات کو مزید شدید کرنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیں اور اس طرح فریقین میں اختلاف کی خلیج حائل ہوگئی جو حضرت معاویہؓ کے گورنری سے ہٹنے کے انکار پر مزید گہری ہوتی چلی گئی جس نے آگے چل کر امت مسلمہ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا. اس گروہ بندی کے پیچھے جو خفیہ ہاتھ کام کر رہے تھے وہ وہی لوگ تھے جن کو اسلام کا تیزی سے پھیلنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا. انہوں نے پروپیگنڈہ (Disinformation) کی تمام تر مشینری افواہ سازی پر لگا دی تھی. ان لوگوں نے صلح وآشتی کی ہر مخلص کوشش کو ناکام پیڈ کر دیا. جنگ جمل کے فریقین میں صلح کی شرائط طے ہوگئیں تھیں کیونکہ دونوں فریق ہی سیدنا عثمانؓ کے قصاص پر متفق تھے اور دونوں گروہ آپس کی خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے. صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ سیدنا علی امرتضی کرم اللہ وجہہ قتل عثمانؓ کے ملزمین کو اپنے لشکر سے الگ کر دیں گے جس کے مطابق آپ نے انہیں فوری طور پر چلے جانے کا حکم دے دیا مگر وہ لوگ تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گئے اور بہانہ بنایا کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے قریب ہی رہنا چاہتے ہیں. رات کے اندھیرے میں انہی لوگوں نے دونوں طرف سے تیر چلا کر شور مچا دیا کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور اس طرح ان لوگوں نے فریقین کی نیک خواہشات پر پانی پھیر دیا اور یوں جنگ جمل کا میدان کارزار لاشوں سے اٹ گیا.

سیدنا علی مرتضیٰؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خانہ جنگی حضور نبی اکرم ﷺ کی دہلیز تک پہنچ جائے اور آپ کسی بھی قیمت پر مدینہ طیبہ میں امن و امان بحال رکھنا چاہتے تھے. مزید برآں آپ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دور دراز کے صوبوں کا انتظام وانصرام بطریق احسن چلانے کے لیے جغرافیائی طور پر مرکز میں واقع دارالخلافہ زیادہ مناسب رہے گا. سیاسی رسہ کشیوں نے تقریباً سب اہل رائے حضرات پر یہ حقیقت عیاں کر دی تھی کہ مدینہ طیبہ کو میدان جنگ بنانے سے گریز کیا جانا چاہئے اور جنگ تھی کہ اس کے بادل آئے دن گہرے سے گہرے ہوتے جا رہے تھے. ان حالات میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بصیرت کو داد دینی چاہئے کہ آپ نے دارالخلافہ عراق کی طرف منتقل کرنے کا فیصلہ فرمایا. ڈاکٹر سعاد ماہر کے الفاظ میں: ''علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت مدینہ طیبہ کے لیے بہت سی تبدیلیاں لایا، کیونکہ جب آپ اور آپ کے مخالفین کے درمیان خانہ جنگی ہوئی اور فیصلہ کن جنگیں سر پر منڈلا رہی تھیں تو آپ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ اتنی بڑی اسلامی مملکت کا مدینہ طیبہ جیسے شہر سے جو ان صوبوں سے بہت دور فاصلے پر واقع تھا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل کام تھا.'' (۷۳) آپ کے مکتوبات بنام کوفیوں میں سے ایک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین شیر خدا شہر نبی سے بے حد محبت کرتے تھے. اس مکتوب میں آپ فرماتے ہیں کہ: ''میں ایسی حالت میں اس جگہ (مدینہ طیبہ) سے روانہ ہو رہا ہوں کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں ظالم ہوں یا یکسں مظلوم، یا یہ کہ میں باغی ہوں یا میرے خلاف بغاوت کی گئی ہے.'' (۷۴) اس خط کے ایک ایک لفظ سے آپ کے دل سے مدینہ طیبہ کی محبت مترشح ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ بحالت مجبوری وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے جب کہ حالات آپ کے قابو سے باہر ہوتے نظر آ رہے تھے. آپ نے حضرت سہل ابن حنیف الانصاریؓ کو مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر کیا اور خود اپنے نئے دارالخلافہ کی طرف چل دئے. (۷۵) جب سیدنا علی المرتضیٰؓ بصرہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو بہت سے انصار اور مہاجرین نے آپ کو ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا. حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے تو آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا: 'یا امیر المومنین آپ مدینہ چھوڑ کر نہ جائیں! اگر آج آپ یہاں سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے اور یہ امت اسلامیہ کا دارالخلافہ تغیر وتبدل کا شکار ہو جائے گا.' لیکن امیر المومنین نے جو فیصلہ کیا تھا اسی پر قائم رہے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہی فیصلہ صائب اور صحیح تھا. (۷۶)

اس طرح مدینہ طیبہ کی بطور سیاسی دارالخلافہ کی حیثیت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قفل لگ گیا اور پھر سوائے چند سالوں یا عرصوں کے اس کو کبھی بھی سیاسی طور پر دارالخلافہ نہیں بنایا گیا. ایسا صرف حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی قلیل مدت کی خلافت یا چند دیگر بغاوتوں کے نتیجے میں

نے والی حکومتوں کے دوران ہوسکا (مثلاً حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ یا نفس الذکیہؒ) جو صرف عرصہ قلیل کے لیے منصۂ شہود پر نمودار ہوئیں. اس کے بعد ہمیشہ والی اور گورنر ہی تعین ہوتے رہے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو بطور ایک شہر یا ایک صوبے کے کنٹرول کیا.

مدینہ طیبہ مسلمانان عالم کے روحانی دارالخلافہ کے طور پر

جب ایک بار دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل ہوگیا تو پھر ہمیشہ کے لیے سیاسی قوت کا محور مدینۃ النبی سے باہر ہی رہا. بایں ہمہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگرچہ خلافت اسلامیہ کا ہیڈ کوارٹر مدینہ طیبہ سے کوسوں دور رہا مگر مدینہ طیبہ کا سیاسی، سماجی اور دینی مقام اور اہمیت تاریخ کے کسی موڑ پر کم نہیں ہوئے. رہنمائی کے لیے ہر مسلم حکمران کی نگاہیں مدینہ طیبہ پر ہی لگی رہیں اور جس حکمران کو بھی مدینہ طیبہ کی حکمرانی نصیب ہوئی اس نے دل و جان سے اس مقدس شہر کی خدمت کی. صرف ایک مثال یہاں کافی ہوگی کہ جب عثمانی سلطان سلیمان القانونی نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا تو بوقت فتح جوش اور حب مدینۃ النبی میں وہ یہ کہہ رہے تھے: میں نے رومیوں کے اس شہر کو فتح کر کے محمد مصطفیٰ کے شہر پر تصدق کر دیا اور پھر اس کی تمام سرکاری جائیداد کو وقف بنا دیا جس سے حاصل شدہ تمام تر محصولات حرم نبوی اور اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر صرف کر دئے. جب بھی کبھی امت اسلامیہ پر سیاسی بھونچال آیا خواہ اس کے زلزلے کا مرکز (Epicentre) شہر نبوی سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو، مگر مدینہ طیبہ مضطرب اور بے چین ہو جاتا رہا ہے. ایسے تمام سیاسی زلزلوں کے جھٹکے مدینہ طیبہ میں فوراً محسوس ہو جایا کرتے جس سے اس شہر امن کا سکون غارت ہو جاتا تھا. مدینہ طیبہ کی یہ بے چینی اس شہر نبوی کے امت مسلمہ کے ساتھ اٹوٹ رشتے اور محبت کو ظاہر کرتی ہے آج بھی اگر کشمیر یا افغانستان یا چیچنیا میں مجاہدین پر قیامت ڈھائی جاتی ہے تو مسجد نبوی میں ان کے لیے پورے خشوع و خضوع سے دعائیں مانگی جاتی ہیں.

مدینہ طیبہ کی اس سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ جو چیز مدینہ طیبہ کو عالم اسلام کا روحانی دارالخلافہ بناتی ہے وہ اس کا وہ کردار ہے جو وہ صدیوں سے امت اسلامیہ کی روحانی اور دینی تربیت کے لیے ادا کرتا آیا ہے. مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا دنیاوی قیام اگرچہ صرف دس سال پر محیط تھا جس کا اکثر حصہ اسلام کے دشمنوں سے جہاد میں گزرا جس سے بادی النظر میں کسی بھی انسان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنی امت کی تنظیم کے لیے کوئی وقت نکال سکتا، مگر تاجدار مدینہ ﷺ چونکہ اللہ کے رسول اور اپنی امت کے لیے رہبر و رہنما تھے اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی امت کی مکمل ہدایت اور راہنمائی فرمائی. قرآن کریم کا اکثر حصہ بھی مدینہ طیبہ میں ہی نازل ہوا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی مثال سے اس کے ہر پہلو کی تفسیر و تشریح فرمائی. ارکان دین کے احکام اور انکا عملی اور اجتماعی نفاذ مدینہ طیبہ ہی میں ہوا. فرض نمازیں، زکوۃ اور حج جیسے ارکان دین کی تنفیذ مدینہ طیبہ سے ہوئی اور حضور پرنور ﷺ نے تمام ارکان دین کو اپنے ذاتی اعمال کے ذریعے کر کے دکھایا تاکہ امت کو احکام قرآن سمجھنے میں دقت نہ ہو. ہجرت کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ روحانی ریاضتوں میں سب سے سخت ریاضت صیام و قیام کے احکام صادر ہو گئے اور اسی سال پہلے رمضان مبارک کے ابھی سترہ دن ہی گزرے تھے کہ حرض المومنین علی القتال ﴿﴾ کا حکم نازل ہوا جس کے تحت جہاد فی سبیل اللہ کیلیے مسلمان لشکر بدر کے لیے روانہ ہوا. روزے کی حالت میں عرب کے لق و دق صحراء میں سفر اور وہ بھی جہاد اور قتال کے لیے اس سے زیادہ اور کیا مشقت کا کام ہوگا. یہ ایک ایسی ریاضت تھی جو نہ صرف اولین مومنین کا شدید ترین امتحان تھا بلکہ تاقیامت آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ تھا. اس طرح انتہائی شدید حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو روحانیت کی منزلیں طے کروائیں. غزوہ احزاب میں بھی جب خندق کھودی جا رہی تھی تو پیٹ پر پتھر باندھ کر بھوک اور افلاس کی شدت میں اس سنگلاخ زمیں میں سات کیلومیٹر لمبی اور وسیع اور عمیق خندق انتہائی کم مدت میں کھودی گئی. صائمین کی ریاضتوں

کو جب جذبہ جہاد اور راہ حق میں شہادت کے لیے تڑپ کی مہمیز لگی تو ان کے ایمان میں وہ پختگی آ گئی کہ ان میں ایسی عقابی روح بیدار ہوئی جس سے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی تھی۔

اگرچہ سیاسی طور پر دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے باہر چلا گیا تھا مگر اس سے مدینہ طیبہ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ بلکہ جوں جوں اسلامی خلافت اور اسلام کی سرحدیں پھیلتی گئیں چار دانگ عالم میں پھیلی امت محمدیہ کے دل میں مدینہ طیبہ کی محبت اور کشش اور بڑھتی گئی۔ سیاسی مدوجزر سے بے نیاز مدینہ طیبہ میں پرسکون ماحول قائم ہو گیا جس نے روحانی طور پر علوم اسلامیہ کی ترویج اور ارتقاء میں بہت اہم کردار ادا کیا اور سیاست دانوں کی بجائے مسند رشد و ہدایت مدینہ طیبہ کے اولیا اور علماء کرام کے ہاتھ میں آ گئی اور یوں شہر نبی سے علم و فضل کے سوتے پھوٹتے رہے جن سے پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے اسلامیان عالم کھنچے چلے آتے تھے۔ اس طرح امت کی رہنمائی کے لیے جو شمع روشن مقبول ﷺ نے جلائی تھی مدینہ طیبہ کے علماء نے اسے ہمیشہ بلند رکھا اور یوں مدینہ طیبہ جید علماء اور ائمہ کا مولد و مسکن بنا رہا۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اصحابہ کبار میں سے ایک سو پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ کو اپنا دائمی مسکن بنائے رکھا اور پھر جب تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور آیا تو پھر بھی ایک سو ستر جید تابعی علماء نے مدینہ طیبہ میں علم و فضل کی شمع روشن کئے رکھی۔ (۷۷) یہاں پر ہم مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (H A R Gibb) کی ایک کتاب سے اقتباس پیش کرنا چاہیں گے

> حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے ذہنوں پر جو گہرے اثرات مرتب کئے تھے وہ اس معاشرتی و تمدنی مہمیز سے آشکارا ہے جو سب سے زیادہ دینی ترقی کا سبب بنی۔ اسلام کی نئی تعلیمات کے نفاذ اور نشر کرنے کے لئے نئے نئے طریقے اور نظام وضع کئے گئے جس نے عربوں میں ذہنی انقلاب پیدا کر دیا۔ نئے علوم کی بنیاد رکھی گئی جن میں (بطور مثال) احادیث پیغمبر ﷺ کا ہمہ جہتی مطالعہ، روایات کی تدوین، عربی زبان اور ادب کا ارتقاء اور تاریخ اور سب سے بڑھ کر فقہی قوانین کی تدوین شامل تھی۔ یہ انقلابی تبدیلی ہر اس محقق کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے جو اس حیرت انگیز انقلاب کو صرف ایک سو سال پہلے کے مدینہ (یثرب) کی علمی کم مائیگی اور ذہنی افلاس سے موازنہ کرتا ہے۔ یہ امر اور بھی حیران کن ہے کہ یہ عظیم کارنامہ عربوں کے ہاتھوں سرانجام پایا جنہوں نے ان تمام علوم کو ان بنیادوں پر استوار کیا جن کی خشت اول حضرت محمد ﷺ نے رکھی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ تمام تر ترقی بغیر کسی خارجی اثرات کے رونما ہوئی تھی۔ (۷۸)

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس گروہ نے جنہوں نے اپنے آپ کو سیاست سے الگ تھلگ کر لیا تھا خالصتاً دینی امور کے لیے وقف کر دیا۔ اس طرح مدینہ طیبہ 'شہر فقہاء' بن گیا جہاں اول درجہ کے فقہاء نے جنم لیا جن میں مقتدر صحابہ کرام اول نمبر پر ہیں جنہوں نے قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی فقہی مسائل کی توجیہ اور تشریح کی۔ ان میں خلفائے راشدین جیسے جید اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسی جلیل القدر شخصیتیں شامل تھیں۔ اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا فتویٰ چلتا تھا ان میں سے خاص طور پر چھ اسمائے گرامی تو سند کی حیثیت رکھتے ہیں: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمر ابن الخطابؓ، سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ۔ ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ افتاء میں سیدنا عمر فاروقؓ کا اتباع اور تقلید کرتے تھے اور حضرت ابو موسیٰؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقلد تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ افتاء میں حضرت ابی بن کعبؓ کے مقلد تھے۔ اس طرح تقلید کی یہ روایت اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اختیار کردہ ہے جس نے آگے چل کر آئمہ کرام کے دور میں فقہی مذاہب کا جواز مہیا کیا

(ڈاکٹر منیر محمد طاہر الشواف، تحفۃ القراءۃ المعاصرہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴، قبرص، صفحات ۴۵۹-۴۶۰) یہ دور پہلی صدی ہجری میں تقریباً نوے سال پر محیط ہے ان کے بعد وہ مشعل نور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روشن رکھی. اسی مشعل کی شعاعیں جب ہر طرف ضیا پاشی کرنے لگیں تو مدینہ طیبہ مدینۃ العلم بن گیا اور اس کی روشنی دنیا کے چاروں طرف پھیل گئی. مدینہ طیبہ کے انہیں سپوتوں میں سے سات مشہور زمانہ فقہاء مطلع اسلام پر طلوع ہوئے جن کی تابندگی نے آج تک اسلامی قوانین کو منور کیا ہوا ہے. ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت سعید ابن المسیبؒ
(۲) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارثؒ
(۳) حضرت سلیمان بن یاسرؒ
(۴) حضرت عروہ بن زبیرؒ
(۵) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ
(۶) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ
(۷) حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؒ

ان کے بعد علمائے کرام کی تیسری نسل نے اس مشعل کو بلند رکھا. یہ دور دوسری صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے. اس گروہ کے سب سے درخشاں ستارے حضرت امام مالک بن انسؒ (۹۵-۱۷۹) تھے جن کی الموطا کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ وہ احادیث کی تدوین میں سب سے اہم اور پہلا سنگ میل ہے. آپ بہت ہی قابل اور صاحب بصیرت فقیہ تھے جن کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مکمل عبور حاصل تھا اور جنہوں نے حضرت نافعؒ کی مجلس درس حدیث میں بارہ سال تک زانوئے تلمذ طے کیا تھا (۷۹) اسلامی فقہ میں مالکی مذہب کے بانی حضرت امام مالکؒ ہی تھے دیگر دبستان خیال اور مذاہب کے بانی بھی کسی کم اہمیت کے حامل نہیں تھے اور سب کے سب مدینہ طیبہ کے علماء و فقہاء کے بستانوں کے خوشہ چین تھے. ان کے بعد آنے والے فقہاء اور محدثین ان تابعین اور بانیان مذاہب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے تھے. امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ جن کا نام تدوین حدیث میں کسی تعارف کا محتاج نہیں امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے (۸۰ ھ ۔ ۔ ۔

اس سفر پر نادم رہے. اسی طرح دیگر مشہور شخصیتوں میں سے حضرت ابوذرؓ، حضرت محمد ابن مسلمہؒ، حضرت سعید ابن المسیبؒ، ابوالعالیہؒ المطرفؒ، حسن بن الیسارؒ، المسروقؒ اور دیگر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس خلفشار کے پرآشوب دور میں تحمل غیر جانبداری کو اپنائے رکھا.

جلیل القدر اصحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید الخدریؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو ہزار ہا ترغیب اور دباؤ کے باوجود کسی قسم کا سیاسی کردار ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، یہاں تک کہ دونوں ہستیوں نے مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر بھی کسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا. حضرت ابوسعید الخدریؓ نے تو واقعہ حرہ کے دوران مدینہ طیبہ کے نواح میں غار و کوہ میں رہنا پسند کر لیا اور اسی طرح حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور نکل گئے اور کئی سال تک آپ نے اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے درمیان گزار دیئے. ان کے علاوہ دیگر کئی مقتدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی غیر جانبداری کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی اور رائج الوقت حکومت کی مدد سے ہاتھ کھینچنے پر کتنی ایسی ہستیاں تھیں جن پر تشدد کیا گیا، کتنی ایسی پاکیزہ شخصیتیں تھیں جن پر کوڑے برسائے گئے اور کتنے ہی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس عزم میں حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے. بہت سارے تاریخی تجزیوں میں ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے جو حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے. مگر ان مردان حر نے بھی یہ راہ اٹھایا ہوا تھا کہ اپنے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کو اپنے بعد آنے والی نسلوں تک پہنچا کر دم لیں گے. حضرت سعید ابن المسیبؒ کو عبیداللہ بن زبیرؓ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے، حضرت ہشام بن عروہؒ کا کندھا تشدد اور کوڑوں سے ناکارہ ہو گیا تھا جو بنو امیہ کے [illegible] انہیں کھانے پڑے تھے کیونکہ آپ نے ان کے آگے سر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا. حضرت یحییٰ بن ابی کثیر (ت: ۱۲۹ ہجری) بھی [illegible] کی پاداش میں کوڑوں کے سزاوار ٹھہرے تھے. حضرت عبیداللہ بن رافعؒ کو عمرو بن سعید بن العاص (مدینہ طیبہ کے گورنر) کے احکام [illegible] دو کوب کیا گیا امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ (جو اس وقت مسجد نبوی کے امام تھے) کو منصور عباسی کے حکم سے اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کے بیشتر اعضاء ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بعد میں مسجد نبوی شریف میں حاضری تک سے قاصر رہے اور آپ کے بندہ کو آپ کے گھر میں حاضر ہونا پڑتا تھا تاکہ آپ کے علم و فضل سے استفادہ کر سکیں. حضرت سفیان الثوریؒ (۹۷-۱۶۱ ہجری) کے متعلق تو منصور نے قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا. (۸۲) اسی طرح امام الاحناف امام ابوحنیفہؒ نے زندان میں تشدد کے نتیجے میں دم توڑ دیا.

ان تمام مشکلات کے باوجود ان نڈر اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رہنمائی میں علم کی مشعلیں روشن رہیں اور ان کی انتھک کوششوں سے اسلامی تعلیمات اور بالخصوص تعلیم الاحادیث کا کام پوری شد و مد سے جاری رہا. سیاسی جھمیلوں سے بچنے کے لیے یا شوق جہاد میں بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تھے. مگر احادیث نبوی کے جواہر ہائے بیش قیمت جمع کرنے کی غرض سے مشتاقان حدیث ہزاروں میل کا سفر کرتے اور ان راویان احادیث سے بلاواسطہ احادیث مبارکہ کی سماعت کرتے تھے. مدینہ طیبہ کو یہ منفرد مقام حاصل رہا ہے کہ تدوین احادیث کے لیے جتنا کام شہر نبی میں ہوا اتنا کہیں اور نہیں ہو سکا اور اکناف عالم سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے مشتاقان احادیث سفر کر کے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے. حضرت ابوہریرہؓ کے گرد سامعین حدیث کا ہجوم رہتا اور کم و بیش آٹھ سو تلامذہ نے ان سے بلاواسطہ علم حدیث حاصل کیا. بعد میں جب حضرت انس بن مالکؓ کے دروازے طلبائے حدیث پر وا ہوئے تو ان کے ہاں اتنا جم گھٹا لگ جاتا کہ لوگوں میں آپس میں لڑائیاں ہوتیں کیونکہ ہر کوئی آپ کے قرب میں بیٹھنا چاہتا تھا." (۸۳) طلبائے حدیث اپنے اپنے اساتذہ سے سماع اور املاء دونوں طریقوں سے مستفید ہوتے تھے اور بحث اور جرح کی محفلیں جمتیں جو کہ تدوین حدیث کے مراحل میں سب سے زیادہ اہم مرحلہ تھا. یہ ایک ایسا فن تھا جس کے اجراء اور ارتقاء کا طرہ امتیاز صرف اسلام کو

حاصل ہے۔اس طرح علم حدیث ایک باقاعدہ فن کی صورت میں ٹھوس بنیادوں پر استوار ہوا جس کے ثمرات تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کے معتمد ترین مجموعوں کی صورت میں نمودار ہوئے۔

حکمت و فیضان نبوی کے ان چشموں نے جو مسجد نبوی شریف سے پھوٹے تھے پورے [illegible] ہر حصہ علم و فضل کا گہوارہ بن گیا اور عشاق رسول اللہ ﷺ نے فیضان نبوی سے [illegible] اسی ذوق و شوق سے [illegible] کو اٹھاتی اور یوں قرآن و حدیث کی تعلیمات ایک [illegible] پورے کرہ ارض پر پھیل گئیں۔ یہ بات بلا مبالغہ اور بلا تنگ و دہل کہی جا سکتی ہے کہ [illegible] ہوا تھا بعد میں مدینہ طیبہ سے اڑ کر بنے دو سنگلاخ حرموں کے درمیان واقع مسجد النبوی شریف سے [illegible] جہاں تاجدار دو عالم ﷺ اپنے حلقہ اصحاب میں مسند نشیں ہو کر اس نور الہدیٰ کی ضیا پاشی فرماتے تھے [illegible] نے آپ کے اقوال اور افعال کو اپنا آئیڈیل بنا کر ان کی ترویج اور تشہیر کی اور دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] کریم کے مفسرین، تمام فقہی مذاہب کے بانی، احادیث مبارکہ کے طلبا، اور جامعین، [illegible] زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں فیضان رسالت کے ان چشموں سے اپنی پیاس بجھائی جو صحن مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم [illegible] رحمت میں بہتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلبا حصہ لیا کرتے تھے اور اندرون شہر زلزلوں کی وجہ سے ان کو اپنی یونیورسٹی مدینہ طیبہ کے مضافات میں منتقل کرنی پڑی تھی۔ ان کے حلقہ درس میں دیگر مشاہیر کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ کا سمرقندی بھی آتا ہے۔ جو دبستان خیال مدینہ طیبہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوا وہ مالکی تھا۔ حضرت امام مالکؒ کے پیروکار مدینہ طیبہ کے فقہی افق پر تقریباً پانچ سو سال تک چھائے رہے۔ رفتہ رفتہ امام شافعیؒ کے مذہب کا احیاء مدینہ طیبہ میں ہو گیا اور کچھ دیر ان کا طوطی بولتا رہا۔ ۲۳۷ ہجری میں بغداد کے ایک حنفی عالم شمس الدین العجمیؒ نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حنفی دبستان فقہ مدینہ طیبہ میں چھا گیا جو چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک رہا۔ (۸۴) اس کے بعد اگرچہ غیر مقلدین سلفیوں کا عمل دخل رہا ہے مگر ان کا میلان طبع حنبلی فقہ کی طرف زیادہ مائل ہے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں تمام مذاہب اور دبستان ہائے فکر کی پذیرائی رہی ہے۔ مذاہب کی تقسیم یک طرف مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مدینہ طیبہ ہر مکتب فکر کے لیے روشنی کا مینار ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ عالم اسلام کا روحانی دارالخلافہ ہے۔

حواشی

(۱) ... بن حسن بن فرزق (ت ۲۷۹ ہجری)، فتوح البلدان، ص ۲۱؛ حافظ ابن نجار (۵۷۸-۶۴۱ ہجری)، الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینۃ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، پورٹ سعید، مصر، ص ۴۵؛ نیز قطب الدین الحنفی (ت ۹۹۰ ہجری)، تاریخ المدینۃ، قاہرہ، ۱۹۹۵، ص ۲۹۔ بعض علماء کرام نے اسے حدیث نبوی شمار کیا ہے مگر محدثین کے اکثریت اس نظریے کی حامل ہے کہ یہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے جو سیدنا امام مالکؒ نے ہشام بن عروہ بن زبیرؒ کی روایت سے سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۶۸، نیز ج:۲، نمبر ۷۲۔

(۳) ایضاً، ج:۵، نمبر ۱۲۱۔

(۴) حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کو ہجرت کروں جو دوسرے شہروں کو اپنے اوپر کر جائے گا اس کو یثرب کہا جاتا ہے مگر اس کا نام مدینہ ہے۔ [صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۵

(۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Battlefields of the Prophet Muhammad، ... پبلیکیشنز، کراچی، ص:۵۔

(۶) قرآن کریم (نصر ۱-۳): جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھ لو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اور اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو، بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔]

(۷) قرآن کریم (سورہ توبہ ۲۸) اے ایمان والو! بیشک مشرک تو پلید ہیں تو اس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں

(۸) چونکہ اس سال بہت سارے وفود مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تھے اس لیے اس سال کو بھی عام الوفود یعنی وفود کا سال ہو گیا تھا۔

(۹) قرآن کریم (الشرح ۲-۳)

(۱۰) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، انگریزی ترجمہ اسماعیل رشدی فاروقی، دار اشاعت، اردو بازار، کراچی، ص ۱۷۲۔

(۱۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۶۳

(۱۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۱۲۴ ایک طویل حدیث سے جو حضرت سعد بن الربیعؓ سے مروی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں سب سے بڑا بازار سوق بنو قینقاع ہوا کرتا تھا، جس پر یہود کو مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔ اسی سوق بنو قینقاع میں ہر طرح کی تجارت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عبد الرحمن ابن عوفؓ جیسے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وہیں کام کر کے اپنے لیے روزی کماتے تھے۔ چونکہ مہاجرین کی اکثریت تجارت کیا کرتی تھی (مثلاً سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ) تمام حضرات نے ہجرت کے بعد اسی بازار میں تجارت شروع کی تھی۔

(۱۳) تہذیب سیرۃ ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۱۳۸

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں (انصار و مہاجرین) کو اپنے بے کراں انعام و اکرام سے نوازا جیسا کہ قرآن کریم (سورہ انفال-۷۴) میں وارد ہوا ہے ﴿اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی﴾

(۱۵) القرآن الکریم (سورۃ الانفال:۱۰) نیز دیکھیے صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۱۲۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ [یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں اور مہاجرین میں کھجوروں کے درخت بانٹ دیجیے، جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں! پھر انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ تو پھر آپ اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ ہمارے باغوں اور کھیتوں میں محنت مزدوری کریں اور اس طرح ہم آپس میں اجناس اور پھل بانٹ

لیا کریں گے۔ مہاجرین نے کہا ہمیں منظور ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے۔ جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں آئے تو وہ بالکل تہی دامن تھے جبکہ انصار کے پاس جائیداد اور زمین تھی۔ انصار نے ان کو اپنی اراضی ان شرائط پر کاشت کے لیے دے دی کہ وہ اس پر کام کریں گے اور کاشت کاری کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے اور سال کے بعد جو بھی اس طرح حاصل ہو وہ برابر برابر تقسیم کو لیں گے۔ صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۷۹۹۔

(۶) القرآن کریم (الحجرات ۱۴)

(۷) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۴۴۰ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے | رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کا ایک اجتماع مدینہ طیبہ میں میرے گھر پر کیا اور پھر ایک ماہ تک بنی سلیم کے خلاف ہر فرض نماز میں بددعا فرماتے رہے | ایک اور حدیث مبارکہ میں جو حضرت عاصم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت انس ابن مالکؓ سے دریافت کیا کہ کیا بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے قنوت بھی فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، جس پر وہ یوں گویا ہوئے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ نے قریش اور انصار کو ایک دوسرے کا حلیف میرے گھر پر بنایا تھا | صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۴۹۱

(۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Emergence of Islam)، ترجمہ افضل قبال، ناشر اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد، ۱۹۹۳، ص ۵۹

(۹) ایڈورڈ مارٹیمر (Edward Mortimer) نے کیا خوب الفاظ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیاسی فراست کو خراج تحسین پیش کیا ہے | محمد (ﷺ) نے اپنے آپ کو ابتدائی اسی قابلیت کے عسکری اور سیاسی لیڈر کے طور پر منوایا تھا ۶۳۲ء میں آپ حضور کے قابل ہو گئے تھے کہ آپ نے نہ صرف مکہ اور مدینہ پر اپنی حکومت قائم کی تھی بلکہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک غالب قوت کے طور پر ابھرے تھے (Faith & Power ... Islam, Vintage Books, NY, 1982, p 34)

(۲۰) ویلہاؤزن (Wellhausen-"Gemeindeordnung von Medina") بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (... Battlefields of the Prophet Muhammad)، حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۱۱۔

(۲۱) ڈاکٹر زکریا بشیر (Sunshine at Medinah)، اسلامک فاؤنڈیشن، انگلینڈ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۵۔

(۲۲) ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۲۹۷۔

(۲۳) محمد حسین ہیکل، مصدر مذکور، ص: ۱۵۸

(۲۴) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ (The Life of Muhammad - a translation of Ibn Ishaq's Sirat Rasul Allah) Translated by : Alfred Gillaume, Oxford University Press, Karachi, صفحات: ۲۰۱_۲۰۲

(۲۵) سنن ابی داود، ۱۹_۲۹۹۸

(۲۶) ایضاً

(۲۷) اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے ابن ہشام لکھتے ہیں: حضرت صہیب مدینہ طیبہ پہنچنے کے لیے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے فوراً ان کو اپنا تمام مال و دولت دے دیا اور جب نبی کریم ﷺ نے یہ سنا تو فرط الفت میں فرمایا | صہیبؓ نے یقیناً بہت منافع پا لیا ہے! | ابن اسحاق، مصدر مذکور (حواشی ابن ہشام) ص ۲۹۔

(۲۸) القرآن الکریم (البقرہ ۲۱۶ اور ۲۵۱)

(۲۹) القرآن الکریم (النساء: ۷۵_۷۶) میں ایسی ہی دعاؤں کا ذکر ہے جن کا مطلب اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوا کرتا تھا | کہ اے رب نکال دے ہمیں اس بستی سے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے... | وغیرہ۔

(۳۰) القرآن الکریم (الحج ۳۹) | اجازت ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے | ابن الکثیر کے مطابق اگرچہ یہ آیت کریمہ وقت نزول کے لحاظ سے مکی ہے مگر اس پر عمل درآمد دفاعی اسٹرائیجی اور تزویری وجوہات کی بنا پر مؤخر کر دیا گیا تھا کیونکہ مسلمان جب مکۃ المکرمہ میں تھے تو بہت کمزور تھے لیکن جونہی ان کو قوت اور طاقتور مقر (Power Base) میسر آ گیا ان کو جہاد برپا کرنے کا باضابطہ حکم دے دیا گیا جو کہ سورۃ البقرہ میں دیا گیا ہے | تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں

بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے جبکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (البقرہ ۲۱۶)

(۳۱) صحیح بخاری، نمبر ۲۷۴۴، صحیح مسلم، نمبر ۳۲۷۵ و ۳۲۷۷ و الترمذی نمبر ۱۵۸۳

(۳۲) القرآن الکریم (الانفال ۶۰)

(۳۳) بریگیڈیئر گلزار احمد، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸، ص ۲۱۸.

(۳۴) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۷۲) سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ ان میں شامل تھے

(۳۵) ایضاً ۲۶.۳

(۳۶) ایضاً (آل عمران. ۱۳۹)

(۳۷) ایضاً (الانبیاء: ۱۰۵ اور النور: ۵۵)

(۳۸) احادیث مبارکہ کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس ۱۹ غزوات کی قیادت فرمائی اور دیگر سرایا میں اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سپہ سالار بنا کر بھیجا.

(۳۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۶۲

(۴۰) جن قبائل کو بھیجے گئے مکتوب مبارکہ کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، ج ۹، باب ۴ (حدیث نمبر ۳۶۹ سے پہلے) اور خسرو پرویز کو ارسال کئے گئے مکتوب مبارکہ کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۳۶۹ و صحیح مسلم، ج ۱، نمبر ۱۱۱۸. ابن سعد نے یہ ثابت سے مکتوبات کے متن مہیا کیا ہے جو مختلف شخصیات کو بھیجے گئے تھے دیکھئے طبقات الکبریٰ، مصدر مذکور، ج: ۱، صفحات: ۲۵۸_۲۹۰

(۴۱) حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت زید ابن الحارثہؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عتبہ الجہنیؓ کے اسمائے مبارکہ بر سبیل پیش کئے جاتے ہیں. حضرت ابوہریرہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر رہ چکے تھے اور بعد میں انہیں مدینہ طیبہ کے گورنر رہنے کا شرف حاصل ہوا جب حضرت معاویہؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان نزاع چل رہا تھا. حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر رہے. حضرت انس ابن مالکؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے گورنر رہے.

(۴۲) حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے، یہ کھوٹ کو اپنے سے باہر نکال پھینکتا ہے اور صرف اسی کو اندر رکھتا ہے جو صحیح ہوں ور پھر ان کو کندن بنا دیتا ہے. صحیح بخاری، ج ۳، باب فضائل المدینہ، نمبر ۱۰۷.

(۴۳) سید امیر علی کے الفاظ میں: ''قیصر و کسریٰ کی افواج جنہوں نے عرب جمہوریت کی راہ روکنے کی کوشش کی بالآخر صحرا کے بادیہ نشینوں کے نوجوان بچوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی. (The Spirit of Islam)، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۲۰۴.

(۴۴) القرآن الکریم (النور: ۵۴)

(۴۵) القرآن الکریم (الانبیاء: ۷۳)

(۴۶) مثال کے طور پر جب ایک زانی یہودی اور یہودیہ آپ سے فیصلے کے لیے لائے گئے تو آں حضرت ﷺ نے ان کو توراۃ کے احکام کے مطابق سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا

(۴۷) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۵۹)

(۴۸) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض جن سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیا جاتا. ان میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ابن عفانؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت بلال ابن رباحؓ، اور حضرت سعد ابن عبادہؓ وغیرہ شامل تھے.

(۴۹) مثلاً حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ.

(۵۰) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۴۵. اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس نیزہ بازی میں حبشیوں کے ساتھ شرکت فرمائی تھی.

(۵۱) محمد محمد حسین شرف، المدینہ النبویہ- فجر الاسلام والعصر الراشدی، دار القلم، دمشق، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۴، ج. ۱، ص ۳۹۸.

ہر قبیلے کے شعب کے لیے ایک نقیب ہوتا تھا۔

(۵۳) سنن ابی داود، ۳۴-۴۲۱۲ حضرت ابوذبابؓ کے روایت کے مطابق وہ انگوٹھی (ختم مبارک) ان کے پاس بھی کچھ عرصہ رہی تھی لیکن عموماً وہ حضرت معیقیبؓ کی سپرد داری میں ہوتی تھی ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر وہ انگوٹھی حضرت خنصہ بن ابی فاختہ کی تحویل میں تھی ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۷۶۸

(۵۴) حضور نبی اکرم ﷺ نے ان علاقوں کے لیے جو مفتوح یا باجگزار ہوئے تھے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر بھیجا مثلاً حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے لیے مندوب بنایا گیا۔ سنن ابی داود، ۲۲-۳۰۱۶۔ اسی طرح حضرت عبیدہ ابن الجراحؓ کو نجران اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا گیا تھا۔

(۵۵) روایات میں آیا ہے کہ کل ۴۳ کاتبین تھے جن میں سے چند تو صرف وحی کی کتابت پر مامور تھے مثلاً حضرت زید ابن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ جبکہ کچھ بادشاہوں کو مکتوبات مبارکہ لکھتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ارقم لزہریؓ اور کچھ زمینوں کے عطائے یا معاہدے لکھا کرتے تھے اور حضرت حنظلہ ابن ربیعؓ ان کاتبین کی جگہ لیتے تھے جو کسی کام کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے باہر ہوتے محمد محمد حسین شرّاب، مصدر مذکور، صفحات ۴۰۹-۴۱۰

(۵۶) سامی بن عبداللہ المغلوث، اطلس التاریخی لسیرۃ الرسول، مکتبۃ العبیکان، ریاض، پہلا ایڈیشن ۲۰۰۱، صفحات ۲۰۸-۲۰۹

(۵۷) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۱۲۸

(۵۸) صحیح مسلم، ۲۰-۴۴۹۶

(۵۹) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۶۸۷

(۶۰) ڈاکٹر محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ عاصمۃ الاسلام الاولیٰ، جدہ، ۱۹۸۹، صفحات: ۱۶۵-۱۶۶

(۶۱) علامہ جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۴، ص ۱۳۰

(۶۲) ایضاً، ص ۱۲۸

(۶۳) ایضاً

(۶۴) حضرت عقیل بن ابی طالبؓ، حضرت مخرمہ بن نوفلؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ قبائل عرب کی [illegible] شرّاب، المدینۃ النبویہ۔ فجر الاسلام والعصر الراشدی، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۴، ص ۳۵۔

(۶۵) ڈاکٹر محمد بن عبداللہ الشیبانی، نظام الحکم والادارہ فی الدولۃ الاسلامیہ، ریاض، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۹۱، صفحات ۲۸-۲۹

(۶۶) صحیح مسلم، ۳-۱۴۰۷

(۶۷) یہ نظام محاسبہ اتنی سختی سے نافذ کیا گیا تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ جو رشتہ میں آپ کے ماموں بھی تھے اور اس وقت مسلم فوج کے سپہ سالار بھی تھے جو محاذ جنگ پر مشغول جہاد بھی تھے برطرف کر دیا۔ اس وقت حضرت خالد ابن ولیدؓ شہرت کی بام عروج پر تھے لیکن جب نئیں پتے معزول کیے جانے کے احکام پہنچے تو انہوں نے فوراً احکام کی تعمیل کی اور واپس مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے اور پھر اس کے بعد ایک عام سپاہی کی حیثیت سے دمشق کے محاذ پر لڑتے رہے دوسری مثال حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جنہیں بحرین کی گورنری سے برطرف کر دیا گیا اور عامۃ الناس کے سامنے مسجد نبوی کے منبر سے ان کو ان الزامات کی صفائی پیش کرنی پڑی تھی۔

(۶۸) صحیح بخاری، ج. ۵، نمبر ۵۰

(۶۹) ایضاً

(۷۰) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، جلد ۱، ص ۱۶۹۔ الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۲۰۶

(۷۱) صحیح بخاری، ج ۴۰، نمبر ۷۰۹

(۷۲) ابن عبدربہ، احمد ابن محمد، تاب العقد الفرید، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۵، ج:۱، ص ۷۵۳

(۷۳) پروفیسر ڈاکٹر سعاد ماہر محمد۔ آرٹیکل (The Kingdom of Saudi arabia Center of Islamic Civilization) مضمون Saudi A 33 میں شامل ہے جو جامعہ ملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمہ نے ۱۹۷۹ میں شائع کی تھی جس ۱۰.
and Its Place in the World

(۷۴) نہج البلاغہ، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۸۱، ص: ۶۸۰ (خطبہ نمبر ۵۷).

(۷۵) ایضاً، خطبہ نمبر ۷۰، ص: ۶۹۴.

(۷۶) ڈاکٹر احمد زیدان، خلفائے راشدین (The Rightly Guided Caliphs)، ص ۲۲۹.

(۷۷) محمد محمد حسن شراب، مصادر تاریخ المدینہ، مضمون جو دراسات حول المدینۃ المنورہ میں شائع ہوا جسے لٹریری کلب آف مدینہ منورہ نے شائع کیا (سنہ ۱۹۹۴، ص: ۳۳۹.

(۷۸) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن ۱۹۰ (Islam - A Historical Survey (formerly t tled Muhammedan.sm) H A R Gbb
صفحات: ۴-۵

(۷۹) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۸۴ نیز ابی الفرج عبدالرحمن ابن الجوزی (ت ۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول [illegible] کے نزدیک شیخ القراء امام نافع کا نام ان سات فقہاء میں شامل ہے جن کی روایات اور فتاویٰ کو دوسری صدی کے اوائل میں [illegible] طرف پہلا سنگ میل سمجھا جاتا ہے.

(۸۰) حضرت امام مالک کے حلقہ درس نے بہت جید علماء پیدا کیے. آپ کے تلامذہ میں سے ایک ابن زبالہ بھی تھے جن کو دوسری صدی ہجری میں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا فخر حاصل ہے. بدقسمتی سے ان کا شاہکار اب ناپید ہے. بعد میں آنے والے ہر مورخ کے لیے ماخذ و مرجع ابن زبالہ کی 'الاخبار المدینہ' رہی ہے. امام سمہودیؒ نے اس قدیم ترین تاریخ مدینہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے. وہ نسخہ جو امام سمہودیؒ کے [illegible] آگ کی نذر ہو گیا تھا جو مسجد نبوی شریف میں ۸۸۸ ہجری میں بجلی گرنے کی وجہ سے لگ گئی تھی.

(۸۱) الترمذی (اردو ترجمہ: بدیع الزمان) ناشرین ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج: ۲، صفحات: ۲۲۰-۲۲۱. یہ حدیث مبارکہ الحاکم کی مستدرک میں بھی موجود ہے

(۸۲) ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی، Hadith Literature - Its Origin, Development, Special Features and Criticism)
کلکتہ یونیورسٹی، انڈیا، ۱۹۶۱، صفحات: ۶۲-۶۵

(۸۳) ایضاً، ص: ۵۰

(۸۴) الشیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، ص ۱۴۸.

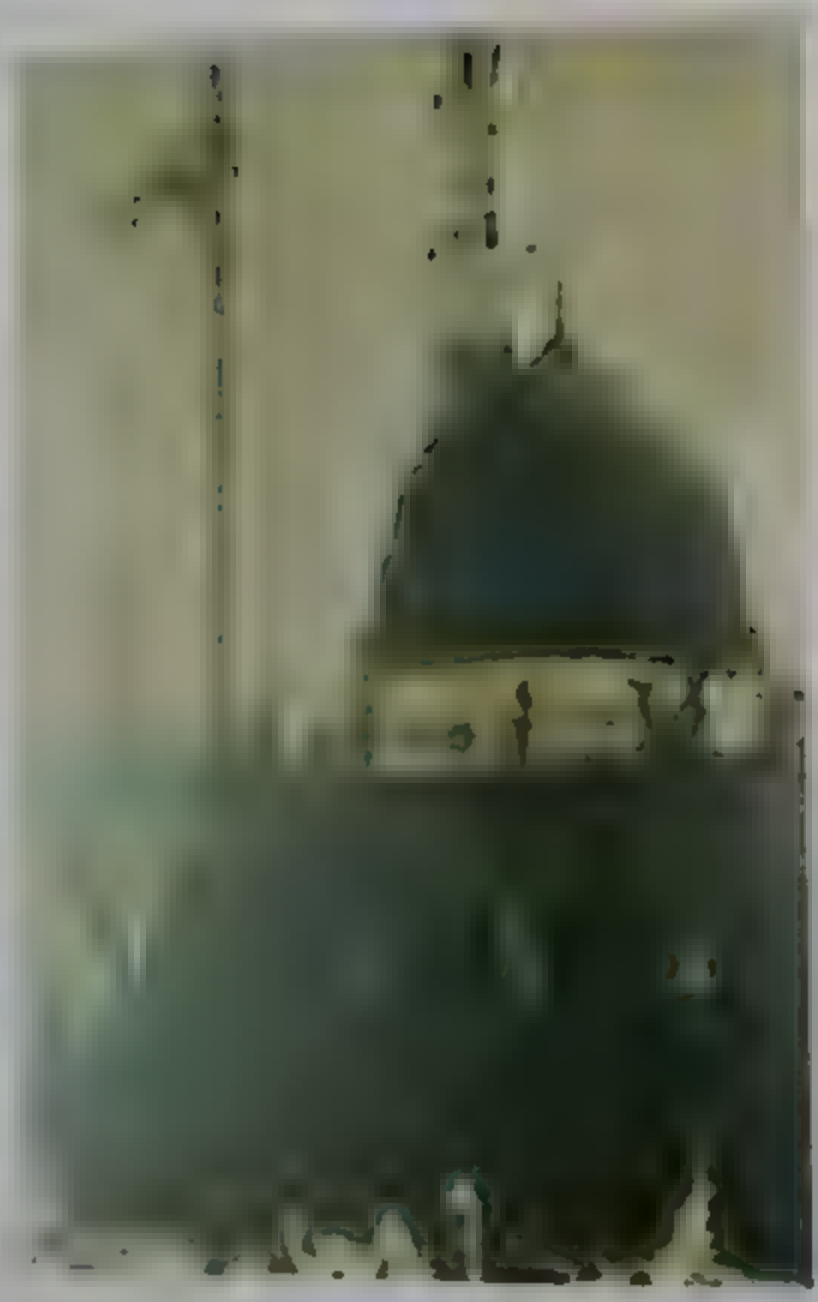

’انقلاب مدینہ‘

’انقلاب مدینہ‘

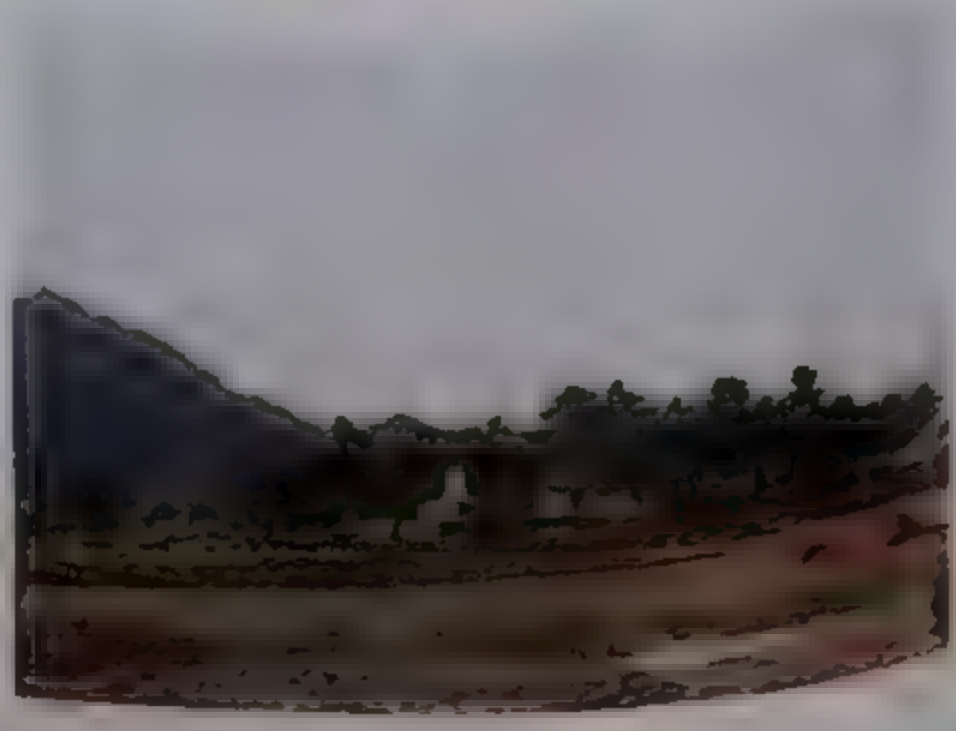

جب سرکار دو عالم ﷺ نے قباء میں اپنا قدم رنجہ فرمایا جو مدینہ طیبہ میں دخول کے لیے جنوبی طرف سے باب المدینہ کہلاتا ہے تو آں حضور ﷺ نے نہایت ہی مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا جو کچھ جملوں پر مشتمل تھا اور صرف چند لمحوں پر محیط تھا. رسول اللہ ﷺ نے اس جم غفیر کو جو آپ حضور ﷺ کا استقبال کرنے کے لیے اُمڈ آیا تھا ارشاد فرمایا:

﴿ایھا الناس ! افشوا السلام، وصلوا الارحام، و اطعموا الطعام، و صلوا باللیل و الناس نیام، تدخلوا الجنه بسلام.﴾ (۲)

(اے لوگو سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کا خیال رکھو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، راتوں کو جاگ کر اس وقت عبادت کرو جب غافل لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ.)

اس مختصر خطاب میں جس پر اختصار و ایجاز کی روح کو سو ناز ہے آپ حضور ﷺ نے چار اعمال پر زور دیا جنہوں نے عرب و عجم کی کایا پلٹ دی:

(۱) آپس میں ایک دوسرے پر سلام (سلامتی) کو عام کرو کیونکہ یہ نفرتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے.

(۲) بھائی چارہ اور باہمی اخوت کو اپناؤ، صلہ رحمی کا خیال رکھو، کیونکہ یہ دشمنیوں اور عداوتوں کو ختم کرتے ہیں.

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلاؤ کیونکہ اس سے معاشرے میں بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہوتا ہے.

(۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قیام اللیل اور ذکر الٰہی کیا کرو کیونکہ یہ تقویٰ کی طرف لیکر جاتا ہے اور سب سے آخر میں فرمایا کہ اگر ایک معاشرے میں یہ خوبیاں آجائیں تو جنت صرف چار قدم پر رہ جاتی ہے.

اس مختصر سے خطاب کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی سماجی اور معاشی بہبود کے لیے بیڑہ اٹھایا. اگر بین السطور دیکھا جائے تو درحقیقت یہ اس انقلاب کی طرف جانے کا سب سے آسان اور مختصر ترین راستہ اور لائحہ عمل (Roadmap) ہے جو فخر موجودات فخر نوع انسانی حضور نبی اکرم ﷺ نے خاص طور پر اپنی امت کے لیے اور عام طور پر بنی نوع انسان کے پسے ہوئے طبقے کے لیے وضع کیا تھا. آپ کی اس انقلابی دعوت پر مہاجرین اور انصار نے بیک زبان لبیک کہا جس کے نتیجے میں بہت تھوڑے عرصے میں ایک ایسی تہذیب نے جنم لے لیا جو ظلم و ستم، استحصال، جہالت اور غربت سے پاک تھی اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس آفاقی قرآنی سماج کا روپ دھار لیا جو دنیا کے باقی معاشروں اور ادیان کے برعکس نہایت متوازن اور موزوں تھا اور جو افراط و تفریط سے یکسر پاک درمیانہ روی پر گامزن تھا. قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں سے زیادہ درمیانہ رو بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں.﴾ (۳) یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس سے اس کے دشمن کانپ جاتے تھے مگر مؤمن آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے. (۴)

ہو محفل یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے تین نہایت اہم اور عہد آفرین امور کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی:

(۱) مسجد نبوی کی تعمیر: پچھلے تیرہ سالوں کی جہد مسلسل اور کفار کی چیرہ دستیوں کے بعد اب وقت آن پہنچا تھا کہ مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ اللہ کا گھر بنا کر اس کی عبادت کریں. روز اول سے ہی اللہ کے اس گھر کی تعمیر کا اولین مقصد تبلیغ اور ترویج اسلام تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ اسی اللہ کے اس گھر (مسجد) نے ایک ایسی مرکزی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے گرد مسلمانوں کے شب و روز گردش کرتے تھے. اس نے ان کو ایک ایسا فورم اور پلیٹ فارم مہیا کر دیا جس نے مسلم امت میں دینی اور سیاسی شعور کو اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا. اس نے سیاست اور دین کو اتنے گہرے رشتے میں پرو دیا کہ دونوں

نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک مثالی مسلم ریاست کے لیے مضبوط بنیادی ڈھانچہ (Infra Structure) فراہم کر دیا

(۲) بے گھر اور بے خانماں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور موالات کا ایک ایسا اٹوٹ رشتہ قائم کر دیا جس نے امت کے مختلف طبقوں کے درمیان منافرت اور عداوتوں کی تمام رکاوٹیں گرا کر رنگ و نسل سے پاک ایک امت واحد کی بنیاد رکھ دی.

(۳) مدینہ طیبہ میں ساکن کثیر النسلی عناصر اور شعوب و قبائل (جن میں عرب اور غیر عرب، انصار اور یہود سب شامل تھے) کے درمیان میثاق مدینہ کا معاہدہ طے کیا جس پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھ دی گئی.

ان تین ستونوں پر اس عظیم معاشرے کی بنیاد رکھی گئی جس نے گمراہی میں گم انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مہذب ترین معاشرہ بنا دیا. مکۃ المکرّمہ میں اگرچہ تنزیل قرآن کریم کا سلسلہ تیرہ سال سے چلا آ رہا تھا لیکن قریش کی ہٹ دھرمی اور ان کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر تشدد اور تضحیک نے مسلمانوں کو ایک اقلیت سے آگے نہ بڑھنے دیا تھا. یہ اقلیت بھی وہاں ہمیشہ مجبور و مقہور رہی تھی. بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ اگر ایک خاوند نے اسلام قبول کر لیا تھا تو بیوی مشرک رہنے پر مصر تھی، اگر ایک بہن نے اسلام کی سچائی کو اپنا لیا تھا تو بھائی کسی قیمت پر بھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا، اور اگر ایک بیٹی مسلم تھی تو داماد کافر ہی رہنے پر تلا ہوا تھا اور اگر ایک باپ مسلمان ہو گیا تو بیٹا کفر کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا تھا. سوائے چند خاندانوں کے جو سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، دیگر تمام مسلمان اپنے اپنے خاندانوں سے کٹے ہوئے تھے. اس طرح یہ اقلیت یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار ہو چکی تھی نمازیں بھی چھپ چھپا کر ادا کی جاتی تھیں. ابتدائی مسلمانوں کی قلیل جماعت کوہ صفاء کے دامن میں واقع دار ارقم میں چھپ کر جمع ہوتی اور نماز ادا کرتی اور اللہ کے پیارے نبی حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سنتی تھی.

تاہم ہجرت مبارکہ نے مسلمانوں کے لیے نئے مواقع پیدا کر دیے. دین ان کے لیے اب صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ ایک اجتماعی سوشل نظام بن چکا تھا جس نے کل کی اس مجبور و مقہور اقلیت کو آج کی صرف اکثریت ہی نہیں بلکہ آفاقیت سے ہمکنار کر دیا تھا. اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلوبہ آزادی فراہم کر دی تھی. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں: [اب کوئی ہجرت کی ضرورت نہیں رہی. پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ حلقہ اسلام میں ایک نو وارد کو اپنے اللہ اور رسول کے پاس پناہ لینی پڑتی تھی تاکہ دین اسلام کے اختیار کرنے سے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ نہ ٹوٹ پڑیں. اب اللہ کریم نے اسلام کو فتح عطا کر دی ہے اور ایک مومن جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کر سکتا ہے.] (۵)

نماز پنجگانہ مسلمانوں کو ایک مسجد نبوی کے پلیٹ فارم پر جمع کر دیتی جو ایک ایسا مینارہ نور بن گیا تھا جس سے ان کے شب و روز منور ہو گئے تھے اور جہاں سے انہیں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی مل جاتی تھی. مسجد نبوی کے علاوہ نو اور بھی مساجد تھیں جنہیں مساجد البیوت کہا جاتا تھا (۶) جن میں سے بہت سی تو ان انصار نے بنائی تھیں جو بیعت عقبہ اول اور بیعت عقبہ دوم میں شامل ہوئے تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: [حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ مختلف علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں (یعنی مختلف قبائلی آبادیوں میں) اور ان کو صاف ستھرا رکھا جائے اور وہاں خوشبو لگانے کا اہتمام کیا جائے.] (۷) اس طرح مساجد مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی زندگی کی اجتماعیت کی علامت بن گئیں.

مستشرق مارٹائمر کے الفاظ میں: ''اس کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہونا ایک ایسے معاشرے کے دھارے میں شامل ہونے کے مترادف تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قوانین کی روشنی میں قبائلی وفاداریوں اور عصبیت کو خاک میں ملا دیا تھا. ایک مسلم کو دوسرے مسلم پر حملہ کرنے کی ممانعت تھی اور نہ ہی وہ اپنے کسی بھائی بند کی مدد کر سکتے تھے جو کسی مسلم کے قتل میں ملوث ہو.'' (۸) اس لحاظ سے یہ ایک منفرد معاشرہ تھا جس کا تمام تر منبع رشد و ہدایت اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا عطا کردہ تھا. ہجرت مبارکہ کے دس سال بعد تک قرآن کریم

کی وحی کے نزول کا سلسلہ جاری رہا جس نے مسلم امت کے لیے ایک واضح ٹھوس اور مضبوط سیاسی ہیکل کی بنیاد رکھ دی. جہاں تک
بنیادی ستونوں کا تعلق ہے وہ تو مکہ میں ہی قرآن کریم نے استوار کر دیے تھے مگر ایک مفصل اور منفرد نظام حیات جو مسلمانوں کو دیگر ادیان سے
پیروکاروں سے ممتاز بناتا ہے اس کے متعلق احکام کی تنزیل مدینہ طیبہ میں مکمل ہوئی. ایسا صرف مدینہ طیبہ میں ہی ہوا کہ تمام سماجی قوانین
نازل ہوئے جو اسلامی معاشرے کے لیے مکمل ضابطہ حیات بنے. مہد سے لیکر لحد تک انسانی زندگی کے تمام معاملات. عبادات، اخلاقیات،
حلال اور حرام، شادی بیاہ، طلاق، وراثت، تجارت اور لین دین، نظام عدل گستری، جنگ و امن کی حکمت عملی، ریاست کے سیاسی معاملات
غرض زندگی کے ہر شعبہ پر محیط قوانین کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں پر ان کی تدوین اور تنفیذ بھی عمل میں آئی. ابن اسحاق کے الفاظ میں
''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں دائمی طور پر رہائش پذیر ہو گئے اور مہاجرین بھی سب آ چکے اور انصار کے تمام معاملات طے پا گئے تو اسلام
صحیح معنوں میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا. نماز قائم کر دی گئی، زکوٰۃ اور صیام لاگو کر دیئے گئے، اور قانونی نظام سزا و جزا نافذ کر دیا گیا، حلال
حرام کی تمیز کروا دی گئی جس سے اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا.'' (۹) قرآن کریم کی آیات پر آیات کا نزول ہوا اور کبھی کبھی تو پوری کی
پوری سورتیں نازل ہوئیں جس سے اسلام کے فوجداری اور دیوانی معاملات کو حل کرنے کا لائحہ عمل طے کیا گیا. حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس
نماز فجر کے بعد مسجد نبوی میں حلقہ ہائے درس منعقد فرماتے اور اکثر ایسے حلقے نماز ظہر تک چلتے رہتے تھے. (۱۰)

ایک کلیسا یا یہودی عبادت گاہ کے برعکس جہاں صرف ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں مسجد ایک ایسا مقام تھا جہاں مسلمان دن میں پانچ
بار جمع ہوتے تھے. لہذا مسجد نبوی شریف دن بھر مسلمانوں کی معمول کی عبادات اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے مختلف اشغال و افعال کا محور بنی
رہتی. یہیں پر سیاسی اجتماعات ہوتے اور یہیں پر سماجی امور بھی طے پاتے [illegible] بدیہی طور پر ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی تھی جو دیگر
اداروں میں سب سے زیادہ طاقتور ادارہ بن کر ابھری تھی جو معاملات حکومت چلانے کے لیے وضع کیے گئے تھے. اس [illegible] میں کوئی مبالغہ نہیں
ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ایک ایسا حلقہ بن چکا تھا جس کا محور قرآن کریم اور اس کی عملی تفسیر [illegible] جو حضور نبی اکرم ﷺ
کی ذات گرامی قدر کی شکل میں ان کے درمیان جلوہ فروز رہتی تھی. مسجد نبوی اور خاص طور پر اس میں واقع دکۃ الصفہ [illegible] ایسا مقام تھا جہاں ہر
وقت قرآن کریم کی تلاوت، تفسیر اور تفہیم شب و روز کا معمول بن گیا تھا مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اصحابہ کرام رضی [illegible] اللہ علیہم اجمعین کے
گھروں میں یہ کام نہیں ہوتا تھا. (۱۱) جب کبھی رات کے گھپ اندھیرے میں حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ [illegible] اس وقت مٹی کے
گھروندوں اور خیموں کے پاس سے گزر فرماتے تو آپ حضور ﷺ کی خوشی کی انتہاء نہ رہتی جب ان مکانوں کے مکین [illegible] در عورتیں محو تلاوت
ہوا کرتے تھے. یہی طرہ امتیاز ہے جس نے مدینۃ النبی کو صحیح معنوں میں مدینۃ القرآن بنا دیا تھا.

قرآن کریم کے اس سحر انگیز انقلابی سوشل آرڈر کا الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے. اس کا تو صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے. قرآنی نظام
نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا تھا جو اللہ رب العزت جل جلالہ کا رنگ تھا. ﴿ہم نے اللہ تعالیٰ ہی کا رنگ اپنایا ہے اور ہے اللہ سے بہتر کسی
اور کا رنگ؟﴾ (۱۲) اس یک رنگی نے ہر ایک کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا تھا جو اسلام تھا اور جو دنیا کے ہر سماجی اور دینی رنگ سے منفرد ہے.
حکم الٰہی کہ ﴿دین میں داخل ہو تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ﴾ پر من و عن عمل کیا گیا. یوں تھوڑے ہی عرصے میں تمام سماجی برائیاں ایک
ایک کر کے رخصت ہوتی چلی گئیں جیسے کسی جادو کی چھڑی کا کمال ہو! قمار بازی اور شراب نوشی جس نے معاشرے کو جڑوں تک خراب کر دیا تھا
نہایت حکمت سے دھیرے دھیرے دور کر دی گئیں اور پھر جب ممانعت اور حرمت شراب کا آخری حکم نازل ہوا تو شمع رسالت کے پروانوں
نے اس امتناعی حکم پر ایسا عمل کیا کہ جن کے پیٹ میں اس وقت شراب تھی انہوں نے بھی قے کر دی اور جن کے ہاتھوں میں جام تھے انہوں
نے فوراً انڈیل دیئے. (۱۳) شراب کے مٹکے پھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب بہہ نکلی تھی. اسلامی قوانین حدود کے

نافذ سے صدیوں پرانے جرائم اپنی موت آپ مر گئے۔ انسانی زندگی، جائیداد اور نجی حق خلوت (Privacy) واقعی تحفظ فراہم کیا گیا۔ سزاؤں کی خلاف ورزی قوانین حدود کے تحت سزاوار ٹھہرائی گئی قصاص اور دیت اور حدود فوجداری جرائم کے لیے قوانین اسلامی نظام عدل کی اساس ٹھہرے جو بلاتمیز رنگ و نسل سب پر یکساں لاگو تھے دیوانی معاملات میں بھی ایسا ہی نظام عدل رائج ہوا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں تو حضور پرنور ﷺ بنفس نفیس مقنن اور منفذ قانون تھے مگر خلفائے راشدین کے دور خلافت میں تمام بڑے شہروں میں عدالتیں قائم کی گئیں مدینہ طیبہ میں اگرچہ آخری اپیل کے لیے امیر المومنین کا دروازہ ہمیشہ کھلا تھا مگر عدلیہ کو آزاد بنانے کے لیے وہاں بھی علیحدہ عدالت قائم کر دی گئی تھی جو اسلامی قوانین کے نفاذ میں مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ادارہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ پہلے قاضی القضاۃ بنے اور جب وہ خود خلیفۃ المسلمین بنے تو آپ فوراً اس عہدے سے الگ ہو گئے اور حضرت زید ابن ثابتؓ کو اس عہدے پر تعینات کر دیا عدلیہ اس حد تک آزاد تھی کہ اسے کسی بھی ملزم کو عدالت میں طلب کرنے کا حق تھا خواہ وہ امیر المومنین ہی کیوں نہ ہو تمام فیصلے میرٹ پر قرآن و سنت کی روشنی میں ہوا کرتے تھے۔ (۱۴)

قرآنی احکام کو کما حقہ نافذ کیا گیا تھا اور اس کے نفاذ میں کسی قسم کی رعایت نہیں برتی گئی اور نہ ہی کسی جانبداری کا مظاہرہ ہونے دیا گیا اس بات سے پرکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کردار اس قرآنی آیت کریمہ کے عین مطابق تھا کہ اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دینی چاہیے خواہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر دعویٰ ہو وہ غنی ہو یا فقیر ہو۔ بہرحال اللہ ان کا سب سے زیادہ اختیار رہے تم خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ انصاف سے ہٹ جاؤ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا پہلو تہی کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (۱۵) ہر شہری جب چاہتا قاضی کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا اور اپنے اوپر کی زیادتی یا حکم سے خلاف استغاثہ دائر کر سکتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ کے لاگو کرنے سے اور سود کو ختم کرنے سے ایک ایسا معاشی نظام قائم ہو گیا جس نے معاشرے کے ہر طبقے کے شہریوں کی عدل اجتماعی کے تحت ہر جائز ضرورت کو پورا کر دیا۔

قرآن کریم کے احکامات پر مبنی اسلامی سماجی نظام کے ستون استوار کرتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات مبارکہ سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے ایسا کامل اسوہ حیات پیش فرمایا کہ اس نے ان کو نہ صرف دینی لحاظ سے بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی ایک جماعت میں ڈھال دیا جو ہر زاویہ نگاہ سے ایک مکمل اور ترقی پذیر معاشرے کی عکاسی کرتی تھی دینی اور روحانی ریاضتوں سے ساتھ ساتھ جسمانی اور ذہنی مشقتوں کو بھی بہت اہمیت دی گئی تاکہ ایک صحت مند معاشرہ قائم ہو سکے نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحت کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور مختلف قسم کی سماجی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ایک گھڑ دوڑ کے مقابلے کا حکم دیا: سدھائے ہوئے گھوڑوں کے لیے مقابلے کی دوڑ حفیہ سے لے کر ثنیات الوداع تک ہونا قرار پائی جب کہ ایسے گھوڑوں کے لیے جن کو ابھی تک سدھایا نہیں گیا تھا دوڑ کا میدان ثنیات الوداع سے لیکر مسجد بنی زریق تک قرار پایا اس حدیث مبارکہ کے دوسرے راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی اس گھڑ دوڑ میں شریک ہوئے تھے۔ (۱۶) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس ان گھوڑوں کو سدھایا تھا جو اس دوڑ میں شریک ہوئے تھے۔ (۱۷) اسی طرح خواہش مند لشکریوں کو پیدل چلنے اور گھڑ دوڑ کی تربیت دی جاتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نہ صرف تیر اندازی کی مشق کی ترغیب فرماتے بلکہ جب کبھی آپ حضور ﷺ کے علم میں آجاتا کہ فلاں یا فلاں نے تیر اندازی میں مہارت حاصل کرنا ترک کر دی ہے تو آپ اس کی سرزنش فرماتے۔ حضرت سلمہؓ کی روایت ہے کہ: [ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا گزر بنی اسلم کے ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: [اے اولاد اسماعیل! اچھی طرح تیر پھینکو

کیونکہ تمہارے جد امجد (یعنی حضرت اسماعیل علیہ اسلام) بہت اچھے تیر انداز تھے. آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی فلاں اور فلاں کی طرف ہوں (جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت دو ٹیمیں مشق میں مشغول تھیں). یہ سن کر دوسری ٹیم نے تیر اندازی بند کر دی جس پر آپ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: [حضور ہم بھلا کیسے اس ٹیم پر تیر پھینک سکتے ہیں جس میں آپ بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہوں.] حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: [تیر پھینکو کیونکہ میں سب کے ساتھ ہوں.] (۱۸) ایک اسی طرح کی دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت ابن شماسہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جس نے تیر اندازی سیکھ کر ترک کر دی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یا یہ فرمایا کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کا ارتکاب کیا ہے].(۱۹)

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: اللہ رب ذوالجلال ایک تیر کی خاطر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دے گا: ایک وہ جس نے تیر بنایا اور اس کے بنانے میں اس کی نیک نیت شامل تھی، اور دوسرا وہ جس نے اس تیر کو چلایا اور تیسرا وہ جو اس تیر کو پکڑ کر تیر انداز کو چلانے کے لیے دیتا ہے. لہذا خوب تیر چلاؤ اور گھڑ دوڑ کیا کرو، مگر تمہارا تیر چلانا مجھے گھوڑے دوڑانے سے زیادہ مرغوب ہے.] (۲۰) اسی طرح ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی فلسفہ جنگ کو تفصیل سے بیان فرمایا جب کہ آں حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے. آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اپنے دشمن سے ٹکر لینے کے لیے ہر وقت پوری قوت کے ساتھ (جتنا بھی تم سے بن پڑے) تیار رہو. یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے، یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے، یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے.] (۲۱) اسی طرح ایک اور موقع پر مسلم مجاہدین پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا. زمین اور ممالک تم پر کھول دیے جائیں گے اور اللہ تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کر دے گا، مگر تم میں سے کسی کو کسی بھی صورت میں اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہیے.] (۲۲)

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حبشی تیر انداز تفریح کی غرض سے نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے (۲۳) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم کے جائز مشغلوں کی اجازت مرحمت فرما دی تھی تا کہ مسلمانوں کی بدنی اور ذہنی نشوونما ہو سکے.

مسلمان صرف جہادی لشکری ہی نہیں تھے بلکہ ان میں تاجر بھی تھے اور کاروباری حضرات بھی اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے کاریگر اور ماہرین بھی. ان میں کسانوں سے لیکر دفاعی منصوبہ بندی کرنے والے قابل ترین سبھی افراد شامل تھے. مدنی مسلم معاشرے میں امیر و غریب سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے. قانون کی نظر میں سب برابر تھے. کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ تھی. ہاں البتہ زیادہ عزت اور احترام اس کو حاصل تھا جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب سے آگے ہوتا. انسانی برابری قرآن کریم کے اس سماوی حکم کے تحت تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شعوب و قبائل میں اس لیے تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو. بے شک تم میں سے عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو گا.﴾ (۲۴) سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے مصر کے والی، مالک اشتر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا: [ہماری افواج میں اللہ کے سپاہی ہیں اس کے علاوہ ہمارے سول ملازمین ہیں اور ان کے ادارے ہیں؛ ہمارے پاس عدلیہ بھی ہے اور محصل جمع کرنے والے کارندے بھی اور اس کے علاوہ تعلقات عامہ استوار کرنے والے عمال بھی ہیں. جہاں تک عامۃ الناس کا تعلق ہے وہ مسلم اور ذمیوں پر مشتمل ہے جن میں سوداگر اور کاریگر بھی ہیں اور بیروزگار اور غرباء بھی ہیں. ان سب لوگوں کے ہمارے اوپر حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جن کا تعین اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے].(۲۵)

حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے اپنی تقریر میں جو انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی زمانہ قبل از اسلام کے عربوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا تھا:

اے بادشاہ ہم ظالم بت پرست لوگ تھے جن کے ہاتھ ہر قسم کے جرائم سے رنگے ہوئے تھے. ہم میں صلہ رحمی نام کی

کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی ہمیں اپنے ہمسائیوں کے حقوق کا احساس تھا. ہم میں سے جو بھی طاقتور ہوتا کمزور کو ہڑپ کر لیتا تھا. پھر اللہ کریم نے ہمیں میں سے اپنا رسول مبعوث فرمایا جن کی صداقت اور صاف گوئی، عدل گستری، وفاداری اور امانت پر ہمارا سب کا اتفاق ہے. آپ نے ہمیں دین برحق کی طرف بلایا اور اللہ سے متعارف کرایا اور ہمیں رب واحد کی پرستش کرنے کی تعلیم دی اور ان جھوٹے خداؤں یعنی بتوں سے منہ موڑنے کی ترغیب دی جن کی ہمارے آباء واجداد اور ہم پوجا کیا کرتے تھے. آپ نے ہمیں سچائی اور وفاداری کی ترغیب دی، ہمیں اپنے بھائی بندوں اور ہمسایوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دی اور ہمیں حرام کاموں سے منع کیا، مثلاً خون بہانے سے منع کیا گیا ہے، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے سے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا ہے. آپ نے ہمیں رب واحد کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے. آپ نے ہمیں نماز قائم کرنے اور روزے رکھنے کی تعلیم بھی دی. ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور انہی کی پیروی کرتے ہیں. اسی لیے ہمارے لوگ ہم پر تشدد کرنے پر تل گئے ہیں. (۲۶)

اسلامی انقلاب کی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور اسلامی مورخ سید امیر علی رقمطراز ہیں

"مدنی زندگی کے دس سالوں میں جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ رہے عربوں کے کردار میں بہت تبدیلی واقع ہو گئی میں آئی مختلف قبائل اور شہروں میں اپنے نمائندے بھیجنے سے جن کو داخلی اور قبائلی قضیئے حل کرنے کا مکمل اختیار تھا قدیم فرسودہ نظام [illegible] کر دیا گیا تھا. ساتھ ہی ساتھ تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ دیا گیا. رہنے سہنے اور خاص طور پر عورتوں میں لباس پہننے تک کا انداز [illegible] جاہلیت کی بے لگام آزادی ترک کر دی گئی اور آداب واخلاق سدھر گئے اور کفایت شعاری کو اپنایا گیا قمار بازی اور شراب نوشی کو [illegible] دیا گیا. اس سے پہلے گھروں میں ذاتی خلوت (Privacy) نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور اس کے بعد مستورات کے لیے گھروں میں [illegible] تعمیر کرنے کا رواج عام ہو گیا." (۲۷)

ہم اس باب کو اس مصری کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جس کو مصری افواج نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے خلاف جاسوسی کے لیے بھیجا تھا جب آپ نے مصر فتح کرنے کی غرض سے ان پر یورش کی تھی جس سے اس عظیم اسلامی سماج کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے جو نتیجتاً اب مدینہ کی بدولت معرض وجود میں آیا تھا.

میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں جن میں سے ہر ایک زندگی کی نسبت موت سے زیادہ پیار کرتا ہے. وہ سب منکسر المزاج ہیں اور تکبر نامی چیز ان میں ہرگز موجود نہیں. کسی کو دنیاوی لالچ نہیں. ان کے رہن سہن کے طریقے بہت سادہ ہیں. ان کا سپہ سالار ان کے عام سپاہی جیسا اور برابر کی حیثیت رکھتا ہے. ان میں اعلیٰ وادنیٰ کی کوئی تمیز نہیں اور نہ ہی ان میں آقا اور غلام میں کوئی تفریق نظر آتی ہے. جب نماز کا وقت آپہنچتا ہے تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا...

حواشی

(۱) Edward Mortimer (Faith and Power)، صفحات ۳۹-۴۰ (قوسین کے درمیان اضافے مقام رسالت مآب ﷺ کے ہیں گئے ہیں کیونکہ ایک غیر مسلم مستشرق سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔)

(۲) یہ ترمذی کی ایک حسن حدیث مبارکہ ہے (نمبر ۲۴۸۵) اور سنن الدارمی نے اسے ۲-۵-۲۷ پر نقل کیا ہے۔ منقول از ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ)... باحوال المصطفیٰ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۴۔

(۳) القرآن الکریم، البقرہ ۱۴۳

(۴) القرآن الکریم، الفتح-۲۹

(۵) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۰۔

(۶) ابراہیم بن علی، المدنی العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص ۳۰۷۔ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن عمرؓ نے روایت کی کہ [illegible] مدینہ طیبہ میں اس وقت نو مساجد بھی ہوا کرتی تھیں جن میں مسجد نبوی شریف کی [illegible] سنائی دیتی تھی۔ ان کے قریب [illegible] مساجد میں نمازیں ادا کر لیتے تھے اور مسجد نبوی شریف میں واجب نمازوں کے لیے نہ آتے [illegible] نماز جمعہ کے جس کے لیے تمام لوگ مسجد میں آجاتے تھے۔ یاسین خیاری کے مطابق وہ نو مساجد کچھ اس طرح تھیں: مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی [illegible] مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج (جو بنو عبد [illegible] سے تھے)، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم اور مسجد بنی جہینہ۔ (تاریخ معالم المدینہ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء، ص ۹۵)

(۷) سنن ابی داؤد، ۲_۴۴۵۔

(۸) Edward Mortimer، مصدر مذکور، ص ۳۴۔

(۹) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۲۳۵۔

(۱۰) قرآن کریم (الجمعہ ۲) نے کیا ہی خوبصورت الفاظ میں اس بات کو ادا کیا ہے: [illegible] وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر [illegible] کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے [illegible] گمراہی میں تھے۔

(۱۱) ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ کسی گھر کے پاس سے گزر فرماتے جہاں قرآن کریم کی تلاوت کی جا رہی ہوتی تو آں حضرت ﷺ بہت خوش ہوتے۔ محدثین نے ایک ایسا واقع خاص طور پر بیان کیا ہے جب آپ حضور ﷺ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے گھر کے پاس سے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے سریلے لحن میں قرآن پاک کی تلاوت سن کر آپ حضور ﷺ بہت محظوظ ہوئے۔

(۱۲) القرآن الکریم (البقرہ ۱۳۸)

(۱۳) یہ کنواں پچھلے سال تک (۲۰۰۱ء)، العوالی میں مسجد قبا کے صحن میں موجود تھا مگر چونکہ اب مسجد مسمار کر دی گئی ہے ساتھ ہی وہ کنواں بھی کھنڈروں سے [illegible] ہو گیا ہے۔

(۱۴) حضرت عمر فاروقؓ کی عدل گستری انتہائی غیر جانب دارانہ تھی۔ یہاں تک کہ جب ان کو اپنے ایک بیٹے (عبدالرحمٰن الاوسط جن کو ابوشحمہ کہا جاتا تھا) پر شراب نوشی و زنا کا جرم ثابت ہو گیا تو ان پر بھی ایک عام شہری کی طرف نظام حدود نافذ کیا گیا اور ان پر کوڑے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھوں سے کوڑوں کی سزا سے ان کا انتقال ہوا۔ مرتے وقت ابوشحمہ نے کراہتے ہوئے کہا، ابو جان آپ نے مجھے مار دیا! جس پر حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا، جب تو اللہ کے ہاں حاضر ہو تو یہ ضرور کہہ دینا کہ ہم اس کے عائد کردہ حدود و قوانین کی پوری طرح تعمیل بجا لاتے ہیں۔] ابن شبہ، تاریخ المدینہ، ج ۳، ص ۹۶۲

(۱۵) القرآن الکریم (النساء، ۱۳۵)

(۱۶) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۱۲۔ نیز الموطا، ج ۱، نمبر ۱۰۱۷
(۱۷) سنن ابی داؤد، ۲۴-۲۵۷۱
(۱۸) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۱۴۸ اور ۷۱۰
(۱۹) صحیح مسلم، ۲۱-۴۷۱۴
(۲۰) سنن ابی داؤد، ۱۴-۲۵۰۷
(۲۱) ایضاً ۲۰۔ ۴۷۱۱
(۲۲) ایضاً ۲۰-۴۷۱۲
(۲۳) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۷۰
(۲۴) القرآن الکریم (الحجرات ۱۳)
(۲۵) رشید ترابی (A Great Historic D...ument)، عربی سے ترجمہ شدہ، دوسرا ایڈیشن، ص ۔
(۲۶) حضرت عروہ ابن ز...ی رسول اللہ، تحقیق و تدقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد عبدالرحمن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۱۴۔
(۲۷) سید امیر علی، (A Short History of the Saracens - McMillan & Co , Londo...1955)، ص ۱۹

سید الشہدا حضرت حمزہ اور شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم کے احاطہ مزارات کا اندرونی منظر (ایک قدیم تصویر)

سید الشہدا حضرت حمزہ اور شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم کے احاطہ مزارات کا بیرونی منظر (ایک قدیم تصویر)

منقبة

طلوع اسلام اور اس کی حیرت انگیز عالمگیر ترقی اور اس کا جزیرہ نمائے عرب اور اس کے اردگرد کی تمام عالمی قوتوں کو برق رفتاری سے ساتھ سرنگوں کر کے ہفت کشور پر حکومت قائم کر لینا ایک ایسا امر ہے جس کا ہر دور کے حکماء مفکرین اور تھنک ٹینک تجزیہ کرتے آئے ہیں کہ موضوع پر بحث و تمحیص کے لیے ہر طبقہ فکر نے بقدر ہمت اوست کمندیں ڈالی ہیں. سیرت نگاروں سے لیکر فوجی جرنیلوں تک اور عاشقان حبیب رب ذوالجلال ﷺ سے لیکر معاندین مستشرقین تک نے اس حیران کن مظہر پر قلم اٹھائی ہے. سیرت رسول اللہ ﷺ کی طرح غزوات رسول اللہ ﷺ جن میں آں حضرت ﷺ نے بنفس نفیس مسلم افواج کی کمان فرمائی تھی ایک ایسا وسیع اور عمیق موضوع ہے جس کے کما حقہ مطالعہ کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں اور اس لیے ہماری اس چھوٹی سی کتاب کا جس کا نفس مضمون صرف تاریخ مدینہ طیبہ تک محدود ہے حصہ نہیں بنایا جا سکتا. تاہم چونکہ مدینہ طیبہ میں بعض غزوات برپا ہوئے تھے ہم صرف ان غزوات پر قلم اٹھائیں گے جن میں میدان کارزار (Theatre of Operations) مدینہ طیبہ ہی میں بنا تھا اور مسلم افواج کی کمان خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں تھی.

قارئین کی سہولت کے لیے ہم ان حالات و واقعات کا سرسری سا خلاصہ پیش کرنا چاہیں گے جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو خیرباد کہنا پڑا کیونکہ کفار مکہ نے حضور والا شان ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے پیروکاروں کے لیے دیگر تمام راستے بند کر دیئے تھے. جب سے حضور سرور دو عالم ﷺ نے نزول وحی کے بعد اعلان نبوت فرمایا تھا اسی وقت سے آں حضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا. ان کو پہلے تو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا مگر جوں جوں ان کی ثابت قدمی کفار کے دل پر نقش ہوتی گئی انہوں نے ان مٹھی بھر مظلوموں پر ظلم و ستم، سماجی بائیکاٹ، اور ایسا تشدد کرنا شروع کر دیا جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. کتنے ایسے واقعات ہیں جن میں شیدایان شہ مکی مدنی ﷺ کے گلوں میں رسیاں ڈال کر ان کو مکہ کی تپتی ہوئی [illegible] خ زمین پر گھسیٹا گیا. ظلم و تشدد کا یہ لامتناہی سلسلہ تقریباً تیرہ سال تک جاری رہا اور اس تمام عرصے میں مسلمانوں نے اس بدترین سلوک [illegible] تنے صبر و تحمل سے برداشت کیا کہ جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی. لیکن اس تمام ظلم و تشدد، اہانت اور سماجی بائیکاٹوں کے باوجود نہ ہی رسو [illegible] للہ ﷺ اور نہ ہی آپ کے کسی اصحابی کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور نہ ہی ان میں سے کسی مسلم نے جب تک مکۃ المکرمہ میں رہے آپ کے احکام کا اتباع کرتے ہوئے کبھی کسی سے جھگڑا کیا اور نہ ہی ہتھیار اٹھائے. مگر جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو میر کارواں نوع انسانی ﷺ نے اپنے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی. قریش نے پہلے تو ان کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دور جا چکے ہیں تو انہوں نے ان کا نجاشی کے دربار تک پیچھا کیا اور اس پر بھرپور زور ڈالا کہ وہ ان مہاجرین کو کسی قسم کی پناہ نہ دے اور ان کو واپس مکہ بھیج دے، مگر اس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی. (۲) اس کے بعد ہجرت ثانی کا حکم ہوا جو ایک ایسے دیس کی طرف تھی جس کی زمین میں کنوؤں سے آبیاری کی جاتی تھی، یعنی ارض یثرب. یہ حکم نبی اکرم ﷺ کو رؤیائے صادقہ کے ذریعے ہوا. (۳) اس کے بعد ایک ایک کر کے مسلمان چوری چھپے مدینہ طیبہ کا رخ کرنے لگے. صرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے اصحابی تھے جو دن دہاڑے خانہ کعبہ کا طواف کر کے اور کھلے بندوں نماز ادا کر کے مکہ مکرمہ سے سب کے سامنے علی الاعلان مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تھے.

یہ قافلہ سالار اسلام اور میر امم جناب رسول مقبول ﷺ کے بطور قائد اعلیٰ کے عزم و ہمت کی انتہاء تھی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی ذات گرامی بذات خود کفار کا پہلا ہدف تھی آں حضرت ﷺ نے اپنے تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہلے مکہ سے چلے جانے دیا اور خود تن تنہا صرف دو ساتھیوں کی ہمراہی میں پیچھے ٹھہرے رہے. یہ دو ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے. ایک رات جب دشمن نے آپ کی رہائش گاہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا تھا اور مختلف قبائل کے سردار اپنی خون آشام تلواریں سونت کر کھڑے تھے تو نبی مکی مدنی اور سید العرب والعجم ﷺ نے تعمیل حکم الٰہی میں اپنے پرخطر سفر کا آغاز کیا. اپنے پیچھے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر میں چھوڑا

تاکہ وہ امانتیں جو مکہ کے جانی دشمنوں نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کو واپس لوٹا سکیں یہ قیادت، حوصلے اور شجاعت کی معراج تھی کہ جب کفار مکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر کو چاروں طرف سے نرغے میں لیے ہوئے تھے رحمت دو عالم ﷺ سیف مسلول کی طرح ان کے محاصرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باہر نکلے۔ پوری انسانی تاریخ ایسے عزم و ہمت کی اور کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اگلی صبح پو پھٹتے ہی دشمنوں کو خفت اٹھانی پڑی اس لیے کہ ان کا ہدف ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں۔ ﴿اور اسے محبوب یاد کرو کہ کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کردیں یا نکال دیں، اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے..... ﴾ (۴) انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق اس سفر ہجرت کا ذکر کچھ اس طرح ہے (The burden upon Arabia) ''عرب کے جنگلوں میں تم ٹھہروگے، اے دیدانیم کے مسافرو تیما کی سرزمین کے باسی آپ کے لیے پانی لیکر آئے جبکہ آپ پیاسے تھے، انہوں نے ان کا راستہ روکا جو اپنے گھر سے نکل پڑے تھے؛ وہ جو سونتی ہوئی تلواروں اور کھنچے ہوئے تیروں کے درمیان سے ہوکر اپنے گھر سے نکل پڑے تھے اور وہ جو جنگ کے غموں سے نکل پڑے تھے۔'' (۵) حجاز کے قدیم و دقیق صحرا میں ۱۰۰ سے بے نوکیلے سنگلاخوں سے گزرتے ہوئے دو جگری یاروں کا مختصر سا قافلہ ۱۲ ربیع الاول یکم ہجری کو باب المدینہ قباء شریف پہنچ گیا خوش رہو اے اہل مدینہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے مہاجر ساتھیوں کی اس وقت مدد کی جب کہ ان کے اپنے خونی رشتہ داروں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا! واقعی تم اس نبات ہی باوقار خطاب اور انعام و اکرام کے حقدار تھے جو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے تم کو عطا ہوا (۶) ﴿اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی کامیاب ٹھہرا﴾ (۷)

اس طرح مکہ مکرمہ میں تقریباً تیرہ سال کفار کی چیرہ دستیاں سہہ کر آں حضرت رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور تہی دست مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے مہاجرین کے پیچھے ان سب کی جائیدادیں [illegible] سب کچھ دشمنوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ بر سبیل مثال: ابوسفیان نے بنو جحش کی تمام جائیدادیں تھیں اس پر اکتفا نہیں [illegible] تھا کہ کفار نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ آپ حضور ﷺ خواہ جہاں کہیں بھی جائیں گے آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جائے گا حضرت [illegible] کعب بن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق مکیوں نے ابن ابی کو جو مدینہ طیبہ کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا (۸) یہ [illegible] الفاظ میں لکھا: ''تم نے ہمارے بھگوڑے ساتھیوں کو پناہ دے دی ہے۔ ہم اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تمہیں یا تو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا ان کو نکال باہر پھینکنا ہوگا ورنہ ہم پوری قوت سے تم پر حملہ آور ہوں گے اور پھر ہم تمہارے جنگجوؤں کو مار دیں گے اور تمہاری عورتوں کے ساتھ جو چاہیں گے سلوک کریں گے۔'' (۹)

ابوداؤد کی اس حدیث مبارکہ کے مطابق یہ دھمکی صرف جنگ بدر سے پہلے ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ بدر میں شکست کھانے کے بعد بھی ان کفار نے اور زیادہ سخت الفاظ میں ایک اور خط یہود بے بہبود کو ارسال کیا تھا جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے سے باز رہنے کا کہا گیا تھا۔ اس دوسرے خط کا متن کچھ یوں تھا: ''تم ہتھیاروں اور قلعوں والے لوگ ہو۔ تمہیں تو ہمارے ساتھی سے جنگ کرنی چاہئے ورنہ ہم جس طرح مناسب سمجھیں گے تم سے سلوک کریں گے اور پھر ہمارے ہاتھوں اور تمہاری عورتوں کے ٹخنوں کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں رہے گی۔'' (۱۰) یہ اعلانیہ جنگ کا کھلم کھلا چیلنج تھا جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قبول فرمالیا۔ یوں تو ہجرت سے تھوڑی دیر پہلے ہی جہاد کی اجازت دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بندھے ہاتھوں کو کھول دیا تھا ﴿وہ جو اپنے گھروں سے ناحق

نکالے گئے صرف اتنی سی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے. اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے ﴿۱۱﴾

اس سے بھی بہت پہلے جب بیعت عقبہ ثانی ہو رہی تھی تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ (رسول مقبول ﷺ کے چچا) نے تقریر کرتے مدینہ طیبہ کے اس وفد پر واضح کر دیا تھا کہ کفار آپ حضور ﷺ کا ہر جگہ پیچھا کریں گے. اسی طرح میثاق مدینہ کی بعض شقوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کفار کے خطرے سے پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ وہ لوگ مدینہ طیبہ پر ہر حالت میں حملہ کریں گے. ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت نے اپنے دادا (یعنی حضرت صامتؓ) سے روایت کی ہے جو بیعت عقبہ اول کے وفد میں شامل تھے: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہر حالت میں ساتھ رہنے کا اور مکمل اتباع کرنے کا حلف لیا تھا خواہ خوشی ہو یا غم، آسانی اور راحت ہو یا تنگی اور مشکل حالات ہم نے یہ بھی حلف لیا تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے زیادتی نہیں کریں گے اور ہمیشہ سچ بولیں گے اور یہ کہ اللہ کے حکم بجا لانے میں ہم کسی کی پرواہ نہیں کریں گے.'' حضرت عبادہؓ ان بارہ نقیبوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ اول پر حلف لیا تھا. اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دفاعی تیاریاں جاری تھیں تاکہ ظلم و بربریت کا مقابلہ کیا جا سکے.

درحقیقت ہجرت مبارکہ بذات خود ایک غیر مسلح اور خاموش جہاد تھا جو ظلم و بربریت کے خلاف عملی طور پر شروع کر دیا گیا اور اسے اس طویل المدت حکمت عملی کا حصہ سمجھنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل جلالہ کے احکام کی تعمیل میں اپنائی تھی. رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ جہاد (مسلح جدوجہد) جو پہلے کی نسبت اب قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا صرف ایک یا دو جھڑپوں یا معرکوں پر ختم نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ جنگ کے چند معرکوں کا متقاضی تھا بلکہ وہ تو جہد مسلسل اور جہاد پیہم کی شکل میں غیر معینہ مدت تک جاری رہنا تھا.

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حالات و قرائن بتا رہے تھے کہ آنے والی جنگ خاصی طویل ہونی تھی اور اس بات کا قوی احتمال تھا کہ وہ کئی معرکوں پر محیط ہوگی اور نبی اکرم ﷺ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کا قانون غالب نہ آ جائے گا اور یہی حکم الٰہی اور مشیت ایزدی بھی تھی. جنگ بعاث جو صرف ایک قبائلی جنگ تھی اور غیر دینی اور محض عصبیت کی بنیادوں پر لڑی گئی تھی وہ بھی کئی سالوں کے طویل عرصے تک کھنچ گئی تھی. عربوں سے زیادہ قبل از اسلام جنگ و جدل کی اس کڑوی سچائی سے کون اور زیادہ آشنا ہو سکتا تھا. یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ اب کی بار جب جنگ شروع ہو گئی تو اس کے شعلے اس وقت تک ٹھنڈے نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ رزم حق و باطل اپنے منطقی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی، یعنی متحارب فریقین میں سے کسی ایک کی مکمل شکست! لہٰذا اس جنگ کی منصوبہ بندی ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کرنی تھی جس میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ آنے والی جنگ کئی محاذوں پر اور مختلف اوقات میں اور غیر معینہ مدت تک لڑی جائے گی.

سالار اعلیٰ امت اسلامیہ نبی اکرم ﷺ کی عسکری حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے مطابق مکہ اس وقت ایک مناسب میدان کارزار (Theatre of Operations) نہیں تھا. لہٰذا کسی بھی قسم کی عسکری جدوجہد یا مسلح جہاد کے لیے دوسرا جغرافیائی محاذ اور میدان جنگ درکار تھا جس کی ٹوپوگرافی کا دشمن کی گھڑسوار اور پیدل فوج کو تجربہ نہ ہو. ایک عظیم عسکری قائد ہونے کے ناطے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''الحرب خدعة'' (یعنی جنگ سٹریٹیجی اور ٹیکنیکس، جنگی چالیں چلنے کا دوسرا نام ہے.) اگرچہ مسلم اپنا گھر یار دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑ کر مدینہ آ بسے تھے لیکن پھر بھی مکی دشمن اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تھا. دھمکی آمیز خطوط اور پیغامات جو منافقین اور یہود کو بھیجے گئے تھے انہوں نے

جلتی پر تیل کا کام کیا اور کشیدگی میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں اس بات کا خدشہ تھا کہ یہود اور منافقین زود یا بدیر کفار مکہ کے جال میں پھنس جائیں گے اور ان کی دھمکیوں میں آ کر اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف ریشہ دوانیوں میں برابر کے شریک بن جائیں گے اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ریاست اسلامی کے سربراہ ہونے کے ناطے رسول اللہ ﷺ بھلا کیسے ان خطروں کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ غیر اعلانیہ طور پر جنگ مسلمانوں کے سر پر تھوپی جا رہی تھی اللہ رب العزت کے احکام بھی جہاد شروع کر دینے کے لیے صادر ہو چکے تھے لیکن جیسا کہ جنگی مفکرین اور تجزیہ نگار کہا کرتے ہیں کہ جنگ کبھی بھی ایک لمحے کے فیصلہ پر نہیں لڑی جاتی اس کے لیے بہت گہری سوچ، مناسب منصوبہ بندی، سامان حرب وضرب کا میسر ہونا اور سامان رسد (لاجسٹک) اور سامان خورد ونوش کی فراوانی اور افراوی قوت کی مستعدی درکار ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر اردگرد کے ہمسایوں سے سفارتکاری اور خارجہ تعلقات ہوا کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے خارجی تعلقات کی طرف توجہ دی اور بہت سارے ہمسایہ قبیلوں کا دورہ فرمایا آں حضرت ﷺ نے ان میں سے بہت سے قبائل کے ساتھ دوستانہ معاہدے کر لیے یہ ایک ایسی سفارتی کامیابی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں نشین قبائل کسی ممکنہ جنگ کی صورت میں غیر جانبدار (Neutral) ہو گئے۔ ایسے معاہدے جنوب میں بسنے والے قبیلے بنو ضمرہ، اور شمال میں رہنے والے بنو جہینہ اور مغرب میں رہنے والے قبیلے بنو مزینہ سے طے کر لیے گئے تھے جن کی رو سے یہ طے پایا گیا تھا کہ فریقین اپنے میں سے کسی ایک پر ممکنہ خارجی جارحیت کی صورت میں دوسرے فریق کو عسکری مدد فراہم کریں گے۔ ان معاہدوں کی رو سے یہ رعایت بھی حاصل کر لی گئی تھی کہ مسلمانوں کی فوجیں ان کے علاقوں سے گزر سکیں گی مگر وہ قبیلے دشمن کی افواج کو مدینہ طیبہ پر حملے کے لیے اپنے علاقوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

جہاں تک افرادی قوت کا تعلق تھا تمام مسلم امت کے جاں نثار، خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار، اپنے آقا و مولیٰ [illegible] کی صدا پر لبیک کہنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ہاں اگر کمی تھی تو مادی وسائل کی تھی مادی استعداد میں مسلمان دشمن کی مادی قوت سے کہیں کم تر تھے تقریباً ۱۵۰ مہاجرین نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تھی اور ان میں سے صرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے علاوہ باقی سب کے سب مادی طور پر تہی دامن تھے۔ یہ تو صرف ان پر اسرار بندوں کا اپنے محبوب قائد و رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق اور اپنے رب ذوالجلال پر غیر متزلزل ایمان تھا کہ مادی وسائل سے عاری مگر جذبہ جہاد سے سرشار فرزندان توحید نے جونہی ماہ شعبان ۲ ہجری میں رمضان میں نکلنے کا حکم (سورہ البقرہ۔ ۱۹۰-۱۹۳) نازل ہوا، تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مہاجر و انصار دونوں نے بدر کا رخ کر کے تاریخ عالم کی وہ مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ مٹھی بھر فوج جو صرف ۳۱۳ کی نفری پر مشتمل ہو اپنے سے تین گنا بڑے دشمن کو بدر کے مقام پر شکست دے جو کیل کانٹے سے لیس ہو کر آیا تھا۔ (۱۲) بقول اقبال:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　مومن ہے تو بے تیغ لڑتا ہے سپاہی

یہی کہنا کافی ہوگا کہ تمام مدنی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ اس وقت پوری مدت اسد میہ تھی اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر اپنے سالار اعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ کھاتے پیتے گھرانے کے اصحابہ کرام جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی افواج اسلام کو مسلح کرنے کا بیڑہ اٹھاتے۔ وسائل کی کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک گھوڑا ہو تو وہ اپنے ایک اور بھائی کو سوار کر کے ساتھ لے جائے گا۔ کفایت شعاری کی تمام کوششوں کے باوجود اور تو اور کھانے پینے کی رسد کم پڑ جاتی تھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ (۱۳) جب غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی تھی تو مسلمانوں کے مادی افلاس کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اہل ثروت اصحاب کو اپیل کرنی پڑی کہ وہ آگے آئیں اور حتی المقدور لشکر اسلامی کی سلاح بندی کریں۔ دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ

سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے تین سو اونٹ بمع مکمل سامان حرب وضرب اور سامان رسد مہیا کئے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تو گھر کی ایک ایک چیز اپنے آقا و مولا ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دی تھی. پھر بھی جیش اسلامی مادی طور پر پوری طرح تیار نہ تھا اور کفایت شعاری سے دیگر احکام جاری کرنے پڑے تا کہ لشکر روانہ ہو سکے. یہی وجہ تھی کہ اس جیش کا نام اسلامی تاریخ میں 'جیش العسرۃ' (تنگدستی کی فوج) کے طور پر کیا جاتا ہے.(۱۴)

ایسے ہی دیگر مادی وسائل کی کمی کے باوجود میر امم اور سالار کائنات حضور سرور دو عالم ﷺ اپنے جیوش کو 'کامل مستعدی' (Full Preparedness) کے عالم میں رکھتے اور مجاہدین اسلام کو چاک و چوبند رکھنے کے لیے آں حضرت ﷺ گھڑ دوڑوں کا اہتمام فرماتے، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی کے مقابلے منعقد فرماتے. اس ہمہ وقت کی مستعدی کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب و ضرب میں مہارت تام حاصل ہو. لہذا نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا. نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح مدینہ طیبہ میں رائج تھی. رہی گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے شوقین تھے. پہلوانی اور دیگر جسمانی لیاقت کو جلا دینے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا. کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس وقت رائج مارشل آرٹس اور فن تیر اندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی. ایک حدیث مبارکہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اذن مبارک سے حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کا اہتمام فرماتے اور جو گھوڑا پانچویں سال میں ہوتا اس کے لیے دوڑ کا دورانیہ بہت لمبا رکھا جاتا تھا.(۱۵) آپ حضور ﷺ بنفس نفیس گھوڑوں کو سدھارنے میں شرکت فرماتے (۱۶). حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تنخواہوں کی اجازت صرف اونٹوں کی دوڑ، یا گھڑ دوڑ یا پھر تیر اندازی کے لیے دی تھی.(۱۷) حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب کہ آپ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ فرما رہے تھے: ان (دشمنوں) سے مقابلے کے لیے پوری قوت کے ساتھ جتنا بھی تم سے بن پڑے ہمہ وقت تیار رہو. اور یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے.] (۱۸) وہی ابن عامرؓ بیان فرماتے ہیں: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمینیں اور ممالک کے دروازے تم پر کھول دیے جائیں گے اور اللہ تمہیں دشمنوں پر غالب کر دے گا، مگر بایں ہمہ تمہیں اپنے تیروں سے کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہئے.] (۱۹)

درج ذیل آیۃ کریمہ سے واضح ہے: ﴿اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے.﴾ جہاد نہ صرف فرض عین کر دیا گیا تھا بلکہ اللہ کے دین کی سطوت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا بھی ناگزیر ہو گیا تھا. سالار اعلیٰ امت مسلمہ جناب رسول مقبول ﷺ کی اولیں توجہ نہ صرف مدینہ طیبہ کی شہری ریاست (Commonwealth) کی جغرافیائی حدود کی حفاظت پر مبذول تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آں حضرت ﷺ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں ہر شخص 'دائمی پائیدار امن' کی حالت میں زندگی گزار سکے. دنیا میں اگر کبھی اور کہیں ایسی جنگ لڑی گئی ہے جس کا مقصد وحید 'پائیدار امن قائم کرنا' تھا تو یہ وہی جنگ تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے لڑا اور جو نو سال کے طویل عرصے پر محیط تھی. اس میں ہونے والے تمام غزووں کو اس طویل جہاد و جنگ (War) کے مختلف معرکے (Battles) کہا جانا چاہئے، مگر بدقسمتی سے عالمی تاریخ میں اس کو کوئی نام نہیں دیا جا سکا، حالانکہ پچھلے چودہ سو سالوں سے اس پر بحث مباحثے اور تبصرے ہوتے رہے ہیں.(۲۰) آپ کا مقصد مدینہ طیبہ کے اندر اور ارد گرد پائیدار امن کا قیام تھا. لیکن امن

کے قائم کرنے کے لیے اس کی قیمت ضرور ادا کرنی پڑتی ہے اور اب کفار مکہ تو کھلم کھلا اس قیمت کا تقاضا کر رہے تھے بلکہ ان کی دھمکیاں تو مدینہ طیبہ کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں جب آپ حضور ﷺ نے اللہ سے رہنمائی مانگی تو فیصلہ کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ وہ آپ سے مقدس مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں اور ان میں لڑنے کے متعلق، آپ ان سے فرما دیجئے ان میں جنگ و جدل بڑا گناہ ہے، لیکن لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹانا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان سے بن پڑے۔ (۲۱) اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو (۲۲) اور مزید حکم آیا تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے مگر وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳)

یہ وہ پس منظر تھا جس میں مسلمان اس وقت درپیش چیلنج کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اللہ کے دشمنوں کا مل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا پہلے تو بدر کے میدان میں اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ کے مضافات میں (جبل احد کے دامن میں) اور پھر خود مدینہ طیبہ کے اندر (بنو نضیر، خندق اور بنو قریضہ وغیرہ) اور پھر جب مسلمانوں نے ان تمام محاذوں میں پے در پے فتوحات حاصل کر لیں تو پھر مدینہ طیبہ سے دور دراز کے علاقوں کا رخ کیا گیا مثلاً خیبر، مکۃ المکرمہ اور تبوک وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ اسلامی ریاست کے مؤسس اور سربراہ اعلیٰ بھی تھے اور دونوں صورتوں میں آں حضرت ﷺ کے قول و فعل مشن اور مہمت کے لیے بہترین نمونہ تھے جس کا بنیادی مقصد رب ذوالجلال کا اتباع تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی زندگی کے ہر شعبے میں آپ کا سو فیصد اتباع کرنے کا حکم دیا تھا۔ مسلمان افواج کے سربراہ ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ کی حیثیت پر بھی اپنی ریاست اور مہمت کو درپیش خطرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا آپ حضور ﷺ نے ایک نہایت ہی منظم اور خفیہ منصوبہ تیار فرمایا جس کی تکمیل تقریباً چھ سال میں ہوئی تھی۔ پہلے مرحلے کے طور پر آپ حضور ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے جو تعداد کی مناسبت سے مختلف چھوٹے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ ایسی مہمات عموماً نہایت ہی منجھے ہوئے سرد و گرم چشیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سربراہی میں روانہ کی جاتیں اور ان کا مقصد وحید دشمن کی حرکات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا ہوتا تھا تاکہ ان خفیہ اور بہتر معلومات کی بنیاد پر اپنا دفاعی منصوبہ ترتیب دیا جائے جاسوسی کی معلومات اکٹھی کرنے کے علاوہ ایک دوسرا بڑا مقصد سیاسی نوعیت کا بھی تھا تاکہ مسلم رضاکاروں کی گشت سے ان تمام زیر اثر علاقوں کی (جو کہ اگرچہ ریاست مدینہ کے ساتھ معاہدوں میں تو بندھ گئے تھے مگر دلی طور پر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) وفاداری یقینی بنائی جا سکے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلم رضاکاروں کی آنے والی جنگوں کے لیے عملی ٹریننگ اور مدینہ طیبہ کے گرد و پیش میں دور دور کے علاقے تک جغرافیائی اور ارضی حالات سے شناسائی کروانا بھی مقصود تھی۔

پہلے مرحلے کی مہم جوئی کے بعد دوسرے مرحلے میں جو سریہ جات روانہ کیے گئے وہ پہلوں کی نسبت زیادہ کثیر المقاصد تھے ایک طرف تو ان کا دائرہ کار اور اختیارات وسیع تر تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ دشمن کو باور کروا دیا جائے کہ مدینہ طیبہ اب پہلے کی طرح کمزور نہیں رہا بلکہ اب وہ پوری استعداد اور اہلیت رکھتا ہے کہ دشمن کے قافلوں کو روک سکے ان سریوں میں شامل رضاکاروں نے مکی قافلوں کا جو شمال کی طرف روانہ ہوتے تھے پیچھا کرنا شروع کیا جو مدینہ طیبہ کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے ان سریوں کو سخت ہدایات تھیں کہ وہ قافلوں پر حملہ نہ کریں بلکہ صرف اتنا کریں کہ وہ دشمن کی نظروں میں آ جائیں تاکہ ان کو احساس ہو جائے کہ اسلام ایک ایسی قوت کے طور پر ابھر آیا ہے جس کو مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب مدینہ طیبہ ایک سیاسی اکائی کے طور پر مکمل ریاست بن چکا تھا اور اس طرح دشمن کے قافلوں کا پیچھ

کر کے مسلمان ان کو یہ بھی باور کرانا چاہتے تھے کہ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر مکیوں پر واجب تھا کہ وہ اس نئی سیاسی حقیقت کا
ادراک کریں اور اسے ایک ریاست کے طور پر تسلیم کر لیں. لیکن مکہ کے کفار جو اپنی طاقت کے نشے میں چور تھے اور دین مصطفوی کو نشانہ
سے اکھاڑنے کے درپے تھے ان کو یہ حقیقت خاصی کڑوی لگ رہی تھی اور انہوں نے ان اشاریاتی پیغاموں کو نہ سمجھا. ان کے کاروانوں کا
پر راستہ روکا گیا مگر بغیر کسی قسم کا خون خرابہ کئے ان کو گزرنے دیا گیا. تیسرے مرحلے کے طور پر روانہ کئے گئے سرایا میں تیراندازوں کی چند
جھڑپیں ہوئیں جن سے مکمل دوبدو مقابلوں (Full-scale engagements) کا راستہ کھل گیا. اس طرح مختلف مراحل میں دشمن کے ساتھ کُل
لی گئی. مدنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے یا تو بنفس نفیس شرکت کے ساتھ یا اپنے کسی جلیل القدر اصحابی کی سالاری میں ایسی ستائیس مہمیں بھیجی
'سرایا'۔ (Military Expeditions) روانہ فرمائیں (۲۴)۔ جن میں سے صرف نو سرایا میں معمولی لڑائی تک نوبت پہنچی تھی. اسی طرح بیس
مرحلے کی مہموں کو ملا کر تقریباً ساٹھ چھوٹے چھوٹے عسکری سرایا (Military Detachments) روانہ کئے گئے تھے. (۲۵) حضور نبی کریم ﷺ
کے دس سالہ مدنی قیام میں سے نو سال سے زیادہ کا عرصہ حالت جنگ میں گزرا تھا. یہی حالت آپ کے جان نثاروں کی بھی تھی جس کا مطلب
یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست مسلسل حالت جنگ میں تھی اور چونکہ ریاست مدینہ اس وقت پوری امت پر محیط تھی اس لیے یہ کہنا
مبالغہ آرائی نہیں کہ پوری کی پوری امت مسلمہ اس وقت مسلسل حالت جنگ میں جارحیت کا شکار تھی.

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، ہم قارئین کی توجہ نفس مضموں، یعنی تاریخ مدینہ طیبہ، سے نہیں ہٹانا چاہیں گے. ہم ذیل میں صرف ان
غزوات کا ترتیب وار ذکر کریں گے جو مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی ریاست کی ارض مقدس پر رسول اللہ ﷺ کے دور بابرکات میں لڑے گئے تھے.

غزوہ بنو قینقع:

جیسا کہ ایک دیگر باب میں بیان کیا گیا ہے، ہجرت مبارکہ سے بہت پہلے ہی یہودی دونوں بڑے عرب قبیلوں (اوس اور خزرج) کے
مربی بن چکے تھے اور جب دونوں قبیلے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے تو یہود نے اس جنگ کے الاؤ کو بھڑکانے اور جاری رکھنے
میں بہت کردار ادا کیا تھا. اس قبائلی جنگ کو جنگ بعاث کہا جاتا ہے. یہود نے بذات خود تو آپس میں کوئی لڑائی نہیں لڑی مگر وہ الگ الگ عرب
قبائل کی پشت پناہی ضرور کرتے رہتے تھے. ابن اسحاق کے الفاظ میں: ''اس وقت دو گروہ تھے: بنو قینقع اور ان کے حواری خزرج کے حلیف
تھے اور بنو نضیر اور بنو قریضہ اور ان کے حاشیہ بردار اوس کے حلیف تھے.'' (۲۶) رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود کے ساتھ اور انصار کے کثیر تعداد
میں حلقہ بگوش اسلام ہو جانے سے یثرب کی سیاست میں ایک نئی سمت کا اضافہ ہو گیا تھا. میثاق مدینہ نے (جس پر یہود نے برضا و رغبت دستخط
کئے تھے) تمام سیاسی سیناریو بدل کر رکھ دیا تھا اور ایک ایسی صورت حال ابھر کر سامنے آئی تھی کہ یہودی محلات اور اطام (قلعوں اور محلوں)
کی بجائے تمام تر سیاسی سرگرمیوں کا محور مسجد نبوی بن گئی تھی. ایک ایسا جہان نو پیدا ہو چکا تھا جس سے عالم پیر اپنی موت آپ مر رہا تھا. ماضی میں
شعوب و قبائل میں منقسم عرب اور غیر عربوں کی شیرازہ بندی اسلام نے کچھ اس انداز سے کر دی گئی تھی کہ اب کوئی اوسی یا خزرجی نہیں رہا تھا.
تمام اکائیاں ایک آفاقی اکائی میں ضم ہو چکی تھیں اور وہ اکائی قوم رسول ہاشمی تھی.

ادھر دینی افق پر بھی بہت تیزی سے تبدیلیاں آ رہی تھیں. ہجرت مبارکہ کو ابھی ڈیڑھ سال ہی گزرا ہو گا کہ یہود کے تفاخر اور تجر کو ایک
اور جھٹکا لگا اور قبلہ کی سمت یروشلم سے ہٹا کر مکۃ المکرمہ میں کعبہ شریف کی طرف کر دی گئی جس سے یہود کے سینے پر مزید سانپ لوٹنے لگ
گئے. جہاں تک اس منطقہ کی سیاست کا تعلق تھا جنگ بدر میں کفار کی ہزیمت کے بعد قوت کا توازن واضح طور پر مسلمانوں کی طرف جھکنے لگ
گیا تھا. یہودیوں کی حیثیت پاور گیم کے بڑے کھلاڑیوں سے گھٹ کر صرف تماشائیوں کی سی رہ گئی تھی. اس نئی صورت حال سے قریش تو

تھے مگر اسلام دشمن پروپیگنڈے کے آگے بے بس ہو جاتے تھے. لہٰذا اس فتنے کا سدباب کرنے کے لیے کعب بن الاشرف (۳۰) اور ایک دوسری یہودی شاعرہ سارہ قریضیہ کو مسلمانوں نے جہنم رسید کر دیا.

ایک مرتبہ جب حضور نبی اکرم ﷺ بنوقینقع کے قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے تو کچھ یہودیوں نے آپ کے وعظ میں رخنہ اندازی کرنی چاہی اور انتہائی گستاخانہ انداز میں کہنے لگے: ''اے محمد (ﷺ) بدر کی فتح سے دھوکے میں نہ رہ جانا کیونکہ وہ جنگ آپ نے ان لوگوں کے خلاف لڑی ہے جو فن جنگ سے ناآشنا تھے اور اس لیے آپ کو فتح حاصل ہو گئی. مگر بخدا اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی غلطی کو تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے خوفناک لوگ ہیں.'' پیغام بالکل واضح تھا. یہودیوں کے دل میں بھی جنگ کرنے کی حسرت انگڑائیاں لے رہی تھی. حالات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے جا رہے تھے اور اگر انہیں قابو میں لانے کی کوشش نہ کی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلوں پر برا اثر پڑ سکتا تھا. روزمرہ کے حالات کے علاوہ خود قرآن کریم نے مسلمانوں کو انتباہ کر دیا تھا: ﴿اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے اور ان کی آرزو ہے کہ تمہیں ایذا پہنچے، دشمنی ان کی بات بات سے جھلک اٹھی ہے مگر وہ جو کچھ سینے میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے. ﴾ (۳۱) قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ کا نزول ہونا تھا کہ اوس اور خزرج کے مسلمانوں نے جتنا تھوڑا بہت رشتہ یہود کے ساتھ باقی بچ گیا تھا اس کو بھی توڑ ڈالا. یاد رہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے یہ دونوں قبیلے یہود کے حلیف تھے.

حالات کچھ اس ڈگر پر چل رہے تھے کہ اشتعال انگیزی کا کوئی قدم بھی آتش حرب کی چنگاری کو بھڑکا سکتا تھا اس لیے مسلمان بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے. مگر ایک بیک یہود نے ایک ایسی نازیبا حرکت کر دی جس سے نہ صرف انہوں نے میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر ڈالی بلکہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا. ایک مسلم خاتون بنوقینقع کے بازار میں سنار کی دکان پر اپنا زیور بیچنے کے لیے گئی. چند یہودی بدقماش اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کو اپنا پردہ اتارنے کے لیے کہا جب اس خاتون نے انکار کیا تو انہوں نے اس بیچاری کے ساتھ ایک چال چلی اور ان میں سے ایک نے اس کے لباس کے ساتھ رسی باندھ کر اس کے پیچھے کی طرف زمین میں ایک کیل کے ساتھ باندھ دی. جب وہ اٹھی تو رسی کھچنے سے اس کا لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہو گئی. وہ اس پر ہنستے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے جب کہ وہ بیچاری آہ و بکا کرتی رہی. اسی اثناء میں ایک مسلمان کا وہاں سے گزر ہوا جو فوراً اس کی مدد کو لپکا اور بات ہاتھا پائی پر اتر آئی جس کے نتیجے میں وہ دکاندار واصل جہنم ہو گیا. اردگرد کے یہودیوں نے اس مسلمان کو گھیر لیا اور اس کو قتل کر ڈالا. اس واقعے سے مدینہ طیبہ میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سلگتی ہوئی راکھ سے شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے.

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اکابر سے رابطہ فرمایا اور ان کو میثاق مدینہ کے تحت ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر عقل کا ناخن لینے کی بجائے انہوں نے اس معاہدے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا. گستاخیوں سے وہ لوگ دیدہ دلیری پر اتر آئے تھے اور بزعم خود اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے سب سے زیادہ دلیر شہری سمجھتے تھے. حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: [ہم مسجد میں تھے جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: چلیں ہم یہودیوں کے پاس چلتے ہیں! ہم آپ کے ساتھ ان کے پاس گئے اور آپ نے ان کو مخاطب ہو کر فرمایا: [اے معشر یہود! اسلام قبول کر لو تو تمہارے لیے سلامتی ہے.] انہوں نے جواب دیا: ''اے ابوالقاسم! آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے.'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [میں یہ چاہتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کا پیغام تم کو دے دیا گیا ہے. اسلام لے آؤ اور تم بچ جاؤ گے.] انہوں نے پھر کہا: ''ابوالقاسم آپ نے پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے.'' آں حضرت ﷺ نے تیسری بار وہی کلمات دہرائے اور انہوں نے تیسری بار بھی وہی جواب دیا. اس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں جان لینا چاہئے کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس سرزمین سے نکال دوں. تم میں سے جس کسی کے پاس بھی کوئی جائیداد ہے اسے چاہئے کہ وہ اسے بیچ ڈالے ورنہ

تمہیں معلوم پڑ جائے گا کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے (یعنی
ن کو سب کچھ پیچھے چھوڑ کر جانا ہوگا۔] (۳۲)

جب امن کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے
ن کے محاصرے کا حکم صادر فرما دیا جو ہفتہ کے دن مورخہ ۱۵ شوال
۲ ہجری کو نافذ العمل ہوگیا (۳۳)۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ جنگ
بدر کے تقریباً ایک ماہ بعد پیش آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس
محاصرے کی قیادت فرمائی۔ اسلام کا پھریرہ سیدنا امیر حمزہؓ کے ہاتھ میں
تھا۔ آں حضور ﷺ نے اس محاصرے کے دوران حضرت ابولبابہ بن
عبدالمنذرؓ کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔ (۳۴) بنوقینقع اپنی ایک
الگ بستی میں رہا کرتے تھے جو سوق بنی قینقع کے نزدیک واقع تھی اور
اس میں بہت سے قلعے بنے ہوئے تھے۔ (۳۵) وہ قلعہ بند ہوگئے۔

مدینہ طیبہ کے دیگر یہود پر ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا کیونکہ وہ پیشہ کے لحاظ
سے زرگر تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ بیوپاری بھی تھے۔ وہ مشہور منافق
بن ابی سے بھی ملے ہوئے تھے جس نے ان کی مدد کا وعدہ کیا ہوا تھا۔
محاصرہ دو ہفتہ تک جاری رہا جس کے دوران ان کو ہر قسم کی رسد کی
فراہمی رک گئی اور باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ بھی کاٹ دیا گیا۔ ابن ابی
نے ہر چند کوشش کی مگر وہ بھی ان کے کام نہ آسکا اور اس طرح ان کی
حالت زار دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ ابن ابی نے ان کی طرف سے رحم کی
اپیل کی لہٰذا ان کی جان بخشی کر دی گئی۔ رب ذوالجلال کے احکام کے تحت ان سے ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ ﴿وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر
وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں، تو اگر تم انہیں کہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو جس سے ان کے پسماندوں کو عبرت ہو۔﴾
(۳۶) لہٰذا انہیں مدینہ بدری کا حکم ہوا اور ان کو اس بات کی آزادی دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہے چلے جائیں۔ ان کی زندگیوں اور مال و دولت
کے بدلے ان کو اپنے ہتھیار، زیورات بنانے کی مشینری اور دیگر کارخانوں کے اوزار مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند کیا گیا۔ جو ہتھیار انہوں
نے چھوڑے، ان میں سے اللہ کے رسول برحق ﷺ نے اپنے لیے تین کمانیں، دو ڈھالیں اور تین تلواریں لی تھیں اور باقی کی اشیاء اصحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ ان کو مدینہ طیبہ کے باہر تک چھوڑ کر آئیں۔ بنوقینقع کے مدینہ طیبہ سے نکالے
جانے والے یہودیوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی؛ وہ چند دنوں تک وادی القریٰ میں دیگر یہود کے ہاں رکے رہے اور پھر العزیات کے طرف
شمالی سرحد کی طرف چلے گئے تھے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے یہودیوں نے مدینہ طیبہ میں ہی پناہ لے لی تھی کیونکہ
بہت بعد بھی مدینہ طیبہ میں ہمیں بنوقینقع کے یہود کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، یہاں تک کہ جن یہودیوں نے جنگ احد میں مسلمانوں کا ساتھ
دینے کی پیش کش کی تھی مگر قبول نہیں کی گئی وہ لوگ بھی بنوقینقع ہی سے تھے۔ بنوقینقع حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا قبیلہ تھا۔ (۳۷) ایسے یہودی

مدینہ طیبہ کا ایک تقریباً ارضیاتی خاکہ جہاں ہجرت مبارکہ کے موقع پر مختلف یہودی قبائل آباد تھے

اپنے مذہب پر ہی رہے، یہاں تک کہ غزوہ خیبر تک ہمیں اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ اس جنگ میں شامل ہوئے تھے اور جب سقوط خیبر ہوا تو ان کو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ بھی دیا گیا تھا۔ (۳۸) یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ یہود جو ریاست مدینہ طیبہ کے وفادار تھے ان کو وہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

آخر میں ہم حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت نقل کرنا چاہیں گے جس میں آپ نے فرمایا تھا: [بنی نضیر اور بنی قریضہ نے رسول اللہ ﷺ سے (میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرکے) لڑائی لڑی۔ لہذا حضور نبی اکرم ﷺ بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریضہ کو اپنے اپنے گھروں میں رہنے دیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جب تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لڑائی مول نہیں لی۔ پھر آں حضرت ﷺ نے ان کے مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور جائیداد کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، مگر ان میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے اور رسول رحمت ﷺ نے ان کو امان عطا فرما دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے تمام یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا بنی قینقاع جو حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا قبیلہ تھا اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو اور دیگر یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا۔] (۳۹)

غزوہ احد:

مسلمانوں کے ہاتھوں بدر کے مقام پر کفار کی ذلت آمیز شکست نے جس میں ان کے بڑے بڑے شاہسوار مارے گئے تھے ان کو اور بھی غضبناک کر دیا تھا۔ یہ ہزیمت ان کے غرور اور تکبر کے منہ پر ایک بہت بڑے طمانچے سے کم نہیں تھی۔ سب سے بڑا سوال یہ اٹھ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ مٹھی بھر اور تہی دست مسلمانوں کو جنہیں خود کفار مکہ نے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور جن کے پاس نہ کافی گھوڑے تھے اور نہ ہی آلات حرب و ضرب، اپنے سے کئی گنا بڑی جارح فوج کو جو ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی تھی اتنی بڑی شکست سے دوچار کر دیا تھا؟ ان کے سردار مرے تو مرے، مگر ان سے بھی زیادہ شرمناک بات یہ تھی کہ ان کے نامی گرامی مکی ان مدنی شاہینوں کے ہاتھ خیبر (قیدی) بن گئے تھے۔ ان کا سارا غرور دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔ مکہ مکرمہ کے اس وقت چھوٹے سے شہر میں ستر بڑوں کا قتل ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی اور ہر فرد نوحہ کن تھا۔ لہذا بہت دیر تک اس کا سوگ اور ماتم جاری رہا۔ پورا مہینہ قریش کی عورتیں اپنے سوتوں پر نوحہ کناں رہیں۔ انہوں نے اپنے سر منڈوا لیے اور جب بھی کبھی کسی مقتول کا اونٹ یا گھوڑی شہر میں لوٹتی تو پورے مکہ میں کہرام مچ جاتا اور اس کا جلوس نکالا جاتا اور عورتیں آہ و بکا کرنے لگ جاتیں۔ (۴۰)

اہل مکہ ابھی اپنے زخم چاٹ رہے تھے کہ ان کو ایک اور کچوکہ لگ گیا: ان کے سپوتوں کے کاروان کو 'السویق' سے بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ شام کو جو تجارتی قوافل مدینہ طیبہ کی راہ سے ہو کر گزرتے تھے وہ قریش کے اقتصاد کی رگ جاں تھے، مگر اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اب وہ قافلے بھی محفوظ نہیں رہے تھے۔ ایک متبادل رستہ کی تلاش میں انہوں نے ایک قافلہ عراق کی طرف روانہ کیا مگر وہ بھی مدینہ طیبہ کے شاہینوں کی نظر سے نہ بچ سکا۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں مسلم رضا کاروں کے سریئے نے ان کی بھی دلکی لگا دی اور وہ ناکام مکہ واپس بھاگ گئے اس کا مطلب یہ تھا کہ کفار کو شکست پر شکست کا سامنا تھا۔ جس کو نظر انداز کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بدر میں بڑے بڑے مقتولوں کے بیٹے، مثلاً: عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، صفوان بن حویطب بن عبدالعزیٰ اور ابوسفیان بن الحرب، وغیرہ سب نے یک زبان ہو کر لوگوں کے برانگیختہ جذبات کو اور مہمیز دی اور پورے زور و شور سے جنگ کے اگلے راؤنڈ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ حربی استعداد اور ساز و سامان کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابوسفیان بن الحرب نے قیادت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حلف اٹھایا کہ جب تک وہ مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لے گا اس وقت تک زندگی کی کسی آسائش اور لذت سے لطف اندوز نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ غسل بھی نہیں کرے گا اور نہ ہی بالوں میں کنگھی کرے گا۔ یہی حال عورتوں کے جذبہ انتقام کا تھا۔ ہند۔ جو ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اس

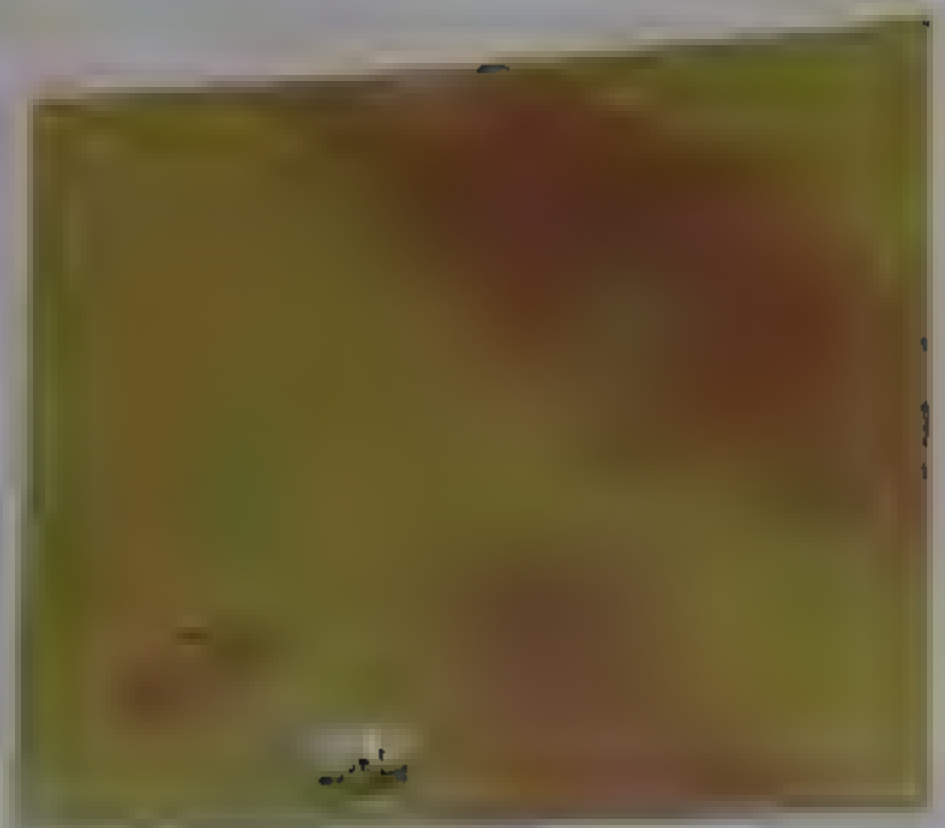

سے بدر سے آگے تھی کیونکہ اس کا باپ اور ایک بھائی اسی جنگ بدر میں مارا گیا تھا.

اپنی گری ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کے لیے وہ مسلمانوں پر پوری قوت کے ساتھ ناگہانی حملہ کرنا چاہتے تھے. لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور نفسیاتی اور مادی طور پر وہ سب کچھ کر گزرے جو ان کے بس میں تھا. انہوں نے تو شعراء کی خدمات کو بھی بھڑکے کے ٹٹوؤں کے طور پر استعمال کیا جو مرثیے اور رزمیہ شاعری لکھتے اور پھر گاؤں گاؤں اور مختلف قبائل میں جا کر مجمعوں میں انہیں پڑھتے اور یوں ان کے جذبات کو بھڑکاتے. مارے جانے والوں کے علاوہ ان کو اپنے قیدی چھڑانے کے لیے فی کس اوسطاً چار ہزار درہم فدیہ بھی دینا پڑا تھا. مگر فدیہ و مالی نقصان تو محض پس منظر میں تھا. اصل مقصد تو اپنی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنا تھا.

دارالندوہ مکۃ المکرمہ میں ایک پیک بال ہوا کرتا تھا. وہاں پر انہوں نے اپنے بڑوں کی پنچایت منعقد کی اور عہد کیا کہ وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے. (۴۱) ابوسفیان جس کاروان کو بچا کر مکہ لے آیا تھا اس کا تمام تجارتی مال دارالندوہ میں نیلام کر دیا گیا. اس سے حاصل ہونے والا تمام منافع جو پچاس ہزار دینار سے زیادہ تھا اور ایک ہزار اونٹ اور اس کے علاوہ انفرادی عطیہ جات ملا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں. سب ملا کر تقریباً اڑھائی لاکھ درہم سے ایک مضبوط فوج تیار کی گئی قرآن کریم نے ان کی اس چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کے متعلق ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے: ﴿بے شک کافر اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب وہ اسے خرچ کریں گے پھر وہ اس پر پچھتاوا کریں گے، پھر مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہوگا﴾ (۴۲)

کفار نے اپنے وفود بدو قبائل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جو مکہ مکرمہ کے گرد بستے تھے روانہ کیے (جن میں سے بعض اس وقت بھی شامل تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جن کے ذمے ان قبائل میں مسلمانوں کے خلاف فضا ہموار کرنا تھا اس مہم میں وہ بنو کنانہ اور تہامہ جیسے قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے. اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سارے حبشی باشندوں کو بھاری معاوضوں کے طور پر ساتھ ملا لیا گیا جنہوں نے دو ہزار سے زیادہ جنگجو فراہم کیے. وہ جو جنگ میں شامل ہونے سے عاری تھے (مثلاً بوڑھے وغیرہ) انہوں نے قبائلی روایات کے مطابق اپنی جگہ کرائے کے جنگجو مہیا کیے. اس طرح تقریباً تیرہ سو کے اندر اندر لیس کانٹے سے لیس پوری طرح مسلح تین ہزار جنگجو ابوسفیان کی سپہ سالاری میں میدان جنگ میں اترنے کے لیے تیار تھے جن میں سے سات سو زرہ بکتر میں ملبوس تھے، دو سو گھڑ سوار تھے اور تین ہزار اونٹ سامان رسد اور خورد و نوش سے لدے ہوئے ساتھ تھے. اس کے علاوہ پندرہ عورتوں کی ایک بٹالین بھی ساتھ ساتھ تھی جس کی سربراہی ہند زوجہ ابوسفیان کر رہی تھی جس کا کام جنگ کی ترغیب دلانا (War Instigators) تھا. (۴۳)

ان کی گھڑ سوار فوج کے سپہ سالار خالد ابن ولید تھے جن کی مدد عکرمہ بن ابوجہل کر رہے تھے. یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سب بار کفار مکہ نے تن من دھن سب کچھ اس جنگ میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا تھا. انہوں نے اس وقت کے معیار کے مطابق اپنی افواج کو بہترین ہتھیاروں سے مسلح کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ترغیبی اور نفسیاتی حربہ بھی استعمال کیا جس سے ان کی فوج میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑتی. وہ اپنے ساتھ اپنے صنم اور بت (ہبل - جو بنی امیہ کا معبود تھا) کو ایک اونٹ پر لاد کر لے آئے، اور ساتھ ہی عورتوں کا ایک طائفہ بھی تھا جس کو میدان کارزار میں رزمیہ نغمے گا کر جنگجوؤں کا مورال بلند رکھنے کا کام سونپا گیا تھا. (۴۴) ''اس طرح قریش بڑے طمطراق کے ساتھ اپنی بہترین فوج کو لیکر سیاہ فام حبشیوں اور بنی کنانہ کے لڑاکا دستوں کی ہمراہی میں عورتوں کی ایک بٹالین کو جو ہودوں میں بیٹھی تھیں ساتھ لیکر مدینہ

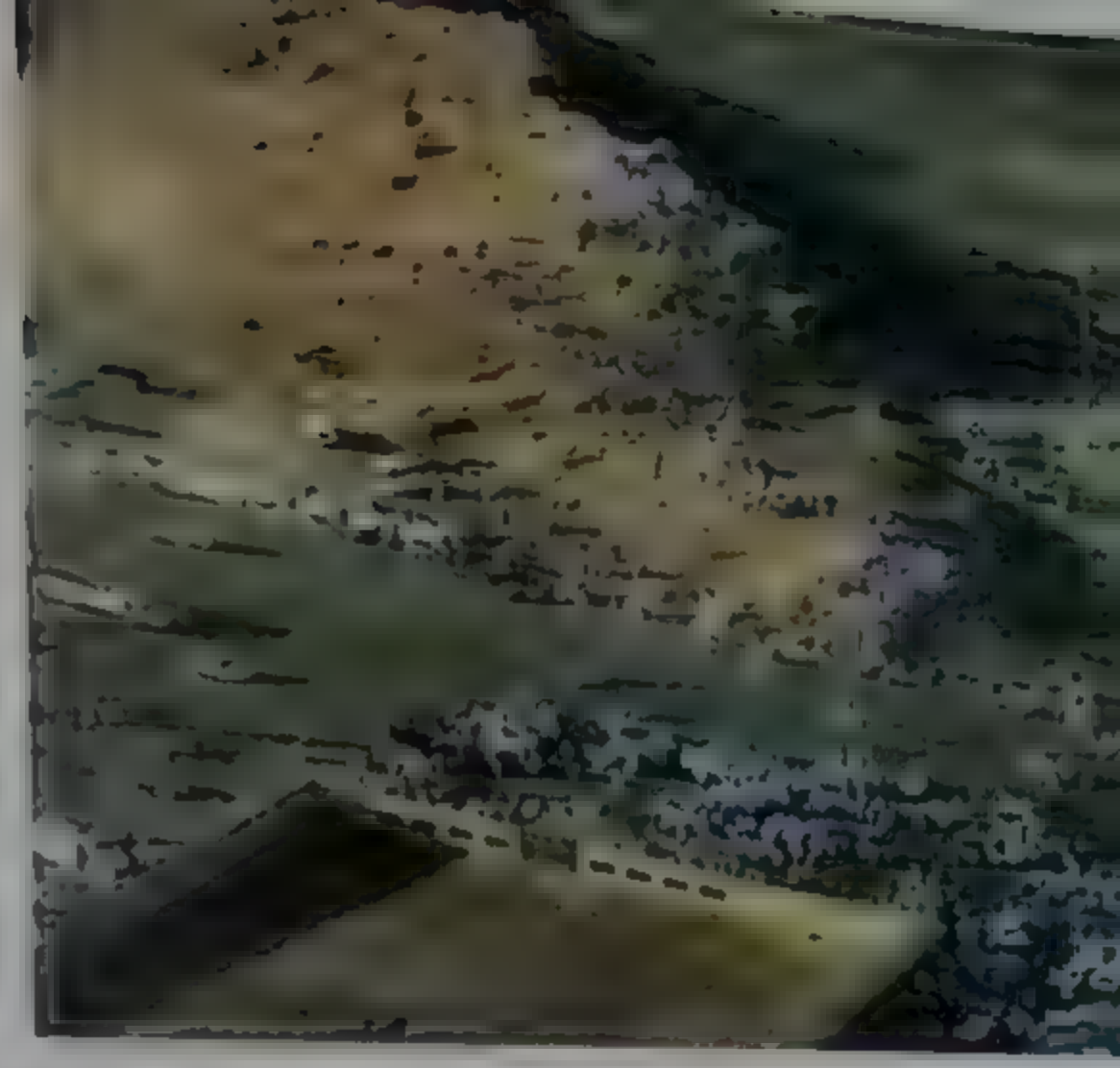

جبل عینین (جبل الرماۃ) اور اس کا شمالی علاقہ جہاں میدان کارزار برپا ہوا تھا چار دیواری کے اندر سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ کی قبر ہے

طیبہ کے طرف چل پڑے. عورتوں کا کام ان کو غیرت دلانا اور جو جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں ان کو طعنہ زنی کرنا اور دشنام طرازی کرنا تھا تاکہ وہ جنگ سے کسی طور بھی فرار نہ کر پائیں۔" (۴۵) یہ فوج مکہ مکرمہ سے جنوری ۶۲۵ء کے وسط میں روانہ ہوئی اور معمول کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مغرب کی طرف عسفان، خلیص، جحفہ، رابغ اور ابواء سے ہو کر گزری. ابواء پہنچنے پر ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان نے تجویز دی کہ کیوں نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ بنت وہب کی قبر سے ان کا جسد خاکی نکال لیا جائے تاکہ اگر ان کے بیٹے کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی ہو جائیں تو ان کو آزاد کروانے کے لیے نبی ﷺ سیدتنا آمنہؓ کے جسد اطہر کو تاوان کے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جائے. لیکن ان کے بڑوں نے اس بات کی مخالفت کی کیونکہ ان کو اس کے شدید ردعمل کا اندیشہ تھا. (۴۶) ابو سفیان نے (جو ایک جہاں دیدہ شخص تھا اور عربوں کی روایات سے بخوبی واقف تھا) اس تجویز کی مخالفت کی اور کہنے لگا: "ایسا مت کرو. اگر آمنہؓ بنت وہب کی قبر کھود لیں گے تو بنو بکر اور بنو خزاعہ کے لوگ ہمارے مدفون مردوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں گے. (۴۷)

اس لشکر کفار میں ایک ایسا بھی فرد تھا جو کہ اگرچہ جنگ بدر میں ایک قیدی کی حیثیت سے فدیہ بھی ادا کر چکا تھا، مگر اس جنگ میں بھی شرکت کے لیے کفار کی طرف سے چنے پر مجبور تھا مگر وہ رہ رہ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ حضور ﷺ کی سلامتی کے بارے میں بہت بے چین تھا. وہ تھے حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ. انہوں نے بنی غفار کے ایک معتمد ہرکارے کے ذریعے لشکر کفار کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی اطلاع حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دی تھی تاکہ وہ پیغام جناب رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیا جب آں حضرت ﷺ مسجد قباء سے باہر تشریف لا رہے تھے. جب آپ کے محرر حضرت ابی بن کعبؓ نے وہ نامہ آپ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فوراً مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور اپنے قریبی مہاجر اور انصار صحابیوں کا اجلاس طلب فرما لیا. فوراً دو سکاؤٹوں کو۔ حضرت انسؓ اور مونسؓ جو بنی ظفر سے فضل کے بیٹے تھے۔ کو حقائق کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا گیا وہ تھوڑی دیر بعد ہی واپس آ گئے اور انہوں نے تصدیق کر دی کہ دشمن ذوالحلیفہ تک پہنچ چکا تھا جہاں آ کر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو نیچے تک العریض کے علاقے میں چرنے کی غرض سے کھلا چھوڑ دیا تھا. ان سکاؤٹوں نے دشمن افواج کی نفری کی بھی تصدیق کر دی تھی.

اس اچانک خبر نے مدینہ طیبہ کے باسیوں پر سکتہ سا طاری کر دیا. کوئی بھی رات بھر سو نہ سکا. مدینہ طیبہ میں ایک طرح کی ہنگامی حالت طاری ہو چکی تھی. رضا کاروں کو مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات پر تعینات کر دیا گیا تھا تاکہ وہ حالات پر نظر رکھیں اور گلیوں میں گشت کرتے رہیں۔ دیگر سکاؤٹوں (حضرت حباب بن المنذرؓ اور سلمہ بن سلمہؓ) کو مزید جاسوسی پر مامور کیا گیا. حضرت سلمہ بن سلمہؓ نے آ کر یہ خبر دی کہ کفار فداں طرف سے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے ہیں. پیر و جواں، مرد و زن، سب کی زبان پر ایک ہی موضوع تھا اور انہی خبروں کا تذکرہ تھا کہ مزید کیا ہوگا؟ ہنگامی حالت جنگ کا درجہ عالیہ اتنا زیادہ تھا کہ بشمول حضور نبی اکرم ﷺ کے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بستر استراحت پر بھی ہتھیار بند ہو کر سوئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز بھی ہتھیار بند ہو کر پڑھی. بہت سے جاں نثار حضور نبی اکرم ﷺ کی رہائش گاہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے. حضرت سعد ابن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر پر پہرہ دیا. (۴۸) لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کے حوصلے کا اندازہ صرف اس مثال لے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ

قبر مبارک سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک نایاب تصویر

حضور ﷺ اس رات ایک عجیب سی مہیب آواز پر جس نے سب مدینیوں کو چونکا دیا تھا تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اس سمت روانہ ہو گئے تھے تا کہ حقیقت معلوم کی جا سکے۔(۴۹)

مکی فوج وادی عقیق کے ساتھ ساتھ بڑھتی آ رہی تھی اور ذوالحلیفہ اور الزغابہ سے گزرتے ہوئے انہوں نے جبل احد کے جنوب مغرب میں ۶ شوال ۳ ہجری کو اپنے خیمے گاڑ لیے۔ دشمن شہر کی دہلیز پر خیمہ زن ہو چکا تھا اور مسلم ہیڈ کوارٹر اس کی دسترس سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وقت کا گھڑیال لمحہ بہ لمحہ زیرو آور (Zero Hour) کو قریب سے قریب تر لا رہا تھا۔ ادھر تمام جان نثاران تاجدار مدینہ قرار قلب وسینہ ﷺ اپنے دفاعی منصوبے کو آخری شکل دے رہے تھے بہت ہم مجلس مشاورت منعقد تھی۔ دوران گفتگو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: [میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے جو ایک آفت کی نشاندہی کرتی ہے اور پھر میں نے ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے بھی دیکھا جو میری آفت کی طرف اشارہ ہے، پھر میں نے اپنے آپ کو ایک ڈھال (درع) میں محفوظ پایا وہ ڈھال تمہارا مدینہ ہے اگر تم مدینہ کے اندر (یعنی مدینہ طیبہ تک) نہیں پہنچ پائے تو ...] (۵۰) ابن اسحاق کی روایت کے مطابق نبی محتشم ﷺ نے فرمایا: [بخدا میں نے ایک رویا (خواب) دیکھا ہے جس کی تعبیر اچھی ہے میں نے چند گائیں دیکھیں اور میں نے اپنی تلوار میں ایک ٹیڑھا پن بھی دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ بکتر میں ڈال دیا ہے جس کی تعبیر میرے نزدیک مدینہ طیبہ ہے۔ اگر آپ مدینہ میں ہی رہ کر ان کا دفاع کریں اور ان کو جہاں پر وہ ہیں وہیں رہنے دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ اگر وہ رکے تو بری جگہ رکیں گے اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی غلطی کی تو ہم اندر سے اس کا پوری طرح دفاع کریں گے۔] (۵۱) آپ نے تجویز پیش کی کہ مسلمان اگر مدینہ طیبہ کے اندر رہیں اور وہاں سے ان کا دفاع کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) نے اس سے پورا اتفاق کیا اور کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ ہم شہر کے اندر سے مدینہ طیبہ کا دفاع کریں گے اور جب وہ آگے بڑھیں گے تو ہماری عورتیں اور بچے تک ان کے اوپر پتھر پھینکیں گے جبکہ ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ان سے لڑیں گے۔ مدینہ طیبہ تو ایک قلعہ کی مانند ہے اور آج تک کسی دشمن کو اس پر برتری حاصل نہیں ہو سکی۔''

تقریباً تقریباً یہی نظریہ چند یہودی لیڈروں کا بھی تھا اور چند مہاجرین اور انصار بھی اسی نظریے کے حامی تھے لیکن مسلمانوں کی اکثریت جو پہلے جہاد میں غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکی تھی وہ ہر قیمت پر کفار کے خلاف جہاد میں شرکت کر کے اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانا چاہتی تھی۔ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن سے دو ہاتھ کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنے جوہر دکھانا چاہتے تھے اور ایسا صرف مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر ہی ہو سکتا تھا۔ ایک اصحابی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک مدت سے اس دن کی راہ تک رہے ہیں اور اللہ کے حضور دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں یہ دن جلدی دکھا۔ رب ذوالجلال کا شکر ہے کہ آج وہ دن آ گیا ہے چلیں ہم مدینہ طیبہ سے باہر جا کر ان کا مقابلہ کریں ورنہ وہ یہ سوچیں گے کہ ہم بزدل ہیں اور ہم میں لڑنے کی سکت نہیں ہے۔'' سیدنا حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ، اس معاملے میں سب سے پیش پیش تھے اور برملا کہہ رہے تھے کہ: ''اللہ کی قسم جس نے آپ کو کتاب برحق کے ساتھ بھیجا ہے، میں زبان پر کوئی کھانا نہیں رکھوں گا جب تک کہ میں ان سے اپنی تلوار کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر نہ نپٹ لوں۔'' چنانچہ سید الانبیاء والاتقیاء رحمت دو عالم ﷺ نے اکثریت کی رائے کا احترام کیا اور مدینہ طیبہ سے باہر جا کر دشمنان دین سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سرور دو عالم ﷺ نے زرہ بکتر زیب تن فرمائی اور اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے؛ آپ کے مقربین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے۔ اس وقت چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پچھتاوے کا اظہار کیا کہ کیوں نہ انہوں نے

جبل عینین، جہاں پچاس تیر انداز تعینات کیے گئے تھے اوپر کی جانب قدیم مسجد کے محراب نظر آ رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی تھی اب اس مسجد کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں (تصویر ۱۹۶۵ء)

رحمت الدو عالمین ﷺ کی بات مانی اور مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور انہوں نے آپ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ "ہم مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ مگر شفیع المذنبین ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ایک نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ ہتھیار پہن لے تو اس کو جہاد کرنے سے پہلے ہی اتار دے!] (۵۲) آپ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنے غیاب میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک بٹالین اوسی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جو حضرت اسید ابن حضیر ؓ کی کمان میں تھی، دوسری خزرجی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جس کو حضرت حباب ابن المنذر کمان کر رہے تھے جبکہ تیسری بٹالین مہاجرین کی تھی جو شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کی کمان میں تھی (کچھ مورخین کے خیال میں یہ حضرت مصعب ابن عمیر ؓ کی کمان میں تھی) حضرت سعد ابن معاذ ؓ اور حضرت سعد ابن عبادہ ؓ کی کمان میں تھی تقریباً بند ہو کر اپنے سالار اعلیٰ سرور کونین ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے جب کہ دیگر جان نثاران رسول امین ﷺ دائیں بائیں اور پیچھے آپ حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جنگ کا کوڈ "امت، مت" (یعنی قتل کرو، قتل کرو) تھا (۵۳)

چونکہ جارح افواج اثر غابہ کے مقام پر مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں خیمہ زن ہو گئی تھیں اس لیے نبی اکرم ﷺ [illegible] فوج کے ساتھ شمال کے طرف روانہ ہوئے اور بنی نجار کے ایک گھر کے پاس شیخین کے چوباروں کے پاس پہنچ کر آپ نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا چونکہ بہت سے نوجوان بھی جذبہ جہاد سے سرشار اس غزوہ میں شرکت کے لیے بیتاب تھے جن میں بہت سے ان میں سے نابالغ بھی تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاد میں شرکت کے متمنی نوجوانوں کی پریڈ منعقد کی تاکہ ان کی جسمانی استعداد کا تعین ہو سکے۔ (۵۴) یہ وہی مقام تھا جہاں کچھ نابالغ بچوں نے اپنی ایڑیاں اونچی کر کے کھڑے ہونے کی کوشش کی تاکہ وہ چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے رد نہ ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ابراء ابن العازبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو محض اس بنا پر اس جہاد میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی کیونکہ اس وقت وہ ۱۴ سال سے بھی کم عمر کے نابالغ تھے۔ لیکن حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت رافع بن خدیجؓ کو اجازت مرحمت فرما دی گئی کیونکہ وہ تقریباً پندرہ سال کے ہو چکے تھے۔ (۵۵) اس پڑاؤ کے دوران اول و آخرین ﷺ نے شیخین نامی دو چوباروں کے قریب نماز ادا فرمائی اور وہیں پر رات بسر کی اور پھر نماز فجر اسی جگہ پر ادا کر کے مقام حد کی طرف کوچ فرمایا۔ (۵۶) یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ ابن ابی نے بے وفائی کی اور انتہائی مکاری سے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ جہاد میں شرکت سے مکر گیا اور مدینہ طیبہ واپس لوٹ آیا۔ اس نے بہانہ بنایا کہ اس کی مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کے تجویز رد کر دی گئی تھی۔ جہاں تک یہود کا تعلق تھا تو اگرچہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے مگر انہوں نے بہانہ بنایا کہ اس دن ان کا 'یوم سبت' تھا جب کہ انہیں کچھ بھی کام کرنے کی ممانعت تھی۔ البتہ چند یہود آنے کو خواہش مند تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی کہلوا بھیجا کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی میں غیر مسلموں کی مدد کی ضرورت نہیں اس طرح منافقین کے ایک بہت بڑے حصے کے بھاگ ہو جانے سے اور یہود کی بہانہ بازی پر بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے مجاہدین شامل تھے جو شدید تذبذب کا شکار ہو رہے تھے۔ (۵۷) قرآن کریم نے اس صورت احوال پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے: [illegible] اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے تاکہ مسلمانوں کو اپنے مورچوں پر قائم کرتے، اور اللہ سب سنتا اور سب دیکھتا ہے۔ جب تم میں سے دو گروہوں کا

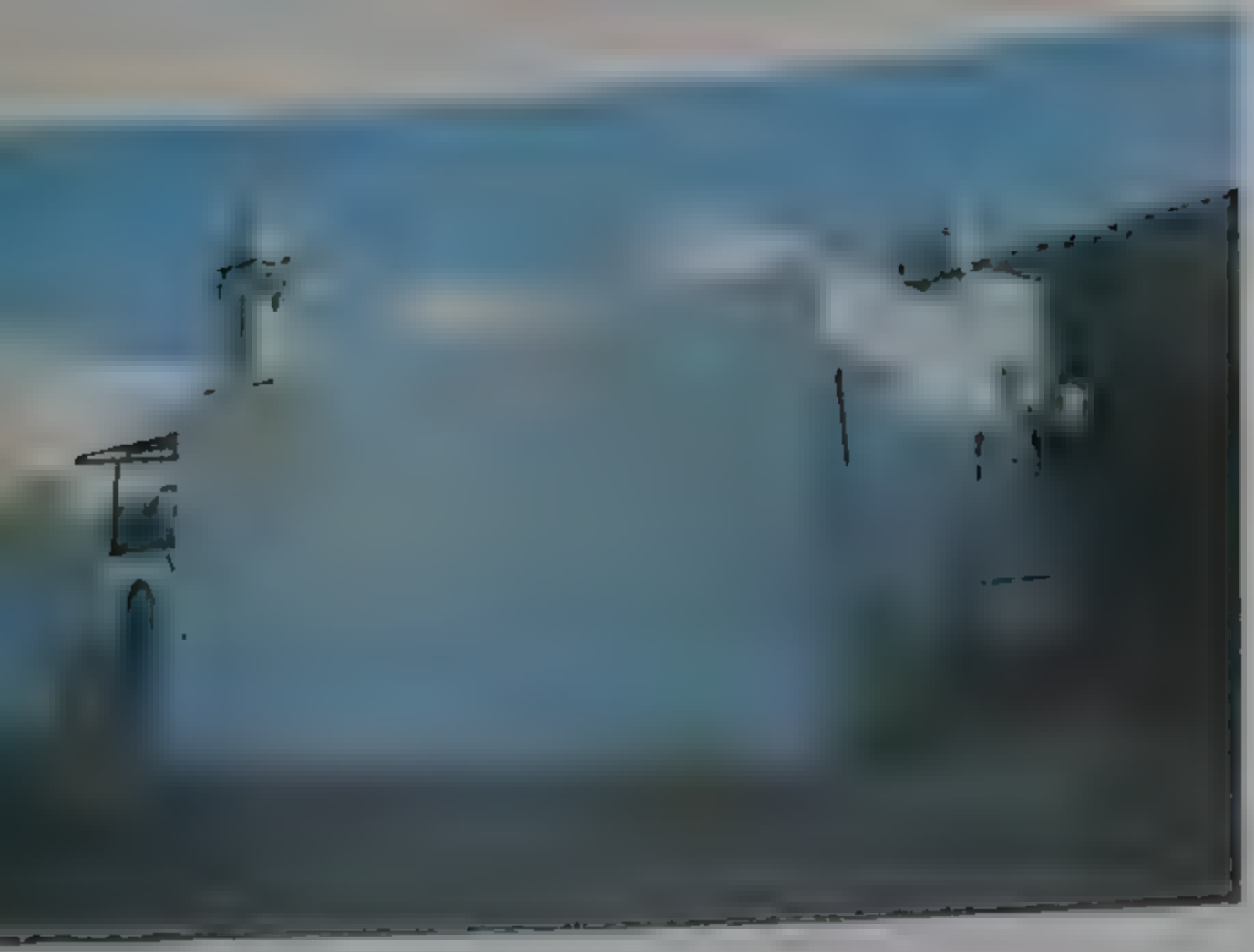

ارادہ ہوا کہ میدان میں نامردی کر جائیں اور اللہ ہی ان کو سنبھالنے والا
اور مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ (۵۸)

اور مزید فرمایا: ﴿تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے
میں دو فریق ہو گئے؟ اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کی کرتوتوں کے
سبب۔﴾ (۵۹) سید العرب والعجم ﷺ کی شخصیت معجز نگار کی برکت
اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے جلد ہی ان کے خدشات دور کر دیئے
اور مسلمان پھر یک جان اور یک سو ہو گئے۔ یوں سات سو حق پرستوں
پر مشتمل پیادہ مسلم فوج جن کے پاس ہتھیار اور وسائل کی شدید کمی تھی
اپنے سالار اعلیٰ کی سربراہی میں رزم حق و باطل کے لیے نکل کھڑے ہوئے (۶۰) مادی وسائل کی کمی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا
جا سکتا ہے کہ سات سو افراد کی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک سالار اعلیٰ کے پاس تھا اور دوسرا ایک صحابی حضرت ابی بردہ بن نیار
کے پاس تھا جب کہ جارح فوج کی عددی قوت چار گنا تھی اور سب کے سب کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئے تھے۔ ان کی گھڑ سوار فوج ۲۰۰
شہسواروں پر مشتمل تھی شیخین سے مقام پر نماز فجر کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زرہ بکتر زیب تن فرمائی اس مقام پر آج بھی ایک چھوٹی
سی مسجد اسی یاد میں موجود ہے جس کا نام "مسجد درع" یا مسجد شیخین ہے آپ حضور ﷺ نے رات وہیں کھلے آسمان کے نیچے گزاری تھی اور تقریباً
پچاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا چاک و چوبند دستہ رات بھر اپنے آقا کے خیمہ پر پہرہ زن تھا

دشمن پہلے سے شیخین سے تھوڑے فاصلے پر شمال کی طرف خیمہ زن ہو چکا تھا ہفتہ کے دن ۱۵ شوال ۳ ہجری کو سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی
اذان فجر پر سب مسلمان مجاہد اپنے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ کے گرد جمع ہو گئے امام الانبیاء ﷺ نے اس مٹھی بھر فوج کی امامت فرمائی ابھی
ملگجا اندھیرا ہی تھا کہ کوچ کا حکم ہو گیا اور حرہ شرقیہ میں بنی حارثہ کے علاقے سے ہوتے ہوئے بل کھاتے راستوں سے یہ لشکر کے سپاہی اپنے
آقا ﷺ کی سالاری میں گامزن ہو گئے۔ آپ نے دشمن کے پڑاؤ کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے جبل احد کے دامن میں جو تھوڑا سا میدانی
علاقہ تھا اس کی طرف رخ فرمایا اور وہاں پہنچ کر اس طریقے سے خیمہ زن ہوئے کہ جبل احد مسلمان فوج کی پشت پر تھا اور مدینہ طیبہ سامنے کی
طرف پڑتا تھا جبل احد چار سے پانچ کیلومیٹر لمبا پہاڑ ہے جو تقریباً منحنی شکل میں لمبائی میں (شرقاً غرباً) پھیلا ہوا ہے اور اس کے درمیان میں
نیم دائری شکل کا خم ہے جس میں وہ چھوٹا سا میدان واقع ہے جسے سرور دو عالم ﷺ نے میدان جنگ (Theatre of Operations) بننے
کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ اس خمدار میدان کے مزید اندر کی طرف ایک چھوٹے سے درے سے گزر کر ایک اور کھلی جگہ تھی جہاں حضرت نبی اکرم ﷺ
نے اپنے شاہینوں کو ٹھہرایا تھا۔ نبی ہاشمی مکی حجازی ﷺ نے پاپیادہ تمام جگہ کا معائنہ فرمایا اور دشمن سے کئی گنا کم فوج کو اس طرح مورچہ بند کیا کہ
جبل احد ان کی پشت پر تھا اور مقابلے کے وقت دشمن سامنے کی طرف سے آنے پر مجبور ہوتا نفسیاتی اور عسکری حکمت عملی کے طور پر اس سے
بہتر شاید ہی کوئی اور صف بندی کی صورت ہو سکتی تھی۔ بادی النظر میں تو مدینہ طیبہ کو کفار کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اس صف بندی کا نفسیاتی
اثر یہ تھا کہ جب دشمن مسلم افوج پر حملہ آور ہوتا تو اس کی پشت مدینہ طیبہ کی طرف ہو جاتی اور چونکہ صبح صادق کے اندھیرے میں دشمن کی نظروں
سے بچ کر مسلم فوج اپنے اس مقام تک پہنچ چکی تھی اس لیے دشمن کو مسلم فوج کی عددی قوت کا اندازہ نہ تھا اور حملہ کی صورت میں اس کو یہ
محسوس ہوتا تھا کہ ان کی پشت چونکہ مدینہ طیبہ کی طرف ہے عین ممکن ہے کہ مزید مسلم فوج ان کو پیچھے سے آ لیگی۔

ابتہ اس میدان جنگ میں جغرافیائی طور پر کچھ خامیاں بھی موجود تھیں ایک تو اس میدان کارزار میں وادی قناۃ کا نالہ تھا جس سے فوج

کی نقل و حرکت میں دشواری آسکتی تھی اور دوسرے جبل احد سے مدینہ طیبہ کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کو جبل عینین (جبل الرماۃ) کہا جاتا ہے۔(۶۱) یوں اس پہاڑی اور جبل احد کے درمیان ایک درہ سا بن گیا تھا جو اگر دشمن کے ہاتھ لگ جاتا تو مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا کیونکہ اس صورت میں دشمن کو مسلمانوں پر میدانی برتری حاصل ہو جاتی۔ لہٰذا شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ رسول عربی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے بہترین تیر اندازوں کے ایک دستے کو (جو پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھا) حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں جبل عینین پر تعینات فرمایا اور ان کو واشگاف الفاظ میں احکامات جاری فرما دیئے کہ حالات خواہ کیسا ہی رخ کیوں نہ اختیار کر لیں وہ ہر حالت میں اس پہاڑی پر ہی مورچہ زن رہیں گے۔ آں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک بالکل واضح تھا: [ہماری پشت کی حفاظت کرنا کیونکہ خدشہ ہے کہ دشمن اس طرف سے حملہ آور ہوگا؛ کسی بھی قیمت پر تم لوگ اپنی جگہ سے نہیں ہٹو گے۔ خواہ تم دیکھو کہ ہم نے دشمن پر فتح پا لی ہے اور تم کو ہم ان کے خیموں میں داخل ہوتے نظر آئیں، پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں اور ہمیں ہماری لاشوں پر منڈلانے لگی ہیں تب بھی تم ہماری مدد کی خاطر نیچے اتر کر نہ آنا۔] (۶۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے دستے کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ [اے تیر اندازو، اے اللہ کے مجاہدو، ہماری پشتوں کی حفاظت کرنا کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے سے وار کریں گے۔ لہٰذا تمہیں ہر حالت میں اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا ہوگا اور نیچے اتر کر نہ آنا خواہ تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو، پھر بھی ہمارے دفاع کے لیے نہ آنا تمہارا کام صرف ان کے گھوڑوں کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ گھوڑے تیروں سے نہیں جیت سکتے۔] (۶۳)

جبل عینین کا میدان جنگ کے عین بیچ میں واقع ہونا اگرچہ بظاہر مسلم فوج کے لیے نقصان دہ تھا، مگر رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی جنگی حکمت عملی کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہوگا کیونکہ اس بظاہر نقصان دہ رکاوٹ کو بہتر جنگی منصوبہ بندی کے لیے استعمال کیا گیا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو ایک بار پھر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے وہاں تیر اندازوں کے دستے کو جو احکامات دیئے تھے وہ بظاہر اس جغرافیائی خامی سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی حکمت عملی تھی اور اگر تیر انداز دستہ آپ کے ارشادات کی تعمیل میں وہاں جما رہتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مسلمان فوج غزوہ بدر کی طرح کامیاب اور کامران نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے حکم کے بغیر جنگ شروع نہ کی جائے، مگر ان تیر اندازوں کو یہی حکم تھا کہ جونہی دشمن ان کی زد میں آئے وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں۔ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی میں قیادت کی مرکزیت مگر محاذ کی عدم مرکزیت (Centralized Command but De-centralized Control) کا درس ملتا ہے جو بعد میں آنے والے خلافت راشدہ کے دور میں فلسفہ جنگ کا باقاعدہ حصہ بنا جس کی افادیت کا ادراک صحیح معنوں میں دور حاضر کے حربی ماہرین صرف پچھلی صدی میں ہی کر پائے ہیں۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے کو ایک چھڑی سے باندھ کر اسلام کا علم بنایا گیا جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔ (۶۴)

لشکر کفار نے جبل احد کی جنوب مغربی جانب اپنے خیمے لگائے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی افواج نے صف بندی شروع کر دی۔ خالد بن ولید گھڑ سوار میمنہ کی کمان کر رہے تھے اور عکرمہ میسرہ کی اور طلحہ بن ابوطلحہ بن عبدالعزیٰ جو بنو عبدالدر کے روایتی علمدار قبیلے سے تھا درمیانی حصے کی بٹالین کا سالار تھا۔ صفوان بن امیہ (اور بعض روایات کے مطابق عمر بن العاص) پیدل فوج کا سالار تھا جبکہ ابوسفیان پوری فوج کا سالار اعلیٰ تھا۔ صفوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی تاکہ ان کی عورتیں اور گویے وہاں آ جا سکیں اور رزمیہ اور عشقیہ شاعری سے ان کے حوصلے بڑھا سکیں۔

جوں جوں جنگ کے لمحے قریب آتے گئے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب تر آتی گئیں۔ ابوسفیان نے ایک پیغام رساں کے ذریعے کہلا بھیجا: ''اے معشر اوس و خزرج مجھے میرے چچیرے بھائی سے براہ راست معاملات طے کرنے دو، ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصد تم سے جنگ کرنا نہیں ہے'' مگر انہوں نے اسے بہت سخت سست کہا۔ (۶۵) اس پر ابو عامر راہب، اوسی قبیلے کا بھگوڑا جو

اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ بھاگ گیا تھا اور وہاں سے ان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے آیا تھا آگے بڑھا اور اپنے قبیلے (بنو) کے لوگوں کو بھڑکانے لگا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے اس پر دشنام طرازی کی بوچھاڑ کر دی (٦٦) مکیوں کی یہ دونوں چالیں اس نفسیاتی جنگ کا حصہ تھیں جس کو ابوسفیان مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بروئے کار لایا تھا مگر اس کی یہ دونوں چالیں ناکام رہیں۔ اب عرب روایات کے مطابق ایک کے ساتھ ایک کی دو بدو لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا سب سے پہلے طلحہ عبدالدری کفار کی فوج سے آگے بڑھا اور اس نے اپنے مدمقابل کو پکارا مسلمانوں کی طرف سے شیر یزداں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ دونوں آمنے سامنے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے شیر خدا علی المرتضیٰ نے اس کا سر قلم کر دیا وادی فضا نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی پھر طلحہ کا بھائی آگے بڑھا اور شیر خدا اور شیر رسول سیدنا حمزہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا یہ دیکھ کر طلحہ کا تیسرا بھائی آگے بڑھا وہ چیخ چیخ کر رجز پڑھ رہا تھا "تم اس خیال خام میں ہو کہ تمہارے مقتول شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے اور ہمارے مقتول جہنم میں جائیں گے" بخدا اگر کوئی تم میں سے اس وہم میں مبتلا ہے تو وہ آگے آئے اور مجھ سے دو بدو ہاتھ کر کے دیکھ لے!" وہ ابھی اپنی رجز فضا میں پوری نہ کر پایا تھا کہ شیر خدا کی سرعت کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ اس پر جھپٹے اور اس کا سر بریدہ دھڑ مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے طلحہ کے بھائی آگے آتے رہے اور (نو کے نو بھائی) شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوتے گئے جب انفرادی معرکوں سے یہ فارغ ہو گئے ورنہ رہا تو ابوسفیان نے چاروناچار اپنی خفت مٹانے کے لیے بھرپور حملہ کرنے کا حکم دے دیا مسلمانوں نے ان کا ابتدائی حملہ بڑی آسانی سے روک لیا کیونکہ سالار اعلیٰ نبی الامی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی فوج کو کچھ اس طریقے سے صف بند کیا تھا کہ جبل عینین سے پرتیبات ہوتے ہوئے کے گھڑسواروں کا بس نہ چلنے پایا دریں ان کی عددی برتری مسلمانوں کی عددی کمتری کا چھٹہ بگاڑ رہی تھی فوج اور [illegible] نظر آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے ایک زوردار حملہ کیا اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گئے

ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے دو زرہ بکتریں زیب تن فرمائی تھیں عین لڑائی میں آں حضرت [illegible] ہوتے ہوئے فرمایا [کون ہے جو یہ تلوار لے گا اور اس کا حق ادا کرے گا؟] بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے لیکن آپ حضور ﷺ نے وہ تلوار کسی کو عطا نہیں کی جب تک کہ حضرت ابودجانہ سماک بن خراشہ جو بنو ساعدہ سے تھے اس تلوار کو لینے کے لیے آگے نہیں بڑھے۔ انہوں نے وہ تلوار حاصل کی اور واقعی انہوں نے اس کے استعمال کا حق ادا کر کے دکھا دیا اس شمشیر براں کو ہاتھ میں لے کر مسرت ابودجانہ جس طرف بھی بڑھتے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ دشمن ان سے خائف ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا اس زوردار ریلے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک مکی شخص مسلمانوں پر اپنے ناخنوں سے حملے کرتا اور ان کو زخم پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔ حضرت ابودجانہؓ نے ارادہ کیا کہ کہ اس مشرک کا کام تمام کر کے دم لیں گے، لیکن جونہی آپ اس کے قریب گئے تو یہ دیکھ کر آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ تو مرد نہیں بلکہ ایک عورت تھی۔ وہ ہند تھی جو ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اسے دیکھ کر انہوں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ آپ حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ شمشیر جوہری کو ایک عورت کے خون سے رنگنا نہیں چاہتے تھے۔ (٦٧) مکی عورتیں اپنے اونٹوں کے ہودوں پر بیٹھی تھیں اور جب ان کی فوج پیش قدمی کرتی تو وہ بھی حرکت میں آ جاتیں۔ ہند اور اس کی دیگر ساتھی عورتیں اپنی فوج کے شانہ بشانہ آگے آگے تھیں اور اپنے طبلے وغیرہ بجا بجا کر پرشور نعرے لگا رہی تھیں:

نحن بنت طارق — نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق — او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق (٦٨)

جس کا ترجمہ سلیس اردو میں کچھ یوں ہے:

ہم عقاب کے چھکنے والے ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ اور ریشمی بستروں پر چلنے والی ہیں (وہ تمہارے [illegible])

رہنے کا مقابلہ کرو گے تو ہم تمہارے پہلوؤں میں جگہ دیں گی۔ اور اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گی

دوریوں تم میں اور ہم میں فراق ابدی کی خلیج حائل ہو جائے گی

عکرمہ کی کمان میں کئی کرے کے جنگجوؤں نے مسلم میمنہ پر تابڑ توڑ حملے کئے مگر جبل [illegible] پر تیر اندازوں

عکرمہ پسپائی پر مجبور ہو گیا۔ اسی طرح خالد بن ولید نے مسلم میسرہ کو زیر کرنے کی جو بھی [illegible]

ہوئی دشمن کو پسپا ہوتے دیکھ کر سیدنا حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے دشمن کی پیدل فوج پر [illegible]

عکرمہ کے بھاگتے ہوئے جو کفار کے چھکے چھڑا رہے تھے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے آپ [illegible]

حمزہؓ جن کو آں حضرت ﷺ نے اسد اللہ اور اسد رسول اللہ ﷺ (اللہ کے شیر اور رسول اللہ کے شیر) [illegible]

کے چھکے چھڑانے میں مصروف تھے وحشی جس کو ہند بنت عتبہ خاص طور پر سیدنا حمزہؓ کو شہید کرنے کی غرض سے میدان جنگ میں [illegible]

عینین کے جنوب مشرقی جانب ایک چٹان کی اوٹ میں گھات لگا کر بیٹھا رہا۔ جب آپ اس طرف سے گزرے تو [illegible]

بے کی پیٹھ کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا اور اس نے اپنے نیزے کو آپ کے [illegible]

نے اسی مقام کے قریب جام شہادت نوش فرمایا۔

بعد میں جب وحشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس واقعے کے متعلق بتایا: "جب میں [illegible]

نیزے سے جنگ کرنے کا ارادہ کر کے آیا تھا جیسا کہ تمام حبشیوں کا مشغلہ ہے۔ سب کو معلوم تھا کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ جب [illegible]

کارن پڑا تو میں نے سیدنا حمزہؓ کی تلاش شروع کی اور میں نے انہیں میدان کارزار میں پایا جو مجھے ایسے صاف نظر آ رہے تھے جیسے [illegible]

اونٹ یا مرگ کے دنوں کے ریوڑ میں ہو۔ آپ ہر طرف اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے اور کفار کے جتھوں کے [illegible]

نے اپنے نیزے کا نشانہ باندھا اور ان کی طرف پھینک دیا۔ یہ آپ کے پیٹ میں پیوست ہو کر جسم کے آر پار ہو گیا۔ میں نے [illegible]

میں ہی رہنے دیا تاکہ ان کی موت یقینی ہو جائے۔ بعد میں میں ان کی میت کے پاس گیا اور اپنا نیزہ نکال کر اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔ [illegible]

دوبارہ نہیں لڑا۔ میں نے انہیں اپنی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے مارا تھا اور اب مجھے آزادی مل چکی تھی۔ میرے [illegible]

رسمی اعلان بھی کر دیا گیا۔" (۶۹)

اس وقت تک مکی تھک چکے تھے اور دیگر سپاہیوں کے علاوہ ان کے بارہ علمدار سورے میدان جنگ میں مارے جا چکے تھے۔ ان علمداروں کے بعد کوئی بھی ان کے علم کو اٹھانے والا نہ بچا تھا صرف ایک حبشی عورت آگے بڑھی اور اس نے ان کا علم اٹھا لیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے ہجو یہ شعر کہا تھا جس کا مطلب کچھ یوں تھا:

"اے حارثی لڑکی آگے بڑھ کر تمہارا علم نہ تھامتی تو تمہاری عزت بازار میں غلاموں کی طرح نیلام ہو جاتی"

اس افراتفری کے عالم میں ان کا معبود ہبل بھی اونٹ سے گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ ان کے مرد اور عورتوں نے بھاگتے ہوئے اس ڈر سے کہ کہیں انہیں جنگی قیدی نہ بنا لیا جائے، ان کی عورتیں سرپٹ بھاگ رہی تھیں۔ جنگ کے اس حصے پر حضرت حسان بن ثابتؓ کے چند اشعار کے ترجمے کی صورت میں قرآئین کی نظر ہے:

جب تم دم دبا کر (جبل احد کے) درے سے بھاگ رہے تھے

اور ایسے فرار ہو رہے تھے جیسے ایک بھیڑ کے بعد دوسری بھیڑ بھاگ رہی ہو
جب ہمارے تابڑ توڑ حملوں نے تمہیں پہاڑ کی گہرائیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا
ہمارے مجاہدین میدان پر چھا گئے تھے اور تم خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے
ہمارے لیے کوئی بھی درہ تنگ نہیں رہا تھا جہاں کہ ہم نہ گئے ہوں
ہماری دسترس تمام چوٹیوں اور ڈھلوانوں تک ہو چکی تھی.
ہے کوئی ہمارے سپوتوں کا مقابلہ کرنے والا؟

پھر مسلمانوں نے بھاگتے دشمن کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور پیچھے ان کی پیچھے چھوڑی ہوئی چیزیں سمیٹنی شروع کر دیں مدینوں کے نوواردنے جبل عینین پر تعینات تیر اندازوں کے دستے کے دلوں میں ہل چل مچا دی اور اسی غلغلے میں انہوں نے اپنے سالار اعلیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو فراموش کر دیا اور وہ چوٹی سے نیچے اتر آئے تاکہ وہ بھی مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے سکیں یوں اکثریت نیچے اتر آئی اور صرف معدودے چند افراد پر رہ گئے. ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر بن النعمان الاوسی نے زور زور سے پکار کر ان کو ان کے فرائض یاد دلاتے رہے مگر تقدیر یہ طے ہو کر ہی رہنا تھا. یہ دفاعی نقطہ نظر سے بہت اہم مورچہ تھا جو اب تقریباً خالی ہو چکا تھا خالد ابن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ اس پہاڑی کے جنوب کی طرف سے ہوتے ہوئے تقریباً ایک درجن اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو ابھی اس چوٹی پر موجود تھے سراسیمگی کی حالت میں پیچھے سے جا لیا حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ سمیت وہاں اس وقت موجود تمام اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اچانک صورت حال سے بے بس ہو کر شہید ہو گئے. یہ دیکھ کر بھاگتا ہوا دشمن دوبارہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں منظم ہو کر پلٹا اور یوں جیتی ہوئی جنگ نے پانسا پلٹ لیا. اس افراتفری کے عالم میں دوست دشمن کو پہچاننا بھی مشکل تھا مسلم مجاہدین ادھر ادھر بدنظمی اور بدحواسی کے عالم میں بھاگ رہے تھے. اپنے سالار اعلیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کی حکم عدولی نے ان کی فتح کو شکست میں بدل کر رکھ دیا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں:

﴿اور بے شک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم نے بزدلی کی اور تم جھگڑا کرنے لگے اور تم نے (رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اوامر) کی حکم عدولی کی جب کہ تم کو تمہاری محبوب چیز (فتح) صاف نظر آنے لگی تھی تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت. پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا گیا کہ اللہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرتا ہے.﴾ (۷۰)

دشمن نے اب اپنی پوری توجہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر مرکوز کر دی تھی. آپ حضور ﷺ دشمن پر تیر پر تیر پھینک رہے تھے، مگر جب آپ کی کمان ٹوٹ گئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آگے آئے اور آپ کے دفاع میں انہوں نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور چند دیگر انصاریوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور دشمن کے لگاتار حملوں کا پامردی سے مقابلہ کیا. (۷۱) سیدنا علی مرتضیٰؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابوطلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے اپنے پیارے سالار اعلیٰ کے گرد انسانی ڈھال بنا لی تھی اور جو بھی تیر یا تلوار کا وار آتا اسے اپنے آپ پر سہہ لیتے جس سے ان کے اجسام مبارکہ زخموں سے چور ہو گئے تھے. حضرت انس بن نضرؓ (جو حضرت سعد ابن مالکؓ کے چچا تھے) کے جسم پر اتنے زخم آ چکے تھے کہ جنگ ختم ہونے پر ان کے جسد خاکی کی پہچان میں خاصی دشواری پیش آئی. ان کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ صرف ان کی ہمشیرہ ان کی انگلی پر تل کے نشان سے ان کی شناخت کر سکیں. (۷۲) قرآن کریم نے ان کے اور ان کے دیگر ساتھی شہیدوں کی شجاعت پر ان کو ان الفاظ میں داد تحسین پیش کی ہے:

مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد سچ کر دکھایا ان میں سے کوئی تو اپنی مدت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے (۷۳)

مرد مضرات تو ایک طرف، ایک صحابیہ حضرت ام عمارہؓ نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہادری، استقامت کی بہت داد دی۔ ان کا ایک بازو کٹ چکا تھا اور باقی جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا مگر وہ ایک چٹان کی طرح اپنے مقام پر ڈٹی رہیں دو جہاں ﷺ کے دفاع میں ڈٹی ہوئی تھیں زیادہ زخم آجانے کی وجہ سے حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا تھا (۷۴) حضرت ابو دجانہؓ رسول اللہ ﷺ کے گرد ایک مکمل دفاعی لائن کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اگرچہ ان کی پشت تیروں سے چھلنی ہو چکی تھی بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں اپنی جانیں نذرانے کے طور پر پیش کیں، کتنے ہی تھے جو شدید زخمی ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اتنے تیر چلائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تحسین میں فرمایا سعد میرے ماں باپ تجھ پر قربان! (۷۵) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے: میں نے کبھی بھی حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے والد اور والدہ کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا سوائے اس دن کے جب کہ آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو [وہ تحسین فرمائی] (۷۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اپنی روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ احد کے دن دو آدمیوں کو دیکھا جو آپ حضور ﷺ کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے دونوں سفید کپڑوں میں ملبوس تھے، اتنی بہادری سے لڑ رہے تھے جتنا کہ اس دن میں تھا میں نے ان حضرات کو کبھی پہلے دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں! (۷۷)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: جب غزوہ احد کا دن تھا بہت سے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ گئے مگر ابو طلحہؓ حضور ﷺ کے پاس رہے اور اپنی چھاتی سے نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے رہے ابو طلحہؓ ایک منجھے ہوئے تیر انداز تھے جو دشمن پر تیروں کی بارش کر دیتے اس دن ان کے ہاتھ سے دو کمانیں ٹوٹ گئیں اگر کوئی تیر انداز ان سے مدد طلب کرتا تو حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے: تم ابو طلحہ کے پاس جاؤ۔ جب بھی حضور نبی کریم ﷺ دشمن کو دیکھنے کی غرض سے اپنا سر مبارک اونچا کرتے تو ابو طلحہ عرض کرتے "میرے ماں باپ آپ پر فدا، حضور اپنا سر مبارک اونچا نہ کریں مبادا کہ دشمن کا کوئی تیر آپ کے جسم طہر میں لگ جائے آپ کی گردن کی بجائے میری گردن حاضر ہے" حضرت ابو طلحہؓ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاتھ سے دو تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گر پڑی (۷۸) چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ دو زرہ بکتر زیب تن کیے ہوئے تھے، اس لیے آپ حضور ﷺ کو جبل احد پر چڑھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ بھاگ کر آئے اور آپ حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا تاکہ حضور ﷺ اوپر چڑھ سکیں۔ (۷۹) حضرت قتادہ بن نعمان الظفریؓ کی ایک آنکھ میں دشمن کا تیر آ کر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ کر باہر آ رہی۔ وہ اسی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھ کو اس کی جگہ میں پیوست کر دیا اور اس معجزہ نبویہ کی بدولت وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور بصارت رکھتی تھی (۸۰) حقیقت تو یہ ہے کہ ہر صحابی نے شجاعت اور بہادری میں اپنا حق ادا کر دکھایا اور جریدہ عالم پر مومنین کی بہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس معرکہ حق و باطل میں ایسے ایسے ایمان افروز واقعات ہوئے کہ ان کا کما حقہ احاطہ تحریر چھوٹے سے باب میں ناممکن ہے۔

مردوں کے شانہ بشانہ مسلم خواتین (صحابیات رضوان اللہ علیہن اجمعین) نے بھی کمال شجاعت سے کام لیا تھا۔ زیادہ تر ان کا کام مرہم پٹی کرنا اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [میں نے (ام المومنین) سیدہ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا۔ انہوں نے اپنے لباس اپنی پنڈلیوں کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اور مجھے ان کی پازیبیں جو انہوں نے پہنی ہوئی تھیں نظر آ رہی تھیں جبکہ

وہ مشکیزے بھر بھر کر اپنی کمروں پر اٹھا کر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں ڈالتی جاتیں. جب ختم ہو جاتے تو وہ اپنے مشکیزے پھر سے بھر کر لے آتیں اور زخمیوں کی پیاس بجھاتی تھیں.] (۸۱)

ایک مشرک نے حضور نبی اکرم ﷺ پر پتھر پھینک دیا. سر مبارک پر خود ہونے کی وجہ سے سر مبارک تو محفوظ رہا مگر زرہ بکتر کی زنجیر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اوپر کی طرف اندر دھنس گئیں اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس خون سے بھر گیا. حضور ﷺ نے فرمایا: [وہ قوم بھلا کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگ دیتی ہے جب کہ اس کا قصور صرف یہ ہو کہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلا رہے ہوں؟] (۸۲) ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: ''مسلمان بھاگنے پر مجبور تھے اور اسی بھگدڑ میں دشمن نے بہت سوں کو شہید کر دیا. یہ ایک کڑے امتحان کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے بہت سوں کو شہادت سے نوازا. پھر دشمن حضور نبی اکرم ﷺ پر چڑھ دوڑے آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا اور آپ حضور ﷺ ایک طرف گر پڑے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا. آپ کا چہرہ مبارک خون سے تر ہو گیا اور ایک ہونٹ بھی زخمی ہو گیا. جس بدبخت نے آپ کو زخمی کیا تھا اس کا نام تھا عتبہ بن ابی وقاص.'' (۸۳) حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے: [مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ حضور ﷺ بنی اسرائیل کے ایک نبی کا قصہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے زدوکوب کیا تھا. آپ حضور ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ 'میرے اللہ میرے لوگوں کو معاف فرما دے، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں!'] (۸۴) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے دانتوں سے زرہ بکتر کی کڑیاں حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس سے نکالیں. آں حضرت ﷺ کے اگلے دو دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہوا تھا. (۸۵) حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ کے والد ماجد) نے بذات خود زخمی ہونے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کا ٹوٹا ہوا دانت اپنے دانتوں کے ساتھ کھینچنے کی کوشش کی. ابن ہشام کے مطابق: ''مالک بن سنانؓ نے، جو حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد تھے، نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر سے آپ کا خون جو بہہ رہا تھا اس کو چوس کر صاف کیا اور اس خون کو نگل لیا جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: [جس کا خون میرے خون سے مل گیا اس کو بھلا آتش جہنم سے کیا ڈر!] (۸۶) آپ حضور ﷺ نے مزید فرمایا: [جو کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جس کا خون میرے خون سے مل گیا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے.] (۸۷) آپ حضور ﷺ کے اتنا فرمانے کی بات تھی کہ حضرت مالک بن سنانؓ کی خوشی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی. کیف و مستی کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے آپ کو مالک بن سنان (زبر۔ فتح کے ساتھ) کہلوانا شروع کر دیا تھا. (سنان اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ قدیم عربی نام ہے مگر اگر زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب 'دانت' ہوتا ہے).

جب چار سو ایسی افراتفری کا عالم تھا تو ایک مشرک ابن قمیہ اللیثی نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا. وہ مسلمانوں کے علم بردار بھی تھے اور کچھ حد تک ان کی مشابہت حضور نبی اکرم ﷺ سے بھی ملتی تھی. مشرکین میں سے کچھ لوگوں کو یہ گمان گزرا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شہید کر دیئے گئے اور یہ افواہ آناً فاناً دونوں لشکروں میں پھیل گئی. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق اس حد تک تھا کہ یہ افواہ ان پر بجلی بن کر گری. ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی کا عالم چھا گیا. مسلمان تو پہلے ہی دشمن کی گھڑ سوار فوج اور پیدل فوج کی چکی میں پس رہے تھے، اوپر سے اس خبر نے ان پر قیامت ڈھا دی. بہت سوں نے تو ناامید ہو کر لڑائی ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا. ''جب یہ غوغہ بلند ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو ہر طرف سراسیمگی چھا گئی. مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکا دکا لڑنے والے رہ گئے اور وہ بھی ایسے لگتا تھا جیسے کہ بے مقصد لڑائی لڑ رہے ہوں. ان کی بدحواسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غلطی سے بعض مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت حصیل (یمان) ابن جابر ابوحذیفہؓ (حضرت حذیفہؓ کے والد ماجد) شہید ہو گئے. قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور یاد کرو وہ وقت جب تم ادھر ادھر سراسیمگی کے عالم میں بھاگ رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، جب کہ تمہارے پیچھے

رسول اللہ ﷺ تمہیں آوازیں دے دے کر بلا رہے تھے. پھر تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ۞ (۸۸) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [کہ اس مرحلے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے تھے۔ جن میں سے سات انصار سے تھے اور دو مہاجرین سے تھے.] (۸۹) حضرت محمود بن عمروؓ کی روایت ہے [جب کفار نے آپ حضور ﷺ کو چاروں طرف نرغے میں لے لیا تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا [کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کا سودا کرے؟] حضرت زیاد بن السکانؓ اپنے پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے..... وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں اپنی جان کی بازی لگا گئے؛ ایک ایک کر کے وہ سب جان نثاران شہید ہو گئے، صرف حضرت زیادؓ زندہ تھے جو زخموں سے نڈھال اور مفلوج ہو چکے تھے. تب بہت سے مسلمان واپس آ گئے اور دشمن کو آپ حضور ﷺ نے دور مار بھگایا. آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادؓ کو آپ کے پاس لایا جائے اور آں حضرت ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک پھیلا دیئے جن پر حضرت زیادؓ کا سر رکھا گیا اور یوں انہوں نے اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کی.] (۹۰)

ایک طرف تو افراتفری میں گھرے ہوئے جاں باز ان رسول تھے جن کے پاس سامان حرب کی بھی شدید قلت تھی اور دوسری طرف کفار کی بڑی فوج تھی جو جذبہ انتقام سے سرشار تھی جن کو مسلم فوج کے تیر اندازوں کے ایک دستے کی عدم انضباطی نے میدان جنگ میں برتری دے دی تھی ان کی کوتاہی نے پوری مسلم فوج کو مشکل میں ڈال دیا تھا اور جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل کر رکھ دیا تھا. اس سے بددل ہو کر مسلمانوں کے کچھ مجاہدوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا (۹۱) لیکن جونہی انہیں معلوم پڑ گیا کہ رسول اللہ ﷺ بسلامت ہیں تو وہ واپس میدان جنگ میں کود پڑے اگرچہ اس وقت تک دشمن میدان جنگ سے نکل چکا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿ وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھیں، انہیں شیطان ہی نے لغزش دی تھی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا. بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے. ﴾ (۹۲)

جب حضرت انس بن نضرؓ نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا جو اس افواہ پر کان دھر کر کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں لڑائی سے ہاتھ کھینچ چکے تھے، تو انہوں نے فرمایا [رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد تم اپنی حیات کا کیا کرو گے؟ اٹھو اور اسی رستے میں اپنے جان دے دیجئے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ قربان کی ہے! یہ سننا تھا کہ سب نے تلواریں سونت لیں اور دشمن پر پل پڑے اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ آج تک ان کی شجاعت کی مثالیں دی جاتی ہیں. جب جنگ اپنے اختتام کو پہنچی اور حضرت انس بن نضرؓ کے جسد خاکی کا معائنہ کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ ان کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم تھے. (۹۳) دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ زندہ بچ جانے والوں میں سے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کو بیس زخم آئے تھے.

اس جگہ پر حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ایک طویل حدیث کو بیان کرنا بے محل نہ ہوگا جو اس جنگ میں بنفس نفیس شریک تھے جب کہ وہ ابھی عنفوان شباب میں داخل ہوئے تھے. ان سے مروی ہے: [ہمارا اس دن مشرکین سے مقابلہ تھا. رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو تعینات کیا اور حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کو ان کا سربراہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا: [اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا. اگر تم ہمیں دشمن پر فتح پاتے دیکھو تو بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہم پر فتح حاصل کر رہے ہیں تب بھی ہماری مدد کے لیے تم اس جگہ سے نیچے نہ اترنا.] لہذا جب ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا، دشمن میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو پہاڑ کی جانب ایسی حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنے پائنچے اٹھائے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پنڈلیوں پر پہنے ہوئے زیور ہمیں نظر آ رہے تھے. مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا "مال غنیمت، مال غنیمت"، حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ نے لاکھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پکا عہد

کیا ہوا ہے کہ ہم یہ چوٹی نہیں چھوڑیں گے مگر انہوں نے ان کی ایک نہ سنی. اس حکم عدولی پر اللہ نے ان کو تذبذب میں ڈال دیا اور وہ اس حد تک پریشان تھے کہ کہاں جائیں اور اس طرح ستر مجاہدین شہید ہو گئے. اتنے میں ابوسفیان ایک چوٹی پر چڑھا اور کہنے لگا: ''اے لوگو کیا (حضرت) محمد (ﷺ) زندہ ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اس کے سوال کا جواب نہ دیا جائے. ابوسفیان پھر گویا ہوا 'کیا بوقحافہ کے بیٹے تم میں موجود ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے پھر اشارہ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دیا جائے. ابوسفیان نے پھر سوال کیا ''کیا ابن الخطاب تم میں زندہ ہے؟'' پھر وہ کہنے لگا. ''وہ سب مارے گئے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ ضرور جواب دیتے!'' اس پر سیدنا عمر فاروق ؓ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو! اللہ کریم نے انہیں زندہ رکھا ہے تا کہ تمہارے دکھ اور مایوسی میں اضافہ ہو.'' اس پر ابوسفیان نے کہا: ''بڑائی ہو ہبل کی!'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اس کو جواب دو.] انہوں نے استفسار کیا کہ حضور ہم کیا کہیں؟ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ [کہو اللہ سب سے بلند و شان والا ہے!] ابوسفیان نے کہا [ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں!] رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ کہو [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں!] ابوسفیان نے کہا [اس دن نے ہمارے بدر کا حساب برابر کر دیا اور جنگ کبھی حتمی نہیں ہوتی بلکہ متحارب فریقین میں بدلتی رہتی ہے. تم دیکھو گے کہ تمہارے شہداء میں سے کچھ کا مثلہ کیا گیا ہے مگر میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ ہی میں شرمندہ ہوں.'' (۹۴)

لیکن جوں ہی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ محفوظ ہیں، ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے دشمنوں کی [illegible] شروع کر دی تھی. اس تھوڑے سے وقفے کے دوران رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی ایک چوٹی میں غار میں تشریف لے گئے جہاں آپ حضور ﷺ نے زخموں کو دھویا گیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے آپ کے زخموں کی دیکھ بھال فرمائی ''جب مسلمانوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ لیا تو وہ آپ حضور ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے. آپ حضور ﷺ کے ہمراہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت حارث بن الصمہؓ اور دیگر اصحاب بھی تھے.'' (۹۵) جب حضور نبی اکرم ﷺ اس غار کے دہانے پر پہنچے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ اپنے خود میں 'المہراس' (جو اس چٹان کے اوپر ایک چشمہ تھا۔ اور آج بھی موجود ہے) سے پانی بھر کر لائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ حضور ﷺ نے پینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے بو آ رہی تھی. تاہم آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے زخم دھونے کے لیے استعمال فرمایا اور آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے سر مبارک پر بھی ڈالا. اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اللہ کا اس پر شدید عذاب ہوگا جس نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون سے رنگا.] (۹۶) حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے بیان فرمایا [فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے آپ حضور ﷺ کے زخموں کو دھویا جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود سے پانی بہا رہے تھے. جب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے دیکھا کہ پانی کے استعمال سے خون زیادہ مقدار میں بہنا شروع ہو گیا تو انہوں نے ایک کپڑا جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر ملی جس سے خون جم گیا اور بہنا بند ہو گیا. آپ حضور ﷺ کے اگلے دو دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور چہرہ مبارک پر زخم بھی آئے تھے اور پتھر سے آپ حضور ﷺ کا خود ٹوٹ گیا تھا.'' (۹۷) جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے آقا و مولا ﷺ کی دیکھ بھال کر رہے تھے تو اس وقت کفار مکہ کی عورتیں مسلم شہداء کے کان اور

ناک کاٹنے میں مشغول تھیں. ان عورتوں نے تو ان بریدہ کانوں اور ناکوں کے ہار بنا لیے تھے. ہند زوجہ ابوسفیان نے سیدنا حمزہؓ کا سینہ چیر کر اور آپ کا دل اور کلیجہ نکال کر چبانے لگ گئی. ابن اسحاق لکھتے ہیں: صالح بن کیسانؒ نے مجھے بتایا کہ ہند بنت عتبہ اور دیگر عورتوں نے جو اس کے ساتھ تھیں شہداء کی لاشوں کا مثلہ کیا. انہوں نے ان کے کان اور ناک کاٹ لیے اور ہند نے تو ان کے پازیب اور گلے کے ہار بنائے اور اس نے اپنے پازیب اور گلے کا ہار وحشی کو دے دیا جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا. اس نے سیدنا حمزہؓ کا کلیجہ نکالا اور اس کو چبانے لگ گئی. مگر وہ اس کو نگل نہ سکی اور اس کو پھینک دیا."

حضور نبی اکرم ﷺ کی پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں چلے جانا سود مند ثابت ہوا. ابن اسحاق کے الفاظ میں: [وہ مسلم جو ادھر ادھر بکھر چکے تھے اس نقطہ ارتکاز پر جمع ہو گئے. اگرچہ اس مرحلے میں مسلمان زیادہ تعداد میں شہید ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ بنفس نفیس ان کی کمان سنبھال لی تھی جو ایک ایسی جگہ پر تھی جو اپنی اونچائی اور سنگلاخ چٹانوں کی وجہ سے تقریباً ناقابل تسخیر تھی. ابن کثیر نے بڑی تفصیل سے معرکے کے اس حصے کو بیان کیا ہے اور ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے کہ کیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبارہ منظم کیا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو مختلف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرکردگی میں مختلف سمتوں پر متعین کیا تاکہ دشمن کی پیش رفت روکی جا سکے. دشمن بار بار اس چوٹی کا رخ کرتا مگر ناکام لوٹتا. ابوسفیان اپنی فوج کو اوپر جانے پر مجبور کرتا رہا مگر ہر بار جب دشمن سے بڑھنے کی کوشش کرتے تو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اپنے تیروں سے ان کے سینے چھلنی کر دیتے اور دشمن پسپائی پر مجبور ہو جاتا. بہت سے ناکام حملوں کے بعد دشمن جان گیا تھا کہ مزید کوشش بے سود ہو گی اور یہ کہ مسلمانوں کو وہاں جا لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی. دشمن اب تھک چکا تھا اور مزید لڑائی کی اس میں ہمت بھی نہیں رہی تھی.

کفار میں سے ایک، ابی بن خلف، یہ کہتے ہوئے چوٹی کی طرف بڑھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا. حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منع فرما دیا کہ اس پر تیر اندازی نہ کریں بلکہ یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس اس پر تیر چلائیں گے. آں حضرت ﷺ نے نیزہ طلب فرمایا اور اس کی طرف کس دیا. وہ کافر ابن کافر ایک چیخ مار کر کانپنے لگ گیا اور اپنے گھوڑے سے نیچے آ رہا. وہ زخمی ہو گیا تھا اور مکہ واپس جاتے ہوئے مقام 'سرف' پر اسی زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے واصل جہنم ہوا. ایک روایت میں ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے جب کبھی بھی وہ رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں ملتا تو کہا کرتا تھا: "اے محمد (ﷺ) میرے پاس ایک گھوڑا 'عود' نامی ہے جس کو میں خوب چارا کھلا کر پال پوس رہا ہوں. اس کے اوپر بیٹھ کر میں تمہیں قتل کروں گا." اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے [نہیں، انشاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا!] راستے میں جب اس کے ساتھیوں نے اسکو زخم کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ انہوں (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے مکہ میں مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کریں گے، واللہ اگر نیزے کی جگہ وہ مجھ پر اپنا تھوک بھی پھینک دیتے تو بھی میں مر جاتا." (۹۸) طبری نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ دیکھنے میں وہ زخم معمولی سا لگ رہا تھا مگر جب نیزہ اس کی گردن میں لگا تو وہ بیل کی سی حولناک آواز سے بلبلا اٹھا تھا. (۹۹) حضرت سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیت: [تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ جو تم نے پھینکا تھا وہ تم نے نہیں بلکہ میں نے پھینکا تھا...] (۱۰۰) کی شان نزول حضور نبی اکرم ﷺ کا اسی کافر کی طرف وہ نیزہ پھینکنا ہی تھا. (۱۰۱)

چونکہ ان کی فوج کی اکثریت کرائے کو جنگجو تھے اس لیے ان میں وہ دلجمعی نہ رہی تھی اور تھکاوٹ ان کے چہروں سے عیاں تھی. ابو سفیان انتہائی معاملہ فہم سپہ سالار تھا اور ان کے طرز عمل کو بھانپ چکا تھا اور ان کو مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا. حضرت کعب ابن مالکؓ نے عمرو بن العاص (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) کی ہجو کے جواب میں ابوسفیان کی جلدی جلدی واپسی پر فقرہ کسا تھا:

جبل اُحد کی مغربی جانب
وہ حصہ جہاں لشکر کفار
خیمہ زن ہوا تھا
اسے دائرے کی
شکل میں ظاہر کیا گیا ہے
(تصویر ست ۲۰۰۰ء)

بئر ابوسفیان اپنا جبڑا اور دانت بچا کر بھاگ نکلا۔ تو مشیت الٰہی
کے مطابق اس کی بہتری اسی میں ہی تھی
وگرنہ ہم اس کو ایسا سبق سکھاتے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا
اگر تم ڈھلوان میں گھسنے کی حماقت کرتے تو وادی کے عین بیچ ہی
تم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی
جاں نثاران نبی جو زرہیں پہنے ہوئے تھے وہ گروہ در گروہ
تمہاری درگت بنا دیتے (۱۰۲)

اگرچہ مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ ابوسفیان مدینہ طیبہ پر بھی حملہ آور ہو سکتا ہے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نے جنگ ختم کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے اس اعلان کے ساتھ کوچ کرنے میں ہی عافیت سمجھی: ''تمہارا اور ہمارا مقابلہ اب کی بار اگلے سال بدر میں ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ کہہ دیں: [ہاں انشاءاللہ!] (۱۰۳)

مسلمانوں کے شہداء کی تعداد ستر تک پہنچ گئی تھی جن میں سے زیادہ تعداد انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی نقاہت کی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر نماز کی امامت فرمائی حضرت رافع بن خدیجؓ جن کو صغر سنی کے باوجود اس غزوے میں شرکت کی اجازت ملی تھی بیان کرتے ہیں [حضور نبی کریم ﷺ نے نماز اس چھوٹی سی مسجد میں ادا کی جو شعب جرار میں جبل احد کے دامن میں جب کوئی زائر جاتے تو دائیں ہاتھ میں پڑتی ہے۔] (۱۰۴) وہ جگہ جہاں آپ حضور ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی تھی وہ آج بھی معروف ہے اور وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بنائی ہوئی ''مسجد قبلتین'' کے کھنڈرات ہیں جو انتہائی خستہ حالت میں ہیں۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دفنانے کا حکم دیا آپ حضور کو اتنی تعداد میں مسلمان شہید ہونے کا بہت رنج تھا اور شہداء کے مثلہ کئے جانے پر اور خاص طور پر اپنے چچا سیدنا حمزہؓ کی لاش کے بے حرمتی پر بہت دکھ تھا۔ یہ اسی درد و کرب کا نتیجہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی اہل مکہ آپ کے ہاتھ لگ جائیں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی کیا جائے گا لیکن قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے نزول نے آپ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا۔ ﴿اور نیکی اور بدی برابر نہیں۔ اور برائی کو بھلائی سے دور کر، اور اس طرح جو دشمنی تیرے اور ان کے درمیان میں ہے گہری دوستی میں بدل جائے گی اور یہ دولت صابروں کے سوا کسی کو نہیں ملتی اور بڑے نصیب والا ہی اسے پاتا ہے۔﴾ (۱۰۵)

اپنے شہداء کو دفنانے کے بعد مسلمان مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ واپس تشریف لاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ دیر کے لیے بنو حارثہ کے علاقے میں استراحت فرمائی۔ جس جگہ پر حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا وہاں آج بھی مسجد المستراح کے نام سے ایک مسجد موجود ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ ابن اسحاق یوں رقمطراز ہیں:

''یوم احد امتحان اور ابتلاء کا دن تھا اور دلوں کو ٹٹولنے کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے مومنوں اور منافقین کی آزمائش فرمائی اور ان کو نکال کر الگ کر دیا جو صرف زبان سے اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر دلوں میں اسلام کے خلاف بغض اور کھوٹ رکھتے تھے۔ یہ ایک ایسا دن تھا جس میں اللہ کریم نے جسے چاہا شہادت عطا کی۔''

یہ ایک ایسا دن تھا کہ عہد و پیماں نبھانے کے دن تھا. ایک طرف تو انصار نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی جان کی حفاظت کا حق ادا کیا اور اپنے اس قول و قرار کو سچ کر دکھایا تھا کہ وہ وقت آنے پر آں حضرت ﷺ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے وہ اپنے گھر کی خواتین کی کرتے ہیں. بعض نے تو منتیں مانی ہوئی تھیں کہ وہ اپنی جانوں کو سرکار دو عالم ﷺ پر نچھاور کریں گے. کئی وہ ہو چکے تھے جس کی تصدیق رب ذوالجلال نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے: ﴿مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے یا ہوا عہد سچ کر دکھایا، ان میں سے کوئی تو اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے﴾. اڑسٹھ قریب شہدا کے متعلق نص قرآنی سے تھے. دوسری طرف صادق الوعد والامین ﷺ نے اپنے اس عہد و پیمان کو سچ ثابت کیا کہ "(تمہارا اور میرا) خون ایک دوسرے کا ہے جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں محمد الرسول اللہ ﷺ کا خون بھی گرے گا." مشیت ایزدی نے اپنے حبیب ﷺ کے اس وعدے کو پورا کرنا تھا جو آپ حضور ﷺ نے بیعت عقبہ کے موقعہ پر مدنی وفد کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیکر کیا تھا تاکہ کل کلاں بعد میں آنے والے یہ نہ کہہ سکیں کہ مصطفیٰ ﷺ سے اپنا عہد نبھایا نہ گیا.

اسلام کی عسکری تاریخ میں غزوہ احد روشنی کے ایک مینار کی حیثیت رکھتا ہے جس سے علماء کرام اور عسکری مفکرین و محققین یہ تمام ہوتا ہے. جنگی منصوبہ بندی کے مختلف مراحل سے لیکر عملی طور پر صف بندی تک اور فتح و نصرت کے واضح امکانات سے بازیت کے آثار تک جو کہ جب کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دشمن کے حملوں کا مرکز بن گئی تھی، اور اس وقت بھی جب کہ میدان جنگ میں چہار اطراف جان نثاران رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور خود تاجدار مدینہ ﷺ بھی زخمی ہو چکے تھے، ان تمام مراحل میں فوج کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل عزم و ہمت کی وہ عظیم داستان ہے جس سے عسکری فضیلتوں کے ہزاروں مسلک کی عقدہ کشائی ہوتی ہے. اس غزوہ میں کون سا ایسا دھچکا رہ گیا تھا جو سالار اعلیٰ کو نہیں کھانا تھا جس کی تیاری کے لیے مہلت نہ ہونے کے برابر تھی، اچانک اس وقت پہنچی جب دشمن وادی ذوالحلیفہ میں پہنچ چکا تھا. اس پر مستزاد عددی کمتری، مادی وسائل اور سامان ضرب کی شدید قلت، منافقین کی غداری، حلیف یہودیوں کا مساعدت سے انکار، اور سب سے بڑھ کر اپنے متعین کردہ تیر اندازوں دستہ کی عدم انضباطی، الغرض ہر وہ بھاگ چکا تھا جو کسی بھی عسکری معرکے کو ناکام اور سالار اعلیٰ کو ناامید کر سکتا تھا مگر بایں ہمہ سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر ایک نظر رکھنے والے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نہ تو آپ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش آئی اور نہ ہی آپ کی قائدانہ صلاحیت پر کوئی اثر پڑا. یہ قدم قدم پر آپ کی شجاعت اور قیادت ہی تو تھی جس نے مسلمانوں میں دوبارہ ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ پامردی سے میدان کارزار میں جم گئے. آج کے عسکری مفکرین اور تجزیہ نگار ایک سالار اعلیٰ کی کسی بھی بدترین حالات میں اپنی فوج کو منظم کرنے کی صلاحیت اور استعداد (Crisis Management) کو بہت اہمیت دیتے ہیں. اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ صلاحیت رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی. آپ حضور ﷺ سے بڑھ کر اس سلسلے میں اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ مدینہ طیبہ میں کوئی گھرانہ ایسا نہ رہا تھا جس میں کم از کم ایک اور بعض مثالوں میں تو کئی افراد جام شہادت نوش کر چکے تھے. امت کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی جس سے من حیث القوم عام دنیاوی معیار کے مطابق جوصوں (Morale) پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا. ہر پہلو سے یہ ہنگامی صورت حال (Crisis) سالار اعلیٰ کے لیے بڑا امتحان تھا. لیکن رسول اللہ ﷺ کی معجزنگار قیادت نے ان تمام مشکلات پر اتنی جلدی قابو پا لیا کہ جنگ کو ختم ہوئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ستر جان نثاروں کا دستہ ساتھ لے کر (جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو کہ زخمی حالت میں نہیں تھا) حضور نبی اکرم ﷺ دشمن کے تعاقب میں حمراء الاسد روانہ ہو چکے تھے. اس سے بڑا درس کسی جرنیل کو اور کیا دیا جا سکتا ہے کہ جب حالات کی تند و تیز آندھی مکمل طور پر مخالف سمت سے چلنے لگے تو عزم و ہمت اور پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہئے. ایک عسکری ماہر اور مفکر کے الفاظ میں: "جس انداز سے حضور نبی اکرم ﷺ نے دشمن کا مقابلہ کیا اس سے بہت

جبل احد کی پہاڑی
یہ درہ جس سے مشرکین
کا لشکر
رسول اللہ ﷺ
نے اپنی
عسکری حکمت
دکھائی

سے سبق سیکھنے چاہئیں جب آپ نے یہاں صرف سے جمع کر رہا تھا اس وقت بھی آپ اپنی فوج کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ حضور ﷺ نے ایک عسکری حیثیت اختیار فرما کر اپنی ہوئی فوج سے جنگ کے لئے روانہ ہوئے جیسا کہ جنگ کے شروع میں تھا جس نے دشمن کو اس کے علاقہ میں جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جیسے کہ وہ سوچ رہا تھا کہ مدینہ پہنچ سے مزید مدد آ رہی ہو یہ ایک ایسی جنگ ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انداز سے تکنیکی صف بندی اور مورچہ بندی کی بہترین مثال تھی (۱۰۷)

بادی النظر میں مسلمانوں کو اس معرکے میں ہزیمت ہوئی تھی جس کا سبب رسول اللہ ﷺ کے واضح اور مکرر احکام کی خلاف ورزی تھی لیکن انہوں نے جنگ کے صرف ایک معرکے Battle میں شکست کا منہ دیکھا تھا مگر پوری جنگ (۳ھ) تو جیتی تھی بہت سے معاندین اسلام اسے مسلمانوں کی شکست فاش پر محمول کرتے ہیں مگر حقیقت کے آئینے میں گردیکھا جائے تو درحقیقت وہ اصل میں اس سے زیادہ حق کی فتح شاندار کبھی ہوئی ہو دو سو گز سو رفوج کے مقابلے میں صرف دو گھوڑے میسر آئے تھے اور یہی تناسب دیگر سامان حرب و ضرب کا تھا. عسکری تجزیہ نگاروں کی رائے میں ہزیمت اس فریق کو ہوتی ہے جو میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرے یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو نہ لشکر اسلام کی ہزیمت کہا جاتا ہے اور نہ ہی لشکر کفار کی فتح پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ میدان سے تو بوسفیان بھاگ گیا تھا اور وہ بھی خالی ہاتھ۔ نہ کسی مسلمان کو قیدی بنا سکا اور نہ ہی کوئی مال غنیمت اس کے ہاتھ لگ سکا تھا جہاں تک خود مسلمانوں کا اس جنگ کے متعلق تجزیہ تھا وہ بھی اسے کامل فتح تصور نہیں کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ دوسرے حملے کے لیے چڑھ دوڑے تھے. جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا تو انہیں اپنے تیر اندازوں کی غلطی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کی سزا صرف ان تیر اندازوں کے بس تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس وقت میں موجود پوری امت مسلمہ کو سزا بھگتنا پڑی تھی. اس سلسلے میں قرآن کریم کا تبصرہ اور نقطہ نظر صاف واضح ہے کہ ﴿اور جان رکھو کہ ابتلاء اور مصیبت صرف ان پر ہی نہیں آتی جو غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں (بلکہ اس کا اطلاق سب پر ہو سکتا ہے) اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ سزا میں بڑا ہی شدید ہے﴾ (۱۰۸) حکم عدولی کی سزا ستر اصحابہ کرام کی شہادت پر منتج ہوئی تھی (بعض روایات میں ان کی تعداد ۷۰ بتائی گئی ہے) (۱۰۹) جس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی درس ہو جو امت کو ملا ہو جیسا کہ قرآن کریم نے (ایک دیگر سیاق و سباق میں) فرمایا ہے ﴿بات یہ ہے کہ اللہ چاہتا تو آپ ان سے بدلہ لے لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچا اور جو لوگ اللہ

کی راہ میں مارے گئے، اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا۔ ﴿ (۱۰) وہ سبق جو اس غزوے سے حاصل ہوئے بعد میں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے اور آنے والے غزوات اور پھر ان سے بھی بعد میں کی گئی جہادی مہمات میں راہنما اصول بنے۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی جنگ حد ختم ہوئی اللہ کریم نے ان تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاف فرما دیا جن سے بھول ہوئی تھی ﴿ یقیناً اللہ نے تم کو معاف فرما دیا ہے، اللہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں پر فضل کرتا ہے ﴾ (۱۱)

بھی زخمیوں کے گھاؤ بھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اگلے ہی دن دشمن کا پیچھا کرنے کا عزم فرمایا۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیرؒ کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا [اے بھتیجے، تمہارے والد (الزبیرؓ) اور ابوبکرؓ، غزوہ احد میں شامل تھے جب دشمن چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ واپس نہ لوٹ آئیں اس لیے آپ حضور ﷺ نے فرمایا [کون ہے جو ان کا پیچھا کرے گا؟] پھر آپ حضور ﷺ نے ان میں سے ستر افراد کا انتخاب فرمایا] (۱۱۲) اگرچہ سب زخموں سے چور تھے مگر اپنے قائد علی کی ندا پر سب نے لبیک کہا اور دوسرے ہی دن اپنے آقا و مولا کی سالاری میں یہ مختصر سا دستہ دشمن کے تعاقب میں وادی عقیق کے ساتھ ساتھ حمراء الاسد روانہ ہو چکا تھا جو ذوالحلیفہ سے تقریباً دس کیلومیٹر دور مقام ہے۔ وہاں آپ نے چند دن قیام فرمایا۔ رات کے وقت حضور ﷺ مختلف جگہوں پر آگ جلانے کا اہتمام فرماتے تاکہ دشمن کو ان کی تعداد کا صحیح علم نہ ہو سکے۔ تاہم مکیوں کو جرأت نہ ہو سکی کہ وہ واپس لوٹ کر اس چیلنج کا مقابلہ کریں اور انہوں نے جلدی سے مکہ پہنچنے میں ہی عافیت سمجھی۔ مکیوں کے اس طرح بھاگ جانے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عزم و ہمت کی داد ان الفاظ میں دی ﴿ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی ندا پر لبیک کہی اگرچہ وہ زخمی ہی تھے، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے لیے بہت بڑا انعام ہے۔ ﴾ (۱۱۳)

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جنگ ختم ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی تدفین کا بندوبست فرمایا۔ مادی وسائل کی بے بضاعتی کا یہ عالم تھا کہ ستر شہداء کے لیے کفن کا کپڑا بھی میسر نہ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک کفن میں دفنانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے۔ پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: [میں یوم قیامت میں ان کا شاہد ہوں گا۔] آپ حضور ﷺ نے ان کو ان کے جسموں پر خون کے ساتھ ہی دفن فرمانے کا حکم دیا نہ اس وقت ان کا جنازہ پڑھا گیا اور نہ ہی ان کو غسل دیا گیا۔] (۱۱۴) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سیدنا حمزہؓ کے پاس سے گزرے جن کی لاش مسخ کر دی گئی تھی۔ آپ نے ان کے علاوہ کسی کا بھی جنازہ نہیں پڑھایا (۱۱۵) حضرت انس بن مالکؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ: [پھر آپ نے کفن کے لیے کپڑوں کو طلب فرمایا۔ کپڑے شہداء کی

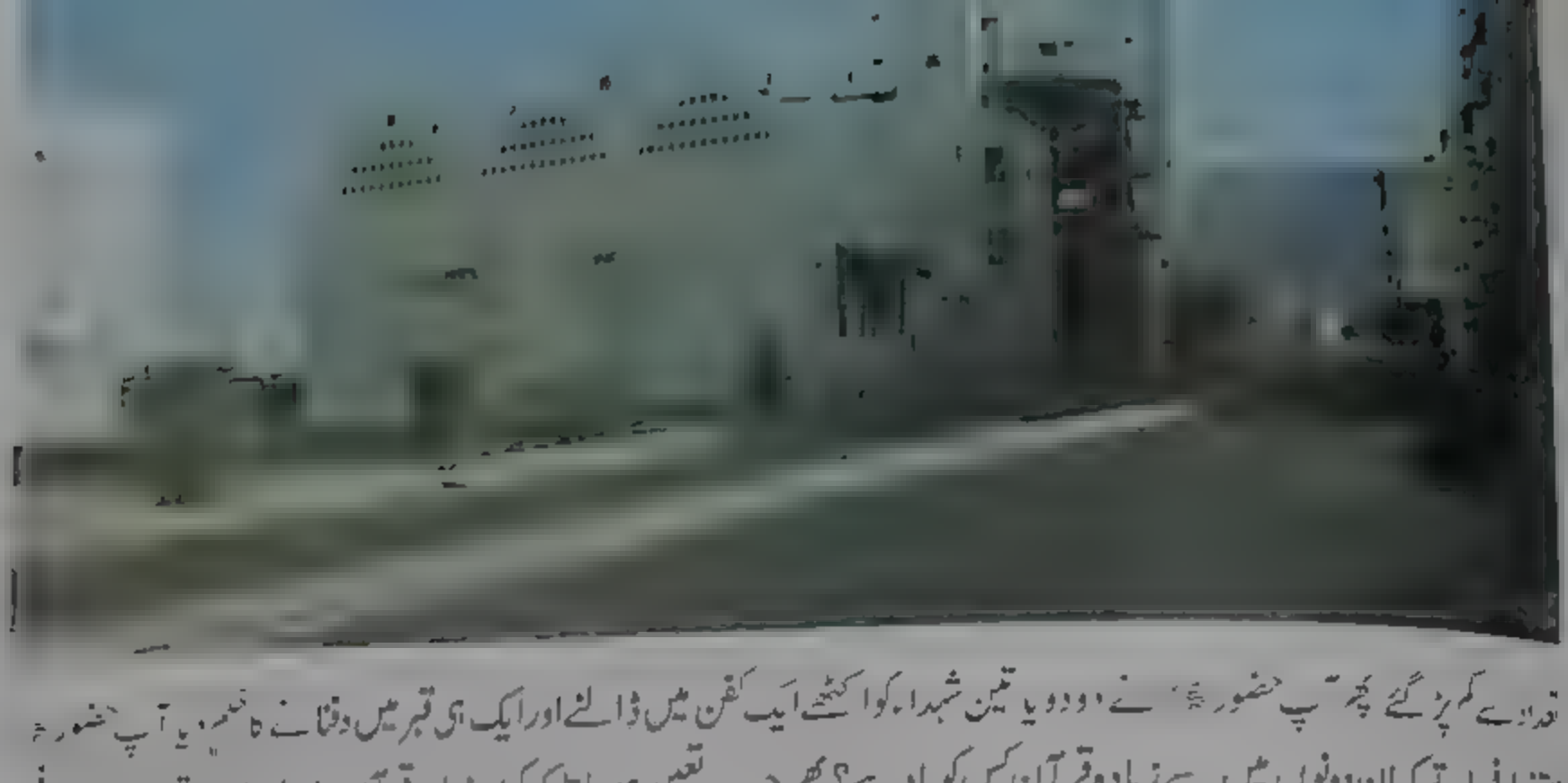

تعداد سے کم پڑ گئے پھر آپ حضور ﷺ نے دو دو یا تین شہداء کو اکٹھے ایک کفن میں ڈالنے اور ایک ہی قبر میں دفنانے کا حکم دیا آپ حضور ﷺ استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے اس طرح ان کو بغیر جنازہ پڑھائے دفن کیا گیا](۱۱۶)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تقریباً آٹھ سال بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی (وہ بھی اپنے انتقال سے ایک یا دو دن پہلے) اور ایسے لگ رہا تھا جیسا کہ آپ ان کو الوداع کہہ رہے ہوں پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا [میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم پر شاہد رہوں گا اور پھر ہم مقررہ مقام پر حوض کوثر پر ملیں گے اور میں اب اپنی اس جگہ سے (حوض کوثر) دیکھ رہا ہوں مجھے اب اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرے گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم دنیا کی معاملات میں تنازعہ کرو گے کہ دنیا کی خاطر ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگو گے۔ یہ میری آخری نظر تھی جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر پڑی تھی (۱۱۷)

غزوہ بنو نضیر:

میثاق مدینہ کی رو سے فریقین اس بات کے پابند تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور کسی بھی صورت میں کوئی فریق دوسرے پر حملے کی صورت میں حملہ آور دشمن کا ساتھ نہ دے گا۔ مسلمانوں نے ہر لحاظ سے اس معاہدے کا احترام کیا اور اس کی ہر شق پر پوری طرح کاربند رہے مگر یہود، خاص طور پر بنی نضیر کے یہودی (مثلاً کعب بن اشرف وغیرہ) نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور ایسی حرکات کرنی شروع کر دیں جس سے درپردہ اور کھلم کھلا قریش کی حمایت مقصود تھی۔ انہوں نے تو ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر بھی حملہ کرنے سے دریغ نہ کیا ان کی یہ تمام حرکتیں ریاست مدینہ کے خلاف نہ صرف غداری کے ضمرے میں آتی تھیں بلکہ حاکم ریاست مدینہ کے خلاف گھناؤنی سازش کے ارتکاب کے مترادف تھیں۔ کتنی ہی بار حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں مگر انہوں نے ان نصیحتوں پر کان نہ دھرا جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کا وطیرہ تکبر سے بڑھتے بڑھتے گستاخیوں پر جا پہنچا چونکہ وہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو دوسرے یہود سے برتر سمجھتے تھے اور اپنے لیے ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے بنو قینقاع اور بنو قریضہ کے برعکس ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو تقریباً دو سے لے کر تین ہزار نفوس تک تھی۔ اپنی اس عددی برتری کے سبب وہ مسلمانوں کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے وہ وادی مذنب کے کنارے مدینہ طیبہ کے جنوب میں سکونت رکھتے تھے۔ ان کے گاؤں کے علاوہ ان کی کافی جائیداد مسجد قباء کے قریب ہی جنوب کی طرف بھی تھی جس کو البویرہ کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ کھجور کے باغات سے پر تھی اور بنی خطمہ کے قبرستان کے قریب ہوا کرتی تھی۔ (۱۱۸)

عمرو بن امیہ الضمری نے، جو مسلمانوں کے حلیف تھے، بنی کلاب کے دو افراد کو قتل کر دیا جو کہ بنی نضیر کے حلفاء میں سے تھے۔ حضور

نبی اکرم ﷺ نے مسجد قباء میں نماز ادا فرمائی اور پھر اپنے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں بستی بنی نضیر تشریف لے گئے تاکہ مقتولوں کے خون بہا پر بات چیت کی جا سکے. بنی نضیر میں سے ایک یہودی (عمرو بن جحش بن کعب بن بصیل النضری) چپکے سے اوپر چڑھ گیا تاکہ وہ آپ کے اوپر ایک بڑی چٹان یا پتھر لڑھکا دے. وحی کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی بروقت اطلاع مل گئی اور آپ حضور ﷺ کسی کام کا کہہ کر وہاں سے فوراً واپس لوٹ آئے. آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا پتہ نہ تھا اس لیے وہ کچھ دیر وہیں رکے رہے اور پھر بعد میں وہ بھی واپس آ گئے. قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر کچھ اس طرح ہے: ﴿اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے اس کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے.﴾ (۱۱۹) اس طرح پیشتر اس کے کہ دشمن اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام بنا دیا

اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہودیوں نے معاہدہ میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا. لہٰذا حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو ایک سخت وارننگ اور تنبیہ دے کر ان کے پاس بھیجا گیا: [اس شہر سے نکل جاؤ، تمہیں اب یہاں رہنے کی اجازت نہیں. میرے خلاف قتل کی سازش کا ارتکاب کر کے تم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت میں نے تمہیں امان دی تھی. تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے تاکہ تم شہر چھوڑ جاؤ. اس مہلت کے بعد جو بھی مدینہ طیبہ میں نظر آئے گا وہ قتل کر دیا جائے گا.] شہر میں تو وہ مدینہ طیبہ سے انخلاء پر مائل نظر آتے تھے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھ بھیجا کہ وہ کہاں جائیں جس پر آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا [حشر کی طرف!] (۱۲۰) تاہم اسی دوران رئیس المنافقین ابن ابی نے ان کو اکسایا اور وہ نہ جانے پر اڑ گئے. اس نے انہیں پیغام بھیجا ''ثابت قدم رہو اور اپنے آپ کی حفاظت کرو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ غداری نہیں کریں گے. اگر تم پر حملہ ہوتا ہے تو ہم تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ باہر نکل جائیں گے.'' (۱۲۱) اس شہہ پر بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے امتباہ پر کان نہ دھرے اور جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے. ابن ابی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے اطام اور حویلیوں میں قلعہ بند ہو جائیں اور انہیں دلاسا دیا کہ جلد ہی وہ اپنے دو ہزار جنگجوان کی کمک کے لیے بھیج دے گا جو ان کے ہمراہ ان کے قلعوں میں مورچہ زن ہو کر تادم حیات مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے. (۱۲۲) اس نے ان کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ بنی قریضہ اور غطفان سے گفت و شنید کرے گا تاکہ وہ بھی اس معرکے میں کود پڑیں. اگرچہ بنو نضیر کے کچھ لوگ شروع سے ہی مدینہ طیبہ چھوڑ دینے کے حق میں تھے مگر ابن ابی کی شہہ پر حیی بن اخطب جو ان کا سردار تھا اپنی ضد پر اڑ گیا اور یوں انہوں نے باہر چلے جانے کی بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھان لی. اس کا کہنا تھا: ''ہمیں اس کے علاوہ اور کیا کرنا ہے کہ ہم اپنے قلعوں اور اطام کو مضبوط بنائیں، اور ان کو اجناس اور سامان خورد و نوش سے بھر لیں، اپنی سڑکوں اور گلیوں کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور چلانے کے لیے کافی مقدار میں پتھروں کا ذخیرہ کر لیں اور تیار ہو جائیں. ہمارے پاس کافی خوراک ہے جو ایک سال تک کی ضروریات پوری کر سکتی ہے اور رہا پانی کا مسئلہ تو ہمارے کنویں کبھی خشک نہیں ہوتے. اور پھر (حضرت) محمد (ﷺ) کوئی ایک سال تک تھوڑا ہمارا محاصرہ کریں گے!'' (۱۲۳)

جب دس دن گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے. آپ حضور ﷺ نے نماز عصر بھی انہیں کے علاقے میں پڑھائی. شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے علمدار تھے ربیع الاول ۴ ہجری کو بنو نضیر کا محاصرہ شروع ہوا. (۱۲۴) رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر اور بنو قریضہ کی بستیوں کے درمیان میں واقع اراضی پر اپنے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا جس سے یہود کے دونوں قبیلے ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مدد کے قابل نہ رہا. بعد میں اس مقام پر ایک تاریخی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو صدیوں تک اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی رہی. یہ مسجد الفضیخ

تھی جو پچھلے سال اگست تک العوالی کے علاقے میں تاریخ مدینہ طیبہ کے عشاق کی زیارت گاہ رہی ہے نبی اکرم ﷺ نے وہاں پہنچ کر قیام فرمایا تھا (۱۲۵) شراب کی ممانعت کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں اپنے ممانعتی احکامات نازل فرمائے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے کے تیر ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی شراب اور جوئے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو کیا تم باز آؤ گے (۱۲۶) مورخین مدینہ طیبہ کے مطابق جب ان احکام کی منادی کروائی گئی تو اسی مقام پر موجود چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شراب کے مٹکے اس کے صحن میں واقع کنویں میں انڈیل دیے تھے۔ اس تاریخی مسجد کے متعلق مکمل معلومات باب "مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد" میں مہیا کی گئی ہیں یہودی اپنے قلعوں میں مورچہ بند ہو گئے جہاں انہوں نے ہتھیار اور کافی مقدار میں پتھر اور ڈھیلے اکٹھے کر لیے تھے۔ (۱۲۷) شروع شروع میں تو انہوں نے بہت مزاحمت کی اور ایک قلعے سے دوسرے قلعے میں منتقل ہوتے رہے۔ ان قلعوں کے اردگرد کھجوروں کے باغات تھے جن کے درختوں نے ان کے لیے ایک مضبوط دفاعی لائن کا کام کیا وہ ان کمین گاہوں سے ادھر ادھر منتقل ہونے کی کوشش کرتے اور مسلمانوں پر چھپ کر وار کرتے مگر جب بھی کسی یہودی نے کوشش کی کہ رات کے اندھیرے میں محاصرہ توڑ کر باہر نکل جائے، تو مسلمان مجاہدین اس کو آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔ یہودیوں نے سے لگ تھگ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ نہ تو بنو غطفان کی مدد آئی اور نہ ہی بنو قریظہ نے ان کی کوئی مدد کی۔

محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا۔ پہلے مرحلے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے وہ کھجور کے درخت جو ان کی پناہ گاہ کی طرف تھے یہودیوں نے دفاعی حکمت عملی کی تحت خالی کر رکھے تھے مسمار کرنے کا حکم دیا جن کی اوٹ میں چھپ کر وہ مسلم مجاہدین پر حملہ آور ہوتے تھے۔ محاصرے کو اور زیادہ شدید بنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عسکری عملیت کے طور پر ان کے باغات میں لگے کھجور کے درختوں کو جو ان کے دفاعی حصار میں واقع تھے اور جن کو وہ دفاعی حصار کے طور پر استعمال کرتے تھے کاٹ ڈالنے اور جلا کر خاکستر بنا دینے کا حکم دیا۔ (۱۲۸) ان اقدام سے ایک طرف تو وہ کھانے کی اجناس سے محروم ہو گئے اور دوسری طرف ان کے وہ مورچے تباہ ہو گئے جن کے پیچھے چھپ کر وہ کاروائی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے تھے جس سے وہ لوگ جلد ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ میں سے کچھ یہودیوں نے اس پر بہت واویلا کیا اور کہنے لگے: "اے محمد (ﷺ) آپ تو ہمیشہ برائی اور ظلم کے خلاف بولتے رہے ہیں مگر اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمارے درختوں کو جو ہمارے روزگار کا ذریعہ تھے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ آخر ان بے زبان درختوں کا کیا قصور ہے؟" مسلمانوں میں بھی اس کے بارے میں دو گروہ بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا ان قرآنی احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ جب کسی کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو وہ زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں! (۱۲۹) قرآن کریم نے ان کے اس پروپیگنڈے اور الزامات کو یکسر رد کر دیا اور اس سلسلے میں سورۃ الحشر کا نزول ہوا: جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی عزت اور حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے تمہیں گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے، تو عبرت والے نگاہ والو۔ اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ نے ان پر گھر سے اجڑنا لکھ دیا تھا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرما دیتا اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے پھٹے رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول سے پھٹا رہے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو رسوا کرے۔ (۱۳۰)

اس طرح قرآن کریم نے ان آیات میں اسلامی جنگی قوانین کی بہت اہم تشریح فرما کر اس میں ایک نئے قانون کا اضافہ کر دیا کہ دشمن

کے علاقے میں عسکری مقاصد کے لیے درختوں اور پناہ گاہوں کا تباہ کیا جانا قرآن پاک سے ان احکام سے زمرہ میں نہیں آتا جن میں پیش بین کی گئی آیت کریمہ کی رو سے ایسی کارروائی زمین میں فتنہ و فساد بپا کرنے سے متعلق قرار دی گئی تھی۔ حضرت ابن [illegible] سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے بنی نضر کے کھجوروں کے درختوں کو جو البویرہ کے باغ میں تھے نذر آتش کرنے کا حکم دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جس میں وضاحت کر دی گئی کہ "جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے تھا کہ فاسقوں کو رسوا کرے۔" (۱۳۱) وہ مزید فرماتے ہیں جب حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم سے درخت نذر آتش کیے جا رہے تھے تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعے کے متعلق یہ شعر کہا تھا:

"البویرہ کے مقام پر خوفناک آگ کی طرف بنی لوئی کے شرفاء نے کوئی توجہ نہ دی (اس واقعہ سے انہوں نے کوئی سبق نہ سیکھا)
وہ بنی لوئی جو قریش کے بڑے اشراف تھے۔" (یعنی اس سے قریش کو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہئے)

ابوسفیان بن الحارث (جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مندرجہ بالا شعر کا جواب کچھ یوں دیا تھا:

اللہ اس آگ کو جلتا رکھے حتیٰ کہ مدینہ کے تمام حصے جل کر خاکستر ہو جائیں
تب تم دیکھ لو گے کہ کون البویرہ سے دور ہے اور کون اس کے قریب تر تمہاری زمینیں اس آگ سے بہت دور (محفوظ) ہیں۔
(یعنی ان کے ذہن میں تھا کہ مسلمان خواہ کچھ بھی کر لیں قریش کا بال بیکا نہ کر سکیں گے) (۱۳۲)

جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا گیا ان کی قوت مدافعت اور مزاحمت متزلزل ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے [illegible] کی باتیں شروع کر دیں۔ ابن ابی کے جھوٹے وعدوں کی قلعی کھل چکی تھی۔ لہٰذا انہوں نے بددل ہو کر ہتھیار ڈالنے کا پیغام بھیجا اور جان کے لیے محفوظ راستہ طلب کیا۔ ان کے ہتھیاروں کے بدلے ان کی جانیں اور مال و دولت بخش دیئے گئے۔ ان میں سے ہر ایک کو اجازت دے دی گئی کہ ایک فرد ایک اونٹ اور کچھ مال و اسباب لے جا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا تاکہ مسلمان بعد میں ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ مردوں نے سر مسلمانوں کے اور ان کے شہتیر تک اپنے اونٹوں پر لاد کر چل دیئے۔ (۱۳۳) حضرت محمد بن مسلمہ [illegible] کے فرائض سونپے گئے۔ انہوں نے اپنا اپنا سامان باندھا اور حی بن اخطب اور سلام بن ابی حقیق کی سربراہی میں وہ چھ سو اونٹوں پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ سے باہر نکل گئے۔ (۱۳۴) جو مال غنیمت انہوں نے چھوڑا اس میں ۵۰ ڈھالیں، ۴۰۰ تلواریں اور کافی رقبے پر پھیلی زرعی اراضی تھی۔ مشہور ڈھال سعدیہ جو رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت سے لی تھی (۱۳۵) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وہی ڈھال تھی جو سیدنا داؤد علیہ السلام نے جالوت سے جنگ کے وقت استعمال کی تھی اور جس کو بنو نضیر نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کے تبرکات کے طور پر سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ (۱۳۶)

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکرؒ نے انہیں بتایا کہ بنو نضیر کے لوگ جب مدینہ طیبہ سے جانے لگے تو ان کے بچوں اور عورتوں کے قافلے کے پیچھے پیچھے طبلے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے گانے والے طائفوں کی لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک ام عمرو بھی تھی جو کہ عروہ بن الورد العبسی کی بیوی تھی اور قبیلہ بنی غفار سے تھی۔ اس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اسے انہوں نے العبسی سے خریدا ہوا تھا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں توہمات کا راج تھا وہاں یہ رواج جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ عرب جس کی پوتھی کی نرینہ اولاد اگر عالم طفولیت میں مر جاتی تو وہ منت مان لیتے کہ گلا ہونے والا بچہ وہ یہودیوں کو چڑھاوا چڑھا دے گا جسے وہ یہودی ایک یہودی کے بچے کے طور پر پال لیتے تھے۔ جب بنو نضیر مدینہ بدر ہوئے تو انہوں نے اصرار کیا کہ ایسے یہودی عرب بچوں کو ان کے ساتھ جانے دیا جائے۔ وہ کہتے کہ ہم اپنے ان بیٹوں کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ اس پر قرآن کریم کی وحی کا نزول ہوا: "دین میں کوئی زبردستی روا نہ رکھی جائے۔" (۱۳۷) لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لے جانے کی

سے فضاری عیینہ ابن حصن نے جھٹ ان سے معاہدہ بھی کرلیا۔اس کے بعد انہوں نے تمام عرب قبائل میں وفود بھیجے اور ان سے تعاون کے عہد وپیمان کئے ایک لمحے کے لیے تو یوں لگتا تھا کہ یہود نے سیاسی توڑ جوڑ کر کے ایک بہت بڑی سفارتی کامیابی حاصل کرلی تھی جس سے قریش بہت زیادہ خوش تھے۔اسی طرح قریش بھی مختلف قبائل سے توڑ جوڑ میں مصروف تھے جنگ احد میں وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ان کا خواب ادھورا رہ گیا تھا اور وہ رہ رہ کر ابوسفیان کو کوستے کہ کیوں نہ اس نے اسی وقت مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جب کہ مسلمان شدید زخمی حالت میں پڑے تھے۔لہذا اب کی بار وہ ایک ایسی کاری ضرب مدینہ طیبہ پر لگانا چاہتے تھے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہمیشہ کے لیے نیست ونابود ہوکر رہ جائے۔انہوں نے مکۃ المکرمہ کے اردگرد کے تمام طاقتور قبائل سے گٹھ جوڑ کیا اور جب انہیں کنانہ اور بنو ثقیف کے قبائل کی پشت پناہی حاصل ہوگئی تو انہوں نے مشترکہ جارحیت کا فیصلہ کرلیا۔بڑے قبائل کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بدو قبائل نے بھی ان کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی۔(۱۴۴)

تمام تر تیاریوں کے بعد جب قریشی مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے اپنے ایک معتمد قاصد کے ذریعے ایک بہت عاجل پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا معاملہ کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاصد کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ رستہ جو عموماً چودہ دن میں طے ہوتا تھا اسے صرف چار دن میں طے کرنا تھا حضرت موسیٰ بن عقبہؒ کے مطابق یہ غزوہ ۵ شوال ۴ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔(۱۴۵)

جیسا کہ ایک اور مقام پر بیان کیا جاچکا ہے مدینہ طیبہ کی جغرافیائی اور دفاعی نوعیت خاصی دشوار گزار تھی اور اس کے اردگرد تین اطراف قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں۔جنوب میں جبل عیر کا فلک بوس طویل پہاڑ تھا اور مشرقی اور مغربی جانب لاوے سے بنے سنگلاخ چٹانوں سے اٹے ہوئے حرے تھے۔اس لیے جنوب کی طرف سے کسی حملہ آور کا ڈر نہیں تھا اور اس کے علاوہ دونوں حروں کی ناہموار سطح مرتفع گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے ناقابل عبور رکاوٹوں کا کام دیتی تھیں اس لحاظ سے صرف ایک ہی جانب رہ گئی تھی جو دفاعی نقطہ نظر سے کمزور سمجھی جاتی تھی: وہ شمالی جانب کا میدانی علاقہ تھا جو جبل احد کی شمال مغربی جانب واقع تھا۔جونہی رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ کا خفیہ پیغام موصول ہوا تو آپ حضور ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صلاح مشورے شروع کردیئے۔پچھلی بار کی منصوبہ بندی میں جس کے تحت دشمن کو مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے دامن میں جنگ میں الجھایا گیا تھا چند خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی اور دشمن اس میدان کی جغرافیائی خصوصیات سے پوری طرح واقف ہوچکا تھا۔اس لیے اب جنگی منصوبہ بندی ایک ایسے نئے اور انوکھے (unconventional) انداز کا تقاضا کررہی تھی جس سے دشمن قطعی ناواقف ہو۔خفیہ عسکری معلومات کے ذریعے آپ کو پتہ تھا کہ دشمن کی پیادہ اور گھڑسوار نفری کتنی تھی۔اور پھر جنگ احد کے عسکری نتائج بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں رہے تھے۔اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ دفاع کے لیے ایک نیا انداز اپنایا جائے۔

مشاورت کے دوران حضرت سلمان الفارسیؓ نے عرض کیا: ”جب کبھی بھی ایران میں ہمیں گھڑسوار فوج کی جارحیت کا سامنا ہوتا تو ہم لوگ شہروں کے اردگرد خندقیں کھود لیا کرتے تھے۔“ یہ ایک بالکل انوکھا نظریہ تھا جس سے عرب ناواقف تھے اور حالات کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی نظریہ سب سے مناسب دفاعی منصوبہ معلوم ہوتا تھا۔اس لیے حربی منصوبہ سازوں کے ذہن رسا کو یہ تجویز بھا گئی۔اس انوکھے منصوبے کا تمام تر سہرہ حضرت سلمان فارسیؓ کے سر ہے اس لیے کہ اس تجویز پیش کرنے کے علاوہ آپ نے عملی طور پر اس پر عمدرآمد کرنے میں بھی بڑی کاوش کی تھی۔آپ قبیلہ بنو قریضہ میں غلام رہ چکے تھے اور ان کے ہاں آپ کی خاصی شناسائی ابھی تک باقی تھی۔لہذا آپ نے ان سے کھدائی کا ضروری ساز وسامان، مثلاً بیلچے، کدال اور ٹوکریاں وغیرہ حاصل کیا۔اگرچہ خفیہ طور پر تو بنو قریضہ کفار مکہ سے معاملات

سے آ رہے تھے مگر بنو خزاعہ بھی میثاق مدینہ کے حامی تھے۔ اس طرح مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جبل سلع کے ساتھ ساتھ ایک لمبی اور گہری خندق کھودنے کا کام پورے زور و شور سے شروع ہو گیا تا کہ دشمن کا داخلہ روکا جا سکے۔ اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر مسلمانوں کی فوجی نفری تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی جن کے پاس صرف ۳۶ گھوڑے تھے۔

اپنے قریبی ساتھیوں کی ہمراہی میں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر تمام علاقے کا تفصیلی معائنہ فرمایا اور خاص طور پر حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے ان علاقوں پر زیادہ توجہ دی جو دشمن کے داخلے کا سبب بن سکتے تھے۔ مغربی حرہ کے بہت سے علاقہ میں وادی بطحان بارانی پانیوں سے بہہ چکی تھی، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب صرف ایک علاقہ بچا تھا جو نسبتاً غیر محفوظ تھا اور وہ تھا جبل سلع کا شمالی میدان۔ بنا بریں اس علاقے میں خندق کھودنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ آپ حضور ﷺ نے اپنی افرادی قوت کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ بنی حارثہ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دستوں کو بیس بیس میٹر (۴۰ ہاتھ) لمبی خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خندق وادی بطحان سے شروع ہو کر جبل سلع کے دامن میں اس حصے تک گئی جہاں آج بھی مسجد فتح موجود ہے اور اس سے آگے جبل سلع کے گرد چکر کاٹتے ہوئے یہ بنی حارثہ کی حدود تک چلی گئی تھی۔ اس خندق جبل ذباب کے پاس سے گزری اور وہاں سے مقام شیخین سے ہوتی ہوئی حرہ شرقیہ میں علاقہ بنی حارثہ تک چلی گئی تھی۔

ابن اسحاق نے حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ سے روایت کی ہے جنہوں نے بیان کیا ہے کہ جب مختلف قبائل کے اتحاد نے مدینہ طیبہ پر جارحیت کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ایک خندق کھودی جائے جو شیخین سے ہوتی ہوئی بنی حارثہ کے علاقے تک چلی جائے۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جبل سلع سے لے کر ذباب تک خندق کھودی جبکہ انصار نے ذباب سے جبل بنی عبید تک کھدائی کا کام کیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ انصار کارندوں کی ایک زنجیر تھی جو اس عظیم الشان منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ (۱۴۸)

یہ ایک بہت ہی مشکل کام تھا جو بادی النظر میں ناممکنات (Mission Impossible) میں سمجھا جاتا مگر امت کے ان پر عزم بندوں نے اپنے سید و مولا کی قیادت میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ حالات اگرچہ ہنگامی تھے مگر پھر بھی مسلمانوں کی راحت اور دیرینہ روایت کا خیال رکھا گیا۔ خندق کھودنے کے کاموں کے لیے اگر کوئی تھوڑے وقت کے لیے چھٹی کی درخواست کرتا تو رسول رحمت ﷺ بخوشی قبول فرما لیتے۔ قرآن کریم نے ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے ترحم کا ذکر کیا ہے: ﴿ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں سے تم جسے چاہو اجازت دیدو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو۔﴾ (۱۴۹) پیر و جواں سب نے مل کر اس عظیم کام میں حصہ لیا اور چھ دنوں (بعض کے نزدیک پندرہ یا سترہ دنوں) میں ایک ایسی ناقابل عبور دفاعی لائن بنا دی گئی جس نے دشمن کی پیادہ اور گھڑ سوار فوج کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روکے رکھا۔ خندق تین سے چار میل تک لمبی تھی اور سات سے لیکر دس ہاتھ (ساڑھے تین میٹر سے لیکر پانچ میٹر) تک گہری تھی اور اس کی چوڑائی نو ہاتھ یعنی ساڑھے چار میٹر تھی۔ آج کے معیار سے بھی اگر جانچا جائے تو مدینہ طیبہ کی سنگلاخ زمین پر اتنی بڑی اور گہری خندق کا زمانہ قدیم کے کدالوں اور اوزاروں سے صرف چند دنوں میں کھودا جانا اور وہ بھی صرف تین ہزار افراد کے ہاتھوں سے ایک حیرت انگیز شاہکار ہے جس کا اندازہ کر کے آج کے ترقی یافتہ دور کا انجینئر بھی انگشت بدنداں ہے۔ تمام کام ایک شفٹ میں ہوتا تھا جو نماز فجر کے بعد شروع ہوتی اور غروب آفتاب تک جاری رہتی۔ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معیت میں رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد تشریف لے جاتے اور نماز مغرب کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے نہ صرف اس عظیم منصوبہ کا افتتاح فرمایا بلکہ عام مزدوروں کی طرح کھدائی اور ملبہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں برابر کے شریک رہے۔ حضرت

سہل بن سعد اساعدیؓ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم خندق کی کھدائی کر رہے تھے اور
اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے تھے تو حضور نبی اکرم ﷺ فرط انبساط اور تحسین میں یہ شعر پڑھتے تھے:

یا اللہ آخرت کی زندگی سے بہتر کوئی زندگی نہیں تو میرے مہاجرین اور انصاریوں کی مغفرت فرما دے (۱۵۰)

اور آپ حضور ﷺ کے جواب میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ گنگناتے.

ہم وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد و پیمان کر لیا ہے کہ ہم تا حیات جہاد کرتے رہیں گے (۱۵۱)

تاریخ عالم میں شائد یہ واحد مثال ہے کہ ایک سالار اعلیٰ اپنے سپاہیوں کے شانہ بشانہ ایک عام مزدور کی طرح مشقت اٹھا رہا ہو۔ سید العرب والعجم ﷺ انصار کے ساتھ شرکت فرماتے اور کبھی مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کام کر رہے ہوتے تھے حالت سر بسر مخالف تھے، سخت سرد ہوائیں چل رہی تھیں اور زمین سنگلاخ اور اداسے بنی ہوئی سخت چٹانوں کی تھی لیکن وہ عزم و ہمت کا ناقابل تسخیر تھا کہ اس کے آگے مخالف سمت سے آنے والا ہر طوفان تھم کر رہ گیا تھا. رزمیہ ترانے گاتے ہوئے یہ جواں اپنی دھن میں مست تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے. حضرت سلمان فارسیؓ اپنے وقت پیری میں بھی سب سے جوان نظر آتے اور اتنا کام کرتے تھے کہ دوسرے رشک سے کہنے لگ گئے کہ سلمانؓ دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے ہیں جس سے انصاریوں اور مہاجرین میں رقابت پیدا ہو گئی انصاری کہتے کہ سلمانؓ ان میں سے ہیں جبکہ مہاجرین کہتے کہ سلمانؓ مہاجرین میں سے ہیں. اس دلچسپ مباحثے کو دیکھ کر رحمت اللعالمین ﷺ نے بے اختیار فرمایا [سلمانؓ ہمارا ہے اور وہ ہمارے اہل بیت سے ہے.] (۱۵۲)

چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس وقت عموماً اتنی اچھی نہ تھی، انہیں کھدائی اور چٹان شکنی کی ریاضت کے علاوہ بھوک اور فاقہ کشی کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی تھی سامان خورد و نوش تمام افرادی قوت کے لیے بہت حد تک ناکافی تھا. (۱۵۳) اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کئی کئی دن کا فاقہ کاٹنا پڑتا تھا. (۱۵۴) ایک دفعہ جب ایک سپاہی حضرت ابو طلحہؓ نے اپنی قمیض اٹھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کی دکھائی کہ ان کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تو سالار اعلیٰ اور سرکار دو عالم ﷺ نے جب اپنا کرتہ اونچا کر کے دکھایا تو سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے. ان تمام صعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود کام پورے جوش و جذبے سے جاری رہا اور پندرہ دن کے اندر اندر ۵۰۰۰ ہاتھ (ذرع) کی طویل خندق تیار ہو گئی. کام رمضان کے مہینے میں شروع ہوا تھا اور شوال میں ختم ہوا. چٹانوں اور پتھروں کے ٹکڑے خندق کے ساتھ ساتھ جمع کر لیے گئے تھے تا کہ بوقت ضرورت دشمن پر ہتھیار کے طور پر پھینکے جا سکیں. البتہ خندق سے نکلنے والی مٹی کھجور کے پتوں سے بنی ٹوکریوں میں ڈال کر دور دور پھینکی گئی تھی. نوجوانوں کے علاوہ نوعمر لڑکوں نے بھی اس کام میں بھرپور سرگرمی دکھائی. تاہم پندرہ سال سے چھوٹے بچے واپس بھیج دیئے جاتے تھے. حضرت البراء بن العازبؓ جو اس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے. اپنے عالم پیری میں اس وقت کے واقعات بیان کیا کرتے تھے. ایک دفعہ انہوں نے فرمایا: [جب حرب کے دن تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خندق کھدوائی تو میں نے آپ حضور ﷺ کو مٹی اٹھاتے ہوئے دیکھا. اس لگاتار کام سے مٹی اور گرد و غبار آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر اس طرح اٹ گئی تھی کہ آپ کی جلد تک نظر نہیں آتی تھی حالانکہ آپ حضور ﷺ کے جسد اطہر پر بہت زیادہ بال ہوا کرتے تھے (۱۵۵) یہ حضرت براء بن العازبؓ ہی کی روایت ہے کہ جب آپ حضور ﷺ مٹی اٹھا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے سرخ جامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا جب کہ آپ کی چھاتی مبارکہ مٹی سے اٹی ہوئی تھی. آپ کی سیاہ زلفیں اتنی لمبی تھیں کہ شانوں کو چھو رہی تھیں اور آپ حضور ﷺ اس وقت حسن و جمال کا پیکر دکھائی دے رہے تھے. (۱۵۶) ایک اور جگہ فرماتے ہیں: [نبی اکرم ﷺ میانہ قد رکھتے تھے. آپ نے اس وقت سرخ جامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت انسان کبھی نہیں دیکھا.] (۱۵۷) حضور نبی اکرم ﷺ نے

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ کا چہرا لگاتے اور گزرتے ہوئے انتہائی قریب تبسم فرماتے کہ دیکھنے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ آپ کے حسن و جمال کے پروانے ان من ظر و تجلیات کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتے۔

حسن بے پروا تو در اصل یہی ہے نہ کہ خیبر کے حسین من ظر
اے اللہ واقعی یہی جمال حقیقی اور حسن بیکراں ہے

مندرجہ ذیل اشعار کے ترجمہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ سے بے پناہ محبت چھلکتی ہے۔ جب وہ میدان غزوہ احزاب میں سنگ خارا کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتے تو جذب و مستی میں سب مل کر ایک ساتھ ایک ترانہ گاتے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

ہم ایسا گروہ ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے
جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم راہ خدا میں لڑتے رہیں گے
بخدا اگر اللہ کریم کا ہم پر فضل نہ ہوتا تو ہمیں رشد و ہدایت نہ ملتی
نہ ہی ہم صدقات دیتے اور نہ ہی ہم نماز ادا کرتے
اے اللہ ہم پر سکون اور عافیت کی نعمتیں نازل فرما
اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا

اس وجد آفریں ترانے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبان میں فرماتے

اے رب ذوالجلال اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے
میرے ان انصار اور مہاجر ساتھیوں کو بخش دے

حضرت سلمان فارسیؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب جبل ذباب کے دامن میں کھدائی جاری تھی تو مسلمانوں کا [illegible] رنگ کی چٹان سے پڑ گیا جو بہت سخت تھی۔ بہت سے لوگوں نے اسے ریزہ ریزہ کرنے کی سعی کی مگر وہ چٹان ٹوٹنے کا نام نہ لیتی تھی [illegible] معاملہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا۔ آپ حضور ﷺ اس جگہ پر تشریف لے گئے اور آں حضرت [illegible] کے ہاتھ سے کلہاڑا لے لیا۔ جب آپ حضور ﷺ نے پہلی ضرب لگائی تو اس سنگ خارا سے ایک ایسی روشنی نکلی جو جنوب کی طرف جا رہی تھی اور جس کی ضیاء مبارکہ سے اس طرف اندھیرے میں واقع ہر گھر منور ہو گیا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اس بار بھی ایک روشنی نکلی جس کا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے تیسری ضرب کاری لگائی جس نے چٹان کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور اس بار بھی اس سے ایک روشنی نکلی جس سے تمام مشرق روشن ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان تینوں پر اسرار روشنیوں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آقا میرے ماں باپ آپ پر فدا! ان پر اسرار انوار کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [پہلی روشنی کے نمودار ہونے پر میں نے یمن کے محلات دیکھے ہیں: دوسری روشنی میں میں نے بلاد الشام کے محلات دیکھے ہیں اور تیسری روشنی کے انوار سے میں نے مدائن کے علاقے میں کسری کے سفید محلات دیکھے ہیں۔ پہلی روشنی پر اللہ رب العزت نے میرے لیے یمن کا سارا علاقہ کھول دیا ہے، دوسری روشنی میں مجھ پر بلاد الشام اور مغرب مفتوح کر دیا گیا ہے اور تیسری بار جب روشنی چمکی تو مشرق میرے لیے کھول دیا گیا جبریل امین مجھے یہ خوشخبری دے کر گئے ہیں کہ میری امتی ان تمام علاقوں کو فتح کر لیں گے۔] (۱۵۹) ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے: [کہ جب ان کی لگاتار کوششوں کے باوجود ایک چٹان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہ ٹوٹ سکی

جبل سلع کے غربی جانب کی ایک ہوائی تصویر جس میں ساتوں مساجد نظر آتی ہیں دراصل ان مقامات پر دوران جنگ ان اصحابہ کرامؓ کے خیمے نصب تھے جن کے نام پر یہ مساجد منسوب ہیں

تو رسول اللہ ﷺ سے مدد کی درخواست کی گئی. آں حضرت ﷺ نے بطن اطہر پر ایک پتھر باندھ کیونکہ آپ اس وقت تین دن کے بھوکے تھے اور پھر آپ حضور ﷺ نے کلہاڑا اپنے دست مبارک میں لے کر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چٹان جو حجم میں بہت بڑی تھی ایک ریزہ ریزہ ہوئی جیسے ریت کا ڈھیر ہو۔ (۱۵۹)

کھدائی کے اس پر مشقت کام کے دوران کبھی کبھار ایسے لمحات بھی آجاتے کہ جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رزمیہ اور حمدیہ ترانے پڑھتے اور دل کو محظوظ کرنے والی حرکتیں کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ چشم فلک اس معجز نگار شخصیت اور سید الانبیاء ﷺ کی دست مبارکہ کے دست مبارکہ سے محیر العقول معجزے دیکھتی. کھدائی میں مشغول جب سب مل کر رزمیہ شعار ایک میں گنگنانے لگ جاتے تو اس ایک گروہ کو دیکھ کر دوسرا گروہ ان سے سبقت لے جانے کے لیے اور دوسرے اشعار پڑھتے جس سے کوہ ودمن گونج گونج جاتے. ایک [illegible] پ روایت میں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ جو اس وقت ابھی نوخیز جوان تھے [illegible] نیند کے سبب نیند آغوش میں چلے [illegible] یک ساتھی (حضرت عمارہ ابن حزم [illegible] رت سو جھی اور ان کی نیند کی بے ہوشی میں انہوں نے ان کے کپڑے اتار لیے اور ان کو مع ان کے کھدائی کے اوزاروں کے ایک طرف چھپا دیا. جب حضرت زید ابن ثابتؓ بیدار ہوئے تو [illegible] یشان ہو گئے. شرم کے مارے وہ ادھر ادھر [illegible] رہے تھے اور کسی کے سامنے نہیں آرہے تھے. حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا. تو ان [illegible] ور اقد" (او گہری نیند سونے والے) کہہ [illegible] اور سامعین نے اس واقعہ کا خوب حظ اٹھایا.

ابن اسحٰق نے حضرت بشیر بن سعدؓ کی بیٹی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ان کی والدہ [illegible] ن کو مٹھی بھر کھجوریں دے کر ان کے والد (حضرت بشیر بن سعدؓ) اور ان کے ماموں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے پاس بھیجا وہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزر رہی تھیں تو آپ حضور ﷺ کی نظروں سے بچانے کی غرض سے ان کھجوروں کو اپنے دامن میں چھپا کر جا رہی تھیں. ان کو یوں چوری چوری گزرتے دیکھ کر رسول رحمت ﷺ نے ان کو پیار سے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ وہ کیا چھپا کر لے جا رہی ہیں. جس پر ان کو بتانا پڑا کہ آقا یہ چند کھجوریں ہیں. آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں آپ کو دے دے. جو انہوں نے دی دیں. پھر آپ نے پاس موجود ایک اصحابی کو فرمایا کہ ایک چادر لا کر زمین پر بچھا دی جائے. حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ مٹھی بھر کھجوریں اس میں انڈیل دیں اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے کہ پوری چادر کھجوروں سے بھر گئی. پھر آپ حضور ﷺ نے سب حاضرین (کھدائی کرنے والے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو مدعو فرمایا اور کھانے کی دعوت دی. لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا اور آں حضرت ﷺ نے صلائے عام دے دیا کہ جتنی چاہو کھاؤ. سب نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں. جب سب سیر ہو کر چلے گئے تو اس بچی کی حیرت کی انتہا نہ تھی کیونکہ وہ دسترخوان ابھی بھی پہلے کی طرح بھرا پڑا تھا.

اس سے بھی زیادہ ایمان افروز واقعات اور معجزات کو حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان فرمایا ہے. ان سے مروی ہے [ہم خندق کھود رہے تھے کہ اچانک ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا جو ٹوٹنے میں نہ آتی تھی. ہم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آقا ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتی. حضور سرور دعالم ﷺ نے فرمایا: [ابھی آرہا ہوں!] پھر آں حضرت ﷺ نیچے

نے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر آپ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا تھا کیونکہ تین دن سے حضور ﷺ نے
کچھ نہیں کھایا تھا ایک ہی ضرب رسالت مآب ﷺ سے وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن گئی میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے میں تھوڑی دیر کے لیے گھر ہو آؤں لہذا جب میں
گھر گیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فاقہ کشی کی ایسی حالت میں دیکھا ہے
کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انہوں نے کہا ہاں کچھ جو
کا آٹا ہے اور ایک بکری ہے میں نے بکری ذبح کی اور وہ جو کا آٹا گوندھنے لگ گئیں پھر ہم نے
گوشت کو بھی ہنڈیا میں رکھ دیا جب جو کا آٹا ذرا نرم اور خمیر ہو گیا اور گوشت بھی پکنے لگ
گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے تھوڑا
سا کھانا تیار کر لیا ہے میرے غریب خانہ پر قربان حضور تشریف لے چلیں اور اپنے ساتھ چند
اصحاب کو بھی مدعو فرمائیں آپ نے استفسار فرمایا کتنا کھانا ہوگا؟ میں نے حقیقت حال
عرض کر دی حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ کافی رہے گا! جائیے اور اپنی ہنڈیا
سے کہیں کہ جب تک ہم نہیں آ جاتے وہ ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتاریں اور نہ ہی تنور سے روٹیاں
نکالیں پھر غریبوں کے [illegible] تمام مسلمانوں کے مولا ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین کو مخاطب کر کے فرمایا اٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے مہاجرین اور انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین [illegible]
ہوئی کے پاس گیا تو کہا اللہ تیرا برا کرے نبی اکرم ﷺ اپنے تمام مہاجر اور انصار ساتھیوں کے جلو میں تشریف [illegible]
کیا رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کتنا کھانا ہے؟ میں نے کہا ہاں اتنی دیر میں رسول اللہ ﷺ [illegible]
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا گھر میں چلیں مگر ازدحام نہ کریں رسول اللہ ﷺ نے روٹیوں کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے اور
پکے ہوئے گوشت میں سے ان کے اوپر ڈالتے گئے آپ ایک ایک کر کے اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھانا تقسیم فرماتے گئے اور گوشت ہنڈیا سے
نکالتے گئے آپ حضور ﷺ روٹیوں کے ٹکڑے بناتے اور ان پر گوشت ڈالتے گئے یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اس کے بعد بھی کھانا بچا
ہوا تھا پھر رسول اللہ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا: کھاؤ اور دوسروں کو بھی دو کیونکہ سب کو بھوک لگی ہوئی ہے۔](۱۶۰) اس گھر میں جہاں یہ
کھانا طعام کا معجزہ ہوا تھا اسی مقام پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ایک مسجد یادگار کے طور پر بنا دی گئی تھی جو بعد میں کئی بار منہدم ہوئی اور
نئے سرے سے بنائی جاتی رہی۔ سعودی عہد میں اس کی تعمیر نو کی گئی ہے اور یہ مسجد آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے جو جبل سلع کے دامن میں
مسجد بنو حرم کے نام سے مشہور ہے۔

اب آتے ہیں اس معرکے کی تفصیلات کی طرف۔ دشمن کی افواج جن میں مکی قبائل کے جنگجوؤں کے علاوہ بنو کنانہ، بنو غطفان اور نجد
سے آئے گئے بدو قبائل کی کثیر تعداد شامل تھی مدینہ طیبہ کی حدود میں الجرف کی طرف سے داخل ہوئے۔'' داخل ہوتے ہی انہوں نے اس جگہ پر
جہاں رومہ (وادی قناۃ کے ندی نالوں کا) اور زغابہ کا سنگھم ہوتا ہے پڑاؤ ڈالے۔ ان میں سیاہ فام کرائے کے جنگجوؤں اور تہامہ کے بنو کنانہ کی
تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی۔ اس کے علاوہ غطفانی بھی اپنے نجدی حلفاء کے ساتھ ذنب نقمہ کے علاقہ میں احد کی طرف خیمہ زن ہو گئے تھے۔
(۱۶۱) چونکہ مکی قریشیوں نے حبشی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کرائے پر حاصل کر لی تھی ان کو بھی وادی العقیق کے ساتھ ساتھ ایک پہاڑی کے
دامن میں ٹھہرایا گیا جو ان حبشیوں کی نسبت سے آج بھی جبل حبشہ کے نام پر مشہور ہے۔ (۱۶۲) ابوسفیان پوری افواج کا سالار اعلیٰ تھا جس

نے دوسرے لیڈروں کو روزمرہ کے حملوں کے لیے اپنا نائب مقرر کیا۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص گھڑ سوار فوج کے سربراہ تھے جو ہراول دستے کے طور پر پہلے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ جبل سلع کے دامن میں پہنچے تو ان کی حیرانی اور پریشانی کی انتہا نہ رہی کہ ان کو اپنے زمین کے قلابے بھرتے ہوئے گھوڑوں کو ایک اکا میں اکانا پڑیں کیونکہ ان کے آگے ناقابل عبور چوڑی اور گہری خندق منہ کھولے کھڑی تھی۔ ابن اسحاق کے الفاظ میں: ''وہ اپنے گھوڑوں پر سرپٹ دوڑتے آئے مگر خندق کو دیکھ کر ان کو اپنے گھوڑوں کو روکنا پڑا۔ خندق کو دیکھتے ہی وہ بے اختیار کہہ اٹھے یہ حربہ پہلے تو کبھی کسی عرب نے نہیں آزمایا'' (۱۶۳)

ان کی ساری حسرتیں خاک میں مل گئیں۔ پورے جزیرہ نمائے عرب میں ایسا دفاعی حربہ کبھی بھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ ان کی ساری قوت کا دارومدار تو اس وقت کے روایتی جارحانہ اور دفاعی طریقوں پر تھا۔ وہ جنگ احد میں دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کے پاس گھڑ سوار فوج کی کوئی بھی چیز نہیں تھی۔ اس بار وہ پہلے سے بھی زیادہ گھڑ سوار فوج کے ساتھ ایلغار آئے تھے جو اس نئی دفاعی لائن کے سامنے بالکل بے بس کھڑی تھی۔ ان کے حربی منصوبہ سازوں کے لیے یہ ایک بالکل انوکھا حربہ تھا۔ خندق اتنی وسیع اور گہری تھی کہ کوئی بھی گھوڑا اس کو پھلانگنے سے عاجز تھا۔ پہلے بھی ان کو لشکر رسول اللہ ﷺ سے واسطہ پڑ چکا تھا اور ہر بار ان کو دفاع کا ایک نیا مگر روایتی انداز ملا تھا مگر اب کی بار تو ایک ایسی چال چلی گئی تھی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ ان کے دفاعی منصوبہ ساز جیسا ان سے ہر میدان جنگ میں ان کو ایک نئی چال (Manoeuvers and tact cs) سے پالا پڑتا تھا مثال کے طور پر جنگ بدر میں حضور نبی [illegible] مدینہ طیبہ سے ایک سو بیس کیلومیٹر [illegible] نکل کر گئے تھے اور ان کو دیار غیر (No Man's Land) میں لڑنا تھا۔ احد میں اس سے بھی زیادہ حیران کن طور پر خیمہ زنی کی گئی تھی کہ مسلمان فوج کا پڑاؤ دامن کوہ میں اس انداز سے کیا گیا تھا کہ حملے کی صورت میں دشمن کی پشت مدینہ طیبہ کی طرف تھی اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ اگرچہ پورا مدینہ طیبہ بادی النظر میں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر دشمن اس خوف میں مبتلا رہا کہ وہاں کافی فوج شہر کے دفاع کے لیے ضرور موجود ہوگی لیکن اب کی بار جب کہ وہ مختلف قبائل کی عملی حمایت سے جارح بن کر آئے تھے ان کے سامنے ایک نہایت ہی انوکھے انداز میں مورچہ زن کھڑی تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن! وہ تو اب کی بار اس فوزائیدہ ریاست کو بیخ و بن سے اکھاڑنے آئے تھے مگر اس وسیع و عمیق خندق نے ان کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔ عددی برتری اور سامان حرب و ضرب کی فراوانی ان کے کسی کام نہ آسکی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ ایک چھوٹی سی پہاڑی (جس کو جبل الرماۃ اور جبل ذباب کہا جاتا ہے جو درحقیقت جبل سلع کا ہی ایک علیحدہ حصہ (Stand Alone) ہے) پر نصب کروایا۔ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے حضور نبی اکرم ﷺ پورے میدان جنگ پر نظر فرما سکتے تھے (۱۶۴) حضرت ربیع بن عبدالرحمن بن ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ جبل ذباب کی چوٹی پر نصب کیا گیا تھا۔ (۱۶۵) یہ ایک سرخ رنگ کا چمڑے کا بنا ہوا خیمہ تھا۔ امہات المومنین میں سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ زینبؓ باری باری حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خیمے میں قیام پذیر رہیں۔ آپ حضور ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مورچوں میں تشریف لے جاتے اور ان کو عملیات حرب کے دوران چاک و چوبند رہنے کی تلقین فرماتے تاکہ دشمن اس دفاعی لائن کو توڑ کر اندر نہ گھس سکے۔ پینتیس (۳۵) گھڑ سواروں کے ساتھ تین ہزار مسلم ملیشیا مختلف شفٹوں میں اس وسیع و عمیق خندق کی چوبیس گھنٹے نگرانی کرتے۔ جنگ شروع ہونے سے ایک دن پہلے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کل تمہارا دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے تمہارا ایک دوسرے کے لیے تعارفی کوڈ ''حم لا ینصرون'' ہوگا (۱۶۶) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ جنگ کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ رزمیہ شعر گنگناتے تھے

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد عربی ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے
اور یہ پیمان کیا ہے کہ جب تک ہماری رگوں میں خون ہے ہم اسلام کا اتباع کریں گے۔

جس پر رسول اللہ ﷺ فرماتے:

اے رب ذوالجلال اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے میرے ان انصار اور مہاجر ساتھیوں کی بخشش فرما دے۔(۱۶۷)

مہاجرین کے علم بردار حضرت زید بن حارثہؓ تھے جب کہ انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہؓ کو عطا کیا گیا تھا۔(۱۶۸) دوسرے کمانڈر حضرت سلمان فارسیؓ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا علی المرتضیٰ شیر خداؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ تھے جنہوں نے اپنے خیمے جبل سلع کی مغربی جانب نصب کئے ہوتے تھے۔ یہ جانب حرہ غربیہ کی محاذی تھی جہاں سے خندق آکر حرہ غربیہ کے سنگلاخوں کی تیز چٹانوں کے ساتھ مل جاتی تھی یہ علاقہ درحقیقت ایک طرح کا جنرل ہیڈ کوارٹر (G H Q) اور میدان جنگ کا دفتر رئیسی (Command Centre) تھا اور تمام اجتماعات زیادہ تر اسی ملاقے میں ہوا کرتے تھے اگرچہ سالار اعلیٰ جناب رسول مقبول ﷺ کا خیمہ جبل سلع کے دوسری طرف جبل الرایہ کی چوٹی پر نصب تھا تمام کمانڈر حضرات اپنے اپنے خیموں میں ہی نماز نوافل ادا کرتے تھے۔ ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مورچوں کے مقام پر ان کی یاد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کروادی تھیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ان ایام کے دوران ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عصر اور مغرب کی نمازیں اسی ملاقے میں ادا فرمائی تھیں (۱۶۹)

احتیاطی تدبیر کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں مقیم عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقامات پر ان ایام میں منتقل فرما دیا تھا جو چند انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ملکیت تھے۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ بنی حارثہ کے علاقے میں ایک اطم میں ٹھہرائی ہوئی تھیں اور سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ جو حضور سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی تھیں شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابتؓ کے اطم (قارع) میں رہائش پذیر تھیں

دشمن خندق کے ساتھ گشت کرتا رہا اور جب اندر گھسنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خندق سے تھوڑے فاصلے پر شمالی جانب خیمہ زن ہو گیا اس نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کافر قبیلوں کی مشترکہ جارحیت کے لیے معرض وجود میں آنے گئے تھی کا مقصد قلیل المدت جنگ تھی اور اس طرح کا محاصرہ ان کے منصوبے میں شروع سے ہی شامل نہ تھا۔ مگر صورت حال قلیل المدت شدید جنگ کی بجائے طویل المدت محاصرے کا تقاضا کر رہی تھی۔ چار و ناچار انہوں نے غیر معینہ مدت کے لیے محاصرہ کرنے کا فیصلہ کر لیا غزوہ احد کی طرح اس بار بھی وہ از غابہ کی طرف سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ قریش کی رجمنٹ الزغابہ اور وادی رمادہ کے منتہم پر الجرف اور از غابہ کے جنگل کے درمیان رک گئی۔ حبشی قبائل اور کنانہ اور تہامہ کے قبائلی بھی ان کے ساتھ تھے۔ غطفانی اور فزاری نجد میں سے اپنے حلفاء بنو اسد کے ساتھ جبل احد سے ذرا اوپر کی طرف ذنب نقمہ پر وادی نعمان پر رکے۔ چونکہ مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جنوبی علاقے کی نسبت ڈھلوان میں نیچی ہے اس لیے قرآن کریم نے ان کے ان جگہوں پڑاؤ اور خیمہ جات کو "مسلمانوں سے نچلی طرف" کہہ کر ذکر کیا ہے۔ یہود جو کہ اس غزوے میں تمام تر کے اتحادی بن چکے تھے العوالی میں اونچے علاقوں میں رہتے تھے اس لیے قرآن کریم نے ان کو "مسلمانوں سے اوپر والے علاقوں" سے مقیم کہہ کر پکارا ہے۔(۱۷۰)

غزوہ احد کے برعکس اس غزوے کے دوران عملی طور پر کہیں گھمسان کا رن کہیں نہیں پڑا مکیوں کے لیے عملی طور پر یہ ناممکن ہو چکا تھا کہ وہ خندق کو عبور کریں کیونکہ ایسا کرتے وقت ان کو مسلم تیر اندازوں کی شدید مزاحمت کا سامنا تھا جو مدینہ طیبہ کی جانب خندق سے نکلی ہوئی مٹی سے بنی اوٹوں کے پیچھے چھپ کر ان پر وار کر دیتے تھے۔ کبھی کبھار دونوں فوجوں کے درمیان تیروں کی بارش کا تبادلہ ہو جاتا۔ اسی طرح کی ایک تیروں کی بوچھاڑ کے درمیان ایک تیر حضرت سعد ابن معاذؓ کے شانے میں آکر پیوست ہو گیا جس سے آپ کی ایک بڑی خون کی شریان زخمی ہو گئی اور اس سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے تھے۔(۱۷۱) یہ اسی زخم کی شدت تھی جس سے آپ نے بنو قریضہ کے معاملہ میں فیصلہ سنانے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا تھا۔(۱۷۲) ان کو خندق کے قریب آنے سے روکنے کے لیے اور اس دفاعی لائن میں موجود کسی ممکنہ خامی کو دور کرنے کے لیے

[illegible] حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ [illegible] مدینہ کے شمال میں [illegible] کی طرف سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ [illegible]

نیہ اشاروں سے بات کرنا تا کہ باقی مسلمانوں کے مورال پر برا اثر نہ پڑے اور اگر حقیقت حال اس کے برعکس ہوتو کھلے بندوں اس کا اظہار
کرتا۔ (۱۷۴) قریضیوں سے ملنے پر پتہ چلا کہ ان کو میثاق مدینہ کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور انہوں نے کھلے بندوں اس کا اظہار بھی کر دیا وہ
ں وقت بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گستاخانہ کلمات استعمال کئے اور تضحیک کے انداز میں
پوچھا "محمد (ﷺ) کون ہیں اور ہمارا کسی محمد (ﷺ) سے کوئی معاہدہ نہیں ہے!" وفد کے تینوں ممبروں نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا اور واپس
کر ان کی بدطینتی کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے تو صورت کا پانسہ پلٹ
جاتا۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سراسیمگی سی چھا گئی۔ (۱۷۵) منافقین کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس حد تک سہم گئے تھے کہ انہوں نے حضور نبی
کریم ﷺ سے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت مانگی۔ ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ شامل تھے تو قرآن کریم نے اس بات کا ان الفاظ میں
ذکر کیا ہے ﴿ اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا تھا جھوٹا اور جب ان
میں سے ایک گروہ نے کہا "اے اہل یثرب یہاں تمہارے ٹھہرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک فریق نبی
سے اجازت مانگتا پھرتا تھا یہ کہ کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں حالانکہ وہ بے حفاظت نہ تھے [illegible]

جب مسلم فوج محاذ جنگ پر سینہ سپر تھی تو خواتین، مریضوں، بوڑھوں اور بچوں [illegible]
ن کو کھانے پینے کی ضروری [illegible] کر کے مختلف مقامات پر اطام میں رکھا گیا تھا سیدہ [illegible]
دے رہی تھیں جس میں خو[illegible] تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ یہودی اطم کے [illegible]
نے تو اطم کے اوپر چڑھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ آپ نے خطرے کو بھانپ لیا تھا پہلے تو آپ نے [illegible]
مقابلہ کریں، مگر چونکہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے معذرت کر دی تو سیدہ صفیہ نے خیمہ کی طنابیں [illegible]
یہودی پر حملہ کر دیا اور اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب کاری سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جب وہ زمین پر [illegible]
بھاگتے ہی بنی اور وہ تو دو گیارہ ہو گئے۔

یہودی کی مشکوک حرکات و سکنات (اور وہ بھی ایک ایسے اطم کے گرد جہاں صرف خواتین قیام پذیر تھیں) ایک قسم کا اشارہ تھا [illegible]
ہونے والا ہے۔ اس کے سد باب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فوراً نوجوانوں کے دستوں کو ان راستوں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا جو
یہودی بنی قریضہ کی آبادی سے مدینہ طیبہ کی طرف آتے تھے۔ ان کو حکم دے دیا گیا کہ وہ رات بھر وقفے وقفے کے بعد اللہ اکبر کے نعرے لگاتے
رہیں اور دیگر قرآنی آیات کی زور زور سے تلاوت کریں تا کہ یہود اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھے رہیں۔ واقدی نے سیدنا ابوبکر صدیق کا یہ
قول روایت کیا ہے: "میں ان سنگین حالات کے دوران جبل سلع کی چوٹی پر بار بار چڑھتا تھا تا کہ مدینہ طیبہ میں واقع گھروں کے حالات کا
جائزہ لیتا رہوں اور جب مجھے ہر طرف خاموشی نظر آتی تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔" جبل سلع پر چند سطریں جو کندہ تھیں (جواب نہیں ہیں)
ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً: سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ) لگاتار حالات پر کڑی نظر
رکھے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے دست مبارک سے کندہ ایک کتابت کچھ اس طرح تھی [illegible] رات دن ابوبکر و عمر عاجزی سے اللہ کے
حضور دست بدعا رہے ہیں کہ اے اللہ ہر بری صورت حال سے بچانا۔] چٹانوں پر کندہ ان کتابتوں کے متعلق دیگر تفصیل ہماری اس کتاب
کے باب "تبرکات نبوی اور تبرکات مدینہ طیبہ" میں دستیاب ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے دوران ایک دفعہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کی حاجت تھی انہوں
نے آپ حضور ﷺ کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر آپ حضور ﷺ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ آپ جبل سلع پر چڑھ گئے کہ شاید آپ کہیں اوپر نہ تشریف لے

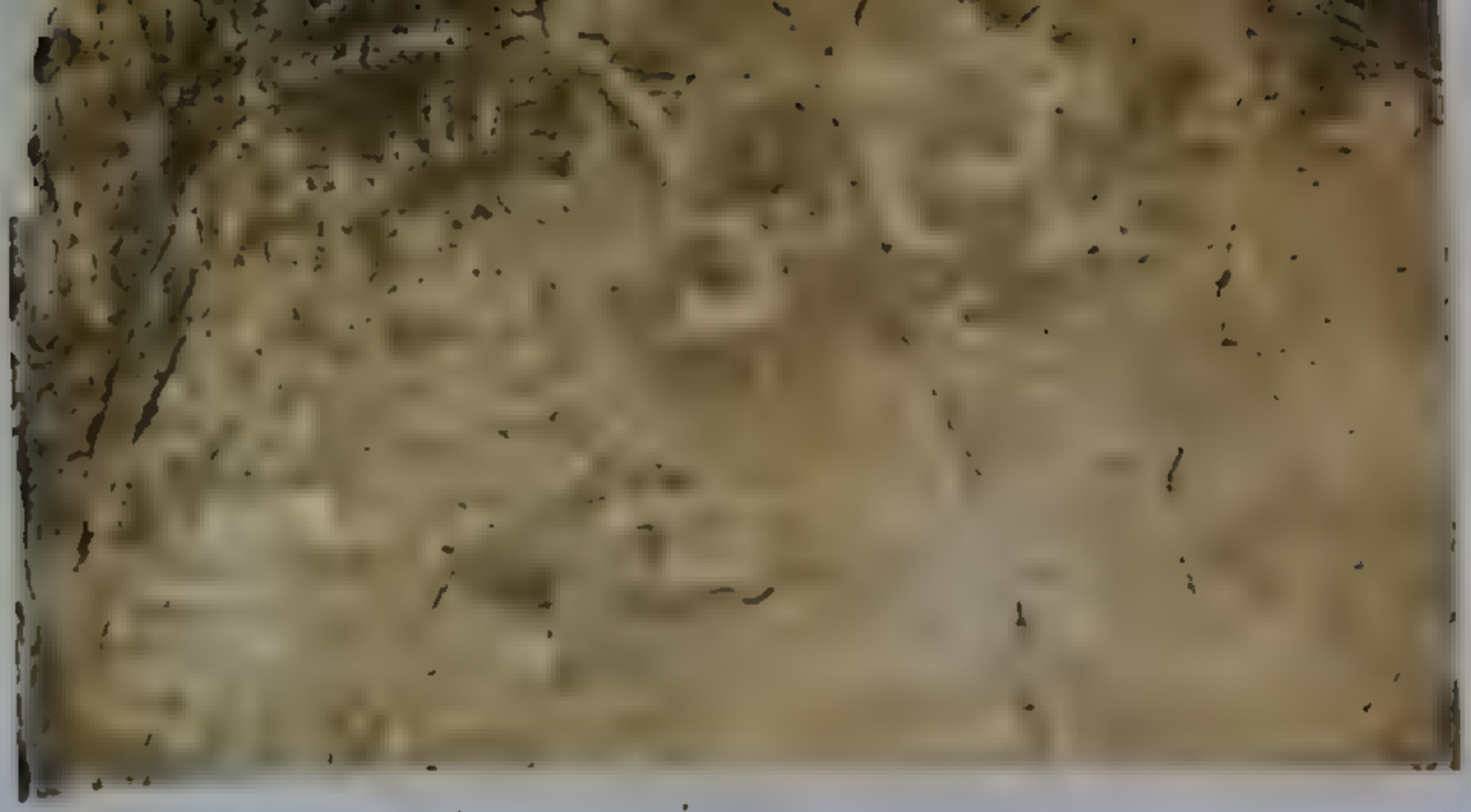

اُن تاریخی تصویروں کی ایک نادر تصویر جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دورانِ غزوہ خندق جبل سلع کی ایک چٹان پر کنداں کی تھیں یہ تصویر ڈاکٹر حمید اللہ کی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے جو کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء کی دہائی میں کی تھیں ہم ادارہ اور نیس ارگنائزیشن کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں ان تصاویر کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

گئے ہوں۔ وہاں سے انہوں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک غار میں ان کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑی جب وہ وہاں آئے تو پتہ چلا کہ حضور شفیع المذنبین اور انیس الغریبین اس غار میں کافی عرصہ سے سجدہ ریز تھے وہ انتظار کرتے رہے مگر رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر اپنے سجدہ کو طویل کیا ہوا تھا جس سے ان کے دل میں طرح طرح کے وہم و وسوسے جنم لینے لگے۔ بالآخر جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو آپ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جبریل امین نے اسی مقام پر آپ حضور ﷺ کو خوشخبری دی تھی کہ آپ کو اپنی امت کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ وہ آپ کو ناامید نہیں کرے گا لہٰذا آپ حضور ﷺ نے طویل سجدہ شکر ادا فرمایا تھا اس جگہ پر بعد میں خوبصورت قبہ تعمیر کر دیا گیا تھا جو زیارت گاہ خاص و عام تھا اس کو کہف بنو حرام کہا جاتا تھا۔ ایک اور معجزہ بھی جبل سلع پر ہوا تھا یہ بھی غزوہ خندق کے دوران کا واقعہ تھا کہ جب لشکر اسلام کو پینے کے پانی کی قلت کا سامنا تھا تو کہف بنو حرام کے قریب ہی ایک چٹان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا جو صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتا رہا۔ (۱۷۷) کہف بنی حرام تو موجود ہے مگر چشمہ ندارد۔ (۱۷۸)

یوں تو یہود کی ریشہ دوانیاں سب مسلمانوں پر عیاں تھیں مگر وہ اچانک اتنی غداری پر اتر آئیں گے یہ کسی کے وہم و گمان بھی نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سب ہکا بکا رہ گئے تھے ایک انجانا سا خوف سب پر طاری ہو چکا تھا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں اس وقت مومنین سخت امتحان میں تھے جس نے انہیں خوب سختی سے جھنجھوڑ دیا تھا۔ (۱۷۹) رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً مسلمان دستوں کا معائنہ فرماتے رہتے جس سے ان کے حوصلے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگ جاتے تھے۔ کبھی آپ حضور ﷺ جبل سلع کے ساتھ منسلک اس چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ جاتے جہاں آج مسجد فتح نظر آتی ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ حضور ﷺ نے رب ذوالجلال کے آگے اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کی: [اے اللہ، اے وہ ذات جس نے کتاب برحق نازل کی، اے وہ ذات جس کے حکم سے بادل ہواؤں میں تیرتے ہیں، تو انہیں شکست فاش دے اور ہمیں فتح و نصرت عطا کر۔] حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک مسجد فتح کے مقام پر دعا فرمائی۔ پیر، منگل اور بدھ کے دنوں میں۔ بدھ کے دن جو دعا آپ حضور ﷺ نے دو نمازوں کے درمیان کی تھی وہ مستجاب ہوئی اور ہم سب یہ آپ حضور ﷺ کے چہرہ اقدس سے پہچان سکتے تھے۔] (۱۸۰) کچھ مورخین کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ غزوہ کے آخری دنوں میں اس جگہ منتقل فرما لیا تھا جہاں مسجد فتح ہے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اس دن ہوا ہو گا جب دشمن نے لگاتار حملوں کی بوچھاڑ کر دی تھی تاکہ مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑا جا سکے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز عصر قضاء ہو گئی تھی جو کہ سب نے غروب شمس کے بعد وادی بطحان کی ایک طرف ادا کی تھی۔ (۱۸۱) اس غزوہ میں چھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت سعد ابن معاذؓ (۱۸۲)
۲۔ حضرت انس بن اوس بن عتیکؓ
۳۔ حضرت عبداللہ بن سہلؓ
۴۔ حضرت طفیل بن نعمانؓ
۵۔ حضرت ثعلبہ بن انماؓ
۶۔ حضرت کعب بن زید بن قیس نجاریؓ

حملہ آوروں میں سے ایک، نعیم بن مسعود بن عامر الغطفانی، نے ایک رات حضورؐ سے شرف باریابی کی درخواست کی جسے شرف قبولیت بخشا گیا۔ انہوں نے حاضری کے دوران اسلام قبول کرلیا۔ چونکہ ان کا قبول اسلام اس وقت تک کی [illegible] اور ان کے اپنے اہل قبیلہ کو جو کفار مکہ کے حلیف تھے) انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ [illegible] اور کفار میں عدم اعتماد اور پھوٹ کے بیج بونے کی کوشش کریں گے۔ نبی اکرمؐ نے پروپیگنڈے کی اہمیت کے پیش نظر [illegible] کی اجازت یہ کہہ کر مرحمت فرما دی کہ: 'جنگ داؤ پیچ کا کھیل ہی تو ہوتا ہے!' اس کے مطابق حضرت نعیمؓ پہلے یہودیوں کے پاس گئے اور [illegible] کی کہ وہ اس معاملے سے اپنے آپ کو الگ کرلیں۔ انہوں نے یہود سے کہا کہ اگر قریش جنگ بار کر چلے گئے تو یہود کو ان کے رحم [illegible] جائیں گے؟ کون ہوگا جو مکہ سے واپس آ کر یہود کی مدد کرے گا؟ اور بصورت دیگر اگر وہ جنگ جیت بھی گئے تب بھی وہ مدینہ پر [illegible] نہیں رہیں گے۔ دونوں صورتوں میں یہود خسارے میں رہیں گے۔ اس طرح ان کو ڈرا دھمکا کر انہیں تجویز دی کہ ان کے یرغمالی [illegible] والوں سے اس بات کی ضمانت لیں کہ وہ ان کو کسی حال میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ایسی ضمانت کی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اہل مکہ اپنے کچھ جیالے یہودیوں کے پاس بطور یرغمال رہنے دیں۔ اس مطالبے کے ماننے یا رد کرنے سے مکیوں کی نیت کا اندازہ کر لیا جائے گا۔ یہود کامیاب رہی اور یہود نے ایسا ہی کرنے کی حامی بھر لی۔

اس کے بعد وہ مکی کیمپوں میں گئے اور ان کو باور کروایا کہ ان کے علم کے مطابق یہود اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے ہیں اور یہ کہ وہ مکیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کی نسبت مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ انہوں نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ آئندہ جب بھی مذاکرات ہوں گے تو یہود ان کے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگیں گے۔ پھر وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور ان کو بھی اسی طرح کے مشورے دیئے۔ اس طرح اس بھاری بھرکم اتحاد کے ٹوٹنے کی راہ ہموار ہوگئی۔ جمعہ کی رات مکیوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ہفتہ کے دن لڑائی کے لیے تیار رہیں اور مسلمانوں کی پشت سے ان پر زوردار حملہ کر دیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر ہفتہ کے دن کا انتخاب کیا تھا تاکہ دیکھا جائے کہ یہود کتنے عہد و پیماں نبھاتے ہیں! یہودی لیڈر مکیوں کے پاس گئے۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے یوم 'سبت' یعنی ہفتے کے دن لڑنے سے صاف انکار کر دیا اور دوسری طرف ان سے یرغمال مانگنے لگے جس کا مکیوں نے صاف انکار کر دیا۔ یہود کے خدشات پورے ہوتے نظر آئے اور وہ جان

گئے کہ کفار مکہ ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلے جائیں گے. درحقیقت دونوں فریق حضرت نعیمؓ [illegible]
تھے اور انہیں کے دیئے گئے پتوں سے کھیل رہے تھے. حضرت نعیمؓ نے ایک اور چال چلی اور یہ افواہ [illegible]
دے دیتے ہیں تو وہ ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے کر دیں گے. لہٰذا دونوں گروہوں میں اختلاف کی ایک [illegible]
طرف سے ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع ہوگئی. یہود نے ان سے معاہدہ یکسر ختم کرنے کی دھمکی دے دی اور [illegible]
صاف نظر آنے لگ گیا. یوں ان کا اتحاد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگیا.

حالات نے ایسی دلچسپ کروٹ لی کہ پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا. دوسری طرف چونکہ وہ شہر [illegible]
کے انتظامات کرکے چلے تھے ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ان کو مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرنا پڑے گا جو کہ [illegible]
سے پیشتر ہی مسلمان مدینہ طیبہ کے باہر والی اراضی سے اپنی تمام اجناس سمیٹ چکے تھے اور ان کے ہاتھ کھانے پینے کی [illegible]
یہ بھی ان کی قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ حی بن اخطب نے ان کو جو بیس اونٹ کھجوروں اور دیگر سامان خورد ونوش لاد کر [illegible]
مسلمانوں کے ایک دستے کے ہتھے چڑھ گئے تھے. رہا ان کا یہود پر تکیہ تو وہ بھی حضرت نعیمؓ کی چال سے [illegible]
انکار کیا تو جنگ کے سرپنچوں نے جنگی حکمت عملی اور خاص طور پر محاصرے پر نظر ثانی شروع کر دی. اس کے علاوہ شوال کا مہینہ ختم ہو [illegible]
جس کا مطلب صاف تھا کہ حج کا موسم سر پر آپہنچا تھا اقتصادی طور پر حج کا موسم اہل مکہ کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا

سب سے زیادہ تباہ کن وہ طوفان باد وباراں تھا جو مشیت ایزدی سے اس رات چلنے لگا جس سے [illegible]
لگے. یہ ایک اندھیری برفانی رات تھی جب مشرق سے ایک تیز آندھی اٹھی جو آناً فاناً چاروں طرف چنگھاڑتی [illegible]
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مجھے 'الصبا' یعنی مشرق کی طرف سے اٹھنے والی آندھی سے فتح ملی جبکہ قوم عاد [illegible]
آنے والے طوفان سے تباہ ہوئی تھی.] (۱۸۳) قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے: [illegible]
اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے. (۱۸۴)
طوفان اتنا شدید تھا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے. ان کے خیمے اور برتن ہوا میں ادھر ادھر اڑ رہے تھے اور ہر طرف افراتفری کا عالم تھا. [illegible]
اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو جاسوسی کی غرض سے ان کے کیمپوں میں بھیجا. انہوں نے وہاں مکمل تباہی کا منظر دیکھا. [illegible]
ابوسفیان کو ایک ایسی حالت میں دیکھا کہ وہ اسے آسانی سے نشانہ بنا سکتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کوئی قدم اٹھانے سے [illegible]
فرمایا تھا جس سے بھگدڑ مچ جائے اس لیے انہوں نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا. (۱۸۵) یہودیوں کی بے وفائی اور طوفان باد وباراں کی [illegible]
شدت سے ابوسفیان سخت پریشان تھا اور اسے اب امید کی کوئی رمق باقی نظر نہیں آرہی تھی کہ وہ کبھی مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑ سکے. [illegible]
تمام حالات سے دلبرداشتہ ہو کر وہ پہلا آدمی تھا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کہنے لگا: ''اے بنو قریش ہمارے خیمے کوئی پکے بچے ہوئے [illegible]
ہیں؛ ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرنے لگے ہیں؛ بنو قریضہ نے بدعہدی کی ہے اور ہمیں ان کی طرف سے مایوس کن اطلاعات مل رہی ہیں. [illegible]
طوفان باد وباراں کی شدت کو دیکھ رہے ہو جس نے ہمارے جلائے ہوئے چولھوں تک کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور ہمارے برتن ہوا میں اڑ رہے ہیں. [illegible]
بیٹھنے کے لیے اب تو خیمے بھی نہیں رہے. تم جانو اور تمہارا کام! میں تو جا رہا ہوں.'' (۱۸۶)

وہ شان وشوکت اور طمطراق جس کے ساتھ اتحادی مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑے تھے سب دھری کی دھری رہ گئی اور انہیں ذلت آمیز [illegible]
پسپائی اختیار کرنی پڑی جس سے ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ان کے غرور وتبختر کو سخت دھچکا لگا. ان کے اتحاد کا خواب بکھر چکا تھا. جنگ احزاب [illegible]
حقیقت 'عسکری جنگ' (Battle of Military Engagement) ہونے کی بجائے ایک 'نفسیاتی جنگ' (Battle of Nerves) ثابت ہوئی

قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور جب کافر اتحادیوں کے لشکر دیکھے تو کہنے لگے کیا یہی ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے؟ اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اس سے ان کے ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونے میں اور پختگی آ گئی۔﴾ (۱۸۷) جیسا کہ ہندومت کی ایک مذہبی کتاب اتھروید کی پیشین گوئی میں صدیوں پہلے کہہ دیا گیا تھا۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور کفار کو منہ کی کھانی پڑی

اے بچوں کے رب یہ آزادی دلانے والے داد شجاعت دیتے ہیں اور تو ان کے وجد آفریں نغموں سے خوش ہوا جب تو نے نمازیں پڑھنے والوں اور تیری حمد کرنے والوں کو دس ہزار دشمنوں پر بغیر لڑے فتح عطا فرمائی)(۱۸۸)

مسلمانوں کی بہترین جاسوسی نے کافر اتحادیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اس کے بعد اس خطے میں اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھرا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [آج کے بعد کفار مکہ کبھی بھی مدینہ طیبہ کا رخ نہیں کریں گے] حضرت سلیمان بن صرد سے مروی ہے [یوم احزاب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [آج کے بعد ہم ان پر حملہ کریں گے لیکن وہ کبھی حملہ کرنے نہیں آئیں گے](۱۸۹) تاریخ نے آپ کے ایک ایک حرف کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کی اور اتحادیوں کی مدینہ طیبہ کے خلاف مشترکہ جارحیت کی آخری ممکنہ کوشش ثابت ہوئی یہ صرف مکیوں کی شکست ہی نہیں تھی بلکہ یہ ان تمام اتحادی قبائل کی شکست تھی جو اس لشکر میں شامل تھے جو اسلام کے خلاف کینہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے عناد رکھتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کا یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس کے نتائج بہت دور رس تھے اتحادیوں کی شکست نے بدیہی طور پر سید العرب والعجم ﷺ کو جزیرہ نمائے عرب کا واحد اور بلا شرکت غیرے لیڈر اور قائد ہونے پر مسلط کر دیا تھا

حضرت حسان بن ثابت نے جنگ خندق کے موقع پر شعر کہے جن میں سے چند کا ترجمہ پیش خدمت ہے

وہ وحشی دل جو خلق خدا پر ظلم ڈھاتے تھے اور جو اپنے اتحادیوں کے ساتھ آں حضور ﷺ پر حملہ آور ہوئے
انہوں نے شہر شہر اور قریہ قریہ اور جنگل کے باسیوں تک کو ساتھ ملا لیا جن میں عیینہ اور حرب قبائل بھی شامل تھے
اور اتحادیوں کے شہسوار سبھی ان کے ساتھ بڑے طمطراق سے آئے
تاکہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں کو قتل کر دیں اور ان کے گھر لوٹ کر لے جائیں
انہوں نے ہم پر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا
مگر شدید طوفان نے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے تمام دستے اپنی تمام تر غضب ناکیوں کے باوجود فرار ہو گئے
اور پھر رب ذوالجلال کی افواج نے (میدان جنگ کو اس طرح ہاتھ میں لیا کہ) مومنوں کے ساتھ جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی
اللہ نے مومنوں پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کر دی
جب وہ اپنے حوصلے کھو چکے تھے تو رب ذوالجلال نے اپنی مدد سے ان کو تتر بتر کر دیا
اور اس طرح حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو راحت عطا کی
اور ہر کذاب، شقی القلب، مشکوک اور منافق کو ذلیل و خوار کیا
واقعی ان لوگوں میں ایمان کی رمق تک نہ تھی
اللہ ان کے دلوں کو ایسے زخم اور کچوکے لگاتا رہے
کیونکہ وہ آخری وقت تک کفر پر ڈٹے رہے۔ (۱۹۰)

آخر میں ہم مشہور مستشرق ولیم منٹگمری واٹ کا تبصرہ قارئین کی نظر کرنا چاہیں گے جس میں اس نے غزوہ خندق کا تجزیہ کیا ہے:

''اس طرح دو ہفتے گزارنے کے بعد مکی افواج ناامید ہو گئیں اور وہ اتحاد جس کو اپنے بڑا ہونے پر ناز تھا پرزے پرزے ہو کر پس پا ہو گیا. غیر معمولی زمستانی موسم اور طوفان بادو باراں نے محاصرہ کرنے والوں کے تنبو اکھیڑ دیئے انصار میں سے چھ شہید ہوئے جب کہ مکیوں کے تین جیالے اس معرکے میں کام آئے تھے. جہاں تک عسکری تجزیے کا تعلق ہے مکی شکست کا سہرا حضرت محمدا کی اعلیٰ جنگی حکمت عملی اور ان کی بہترین جاسوسی کے نظام کے سر ہے. خاص طور آپ کا خندق کو دفاعی لائن بنانا حالات کے عین مطابق تھا. مکیوں کی امیدیں سراسر اپنے گھڑسواروں پر لگی تھیں کیونکہ پچھلی جنگوں میں واضح ہو گیا تھا کہ مسلمان پیادہ فوجی لڑائی میں اپنے دشمن پر چھا جاتے ہیں خواہ تعداد میں وہ کتنے ہی قلیل کیوں نہ ہوں. خندق نے مکیوں کی گھڑسوار فوج کا آگے بڑھنا ناممکن بنا دیا اور انہیں ایسے حالات سے دوچار کر دیا کہ وہ اپنے چھ سو سے زائد شہسواروں کا کوئی بھی فائدہ نہ اٹھا سکے.'' (۱۹۱)

غزوہ بنو قریضہ:

غزوہ احزاب کے پس منظر اور واقعات کے بیان میں ہم یہود کے غدارانہ رویہ پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں. باقی دونوں قبائل کا جانے کے بعد بنو قریضہ ہی ایک ایسا قبیلہ تھا جو مدینہ طیبہ میں رہ گیا تھا جو اہوالی میں رہائش پذیر تھا. غزوہ خندق میں مکیوں نے محاصرہ ختم کا فیصلہ کیا تو ان کے اتحادی پھر سے الگ الگ گروہ بن گئے اور اپنے اپنے علاقوں کو سدھار گئے اور جس خفت سے وہ لوٹ رہے تھے وہ اس سے مستقبل قریب میں ان کی واپسی اور مدینہ طیبہ پر چڑھائی ناممکن ہو گئی تھی. یہودیوں کے پہلے قبیلے بنو قینقاع کو مدینہ بدر کیے کیا گیا تھا کہ انہوں نے بدعہدی کا ارتکاب کیا تھا اور انتباہ پر بھی اصلاح احوال پر راضی نہ ہوئے تھے. دوسرا گروہ قبیلہ بنو نضیر حضور رحمت مقبول ﷺ کی زندگی پر حملے کی سازش کا مرتکب ہوا تھا. حالانکہ یہ سازش ریاست مدینہ کے مؤسس اور رئیس کی جان کے خلاف تھی مگر رسول رحمت ﷺ نے نرم دلی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کو ان کے جان و مال بخش دیئے اور وہ مدینہ طیبہ سے باجوں اور شہنائیوں کی گونج میں روانہ ہو گئے. ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ باقی بچ جانے والے یہودی اس سے سبق حاصل کرتے اور میثاق مدینہ کی پیروی کرتے لیکن بدقسمتی سے بنو قریضہ اپنے دوسرے بھائیوں پر بھی سبقت لے گئے اور میثاق مدینہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے جارح دشمن سے ساز باز کرنا شروع کر دیا اگر مسلمان ان کی چالوں کو اپنے تدبر اور اعلیٰ حکمت عملی سے ناکام نہ کر دیتے تو انہوں نے ان کی پشت میں خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کرنا تھا. انکا طرز عمل پوری امت پر کھلی جارحیت کے زمرے میں آتا تھا اور اس لیے ان کی سزا بھی قرار واقعی ہونا تھی جو کسی بھی دشمن کو دی جا سکتی تھی جو جارح ہو. وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا. مصائب کے بادل کچھ دیر کے لیے تو چھٹ گئے تھے اور اگر یہود کو ڈھیل دے دی جاتی تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خطرناک کھیل کھیل سکتے تھے. حالات مزید تاخیر کے متحمل نہ تھے.

جنگ خندق سے فاتح و کامران لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ ابھی اپنے جنگی ہتھیار بھی اتار نہ پائے تھے اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے حجرہ مبارکہ میں ابھی اپنا آدھا سر مبارک ہی دھو پائے تھے کہ جبریل امین تشریف لے آئے اور کہا: [اے محمد ﷺ آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیئے ہیں جب کہ ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے. چلیے بنی قریضہ چلتے ہیں.] ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ میں نے جبریل امین کو دروازے کے روزن سے دیکھا ہے کہ ان کے سر پر ابھی بھی غبار کے آثار تھے.] (۱۹۲) اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور ان کو اپنا علم عطا فرمایا اور سیدنا بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان عام کر دیں کہ کوئی بھی عصر کی نماز سوائے بنی قریضہ کے نہ پڑھے. (۱۹۳) آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی قریضہ کے علاقے

کی طرف کوچ فرما دیا۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور سب کے سب اپنے آقا و مولا کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ یوں تین ہزار مجاہدین کا یہ لشکر اپنے ۳۶ شہسواروں کے ساتھ نماز عصر سے پہلے بنو قریضہ کے علاقے کی طرف رواں دواں ہو چکا تھا۔ (۱۹۴) یہودی بھانپ تو چکے تھے کہ ان کی غداری کی سزا ملنے والی ہے کیونکہ ان کی ریشہ دوانیاں طشت از بام ہو چکی تھیں اور وہ جانتے تھے کہ اب ان کی باری آنے والی ہے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ بنی قریضہ کے علاقے میں پہنچے تو آپ حضور ﷺ نے ان کے ایک کنویں بئر اناء پر پڑاؤ کیا اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ سے آ کر ملے۔ (۱۹۵) وہاں پہنچ کر آپ حضور ﷺ نے ان کے عمائدین کو بلند آواز سے کہا [اے معشر یہود جن کے بھائی بند پہلے نافرمانی کی وجہ سے اللہ کریم نے بندروں میں تبدیل کر دیے تھے، اب اللہ کریم نے تمہارے لیے بہت بھیانک انجام چنا ہے۔] (۱۹۶) مسلمانوں نے ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا حضرت حسان بن ثابتؓ کو خصوصی طور پر ارشاد ہوا کہ وہ یہود کے خلاف ترانے پڑھیں۔ حضرت ابراء بن العازبؓ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا اپنی شاعری سے ان کی ہجو اور برائی کرو اور اس سلسلے میں جبریل تمہاری مدد کریں گے۔] (۱۹۷) رسول اللہ ﷺ نے وہاں چند راتیں قیام فرمایا تاکہ حربی عملیات کی نگرانی فرما سکیں۔ اسی اثناء میں حی بن اخطب (جو بنو نضیر کے ساتھ نکالا گیا تھا) وہ بھی ان یہودیوں سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی ایک قلعہ میں مورچہ بند ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس مقام پر نماز ادا فرماتے جو بنو قریضہ کے علاقے میں تھا جو کہ ایک اطم تھا جو زبیر بن باطا کی ملکیت تھا۔ محاصرے کے دوران آپ حضور ﷺ نے اس اطم کے متصل گھر میں بھی نماز ادا فرمائی جو بنو الخضر کی ایک عورت کی ملکیت تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ طیبہ میں مساجد کی تعمیر شروع کی تو آپ نے وہاں بھی ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروا دی تھی۔ (۱۹۸)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: ''پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ (جو بنو عمرو بن عوف سے تھے جو کہ بنو قریضہ کے حلیف رہ چکے تھے) کو ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ لوگ ہتھیار ڈالنے کے مسئلے میں ان سے صلاح و مشورہ کر سکیں۔ ان کے بچے اور عورتیں واویلا کرتے ہوئے ان کے پاس گئے تاکہ ان کو ان پر ترس آ سکے۔ انہوں نے ان سے کہا 'اے ابولبابہ کیا خیال ہے کہ ہم ہتھیار ڈال دیں اور حضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیں؟ انہوں نے کہا 'ہاں' مگر ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے کہ [جونہی میں نے انہیں اشارہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے سرک گئی ہے کیونکہ میں نے ان کو (دفاعی راز) بتا کر اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کا ارتکاب کر لیا تھا۔] پھر وہ وہاں سے چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے مسجد نبوی شریف میں چلے گئے

...نوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور اعلانیہ عہد کیا کہ وہ اس جگہ سے ہرگز نہ جائیں گے جب تک کہ اللہ انہیں اور ان سے
...گر وہ معاف نہ کرے۔ ...نوں نے اللہ سے عہد کیا کہ وہ کبھی بنو قریضہ نہیں جائیں گے اور اس کاؤں میں کبھی بھی نظر نہیں آئیں گے جہاں
...نوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بے وفائی کا ارتکاب کیا تھا۔'' (۱۹۹)

یہود نے صبح کے وقت سے پیغامات بھیجنے شروع کیے جن میں انہوں نے اقرار جرم تو کر لیا تھا مگر اپنے پیش رووں کی طرح وہ بھی محفوظ راستہ مانگ رہے تھے تاکہ مدینہ جلاوطن ہو جائیں۔ مذاکرات کافی عرصہ تعطل کا شکار رہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا رسول اللہ ﷺ ...ن کے ساتھ سخت رویہ پر زور دیتے رہے اور آپ ان کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پر زور دیتے رہے۔ اس طرح محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ جوں جوں محاصرہ طول کھینچتا گیا ان کے ...ے یہ کہنے کی جرأت تو وہ فرمتدار میں تھیں مگر ان کے حوصلے پست ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جب کوئی بھی نتیجہ نکلتا نظر نہ آیا تو ایک ...ن شیخ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ نے حضرت زبیر بن العوام کی ہمراہی میں ان پر بھرپور حملہ کر دینے کی تجویز پیش کر دی تاکہ ان کی قلعہ بندیوں کو ...ڑ جا سکے۔ ان دونوں نے اعلان کر دیا کہ وہ بھی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کر دیں گے اور ان کی فوقی چوکیوں پر حملہ کر دیں گے اور یوں انہیں بزور شمشیر زیر کر کے دم لیں گے۔ اس الٹی میٹم نے اپنا کام دکھایا اور یہود کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان کے خیال میں تھا کہ حضرت سعد ابن معاذ جو بنی عبدالاشہل میں سے کبھی ان کے حلیف رہے تھے شاید وہ ...ن کی طرف داری کریں گے۔ بہرحال انہوں نے آپ کو اپنی طرف سے تحکیم کے لیے نامزد کر دیا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت سعد ابن معاذ نے دعا کی تھی کہ: ''اے رب العزت! یہ آخری موقع ہے کہ قریش تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو مجھے شہادت دے دے اور اگر تو جانتا ہے کہ وہ پھر بھی لوٹ کر آئیں گے تو مجھے زندہ رکھنا تاکہ میں ان لوگوں سے پوری طرح انتقام لے سکوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تھا، مگر مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میں بنو قریضہ کا معاملہ طے نہ کر دوں۔'' حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [بنو قریضہ کے لوگوں نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو فیصلے کا حق دے دیا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو طلب فرمایا حالانکہ وہ شدید زخمی حالت میں تھے اور ان کے زخم سے بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر چل پڑے۔ جب وہ اس مسجد کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔] پھر آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ سے فرمایا: ان لوگوں نے فیصلہ تمہارے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور وہ متحیر رہ جانے پر راضی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے اعلان کیا کہ: ''آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو بندی بنا لیں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سعد تم نے اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلہ کیا ہے!] جو کہ اس ...ن کے مطابق تھا۔ یہ فریق تحکیمون وتا سرون فریقہ ...ہ اور جن اہل کتاب (بنو قریضہ) نے ان کی (مکی دشمنوں کی) مدد کی تھی انہیں ...ن کے قلعوں سے اتار کر ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید۔ (۲۰۰)

تحکیم (۲۰۱) پھر رسول اللہ ﷺ سوق مدینہ کی طرف گئے جو آج بھی یہاں کا بازار ہے اور ان کے لیے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے ان صرف ...ن کو جو بالغ تھے یہ کہا گیا جو بالغ تھے کوئی بھی نابالغ جس کی مونچھیں نہ نکلی تھیں نہیں مارا گیا تھا۔ (۲۰۳) حضرت عروہ بن زبیرؓ کے بیان کے مطابق یہود کو ...ے موت تجار نریت کے پاس دی گئی۔ (۲۰۴) یہ علاقہ حضرت مالک بن سنانؓ کے مزار کے پاس تھا اور اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب علی بن اخطب کو اس جگہ لایا گیا تو وہ اپنا منہ چھپا رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ دلایا کہ

[illegible] (۲۰۵) [illegible]

[illegible] (۲۰۷) [illegible]

[illegible]

یہودی مدینہ طیبہ سے اجڑے اور تقریباً ہر قریہ کے خاتمے پر ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

ہوجاتے تو ان کے ''آسمانی صحیفہ'' کے فلسفہ جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کے کچھ ضروری اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان کا وطیرہ کیا ہوتا اور مسلمانوں کی کیا شامت آتی؟ ان ناقدین کی (جو رسول اللہ ﷺ کے بنوقریضہ کے معاملہ میں طرز عمل کو شدید ہدف تنقید بناتے ہیں) رائے اس صورت میں کیا ہوتی؟ بنوقریضہ نے معاہدہ مدینہ طیبہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیاں شروع کی ہوئی تھیں. میثاق مدینہ کو یک طرفہ ختم کرنے سے اور دشمن سے جا ملنے سے کیا انہوں نے اسی ملک کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے غداری کے ارتکاب میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی؟ معاند مستشرق فرانسسکو جبرائیلی جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ادھار کھائے بیٹھا نظر آتا ہے اور اسلامی فلسفہ جہاد کا سب سے بڑا ناقد ہوگزرا ہے اس نے بھی بنوقریضہ کو غدار قرار دینے میں کوئی باک نہیں رکھا. اس کے الفاظ میں ''محاصرے کے دوران ان کفار نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر اتحادیوں سے مل کر غداری کا ارتکاب کیا تھا اور ظاہرہ طور پر اگرچہ وہ غیر جانب دار ہی رہے تھے مگر درون خانہ آپ کو شکست دینے کے لیے دشمن سے مل چکے تھے. لہذا بمشکل جنگ (خندق) ابھی ختم ہوئی تھی کہ (حضرت) محمد (ﷺ) نے ان سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کرلیا اور ان کو بھی پہلے دو قبیلوں کی طرح محصور کرنے کی تیاریاں کرنے لگے.'' (۲۱۰)

بادی النظر میں یہودیوں نے چار بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا:

(۱) معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ریاست کے خلاف ہی جارح کی مدد کرنے کی کوشش کی. جب رسول اللہ ﷺ کے تین نمائندے حقائق معلوم کرنے ان کے پاس پہنچے تو ان کے عزائم کھل کر سامنے آگئے. ان کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو پہلے 'سرد جنگ' (Cold War) کی مد میں آتی تھیں اب ''اعلانیہ اور گرم جنگ'' (Declared and Hot War) کے مترادف ہوگئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے امتیوں کے خلاف تھیں. انہوں نے تو حضرت سعد ابن معاذؓ کی یہ کہہ کر تضحیک کی کہ: محمد (ﷺ) کون ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان تو کوئی معاہدہ نہیں ہے! اس سے انہوں نے یک طرفہ طور پر معاہدہ مدینہ طیبہ کو ختم کردیا تھا اور وہ بھی ایک ایسے وقت پر جب مسلمانوں کو بہت ہی نازک صورت حالات کا سامنا تھا. ان کا مقصد وحید اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا.

(۲) انہوں نے جارح سے ساز باز کرکے ان کو مشترکہ حملے پر اکسایا تھا. وہ اپنے دو پہلے سے مدینہ بدر قبائل کے ساتھ اس سازش میں برابر کے شریک تھے جو کہ خیبر جا بسے تھے. جب حی بن اخطب نے ان کے لیڈر سے ملاقات کی اور اسے مشترکہ جارحیت میں شامل ہونے کی ترغیب دی تو اس نے فوراً معاہدہ پھاڑ دیا اور اسلام دشمن اتحاد میں شریک ہوگیا.

(۳) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے جاسوسی کا ارتکاب کیا اور وہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے دفاعی راز اور استعداد کے متعلق معلومات پہنچاتے رہے. حی بن اخطب کھلم کھلا مکیوں سے ملتا تھا اور غطفانیوں کے ساتھ اس جارحیت میں برابر کا شریک بھی تھا مگر باقی کے بنوقریضہ بھی پیچھے نہ رہے تھے اور ابوسفیان سے گفت وشنید کرتے رہے تھے.

(۴) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا جرم بھی کیا. ان کے ہراول دستوں نے ان اطام کے گرد چکر لگانے شروع کردیئے تھے جہاں مسلم خواتین اقامت پذیر تھیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کہاں کہاں نرم اہداف (Soft Targets) یا دفاعی کمزوری پائی جاتی ہے. یہ تو عمۃ الرسول سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ کی بہادری اور شجاعت کا ثمرہ تھا کہ ایک یہودی اس چکر میں ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور باقی ماندہ کو جرأت نہ ہوسکی کہ آگے آئے. اگر رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو مجاہدین کے دستے بنی قریضہ کے علاقے میں نہ روانہ کیے ہوتے تو یقیناً انہوں نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا ہوتا.

مندرجہ بالا چار جرائم میں سے صرف ایک جرم بھی آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین کے تحت مرتکبین اور مجرمین کو سزائے موت کا سزاوار

ہیں تو وہ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے تھے اس لیے وہ تو اس سے بھی بڑی سزا کے مستحق تھے اور پھر جہاں حالت جنگ طاری ہو وہاں ضابطہ کوئی نہیں یہ جا سکتا ہے کہ ان دو قبیلوں کو معافی دے کر کافی فراخ دلی کا ثبوت دیا جا چکا تھا جس کا انہوں نے اتنا ناجائز فائدہ اٹھایا کہ وہ قیدیوں سے جانے تھے ایسے میں تیسرے قبیلے کو بھی چھوڑ دینا تو جارحین کے ہاتھ مزید مضبوط کرنے کے مترادف ہوتا وہ اسے کیسے ختم کر سکتے رسول ہونے کے ناطے جبکہ آپ کا ایک ایک عمل اپنی امت کے لیے مشعل راہ ہے، آپ حضور ﷺ جو کہ اس وقت اپنی افواج کے سپریم کمانڈر بھی تھے، بھلا کیسے اپنی امت کی زندگی کو خطرات میں ڈال سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ فیصلہ تو انہی کی آسمانی کتاب کے مطابق تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۔۔۔ اپنی نام نہاد الہامی کتاب استثناء (Deuteronomy) کے مصنفین سے رجوع کریں۔

حواشی

(۱) حمد (زبور) ۷۲: ۸ ـ ۱۴ (Psalms, 72 8-14) یہود و نصاریٰ کے اسلام کے نظریہ جہاد اور رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے ناقدین کو چاہئے کہ وہ اپنی ہوئی کتب کا مطالعہ کریں اور خاص طور پر انہیں زبور کی حمدیں تو جگر تھام کر پڑھنی چاہئیں جن میں حضور نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق پیش گوئیاں حضرت ۔۔۔ علیہ السلام کے صحیفہ کی صورت میں انجیل میں موجود ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مطابق وہ "نبی موعود" کی صفات بابرکات میں ۔۔۔ صفت یہ ہونی تھی کہ آپ جنگجو نبی ہوں گے جو امن قائم کرنے کی غرض سے شمشیر زنی کریں گے تاکہ بنی نوع انسان کو جور و ستم سے محفوظ کیا جا سکے۔ بالفاظ ۔۔۔ یہ بھی جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت عروہ بن زبیرؒ، مغازی رسول اللہ ﷺ، تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۲ قریش کا وہ وفد جس نے ان مہاجرین کا حبشہ تک پیچھا کیا تھا دو افراد پر مشتمل تھا۔ عمارہ بن ولید بن المغیرہ المخزومی اور عمرو بن العاص انہوں نے نجاشی کو ۔۔۔ ورغلانے کی کوشش کی کہ۔ "اس شخص نے جس کی یہ لوگ پیروی کرتے ہیں ہمارے سماج کو درہم برہم کر دیا ہے اور اب وہ آپکے دیس میں بھی ۔۔۔ قدم جمانا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں آپکا ملک کمزور پڑ جائے گا ہم آپکے بہی خواہ ہیں اور آپکے ہمارے اوپر بہت احسانات ہیں۔ ہمارے تاجر آپ

کے مکہ میں آزادی سے آتے جاتے ہیں اور امن وسکون سے رہتے ہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ آپ کی ان عنایات پر آپ کے احسان مند ہوں اور ان کا بدلہ چکائیں۔ اس لیے ہماری قوم نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کو انتباہ کر سکیں کہ مذکورہ شخص اور اس کے پیروکار آپ کے ملک میں بدنظمی پھیلائیں گے وہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہیں اس کے پیروکار بھی اس عقیدے کے قائل نہیں ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی جائے جب یہ لوگ آپ کے دربار میں آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو جھک کر سلام بھی نہیں کریں گے۔ لہٰذا آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو راہ راست پر لے آئیں۔"

(۳) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج ۱، ص ۲۲۶۔ نیز دیکھئے صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۳۹۴۔ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری جائے ہجرت مجھے دکھا دی گئی ہے۔ میں نے ایک شوریلی زمین دیکھی ہے جس میں کھجور کے بہت زیادہ درخت ہیں اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو دو لابے بنے ہوئے سنگلاخ حرے ہیں۔

(۴) القرآن الکریم (الانفال:۳۰)

(۵) Isaiah 21 : 13-17

(۶) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار دونوں کو اپنے انعام و اکرام سے نوازا سورہ انفال ۷۴ کی آیات انہیں کی شان میں نازل ہوئیں
اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔

(۷) القرآن الکریم (الحشر:۹)

(۸) صحیح مسلم، کتاب نمبر ۱۹، نمبر ۴۴۳۳ (اس حدیث میں بالصراحت ذکر ہے کہ بخش اوسی لوگوں نے تو اس کے لیے سونے کا تاج بھی بنے کے لیے دیا ہوا تھا۔)

(۹) سنن ابی داؤد، ۱۹۔۲۹۹۸

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) القرآن الکریم (الحج:۳۹۔۴۰)۔

(۱۲) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۲، ص ۱۴۔ ان کے بیان کے مطابق قریش کی تعداد ۹۵۰ تھی جبکہ بعض دوسرے مورخین کے مطابق وہ تعداد ۱۰۰۰ تھی۔

(۱۳) ابن سعدؒ، مصدر مذکور، ج:۳، ص ۱۴۰۔ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ سامان خورد و نوش کی خاصی قلت ہوا کرتی تھی اور بسا اوقات ان کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے (مثلاً جلہ) کھا کر گزارا کرنا پڑتا تھا جس کے نتیجے میں جب وہ رفع حاجت کرتے تو ان کا براز ان مویشیوں کی طرح ہوا کرتا تھا جو گھاس پھوس کھاتے ہیں۔

(۱۴) الترمذی (اردو ترجمہ، بدیع الزمان) ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج:۲، ص ۶۷۰۔

(۱۵) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۱۱۔

(۱۶) ایضاً، نمبر ۴۶۱۰۔

(۱۷) ایضاً، ۱۴۔۲۵۶۸۔

(۱۸) ایضاً، ۲۰۔۴۷۱۱۔

(۱۹) ایضاً، ۱۴۔۲۵۰۷۔

(۲۰) ماخوذ از بریگیڈیر گلزار احمد (The Prophet's Concept of War)، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۲۷۔

(۲۱) القرآن الکریم (البقرہ:۲۱۷)

(۲۲) ایضاً،۱۹۰.

(۲۳) ایضاً،۲۱۶.

(۲۴) ابن اسحاق کے مطابق ایسی مہمات کی تعداد ۲۷ تھی احادیث کے مطابق (مشکوٰۃ صحیح مسلم، ج [illegible] اللہ ﷺ نے بنفس نفیس انیس غزوات میں قیادت فرمائی تھی. باقی صحیح معنوں میں جنگیں نہیں تھیں مثلاً غزوہ حدیبیہ جب کہ آپ [illegible] غرض سے روانہ ہوئے تھے یا حجۃ الوداع وغیرہ. بہت سے سیرۃ نگاروں نے ان کو بھی غزوات میں شمار کیا ہے

(۲۵) واقدی نے ۷۴ ایسی مہمات کے ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ارسال فرمائی تھیں

(۲۶) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۵۳.

(۲۷) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۲۰).

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۳۶۵؛ ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار رشید، حلب، شام، [illegible]

(۲۹) القرآن الکریم (النساء، ۵۱).

(۳۰) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۳۶.

(۳۱) القرآن الکریم (آل عمران ۱۱۸).

(۳۲) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۳۰۳. اگرچہ اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح نہیں کہ [illegible] قریب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ جس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں [illegible] افراد جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے ان سے متعلق ہو سکتا ہے. چونکہ بنو نضیر کے مدینہ بدری [illegible] احزاب کے فوراً بعد ہو) حضرت ابو ہریرہؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے یہ قوی حدیث مبارکہ [illegible] امان دے دی گئی تھی اور جو مدینہ طیبہ میں ہی بسنے پر راضی ہو گئے تھے اور یہ پھر حضرت ابو ہریرہؓ [illegible] متاخرین سے روایت نہیں ہو سکا. یہی بات زیادہ تر قرین قیاس بھی نظر آتی ہے.

(۳۳) ابن سعد، ج:۲، ص ۲۸.

(۳۴) ایضاً، ص ۲۹

(۳۵) اس غزوہ کا محل وقوع بستی بنو قریضہ کے پاس تھا جو وادی مہزور کے کنارے عالیہ (موجودہ حوش) میں [illegible] نبوی شریف سے تقریباً تین میل جنوب میں بستان مجشونیہ (خاک شفاء کے پاس) کی جگہ پر [illegible] ہے یہ بھی تقریباً پاس پاس ہی تھی. ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں: ''بنو قینقاع کا گاؤں آج کل (۱۹۳۵ء) ایک میدان کی صورت میں ہے [illegible] کھنڈرات بھی نہیں پائے جاتے.'' ۔رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ (Battlefields of the Prophet Muhammad) [illegible] ۴۷. آج کل اس جگہ پر سڑکوں کا وسیع و عریض جال بچھ گیا ہے، اور کچھ میدانی علاقہ بھی ہے اور ساتھ ہی مجشونیہ کا باغ بھی ہے

(۳۶) القرآن الکریم (الانفال: ۵۷)

(۳۷) ابن سعد، ج:۲، ص ۴۸

(۳۸) البیہقی، سنن، ج:۹، ص:۵۳: نقل کردہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ، ص ۳۸.

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۵، ۹۵۔۳۶۲

(۴۰) محمد حسین ہیکل، حیات محمد، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۹، ص ۲۴۰

(۴۱) ابن سعد، ج:۲، ص ۳۷.

(۴۲) القرآن الکریم (الانفال: ۳۶). ابن اسحاق نے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس آیۃ کریمہ کی شان نزول مکیوں کے چندہ جمع کرنے کی مہم تھی، دیکھیے سیرۃ

(۴۳) ابن سعد، ج ۲، ص ۳۰۔

(۴۴) ابن سعد، ج ۲، ص ۳۰۔

(۴۵) یہودی مستشرق مارگولیتھ نے کیا خوب کہا ہے کہ "ابوسفیان نے جنگ کے لیے جذبات کو بھڑکانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ [illegible] کے ساتھ موسیقی کی بجائے اس نے عورتوں کے ایک جتھے کو اپنی فوج کے ساتھ چلنے کا بندوبست کیا، جو اپنے تمام تر تازہ و ندرت کے ساتھ جنگی [illegible] دف کے وعدے کرکے ان کی فوج کا مورال بلند رکھیں، کیونکہ جنگ سے بھاگ جانے والے اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ اپنی عورتوں کے [illegible] اور شام طرازی سے ڈرتے تھے۔ قریش کی عورتوں نے اس لحاظ سے بہت ہی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ابوسفیان کی بیوی نے تو یہ تجویز بھی [illegible] حضرت محمد (ﷺ) کی والدہ ماجدہ کا جسد خاکی ان کی قبر سے نکال کر ہتھیار کے طور پر تاوان کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن قریش نے اس کی یہ تجویز [illegible] کر دیا جس پر عمدہ تدبر بھی مشکوک تھا کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل کا ڈر تھا۔ (Muhammad and the Rise of Islam, 1931).

(۴۵) ابن اسحاق، ص ۳۷۱

(۴۶) محمد حسین ہیکل، ص ۲۵۵

(۴۷) صحیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۸۳، ج: ۱۳، ص ۳۰

(۴۸) [illegible] سے مروی ہے کہ رات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ میرے کسی اصحابی کو بھیج دے جو آج رات میرے گھر پر پہرا [illegible] تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مکان کے باہر ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی اور آپ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا: کون ہے؟ حضرت سعد ابن ابی وقاص نے عرض کیا: "یا رسول اللہ یہ میں ہوں، آج رات میں پہرہ دوں گا۔"

(۴۹) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۵۷۱۵ نیز صحیح بخاری، ج ۴، نمبر ۲۱۲ و نمبر ۲ ۵ ۱ ۰۹ [illegible] یہ حفاظت صرف اسی رات ہی نہیں تھی بلکہ [illegible] بعد دو تین راتوں تک [illegible] رہی تھی جب کہ جنگ تو ختم ہو چکی تھی مگر رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ کہیں [illegible] شاید واپس نہ لوٹ آئے جس دوران آپ حضور ﷺ نے دشمن کا تعاقب [illegible] سعد تک پیچھا بھی کیا تھا۔

(۵۰) ابن سعد، ج: ۲، صفحات: ۳۷۔۳۹۔ الطبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱۔۳۹۴ صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۰۷ نے بھی اس خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں اس خوب کے کچھ دوسرے حصے بھی روایت کیے ہیں۔

(۵۱) ابن اسحاق، ص: ۳۷۱۔

(۵۲) ایضاً، ص ۳۷۲

(۵۳) ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ ہجری)، الفصول فی سیرۃ الرسول، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۷۷۔

(۵۴) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۲۳

(۵۵) محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ج: ۲، ص ۵۰۵۔ ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۷۶

(۵۶) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۷۲

(۵۷) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۸۱

(۵۸) قرآن کریم (آل عمران ۱۲۰۔۱۲۱)

(۵۹) القرآن الکریم (النساء: ۸۸) اس آیت کریمہ کے نزول پر اور منافقین کے خروج پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ طیبہ ہے جو انسان کو اس کے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرف ایک بھٹی چاندی کی کھوٹ کو الگ کر کے اس کو صاف کر دیتی ہے۔" صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۸۰۔

(۶۰) [illegible] سات سو کی نفری میں ۱۳۔۱۵ سال کے بچے بھی شامل تھے۔

(۶۱) [illegible] کو جبل رماۃ بھی کہا جاتا ہے (یعنی تیر اندازوں کی پہاڑی) کیونکہ اس کی چوٹی پر پچاس تیر انداز تعینات تھے۔

(۶۲) ابن سعد، ج ۲، ص ۴۰۔ نیز سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ وحید الزمان) اسلامی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج: ۲، ص: ۳۴۷۔

(۶۳) صحیح عاطف زین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج ۱۳، ص ۱۰

(۶۴) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مغازی رسول اللہ، مصدر مذکور، ص ۱۹۰

(۶۵) ابن اسحاق، ص: ۳۷۴

(۶۶) ایضاً

(۶۷) ایضاً، ص ۳۷۵ حضرت ہند نے فرمایا میں نے اپنے خاوند کو دیکھا وہ تلوار سے صاف کر رہا تھا میں اس کی طرف لپکا اور جب میں نے اپنی تلوار اس پر مارنے کے لئے اٹھائی تو ایک عورت نکل کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئی اور ایک عورت پر اٹھاتے ہوئے شرم آنے لگی اور میں نے اپنا ہاتھ روک لیا

(۶۸) ابن سعد، ج: ۲، ص ۴۰

(۶۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۹۹، اس روایت میں وحشی (جو بعد میں شام میں رہائش پذیر ہو گیا تھا) نے واقعات [illegible]

(۷۰) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۵۱)

(۷۱) القرآن الکریم (الصف: ۴)

(۷۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۸۰۔ صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۶۸۳

(۷۳) القرآن الکریم (الاحزاب: ۲۳)

(۷۴) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۹۲

(۷۵) ایضاً، نمبر ۳۸۵، ۳۸۶

(۷۶) ایضاً، نمبر ۳۸۷، ۳۸۸

(۷۷) ایضاً، نمبر ۳۸۴

(۷۸) ایضاً، نمبر ۳۹۳

(۷۹) الترمذی (اردو ترجمہ: بدیع الزمان) ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ج: ۱، ص ۶۰۵

(۸۰) ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ ہجری) الفصول فی سیرۃ الرسول، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۷۹

(۸۱) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۹۳، ۳۹۸

(۸۲) صحیح بخاری، ج: ۵، باب ۲۰۔ صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۴۱۷

(۸۳) ابن اسحاق، ص ۳۸۰ چونکہ یہ جنگ جبل احد کے دامن میں لڑی گئی تھی، اس میدان میں پتھر [illegible] بہت آزادی سے کیا تھا۔

(۸۴) صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۴۱۸

(۸۵) ایضاً، نمبر ۴۴۱۴

(۸۶) ابن اسحاق، (حاشیہ ابن ہشام)، ص: ۷۵۴۔ نیز: ابن کثیر مصدر مذکور، ص ۷۹

(۸۷) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج: ۵، ص ۲۴

(۸۸) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۵۳)

(۸۹) صحیح مسلم، ج ۳، ۴۴۱۳

(۹۰) ابن اسحاق، ص ۳۸۰

(۹۱) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۷۸

(۱۲۹) قرآن حکیم، پ ۹، ع ۱۵

(۱۳۰) قرآن حکیم (المائدہ ۹۰۔۹۱)

(۱۳۱) ان کی ان قلعہ بندیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد

(۱۳۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۶۵

(۱۳۳) ابن اسحاق، ص ۴۳۷

(۱۳۴) ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ ہجری)، الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۸۷۔

میں اسے سُغدیہ لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

(۱۳۷) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد (۱۴۔۲۶۷۶)

(۱۳۸) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۷۷

(۱۳۹) ابن اسحاق، ص ۴۳۸

(۱۴۰) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مصدر مذکور، ص: ۱۷۴

(۱۴۱) ابن سعد، ج: ۲، صفحات: ۵۷۔۵۸

(۱۴۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۶۴

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۴۵۰

(۱۴۴) البلاذری، منقول از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Life and Work of the Prophet of Islam, p 399)

(۱۴۵) صحیح بخاری، ج: ۵، باب ۲۸۔

(۱۴۶) مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، دار الیمامہ، الریاض، ص ۱۳۔

سمہودیؒ، وفاء، لوفاء، مصدر مذکور، صفحات: ۱۲۰۴۔۱۲۰۵۔

(۱۴۷) امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات: ۱۲۰۴۔۱۲۰۵

(۱۴۸) ابن سعد، ج ۱، صفحات: ۶۶۔۶۷

(۱۵۰) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر۴۴۴۳

(۱۵۱) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر۴۲۵

(۱۵۲) ابن سعد، ج:۴، صفحات:۸۲_۸۳

(۱۵۳) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۲۶ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے اور دوسری روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کھانے کے وقت آپ ﷺ کے گلوں میں اٹک جاتا اور اس کی خوشبو بھی عجیب سی ہوا کرتی تھی۔

(۱۵۴) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۲۲ میں ہے کہ آپ کھانے سے فارغ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے بائیں مبارک پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا جس سے آپ بیٹھ کر کھا سکتے تھے۔)

(۱۵۵) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر۴۳۲

(۱۵۶) ابن سعد، ج ۱، ص:۴۲۸۔ نیز سنن داؤد، مصدر مذکور، ج۳، نمبر۲۷۶، ص ۲۸۹

(۱۵۷) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر۷۳۹

(۱۵۸) ابن سعد، ج ۴، صفحات ۸۳_۸۴ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ابی شیبہ نے اپنی مغازی میں [illegible] روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم [illegible] نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے بلاد الشام کی کنجیاں عطا ہوگئیں اسکے بعد [illegible] بھی لگ جڑ اور آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر [illegible] کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ حضور ﷺ نے تیسری مرتبہ سر جھکایا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم [illegible] ہوگئی اور آپ حضور ﷺ نے بے اختیار فرمایا: اللہ اکبر، مجھے یمن کی چابیاں بھی عطا کر دی گئی ہیں واللہ میں صنعاء کے بڑے دروازے [illegible] (ابن شیبہ (۲۳۵ ہجری) کتاب مغازی، دار الشیبانیہ، ریاض، ۱۹۹۹ء ص ۲۶)

(۱۵۹) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۴۲۷

(۱۶۰) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۴۲۷ اور ۴۲۸۔ نیز ابن اسحاق، ص۴۵۲

(۱۶۱) ابن اسحاق، ص۴۵۲

(۱۶۲) محمد یسین خیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورۃ قدیما وحدیثا، چوتھا ایڈیشن، مدینہ المنورہ، ۱۹۹۳ء، ص ۲۰۲

(۱۶۳) ابن اسحاق، ص۴۵۴

(۱۶۴) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص۶۲

(۱۶۵) ایضاً

(۱۶۶) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص۹۶۔ نیز ابن سعد، ج۲، ص۷۲۔ نیز الترمذی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۶۰۲

(۱۶۷) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۴۲۵

(۱۶۸) ابن سعد، ص ۶۷

(۱۶۹) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۳۸

(۱۷۰) القرآن الکریم (الاحزاب:۱۰_۱۱)۔ یہ آیت کریمہ نہ صرف اس وقت مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ ہے کیونکہ سب کے سب پریشان تھے کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیسے کیا جائے، بلکہ دشمن کی صف بندی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ کہاں کہاں خیمہ زن ہوئے تھے جب کافر تم پر چڑھ آئے تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آ گئے اور تم اللہ پر امیدوں کے طرح طرح کے گمان

کرنے لگے. وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے.

(۱) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۰۷

(۲) ایضاً نمبر ۴۳۷۲

(۳) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۳۸ ترمذی نے بھی ایک روایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان نمازوں کی تعداد اس
ان قضاء ہوئیں چار تھیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ اس کے مطابق جب سورج غروب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال [illegible] ان کا حکم دیا اور اس
کے بعد مختلف اقامتوں کے ساتھ آپ حضور ﷺ نے چاروں نمازیں یکے بعد دیگرے [illegible] صحیح بخاری میں اقامت کا ذکر ہے مگر حالات کے تقاضوں
کو مدنظر رکھتے ہوئے تو یہ اقامت مسیح تو نمازوں کی رو سے کہ حضور ﷺ نے [illegible] نمازیں یکے بعد دیگرے ادا فرمائی تھیں اس سے بڑھ کر اس بات
(ج ۲، ص ۶۹) جس کی رائے کا شمار کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے [illegible] نمازیں یکے بعد دیگرے ادا فرمائی تھیں اس سے بڑھ کر اس بات
ہوتا ہے کہ ان نمازوں کی ادائیگی میں [illegible] نمازیں یکے بعد دیگرے ادا فرمائی تھیں جو کہ اس
ہنگامی حالت ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ دنوں میں رہی ہوگی۔

(۴) [illegible]
[illegible]
صدی میں ہی کر پائے ہیں

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) [illegible]
تصدیق کرتی ہے ان کے مطابق ان کے زمانے میں (یعنی چھٹی صدی ہجری میں) ان غار کے [illegible] عورت موجود تھی وہ یہ کہ اس [illegible]
سوال تھا جس سے وہ خاص اپنی پیاس بجھاتے تھے

(۱۸۹) القرآن الکریم (الاحزاب ۱۱)

(۱۸۰) مسند امام احمد (۳۔۳۳۲)

(۱۸۱) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۳۸

(۱۸۲) [illegible]
[illegible]
بھی مسجد قبا موجود ہے مدنی روایات کے مطابق مسجد قبا کے [illegible] جو چھ دیواری ہے اس میں [illegible]

(۱۸۳) [illegible]

(۱۸۴) القرآن الکریم (الاحزاب ۹)

(۱۸۵) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۱۲

(۱۸۶) ابن اسحاق، ص ۴۶۰

(۱۸۷) [illegible]

(۱۸۸) [illegible]

(۱۸۹) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۴۳۳۵،۴۳۳۶

(۱۹۰) ابن اسحاق،صفحات:۴۷۲۔۴۷۳

(۱۹۱) Muhammad at Medina [illegible] ویلفیئر پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۸۱ء،صفحات:۳۶۔۳۷

(۱۹۲) البلاذری،فتوح البلدان،ص۳۵.نیز صحیح مسلم، ج:۳،نمبر۴۳۷۰.نیز صحیح بخاری، ج ۵،نمبر۴۴۳

(۱۹۳) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۴۴۵

(۱۹۴) ابن سعد، ج:۲،ص۷۴

(۱۹۵) ابن اسحاق،ص۴۶۱

(۱۹۶) حضرت عروہ بن زبیرؓ،مصدر مذکور،ص۱۹۲

(۱۹۷) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۴۴۹

(۱۹۸) خالی محمد، التنقیحی، مصدر مذکور،ص ۱۹۱ اور دیکھئے [illegible]

(۱۹۹) ابن اسحاق،ص۴۶۲.مسجد نبوی میں ریاض جنہ میں آج بھی [illegible]

(۲۰۰) القرآن الحکیم (الاحزاب:۲۵) صحیح مسلم، ج:۳،نمبر۴۳۶۸و۴۳۷۱.صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۴۴۷

(۲۰۱) وہ گھر جو اس وقت "بیت بنت حارث" کے نام سے جانا جاتا تھا [illegible]
"دار رملہ بنت حارث یا دار بنت الحارث الانصاریہ وہ گھر تھا جہاں وضو آ کر قیام کیا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ [illegible]
ص۵۷۲ حاشیہ.اس مخصوص واقعہ کے لیے چونکہ اور کوئی محفوظ جگہ نہ تھی اس لیے یہود کے [illegible]
گھر میں رکھا گیا تھا دیکھئے محمد احمد پانی پتی، غزوہ بنی قریظہ، اردو ترجمہ اختر فتح پوری [illegible]

(۲۰۲) ابن اسحاق،ص۴۶۴.بازار مدینہ طیبہ کو سوق مدینہ طیبہ اور پھر سوق مناخہ بھی کہا جاتا [illegible]
جب کہ اس کا زیادہ تر حصہ ابھی بھی باب السلام کے باہر کی طرف مغرب میں کھلے [illegible]

(۲۰۳) البلاذری،فتوح البلدان،ص۳۵

(۲۰۴) حضرت عروہ بن زبیرؓ،مصدر مذکور،ص۱۹۵

(۲۰۵) ایضاً،ص:۱۷۰.یہ وہی حی بن اخطب تھا جس کی بیٹی ام المومنین [illegible]
صحیح بخاری، ج ۵،نمبر۴۱۳

(۲۰۶) صحیح مسلم، ج:۳،نمبر۴۳۷۵و۴۳۷۶

(۲۰۷) ابن سعد، ج:۲،ص:۷۵

(۲۰۸) ابن اسحاق،ص:۴۶۶

(۲۰۹) Deuteronomy , 20. 20-26

(۲۱۰) Fransesco Gabrie , Muhammad and the Conquests of Islam
World University Library - Translation - George Weidenfeld and Nicolson Ltd
Reprinted 1977 pp [illegible]

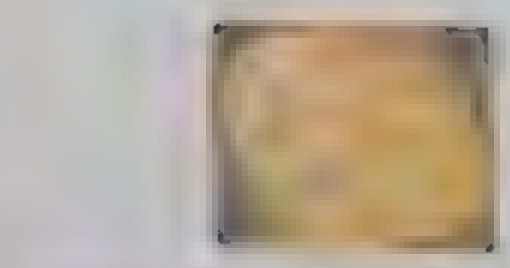

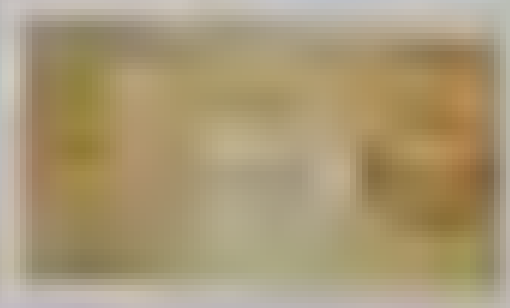

تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے پہلے مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات پر بہت سے بازار ہوا کرتے تھے ہر قسم کے سامان کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی (۱) بنو قینقاع کے مشہور بازار کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے بازار تھے یثرب کے گاؤں کے پاس (جبل احد کے قریب) تھا یہ اصبح کا بازار یا بقیع الخیل سے مغرب کا بازار یہ وقت کے مطابق یہاں ایک بازار سوق تھی بھی تھا ان بازاروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بازار اور منڈیاں بھی تھیں جو وقتی ہوتی تھیں کاروں بازاروں کا نام دیا جاتا تھا (۲) بھی بھی وادی العقیق میں بھی بازار لگتے تھے اور بھی نبوی شریف کے سامنے آکر بیچتے جہاں پر انہیں دن میں پانچ مقررہ وقت میں بہت سارے تاجر آتے تھے (۳)

بقیع الخیل کو عرف عام میں بھی کہا جاتا تھا جہاں مختلف علاقوں سے تاجر آتے تھے جگہ حضرت زید بن ثابت کے گھر کے پاس ہی ہوا کرتی تھی (۴) جہاں پر مختلف قسم کے جانور بھی بیچے جاتے تھے جہاں دور دراز سے تاجر اپنا مال مویشی لے کر بیچا کرتے تھے باہر بسنے والے لوگ مدینہ طیبہ کے لیے بھی اکثر یہی نام استعمال کر لیا کرتے تھے۔

سب سے اہم تجارتی مرکز سوق بقیع تھا جہاں

غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی

(۵)

تاجدار مدینہ ﷺ کا

ہجرت کے

امام سمہودیؒ نے ابن زبالہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سوق بنی قینقاع وادی بطحان کے پل کے پاس واقع ہوا کرتا تھا (۸) (یعنی مسجد نبوی شریف کے جنوب مشرق کی طرف)؛ ابراہیم العیاشی کی رائے کے مطابق اس بازار کا موجودہ محل وقوع بحشونیہ (یا مدشونیہ) کے باغ کے قریب مراکشیوں کی رہائش گاہوں اور وادی بطحان میں بیر المشرفیہ کے درمیان کہیں واقع ہوگا جہاں حضرت عبداللہ بن سلامؓ، جو اسلام قبول کرنے سے پہلے بنو قینقاع کے مشہور عالم ہوا کرتے تھے، کے اطم کے آثار اور باقیات ہوا کرتی تھیں۔ (۹) بہت سے دوسرے معاصر مورخین بھی اسی رائے کے حامی ہیں کہ سوق بنی قینقاع وادی بطحان کے کنارے پر موجودہ بستان بحشونیہ کے پاس، یعنی خاک شفاء کے قریب، سامنے والی زمین میں ہوا کرتا تھا جو اب سدیری خاندان کی ملکیت ہے۔ یہ علاقہ ماضی میں سوق حبشہ اور سوق الجسر کے نام سے بھی جانا جاتا رہا ہے۔ (۱۰)

زمانہ قبل [illegible] ان تمام بازاروں میں ہر طرح کی تجارتی بے قاعدگیوں اور بدعتوں کا [illegible] زریں مگر قدیم اصول پر مبنی ضابطہ نافذ العمل تھا۔ اگرچہ زیادہ تر کاروبار دن کے [illegible] ہوا کرتے تھے، مشروبات، گوشت، مالی، مشک، سامبوکارہ، پیسوں کا لین دین اور سب سے بڑھ کر [illegible] جو اس وقت کی تجارت کا معمول کا حصہ بن چکی تھیں۔

تاجدار حرم ﷺ مدینہ طیبہ میں پہلے اسلامی بازار کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں

وقت کا کارواں دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا اور مسجد نبوی شریف نے مدینہ [illegible] مرکزی حیثیت حاصل کرلی۔ اس کے اردگرد آبادی تیزی سے بڑھنے لگی کہ زمین کم پڑنے لگی اور [illegible] کو [illegible] میں بسانے کے لیے [illegible] اضافے سے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان کا اپنا ایک بازار ہونا چاہیے جو [illegible] سے مدینہ طیبہ کی تجارتی ضرورتوں کو پورا کر رہا تھا، مگر وہاں تجارت کے ساتھ ساتھ دیگر دھندے بھی ہوا کرتے تھے جو [illegible] اللہ ﷻ کا تصور تجارت یہود و نصاریٰ سے یکسر مختلف تھا اس لیے آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں ایسا بازار [illegible] ثرات سے پاک خالصتاً اسلامی قوانین کے مطابق کاروبار ہو سکے۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے لیے ایک [illegible] رکھی جس کے لیے ایک نہایت ہی موزوں اور مرکزی جگہ کا انتخاب کیا گیا۔

حضرت عطاء ابن یسارؒ سے مروی ہے [جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے ایک [illegible] کا فیصلہ فرمایا تو آپ ﷺ سوق بنو قینقاع تشریف لے گئے اور پھر سوق مدینہ (یعنی اس جگہ جہاں اس کے بعد مدینہ طیبہ کا بازار قائم ہوا) تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے اپنے قدم مبارک زمین پر زور سے مار کر فرمایا کہ [یہ رہا تمہارا بازار، اس کا رقبہ کم نہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر کوئی خراج (یعنی محصول چنگی) عائد کیا جائے] (۱۱) پہلے آپ بنی ساعدہ تشریف لے گئے اور پھر اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ اس [illegible]

اندازہ ہو جاتا ہے کہ سوق مدینہ طیبہ ایک بین الاقوامی تجارتی مرکز بن چکا تھا۔ یہ حقیقت کہ ایسا سامان جو مدینہ طیبہ میں نہیں بنایا جاتا تھا یعنی وہاں بآسانی دستیاب تھا اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ایسی اشیاء کی تجارت بھی ہوتی تھی جو باہر سے آتی تھی ایسی اشیاء میں عنبر، مشک اور عود وغیرہ شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی عمرو کی روایت کے مطابق [illegible] تھے تاکہ وہ ہمیں گندم، جو اور زیتون کا تیل مقررہ مقدار میں اور مقررہ مدت میں [illegible] (۳) [illegible] اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ ان دنوں پیشے سے [illegible] زبیر بن العوام، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عامر بن فہیرہ اور اوفی [illegible] کھجور اور تربوز وہاں کثرت سے خرید و فروخت ہوا کرتے تھے۔ (۱۴)

وہ بازار جو شروع میں سوق المدینہ اور بعد میں آنے والے وقتوں میں [illegible] تھا یہ وہی بازار تھا جو کہ رسول اللہ [illegible] کے وقت شفقت سے معرض وجود میں آیا تھا (۱۵) [illegible] جاتے تھے۔ وہ حدیث مبارکہ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "جو دھوکا کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے" ایسی [illegible] تھی جو کہ سوق النبی میں ہوا تھا ایک مرتبہ جب آں حضرت [illegible] میں پڑا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس بوری کے اندر تک داخل کیا اور انگشت [illegible] نظر آ رہا تھا استفسار پر اس نے بیان کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایسا بارش کی وجہ سے ہوا ہے [illegible] فرمایا کہ کچھ بھی ہو مگر اس نے گاہک کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے (وَهَانَ چَنْدَاوَرِ يَنْهَا چَنْدَاوَرِ) اس موقع پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا من غش فلیس منا! (جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے!)۔

اس حکم مبارک سے صاف واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عزم کر رکھا تھا کہ آپ ہر قسم کی برائی کو ختم کر کے دم لیں گے یہ اسی عزم کا ثمرہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں تمام کاروباری بداعتدالیاں ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں اور استحصال و رعایت سے پاک معاشرہ وجود میں آیا۔ قرآنی احکام کی روشنی میں ان تمام لعین دین کی بیماریوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا مثلاً سود اور ربوٰ جس کی جگہ صدقہ اور خیرات نے لی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قرض حسنہ کا تصور اجاگر کر کے معیشت کو راہ راست پر لایا گیا۔ (۱۶) حرام اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی ام المومنین سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ [illegible] جب سورۃ البقرہ کی آخری آیت کا نزول ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی شریف میں

کہ یہ جگہ دستبرد اور تجاوزات سے بچائی جائے۔" جو پہلا گھر وہاں تعمیر ہوا اس کو دارالقصاص کہا جاتا تھا جو حضرت معاویہ کی ملکیت تھا۔ مدینہ طیبہ کے لوگوں میں اس سے غم و غصہ کی لہر تو دوڑ گئی تھی مگر وہ بیچارے کچھ نہ کر سکے ان کے بعد ہشام بن عبدالملک نے بھی پنا ایک گھر وہاں بنوایا مگر جونہی اس کا سایہ اہالیان مدینہ طیبہ نے، اسے مسمار کر دیا اور پورے علاقے کو تجاوزات سے پاک کرا دیا اور اس بازار کو صرف عوام کے لیے مختص کر دیا۔

بنو امیہ کے بعد آنے والے حکمرانوں نے بھی وہی رویہ اختیار کیا وہ بھی اپنے پیش رووں سے بہتر ثابت نہ ہوئے ان کے دور حکومت میں بھی یہی رجحان رہا اور ان کے فرمان بھی وہی رہے یہ لوگ مدینہ طیبہ میں چونکہ اشراف (اہل بیت) کے [illegible] کو گورنر بنانے کا رواج چل نکلا تھا اس لیے یہ جگہ اشراف کی مرغوب ترین رہائش گاہوں کے طور پر کام آتی رہی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ [illegible] کی جگہ تجاوزات نے لے لی پہلی جنگ عظیم میں جب ترکی پاشا گورنر حجاز تھے تو انہوں نے ان تمام تجاوزات کو ہٹانے کے احکامات جاری کیے (۲۱) لیکن جونہی اشراف نے عثمانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور انہوں نے مملکت ہاشمیہ کے نام پر حجاز میں حکومت قائم کر لی تو اس تمام علاقے میں عارضی شیڈ بنا دیئے گئے جن پر ٹین کی چھتیں تھیں جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پکی عمارتوں کی شکل اختیار کر لی جہاں امراء اور رؤسا رہا کرتے تھے اور پھر چند ہی برس میں وہاں حکومت کے کارندوں کے دفاتر اور مکانات بھر آئے جب سعودی عہد کی ابتدا ہوئی تو اس وقت زیادہ تر منخہ کا علاقہ سرکاری دفاتر مثلاً میونسپلٹی اور پولیس ہیڈ وارٹر وغیرہ کے زیر استعمال تھا اس علاقے کو برالمنخہ کہا جانے لگا تھا کیونکہ خالی میدان میں حجاج کرام کے قافلے آ کر رکا کرتے تھے منخہ عربی میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ بٹھانے جاتے ہوں وہ زائر یا حجاج جو کرائے کے مکان لینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے عام طور پر وہیں خیمے گاڑ لیا کرتے تھے۔

کچھ حصوں پر باغات اور بستان بن چکے تھے جو شہر کے عمائدین کی ملکیت تھے۔ اس طرح تجاوزات نے بڑھتے بڑھتے اس بازار کو مزید تنگ کر دیا تھا۔ ابراہیم رفعت پاشا ۱۹۰۱ء میں ایسے دو مشہور بستانوں کا ذکر کرتا ہے جو بستان آل بری اور بستان عبدالعال کے نام سے مشہور تھے اور المنخہ کے تاریخی علاقے میں تھے۔ (۲۲) یوں بیسویں صدی کے آغاز میں سوق النبی یا سوق منخہ برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ یہاں جو بھی آبادی بنی ان کی گلیاں چھوٹے چھوٹے بازاروں میں تبدیل ہو گئی تھیں، جن کے گرد واقع مکانوں کی بالائی منزل رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوا کرتی تھیں اور نچلی منزلوں میں دکانیں اور شورو ہوا کرتے تھے۔ بڑی سڑک جو مغربیہ ریلوے سٹیشن کو حرم مدنی سے ملاتی تھی وہ المنخہ سے ہو کر گزرتی تھی اور اس کا نام "طریق العینیہ" ہوا کرتا تھا۔ یہی بڑی سڑک تھی جو باب السلام کی دہلیز تک پہنچتی تھی اور

مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں صنعت وحرفت:

ایک ایسے دور میں جب انسان قدیم طرز کے ذرائع پیداوار اور طرز زراعت پر انحصار کرتا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح کی صنعت
گانے کی خواہش مدینہ طیبہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے انگڑائی لے رہی تھی. جونہی مدینہ طیبہ اس وقت کے سیاسی افق پر ایک بڑ ستارہ بن کا
چمکنے لگا اور اپنے پیٹے کی قوت ہوئی. اس وقت سے ہی مدینہ طیبہ میں چھوٹی چھوٹی دستکاریاں اور صنعتیں (Cottage Industries) لگانے کا
رجحان پیدا ہو چکا تھا۔ یوں بہت پہلے ہی وہاں جدید صنعت کے لیے راہ ہموار ہو گئی تھی. گھوڑے اور اونٹ تو وہاں صدیوں سے پائے اور
شہر سے دیہات جاتے تھے زراعت اور کھجور بونے اور سکھانے کی صنعت بھی صدیوں پرانی تھی. لیکن اس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی

صنعت و حرفت بھی اپنے قدم جمانے لگ گئی تھی اور ہم دیکھتے ہیں کہ [illegible] کارآمد چیزیں بنانے کی صنعت (۲۴) ہلوہاروں کی بھٹیاں (۲۵)، کپڑے سینے کی صنعت (۲۶) [illegible] کام (۲۸) اور رسیاں بٹنے کو دوسری کرنسیوں میں بدلنے کا کام (۲۹) مدینہ طیبہ میں رائج دیکھتے تھے اور اس قسم کے کاروبار مدینہ طیبہ کی معیشت کی بنیاد تصور کئے جاتے تھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی کپڑا بیچنے کی صنعت تھی اور کتنے ہی تاجر ایسے تھے جن سے [illegible] ہوئے کپڑے کی خرید اپنی کمر پر لاد کر سوق مدینہ طیبہ میں لاتے بیچتے گئے تھے [illegible] جاتا تھا وفد نجران کے [illegible] نے جو نجرانی علاقوں کو مدینہ طیبہ کی ہجرت [illegible] پہننے کے کپڑے خراج میں دیا کریں گے اور ایسا ہی ہوتا رہا فن معماری بھی خاصہ ترقی یافتہ ہو چکا تھا کیونکہ مدینہ طیبہ میں کئی منزلہ اطام موجود تھے جو زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے تھے اور عام مکانوں کی تعمیر سے پہلے [illegible] پرسے جونہی یہود کی [illegible] ختم ہوئی اور مدینہ طیبہ [illegible] ابھرا اور وہاں تجارت بھی مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی [illegible] میں پہلے صرف یہود کو دسترس حاصل تھی مشاغل [illegible] سازی، زرہ بکتر بنانا، تیر و کمان بنانا، ترکش بنانا اور تلواروں کے لئے نیام بنانا وغیرہ وغیرہ تمام کام مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئے تھے نقشی کام مشہ تلواروں کے دستوں پر قیمتی پتھروں کو جڑنا اور زرکاری وغیرہ وغیرہ پہلے سے بازار میں رائج تھے مگر مدینہ طیبہ میں اس کا رواج عام نہ تھا کیونکہ ابتداء میں مسلمانوں کی مالی حالت ان عیاشیوں کی متحمل نہ تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ صنعت بھی مدینہ طیبہ میں شروع ہو گئی تھی۔

ان چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کے علاوہ پہلی بڑی صنعت جو اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ میں قائم کی وہ سامان حرب و ضرب بنانا تھا یعنی شمشیر سازی، تیر و تفنگ، ڈھالیں اور حفاظتی زرہ بکتریں بنانا جو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں پہنچ کر اعدائے اسلام پر قہر بن کر نازل ہوا کرتی تھیں (۳۰) حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ ﷺ کے متعلق چند ایسی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عالم طفولیت میں ایک انصاری صحابی کی نگہبانی میں دے دیا گیا تھا جن کی لوہے کی بھٹی ہوا کرتی تھی اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت بھی چند مسلمانوں کی بھٹیاں ہوا کرتی تھیں، اگرچہ وہ اتنی بڑی نہ تھیں جتنی کہ یہودیوں کی ہوا کرتی تھیں مگر چونکہ بنو قینقاع کے یہود مدینہ [illegible] سازی، زرہ بکتر بنانا، تیر و کمان بنانا، ترکش بنانا اور تلواروں کے لئے نیام بنانا وغیرہ وغیرہ تمام کام مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئے تھے نقشی کام مشہ تلواروں کے دستوں پر قیمتی پتھروں کو جڑنا اور زرکاری وغیرہ وغیرہ پہلے سے بازار میں رائج تھے مگر مدینہ طیبہ میں اس کا رواج عام نہ تھا کیونکہ ابتداء میں مسلمانوں کی مالی حالت ان عیاشیوں کی متحمل نہ تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ صنعت بھی مدینہ طیبہ میں شروع ہو گئی تھی۔

ان چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کے علاوہ پہلی بڑی صنعت جو اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ میں قائم کی وہ سامان حرب و ضرب بنانا تھا یعنی شمشیر سازی، تیر و تفنگ، ڈھالیں اور حفاظتی زرہ بکتریں بنانا جو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں پہنچ کر اعدائے اسلام پر قہر بن کر نازل ہوا کرتی تھیں (۳۰) حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ ﷺ کے متعلق چند ایسی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عالم طفولیت میں ایک انصاری صحابی کی نگہبانی میں دے دیا گیا تھا جن کی لوہے کی بھٹی ہوا کرتی تھی اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت بھی چند مسلمانوں کی بھٹیاں ہوا کرتی تھیں، اگرچہ وہ اتنی بڑی نہ تھیں جتنی کہ یہودیوں کی ہوا کرتی تھیں مگر چونکہ بنو قینقاع کے یہود مدینہ [illegible] ہتھیار یا تو بنانے کے لئے [illegible] تلواریں بنانے میں ماہر تھے ان سے ملے ہوئے معاہدے کے تحت ان کو اپنی تمام تر مشینری اور

ناپ تول کے پیمانے، تصویر: خواجہ احمد یٰسین خیاری

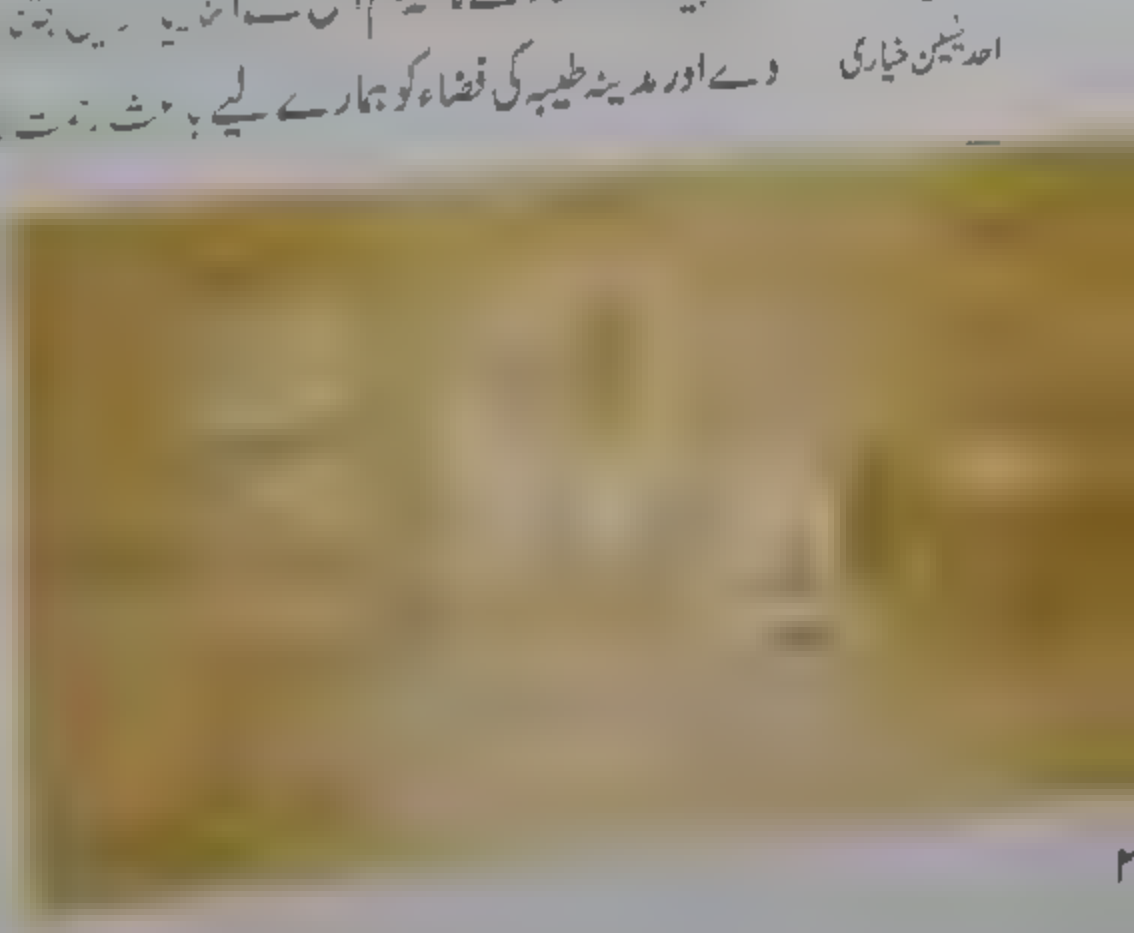

ذرع تھوڑا سا کم ہوا کرتا تھا

مدینہ طیبہ میں رائج سکے اور کرنسیاں:

چونکہ مدینہ طیبہ شاہراہ مسالحہ جات (Spice Route) پر واقع تھا جس کے ذریعے اس وقت کی تمام اہم تجارتی منڈیوں کی طرف راستے جاتے تھے شمال میں روم مغرب میں حبشہ اور جنوب میں یمن وغیرہ اس لیے وہ تمام سکے جو ان علاقوں میں چلتے تھے وہ مدینہ طیبہ میں بھی چلا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں زیادہ تر رومی سکے کا رواج تھا جو قیصر کی تصاویر پر مشتمل ہوا کرتا تھا (۳۷) اس کے علاوہ رومی چاندی کے درہم (جمع دراہم) ہوتے تھے اور کانسی کے فلوس (Folis) ہوا کرتے تھے جن کو عربی میں فلس (جمع فلوس) کہا جاتا تھا رومی علاقوں سے آنے والے قوافل درہم و دینار ادا کرتے تھے جن کے اوپر بازنطینی بادشاہوں کی تصویریں بنی ہوا کرتی تھیں عرب ان کو ہرقلیہ Herculan کہا کرتے تھے چاندی کے دراہم زیادہ تر ساسانیوں کی طرف سے ایران سے آیا کرتے تھے اور ایران و عراق کی جانب سے آنے والے قافلے زیادہ تر دراہم ہی ادا کیا کرتے تھے اسی طرح یمنی تجارتی سکے بھی مدینہ طیبہ میں عام ہوا کرتے تھے مکہ کا دار الضرب بھی تھا جس کی تائید احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے سونے کا وزن کرکے قیمت مقرر فرمائی تھی جس سے سونا اور چاندی بھی قانونی سکہ کے طور پر رائج تھے جن کا واقیہ کی مقدار میں تولا جاتا تھا (۳۸)۔ ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں دینار و دراہم اور سونا چاندی لین دین میں استعمال ہوتے تھے بعض روایات سے تو اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں مسلمانوں کے اپنے سکے بھی ہوا کرتے تھے ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ ابو داؤد، ابن ماجہ، امام احمد اور حاکم نے روایت کی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مسلم سکوں (سکۃ المسلمین) کے تولنے سے منع فرمادیا تھا جو کہ اس وقت رائج تھے، سوائے انتہائی ضروری حالات کے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے مسلم سکوں کو تولنے سے منع فرمایا تھا سوائے اس کے کہ ان میں کوئی خامی ہو۔](۳۹) اکثر محققین کی رائے میں ان "مسلم سکوں" سے مراد ایسے ہرقلی دینار یا درہم بھی ہو سکتے تھے جو کہ مدینہ طیبہ میں بطور ایک ریاست کے زیر گردش تھے اس حدیث مبارکہ سے اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان ان سکوں کو تڑوا کر زیورات وغیرہ میں ڈھلوالیا کرتے تھے۔ یہی وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سکوں کو تڑوانے ورڈھلوانے سے منع فرمایا، سوائے اس حالت کے کہ وہ خراب ہو چکے ہوں۔

لیکن جیسے جیسے اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی گئیں اور کثیر النسلی اور مختلف سیاسی پس منظر کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے تو جلد ہی ایک بہت مضبوط مرکزی حکومت اور نظام حکومت قائم ہو گیا جس کے تحت امت اسلامیہ کے مفتوحہ علاقوں کو مختلف جغرافیائی

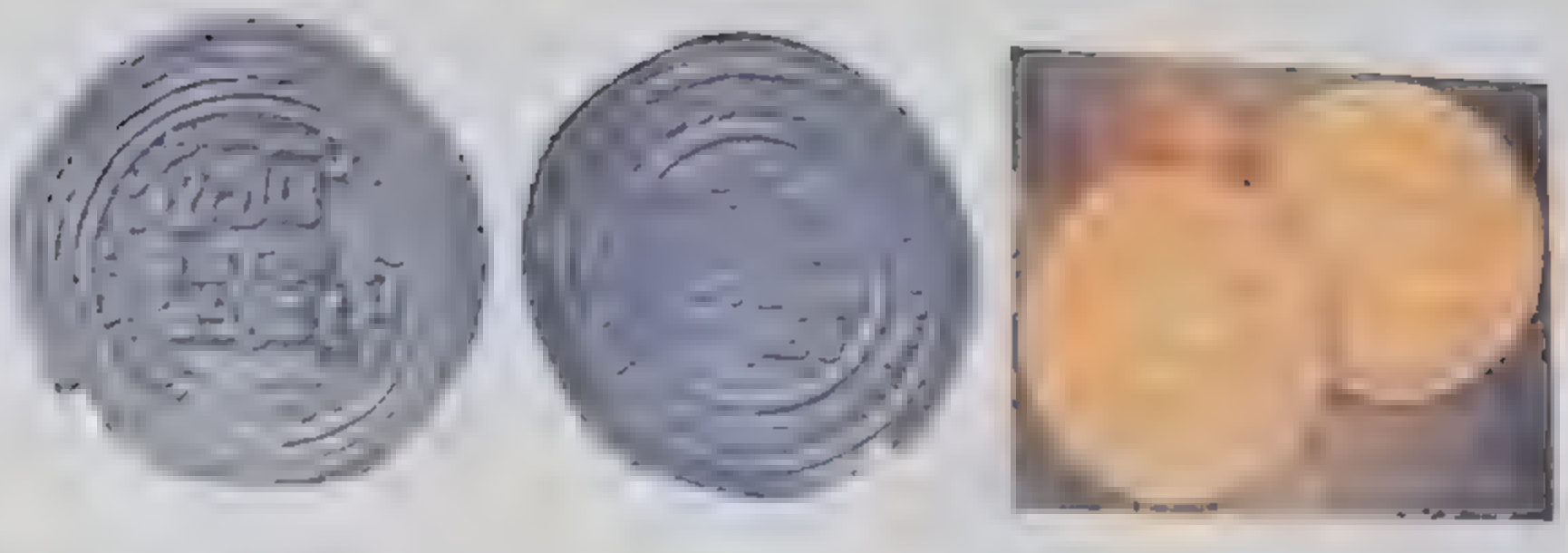

سیدنا عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ایرانی سکے جن پر یزدگرد کی تصویر تھی
سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اس پر بسم اللہ کندہ کروا کر ان سکوں کو مسلم علاقوں میں رائج کر دیا تھا

مدینہ تجویز کردہ شرفاء کے مختلف ادوار میں رائج سکے

عہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۷۱۷-۷۲۰ء) میں چاندی کا درہم

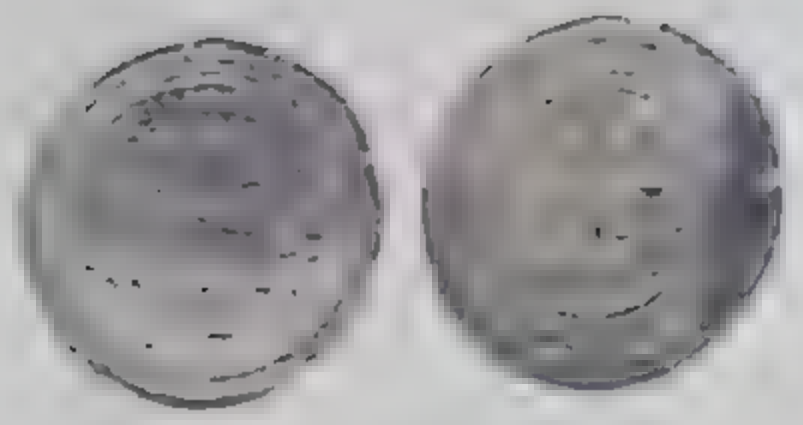

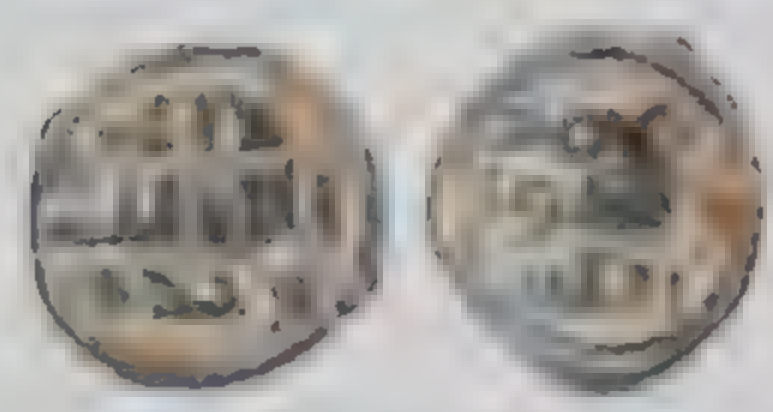

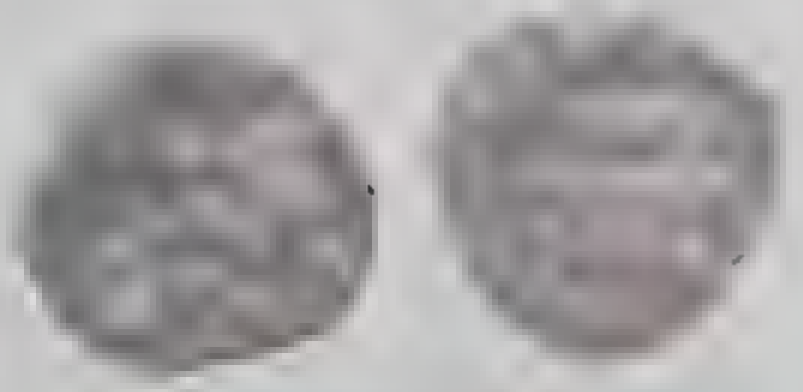

عبداللک (۶۸۵-۷۰۵ء)

دانق سکہ عہد ۹۵۳ ۵ء، چاندی کا درہم

عہد صلاح الدین ایوبی (۱۱۶۹-۹۳ء) کے سکے

ظہیریہ طبعیہ (۹۹۶-۱۰۳۱ھ) چاندی کا آدھا درہم

تک پہنچ جاتی ہے کہ سب سے پہلے اسلامی درہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہجری میں بصرہ میں ڈھالے گئے تھے ایک درہم کا وزن [illegible] تھے یہ سکے [illegible] کے مقرر کردہ وزن کے عین مطابق تھے۔(۴۳)

[illegible] کا اجراء ہوا تھا کیونکہ جن زبوران کے زیر اثر آیا تھا لیکن ۶۹۲ء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شکست کے بعد [illegible]

[illegible] عبدالملک بن مروان نے اپنے دینار اور درہم ۷۵ ہجری میں جاری کروائے اور وہ [illegible] کندہ کروائی۔"(۴۴) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۲۰ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ [illegible] کے بعد صلح کے [illegible] جلیل القدر شخصیتوں نے احتجاج کیا تھا کہ [illegible] آیت کندہ تھی اس بات کی تائید [illegible] بھی ان کو گنیں گے تو اس نے وہ [illegible] کے دور میں ان سکوں کے اجراء کی روایت [illegible] کتابت عربی میں شروع کروائی اور تمام سکوں پر عربی تحریر کندہ کروائی یہ سکے کانسی کے فلس سے [illegible] کندہ تھا "محمد رسول اللہ" کندہ کی گئی تھی (۴۵)

ان سکوں کو بنانے کے لیے [illegible] سونا اور چاندی قبل از اسلام کے مثقالوں سے لیا جو [illegible] دینار ۴۳ء۴ گرام سونے کے وزن کا ہوتا تھا جب کہ درہم ۳ گرام چاندی کے برابر ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ کے دور [illegible] یہ [illegible] مسلمانوں کی شرح قصاص سے آدھی ہوا کرتی تھی (۴۷) لیکن افراط زر کی وجہ سے لگتا ہے کہ اس شرح میں کافی تبدیلی آئی [illegible] صدیق [illegible] کے بعد قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان کردہ روایت کے باقی ماندہ حصے سے [illegible] فاروق [illegible] پر [illegible] ہو کر تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا "یہ بات ذہن میں رہے کہ اونٹ [illegible] نے اہل ثروت لوگوں کے لیے جن کے پاس سونا تھا قصاص کی شرح بڑھا کر ایک ہزار دینار کر دی اور جن کے پاس چاندی ہوتی تھی ان کی [illegible] بڑھا کر بارہ ہزار کر دی ..."(۴۸) انہیں کے دور خلافت میں بعد میں دوبارہ درہم سے دینار میں تبدیلی کی شرح تبدیل کی گئی [illegible] دینار مساوی دس درہم کے برابر قرار پائے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کا قائم کردہ معیار بنی امیہ کے دور میں دینار و درہم کے وزن کا معیار بنا جس کے مطابق ایک دینار تقریباً ۴۳ء۴ گرام اور ایک درہم ۳ گرام کے برابر ہوتا تھا۔

یہ پہلے اسلامی سکے تھے جن پر قبل از اسلام کے کسی بادشاہ کی کوئی تصویر نہیں ہوا کرتی تھی اور ان قدیم سکوں کو [illegible]

عبد سلیمان بن عبد الملک میں جاری ہونے والے فلس (تانبے کا سکہ)

ترک دور میں سونے کی اشرفی

ترک دور کے چند سکوں کی تصاویر

نامہ وقت بدلتا رہا اور یہ [illegible] گئے سلیمان بن عبدالملک نے تانبے اور کانسی کے فلس بھی چلائے جو ان دیناروں سے [illegible] کے بعد بھی رائج رہے

[illegible] قبضہ قائم کیا تو [illegible] سے پہلے اپنے نام کے سکے رائج کئے اس وقت تک مسلم سلطنتوں (ساسانی، رومی اور مصری) میں ٹکسالوں نے کام شروع کر دیا تھا عربوں نے تانبے کے فلس، چاندی کے درہم اور سونے کے دیناروں پر مشتمل تھے اس وقت تک یہ قابل رشک [illegible] عربی سکے خطاطی تحریر اور شکل میں زیبا اور مزین ہوتے تھے

بعد میں آنے والی حکومتوں کے دور میں مختلف بادشاہوں نے اپنے اپنے رائج کئے ترکوں کے سونے کے سکوں کو [illegible] کہا جاتا تھا اس کے علاوہ انہوں نے چاندی کے چھوٹے سکے (Sirver Akche) بھی رائج کئے تھے ترکی سکے جو عام عرب کے ملکوں میں چلتے تھے ۹۲۰ کے بعد تک چلتے رہے ان میں سونے اور چاندی کے پیاسٹر بیس پیاسٹر کے سکے جن کو مجیدیہ کہا جاتا تھا اور ترکی یہ بہت دیر تک چلتے رہے (۴۹) ترکی سکوں کے علاوہ (خاص طور پر اٹھارھویں صدی کے بعد سے) انڈین روپے بہت مقبول تھے اور اس کے علاوہ آسٹریا کے تھیلر جو عرف عام میں فرنچی ریال کہلاتے تھے اور مصری دس پیاسٹر کے سکے بھی چلتے تھے.

مدینہ طیبہ میں انڈیا کے سکوں کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہوئے کرنل ہوگرتھ جو عرب بیورو کا نمائندہ تھا رقمطراز ہے "(پہلی) جنگ عظیم کے بعد انڈین روپیہ چالو اور رائج کئے گئے اور اسی طرح مصری دس پیاسٹر کے سکے عام چلتے ہیں. ان میں روپے اور آسٹریا تھیلر معروف ہیں کیونکہ یہ لگتا ہے جیسے کہ حجاز کے سرکاری سکے ہوں." (۵۰) جب شریف نے عثمانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تو اس نے اپنے سکوں کا اجرا کیا لہذا جب سعودیوں نے حجاز پر قبضہ جمایا تو اس وقت دونوں مقدس شہروں میں طرح طرح کے سکے چلتے تھے چھپی ہوئی کاغذی کرنسی پہلی بار شاہ عبدالعزیز کے دور میں رائج ہوئی. پہلا دس ریال کا نوٹ ۱۳۷۲ ہجری (۱۹۵۲) میں رائج کیا گیا اور اس کا بنیادی مقصد حجاج کی سہولت تھا.

عثمانی دور میں مدینہ طیبہ میں تجارتی سرگرمیاں

عثمانی دور میں مدینہ طیبہ میں تجارتی اور معاشی حالات تقریباً تقریباً پرانی ڈگر پر ہی چلتے رہے اس لیے کہ انہوں نے Status Quo کو بحال رکھا اور سیاسی باگ ڈور بھی انہوں نے اشراف یعنی اولاد سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے ہاتھوں میں دے رکھی تھی جو کم و بیش سیاسی طور پر آزاد تھے. مدینوں پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا گیا تھا، اس کے برعکس ترک ان کو سبسڈی اور گرانٹ مہیا کرتے تھے تاکہ ان کی معاشی حالت بہتر

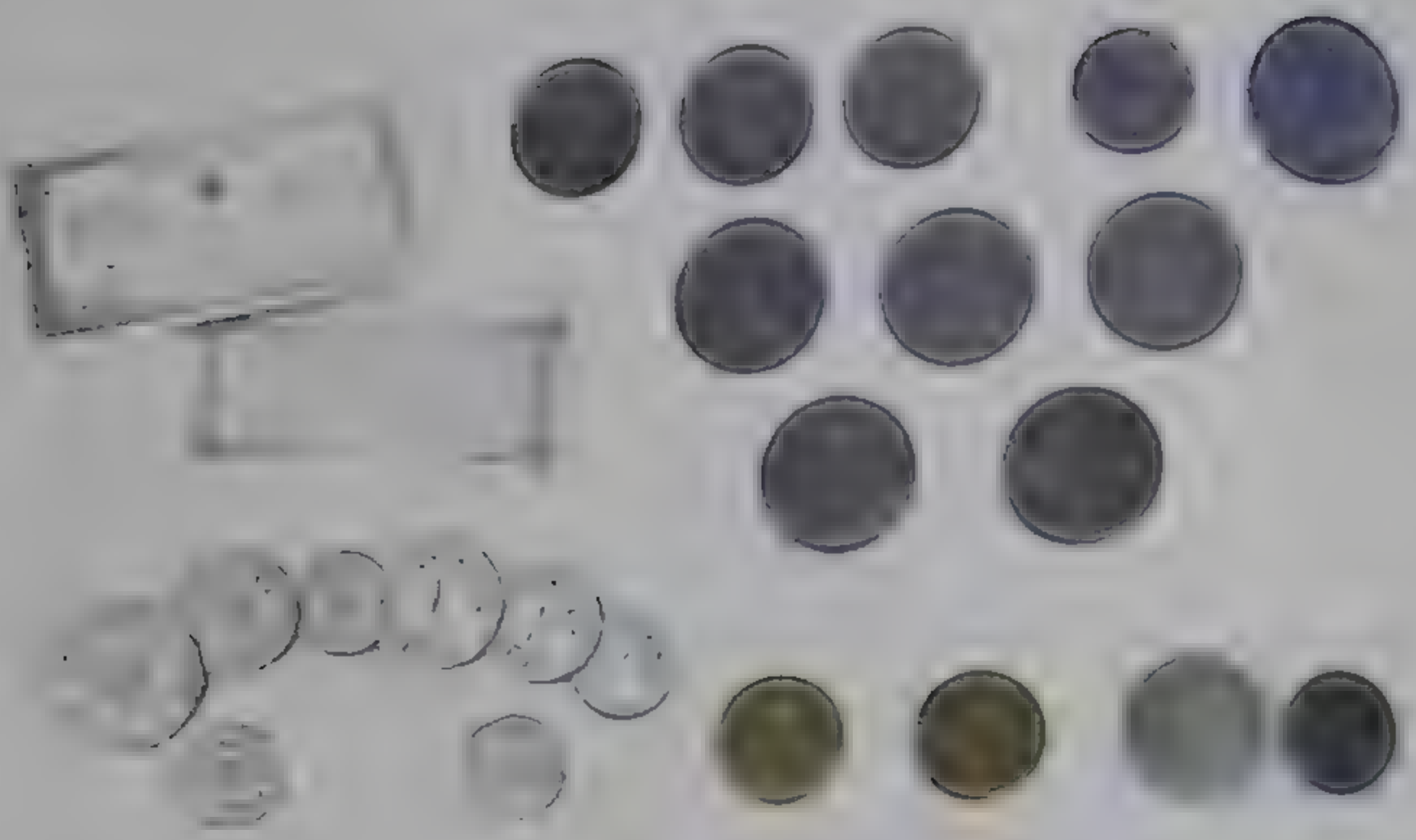

سونے کے نقد گرانٹ سے پہلے ترک سلطان یلدرم بایزید نے ۸۰۱ ہجری میں رائج کی اور اس کے بعد آنے والے سلاطین نے اس سہولت کو خوب خوب نبھایا سلطان مراد ثانی سالانہ ۳،۵۰۰ سونے کی اشرفیاں علیحدہ علیحدہ چاروں مقدس شہروں کے لیے روانہ کرتے: مکۃ المکرمہ مدینۃ النبی ۔ القدس الشریف اور الخلیل الشریف (جس کو آج کل حبرون کہا جاتا ہے اور جہاں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مزار ہے)۔ اس گرانٹ کو صرہ (Surra) کہا جاتا تھا جس کی مقدار میں ہر آنے والا سلطان کمی نہیں بلکہ بتدریج اضافہ کرتا رہتا تھا صرہ کی گرانٹ کی مقدار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۵۵۵ ہجری میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے ہر ایک شہر کو اب الف ۱۰۱ تیلے بھر کر سونے کی اشرفیوں سے ارسال کئے گئے جب ترکوں نے استنبول (نترہ) پر اپنا تسلط قائم کیا تو انہوں نے دینی وقف بنائے جو بعض حالات میں پورے کے پورے شہروں کی آمدنی پر مشتمل ہوا کرتے تھے (مثلاً قاہرہ بیت المقدس وغیرہ) جن کی تمام تر آمدنی حرمین الشریفین پر تصدق کر دی جاتی تھی سلطان سلیمان نے مدینہ طیبہ کے لیے صرہ کی رقم بڑھا کر چودہ ہزار سونے کی اشرفیاں (Co den Duka) کر دی اور تب سے رقم مکۃ المکرمہ کے لیے مختص کر دی جب شام اور مصر عثمانی حکومت کے باجگزار ہوئے تو انہوں نے وہاں صدیوں سے موجود تمام وقف کی آمدنی اور جزیہ کی رقم حرمین الشریفین کے لیے مختص کر دی تھی البتہ حرمین الشریفین میں مرمت یا توسیع کا کام عثمانی حکومت کے علیحدہ بجٹ سے کیا جاتا تھا نہ کہ صرہ اور وقف کی رقوم سے صرہ کے ساتھ ساتھ نقد اور غلہ وغیرہ کی بڑی مقدار بھی حرمین الشریفین روانہ کی جاتی تھی سالانہ صرہ ایک سرکاری قافلے کی صورت میں حرمین الشریفین روانہ ہوتا تھا جس کا سربراہ امین الصرہ کہلاتا تھا اور جب یہ قافلہ بمعہ صرہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتا تو ہر گھر کو اس کی نفری کے مطابق اس گرانٹ سے صرہ تقسیم کر دیا جاتا تھا (۵۱)

ترکوں کی اس ڈھیلی ڈھالی آزاد معاشی حکمت عملی (Lassie fa re) سے مدینہ طیبہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے چند منفی رجحانات بھی مرتب ہوئے صرہ گرانٹ پر انحصار نے لوگوں کو کام کی عادت سے بیگانہ کر دیا اور وہ فارغ البالی سے زندگی گزارتے اور سال بھر صرہ سے اپنے اپنے حصے کا انتظار کرتے رہتے تھے صدیوں پر محیط اس طرز عمل نے شہر نبی میں صنعتی ترقی کے پنپنے میں رکاوٹیں ڈالیں اور سوائے ان پیشوں اور صنعتوں کے جو اہل مدینہ کی زندگی کے لیے از حد ضروری تھیں کوئی خاص بڑی صنعت

مدینہ طیبہ کی معاشی خوشحالی

ریلوے لائن کی آمد نے مدنی تجارتی اور معاشی زندگی میں ایک انقلاب سا پیدا کر دیا ریلوے لائن کا

ذرائع آمدورفت کی وجہ سے سفر، مال برداری اور نقل وحمل میں سہولیات میں بہتری پیدا

ایک تاریخ تیار کرایا شامی تجارت کے علاوہ فلسطین، شام، اردن اور استنبول تک تمام علاقے

ان علاقوں میں تجارت بام عروج پر پہنچ گئی ساتھ ہی ساتھ نہر سویز کے کھلنے سے یہ

مال سے لدے تجارتی بحری جہاز آنے جانے لگے۔ مدینہ طیبہ کی قریب ترین بندرگاہ ینبع ہے جو صرف ۱۲۰ کیلومیٹر

مدینہ طیبہ کی تجارت کو ایک نئی سمت دے دی جس سے اس شہر مقدس کے مکین عصر حاضر کی ترقی سے ہمکنار

آمدورفت میں غیر معمولی ترقی سے فراوانی ہو گیا اور حاجیوں اور زائرین کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور یوں صرف ۱۰۰ بائیوں میں

کے موسم میں جو رمضان سے پہلے شروع ہو جاتا اور محرم کے وسط تک چلتا رہتا تھا مدینہ طیبہ کی گلیاں دنیا کے کونے کونے سے آنے والے حجاج

نئے نئے بازار اور نئی نئی منڈیاں

ماضی میں مدینہ طیبہ کے [illegible] یہ تھیں کہ [illegible] جاتی تھیں [illegible] بہت [illegible] مکانوں کی بھرمار رہی ہے جو حجاج اور زائرین کی مرغوب زیارت گاہیں رہی ہیں [illegible] کے ساتھ [illegible] مجیدی کے ساتھ [illegible] دراز علاقوں تک پھیل گئے جن میں سوق نبی [illegible] ہوا [illegible] بازار) جو [illegible] سے [illegible] سوق العطارین (خوشبویات اور [illegible] سے [illegible] بازار) سوق [illegible] (فروٹ مارکیٹ) سوق [illegible] (کبوتروں اور خرگوشوں کا بازار)، سوق الغنم (مال مویشیوں کی منڈی) سوق [illegible] (باربردار گدھوں کا بازار)، سوق القماشہ (کپڑوں کا بازار)، سوق الحطب (ایندھن کی لکڑیوں کا بازار)، سوق [illegible] (مویشیوں سے [illegible] کا بازار) اہم بازاروں میں گنے جاتے تھے۔ ان بازاروں میں جو مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں ہوا کرتے تھے زمانہ قدیم سے مختلف اشیاء فروخت ہوا کرتی تھیں جن میں تسبیحوں اور سجادوں سے لے کر دنیا کی ہر اس چیز کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع سے ہی سناروں اور زرگروں اور گھڑیوں کی دکانوں کی بھرمار رہی ہے جو حجاج اور زائرین کی مرغوب زیارت گاہیں رہی ہیں۔ [illegible] کے سلے سلائے ریڈیمیڈ کپڑوں کے علاوہ ان سے کپڑوں کی ہر قسم کی ورائٹی انہیں بازاروں سے مل جایا کرتی تھی۔

حجاج اور زائرین کرام (جن کو اللہ کے مہمان۔ ضیوف الرحمن کہا جاتا ہے) کی موج در موج مدینہ طیبہ حاضری در اصل مدینہ طیبہ کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی رہی ہے اور روز اول سے ہی ان کی تعداد (خواہ کم ہو یا زیادہ) شہر نبی کی اقتصادی حالت سے براہ راست منسلک رہی ہے۔ مدنی لوگ موسم حج کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے ہیں بہت سے لوگ خدمت حجاج بجا لاتے ہیں جو کئی قسم کی ہیں زیارتیں کرانے والوں سے لے کر کرائے کے گھروں کا بندوبست کرنے والوں تک۔ سبھی خدمت ضیوف الرحمن کے زمرے میں آتی ہیں

مدینہ طیبہ کی قدیم ترین سوغات یہاں کی کھجور ہے ۱۹۰۲ء میں کرنل ہوگارتھ لکھتا ہے "مدینہ طیبہ کی مشہور پیداوار گیہوں کی طرح یہاں کی کھجور ہے۔ یہاں بہت سی اقسام کی کھجور پائی جاتی ہے مگر بہترین شیخی کھجور ہے جو چھوٹے کی تعریف اور عمدہ قسم میں بندی

جاتی ہے اور دساور میں تمام مسلمان ملکوں کو برآمد کی جاتی ہے (۱۵۳) ملکوں سے زیادہ ملکوں کو برآمد کی جاتی ہے۔ [illegible] برآمد کے معانی بدل رہے ہیں اب حاجی کرام وہاں سے صرف مجوریں، تسبیحیں اور مصلے ہی نہیں خریدتے بلکہ ضروریات، تحفے تحائف کا سامان، کپڑے اور ہر وہ چیز جس کا ماڈرن انسان تصور کرسکتا ہے شہر مقدس سے خریدکر لے جاتے ہیں۔

[illegible] ۱۹۳۵ء میں ہی سعودی عرب میں تیل کی پیداوار میں اضافے کی وجہ سے معاشی فوائد حاصل کرنے میں تو کامیاب ہوگیا تھا لیکن اس سے قبل عرب کی معیشت اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اور پھر اس کے بعد تیل کی دولت کی بدولت سعودی معاشی ترقی اپنے بام عروج پر پہنچ گئی یہ اقتصادی عروج کسی بھی ملک میں کہیں مثال نہیں ملتی حکمران طبقے کی ملک کو جدید بنیادوں پر ترقی دینے کی زبردست خواہش [illegible] جس کی وجہ سے یہاں بے تحاشا منصوبوں پر کام شروع ہوگیا جن کی قیمت کا اندازہ کئی ہزار بلین ڈالر تک پہنچتا ہے۔ لگاتار ایک کے بعد دوسرے منصوبے پر عملدرآمد شروع کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے قدیم شہر نبی ایک جدید میٹروپولٹن شہر بن گیا صرف اسی (۸۰) کی دہائی میں شہر کا رقبہ کئی گنا بڑھ چکا تھا چھوٹے چھوٹے مضافات جدید سہولتوں سے آراستہ آبادیوں میں تبدیل ہوگئے جہاں ہر طرف کثیر المنزلی کوٹھیاں اور پلازے نظر آتے ہیں۔ نہایت قدیم پرانے ایک منزلہ مکانات کی جگہ جہاں اللہ کے مہمانوں (ضیوف الرحمٰن) کو ٹھونس دیا جاتا تھا اب بہترین اپارٹمنٹس سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں پرنٹیوں اور ریلوے سیٹھ دونوں نے شہر نبی کو خوبصورت بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے [illegible] تجارت و صنعت و حرفت پر بہت اچھا اثر پڑا ہے بڑے بڑے صنعتی علاقے بنائے گئے ہیں جہاں چھوٹی سے لے کر بڑی صنعتیں دن رات کام کر رہی ہیں ان میں بہت بڑی صنعتیں ایک سو میل دور ینبع کی بندرگاہ کے قریب ہیں مگر مدینہ طیبہ میں بھی صنعتوں کی کمی نہیں جس کی وجہ سے شہر نبی ثمانیہ کوہ جبل احد کے اس پار سے لے کر قبا سے بھی آگے تک پھیل گیا ہے اور شرقاً غرباً یہ بلدہ طاہرہ ذوالحلیفہ سے لے کر ابار پورٹ تک چلا گیا ہے۔

وزارت حج و اوقاف کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق پچھلے چند سالوں میں بیرون مملکت سے آنے والے حجاج، معتمرین اور زائرین کرام کی تعداد کچھ اس طرح رہی ہے:

۱۴۱۴ ہجری	۱،۱۱۷،۹۸۲	حجاج کرام
۱۴۱۵ ہجری	۱،۰۷۷،۵۴۶	حجاج کرام
۱۴۱۶ ہجری	۱،۲۷۱،۹۱۵	حجاج کرام
۱۴۱۷ ہجری	۱،۲۷۰،۸۶۷	حجاج کرام
۱۴۱۸ ہجری	۱،۳۲۸،۶۳۵	حجاج کرام
۱۴۱۹ ہجری	۱،۵۷۶،۶۵۷	حجاج کرام
۱۴۲۰ ہجری	۱،۶۶۰،۳۶۵	حجاج کرام

۱۴۲۱ ہجری	۱،۷۶۳،۳۴۸	حجاج کرام
۱۴۲۲ ہجری	۱،۶۸۷،۸۳۴	حجاج کرام
۱۴۲۳ ہجری	یہ تعداد ۱۰ ملین زائرین کرام سے قریب پہنچنے کی تھی۔	

یہ روز افزوں تعداد ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ اعداد و شمار تو صرف ان زائرین کرام سے متعلق ہیں جو کہ بیرون ملک سے آکر مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں جبکہ اتنی ہی تعداد میں زائرین کرام سعودی عرب کے مقیمین سے عازم مدینہ طیبہ ہوتے ہیں۔ ہر ہفتہ سعودی عرب کے کونے کونے سے قافلے مدینہ طیبہ روانہ ہوتے ہیں اور حرم مدنی میں نماز جمعہ ادا کر کے اپنے اپنے شہروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔

حجاج اور زائرین کرام کے اس جم غفیر کو رہائش کی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے کتنی ہی عمارتیں ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس وقت یہاں کی سب سے بڑی صنعت ہوٹل انڈسٹری ہے اور حرم نبوی کی بدولت یہاں [illegible] دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ہوٹل ہو جس کی نمائندگی مدینہ طیبہ میں نہ ہو سکی ہو۔ انٹر کونٹی نینٹل سے لے کر شیرٹن تک اور [illegible] تک تمام تین اور پانچ ستارہ ہوٹلوں کی ایک نہیں بلکہ کئی کئی برانچیں کھل گئی ہیں اس پر مستزاد اہل مدینہ کی [illegible] میں بڑی دلچسپی ہے جنہوں نے بین الاقوامی معیارات بھی بڑھ کر گزری اپارٹمنٹس کی تعداد میں قیمتی [illegible] کی تعداد کا تو اندازہ ہی لگانا مشکل ہے

سب سے بڑھ کر یہ کہ مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں [illegible] نے تو اسے دنیا کی سب سے [illegible] مسجد بنا دیا ہے۔ جہاں اہل مدینہ کی زندگیاں شہر کے مرکز سے [illegible] ہوئی ہیں وہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ [illegible] مدینہ تجارت کی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں [illegible] قیمتی [illegible] ہے ہیں جہاں صرف اہل مدینہ کی روزمرہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام [illegible] پوری ہو جاتی ہیں بڑے بڑے پلازے، مثلاً پانڈا اور سیف وے وغیرہ مسجد نبوی شریف سے کافی [illegible] ہیں [illegible] ابراج مرکز، ابراج سینٹر، طیبہ سینٹر اور اسواق الحرم وغیرہ مسجد نبوی شریف کے زیر سایہ اپنی تمام تر رعنائیوں سے خوف انسان کا [illegible] ہیں جہاں خاص طور پر موسم حج میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور اربوں ریال کا کاروبار ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی [illegible] پر [illegible] کی [illegible] ہے۔ ان ریالوں میں کھیلتا ہے۔ وہ بڑے ہوٹل کے نیچے تہہ خانے میں بازار سجے ہیں مگر سب سے بڑی پلازہ [illegible] ہیں طیبہ سینٹر کے نیچے دو منزلہ تہہ خانوں میں ہیں جہاں دنیا جہاں کی ہر چیز (کھلونوں اور کپڑوں سے لے کر ایٹمی انرجی کا سامان تک) [illegible] ہے۔ یہ دونوں تہہ خانوں تک رسائی کے لئے خریداروں کو آمد و رفت کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔

مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب اور بقیع الغرقد کے شمال میں عنابیہ اور سلیمانیہ کے علاقوں کو مسمار کر کے مدینہ طیبہ کے سب سے بڑے تجارتی مراکز کے منصوبے کی بھی ابتداء کر دی گئی ہے۔ یہ تجارتی علاقہ جس کا نام سوق بنی نجار تجویز کیا گیا ہے بہت وسیع و عریض علاقے پر محیط ہوگا جو کہ ۴۵،۴۰۰ مربع میٹر سے بھی متجاوز ہوگا۔ اس پانچ منزلہ پلازہ کے جنوبی بلاک میں سبعہ نجوم (سیون سٹار) ہوٹلز اور شمالی بلاک میں فائیو سٹار ہوٹلز ہوں گے اور وسط میں سات برج صرف رہائشی یونٹوں پر مشتمل ہوں گے۔ بنی نجار کا یہ سوق تجارتی ۱،۲۰۰ دکانوں پر مشتمل ہوگا جو گراؤنڈ فلور اور تہہ خانہ میں واقع ہوں گی اس مجوزہ العقول عمارت کی ایک پوری منزل مطاعم اور ریسٹورنٹس پر مشتمل ہوگی اس عظیم الشان منصوبے کا سنگ بنیاد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے ماہ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں رکھا تھا۔ مکمل ہونے پر یہ تجارتی مرکز مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا تجارتی منطقہ بن جائے گا جو کہ گنبد خضراء کے رحاب رحمت میں واقع ہوگا۔

حواشی

(۱) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۶۳. حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا تھا [illegible] خدمت قدس میں حاضر رہا کرتا تھا

(۲) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۷۸. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے ایک مرتبہ [illegible] کا ایک قافلہ آرہا تھا [illegible] تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [illegible] لیکن جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل [illegible] کہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (الجمعہ ۱۱)

(۳) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر۱۱

(۴) ابن شبہ، تاریخ المدینۃ المنورہ، ج:۱، ص۳۰۶

(۵) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۶۴

(۶) ابن شبہ، قمطراز ہے کہ حضرت ابی بلتعہؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی کاروباری شراکت تھی [illegible] مدینہ میں بسے ہوئے تھے۔) نام سمہودیؒ (نورالدین علی بن احمد السمہودی۔ ت ۹۱۱ھ) [illegible] محمد محی الدین العبدالحمید)، جزء دوم، ص۷۵۷.

(۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۴۷۳

(۸) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۱۶۴

(۹) ابراہیم العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، مدینۃ المنورہ، ص:۲۲

(۱۰) خالد بن محمد بن ابراہیم احمد لنعمان (Gist of the Research about the Markets of Medina al-Munawwara)
یکے از منشورات نادی الادبی المدینۃ المنورہ جو ''دراسات حول لمدینۃ لمنورہ (کتاب نمبر۹۸)'' کے طور پر ۱۴۱۹ھ میں طبع ہوئی صفحات ۱۳۱-۱۵۱

(۱۱) ابن شبہ، ج:۱، ص:۳۰۴

(۱۲) سمہودیؒ، صفحات:۷۴۷-۷۵۲

(۱۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۴۴۷

(۱۴) ایضاً نمبر۴۴۶

(۱۵) سمہودیؒ رقمطراز ہیں کہ اس جگہ پر بازار قائم کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بقیع الزبیر میں بازار کا ارادہ فرمایا تھا، مگر یہودی کعب بن الاشرف کی دخل اندازی سے آں حضرت ﷺ نے وہ ارادہ ترک فرمادیا اور پھر اس جگہ مارکیٹ بنائی جہاں آج تک سوق المدینہ مشہور چلا آیا ہے۔ وفاء الوفاء، ص:۷۴۸.
محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی (المشہور بابن زبالہ) نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مارکیٹ کو صدقہ ہونے کا اعلان فرمایا تھا جس تک ہر مسلم کی دسترس حاصل تھی. ایضاً، ص۷۴۸.

(۱۶) القرآن الکریم (البقرہ:۲۷۶)۔ اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آیا کوئی ناشکرا بڑا گناہگار.

(۱۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۹۷

(۱۹) ابن شبہ، ج ۱، ص ۳۰۴

(۲۰) سمہودی، ص ۴۹۷

(۲۱) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، صفحات ۱۱۶-۱۱۷

(۲۲) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج ۱، ص ۴۳۱

(۲۳) الانصاری، مصدر مذکور

(۲۴) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۴۲۴

(۲۵) ایضاً، نمبر ۳۰۴

(۲۶) ایضاً، نمبر ۳۰۵

(۲۷) ایضاً، نمبر ۳۰۶

(۲۸) ایضاً، نمبر ۳۰۷

(۲۹) ایضاً، نمبر ۲۷۶

(۳۰) یہ واقعہ ہمارے لیے بڑا واضح فکریہ کا سامان مہیا کرتا ہے [illegible] فیاد استوار ہوئی سب سے پہلی انڈسٹری جو [illegible] یہ میں قائم ہوئی وہ دفاع کی صنعت تھی جس سے مسلمان عہد کرنی [illegible] ری سامان حرب وضرب سے مسلمانوں [illegible] سب عالم میں پھ سکہ منوالیا اس کے برعکس جب ہم عالم اسلام کے موجودہ ممالک کی طرف ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے [illegible] ہر بھی مسلمانوں میں 'دفاعی صنعت' کا وجود نہیں جس کے نتیجے میں تمام عالم اسلام کو کفار کی طرف کشکول پھیلانا پڑتا ہے اور پھر ان کی مقرر کی ہوئی قیمتوں [illegible] تحت ان سے دفاعی سامان خریدنا پڑتا ہے۔ کہاں وہ فخر اسلام کی خود کفالت اور کہاں آج کے عالم اسلام کی دریوزہ گری؟ اللہ کریم ہی [illegible] ترقی دے۔

(۳۱) قرآن کریم (الانفال ۶۰)

(۳۲) صحیح بخاری، ج:۵، باب:۵۷، نمبر ۵۰

(۳۳) ایضاً، ج:۳، نمبر ۳۳۸

(۳۴) ایضاً، نمبر ۱۱۳

(۳۵) ایضاً، نمبر ۳۴۰

(۳۶) ایضاً، نمبر ۳۹۵ اور باب ۸۶

(۳۷) ایضاً، نمبر ۵۰۴ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا، [یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ حضور ﷺ نے بھی بکریاں چرائی تھیں؟ اتو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں بھی مکہ میں قریش کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔ صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۴۶۳

(۳۸) ایضاً، باب ۹۷

(۳۹) سنن ابوداؤد، ۲۳-۳۴۴۲

(۴۰) ڈاکٹر محمد سید الوکیل، المدینۃ المنورہ۔ عاصمۃ الاسلام الاولی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹، مدینۃ المنورہ، ص ۱۸۲

(۴۱) مختارات من قافلۃ الزیت، مجلہ ارامکو سعودی عرب، ص ۵۷

(۴۲) ڈاکٹر محمد سید الوکیل، مصدر مذکور، ص ۱۸۳

(۴۳) The Cambridge Illusrated History of the Is amic World

d ted by Francis Robinson, Cambridge University Press, 1996

(۴۴) ابن سعد، ج ۵، ص ۲۲۹

(۴۵) حافظ ابن حجر، ص ۹۷ (حاشیہ)

(۴۶) [illegible] ص ۲۲۵

(۴۷) [illegible]

(۴۸) ایضاً

(۴۹) Col David George Hogarth , Hijaz Before World War I,

2nd Edition, 1927 - An Official Handbook of Arab Bureau, Cairo, p 81

(۵۰) ایضاً

(۵۱) یہ [illegible] (متوفی ۱۰۲۰ ہجری) نے سیرت نامے کی تین [illegible] سے [illegible]

چھپے ہے

(۵۲) ایضاً، ص ۳۰

(۵۳) Col. David George Hogarth، مصدر مذکور، ص:۸۱.

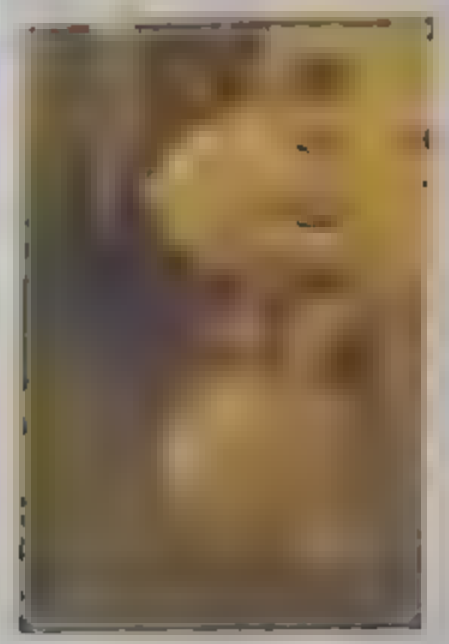

خاک یثرب زدو ہ مخوش تر است فرخ شہرے کہ آں جا دلبر است

شروع میں مسجد نبوی شریف کے گرد بہت سی جگہ خالی ہوا کرتی تھی اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی اور سید الانبیاء والاتقیاء
علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے جوار رحمت میں جگہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے (۲) ابتداء میں مسجد نبوی
شریف سے بقیع الغرقد تک زیادہ تر زمین خالی تھی سیدہ عائشہ بنت قدامہؓ سے مروی ہے: [جو کوئی بھی البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی
قبر کے پاس جاتا وہ قبلہ رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ صاف نظر آجایا کرتے تھے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی. (۳)
اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت ان دونوں جگہوں کے درمیان اتنے مکانات نہ تھے. بعد میں سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور
دیگر اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھر اسی طرف بنائے اسی طرح حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ بھی اس بات
پر روشنی ڈالتی ہے کہ شرق کی طرف جنوب کی طرف بھی زمین خالی ہوا کرتی تھی وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بدو باب الرحمہ کی جانب سے
مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اس نے حضور اقدس ﷺ سے بارش کی درخواست کی اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی
اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا دیگر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس طرف
بھی بہت سا قطعہ زمین (۴) لے کر بعد میں اپنے گھروں میں تبدیل کر دیا گیا تھا.

جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت رب العزت کی نظر میں اتنی تھی کہ قرآن کریم ان کا
صحابہ کرام کو بدرجہ اتم ملحوظ خاطر رکھیں اور اپنی آواز
امام جعفر الصادقؒ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے
اور اس وقت اس کا رقبہ ۱۰۰ مربع ذرع (ہاتھوں) تھا اور
چونکہ یہ حجرات خیبر سے لوٹے تھے، اس وقت آں حضرت ﷺ نے مسجد میں
اور شمالی اطراف میں تھے، مگر مغرب کی جانب آپ حضور ﷺ نے کوئی بھی حجرہ نہیں بنایا تمام حجرات کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے.]

(۶) امہات المومنین کے حجرات مبارکہ کافی چھوٹے ہوا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ حضور ﷺ اپنے مہمانان گرامی اور زائرین کرام
کو اپنے ہی حجرات میں سے کسی ایک میں ٹھہرایا کرتے تھے جہاں آپ حضور ﷺ اس وقت قیام پذیر ہوا کرتے تھے. (۷) تمام مہمانان گرامی
کی خاطر و مدارات مسجد نبوی شریف میں اس جگہ پر ہوتی جہاں آج کل استوانۃ الوفود (وفود کا ستون) ہے.

حجرات مبارکہ کی تعمیر:

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ماہ شوال ۲ ہجری میں ہوئی. بہت سے سیرۃ نگاروں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی رخصتی
پہلے سال ہجری میں ہی ماہ شوال کو ہوگئی تھی جو کہ حقائق کے برعکس ہے. حقیقت تو یہ ہے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ اپنے دیگر افراد خانہ کے ساتھ
پہلے سال ہجری ماہ شوال کے وسط یا اخیر میں مکۃ المکرمہ سے مدینہ طیبہ منتقل ہوئی تھیں. (۸) آپ کے اپنے بیان کے مطابق، جو صحیح بخاری
میں ہے، آپ مدینہ طیبہ آکر بیمار پڑ گئی تھیں جس سے آپ کے سر کے تمام بال جھڑ گئے تھے اور یہ کہ جب آپ کی رخصتی ہوئی تو اس وقت آپ
کے سر پر بال دوبارہ آگئے تھے اور کانوں کی لو تک پہنچ رہے تھے. اسی طرح سنن ابی داؤد میں دی گئی ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ ام المومنین
سیدتنا عائشہؓ سے مروی ہے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے: [جب ہم مدینہ آگئے تو ایک دن چند عورتیں میرے پاس آئیں جب کہ میں جھولا

جھول رہی تھی اور اس وقت میرے بال کانوں تک آ چکے تھے وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئیں اور مجھے بنایا سنوارا... الخ] (۹) دور حاضر کی لمبی تحقیقات کے مطابق اکثر ایسا ہو سکتا ہے کہ شدید بخار (High Fever) یا کسی اور متعدی مرض کی صورت میں سر کے بال مکمل طور پر جھڑ سکتے ہیں لیکن ان کو دوبارہ اگنا شروع ہونے کے لیے کم از کم تین سے چار ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے. اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک اٹل طبی حقیقت ہے کہ انسانی سر کے بال ایک ماہ میں تین سے چار سنٹی میٹر سے زیادہ نہیں بڑھ پاتے. لہذا یہ کس طرح مان لیا جائے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کے بال ایک ہفتے میں گرے بھی اور پھر بڑھ کر اسی اثناء میں کانوں کی لو تک پہنچ گئے. اتنے بالوں کو گر کر دوبارہ بڑھنے کے لیے ایک یا دو ہفتہ نہیں بلکہ کم از کم ایک سال درکار ہے. اس لیے حقیقت یہی ہے کہ ان کی رخصتی دوسرے سال ہجری میں ہوئی تھی.

صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق سیدتنا عائشہؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ سے میری منگنی اس وقت ہوئی جب میں چھ سال کی تھی. پھر ہم مدینہ طیبہ چلے آئے اور بنی حارث بن خزرج کے ہاں مقیم ہو گئے. پھر میں بیمار پڑ گئی اور میرے بال جھڑ گئے. پھر جب میرے بال دوبارہ آ گئے تو میری والدہ ام رومانؓ میرے پاس آئیں جب کہ میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی انہوں نے مجھے [illegible] میں چلی آئی مگر مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنے والی تھیں انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر کے دروازے پر لا کھڑا کیا [illegible] سانس پھول رہا تھا. جب میرا سانس ذرا ٹھیک ہوا تو انہوں نے کچھ پانی لیا اور میرا منہ اور سر دھویا پھر وہ مجھے گھر لے گئیں جہاں کچھ انصاری عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں. انہوں نے مجھ سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور یہ دعا کی کہ اللہ برکت کرے اور تمہارا نصیب اچھا ہو!] (۱۰) صحیح مسلم کے مطابق حضرت عائشہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ نکاح ماہ شوال میں کیا اور میں رخصتی بن کر آپ حضور ﷺ کے گھر بھی ماہ شوال میں ہی آئی.] (۱۱) ایک اور روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب دونوں خاندان (یعنی آقائے نامدار ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) مسجد نبوی اور اپنے لیے گھر بنوا رہے تھے، تو سیدہ عائشہؓ کی روایت کے مطابق [میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاں ٹھہری اور ام المومنین سیدتنا سودہؓ اپنے گھر میں ٹھہریں. اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زوجہ کے لیے گھر نہیں تعمیر کریں گے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایسا کرنا تو چاہتے ہیں مگر پیسوں کی کمی حائل ہے. ابوبکر صدیقؓ نے آپ حضور ﷺ کو ۲ اوقیہ سونا (۲۰۰ درہم) دیئے.] (۱۲) یہ حدیث مبارکہ اس معاملے میں موجود بہت سی گرہوں اور معموں کی عقدہ کشائی کرتی ہے اور اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ پہلے سال ہجری کے ماہ شوال کے کافی بعد کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کے لیے مکان بنانے کو سونا اور پیسے دیئے آخر میں ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ناقابل تردید روایت نقل کر کے اس ساری بحث و پیٹیشن پر پیش کریں گے [رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہؓ سے غزوہ بدر سے واپسی کے بعد گھر بسایا تھا.] (۱۳)

بہت سے ثبوت مبارکہ اس زمین پر تعمیر کیے گئے جو حضرت حارثہ بن نعمان الانصاری الخزرجیؓ کی ملکیت تھی جنہوں نے اس زمین کو اپنے آقا و مولا کے لیے ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا تھا ابن الجوزی الوفاء باحوال المصطفیٰ میں حضرت محمد بن عمرؒ کی روایت سے لکھتے ہیں: [وہاں

ریاض الجنہ میں کھلنے والے دروازے "باب الوفود" کا ایک منظر

حضرت حارثہ بن نعمانؓ نے عرض کیا کرتے تھے جو مسجد کے قریب اور روبرو تھے جب بھی رسول اللہ ﷺ کوئی نیا حکم فرماتے تھے حضرت حارثہ آپ کی خدمت عالیہ میں اپنا ایک گھر پیش کر دیتے یہاں تک کہ ان کے تمام مکانات و گھر پر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے تعلق تھے (۱۴)

حضرت حارثہ بن نعمان رسول اللہ ﷺ سے سب سے قریب ترین ہمسایہ ہوا کرتے تھے جیسا کہ ان کی بیٹی سیدہ مشہر بنت حارثہ بن نعمان کی روایت سے ثابت ہے ان سے مروی ہے کہ میں پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کا چوتھا (یا پانچواں) سال تک ایک ہی تھا میں نے سورۃ ق والقرآن مجید کی پڑھے نہیں بلکہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ آپ خطبہ جمعہ کے روز منبر شریف پر تشریف لا کر اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ اکثر اوقات وعظ فرماتے تھے (۱۵) یہ حدیث مبارکہ بیت بن قاطع کی صحیح اس بات کی تصدیق کر دیتی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف سے متصل ہوا کرتا تھا اور تقریباً ڈیڑھ یا دو سال تک ایسا ہی رہا

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ عقد زواج مندرجہ ذیل میں دیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا حجرہ مبارکہ کس سن میں تعمیر ہوا تھا:

۱)	ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ	ان کا زواج ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا آپ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ تعمیر میں آیا
۲)	ام المومنین سیدۃ عائشہ بنت ابی بکرؓ	آپ کی رخصتی ۲ ہجری میں ہوئی
۳)	ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ	سال زواج ۳ ہجری
۴)	ام المومنین سیدۃ ام سلمہ (ہند بنت المغیرہؓ)	سال زواج ۴ ہجری
۵)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الخزیمہؓ	سال زواج ۴ ہجری
۶)	ام المومنین سیدۃ جویریہ الخزیعیہؓ	سال زواج ۵ ہجری
۷)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الجحشؓ	سال زواج ۵ ہجری
۸)	ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت زیدؓ	سال زواج ۵ ہجری
۹)	ام المومنین سیدۃ ماریہ قبطیہؓ	سال زواج ۶ ہجری (سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے لیے الگ سے حجرہ نہ تھا. وہ مشربہ ام ابراہیمؓ میں رہا کرتی تھیں)
۱۰)	ام المومنین سیدۃ ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ	سال زواج ۷ ہجری
۱۱)	ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی	سال زواج ۷ ہجری

سیدتنا سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ماہ رمضان میں منسلک ہوئیں اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ قریب ہی اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کے ہمراہ ایک علیحدہ گھر میں جوان کی والدہ ماجدہ کو رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کے جنوب میں باقی بنی ہاشم کے افراد کے ساتھ عطا فرمایا تھا، مقیم تھے لیکن چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دن کا زیادہ تر وقت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں گزارتے تھے اس لیے اپنا کچھ وقت اس برآمدے میں گزار لیتے تھے جو ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے واقع تھا. (۱۶) اکثر رات کے وقت شیر خدا اپنے آقا و مولا سید الکونین ﷺ

جو بچھ میرے پاس بچ رہے گا۔" (۱۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: ایک مرتبہ حضور قدس ﷺ کے وقت باشریف لے گئے [illegible] آپ کے پیچھے پیچھے [illegible] تمام رستہ آپ حضور ﷺ نے مجھ سے کچھ [illegible] میں نے پوچھا یہاں تک کہ [illegible] پہنچ گئے اور پھر آپ حضور ﷺ [illegible] ابن سیدۃ فاطمۃ الزہراء [illegible] میں تشریف فرما ہوئے اور آپ حضور ﷺ نے بچے کے متعلق پوچھا (یعنی آپ حضور کے نواسے حضرت حسن بن علی علیہ السلام) لیکن سیدۃ فاطمۃ [illegible] میں بچہ [illegible] میں دیر [illegible] آپ بچے کے پاس [illegible] چکر [illegible] وغسل [illegible] بچے [illegible] اور [illegible] نے [illegible] اپنی چادر [illegible] اور [illegible] دوسرے کونے میں [illegible] یہ خوشی کی [illegible] حضرت [illegible] تک پہنچ گئی تو وہ [illegible] اپنے آقا و مولا کی خدمت قدس میں [illegible] سب پہنچ گئے [illegible] جو کچھ میرے پاس بچ رہے گا۔" (۱۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: ایک مرتبہ حضور قدس ﷺ کے وقت باشریف لے گئے [illegible] آپ کے پیچھے پیچھے [illegible] تمام رستہ آپ حضور ﷺ نے مجھ سے کچھ [illegible] میں نے پوچھا یہاں تک کہ [illegible] پہنچ گئے اور پھر آپ حضور ﷺ [illegible] ابن سیدۃ فاطمۃ الزہراء [illegible] میں تشریف فرما ہوئے اور آپ حضور ﷺ نے بچے کے متعلق پوچھا (یعنی آپ حضور کے نواسے حضرت حسن بن علی علیہ السلام) لیکن سیدۃ فاطمۃ [illegible] میں بچہ [illegible] میں دیر [illegible] آپ بچے کے پاس [illegible] چکر [illegible] وغسل [illegible] بچے [illegible] اور [illegible] نے [illegible] اپنی چادر [illegible] اور [illegible] دوسرے کونے میں [illegible] یہ خوشی کی [illegible] حضرت [illegible] تک پہنچ گئی تو وہ [illegible] اپنے آقا و مولا کی خدمت قدس میں [illegible] سب پہنچ گئے [illegible] جو کچھ میرے پاس بچ رہے گا۔" (۱۹)

حضرت فاطمۃ الزہراؓ ایک اور گھر میں بھی رہائش پذیر رہی تھیں جو کہ سوق بنی قینقاع میں تھا۔ ہم اس حدیث مبارکہ کا متن اور ترجمہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ حضرت حسن حسینؓ اعلام سے بڑے تھے کہ وہ کر اپنے نانا حضورؐ کی خدمت میں آئے تھے یعنی آپ اس وقت تین یا چار سال کے تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں یا چھٹے سال میں یا اس سے بھی بعد کا ہو گا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت ابو رافع ہجرت سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے جو کہ ۶ ہجری کو ہوئی تھی لہٰذا ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی سال کا ہو گا جس سال کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے ایک مکان لے لیا ہو گا جو کہ سوق بنی قینقاع میں تھا۔

[illegible] اس حدیث مبارکہ کا متن جیسا کہ ابوداؤد شریف میں لکھا ہوا ہے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ [illegible] میرے [illegible] کے لیے [illegible] میں [illegible] (۲۱) اس دروازے [illegible] تھا جو [illegible] کی لکڑی کا بنا ہوا تھا ایک [illegible] حدیث مبارکہ [illegible] میں ذکر ہے کہ رسول اللہ [illegible] ایک دروازے سے داخل [illegible] سے [illegible] یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس [illegible] نے عمر بن علی بن عمر بن علی بن [illegible] حدیث کی [illegible] شریفہ کے صدر دروازے کے [illegible] کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا [illegible] حجرہ مبارک کے سامنے کی طرف کھلتا تھا (۲۲) جب حضورؐ [illegible] وقت خواب سے بیدار ہوتے تو اسی [illegible] دروازے سے تشریف لاتے اور سیدۃ فاطمہ زہراؓ کے دروازے کے سامنے [illegible] فرماتے۔ ''الصلاۃ، الصلاۃ، الصلاۃ۔ [illegible] بیت و تم [illegible] سے پاک رکھنا چاہتا ہے اور پوری طرح پاک و طاہر رکھنا چاہتا ہے۔'' (۲۳) ان دونوں احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حجرہ فاطمہؓ کا ایک دروازہ تھا جو کہ مغرب کی طرف مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور دوسرا ذرا چھوٹا تھا اور وہ شمال کی جانب [illegible] سے میں کھلتا تھا جس کو خوخہ علی کرم اللہ وجہہ کہا جاتا تھا اور جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے سامنے تھا۔

امہات المومنین کے تمام حجرات مبارک مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب تھے اور سب کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے (۲۴) حضرت ابوبکر بن حزمؒ (جو کہ ایک مشہور تابعی تھے) جب کہ وہ نماز کے لیے حجرہ شریفہ کے قریب ایک ستون جو کہ باب النبی (باب جبریل) کے پاس کھڑے ہوئے تو انہوں نے اشارے سے بتایا کہ: ''یہ رہا ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا گھر اور رسول اللہ ﷺ یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے اس جگہ سے آگے (اور انہوں نے اشارے سے کہا) اسماء بنت حسن بن عبداللہ بن عبیداللہ ابن العباسؓ کے گھر تک، جہاں تک (اس وقت تک) مسجد کا صحن جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ ہوا کرتے تھے جن کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ کھجور کے پتوں ٹہنیوں سے بنے تھے جن پر گارے سے پلستر (لپائی) کیا ہوتا تھا، اور ہر دروازے پر اونی پردہ ہوا کرتا تھا۔'' (۲۵) حضرت ابی الرجاءؒ سے جب حضرت محمد بن عمرؒ نے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی تمام زوجات مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ کسی بھی نمازی کے جو منہ شریف کی طرف کھڑا ہوتا بائیں طرف پڑتے تھے، اور جب ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ کا انتقال ہوا تو ان کے حجرہ شریفہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے رہائش اختیار فرمائی تھی۔'' (۲۶)

حضرت عمر بن ابی انسؒ سے مروی ہے [ان میں سے چار حجرات مبارکہ تو پتھروں اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے مٹی کے گارے کے ساتھ بنائے گئے تھے جب کہ پانچ ایسے تھے جو کہ صرف کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں اور مٹی کے گارے کے ساتھ بنائے گئے تھے مگر ان میں

پتہ استعمال نہیں ہوئے تھے، دروازوں پر اونی پردے ہوا کرتے تھے جن کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی صرف ایک ہاتھ ہوا کرتی تھی حضرت مالک بن انسؒ نے فرمایا ''ازواج حجرات رسول اللہ ﷺ میں (امہات المومنین کی وفات کے بعد) آزادی سے داخل ہو جایا کرتے تھے اور جب مسجد میں ازدحام ہو جاتا تو جمعہ کی نماز کے لیے لوگ وہیں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔'' (۲۷) حضرت عبداللہ بن یزید الہزلیؓ سے مروی ہے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا تھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے گرائے گئے تھے تمام کے تمام بالکل سادہ سے گھر تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے ملا کر بنائے گئے تھے میں نے حضرت ام سلمہؓ کا گھر دیکھا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنایا ہوا تھا اور پھر میں نے جب ان کے پوتے سے پوچھا (حضرت سلمہؓ فرزند جو کہ ام المومنین کے پہلے خاوند سے تھے) تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ دومۃ الجندل پر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت ام سلمہؓ نے وہ گھر مٹی کی پکی اینٹوں سے بنوایا تھا، جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے تشریف لائے اور آپ حضور ﷺ کی نظریں اس گھر پر پڑیں تو انہوں نے فرمایا یہ قیمتی شے ہے؟ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا میری خواہش تھی کہ لوگ آپ کو ان نگاہوں سے نہ دیکھیں جس سے دیکھتے ہیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہؓ وہ بربادی جس میں مسلمانوں کی دولت غرق ہو گی وہ یہی دیواریں بنانے (یعنی اچھی قیمتی اشیاء) کا شغل ہے (۲۸)

حضرت [illegible] سائبؒ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت حسن البصریؒ (ولادت مدینہ ۲۱ ہجری وفات ۱۱۰ ہجری)(۲۹) سے [illegible] میں سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات میں آزادی [illegible] یا جایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجرات کی چھتوں کو چھوا کرتا تھا (۳۰) اس سے ہمیں ان حجرات مطہرات کی چھتوں کی اونچائی [illegible] اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت حسن البصری مشہور تابعی تھے ان کی والدہ ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں اور وہ ایک بچے کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ سمہودیؒ نے بھی ان کا یہ بیان نقل کیا ہے ''میں رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت میں بلوغت کی دہلیز پر تھا اور میں اپنے ہاتھوں سے ان حجرات مبارکہ کی چھتوں کو چھوا کرتا تھا۔ ہر گھر میں ایک کمرہ ہوا کرتا تھا....'' (۳۱) اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی حضرت عبداللہ بن یزید الہزلیؒ سے بھی مروی ہے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے گرائے گئے تھے تمام کے تمام بالکل سادہ سے گھر تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے ملا کر بنائے گئے تھے۔'' (۳۲) ابتداء میں جب مسجد نبوی پر چھت نہیں ہوتی تھی تو اس وقت اس کے صحن میں دھوپ آ جاتی تو سورج کی کرنیں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جاتیں جیسا کہ ام المومنین سیدتنا عائشہؓ سے مروی حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے۔ (۳۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی سے ذرا اونچے صلے پر تھا یا پھر اس لائن میں سب سے آخر پر ہو گا جیسا کہ امام زین العابدینؒ کی ام المومنین سیدۃ صفیہؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ [ایک مرتبہ حضور والا شان ﷺ کی تمام ازواج مطہرات مسجد نبوی شریف میں آپ حضور ﷺ کے پاس تھیں جب کہ آپ اعتکاف فرما رہے تھے، وہ ایک ایک کر کے چلی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ صفیہؓ سے فرمایا: ''جلدی نہ کرو، میں تمہیں چھوڑنے آتا ہوں۔'' اس وقت وہ حضرت اسامہؓ (بن زیدؓ) کے ہاں سکونت رکھتی تھیں۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات دو انصاریوں سے ہوئی جو آپ حضور ﷺ کے پاس سے گزرے.....الخ (۳۴) یہی حدیث مبارکہ سنن ابوداؤد میں ہے لیکن اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ اس وقت سیدۃ صفیہؓ عارضی طور پر دار اسامہ بن زیدؓ میں رہائش پذیر تھیں۔'' (۳۵)

ان دنوں رسول اللہ ﷺ کے کسی گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ [ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔] (۳۶) حجرات مبارکہ کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلا کرتے تھے ان سب کے

کے پردے لگے ہوتے تھے۔] (۳۷) حضرت عمر بن ابی انسؓ سے مروی ہے: [اونی پردے حجرات مبارکہ کے دروازوں پر لٹکے ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک پردے کو میں نے دیکھا تو اس کی چوڑائی ۳×۳ ذراع تھی۔] (۳۸) حضرت عبداللہ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ ان سے [عبداللہ حضرت کعب بن مالک نے بیان کیا کہ] ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دور حیات میں انہوں نے ابن ابوحدردؓ سے اپنا قرضہ واپس [مسجد نبوی میں مانگا تو آواز بلند ہو گئی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کہ اس وقت اپنے حجرہ مبارکہ میں استراحت فرما رہے تھے بھی ان آوازوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ آپ حضور ﷺ نے پردہ اٹھایا اور حضرت کعب بن مالک کو ندا دی [اے کعب! انہوں نے عرض کیا [لبیک یارسول اللہ ﷺ آپ حضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا [کہ آدھا قرض معاف کر دو۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا جائے گا۔] (۳۹)

جب حضور نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تو بسا اوقات اپنے قیام کی جگہ سے اپنا سر مبارک اس کھڑکی میں کر دیتے تھے جو مسجد نبوی میں کھلتی تھی۔ وہیں سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ آپ کے سر مبارک کو تیل لگا دیا کرتیں اور کنگھی کیا کرتی تھیں۔ (۴۰) ان حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجرہ نبوی میں مغربی جانب [illegible] علاوہ ایک کھڑکی بھی ہوا کرتی تھی اور یہ کھڑکی در پر اسی مقام سے اوپر آج بھی دیوار کی ایک طاق بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح [illegible] سے مروی ایک حدیث مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حجرہ ام المومنین سیدہ عائشہ میں دروازے کے اوپر ایک روشن دان بھی تھا [illegible] (جو اعتکاف میں) وہ اپنے کھلونے رکھا کرتی تھیں۔

مسجد نبوی شریف کے گرد حجرات مبارکہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حجرہ مبارکہ جب تعمیر ہوا تو اس میں اس وقت بیت الخلاء کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن امنا صبح کے علاقے میں جایا کرتی تھیں جو کے بقیع الغرقد کے شمالی حصے میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں میں گھنے درخت ہوا کرتے تھے لیکن جب ۵ ہجری میں واقعہ افک رونما ہوا تو تمام امہات المومنینؓ نے اپنے اپنے حجرات میں ایک جگہ بیت الخلاء کے لیے مخصوص کر دی اور اس طرح گھروں میں غسل خانے بنانے کا رواج عام ہو گیا۔ چند ایسی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لیے اپنے حجرے مبارکہ میں تشریف لے جاتے یا یہ کہ جب کبھی آپ حضور ﷺ کو غسل کی ضرورت ہوتی تو بھی حضور والا شان ﷺ اپنے حجرات مبارکہ کے اندر ہی غسل فرمایا کرتے تھے (۴۱) ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا [یارسول اللہ، جب ہم آپ حضور ﷺ کے بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں کبھی بھی تعفن نہیں محسوس ہوا۔] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کیا تمہیں علم نہیں کہ انبیاء کا فضلہ زمین نگل جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمہیں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس میں سے تعفن یا بیزاری ہو!] (۴۲) جہاں تک غسل فرمانے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمیں کچھ مزید وضاحت بھی مل جاتی ہے کہ جب آپ حضور ﷺ غسل کا ارادہ فرماتے تو پانی سے بھرا ہوا ٹب حاضر کر دیا جاتا جس سے سرکار دو عالم ﷺ غسل فرماتے تھے (۴۳) جیسا کہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی روایت ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی کے ٹب کو رکھا اور آپ حضور ﷺ کے لیے پردے کا انتظام کیا اور تب حضور ﷺ نے غسل فرمایا۔] (۴۴)

حضرت عمران بن انسؓ سے مروی ہے کہ: [جب رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ منہدم کیے گئے تو میں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گروہ (مثلاً حضرت سلمان بن عبدالرحمنؓ، حضرت ابوامامہ بن سہلؓ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ) کو مسجد شریف میں زار و قطار روتے دیکھا۔ آپ اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔] (۴۵) حضرت ابوامامہؓ نے اس وقت فرمایا۔ [اے کاش کہ ان حجرات مبارکہ کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا کہ جب لوگ اپنے عالی شان گھروں کو تعمیر کریں تو وہ دیکھیں کہ وہ کس قسم کے گھر تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کے لیے پسند فرمائے تھے جب کہ رب العزت قادر مطلق ہے اور اسی کے پاس دنیا و مافیہا کے خزائن کی کنجیاں ہیں۔] (۴۶)

رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کا انہدام

امام مالک بن انسؒ نے فرمایا [مسجد رسول اللہ ﷺ نمازیوں کے لیے تنگ ہو گئی تھی اگرچہ حجرات مبارکہ شروع سے مسجد شریف کا حصہ تھے لیکن [illegible] غرض سے ان حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے (۳۷)

[illegible]

میں سے صرف دو حجرات ایسے تھے جن میں اس وقت بھی رہائش تھی:

(۱) حجرۂ مبارکہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ جہاں آپ کے اہل بیت رہائش پذیر تھے۔

[illegible] مومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ جو انہوں نے اپنے [illegible] مبارکہ میں آں ﷺ سکونت پذیر تھے اور اسی وجہ سے [illegible]

[illegible] سے پہلے [illegible] مومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے حجرہ [illegible] مومنین سیدۃ عائشہؓ [illegible] حضرت معاویہؓ نے [illegible] مومنین کو اس حجرہ مبارکہ کو ایک لاکھ کے عوض خریدنے کی پیش کش کی [illegible] مومنین نے حجرہ مبارکہ صرف ۱۰۰۰۰ [illegible] کے عوض بیچنے پر رضامندی ظاہر کی بشرطیکہ آپ کو تاحیات آخریں وہاں رہنے دیا جائے۔ جب معاملہ طے ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے [illegible] مومنین رضی اللہ عنہا رقم لینے کے بعد اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ اٹھیں جب تک کہ انہوں نے تمام کے تمام ۱۰۰۰۰ [illegible] اشرفیوں میں تقسیم نہ کر دیے۔ اس طرح آپ کے انتقال کے بعد ۵۸ ہجری میں وہ حجرہ مبارکہ ریاست کی ملکیت ہو چکا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ حجرہ مبارکہ مومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ بیچا تھا

مسجد شریف کا رقبہ حجرات مبارکہ کو منہدم کرنے کے ولید بن عبدالملکؒ کے احکام کو مسجد نبوی شریف میں علامۃ الناس کے سامنے پڑھا گیا (۳۸) اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور حجرات مبارکہ کے انہدام سے لے کر مسجد نبوی کی مکمل تعمیر تک تمام کام ان کی ہدایات کے مطابق ہوا۔

باقی تمام حجرات مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد نبوی میں شامل کر لیا گیا، مگر حجرہ سیدۃ عائشہؓ جس میں سید الاولین والآخرین ﷺ کا روضہ مبارکہ اب بھی ہے ویسے ہی رہنے دیا گیا۔ البتہ اس کے گرد ایک پانچ کونے والا حصار تعمیر کر دیا گیا۔ یہ عمارت سیاہ سنگ خارا سے تعمیر ہوئی۔ اس پنج گوشہ کی دیواریں اور کونے ایک دوسرے سے مختلف تھے تاکہ کوئی بھی اس عمارت کو کعبۃ المشرفہ سے مشابہ نہ سمجھ بیٹھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال بھی رکھا گیا کہ کوئی شخص قبر اطہر کی طرف منہ کر کے اپنی نماز نہ ادا کر سکے۔ تمام حجرات مبارکہ جو کہ مورخین کی متفقہ رائے کے مطابق مسجد شریف کی شمالی جانب تھے مسمار کیے جانے کے بعد مسجد نبوی شریف کا حصہ بن گئے۔ مقصورہ شریف کی جنوبی جانب جہاں ہم مواجہ شریفہ

استراحت رسول مقبول ﷺ رہا ہے۔

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الاحزاب:۳۴)

(۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر۱۴۰۸

(۳) سمہودیؒ، وفاء الوفا، ص:۸۹۴

(۴) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ص:۱۷۲

(۵) القرآن الکریم (الحجرات:۴)

(۶) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، عمدۃ المختار فی مدینۃ المختار، مکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ص ۱۰۵۔

(۷) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۲۲۱۔ ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کا سلسلہ اپنے حجرات مبارکات میں فرماتے تھے

(۸) ابن اسحاق نے یہ نہیں کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں کتنا وقت گزارا تھا، لیکن ان کے علاوہ معروف یہ ہے کہ آپ نے سات ماہ سے بھی زیادہ یعنی شوال کے بعد تک (اگر مدت قیام سات ماہ تک تھی) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۱۶۔

(۹) سنن ابی داؤد، ۳۹۱۷،۳۹۱۰

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۳۳۴

(۱۱) [illegible] ۳۳۳

(۱۲) ابن اسحاق، صفحات: ۳۲۴-۳۲۳

(۱۳) [illegible] ۱۹۹۵، ص ۲۶.

(۱۴) ابن الجوزی، وفاء باحوال المصطفیٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۰، ص ۲۶۰ نیز سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۳۶۲، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۶

(۱۵) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۱۸۹۴ نیز نمبر ۱۸۹۳

(۱۶) اگرچہ تمام جگہ مقصورہ شریف ہی کہلاتی ہے مگر [illegible] جانا جاتا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد [illegible] انہوں نے اس سرے مسجد کی بیرونی دیوار میں [illegible] خوبصورتی علی کرم اللہ وجہہ کا اندازہ لگانا آسان ہے۔

(۱۷) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۸

(۱۸) ہمیں یہ جان [illegible] بواعاص [illegible] مدینہ طیبہ [illegible] ہے کہ ان کی [illegible] حضور ﷺ [illegible]

(۱۹) ابن سعد، ج ۸، صفحات: ۲۲-۲۳

(۲۰) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۳۳۳

(۲۱) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۱۹۴۱، حدیث نمبر ۱۹۴۲ ان کو بنو عرفدہ کہہ کر پکارتی ہے۔

(۲۲) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۳۶۶

(۲۳) القرآن مکریم (الاحزاب ۳۳) ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حسین علیہما السلام کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو اپنی ردائے مبارکہ سے ڈھانپ کر فرمایا "اے اللہ یہی میرے اہل بیت ہیں" میرے گھر کے خاص افراد ہیں ان سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرما دے اور ان کو طاہر و پاک فرما دے" جب سیدۃ ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں بھی ان میں شامل ہوں تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، 'تم راہ حق پر ہو!' الترمذی، اردو ترجمہ بدیع الزمان، ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج: ۲، ص ۸۲۷.

(۲۴) ابن نجار، ص ۱۵۲

(۲۵) ابن سعد، ج: ۱، ص ۵۰۰

(۲۶) ابن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۶۰

(۲۷) ابن نجار، ص: ۱۵۲

(۲۸) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۹۹، ابن نجار، ص ۱۵۳

(۲۹) آپ کے مددگار حضرت زید بن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے آپ کی پرورش سیدتنا ام المومنین سیدہ ام سلمہ کے گھر میں ہوئی تھی آپ کی والدہ کام کیا کرتی تھیں بند صفر سنی سے لیکر بلوغت تک ان کا زیادہ تر وقت حضور قدس ﷺ کے حجرات مبارکہ میں حضرات ازواج مطہرات کی خدمت میں گزرا اور جب وہ بھی بچے تھے اور ان کی والدہ کام میں مشغول ہوتیں تو اکثر اوقات ام المومنین سلمہؓ ان کو اپنی گود میں لیکر پیار کرتیں

(۳۰) ابن سعد، ج:۱،ص ۵۰۱

(۳۱) سمہودیؒ،ص:۴۶۳

(۳۲) ایضاً،ص ۴۶۰

(۳۳) الترمذی،مصدر مذکور،ج:۱،ص:۱۰۱

(۳۴) صحیح بخاری،ج:۳،نمبر ۲۵۴و۲۵۵،نیز ج:۴،نمبر ۵۰۱،نیز ج:۹،نمبر ۲۸۳

(۳۵) سنن ابی داؤد،اردو ترجمہ وحید الزمان،اسلامی اکیڈیمی،لاہور،۱۹۸۳،ج:۲،نمبر ۶۹۸،ص ۲۷۷

(۳۶) صحیح بخاری،ج:۱،نمبر ۴۹۲

(۳۷) ایضاً،ج:۱،نمبر ۴۶۰و ج:۳،نمبر ۸۷۳

(۳۸) ابن سعد،ج:۱،ص ۵۰۰

(۳۹) صحیح بخاری،ج:۳،نمبر ۸۷۳، ج:۱،نمبر ۴۶۰

(۴۰) صحیح بخاری،ج ۳،نمبر ۲۴۶،نمبر ۲۶۲

(۴۱) صحیح مسلم،ج:۱،نمبر ۵۸۱

(۴۲) ابی نعیم اصفہانی (ت:۴۳۰ ہجری)،دلائل النبوۃ،دار النفائس،بیروت،۱۹۹۹،ص:۴۴۴.وسمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص ۴۶۶
نیز دیکھئے:الحجرات الشریفہ،صفوان عدنان داؤدی،ص ۳۶

(۴۳) صحیح مسلم،ج:۱،نمبر ۶۲۰

(۴۴) صحیح مسلم،ج.۱،نمبر ۶۶۶

(۴۵) ابن نجار،ص ۱۵۳

(۴۶) ابی بکر بن الحسین بن عمر المراغی (ت:۸۱۶ ہجری)،تحقیق الخبر،ص ۵۰

(۴۷) ایضاً

(۴۸) ابن سعد،ج.۸،ص ۱۶۷

تبرکات نبویہ اور

آثار مدینہ طیبہ

[illegible] ہوئی تھی اس نے مدینہ منورہ جو دیگر آثار و تبرکات نبویہ کا امین ہے بذات خود تبرکات نبویہ میں اتنا بلند مقام رکھتا ہے کہ کعبۃ المشرفہ کی طرح یہ شہر بھی دنیا کا مقدس ترین بقعۂ ارض تصور کیا جاتا ہے۔ اس ارض مقدس کا ذرہ ذرہ آثار متبرکہ سے [illegible] جیسے جیسے صحابہ کرام جب کبھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں نکلتے تو قدم بھی اتنی احتیاط سے رکھتے تھے کہ کہیں ایسی جگہ قدم نہ آجائے جہاں کبھی وہاں علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک پڑے ہوں اور ان کی پاؤں کی ٹھوکر سے قریب سے گزرتے جس کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کا تعلق تاجدار مدینہ ﷺ یا کسی صحابی رسول سے ہوتا تو احترام سے اپنے ہاتھوں سے اس کو چھو کر گزرتے تھے کتاب ہذا کے باقی ابواب اس بلدہ طاہرہ کی اسی اثری اور تاریخی حیثیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

نقش پائے سرور کونین کی ہر طرف ہے کہکشاں آہستہ چل

اور بقول اقبال

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر ہر رہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

مدینہ طیبہ [illegible] جس کو سرور کونین ﷺ کے دنیوی مسکن اور مدفن ہونے کا فخر عظیم حاصل ہے بہت سے اپنے تبرکات جو حیات طیبہ سے منسوب ہیں [illegible] بیت الخلا خانہ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحویل میں رہے اور پھر نسل در نسل منتقل ہوتے رہے اور جن میں سے بعض تبرکات [illegible] بھی کہیں نہ کہیں موجود ہیں ہمارے اس باب کا موضوع ہیں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تبرکات نبویہ کا کس درجہ احترام و انتفاع [illegible] تھے صرف یک مثال سے واضح ہو جائیگا۔ وہ اصحابہ کرام جو ملازمت ہوتے وہ جب کبھی اس مبارک درخت کے پاس سے گزرتے جہاں سرور کائنات ﷺ بیعت رضوان کے سلسلے میں تشریف فرما ہوئے تھے تو وہ وہاں ضرور رکتے اور نماز دوگانہ ادا کر کے آگے جاتے (۲) اس یگانہ عشق کی ان گنت مثالوں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں جن میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے آقا و مولا سید الانبیا حضور سرور کونین ﷺ سے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے وہ تو کس حد تک احتیاط برتتے تھے۔ جب بھی حضور ﷺ اپنے بال مبارک کٹواتے تو عاشقان رسول کسی بھی موئے مبارک کو زمین پر نہ پڑنے دیتے صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح سے حاصل شدہ موئے مبارک نسل در نسل اور قرن در قرن ایک سے دوسرے کو اس لگن ورد ب و احترام سے منتقل ہوتے رہے کہ ان میں سے بہت سے موئے مبارک آج بھی چند تاریخی مقامات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے۔ [میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے بال مبارک کٹوا رہے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سرور کونین ﷺ کے گرد ایسے گھوم رہے تھے جیسے کہ گویا وہ حضور والا شان ﷺ کا طواف کر رہے ہوں انہوں نے آپ کا ایک بھی موئے مبارک زمین پر پڑنے نہیں دیا۔ ہر کٹا ہوا موئے مبارک کسی نہ کسی کی مٹھی میں تھا۔] (۳) جب بھی آپ وضو فرماتے تو شمع رسالت کے پروانوں کے جھنڈ آپ کے گرد منڈلانے لگتے اور جو بھی پانی کا قطرہ جسد اطہر کے ساتھ مس ہو کر زمین کی طرف آتا وہ لپک کر اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیتے اور پھر اپنے چہروں پر مل لیتے۔ وہ بہت ہی خوش بخت ہوتے تھے جن کو ایسے چند قطرات نصیب ہوتے ورنہ باقی تو ان خوش بختوں کے گیلے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ رگڑ کر اپنے اپنے چہروں کو اس عظیم برکت سے منور و تاباں کر لیتے تھے (۴) تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھوں نے دست مبارک رسالت مآب ﷺ پر بیعت کی تھی۔ حضرت یحیی بن الحارث بیان کرتے ہیں [میں نے حضرت واثلہ بن اسقع کو دیکھا تو عرض کیا: کیا آپ نے اپنے ان ہاتھوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے عرض کیا کہ آپ یہ دست مبارک ہمیں دیجئے

کہ ہم ان کا بوسہ لے لیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اس دست مبارک کا بوسہ لیا۔] (ابی زرعۃ الدمشقی (ت: ۲۸۱ ہجری)، [illegible] دمشقی، [illegible] ص ۱۳۵)

[illegible] جاسکتا ہے کہ جب حضرت ابن سیرین نے حضرت عبیدہ سے ایک مرتبہ [illegible] ہے ساڈے بال اٹھے (اللہ کی قسم اگر مجھ ایک ہی [illegible] ہوتا تو دنیا [illegible] (۵) ایک اور روایت میں [illegible] فرماتے ہیں [illegible] حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ہوگئی [illegible] ہے [illegible] (۶) [illegible] برکات سے بہرہ ور ہو جائیں۔

[illegible] جمعین اس پس ماندہ طعام [illegible] جہاں پر آقائے نامدار [illegible] مبارک نے طعام کو مس کیا ہوتا (۷) [illegible] کے اتنے حصے کو کاٹ کر محفوظ [illegible] ہاتھ مس ہونے کا شرف حاصل ہوتا تاکہ وہ اسے تبرکات نبویہ کے طور پر محفوظ کر کے اس کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکیں۔ [illegible] مبارک سے مس ہو جاتا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے متبرک بن جاتا اور دوسرے [illegible] جو اس سے فیض فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ ام سلیمؓ [illegible] بن مالک [illegible] کے گھر تشریف لائے گھر میں پانی سے بھرا ایک مشکیزہ ایک طرف لٹک رہا تھا۔ آپ حضور [illegible] اٹھ کر مشکیزے کے منہ سے پانی نوش فرمایا۔ حضرت ام سلیمؓ نے اتنا حصہ کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔] (۸) ترمذیؒ نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ انکے گھر جلوہ فرما ہوئے اور ایک مشکیزے سے پانی نوش فرمایا اور انہوں نے مشکیزے کا اتنا حصہ کاٹ کر تبرکاً رکھ لیا۔] حضرت عروہ ابن مسعودؓ کو جو ابھی اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے قریش مکہ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ واقعی عمرہ کی غرض سے وہاں آئے تھے۔ اپنے اس مشن کے دوران عروہؓ نے دیکھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان ایک ناقابل یقین اٹوٹ اور والہانہ محبت کا رشتہ تھا۔ [انہوں نے دیکھا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ جب وضوء کے لیے اٹھے تو اصحابہ کرام کا ایک جم غفیر حضور ﷺ کے گرد لپک پڑا۔ وہ یہ والہانہ عقیدت دیکھ کر حضور سرور دو عالم ﷺ کے سامنے سے ہٹ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب بھی حضور ﷺ وضوء فرماتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے استعمال شدہ پانی کی چند بوندیں حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ اگر حضور ﷺ اپنا لعاب دہن پھینکتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لپک کر اس کو اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے۔ اگر ایک موئے مبارک بھی زمین کی طرف جاتا تو شمع رسالت کے پروانے

اگر حضور سرور دو عالم ﷺ نے بھی اپنا مبارک لعاب دہن ان میں ایسے کنوؤں میں بھی ڈالا ہو، خلافت چینلی جاتی تھی تو وہ ایک یک فیض و برکات کا سرچشمہ بن جاتا اور جمع رسالت سے اپنی

یہ سعادت عظمیٰ اور یہ شرف مدینہ منورہ کے ان عام سے کنوؤں میں شامل تھے جن کی کایا صرف اس لیے پلٹ گئی کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنے مبارک لعاب دہن سے نوازا یا قیام فرما ہوئے آپ کے لعاب دہن یا اپنے مبارک کا [illegible] میں قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور وہ مس خام سے کندن بن [illegible] قسمت ان تمام کنوؤں کی ساری شہرت، دوام اور تقدس [illegible] حضور نبی رحمت ﷺ سے [illegible] اور بھی بہت سارے کنویں مدینہ منورہ میں تھے [illegible] ہو سکیں جن کا تعلق [illegible] کے ساتھ منسوب نہ تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب [illegible] مسجد نبوی کے توسیعی منصوبہ پر کام کر رہے تھے [illegible] مسجد یہ حصہ کے شمال کی طرف کھدائی کی گئی تو کم و بیش سترہ ایسے کنویں [illegible] جو صدیوں سے زیر زمین آ چکے تھے گو کہ وہ سبھی کنویں زمانہ قدیم سے متعلق تھے اور بلاشک مدینہ منورہ کی شہری [illegible] رہ چکے ہوں گے مگر کوئی بھی اپنے نام سے واقف نہ تھا کیونکہ ان کنوؤں کو حضور سرکار دو عالم ﷺ سے کوئی [illegible] تھی [illegible] کنویں گمنامی کی حالت میں زیر زمین دفن ہو کر رہ گئے تھے۔

آپ جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو آپ کے تبرکات اور آثار مبارکہ کا اس درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے آثار مبارکہ تو ایک طرف، انہوں نے تو آپ کی ناقہ قصوی کی کھر لی (مبرک ناقہ) تک محفوظ کر لی تھی محض اس لیے کہ اس کے آقا کی [illegible] جگہ پانی پیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سات متبرک کنویں جن کی نسبت حضور سرور کونین ﷺ سے جڑ چکی تھی چودہ صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتے رہے تا آنکہ ان میں سے کچھ تو معدوم کر دیے گئے اور کچھ کو عامۃ الناس پر بند کر دیا گیا۔ یہ تمام کے تمام کنویں تبرکات اور آثار رسول اللہ میں سے ہی تو تھے۔

تبرکات مبارکہ اور آثار نبویہ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت احترام کرتے جیسے کہ قاضی عیاضؒ نے الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ میں فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ [حضرت عبداللہ ابن عمرؓ منبر مبارک پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بیٹھنے کی جگہ کو احترام سے مس کرتے اور پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔] (۱۴)۔ یہ حقیقت کہ حضرت ابی ابن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابی ستون حنانہ کی کھجور کی لکڑی کا تنا اپنے گھر اٹھا کر لے گئے محض اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کافی عرصہ تک اس کے ساتھ ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اس بات کی ناقابل تردید ترجمانی کرتی ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور پرنور جناب رسول مقبول ﷺ کے آثار مبارکہ سے بیحد لگاؤ رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے علاوہ اور کتنے ایسے اصحابہ کرام کے نام گرامی اس ضمن میں لیے جا سکتے ہیں جو کہ منبر مبارک کی

[illegible] کے ساتھ ہاتھ مس کرتے اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن [illegible] فرماتے ہیں: [کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کو اس جگہ پر [illegible] کرتے دیکھا جہاں [illegible] وقت وضو ہو فروز ہوا کرتے تھے اور بعد میں اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔ (۷) اسی طرح یزید بن عبد اللہ بن قسیط فرماتے ہیں۔ میں نے بہت سارے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ جب مسجد شریف میں داخل ہوتے تھے تو وہ [illegible] کے منبر مبارک پر ہاتھ رکھنے والی جگہ پر اپنے دایاں ہاتھ رکھتے اور پھر قبلہ رو ہو کر اپنے لیے دعائیں مانگتے۔] (۱۶) ابن تیمیہ بھی اسی روایت کو امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں جس کی رو سے: [امام احمدؒ نے منبر شریف کے [illegible] کو جس پر قرار دیا تھا جہاں پر کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت [illegible] بیان کیا کرتے تھے۔ (۱۷) یہ بات بھی کوئی مخفی حقیقت نہیں ہے کہ جب [illegible] حضرت ابی ابن کعب سے [illegible] قبلہ کے ستون کے ساتھ نصب کر دیا گیا جہاں پر وہ تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی۔

حضور سرور کائنات رحمت عالمین اور شفیع المذنبین ہیں اس لیے آپ نے [illegible] اپنے احباب و متعلقین کو عنایت کرتے تھے تاکہ وہ انکو اپنے کفن کے طور پر استعمال کریں [illegible] (سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم وجدہ) کا انتقال ہوا تو آنحضرت [illegible] نے اپنی قمیص مبارک [illegible] کے طور پر استعمال کیا۔ (۱۸) حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں [illegible] نے [illegible] آپ نے دو ایسی چیزیں کی [illegible] نے پہلے کبھی نہیں دیکھیں، یعنی جو آپ نے فرمایا کہ وہ کونسی باتیں ہیں [illegible] نے اپنی قمیص اتار کر دی، [illegible] آپ حضور کچھ دیر کے لیے اپنی قبر میں بھی تشریف فرما ہوئے [illegible] حضور رحمت مجسم نے فرمایا [جہاں تک [illegible] قمیص اتار کر دینے کا تعلق ہے تو وہ میں نے اس لیے کیا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ جہنم کی آگ [illegible] رہا سوال قبر میں پیر پھیلا کر سونے کا تو میں یہ چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قبر کو ان پر وسیع کر دے۔ (۱۹) ایسی ہی ایک اور موقع پر آپ حضور نے اپنی چادر مبارک اپنی پیاری بیٹی سیدہ رقیہؓ کے لیے تار کر دی تاکہ اس سے انکا کفن دیا جائے۔ (۲۰) ایک ایسی ہی موقع پر آپ جبکہ حضور رحمت اللعالمین نے نہ صرف ابن ابی جیسے منافق کی نماز جنازہ دی بلکہ شفیع المذنبین کی رحمت اس درجہ جوش میں آگئی کہ اپنی قمیص مبارک اتار کر یہ کہتے ہوئے مرحمت فرما دی کہ یہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گی۔ (۲۱) جب حضور نبی کریم نے عبد اللہ بن ابی کی میت [illegible] کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے یوں عرض کیا [یا رسول اللہ [illegible] اب میرے ماضی کے اعمال بد پر غضبناک ہونے کا وقت نہیں، برائے کرم میرے غسل میں ضرور شریک ہوئیے اور مجھے اپنی قمیض دے دیجیے جو آپکے جسد اطہر سے مس ہو چکی ہو اور میرے لیے دعا بھی ضرور کیجیے] رحمت اللعالمین [illegible] نے جو جود العالمین ہیں تبسم فرماتے ہوئے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ (۲۲) اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو سیاق و سباق کے مطابق آئندہ اوراق میں بیان کی جائیں گی۔

ایک مرتبہ سید الانبیاء حضور نبی اکرم [illegible] نے بیر اعواف پر (ایک کنواں جو کہ یہودیوں کی ہزیمت اور اجلاء کے نتیجے میں فے کے طور پر آپ کو ملا تھا) وضوء فرمایا جس کی وجہ سے آپ حضور [illegible] کے مقام وضوء پر گھاس کی طرح کی ایک نباتات اگ آئی تھی۔ حضرت محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ انکے دور میں بھی (یعنی دوسری صدی ہجری) لوگ اس نباتات کو پہچانتے تھے اور وہ پوری آب و تاب سے وہاں لہلہایا کرتی تھی۔ (۲۳)

اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی آپکے زیر استعمال جامہ ہائے مبارک مانگ لیا کرتے: بالخصوص بردہ شریف اور حضور رحمت دو عالم [illegible] انکے سوال کو رد نہ کرتے بلکہ تبسم کے ساتھ انکو نواز دیتے اور بعد میں معلوم ہوتا کہ سائل نے بردہ شریف محض اس لیے مانگا ہوتا تھا

کہ وہ سے اپنے کفن کے طور پر استعمال کرتے (۲۸) اس کے علاوہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک عدد جبہ مبارک حضرت عمیر قرنی کو عنایت کر دیا جائے اور سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آقا کے تبرکات تقسیم کی تھی

معروف سیرت نگاروں نے (جن میں قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق، ابن سعد اور دوسرے مؤخرین مغازی بھی شامل ہیں) تفصیل کے ساتھ ان تمام اشیاء کا ذکر کیا ہے جو حضور سرور کونین ﷺ کے زیر استعمال رہنے کا شرف حاصل کر چکی تھیں ذاتی لباس کے علاوہ اور بھی بہت سی اشیاء تبرکات نبویہ میں شامل تھیں۔۔۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ سیاہ رنگ کا عمامہ پہنتے تھے اسی طرح آپ کے علم مبارک کا جس کو عقاب کہا جاتا تھا رنگ بھی سیاہ تھا (۲۵) ان کے علاوہ پانچ شمشیریں، ایک چھتری اور ایک سربانہ جو کھجور کے ریشوں سے بنائے گئے تھے اور ایک ڈھال بھی تھی جو حضور پرنور ﷺ کے حصار کے وقت ایک یہودی کے پاس رہن پڑی تھی حضرت ابن معدان روایت کرتے ہیں [رسول اللہ ﷺ جب بھی سفر پر نکلتے تو آپ کے زاد سفر میں ایک سرمہ دانی، ایک آئینہ، کچھ تیل، مسواک اور ایک عدد قینچی ضرور ہوا کرتی تھی۔] (۲۶) ام المومنین سیدتنا صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے سامان تیار کرتی جب بھی آپ حضور ﷺ کسی غزوہ کے لیے عازم سفر ہوتے تو میں تمہارے لیے ایک عدد سرمہ دانی، ایک آئینہ، ایک قینچی، ایک [illegible] اور ایک مسواک ضرور ساتھ کر دیا کرتی تھی [(۲۷) حضرت [illegible] بن برقع بیان کرتے ہیں کہ حضور [illegible] کے پاس ایک شیشے کا گلاس بھی تھا جس سے حضور [illegible] پانی نوش فرماتے [illegible] تیسری صدی ہجری کے مایہ ناز مورخ [illegible] آثار نبویہ میں سے بالخصوص آپکے علم مبارک جسکو حضور [illegible] کے تھا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب [illegible] والد ماجد [illegible] کی فتح کے لیے [illegible] پھر جب دمشق پر بھرپور حملے کیے [illegible] انہوں نے اس علم مبارک کو دمشق کے [illegible] سے دمشق صاف نظر آتا تھا۔ صدیوں تک [illegible] عقاب کے نام سے مشہور رہی یہاں تک [illegible] یہ پرچم (عقاب) وہاں لہرایا تھا (۲۹)

[illegible] نے [illegible] مدینہ طیبہ کے اردگرد کی اکثر [illegible] والیوں کے نام دعوت نامہ ہائے اسلام روانہ کیے۔ اس ضمن میں کچھ نامہ ہائے مبارکہ مدینہ طیبہ کے گرد مقیم قبائل کے سرداران کو بھی [illegible] کیے گئے تھے جن میں سے بہت سوں نے ان نامہ ہائے مبارکہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات کے طور پر محفوظ کر لیا تھا ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جب وہ اپنی معرکہ آرا کتاب (طبقات کبریٰ) مدون کر رہے تھے تب انہوں نے ایسے بہت سے نامہ ہائے مبارکہ کے اصول ان شعوب وقبائل کے پاس ملاحظہ کیے جو کہ انہوں نے تبرکات نبویہ کے طور پر محفوظ کر لیے تھے (۳۰)

تبرکات مقدسہ کی شرعی حیثیت

اس طرح آثار مبارکہ اور تبرکات رسول مقبول ﷺ جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کے زیر استعمال رہنے کا فخر حاصل رہا تھا اور جن کی حفاظت آپکے اہل خانہ (امہات المومنین، یا اہل بیت طاہرہ یا پھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے کی تھی ہمارے اس باب کا موضوع ہیں۔ ایسے آثار مبارکہ کی نہ صرف حد درجہ حفاظت کی گئی بلکہ وقتاً فوقتاً شائقین اور عشاق کو انکی زیارت بھی کروائی جاتی رہی جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ یا سیدۃ اسماءؓ یا حضرت انس ابن مالکؓ اپنے پاس آنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان تبرکات کی زیارت کروا دیا کرتے تھے۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام کعبہ مشرفہ کے جوار میں اپنا ظہور فرمائیں گے تو اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات میں سے ایک شمشیر ان کے ہاتھ میں ہوگی اور اسکے علاوہ انہوں نے

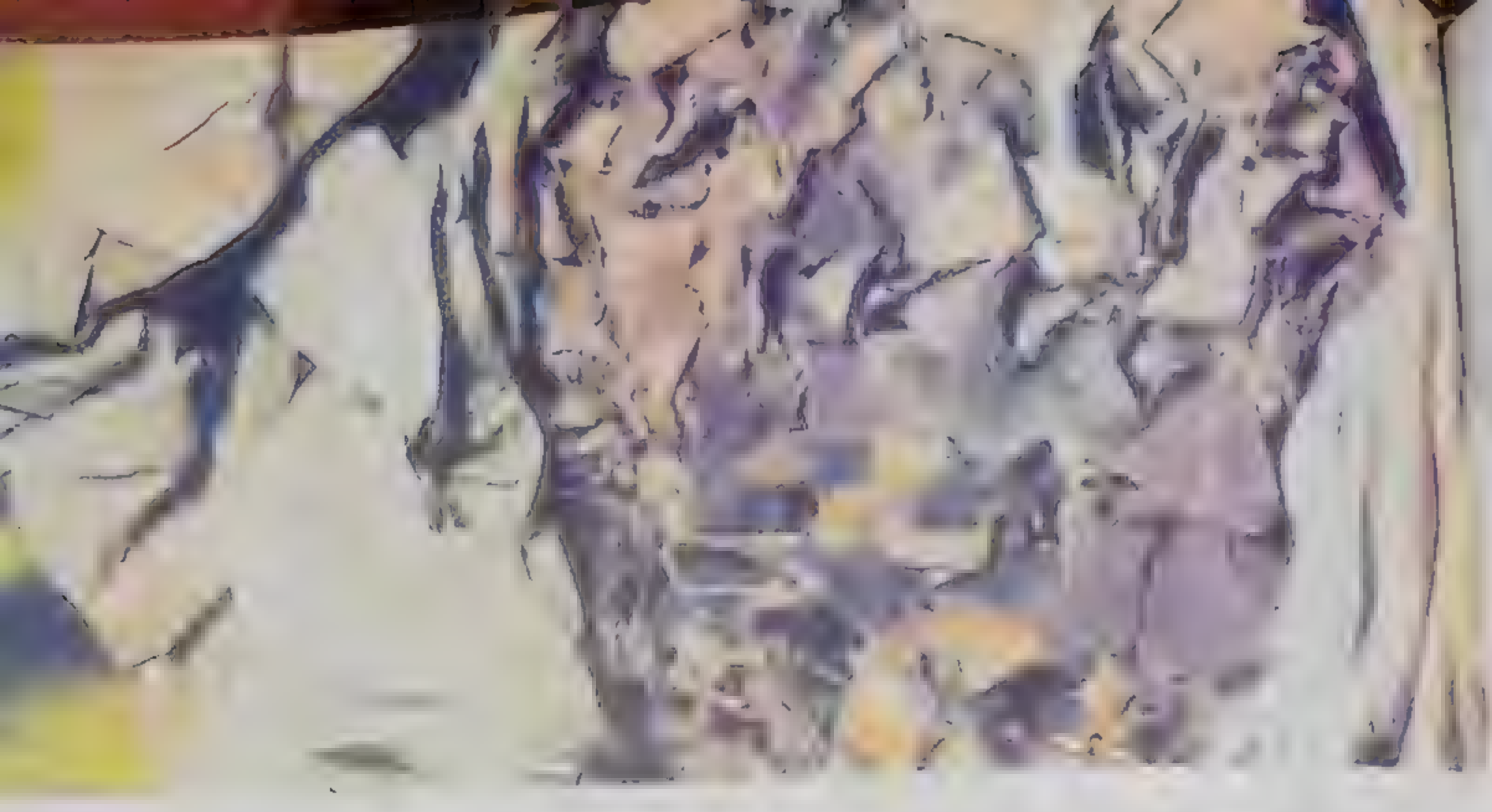

ے نازل کیا گیا وہ بھی اور عصائے موسیٰ علیہ السلام کعبۃ المشرفہ میں

ی عظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری ہے ۔ ۔ ۔

حضور سرور کونین سید انس و جاں ﷺ کا پسینہ مبارک

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں [پسینے کے قطرے حضور نبی اکرم ﷺ کی جبین طاہر پر اس طرح چمکتے جیسے کہ موتی (لولو) ہوں ۔ کے پسینے کی خوشبو مشک اور عنبر سے بھی زیادہ تھی ۔ ۔ ۔ نے نہ کبھی حضور سرور کونین ﷺ سے پہلے سونگھی تھی نہ ہی بعد میں ۔] (۳۸)

حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں [میں نے مشک وعنبر کو بھی اتنا خوشبودار نہیں پایا جتنا کہ حضور ﷺ کا پسینہ مبارک تھا]
(صحیح مسلم ج ۴، نمبر ۵۷۵۹)

سخت سردی میں بھی جب حضور نبی اکرم ﷺ پر نزول وحی ہوتا تو آپ حضور ﷺ کے پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔
(صحیح مسلم ۔ ۔ نمبر ۱۳۔۵۔)

حضرت ثمامہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس ابن مالکؓ نے فرمایا [جب کبھی حضور سرور کونین ﷺ ۔ ۔ ۔

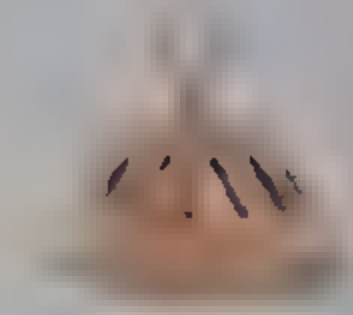

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آقائے نامدار ﷺ
کے موہائے مبارکہ کی تعظیم اور حفاظت

نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ پانی میں بھگوئے گئے تھے اگر کسی کو نظر بد یا اور کوئی بیماری لگ جاتی تو وہ پانی سے [illegible]
سیدہ ام سلمہؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ میں نے بذات خود اس برتن کو دیکھا ہے جس میں حضور نبی اکرم [illegible]
تھے جن میں سے چند سرخی مائل رنگ کے تھے۔] (۴۵) ابن سیرین [illegible]
سیدہ ام سلمہؓ کے پاس آتا تو وہ اس میں سے کچھ پانی مریض کے منہ پر چھڑک دیتیں۔] (۴۶) [illegible]
[حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس بھی اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زلف چھپچھ [illegible]
کے موقع پر جب حضور والا شان ﷺ نے اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو شمع رسالت سے پروانے [illegible]
کچھ موئے مبارکہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہے تھے خود آقائے نامدار حبیب فضل صلوٰۃ تسلیم نے
اپنی زلف ہائے تراشیدہ اپنے دست مبارک سے حضرت ابوطلحہؓ کو عنایت کیں تاکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دیں
ابن سیرین کے مطابق حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [پھر حضور والا شان ﷺ نے حلق (کروایا) جب فارغ ہوئے تو اپنی دائیں جانب کی زلفہائے مبارکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کا حلق کر دو۔ چنانچہ ان کا حلق تراشیدہ موؤں میں تقسیم کر دیا گیا۔

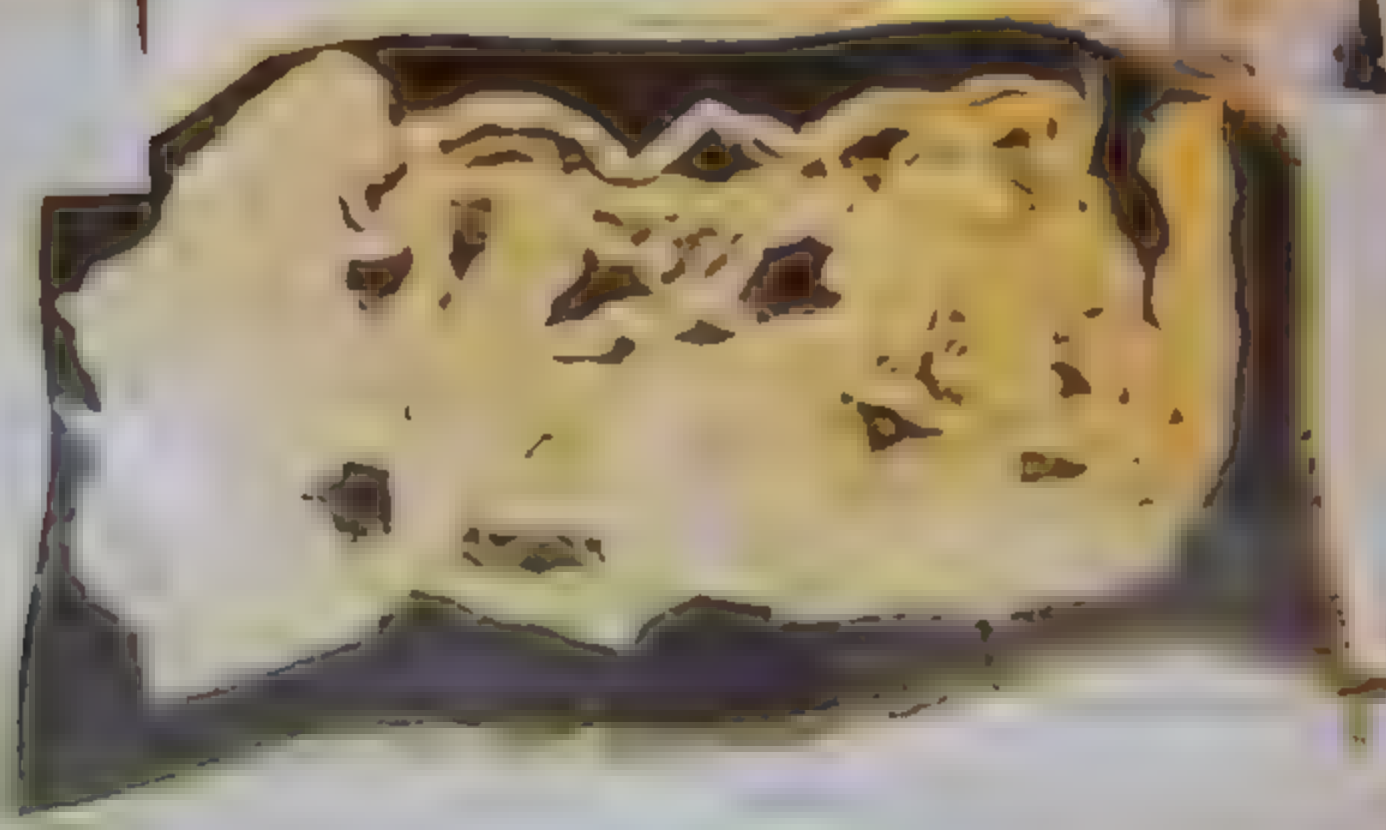

لباس ہائے مبارکہ جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زیب تن فرمائے

(۵۱)

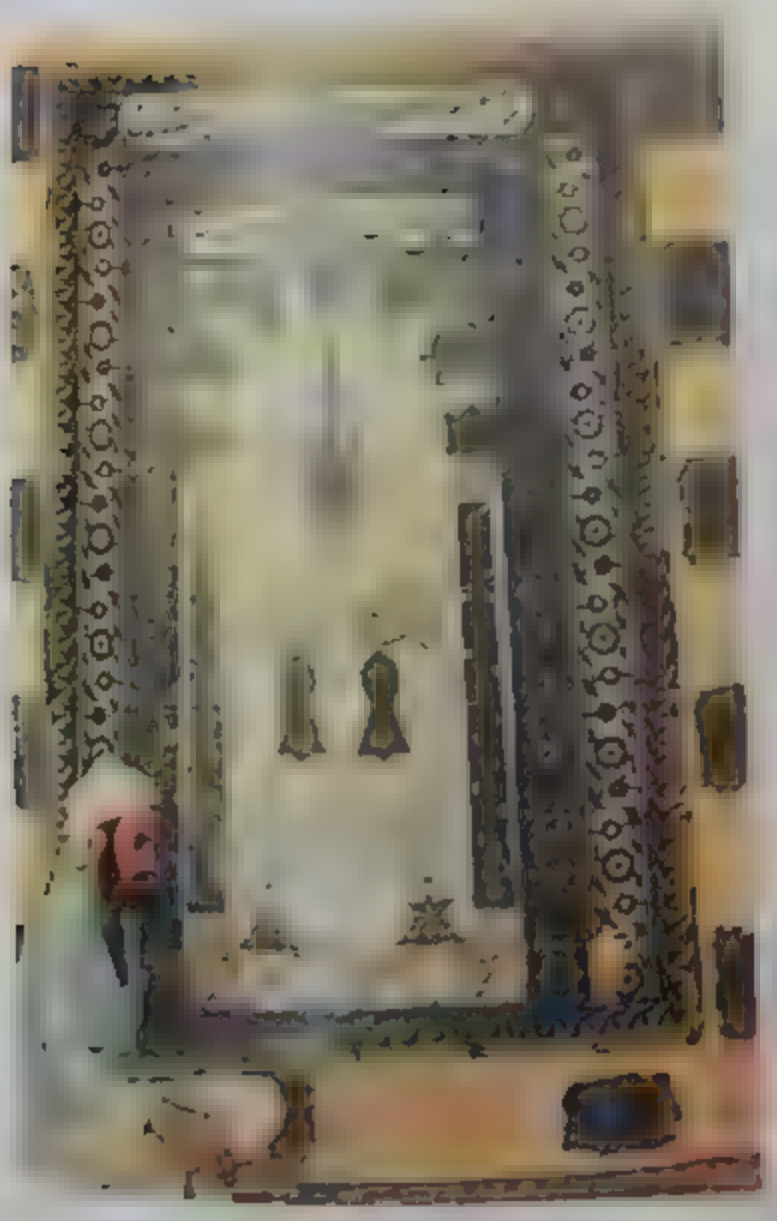

مسجد سلطان صلاح الدین دمشق کے دروازے پر نعلین مبارک کا نقشہ

ان انتہائی شیدائی خدام نبوی میں شامل تھے جنہوں
کہیں تشریف
نعلین مبارکہ کو تبرکاً کرکے اپنی بغل میں لے لیتے اور
محفل سے اٹھتے تو حضرت ابن مسعودؓ فوراً آگے بڑھ کر نعلین
کے سامنے رکھ دیتے تاکہ حضور والا شان ان کو پہن سکیں۔] (۵۲)
صاحب نعلین اور صاحب سواد رسول اللہ ﷺ یعنی میر سامان رسول اللہ ﷺ بھی
کہا گیا ہے اسی طرح وہ حضور پرنور ﷺ کا عصاء مبارک بھی سنبھالا کرتے تھے۔ (۵۳)

بعض سیرت نگاروں نے بالصراحت لکھا ہے کہ حضرت انس ابن مالک بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارکہ کی حفاظت کیا کرتے تھے (۵۴) اور یہ کہ وہ نعلین مبارکہ کے علاوہ

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ [illegible] حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ [illegible] زعفران سے رنگا کرتے تھے (۶۴) [illegible] مبارکہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ [illegible] جس کے اوپر بال نہیں ہوا کرتے تھے اور جب [illegible] پہننا پسند کرتا ہوں۔] (۶۵)

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا [illegible] مبارکہ کا ایک جوڑا دکھایا۔ میں نے نوٹ کیا [illegible] عساکر ہمامؒ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ [illegible]

نقوش بنانے کا شرف حاصل ہوا تھا لیکن بنانے وقت اس بات کا مکمل اہتمام کیا تھا کہ نقل بہ مطابق اصل ہو اسی لیے آج نقل نے وہ مقام نہیں دیا ہے سکتا جو ابن عساکر یا دیگر مشابہ اسلامی مخطوطوں اصل تھا

جب امیر تیمور (۱۳۳۶-۱۴۰۵) نے حلب کو تاخت و تاراج کیا اور پھر اس نے دمشق کو فتح کیا تو ۸۰۳ ہجری میں دمشق پہنچی رہنمائی کے قاضی القضاۃ اور دیگر علمائے دین شہر نے وہ نعلین مبارکہ اس کو خوش کرنے کے لیے مورخہ ۲۳ جمادی الاول ۸۰۱ھ ہجری کو اس کی خدمت میں پیش کر دیے۔ ظفر نامہ تیموری میں اس کے مولف شرف الدین علی یزدی نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ نعلین مبارکہ دوسرے بہت سارے تبرکات نبویہ میں تیمور کو پیش کیے گئے (۷۴) تیمور نے ترک اور منگول قبائل کی فوج ظفر موج کی مدد سے بایزید اول اور موجود ترکی کے بیشتر حصوں پر قبضہ کر لیا تھا اس نے اناطولیہ پر بھی یلغار کی اور سلطان بایزید یلدرم بایزید یکم کو قید کر لیا تھا اس لیے کہ مؤخر الذکر نے تیمور کے ایک باغی سردار کو پناہ دی ہوئی تھی لیکن تیمور جیسے آندھی کی طرح آیا تھا ویسے ہی ایک بگولے کی مانند مفتوحہ علاقوں سے واپس چلا گیا اور جاتے جاتے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان یلدرم بایزید یکم کو رہا بھی کر گیا جبکہ تیمور سمرقند واپس پہنچ چکا تھا اور بایزید کے بیٹوں نے اناطولیہ کے بیشتر علاقوں پر اپنا تسلط دوبارہ قائم کر لیا تھا تیمور کی اس فراخدلی کے بدلے سلطان بایزید یکم نے یکم ربیع الاول ۸۰۵ ہجری (بمطابق ۱۴۰۲ عیسوی) تیمور کو خیر سگالی کے طور پر اور بھی بہت سارے آثار مبارکہ تحفتاً دیے (۵) ان آثار مبارکہ میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا جو آج بھی تاشقند کے جامع کی زینت ہیں اس فوج کشی کا نتیجہ ہیں جو امیر تیمور نے کی تھی جاتے جاتے تیمور اپنے ساتھ دمشق سے ماہرین کی ایک خاصی تعداد بھی ساتھ لے گیا جنھوں نے آگے چل کر سمرقند میں تاریخی اہمیت کی بہت ساری عمارتیں بنانے میں ہم کردار ادا کیا جو آج بھی تیموری فن تعمیر کا شاہکار تصور کی جاتی ہیں (۶)

اس طرح آثار مبارکہ جب ایک دفعہ عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل ہوئے تو کافی عرصہ تک وہ صرف شاہی محلات اور توشہ خانوں ہی کی زینت بنے رہے اور امت مسلمہ کی اکثریت محسن انسانیت ﷺ کی ان نعلین مبارکہ کی زیارت اور دیدار سے محروم ہو گئی اس افراتفری کے باوجود ایک بات بہت خوش آئند ہے کہ نعلین مبارکہ کا ایک قدیم نقش دمشق کی ایک تاریخی مسجد کے صدر دروازہ پر موجود ہے جو جامع سنجقدار کے نام سے مشہور ہے یہ مسجد ممالیک سلاطین میں سے ایک سلطان ارغون شاہ نے ۸۹۰ ہجری میں تعمیر کروائی تھی اور امت مسلمہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے صدر دروازے پر بنایا گیا نقش نعلین اس دور سے تعلق رکھتا ہے جبکہ نعلین مبارکہ دمشق میں موجود تھیں یہ اس دور کے کسی فنکار کا شاہکار ہے جو اس نے بذات خود حقیقی نعلین مبارکہ کو دیکھ کر بنایا ہوگا جو اس وقت جامع اشرفیہ میں مرجع عام و خاص تھا اس لیے بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جامع سنجقدار کے صدر دروازے پر بنا ہوا یہ تاریخی نقش بہت حد تک اصل سے مطابقت رکھتا ہے سعودی ایرابیا کے دو ماہی جریدہ (اھلا وسھلا) کے شمارہ برائے شعبان و رمضان ۱۴۲۰ ہجری نے اس صدر دروازے کی تصویر چھاپی ہے (۷) جس کی ایک تصویر قارئین کے استفادہ کے لیے انہیں صفحات میں شامل کر دی گئی ہے۔

نعلین مبارکہ کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قدمین شریفین کے نشانات جو بہت سے پتھروں پر ثبت ہو چکے تھے کسی نہ کسی طرح آج بھی محفوظ ہیں اور حضور والا شان ﷺ کے آثار مبارکہ کا ایک نادر اور انمول جزو ہیں۔ بہت سی احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ سفر، خ

[قدمین مبارکہ کی چھوٹی انگلیاں (چھوٹی انگلیاں) نمونی سازسے نیز معمولی طور پر بڑی نظر آیا کرتی تھیں](۷۸) ایسے بہت سے نقش دنیا کے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں جن کا سلسلہ توپ کاپی میوزیم سے لیکر بادشاہی مسجد لاہور اور ہندوستان میں جے پور میں متعدد مقدس مبارک تک پہنچتا ہے ان سب نقوش پائے مبارکہ میں سے جو نقش مبارک اوپر بیان کی گئی حدیث مبارکہ سے زیادہ مماثلت رکھتا ہے وہ توپ کاپی میوزیم استنبول میں موجود ہے جس کا ایک عکس درج ذیل حصہ میں قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

توپ کاپی میوزیم کے علاوہ حضور پرنور علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک نقش پائے مبارک ینگیوں ہی میں حضرت ابو ایوب [illegible] سے منسوب ایک چھوٹی سی مسجد میں بھی موجود ہے جب کہ ایک اور نقش جے پور میں بھی ہے اسی طرح ایک اور نقش مسجد [illegible] (یوپی) میں بھی موجود ہے بادشاہی مسجد لاہور والا نقش اس کے علاوہ ہے مزید برآں ایک نقش مبارک مسجد اقصیٰ حبرون میں موجود ہے ایک اور نقش پائے مبارک حرم مکی میں موجود ہوا کرتا تھا امام تلمسانی (۹۹۲-۱۰۴۱ ہجری) نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے خود اس مقدس نقش پا کی زیارت کی تھی جو چاہ زمزم کے قریب ایک سائبان کے تحت محفوظ کیا گیا تھا۔(۷۹) گیارہویں صدی ہجری کے مشہور ترکی سیاح اولیا چلپی جنہوں نے گیارہویں صدی کے اوائل میں حرمین الشریفین کی زیارت کی تھی اپنے مشہور زمانہ سفر نامہ میں یوں رقمطراز ہیں [مقام ابراہیم کے پہلو میں ایک بلند مقام پر سفید سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جس کے اندر ایک خوبصورت ماربل میں چھوٹی ایک سل کے اوپر ثبت حضور پرنور ﷺ کا ایک نقش قدم ہے۔ حاجی اور زائرین حضرات اس کو عرق گلاب اور آب زمزم سے دھو کر اپنے چہروں پر چھڑک کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔](۸۰) اس آثار مبارکہ پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کر دیا گیا تھا جس کو بہت قیمتی تحائف (مشاعیل ثمینہ) سے سجایا گیا تھا مگر آج اس آثار مقدس کا اتہ پتہ معلوم نہیں۔ غیر مصدقہ روایات کے مطابق موجودہ انتظامیہ نے اس کو چاہ زمزم کے تہہ خانے میں کنویں کی منڈیر کے ساتھ محفوظ کر کے رکھا ہے مگر عامۃ الناس کو اس کی زیارت کی اجازت نہیں واللہ اعلم بالصواب

کہتے ہو: یہ شملہ ہی ہوتا ہے جس کا بارڈر بنائی ہی کے وقت بنایا گیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے حدیث مبارکہ سنائی جس میں وہ عورت حضور سے
عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ یہ بردہ میں خود اپنے ہاتھوں سے بُن کر لائی ہوں تاکہ اس کو آپ کے زیب تن رہتے ہوئے
نے اسے قبول فرمایا اس لیے کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی پھر آپ جب مدینہ میں تشریف لے آئے اس وقت وہ شملہ بطور تہبند کے زیب تن
تھا پھر فلاں شخص (اور انہوں نے اس کا نام اور قبیلہ کا بھی ذکر کیا) نے حضور اقدس سے عرض کیا یہ بردہ مجھے
عنایت فرمائیے جس پر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا اچھا پھر جب تک یہ تن پر رہے گا

[illegible] کے لیے جو وہ پہن کر میں تشریف لے گئے تھے۔ بعد حضور پاک تشریف لائے تو اس چادر کی تہہ لگا کر اس شخص کو دے دی جو [illegible] نے اس عطا کی کہ اس مانگنے والے کو [illegible] کو اسکی ضرورت بھی تھی اور آپ حضور [illegible] سے یہ بھی [illegible] تھیں تو حضور نے حضور [illegible] کی درخواست رد نہیں کرتے اس پر وہ صاحب کویا ہوئے [illegible] میں نے اس کو پہننے کی خاطر آپ حضور سے نہیں مانگا میری خواہش تو یہ تھی کہ اس میں مرنے کے بعد میرا کفن اس چادر سے بنایا جائے حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہوا اور ان صاحب کا کفن اس چادر میں دفن کیا گیا تھا (۸۳) حضرت عثمان ابن ہلال نے فرمایا کہ انہوں نے حضور نبی آخر [illegible] کا یہ بردہ شریف [illegible] ہشام بن عبدالملک نے پہنا ہوا تھا یہ ایک یمنی بردہ شریف تھا جس کے دونوں کنارے شیدہ کاری سے بنائے گئے تھے (۸۴)

حضرت کعب ابن زبیرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ تو بڑی شہرت کا حامل ہے حضور سرور کونین [illegible] کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ (بانت سعاد) پڑھا ابن اسحاق (۸۵) نے لکھا ہے اور بڑے سیرت نگاروں میں ابن کثیر (۸۶) اور ابن اثیر سب شامل ہیں نے اس واقعہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے ان کا قصیدہ سننے کے بعد رحمت اللعالمین [illegible] جو کہ قتل کا حکم صادر فرما چکے تھے نے کمال شفقت اور منتہائے رحمت سے نہ صرف یہ کہ ان کو معاف فرما دیا بلکہ وہ بردہ شریف جو اس وقت تمیل الشیم شفیع الامم ورصاحب الجود والکرم [illegible] کے زیب تن تھا نکو مرحمت فرما دیا حضرت کعب بن زبیرؓ کو اس بردہ شریف سے بہت پیار تھا جب حضرت معاویہؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس بردہ شریف کو بیس ہزار دینار کے عوض خریدنا چاہا حضرت کعبؓ نے دینے پر راضی نہ ہوئے تاہم اپنے انتقال پر حضرت معاویہؓ نے اس بردہ شریف کو انکے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خرید لیا (۸۷)

مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب بنی عباس نے بنو امیہ سے زمام اقتدار چھین لی تو وہ بردہ شریف بنو عباس کی تحویل میں چلا گیا امام ابن سحاق بروایت ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جو بردہ شریف عباس کے پاس تھا وہ ایک دوسرا بردہ شریف تھا جو حضور رحمت دو عالم [illegible] نے ابن یامین کو اپنے ایک نامہ مبارک کے ساتھ مرحمت فرمایا تھا امام ابن اسحاق کے مطابق بو العباس السفاح نے ان لوگوں سے وہ بردہ شریف تین صد دینار کے عوض خرید لیا تھا ابن کثیر بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں ان کے لکھنے کے مطابق غزوہ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ [illegible] نے شاہ ایلہ کو امان دے دی تھی اور ایسی ہی امان اہل جربع اور عزرہ کے یمنیوں کو وہ مختلف نامہ ہائے امان کے ساتھ عطا کی تھی شاہ ایلہ کو تو آقا حضور [illegible] نے ایک بردہ شریف بھی عنایت فرمایا تھا وہ نامہ مبارک اور بردہ شریف ان لوگوں کے پاس ایک صدی سے بھی زیادہ محفوظ رہا مگر جب ابو العباس السفاح کی عملداری ان پر قائم ہوگئی تو اس نے وہ بردہ شریف تین سو دینار کے عوض خرید لیا (۸۸) علامہ سیوطی ان دونوں بظاہر مختلف نقطہ ہائے نظر میں تطابق پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ بردہ شریف جو حضرت معاویہؓ نے خریدا تھا وہ بنی امیہ کے زوال کے ساتھ ہی گوشہ گمنامی میں چلا گیا جبکہ دوسرے بعد دیگرے عباسی خلفاء کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتا رہا تاآنکہ عباسیوں سے آخری خلیفہ کے قتل کے وقت اسکے خون کے دھبے اس بردہ شریف پر بھی پڑے اور پھر اس کے بعد اس بردہ شریف کا کچھ پتہ نہیں چلا (۸۹) تاہم ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ ہجری) جو عباسیوں کے زوال سے کچھ دیر پہلے تک بقید حیات تھے لکھتے ہیں کہ [وہ بردہ شریف جو حضور سرور کونین [illegible] نے حضرت کعب ابن زبیرؓ کو عنایت کیا تھا وہ آج بھی عباسی خلفاء کے پاس ہے۔] (۹۰)

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جب آٹھ عباسی شہزادوں نے فرار ہو کر مصر میں پناہ لے لی تو وہ جاتے وقت اپنے قیمتی اثاثے جن میں وہ بردہ شریف اور کچھ دیگر تبرکات بھی شامل تھے اپنے ساتھ مصر لے گئے تھے۔ پھر جب مماثیک سلطانوں نے بچی کھچی عباسی قوت کو یکجا کیا اور عباسیوں کے نائبین کے طور پر انہوں نے مصر میں خلافت عباسیہ کو از سر نو استوار کر لیا تو انہوں نے ان تمام تبرکات کی حفاظت کا بیڑہ اٹھا لیا لیکن جب ترک عثمانی سلطان یاوز سلیم خان یکم نے ۱۵۱۷ عیسوی میں مصر فتح کر لیا تو پھر وہ بردہ شریف عثمانیوں کی تحویل میں آ گیا تاریخ کے اوراق میں ہمیں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جس سے اس بات کا اشارہ بھی ملے کہ کبھی کسی عثمانی سلطان نے اس بردہ شریف کو زیب تن کیا ہو جبکہ ان کے بہت سارے مورخین اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ جب کبھی بھی کوئی ترک سلطان کسی عسکری مہم پر روانہ ہوتے تو وہ حضور سرور کونین [illegible] کے علم مبارک (جس کا نام عقاب تھا) کا پرتو اپنے ساتھ

یا چیتے والی ٹوپی پہنتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان اپنے آقا و مولیٰ حضور [illegible] سے آثار مبارکہ و متبرکات مقدسہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور آپ حضور ﷺ کی ایک ایک نشانی کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے انہوں نے ان آثار مقدسہ کے لیے سونے کے خاص صندوق بنوائے جن میں ان تمام متبرکات نبویہ شریف کا استحفاظ کیا گیا جو شاہی محلات میں بحفاظت تمام موجود تھے انہیں میں سے ایک دیدہ زیب صندوق میں آقائے نامدار [illegible] کا بردہ شریف بھی ہے (۹۱) یہی وجہ ہے کہ اس جانے کے بعد ان کا تاریخی محل (توپکاپی میوزیم) ان تمام متبرکات کا خزانہ بن گیا ہے عثمانی خلافت کے ختم ہونے کے بعد توپکاپی کے شاہی محلات کو قومی عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے جو عالمی شہرت کا حامل ہے توپکاپی میوزیم اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا عجائب گھر ہے جہاں عالم اسلام کے بہت سے نادر ترین موتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہیں اس عظیم شان عجائب گھر میں جہاں خلافت راشدہ میں سیدنا عثمان بن عفان کا تیار کروایا ہوا مصحف شریف محفوظ ہے وہاں بردہ شریف بھی سنہرے صندوق میں کمرہ نمبر ۱۲ میں مرجع خاص و عام ہے

توپکاپی کا یہ عظیم المرتبت میوزیم بہت سے ایوانوں اور گیلریوں پر مشتمل ہے جن میں نہ صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرور دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ محفوظ ہیں بلکہ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اکابرین رحمت اللہ علیہم کے آثار مبارکہ بھی محفوظ ہیں صدر ایوان میں جو درمیان میں واقع ہے میرا مم اور امت مسلمہ کے قافلہ سالار حضور نبی اکرم ﷺ کے تیر و کمان اور شمشیر ہائے بے شکن ہیں جن کو سونے کی میانوں میں رکھا گیا ہے جو ہیرے اور جواہرات سے مرصع ہیں ساتھ ہی چاروں خلفائے راشدین کی تلواریں بڑے قرینے سے رکھی ہیں ایک طرف عساکر اسلامیہ کے سالار و قیصر و کسریٰ کے فاتح عظیم حضرت خالد ابن ولیدؓ کی شمشیر برہنہ پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی زبان حال سے ہر مسلمان کو حمیت و غیرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتی نظر آتی ہے اور اسی طرح وہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر مشاہیر اسلام کے تبرکات رکھے گئے ہیں ایوان کے وسط میں عالم اسلام کا قدیم ترین مصحف شریف رکھا گیا ہے اس کے ارد گرد بہت سے چھوٹے بڑے صنادیق میں حضور نبی اکرم ﷺ کے دیگر آثار مبارکہ پڑے ہیں جن میں مذکورہ بردہ شریف بھی شامل ہے منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام حضور نبی اکرم ﷺ کے نامہ گرامی کا اصل جو چمڑے کی جھلی پر لکھا گیا تھا ایک سنہرے فریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پتھر کے مبارکہ لوح حجر پر نقش پائے مبارک اور فاتح قلوب اور شہنشاہ دو عالم ﷺ کا سیاہ رنگ کا علم مبارک (عقاب) وغیرہ مختلف مقامات پر خوبصورت شوکیسوں میں سجائے نظر آتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ کے تبرکات مبارکہ کے علاوہ کعبۃ المشرفہ کا قدیم دروازہ (باب المغفرۃ) بھی موجود ہے جو غالباً نور الدین زنگیؒ کے دور کا ہے (جس کو سلطان مراد ثالث نے ایک نئے دروازہ سے بدلا تھا) اور پرنالہ میزاب رحمت بھی وہاں پر آویزاں نظر آتا ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی مہر مبارکہ (ختم - انگوٹھی)

حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کی انگوٹھی (ختم) کی مہر مبارکہ تین سطور پر مشتمل تھی [نچلی سطر میں لفظ محمد اور اسکے اوپر والی سطر میں لفظ رسول اور بالائی سطر میں لفظ اللہ لکھا گیا تھا] (۹۲) ایک اور حدیث مبارکہ میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ ختم یعنی مہر مبارک حضور پرنور ﷺ کے زیر استعمال رہی پھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہی اور پھر انکے وصال کے بعد سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے پاس رہی اور پھر بعد میں سیدنا عثمانؓ کے پاس رہی ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ بیر اریس کی منڈیر پر بیٹھے تھے کہ وہ مہر مبارک اچانک ان کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی کنویں کا تمام تر پانی نکال دیا گیا مگر وہ نہ مل سکی] (۹۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی ایک ایسی ہی حدیث بیان کی ہے (۹۴) اسی طرح حضرت علی ابن حسین علیہ السلام (امام زین العابدین) فرماتے ہیں [حضور نبی کریم ﷺ کی مہر والی انگوٹھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہی اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس اس کے بعد وہ سیدنا عثمانؓ کے پاس رہی جن سے وہ گم ہوئی انہیں شہید کر دیا گیا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ویسی ہی ایک انگوٹھی اپنے لیے بنوالی] (۹۵)

(۹۶) سید سمہودیؒ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں [ختم مبارک سیدنا عثمان کے ہاتھ سے اپنی خلافت کے چھٹے سال تک رہی یہاں تک کہ
تھے جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں تھے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہونے پر ان کے ہاتھ سے سلطنت چلی گئی تھی ایسے
ہی سیدنا عثمانؓ سے انگوٹھی گم ہونے پر امت مسلمہ کی وسیع و عریض سلطنت پر ان کی رفت ڈھیلی ہو گئی ایک کے بعد دوسرے فتنے نے
نمایاں شروع کر دیا تا آنکہ انکی شہادت ہو گئی اور پھر وہ فتنے اتنے بے قابو ہوئے کہ قیامت تک امت مسلمہ کے کام آ رہے ہیں۔ (۹۷)

حضرت ابوذبابؓ فرماتے ہیں کہ ختم امر سید عالم حضور سرور کونین ﷺ کی ختم مبارک ہونے کی تھی مگر اس نے اپنی کاملیت کا ثبوت
دو میری تحویل میں بھی رہی حضرت معیقبؓ کو خاص طور پر اس کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ (۹۸) حضور سرور کونین ﷺ کی انگوٹھی و انگوٹھی کے
ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے روایت ہے کہ [نجاشی شاہ حبشہ نے ایک مرتبہ حضور سرور کونین ﷺ کی خدمت میں چند تحائف ارسال کئے جن میں
سونے کی انگوٹھی بھی تھی جس میں حبشہ کے ایک قیمتی پتھر کا نگینہ بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چھڑی پر ٹیک لگاتے ہوئے ایک لکڑی یا کوئے
سے اسے اٹھایا اور پھر امامہؓ بنت ابوالعاص (جو آپ حضور ﷺ کی صاحبزادی سیدۃ زینبؓ سے نواسی تھیں) کو بلا کر فرمایا میری بیٹی کی کوچھو
] (۹۹) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ [اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ پنی ہتھیلی
مبارک کی طرف رکھا اس کے اوپر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ آپ کے اتباع میں لوگوں نے بھی ایسی ہی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں۔ جب حضور نبی اکرم
ﷺ نے فوٹ کیا تو اپنی خاتم مبارک اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ [میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا اور پھر چاندی کی ایک انگوٹھی بنوا کر پہنی لوگوں نے بھی
چاندی کی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں۔] حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مزید فرماتے ہیں کہ [حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد اس انگوٹھی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ
نے پہنا۔ پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے اور ان کے بعد سیدنا عثمانؓ نے اسے اس وقت تک پہنا جب تک کہ وہ اریس کے کنوئیں میں نہ گر گئی۔] (۱۰۰)
حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ [رسول اللہ ﷺ کی مہر خاتم پر تین سطروں میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر
میں اور اللہ تیسری سطر میں تھا۔] (۱۰۱) یہی حدیث مبارکہ حضرت انس ابن مالکؓ سے مختلف راویان کرام کے سلسلہ سے روایت ہوئی ہے لکھائی کا یہی
نمونہ مختلف مکتوبات نبویہ پر موجود ہے جو کہ مختلف سلاطین عالم کو حضور شہنشاہ دو عالم ﷺ کی مہر مبارکہ کے ساتھ روانہ کئے گئے تھے اور تمام سیرت نگار
حضرات نے روز اول سے اسی نمونے کی نشان دہی کی ہے، بایں ہمہ ہم قارئین کی توجہ اس طرف دلانا چاہیں گے کہ توپکاپی میوزیم میں ایک مہر مبارک
موجود ہے جس کے اوپر لکھائی کا نمونہ بالکل مختلف ہے، جس کا ایک عکس پہلے صفحے پر قارئین کی نظر ہے۔

مندرجہ بالا معتبر ترین احادیث کی روایات کے برعکس توپکاپی میوزیم میں محفوظ مہر مبارکہ میں اسم مبارکہ (محمد رسول اللہ) کو دو سطروں میں لکھا
گیا ہے یعنی کلمات طیبہ محمد رسول ایک سطر میں اور لفظ اللہ اس کے اوپر دوسری سطر میں کندہ ہے جو کہ نہ صرف اوپر بیان کی گئی احادیث مبارکہ کے
عکس ہے بلکہ اسی میوزیم میں موجود مکتوب مبارکہ بنام منذر بن ساوی حاکم بحرین کے اصل نسخے سے بھی متضاد ہے ذیل میں دی گئی تصویر اس مہر
مبارکہ جسے بہت سے مکتوبات مبارکہ سے جو اس وقت دستیاب ہیں سے اخذ کیا گیا ہے جو اصل مہر مبارکہ کی عکاسی کرتی ہے۔ مزید برآں اوپر دی گئی

سلاوئی والی۔ بحرین کے نام خط کا عکس (توپکاپی میوزیم، ترکی)

عدالت اجتماعی
سے مزین کاغذ
مکاتیب نبوی ﷺ

کرتے تھے۔ حضور پرنور ﷺ نے خسرو ایران سے لیکر قیصر روم تک اور حبشہ سے لیکر غسانی اور بحرینی ریاستوں کے امیروں تک اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے۔ ان مکتوبات مبارکہ میں جہاں بین الاقوامی پروٹوکول کا خیال رکھا گیا تھا وہاں خط و کتابت کا ایک اچھوتا انداز اپنایا گیا جس کو صرف اور صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور بغیر کسی گنجلک کے اعلان نبوت کر دیا گیا اور دعوت اسلام بھی دے دی گئی مندرجہ ذیل اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ حضور ﷺ کے دعوت نامے لیکر ان سلاطین عالم کے درباروں میں پہنچے:-(۱۰۷)

(۱) حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل کے پاس پہنچے (۲) حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کسریٰ خسرو پرویز کے دربار میں گئے
(۳) حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس گئے (۴) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ مصر کے قبطی مقوقس جریج کے ہاں گئے
(۵) حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس (۶) حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو ابی شمر الغسانی امیر دمشق کی طرف روانہ کیا گیا۔

سیرت نگاروں نے ان مکتوبات نبویہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے جبکہ حضور ﷺ کے دیگر مکتوبات جو دور رس سیاسی اور دینی ثمرات کے حامل تھے ان میں بہت سارے تعہدات اور معاہدے مثلاً محکوم اور باج گزار رعایا کے انسانی حقوق اور وہ مذہبی اور شخصی آزادیاں شامل تھیں جن کو آج بھی دنیا مثالی سمجھتی ہے) کے متون جو آپ نے مختلف قبائل سے کیے تھے محفوظ کر دیا تھا۔ ان معاہدے تقریباً ایسے وثائق کے متن اپنی جزئیات سمیت ہمیں دیئے ہیں اور اسی طرح جہاں اور دیگر مورخین نے نہ صرف انکی تصدیق اور توثیق کی ہے بلکہ بہت سے ایسے معاہدے بھی شامل کیے ہیں جن سے ابن سعد نے صرف نظر ہو گیا تھا یا جن تک ان کی دسترس نہ ہو سکی تھی۔

دستخطوں کی بجائے سید الاولین والآخرین ﷺ اپنی خاتم مبارکہ سے ان مکتوبات اور معاہدات پر مہر ثبت کر دیتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ [جب شہنشاہ دو عالم ﷺ نے کسریٰ (خسرو پرویز)، قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ کو دعوت نامے ارسال کرنے کا فیصلہ کیا تو ان سے عرض کیا گیا کہ وہ ایسے خطوط نہ لیں گے جن کے اوپر مرسل کی مہر نہ ہو گی تو اس وقت حضور والا شان ﷺ نے مہر کی انگوٹھی بنوائی جو چاندی کی تھی اور جس کے نگینے پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔] (۱۰۸) اس بارے میں باقی تفاصیل اوپر دی جا چکی ہیں۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ کے حوالے سے ہم نے صرف پانچ ایسے مکتوبات مبارکہ کا انتخاب کیا ہے جو عاصمۃ الحیہ سے اس وقت کی عالمی قوتوں کے نام بھیجے گئے تھے اور جن سے دور رس نتائج پیدا ہوئے کہ وہ سارے کے سارے دو اڑھائی سلطنت تھوڑے ہی عرصہ میں عاصمۃ الاسلام کے آگے سرنگوں ہو گئے اور ان میں سے کئی، قلمرو اسلام کی تابع ہو گئیں جیسا کہ صادق و مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس شہر حبیب کے متعلق بہت پہلے ہی فرما دیا

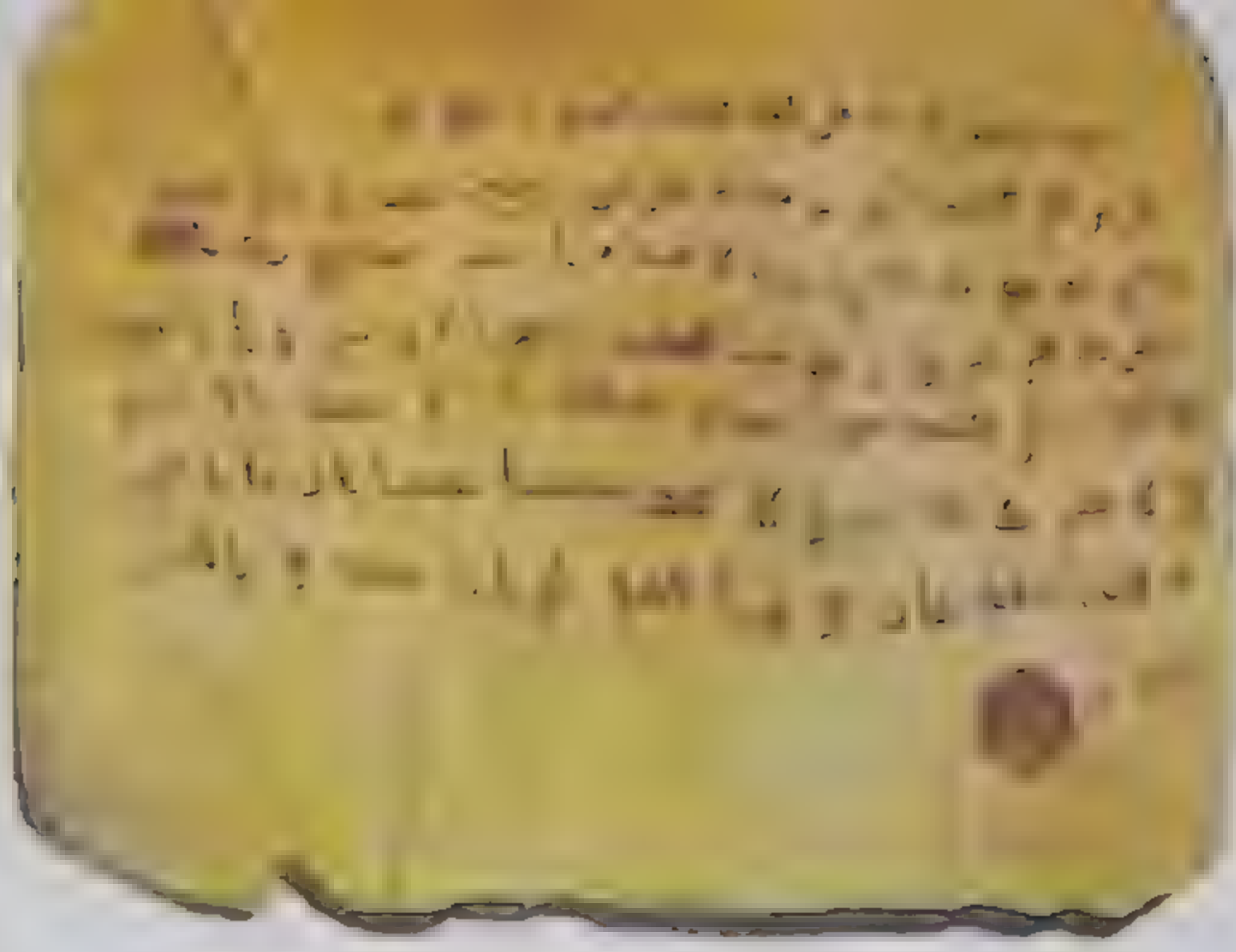

مکتوب مبارک بنام ہرقل شہنشاہ روم

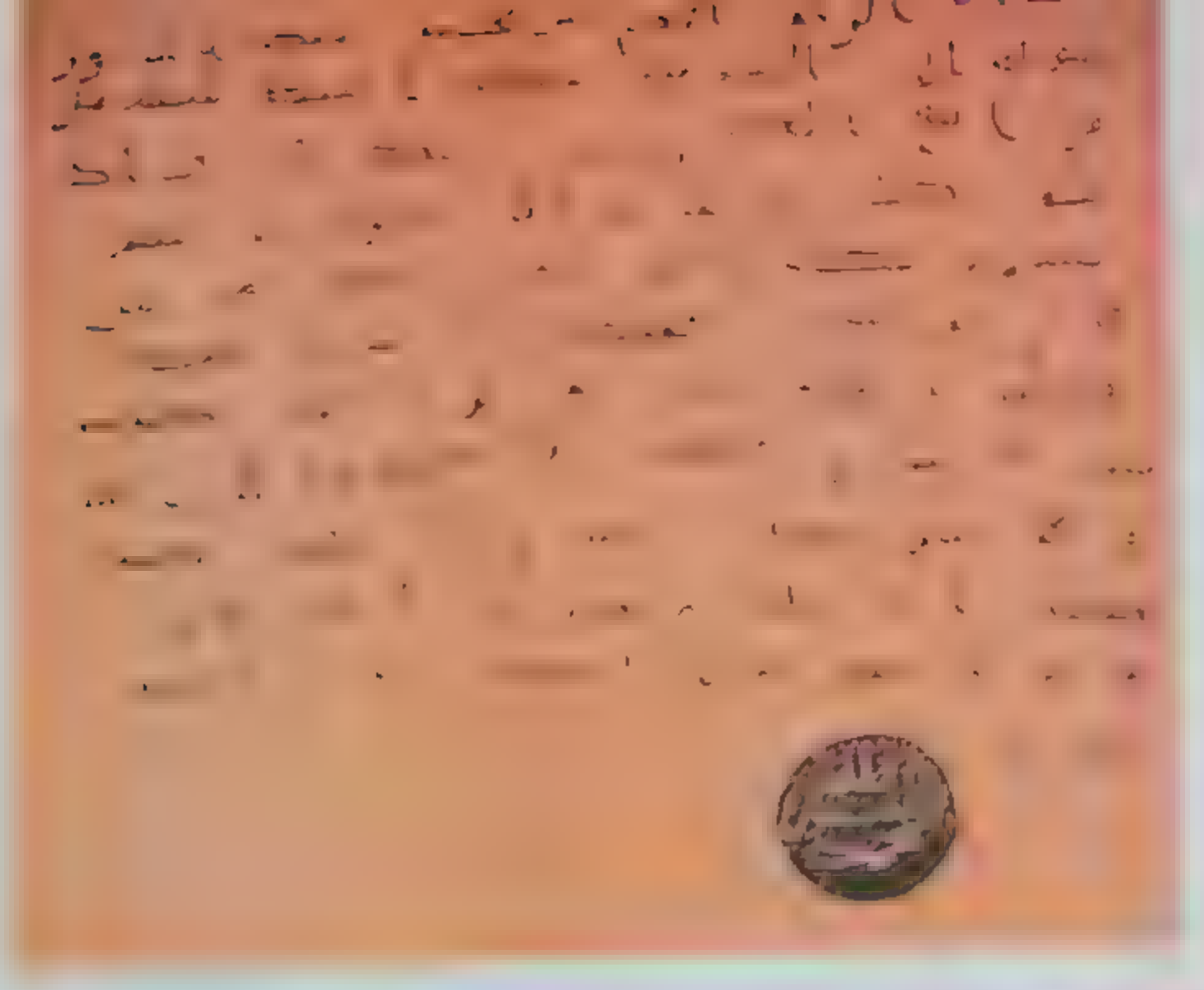

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مکتوب مبارک مقوقس حاکم مصر کے نام

یہ مکتوب [illegible] بازنطینی حکومت کے مصری [illegible] نامزد کیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس یہ [illegible] ان دنوں وہ مکتوب [illegible] قبطی عیسائی کی پادری کو دے دیا ہوگا اور پھر یہ مکتوب مبارک بہت سے ہاتھوں اور ملکوں سے ہوتا ہوا فسطین میں [illegible] قبطی عیسائیوں [illegible] کے ساتھ [illegible] کرس نامہ مبارکہ کا یہ گتہ سا بنایا جس سے ایک قدیم انجیل کی جلد بنائی گئی تھی بات یہ ہے کہ [illegible] مستشرق (پادری) جو پرانے مخطوطوں کا کھوج لگا رہا تھا کی نظر اس نامہ مبارکہ پر پڑ گئی اور اس نے مجلہ [illegible] (رسالہ عیشہ) میں شائع کروایا یوں یہ مکتوب مبارک صدیوں کے گوشہ گمنامی سے منصۂ شہود پر نمودار ہو گیا جونہی یہ خبر عام ہوئی ترکی کے سلطان عبدالمجید نے تین سو اشرفیوں کے عوض ۱۲۵۵ھ (۱۸۵۹ء) میں اسے خرید لیا پھر یہ مکتوب مبارک استنبول لایا گیا دریوں یہ اب توپکاپی میوزیم میں زینت بنا ہوا ہے یہ مکتوب مبارک جس پر لکھا گیا تھا مسلمان محقق اس کی کتابت کو سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے منسوب کرتے ہیں

حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں مصر بازنطینی سلطنت کی باج گزار ریاست تھی جس کی طرف سے نیابتاً قبطی مصری امیر مقرر ہوا کرتے تھے جن کا رتبہ تب متوقس ہوا کرتا تھا آنحضرت ﷺ کی طرف سے نامہ مبارکہ جس متوقس کے نام ارسال کیا گیا تھا اس کا نام جریج بن میناء تھا جو اس وقت کا متوقس تھا حضرت حاطب بن ابو بلتعہؓ نے اس نامہ مبارکہ کے قاصد کے فرائض ادا کئے نامہ مبارکہ کا مضمون بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ حرقل روم کے نام تھا یعنی: (۱۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے حرقل شاہ بازنطین کے نام۔

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے میں تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم دائرہ اسلام میں آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں امان

ورنہ دوہرا ٹیکس ہوگا اگر تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم اپنی رعایا کے جرم (کفر) کے بھی ذمہ
[illegible] آسمانی کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے
سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہی کسی اور کو اللہ
کے سوا اپنا رب تسلیم کریں گے، پھر بھی اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔
[illegible]

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مقوقس نے وہ نامہ مبارک بڑی عزت و حرمت سے رکھا اگرچہ وہ مسلمان تو نہیں ہوا مگر قاصد رسول اللہ ﷺ کی توقیر اور مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور واپسی پر چار کنیزیں، جن میں سیدہ ماریہ قبطیہ (ام ابراہیمؓ) بھی شامل تھیں (۱۱۲) اور انکی ہمشیرہ سیرین کو ایک خادم (حضرت مامور الخصی) کی معیت میں بہت سونا، سواری کے لیے دلدل نامی مشہور خچر اور چند قیمتی لباس۔ (۱۱۳) ایک شیشے کا گلاس اور ایک چھوٹا سا صندوق جس میں بعد میں سرور دو عالم ﷺ اپنا آئینہ، ہاتھی دانت کی کنگھی، ایک قینچی اور مسواک رکھا کرتے تھے، (۱۱۴) حضور والا شان کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ مقوقس ہمیشہ قبطی عیسائی ہی رہا اور اسی طرح اس دنیا سے سدھارا جب کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں مصر فتح ہوا۔

نامہ مبارک بنام خسرو پرویز

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا [illegible] طرح قیصر بھی مر جائے گا مگر اس کے بعد کوئی اور قیصر دوسری نہیں ہوگا۔ اس رب ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم [illegible] اور خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔] (۱۱۵) کسریٰ ساسانی خاندان کے ایرانی شہنشاہوں کا لقب تھا جن کا دارالسلطنت مدائن تھا ایرانی زرتشت کے پیروکار ہوا کرتے تھے اور آتش پرست تھے۔ اس مہم کے نامہ بر حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ تھے جنہوں نے وہ نامہ مبارک منذر بن ساویٰ کے وساطت سے خسرو پرویز کو پہنچایا۔ نامہ مبارکہ کا عربی متن ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ میں دیا ہے (۱۱۶) نامہ مبارکہ کا مضمون اس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کے نام

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اب میں تمہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں جسے تمام نوع انسانی کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ جو بھی زندہ ہے اس کو (اپنے کافرانہ عمل سے) دروغ در کنار پر اللہ کے احکام کی حجت ہو۔ اس لیے (سرکشی چھوڑ کر) اللہ کے حضور سر تسلیم خم کر لو ورنہ تمہارے انکار کی صورت میں مجوسیوں کے گناہ کے بھی تم سزاوار ٹھہرائے جاؤ گے۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ] (۱۱۷)

نجاشی شاہ حبشہ کو لکھے گئے بہت سے خطوط میں سے ایک کا عکس

ہے تو اس نے غصہ سے لال پیلا ہو گیا طیش کے عالم میں اس بدبخت نے خط کو پھاڑ ڈالا۔ اس نے قاصد رسول اللہ ﷺ حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ کو دھمکی بھی دی کہ اگر اسے بین الاقوامی رسم و رواج کا خیال نہ ہوتا تو وہ نامہ بر کو بھی جان سے مار دیتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: [اللہ کے رسول ﷺ نے جب خسرو پرویز کے پاس نامہ مبارک کو ہدایت کی کہ وہ حاکم بحرین کے وساطت سے اسے خسرو تک پہنچا دیں۔ جوں ہی خسرو نے وہ نامہ مبارکہ پڑھا تو اس نے اسے پھاڑ ڈالا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر حضرت سعید بن مسیب (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خسرو کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بددعا کی تھی کہ خسرو کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔] (۱۱۸) ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ: [جب قاصد اپنی اس بزم سے واپس لوٹے اور شہنشاہ بحرین المنذر بن ساوی العبدی کی خدمت میں تمام ماجرا عرض کیا تو منذر نے کہا [شاہان فارس نے ارشاد فرمایا: کسریٰ نے اپنی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔] (۱۱۹)

پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک لبنانی عیسائی نے اس نامہ مبارکہ کو دمشق سے ۱۵۰ اشرفیوں سے خرید لیا تھا۔ وہ تقریباً تا ۱۹۶۲ء میں اس مشتری کے بیٹے (جس کا نام بشری فرعون تھا اور اس وقت لبنان کا وزیر خارجہ تھا) نے اعلان کیا کہ اس کے پاس عالم اسلام کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس وقت کے بڑے بڑے محققین اسلام نے نامہ مبارکہ کے اصلی ہونے کی تصدیق بھی کی۔

شاہ حبشہ نجاشی (اصحمہ) کے نام مکتوب مبارک

حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو اس نامہ مبارکہ کے قاصد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جب نجاشی نے نامہ مبارکہ کو پڑھا تو اس نے کمال احترام سے اس کا بوسہ لیا اور اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور اپنے اسلام لانے کا اقرار کرتے ہوئے یوں گویا ہوا [اے کاش کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو سکتا۔] (۱۲۰) اس نامہ مبارکہ کا متن کچھ اس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے حبشہ کے عظیم حکمران نجاشی کے نام

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو بادشاہ غیب ہے تمام کائنات کا حاکم مالک ہے اور جو قدوس، السلام، المومن اور امہیمن ہے۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام روح اللہ اور اللہ کا کلام ہیں جو سیدہ مریم، جو کہ عذرا اور برائی کے خلاف برہان تھیں کو بغیر کسی بشری واسطے کے پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح سے بالکل ایسے ہی پیدا کیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے دعوت دیتا ہوں جو شریک سے پاک ہے اور جس کی کوئی مثال نہیں۔ آیئے اس کی اطاعت کے لیے آپ میرے ساتھ ہو جایئے۔ میری اطاعت کریں اور مجھے اللہ کا رسول مانیں۔ میں رب ذوالجلال کا ارسال کردہ رسول ہوں۔ میں نے پوری دیانت داری سے اللہ کا پیغام پہنچا کر تمہارے لیے بہبود و خیر کا سامان کیا ہے میری سنو اور اپنی رعایا کو بھی یہی دعوت دو۔ سلام ہو ان پر جنہوں نے صراط مستقیم اختیار کیا۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

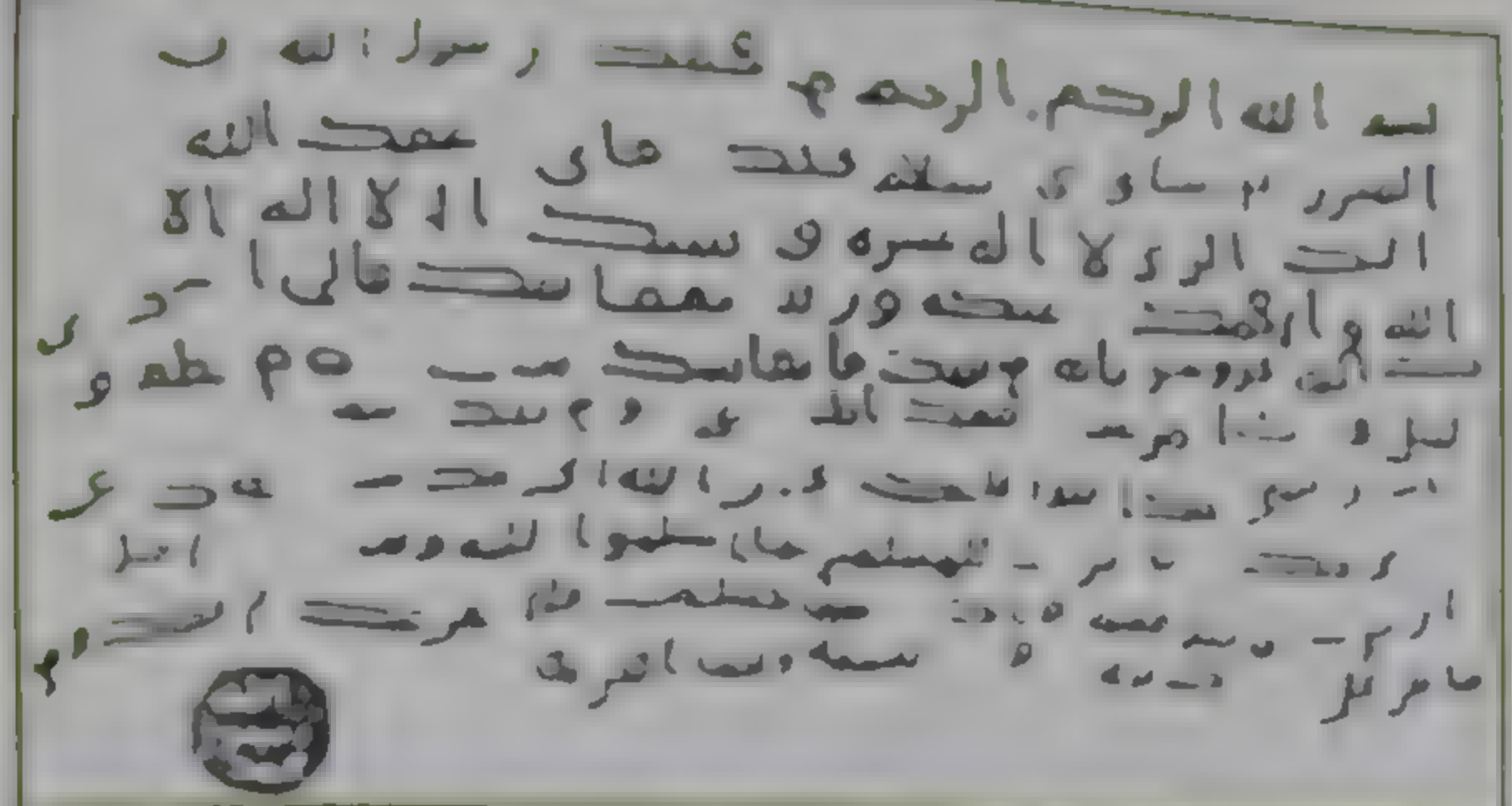

حاکم بحرین کے نام مکتوبات مبارکہ کے [illegible] سفارت [illegible]

جب دعوت نامہ پڑھا جا چکا تو نجاشی پکار اٹھے، میرے [illegible] تھے کہ میں آپ کی خدمت میں [illegible] رب ذوالجلال والاکرام کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آنحضرت [illegible] میں [illegible] نجاشی نے قاصد رسول [illegible] بن امیہ کی بہت عزت و توقیر کی اور اپنے دربار شاہی کے شرفاء میں سے [illegible] خدمت قرآن میں [illegible] کیے

نامہ گرامی بنام منذر بن ساوئی حاکم بحرین

[illegible] کے ساتھ [illegible] سے [illegible] دعوت مدینہ طیبہ سے [illegible] حبس والے نامہ مبارک کی اصل [illegible] خاندان کی تحویل میں رہی جن سے سلطنت عثمانیہ نے اسے حاصل کر لیا۔ نامہ گرامی کا متن کچھ یوں ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے منذر بن ساوی [illegible]

تم پر سلامتی ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد و ثنا کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور جس کے [illegible] میں رب الاحد والصمد کی وحدانیت اور اپنے آپ کے اللہ کے نبی اور عبد ہونے کی گواہی دیتا ہوں [illegible] مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بھی میری نصیحت کو قبول کرے گا اور [illegible] عمل کیا اس نے گویا میری نصیحت قبول کر لی تم اپنے منصب پر قائم رہو گے ہمیشہ [illegible] رسول کے وفادار رہنا

مجھے بحرینی عوام کے متعلق تمہاری سفارشات قبول ہیں۔ میں مجرموں کے گناہوں کو معاف کرتا ہوں، بنا تم بھی ان کو معاف کر دینا البتہ بحرین کے باسیوں میں سے جو اپنے آبائی دین یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہیں انہیں تم کو جزیہ دینا ہوگا۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مندرجہ بالا چاروں نامہ ہائے مبارکہ جو کہ اس وقت کی عالمی قوتوں کے نام [illegible] گئے تھے کے علاوہ اور بھی بہت سے مکتوبات گرامی تھے جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے رؤسا اور قبائلی سرداروں کے نام تھے یہ بھی ایک نامہ گرامی جیفر اور عبد پسران جلندی کے نام مبارک گیا تھا جو ولایت عمان کے مشترکہ والی تھے (۱۲۱) اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے

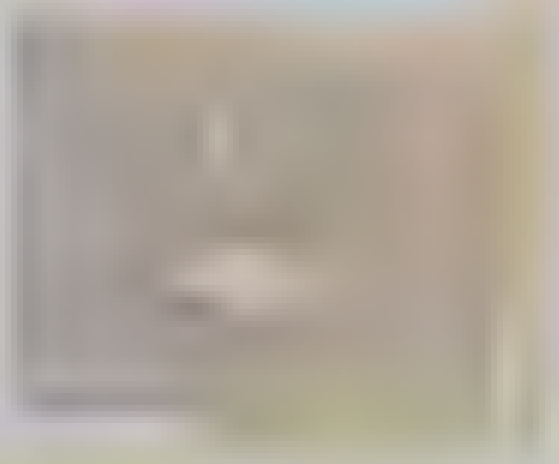

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

محمد اللہ کے رسول کی طرف سے جیفر اور عبد پسران جلندی کے نام

سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ امابعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر تم حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ گے تو تم امان پاؤ گے۔ [illegible] دنیا و آخرت میں اللہ کا پیغام پہنچاؤں اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہاری مدد [illegible] اسلام قبول نہ کرو گے تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور میرے گھوڑے تمہاری سرزمین کو روند دیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک میں قائم ہو کر رہے گی۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ] (کاتب: ابی بن کعبؓ)

[illegible] پادریوں کے نام مخاطب کیا گیا تھا جس میں حضور سید المرسلین والآخرین اور رحمت عالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے [illegible] کے حقوق کے چارٹر کے طور پر دیا گیا تھا چونکہ اس نامہ گرامی کے [illegible] کا تعلق نجران کے عیسائیوں سے ہے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے دین کے مطابق عبادات کی آزادی اور اپنے ہم مذہبوں پر اپنا خاندانی قانون نافذ کرنے کی اجازت دی تھی اور اس کی رو سے ان کو وہ شخصی آزادیاں اور حقوق حاصل ہو گئے تھے جن کا آج کی متمدن دنیا میں [illegible] سے حکومت مدینہ طیبہ سے چودہ سو سال پہلے عطا کر دیا تھا اس لیے تمہید نامہ مبارک میں [illegible] کی تشریح کر دینا ضروری ہے۔

اس نامی گرامی کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

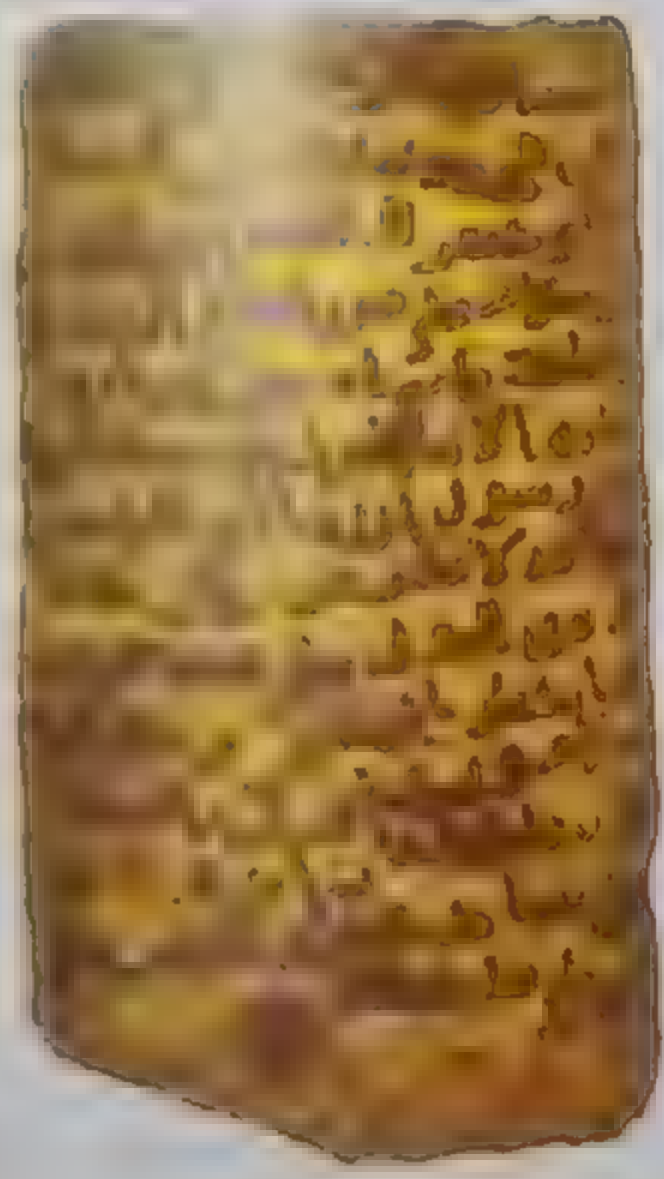

یہ عہد نامہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی طرف سے ان عامۃ الناس کے لیے ہے جنہوں نے اپنے لیے دین مسیحی کا انتخاب کیا ہے، وہ دور و نزدیک [illegible] ان کے ساتھ ہیں۔

بلاشک میں خود اور میرے انصار و مہاجر جو [illegible] تھی اور میرے متبعین انکا دفاع کریں گے اس لیے کہ نصاریٰ میری رعایا ہیں اور رب ذوالجلال کی قسم ہر وہ بات مجھے ناگوار ہے جس سے انکو اذیت ہوتی ہو

ان کے اوپر کوئی جبر و اکراہ روا نہیں رکھا جائے گا۔

انکے قاضی اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے اور نہ ہی ان کے پادریوں کو انکی کلیساؤں سے ہٹایا جائے گا

کوئی بھی انکی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں کرے گا اور نہ ہی انکو کوئی گزند پہنچایا جائے گا اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ اجازت ہوگی کہ وہاں سے کوئی چیز اٹھا لے جائیں۔

جو کوئی بھی ایسا کرے گا اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو توڑنے کا ارتکاب کرے گا اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ بلاشک وہ میرے حلیف ہیں اور ہر اس تکلیف اور نقصان سے جن کا کہ انہیں خوف ہو محفوظ ہیں

کوئی بھی انہیں اپنی پرانی [illegible] سے [illegible] مجبور نہیں کرے گا مسلمان ان کی جنگیں لڑیں گے

[illegible] کسی مسلمہ سے ہوتی ہے تو یہ اس کی رضاء ورغبت کے بغیر نہیں ہو سکے گی. ایسی صورت میں اسے عبادت سے
لیے اپنے چرچ جانے سے نہیں روکا جائیگا.
ان کے کلیساؤں کا احترام کیا جائے گا. انکی دیکھ بھال اور مرمت میں یا انکے ارکان دین کی [illegible] میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جائے گا
میری امت میں سے کوئی بھی اس عہدنامے کی نافرمانی نہیں کرے گا.

حضور سرور دو عالم ﷺ کے پیالہ جات مبارکہ

حضرت عاصم بن احول بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کے ہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا پیالہ مبارک دیکھا ہے یہ پیالہ ٹوٹ گیا تھا اور انہوں نے اس کی مرمت چاندی کی تار سے کر دی تھی وہ پیالہ مبارکہ کافی بڑا تھا اور خضار (جھاؤ) کی لکڑی سے بنایا گیا تھا حضرت انس ابن مالکؓ خود بیان فرماتے ہیں [میں نے کتنی ہی بار اس پیالے سے اپنے آقا و مولیٰ کو پانی پیش کیا] حضرت ابن سیرین (جو حضرت انس ابن مالکؓ کے غلام تھے) فرماتے ہیں اس پیالے کے گرد ایک آہنی تار جڑ دی گئی تھی اور حضرت انسؓ اسے چاندی یا سونے کی تار سے [illegible] چاہتے تھے مگر حضرت ابو طلحہؓ (جو کہ ان کے سوتیلے والد تھے) نے انہیں فرمایا کہ اس چیز کو نہ بدلیں جس کو اللہ کے پیارے حبیب نے بنایا ہو. حضرت انس نے اسے ایسے ہی رہنے دیا.] (۱۲۲)

اسی طرح حضرت ابو بردہؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کیوں نہ میں آپکے لیے [illegible] سے میں پانی بناؤں جس سے نبی کریم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا (۱۲۳) حضرت انس ابن مالک نے فرمایا جب حضور سرور دو عالم ﷺ کا پیالہ [illegible] ٹوٹ گیا تو میں نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ کے گرد چاندی کی تار لپیٹ دی اس حدیث [illegible] کی بنا حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ [میں نے اس پیالے کو دیکھا اور اس سے پانی بھی پیا ہے] (۱۲۴) اسی طرح حضرت ثابت [illegible] کی روایت پر بیان کرتے ہیں کہ [میں نے یہ پیالہ حضرت انس بن مالکؓ کے ہاں دیکھا اور اس کو جوڑنے کے لیے اس کے اوپر چاندی کی تار لگائی گئی تھی.] (۱۲۵) حضرت حجاج بن [illegible] فرماتے ہیں کہ [ہم حضرت انس ابن مالکؓ کے ہاں گئے ہوئے تھے، وہ کالے رنگ کے ایک غلاف یا تھیلی میں لپٹا ہوا وہ پیالہ لیکر آئے. حضرت انس نے ہمارے لیے اس میں پانی لایا جانے کا حکم دیا اور جب پانی لایا گیا تو ہم سب نے اسے نوش کیا اور اس میں سے کچھ پانی اپنے چہروں اور سروں پر بھی چھڑکا اور پھر ہم رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھتے رہے.] (۱۲۶) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاءؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ثابت البنانی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شیشے کا ایک گلاس تحفتاً ارسال کیا تھا جس سے حضور پرنور ﷺ پانی نوش فرمایا کرتے تھے. (۱۲۷)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ بیان کرتے ہیں: [اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کرام کی معیت میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف گئے اور پھر وہاں کچھ دیر کے لیے استراحت فرمائی. پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے سہل مجھے پانی [illegible] کر دیجئے، لہذا میں نے یہ پیالہ نکالا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا.] اس حدیث مبارکہ کے راوی ثانی بیان کرتے ہیں (کہ جب وہ ہمیں یہ بتا رہے تھے) وہ یہ پیالہ ہمارے لیے نکال کر لائے اور پھر ہم سب نے اس مبارک پیالے سے پانی پیا. بعد میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت سہلؓ سے درخواست کی کہ وہ پیالہ انہیں دے دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت سہلؓ نے وہ پیالہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو تحفتاً پیش کر دیا. (۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کا زیر استعمال صاع (تولنے کا پیمانہ)

حضرت جرمہؓ بیان کرتی ہیں کہ [ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ نے ہمیں ایک صاع دیا اور ہمیں ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کے قول کے مطابق فرمایا کہ وہ صاع حضرت نبی اکرم ﷺ کا صاع ہوا کرتا تھا اور جب انہوں نے اس کو ناپا تو ہشام کے پیمانے کے مطابق سے اڑھائی مد

کے ... (۲۹۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے لباس ہائے مبارکہ (چوتھا بیان شریف)

حضرت ... جب بھی ... حضور ... شان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو حضور پرنور ... جبہ (لمبا) ... قمیص ... پر حضور کی شال جو تقریباً ... چار ذرع (ساڑھے ... طویل (یعنی تقریباً دو میٹر) اور دو ذرع اور ایک بالشت ... تھی ... آج کل ... کے پاس ہے اور تصویر کی ... ہو چکی ہے، وہ اسے عیدین کے مواقع پر اپنے جبوں کے اوپر پہنتے تھے۔ (۳۰) حضرت ... بن ابوبکر کے ... حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو مارکیٹ میں ایک شامی کپڑا خریدتے دیکھا، لیکن جونہی انہوں نے نوٹ کیا کہ اس کپڑے میں سرخ دھاریاں تھیں تو انہوں نے اسے واپس کر دیا۔ میں جب حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا تو ان سے سارا ماجرا عرض کیا اس پر انہوں نے اپنی کنیز سے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی شال مبارک نکالے جب وہ لائی گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک کھردرے کپڑے سے بنائی گئی تھی، اس کے کالر، آستینیں اور آگے اور پیچھے کے حصے ریشم کے کپڑے سے مزین تھے۔ (۱۳۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی کو
عنایت فرمائی تاکہ وہ اسے اپنے بعد (رئیس المنافقین بن بنی) سے مرنے پر اس کے کفن کے طور پر استعمال کریں (۱۳۲)

اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف جبہ ہائے مبارک میں سے کتنے قبائل اور ان کے نمائندوں کی ضیافت میں چنے گئے اور بالآخر کل کتنے مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے آج کی نسل تک پہنچے۔ تاہم کچھ کا ذکر ضرور ملتا ہے جن کی روایت میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا ایک جبہ مبارک حضرت اویس قرنی کو دیا تھا جو ان تک سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے پہنچا تھا۔ مختلف شاہان دولت اسلامیہ کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا یہ جبہ مبارک بالآخر کابل (افغانستان) میں قندھار کی ایک مسجد میں محفوظ ہوا۔ اسی خرقہ مبارکہ کی بدولت وہ مسجد جہاں یہ محفوظ ہے "مسجد خرقہ" کے نام سے مشہور ہوئی جہاں تین قفل والے صندوق میں اسے رکھا جاتا ہے اور جب سب سے چھوٹے صندوق کا تالا کھلتا ہے تو اس میں سے خرقہ مبارک جناب عرفان صدیقی صاحب نے اپنے کالم "نقش خیال" مورخہ ۱۲ جولائی ۲۰۰۳ء میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ انہیں یہ خرقہ مبارک دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

بہت سے عالمی انسائیکلوپیڈیاز کے مطابق جب ملا عمر اپنے مخالفین کے خلاف عزم حرب پر نکلتا تو وہ تبرک نبوی اپنے ساتھ لیکر چلتا اور جب کابل پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے ملا کی امارت افغانستان کے امیر المومنین کا حلف اٹھایا تو وہ جبہ مبارک اس کے کندھوں پر تھا۔ کارنیگی رسائی رپورٹ کے مطابق [1996ء میں ملا عمر نے اپنے جنگجوؤں کے جذبات کو اس وقت مہمیز لگائی جب وہ حضرت محمد (ﷺ) کے آثار مبارکہ میں سے آپ کا ایک مقدس کپڑا (خرقہ) جو کہ جامعہ مسجد قندھار میں محفوظ تھا، ہوا میں لہراتا ہوا باہر آیا اس سے پہلے اس تبرک نبوی کی زیارت عام موقعوں پر بھی نمائش ہوئی تھی۔] (۳۳)

اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہوئے ٹائم میگزین نے اپنی رپورٹ میں لکھا [آج یہ ایمان کا معاملہ ہے۔ پچھلی خزاں میں کابل پر قبضہ کرنے سے پہلے ملا عمر قندھار کی جامعہ مسجد میں داخل ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے ہاتھوں میں نبی محمد (ﷺ) کے ایک مقدس کپڑے کو

ہے [illegible] جو [illegible] جذبات میں [illegible] آنے سے [illegible] تاریخ میں [illegible]
[illegible] کا [illegible] تھا جب ہیضہ کی وبا کا توڑ کرنے کے لیے اس کی معجزانہ قدرتوں کا اظہار کیا گیا تھا [illegible]
[illegible] کا [illegible] ہوا اور عمر کا ایمان فتح ایزدی میں اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔] (۱۳۴) اسی تبرک نبوی کے متعلق لکھتے ہوئے خبر رساں ایجنسی
[illegible] نے [illegible] ۱۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو لکھا ہے: [احمد شاہ درانی کا بہشت گوشہ مزار مرکزی بازار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس
کے پہلو میں قریب ہی اسلام کے نبی حضرت محمد (ﷺ) کا جبہ مبارکہ توشہ خانہ میں ہے جو پورے افغانستان میں سب سے زیادہ مقدس مقام
سمجھا جاتا ہے۔ اس جبہ مبارکہ کی بہت ہی کم مواقع پر لوگ زیارت کر پائے ہیں۔ آخری بار ایسا تب ہوا جب ملا عمر نے ۱۹۹۶ء میں اس کو باہر نکال
[illegible] جب اس نے اپنے آپ کے امیر المومنین ہونے کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے یہ ۱۹۳۵ء میں نمائش کے لیے لایا گیا تھا جب شہر میں ہیضہ
[illegible] پھوٹ پڑی تھی اور اس سے پہلے ۱۹۲۹ء میں ہوا تھا جب شاہ امان اللہ خان نے قبائل کی ہدایت حاصل کرنی چاہی تھی] (۱۳۵)

رسول اللہ ﷺ کی تلواروں کی ایک نایاب تصویر

حضور نبی اکرم ﷺ کی شمشیر ہائے گوہر بار:

سیرت نگاروں کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس چند تلواریں تھیں جن کو حضور والا شان ﷺ نے مختلف غزوات میں استعمال فرمایا۔ ماثور نامی شمشیر تو حضور سرور دو عالم ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے ورثہ میں ملی تھی، مگر اس کے علاوہ اور بھی شمشیر ہائے مبارکہ تھیں مثلاً: سیف بتار، سیف مہند، سیف قضب اور سیف ذوالفقار وغیرہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ "سیف ذوالفقار سیدالابرار حضور سرور کونین ﷺ کو غزوہ بدر میں مال غنیمت کے طور پر ملی اس سے پہلے یہ منبہ بن الحجاج السہمی کے پاس تھی (۱۳۶) حضور پرنور ﷺ کے پاس آجانے پر اس کو ذوالفقار کے نام سے پکارا جانے کا ایک روایتی حدیث نے مجھے بتایا کہ اسے جبرائیل نے بتایا کہ [یوم احد پر ہاتف غیبی نے پکار کر کہا (۱۳۷) [سیف الا ذوالفقار و فتی الا علی]
ابن سیرین نے بیان کیا ہے کہ [میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ کی تلوار کی طرز پر بنوائی جو کہ انہوں نے حضور

ن [illegible] ی تھی (۱۳۸) حضرت [illegible] عبد ابن [illegible] فرماتے ہیں کہ [illegible] وہ شمشیر جو ہری جو آقا [illegible] ساتھ ہجرت سے [illegible] مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہ میرے والد (حضرت [illegible]) کے پاس بطور آثار نبویہ کے تھی (۱۳۹) یہ بات خارج از [illegible] نہیں ہوگا کہ مذکورہ شمشیر تیغ ذوالفقار تھی جس کا مصب ہی آثار مبارکہ سے ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب سے ورثہ میں پائی تھی اور اسے اپنی آبائی شمشیر کے طور پر مدینہ طیبہ لے کر آئے تھے (۱۴۰)

حضرت علی بن حسین علیہ السلام (امام زین العابدینؑ) نے فرمایا کہ [جب وہ شہادت امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کے بعد یزید ابن معاویہ سے واپس لوٹ رہے تھے تو اسور ابن اکثر مدان سے ملے اور کہنے لگے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے] امام علیہ السلام نے فرمایا [illegible] اس کے بعد اسور کہنے لگے کہ آپ رسول اللہ کی شمشیر مبارک مجھے دے دیجئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یہ وقت آپ سے جبراً لے لیں گے، اگر آپ اسے میرے پاس چھوڑ دیں تو یہ لوگ میرے جیتے جی سے کبھی نہ لے سکیں گے۔] (۱۴۱)

حضرت جابر ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ نے ہمیں رسول اللہ کی شمشیر مبارک دکھائی اس کا دستہ چاندی کا تھا اس کے دندانے بھی چاندی کے تھے اور ایسے ہی اسکی زنجیر بھی چاندی کی تھی۔] (۱۴۲)

سیف ذوالفقار سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی پسندیدہ شمشیر تھی جسے انہوں نے بوقت ضرورت مختلف حروب میں استعمال کیا اس کے دو نوکیلے سرے (انیاں) تھے اور وہ دو دھاری شمشیر جوہری تھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دست خیبر شکن میں جب سیف ذوالفقار ہوتی تو وہ عدو نا ہنجار پر صاعقہ بن کر ٹوٹتی اور جدھر اٹھتی گشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ غزوہ بدر کے بعد ہر معرکہ میں خواہ وہ غزوہ احد ہو یا خندق، خیبر ہو یا حرب صفین، ہر میدان کارزار میں دست حیدری میں اس شمشیر براں نے اپنے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمنوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں شیر خدا علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اسی سیف ذوالفقار کو لیکر میدان کرب و بلا میں یزیدی عساکر کے سامنے سینہ سپر ہوئے تھے۔ ریگ زار کربلا میں میان نور سے نکلی ہوئی اس شمشیر جوہری نے امام عالی مقام علیہ سلام کے دست مبارک میں کتنے ہی یزیدی واصل جہنم کئے اور اس کے بعد جب ہنگامہ کارزار تھما تو یہ شمشیر مصطفوی حضرت زین العابدینؑ کے پاس ورثہ حسینی ہی نہیں بلکہ ورثہ حیدری اور ورثہ بتول ورسول کے طور پر پہنچی اس کے اوپر یہ تحریر کندہ تھی [illegible] مسلم بکافر۔ (۱۴۳)

بعد میں یہی تیغ ذوالفقار حضرات اہل بیت کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی حضرت محمد ابن عبداللہ ابن حسن المثنی ابن امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی جن کو تاریخ اسلام میں نفس الذکیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب انہوں نے اہل بیت پر عباسیوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مدینہ طیبہ اور اس کے نواحی علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا تو عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے ایک لشکر عدیدان کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔ نفس الذکیہ محمد ابن عبداللہ المحض نے مقابلے کی ٹھانی اور پہلی دفاعی لائن کے طور پر اسی خندق مبارک کو دوبارہ کھدوایا اور مرمت

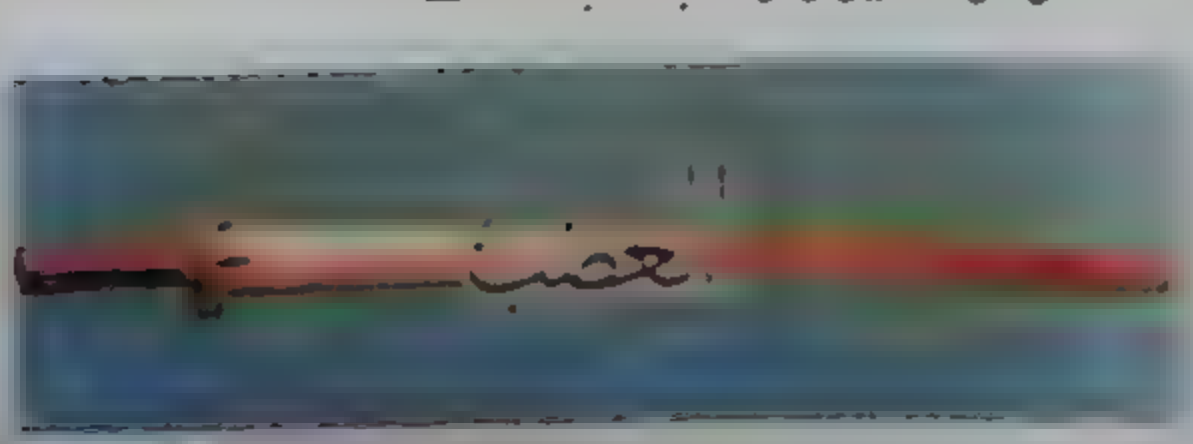

رسول مقبول ﷺ کی تلوار العضب

حضور سید الکونین کی کمان مبارک

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؓ نے انہیں بتایا: [حضور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام (معرکہ احد میں) اپنی کمان سے دشمن پر تیر برساتے رہے یہاں تک کہ وہ نچلے حصے سے ٹوٹ گئی. حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے اسے اٹھا کر سنبھال لیا. اس دن ان کی ایک آنکھ اتنی شدید طور پر مجروح ہوگئی کہ آنکھ پھوٹ کر باہر رخسار پر لٹکنے لگ گئی تھی. حضرت عاصم نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی مناسب جگہ پر رکھا اور پھر اس کے بعد اس کی بینائی اور حسن پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا تھا.] (۱۴۸) حضرت عباس نے فرمایا کہ [حضور سید الکونین ﷺ جب کسی غزوہ پر ہوتے تو وہ جمعہ کا خطبہ اس طرح دیتے کہ جسم طہر کو اپنی کمان پر سہارا دیتے. حضور پرنور ﷺ کی کمان کا نام عنزہ تھا (۱۴۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کے تیر کو سنبھال کر رکھتے ہیں

جب غزوہ احد کے دن مشرکین مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا پیچھا کرنے کے لیے پہاڑ کی چٹان پر چڑھنے کی کوشش کی تو حضور شاہ ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو حکم دیا کہ ان کو پیچھے ڈالیں. حضرت سعد اس وقت شش و پنج میں پڑ گئے کہ وہ تن تنہا اتنے زیادہ مشرکین کا کیسے مقابلہ کریں گے خاص طور پر جب کہ وہ سب کے سب تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور تلواریں سونت کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بیان فرماتے ہیں کہ [میں نے دیکھا کہ رسول مقبول ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے تیر نکال کر دے رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے تھے میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں پھر حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ترکش کا آخری تیر نکال کر مجھے دیا جس کا سرا بھی کند تھا.] (۱۴۹) حوصلہ کر کے انہوں نے وہ تیر ہاتھ میں لیا اور دشمن کی طرف دے مارا. تیر ہدف پر لگتے ہی مشرک واصل جہنم ہو گیا. انہوں نے وہی تیر پھر اٹھا لیا کیونکہ وہ اسے پہچانتے تھے اور دوسری مرتبہ اسے پھر دے مارا. دوسری بار کا ہدف بھی وہیں ڈھیر ہو گیا. انہوں نے اسے بڑھ کر پھر سے اٹھا لیا اور تیسری مرتبہ پھر دشمن کی صف چیرتے ہوئے اس بار بھی نشانہ خطا نہ ہوا اور تیسرا مشرک بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا. باقی ماندہ حملہ آوروں نے بھاگ جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی. حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ [میں نے سوچا کہ یہ تیر وقعی متبرک ہے اور اس لیے اسے میں نے اپنے ترکش میں سنبھال لیا.] ابن سعد کا بیان ہے کہ [وہ تیر حضرت سعدؓ کے پاس تاحیات رہا اور پھر ان کے بعد ان کے ورثاء کی تحویل میں رہا.] (۱۵۰)

چودہ صدیوں تک وہ تیر نسل در نسل ایک سے دوسرے کے پاس منتقل ہوتا رہا. حرۃ الاغوات کے حدقے میں جو باب جبریل کے مقابل واقع تھا ۱۹۸۵ء تک ایک پرانا سا مکان ہوا کرتا تھا جس میں اور تبرکات کے علاوہ وہی تیر نمایاں طور پر شوکیس میں نمائش کے لیے رکھا گیا تھا. اس تیر کے علاوہ وہ کمان مبارک جو ابن اسحاق کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حضرت قتادہ ابن نعمانؓ نے سنبھال لیا تھا بھی وہیں موجود ہوا کرتا تھا. یہ ایک پرانا سا گھر ہوا کرتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہت سے تبرکات مبارکہ کی نمائش کی گئی تھی اور اسے روزانہ نماز عصر کے بعد عامۃ الناس کے لیے کھول دیا جاتا تھا. مگر مسجد نبوی میں توسیع کے منصوبے کے تحت وہ تمام تر علاقہ واگزار کروا کر صاف کر دیا گیا اور پھر نہ جانے ان تمام تبرکات مقدسہ پر کیا بیتی کیونکہ وہ سارے کے سارے مسجد نبوی اب گوشہ گمنامی میں چلے گئے ہیں.

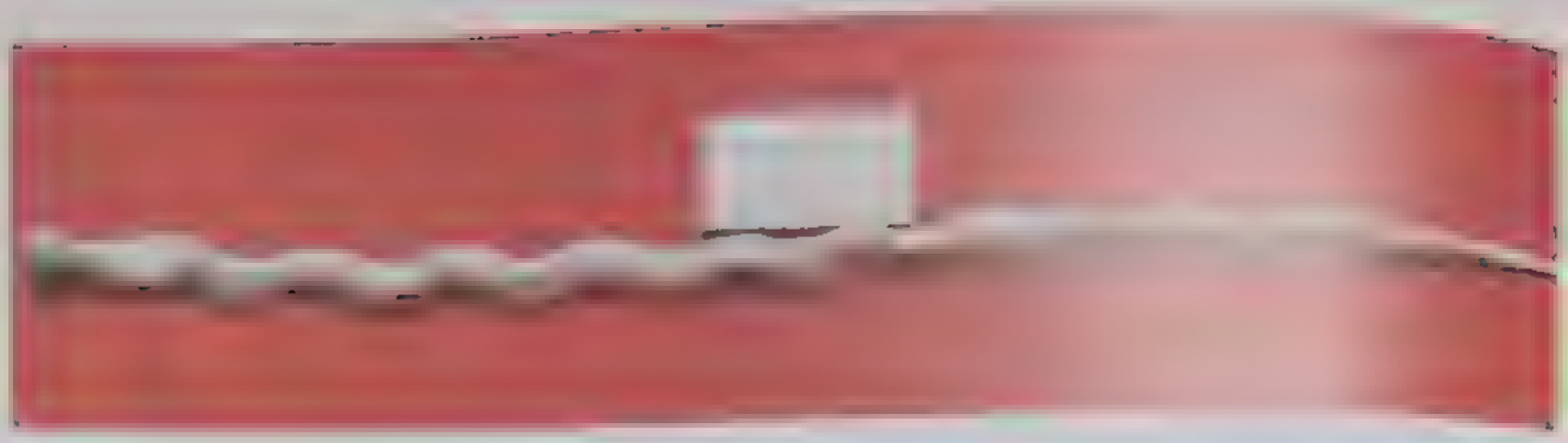

حضرت [illegible] نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے علامات و اطوار میں بھی شامل ہے [illegible] سے پہلے حجامت بنوانا اور بھی آپ اس سے [illegible] کی بات کی تائید [illegible] سے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ حضور پر [illegible] سے پہلے حجامت بنوانا [illegible]

حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ حجامت بنوائی اور ان میں سے اس وقت بھی دنیا میں محفوظ ہیں یہ حجامت مبارکہ توپ کاپی شریف استنبول مسجد [illegible] لاہور میں ہے جبکہ دوسرا اوچ شریف میں دیگر تبرکات نبوی کے ساتھ محفوظ ہے۔

حضرت خالد ابن ولیدؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ کو اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا تھا

حضرت خالد ابن ولید فرماتے ہیں: [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا اور جب اس کے اختتام پر اپنے موہائے مبارکہ کا حلق کروایا تو لوگوں نے آپ کے موئے مبارکہ آپس میں تقسیم کر لیے، میں سب سے آگے تھا اور خوش قسمتی سے مجھے جبین مبارکہ سے زلف تراشیدہ کی ایک لٹ نصیب ہوگئی جسے میں نے اپنی اس ٹوپی میں سی لیا ہے۔ میں جس بھی معرکہ میں شریک ہوا ہوں یہ ٹوپی (قلنسوہ) میرے ساتھ رہی اور میں ہمیشہ ظفر اور کامیاب و کامران لوٹا ہوں۔] (۱۵۲) ایک غزوہ میں جب وہ لشکر اسلام کی کمان کر رہے تھے تو ان کی وہ ٹوپی سر سے گر گئی۔ آپ واپس اس کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے دشمن کی صفوں پر شدید حملہ کیا۔ بازیابی کی اس کوشش میں بہت سارے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ بعد میں انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ ان کا وہ شدید جارحانہ حملہ ان کی بظاہر عام سی ٹوپی کو بازیاب کرنے کی غرض سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ مبادا وہ موئے مبارکہ جو اس ٹوپی کے اندر سلے ہوئے تھے کفار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور وہ نجس کہیں ان کی بے حرمتی نہ کر دیں۔ (۱۵۳)

حضرت جعفر بن عبداللہ بن الحکمؒ نے بیان کیا ہے کہ: [یوم معرکہ یرموک پر حضرت خالد ابن ولیدؓ کی ٹوپی کہیں گم ہوگئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے بازیاب کیا جائے۔ لوگ اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہے جس پر انہوں نے پھر حکم دیا کہ اسے ڈھونڈ کر لایا جائے۔ تلاش بسیار کے بعد اس مرتبہ وہ اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب وہ ٹوپی ان کو ملی تو اسے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہاء ہوگئی کہ وہ ایک پرانی سی بوسیدہ ٹوپی تھی جس پر حضرت خالد ابن ولیدؓ یوں گویا ہوئے: [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے بعد جب اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو لوگ آپ ﷺ کے موہائے تراشیدہ کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ میں سب سے بازی لے گیا اور چند موئے مبارکہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں نے ان موہائے مبارکہ کو اپنی اس ٹوپی میں سی لیا۔ پھر کوئی بھی معرکہ ایسا نہیں آیا کہ یہ ٹوپی میرے سر پر نہ ہو اور فتح و نصرت نے میرے پاؤں نہ چومے ہوں۔ (۱۵۴)

کھجور کا وہ تنا (حنانہ) جس پر حضور [illegible] ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے

حضرت جابر ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں [illegible] کے رسول (ﷺ) کہ آپ اپنا دست مبارک فرمائیں تو [illegible] میرا ایک غلام بڑھئی کا کام جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا: [جیسی تمہاری رضا۔] جس پر اس نے آپ کے لیے ایک منبر بنایا جب جمعہ کا دن آیا تو حضور پرنور [illegible] پر جلوہ افروز ہوئے۔ پاس ہی وہ کھجور کا سوکھا ہوا تنا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر اللہ کے پیارے رسول [illegible] خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ [illegible] کہ اس کھجور کے تنے سے [illegible] چیخ مارنے لگا آقائے دو جہاں [illegible] منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور اپنا [illegible] اس ستون پر رکھا تو وہ [illegible] (جس کے بعد [illegible] کرتے تھے) [illegible]

حضرت جابر ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں [illegible] کے رسول (ﷺ) کہ آپ اپنا دست مبارک فرمائیں تو [illegible] میرا ایک غلام بڑھئی کا کام جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا: [جیسی تمہاری رضا۔] جس پر اس نے آپ کے لیے ایک منبر بنایا جب جمعہ کا دن آیا تو حضور پرنور [illegible] پر جلوہ افروز ہوئے۔ پاس ہی وہ کھجور کا سوکھا ہوا تنا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر اللہ کے پیارے رسول [illegible] خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ [illegible] کہ اس کھجور کے تنے سے [illegible] چیخ مارنے لگا آقائے دو جہاں [illegible] منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور اپنا [illegible] اس ستون پر رکھا تو وہ [illegible] (جس کے بعد [illegible] کرتے تھے) [illegible]

حضرت ابن ابی زناد (متوفی [illegible]) کی حیات طیبہ میں اور پھر
حضرت [illegible] کے بعد ہمیں حضرت محمد بن مسلم بن سائب تک رسائی ملی جو مقصورہ شریفہ کے محافظ عام تھے. انہوں نے ہمیں حضرت اس ابن مالک کے
حوالے سے بتایا جنہوں نے ان سے کہا کہ. کیا تمہیں معلوم ہے کہ اسے (منبر) کونسی نے بنایا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں. اس پر انہوں نے
فرمایا کہ (اقامت صلوۃ کے وقت) اس پر آقائے نامدار ﷺ اپنا دست مبارک رکھتے اور فرماتے: اپنی صفیں سیدھی کرلو. جب حضور پرنور ﷺ کا
انتقال ہوا تو یہ لکڑی کا ٹکڑا کوئی صاحب چپکے سے اٹھا کر لے گئے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بہت کوشش کی کہ اس کا اتہ پتہ مل جائے مگر کوئی
سراغ نہ مل سکا. پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں اس کو بازیاب کرنے کے لیے احکام جاری کئے تو بالآخر قباء میں اسے ایک انصاری احیحابی
کے گھر سے بازیاب کرلیا گیا جنہوں نے اسے اپنے گھر کے ایک کونے میں گاڑ رکھا تھا. اکھاڑنے پر معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ دیمک کھا چکی
تھی. پھر اس کا بوسیدہ حصہ الگ کر کے باقی ماندہ حصہ (قبلہ کی) دیوار میں نصب کر دیا گیا. یہ وہی بچا ہوا ٹکڑا ہے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
نے قبلہ کی دیوار میں نصب کروا دیا تھا جس کا بچا ہوا حصہ آج ہم محراب میں نصب دیکھ رہے ہیں.] (۱۵۹)

ابن جبیر کے مطابق جب اس نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ میں حاضری دی تو لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جسے حنانہ ستون کا حصہ بتایا
جاتا تھا قبلہ کی جانب ستون میں نصب تھا اور حصول برکات کے لیے لوگ اسے چوما کرتے تھے. (۱۶۰) تاریخی شواہد کے مطابق یہ حضرت عمر
بن عبدالعزیزؒ ہی تھے جنہوں نے اس کے بچے ہوئے حصے کو محراب النبی سے متصل ستون میں نصب کروا دیا تھا. (۱۶۱) ابن جبیر کی طرح اسدی
دنیا کے دوسرے بڑے سیاح ابن بطوطہ نے مدینہ طیبہ کی زیارت ان سے تقریباً ایک صدی بعد کی ان کے مطابق صورت حال کچھ یوں تھی:

[پھر ہم نے ریاض الجنۃ جو کہ روضہ رسول ﷺ اور منبر مبارک کے درمیان واقع ہے میں نماز ادا کی اور بصد عزت و احترام ستون حنانہ
کے اس باقی ماندہ ٹکڑے کو چوما جس کے پاس کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ وعظ فرمایا کرتے تھے.] (۱۶۲)

بدقسمتی سے جب مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی تو یہ آثار نبویہ بھی کافی حد تک آگ کی نظر ہو گیا. علامہ مطری کہتے ہیں: [آتش زدگی
کے دوران جس نے کہ مسجد نبوی کو ۶۵۴ ہجری میں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا منبر شریف کا بہت سا حصہ جل کر خاکستر ہو گیا تھا. جو کچھ بھی بچا وہ
مسجد شریف کے مخزن میں رکھ دیا گیا.] (۱۶۳) لگتا ہے کہ بچا کھچا حصہ جس کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے صاف کر کے منبر شریف کے ایک
طرف نصب کر دیا گیا تھا. اسے بھی ۷۰۱ ہجری میں اکھڑوا کر دوبارہ اس وقت کے امام زید احمد بن محمد بن علی عرف ابن حنا کے احکام کے تحت
مسجد شریف کے توشہ خانہ میں رکھ دیا گیا تھا. انہوں نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ مرد و زن کے اختلاط کے باعث جو کہ اکثر اس آثار نبویہ کو بوسہ
دینے کے لیے ازدحام کرتے تھے اس سے مسجد شریف اور آثار نبویہ کی بے حرمتی کے ارتکاب کا امکان تھا. اس کے بعد سے ہمیں اس آثار نبویہ

[illegible] حضرت [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

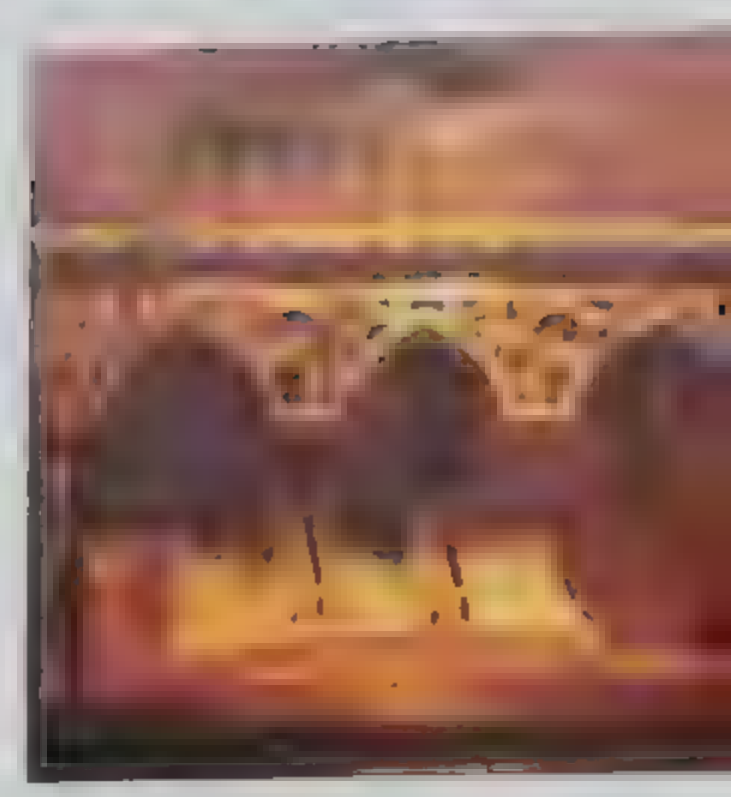

تراشیدہ ناخنوں کا کیا کیا؟

یہ مشاں تو موئے مبارک کی تھی ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں سجا کر میدان جنگ میں اترتے اور فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتے۔ دوسری مشاں مہمات امور میں بالخصوص سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو پانی میں بھگو کر ان موئے مبارک سے بیماروں کو شفاء بخشتے اسی طرح دیگر بھی بیشمار مثالیں ہیں جن سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین ان آثار نبویہ سے توسل اور تبرک حاصل کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن ابن قاسم ابن محمد ابن عبد اللہ (ابن عمر) فرماتے ہیں کہ: [جب حضرت عمر بن عبد العزیز بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے آثار نبویہ میں سے چند موئے مبارک اور تراشیدہ ناخنوں کو لانے کے لیے کہا اور وصیت کی کہ جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو مذکورہ آثار مبارکہ کو ان کے کفن کے اندر رکھ دیا جائے۔ (۱۷۱) ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ: جب حضرت انس ابن مالک کا انتقال ہوا تو کچھ موئے مبارک انکی میت پر رکھ کر انکو دفن کیا گیا تھا۔ (۱۷۲) علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور زمانہ تاریخ خلفاء میں رقمطراز ہیں کہ: [معاویہ کا انتقال ۶۰ ہجری میں ماہ رجب میں ہوا ان کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کی قمیض مبارک اور کچھ موئے مبارک اور چند تراشیدہ ناخن مبارک تھے۔ مرتے وقت انہوں نے وصیت کی کہ وہ آثار مبارکہ ان کی آنکھوں اور منہ پر رکھ دیئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم اس طرح کر دینا اور پھر معاویہ سے اور رب رحمان و رحیم کے درمیان چھوڑ دینا۔] (۱۷۳) ابن الجوزی اس واقعہ کی مزید تفصیل مہیا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ [معاویہ سے پہلے معاویہ نے ایک تھیلی منگوائی جو حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک جبہ مبارکہ اور زلفہائے تراشیدہ اور کچھ ناخنوں پر مشتمل تھی پھر انہوں نے وصیت کی کہ موئے مبارک کی تراشیدہ کاکل اور ناخن مبارکہ کو ان کے منہ، آنکھوں اور کانوں میں رکھ دیا جائے اور ان کو کفن پہنانے کی بجائے جبہ رسول اللہ ﷺ سے زیب تن کر دیا جائے۔] (۱۷۴) ابن اثیر نے معاویہ کے ان الفاظ کو قلمبند کیا ہے جو کچھ اس طرح ہیں [رسول اللہ ﷺ نے مجھے جبہ مبارکہ عطا فرمایا جو میں نے سنبھال کر رکھ لیا اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ناخن مبارک ترشوائے تو میں نے انہیں ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیا لہذا جب میرا انتقال ہو تو مجھے اسی جبہ مبارکہ میں کفن دینا اور ناخن مبارکہ کو پیس کر میری آنکھوں میں اور میرے منہ میں ڈال دینا ہو سکتا ہے اللہ کریم ان کے طفیل میرے اوپر رحم کر دے۔] (۱۷۵)

موئے مبارک کا قوسہ

یہ [illegible] جہاں پر نبی اکرم ﷺ کے بہت سارے آثار مبارکہ ہیں جو سلطان [illegible] نے بڑی لگن اور محبت سے جمع کیے ہیں ان میں مکحلہ (سرمہ دانی اور سلائی) اور ایک شیشی بھی شامل ہے۔] (۱۷۶) امام تلمسانی (۹۹۳-۱۰۴۱ ہجری) رقمطراز ہیں کہ:[انہوں نے بہت سے متبرک آثار مبارکہ کی زیارت کی ہے جو قاہرہ میں دریائے نیل کے کنارے واقع ایک مکان میں بہت اچھی حالت میں رکھے گئے ہیں ان میں اور چیزوں کے علاوہ پیالہ مبارکہ کا ایک ٹوٹا ہوا حصہ، ایک نیزہ، ایک چھوٹا سا جبہ اور کاغذ کا ٹکڑا جس پر [illegible] ہیں وغیرہ شامل ہے۔] (۱۷۷)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے آثار مبارکہ مصر میں موجود ہیں جو سلاطین مصر نے بڑی کاوش کے بعد [illegible] حاصل کیے تھے ان میں سب سے اہم مصحف عثمانی ہے قارئین کو معلوم ہوگا کہ جامع قرآن سیدنا عثمان بن عفان نے قرآن پاک کے چند نسخے تیار کروا کر مختلف علاقوں میں بھیجے تھے [illegible] کے مختلف صوبوں میں روانہ کیے تھے مثلاً کوفہ، دمشق اور مکہ مکرمہ وغیرہ ان میں سے ایک نسخہ مصر بھی روانہ کیا تھا اس وقت سے وہ مصحف شریف جانے والے سلطان مصر کی تحویل میں رہا تقریباً ۵۰۰ سال پہلے وہ مصحف شریف اور بچھ دیگر آثار مبارکہ شاہی محلات کے ناقابل دسترس شوکیسوں سے نکال کر قاہرہ میں ایک نئے مقام پر منتقل کر دیے گئے جو مقام آثار مبارکہ کے نام سے مشہور ہوا بعد میں وہاں سے ان کو حضرت حسین بن علی کی تاریخی مسجد میں منتقل کر دیا گیا جہاں سے مسجد خلافی اور پھر وہاں سے مسجد الحسین میں منتقل کر دیے گئے جہاں وہ تمام متبرکات مبارکہ آج بھی موجود ہیں دیگر متبرکات کے علاوہ ان میں ریش مبارک سیدنا ابوبکر اور خیر الانام ﷺ کے چند موئے مبارک، چند شمشیریں، چند جامہ ہائے مبارکہ اور عصائے مبارکہ کے ٹکڑے شامل ہیں ان تمام آثار مبارکہ کی دیکھ بھال انتہائی ماہرانہ اور پیشہ ورانہ انداز میں کی جاتی ہے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں انہوں نے ان تحت جدید سائنسی تجربات کرکے مسجد الحسین میں موجود تمام آثار مبارکہ کی تاریخی حیثیت کی تصدیق، تحقیق کی اور اس سلسلے میں کاربن ٹیسٹ جیسے جدید سائنسی تجربات کرکے مصحف عثمانی اور دیگر معروف آثار مبارکہ کی توثیق اور تاریخیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ (۱۷۸)

ہندوستان، ایران اور فلسطین میں موجود آثار مبارکہ

درگاہ حضرت بل کوئی ایسا مزار نہیں جہاں کوئی ولی یا بزرگ مدفون ہوں، بلکہ وہاں حضور نبی کریم ﷺ کے چند آثار مبارکہ محفوظ ہیں۔ بال وشمیری زبان میں بل کہا جاتا ہے اور چونکہ وہاں سرور دو عالم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت ہے اس لیے یہ مقام حضرت بل کا مزار مشہور ہے۔ ایک مرتبہ پتھر بندوق پسندوں نے حضرت بل کے تاریخی شوکیس کو چرا لیا تھا جس سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی جو بہت [illegible] اور توڑ پھوڑ پر منتج ہوئی۔ بالآخر وہاں کی حکومت نے بگڑتی ہوئی امن عامہ کی صورت پر قابو پانے کے لیے مجرموں کا سراغ لگایا اور [illegible] موئے مبارک کو بازیاب کر کے اپنی اصلی جگہ پر بحال کر دیا۔ حضرت بل کے علاوہ ہندوستان میں اور بھی بہت سی جگہوں پر آثار نبوی

[illegible] نبی اکرم ﷺ کے پتھر پر ثبت نشان کف پاء مبارک ہیں، ساتھ [illegible] مدینہ طیبہ میں بہت عرصہ رہا تھا وہاں سے وہ آثار جو اس وقت مسجد قبلتین میں تھا اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا تھا [illegible] کا تحفہ میں بھی پتھر آثار مبارکہ ہیں جن میں موئے مبارک، ایک نعلین مبارک اور پتھر پر ثبت [illegible] کف پائے [illegible] شامل ہیں

دنیا میں موجود آثار مبارکہ کے امین ہونے میں فی امین کا شمار دوسرے نمبر پر آتا ہے زیادہ تر تبرکات مسجد اقصیٰ کے توشہ خانے میں مدت مدید سے متمثل پڑے ہیں اور ایرانی قبضے کے باعث عامۃ الناس ان کی زیارت سے محروم ہیں۔ اسی طرح چھ آثار مبارکہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جوار میں مسجد الخلیل حبرون میں بھی محفوظ ہیں جن میں حضور نبی کریم ﷺ کا پتھر پر ثبت ایک نقش پائے مبارک بھی ہے۔ ایران بھی روائتی طور پر ان آثار مبارکہ (اور بالخصوص تبرکات حضرات اہل بیت) کا امین ہے اور بہت سے مزارات اور مقامات پر ایسی اشیاء بہت حفاظت سے زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ ریاست ہائے وسطی ایشیا میں سب سے زیادہ تبرکات سمرقند و بخارا میں ہیں۔ تاشقند کا تاریخی میوزیم اس معاملے میں تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

پاکستان میں موجود تبرکات

پاکستان میں تبرکات کا سب سے بڑا خزینہ بادشاہی مسجد لاہور کی تبرکات کی گیلری میں موجود ہے۔ دوسرا بڑا مجموعہ اوچ شریف میں ہے جب کہ اس کے علاوہ فقیر خانہ (اندرون بھاٹی گیٹ لاہور) اور سندھ میں مسجد موئے مبارک ٹھٹہ میں بھی بہت سے آثار نبویہ اور تبرکات اہل بیت موجود ہیں۔

جہاں تک بادشاہی مسجد لاہور میں موجود تبرکات کا تعلق ہے ان میں سے بہت سوں کی تاریخی حیثیت مسلمہ ہے اور وہ وہاں پر تقریباً دو سو سال سے موجود ہیں۔ سید محمد عبداللطیف (۱۸۴۵-۱۹۰۲ء) جو کہ لاہور کے مشہور و معروف مورخ ہیں اپنی تاریخ لاہور میں ان تبرکات (جو اس دور میں بھی بادشاہی مسجد میں موجود تھے) کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ تبرکات مندرجہ ذیل اشیاء پر مشتمل تھے:

کلاہ کے ساتھ ایک عمامہ مبارکہ
سبز رنگ کا ایک جبہ مبارکہ
ایک چادر جس میں سرخ و سپید دھاریاں ہیں
ایک سفید رنگ کا پائجامہ (تبان)
ایک جوڑا نعلین مبارک کا اور ایک الگ نعل (سلیپر)
حضور سرور کائنات کے قدم مبارک کا نشان جو کہ ایک صندلی رنگ کے پتھر پر ہے
ایک سفید رنگ کا علم مبارک جس کے اوپر آیات قرآنی کشیدہ ہیں۔ (۱۷۹)

بادشاہی مسجد کے صدر دروازے کے اوپر ایک خوبصورت گیلری ہے جس میں صدر اسلام کی دیگر شخصیتوں کے تبرکات کے علاوہ دس آثار مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہیں۔ جب انگریزوں نے سکھوں سے پنجاب کا اقتدار چھین لیا اور شاہی قلعہ لاہور ان کے قبضہ میں آ گیا تو آثار مبارکہ جو کہ شاہی قلعہ میں محفوظ تھے برطانوی حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ اس وقت لارڈ لارنس نے فقیر سید نورالدین (جو کہ رنجیت سنگھ کے وزیر رہ چکے تھے) کو حکم دیا کہ ان تبرکات کی تاریخی حیثیت کے بارے میں معلومات جمع کریں جو مسلمانوں اور سکھوں دونوں ہی میں قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ فقیر سید نورالدین نے بہت عمیق اور تحقیقی کاوش کے بعد ان نوادرات اور تبرکات کی تاریخ مدون کی

جو کہ فارسی زبان میں تھی۔ لارڈ ہارڈنگ کے احکام کی اصل اور فقیہ سید نورالدین کا تحقیقی مقالے کا اصل نسخہ اس وقت لاہور کے عجائب گھر میں موجود ہے (حوالہ ۔ ۔ ۔

[illegible] کی زیارت کرسکیں اس عارضی منتقلی کے بعد تمام کے تمام تبرکات مبارکہ اپنی اپنی اصلی جگہ پر رکھ دیے گئے تھے

تبرکات نبویہ کا امریکہ کی تاریخ کا سب سے پہلا میوزیم

حضرت عثمان بن [illegible] کے پاس تھے [illegible] جن کے پاس کوئی نہ کوئی چیز تبرکات نبویہ میں سے تھی ان سے حسب درخواست [illegible] آثار ان کو دے دیں جیسا کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے جس کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے [illegible] بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت سہل سے درخواست کی کہ وہ انہیں وہ کپ (پیالہ جس میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا) تحفتاً ان کو دے دیں اور انہوں نے وہ پیالہ ان کو تحفہ کے طور پر دے دیا] (۱۸۱) یہ بہت ہی قابل ذکر بات ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مسجد نبوی شریف کی توسیع نو کروا رہے تھے اور انہیں سیدات امہات المومنین کے حجرات مطہرہ کو شہید کرنا پڑا تو انہوں نے حاصل شدہ مٹی کی حد درجہ احتیاط کی تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور وہ تمام ترمٹی اٹھوا کر حرہ غربیہ میں لے گئے جہاں انہوں نے اس ملبہ کو اپنے مکان کی چھت کے لیے استعمال کیا ان کا گھر حرہ غربیہ میں وادی بطحان کے اس پار واقع تھا. (۱۸۲) حافظ ابن نجار (ولادت. ۵۷۸ ہجری) نے لکھا ہے کہ ان کے دور تک وہ مکان موجود تھا اور اس پر باقاعدگی سے سفیدی ہوا کرتی تھی. (۱۸۳) نبی اکرم ﷺ کی تمام تر ذکریات جو ان کے پاس ہوا کرتی تھیں انہوں نے اپنے گھر میں محفوظ کی ہوئی تھیں.

بعد میں جب وہ امیر المومنین کی مسند پر متمکن ہوئے تو وہ تمام نوادرات کو اپنے ساتھ دمشق لے گئے. حضرت عمرو بن مہاجرؒ بیان کرتے ہیں: [حضور نبی اکرم ﷺ کی ممتلکات (تبرکات) عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی تھیں. روزانہ وہ کچھ وقت نکال کر اس حجرہ مبارکہ میں تخلیہ فرماتے اور جب بھی قریش کے عمائدین ان سے ملنے کے لیے آتے تو وہ انہیں اپنے اس کمرے میں ضرور لے جا کر ان تبرکات نبویہ کی زیارت کرواتے اور انہیں فرماتے: [یہ اس ہستی مطہرہ کی تراث ہے جن کے ذریعے رب ذوالجلال نے ہم کو عزت و وقار بخشا ہے.] (۱۸۴) حضرت عمرو بن مہاجرؒ مزید فرماتے ہیں: [عمر بن عبدالعزیزؒ کا مذکورہ کمرہ ان چند تبرکات پر مشتمل تھا جو حضور نبی اکرم ﷺ کا ترکہ تھے. ان میں ایک چارپائی تھی جس کو رسی سے بنا ہوا تھا. پانی پینے کے لیے ایک پیالہ، ایک جار جس کا اوپر کا حصہ ٹوٹا ہوا تھا، کھجور کے ریشوں سے بھرا ایک سرہانہ اور ایک مخملیں چادر جو قرامتق (موصل عراق) کی بنی ہوئی تھی اور جس کے اوپر اس وقت بھی حضور والا شان ﷺ کے کچھ موئے مبارکہ لگے ہوئے تھے.

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی روایت کے مطابق. حضور نبی اکرم ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے. (۱۸۵) وہ چارپائی جس پر آں حضرت سید الکونین ﷺ اس عالم فانی سے رحلت کے وقت آرام فرما تھے بعد میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ کے لیے استعمال ہوئی، ان کی میتیں اسی چارپائی پر رکھ کر ریاض الجنہ میں رکھی گئیں اور ان کا جنازہ پڑھا گیا تھا. (۱۸۶) اور اسی طرح تمام امہات المومنینؓ کے جنازے بھی اسی پر اٹھائے گئے تھے. اس چارپائی مبارکہ کا آخری بار مصدقہ ذکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حوالے سے ہی ملتا ہے جنہوں نے باقی آثار مبارکہ کے ساتھ اسے اپنے ایک حجرہ میں محفوظ کیا ہوا تھا. چند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ بہت ہی بوسیدہ ہوگئی تھی تو اسے بولی لگا کر ۴۰،۰۰۰ درہم میں نیلام کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا.

ایک لحاظ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تبرکات نبویہ کے لیے مختص کردہ کمرہ عالم اسلام کا پہلا میوزیم تھا جس میں آثار مبارکہ اور

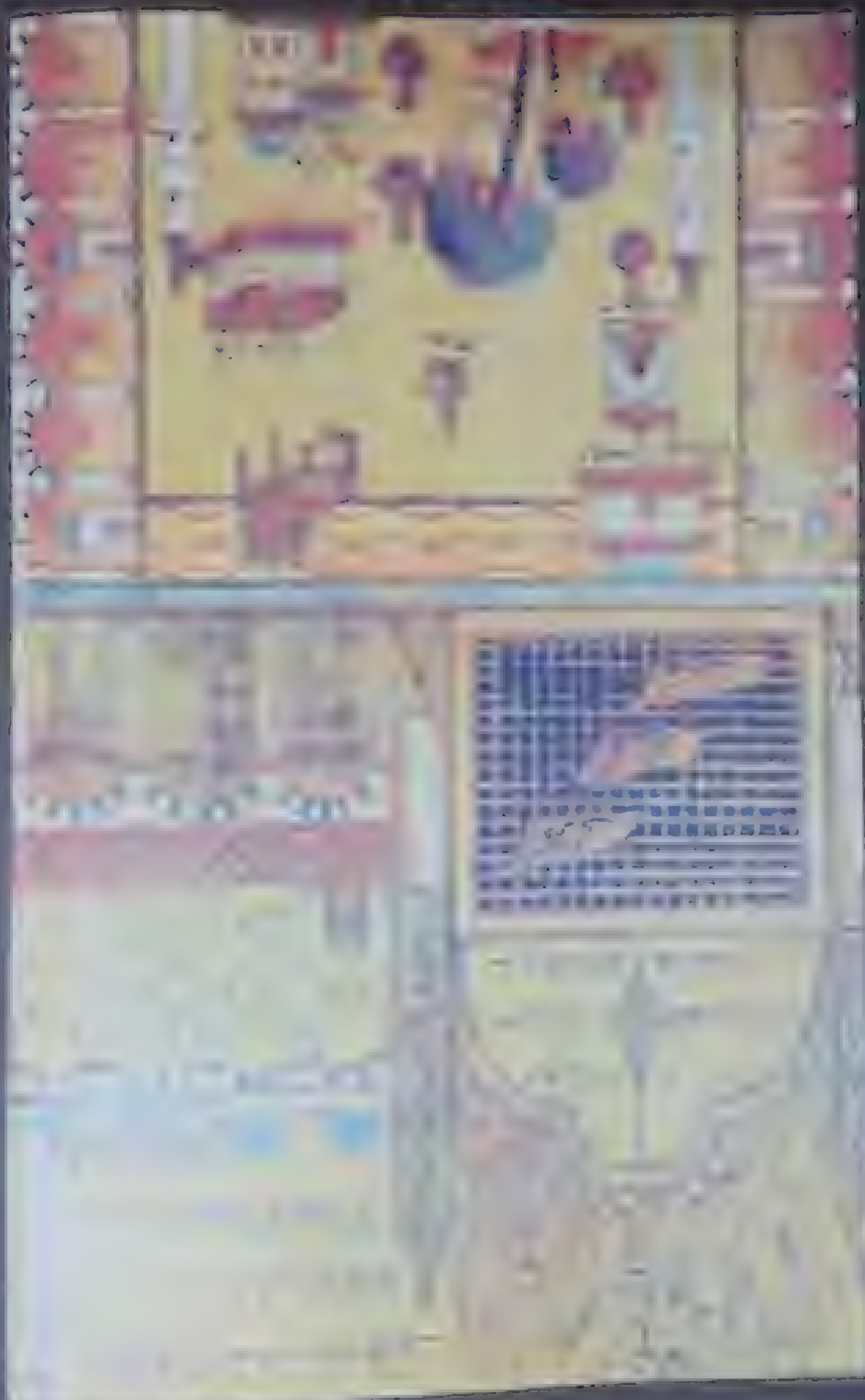

مسجد نبوی شریف کا نقشہ
جس میں قبہ سیدہ فاطمہؓ اور
خزینۃ النبی ﷺ نظر آرہا ہے
(۹۰۰ھ-۱۵۸۲ء)
(از مطبوعات مرکز الملک فیصل، ریاض)

نے کا اہتمام کیا گیا بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود عمائدین قریش
تھے: [یہ اس بستی مطہرہ کی تراث ہے جن کے ذریعے رب
ذوالجلال نے ہم کو عزت اور وقار بخشا۔

قبہ (گنبد) کی تعمیر

جبیر جس نے درِ اقدس پر ۵۸۰ ہجری میں حاضری دی تھی اپنے سفرنامے میں جواہرات سے مزین
صندوق کا ذکر کرتے ہیں جو کہ حجرہ مطہرہ کے اندر ہوا کرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں: [اس طرف - یعنی جنوب
مغربی گوشے میں - حجرہ مطہرہ کے اندر آنحضرت کا ایک صندوق جس کے اوپر صندل کی لکڑی سے نقش و
نگار بنائے گئے ہیں موجود ہے۔ اس کے اوپر چاندی کے ستارے لگائے ہوئے ہیں۔ یہ نبی اکرم ﷺ
کے سرہانے کی طرف سرِ مبارک کے سامنے کی طرف رکھا ہوا ہے۔ یہ پانچ بالشت طویل، تین بالشت
عریض اور اونچائی میں چار بالشت ہے۔] (۱۸۷) خیال کیا جاتا تھا کہ اس صندوق میں بہت سارے
تبرکات مبارکہ ہوا کرتے تھے۔ جمال المطری (متوفی ۷۴۱ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ ۵۷۶ ہجری
میں خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ان تمام تبرکات نبوی کی مناسب دیکھ بھال کے لیے مسجد شریف کے صحن
میں ایک قبہ (گنبد نما کمرہ) تعمیر کروا دیا تھا جس میں تمام تبرکات نبوی اور اصحابہ کرام اور اہل بیت رسول رضوان اللہ علیہم کے تبرکات رکھے
جانے کا اہتمام کیا گیا مطری فرماتے ہیں کہ: [وہ صندوق جو ۳۰۰ ہجری میں بنوائے گئے تھے جن میں ایسے تمام تبرکات رکھے گئے تھے مع دیگر
تبرکات کے آہستہ آہستہ وہاں منتقل کر دیے گئے۔ ان میں مصحف سیدنا عثمانؓ بھی شامل تھا۔ وہ ان تمام تبرکات کی اس گنبد والے مخزن
میں موجودگی کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ان کے دور تک (یعنی آٹھویں صدی ہجری) بحفاظت تمام وہاں موجود تھے۔ اس دوران مسجد نبوی
میں اچانک آتش زدگی سے بہت سارا قابلِ تلافی نقصان ہوا تھا مگر مصحف عثمانی کی برکت سے وہ تمام تبرکات محفوظ رہے تھے۔] (۱۸۸)

علامہ عباس کرارہ کے مطابق [وہ تمام اشیاء جن کو سرورِ دو عالم ﷺ کے زیرِ استعمال رہنے کا شرف حاصل رہا تھا، مثلاً ردائے مبارکہ اور
کچھ دیگر کپڑے جو رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ کے زیبِ تن تھے اور بعد میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی تحویل میں
رہے جو ان میں سے چند تبرکات کے وسیلے سے مریضوں کا علاج کر دیا کرتی تھیں اس قبہ مبارکہ میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ایک جبہ
مبارکہ بھی ان تبرکات میں شامل تھا اور بہت سے دیگر تبرکات صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اور ایک کعبۃ المشرفہ کا کسوہ مبارک
بھی تھا وہ تمام تبرکات استنبول میں آستانہ توپکاپی میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔] (۱۸۹) احمد بن عبدالحمید عباسی (متوفی دسویں صدی ہجری)
بیان کرتے ہیں: [سلطان ناصر الدین اللہ نے ۵۷۶ ہجری میں مسجد نبوی کے صحن میں ایک قبہ بنانے کا حکم دیا تاکہ وہ تمام بیش بہا تحائف جو
وقتاً فوقتاً مسجد نبوی کے لیے پیش کیے گئے تھے مع دیگر تبرکات کے جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا اور جو قدیم صندوق میں محفوظ چلے آتے
تھے وہاں منتقل کر دیئے جائیں۔]

[illegible] ۱۱۹۰ [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

سید مناظر حسن [illegible] جب شاہ [illegible] عثمانی قوم [illegible] چکے تھے اپنے [illegible] میں لکھتے ہیں [illegible] کہ جب شریف حسین نے ترک سلطنت سے بغاوت [illegible] تو [illegible] ترک فوج [illegible] اپنے ساتھ [illegible] مسجد نبوی میں صرف وہی [illegible] قبل [illegible] تھا (۹۳) جنگ کے [illegible] پہلے تو [illegible] کے بعد پہلی جنگ عظیم کے دوران انہوں نے جرمنی روانہ کر دیا اور [illegible] جب جنگ [illegible] معاہدہ [illegible] پر [illegible] ہوئے تو اس کے آرٹیکل نمبر ۲۴۶ کے تحت یہ شرط رکھی گئی کہ وہ مصحف مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے گا مذکورہ آرٹیکل کا متن [illegible] اس طرح تھا۔

آرٹیکل نمبر ۲۴۶ معاہدے کے نافذ العمل ہونے کے چھ ماہ کے اندر جرمنی خلیفہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا خطی مصحف جو ترکوں نے لیا تھا، سابق شاہ جرمنی کو واپس کر دیا جائے جو اس نے ملک شاہ بن زوالفقار کے جو ترکی حکام مدینہ منورہ سے لے گئے تھے اور مبینہ طور پر شاہ جرمنی کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔] (۱۹۴)

تاہم اس وقت چونکہ شریف کی مملکت حجاز کا وجود ہی ختم ہو چکا تھا وہ مصحف شریف ترکی کو واپس کر دیا گیا اور از اں دم تا ایں دم توپکاپی سرائے استنبول میں زیر نمائش ہے اس مصحف شریف کے علاوہ مصحف عثمانی کا دوسرا نسخہ تاشقند میوزیم میں محفوظ ہے جو امیر تیمور دمشق کو فتح کرنے کے بعد اپنے ساتھ وہاں سے گیا تھا ایک تیسرا نسخہ مسجد الحسین قاہرہ میں بھی موجود ہے وہ بھی ان نسخوں میں سے ایک ہے جسے جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان نے تیار کروایا تھا یہ غزال کی جھلی پر لکھا گیا تھا اور اس وجہ سے اس کا حجم اور وزن دوسرے نسخوں سے بہت زیادہ ہے اور حجم میں تو یہ ایک میز مونڈی کا حامل ہے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان نہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہوتا ہے

مصحف شریف کے مندرجہ بالا نسخوں کے علاوہ ایک نسخہ حرم مکی کو بھی ارسال کیا گیا تھا جو صدیوں وہاں محفوظ رہا ابن جبیر (جنہوں نے مکہ مکرمہ کی ۵۸۰ھ میں زیارت کی) رقمطراز ہیں: (۱۹۵)

[قبہ عباس ایک بہت بڑا مخزن ہے جس میں ایک وسیع و عریض صندوق موجود ہے اس میں خلافت راشدہ کے دور کا مخطوطہ قرآن کریم کا ایک مصحف ہے جس کا نسخہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے آں حضرت ﷺ کے انتقال پر ملال کے

[...] چہرے سے حصول فیضان کے لیے اس کو مس بھی کیا ہے قبہ شریف کے محافظ نے جس نے ہمیں اس کی زیارت سے بہرہ ور کرایا ہمیں بتایا کہ جب کبھی بھی ابابیل مکہ قطعہ میں بتلا یا مہمانی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ اس مصحف شریف کو باہر نکال کر اور حجرہ شریف کے دروازہ کو وا کر کے اس باب متوسط میز پر مقام ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیتے ہیں، پھر وہ وہیں سے وہاں جمع ہو کر اس مصحف شریف اور مقام ابراہیم کے توسل سے رب ذوالجلال والاکرام کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور اس جگہ سے نہیں ہٹتے تھے جب تک کہ رحمت رب کریم کا نزول باران رحمت کی شکل میں نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم وکریم ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔]

اہم نوٹ:

عالمی جنگ اول میں جب ترکوں کو حجاز اپنے ہاتھ سے نکلتا نظر آ رہا تھا تو انہوں نے فخری پاشا کو جو کہ اس وقت حجاز کے گورنر تھے حکم دیا کہ حجرہ مطہرہ سے اور دیگر مقامات سے جو بھی قیمتی تبرکات موجود تھے ان کو آستانہ استنبول منتقل کر دیں۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ ایک حکم شاہی صادر ہوا جس پر ترک کابینہ کے اہم وزراء (بشمول صدر اعظم یعنی وزیر اعظم) کے دستخط تھے جس کی ایک نقل ذیل میں ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں (بشکریہ: دکتور حاتم عمر طہ، الکوکب الدری، مدینہ طیبہ، طبعہ اولی، ۲۰۰۵ء)۔

اس حکم نامے کی رو سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے اس بات کا تعین کیا کہ کون کون سے نوادرات اور تبرکات منتقل کرنے ہیں۔ اس کمیٹی کے فیصلے کے مطابق تمام تبرکات مطہرہ کی ایک فہرست بنائی گئی اور پھر ایک خاص ریل گاڑی پر فخری پاشا ان تبرکات کو لے کر رجب المرجب ۱۳۳۵ ہجری میں مدینہ طیبہ سے استنبول روانہ ہو گئے۔ یہ مدینہ طیبہ سے اُن کا آخری سفر ثابت ہوا کیونکہ اس کے بعد حجاز ترک عملداری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔ توپکاپی میوزیم میں وہ تمام دستاویزات فائیل نمبر DUIT-52/2-3 میں محفوظ ہیں۔ ان دستاویزات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ترک جاتے ہوئے تقریباً وہ تمام تبرکات مبارکہ کو جو کہ حجرہ مطہرہ کے اندر محفوظ تھے یا مسجد نبوی شریف کے صحن میں اس قبۂ تبرکات میں موجود ہوا کرتے تھے جو کہ اٹھارویں صدی میں منہدم کر دیا گیا تھا آستانہ استنبول میں اپنے ساتھ لے گئے تھے جو کہ آج کل

حجرہ مطاہرہ اور دیگر مقامات
کے قیمتی تبرکات جو
آستانہ استنبول منتقل کیے گئے
کی فہرست کا عکس

توپکاپی موزیم میں زیرنمائش ہیں. انہیں میں مصحف عثمانی، کوکب دری کا بیش بہاء ہیرا، آقائے دو جہاں ﷺ کا پیالہ، بردہ مبارک (کالی کملی)، نقش کف پائے مصطفی ﷺ بیش قیمت ہیرے اور صندوقوں میں بند دیگر تبرکات مبارکہ شامل ہیں جن میں سے چند ایک کی تصاویر ہم نے اسی باب میں اور حجرہ مطہرہ کے باب میں دی ہیں.

جبل سلع پر کنداں عبارات جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے منسوب تھیں

خط کوفی میں نہائت ہی تاریخی اہمیت کی حامل قرون اولی کی چند عبارات محققین کی توجہ کا ہمیشہ سے مرکز بنی رہی ہیں جو عرصہ دراز سے مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے وہاں آتے رہے ہیں بلا شک وشبہ وہ کنداں عبارات اسلامی ورثہ اور تراث کا اہم ترین حصہ تھیں جو ۴ ہجری یعنی حضور سرکار دو عالم ﷺ اور اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کے عہد مبارک سے متعلق تھیں. ابراہیم رفعت پاشا جو متعدد بار مصری امیر الحج کے طور پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے (۱۹۰۱، ۱۹۰۸ اور پھر ۱۹۲۴ء میں) ان بیش بہا نقوش صحابہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے اس پہاڑ (جبل سلع) کی شیخ ابراہیم حمدی خربوتلی (جو کہ اس وقت شیخ الاسلام عارف حکمت بیگ لائبریری کے امین المکتبہ تھے) کی معیت میں زیارت کی اور کچھ چٹانوں پر کوفی رسم الخط میں چند عبارات ملاحظہ کیں جن میں سے ایک کا متن یوں ہے: [رات دن عمر اور ابوبکرؓ) کسی بھی انہونی سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتے ہیں.''

[امسی واصبح عمر وابوبکر یشکو ان الی اللہ من کل ما یکرہ.] بعد میں اس عبارت کی تصدیق جناب یوسف احمد آفندی جو کہ وزارت اوقاف میں آثار قدیمہ کے ماہر ہیں نے بھی کر دی جب مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۲۴ء کو اس کی ایک تصویر ان کو پیش کی گئی. (۱۹۶)

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی. ان کی تحقیق بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ عبارات اصحابہ کبار مثلاً سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق رضوان اللہ علیہما اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مبارک ہاتھوں سے اس وقت جبل سلع کی چٹانوں پر کنداں کی گئیں جب کہ مسلمان غزوہ احزاب میں کفار کے خلاف سینہ سپر تھے اور یہود بے بہبود کی غداری کے سبب وقتاً فوقتاً جبل سلع کی چوٹیوں پر مختلف اطراف میں پہرہ دیا کرتے تھے اور اغلب امکان یہ ہے کہ وہ کتابت سیدنا عمر فاروقؓ کے دست مبارک ہی کی ہو کیونکہ وہ خط طی میں ماہر و مشہور تھے. (۱۹۷) خیری اور شنقیطی کے مطابق ان دونوں حضرات نے ان تحریروں کو متعدد بار دیکھا تھا لیکن جب ان چٹانوں پر نئی عمارات کی بنیاد رکھ دی گئی تو وہ عبارات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گئیں. (۱۹۸)

مندرجہ بالا تحریر سے چند فٹ نیچے ایک اور چٹان پر ایک اور عبارت ہوا کرتی تھی جو اسی عہد کی تھی (یعنی ۴ ہجری) اور متن سے صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے ہی لکھی ہوئی تھی اس کا متن یہ ہے [اللھم اغفر
لعبدک عمر بن الخطاب و ارض عنہ و اکرم مثواہ و اجعل الجنۃ مأواہ۔ اللھم اغفر لعبدک عمر و ارض عنہ۔ اللھم اغفر لعبدک عمر و ارض عنہ۔
اے اللہ عمر کی (دعا کی) قبولیت فرمائے، اور اللہ کریم عمرؓ کے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے۔] (۱۹۹)

علی الاشتیلی مزید فرماتے ہیں [جبل صلع کی مشرقی جانب چند چٹانوں پر کچھ عبارتیں لکھی ہوئی تھیں جن کی کتابت بڑی واضح
اور قابل قرات تھی۔ میں نے متعدد بار ان عبارتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں جب بھی وہاں جاتا دیر تک وہاں کھڑا رہتا اور ان کی
عبارت پر غور کرتا رہتا۔ مجھ سے پہلے مدینہ منورہ کے کئی ہی مورخین اس تراث عظیم کے متعلق گفتگو فرما چکے ہیں مثلاً صاحب مراۃ حرمین
و عبدالقدوس انصاری وغیرہ، اور ان سب حضرات نے ان تحریروں کو سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضوان اللہ علیہم کی طرف منسوب
کیا ہے کیونکہ ان کا رسم خط خط کوفی کے قریب قریب تھا اب وہ عبارتیں مٹ چکی ہیں اور ان کی جگہ ہی وہ مشرقی دیوار بھی معدوم ہو چکا ہے جہاں
یہ عبارتیں ہوا کرتی تھیں اب بلندو بالا عمارات اور فیکٹریوں کی ایک قطار نظر آتی ہے۔] (۲۰۰)

بدقسمتی سے جدت پسندی کی اندھی دوڑ اور آثار قدیمہ کی بے قدری نے امت مسلمہ کو ان بیش بہا آثار قدیمہ سے محروم کر دیا ہے جو
صحابہ کبار اور تابعین رضوان اللہ علیہم اپنے مبارک ہاتھوں سے صخرہ رضوان کا ظمہ کی وادیوں میں اپنے قلم سے تحریر پر ثبت کرتے تھے
یہ عبارات صرف ان برگزیدہ ہستیوں کی یادگاریں ہی نہیں تھیں بلکہ فجر الاسلام میں عربی رسم الخط کے ارتقاء پر بھی بھرپور روشنی ڈالتی تھیں جس
نے غیر منقوط کوفی رسم الخط کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور پھر پروان چڑھتے چڑھتے مختلف
ادوار میں گوناگوں اشکال اور خطوط کی شکل اختیار کر لی۔ ان میں سے ایک عبارت
سے تو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جب وہ اصحابہ کرام اپنے اسمائے گرامی کندہ کر رہے
تھے تو حضور سرور کونین ﷺ بھی ادھر آ نکلے ہوں گے کیونکہ ایک چٹان پر جہاں یہ لکھا
ہوا تھا کہ: [انا علی ابن ابی طالب۔] اور [انا سعد ابن معاذ۔] وہاں ساتھ ہی یہ بھی
کندہ تھا کہ: [انا محمد ابن عبداللہ]۔ اس سے بڑھ کر ان عبارات کی اور بھلا
یہ عظمت ہو سکتی تھی کہ متاع بیگانہ کے لٹ جانے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے

۳۹۳

جبل صلع کی مشرقی چٹان پر کندہ تحریر۔
"اے اللہ عمر اور ابوبکر پر اپنی رحمت نازل فرما"
"ہم عمر اور ابوبکر (رضی اللہ عنہم) کی بھی انہونی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں"

مکۃ المکرمہ میں محلہ بنی ہاشم
کی ایک نادر تصویر
یہ تمام علاقہ اب حرم میں
شامل ہو چکا ہے

لم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. بقول اقبال

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مکۃ المکرمہ میں موجود تبرکات اور آثار نبویہ

مولد النبی ﷺ
ایک قدیم تصویر

مکہ مکرمہ میں ولادت باسعادت ہوئی

حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے قبل اپنی تمام جائداد اپنے ورثاء میں تقسیم کردی تھی، اس طرح ان کا ایک مکان ابولنبی حضرت آمنہ کے حصے میں آیا وہیں پر والی دوجہاں سید الانس والجان ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ حضور آمنہ کے گزار بشریت ہوئے۔ ابوالولید الازرقی جو مکۃ المکرمہ کے اولین مورخ ہیں کے مطابق وہ مکان حضرت عقیل بن ابی طالب کے حصے میں آیا جو بعد ازاں فاتح مکہ پر فاتح حضور نبی اکرم ﷺ سے جب انہوں نے پوچھا کہ آپ ہمارے لیے کیا چھوڑ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے کوئی سایہ چھوڑا ہے؟ تاہم ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیل کو ہبہ کردیا تھا اور اس طرح وہ ان ہی کے پاس رہا مگر بعد میں ان کے بیٹوں نے اسے محمد بن یوسف کو بیچ دیا تھا۔ محمد نے یہ جس نے اسے اپنے مکان کے رقبے میں شامل کرلیا جس کو الربیضاء کہا جاتا تھا۔ ہارون الرشید کی والدہ خیزران نے اسے خرید کر وہاں ایک بہت خوبصورت مسجد تعمیر کروادی جو مسجد مولد النبی کے نام سے مشہور تھی مولد النبی کی نسبت سے یہ سڑک بھی زقاق مولد النبی کے نام پر مشہور رہی دور عثمانیہ میں بھی وہاں مسجد ہی رہی جہاں

...ہوا کرتی تھی اور اوقاف کی طرف سے وہاں امام اور موذن متعین تھے۔[۳۴۳]
... وہ مسجد منہدم ہوئی اور پھر ۱۳ھ ہجری میں امین الخلافہ عباس بن یوسف نے وہاں
... سے [illegible] میں تبدیل کر دیا (۲۰۱) بقیہ سید ابوالحسن علی موودی کے سفر نامہ
... کے مطابق (۱۹۵۹-۱۹۶۰ء) اس مکان میں لڑکیوں کا سکول بنا ہوا تھا (سفر نامہ
... قرآن و اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۴)

... [illegible] طور پر پچھلی ۱۰۰ سالیوں میں اس بلد الامین کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا
... [illegible] معدوم ہو گئے ہیں مثلاً مسجد اور بیت سیدنا ابوبکر صدیق کا جو آج [illegible]

ام المومنین سیدتنا خدیجہ اکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر جہاں حضور نبی اکرم

نے اپنی زندگی کے ۲۸ سال گزارے تھے

یہ مکان مروہ کی جانب بازار کے اندر ہوا کرتا تھا یہاں ہادی برحق خیر الوری [illegible] ام المومنین سیدۃ خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رفاقت میں اپنی دنیوی حیات طیبہ کے نہ صرف ۲۸ سال گزارے تھے بلکہ بعثت کے بعد مکی عہد کی قرآن پاک کی سورتیں اور آیات کی تنزیل کا معتد بہ حصہ اسی بقعہ مبارکہ میں مکمل ہوا تھا اور وہیں آپ کے فرزندان ارجمند اور بنات طاہرہ تولد ہوئے۔ ابو الولید الازرقی کے مطابق یہ متبرک مکان زقاق الحجر میں دار ابی سفیان کی پشت پر واقع تھا وہ فرماتے ہیں کہ: [منزل ام المومنین خدیجہؓ وہ مکان ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے سیدۃ خدیجہؓ کی رفاقت میں قیام فرمایا، یہیں آپ کی اولاد طاہرہ کی ولادت ہوئی اور یہیں پر سیدۃ خدیجہؓ کا انتقال ہوا اور بعد میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کو ہجرت تک وہیں مقیم رہے بعد میں وہ مکان عقیل بن ابی طالب کے قبضہ میں رہا پھر جب معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ بنے تو انہوں نے وہ جگہ خرید کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کروادی۔ مرور ایام سے وہ مسجد کئی بار تعمیر ہوئی، عثمانی دور حکومت میں ۱۲۶۵ھ ہجری میں محمد حسیب پاشا امیر مکہ نے [illegible]

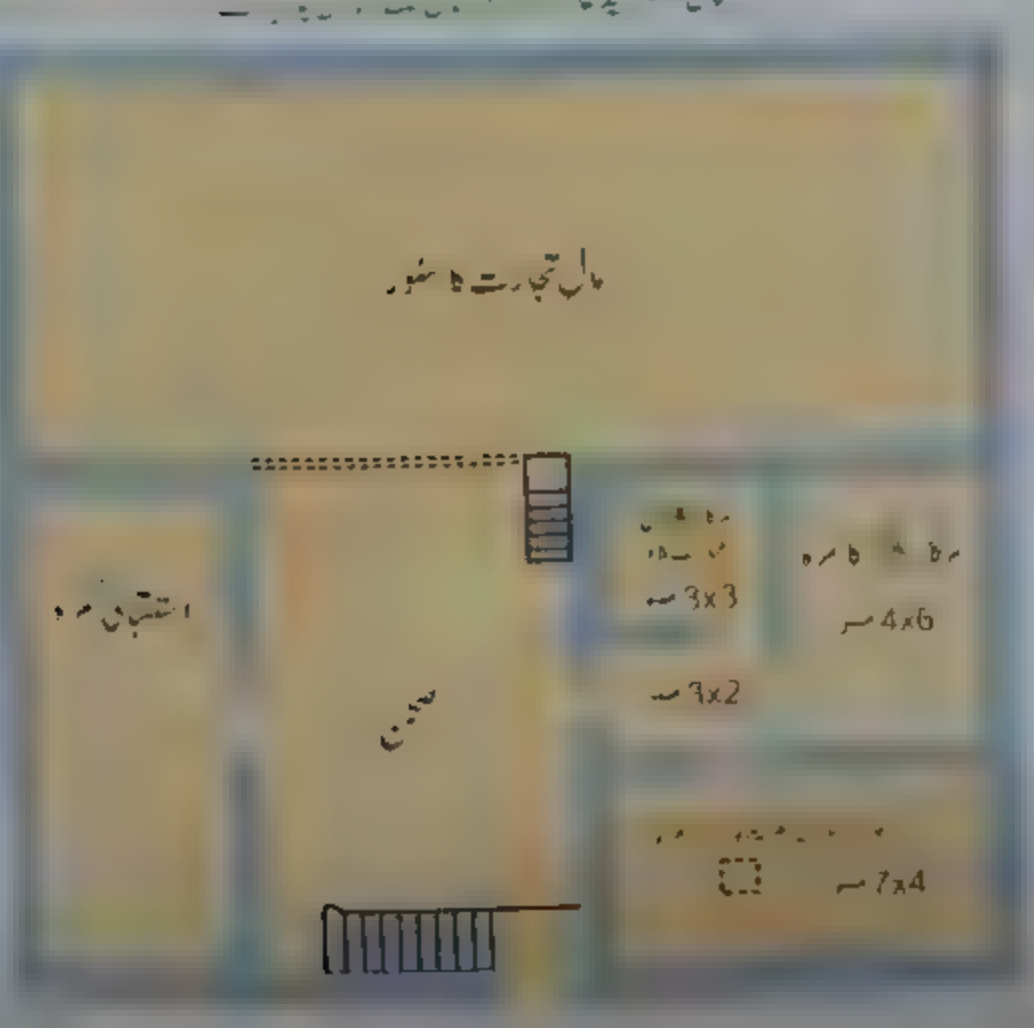

ام المومنین سیدۃ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے مکان کا ایک نقشہ

ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰؓ
کے مکان کی باقیات جو کہ
کھدائی کے وقت ظاہر ہوئیں

مدینہ منورہ کے چند دیگر تاریخی اور اثری مقامات

بقیع (باغیچہ) یہ مدینہ سلمان فارسی

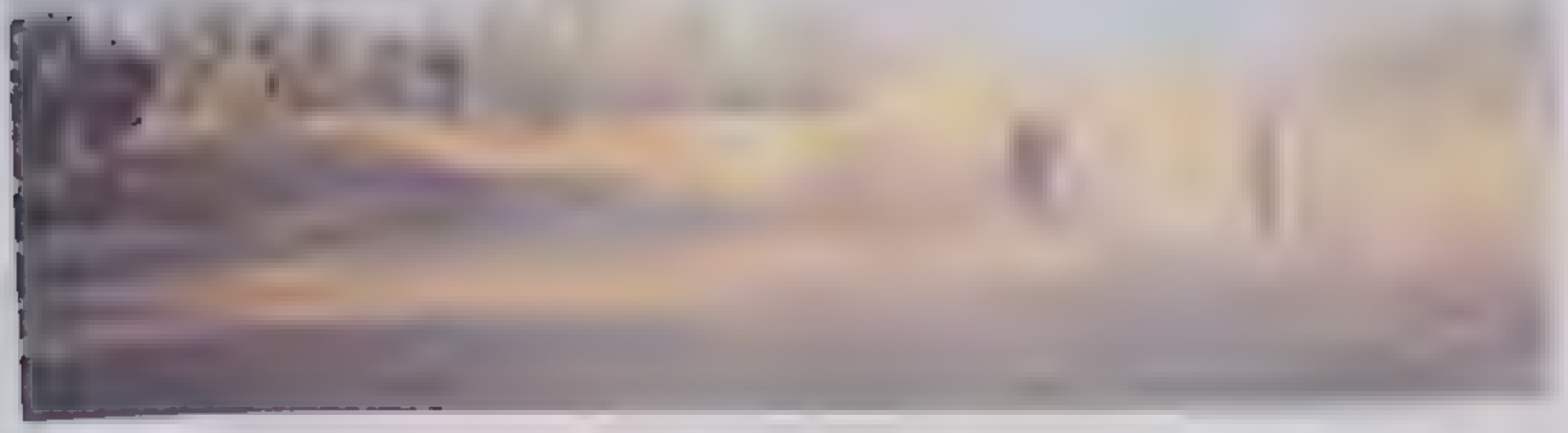

سلمان جاوداں زمیں پر جب یہ رکھتا تھا کھجوروں کی پنیری کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتے اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ جس نے جتنے بھی پودے لگانے ہیں لگا لیں جب زمین کاشت کے لیے تیار ہوئی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس جگہ پر کھجور کا پودا لگانے کا حکم دیا تھا وہاں پنیری کے پودے لگائے اور درست نگہداشت کا حکم دیا تمام کے تمام پودے بروقت تیار ہو گئے پھر وہاں زمین کاشت کاروں کے قبضے میں چلی گئی مگر جب تک وظیفہ کا کام تمام ہوا تو وہ اس خلعت کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آ کر صدقات نبوی میں شامل ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اکرم سے وہ بستان حضرت سلمان فارسی کو عطا کر دیا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وادی کے حضرت سلمان فارسی کو عطا کیں وہ برقی اور مشیب کے نام سے جانی جاتی تھیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں آنے کے بعد صدقات نبوی کہلاتی تھیں

شاہاں چہ عجب کہ بنوازند گدارا

حضرت سلمان فارسی گو کہ پنی آزادی کے بعد صحابہ صفہ کے ساتھ منسلک ہو کر دن رات خدمت مصطفوی میں منہمک رہے مگر متصل رہائش آپ نے بعد واپسی کے ساتھ ایک کٹیا بنا کر اس باغ کی نگہداشت کیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ فقر سلمانی کے ناتے وہ باغ بھی قرون اولیٰ میں صدقہ فقیر یہ کے نام سے مشہور رہا وہ تاریخی بستان اور اس کے ساتھ متصل نخلستان جس سے حضرت سلمان فارسی اپنی گزر بسر کیا کرتے تھے آج تک وقت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہے اور زیارت گاہ اہل شوق ہے ان تین صد شجر ہائے مبارکہ سے

بستان حضرت سلمان فارسی کی تصویر میں ولی عہد محمود حضور سید صلاح الدین نے اپنے ہاتھ سے کاٹی تھی۔ اب اس کھجور کا نام صلاح الدین رکھا گیا ہے

ف نیک ...

شاق اس ...

مبارک ...

ہوا ہے ...

ہیں ہے ...

ہیں اتاری ...

بستان (باغیچہ) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

یہ بستان مسجد قبا کے قبلہ کی جانب مسجد سے کی چار دیواری سے تقریباً ۴۰۰ گز مشرق کی جانب واقع ہے۔ عدم توجہی اور مناسب دیکھ بھال کے فقدان سے کھجور کے تقریباً تمام درخت سوکھ چکے ہیں جس سے نظر آ رہا ہے کہ یہ آثار مبارکہ بھی ملک عدم کی طرف رحلت کے لیے اپنے ویزے کا منتظر ہے اور نہ جانے کب اس کی باری آجائے اور عشاق اس کے نظارے سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں۔

بنو نضیر کے اجلاء کے بعد ان کی تمام تر غیر منقولہ جائیداد فئی کے طور پر حضور سرور کونین ﷺ کی ملکیت میں آ گئی تھی جس میں سے اکثر حصے کو آپ حضور ﷺ نے مستحق مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مرحمت فرما دیا اس طرح یہ قطع ارضی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ملا جنہوں نے بعد میں اسے وقف کر دیا اور اس طرح یہ بستان وقف کے طور پر اس جلیل القدر صحابی کے تبرکات کی شکل میں موجود رہا اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے

کم و بیش یہی حال وقف حضرت زبیر بن العوامؓ اور بستان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا ہے مگر بستان حضرت عباسؓ میں موجود کھجوروں کے درخت آج بھی ثمر بار ہیں اور وہاں سے حاصل ہونے والی لعجوہ کھجور بہت اعلیٰ کوالٹی کی ہے اور بہت مہنگی بکتی ہے

بستان حضرت عبدالرحمن بن عوف کی تصویر

تیفہ بنی ساعدہ

جس طرح ایک دوسری جگہ اس بات کی [illegible] (۲۰۱) قبل از اسلام یثرب اور پھر عہد نبوی اور بعد میں [illegible] کا ایک [illegible] سے [illegible] جہاں قبیلے کے سردار اپنے اپنے قبیلے کے [illegible] مسائل طے کیا کرتے تھے حضرت حسان بن ثابت جنہوں نے اپنی شاعری میں اپنے ایک سقیفہ کا ذکر کرتے ہیں جہاں ان کے آباؤ اجداد زمانہ جاہلیت میں پنچایت کیا کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سقیفہ مدنی زندگی میں ایک اہم مقام رکھتا تھا مگر مدینہ منورہ کی تاریخ میں کسی سقیفہ کو اتنی شہرت حاصل نہ ہو سکی جتنی کہ سقیفہ بنو ساعدہ کے نصیب میں آئی۔

حضور نبی کریم [illegible] کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جب دعوت اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے پہلا انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ چننا چاہا تو انہوں نے اسی سقیفہ میں اپنا اجلاس منعقد کیا۔ جب سیدنا ابوبکر الصدیق اور سیدنا عمر فاروق کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ سیدھے سقیفہ بنو ساعدہ پہنچ گئے اور اپنی حکمت و دانائی سے اسلام کی صفوں میں پڑنے والی اس دراڑ اور پھوٹ کو ختم کر دیا اور یوں انصار و مہاجر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نے سیدنا ابوبکر صدیق کو خلیفۃ الرسول اللہ [illegible] چن لیا اس لحاظ سے یہ سقیفہ عالم اسلام کا پہلا ایوان شوریٰ (پارلیمنٹ ہاؤس) کہا جاتا ہے اس واقعہ کی تفصیل ہمارے اس موضوع کا حصہ نہیں تاہم قارئین کے اضافہ معلومات کے لیے ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف کی طرف نشاندہی کریں گے جہاں تمام تر تفصیل موجود ہیں۔ (۲۰۴)

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم [illegible] کئی بار اس سقیفہ پر تشریف لے گئے تھے اور ایک بار اس کی چھت پر آنحضرت [illegible] نے پنچایت کی صدارت فرمائی تھی (۲۰۵) اور حضرت سہل بن سعد ساعدی نے پیالہ میں آپ کو پانی پیش کیا تھا حضور نبی اکرم [illegible] کے قدوم میمنت سے یہ سقیفہ اور بھی تقدس کا حامل ہو گیا تھا اور اسی لیے ہر آنے والی حکومت نے اس مقام کی آثار نبوی کے طور پر بہت حفاظت کی۔ زمانہ قدیم سے اسے کی اصلی حالت یعنی ایک چھپر کی صورت میں ہی رکھا گیا مگر چونکہ موجودہ دور میں تمدن مدینہ میں کچھ زیادہ ہی ارتقاء دیکھنے میں آیا ہے جس نے بہت سے نقوش کہن کو اکھاڑ پھینکا ہے اس لیے سقیفہ کی قدیم شکل کو خیر باد کہا گیا ہے مگر یادگار کے طور پر اسے ایک حدیقہ یا باغیچہ کی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے جو مسجد نبوی کے بائیں جانب شمال مغرب کی طرف ایک آہنی باڑ کے اندر موجود ہے۔ اس کے اندر خوبصورت شجر کاری کی گئی ہے اور درمیان میں ایک فوارہ بھی نصب کیا گیا ہے بلدیہ کے ریکارڈ میں اب یہ جگہ سقیفہ بنی ساعدہ نہیں بلکہ حدیقہ بنی ساعدہ کے نام پر جانی جاتی ہے۔

بنی ساعدہ کی نایاب تصویریں

تربہ ابراہیم کی ایک قدیم تصویر، اس مشربہ پر تعمیر شدہ مسجد، جہاں رسول اللہ ﷺ نے کئی بار نماز ادا فرمائی تھی

[ ] (۲۰۸) اس کی متروکہ جائیداد میں سے ایک
ایک چوبارہ تھا جو بعد میں مشربہ ام ابراہیمؓ کے نام سے مشہور ہوا مشربہ کا مطلب ہی چوبارہ ہے یہ
(۲۰۹) سیدہ ماریہ قبطیہ
اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے لیے اپنی خیر سگالی کے اظہار کے طور پر بھیجا تھا مدینہ منورہ پہنچنے پر وہ حلقہ بگوش
حضور ﷺ کے حرم میں شامل رہیں ان کے بطن سے حضور کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیمؓ تولد ہوئے جو عالم طفولیت ہی
میں وفات پا گئے اسی نسبت سے سیدہ ماریہ قبطیہ "ام ابراہیمؓ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

حرم نبوی میں شامل ہونے پر پہلے تو انہوں نے مسجد نبوی کی شمالی جانب حضرت نعمان بن حارثہؓ کے ہاں قیام فرمایا (جہاں آج کل
موجود حسن مسجد نبوی میں خوبصورت آٹومیٹک چھتریاں نصب ہیں) مگر بعد میں حضور پرنور ﷺ نے انہیں اس مشربہ میں منتقل کر دیا جہاں
آپ ﷺ تشریف لے جایا کرتے تھے، کبھی کبھار تشریف آوری کے علاوہ آں حضرت ﷺ نے ایک بار وہاں متواتر انتیس دن قیام بھی فرمایا
اور نماز بھی اکثر وہیں ادا کی۔ بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی اقتداء میں وہیں نمازیں ادا کیں جہاں پر حضور ﷺ اپنی ایک ٹانگ میں الم کے شرعی عذر سے بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ (۲۱۰) اس خاص واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: [ایک صبح ہم نے اچانک امہات المومنین کو سخت افسردگی میں پایا جبکہ وہ آہ و بکا کر رہی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اہل

[... کیا اور دیکھا کہ مسجد اصحابہ کرام سے کھچا کھچ
... آئے اور مشربہ کی طرف بارگاہ رسالت مآب کی
... وقت مشربہ کے اوپر والے کمرے میں تشریف
... نے ... ی نے جواب نہ دیا پھر عرض کیا
... گاہ کیا، عمر خدمت اقدس میں حاضر
... آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟]
... نہیں ... میں نے قسم کھائی ہے کہ میں ایک ماہ تک ان سے
پاس نہیں جاؤں گا۔ اس طرح آپ حضور والا شان ﷺ انتیس دن تک وہیں مقیم رہے اور
پھر اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لائے۔](۲۱۱)

... مسجد تعمیر کرائی گئی تھی یعنی وہاں پر حضور نبی ... اصحاب کرام نے نمازیں ادا کی تھیں جیسا کہ بخاری شریف
کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے ابن شبہ کے مطابق ان کے دور تک (یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام تک) مشربہ ام ابراہیم اپنی حالت
اصلی میں چوبی صورت میں موجود تھا اور دیگر تمام صدقات النبی ﷺ میں سے بہت مشہور مقامات میں سے ایک تصور ہوا کرتا تھا (۲۱۲) دسویں
صدی کے مدنی مورخ کے مطابق مسجد کا طول ۱۴ اذرع اور عرض اذرع ہوا کرتا تھا اور پاس ہی چند قبور ہوا کرتی تھیں۔ (۲۱۳) ابراہیم العیاشی
کے کہنے کے مطابق

آج مشربہ کی جگہ ایک قبرستان ہے جس کے گرد سعودی حکومت نے چار دیواری کروادی ہے تاکہ یہ علاقہ لوگوں کی دستبرد سے محفوظ
رہے۔ قبرستان کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے صحن میں ایک کنواں ہے جو بیر المشربہ کے نام سے جانا جاتا ہے جو بہت ہی خستہ
حالت میں ہے۔ اس کے اوپر ڈھکن رکھا ہوا ہے۔ بارش کا پانی آزادی سے اس کنویں میں جا گرتا ہے۔ چار دیواری کا راستہ ہمیشہ بند رہتا ہے
میں جب کبھی بھی مسجد مشربہ ام ابراہیم گیا ہوں (اور ایسا کئی بار ہوا) تو میں نے مسجد میں قبریں کھودنے کے اوزار اور میتوں کو دفن کرنے کا
سامان ہی پایا] اس کے علاوہ عیاشی کی پیمائش عباسی کی پیمائش سے کہیں زیادہ ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ترکوں نے اس مسجد کو ضرور
دوبارہ بنوایا ہوگا۔ مزید برآں عیاشی نے اس بات پر بہت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے کہ وہ مسجد اور مقام جہاں حضور سرور کائنات ﷺ کی جبین طاہرہ
کئی بار سجدہ ریز ہوئی تھی وہاں آج کل ویرانیوں کے الو بولتے ہیں آج کل تو چار دیواری اور مضبوط کر دی گئی ہے اور آہنی دروازہ اندر جھانکنے میں
بھی مانع ہے۔ اہل تشیع کی مستند روایات کے مطابق سیدہ قمر بنی ہاشم خاتون زوجہ محترمہ امام موسیٰ کاظم بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ درحقیقت
مشربہ ام ابراہیمؓ بعد میں اہل بیت کا علاقہ گردانا جاتا تھا جیسا کہ فیروز آبادی کے قول سے واضح ہے جس کے مطابق دشت کا پورا علاقہ بنی قاسم
کی تحویل میں تھا جو کہ اہل بیت طاہرہ میں سے تھے۔

ہم قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہیں گے کہ موجودہ چار دیواری کے باہر ایک پرانی طرز کی بالکل نئی مسجد جو ابھی تک بغیر
چھت کے ہے بنادی گئی ہے اور اکثر زائرین کو (جن کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا کہ اصلی مسجد اور مشربہ چار دیواری کے اندر واقع تھا) یہ گمان گزرتا
ہے کہ وہ مسجد مشربہ ام ابراہیم کی جگہ پر ہے جو کہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ یہ بغیر چھت کے عمارت نہ تو اصلی مشربہ ام ابراہیم کی جگہ پر ہے
جہاں نبی اکرم ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں اور نہ ہی اس کا کوئی تاریخی مقام ہے۔ پرانی اینٹیں لگا کر نیم تعمیر کردہ عمارت کو اصلی مسجد کی ایک قدیم
شکل اور تاریخی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لگتا ہے کہ چند شر پسندوں نے عامۃ المسلمین کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا ہے اور بہت سے

ثنیات الوداع

زمانہ قدیم میں شمالی جانب سے مدینہ منورہ آنے والوں کے لیے مدخل جبل سلع کی مشرقی جانب واقع ایک درہ کے ذریعے ہوا کرتا تھا۔ [illegible] اس گھاٹی کو ثنیات الوداع کہا جاتا تھا تو ہم پرست یہود میں یہ بات عام تھی کہ جو بھی مدینہ (اس وقت کا یثرب) سے باہر جائے ثنیات الوداع کے مقام پر پہنچ کر گدھے کی طرح دس بار ہنہنائے ورنہ وہاں سے نکلتے ہی اس کی موت واقع ہو جانے کا خدشہ رہتا تھا۔ عام مدنی بھی یہود کے توہمات کے جال میں پھنسے ہوئے تھے اور ایسا ہی کرتے تھے ایک بار عرو بن ود العلمی جو زمانہ جاہلیت کا ایک مشہور عرب شاعر تھا اس نے یہودی اس رسم قبیح کا مذاق اڑاتے ہوئے اس وہم باطل کا ثابت کر دیا وہ جب وہاں سے [illegible] اس نے ہنہنانے سے انکار کر دیا اور سب کو یہ کہتے ہوئے روگیا کہ اے پتہ بھی نہ تھا اس بات سے یہودی بہت جلے اور جب بازاری ہوئی اور یوں اس قبیح توہم کو ترک کر دیا گیا اس کے علاوہ سعدی تذکرہ نگار ایک اور روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم [illegible] خیبر سے فاتح و کامران لوٹے تو چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اپنے ساتھ ان عورتوں کو بھی لے آئے تھے جن سے انہوں نے وقتی شادی یعنی متعہ کیا تھا جو کہ اس وقت مباح تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس ازواج موقت کو ختم کرنے کے لیے حکم دیا کہ جو بھی کسی ایسی عورت کو ساتھ لایا ہو وہ اس کو واپس روانہ کر دے۔ لہٰذا ایسے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان عورتوں کو اس گھاٹی تک الوداع کرنے گئے تھے جس کی وجہ سے اس کا نام ثنیات الوداع پڑ گیا۔ (۲۱۴)

ابن سعد بھی ایک اور ایسی ہی روایت بیان کرتے ہیں کہ جنگ موتہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ اپنی افواج قاہرہ کو اس مقام تک وداع کرنے کے لیے بنفس نفیس تشریف لے گئے تھے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب حضور پرنور ﷺ غازہ غزوہ تبوک ہوئے تو پہلا پڑاؤ اس مقام پر کیا گیا تھا اسی طرح ورقا بیان مغازی کے مطابق جب آقائے دو جہاں ﷺ غزوہ بدر سے فتح و کامرانی لوٹے تو اسی گھاٹی میں واقع درے سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اس کے برعکس کچھ صاحبان کا خیال ہے کہ حضور پرنور ﷺ ہجرت کے موقع پر بھی وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مگر ایسا نظریہ حقیقت سے متضاد ہے مورخین، محققین اور سیرت نگاروں میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ جب آقائے دو جہاں ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت پر تشریف لائے تو قباء کی طرف سے تشریف لائے تھے۔ چونکہ اس طرف بھی ایک ثنیات الوداع تھی (۲۵) جہاں سے مکہ مکرمہ سے آنے جانے والے گزرتے تھے اس لیے اصح ترین قول یہی ہے کہ آپ حضور ﷺ نے اسی ثنیات الوداع سے گزر کر قباء میں ورود مسعود فرمایا تھا جہاں اہالیان قباء کے بچوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا تھا مگر قباء سے گزر کر جب آقائے نامدار ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو چونکہ سب سیرت نگاروں کا اتفاق ہے

ثنیۃ الوداع کے مقام پر تعمیر کی گئی مسجد کی تصویر جواب سڑک بنانے کی وجہ سے مسمار ہو چکی ہے

قبیلہ [illegible] کرلیا تو سے گزر کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو چونکہ قبیلہ بنو ساعدہ شامی ثنیات الوداع [illegible] ثنیات الوداع کے راستے سے بھی گزرے ہوں [illegible] ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی روایت [illegible] ثنیات الوداع کے اندھیروں کو مدینہ النبی کے انوار طاہرہ سے منور کیا ہوگا تو کون ایسا شخص ہوگا جو یہ نہ گنگنا رہا ہوگا

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بامر المطاع جئت شرفت المدینہ مرحبا یا خیر الداع (۲۱۶)

تاہم کچھ شارحین احادیث (مثلاً حافظ ابن حجر) کا خیال ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ چونکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھیں اس لیے یہ ممکن ہے کہ وہ جس والہانہ خوش آمدید کا ذکر کر رہی ہیں وہ اس وقت سے متعلق ہو جب کہ حضور والا شان ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹ رہے تھے اور اس وقت بھی اسی ثنیات الوداع (یعنی جبلی ثنیات الوداع) پر بچوں نے آپ کا استقبال کیا تھا کیونکہ شام کی طرف سے آنے والوں کا فقط استقبال یہی مقام تھا۔ فتح تبوک پر مدینہ منورہ کا ہر فرد خوشی سے سرشار اپنے سالار لشکر کا چشم براہ تھا اور جونہی یہ خبر مدینہ پہنچی تو پیر و جوان، زن و مرد سب شامی گھاٹی پر پہنچ کر اپنی پلکیں بچھائے چشم براہ تھے حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں [مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں بھی باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع پر گیا ہوا تھا] (۲۱۷) دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں [مجھے یاد ہے کہ میں بھی دوسرے بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا جبکہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے] (۲۱۸) امام بیہقیؒ بھی دلائل النبوۃ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت بچوں نے مشہور زمانہ نعت (طلع البدر علینا الخ) گا کر آپ کا استقبال کیا تھا جبکہ آپ غزوہ تبوک سے بذریعہ ثنیات الوداع شامی (یعنی جبل سلع والی گھاٹی) فاتح و کامران مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے۔ دونوں روایتوں کے بظاہر تضاد سے بعض جدید یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ طلع البدر علینا والی نعت غزوہ تبوک سے واپسی پر جبل سلع کے دامن والی گھاٹی کے مقام ثنیات الوداع پر گائی گئی تھی واللہ علم بالصواب

تقریباً چودہ صدیوں تک وہ ثنیات الوداع [illegible] طور پر مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں جبل سلع کے مشرقی دامن میں موجود رہی مگر جونہی مدینہ منورہ [illegible] تجدد کی بھینٹ چڑھ گیا اور شارع سیدنا ابوبکر صدیق (شارع سلطانہ قدیمہ) وسیع کرنے کی غرض سے جبل سلع کا وہ تمام تر علاقہ ہموار کر دیا گیا جس کی زد میں وہ مسجد بھی جو اس گھاٹی کے اوپر [illegible] آتے جاتے، کھیتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا (۲۱۹) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی (صاحب معالم مدینہ منورہ) لکھتے ہیں [جہاں تک ثنیات الوداع کا تعلق ہے یہ پوری کی پوری معدوم کر دی گئی ہے تاکہ لمسانحہ کی سرنگ (انڈر پاس) اور محطہ میدان وسیع کیا جا سکے اس کا محل وقوع موجودہ شارع سیدنا عثمانؓ اور سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کے انٹرسیکشن کے قریب ہی تھا یہ پورے کا پورا کوہ بھی ثنیات الوداع ہوا کرتا تھا۔] (۲۲۰) اس ضمن میں جناب خالد الشنقیطی رقمطراز ہیں: [جب عمر قاضی مدینہ منورہ امپرومنٹ ٹرسٹ کے رئیس بنے تو انہوں نے شہر نبی کو خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ چھوٹی سی مسجد اور ثنیات الوداع بھی اسی جوش و جذبے کی نذر ہو گئی جو اس میدان میں واقع تھی جہاں پر طریق شہداء (شارع ابوبکر صدیقؓ) اور طریق سلطانہ (شارع سیدنا عثمانؓ) کا تقاطع (انٹرسیکشن) ہوتا تھا اس گھاٹی کا تھوڑا سا حصہ ایک کونے میں بچ گیا تھا مگر وہ بھی ۱۴۰۶ ہجری کے پہلے ہفتے میں معدوم کر دیا گیا۔ اے کاش کہ اس جگہ پر یادگار کے طور پر کوئی فوارہ یا چبوترہ تعمیر کر دیا جاتا تاکہ [illegible]

جنگ خندق کے موقع پر
کھودی گئی خندق کی تصویر
درمیان میں مدینہ منورہ

قریب ہی واقع ایک اور نسبتاً نیچی جگہ کی طرف
ے سامنے ہے جو قرین قیاس ہے
ے بعد کاری کردی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب ایک
صادق نبی علیہ وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ بات بالصراحت فرمادی ہے کہ جب
قیامت برپا ہونے میں چند ساعتیں رہ جائیں گی اس وقت جب پوری کائنات اجڑ چکی ہوگی
تو مدینہ طیبہ میں قبیلہ مزنی کے دو چرواہے اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے جب ثنیات الوداع
سے گزریں گے تو صور اسرافیل پھونک دیا جائے گا، اور وہ اوندھے منہ گر جائیں گے اور اس
گھڑی قیامت برپا ہو جائے گی.

وہ خندق جو غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی گئی

باقی آثار مبارکہ کی طرح (مثلاً تاریخی مساجد جہاں آقائے دو جہاں ﷺ کی جبین
ناز و سجدہ ریز ہوئی تھی) وہ خندق بھی اسی زمرے میں آتی تھی جس کی کھدائی میں مدینہ منورہ
کے دفاع کے لیے سرور کائنات ﷺ نے باقی اصحابہ کرام کی معیت میں نہ صرف یہ کہ بنفس نفیس
اپنے دستہائے مبارکہ سے کدال چلائے تھے اور بہت سی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا تھا
بلکہ کھدی ہوئی مٹی اپنے سر اقدس پر اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ پر منتقل کی تھی. وہ طویل و عریض خندق صدیوں تک موجود رہی یہاں تک کہ وادی بطحان
کے پانی کے مسلسل بہاؤ اور کٹاؤ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی وہ خندق کچھ تو لوگوں نے بھر دی تھی تاکہ اس کے آر پار جانے کے
لیے رستے بنائے جائیں اور باقی ماندہ وادی بطحان کے نالے کی بھل سے بھر گئی چھٹی صدی ہجری کے مشہور مورخ مدینہ حافظ ابن نجار رقم طراز
ہیں [جہاں تک خندق کا تعلق ہے وہ آج بھی ہمارے دور میں موجود ہے. البتہ اس نے ایک ندی نالے کی شکل اختیار کر لی ہے جو قباء سے ان
باغات کی طرف بہتا ہے جو ایسے میں مسجد الفتح کی ڈھلوان میں واقع ہیں. اس کی دیواریں بہت ساری جگہوں سے منہدم ہو چکی ہیں اور کھجور کے
درختوں کی کثیر تعداد اس کے اندر اگ چکی ہے.] (۲۲۲) صاحب مغانم المطابہ فیروز آبادی نویں صدی ہجری میں لکھتے ہیں کہ [آج اس خندق
میں سے کچھ بھی نہیں بچا سوائے اس کے کہ اس کا محل وقوع اس ندی سے معلوم پڑ جاتا ہے جو کہ وادی بطحان کا حصہ ہے اور اس کی جگہ بہہ رہی
ہے.] (۲۲۳)

دور حاضر میں بہت سے مصنفین نے اس کے موقع اور محل وقوع کے بارے میں قیاسی اور وضاحتی خطوط کھینچنے کی کوشش کی ہے مثلاً ڈاکٹر
حمید اللہ مرحوم اور عبد القدوس انصاری وغیرہ جس سے اس جہد عظیم کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ اصحاب کرام کی مٹھی بھر جماعت نے رسول اللہ ﷺ
کی زیر نگرانی دن رات کی محنت شاقہ سے صرف پندرہ دن میں تیار کر دی تھی. اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ترکوں نے محفوظ کر لیا ہوا تھا جس کے گرد
خاردار تار لگائی تھی جو کہ مصنف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں ملاحظہ کیا تھا. بعد میں وہ حصہ بھی معدوم ہو گیا اور اس کی جگہ سڑکوں نے لے لی.

مدینہ منورہ کی چند غاریں یا دیگر مقامات جو آقائے دو جہاں ﷺ یا اصحابہ کرام یا افراد اہل بیت طاہرہ رضوان اللہ علیہ سے منسوب ہیں

غار بنی حرام (غار بنی حرام)

[illegible] غار بنی حرام [illegible] چند بار حضور سرور [illegible] سے [illegible] حضرت جابر سے روایت کی [illegible] حضرت [illegible] رضوان اللہ علیہ اجمعین رسول اللہ ﷺ [illegible] آرام فرماتے اور جب صبح ہو جاتی تو آں حضرت ﷺ [illegible] تشریف لے آتے [illegible] یہ پہاڑ کی ڈھلوان سے پیچھے رہے میں واقع تھی اس تک جانے کے لیے [illegible] پاس سے [illegible] ایک معروف جادہ تھی جہاں شرمدنی لوگ پکنک منانے چلے جایا کرتے تھے. یاد رہے کہ اس سکول [illegible]

اس [illegible] غار بنی حرام سے [illegible] اس پر وقف جو عثمانی دور میں قائم کیا گیا ہے سے منہدم کر دیا گیا ہے اور اس کے آثار بھی اس سے مکمل وقوع سے واقف نہیں ہیں الطبرانی نے [illegible] الصغیر میں حضرت بی قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت معاذ بن جبل [illegible] حضور نبی [illegible] کی تلاش میں نکلے مگر آپ حضور نہ مل سکے پھر وہ آں حضرت ﷺ کے حجرات مبارکہ میں گئے مگر وہ مقصود وہاں بھی نہیں تھا پھر وہ [illegible] حضور [illegible] تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ حضور ﷺ کی تلاش میں جبل ثواب (جبل سلع کا ایک نام جبل ثواب بھی ہے) کا رخ کیا وہاں پہاڑ کی ایک بلند چوٹی سے چاروں طرف کا جائزہ لیا دائیں بائیں دور دور تک نظر [illegible] پر پڑی جب کہ آں حضور ﷺ ایک غار میں سجدہ ریز تھے. (راوی نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے اس غار تک پگڈنڈی بنائی ہوئی ہے) وہ پہاڑی چوٹی سے نیچے اتر کر اس غار کے پاس آئے تو حیران ہو گئے کہ سرور دو عالم ﷺ اس وقت تک سجدہ ریز تھے جب کافی دیر ہو گئی تو ان کے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ کی روح مبارک تو پرواز نہیں کر گئی جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فوراً جبریل امین آپ کے پاس آئے (بعد الموضع) آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کیا پسند فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے [اس پر جبریل امین چلے گئے اور پھر دوبارہ آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنی امت کے بارے میں ناامید نہیں کریں گے (یعنی سرخرو کر دیں گے). اس پر میں سجدہ ریز ہوا یہ میرا سجدہ ہی (تمام عبادتوں میں) اللہ عزوجل کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے.] سبحان اللہ کیا مقام ہے اس بقاع طاہرہ کا کہ اسے نہ صرف مقام سجدہ سرور کونین ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا بلکہ یہ جگہ جلوہ گاہ جبریل بھی بنی اس کے علاوہ ابن شبہ نے حضرت یحییٰ بن النصر الانصاریؓ سے روایت کیا ہے: [رسول اللہ ﷺ کہف بنی حرام میں جلوہ افروز ہوئے تھے.] دوسری روایت حضرت سعد ابن معاذؓ کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ: [بے شک رسول اللہ ﷺ نے العینیہ کے چشمہ کے پانی سے وضو فرمایا جو کہ کہف بنی حرام کے پاس ہے.] ان کے راوی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں جلوہ افروز ہوئے تھے [یہ غار اس

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] سے [illegible] کا [illegible] یا [illegible]

[illegible] سے متعلق ابن شبہ نے [illegible] سے [illegible] یا [illegible] نے [illegible] نقل [illegible] سے [illegible] آ [illegible] نے [illegible] ابن [illegible] نے حضرت [illegible] بن خراش [illegible] بن [illegible] سے [illegible] سے [illegible] اس [illegible] حضرت [illegible] علیہ [illegible] متعلق [illegible] سے [illegible] بنی [illegible] اٹھ [illegible] جاتے تھے جہاں آپ حضور [illegible] فرماتے تھے "وہاں حضور [illegible] کے فیضان سے ایک چشمہ نکلی جو [illegible] بنی حرام سے بائیں پاس ہے اور اب تک جاری و ساری ہے" مطری نے اضافت کی ہے "مذکورہ چشمہ کاں کے زمانے میں وجود نہ تھا جو خشک ہو کر معدوم ہو یا ہوگا مطری نے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام مہبوبی نے لکھا ہے کہ "ہم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں اس غار کی تفصیل بیان کی ہیں اور یہ کہ اس کے بائیں پاس ہی پہاڑ میں ایک گہری سی جگہ ہے۔ جو انہیں یہی عین ابنی ہے جو کہ آج کل منقطع ہے اور اس کے آثار نظر آتے ہیں" مسجد نبوی کے ضمن میں جہاں انہوں نے بنی حرام کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہاں اس بات کی مزید وضاحت کردی ہے کہ مذکورہ غار کے پاس ہی پہاڑ میں ایک گہرائی ہے جو کہ بہت چھوٹی سی ہے اور اغلب امکان یہی ہے کہ یہی چشمہ و عین ابنی تھا جس کا ذکر "العیاشی" نے کیا ہے (سمہودی جلد ۱ صفحات ۸۳۸ ۔۸۴۰) یہ چشمہ مذکورہ غار کے چند فٹ اوپر کی جانب تھا جو کہ کئی صدیوں سے بند ہے مگر اس کے آثار واضح نظر آتے ہیں بدقسمتی سے اس چشمے کی غار آج کل کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی ہے۔

مشہد نفس الذکیہ

مشہد نفس الذکیہ افراد اہل بیت [illegible] ظلم و تشدد کی تحویل [illegible] تان کا [illegible] ان [illegible] ب تھا جو مدینہ منورہ سے مضافات میں رقم ہے جہاں کہ ہم نے اس کتاب سے ایک مرتبہ (مدینہ منورہ سے [illegible] پر فتن اور مصائب آلام) میں تفصیلی بیان دیا ہے محمد ابن عبد اللہ بن حسن مثنی بن حضرت امام حسن مجتبیٰ ابن علی علیہ السلام (جو تاریخ اسلام میں نفس ذکیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے) نے بنو عباس کے خلاف اہل بیت علیہ السلام پر ظلم و تشدد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے اور اس جہاد میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شہادت سے ہمکنار ہوئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے مگر بعض کا خیال یہ رہا ہے کہ وہ اپنی جائے شہادت پر ہی (یعنی احجار الزیت کے قریب) دفن کر دیئے گئے تھے۔ روضہ حضرت ابوذر غفاری کی بیان کردہ ایک حدیث کے مطابق ایک مرتبہ جب حضور نبی اکرم [illegible] مقام احجار الزیت کے قریب سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمایا تھا کہ دیکھنا ایک دن یہ احجار الزیت میرے ایک لخت جگر کے خون سے سرخ ہو جائیں گے۔ اس لئے [illegible] جائے تو وہ جگہ (یا اس کا بہت سا حصہ) اب مسجد نبوی کے اندر شامل ہو

[illegible]

ں ہے یہ وہ علاقہ ہے جو زیادہ تر قدیم مورخین کی رائے میں سوق عبد اللہ کے پاس ہوا کرتا تھا جسے بعض مورخین نے الزوراء کا نام بھی دیا ہے اور جہاں قریب ہی حضرت مالک بن سنان کا مزار ہوا کرتا تھا اور اس علاقے کا کچھ حصہ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کے وقت اس میں شامل ہو گیا تھا تاہم علامہ سمہودیؒ کے مطابق وہ جبل سلع کے قریب اس کی مشرقی جانب ایک بڑی کھجور کے درخت کے نیچے مدفون تھے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کی قبر کے گرد سیاہ پتھروں کی چار دیواری بنائی گئی تھی جو بغیر چھت کے تھی وہ مسجد جو مسجد الفتح یا مسجد الفتح کے نام سے مشہور تھی دیکھنے میں بھی ویران سی تھی اور نماز پنجگانہ کی بجائے وہاں پر عین الزرقاء کے ایک پل (منبھل۔ جو وہاں نصب کر دیا گیا تھا) کی وجہ سے چہل پہل رہتی تھی۔ (۲۲۴) اہالیان مدینہ طیبہ صدیوں تک اسی جگہ سے عین الزرقاء کا پانی کشید کرتے رہے تھے۔ بیسویں صدی کے نصف تک وہ ایک معروف مزار ہوا کرتا تھا۔ علامہ شنقیطیؒ کے مطابق وہ مزار جبل مستندر (جس کے اوپر داود پاشا گورنر مدینہ کا محل ہوا کرتا تھا) کی شمالی جانب ہوا کرتا تھا۔

بہت سال پہلے وہ مزار منہدم کر دیا گیا جو کہ مسجد بلال کے قریب واقع ہوا کرتا تھا پھر عمرانی تغیرات سے رہتی سہتی کسر نکال دی اور اس علاقے میں سعودی پبلک ٹرانسپورٹ (بس اڈا) کی بسوں کا اڈا بنا دیا گیا تب یہ جگہ بھی ثنیات وداع کی طرح صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح قلم زد کر دی گئی اس کا معتد بہ حصہ مٹ جانے سے پہلے یہاں تک کہ محل بیت کا ایک اور رخ ٹیل نظروں سے اوجھل ہو گیا

الغابہ

مدینہ منورہ کے شمال اور جبل احد کے جنوب میں واقع وسیع و عریض رقبہ پر پھیلے ہوئے گھنے جنگلات مدینہ منورہ کے لیے زمانہ قبل از تاریخ سے ایک مضبوط دفاعی لائن کا کام دیتے رہے ہیں ان جنگلات والا علاقہ الغابہ کے نام سے پکارا جاتا ہے الغابہ کا عربی میں معنی بھی جنگل ہے چونکہ بہت ساری وادیوں اور خاص طور پر وادی بطحان کا سیلابی پانی الغابہ میں سے گزرتا تھا اس لیے یہ تمام اراضی بہت زرخیز ہو گئی تھی جب بھی شدید بارشیں ہوتیں اور مدینہ منورہ کی وادیوں کی طغیانی اس علاقے کو دلدل۔ ڈیلٹا۔ کی شکل میں تبدیل کر دیتی اس لیے کہ زمین شوریلی سی ہو گئی تھی جوں جوں مدینہ منورہ کی آبادی بڑھتی گئی جنگلات کم سے کم ہوتے گئے مگر ترقی کے اس دور میں بہت ساری اراضی کو قابل کاشت بنا لیا گیا ہے۔ بطحان کی جدید بستی اب کے قدیم جنگل کی جگہ پر آباد ہے جو مدینہ منورہ کا سرسبز ترین علاقہ تصور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں باغات (بساتین) اور خوبصورت پارک نظر آتے ہیں جیسے کہ حدیقۃ البری وغیرہ

یہاں ہر قسم کا درخت پایا جاتا تھا جن میں جنگلی جانوروں کا راج ہوا کرتا تھا شہر نبی کی تمام تر مرکزی کی ضروریات کی لکڑی الغابہ جنگل سے پوری کی جاتی تھیں نبی اکرم ﷺ کے لیے بنائے جانے والے منبر شریف کی لکڑی (بقیہ)

۴۰۸

[illegible] کا مقام جبل [illegible] کے [illegible] کرتا تھا جہاں رسول اللہ [illegible] کے اونٹ چرا کرتے تھے جنہیں ایک مرتبہ بنو غطفان کے [illegible] ہانک لے گئے تھے [illegible] حضرت سلمہ بن اکوع نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ اونٹوں کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے [illegible] اپنے چند اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ ان کے تعاقب کے لیے نکلے اور وہ رقبہ جنگل سے [illegible] کے مطابق خطرات کے مخصوص حالات کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے پہلی مرتبہ نماز قصر کے ساتھ پڑھی تھی

الغابہ کا بہت سا حصہ حضرت عباسؓ کے پاس تھا اور انکے بہت سارے کارندے وہاں کاشت کاری کیا کرتے تھے. ان کی وہ اراضی مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل دور ہوا کرتی تھی جیسا کہ فیروز آبادی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جب کبھی ان کو اپنے کارندوں سے رابطہ کرنا ہوتا تو وہ جبل سلع کے اوپر چڑھ کر ان کو آواز دیا کرتے تھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بلند آواز سے نوازا تھا تبھی کارندے ان کی آواز سن لیا کرتے تھے.

سٹیٹ پراپرٹی ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صوابدید پر تھا اور آپ جس کو بھی چاہتے اس میں سے کچھ اراضی عطا کر دیتے اس طرح بہت سارے اصحابہ کرام نے جن کو الغابہ کا کچھ علاقہ عطا ہوا تھا وہاں سخت محنت کر کے اس علاقے کو قابل کاشت بنا لیا تھا جہاں کھجور اور دیگر پھل دار درختوں کے علاوہ غلہ اور سبزیاں کثرت سے اگائی جانے لگی تھیں جو اہالیان مدینہ منورہ کی خوراک کی ضروریات پوری کرتی تھیں ایک ایسا ہی قطعہ اراضی سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کو الاٹ ہوا تھا. ابن شہاب حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: [ابوبکر صدیقؓ نے مجھے الغابہ سے اپنی اراضی سے چند کھجور کے درخت دیئے جن سے مجھے تقریباً بیس وسق کھجوریں ملتی تھیں. جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ الغابہ سٹیٹ پراپرٹی تھی اس لیے خلفائے راشدین وقتاً فوقتاً اس میں سے اراضی کے ٹکڑے مختلف مستحق افراد کو عنایت کر دیا کرتے تھے. جب مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف غزوات اور حروب میں شرکت کرتے تھے تو ان کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا جس کی وجہ سے ان میں سے بہت سے مالدار ہو گئے تھے. ایسی ہی ایک مثال حضرت زبیر بن العوامؓ کی تھی جو گو کہ قبل از ہجرت ہی کافی امیر تھے مگر ہجرت کے بعد مال غنیمت مل جانے کے بعد ان کے مال و دولت میں اس قدر اضافہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے الغابہ کی اراضی کا بیشتر حصہ اپنے لیے مبلغ ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں خرید لیا تھا. وقت کے ساتھ ساتھ اس اراضی کی قیمت میں اضافہ ہوتا گیا اور جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں ان کی شہادت ہوئی تو اس وقت وہ بائیس لاکھ درہم کے مقروض تھے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کا تمام قرضہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے انکی الغابہ کی اراضی کے کچھ حصہ اور دیگر مکانات جو وادی العقیق میں تھے بیچ کر ادا کیا تھا. وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے ان کی الغابہ کی اراضی کو خریدا تھا ان میں حضرت

علاقہ "الغابہ" موجودہ حالت میں

وہ تبرکات جو مسجد بنی ظفر اور العوالی میں موجود ہوا کرتے تھے

مسجد بنی حرثہ ۲۰۰۰ء میں

مندرجہ بالا آثار اور تبرکات کے علاوہ جو مدینہ منورہ میں ہوا کرتے تھے جرد شرقیہ میں واقع مسجد بنی ظفر میں بھی چند آثار مبارکہ تھے مثلاً پتھر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی کہنیوں اور انگلیوں کے نشانات جو صدیوں سے محفوظ چلے آتے تھے. ۱۹۷۵ء تک وہ آثار مبارکہ موجود تھے جن کی بہت سارے زائرین نے تصدیق کی ہے لیکن بعد میں جب مسجد شریف کو مسمار کرکے اس کے کچھ حصے پر دعوۃ وارشاد (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے صدر دفتر کی عمارت تعمیر کردی گئی تو وہ تمام تر تبرکات گوشہ گمنامی میں چلے گئے.

۴۱۰

مطری اور سمہودی نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس مسجد کی قبلہ کی جانب کچھ آثار مبارکہ تھے ایک آں حضور ﷺ کے خچر کے سموں کے نشان تھے اور اس کی غربی جانب ایک چٹان پر کہنی کا نشان ثبت تھا کیونکہ روایات کے مطابق سرور کائنات نے اپنے کہنی مبارکہ کو اس چٹان کے ساتھ سہارا دیا ہوا تھا اور وہ موم کی طرح نرم ہوگئی تھی جس پر وہ نشان ثبت ہوگیا تھا اور پاس ہی ایک اور چٹان تھی

[illegible]

[illegible] (قصویٰ)

[illegible]

[illegible] (۳۱۲-۳۱۳)

[illegible] (قصویٰ) [illegible] ایک جگہ پر حضور نبی کریم کی اپنی (قصویٰ) کے پاؤں کے پتھر پر نشانات ہیں اور اوپر ان نشانات کی تصویر بنائی جاتی ہے جو ۱۹۷۳ء میں اتاری گئی تھی۔ دوسری تصویر جو اس صفحہ کے نچلی طرف بائیں رخ میں دی گئی ہے یہ نقش پائے ناقہ مبارک اس وقت بنو قینقاع کے علاقہ میں ایک پہاڑی پر ثبت ہوئے تھے جب کہ رسول مقبول [illegible] دعوت و ارشاد کی غرض سے قبیلہ بنو قینقاع تشریف لے گئے مگر وہ بدبخت اپنی ہٹ پر اڑے رہے اور الٰہی سرکار دو عالم [illegible] کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے بولے کہ "اے محمد ([illegible]) بدر کی فتح کے دھوکے میں نہ رہو جانا کیونکہ وہ جنگ آپ نے ان لوگوں کے خلاف لڑی ہے جو فن حرب سے ناآشنا تھے اور اس لیے آپ کو فتح حاصل ہوئی مگر بخدا اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی غلطی کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے خوفناک لوگ ہیں" اس گستاخی پر حضور نبوت کے اثر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور سرور دو عالم [illegible] جس ناقہ مبارکہ (قصویٰ) پر سوار تھے اس کے اگلے دونوں پاؤں اس سنگ خارا میں دھنس گئے جس پر وہ کھڑی تھی اور اپنا اثر نقش جلال رقم کر دینے تک چھوڑی یہ نشانات اس وقت کے بنو قینقاع کے علاقے میں (اعوالی میں مشربہ ام ابراہیم سے ذرا آگے) آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ عشاق آثار رسول مقبول [illegible] کے دلوں کو گرماتے ہیں

اعوالی مشربہ ام ابراہیم کے پچھواڑے پر واقع حضور نبی اکرم کی اپنی (قصویٰ) کے پاؤں کے نشانات

حواشی

خبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے اس اللہ کے حکم سے اس کی
زیں قرآن کریم (المائدہ 5 15) بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (یعنی

(۲) ذکر کیا ہے۔ الفتح-۴۸ 18 بیشک اللہ مومنوں سے خوش ہوا جب انہوں نے اس
کی بعض روایات نگاروں نے اس معاملے میں کچھ غلط فہمی کی ہے جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت بیعت رضوان کے مقام سے واپسی پر بھی لوگوں کو یاد رہا تھا اور بعد میں
(جیسے فتح مکہ کے موقع پر) بھی لوگ اس کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ یہ روایت حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ سے حضرت عبید اللہ بن مسیب کی روایت کے مطابق (جن سے امام بخاری نے حضرت مسیب ان خوش قسمت اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
میں شامل تھے جو بیعت رضوان میں شریک تھے) فرماتے ہیں کہ بمشکل ایک ہی سال گزرا تھا جب لوگوں کے لیے یہ تعین کرنا ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ درخت
کس جگہ پر واقع تھا۔ بنا بریں جب صرف ایک سال کے بعد ہی اس درخت کا محل وقوع مفقود ہو چکا تھا تو عقل سلیم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت عمر فاروق
نے اس واقعہ کے چھ سال بعد جب انہوں نے خلافت سنبھالی کیسے اس درخت کو گرانے کا حکم صادر فرمایا ہوگا۔ حضرت سعید ابن المسیب کی روایت
سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شجر مبارک تو حضور رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی مفقود ہو گیا تھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی جگہ
مسجد تعمیر کر دی تھی۔ یہ ہمیں اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ حضرت عمر فاروق خود بھی اپنے سید و آقا جناب رسالت مآب ﷺ کے آثار مبارکہ کا
بہت احترام کرتے تھے (جس کے شواہد پر اپنے تمام دور خلافت میں وہ اس تبرک کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے جو کہ آقائے نامدار حضور ﷺ
کی ملکیت سے زیر استعمال رہ چکی تھی اور اسی طرح انہوں نے وہ نیزہ (عنزہ) تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں استعمال کیا تھا)
بنا بریں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس شجر مبارکہ کو کاٹ گرانے کا حکم صادر کیا ہو جو نہ صرف اثر (تبرک) رسول مقبول ﷺ بھی ہو بلکہ جس کا
ذکر قرآن کریم میں بھی آ چکا ہو۔ یہاں تک کہ وہ مکڑی کا ستون جس پر حضرت بلال کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے پہلے تو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی
اللہ عنہا (جو حضرت عمر فاروق کی بیٹی تھیں) کے گھر پر رہا اور پھر نسل در نسل دار آل عمر میں صدیوں محفوظ رہا۔ مزید برآں اس ضمن میں ہمیں اور بھی کافی
احادیث ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس جگہ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی تھی۔ حضرت طارق بن عبد الرحمن
فرماتے ہیں: [جب میں حج پر روانہ ہوا تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو ایک جگہ نماز ادا کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ مسجد کونسی ہے؟ انہوں نے
کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے بیعت رضوان لی تھی]۔

(۳) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۱، ص:۴۳۱۔ ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) بدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب ج ۵، ص ۱۶۵

(۴) صحیح بخاری: ج:۱، نمبر ۷۵۰۔ اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ وضو فرماتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین اس طرح دوڑ کر آتے کہ ایسا لگتا تھا کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں

(۵) صحیح بخاری: ج:۱، نمبر ۱۷۱

(۶) جناب محمد علوی المکی الحسنی مفاہیم یجب ان تصحح، دار الانسان، دمشق، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۵، ص ۱۵۰۔ اس معاملے میں وہ بھی صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب
والسنہ پر انحصار کرتے ہیں۔

(۷) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۵۰۵۹ ان کثیر، مصدر مذکور، ج ۳، ص ۱۷۶

(۸) ابن سعد، ج ۹، ص ۳۲۱

(۹) [illegible] بریزی ترجمہ انفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، طبع ۵۰۲-۱۵۰۳

(۱۰) جناب محمد علوی المالکی الحسنی۔ مصدر مذکور، ص ۱۳۴ اس مقالے میں وہ صحیح بخاری، باب الشروط فی الجہاد میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱۱) [illegible] قدیمہ [illegible] بیروت (۱۹۹۱) جلد ۸، ص (۱۰۰ تا ۱۰۱)

(۱۲) جناب محمد علوی المالکی الحسنی [illegible] ۵۰۰ [illegible] ان [illegible] ان [illegible] ان

[illegible] صندوق جو آباؤ اجداد میں تبرکات تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کے [illegible]
صندوق بھی وہ لے گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا [illegible]
کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو [illegible]
لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی [illegible]

[illegible] صندوق میں [illegible] تھا
Towards Understanding the Quran تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ از ظفر اسحاق انصاری، اسلامک فاؤنڈیشن، جلد:۱، ص:۱۹۱

(۳۵) [illegible]

(۳۶) [illegible]

(۳۷) محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، بیروت، جلد ۱۱، ص ۱۹۰، تاہم علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ مذکورہ قرن (سینگ) اس آہو کی نذر ہوگئے تھے جس نے یزیدی افواج کے حملے کے وقت کعبۃ المشرفہ کو اپنی پیٹ میں لے لیا تھا، تاریخ الخلفاء، بیروت (۱۹۸۴) ص ۱۹۵ یہ نقطہ نظر بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ آثار مبارکہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور پھر بعد میں تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں محفوظ تھے۔

(۳۸) طبری، ج:۳، ص:۱۸۰

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۸، نمبر ۲۹۸

(۴۰) سیدۃ ام سلیم حضرت انس بن مالک کی والدہ ماجدہ تھیں جناب انس کے والد کے بعد انہوں نے مشہور صحابی حضرت ابوطلحہ سے شادی کر لی تھی وہ حضور نبی کریم ﷺ کے اہل خانہ کے خانگی معاملات دیکھ بھال کیا کرتی تھیں اور اس وجہ سے انہیں حضور والا شان ﷺ اور اہل بیت اطہر سے بہت قربت حاصل تھی در آنحالیکہ وہ جہاں سید عالم ﷺ کبھی کبھار ان کے ہاں تھوڑی دیر آرام فرمانے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے ان کا گھر بیت الخلاء کے قریب ہوا کرتا تھا جو جگہ کہ اب مسجد نبوی شریف میں آ چکی ہے۔

(۴۱) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۷۶۲

(۴۲) ابن سعدؒ، مصدر مذکور، ج:۸، ص:۴۲۹ حضرت انس بن مالک کا انتقال ۱۱۰ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

(۴۳) ایضاً، نیز: ج ۸، ص ۴۲۸

(۴۴) محمد بن عمر بن واقدؒ (واقدی-ت:۲۰۷ ہجری)، کتاب المغازی، عالم الکتب بیروت، طبعہ سوئم، ج:۲، ص:۶۱۵

(۴۵) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۸۴ و نمبر ۷۸۵

(۴۶) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۱۹

(۴۷) ابن عبدربہ، العقد الفرید، ص:۵۲۳

(۴۸) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۱۶۵

(۴۹) قرآن الکریم (الیوسف:۹۳)

(۵۰) ابن سعدؒ، ج:۱، ص:۴۵۴

(۵۱) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۶۲

(۵۲) ابن الکثیر، الفصول فی سیرت الرسول، ص ۱۸۷ مزید برآں دیکھئے، بدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۱۰ و ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفا، باحوال

(۷۸) ۔ مقدمہ صفی، مصدر مذکور، ص ۲۰

(۷۹) ایضاً، ص: ۴۲۳

(۸۰) اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ (عربی ترجمہ الرحلۃ الحجاز) ص: ۲۴۵

(۸۱) صحیح بخاری، ج.۱، نمبر ۳۴۰

(۸۲) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ وحید الزمان) اسلامی اکیڈیمی، لاہور (۱۹۸۳ء) ج ۲، نمبر ۶۳۷، ص ۲۴۲

(۸۳) ابن سعدؒ، ج:۱، ص: ۳۵۴ و صحیح بخاری ج:۷، نمبر ۷۰۱

(۸۴) ایضاً ص: ۳۵۶

(۸۵) ابن اسحاقؒ، صفحات: ۵۹۷-۶۰۲

(۸۶) ابن الاثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، صفحات ۳۲۰-۳۲۵

(۸۷) علی فعور، دیوان کعب بن زہیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۸۷ء) ص ۶۰ مولف ہذا رقمطراز ہیں کہ مورخین کی یہ [illegible] ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس بردہ شریف کو مبلغ ۳۰،۰۰۰ درہم کے عوض خریدا تھا۔

(۸۸) ابن الکثیر: مصدر مذکور، ج:۵، ص:۱۵

(۸۹) علامہ جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۹۰ ابن عبدربہ بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف (العقد الفرید ص ۱۶۷) میں [illegible] تائید کرتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہؓ ہی تھے جنہوں نے اس بردہ شریف کو خریدا تھا۔ نیز دیکھئے محمد رضاء، (محمد رسول اللہ ﷺ) دار الکتب العلمیہ [illegible] ص ۳۶۲

(۹۰) ابن الاثیر: اسد الغابہ ج:۴، ص:۴۵۱

(۹۱) توپکاپی ویب سائٹ کے مطابق وہ صندوق جس میں بردہ شریف محفوظ ہے اسے مشہور ترکی سیاح اولیا شلبی (ولادت ۱۰۲۰ [illegible] نے بنایا تھا

(۹۲) الترمذی (اردو ترجمہ بادیع الزمان)، ج:۱، ص:۶۱۹

(۹۳) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ: وحید الزمان ج:۳، نمبر:۸۱۳، ص:۲۹۸

(۹۴) ابن سعدؒ، ج:۱، صفحات: ۴۷۲-۴۷۳ نیز صحیح بخاری، ج:۷، نمبر:۷۶۲

(۹۵) ابن سعدؒ، ج ۱، ص: ۴۷۷

(۹۶) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر:۷۶۷

(۹۷) السید سمہودی (نور الدین علی بن احمد السمہودی المتوفی ۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ص ۹۴۴۔

(۹۸) سنن ابی داؤد، کتاب ۳۴، نمبر ۴۲۱۲

(۹۹) ایضاً نمبر ۴۲۲۳

(۱۰۰) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر:۷۵۶

(۱۰۱) ابن سعدؒ، ج ۱، ص:۴۷۵

(۱۰۲) ایضاً، ص: ۴۷۷

(۱۰۳) صحیح مسلم، کتاب ۱، حدیث نمبر ۱۴۷

(۱۰۴) الترمذی، مصدر مذکور، ج.۱، ص. ۶۱۷

(۱۰۵) ابن سعدؒ، ج ۱، ص:۳۵۵

(۱۰۶) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج ۱، صفحات: ۱۳۹-۱۴۰

(۱۰۷) ابن سعد، ج:۱، ص. ۲۶۲، ان کے بیان کے مطابق ایسے سفراء کی تعداد چھ تھی، مگر ابن اسحاق اور ابن اثیر اور کچھ دیگر مورخین کا خیال ہے کہ سفراء کی تعداد

(۱۱۲) ابن اسحاق ص ۲۵۳

(۱۱۳) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۷۰

۔ محمد رسول اللہ The Life and Work of Prophet of Islam

۔ "Prophete del Islam Sa V e et Scn Oeuvre" ۔۔۔ ترجمہ فرنچ کی

میں ابن الجوزی (وفات ۔۔۔ ھ) ۔۔۔

۔۔۔

(۱۱۵) صحیح مسلم، ج ۔ حدیث نمبر ۳۔۲۰۔۱۹۔۱۵

(۱۱۶) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۹۰

(۱۱۷) ۔۔۔ محمد رسول اللہ The Life and Work of Prophet of Islam ۔۔۔ ۲۲۱ ۲۲۵ ۔۔۔

۔۔۔

(۱۱۸) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۳۶۹، ابن سعد، ج ۱ ص ۲۶۰ ۔۔۔

۔۔۔ ابن ہشام، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۹۳

۔۔۔ ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۲۳۳

۔۔۔ ص ۲۵۸ ۲۵۹

(۱۲۱) ۔۔۔ میں ۔۔۔ سے ۔۔۔ ملتی جلتی اسماعیل الراسای ۔۔۔

(۱۲۲) صحیح بخاری، ج ۔ ص ۳۹۲۔

(۱۲۳) صحیح بخاری، ج ۔ باب ۳۰ ص ۳۶۸

(۱۲۴) صحیح بخاری، ج ۲ ص ۳۹۱

(۱۲۵) ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۱۵

(۱۲۶) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۔

(۱۲۷) ابن ہشام، ج ۱ ص ۴۱۵

(۱۲۸) صحیح بخاری، ج ۔ باب ۔ ص ۵۶۱

(۱۲۹) صحیح مسلم، کتاب ۱۲، نمبر ۳۔۳۲

(۱۳۰) ابن ہشام، سعد، ج ۱ ص ۴۵۸

(۱۳۱) صحیح مسلم، کتاب ۳۲، نمبر ۳۰۴۳

(۱۳۲) ترمذی، ج ۲، ص ۳۹۸۔۳۹۹

(۱۳۳) [illegible]

(۱۳۴) نامہ میگزین مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۳۱، نمبر ۱۳

(۱۳۵) [illegible]

2001

(۱۳۶) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۸۵

(۱۳۷) [illegible] حبیب السیر فی تاریخ، ج ۲، ص ۹۰ [illegible] حبیب السیر نے سید نا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کی تو جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا (میں [illegible] ج ۲، ص ۶۲

(۱۳۸) الترمذی، ج ۱، ص ۲۰۳

(۱۳۹) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۸۵، مسند امام احمد و تاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی، ص ۱۹

(۱۴۰) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۸۵

(۱۴۱) صحیح بخاری، ج ۴، باب ۵۳، نمبر ۳۴۲، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۶

(۱۴۲) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۸۶

(۱۴۳) Art Dhu al Faqar encyc Britannica online

http://members.eb.com/bol/top?eu=30720&sctn=1 [Accesed October 2, 2001]

(۱۴۴) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، مصدر مذکور، ص ۱۲۶، اسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۶۱، مزید دیکھئے [illegible] (وفاء الوفاء، ص ۹۲۴)

(۱۴۵) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جذب القلوب (اردو ترجمہ سید حکیم عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۰ء) ص ۱۹۴ [illegible] (وفاء الوفاء، ص ۹۲۴)

(۱۴۶) تلعب شمشیر کے متعلق تفاصیل مصری جریدے، خزانہ، مطبوعہ قاہرہ، سے ماخوذ ہیں۔

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص ۳۹۱

(۱۴۸) ابن الجوزی (الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت-۱۹۸۸ء) ص: ۶۹۰

(۱۴۹) ابن اثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص: ۲۵

(۱۵۰) صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، دار السلام، ریاض (۱۹۹۳ء) ص: ۲۷۶، باضافہ تشریح خود (کیونکہ بخاری شریف [illegible] مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص کا قول ہے: (رسول اللہ ﷺ نے یوم احد کے موقعہ پر اپنے ترکش سے تیر نکال کر [illegible] میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)، ج ۵، نمبر: ۳۸۵، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تیر حضور نبی اکرم ﷺ نے نہیں اپنے ترکش سے [illegible]

(۱۵۰) ابن الجوزی (الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء) ص: ۶۹۳

(۱۵۲) محمد رضاء، (محمد رسول اللہ ﷺ) دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۷۵ء) ص: ۲۹۵

(۱۵۳) قاضی عیاض الشفاء، جلد ۲، ص ۴۴

(۱۵۴) جناب محمد علوی المکی الحسنی، مصدر مذکور، صفحات ۱۳۳-۱۳۴

(۱۵۵) رحلۃ ابن جبیر، مصدر مذکور، ص ۱۴۲

(۱۵۶) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۳۰۸، ج ۲، نمبر ۱۴۱، ج ۴، نمبر ۸۳

(۱۵۷) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، مکتبہ [illegible]

(۱۵۸) قاضی عیاض، مصدر مذکور، ص ۱۰۰ [illegible]

(۱۵۹) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، صفحات ۱۶۶-۱۶۷

(۱۶۰) رحلۃ ابن جبیر، ص ۱۹۲

(۱۶۱) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص: ۱۷۳

(۱۶۲) ابن بطوطہ (محمد ابن عبداللہ) Travels in Asia and Africa سروسز کلب لاہور، (۱۹۹۵ء)، ص ۱۰۷

(۱۶۳) محمد بن احمد المطری، ص: ۲۷

(۱۶۴) ابن ضیاء المکی، ص: ۱۷۱

(۱۶۵) قطب الدین الحنفی، ص: ۱۰۷

(۱۶۶) ابن عبدربہ، کتاب العقد الفرید، ص: ۴۹۵

(۱۶۷) رحلہ ابن جبیر، ص: ۱۴۳

(۱۶۸) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۱۱-۳۲

(۱۶۹) ایضاً، نمبر: ۳۳۳

(۱۷۰) ابن شبہ النمیری البصری، ج: ۱، ص: ۱۴۱

(۱۷۱) ابن سعد، ج: ۵، ص: ۴۰۶

(۱۷۲) ابن سعد، ج ۔ ے، ص ۵۲

(۱۷۳) علامہ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۸۵

(۱۷۴) ابن الجوزی، الثبات عند الممات، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۸۶ء) ص ۸۹، [illegible] ص ۲۰۳

(۱۷۵) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ص: ۱۲۱

(۱۷۶) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۸

(۱۷۷) امام احمد المقری التلمسانی، ص: ۴۵۱

(۱۷۸) یہ معلومات اسلامک اویرینس کے ویب سائیٹ http //www islamic-awareness org سے لی گئی ہیں، ہم ان [illegible] یہ تصویریں چھاپنے کی اجازت مرحمت فرمائی

(۱۷۹) سید محمد لطیف، تاریخ لاہور (مصدر مذکور) ص ۱۸۴، باقی کی تفصیل کی کتاب میں صفحات ۳۳۵-۳۳۶ [illegible]

(۱۸۰) شہباز خان، ڈائریکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ، پنجاب لاہور، بادشاہی مسجد لاہور میں آثار مبارکہ، ناشر محکمہ اوقاف لاہور (۲۰۰۱ء) صفحات: ۱-۸

(۱۸۱) صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۵۴۱

(۱۸۲) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۱۲

(۱۸۳) قطب الدین الحنفی، مصدر مذکور، ص ۱۱۲

(۱۸۴) سنن، امام احمد بن حنبلؒ کتاب الزہد نیز ابن جوزی (وفاء باحوال المصطفیٰ) ص ۵۶۷

(۱۸۵) سنن ابی داود، کتاب: ۳۲، ص ۲۰۷

(۱۸۶) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۰۷

(۱۸۷) رحلۃ ابن جبیر، ص ۱۴۱

(۱۸۱) الطبقات الکبریٰ، ص ۳۹

(۱۸۲) [illegible] ص ۲۹۹ [illegible]

(۱۸۳) مدینہ عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۲۵ (اضافے کے ساتھ)

(۱۸۴) رحلۃ ابن بطوطہ، ص ۱۶۲

(۱۸۵) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرۃ، ص: ۲۵۳

(۱۸۶) سید محمد حسن یمانی، مدینہ کی تاریخی عمارات (اردو)، ۱۹۷۶ء، مطبوعہ فرقان بک ڈپو، دہلی، ص ۶۱

(۱۸۷) [illegible] Studies of Modern History New York Chelsea House Pub Vol 2، ص ۱۴۸

(۱۸۸) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبوعہ مکتبۃ الدار الکتب المصریہ، قاہرہ (۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۴ ہجری)، جلد ۱، ص ۳۱۹

(۱۸۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامک کلچر، جلد: ۸، ۱۹۳۴ء، صفحات: ۴۲۷-۴۳۹، آرٹیکل Some Arabic Inscriptions of Medina of The Early Years of Hijrah بشکریہ: <http://www.islamic-awareness.org>

(۱۹۰) سید احمد یاسین احمد خیاری (ت ۱۳۹۰ ہجری)، تاریخ معالم مدینہ (قدیمہ و حدیثہ)، مدینہ منورہ، مکتبہ [illegible]، ص ۲۲۳

(۱۹۱) محمد امین شنقیطی، احمد الشنقیطی فی معالم [illegible] مدینہ منورہ، ۹۹ء، ص ۳۷

(۱۹۲) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۴۰-۱

(۱۹۳) ابن اسحاق، مغازی، ص ۹-۹۱

(۱۹۴) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۳۱

(۱۹۵) فیروز آبادی، مصدر مذکور، ص ۱۳۹ (مع اضافے و تشریح)۔

(۱۹۶) ابو الولید ازرقی، تاریخ مکہ، مکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ص ۵۹۸

(۱۹۷) صحیح بخاری، ج ۳، رقم ۶۴۲، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری، ج ۷، رقم ۱۹

(۱۹۸) ابن شبہ

(۱۹۹) صحیح بخاری، ج ۹، رقم ۳۶۱

(۲۰۰) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۴

(۲۰۱) ابن اسحاق، ص ۳۹۰

(۲۰۲) صحیح بخاری، ج ۵، رقم ۳۷

(۲۰۳) صحیح بخاری، ج ۵، رقم ۳۷، باب اسم من سمی باسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے، آپ اس کے لیے دعا فرمائیں، آپ نے اس کے حق میں جو دعا فرمائی اس کے بیان میں ابن شبہ نے تفصیلات ذکر کی ہیں، ص ۶۹

(۲۰۴) صحیح بخاری، ج ۱۰، رقم ۱۳

(۲۰۵) ابن شبہ، صفحات ۳-۱۰۷-۱۰۸

(۲۰۶) ابو بکر عیاشی مدنی، مدینہ بین الماضی و الحاضر، صفحات: ۳۹۶-۳۹۷

(۲۰۷) ابن شبہ، ص صفحات ۲۶۹-۲۷۰

(۲۰۸) شنقیطی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قباء میں ثنیات الوداع کی جگہ قباء کا مشہور قلعہ ہے۔ یہ ترکوں کے دور کا تاریخی قلعہ ہے، جو [illegible] پر واقع ہے، [illegible] مصدر مذکور، ص ۱۲۳

(۲۱۶) سید سمہودی، وفاء الوفا، ص: ۰ ـ ۱

(۲۱۷) آیت ۱۰۰ سورۃ ۹ ـ

(۲۱۸) آیت ۱۰۰ سورۃ ۹ ـ

(۲۱۹) [illegible] ـ

(۲۲۰) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن ابراہیم [illegible] ۱۴۰۰ھ، ص ۲۱۳

(۲۲۱) خلیل الشمنطیطی، مصدر مذکور، ص: ۱۲۴

(۲۲۲) ابن نجار، مصدر مذکور، ص: ۱۳۸

(۲۲۳) [illegible] (مع تلخیص)

(۲۲۴) سید سمہودی، وفاء الوفا، صفحات: ۹۲۳-۹۲۴

(۲۲۵) صحیح مسلم، نمبر: ۱۱۱

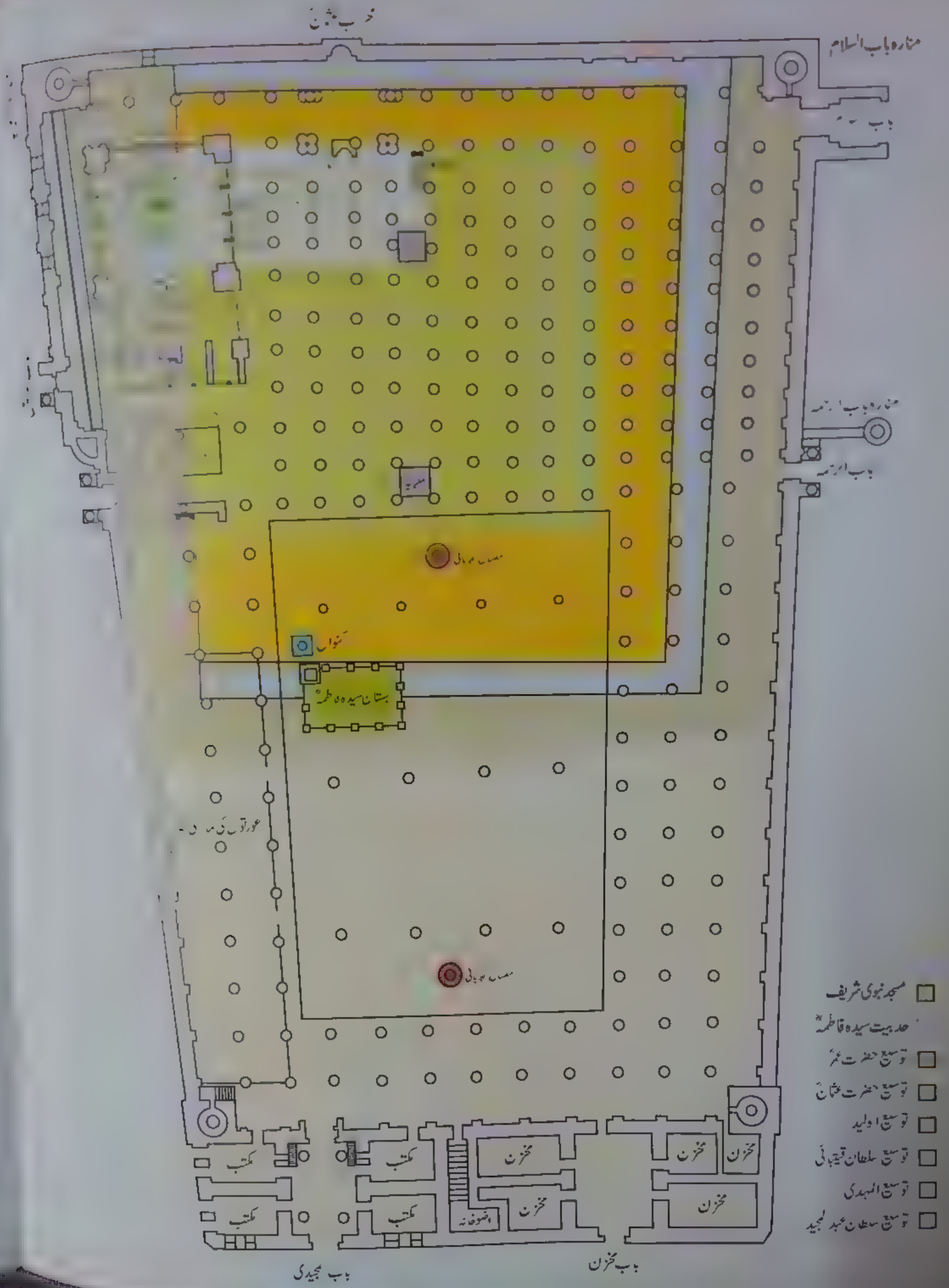
مینار باب السلام
باب النساء
مینار باب الرحمہ
باب الرحمہ
مصلیٰ
محراب عثمانی
کنواں
بستان سیدہ فاطمہؓ
عورتوں کی نماز
محراب نبوی
مسجد نبوی شریف
حدبیت سیدہ فاطمہؓ
توسیع حضرت عمرؓ
توسیع حضرت عثمانؓ
توسیع ولید
توسیع سلطان قیتبائی
توسیع المہدی
توسیع سلطان عبد المجید
مکتب
مکتب
مکتب
مکتب
مخزن
مخزن
مخزن
مخزن
مخزن
باب مجیدی
باب مخزن

مسجد نبوی شریف

تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے
رخت سفر نہ باندھا جائے
میری اس مسجد، مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کے سوا.
حدیث مبارکہ

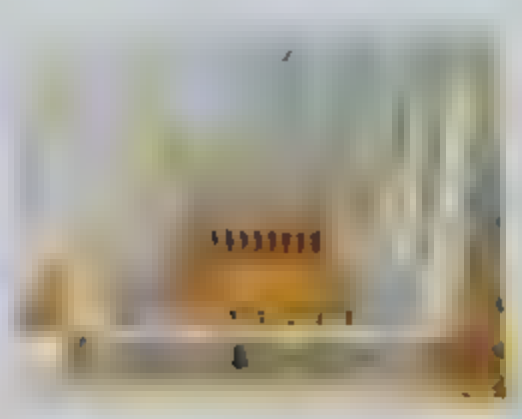

ہوا۔

ہوا۔

ہے۔

ہے۔

ہے

بالصراحت یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مقام پر یوم حشر حوض کوثر سجایا جائے گا جیسا کہ حضرت [illegible] ظاہر ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا، اور آں حضور ﷺ اس وقت اپنے منبر [illegible] کنارے پر کھڑا ہوں۔] اس کے آٹھ ستون آج بھی ان کھجور کے تنوں کے ستونوں کی جگہ قائم اور [illegible] اس چھت کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے جس کے نیچے سرکار دو عالم ﷺ کے [illegible] اجمعین اپنا سر نیاز بحضور رب ذوالجلال خم کیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ حصہ [illegible] عقبی حصہ پر ناقابل تردید فوقیت حاصل ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ مسجد رسول اللہ [illegible] ہے۔ ہمیں سرکار دو عالم رحمت اللعالمین ﷺ کا یہ فرمان مبارک بھی ذہن میں رکھنا چاہئے [میری مسجد کو [illegible] جائے وہ میری ہی مسجد رہے گی۔] لہٰذا مسجد نبوی شریف کی بات کرتے ہوئے ہمیں اسے صرف ایک [illegible] کا انوکھا اور حسین امتزاج ہے جو اس پورے کمپلیکس کو منفرد و تقدس کی اوج ثریا پر متمکن کر دیتا ہے۔

ماضی میں مسجد نبوی شریف کی کئی بار توسیع اور تعمیر نو ہوئی۔ دراصل اسی توسیع اور تعمیر نو کے چودہ صدیوں پر محیط عمل نے اس متبرک [illegible] مختلف مراحل وادوار سے گزار کر موجودہ شکل اور وسعت دی ہے کہ اب پورے عالم اسلام میں اس سے بڑی اور عالی شان مسجد اور کوئی نہیں آخری توسیعی منصوبے کی تکمیل کے بعد یہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور پرشکوہ سجدہ گاہ بن چکی ہے جو کہ جدید ترین سہولیات سے آراستہ اسلامی فن تعمیر کا ایک گوہر بے پایاں ہے۔ یہ عظیم الشان مسجد اتعداد ایوانوں پر مشتمل ہے جو کہ ایک دوسرے سے محرابی [illegible] ذریعے بغلگیر ہوتے نظر آرہے ہیں۔ تمام دالان مضبوط ستونوں پر استوار ہیں جس طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھیں محرابیں نظر آتی ہیں جو ایک ہی خط مستقیم میں حد نگاہ تک قطار اندر قطار پھیلی ہوئی ہیں۔ اس عظیم عمارت کی شان وشکوہ دیکھ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ عثمانی اور نئے تعمیر شدہ حصہ کی چھت پرانی عمارت سے کافی بلند ہے لیکن دونوں حصوں کی سطح ارضی یکساں ہے۔ اس کے ستون آہنی سلاخوں کو کنکریٹ کے ساتھ ملا کر (آر سی) بنائے گئے ہیں جن پر ہلکے رنگ کا سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ روشنی کے انتظام کے لیے انہیں ستونوں میں پیتل کے کرؤان نصب ہیں جن میں بجلی کی قمقمے ہر طرف ضیاء پاشی کرتے ہیں۔ ایوانوں کی چھت سے بڑے بڑے زریں فانوس آویزاں ہیں جن کا نور نہ آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے اور نہ ہی ماحول میں حدت پیدا کرتا ہے۔

باب ہذا قاری کو ان مختلف مراحل کی تفصیل سے آگاہ کریگا جن سے گزر کر مسجد نبوی شریف اپنی تاسیس سے لے کر موجودہ شکل میں ہم

تک پہنچی ہے۔

مسجد نبوی شریف کی فضیلت اور اہمیت

ہے بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پر تقوی پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اور پاک لوگ اللہ کو پیارے ہیں۔ (۱)

ان الفاظ میں رب ذوالجلال والاکرام قرآن کریم میں اس مسجد شریف کے تقدس کی شہادت دیتے ہیں جس کی بنیاد روز اول سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی تھی۔ اگرچہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء میں کچھ اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور مسجد سے کونسی مسجد مراد ہے، لیکن اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اس بات پر ہی تھا کہ احادیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اس سے مراد مسجد نبوی شریف ہی تھی نہ کہ مسجد قباء۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے مروی ہے: [حضرت عبدالرحمٰن بن ابوسعید الخدری سے [مسجد نبوی شریف] کے بارے میں نے انہیں کہا: آپ نے اپنے والد ماجد سے اس مسجد کے بارے میں کیا سنا تھا جس کی بنیاد روز اول سے ہی [ ] پر استوار کی گئی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: میرے والد نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ حضرت [ ] کی ازواج مطہرات میں سے ایک کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر [ ] استوار ہوئی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور پھر زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا: یہی تمہاری مسجد وہ مسجد ہے [ ] یعنی مدینہ۔ مسجد نبوی شریف)۔ راوی نے بیان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کے والد کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا تھا [(۲)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد [ ] کے بارے میں دریافت کیا جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوی پر رکھی گئی تھی جس پر سید الانس والجان ﷺ نے فرمایا: یہی وہ مسجد ہے (یعنی مسجد نبوی شریف)۔] بلاذری نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے نقل کی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں [ ] کے درمیان آپس میں بحث چل نکلی کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر استوار ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے جب کہ دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مسجد 'مسجد قباء' ہے۔ آخر کار دونوں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے اور آپ سے اس معاملہ میں عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یہی جو میری مسجد ہے۔] یہی نظریہ اصحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا اور یہی رائے مشہور تابعین اور فقہاء کرام مثلاً حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ کی تھی جو کہ دوٹوک الفاظ میں کہتے تھے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول یوم سے ہی تقوی پر استوار کی گئی تھی اس سے مراد مسجد رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔ (۳) ابن کثیر اور ابن جریر الطبری بھی سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ کا اتباع کرتے ہیں (۴)۔ ابن کثیر کے الفاظ میں: یہ خیال کہ مسجد قباء کی بنیاد روز اول سے ہی تقوی پر رکھی گئی تھی دوسری رائے سے متضاد نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق تو مسجد نبوی شریف پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نہ صرف اس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوی پر استوار ہوئی تھی بلکہ اس لیے بھی کہ اسے دوسری مساجد پر (بشمول مسجد قباء) فوقیت حاصل ہے (۵)

مشہور مفسرین میں سے علامہ شوکانی نے اپنی مشہور تفسیر 'فتح القدیر' میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دونوں دلائل کے تجزیے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریم میں جو مسجد مراد لی گئی ہے وہ یقیناً مسجد نبوی شریف ہی ہے۔ (۶) تاہم یہ بیان کرنے سے ہمارا مقصد مسجد قباء کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ناقابل تردید شواہد اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے جو مسجد مقصود ہے وہ مسجد نبوی شریف ہی ہے۔

جب کہ عالم اسلام میں آج کی مساجد صرف نماز یا چند دینی اجتماعات تک محدود ہیں، مسجد نبوی شریف اپنی تاسیس کی وقت صرف مسجد

ہی نہیں تھی بلکہ ایک مکمل ادارہ تھا جس کا کردار امت کے لیے ہمہ جہتی اور کثیر المقاصد تھا۔ مومنوں نے جیسے ہی [illegible] ہے جس کی رو سے ہر مسجد کا درجہ برابر ہونا چاہئے تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تین مساجد میں ایسی کوئی خصوصیت ہے جو کہ ان کو تمام [illegible] فوقیت دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تین مساجد کے علاوہ کسی کے لیے رخت سفر باندھنے کی اجازت نہیں ہے [illegible] ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے رخت سفر باندھا جائے۔ یعنی مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کے سوا۔] (۷) ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: [میری مسجد میں ایک نماز دوسری کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ہزار گنا ثواب اور درجہ رکھتی ہے سوائے مسجد الحرام کے۔] (۸) بیہقی نے الجامع الشعب الایمان میں یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے [illegible] مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے۔ [illegible] مساجد میں ہزار جمعہ ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے اور میری اس مسجد میں ایک ماہ روزے رکھنا دوسری مساجد میں ہزار ماہ صیام سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے۔] (۹) مذکورہ تینوں مساجد میں سے دو تو بیت اللہ یعنی قبلہ اول (مسجد اقصیٰ) اور قبلہ ثانی (بیت اللہ شریف) ہیں جب کہ تیسری مسجد بیت اللہ ہونے کے علاوہ بیت رسول مقبول ﷺ بھی ہے۔ یہی تیسری مسجد "مسجد رسول اللہ ﷺ" (مسجد النبوی شریف) ہے۔ اس لیے مسجد ہونے کے علاوہ اس کا کردار وسیع تر ہے۔ یعنی ایک طرف تو یہ اللہ کی عبادت گاہ بنی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے بہت سے دوسرے کردار بھی ادا کرنے تھے: یعنی بیک وقت یہ مسجد بھی تھی، دار السلام (حکومت کا ہیڈ کوارٹر)، دار الضیافہ (سرکاری ریسٹ ہاؤس)، دار القضاء (عدالت عظمیٰ)، دار القلادہ (مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ ہاؤس)، دار الخلافت اور مہبط الوحی (مقام نزول وحی)، دار القیادۃ العسکریہ (عساکر اسلام کا ہیڈ کوارٹر۔ جی ایچ کیو)، دار الرشد (دنیا کی پہلی درسگاہ اور یونیورسٹی جہاں مستحق طلباء کو کھانے اور رہائش درسگاہ کے اندر ہی مقام الصفہ پر مہیا کی گئی تھی)، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک ایسا مرکز و مقام تھا جہاں سے اسلام کے آفتاب عالمتاب کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اسی کے ایک حصے میں سب نبیوں کی غایت اولیٰ اور بعد از خدا بزرگ ترین ہستی حضور سرور کائنات ﷺ تشریف فرما ہیں۔

ان تینوں مساجد (یعنی مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور مسجد النبوی الشریف) کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شیخ عطیہ محمد سالم نے بیان کیا ہے کہ ان تینوں مساجد کا مرتبہ دنیا کی دیگر مساجد سے اس لیے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جب کہ دیگر مساجد عالم کی جگہوں کے انتخاب اور ان کی حد بندی میں انسانی عمل دخل شامل ہوتا ہے ان تینوں مساجد کے موقع جات اور ان کے رقبے کی نشان دہی بواسطہ وحی انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی۔ ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب بیت اللہ شریف بنانے کا حکم ہوا تو وہ شش و پنج میں تھے کہ اسے کہاں

تعمیر کیا جائے. وحی کے ذریعے ان کو بتایا گیا کہ بادل کا ایک ٹکڑا اس وادی کے ایک حصے پر سایہ فگن ہوگا جہاں اللہ کا [illegible] ہوا تو آپ نے رب ذوالجلال والاکرام کے حکم کی تعمیل کی اور اس جگہ پر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی. بیت المقدس کی تعمیر کا وقت آیا تو [illegible] داؤد علیہ السلام کو اللہ کے گھر کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدنے کا حکم ملا کہ فلاں شخص سے اس کی زمین خرید لی جائے اور انہوں نے اسی حکم کی تعمیل کی. اسی طرح مسجد نبوی شریف کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے از خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کہ کہاں قیام فرمائیں اور [illegible] کریں ہر قبیلے کا سردار آپ حضور ﷺ سے دست بستہ درخواست گزار تھا کہ اس کو شرف میزبانی عطا فرمائیں. [illegible] ایک کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ: [اس (ناقۃ النبی قصویٰ) کا راستہ چھوڑ دیجیے، اس کو حکم ہو چکا ہے [illegible] 'قصویٰ' کے میڈیم کے ذریعے دیا گیا تھا جس کی تعمیل میں پہلے تو وہ وہاں رکی جہاں پر امام الانبیاء، دانائے [illegible] امامت فرمایا کرتے تھے، مگر پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے اٹھ گئی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت [illegible] گھر کے سامنے بیٹھ گئی. پہلے دونوں بیوت اللہ کی طرح مسجد نبوی شریف کے موقع کا انتخاب بھی وحی الٰہی (الہام) [illegible] (یعنی ناقہ رسول مقبول ﷺ جس پر حضور رسالت مآب اس وقت تشریف فرما تھے) کو امر کے ذریعے ہوئی: [illegible] رسالت مآب ﷺ نے فرمایا. (۱۰)

فضیلت مسجد نبوی شریف میں بہت سی احادیث روایت ہوئی ہیں. قند مکرر کے مصداق ہم مذکورہ بالا احادیث [illegible] سامنے دوبارہ پیش کرنا چاہیں گے کیونکہ یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے جس کے مطابق رسول اللہ [illegible] ایک بار مدینہ (مسجد نبوی شریف میں) کسی اور جگہ پر ہزار نماز جمعہ ادا کرنے کے برابر ہے. [انہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث کے مطابق [مدینہ میں روزہ رکھنا کسی اور جگہ ہزار روزے رکھنے کے برابر ہے.] (۱۱) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ [illegible] نے فرمایا [وہ شخص جو میری مسجد میں بغیر ناغہ کئے چالیس نمازیں ادا کرتا ہے وہ جہنم کو آگ اور نفاق سے محفوظ رہے گا] (۱۲) یہ ایک [illegible] ہے جو کہ بشمول دوسری دونوں مساجد کے کسی اور مسجد کے نصیب میں نہیں. ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی [illegible] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے کہ: [جو اپنے گھر سے میری اس مسجد کے لیے روانہ ہوتا ہے، اس کے ایک قدم اٹھانے پر اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر اس کی ایک خطاء معاف کر دی جاتی ہے.] (خلاصۃ الوفاء، ص: ۱۴۳) ابن حبان ہی کی اور روایت [illegible] زید بن اسلمؓ سے الفاظ کچھ ان معانی میں ہیں: [جو میری اس مسجد میں داخل ہوا کہ یہاں نماز ادا کرے یا ذکر الٰہی کرے، یا خیر کی تعلیم دے یا خیر کا علم حاصل کرے، وہ اللہ کی راہ میں ایک مجاہد کا مقام رکھتا ہے.] (ایضاً، ص: ۱۴۴)

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے اراضی کا حصول

جیسا کہ سب جانتے ہیں، تاجدار حرم جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے ہاں ٹھہرے تھے جب کہ مدینہ [illegible] عرب قبیلے کا سردار رسول اللہ ﷺ سے درخواست کر رہا تھا کہ آپ حضور ﷺ اسے شرف میزبانی عطا کریں، آقائے نامدار ﷺ بار بار یہی فرما دیتے کہ آپ وہیں قیام فرمائیں گے جہاں آپ کی سواری آپ حضور ﷺ کو لے جائے گی اور جب سرکار دو عالم ﷺ قبا سے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے قصویٰ کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں اور اس جم غفیر کو جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی ایک جھلک دیکھنے کو امڈ آیا تھا فرما رہے تھے: [اس کا راستہ چھوڑ دیجیے، اسے حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے.] رب ذوالجلال کی طرف سے [illegible] الہام ہو چکا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو کہاں لے کر جانا تھا. وہ احاطہ جس میں پہلے ناقہ رسول اللہ ﷺ رکی وہ بنی غنم بن مالک بن [illegible]

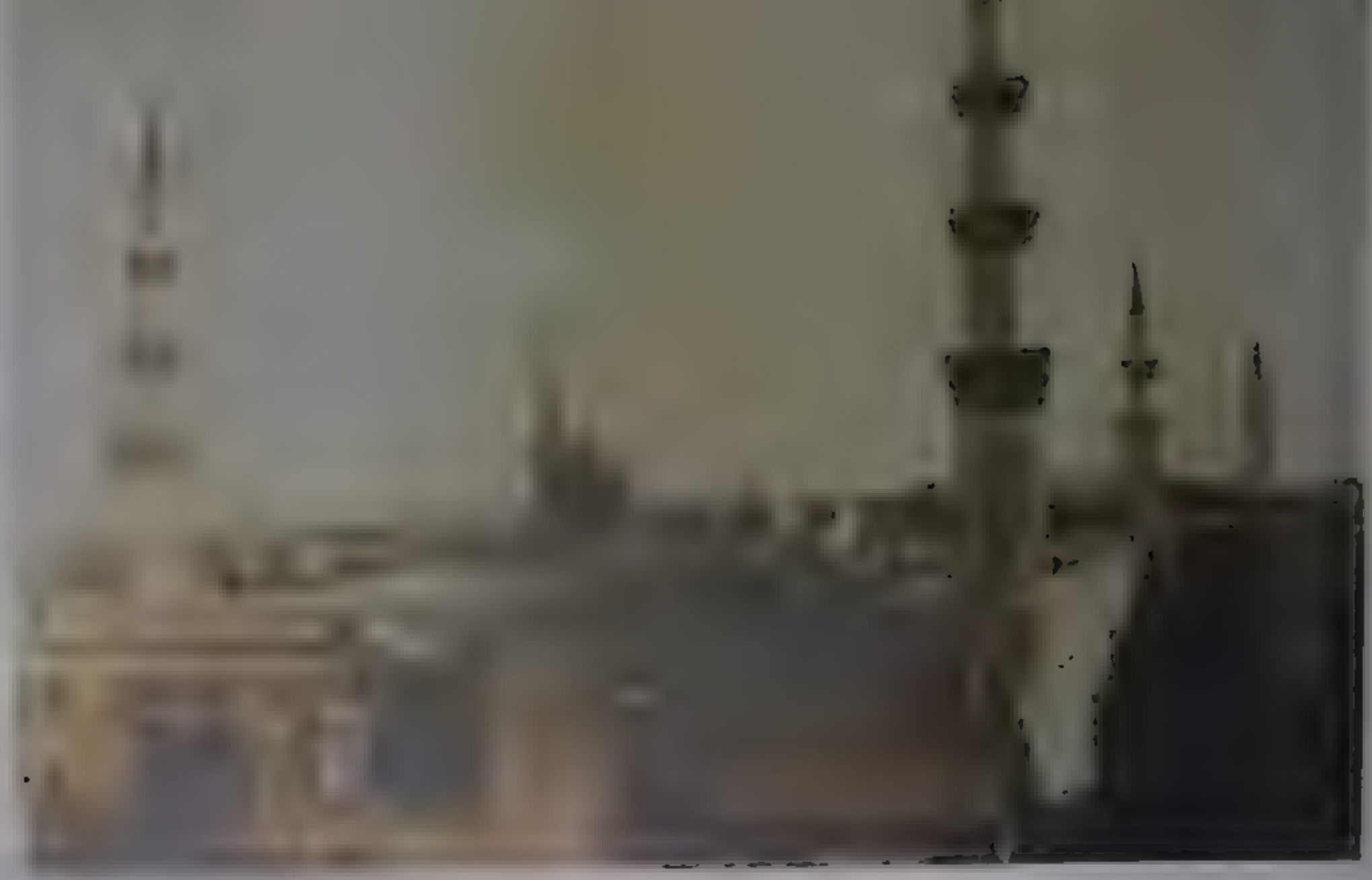

علاقے میں تھا اور دو یتیم بچوں کی ملکیت میں تھا جو کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ کی تولیت میں تھے حضرت [illegible] میں سے یہ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانی پر خزرج کا نقیب (سردار) متعین فرمایا تھا رسول اللہ [illegible] سے ہی حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس احاطے میں ایک طرف چار دیواری کر کے چھوٹی سی مسجد بنائی تھی جس کی صف دیواریں [illegible] تھیں اور اس کا روئے قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے اس قطعہ ارضی کو خریدنے میں اپنی رغبت ظاہر فرمائی اور اس کے مالکان کو بلا بھیجا [illegible] قریبی احاطے میں یا بھیڑوں کے ایک باڑے میں چھ دنوں تک نماز ادا فرماتے رہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے [illegible] اہل خانہ سے رابطہ کیا جنہوں نے وہ قطعہ ارضی رسول اللہ [illegible] خدمت میں پیش کی حضرت انس بن مالکؓ سے [illegible] بھی نماز کا وقت آجاتا تو رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرنا پسند فرماتے خواہ وہ بھیڑوں کے باڑوں میں ہی کیوں نہ ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے [illegible] دیا کہ ایک مسجد بنائی جائے اور بنی نجار کے چند آدمیوں کو بلا بھیجا اور فرمایا "اے بنی نجار، مجھے اس دیوار والے احاطے کی قیمت بتائیں" انہوں نے عرض کیا: "نہیں، اللہ کی قسم ہم سوائے اللہ کے کسی سے بھی نہیں لیں گے" (۱۴) مگر رسول اللہ [illegible] سے بغیر قیمت [illegible] لینے سے انکار فرما دیا۔ مزید گفت و شنید کے بعد وہ اسے اس سونے کے دیناروں کے عوض دینے پر راضی ہوئے (۱۵) جو کہ درحقیقت اس کی قیمت خرید تھی (واقدی کے بیان کے مطابق انہوں نے وہ زمین بنی افرع سے اسی قیمت میں خریدی تھی)(۱۶) سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی جیب سے اس کی قیمت ادا کی اور اس طریقہ سے وہ بقعہ مبارکہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے خرید گیا (۱۷) ایک روایت کے مطابق [illegible] نصف حصے میں ہوا تھا کیونکہ سیرۃ نگاروں کی متفقہ رائے کے مطابق کائنات کے شمس الضحیٰ اور بدر دجیٰ اور مہ تمام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے کاشانہ مطہرہ کو ۱۶ ربیع الاول (اکتوبر ۶۲۲ء) کے دن منور و تاباں کیا تھا

اس قطعہ ارضی مبارکہ کے ارضیاتی خدوخال

اس مبارک قطعہ ارضی جس کی قسمت میں تا ابد مسجد النبوی الشریف ہونا لکھا تھا رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے پہلے ایک خیر ہموار زمین تھی جس میں غرقد اور دیگر قسم کے درخت اور خاردار جھاڑیاں اور چند کھجوروں کے درخت تھے جہاں کچھ مشرکین کی قدیم قبریں بھی تھیں حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت کے مطابق [اس میں مشرکین کی قبور تھیں اور اس کا کچھ حصہ غیر ہموار تھا اور چند کھجوروں کے

نشان زدہ جگہ تقریباً وہی ہے جہاں عہد نبوی ﷺ میں مسجد نبوی شریف کے پہلے کارہ دار اینٹیں تیار کی گئی تھیں

درخت بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی قبور کو اکھاڑ پھینکا جائے اور غیر ہموار زمین کو ہموار کر دیا جائے اور کھجور کے درختوں کو بھی کاٹ دیا جائے |(۱۸) ہیں ممکن ہے کہ کچھ حصہ مال مویشیوں کو رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہو۔ اس کا کچھ حصہ مدت سے استعمال ہوتا تھا جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں اس زمین میں پتھر لڑھکے بھی پڑے ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا | اے بنو نجار اپنے اس باغ کا مول لگاؤ | اس کے کچھ حصے پر کھجوروں کے چند درخت بھی تھے۔ |(۱۹) اس زمین میں بارش کا پانی جمع ہو چکا تھا جس نے ایک جوہڑ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا اس متعفن پانی کو نکالنے کے لیے ایک نالہ کھودنا پڑا۔ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے پہلے یہاں چند مہاجرین جو اذن رسول مقبول ﷺ سے آپ حضور ﷺ مدینہ طیبہ ہجرت کر چکے تھے اس احاطے میں نمازیں ادا کرتے تھے۔(۲۱)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر کنار کے مردوں کی باقیات کو ان کی قبور سے نکال کر زمین کو ہموار کر دیا گیا اور اسے جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا کھجور کے درختوں کی بھی بیخ کنی کر دی گئی اور اس کے تنے اور پتے مسجد شریف کی قبلہ کی طرف گئے۔(۲۲) اکھاڑے گئے کھجور کے درختوں کے تنے سیدھے کر کے سامنے کی جانب لگائے گئے جس سے قبلہ کی جانب کا تعین ہوتا تھا۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے | کٹے ہوئے کھجور کے تنوں کو قبلہ کی جانب نصب کر دیا گیا تھا۔ |(۲۳) صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے | کھجوروں کے تنوں کو اس طرح جوڑ دیا گیا تھا کہ ان سے جانب کی دیوار بن گئی تھی اور اس کے دروازے کے لیے پتھر کے ستون کھڑے کیے گئے تھے۔ جانب قبلہ اس وقت شمال کی جانب بیت المقدس کی طرف مقرر تھی۔ |(۲۴)

مسجد نبوی شریف کی خشت اول رسول اللہ ﷺ کے دست بابرکات سے رکھی گئی

ماہ ربیع الاول ہجری (بر طابق اکتوبر ۶۲۲ء) کے اواخر میں مسجد نبوی شریف کی تاسیس عمل میں آئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ بنیاد تقریباً تین ذرع (۱.۵ میٹر) گہری تھی۔(۲۵) بنیاد کے لیے پتھر سے گھڑی ہوئی اینٹوں سے دیوار بنائی گئی جب کہ اوپر کی دیوار گارے سے بنی اور دھوپ میں سکھائی گئی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی (۲۶)۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ سنگ بنیاد رکھتے وقت بلکہ بعد میں بھی اس کی تعمیر کے لیے بنفس نفیس باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح کام کیا۔(۲۷) جب مسجد شریف کی بنیادیں پتھروں سے استوار ہو رہی تھیں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مٹی کی اینٹیں بنانے میں مصروف تھے۔ یہ کام بقیع الخبخہ میں ہو رہا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی شمالی جانب واقع تھی۔(۲۸) گارا اور اینٹیں بنانے کے لیے پانی بئر ایوب (جو کہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا کنواں تھا) سے لیا جاتا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں ہی اس مقام کے سامنے تھا جس کے جوار میں بعد میں حضرت ابراہیمؓ فرزند

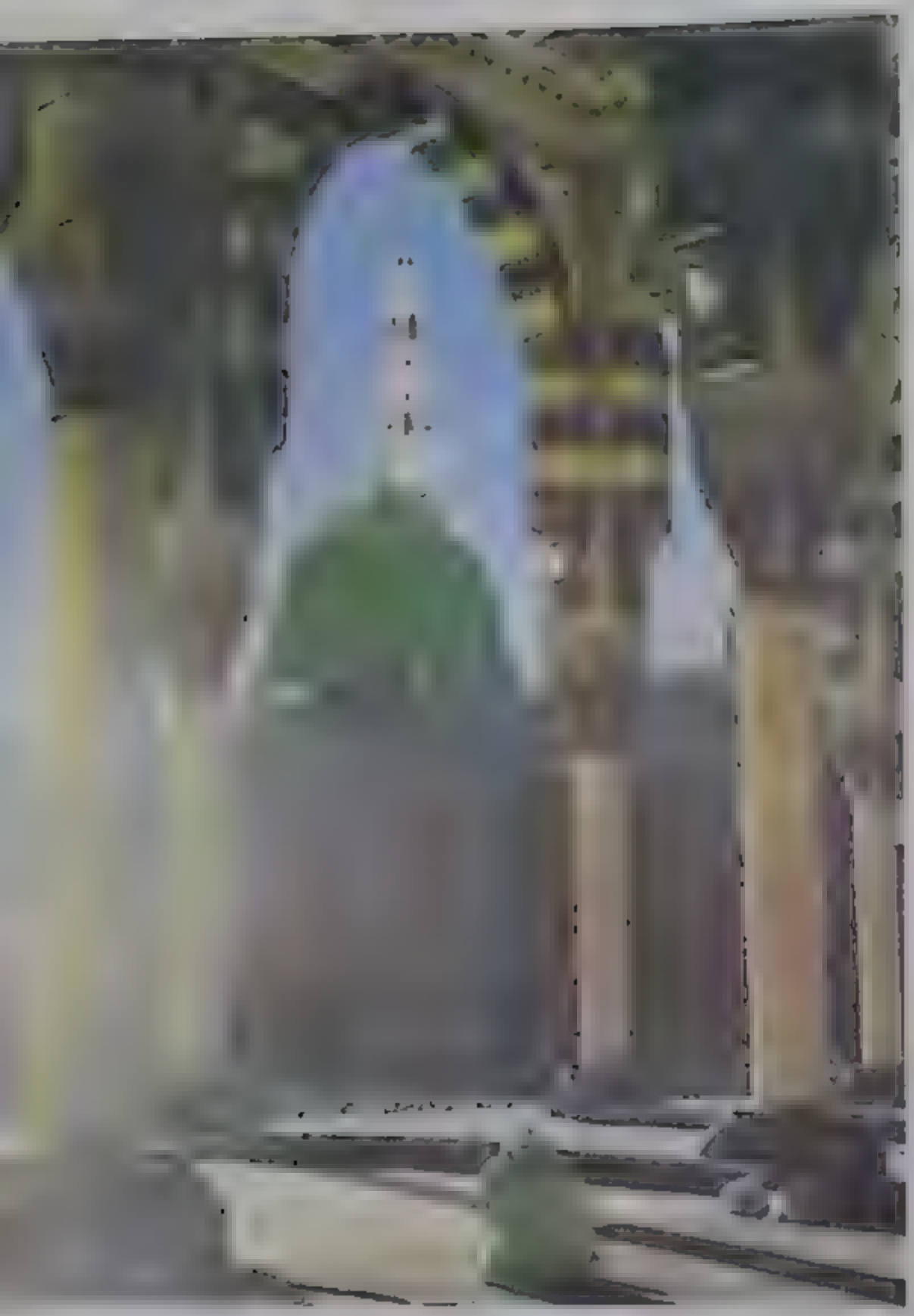

ارجمند رسول اللہ ﷺ مدفون ہوئے.(۲۹) بیس سال پرانی بقیع الغرقد کی شمالی جانب کی دیوار میں ایک چھوٹا سا آہنی دروازہ ہوا کرتا تھا.اس کے گرائے جانے سے پہلے اس دروازے کو باب اللبن کہا جاتا تھا (یعنی وہ دروازہ جہاں گارا بنایا جاتا تھا).

ابراہیم العیاشی المدنی کے مطابق وہ جگہ جہاں مسجد نبوی شریف اور حجرات مطہرہ کی اینٹیں تیار اور دھوپ میں سکھائی گئی تھیں وہ بقیع الغرقد کے اس حصے میں تھی جو کہ بقیع العمات (حضور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھیوں ۔سیدۃ عاتکہؓ اور سیدۃ صفیہؓ بنات عبدالمطلب) اور اس دروازے کے درمیان واقع تھی.(۳۰) نئی توسیع کی وجہ سے بقیع الغرقد کا وہ دروازہ بند کیا گیا ہے

اس دوران ایک اصحابی حضرت طلق بن علی الیمامیؓ جن کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا وہاں ایسے وقت میں آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اینٹیں بنا رہے تھے.مسند امام احمد میں شامل حضرت طلق بن علیؓ کی مروی حدیث مبارکہ کے مطابق:[جس طریقہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ کام کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا.لہذا میں نے کدال پکڑا اور گارے کا آمیزہ بنانے لگ گیا.جس انداز سے میں کدال چلا رہا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند آیا اور آں حضور ﷺ نے فرمایا:[حنفی-کیونکہ ان کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔گارا بنانے دو کیونکہ تم سب سے زیادہ وہ اس کام میں مہارت رکھتا ہے.] رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:[الیمامی کو بلالو کیونکہ اس کام میں وہ تم میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہے.] (۳۱)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ درختوں کے تنوں کو اس طرح رکھا گیا تھا کہ جانب قبلہ نمایاں ہو جائے.اس کے دروازے کی اطراف میں پتھروں کے ستون بنائے گئے تھے.شمع رسالت کے پروانے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ساتھ ساتھ نغمے بھی گاتے تھے.(۳۲) کبھی کبھار سید الثقلین اور نبی الحرمین اور امام القبلتین ﷺ اپنے دامن رحمت مآب میں اسی مسجد شریف کے لیے مٹی اور گارا اٹھاتے اور اپنے جان نثاروں کی لے میں لے ملا کر فرماتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر　　هذا ابر ربنا و اطهر

ابتداء میں اس عمارت کی کوئی چھت نہیں بنائی گئی تھی.صرف اس کی ایک جانب پر جزوی طور پر چھت ڈال دی گئی تھی تا کہ نادار اصحابہ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے سائبان کا کام کر سکے.اس جزوی چھت کی وجہ سے اس مقام کو الظلہ (سایہ دار جگہ) کہا جاتا تھا حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور ہم میں سے کچھ سجدہ کرنے والے حصہ پر اپنے کسی کپڑے کا کچھ حصہ رکھ لیتے تا کہ سخت گرمی کی وجہ سے تپتی زمین کی حدت سے بچا جا سکے.(۳۳) تاہم بعد میں جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شدید گرمی کی شکایت کی تو گھاس پھوس اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے چھت بنالی گئی مگر وہ بھی جزوی تھی اور اس وقت بھی مسجد شریف کا

نیس [illegible]
مسجد نبوی شریف کا [illegible]
ایسا ہو [illegible] تھا
سرخ ریت سے ملی
کنکریاں صحن مسجد پر
بچھائی گئی تھیں

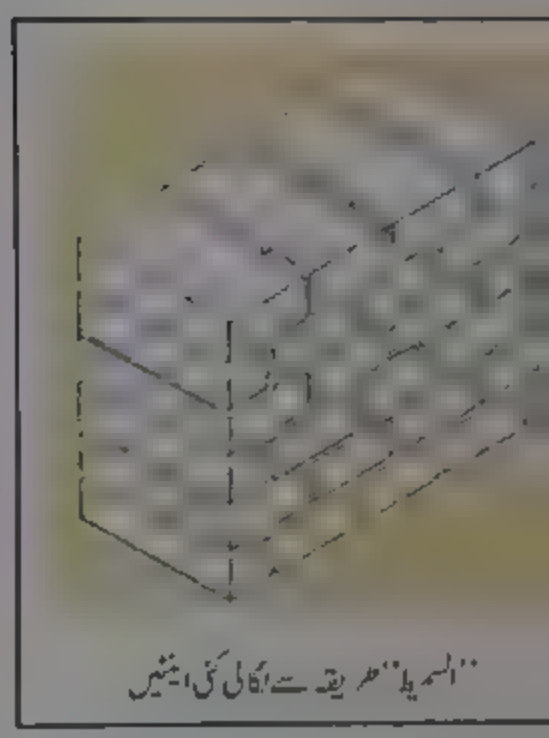

"السمیط" طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

کچھ حصہ نیم مسقف تھا فرش مٹی کا تھا جس کو کوٹ کوٹ کر چھپی طرح بٹھا دیا گیا تھا اور ستون کھجور کے تنوں سے بنے ہوئے تھے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے | رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے.](۳۴)

تمام عمارت انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کا مظہر تھی. نہ کوئی زیب و زینت اور نہ کوئی آرائش ابتداء میں قبیلہ کے افراد دیواروں کو اینٹیں لگانے کا طریقہ ایسا تھا جس کو عرب 'السمیط' (Al-Sumayt) (ایک کے اوپر دوسری اینٹ رکھنا) کہتے تھے تاہم کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد دوسرے مرحلے پر دیواروں کو مزید چوڑا اور مضبوط کرنے کے لیے اینٹیں لگائی گئی جن کو معمار 'السعیدہ' (Al-So'a dah) کہتے تھے اس کو عربی میں 'نزاوہ' کہتے ہیں کہتے ہیں. (۳۵) دیواریں ڈیڑھ ہاتھ (۵،اذرع) یعنی تقریباً پونا میٹر چوڑی رکھی گئی تھیں (۵، ۳ میٹر) کے لگ بھگ تھی. کچی اینٹیں سادہ مٹی کے گارے (لبن) سے بنائی جاتی تھیں جن کو دھوپ میں احادیث مبارکہ سے اس بات کے اشارے ملتے ہیں کہ ابتداء میں مسجد شریف غیر مسقف تھی حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے [ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اس وقت نماز جمعہ ادا کرتے تھے جب کہ (مسجد کی) دیواروں کا سایہ میں ہم دھوپ سے بچ سکتے.](۳۶) حضرت ابو سعید اخدریؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ مطلع ابر آلود تھا اور پھر بارش ہونے لگی تو مسجد کی چھت سے جو کہ کھجور کے پتوں سے بنی تھی بہت پانی ٹپکنے لگ گیا. جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے پانی میں ہاتھ اقدس رکھ کر دیا یہاں تک کہ جبین نور سے کیچڑ کے اثرات نظر آرہے تھے. (۳۷) ایک دوسری حدیث مبارکہ جو کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے [جب میں اپنی اعتکاف کی جگہ پر واپس آیا تو مطلع ابر آلود ہو چکا تھا اور پھر بارش ہونے لگی جس قسم جنہوں نے حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، مطلع سر شام سے ابر آلود تھا اور مسجد جس کی چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی بارش کا پانی ٹپک رہا تھا اور میں نے کیچڑ اور پانی کے اثرات رسول اللہ ﷺ کی ناک مبارک پر دیکھے تھے. (۳۸) یہ دونوں احادیث مبارکہ دو مختلف مرحلوں کا ذکر کرتی ہیں پہلا جب کہ مسجد شریف پر چھت نہیں تھی اور دوسرا جب کہ اس پر کھجور کے پتوں سے چھت ڈال چکی تھی.

ان احادیث مبارکہ سے ہمیں مسجد نبوی شریف کی بلند مرتبہ مگر انتہائی سادہ سی عمارت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بنائی گئی تھی. اس میں نہ تو کوئی دنیاوی شان و شوکت تھی اور نہ ہی کوئی دکھاوا اور تصنع تھا دنیاوی لحاظ سے یہ سراپا سادگی اور عجز کا مظہر تھی اس تمام تر سادگی اور طرز تعمیر کے باوجود دنیا کی اس عمارت کا مرتبہ اور مقام اتنا بلند و بالا تھا کہ اس پر آسمان کی رفعتیں بھی رشک کرتی تھیں اسی سادہ سی عمارت کی کوکھ سے ان اداروں نے جنم لیا جنہوں نے امت محمدیہ کو اس درجے پر فائز و فائق کیا کہ وہ امم عالم کی شہید اور راہنما بن گئی. سرکار دو عالم ﷺ مسجد شریف کی صفائی کا خاص خیال فرماتے تھے اور نہ صرف یہ کہ اس کی صفائی کا باقاعدہ بندوبست کیا جاتا تھا بلکہ مختلف طرز زندگی رکھنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں سے بہت سے بھیڑ بکریاں چرا کر گزر اوقات کرتے تھے اور موسمی اثرات اور صحرائی گرد و غبار سے اٹے ہوتے تھے ان کو صفائی کی ترغیب دیتے تھے. رسول مقبول ﷺ نے طہارت و پاکیزگی کو جزو ایمان قرار دیا اور حکم فرمادیا کہ مسجد میں آؤ تو صاف ستھرے ہو کر آؤ. اصحابہ کرام

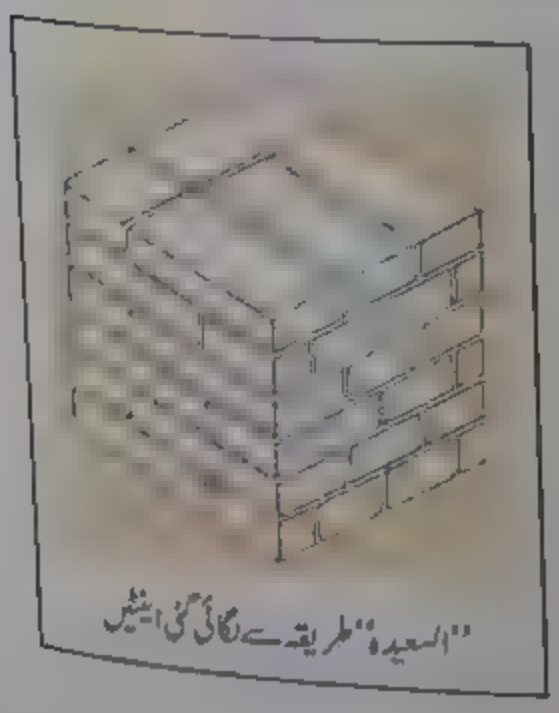

"السعیدہ" طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

رضوان اللہ علیہم اجمعین بذات خود [illegible] شریف کی سنائی [illegible] شریف میں جھاڑو دیا کرتی تھیں

ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ اس وقت اسلام [illegible] کے ساتھ پھیل رہا تھا اور عرب کے کونے کونے سے وہ جن میں بدو اور حضاری سب شامل تھے جتھوں کی صورت میں حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے جن تو شہری تمدن کی وجہ سے مہذب تھے مگر اکثریت صحرا نورد اور بادیہ نشین تھے جن کو قبول اسلام سے قبل مسجد کے تقدس تک کا بھی پتہ نہ تھا اور نہ ہی وہ دربار رسالت مآب [illegible] میں حاضری کے آداب سے واقف تھے مگر جب وہ سب اسلام کی آغوش میں آ گئے تو [illegible] مہذب دنیا کی نگاہیں بھی ان کو دیکھ رہی تھیں یہ انہیں [illegible] توقیر کے لیے رب ذوالجلال کو احکام نازل کرنے پڑے تاکہ وہ بادیہ نشین انجانے میں بھی [illegible] کر بیٹھیں ہمارا اشارہ سورۃ الحجرات کی ان آیات کی تنزیل کی طرف ہے جو کہ اس وقت نازل ہوئیں جب بادیہ نشینوں نے [illegible] رسول مقبول [illegible] سے ایسے لہجے میں بات کی جو رب ذوالجلال والاکرام کو ناپسند تھا ان کی سرزنش کی اور آئندہ کے لیے [illegible] اس کے محبوب سے بات کرنے کا سلیقہ کیسا ہونا چاہئے (۳۹) یہ آیت کریمہ جہاں [illegible] کا شاخسانہ [illegible] (باقی بات [illegible] عزت و توقیر کی پابند کرتی ہے وہاں مسجد نبوی شریف کے [illegible] بھی واجب و فرض کرتی ہے کہ یہ کاشانہ اقدس [illegible] تقدس اور مذکورہ واقعہ اسی صحن مسجد نبوی شریف میں ہوا تھا۔

[illegible] ہمیں چند ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ کبھی کبھی [illegible] مسجد نبوی شریف میں [illegible] ادب [illegible] کا منہ بند کر دینا ایسا شاذ و نادر ہی ہوا مگر شفیع رشد و ہدایت اور رحمت [illegible] نے نہ صرف ان کو آداب مسجد [illegible] موجودین کو ردعمل ظاہر کرنے سے بھی منع فرمایا تاکہ خلاف ورزی کرنے والے کی دل آزاری نہ ہونے پائے مسجد شریف میں آنے اور [illegible] ٹھہرنے کے آداب قرآن کریم (۴۰) اور رسول اللہ [illegible] کی احادیث مبارکہ میں [illegible] ابتدا میں چند ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے مسجد شریف کا تقدس مجروح ہوا تھا مثلاً ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک نو وارد اس انداز سے مسجد نبوی میں داخل ہوا کہ اپنے ساتھ اپنی سواری (ناقہ) بھی لے آیا اور صحن مسجد میں اس کی ٹانگوں کو باندھ کر بٹھا دیا (۴۱) لیکن [illegible] یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت مسجد نبوی شریف صرف مسجد ہی نہیں تھی بلکہ ایک ہمہ جہتی جگہ تھی جہاں سماجی اور سیاسی اجتماعات بھی ہوتے تھے اور جہاں باہر سے آنے والے وفد بھی ٹھہرتے تھے ان چند ایک واقعات کو قابل اتباع نظیر نہیں سمجھا جا سکتا ایسی ہی ایک اور مثال ایک ایسے بادیہ نشین کی ہے جنہوں نے رسول [illegible] اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں مسجد شریف کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی طرف لپکے تاکہ اس کو اس سوء ادبی سے منع کریں مگر شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین [illegible] نے ان کو منع فرمایا [illegible] جب پورے کو فارغ تو ہو لینے دو جونہی وہ بدو اصحابی فارغ ہوئے تو رسول رحمت [illegible] نے طہارت اور صفائی پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس [illegible] پانی کی بالٹی انڈیل دینے کا حکم فرمایا (۴۲) صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ [illegible] نے یہ بھی ارشاد فرمایا تمہیں اس لیے

بتایا گیا ہے کہ معجزات کو [illegible] (۴۳) [illegible] ہوئے امداد دے کر [illegible]
مرتکب کی سرزنش کی بجائے اس کو اور دیگر [illegible]
پیچیدہ نہ بنانے کی تلقین بھی کرتی چونکہ مسجد نبوی شریف کا دروازہ ہمہ وقت [illegible]
جانور مشابہ وغیرہ دیا کوئی دوسرا جانور قربان کیا کرتا تھا مگر چونکہ آپ [illegible]
نکال باہر کرتے دراصل مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال زیادہ تر وہی انجام دیا کرتے تھے [illegible]
رضاکارانہ طور پر اس کی صفائی کر دیتے ان کے علاوہ جیسے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے [illegible]
کشی کر دیا کرتے تھے۔ (۴۴)

سرکار دو عالم ﷺ تاجدار مدینہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے بنفس نفیس کام میں شرکت فرما

جب مسجد مصطفوی کی تعمیر شروع ہوئی تو سرور کونین نبی الحرمین [illegible]
شانہ بشانہ اس کی اینٹیں اور گارا ڈھوتے رہے۔ (۴۵) ایک مرتبہ جب ایک [illegible]
اٹھائیں گے تو رسول امین ﷺ نے ارشاد فرمایا! آپ بھی جایئے اور دوسری اینٹیں [illegible]
بھی ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دلجوئی کے لیے ایک [illegible]
خدمت ہے:

اے میرے رب آخرت سے بہتر کوئی زندگی نہیں — میں التجا کرتا ہوں کہ تو انصار و مہاجرین [illegible]

اور

یہ بوجھ تو خیبر کے بوجھ (وہاں لوگ کھجوروں اور اناج کا بوجھ اٹھا کر اتارتے تھے کہ ان کو مزدوری [illegible]
کیونکہ یہ تو سراسر تقویٰ ہے اور اللہ رب العزت کے حضور اس کے انعامات کہیں زیادہ ہیں

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تعمیر [illegible]
رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں اینٹیں تیار کی جا رہی تھیں اور وہاں اپنا بردہ شریف بچھا کر اتر [illegible]
جب شمع رسالت کے پروانوں نے دیکھا تو وہ اس طرف دوڑ کر چلے گئے اور سب نے [illegible]
گنگنانے لگ گئے:

افسوس ہے ہم پر کہ ہم بیٹھے آرام کر رہے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ کام کر رہے ہیں
ہماری یہ کوتاہی یقیناً ایک برا فعل ہے۔ (۴۷)

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے [illegible] ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے مگر عمار بن یاسرؓ دو [illegible]
اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا اور از راہ شفقت ان کے ماتھے سے گرد جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا! اے اللہ میں [illegible]
گروہ کو) کو جنت کی طرف بلاتے رہیں گے مگر وہ ان کو نار جہنم کی طرف دعوت دیں گے [illegible] حضرت عمارؓ نے کہا [illegible]
پناہ مانگتا ہوں۔] (۴۸) ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے مروی ہے [illegible] رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم [illegible]
میں مشغول تھے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے عمار بن یاسرؓ دو [illegible]

دوسری حضور رسالت مآب ﷺ کے حصے کی، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور ان کے جسم سے مٹی صاف کرتے ہوئے فرمایا اے سمیہ کے بیٹے تمہارا مقام دوسروں کی نسبت دوگنا ہوگا آخرت کی زندگی اس دنیاوی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے، لیکن تمہیں باغیوں کا ایک گروہ قتل کرے گا (۵۹) جنگ صفین میں حضرت عمار ابن یاسرؓ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہؓ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کو شہید کیا بلکہ آپ کا کٹا ہوا سر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق روانہ کیا اور یوں صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کی پیش گوئی تیس سال کی اندر اندر پوری ہوگئی

مسجد نبوی شریف کی عمارت انتہائی سادہ رکھنے کا پس منظر یہ نہیں تھا کہ مسلمان اور خاص طور پر انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شان عمارت تعمیر کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے بلکہ یہ تو رسول امین ومبین ﷺ کا فرمان تھا کہ اسے انتہائی سادہ تعمیر کیا جائے نبی اکرم ﷺ کے ایک اشارے پر سر بکف نکل آنے والے جاں نثار تو صرف فرمان نبی ﷺ کے منتظر تھے تاکہ جو جو فن کا نذرانہ دینے وہ وقت تیار رہتے ان کے لیے مال کا نذرانہ چہ معنی دارد؟ چند انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو درحقیقت دربار رسالت مآب ﷺ میں اس قرعے کر بھی آگئے تھے تاکہ مسجد شریف کی تعمیر عظیم الشان عمارت کی شکل میں کی جائے مگر رسول رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا [میں ان کی طرح سادہ رکھنا چاہتا ہوں جیسا کہ میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) کا عریش (سائبان) تھا آپ ﷺ نے فرمایا عریش موسیٰ چند لکڑیوں کا تھا کہ جب وہ لکڑیاں ہوتے تو ان کا سر چھت سے ٹکرا جاتا تاہم زندگی کا معاملہ اتنا پائیدار نہیں ہے اس لیے ان کی ضرورت نہیں۔] (۵۰) جیسا کہ اقشہری نے بیان کیا ہے جبریل امین علیہ السلام نے حضرت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ 'گھر' (اللہ کا گھر) بنائیں اور اس کی بنیادیں گارے اور پتھر سے استوار کریں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی اونچائی کتنی ہونی چاہیے؟ [جبریل امین نے عرض کیا سات ہاتھ (یعنی سات ذرع) [بخاری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ ذرع یعنی پانچ ہاتھ]۔ (۵۱) اس طرح مسجد مصطفوی شریف کی اونچائی سات ذرع یعنی تقریباً ۳.۵ میٹر یعنی ۱۳.۵ ذرع تین سے نو بنیادیں تھیں اور اتنی ہی اس کی سطح زمین سے اونچائی تھی۔

مسجد شریف اور دو حجرات مبارکہ کو بنانے میں تقریباً سات ماہ صرف ہوئے دو حجرات مطہرہ بطور کاشانہ رسول مقبول ﷺ تعمیر ہوئے گئے جہاں آپ بمع اپنے اہل خانہ کے مقیم ہوئے۔ (۵۲) مسجد شریف کی تکمیل ماہ شوال ۱ ہجری (اپریل ۶۲۳ء) میں ہوئی جب کہ مدینہ منورہ میں گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ ابتدائی ایام میں مسجد شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی حضرت عروہ بن زبیرؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز عصر اس وقت ادا فرماتے جب کہ ابھی ہمارے حجرہ میں دھوپ موجود ہوتی تھی۔] (۵۳) اس حدیث مبارکہ کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ ابھی مسجد نبوی شریف صرف ایک چار دیواری کے احاطے کی شکل میں ہوا کرتی تھی اور سورج کی کرنیں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے آستانہ جمیلہ میں چلی جایا کرتی تھیں چونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ کا کاشانہ اقدس میں دلہن بن کر شوال ۲ ہجری کو تشریف لائی تھیں اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسجد شریف اس وقت تک غیر مسقف تھی حضرت حسنؓ سے روایت ہے لوگ نماز کے وقت اپنی پگڑیوں اور عماموں پر سجدہ کر لیتے تھے اور (تپتی زمین اور دھوپ کی حدت سے بچنے کے لیے) اپنے ہاتھ اپنی آستینوں کے اندر رکھتے تھے۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور ہم میں سے کچھ اپنے کپڑوں کے کونے مقام سجدہ پر کر لیتے تاکہ تپتی زمین کے حدت سے بچ سکیں (۵۴) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [میں نے نماز ظہر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی جس کے لیے فرش کے سنگریزے اپنے ہاتھوں میں رکھ لیے تھے تاکہ ان کی حدت کچھ کم ہو جائے اور میرے ہاتھوں میں سرد پڑ جائیں پھر میں نے ان کو اپنے سامنے بچھا لیا تاکہ بوقت سجدہ ان پر اپنی جبین رکھ

سکوں میں ایسا صرف گرمی کی شدت کی وجہ سے کرتا تھا۔] (۵۵)

زمین کی تپش کو کم کرنے کے لیے اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا جس سے ایک طرف تو مٹی بیٹھ جاتی تھی اور دوسری طرف زمین کی حدت بھی کم ہو جاتی۔ اصحاب اسفہ کے ضمن میں ایسی بے شمار روایات ملتی ہیں کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور مشکوں سے پانی بھر کر لاتے تھے جو کہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرتا بلکہ بسا اوقات صحن مسجد نبوی میں چھڑکا بھی جاتا تھا لیکن گرمی تو گرمی ہی ہوتی ہے اور وہ کسی نہ کسی صورت میں اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ لہذا جب رسول اللہ ﷺ کے مکینوں کے لیے رحمت کے پروانے گرمی کی شدت اور حدت سے بے چین ہیں تو رحمت اللعالمین والمرسلین والمرسلین ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد شریف سے [illegible] کر دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور مسجد شریف کو جزوی طور پر مسقف کر دیا گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے [illegible] تنوں پر استوار کی گئی جو اس کے لیے ستونوں کا کام کرتے تھے۔ جب شہ دوسرا اور خیر الوری ﷺ خطبے کے لیے قیام فرما [illegible] ستون کے ساتھ ٹیک لگا لیتے اور ایسا اس وقت تک رہا جب تک کہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے منبر نہیں بنایا گیا جس [illegible] نے اسے استعمال فرمانا شروع کر دیا.....] (۵۶)

ابن ضیا المکی (ت: ۸۸۸ ہجری) نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور حدیث مبارکہ نقل [illegible] تھا کہ مسجد شریف کی دیواروں کی لمبائی میانہ درجہ کی تھی اور ان کی چوڑائی اینٹ کے اوپر اینٹ یعنی ایک اینٹ [illegible] عرب میں مروجہ طریقہ تعمیر 'السمیط' استعمال ہوا تھا جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگ گیا تو [illegible] طرز تعمیر پر بنا دیا گیا (جس سے اس کی چوڑائی ڈیڑھ گنا بڑھ گئی تھی)۔ معمار اس طریقے کو 'السعیدہ' کہتے تھے۔ پھر [illegible] آپ ﷺ میں عرض کیا کہ اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ مسجد شریف پر چھت ڈال دی جائے۔ یوں [illegible] نے کھجور کے تنوں کے شہتیر اور ستون بنا کر چھت ڈال دی جس میں کھجور کے پتے، ٹہنیاں اور اذخر کی گھاس استعمال [illegible] نے رسول اللہ ﷺ سے چھت پر لپائی کرنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا [illegible] موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح ہی رہنے دیا جائے۔] (۵۷) حضرت جعفر الصادقؒ سے بھی روایت ہے کہ رسول [illegible] کی طرز تعمیر پر بنوائی۔ تاہم جب فرزندان توحید کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو انہوں نے آپ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ [illegible] اجازت مرحمت فرمائیں تو کیا ہم مسجد شریف کو تھوڑا سا وسیع کر سکتے ہیں؟ آں حضرت ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ پھر اس کی توسیع کر دی گئی اور اس کی تعمیر کے لیے نئی اور مادہ اینٹوں کو جوڑ کر اس کی دیواریں استوار کی گئیں۔ پھر جب انہیں گرمی کی حدت نے تنگ کیا تو [illegible] اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا [یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم اس پر سایہ (چھت) [illegible] رحمت ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ کھجور کے تنوں کے ستون صحن مسجد شریف میں گاڑ دیئے گئے اور اسی کے شہتیر بنا کر ان پر کھجور کی ٹہنیوں اور پتے اور اذخر کی گھاس ڈال دی گئی۔ اس وقت ستونوں کی کل تعداد چھ ہوا کرتی تھی وہ اسے اس وقت تک استعمال کرتے رہے جب تک کہ بارش کے پانی نے انہیں پریشان نہیں کیا۔ (بارشوں کے موسم میں) انہوں نے ایک بار پھر بارگاہ رسالت مآب [illegible] میں عرض کیا کہ چھت پر لپائی (پلستر) کر دی جائے جس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش کی طرح ہی رہنے دیا جائے۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے دم واپسیں تک مسجد شریف اسی حالت میں رہی۔] (۵۸) مسجد شریف کی چھت کی اونچائی اتنی تھی کہ اگر کوئی میانہ قد کا آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھاتا تو اس کی چھت کو چھو سکتا تھا

بے خانماں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے مسجد شریف میں ایک کونے میں ایک جگہ مختص کر دی گئی جہاں یہ [illegible]

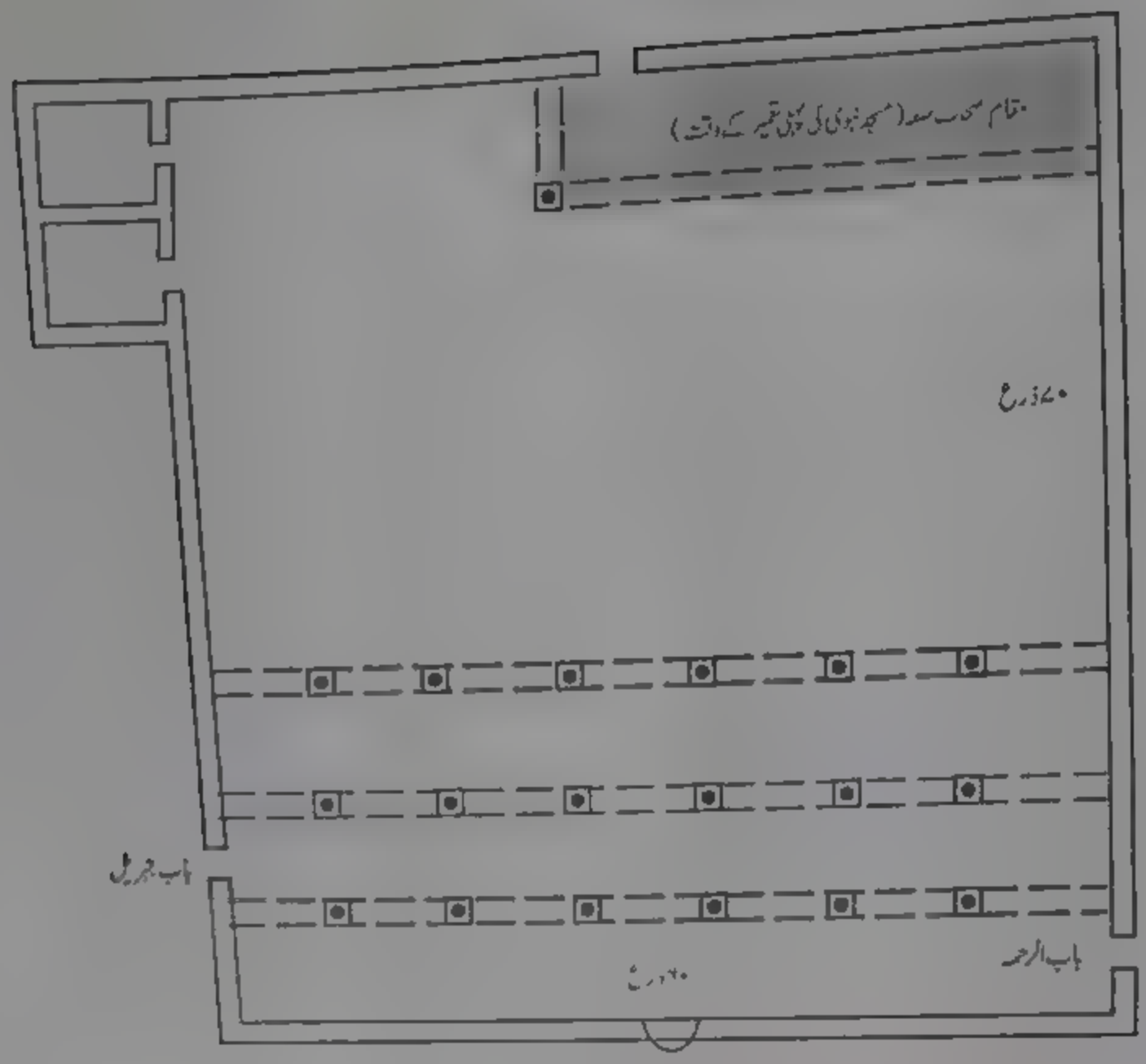

رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ سے تعمیر شدہ
پہلی مسجد نبوی کا خاکہ

ذرع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۲ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون

چبوترہ بنا دیا تھا جس کو "صفہ" کہا جاتا تھا مسجد شریف کا باقی فرش اس سے نیچا مگر ہموار تھا جہاں مٹی کو کوٹ کوٹ کر اسے پختہ بنایا گیا تھا روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ بڑے زور کی بارش ہوئی اور صحن مسجد پانی سے بھر گیا صحن پختہ ہونے کی وجہ سے پانی جذب نہ ہو سکا اور کافی دیر تک کھڑا رہا جس سے فرش سخت ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ بہت پسند فرمایا اور پھر صحابہ کرام نے مسجد کے دامن میں کنکریاں ڈالے اندر بچھا دیں تمام صحن کنکریوں سے سخت بن گیا ایک پہلو صحن کو کنکریوں سے ہموار کرنا جہاں اسے نماز پڑھنی مقصود تھی وہاں ان کو بچھا رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ یہ تو بہت خوبصورت سے فرش ہو گیا ہے (۶۰)

کنکریوں سے بنا یہ فرش ہموار نہیں تھا جیسا کہ حضرت یحییٰ جعفر القاریؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: [میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کو دیکھا کہ جب وہ سجدہ کے وقت سر بسجود ہوتے تو اپنی جبین سے نیچے سے کنکریوں کو تھوڑا سا آگے پیچھے کر کے ہموار کر لیتے تھے۔] (۶۰)

مسجد نبوی میں نفیس قسم کے شگریزے اور ریت ملا کر فرش پر ڈال دیے گئے تھے۔ سرخ ریت جو کہ شمالی جماء سے طغیانی میں بہہ کر آتی اور وادی العقیق کے العرصہ سے میدان میں جمع ہو جایا کرتی تھی (۶۱) مسجد نبوی شریف کے صحن میں بچھا دی گئی (۶۱) مگر شگریزے تو سیدنا عثمان بن عفان کے دور مبارک تک صحن میں موجود رہے اور جب وضو کرنے کے لیے حوض بنائے گئے تو وہ پختہ جگہیں سے ان کو ہموار کر لیتے تھے (۶۲) دیگر عمارتوں کی طرح مسجد نبوی شریف بھی موسمی حالات کی تاب نہ لا سکی گرمی، سردی اور بارش کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے حضرت عباس ابن سہل بن سعد بن مالک الخزرجی سے مروی ہے | سیدنا عثمان بن عفان کے دور میں جب کہ میں پندرہ سال کا نوجوان تھا مسجد کے وقت لوگ اکثر اپنے ہاتھ اپنے کپڑوں پر رکھ لیا کرتے تھے تاکہ سردی اور گرمی سے بچ جائیں (۶۳)

مسجد نبوی شریف کا ابتدائی رقبہ

مسجد نبوی شریف کے ابتدائی رقبے کے بارے میں مختلف اور متضاد روایات ہیں بعض روایات کے مطابق یہ مربع شکل میں تھی جو طول اور عرض میں ۱۰۰ ذرع (یا اس سے قدرے کم) رقبے پر محیط تھی اور اس کی بلندی اتنی ہوا کرتی تھی کہ کھڑا آدمی اس کی چھت کو چھو سکتا تھا جو کہ کھجور کے تنوں سے بنے ستونوں پر استوار تھی چھت میں کھجور کے پتوں (جرید) کو بچھا کر استعمال کیا گیا تھا جن میں اذخر کی خوشبو دار گھاس ڈالی گئی تھی اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چھت کی لپائی سے منع فرمایا تھا کیونکہ آپ خود اپنی مسجد کو عریش موسیٰ علیہ السلام کی طرح انتہائی سادہ رکھنا چاہتے تھے حضرت خارجہ بن زید بن ثابت کی روایت سے

مطابق [رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کا طول ۱۷۰ ذرع اور عرض ۱۶۰ ذرع یا تھوڑا زیادہ رکھا تھا (۶۴) تمام مورخین کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ ابن نجار اور سمہودی وغیرہ نے رائے ظاہر کی ہے۔ (۶۵) البتہ غزوہ خیبر کے بعد جب مسجد شریف کی توسیع کی گئی تو اس کا رقبہ بڑھ کر ۱۰۰ × ۱۰۰ ذرع کر دیا گیا تھا۔

ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں دروازوں کی تعداد

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق دروازے کی اطراف میں پتھر [illegible] کھڑے کئے گئے تھے۔ (۶۶) ابتداء میں صرف تین دروازے ہوا کرتے تھے جو [illegible] اطراف میں ہوتے تھے۔ تاہم قاری کو یہ فرض نہ کر لینا چاہئے کہ ان دروازوں کے کوئی کواڑ ہوا کرتے تھے اور رسالت مآب ﷺ میں مسجد شریف کے دروازے بالکل سادہ تھے اور ہمہ وقت کھلے رہتے تھے۔ بعض احادیث مبارکہ سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نو وارد اپنی سواری (مثلاً اونٹنی وغیرہ) سمیت اندر آ [illegible]

شروع سے ہی شرقی جانب کے دروازے کو 'باب النبی' کہا جاتا تھا کیونکہ حضور سرکار دو عالم اسی دروازے سے تشریف لایا اور لے جایا کرتے تھے اور اسی طرف ہی زیادہ تر [illegible] اجمعین کے گھر بنے ہوئے تھے۔ چونکہ ابتداء ہی سے نماز جنازہ ادا کرنے کے [illegible] رکھے جاتے تھے، اسی نسبت سے بعض اوقات اسے 'باب الجنائز' بھی کہا جاتا تھا۔ [illegible] عفانؓ کا گھر بھی اسی جانب بن گیا تو اسے باب عثمان یا باب آل عثمان بھی کہا جاتا [illegible] ہمیشہ باب جبریل علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا رہا ہے۔ حضرت انس بن مالک [illegible] مسجد شریف کے اس دروازے سے باہر کی طرف جاتا تو سب سے پہلے اس کے [illegible] ذرع کا ایک چوڑا سا پتھر آتا تھا جس کو 'مقام جبریل' کہا جاتا تھا اسی کے ایک [illegible] دیوار بھی آ چکی تھی۔ غزوہ خندق کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ اسی پتھر پر کھڑے تھے [illegible] السلام نے آ کر غزوہ بنی قریضہ کے لیے روانگی کے لیے اللہ کا حکم پہنچایا تھا اور اسی نسبت سے اس دروازے کو باب جبریل کہا جانے لگا تھا۔

اس دروازے کے بالکل سامنے مغربی جانب بھی ایک دروازہ تھا جس کو باب الرحمہ (رحمت کا دروازہ) کہا جاتا تھا۔ ابتداء میں جب جانب قبلہ بیت المقدس کی طرف (یعنی شمال میں یروشلم کی جانب) تھی تو رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ ان دو دروازوں کے درمیان ہوا کرتا تھا۔ یعنی باب جبریل اور باب الرحمہ کے درمیان۔ اور جو کوئی بھی باب الرحمہ سے داخل ہوتا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ باب الرحمہ کی وجہ تسمیہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی اسی دروازے سے داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب کہ آپ حضور ﷺ مقام مصلیٰ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ چونکہ ان دنوں مدینہ طیبہ شدید خشک سالی اور قحط کا شکار تھا اس لیے اس صحابی نے دربار رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ حضور

پرنور ﷺ باران رحمت کے لیے دعا فرمائیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مویشی قحط سے مر رہے ہیں اور راستے منقطع ہو چکے ہیں، براہ کرم آپ دعا فرمائیں کہ اللہ کریم ہمیں بارش عطا فرمادے۔ [حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لیے اٹھائے اور اللہ رب العزت سے دعا گو ہوئے] اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما۔ [حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم ہمیں اس سے پہلے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آیا تھا اور نہ دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان تھا کیونکہ ہمارے اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر یا عمارت نہ تھی (جو ہماری نظروں اور بادلوں کے درمیان حائل ہو سکتی تھی) لیکن یکایک ڈھال کی طرح ایک بہت ہی ضخیم ابر جبل سلع کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ جب یہ ہمارے سروں پر پہنچا تو پھیل گیا اور بارش شروع ہوگئی

اس] (۶۰) چونکہ وہ سائل اصحابی بارش کی درخواست کے لیے اسی مغربی دروازے سے مسجد شریف میں آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی دعا مبارکہ پر باران رحمت کا نزول ہوا تھا، اسی نسبت سے اس دروازے کو باب الرحمہ (یعنی رحمت کا دروازہ) کہا جانے لگا۔ (۶۸)

اس حدیث مبارکہ کو بین السطور پڑھنے سے دو نکات واضح ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کی مغربی جانب مکانات نہیں تھے یا بہت ہی کم تھے جس سے اندر بیٹھے اصحاب کو جبل سلع تک ہر چیز واضح نظر آجاتی تھی اور دوسرے یہ کہ مسجد شریف کی اس وقت تک کوئی چھت نہ تھی کیونکہ مسجد میں بیٹھے حضرات کھلے آسمان کو دیکھ رہے تھے تاہم بعد میں آنے والے وقتوں میں اس طرف مکانات بننے شروع ہوگئے تھے اور باب الرحمہ کے سامنے بھی گھر بن گیا ہوگا جو کہ مختلف اصحاب کی ملکیت میں رہا ہوگا جن میں ابتدائی مرحلوں میں وہاں واقع مکان ایک مہاجر مکی صحابیہ سیدۃ عاتکہ بنت زید بن عمرو کی ملکیت میں بھی پھر عرصہ رہا جن کا تعلق قبیلہ عدی بن کعب سے تھا (۶۹) ان صاحب ثروت صحابیہ کا معاشرہ میں ایک خاص مقام تھا جس کی وجہ سے باب الرحمہ کو بعد میں باب عاتکہ بھی کہا جانے لگا تھا، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسے دوبارہ باب الرحمہ کہا جانے لگا اور آج تک یہ دروازہ اسی مبارک نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ (۷۰)

ان ایام میں دو دروازوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارکہ تک رسائی کے لیے حجرات مبارکہ کی طرف دو دروازے رکھے گئے تھے جہاں شہنشاہ دوسرا ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہ اور صاحبزادیوں کے ساتھ رونق افروز تھے ایسا ماہ شوال ۲ ہجری تک رہا جب کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں لہذا ان کی نسبت سے حجرہ مبارکہ کے مدخل کو باب عائشہ کہا جانے لگا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی شریف کے چاروں طرف مکانات تعمیر ہو گئے، خاص طور پر جنوبی و مغربی جانب جن میں اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت پذیر تھے اور قربت رسول مقبول علیہ افضل الصلوۃ واتم التسلیم کے حصول کے لیے بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھروں کے دروازے بھی مسجد نبوی شریف کے اندر کی طرف رکھ لیے تھے جو کہ صرف ان کے ذاتی استعمال کے لیے تھے نہ کہ گزرگاہ عام تھے ایسے پرائیویٹ دروازوں کی صحیح تعداد تو جانی نہیں جا سکتی لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد سے ذرا پہلے رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ ایسے ذاتی دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے دروازہ علی کرم اللہ وجہہ کے

مسجد نبوی شریف کے دروازے

یہ خاکہ 2005ء کی مسجد نبوی شریف کے مطابق ہے

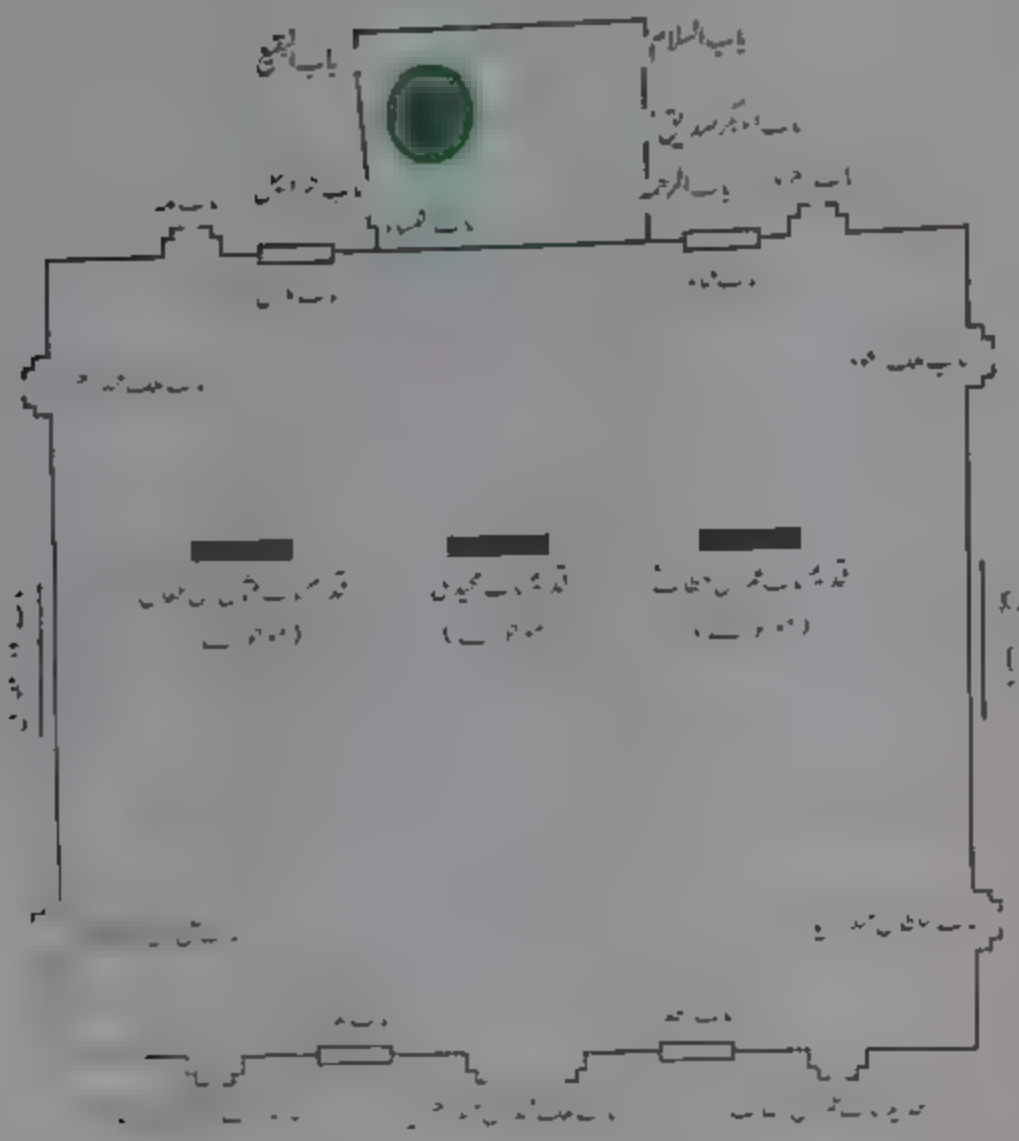

اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مسجد شریف سے متصل گھر میں رہا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی والدہ کے ساتھ رہا رسالت مآب سے [illegible] متاثر ہوئے۔ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو یہ [illegible] مقبول [illegible] تھی۔ انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا تھا کہ صرف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا گھر ہی یوں باقی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فیصلہ آپ حضور کا اپنا نہیں بلکہ یہ تو حکم ربی ہے اسی حکم کی تعمیل میں [illegible] مبارک کے دروازوں اور سیدنا علی بن ابی طالب کے دروازے کے باقی ماندہ تمام دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ [illegible] دروازے رسول اللہ کی وفات کے بعد تک باقی رہے۔ اس مرحلے پر دروازوں کی بابت صرف [illegible] بتاتا چلوں کہ مسجد مبارکہ میں باقی رہنے دیئے گئے تھے لیکن رسول اللہ کی وفات سے چند دن پہلے حکم [illegible] کر دیئے گئے سوائے خوخہ سیدنا ابوبکر صدیق کے جس کو رسول اللہ نے خصوصی استثنیٰ عنایت فرمایا تھا۔

مقام الصفہ

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے جب مسجد نبوی شریف بغیر چھت کے ہوا کرتی تھی [illegible] ایک طرف چھت ڈال دی گئی تھی اور باقی کا حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیط [illegible] اصحاب رسول اللہ میں سے تھے جن کا اپنا گھر نہیں تھا اور وہ سرور کائنات کے دور مبارکہ میں مسجد شریف [illegible] ان کے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا ان کے لیے مسجد شریف کا ایک حصہ مسقف کر دیا گیا تھا جس سے [illegible] کو سائبان مل گیا تھا۔ اس حصہ کو الصفہ کہا جاتا تھا۔

مسجد مصطفوی میں اس مقام کی خصوصی اہمیت اور مسلم امت کی تدریب و تعلیم میں اس کے کردار [illegible] نے اس کے لیے ایک مکمل باب اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی تعمیر بھی تقریباً اسی وقت ہی عمل میں آئی جب [illegible] کی تعمیر ہو رہی تھی اس لیے ہم نے مناسب جانا کہ اس کا تذکرہ اس باب میں بھی کر دیا جائے تاکہ مضمون کا تسلسل برقرار رہے [illegible] کے صحن کا مقام الصفہ ۱۲×۸ میٹر کے رقبے پر محیط ہے جو سطح زمین سے تقریباً آدھ میٹر بلند ہے اس [illegible] جو کہ مسلسل رنگ و روغن کی وجہ سے اپنی اصلی خوبصورتی سے تو محروم ہے مگر چونکہ مسجد شریف کے اندر ہونے [illegible] اسی مناسبت سے اس کا حسن و جمال قائم و دائم ہے۔

تحویل قبلہ

ہجرت کے بعد جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر ہوئی تو اس وقت رخ قبلہ شام کی جانب بیت المقدس کی طرف تھا اور اسی وجہ سے مسجد نبوی میں جانب قبلہ بھی اسی طرف کھجور کے تنوں کو رکھ کر ظاہر کی گئی تھی جن کو پتھر کے ستونوں کے ساتھ مضبوط بنایا گیا تھا اس لیے [illegible] قبلہ کی دیوار بالکل سادہ سی دوسری دیواروں کی طرح تھی جس میں آگے کو بڑھی ہوئی محراب نما کی کوئی چیز نہیں تھی جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں۔ پہلے سولہ یا سترہ ماہ رسول اللہ نے بیت المقدس کی جانب نمازوں کی امامت فرمائی تھی۔ بیت مقدس چونکہ یہودیوں کا قبلہ تھا [illegible] طعنہ زنی کیا کرتے تھے کہ نماز تو ہمارے قبلہ کی جانب منہ کر کے پڑھتے ہیں مگر دین یہود کا اختیار نہیں کرتے ویسے بھی رسول اللہ کی [illegible] خواہش تھی کہ رخ قبلہ جانب کعبہ ہو جائے (۷۳) اور اکثر دعا فرمایا کرتے تھے ماہ رجب ۲ ہجری کے وسط میں جب آپ حضور [illegible] کے بال حرہ الغربیہ میں بنی سلمہ کے علاقے میں گئے ہوئے تھے جہاں نماز ظہر کا وقت ہو گیا تو سرور دو عالم [illegible] نے اسی جگہ نماز کروانی [illegible]

نماز جمعہ پڑھی اور جتنے بھی نبی ہوئے تھے سب کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا جس میں تمام قبلہ کا حکم آیا
پڑھتے ہیں ان کا منہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے پس ہم تمہیں پھیرتے ہیں تمہیں اس قبلہ کی جانب جس میں تمہاری
خوشی ہے اپنی پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور
وہ جنہیں کتاب دی گئی ہے خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور یہ ان کی حرکتوں سے
غافل نہیں ۔ (۷۶)

تحویل قبلہ کا یہ حکم ماہ رجب ۲ ہجری (جنوری ۶۲۴ء) (۷۵) سے دو مہینے بعد سے تقریباً
وہ پہلے نازل ہوا اور فوری طور پر نافذ العمل ہو گیا (۷۶) اس وقت [illegible]
دوران نماز ہی رسول اللہ [illegible] نے اپنا رخ زیادہ تر مدینہ میں بیت المقدس کی جانب کر لیا اور آپ
حضور [illegible] سے اپنی نماز ظہر اور خواتین نے بھی باقی کی نماز سے قبلہ کی جانب منہ کر لیا
چونکہ مدینہ کی پچھلی جانب کی جانب کی ہوئی نماز ادا کرتی ہیں [illegible] اس لیے اس خاص نماز میں یہ ہوا
ہو گیا کہ مرد خواتین کی جگہ سے ہیں اور خواتین مردوں کی [illegible] اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس وقت
[illegible] کے ہم دنیں تھے جونہی ان کو تحویل قبلہ کا حکم پہنچا سب نے اپنا منہ قبلہ کی جانب پھیر لیا
(۷۷) چونکہ تحویل قبلہ کا حکم اس وقت نازل ہوا تھا جب رسول مقبول [illegible] نبی عمر میں تھے اور اس نماز میں یہ
انفرادیت حاصل تھی کہ اس ایک نماز میں رسول اللہ [illegible] اور آپ حضور [illegible] سے اپنی میں تمام صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یکے بعد دیگرے دونوں قبلوں کی جانب رخ فرمایا تھا اس لیے اس جگہ پر جو
مسجد تعمیر ہوئی اس کا نام ہی دو قبلوں والی مسجد (مسجد قبلتین) پڑ گیا

اگرچہ پہلے مصلیٰ نبوی کا تعین مشکل ہے جو کہ جانب بیت مقدس تھی لیکن پھر بھی چند احادیث مبارکہ
اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں ایک ایسی روایت حضرت براء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے
رسول اللہ ﷺ کا قبلہ شام کی جانب دیوار کے ساتھ ہوا کرتا تھا جہاں آپ حضور [illegible] نماز کی امامت فرماتے
تھے آپ کی مسجد میں آپ ستون محنقہ کو اپنی پشت پر رکھ کر شام (شمال) کی جانب سیدھا چلیں کہ ستون
محنقہ آپ کے پیچھے ہو تو جب آپ اس مقام پر پہنچیں گے جہاں باب عثمان (موجودہ باب جبریل) آپ کے
داہنی جانب ہو تو آپ اس وقت کی مسجد کے صحن کے اندر ہوں گے رسول اللہ [illegible] کا قبلہ (مصلیٰ) اسی جگہ پر
واقع تھا [illegible] (۷۸) ابن زبالہ بھی جو کہ دوسری صدی ہجری کے مورخین کے قبیل سمجھے جاتے ہیں اسی رائے
کے حامل تھے (۷۹)

تحویل قبلہ کے احکام کے بہت دور رس دینی، سماجی اور سیاسی اثرات مرتب ہوئے ایک طرف تو کعبہ
المشرفہ کا قبلہ قرار پا جانے سے یہود کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی اور دوسری طرف ان کی مخاصمت زور پکڑ گئی جس
نے دونوں امتوں میں واضح خط تفریق کھینچ دی سماجی اور سیاسی طور پر مسلمانوں کا الگ اور منفرد تشخص مزید واضح
ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ اس کا براہ راست اثر مدینہ طیبہ میں اس وقت موجود تمام مساجد میں تحدیث و ترمیم کی
شکل میں پڑا چونکہ تحویل قبلہ ۱۸۰ ڈگری کی تبدیلی تھی اس لیے مسجد نبوی شریف کی عمارت میں ترامیم

نظروں کے سامنے کردی گئی یہاں تک کہ آقائے نامدار سرور دو عالم ﷺ کعبۃ المشر
پڑنے کا مشاہدہ فرما رہے تھے اس لئے رسول اللہ نے قبلہ کی جانب کا تعین فرمایا (۸۱) اور مشرقی کا قبلہ اب تک جانب کا راستہ بن گیا تھا
رسول اللہ کا مصلیٰ دیوار قبلہ سے ذرا پیچھے ہوا کرتا تھا حضرت سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ کے مصلی
مبارک اور قبلہ کی دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ایک بکری آسانی سے گزر سکتی تھی (۸۲) قبلہ کی دیوار بالکل دیوار کی طرح سادہ ہوتی
تھی سوائے اس کے کہ اس پر متعدد مقامات پر کرنے بنے ہوئے نشانات تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے اس جانب نمایاں کرنے کی غرض
سے قبلہ رخ دونوں جانب پتھر کے ستون استوار کئے گئے تھے (۸۳) لیکن آگے کی جانب بڑھی ہوئی محراب جو کہ آج کی مساجد کا جزء
لاینفک ہے اس کا وجود رسول اللہ کے دور مبارک یا خلافت راشدہ کے دور میں ہرگز نہ تھا مسجد نبوی شریف میں پہلی بار محراب اس وقت
بنائی گئی جب کہ ولید بن عبدالملک کے ایام کے تحت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد شریف کی قیمہ نو اور توسیع کی محراب عربی کا لفظ ہے
جس کا مطلب گھر میں بیٹھک یا مجلس میں نمایاں اور ممتاز جگہ جس کی سطح دوسری سطح ارضی سے ذرا بلند ہو دوسرے دین اور عبادت
گاہوں میں محراب کا تصور اور وجود از منہ قدیمہ سے چلا آرہا ہے دین دیگر کے معبدوں میں دیوار کا وہ حصہ اس طریقہ سے بنایا جاتا تھا کہ
وہ دیگر دیواروں سے ممتاز ہوتا اور عموماً دیوار کو اس طرف سے محدب کر دیا جاتا تھا قرآن کریم نے محراب کا لفظ چار مختلف جگہوں پر استعمال کیا
ہے (۸۴) محدب شکل کی آگے کی جانب بڑھی ہوئی موجودہ محراب کا وجود رسول اللہ کی حیات طیبہ میں نہ تھا اور نہ ہی خلفاء
راشدین کے دور مبارک میں تعمیر مشق اور دیگر مقامات پر تاریخی مساجد کے موقع پر (جو کہ خلافت راشدہ کے دور میں قیمہ ہوئی تھیں) آثار
قدیمہ کی کھدائی کرنے پر یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ وہ تمام مساجد جو ابتدائی تیس سالوں میں قیمہ ہوئی تھیں ان سب میں محراب کی
شکل کا قبلہ نہیں تھا بلکہ ان مساجد میں عہد مصطفوی میں قیمہ شدہ مسجد نبوی شریف کی طرح پہچان کے لیے قبلہ کی جانب ستون پائے گئے
(۸۵) حتیٰ کہ زیاد بن ابیہ نے بصرہ میں ۵۴ ہجری (۶۷۵ء) میں حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں جو مسجد قیمہ کروائی اس کے کھنڈرات
اور آثار بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ محراب کے بغیر ہی بنی تھی یہ تبدیلی اس وقت رونما ہوئی جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے
ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی توسیع اور قیمہ نو ہوئی مگر جب ایک بار مسجد مصطفوی میں محراب اس شکل میں استوار ہوگئی تو دیگر مساجد نے بھی اسی
نظیر کو سامنے رکھا اور پھر جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور مساجد قیمہ ہوئیں وہاں مسجد و محراب کا چولی دامن کا رشتہ قائم ہوگیا (۸۶)

ریاض الجنۃ

[جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے] فرمان رسول مقبول ﷺ (۸۷)
یہ وہ مرکزی حدیث مبارکہ ہے جس میں ایسے الفاظ ہیں [وہ جگہ جو میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے

قدیم رقبہ ریاض الجنۃ میں شامل ہے ریاض الجنۃ کا موجودہ رقبہ ۳۳۰ مربع میٹر (۲۲ میٹر × ۱۵ میٹر) ہے یہ بات قابل غور ہے کہ اصل رقبہ اس سے کہیں زیادہ تھا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی توسیع کے بعد شمالی جانب تقریباً ۱۰ میٹر تک مسجد شریف کی عمارت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں اس مقام کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میرے گھر سے مسجد نبوی (مسجد الحرام) تک کا علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس لیے اس زمین کی زیارت ریاض الجنۃ میں حاضری سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور باب السلام سے داخل ہو کر مسجد الحرام تک کی جگہ فضائل ادا کرے

مسجد نبوی شریف میں اذان کا اجراء

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے | جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو وہ نماز کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے اور اس (اجتماع) کے لیے وقت کا تعین انفرادی طور پر خود ہی کیا کرتے تھے کیونکہ ان دنوں ابھی اذان کا طریقہ رائج نہ ہوا تھا ایک مرتبہ وہ نماز پر جانے کے طریقہ کار پر گفتگو کر رہے تھے کچھ نے تجویز دی کہ نصاریٰ کی طرح گھنٹی بجائی جائے جب کہ کچھ نے کہا کہ یہود کی طرح ناقوس بجایا جائے لیکن سیدنا عمر فاروق پہلے ایسے فرد تھے جنہوں نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ایک آدمی سب کو نماز کے لیے بلائے جس پر رسول اللہ نے سیدنا بلال کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز کے لیے اذان دیں |(۹۱)

ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں کوئی مینار وغیرہ نہ تھا جہاں سے اذان دی جاتی ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد رب نے ایک خواب دیکھی جس میں انہوں نے اذان کے الفاظ سنے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے خواب کا ذکر کیا اور رسول کریم ﷺ نے انہیں نماز کے لیے سیدنا بلال کو کہنے کا حکم دیا اذان کے الفاظ اور اس کے طریقہ کی منظوری کے بعد (۹۲) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن رباح کو یہ کام سونپا کیونکہ ان دنوں مسجد نبوی شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی اس لیے سیدنا بلال قریب ہی واقع ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت عبادہ بن زیاد سے مروی ہے کہ انہوں نے بنی نجار کی

ایک خاتون سے سنا تھا کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہونے میں سب سے [illegible] وقت کی پہچان [illegible] یا کرتے تھے آپ بہت جلد ہی [illegible] چھت پر جایا کرتے تھے اور [illegible] سے پہلے [illegible] اپنے ہاتھ چبایا کرتے تھے [illegible] کرتیں میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی رات بھی یہ الفاظ نہ کہے ہوں۔ (۹۳) بعد میں [illegible] عبداللہ بن عمر [illegible] کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے (۹۴)

یہی طریقہ خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں رہا اور کسی اور جگہ اذان کا بندوبست نہیں کیا گیا تاآنکہ [illegible] میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گورنر مدینہ طیبہ بنے تو انہوں نے مسجد نبوی شریف کی توسیع اور قبلہ جدید کی پہلی بار مسجد شریف کے چاروں [illegible] میں بلند و بالا مینارے تعمیر کئے گئے اور یہ چاروں مینار مؤذنہ کا کام کرتے تھے اس کے بعد ایک مرتبہ [illegible] مغربی جانب کے مینارہ کی بلندی اتنی تھی کہ اس کا سایہ سلیمان پر پڑ رہا تھا جو کہ اس وقت مروان بن الحکم [illegible] کے خیال میں یہ مینارہ بے پردگی کا موجب تھا اس کے مزاج شاہی کو اتنی تحمل نہ تھی کہ اس نے مینارہ مسجد نبوی شریف گرانے کا حکم صادر کر دیا حکم کی تعمیل کی گئی اور یوں مسجد نبوی شریف اپنے جنوب مغربی مینارے سے محروم ہوئی اور ایسا چھ صدیوں تک رہا جب کہ ۹۸۸ھ ہجری میں سلطان محمد بن قلاوون کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی۔ (۹۵)

سیدنا بلال بن رباحؓ مسجد نبوی شریف کے مؤذن رئیسی تھے جب کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ان کی نیابت کے فرائض انجام دیتے تھے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے [illegible] رسول اللہ [illegible] کے دو مؤذن ہوا کرتے تھے۔ سیدنا بلال بن رباحؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم موخر الذکر نابینا تھے (۹۶) تاہم جب رسول اللہ [illegible] کی وفات کے بعد سیدنا بلالؓ نے اذان دینے سے معذرت کر لی (۹۷) اور شام چلے گئے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سعد بن عائذؓ کو طلب فرمایا جو حضرت عمار بن یاسرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور رسول اللہ [illegible] کے دور مبارکہ میں مسجد قباء کے مؤذن تھے۔ ہذا ان کو مسجد نبوی شریف کے مؤذن کے فرائض سونپے گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل مؤذن کے فرائض انجام دیتے رہے جو کہ حضرت امام مالکؒ کے دور تک رہے۔ (۹۸)

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سیدنا بلال بن رباحؓ بنی النجار کی ایک انصاری کے مکان کی چھت سے اذان دیا کرتے تھے اور پھر بعد میں دار عبداللہ ابن عمرؓ کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے جس پر ایک تیسری قسم کا سٹول بنا دیا گیا تھا جس کے ساتھ زینے ہوا کرتے تھے اس کے بعد مآذن یا مؤذنہ مختلف جگہوں پر منتقل ہوتا رہا۔

غزوہ خیبر کے بعد مسجد نبوی شریف کی توسیع

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد سوائے وقتی فوقتی مرمت یا تبدیلیوں کے پہلے چند سالوں میں اس میں کوئی توسیع نہ کی گئی وہ تبدیلیاں بھی بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے ناگزیر ہو گئی تھیں مثلاً تحویل قبلہ، یا چھت وغیرہ کی تعمیر جن کا تفصیلی ذکر ہم نے پہلے کیا ہے تاہم جوں جوں وقت گزرتا گیا اور فرزندان توحید کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، مسجد شریف نمازیوں کے جم غفیر کے لیے ناکافی ثابت ہونے لگی چنانچہ ۷ ہجری (جون ۶۲۸ء) میں جب تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ علیہ افضل الصلوۃ واتم التسلیم غزوہ خیبر سے فاتح و کامران لوٹے تو آپ حضور [illegible] نے اپنی مسجد کی توسیع اور تعمیر نو کا حکم دیا۔ اس بار بھی شہنشاہ دو عالم [illegible] اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ شانہ بشانہ اپنی مسجد کی تعمیر میں عملی طور پر شریک ہوئے۔

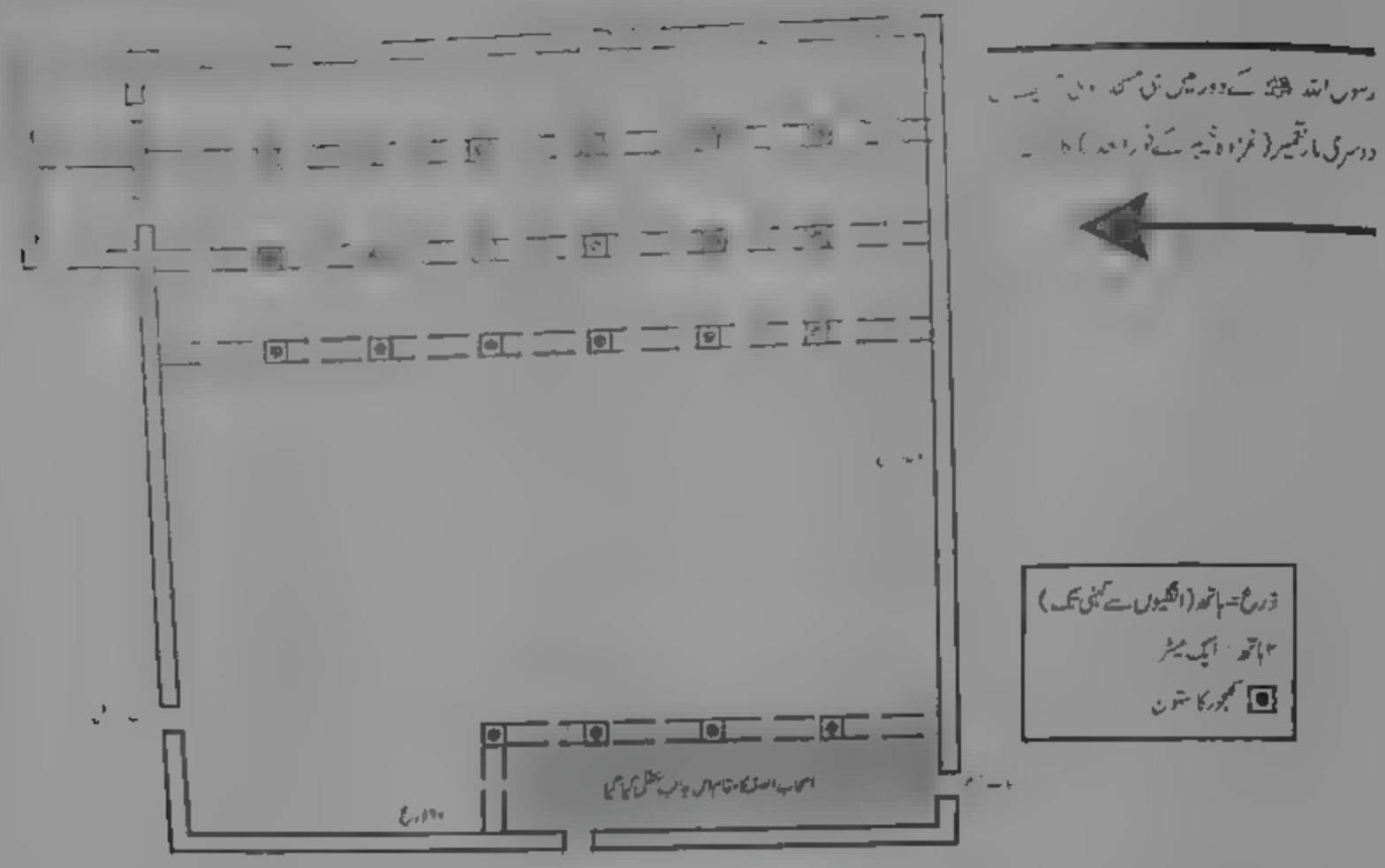

مسجد شریف کی توسیع جنوبی (یعنی جانب قبلہ) و مشرقی جانب نبی کی زیادہ تر توسیع شمالی جانب ہوئی اور پچھ مغربی جانب بھی۔ شمالی جانب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند گھر تھے جن سے شہ بطحاء نے براہ راست گفت وشنید کی۔ اس جانب ایک انصاری صحابی کا گھر تھا جن کو پناہ مکان دینے میں پیش پیش تھا ایسے میں سیدنا عثمان بن عفان کا ایثار اور جود وکرم سامنے آیا اور انہوں نے اپنی جیب خاص سے ۱۰،۰۰۰ دینار دیکر وہ گھر خریدا اور حضور نبی اکرم کی خدمت قدس میں تحفتاً پیش کر دیا (۹۹) اس طرح مسجد شریف کی توسیع زیادہ تر شمالی جانب اور پچھ مغربی جانب ممکن ہوئی اس توسیع کے بعد مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذرع پر محیط ہوگیا (۱۰۰) قبلہ میں پہلے ہی کی طرح کا میٹریل استعمال ہوا اور اس کی ساری چوں کی توں برقرار رہی فرق صرف اتنا تھا کہ ایک اینٹ کی دیوار (السمیط) کی جگہ اب کی بار ڈیڑھ اینٹ کو ترا اور ڈیوڑھی شکل (السعیدو) میں گارا دیا گیا۔ فرش پہلے کی طرح مٹی کا ہی تھا جس پر سنگریزے بچھے تھے اور چھت بھی ویسے ہی کھجور کے پتوں کو بچھا کر اوخر کا گھاس پھوس ڈال کر بنائی گئی تھی جو کھجور کے تنوں پر استوار تھی جنہوں نے نہ صرف ستونوں کا کام دیا بلکہ شہتیر بھی انہیں سے بنائے گئے تھے مسجد شریف میں پہلے صرف چھ ستون ہوا کرتے تھے مگر اب ان کی تعداد نو ہوگئی تھی۔ ہر روش میں تین تین ستون کھڑے کئے گئے تھے اور کل روشیں تین تھیں

منبر رسول مقبول ﷺ

جب بھی سرکار دو عالم ﷺ کو خطبہ دینا ہوتا تو آپ حضور ﷺ اپنے مصلی کے پاس کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا لیتے تھے۔ (۱۰۱) پھر جب اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محسوس کیا کہ زیادہ دیر کھڑا ہونا جسم اطہر پر شاق گزرتا تھا تو تجویز پیش کی گئی کہ حضور پرنور ﷺ کے لیے لکڑی کا ایک منبر بنا دیا جائے تاکہ آپ حضور اس پر تشریف رکھ سکیں لہٰذا ایک منبر بنوایا گیا جو کہ شیشم کی لکڑی کا تھا جو الغابہ کے جنگل سے حاصل کی گئی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کے شمال مغربی کونے پر واقع تھا۔ (۱۰۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔] (۱۰۳) حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ہے: [تین سیڑھیوں والے منبر رسول ﷺ کے لیے لکڑی الغابہ کے اس حصے سے لی گئی تھی جسے طرفہ (بعض کے نزدیک طرفہ لکڑی کا نام تھا) کہا جاتا ہے اور یہ کہ وہ خود لکڑیاں اٹھا کر لائے تھے اور پھر اس کو منبر رسول کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔] (۱۰۴) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق یہ حضرت تمیم الداریؓ تھے جنہوں نے منبر کی تجویز پیش کی تھی کیونکہ وہ فلسطینی تھے اور انہوں نے ایسے منبر وہاں دیکھے تھے۔ ایسا ہجرت مبارکہ کے آٹھویں سال میں ہوا تھا۔ (۱۰۵)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز لکڑی یا کھجور کے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے ایک انصاری خاتون یا مرد نے تجویز پیش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہ آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا جائے! رسول اللہ ﷺ نے

عبداللہؓ نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے کہ: [مسجد شریف میں چھت کو سہارا دینے کے لیے ستون تھے ان میں سے ایک کے ساتھ رسول مقبول ﷺ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہو گیا تو آپ ان ستونوں میں سے تیسرے ستون کے پاس جو ایک تھی جیسا کہ ایک عاشق زار فراق میں نالاں ہے۔] (۱۰۸) اس ستون سے متعلق مزید تفصیل ان باب میں آئے گی جن میں ستونوں کا ذکر ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہا کرتے تھے کہ یہ صباح تھے جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے غلام تھے جنھوں نے منبر تیار کیا تھا واقدی کے مطابق اس کے دو زینے تھے اور تیسرے زینے پر رسول اللہ ﷺ تشریف رکھا کرتے تھے (۱۰۹) ابن ابی زناد (ت ۱۳۱ ہجری) کے مطابق: [رسول اللہ ﷺ منبر شریف پر تشریف رکھا کرتے تھے اور اپنے قدمین شریفین دوسرے زینے پر رکھا کرتے تھے جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول اللہ ہوئے تو وہ دوسرے زینے پر بیٹھا کرتے تھے (جہاں سرکار دو عالم ﷺ اپنے قدمین شریفین رکھا کرتے تھے) جب سیدنا عمر بن الخطاب امیر المومنین ہوئے تو وہ پہلے زینے پر بیٹھا کرتے تھے (جہاں سیدنا ابوبکر صدیقؓ تشریف رکھا کرتے تھے) اور اپنے قدمین مبارک زمین پر رکھا کرتے تھے سیدنا عثمان بن عفانؓ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے جہاں پر سیدنا عمر فاروقؓ کے قدمین شریفین ہوا کرتے تھے تاہم ساتویں سال انہوں نے منبر شریف کے اس حصے پر بیٹھنا شروع کر دیا تھا جہاں رسول مقبول ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے انہوں نے منبر شریف کو قبلی نیس پہ سے خلاف بھی کیا تھا] (۱۱۰)

ابن زبالہ کے بیان کے مطابق جو کہ دوسری صدی ہجری کے نامور مورخ مدینہ طیبہ ہیں منبر شریف کی اونچائی ارحائی فرش سے پندرہ زیادہ تھی (تقریباً ۱۲۵ سنٹی میٹر) اس کے ہر زینے کی اونچائی ایک بالشت سے تھوڑی زیادہ تھی (تقریباً ۲۰۔۲۵ سنٹی میٹر) منبر شریف کی نشست جس پر رسول اللہ ﷺ جلوہ فگن ہوا کرتے تھے ایک ذرع لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی (یعنی ۵۰ سنٹی میٹر × ۵۰ سنٹی میٹر) جب سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوتے تو منبر کے ان بازوؤں کو تھام لیتے تھے جو کہ منبر شریف کی دونوں جانب بنائے گئے تھے (جو کہ تقریباً آدھا ذرع بلند تھے (تقریباً ۲۵ سنٹی میٹر)۔ (۱۱۱) اس کے تین زینے تھے (جن میں کرسی کا مقام بھی شامل تھا) اور لکڑی کی پانچ تختیاں لگا کر تین جانب سے جوڑا گیا تھا (۱۱۲)

حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ نے ایک بار مروان بن الحکم (جو کہ ان دنوں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) کو فرمان جاری کیا کہ وہ منبر شریف کو مسجد نبوی شریف سے اٹھوا کر دمشق روانہ کر دے۔ تاہم جب اس نے منبر نبوی کو ہٹانے کی عمارت کی تو شہر نبی مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا اتنا شدید قسم کا سورج گرہن چڑھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا اور لوگ بآسانی سے دن کے وقت ستارے دیکھنے لگے۔ لوگوں کی چیخ و پکار اس مظاہرہ قدرت کی شدت سے مروان ڈر گیا اور اس نے اپنے برا نگیختہ تھا سپاہ ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ اس کا مقصد منبر شریف کو ہٹانے کا ہرگز نہ تھا بلکہ وہ تو اس کو مرمت اور اس کی اونچائی کو مزید بلند کرنا چاہتا تھا لہذا اپنا رونا چار اس کو منبر شریف میں مزید چھ زینے

ن نے ارتفاع میں اضافہ کرنا چاہا اس سے کل ملا کر سیڑھیوں کی تعداد (مع سیڑھی سے) نو ہو گئی (۱۱۳) واقدی نے بیان کیا ہے کہ ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہ نے چاہا کہ منبر شریف دمشق سے جایا جائے جس وقت اس کو اٹھانے میں قدام سے شدید سرخ رنگ نے یا اور خوفناک آندھی اور طوفان نے مدینہ طیبہ کو گھیر لیا یہاں تک کہ لوگوں کو دوپہر کے وقت تارے نظر آنے لگے اس پر حضرت ابو ہریرہ نے مداخلت کی اور سے اس ارادے سے باز رکھا

ابن زبالہ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ نے مروان کو حکم دیا تھا کہ منبر شریف دمشق لایا جائے لیکن جب اس نے اس کام میں ابتدا کی تو قدم مشکل نتیجے میں ذوب یا سورنج بنا یا اور شدید آندھی چلنے لگی (۱۱۴) اس پر مدینہ طیبہ کے لوگوں میں خصوصاً مروان کی خوف زدہ ہو کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس سے اس کی مرمت کروائی پڑی اس نے ایک بڑھئی طلب کیا جس نے اس کی بلندی مزید چھ زینے بنا کر بڑھا دی اس کے بعد چھ ایک مرتبہ معاویہ کے دل میں یہی خیال آیا اور عبد الملک اور ولید بن عبد الملک نے منبر شریف کو لے جانا چاہا مگر جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن المسیب نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا (۱۱۵)

ابن زبالہ کے بیان کے مطابق مروان کے علاوہ کسی نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، نہ ہی اس سے پہلے اور نہ ہی اس سے ۱۰۰ صدیوں بعد تک مروان کی مرمت اور اضافے کے بعد منبر شریف کی کل اونچائی ۳،۵ ذراع (یعنی پونے دو میٹر) ہو گئی تھی۔ اس میں کل ۱۷ لکڑی کے ٹکڑے تھے جن کو میخوں سے جوڑا گیا تھا اور یہ مختلف جگہوں پر منبر کی مضبوطی کے لیے لگائے گئے تھے عباسی دور میں (۱۶۱ ہجری) مہدی بن المنصور نے چاہا کہ منبر شریف کی اصلی حالت اور اونچائی پر لایا جائے اور اس کی تزئین جواہرات سے کر دی جائے مگر امام مالک بن انس نے اس کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا

تاہم وقت کے ساتھ اس میں جو بھی کمی قسمتی شکست و ریخت کا شائبہ ہوتا عباسی خلفاء میں سے جو بھی برسر اقتدار ہوتا وہ اس کی مرمت کروا دیتا اور ایسی مرمت سے آراستہ منبر شریف کی لکڑی کا کوئی ٹکڑا بچ جاتا تو بطور تبرک عباسی خلفاء اس سے اپنے لیے کنگھیاں بنا لیتے۔ (۱۱۶) حسن بن زید کی مدینہ طیبہ پر گورنری کے دوران منبر شریف کے نیچے سنگ مرمر کا فرش بچھا دیا گیا دراصل یہ سطح زمین سے تھوڑا سا اونچا سنگ مرمر کا حصہ تھا جس پر منبر شریف رکھا جاتا تھا ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی اور اپنے مشاہدات کو اپنے مشہور زمانہ سفر نامہ میں قلمبند کیا ہے وہ رقمطراز ہیں کہ اس سنگ مرمر کے چبوترے کی اونچائی ڈیڑھ بالشت تھی (تقریباً ۳۶۔۳۷ سنٹی میٹر) وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس سنگ مرمر کے حصے کو عرف عام میں "حوض" کہا جاتا تھا (۱۱۷) بدقسمتی سے مسجد نبوی شریف ۶۵۴ ہجری میں آگ کی لپیٹ میں آئی اور اس جانکاہ حادثے میں منبر شریف بھی جل کر تباہ ہو گیا اس میں سے جو کچھ بھی بچ وہ محاصل حرم کے خزانے میں رکھ دیا گیا تھا (۱۱۸)

یہ حادثہ اس وقت رونما ہوا جب کہ عباسی خلافت تاتاریوں کی یورش کا شکار ہوئی اور منگولوں نے آخری عباسی خلیفہ کو مار کر خلافت عباسیہ کی بساط الٹ دی مگر جونہی مسجد نبوی شریف کے اس جانکاہ حادثے کی خبر عالم اسلام کے دیگر خطہ جات تک پہنچی تو ہر طرف

ایک روایت کے مطابق یہ منبر شیخ حاکم اسفنڈ شمس الدین نے اس تباہ شدہ منبر کی جگہ بنوایا تھا جو ۷۰۰ھ میں [illegible] شریف کی اصلی جگہ پر رکھا گیا یہ منبر اس سال تک اس مقام پر رہا اور پھر ۷۶۶ ہجری میں [illegible] بندقداری نے یہ منبر بنوا کر روانہ کیا اس سے بھی فائدہ اٹھایا گیا اور اس کی اونچائی ۱۰ ہاتھ (۱۵ فٹ) تھی [illegible] دروازہ کا یہ تھا

امرائی کے مطابق یہ منبر کا دوسرا منبر ۳۲ سال تک موجود رہا پھر جب اس میں شگاف اور دراڑیں پڑنے لگیں تو سلطان ظاہر برقوق آئے اور انہوں نے ۷۹۰ ہجری میں یہ منبر تیار کروایا یہ منبر بھی صرف ۲۹ سال رہا اور پھر سلطان مؤید شیخ نے یہ منبر روانہ کیا جو ۸۲۲ ہجری میں اس مقام پر رکھا گیا یہ تمام تفصیل بیان کرتے ہیں کہ [illegible] نے ہدیۃً پیش کیا تھا لکڑی سے شام میں بنوایا گیا تھا (۱۱۹) بدقسمتی سے یہ منبر بھی ۸۸۶ ہجری میں آتشیں حادثے کا شکار ہوا جب کہ بجلی گرنے سے مسجد نبوی شریف کا بہت سا حصہ تباہ ہوا تھا اس کے بعد اہل مدینہ نے اس مقام پر اینٹوں کا منبر تعمیر کروایا

ایک روایت کے مطابق ہشام بن عروہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے چچا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے منبر شریف پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھوایا تھا جو سیاہ رنگ کی ریشم کا بنا ہوا تھا اور اس پر سفید زمین پر خوبصورت انداز میں عربی خطاطی کی گئی تھی لیکن اس نے پہلے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے خلیفہ راشد ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اصلی منبر رسول مقبول ﷺ پر قبطی کپڑے کا غلاف بھی چڑھایا تھا بہر حال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عباسی خلفاء ہر سال منبر کا مزین غلاف ارسال کرتے رہے لیکن فتنہ تاتار کے بعد یہ کام مصری سلاطین نے اپنے ذمہ لے لیا وہ ہر سال غلاف کعبہ المشرفہ ارسال کرتے تو حجرہ مطہرہ کے لیے بھی سوداء ارسال کرتے تھے مگر منبر شریف کے لیے غلاف ہر چھ سال کے بعد ارسال کرتے تھے۔ (۱۲۰) تاہم مجد الدین فیروز آبادی نے اس بیان میں اضافہ کیا ہے کہ منبر شریف کے لیے سوداء (غلاف) ارسال کرنے کا عرصہ اکثر بیشتر سیاسی حالات اور مشاکل کا تابع تھا جو کہ مصری سلاطین کو درپیش تھیں مگر وہ بھی اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ عموماً ایسا ہر چھ یا سات سال بعد ہی کیا جاتا تھا۔

منبر شریف کے تقدس کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر شریف کے قریب کسی جھوٹی قسم اٹھانے پر سخت وعید کی ہے۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ: [جس نے بھی میرے منبر کی میں جانب کھڑے ہو کر جھوٹی قسم اٹھائی خواہ وہ ایک مسواک کی خاطر ہی کیوں نہ ہو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ میں بنا ہوا ملے گا۔] السیوطی، جامع الاحادیث، ۱۴۷/۶۰ (نمبر ۲۰۵۶۸)۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [میرا حوض کوثر ایلہ (یروشلم) سے یمن میں صنعاء تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں پینے کے جاموں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے۔]

تاریخ منبر نبوی شریف پر ایک طائرانہ نظر

(۱) یکم ہجری — رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے. سب سے پہلی جگہ جہاں سرکار ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے وہ موجودہ منبر شریف کی سیدھ میں باب جبریل اور باب الرحمہ کے درمیان واقع تھی اس وقت قبلہ بیت المقدس ہوا کرتا اس لیے مصلی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جائے خطبہ اسی طرف تھی.

(۲) ۲ ہجری — تحویل قبلہ کے بعد مصلی النبوی ﷺ اس مقام پر آ گیا جہاں آج کل ہے اس وقت تاجدار مدینہ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے قریب کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور خطبہ ارشاد فرماتے اور یہی نزدیک واقع کھجور کے تنے سے ٹیک لگایا کرتے تھے جسے "الحنانہ" کہا جاتا تھا کیونکہ جب لکڑی سے بنا منبر شریف لایا گیا اور حضور پرنور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو فراق حبیب رب ذوالجلال ﷻ میں یہ کھجور کا تنا حاملہ اونٹنی کی طرح بلبلانے لگ گیا. اسی سبب سے اس کا نام "جذعۃ الحنانہ" پڑ گیا یہ اس جگہ پر تھا جہاں محراب النبی ﷺ کی پشت پر اب اسطوانہ مخلقہ ہے.

(۳) ۸ ہجری — الغابہ کے جنگلات میں طرفہ کے درختوں سے لکڑی لا کر رسول اللہ ﷺ کے لیے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تین زینوں والا منبر شریف تیار کیا اور بروز جمعہ سرور کائنات اور سید المخلوقات ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور پھر تمام حیات طیبہ میں اس منبر شریف پر جلوہ افروز ہوتے رہے. یہی منبر شریف خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زیر استعمال رہا. خلیفہ راشد ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سب سے پہلے اس پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا اور یوں تبرکات نبوی شریف پر تزئین کے لیے غلاف چڑھانے کی ابتداء خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی. اس کے بعد اس پر غلاف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ڈلوایا تھا.

(۴) ۵۰-۵۱ ہجری — مروان بن الحکم نے منبر شریف کو دمشق منتقل کرنے کی سعی ناکام کی. پھر اس کی مرمت کروائی اور اس میں چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی میں اضافہ کر دیا. مسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ۵۰ ہجری میں حج کیا اور حکم دیا کہ منبر شریف کو دمشق منتقل کر دیا جائے. جب اسے مسجد نبوی شریف سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو سورج کو مکمل گرہن لگ گیا جس سے مدینہ طیبہ میں گھپ اندھیرا چھا گیا اور دن کے وقت تارے نظر آنے لگ گئے. یہ دیکھ کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی مرمت کروانے میں ہی عافیت سمجھی. اس وقت اس نے اس میں مزید چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی بڑھا دی. (۱۲۱)

ایسا کب ہوا، اس کا تعین بہت مشکل ہے؛ کچھ مورخین کی رائے ہے کہ مروان نے ایسا اس وقت کیا ہوگا جب کہ وہ دوسری بار مدینہ طیبہ کا گورنر رہا (یعنی ۵۶-۵۹ ہجری کے دوران) کیونکہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ کو حجاز پر مکمل کنٹرول حاصل ہو چکا تھا. تاہم مسعودی کی طرح ابن اثیر کی رائے ہے کہ ایسا ۵۰ ہجری میں ہوا تھا اور یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے.

(۵) ۱۶۱ ہجری — خلیفہ مہدی عباسی نے خواہش ظاہر کی کہ مروان نے جو منبر شریف میں اضافہ کر دیا تھا اسے ہٹا دیا جائے اور اسے مزین کر دیا جائے. جب امام مالک بن انسؒ سے رائے لی گئی تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ اصلی منبر شریف کی لکڑی بہت پرانی ہو چکی ہے اور نئے سرے سے کیل لگانے کی متحمل نہیں ہو سکتی. (طبری: ۸-۱۳۳)

(۷) ۱۹۸ ہجری وقت آنے پر

(۷) ۱۰ ہجری

"یہ منبر شریف ایک قد آدم سے کچھ بلندی کا حامل ہے جو پانچ ہاتھ پورا ہے اور پانچ ذرع اونچا ہے اور اس کے کل آٹھ زینے ہیں اس کا دروازہ جالی دار ہے جو ساڑھے چار ہاتھ عریض ہے سوائے جو حجرہ المبارک کے باقی کے ستونوں میں یہ مقفل ہے [illegible] جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہ نظر تو آسکتی ہے مگر کوئی اس مقام پر بیٹھنے کی گستاخی نہیں کر سکتا لوگ اس فراغ سے جو آنحضور ﷺ کی نشست گاہ مبارک کے درمیان رکھا گیا ہے حصول برکت کے لیے اس کو اپنے ہاتھوں سے [illegible] ہیں منبر شریف کی چوٹی پر جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں ایک خانہ چاندی کا حلقہ سا بنا ہوا ہے جس میں [illegible] کپڑا لپیٹتے وقت اپنی انگلی پر چڑھا لیتے ہیں یہ اسی طرح کا ہے مگر سائز میں کافی بڑا اور کھلا ہے اور اس جگہ پر جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ وہاں تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو حسنین کریمین اس کے ساتھ کھلونے کی طرح کھیلا کرتے تھے۔" (۱۲۲)

ان تفصیلات میں مدینہ کی تاریخ کی تفصیل ہی آخری اور حتمی سمجھی جاتی ہیں کیونکہ اس کے کچھ عرصہ بعد منبر شریف آگ لگنے سے جل [illegible] تھا اور کسی اور مورخ یا سیاح نے اپنے سفر نامے میں بھی اتنی تفاصیل نہیں دیں۔

(۸) ۶۵۴ ہجری مسجد نبوی شریف میں ایک ہنگامی صورت آگ بھڑک اٹھی جس نے نہ صرف مسجد شریف کا بہت سا حصہ تباہ [illegible] بلکہ مال خانہ وغیرہ بھی جلا کر خاکستر کر دیا۔ تاتاریوں نے عباسیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی لہذا وہ قبل از وقت تشریف کا انتظام نہ کر سکے۔ ۱۰ سال تک اہل مدینہ نے عارضی انتظام کے تحت خطبہ کا بندوبست کئے رکھا۔

(۹) ۶۵۶ ہجری یمن سے شاہ شمس الدین المظفر نے لکڑی سے بنا ایک خوبصورت منبر بنوا کر ارسال کیا اس کی کرسی کے ہاتھ رکھنے والے حصے صندل کی لکڑی کے تھے۔ یہ یمن میں بنایا گیا تھا لہذا اس کو مدینہ طیبہ منتقل کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کرنے پڑے تھے۔

(۱۰) ۶۶۶ ہجری مصر سے شاہ رکن الدین بیبرس بندقداری نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا بشمول کرسی اس کے سات زینے ہوا کرتے تھے اور ایک خوبصورت لکڑی کا دروازہ تھا جس کے ہینڈل چاندی کے تھے۔

(۱۱) ۷۹۰ ہجری مصر سے سلطان برقوق نے ایک نیا منبر بنوا کر بھیجا تاکہ پرانا منبر جو کہ بقول مطری دیمک زدہ ہو چکا تھا بدل دیا جائے۔

(۱۲) ۹۲۲ ہجری مصر سے الغوری نے ایک اور منبر بنوا کر بھیجا یہ شام میں تیار ہوا تھا اور وہاں سے خصوصی محملوں کے ذریعے اسے مدینہ طیبہ لایا گیا تھا۔

(۱۳) ۱۱۲۶ ہجری [illegible] منبر اس ہنگامی آگ کی نذر ہو گیا جو کہ بجلی گرنے کے سبب مسجد نبوی شریف میں بھڑک اٹھی تھی۔

(۱۴) ۱۱۲۶ ہجری اہل مدینہ نے پکی اینٹوں سے ایک منبر بنا کر اس مقام پر نصب کروایا جو صرف دو سال تک زیر استعمال رہا۔

(۱۵) ۱۱۱۱ ہجری مصری سلطان قایتبائی نے سفید سنگ مرمر سے بنا عالیشان منبر بنوا کر بھیجا۔ یہ تقریباً سو سال تک زیر استعمال رہا۔ یہ منبر

شریف آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے اور اب قریب میں [illegible]

(۱۲) ۹۹۹ ہجری عثمانی سلطان مراد خان نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا یہ [illegible] شریف میں زیر استعمال ہے۔

(۱۳) ۱۴۰۳ ہجری ۱۳۹۳ ہجری میں سعودی حکومت نے اس کی تزئین و آرائش کی۔ سلطان مراد کے بنائے ہوئے منبر شریف کو خادم الحرمین شاہ فہد کے دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیع کے وقت مرمت کیا گیا۔ سعودی حکومت نے ۱۴۰۳ ہجری میں اس پر سونے کی تلمیع کروادی اور اس کا دروازہ نئے سرے سے لگوایا۔

جذعۃ الحنانہ (یعنی کھجور کے تنے) کی فراق نبوی میں آہ وزاری

حضرت سہل الساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین میں سے ایک خاتون کو بلا بھیجا جن کا ایک غلام بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اپنے غلام سے کہو کہ وہ لکڑی کے ٹکڑوں سے منبر تیار کرے۔] لہٰذا ان خاتون نے اپنے غلام کو بھیجا کہ وہ غابہ سے شیشم کی لکڑی کاٹ کر لائے اور پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے لئے منبر تیار کیا جب اس نے منبر تیار کر دیا تو ان خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کر دی رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہ منبر بھیجنے کا فرمایا اور وہ اسے لے کر آئے رسول اللہ ﷺ نے اسے اٹھایا اور اسے اس جگہ پر رکھا جہاں کہ آپ آج اسے دیکھ رہے ہیں۔ [(۱۲۴)

حضرت ابو حازم بن دینارؒ سے مروی ہے [کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بحث کی کہ لوگوں میں منبر شریف کی لکڑی کے متعلق مختلف آراء ہیں لہٰذا انہوں نے حضرت سہل بن سعدؓ سے صحیح صورت حال پوچھی انہوں نے جواب دیا [اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ کونسی لکڑی منبر شریف کے لئے استعمال ہوئی تھی اور بلاشک میں نے اسے اس دن دیکھا جب کہ رسول اللہ ﷺ پہلے دن اس پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فلاں انصاری خاتون کو بلا بھیجا (حضرت سہل نے ان خاتون کا نام بھی بتایا) اور فرمایا [اپنے غلام سے کہو کہ میرے لئے لکڑی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر منبر بنا دے تاکہ میں لوگوں سے خطاب اس پر بیٹھ سکوں۔] اس پر اس خاتون نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اسے بنا دے اور اس غلام نے غابہ سے شیشم (Tamarisk) کی لکڑی لا کر بنا دیا ان خاتون نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دیا اور آپ حضور ﷺ نے اسے اس جگہ پر رکھنے کا حکم دیا پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز ادا فرمائی اور میں نے آپ حضور ﷺ کو اس پر رکوع کرتے دیکھا پھر آپ حضور ﷺ نیچے اتر آئے اور منبر کے پایوں کے قریب سجدہ کیا اور پھر اس پر تشریف لے گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا [میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم دیکھ اور سیکھ سکو کہ میں کس طرح نماز ادا کرتا ہوں۔] (۱۲۵)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے [ایک انصاری خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا [یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہ آپ کے لئے ایک منبر بنا دیا جائے!] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جیسے تمہاری مرضی!] پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ کے لئے ایک منبر بنوایا اور جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی طرف جانے لگے۔ اس پر وہ کھجور کا تنا ایک بچے کی طرح بلبلا اٹھا اور ایسے لگ رہا تھا کہ وہ درد فراق سے شق ہو جائے گا۔ رسول مقبول ﷺ منبر شریف سے نیچے اتر آئے اور اس سے بغلگیر ہو گئے مگر یہ پھر بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لیتا رہا جیسے کہ بچہ خاموش ہوتے وقت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ اسلئے رو رہا ہے کہ میں اس کے پاس کھڑا ہو کر علم دین کی باتیں کرتا تھا جو یہ نہ کرتا تھا۔] (۱۲۶)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا کہ [مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کے تنوں سے بنے

تنوں سے بنائی گئی تھی. جب بھی رسول اللہ ﷺ کو خطبہ
ارشاد فرمانا ہوتا آپ حضور ﷺ ان میں سے ایک کے
پاس کھڑے ہو جاتے اور ایسا اس وقت تک جاری رہا
جب تک کہ آپ حضور ﷺ کے لیے منبر تیار نہ ہو گیا اس
کے بعد وہی سرکار رسالت مآب ﷺ کے زیر استعمال رہا.
پھر ہم نے کھجور کے اس تنے سے ایسی آوازیں سنیں جیسے
کہ وہ حاملہ ناقہ ہو. پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس
تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر پھیرا اور پھر
یہ خاموش ہو گئی.] (۱۲۷) مشہور تابعی حضرت حسن
البصریؒ نے فرمایا: [مجھے علم ہے کہ وہاں سوکھے ہوئے
کھجور کے تنے تھے. جمعہ کے ایام میں رسول اللہ ﷺ ان
میں سے ایک کے پاس کھڑے ہو کر یا ٹیک لگا کر خطبہ
ارشاد فرمایا کرتے تھے. کبھی بھی آپ حضور ﷺ نے اس
تنے کی جانب رخ اقدس کر کے نماز نہیں ادا کی. جب
آپ حضور ﷺ کے لیے منبر بن کر آ گیا اور آپ حضور ﷺ
اس پر جلوہ افروز ہو گئے تو سوکھا ہوا تنا ایسے زار و قطار
رونے لگ گیا جیسے کہ ایک ناقہ ہو. پھر رسول اللہ ﷺ اس
کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دست شفقت پھیرا
تو یہ خاموش ہو گیا.] (۱۲۸) جب رسول اللہ ﷺ
نے اس کھجور کے تنے سے ٹیک لگانی چھوڑ دی تو اسے
بہت رنج ہوا اور آپ حضور ﷺ کے فراق میں ایسے بلبلا
اٹھا جیسے کہ ایک اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے لیے چیخنے لگ
جائے. اس پر رسول اللہ ﷺ اپنے منبر شریف سے نیچے
تشریف لائے اور اس کو تھپکیاں دیں یہاں تک کہ وہ
خاموش ہو گیا. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے:
[رسول اللہ ﷺ بوقت خطبہ کھجور کے تنے کے پاس کھڑے
ہو جاتے تھے مگر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف
لے گئے تو ہم نے اس کھجور کے تنے کو اس ناقہ کی طرح
بلبلاتے سنا جو کہ حاملہ ہو پھر رسول مقبول ﷺ منبر سے

نیچے تشریف لے آئے اور اپنے دست مبارک اس پر رکھ دیئے۔](۱۲۹)

کھجور کے اس سوکھے تنے کے چیخنے اور چلانے کی روایات اتنی ثقہ اور متواتر ہیں [illegible] صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف راویان کرام سے ذرائع سے روایت کیا ہے اس واقعہ [illegible] صحابہ کرام کا نام آتا ہے ان میں حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبداللہ [illegible] سعد الساعدیؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ اور حضرت بریدہ [illegible] کرنے کے ساتھ ساتھ مشہور علمائے کرام اور قدیم مورخین مدینہ طیبہ کی آراء بھی نقل کی ہیں اور بالعموم [illegible] میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ اس بات میں ہے کہ بعض روایات میں ترحان (منبر) کا نام [illegible] سے مختلف ہے۔ مصادر الرئیسی پر انحصار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس کا نام [illegible] یا صباح یا کلاب (ہر دو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے) یا پھر [illegible] ہو سکتا ہے جو کہ ایک انصاری خاتون کے غلام تھے (۱۳۱) اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مبارکہ کے آٹھویں سال میں ہوا تھا۔ یعنی فتح خیبر کے بعد۔

قاضی عیاضؒ نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس تنے کو منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا یا یہ کہ اسے چھت میں شہتیر کے ساتھ ڈال دیا گیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے مطابق، جب مسجد مصطفوی کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تعمیر نو کی خاطر گرایا گیا تو وہ اس کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اور یہ ان کے پاس اس وقت تک رہا جب تک کہ وہ سارا (یا اس کا کچھ حصہ) دیمک کی نذر نہ ہو گیا اور پھر انہوں نے اسے مسجد شریف میں لوٹا دیا۔ (۱۳۲) اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی تلاش شروع کروائی تو حضرت ابی بن کعبؓ جو اس وقت قباء میں مقیم تھے اس کو واپس لے آئے۔

ابن جبیر جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔ ''روضہ (الجنۃ) میں لوگوں کا نماز کے لیے تانتا بندھا رہتا ہے (اور ایسا ہونا بھی چاہئے)۔ اس کے ساتھ ہی جنوب کی جانب ایک ستون ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اس کھجور کے تنے کو ڈال دیا گیا تھا جس پر رسول مقبول ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اس کا ایک ٹکڑا آج بھی نظر آتا ہے اور لوگ اس کے بوسے لیتے ہیں تاکہ اس کو چھو کر اور اپنے چہروں کو مل کر برکت حاصل کریں۔'' (۱۳۳)

ابن جبیر کی زیارت مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک صدی بعد ایک دوسرا مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ جب مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ بھی یہ لکھتا ہے:

> ''پھر ہم نے اس منور روضہ (ریاض الجنۃ) میں نماز ادا کی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ اور منبر کے درمیان واقع ہے اور بہت ہی ادب و احترام سے لکڑی کے اس ٹکڑے کو چوما جو کہ اس کھجور کے تنے کی باقیات میں سے ہے جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔'' (۱۳۴)

وہ مزید لکھتا ہے:

> ''اس سفر مدینہ طیبہ کے دوران ہم راوہاں قیام چار دن رہا۔ ہم ہر رات اس عظیم المرتبت مسجد میں گزارتے جہاں لوگ حلقہ در حلقہ قندیلوں کی روشنی میں اپنا زیادہ تر وقت اپنے سامنے مصاحف کو رکھ کر قرآن خوانی میں گزارتے ہیں اور یا پھر حجرہ مطہرہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہیں۔'' (۱۳۵)

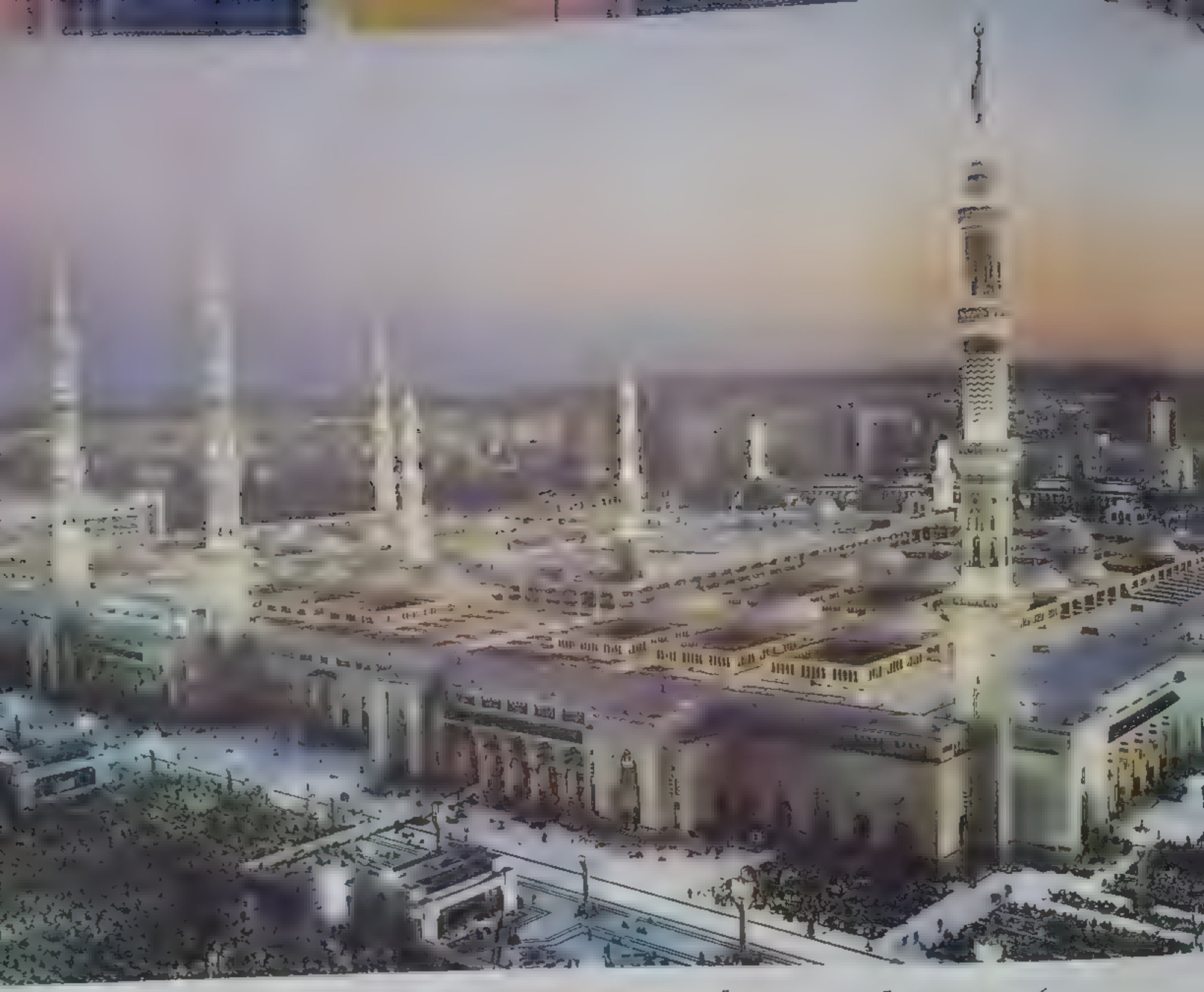

یاد رہے کہ ابن بطوطہ کا سفر حجاز ۱۳۲۶ء میں آج سے تقریباً سات صدیاں پہلے ہوا تھا (نوٹ تو پاپی میوزیم میں موجود لکڑی کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ وہی ہے جو کہ محاصل حرم نبوی شریف میں محفوظ کرایا گیا تھا واللہ اعلم بالصواب)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کے انتظامات

جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث مبارکہ [ان دنوں حرموں میں چراغ نہیں جلائے جاتے تھے] (۱۳۶) سے ظاہر ہوتا ہے، کاشانہ مبارکہ رسالت مآب ﷺ میں ابتدائی سالوں میں دنیاوی مصنوعی روشنی کا بندوبست نہ تھا۔ جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس کے صحن میں رات کے پچھلے حصے کے لیے اس میں کھجور کے پتوں اور لکڑیوں کے الاؤ سے روشنی کا بندوبست کیا جاتا تھا ۹ ہجری تک حالات اسی طرح رہے جب حضرت تمیم الداری نے جن کا تعلق فلسطین سے تھا، ان لوگوں یا سب سے پہلے انہوں نے تیل سے بھرے ہوئے چراغوں کو کھجور کے تنوں (مسجد شریف کے ستونوں) کے ساتھ لٹکانے کا بندوبست کیا ابو نعیم نے حضرت بریدہ سے روایت کی ہے کہ مسجد شریف میں روشنی کا بندوبست کرنے والے سب سے پہلے شخص حضرت تمیم الداری تھے (۱۳۷) اس کی تفصیل ایک اور حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے جسے حضرت عمرو نے روایت کیا ہے جو کہ حضرت تمیم الداری کے غلام تھے [ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم کل پانچ تھے اور حضرت تمیم الداری کے غلام تھے جنہوں نے مجھے مسجد شریف میں روشنی کرنے کا حکم دیا تھا جو کہ ہم نے تیل کا چراغ جلا کر کرنی اس سے پہلے کھجور کے سوکھے ہوئے حصے (پتے اور ٹہنیاں وغیرہ) اس کام کے لیے جلائے جاتے تھے تب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور

فرمایا: [کون ہے جس نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا ہے]" [حضرت تمیم [illegible] نے عرض کیا [illegible] اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: [اس کا نام کیا ہے]" [انہوں نے عرض کیا [illegible] نام سراج (روشن چراغ) ہے. (۱۳۸) سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ [illegible] نے فرمایا [تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا ہے اللہ کریم تیری زندگی روشن کرے!]

حضرت ابی ہندؓ سے مروی ہے [حضرت تمیم الداریؓ شام سے نہری چراغ مدینہ طیبہ لے کر آئے جن میں تیل تھا وہ جمعہ کی رات مدینہ طیبہ پہنچے اور آتے ہی انہوں نے اپنے غلام ابوابہ اوس کو مسجد شریف میں وہ چراغ آویزاں کرنے کے لئے دیئے ان میں تیل اور پانی ڈالا گیا تھا جب سورج غروب ہوا تو انہوں نے [illegible] کو روشن کرنے کا فرمایا جب رسول اللہ ﷺ مسجد شریف میں تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ [illegible] سے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور استفسار فرمایا: [ایسا کس نے کیا ہے؟] آپ حضور ﷺ کو عرض کیا گیا: "یہ تمیم الداریؓ نے کیا ہے." آپ نے فرط انبساط میں فرمایا: [انہوں نے اسلام اور اس کی مسجد کو روشن کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کو روشن کرے!] (۱۳۹)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کا انتظام یوں ہی چلتا رہا اور تیل کے دیے جلتے رہے. جب سیدنا عمر ابن الخطابؓ کا دور آیا تو انہوں نے ان چراغوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا. ایسا اس وقت ہوا جب انہوں نے رمضان کریم میں تراویح کی نماز باجماعت کو رائج کیا (۱۴۰) ابن زبالہ کے مطابق ان چراغوں کے لیے تیل شام سے آیا کرتا تھا ان کے دور میں یعنی دوسری صدی کے اواخر میں ان قندیلوں کی تعداد بڑھ کر ۲۹۰ ہو گئی تھی. تاہم جب عباسیوں کی طرف سے جعفر بن منصور مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے شام سے تیل درآمد کرنا بند کر دیا اور قندیلوں سے روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ایک ہمہ وقتی اہل کار مقرر کر دیا جس کو ہر ماہ بیت المال سے ۳ دینار مشاہرہ ملتا تھا ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں (چھٹی صدی ہجری میں) تیل مصر سے آتا تھا اور سید سمہودی کا بیان ہے کہ دسویں صدی میں بھی تیل مصر اور شام سے درآمد ہوا کرتا تھا درآمد کے علاوہ تیل کا بندوبست مقامی لوگ بھی کیا کرتے تھے اور مسجد شریف میں ایک طرف تیل جمع کرنے کے لیے خزان کا بندوبست تھا جسے قبۃ الزیت کہا جاتا تھا. یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قندیلوں اور چراغوں کا فائدہ تو اپنی جگہ ہے مگر پہلی بار جب مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آئی تو اس کی وجہ قندیلوں کے سٹور میں اچانک آگ کا بھڑک اٹھنا تھا جو کہ سٹور کے محافظ سے بروقت بجھائی نہ جا سکی اور پھر پھیلتے پھیلتے یہ آگ اتنی بے قابو ہو گئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ خوبصورت مسجد تباہ ہو کر رہ گئی اور یوں صدیوں کا اثاثہ جل کا خاکستر ہو گیا تھا. (۱۴۱)

قندیلوں اور چراغوں کے ذریعے روشنی کا بندوبست تیرہ صدیوں تک جاری رہا. سلطان عبدالحمید دوم کے دور میں ۱۳۲۶ ہجری میں جب مدینہ طیبہ میں ریلوے سٹیشن کا افتتاح ہوا تو اسی تاریخ سے بجلی کا پہلا بلب بھی مسجد نبوی شریف میں جگمگانے لگا. پھر اس کے بعد ایک مغربی مخیر مسمی الحاج الشاوی الجزائری نے بجلی کا ایک جنریٹر نصب کروا دیا جو ۱۳۵۳ ہجری تک کاشانہ مصطفوی میں روشنی بکھیرتا رہا. اس کے بعد مسجد نبوی شریف میں پاور لائن کے ذریعے سے بجلی کی سپلائی شروع ہو گئی جو کہ باقی شہر کو بھی بجلی فراہم کرتی تھی (۱۴۲) اب اس بقاع مبارکہ کو بجلی کی سپلائی مین گرڈ سٹیشن سے ہوتی ہے جو کہ حرم پاک کے سب سٹیشن کے ذریعے مسجد شریف کے کونے کونے کو منور کر رہی ہے.

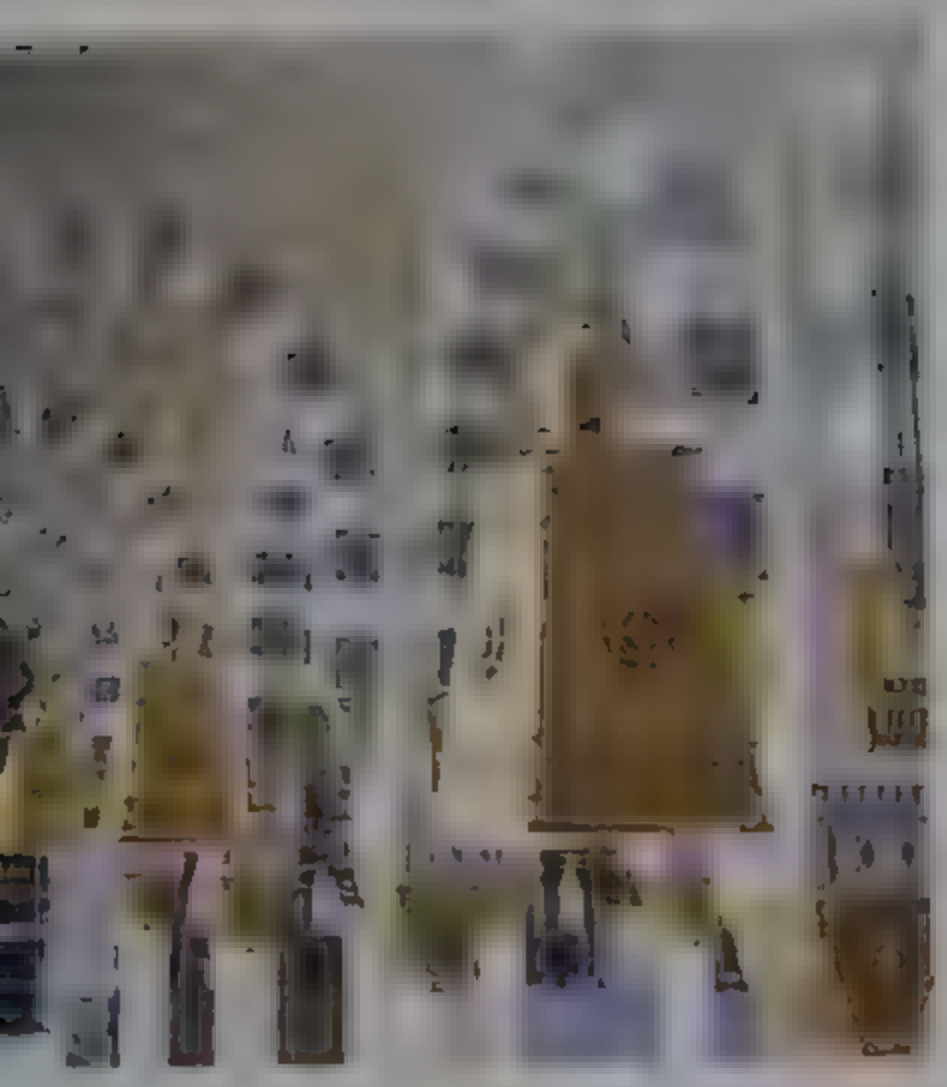

سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف کی توسیع

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے [...] مسجد نبوی شریف چند اینٹوں سے بنی تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنی تھی اور ستون کھجور کے تنوں سے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اسی حال میں رہنے دیا اور اس میں کوئی توسیع یا تبدیلی نہ کروائی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی تعمیر نو اور توسیع تو کروائی مگر اس کی ہیئت اور طرز تعمیر میں کوئی تبدیلی نہ کروائی۔ انہوں نے بھی اسے اسی طرح کے طرز تعمیر سے بنوایا؛ چھت پہلی کی طرح کھجور کے پتوں ہی کی رہی، انہوں نے صرف ستون لکڑی کے ڈلوا دیئے۔ سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اس کی کافی توسیع بھی کرائی۔ انہوں نے دیواریں پتھر کی بنوائیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور سفیدی کے لئے چونے کا استعمال کیا گیا تھا۔ چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی۔] (۱۴۳) سیدنا عمر فاروقؓ نے ۱۷ ہجری میں مسجد کی تعمیر کو اپنی زیر نگرانی مکمل کروایا۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذرع سے بڑھ کر ۱۴۰×۱۲۰ ذرع ہو گیا تھا۔ (۱۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی مسجد نبوی شریف وہی رہی تھی جو کہ عہد مصطفوی میں تھی تاہم خلیفہ راشد ثانی سیدنا عمر فاروقؓ نے تعمیر نو کے ساتھ اس میں کافی توسیع ہو گئی تھی۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے۔ ''حضرت عمر بن الخطابؓ نے حکم دیا کہ مسجد شریف کی تعمیر نو کی جائے اور فرمایا [لوگوں کو بارش سے بچنے کا بندوبست کیا جائے۔ تاہم سرخ و سفید تزئین سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہی تزئین انسان کو مصائب سے دوچار کر دیتی ہے۔]'' (۱۴۵) حضرت عمر فاروقؓ نے بھی کفایت شعاری سے کام لیا اور مسجد شریف کو اسی طرز پر استوار کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں ہوا کرتی تھی۔ مسجد کی توسیع کرتے وقت انہیں اس سے ملحقہ مکانات حاصل کرنے پڑے جو کہ شمال، جنوب اور مغربی جوانب تھے۔ یہ کام خاصا دشوار تھا کیونکہ مالکین نے تو برضا و رغبت اپنی زمینیں مسجد شریف کو ہبہ کر دیں، مگر کچھ کے لیے سیدنا عمر فاروقؓ کو افہام و تفہیم اور مالی ترغیب کا طریقہ کار اختیار کرنا پڑا۔ اس طرح آپ کو کچھ زمین خرید کر مسجد شریف میں ملانی پڑی۔ جب آپ نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو مسجد نبوی شریف میں برسر منبر ایک خطبہ دیا جس میں تین متبادل طریقہ ہائے کار کی نشاندہی فرمائی۔

(۱) مالک مکان اگر چاہے تو وہ اپنی مملوکہ جائیداد کو جس بھی بھاؤ پر چاہے بیچ سکتا ہے۔ اس کے لیے بیت المال سے اس کو ادائیگی کر دی جائے گی۔

(۲) مالک مکان اپنا مملوکہ مکان مسجد شریف کے لیے وا گزار کر دے۔ اس کے عوض ریاست اس کو مدینہ طیبہ کے کسی دوسرے علاقے میں اس کی پسند کی زمین خرید کر دے گی۔

(۳) مالک مکان اپنی رضا و رغبت سے مسجد شریف کو اپنی جائیداد ہبہ کر سکتا ہے جس کا اجر اس کو اللہ تعالیٰ دے گا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، عم رسول اللہ ﷺ نے جن کا گھر مسجد شریف کے ساتھ جنوب مغربی طرف متصل تھا اصرار کیا کہ وہ اپنا مکان اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں وجہ کے طور پر وہ یہ کہتے تھے کہ ان کا گھر نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تعمیر ہوا بلکہ اس کی خشت اول بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے ہی رکھی تھی۔ دونوں میں اس معاملے میں کافی بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ مسئلہ یہ تھا کہ حضرت

عباس نے اس کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ صرف اس لیے تھی کہ قبلہ کی جانب حضرت [illegible] بھی کہ ان کے مکان کے اوپر جو پرنالہ تھا اس کا پانی اس گلی میں آکر گرتا تھا جس سے [illegible] شریف میں نماز کے لیے آتے تھے اور بسا اوقات ایسا ہو چکا تھا کہ ان کے کپڑے خراب ہو جاتے تھے۔(۱۴۶) بالآخر حضرت ابی بن کعبؓ سے ثالثی اور تحکیم کے لیے رجوع کیا گیا جو ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب نے اپنا مکان مصلحت عامہ کی خاطر مسجد شریف کے لیے ہبہ کر دیا (۱۴۷) تاہم اس مکان کا کچھ حصہ مسجد شریف میں شامل نہ کیا جا سکا کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے قبلہ کی جانب مسجد شریف کو سوائے چند ذرع کے زیادہ وسعت نہ دی۔ دیگر مکانات جو مسجد شریف میں شامل ہوئے وہ حضرت زید بن اسامہ بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ (۱۴۸) حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف، سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (۱۴۹) کی ملکیت تھے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری ایام میں فرمایا تھا اگر میں اس مسجد کو وسیع کرتا اور مکان دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبلہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی اسی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد مصطفوی میں توسیع کا منصوبہ بنایا جس کے تحت زیادہ تر توسیع شمالی اور جنوبی جانب کی گئی جب کہ قبلہ کی جانب صرف اتنی ہی توسیع کی گئی جہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرماتے ہوئے دست مبارک پہنچا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے اگر میں نے سرکار دو عالم ﷺ کا یہ فرمان نہ سنا ہوتا کہ وہ اپنی مسجد کی توسیع کرنا چاہتے تھے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا۔ (۱۵۰) انہوں نے ان اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلوایا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا اور اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ان کو اس مقام پر کھڑا کروا کر ان سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھ کو ویسا ہی اس طرف بڑھائیں جس جانب رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا تھا۔ اس طرح ان کے ہاتھوں کی لمبائی تک اور اس سمت میں جانب قبلہ توسیع عمل میں لائی گئی۔(۱۵۱)

یوں جانب قبلہ صرف چند ذرع کی وسعت دی گئی تھی مگر مغربی اور شمالی جانب مسجد شریف کو کافی وسیع کر دیا گیا تھا جس سے اس کا حدود اربعہ ۱۴۰ ذرع × ۱۲۰ ذرع ہو گیا۔ پرانے ستون جن پر دور مصطفوی میں مسجد شریف کی چھت استوار ہوئی تھی دیمک لگ جانے سے بوسیدہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کو بدل کر کھجور کے تنوں کے نئے ستون نصب کیے گئے۔(۱۵۲) سیدنا عمر فاروقؓ کے دور مبارکہ میں مسجد نبوی شریف کی چھت پر تین ذرع بلند پردہ کی دیوار بھی کروائی گئی پہلے سے موجود دروازوں (باب عاتکہ، باب النبی یعنی باب جبریل علیہ السلام) کے علاوہ مسجد کے چھ دروازے بنائے گئے تھے۔(۱۵۳) مسجد کی چھت سطح زمین سے ۱۱ ذرع (۵،۵ میٹر) بلند تھی۔ کھجوروں کے پتوں کو بن کر ان میں پتے اور ٹہنیاں بھر دی گئی تھیں جن کو گارے سے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط کر دیا گیا تھا۔(۱۵۴)

مسجد شریف کے فرش پر پانی سے چھڑکاؤ کا طریقہ تو دور رسالت مآب ﷺ سے ہی تھا جسے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور مبارکہ میں بھی جاری رکھا گیا تھا اور یہی طریقہ خلافت سیدنا عمر فاروقؓ کے کچھ حصے میں بھی رہا۔ ایک بار جب کسی نے مسجد کے صحن میں اپنا تھوک پھینک دیا تو تابعی حضرت ابومسعود الثقفیؒ نے اسے دیکھ کر تجویز دی کہ فرش پر ریت یا سنگریزے بچھا دیئے جائیں کیونکہ ان سے تھوک وغیرہ کے نشانات آسانی سے اور جلدی تحلیل ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور وادی العقیق سے سرخ و نفیس قسم کی ریت منگوا کر صحن مسجد نبوی میں بچھا دی گئی۔ وادی العقیق کے العرصہ کے حصہ میں ایسی ریت الجماء الشامیہ کے بالائی علاقے سے پانی کے ساتھ بہہ کر آجایا کرتی تھی۔(۱۵۵)

مسجد شریف میں ایک ستون کو خلوق (ایک قسم کی خوشبو تھی) لگانے کا رواج تو سرور کونین ﷺ کے دور مبارکہ میں ہو چکا تھا۔ اس کے

علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ [illegible] نے [illegible] مسجد نبوی میں آنے سے منع فرمایا تاکہ لوگوں بدبودار نہ ہو حضرت سعید ابن المسیبؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ [illegible] نے ارشاد فرمایا [illegible] آئے لہسن کی بو سے ہمیں کوفت ہوتی ہے [(۱۵۶) رسول اللہ [illegible] نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیاز کی تلقین فرماتے ارشاد رسالت مآب [illegible] تھا کہ جب مسجد میں نماز باجماعت کے لیے آؤ تو ہو سکے تو خوشبو لگا کر آؤ حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ [illegible] نے فرمایا اپنی مساجد کو بچوں (کی شرارتوں) سے اور پاگلوں سے بچا کر رکھا کرو اس میں خرید و فروخت اور فتنے سے اظہار اجتناب کیا کرو اور ان میں اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو اور ان میں اپنے عمومی طور پر بیٹھنے کے لیے مخصوص حلقہ بندیاں نہ کیا کرو ان میں اسلحہ (تلواریں) نہ لیکر آیا کرو ان کے دروازوں پر خوشبو لگایا کرو اور اجتماعات کے وقت ان میں خوشبو چھڑکا (تبخیر) کرو [(جامع الاحادیث ج ۳۔ ۷۳۰ نمبر ۱۱۰۵۹) اتباع رسول مقبول [illegible] میں سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد شریف کے ماحول کو معطر کرنے کے لیے اپنے دور خلافت میں مسجد میں عود جلانے کا بندوبست کیا جس کے جلانے کے لیے چاندی کا ایک خاص مجمرہ بنوایا بعد کے ادوار میں مسجد میں صندل اور عود خام جلا کر مسجد کو معطر کرنے کا رواج رہا (۱۵۷)

بطیحاء یا بطحاء

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور مبارکہ میں مسجد مصطفوی کے آداب اور احترام کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور اس بات کی سختی سے پابندی کروائی کہ کوئی بھی کاشانہ مبارکہ رسالت مآب [illegible] کے ادب اور احترام سے بے التفاتی برتنے نہ پائے آپ کسی کو بھی اونچی آواز سے مسجد شریف میں گفتگو نہ کرنے دیتے تھے ارشاد ربانی ہے ۞ اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی اکرم (ﷺ) سے اونچی نہ کرو اور ان کے حضور چلا چلا کر بات نہ کیا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو بیشک وہ جو اپنی آوازیں رسول اللہ (ﷺ) کے حضور پست رکھتے ہیں وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے اور ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے ۞ (۱۵۸) انہیں احکام کے پیش نظر سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی شریف میں اونچی آواز سے بات چیت کرنے سے منع کیا ہوا تھا حضرت صائب بن یزیدؓ سے مروی ہے [میں مسجد شریف میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھ پر ایک سنگریزہ پھینکا میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے سیدنا عمر فاروقؓ نظر آئے انہوں نے اشارے سے مجھے فرمایا ''ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ'' جب میں نے تعمیل کی تو وہ ان سے پوچھنے لگے ''کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا ''ہم طائف سے آئے ہیں'' سیدنا عمر فاروقؓ نے کہا ''اگر تم اس شہر سے ہوتے (یعنی مدینہ طیبہ سے ہوتے) تو میں تمہیں مسجد رسول اللہ ﷺ میں آوازیں بلند کرنے اور شور کرنے کی سزا ضرور دیتا'' (۱۵۹)

دور رسالت مآب [illegible] میں حضرت حسان بن ثابتؓ حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں نعت پڑھا کرتے تھے اور کفار اور مشرکین

کی جو بھی مسجد نبوی شریف میں پڑھا کرتے تھے. حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے [illegible] مسجد نبوی شریف میں ایک تپائی (سٹول) رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ ان [illegible] آپ ﷺ میں ثنا خوانی کرتے تھے. رسول اللہ [illegible] فرماتے [illegible] معاونت فرماتے ہیں.] (۱۶۰) حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے [illegible] گئے جب کہ وہ مسجد شریف میں نعت گوئی میں مصروف تھے اور ان پر اعتراض کرنے لگے [illegible] میں نعت گوئی کر رہا ہوں جو تم سے بدرجہا اعلیٰ و افضل ہے. یعنی [illegible] اور پوچھا "کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو مجھے حکم دیتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ میں رسول اللہ [illegible] دوں اور ساتھ یہ بھی فرمایا تھا "اے اللہ حسانؓ کی روح الامین کے ذریعے معاونت فرما" اور حضرت ابوہریرہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے خاموشی اختیار کر لی.] (۱۶۱)

لوگوں کو بآواز بلند مسجد نبوی شریف میں باتیں کرنے سے منع کرنے کے لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد کے باہر شمال مشرقی جانب [illegible] پر ایک چبوترہ بنوا دیا جس کو بطیحاء کہا جاتا تھا اور حکم جاری کر دیا کہ جس کسی کو بھی شاعری یا قصیدہ گوئی کا شوق ہو یا دنیاداری کی باتیں زیر بحث لانی ہوں تو وہ اس چبوترے پر جا کر اپنا شوق پورا کرے. وہ فرمایا کرتے تھے "مساجد تو اللہ تعالیٰ سے ذکر کرنے کے لیے ہیں نہ کہ ان میں تجارت، دنیاداری کی باتیں ہوں اور وہ بھی بآواز بلند جس کسی نے بھی ایسی باتیں کرنی ہوں تو وہ البقیع کی طرف چلا جائے" (۱۶۲) قارئین کی معلومات کے لیے ہم یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ مقصود کونین ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران ایک مرتبہ ایک شاعر صحابی نے نعت گوئی کی درخواست کی تو رحمت اللعالمین ﷺ نے سب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں مسجد شریف کے باہر باب جبریل کے مقابل امتاعدؓ کے مقام پر (جو کہ دار سیدنا عثمان بن عفانؓ اور باب جبریل کے درمیان واقع تھا) دربار لگایا تھا اور اس نعت گوئی کے انعام میں سرور کائنات ﷺ نے خوش ہو کر ان شاعر کو پیش انعام و اکرام دینے کا حکم صادر فرمایا تھا. (فیروز آبادی، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ص ۳۸۸) غالباً یہ بطیحاء اسی جگہ تعمیر ہوا تھا اور وہیں پر قصیدہ گو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ذوق نعت گوئی پورا کر لیا کرتے تھے. جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تو اس "بطیحاء" کے علاقے کو شامل مسجد کر دیا گیا. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک ہمہ وقتی چوکیدار مقرر کر دیا جس کے ذمے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ وہ مسجد شریف کی دیکھ بھال کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کا استعمال ان مقاصد کے علاوہ نہ ہوں جن کی رسول امین ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تھی. (۱۶۳)

جہاں تک مسجد شریف میں سونے کا تعلق ہے ایسی بہت سی احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی کبھار مسجد شریف میں سو جایا کرتے تھے. اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قیام اور شب باشی تو مسجد مصطفوی ہی میں ہوا کرتی تھی. سرور کونین مولینا و مولیٰ الثقلین ﷺ جب کبھی دن کو تکان محسوس فرماتے تو مسجد شریف میں تھوڑی دیر کے لیے ستا لیا کرتے تھے (۱۶۴) حضرت عباد بن تمیمؒ سے مروی ہے کہ ان کے چچا نے بیان کیا [میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد شریف میں سیدھے لیٹے ہوئے دیکھا اور اس وقت آپ حضور ﷺ نے اپنی ایک ٹانگ دوسرے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی.] حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے. (۱۶۵) خاص طور پر ان دنوں میں جب سیدنا عثمانؓ کے دور میں مسجد شریف کی تعمیر نو ہو رہی تھی تو آپ اپنا اکثر وقت کام کی نگرانی کے سلسلے میں مسجد شریف میں گزارتے اور جب تکان محسوس ہوتی تو اسی میں ستا بھی لیا کرتے تھے. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اکثر ایسا ہی کر لیا کرتے تھے (۱۶۶)

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت الراشدہ میں [illegible]

جیسا کہ اوپر بیان کی گئی حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث مبارکہ سے [illegible] قیمہ نوکرہ ئی تو سوائے اس بات کے کہ اس کا اونچا نیا تھا مگر [illegible] انتہائی سادگی اور کفایت شعاری تھا مگر جب خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان نے اس کی قیمہ نوی تو اس [illegible] جپسم اور نقش ونگار کا استعمال کیا گیا۔ سیدنا عثمان بن عفان نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اس کی کافی توسیع بھی کرائی انہوں نے ایسے پتھر بنوائیں جن پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور مسجد نبوی شریف میں پہلی بار سفیدی کے لیے چونے کا استعمال بھی کیا گیا چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال ہوئی تھی۔](۱۶۷)

حضرت عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطبؒ سے مروی ہے [جب سیدنا عثمان بن عفانؓ ۲۴ ہجری میں مسند آرائے خلافت ہوئے تو لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ مسجد شریف کی توسیع کردی جائے۔ انہوں نے تنگی جگہ کی شکایت کی جو کہ بجا طور پر حق بجانب تھی۔ خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات پر ایسا اکثر ہوتا کہ لوگوں کو مسجد شریف کے باہر والے حصے میں نماز ادا کرنا پڑتی تھی لہذا سیدنا عثمانؓ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی تھی کہ پرانی مسجد کو مسمار کرکے اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کردی جائے۔ ایک دن انہوں نے نماز ظہر کے بعد منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا [تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں میں مسجد کو مسمار کرکے اس کی جگہ نئی مسجد بنانا چاہتا ہوں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سنا ہے کہ: [جو بھی مسجد بناتا ہے اللہ اس کو جنت میں ایک گھر عطا کردیتا ہے۔] مجھ سے پہلے بھی پیشرو رہے ہیں اور مجھ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ ان کے ہاتھوں مسجد شریف کی توسیع اور تعمیر نو میرے لیے ایک مثال اور نظیر ہے میں نے صاحب الرائے اصحاب سے مشورہ کیا ہے اور ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مسجد شریف کو مسمار کرکے اسے دوبارہ بنایا جانا چاہئے۔ اس پر سب نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔](۱۶۸) پھر انہوں نے کاریگروں اور معماروں کو اس کار خیر پر لگا دیا اور ہنس نفیس کام کی نگرانی کرتے رہے۔ آپ دن کے وقت روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت اور شب بیداری کرتے اور ہمیشہ کام کی نگرانی بذات خود کرتے رہے۔](۱۶۹) حضرت عبدالرحمن بن سفینہؓ سے مروی ہے: [میں نے دیکھا کہ مسجد شریف کی تعمیر کے لیے مسالہ (مواد) اٹھا اٹھا کر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس لایا جاتا اور میں نے یہ بھی دیکھا کو وہ ہمیشہ اپنے پاؤں پر کھڑے کھڑے کاریگروں سے کام کرواتے اور پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو ان کے ساتھ نماز ادا کرتے اور پھر کبھی کبھی وہیں سو بھی جایا کرتے تھے۔]

اس مقام پر ہم اس بحث وتمحیص کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جس کا سیدنا عثمانؓ کو مسجد شریف کو مسمار کرکے دوبارہ بنانے میں سامنا کرنا پڑا عثمان خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد جب سیدنا عثمانؓ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کا منصوبہ پیش کیا تو چند اصحابہ کرام نے اس معاملے میں اپنے تحفظات پیش کئے۔ ان حضرات میں وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے جو کہ بالکل مسجد شریف کی جوار رحمت میں مقیم تھے اور جن کے مکانات اس منصوبے سے متاثر ہوتے نظر آرہے تھے۔ عوام کی اکثریت نے تو اس منصوبے کی حمایت کی مگر چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر سرعام اعتراضات کرنے شروع کردیئے اور یوں بحث ومباحثہ کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ جو طول پکڑتا گیا۔ یحیی نے حضرت افلح بن حمیدؒ سے روایت کیا ہے کہ [جب حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ منبر پر تشریف لاکر لوگوں کی رائے معلوم کریں تو مروان بن الحکم نے کہا: ''بلاشبہ یہ ایک کار خیر ہے۔ لہذا کیا ضرورت ہے کہ آپ لوگوں کی رائے معلوم کریں!'' اس پر حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا [برا ہو تیرا۔ میں کسی معاملے میں لوگوں پر جبر واکراہ کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ان سے مشورہ کرنا ہی ہے۔] پھر جب مروان نے کہا: ''کیا آپ

نے حضرت عمر کو بھی کسی سے منظوری لیتے دیکھا تھا؟" تو اس پر حضرت عثمان نے فرمایا "ہم نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمر فاروق کی شخصیت ہی تھی جو ایسا کر سکتے تھے اور کسی کو جرأت نہیں تھی کہ ان کے آگے زبان کھولے یا ان کے کسی فیصلے میں دخل دے سکے۔ ان کی جلالت کا تو یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی کو حکم کر دیتے کہ کسی صحرائی گرگٹ کی بل میں گھس جائے تو بھی ایسا شخص ان کی حکم عدولی نہ کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا میں اپنی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ میں تو جو کام بھی کروں گا ان کی مرضی سے کروں گا۔ (۱۷۰)

پھر جب آپ نے اپنے منصوبے کے متعلق تمام اہل الرائے اصحاب کو اعتماد میں لے لیا تو مسجد شریف کی شمالی جانب واقع گھروں کو خرید کر ان کی زمین حاصل کی گئی۔ اگرچہ آپ نے عوضانہ کے طور پر ان اصحاب کو کافی رقوم کی پیش کش کی تھیں مگر پھر بھی چند اپنے مکانات دینے کے حق میں نہ تھے اور یوں بحث مباحثے کا سلسلہ طویل ہوتا گیا اور تقریباً چار سال گزر گئے مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عبید اللہ انصاری سے مروی ہے: "جب لوگ اپنے مکانات دینے کے لیے پس و پیش کر رہے تھے اور دلائل طوالت پکڑتے جا رہے تھے تو میں نے سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو کہتے ہوئے سنا: تم لوگ بہت باتیں بنا چکے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔ (۱۷۱) اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت خوانی کی روایت ہے کہ: جب مسجد شریف کی تعمیر نو کا وقت آیا تو سیدنا عثمان ؓ لوگوں کی آراء کو خندہ پیشانی سے سنتے رہے جو کہ اکثر و بیشتر ان کی مخالفت میں ہوتی تھیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے انصاف نہیں کرتے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔ (۱۷۲)

اسی طرح حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے: جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد کی تعمیر نو کا ارادہ کیا تو لوگوں کو ان کا منصوبہ پسند نہ آیا۔ ان کا اصرار تھا کہ مسجد شریف کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھی اس پر آپ نے فرمایا: جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔ (۱۷۳) تاہم اگر اس بحث و تمحیص کے پس منظر کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا اصرار صرف اس بات پر تھا کہ مسجد شریف کو اسی سادگی اور طرز تعمیر میں رہنے دیا جائے جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں تھی حتیٰ کہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے بھی اس کی تعمیر نو اور توسیع کرتے وقت اس کی سادگی اور طرز تعمیر میں تبدیلی نہیں کی تھی حالانکہ انہوں نے بھی مغرب اور شمال کے مکانات خرید کر اس میں شامل کیے تھے۔ (۱۷۴)

جب حضرت عثمانؓ کچھ حد تک لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ نے ماہ ربیع الاول ۲۹ ہجری (نومبر ۶۴۹ء) میں کام کی ابتداء کروا دی۔ تعمیر نو کے کام میں دس ماہ صرف ہوئے اور یوں یکم محرم ۳۰ ہجری کو مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو گئی۔ آپ بنفس نفیس کام کی نگرانی فرماتے، دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کے وقت اگر نیند مجبور کرتی تو مسجد شریف میں ہی ستا لیا کرتے تھے۔ (۱۷۵) آپ نے مسجد شریف کو جنوب میں قبلہ کی جانب وسعت دی اور اس کی قبلہ کی دیوار کو اس جگہ تک لے آئے جہاں کہ آج تک ہے۔ شمالی جانب اس میں ۵۰ ذرع کا اضافہ کیا گیا اور کچھ توسیع مغربی جانب بھی کروائی البتہ شرقی جانب (جہاں حجرات مبارکہ تھے) کوئی توسیع نہیں کی گئی۔ مکمل ہو جانے پر مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶۰×۱۵۰ ذرع ہو گیا۔ (۱۷۶) اس طرح مسجد شریف کے رقبے میں کل ۴۹۶ مربع میٹر کا اضافہ ہوا (۱۷۷) آپ کے دور مبارکہ میں مسجد کے دروازوں کی تعداد چھ تھی، یعنی باب النبی ﷺ (موجودہ نام باب جبریل)، باب الرحمہ، و اس کے ساتھ اسی طرف ایک اور دروازہ بنوایا گیا (باب مروان) اور دو دروازے مسجد شریف کی عقبی جانب شمال میں رکھوائے گئے تھے (۱۷۸) پہلی مرتبہ مسجد شریف میں پتھروں پر نقش و نگار بنوائے گئے اور اس میں سفیدی کروائی گئی۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ کے بیان کے مطابق سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد شریف کی شرقی اور غربی جانب کی دیواروں میں روشن دان رکھوائے تھے۔ (۱۷۹) مسجد شریف کی توسیع کے لیے سیدنا عثمانؓ

کو جو مکانات لینے پڑے ان میں ام المومنین سیدۃ حفصہ ؓ کا حجرہ مبارکہ بھی شامل تھا جن کو اس کا قبلہ والا مکان، دیوار قبلہ سے متصل جنوب شرقی کونے پر دے دیا گیا تھا اور ایک خوخہ کے ذریعے ان کی آمد و رفت حجرہ مطہرہ تک ممکن اور آسان بنا دی گئی تھی اس کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ورثاء سے ان کے مکان کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا گیا تھا اور اس طرح دار العباس ؓ کا کچھ حصہ بھی خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا تھا.

دیوار قبلہ کو جنوبی جانب لے جانے کے علاوہ سب سے نمایاں فرق جو کہ مسجد مصطفوی میں ہوا وہ یہ تھا کہ محراب مصطفوی کی جگہ لامحالہ مقام قبلہ بھی اس کی سیدھ میں اتنا ہی آگے لے جانا پڑا جہاں تک دیوار قبلہ لے جائی گئی تھی جو میں اسی جگہ پر تھی جہاں آج کل ہم 'محراب عثمانی' کو دیکھتے ہیں. وہاں علامتی محراب بھی بنوائی گئی تھی. (۱۸۰) مٹی کے گارے کی جگہ انہوں نے پیسا ہوا پتھر استعمال کروایا اور پتھر سے بنے ستونوں میں سیسہ کی بنی سلاخیں ڈلوائی گئیں. اس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا کہ نئے ستون انہیں ستونوں کی جگہ استوار کئے جائیں جہاں سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارکہ میں کھجور کے تنے سے بنے ستون ہوا کرتے تھے. تعمیر میں جو مواد اور طرز تعمیر استعمال ہوا وہ اسی طرح کا تھا جیسا کہ یروشلم میں گنبد صخرہ کی تعمیر میں بازنطینیوں نے استعمال کیا تھا. (۱۸۱) چھت شیشم کی لکڑی سے بنائی گئی تھی جو کہ لکڑی کے شہتیروں پر رکھی گئی تھی جو سیسہ پلائے پتھروں (حجر مرصوص) کے ستونوں پر استوار تھے. (۱۸۲)

چونکہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے پیش رو سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت محراب النبوی شریف میں نماز کی امامت کرواتے ہوئے ہوئی تھی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ آئندہ کوئی ایسا حادثہ رونما نہ ہو سیدنا عثمان بن عفانؓ نے محراب کے مقام پر ایک مقصورہ تعمیر کروایا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنا تھا اور اس میں جھروکے اور روزن رکھے گئے تھے تاکہ مقتدی اپنے امام کو دیکھ سکیں. (۱۸۳) یہ پہلا حفاظتی طریقہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف میں تعمیر ہوا جو کہ بعد میں دمشق میں خلفائے بنو امیہ کے حفاظتی پروٹوکول کا باقاعدہ حصہ بن گیا. سیدنا عثمان بن عفانؓ کے علاوہ کسی بھی خلیفہ راشد نے رئیس الدولہ کے لیے ایسا حفاظتی حصار بنانے کا کبھی نہیں سوچا تھا. اس کے علاوہ مزید حفاظت کے طور پر ایک محافظ کا تقرر بھی کیا گیا جس کو دو درہم ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا. یہ کچی مٹی سے بنا ہوا مقصورہ اس وقت تک رہا جب تک مروان بن الحکم نے اس کی جگہ منقش پتھروں کا مقصورہ کھڑا نہیں کیا. پہلے مقصورے اور مروان بن الحکم کے بنوائے ہوئے مقصورے میں دوسرا واضح فرق یہ بھی تھا کہ اسے اونچے چبوترے پر استوار کیا گیا تھا. پھر بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی تو اس پتھر کے مقصورے کی جگہ لکڑی کا بنا ہوا مقصورہ نصب کروایا گیا. (۱۸۴) جیسا کہ ابن زبالہ کا بیان ہے، مقصورہ کی بنیادیں مسجد شریف کے صحن کی سطح سے تقریباً ۲ ذرع بلند تھیں. اس کی سطح کا یہ ارتفاع عباسی دور تک قائم رہا جب مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی گئی. (۱۸۵) یہ حفاظتی مقصورہ ۶۵۴ ہجری تک موجود رہا جب کہ یہ اس آگ کی نظر ہو گیا جس نے مسجد نبوی شریف میں تباہی مچا دی تھی.

مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کو مصحف شریف کی شکل میں یکجا کرنا تھا. اگرچہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور مبارکہ میں جمع کر دیا گیا تھا جو پہلے تو ان کی تولیت میں رہا اور پھر بعد میں سیدنا عمر فاروق ؓ کے پاس رہا اور ان کے بعد ام المومنین سیدۃ حفصہ ؓ کے پاس رکھ دیا گیا تھا جہاں سے کوئی بھی ضرورت مند اس سے استفادہ کر سکتا تھا مگر پھر بھی یہ عام آدمی خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باہر والوں کے لیے بآسانی دستیاب نہیں تھا لہذا سیدنا عثمان بن عفانؓ نے ایک کمیٹی تشکیل دی (جو کہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ پر مشتمل تھی) جس نے محنت شاقہ سے اس کام کو انجام دیا. (۱۸۶) انہوں نے قرآن کریم کے چھ نسخے تیار کروائے جن میں سے پانچ تو امصار یعنی صوبوں کے صدر مقاموں (بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور مکہ) کو ارسال کروائے گئے اور ایک نسخہ مسجد نبوی شریف میں رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف کے پاس رکھوا

دیا گیا جہاں وہ ہر خاص و عام کی دسترس میں تھا۔ یہی نسخہ سیدنا عثمانؓ کے زیر استعمال بھی رہا۔ جب [illegible] یہ قرآن مصحف عثمانی کے زیر استعمال تھا اور بوقت شہادت وہ اسی سے تلاوت کلام الٰہی کر رہے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد [illegible] مسجد نبوی شریف میں منبر شریف کے پاس رکھ دیا گیا تھا۔ تاہم بعد میں جب حجاج بن یوسف نے مصحف شریف کے ایسے نسخے تیار کروائے جن پر اعراب لگوا دیئے گئے تھے تو اس نے ایک نسخہ مدینہ طیبہ بھی روانہ کیا جس نے مصحف عثمانی کی جگہ لے لی جسے خالد بن عمرو بن عثمان اٹھا کر اپنے پاس لے گئے جب خلافت عباسیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی، تو انہوں نے حجاج بن یوسف کا نسخہ اٹھوا دیا اور مصحف عثمانی کو دوبارہ منبر شریف کے پاس رکھوا دیا (۱۸۷)

بنو امیہ کے دور میں مسجد مصطفوی کی دیکھ بھال

حضرت معاویہؓ کے دور میں سوائے ہلکی پھلکی مرمت کے مسجد نبوی شریف پر زیادہ کام نہیں ہوا۔ مسجد شریف کے اردگرد واقع [illegible] گلیاں مدینہ طیبہ کی دوسری گلیوں کی طرح ہوا کرتی تھیں جس کی وجہ سے بعض اوقات بارشوں کے موسم میں مسجد شریف تک پہنچنے میں کافی دشواری کا سامنا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ مروان کا باپ الحکم جو کافی بوڑھا ہو چکا تھا رات کے وقت کیچڑ میں پھسل گیا جس کی وجہ سے مروان نے مسجد شریف کے اردگرد تمام گلیوں میں ٹائلیں لگوا کر پختہ کروا دیا۔ پانی کے نکاس کے لیے نالیوں کا بندوبست کیا گیا۔ یہ ٹائیلوں کا فرش مسجد شریف کے چاروں طرف لگوایا گیا تھا جو مشرق میں بقیع الغرقد تک اور مغرب میں مسجد الغمامہ تک اور شمال میں حش ابو طلحہ (بئر حاء) تک چلا گیا تھا پانی کی نالیاں مختلف مقامات سے اکٹھی ہو کر شمال مغرب میں انزوراء کے علاقے کی طرف نکل کر اس وقت کے مدینہ طیبہ کے مضافات میں جاتی تھیں جو سقیفہ بنی ساعدہ کی مغرب کی جانب پر تھا۔ (۱۸۸)

ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال

محمد بن جعفر بن وردان (وردانؒ: جنہیں وید بن عبدالملک کے دور میں مسجد شریف کی تعمیر میں بطور معمار اور نگران شرکت کا شرف حاصل تھا) سے روایت ہے: ''میں نے دیکھا کہ ولید بن عبدالملک نے ایک قاصد مدینہ طیبہ بھیجا جو کہ مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں آیا۔ جب اس کی آمد کا سبب پوچھا گیا تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہ خط پیش کیا جو کہ ولید نے ان کو ارسال کیا تھا جس میں حکم دیا گیا تھا کہ حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی تھا کہ وہ ان تمام رہائشی مکانات کو خرید میں جو کہ مسجد شریف کی عقبی (شمالی) جانب اور مغربی جانب واقع تھے اور مسجد کو اتنی وسعت دے دی جائے کہ اس کا رقبہ ۲۰۰x۲۰۰ ذرع (تقریباً ۱۰۰x۱۰۰ میٹر) ہو جائے۔ یہ بھی حکم تھا: ''کہ اگر ممکن ہو تو مسجد کو قبلہ کی جانب بھی وسعت دے دی جائے کیونکہ تم آسانی سے اپنے ننھیال (اس وقت دار آل عمرؓ میں حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عمرؓ مقیم تھے جو کہ رشتہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ماموں لگتے تھے) سے ان کے مکان کو خرید سکتے ہو کیونکہ وہ تمہاری مخالفت نہیں کریں گے۔ جو بھی روڑا اٹکاتا ہے اس سے رابطہ کر کے اس کی مناسب قیمت طے کر لیں اور ان کو معاوضہ دے دیں اور پھر ان مکانات کو گرا دیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔'' (۱۸۹)

اس حکم نامے کی تعمیل میں مسجد شریف کے گرد واقع مکانات کو خرید کر منہدم کر دیا گیا۔ جہاں تک حجرات مبارکہ کا تعلق ہے، تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن ولید بن عبدالملک کے دور سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں: سب سے آخر میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ہوا تھا جو کہ بعض روایات کے مطابق ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں فوت ہوئی تھیں۔ اس طرح ان تمام سیدات اطہرات کے مکانات عملی طور پر خالی تھے جن کے دروازے مسجد نبوی شریف میں ہی کھلتے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر و بیشتر ان میں

داخل ہو کر نماز ادا کر لیا کرتے تھے، ایسا خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات میں ہوتا تھا جن میں [illegible] مبارکہ خالی ہو چکے تھے:

(۱) حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہرا جہاں اہل بیت اطہار و [illegible] یعنی حضرت حسن بن حسن ابن علیؓ اور فاطمہ بنت الحسین ابن علیؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھے

(۲) حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ جو کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہبہ کر دیا تھا اس وقت اس میں ان کے بیٹے (حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ) اور اہل خانہ مقیم تھے۔

اس سلسلے میں تبھی ثقہ روایات موجود ہیں جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اگرچہ شہادت امام عالی مقام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی شکست کے بعد بنو امیہ کا تسلط پوری مملکت اسلامیہ پر ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ افراد اہل بیت الطاہرہ سے لرزاں تھے اور ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں یہ چنگاری پھر نہ بھڑک اٹھے جو ان کے آشیانہ ناپائیدار کو خاکستر نہ کر دے۔ وہ اہل بیت الطاہرہ کی طرف عامۃ الناس کے رجوع اور تعلق سے بھی غافل نہیں تھے۔ اگرچہ ہر پبلک فورم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور اہل بیت الطاہرہ کے خلاف ہرزہ سرائی اور پروپیگنڈا بے روک ٹوک جاری تھا۔ یہاں تک کہ منبر و محراب سے حتماً آئمہ مساجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کھلے بندوں تبرہ بازی کیا کرتے تھے جس سے مسجد نبوی شریف بھی مستثنیٰ نہیں تھی (۱۹۰)۔ مگر وہ اپنی کمزوریوں کو بخوبی جانتے تھے کہ شاخ نازک پر بننے والا یہ آشیانہ زود یا بدیر کسی طوفان کی تیز و تند موجوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا۔ اس لیے افراد اہل بیت الطاہرہ کی مسجد شریف سے متصل حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؑ میں موجودگی اور اہل مدینہ کے دلوں میں ان کی پذیرائی حکام میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی لہٰذا حکام دمشق نے ہر وہ قدم اٹھانے کی ٹھانی ہوئی تھی جس سے اہل بیت الطاہرہ کو وہاں سے بے دخل کیا جا سکے کیونکہ خام خیالی میں وہ یہ سوچتے تھے کہ جب وہ لوگ مسجد نبوی کے احاطے سے کہیں دور نکل گئے تو عامۃ الناس سے ان کا رابطہ اور تعلق خود بخود منقطع ہو جائے گا اور سلاطین دمشق سکھ چین کی نیند سو سکیں گے۔

ابن زبالہ کہ روایت ہے کہ ایک بار جب حج کے بعد ولید بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا تو اس نے دیکھا کہ لوگوں کی عقیدت اور رغبت حضرت حسن بن الحسنؒ (حسن المثنیٰؒ) سے اس سے کہیں زیادہ تھی جو کہ وہ ولید کو بطور خلیفہ حاصل تھی اور اس دوران حضرت حسن المثنیٰؒ نے خود بھی خلیفہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جونہی وہ منبر سے اترا تو گورنر مدینہ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) کو حکم ہوا: ''میں اسے دوبارہ یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔ ان تمام گھروں کو خرید لو۔ حتیٰ کہ حجرہ رسول مقبول ﷺ بھی مسجد میں شامل کر دیا جائے۔'' (۱۹۱) تاہم ابن زبالہ کے اس بیان پر اتنا اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ واقدی نے تحریر کیا ہے ولید نے مدینہ طیبہ کی زیارت تو ۹۱ ہجری میں کی تھی جب کہ مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو چکی تھی اور وہ تمام حجرات مبارکہ منہدم ہو چکے تھے۔ البتہ ابن زبالہ ہی کی ایک اور روایت کے مطابق جس پر سمہودیؒ اور دیگر قدیم مورخین نے انحصار کیا ہے ولید بن عبدالملک دمشق سے اپنے مخبروں کو مدینہ طیبہ بھیجا کرتا تھا جو اسے مدینہ طیبہ کی سیاسی صورت حال اور مد و جزر سے مطلع رکھا کرتے تھے۔ اسے اس معاملے میں چند رپورٹیں ملی تھیں کہ لوگوں کا رجحان اور عقیدت حضرت حسن المثنیٰؒ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ واقعہ حرہ کے بعد وہ لوگوں کے احساسات کو اچھی طرح جان چکا تھا اور مزید خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس طرح کی سیاسی مخبریوں نے ولید کو یہ فیصلہ کرنے پر اکسایا کہ کیوں نہ افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی شریف سے نکال باہر کیا جائے۔ مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ ایک ایسی چال تھی جس کی بادی النظر میں کوئی بھی مخالفت نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف یہ کہ اس کی عمارت پرانی ہو گئی تھی بلکہ نمازیوں کے لیے تنگ پڑ رہی تھی۔

اس طرح مسجد کی توسیع کا منصوبہ خالصتاً سیاسی نوعیت کا تھا مگر اسے انتہائی چابکدستی سے مذہبی رنگ دیا گیا تاکہ حجرات مبارکہ سے زبردستی انخلاء پر کسی قسم کا ردعمل نہ ہو۔ لہٰذا اس نے اس وقت کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکمنامہ بھیجا کہ حجرات مبارکہ کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے والی بات تھی۔ حافظ رزین العبدری اندلسی جو کہ قدیم مورخین مدینہ میں شمار ہوتے ہیں ('فی ذکر دار الہجرۃ') کے بیان کے مطابق ولید کے خط کے متن میں اوپر دیئے گئے احکامات کے علاوہ یہ بھی حکم تھا کہ: "جو بھی اپنا مکان بیچنے پر رضامند ہو جائے اس کو معاوضہ دے دیا جائے اور اگر وہ برضاء و رغبت ایسا کرنے پر آمادہ نہ تو اہل مدینہ سے رجوع کر کے اس کی قیمت کا تعین کر لینا اور پھر وہ مکان ان کے سروں کے اوپر ہی گرا دینا (یعنی بزور بازو اور جبراً ان سے قبضہ لے لینا) اور وہ رقم غرباء و مساکین میں تقسیم کر دینا۔" (۱۹۲) چنانچہ جیسا کہ متوقع تھا جب حضرت حسن بن الحسنؒ نے اپنا آبائی گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا تو انہیں قوت کے ذریعے نکال باہر کیا گیا۔ اس کے عوض مبلغ ۷،۰۰۰ (اور بعض روایات کے مطابق ۸،۰۰۰) دینار کی پیش کش کی گئی تھی مگر جب انہوں نے انکار کر دیا تو قوت کا استعمال کیا گیا اور یوں صاحبزادہ حسنؒ اور شاہزادی حسینؒ اپنے اہل خانہ سمیت حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے نکال باہر کئے گئے اور معاوضے کی رقم ولید کے احکام کے تحت بیت المال میں جمع کروا دی گئی۔

جہاں تک کاشانہ مبارکہ سید الکونین ﷺ کا تعلق ہے تو ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے ۴۵ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے اپنا حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو ہبہ کر دیا تھا اور ان سے حضرت معاویہؓ نے وہ جگہ ۱۸۰،۰۰۰ درہم کے عوض خرید لی تھی۔ البتہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس شرط پر راضی ہوئی تھیں کہ جب تک وہ حیات رہیں گی وہ اسی گھر میں رہیں گی۔ جب معاملہ طے پا گیا تو حضرت معاویہؓ نے ان کو رقم ارسال کر دی اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس مقام سے جہاں وہ اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت اٹھیں جب کہ انہوں نے وہ تمام رقم اہل مدینہ کے مستحقین اور غرباء میں تقسیم کر دی تھی۔ (۱۹۳) اسی طرح ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی کے ورثاء نے بھی ان کے حجرہ مبارکہ کو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ اتنی ہی رقم کے عوض بیچ دیا تھا۔ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ کو حجرہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے تبادل میں اسی حجرہ سے متصل جنوبی جانب کی زمین دے دی گئی تھی۔ جہاں تک دیگر حجرات مبارکہ کا تعلق ہے تو وہ تو پہلے ہی خالی تھے اور لوگ وہاں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ یوں تمام کے تمام حجرات مبارکہ ریاست کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ ان حجرات مبارکہ کے علاوہ جو مکانات حاصل کئے گئے ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے تین مکانات تھے جو کہ شمال کی طرف تھے اور قرائن کہلاتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ایک گھر جو دار القراء کہلاتا تھا، اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکانات تھے جو کہ شمالی جانب تھے۔ اس کے علاوہ مغربی جانب حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور ابی سبرہ بن ابی رحمؓ کے مکانات تھے جب کہ جنوبی جانب دار عباس بن عبدالمطلبؓ کا بچا ہوا حصہ (جو کہ اس وقت ان کے غلام مخیریق کے قبضہ میں تھا) بھی حاصل کر لیا گیا۔ (۱۹۴) جب انہوں نے حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ کے مکان کو حاصل کرنے کا عندیہ دیا تو انہوں نے پس و پیش سے کام لیا اور حجت یہ پیش کی کہ وہ حجرہ مطہرہ تو ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کا تھا جہاں سرور کونین ﷺ بھی اقامت فرمایا کرتے تھے۔ بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبیداللہؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ اس کے بدلے انہیں دار الرقیق دے دیا جائے جو کہ قبلہ کی جانب اس سے متصل تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مکان سے حجرہ نبویہ شریفہ کی طرف ایک دروازہ نکال کر مسجد نبوی شریف میں ان کو دسترس دے دی اور وہ دروازہ بعد میں کئی صدیوں تک قائم رہا اور خوخہ دار حفصہؓ کے نام پر جانا جاتا تھا (آج بھی قبلہ کی دیوار میں محراب عثمانی کی بائیں جانب ایک کھڑکی ہے جس میں ٹیلی ویژن کیمرہ نصب ہے جو کہ اسی خوخہ کی جگہ پر یادگار کے طور پر ترکوں نے رکھوا دیا تھا)۔

ولید بن عبدالملک کے احکام کو مسجد نبوی شریف میں سر عام پڑھ کر سنا دیا گیا۔ (۱۹۵) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس نے حکم صادر کیا

تھا کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ کو بھی مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے تاکہ مسجد کا رقبہ ۲۰۰X۲۰۰ ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ اگر ممکن ہو تو قبلہ مسجد مصطفوی کو جنوب کی طرف بڑھا دیا جائے اور یہ کام کرسید ھے طریقے سے نہ ہو سکے تو قوت کا استعمال کرلیا جائے۔(۱۹۶) ان احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہ تمام مکانات حاصل کر کے خالی کروا لیے اور پھر ان کو ۸۸ ہجری میں منہدم کروا دیا گیا اور مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع پر عمل درآمد کیا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد مصطفوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تفاصیل

الطبری کے بیان کے مطابق مسجد شریف کی قدیم عمارت کا انہدام ماہ صفر ۸۸ ہجری میں شروع ہوا۔ حضرت صالح بن کیسانؒ کو اس کام کا نگران مقرر کیا گیا۔ سب سے پہلے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کو مسمار کیا گیا۔ اس کام کے لیے مزدور مدینہ طیبہ سے لیے گئے تاہم تجربہ کار کاریگروں کا بندوبست ولید بن عبدالملک نے روم سے کیا تھا جو مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری (فروری ۷۰۷ء) میں پہنچے۔ ولید کی درخواست پر بازنطینی شہنشاہ (جسٹینین دوم Justinian II) نے ہدیتاً ایک لاکھ مثقال سونا، ایک سو کاریگر اور چالیس اونٹ سنگ مرمر کی سلوں کے ارسال کیے تھے۔(۱۹۷) تعمیر نو اور توسیع کا تمام کام ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ تاہم سمہودیؒ کے بیان کے مطابق ابن زبالہ کی روایت کچھ اس طرح ہے کہ: ''ولید نے شاہ روم کو یہ خط لکھا: ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر کروانا چاہتے ہیں۔ اس معاملے میں کاریگروں اور سنگ مرمر سے ہماری مدد کیجیے۔'' اس نے سنگ مرمر اور بیس سے زیادہ کاریگر ارسال کیے۔ چند روایات کے مطابق ان کاریگروں کی تعداد ۴۰ تھی جو کہ روم سے آئے تھے اور اتنے ہی کاریگر قبطیوں میں سے لیے گئے تھے۔(۱۹۸) بلاذری (ت: ۸۹۲ء) نے کہا ہے کہ کل ملا کر ۸۰ رومی اور قبطی کاریگر تھے جو کہ شام اور مصر سے آئے تھے اور ان سب نے مدینہ طیبہ کے مشہور معمار حضرت صالح بن کیسانؒ کی زیر نگرانی کام کیا تھا۔(۱۹۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کا کام ربیع الاول ۸۸ ہجری میں (یا جیسا کہ بلاذری نے کہا ہے ۸۹ ہجری میں) شروع کروایا(۲۰۰) اور اس کی تکمیل میں تین سال صرف ہوئے۔ مسجد شریف کو مغربی جانب ۲۰ ذرع کی وسعت دی گئی جب کہ شرقی جانب چونکہ حجرات مبارکہ کی زمین بھی اس میں شامل ہو گئی تھی اس جانب اسے ۳۰ ذرع کی وسعت مل گئی تھی۔(۲۰۱) مسجد شریف کا رقبہ اب ۲۰۰X۱۸۰ ذرع پر محیط ہو گیا تھا جو کہ تقریباً ۳،۳۶۹ مربع میٹر تھا۔(۲۰۲) جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر شروع کروائی تو انہوں نے قریش اور انصار میں سے تمام اہل الرائے حضرات کو مدعو کیا۔ ساتھ ہی عامۃ الناس کے نمائندوں کو بھی بلایا اور کہا: [آپ آئیں اور قبلہ کی بنیاد رکھ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ الزام لگ جائے کہ عمر نے آپ کا قبلہ ہی تبدیل کر دیا ہے۔](۲۰۳) یوں اس کا سنگ بنیاد مقام قبلہ پر رکھا گیا اور ساری مسجد کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ تمام بنیادوں میں پتھر استعمال ہوئے مگر صحن مسجد میں جو ستون استوار ہوئے ان کو سیسہ کے ساتھ مقوی کر دیا گیا تھا۔(۲۰۴) ستونوں پر لگانے کے لیے سنگ مرمر شام سے لایا گیا تھا۔ دیواروں پر گرینائٹ میں نقش و نگار کندہ کیے گئے تھے جو مصر سے منگایا گیا تھا(۲۰۵)۔ انہوں نے ۴۵،۰۰۰ دینار دیوار قبلہ اور اس طرف پہلی دو روشوں پر دوہری چھت کی تعمیر اور تزئین و آرائش پر صرف کیے۔ جب ولید بن عبدالملک مدینہ آیا تو مسجد کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے اترا تے ہوئے حضرت ابان ابن عثمانؓ سے کہا ہماری تعمیر آپ کے والد کی تعمیر کے مقابلے میں کیسی ہے؟ حضرت ابانؓ نے فوراً جواب دیا: [ہم نے تو ایک مسجد بنوائی تھی، مگر تم نے تو اسے کلیسا بنا کر رکھ دیا ہے۔](۲۰۶)

ابن نجار کے مطابق ولید کی تعمیر کردہ مسجد میں شرقاً غرباً ۲۶ روشیں اور شمالاً جنوباً مربع قبر کے ستون سے شمال کی طرف ۱۴ روشیں تھیں۔ ان میں سے ۱۰ روشیں تو صحن مسجد میں تھیں جبکہ چار روشیں مسجد شریف کے اس حصہ میں تھیں جو کہ دور مصطفوی میں تعمیر ہوا تھا۔ اسطوانہ مربع قبر سے

مشرق کی جانب چار روشوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا (۲۰۷) برآمدوں کی محرابوں کے بالائی [illegible] جن کی [illegible] تھی چھت کی کل اونچائی ۲۵ ذرع (۱۲.۵ میٹر) تھی جس پر سیسہ کی پلیٹیں اور سیسہ سے بنے کارنس [illegible] تھے چھت سے دو ذرع نیچے کی صرف خوبصورتی کے لیے ایک دوسری چھت بنا دی گئی تھی چھت سے پانی کے اخراج کے لیے چار پرنالے (میزاب) لگائے گئے تھے جو کہ سیسہ کے بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک میزاب موضع الجنائز کی طرف تھا جس سے بارش کا پانی اس گلی میں جا کر گرتا تھا جو کہ مسجد شریف و دار آل عثمانؓ کے درمیان واقع تھی اس حفاظتی مقصورہ کی جگہ جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مقام محراب عثمانی پر مٹی کی اینٹوں سے بنوایا تھا ایک نیا سنگی کا بنایا ہوا مقصورہ نصب کر دیا گیا تھا جو کہ سطح زمین سے دو ذرع اونچائی پر تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کے وقت پہلی بار مسجد شریف کی قبلہ کی دیوار پر خوبصورت خطاطی میں قرآنی آیات لکھی گئیں جو کہ باب مروان بن الحکم (موجودہ باب اسلام) سے لے کر باب علی (موجودہ دور میں اس مقام پر حجرہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء کے سامنے باب جبریل کی جنوبی جانب ایک کھڑکی بنی ہے جس میں ایر کنڈیشنر لگا ہوا ہے) تک قرآن کریم کی مختلف سورتیں لکھی گئی تھیں جو کہ سورۃ 'الشمس' سے لیکر سورۃ 'الناس' کے آخر تک تھیں جسے اس وقت کے مشہور خطاط حضرت سعدؒ نے لکھا تھا جو کہ الخلیفہ بن عبدالعزیز کے غلام تھے۔ ایک دیوار پر نہایت خوشخط انداز میں 'بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، محمدٌ عبدہ و رسولہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ امر عبداللہ (اللہ کا بندہ) ولید بن عبدالملک بتقوی اللہ و طاعتہ ....' بھی لکھا گیا تھا۔

مسلمان کاریگروں اور مزدوروں کے علاوہ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے چالیس نبطی غیر مسلم معماروں نے بھی کام کیا تھا۔ مصری قبطیوں نے زیادہ تر قبلہ کی جانب کی دیوار پر کام کیا تھا جب کہ نبطیوں نے عقبی جانب کا کام نپٹایا تھا۔ چند روایات میں اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ نبطیوں میں سے ایک بدبخت کاریگر نے دیوار قبلہ کے روشن دانوں کی محرابوں کے اوپر خنزیر کی تصویر بنا دی تھی۔ جونہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا اور اس کی فوراً تعمیل کی گئی اور وہ تصویر مٹا دی گئی۔ ان کاریگروں میں سے بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی حفاظت کے لیے چوکیداروں کو تعینات کیا اور دروازوں پر آہنی زنجیریں لگوا دیں تا کہ کوئی جانور اندر نہ داخل ہو سکے۔ (۲۰۹)

مسجد شریف کی قبلہ کی دیوار کے اوپر والے حصے پر مصوروں نے دیدہ زیب سنہری رنگوں میں درختوں اور پرندوں کی تصویریں بنائی تھیں جو کہ جنت کی خیالی انداز میں تصویر کشی کرتی تھیں۔ ابن زبالہ سے لے کر ابن نجار تک سب نے ان تصویروں کا ذکر کیا ہے۔ ابن عبدربہ (ت. ۳۲۸ ہجری) نے العقد الفرید میں مسجد شریف کی خوبصورتی کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''مسجد النبی ﷺ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ قبلہ کی روشوں میں مشرق سے مغرب تک خوبصورت فرش لگایا گیا ہے۔ اس حصے میں دو سطریں ہیں اور ہر سطر میں ۱۷ استون ہیں اور ہر عمود اور ستون کے درمیان کافی فاصلہ رکھا گیا ہے۔ اس حصے میں واقع ستونوں پر سفید جپسم کیا گیا ہے اور یہ بہت ہی بلند ہیں، تمام ستونوں پر سنگ مرمر لگایا گیا ہے اور ان کے کراؤن سنہرے ہیں۔ ان ستونوں پر شہتیر ہیں جن پر نقش و نگار سونے کے پانی سے کیا گیا ہے اور محراب کا اگلا حصہ بھی سونے کے استعمال سے سنہرے رنگ کا ہے اور جو فرش محراب قبلہ میں ہے اس میں زیادہ سونے کا رنگ کیا گیا ہے۔ محراب کی منحنی چھت پر سونے سے رنگ و روغن کیا گیا ہے۔'' تاہم انہوں نے دیوار قبلہ پر بنائی گئی تصاویر کے تفصیل نہیں بیان کی اور نہ ہی دیگر معاصر روایتوں میں ان تصاویر کی تفصیل دستیاب ہیں مگر پانچ صدیاں بعد (۵۸۰ ہجری میں) جب ابن جبیر نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اس وقت تک وہ تصاویر موجود تھیں اور اس نے اپنے سفرنامہ میں زور قلم صرف کر کے ان تصویروں کے متعلق لکھا ہے: ''اور جانب قبلہ کی دیوار کا نچلا آدھا حصہ سنگ مرمر کی ٹائیلوں سے مزین ہے جو کہ ایک دوسرے پر لگی ہیں اور مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں میں ہیں جو بہت ہی خوبصورت اور مسحور کن

منظر پیش کرتی ہیں. دیوار کے اوپر والے حصے [illegible] شہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی زمین کی طرف لٹکتی نظر آتی ہیں۔" (۲۱۰) وہ مزید [illegible] جانب قبلہ کی دیوار کی خوبصورتی کا تو جواب ہی نہیں! اسی طرح برآمدے کی جانب کی [illegible] دیواریں سفید رنگ کی ہیں اور ان پر بھی مختلف رنگوں میں تصویریں [illegible] نہیں ہیں کیونکہ اس میں وہ بقعہ مبارکہ بھی ہے جہاں سیدنا [illegible]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مصوروں کو ان کے حسن کارکردگی پر دل کھول کر انعام و اکرام سے [illegible] جاتے تھے. جنت کی عکاسی کرنے کے لیے خوبصورت درخت اور محلات کی تصویریں بنائی گئیں. پہلی مرتبہ مسجد شریف میں تصویر کشی کی گئی تھی جس میں تزئین کے لیے رنگوں میں سونا استعمال کیا گیا تھا. اس تمام کام پر ایک ہزار مثقال سونا استعمال ہوا تھا. قبلہ کی جانب کی چھ رواں روشوں کے اوپر دوہری چھت ڈلوائی گئی تھی. نچلی طرف شیشم کی لکڑی سے بنی چھت بنائی گئی تھی جس پر دیدہ زیب آرائشی کام کیا گیا تھا. تمام ستون پتھر کے تھے جن کو سیسہ اور لوہے سے مضبوط کیا گیا تھا. سنگ مرمر شام سے جب کہ چونا مصر سے منگوایا گیا تھا. کالے پتھر اور تعمیر کا دیگر سامان مدینہ طیبہ سے حاصل کیا گیا تھا. (۲۱۲) جانب صحن برآمدوں میں پردے لٹکائے گئے تھے تاکہ نمازیوں کو موسم کے اثرات سے بچایا جا سکے. (۲۱۳) نچلی چھت کی بلندی ۲۳ ذرع تھی جب کہ اوپر والی چھت کی اونچائی ۲۵ ذرع تھی (۲۱۴)

اس سے پہلے کبھی کبھار جب بارشوں کی بہتات ہو جاتی اور طیبہ طیبہ کی وادیاں طغیانی سے بہہ نکلتیں تو وادی مہزور جو کہ مسجد نبوی شریف کے پاس سے گزرتی تھی اس کا پانی مسجد شریف اور بقیع الغرقد کے درمیانی علاقے سے امڈ آتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہو جاتا جس کے نتیجے میں حجرات مبارکہ کی شرقی دیواریں متاثر ہو جاتیں. حضرت عبداللہ بن سائب المخزومیؓ اور یزید بن کبیر سے مروی ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہو جاتا تھا. (ابن شبہ، ج ۱، ص: ۱۷۰). انہوں نے بہت سے انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان نقل کیا ہے کہ. "وہ سیلاب جو کہ مسجد نبوی شریف میں آتا ہے وہ وادی مہزور ہی کا ہوتا ہے. "جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرات مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد کے رقبے میں شامل کر دیا تو آئندہ پانی کے نقصان سے بچانے کے لیے انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو نسبتاً زیادہ عریض رکھا تاکہ طغیانی کے پانی سے عمارت کو نقصان نہ پہنچے. جب کہ مغربی جانب کی دیوار کی موٹائی ۲ ذرع (۹۵ سنٹی میٹر) سے کچھ ہی کم تھی شرقی دیوار کی موٹائی ۲ ذرع اور چار انگشت رکھی گئی تھی. (۲۱۵)

جہاں تک حجرہ مطہرہ (جس میں قبور مقدسہ ہیں) کا تعلق ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی شرقی دیوار اس وقت نئے سرے سے بنوادی تھی جو کہ بارشوں کی کثرت سے گر گئی تھی. اس طرح آستانہ رسالت مآب ﷺ کے ایک حصے کی تعمیر نو مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو سے پہلے ہی ہو چکی تھی مگر جب مسجد شریف کی تعمیر شروع کی گئی تو اسے از سر نو تعمیر کیا گیا. اس بار اس کی تعمیر سیاہ پتھروں سے عمل میں آئی اور اس کے اردگرد پتھر کی دیواروں کا پنجگوشہ تعمیر کر دیا گیا تاکہ حجرہ مطہرہ کی سیاہ پتھروں سے بنی چوکور عمارت کعبۃ المشرفہ سے متشابہ نہ ہو جائے. کاشانہ سرور کونین ﷺ کے علاوہ دیگر حجرات مسجد شریف کی توسیع میں صرف ہوئے اور یوں حجرہ مطہرہ مسجد شریف کے بیچ میں آ گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے اردگرد چاروں طرف کی جگہ نمازیوں کے لیے کھل گئی تھی جہاں اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز ادا کیا کرتے تھے. خاص طور پر حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو مسجد میں شامل کرنے سے مسجد مصطفوی شمالی جانب نمازیوں کے لیے کھل گئی تھی اور وہاں باقاعدہ جماعت کی سطور کھڑی ہوا کرتی تھیں. مگر رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ: [میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنایا جائے.] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے گرد مختلف لمبائی کی پنج گوشہ عمارت تعمیر کرنا مناسب سمجھا تاکہ

مستقبل میں کوئی بھول سے بھی حجرہ مطہرہ کو کعبہ مشرفہ سے مشابہت دیکر فرمان رسول مقبول ﷺ کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھے ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ یہ تعمیر نو ولید بن عبدالملک کے احکام سے ہو رہی تھی جو کہ دمشق میں بھی اسی زمانے میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کروا رہا تھا جو 'جامعہ امیہ' کے نام سے آج تک جانی جاتی ہے. لہذا دونوں کے طرز تعمیر میں کافی حد تک مماثلت پایا جانا قدرتی بات تھی. یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جامع امیہ کے صحن میں بھی ایک جلیل القدر پیغمبر (سیدنا یحییٰ علیہ السلام) کی قبر تھی جسے اسی مقام پر رہنے دیا گیا تھا اور اس کے اردگرد اس مسجد کا صحن بنایا گیا تھا. جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس توسیعی منصوبے کی تکمیل پر حضور سرکار دو عالم ﷺ کا کاشانہ رحمت بھی مسجد شریف کے اندر آ گیا تھا اور اس کے چاروں اطراف میں صلوۃ باجماعت کے وقت اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ اجمعین قطار اندر قطار کھڑے ہوا کرتے تھے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ اس فرمان رسول مقبول ﷺ کے مضمرات کو کون جان سکتا تھا، مگر ان کے محل نظر ایک دوسرا فرمان رسول مقبول ﷺ بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل تھا کہ انبیاء کرام اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں سے ان کی ارواح مقدسہ پرواز کرتی ہیں.

مسجد شریف کے چاروں گوشوں میں بلند و بالا مینار بنائے گئے تھے. اس سے پہلے دومۃ الجندل میں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور مبارکہ میں مسجد عمر کے ایک کونے میں مینار تعمیر کرنے کی مثال موجود تھی. سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے مسجد مصطفوی میں چاروں کونوں پر مینار تعمیر کروائے. یہ مینار مسجد شریف کے باہر کی طرف چاروں کونوں میں تھے جنہیں ۸×۸ ذرع (تقریباً ۴×۴ میٹر) کے رقبہ پر استوار کیا گیا تھا. تین مینار ۵۵ ذرع (۲۲،۵ میٹر) بلند تھے (۲۱۶) جب کہ چوتھا جو کہ شمال مغربی جانب تھا صرف ۳۵ ذرع بلند تھا. یہاں ایک اور بات ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ اس تعمیر نو کے چند سال بعد جب سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت بنو امیہ ہوا تو اس کے حکم سے مسجد مصطفوی کے جنوب مغربی کونے والا مینار (جہاں آج کل باب السلام کا چھوٹا سا منارہ ہے) منہدم کر دیا گیا. ایک بار جب وہ مدینہ طیبہ کے دورے پر تھا اور گورنر ہاؤس (جو کہ اس وقت دار مروان میں واقع تھا جو اس مینار سے متصل حصے میں باہر کی جانب تھا) کے صحن میں آرام کر رہا تھا کہ موذن کو اذان کے لیے مینارے پر جانا پڑا. سلیمان بن عبدالملک نے اس کو پسند نہ کیا کہ کوئی خلوت میں اس پر نظر ڈال سکے. لہذا فرمان شاہی جاری ہوا کہ منارہ گرا دیا جائے اور فوراً اس کی تعمیل کی گئی. (۲۱۷) اور پھر آنے والی چھ صدیوں تک مسجد مصطفوی کے صرف تین مینارے ہی قائم رہے. ۷۰۶ ہجری میں جب سلطان محمد بن قلاوون کا دور آیا تو اس نے حکم جاری کیا کہ اس کونے میں بھی ایک منارہ تعمیر کیا جائے جسے محاصل حرم کے مبالغ سے تعمیر کیا گیا اور آج تک جتنی بار بھی توسیعات یا تعمیر نو ہوئی ہیں ان سب میں وہ منارہ سلطان محمد بن قلاوون کی یادگار کے طور پر باقی رہنے دیا گیا ہے.

اب جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ مسجد مصطفوی کو تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں اور اس طویل عرصے کے دوران مسجد شریف متعدد بار تعمیر نو اور توسیع کے مراحل سے گزر چکی ہے ایسے میں یہ اندازہ لگانا کہ وہ مسجد شریف کیسی لگتی تھی یا فن تعمیر کا کیسا شاہ پارا تھا صرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے والی بات ہے. البتہ اس وقت کی معاصر تعمیرات کے آثار قدیمہ سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے جو کہ بلاد عربیہ میں اس وقت معرض وجود میں آ چکی تھیں. دومۃ الجندل (جدید شہر الجوف کے قریب ہی اس کے کھنڈرات واقع ہیں) جو کہ مدینہ طیبہ سے ۴۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر شمالی جانب واقع ایک سرسبز و شاداب شہر تھا جہاں غسانسہ کے نصرانی حکمران تھے. جب وہ شہر اسلامی عملداری میں آیا تو سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں وہاں پتھروں سے ایک خوبصورت مسجد کی تعمیر ہوئی جس کے ساتھ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے عالم اسلام میں پہلی بار ایک بلند و بالا مینار تعمیر کیا گیا تھا. وہ مسجد تاریخ میں 'مسجد سیدنا عمرؓ' کے نام سے جانی جاتی رہی. اگرچہ امتداد زمانہ سے مسجد عمر کی کئی بار مرمت اور تعمیر نو ہوئی مگر وہ مینار اپنی اصلی حالت میں سیدنا عمر فاروقؓ کی یادگار کے طور پر رہنے دیا گیا. اب جب کہ وہ تمام

شہنشاہ رات میں اس پہاڑ پر مسجد معتدبہ حصہ تک پہاڑ ہے اور مسجد کا کچھ حصہ پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا ہے اس کتاب سے ساتھ ہی دومۃ الجندل میں اسلامی عمارت کا قدیم ترین (۲۱۸) نمونہ ہے جو خلافت راشدہ کی آثار کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے یہ منفرد آثار قدیمہ اس صدی میں خلافت راشدہ میں فن تعمیر اور مساجد پر ایک نئی روشنی ڈالنے کا ذریعہ فراہم کرتا ہے بلکہ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی شریف میں جب مینارے استوار کروائے تو ان کے سامنے اپنے جلیل القدر نانا (سیدنا عمر فاروق رشتے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پڑنانا لگتے تھے) کی تعمیر کردہ نظیر تھی جس کو سامنے رکھ کر مسجد نبوی شریف میں مینار تعمیر کئے گئے قدیم ترین تاریخ میں مسجد نبوی شریف پر تعمیر کئے جانے والے میناروں کی تفصیل پر بھی نظر دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ حیات تک مسجد نبوی شریف کے وہ مینارے اس مینارے کی مماثلت رکھتے تھے جو کہ سیدنا عمر فاروق نے دومۃ الجندل میں تعمیر کروایا تھا آج بھی اس آثار قدیمہ کی باقیات تاریخ اور حدود اربعہ اور موقع محل اور چار منزلہ ان تفاصیل سے مطابقت رکھتی ہیں جو کہ ان میناروں کی تھیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد مصطفوی پر تعمیر کروائے تھے

اس مقام پر ہم یہ وضاحت ضرور کرنا چاہیں گے کہ دومۃ الجندل میں موجود آثار قدیمہ کو مسجد نبوی شریف کے میناروں کی نظیر نہ سمجھ لیا جائے یہ صرف حسن اتفاق ہے کہ وہ ابھی تک بقید حیات ہے جب کہ مسجد نبوی شریف کے مینارے کئی صدیاں ہوئیں تعمیر نو کے چکر میں مسمار کر دیئے گئے تھے دونوں کی تعمیر میں نصف صدی کا فاصلہ بھی محل نظر رہے۔ ہماری درخواست ہے کہ قاری سوائے دونوں شہ پاروں کے درمیان کچھ مماثلت کے یہ نہ سمجھے کہ مسجد نبوی شریف پر بننے والے مینارے ہو بہو ایسے ہی تھے دونوں میں اگر کچھ تعلق ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک خلافت راشدہ کی یادگار ہے اور دوسرا ایک جلیل القدر تابعی نے پہلی بار مسجد مصطفوی پر بنوانے کا اہتمام کیا تھا دونوں کی بلندی اور رقبہ وغیرہ میں ایک جیسی نہ ہونے کی تفصیل اس بات سے ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مینارہ بنوایا تھا وہ عالم اسلام کی کسی مسجد میں پہلا مینارہ تھا بلکہ یہ کہ خلافت راشدہ میں سیدنا عمر فاروقؓ بھی اس سے پہلے ایک بلند و بالا مینارہ نور تعمیر کروا چکے تھے جسے اس قسم کے فن تعمیر میں اسلام میں اولیت حاصل ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے تعمیر کردہ مینارے کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی نصف صدی ہجری میں بلاد العرب میں اس کی بہت سی مثالیں بن چکی تھیں جس کی نظیر زیاد بن ابیہ کی بنائی ہوئی بصرہ کی مسجد ہے جو کہ ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں بنائی گئی تھی اور یہی ایک اور نظیر مسجد حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کی ہے جو کہ انہوں نے فسطاط (موجودہ قاہرہ کے مضافات میں) میں ۵۳ ہجری میں بنوائی تھی (۲۱۹) ان دونوں مساجد کے کھنڈرات بیسویں صدی کے اوائل میں دریافت ہوئے تھے۔

دومۃ الجندل میں سیدنا حضرت عمرؓ کی مسجد پر بنائے گئے مینار کی ایک تصویر

ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مسمار کر کے ان کا رقبہ مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا تھا مسمار کرنے کے بعد نہ صرف ان کے ملبہ بلکہ پوری مسجد مصطفوی شریف کے ملبہ کو پامال نہیں ہونے دیا گیا بلکہ اسے بڑے احترام سے اٹھوا کر حرہ غربیہ لے جایا گیا جہاں انہوں نے اس سے اپنے مکان کی تعمیر کروائی اور جو ملبہ حجرات مطہرہ سے حاصل ہوا تھا اس سے انہوں نے اپنے مکان پر چھتیں ڈلوائی تھی اور ابن نجار کے بیان کے مطابق وہ مکان زیارت گاہ خاص و عام تھا اور ان کے دور تک (یعنی چھٹی صدی ہجری تک) صحیح حالت میں تھا سوائے اس کے کہ اس کی دیواروں پر باقاعدہ سفیدی ہوا کرتی تھی (۲۲۰)

فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد مصطفوی میں دو نئی چیزوں کا اضافہ کیا تھا ایک تو محراب قبلہ تھی جو کہ دیوار کو منحنی اور محدب کر کے بنائی گئی تھی اور دوسری مینارہ جات کی تعمیر تھی. جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے مینارہ کی نظیر تو خلافت راشدہ کے دور سے ملتی تھی مگر قبلہ کی محراب کا پہلی بار کسی مسجد میں اضافہ ہوا تھا مگر یہ دونوں چیزیں مسجد نبوی شریف میں ہونے کی وجہ سے اتنی شہرت پا گئیں کہ چار دانگ عالم میں مساجد کے فن تعمیر کا جزو لاینفک بن چکی ہیں. آج جب ہم اسلامی فن تعمیر کی بات کرتے ہیں تو اس کا ذکر مینارہ و محراب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو درحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یاد تازہ کرتی ہیں. اس کے بعد تقریباً پانچ صدیوں تک یہی طرز تعمیر مساجد کے لیے مشعل راہ رہا. اس کے بعد اس میں ایک اور اضافہ ہوا جو کہ گنبد شریف کا ہے جو کہ عباسی فن تعمیر کی نشانی ہے. قبہ جات (گنبد) سب سے پہلے مزارات پر بنائے گئے مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ اتنے مقبول ہوئے کہ تمام عالم اسلام میں مساجد کا طرہ امتیاز بن گئے. آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ گنبد (عربی جنبذہ۔ جمع جنابذ) محلات میں دوسری صدی ہجری میں بننے شروع ہو گئے تھے، مگر مساجد میں ان کا رواج اس وقت ہوا جب کہ روضہ خیر الانام ﷺ پر پہلا گنبد تعمیر ہوا اور پھر اس کے بعد سے مساجد میں محرابوں میناروں اور گنبدوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے.

ابتدائی عباسی دور میں مسجد شریف کی توسیع اور دیکھ بھال

عباسی عہد کے شروع میں خلیفہ جعفر المنصور کے دنوں میں جب حسن بن زید ابن الحسن بن علیؓ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا تو مسجد شریف میں کچھ ترامیم اور مرمت کروائی گئیں. بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن ابن زید نے مسجد شریف میں ایک نیا دروازہ بنوانے کا حکم دیا تھا جسے باب زید کہا جاتا تھا. دیواروں کے کچھ حصے شکست و ریخت کا شکار ہو چکے تھے. لہذا اس نے حکم دیا کہ ان متاثرہ حصوں کو نئے سرے سے بنا دیا جائے. صحن مسجد میں نمازیوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے پردوں کا انتظام کیا گیا. اس نے ۱۵۱ ہجری (۷۶۷ء) میں مسجد میں پرانا سنگ مرمر کا فرش اکھڑوا کر نیا مرمریں فرش لگوایا اور منبر رسول مقبول ﷺ کے نیچے مرمر کا ایک مرتفع چبوترہ بنا کر نصب کیا جو کہ بعد میں حوض الکوثر کے نام سے جانا جانے لگا تھا جیسا کہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے. تاہم ان چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ مسجد شریف میں توسیع کا کوئی کام نہ ہوا.

سمہودی نے بیان کیا ہے کہ یہ ابوالعباس السفاح تھا جس نے سب سے پہلے عباسیوں میں سے مسجد کی توسیع اور تزئین کا حکم ۱۳۲ ہجری میں جاری کیا، مگر چونکہ وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا اس لیے اس حکمنامے پر عمل درآمد نہ ہو سکا. (۲۲۱) البتہ حافظ ابن نجار کے مطابق یہ ابوالعباس نہیں بلکہ ابوجعفر المنصور تھا جس نے عباسیوں میں سب سے پہلے مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ بنایا. اس کی خواہش تھی کہ مسجد شریف کو شرقی جانب اس حد تک وسعت دے دی جائے کہ موضع الجنائز اور دار عثمان بن عفانؓ بھی اس میں شامل ہو جائیں اور روضہ رسول مقبول ﷺ مسجد شریف کے اندر درمیان میں آ جائے. (۲۲۲) جب مہدی عباسی سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مسجد بہت حد تک نمازیوں کے لیے ناکافی ہو چکی تھی اور یہ مسئلہ خصوصی طور پر حج کے موسم میں شدت اختیار کر جاتا تھا. لہذا اس نے مسجد شریف کی توسیع کا حکم دیا. ان دنوں جعفر بن سلیمان بن علی مدینہ طیبہ کا گورنر تھا جس نے ۱۶۲ ہجری (۷۷۸ء) میں کام شروع کروا دیا. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پوتے عبداللہ بن عاصم بن عمر اور عبدالملک بن شبیب الغسانی کو نگران مقرر کیا گیا. (۲۲۳) مسجد شریف کو صرف شمالی جانب وسعت دی جا سکی جو کہ ۱۰۰ ذرع تھی، یعنی اب اس کا طول ۳۰۰ ذرع بن گیا. شرقی اور غربی جانب کوئی توسیع نہ ہونے کے سبب مسجد کی چوڑائی پہلے کی طرح ۲۰۰ ذرع رہی، البتہ مسجد کے ارتفاع میں ۲ ذرع کا اضافہ ہوا. (۲۲۴)

چونکہ ایسی شکایات موصول ہوئی تھیں کہ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس کا سد باب کرنے کے لیے باور کیا جاتا ہے کہ مسجد شریف کا فرش کافی حد تک بلند کر دیا گیا ہو اور شائد یہی وجہ تھی کہ چھت دو ذرع (ایک میٹر) تک مزید بلند کر دی گئی تھی.

مہدی نے وہ مقصورہ جو کہ محراب عثمانی پر حفاظتی اقدامات کے طور پر بنوایا گیا تھا مسمار کروا دیا اور وہاں کا فرش نیچا کر کے باقی مسجد کے صحن کے برابر کروا دیا. پہلے تو اس نے خوخہ آل عمر بھی بند کروا دیا تھا مگر جب بہت زیادہ احتجاج ہوا تو اس نے انہیں خوخہ کی جگہ سرنگ (سرداب) بنوا کر دی جس سے وہاں کے مقیمین آسانی سے حجرہ مطہرہ تک آ جا سکتے تھے.

مہدی کی کروائی ہوئی توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کے کل ۲۴ دروازے ہو گئے تھے جن میں سے ۸ شرقی جانب، ۸ غربی جانب، ۴ شمالی طرف اور ۴ جنوبی دیوار میں جانب قبلہ تھے. وہ دروازہ جو کہ ماضی میں باب مروان کہلاتا تھا اب صرف بڑی شخصیتوں کے لیے مختص کر دیا گیا. ایک دروازہ جو کہ محراب عثمانی کے دائیں جانب تھا بیت القندیل کی طرف جاتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کی دیوار قبلہ کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا جہاں روشنی کے لیے قندیلیں سٹور کی جاتی تھیں. (۲۲۵) میناروں کی تعداد پہلے کی طرح تین ہی رہنے دی گئی. ابن نجار کے مطابق میناروں کی بلندی ۵۵ ذرع تھی اور سطح ارض کے قریب ان کا رقبہ بھی ۸×۸ ذرع ہی رہنے دیا گیا تھا جیسا کہ بنو امیہ کے دور میں تھا. (۲۲۶) ابن زبالہ جو کہ مہدی عباسی کے ہم عصر تھے اور جن کے سامنے مسجد شریف کی توسیع اور ترمیم ہوئی تھی نے بیان کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں دیوار قبلہ میں ۱۱ روشن دان (محراب دار) ہوا کرتے تھے اور اتنے ہی روشن دان شمالی جانب کی عقبی دیوار میں بھی تھے جبکہ شرقی اور غربی دیواروں میں ہر جانب ۱۹ روشن دان تھے. ان تمام روشن دانوں میں لکڑی کی جالیاں لگائی گئی تھیں.

توسیع کے لیے شمالی جانب جو خالی اراضی یا مکانات تھے وہ بحق سرکار خرید لیے گئے تھے جن میں مندرجہ ذیل گھر آئے تھے: دار عبدالرحمن بن عوفؓ (جسے دار ملیکہ کہا جاتا تھا)، دار شرحبیل بن حسنہؓ، دار مسور بن مخرمہ الزہری و حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مکان کا باقیماندہ حصہ جو کہ پچھلی توسیع سے بچ گیا تھا جسے دار القراءۃ کہا جاتا تھا. (۲۲۷) تعمیر کا کام ۱۶۲ ہجری میں شروع ہوا اور ۱۶۵ ہجری میں اختتام پذیر ہوا. صحن مسجد میں ۶۴ مقامات پر مختلف مقامات پر بارش کے پانی کے نکاس کے لیے چھوٹے چھوٹے پی ٹریپ طرز کے مخرج گاڑ دیئے گئے جن سے پانی پتھر کی نالیوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا. پینے کے پانی کے لیے سقایہ جات نصب کیے گئے تھے. (۲۲۸)

دیگر عباسی خلفاء کے ادوار میں مسجد شریف کی مرمت اور دیکھ بھال

ہارون الرشید کے دور میں ۱۷۳ ہجری میں جب مسجد شریف کی عمارتی پوزیشن [illegible] پختہ میں استعمال شدہ دستر کے لگ بھگ تختیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں یا کسی جگہ سے دب چکی تھیں اور کئی مقامات پر بارش کا پانی رسنے سے نشانات بھی پڑ گئے تھے۔ لہذا فوراً کارروائی کی گئی اور متاثرہ تختیوں کو تبدیل کیا گیا اور جہاں کہیں بھی پانی کے رسنے کے آثار پائے گئے وہاں مرمت کروائی گئی۔ (۲۲۹) کام کے دوران پانی کو مسجد شریف کے اندر جانے سے روکنے کے لیے پتھر یلی بارہ کاری کی گئی تمام کام کرنے والے ماہرین نے کیا۔ ہارون الرشید کے بعد کچھ کام مامون الرشید کے دور میں ۲۰۲ ہجری (۸۱۷ء) میں بھی ہوا۔ (۲۳۰) پھر اس کے بعد ۲۴۶ ہجری میں خلیفہ متوکل علی اللہ کے دور میں بھی تجدید اور مرمت کا کام کروایا گیا اور اسی طرح ۲۶۴ ہجری میں متوکل علی اللہ نے دوبارہ مرمت کا کام کروایا۔ اس نے مسجد شریف کے فرش پر سنگ مرمر کی دبیز سلیں لگوا کر اس کا فرش بہت اونچا کروا دیا۔ ۲۸۲ ہجری میں المعتضد باللہ نے شرقی جانب چھت مرمت کا کام کروایا۔ پھر آنے والی تین صدیوں میں زیادہ کام نہیں ہوا۔ اس کے بعد ۵۴۸ ہجری میں المقتفی باللہ کے دور میں جب نور الدین زنگی اور ان کے وزیر جمال الدین اصفہانی نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو حجرہ مطہرہ کی حفاظت کے لیے پناہ شہ کے گرد سیسہ پانی ہوئی دیوار زیر زمین کروائی اور پناہ شہ پر خوبصورت سنگ مرمر کی ٹائلیں لگوا دی گئیں۔ ۵۷۶ ہجری میں جب ناصر الدین اللہ کا دور آیا تو اس نے مسجد شریف کے احاطے کے مشرق میں ایک گنبد تعمیر کروایا جہاں قیمتی تحائف، آثار نبویہ اور مصحف شریف کے چند نہایت ہی قدیم اور نادر نسخے محفوظ کیے گئے جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا۔ (۲۳۱) عباس کرار کے مطابق بہت سی اشیاء کو جو کہ سید الاولین والآخرین رحمت اللعالمین ﷺ کے زیر استعمال رہی تھیں آثار نبویہ و متبرکات کے طور پر وہیں رکھ دیا گیا تھا مثلاً ردائے مبارکہ و چند دیگر کپڑے اور اشیاء جو کہ بعد میں ام المومنین سیدۃ عائشہ کی تحویل میں تھے جن سے بیماروں کا علاج کر دیا کرتی تھیں سب اسی قبہ شریف میں محفوظ کیے گئے تھے۔ ان میں پانچ آثار مبارکہ صحابہ کرام اور افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھی تھے اور ایک غلاف کعبہ بھی تھا۔ (۲۳۲) شمال مشرقی جانب کی دیوار کا کچھ حصہ جو کہ باب النساء (مقابل دار اسماء بنت الحسین بن عبداللہ بن عباسؓ) بھی دوبارہ بنوایا گیا اس کے علاوہ عباسی دور میں مزید کوئی توسیع نہ ہوئی

جہاں تک مہدی عباسی کی توسیع کے بعد مسجد شریف کے کل رقبے کا تعلق ہے ابن نجار (جس نے اس کی چاروں اطراف سے ایک رسی لے کر پیمائش کی تھی) رقمطراز ہیں کہ جانب قبلہ سے (صحن مسجد سے) شمالی جانب مسجد شریف کی لمبائی ۱۵۴ ذرع اور چوڑائی ۱۲۴ ذرع تھی جب کہ مشرق سے مغرب تک اس کی چوڑائی ۱۷۰ ذرع تھی اور سطح ارضی سے مسجد کا ارتفاع ۲۵ ذرع تھا۔ (۲۳۳)

مشہور اسلامی سیاح ابن جبیر نے (جس نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی) ہمارے لیے اپنے سفرنامے میں بہت ہی بیش قیمت معلومات چھوڑی ہیں۔ دیگر باتوں کے علاوہ وہ لکھتے ہیں کہ "مسجد شریف مستطیل شکل میں ہے اور اس کے صحن کے چاروں طرف برآمدے ہیں۔ صحن کے فرش پر ریت اور سنگریزے ڈالے گئے ہیں۔ جنوبی جانب پانچ روشیں ہیں جو شرقاً غرباً ہیں اور اسی طرح شمالی جانب بھی پانچ روشیں ہیں جو اسی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ شرقی جانب صرف تین روشیں ہیں جبکہ غربی جانب چار ہیں۔ قبلہ کی جانب مسجد کی چوڑائی ۲۴ ذرع ہے اور شرقی جانب ۳۰ ذرع اور شرقی کونے سے لے کر شمالی جانب ۳۵ ذرع کا فاصلہ ہے اور شمالی کونے سے غربی جانب ۳۹ ذرع ہے اور پھر مغربی کونے سے جنوبی جانب ۲۴ ذرع طویل ہے۔" دیگر تفصیل کے علاوہ وہ بیان کرتا ہے کہ مسجد شریف کے کل ۱۹ دروازے ہیں جن میں سے صرف ۴ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جو کہ مغرب میں دو یعنی باب الرحمہ اور باب خاشعہ (شاید اس کی مراد باب السلام سے ہے جسے اس وقت باب خاشعہ کہا جاتا ہوگا) اور دوسرے دو دروازے شرقی جانب تھے جو کہ باب جبریل اور باب رحاء تھے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ باب

جبریل کے سامنے دار عثمان بن عفانؓ ہے جہاں ان کی شہادت ہوئی تھی اور مقصورہ شریفہ کی شرقی جانب جمال الدین الموصلی (الاصفہانی) کا مزار ہے۔(۲۳۴)

مسجد نبوی شریف میں خوفناک آتش زدگی

مسجد نبوی شریف میں رمضان ۶۵۴ ہجری میں اچانک آگ لگ گئی جس سے اس کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ اس سے چند ماہ پہلے خوفناک زلزلوں اور آتش فشانی نے مدینہ طیبہ کے مشرقی جانب بہت تباہی مچائی تھی۔ وہ ابھی اس آفت ناگہانی کی تباہ کاریاں نہیں بھولے تھے۔ اچانک آگ نے مسجد مسطوی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مسجد کی دیکھ بھال کے لیے ابی بکر بن احمد نامی ایک خادم متعین تھا (۲۳۵) جس کے فرائض میں رات کے وقت مسجد شریف میں قندیلیں روشن کرنا بھی شامل تھا۔ مسجد کے شمال مغربی کونے میں سٹور تھا جہاں موم بتیاں اور قندیلیں رکھی جاتی تھیں۔ رمضان کی ایک رات وہ سٹور میں ایک جلتی ہوئی موم بتی لے کر گیا تاکہ کچھ اور موم بتیاں لا کر مسجد شریف کے مینار روشن کر سکے۔ بدقسمتی سے اس نے جلتی ہوئی شمع ایک ایسی جگہ رکھ دی جہاں بہت سی قندیلیں پڑی تھیں۔ اس کی تھوڑی سی غفلت سے وہ قندیلیں جل اٹھیں اور شعلے بھڑکنے لگ گئے۔ بسیار کوشش کے باوجود اس سے آگ نہ بجھ سکی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے گردوپیش کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لوگ افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے مگر آگ کی شدت تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس بھگدڑ میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ کچھ تو آگ کے شعلوں کی نذر ہو گئے اور کچھ پاؤں تلے آ کر روندے گئے۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور ہر طرف سیاہ دھوئیں کے بادل پھیل کر رات کی تاریکی میں بھیانک اضافہ کر رہے تھے۔ حکومتی مشینری اور ہر کس و ناکس آگ بجھانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا مگر اس آفت ناگہانی کے سامنے سب بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔(۲۳۶)

آگ کے شعلوں نے تمام مسجد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا چھتوں اور روشن دانوں میں چونکہ شیشم اور دیگر قسم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور در و دیوار سے آگ کے شعلے پھٹنے لگے۔ بالآخر جب اس پر قابو پایا گیا تو اس وقت تک بہت سا پانی سر سے گزر چکا تھا اور مسجد نبوی شریف کا بہت سا حصہ راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ ہر قیمتی تنصیب تباہ ہو چکی تھی۔ ہر طرف لوگ آہ و بکاء کر رہے تھے۔ قطب القسطلانی کے الفاظ میں مسجد شریف میں جو کچھ بھی اس وقت موجود تھا مثلاً منبر شریف، دروازے، خزائن، کھڑکیاں، مقصورہ جات اور کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں اور حجرہ مطہرہ کا غلاف جس میں 11 پردے تھے، سب کے سب جل کر خاکستر ہو چکے تھے۔ (۲۳۷) صرف وہ چند نایاب چیزیں اور تبرکات (جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا) اس آگ سے معجزانہ طور پر محفوظ رہ سکے تھے جو کہ صحن مسجد میں واقع قبہ میں صندوقوں میں حفاظت سے رکھے گئے تھے جیسا کہ المطری نے کہا ہے یہ سب مصحف عثمانی کی برکتوں کا اثر تھا کہ یہ قبہ آگ سے محفوظ رہا تھا۔

یوں وہ سارا اثاثہ جو کہ مسجد نبوی شریف میں پچھلی چھ صدیوں سے جمع ہوتا رہا تھا پلک جھپکنے میں خاکستر ہو گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بنو امیہ اور بنو عباس کی شاہکار تراث، علم و فن کے موتی، نادر قلمی نسخے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ متاع کارواں مسند اور منبر شریف جہاں سرکار دو عالم ﷺ تشریف رکھا کرتے تھے، سب کچھ جل گیا تھا۔ خطاطی اور نقاشی کے وہ نادر شاہ پارے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں بنائے

کے تھے اور جن کو عباسی دور نے مزید بلاغت بخشی تھی وہ سب کے سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ [illegible] نگار اور خوبصورت تصاویر جو کہ جنت کی عکاسی کرتی تھیں سب تباہ ہو گئیں اس جانکاہ حادثے نے امت [illegible] سے محروم کر دیا تھا۔

یہ المناک حادثہ معتصم باللہ- آخری عباسی خلیفہ- کے دور میں رونما ہوا فوری طور پر قاصد بغداد روانہ کیے گئے تاکہ خلیفہ کو اس جانکاہ حادثہ سے مطلع کیا جائے اور وہ مسجد شریف کی تعمیر نو اور بحالی کے لیے فوری اقدام کرے۔ خلیفہ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کے احکامات جاری کر دیئے اور چھت تعمیر کا سامان بھی ارسال کیا مگر اس کی قسمت میں، حالی مسجد شریف کی سعادت نہ تھی۔ سقوط بغداد سے پہلے معتصم باللہ صرف چند معماروں اور کاریگروں کو (جو کہ چند اونٹوں کے جو کہ سامان، مشینری اور روپے پیسے سے لدے ہوئے تھے) روانہ کر سکا جو کہ اتنے بڑے نقصان کی تلافی کے لیے ناکافی تھے بغداد سے جو تھوڑا بہت سامان پہنچا اس نے مرمت کا کام شروع کر دیا گیا اس سے صرف مقصورہ شریفہ کی چھت ہی بدلی جا سکی تھی جس میں قبور مطہرہ ہیں، یا پھر اس کے علاوہ چھ عارضی نوعیت کے کام کروائے گئے تاکہ مسجد شریف میں نمازیوں کو عبادت کرنے میں دقت نہ ہو۔ ادھر مسجد مصطفوی پر اختتام آیا اور ادھر تاتاریوں نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا۔ مسجد نبوی شریف میں اموی اور عباسی یادداشتیں کیا گئیں خلافت کا سنہرہ دور لد گیا اور پوری امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ تو اللہ رب العزت کا کرم رہا کہ تاتاریوں کے قدم صرف بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رک گئے اور حجاز ان کی چیرہ دستیوں سے بچ گیا۔ اس سیاسی زلزلے کے نتیجے میں اسلامی ریاستوں میں بے یقینی کی سی کیفیت ہو گئی اور سر دست کوئی بھی آگے بڑھ کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کے لیے وسائل اکٹھے نہ کر سکا اور یوں مرمت اور تعمیر نو کا کام تقریباً ایک سال تک رکا رہا۔ مصر کے شاہ نور الدین ایبک الصالحی نے لکڑی کے تختے اور کچھ سامان ارسال کیا۔ تاہم ایک سال بعد، یعنی ۶۵۵ ہجری میں، جب حالات کچھ معمول پر آنے لگے تو شاہ یمن ملک المظفر سلطان المنصور عمر بن رسول نے تعمیر نو کا حکم دیا اور اس نے اس کام کے لیے کافی وسائل بھی مہیا کیے اور ایک نیا منبر بھی بنوا کر ارسال کیا۔ اس کے ساتھ ہی چند دیگر صوبوں کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے آگے بڑھ کر اس کام کو مکمل کروانے کے بیڑہ اٹھایا اور یوں کام پوری دلجمعی، سرعت اور تندہی سے شروع ہو گیا۔ اسی اثناء میں شاہ ظاہر بیبارس الصالحی البندقداری نے مملوک حکومت کی عنان اپنے ہاتھوں میں لی اور اس نے دل کھول کر اس کام کے لیے وسائل مہیا کیے۔ یوں مصر سے مادی وسائل اور تجربہ کار کاریگر مدینہ طیبہ پہنچنے لگ گئے۔ (۲۳۸) اس طرح زیادہ تر کام بیبارس کے دور میں مکمل ہوا۔ اس نے دوہری چھت تعمیر کرنے کا اہتمام کیا جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کروایا تھا۔ (۲۳۹) دو سالوں میں کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

۶۶۶ ہجری میں شاہ بیبارس نے مسجد نبوی شریف کے لیے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا۔ (۲۴۰) اس نے حجرہ مطہرہ کے گرد مقصورہ نئے سرے سے تعمیر کروایا اور اسے شمال کی جانب بڑھا دیا۔ شاہ بیبارس کی وفات پر مملوک خاندان سے یکے بعد دیگرے کئی جانشین آئے اور سب نے مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ طوغان الشیخ نے ۶۸۰ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں ایک نئی محراب تعمیر کروائی۔ یہ مملوک سلاطین ہی تھے جن میں سے ایک (سلطان المنصور سیف الدین قلاوون الالفی الصالحی) نے ۶۷۸ ہجری (۱۲۷۹ء) میں حجرہ مطہرہ پر پہلی بار گنبد تعمیر کروایا۔ (۲۴۱) اس کے دور میں صحن مسجد کی شرقی اور غربی جانب روشوں پر چھتیں بھی دوبارہ ڈلوائی گئیں۔ اس کے بعد بھی آنے والے مملوک سلاطین نے بوقت ضرورت مسجد شریف کی پوری دیکھ بھال کا بندوبست جاری رکھا۔ ۷۶۵ ہجری میں سلطان شعبان بن حسین بن الناصر محمد بن قلاوون نے حجرہ مطہرہ پر گنبد کی بڑے پیمانے پر مرمت کروائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدمت مسجد مصطفوی میں ان میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا۔ ۸۳۱ ہجری میں قبلہ اور عقبی جانب کی روشوں پر چھتوں کی تجدید کی گئی۔ ۸۵۳ ہجری میں مسجد شریف کی چھت (خاص طور پر روضۃ الجنہ پر) میں کچھ شکست و ریخت کے آثار پائے گئے لہذا ملک الظاہر جقمق نے فوری مرمت اور تجدید کروا دی۔ اسی طرح ۸۷۹ ہجری میں سلطان قیتبائی کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں، خواجہ شمس الدین بن الزمان کی سفارشات پر چند

ستونوں اور شمال مشرقی مینارے (جس کو سنجریہ کہا جاتا تھا) کے قریب چھت کی مرمت کروائی (۲۴۲) سلطان قیتبائی نے وسیع پیمانے پر مرمت کا حکم دیا اور یہ تمام کام ۸۸۰ ہجری میں مکمل ہوگیا.

مسجد نبوی شریف میں دوبارہ آگ کا حادثہ

پہلے آتشیں حادثے کو بمشکل ابھی تین صدیاں ہی گزری ہوں گی کہ اسلام کا یہ مقدس ترین بقعہ نور ایک بار پھر آگ کی لپیٹ میں آگیا اس بار آگ کی وجہ انسانی فروگزاشت نہ تھی بلکہ یہ ایک قدرتی آفت کی صورت میں بلائے ناگہانی کے طور پر نازل ہوئی تھی. ۱۳ رمضان ۸۸۶ ہجری کی شام شمس الدین بن الخطیب موذن اعلیٰ مسجد نبوی شریف اذان دینے کی غرض سے مینارہ رئیسیہ (مؤذنہ) پر گئے. رات کے وقت ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اور اس رات مدینہ طیبہ پر بلا کا طوفان باد و باراں تھا. یکا یک ان پر آسمانی بجلی گر گئی. بجلی کا گرنا تھا کہ مینارہ رئیسیہ گنبد شریف کی جانب چھت پر آرہا جس سے مسجد شریف کا اس طرف کا حصہ شہید ہوگیا. موذن بھی موقع پر ہی ہلاک ہوگئے اور مسجد میں آگ بھڑک اٹھی. لوگ افراتفری میں مسجد کی طرف دوڑے اور آگ بجھانے کے لیے چھت پر چڑھنے لگے. ہر طرف آفت کا سماں تھا اور لوگ چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے. اس بھگدڑ میں دس آدمیوں کی جانیں ضائع ہوگئیں اور بیشمار لوگ زخمی ہوئے. مسجد شریف کا شرقی حصہ بری طرح اس آگ سے متاثر ہوا محراب، منبر اور شرقی جانب کے بہت سے دروازے آگ کی نذر ہوگئے. حجرہ مطہرہ کی چھت کو بھی شدید نقصان پہنچا اور اس کے جلے ہوئے کچھ حصے حجرہ مطہرہ کے اندر تک گر گئے. حجرہ مطہرہ کے اردگرد لکڑی کی جالی بھی جل کا خاکستر ہوگئی. اس کے نتیجے میں حجرہ مطہرہ پر کافی وسیع بنیادوں پر کام کروانا پڑا جس کی تفصیلات متعلقہ باب میں دی گئی ہیں.

اس جانکاہ خبر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی انتظامیہ نے فوری طور پر قاصد مصر روانہ کر دیئے. سلطان اشرف قیتبائی نے فوری اقدامات کرنے کے احکامات جاری کئے اور ساتھ ہی ایک سو سے زیادہ کاریگر جن میں تجربہ کار معمار، سنگ تراش، آہن گر اور ترکھان وغیرہ سب شامل تھے، سمندر کے راستے اور باربردار جانوروں اور اونٹوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ ارسال کئے جو اپنے ساتھ بہت سا تعمیری سامان اور پہلی قسط کے طور پر ۲۰،۰۰۰ دینار کا زر نقد بھی ساتھ لائے. یوں تھوڑے ہی عرصہ بعد شمس الدین بن الزمان کی زیر نگرانی ربیع الاول ۸۸۷ ہجری میں پوری تندہی سے کام شروع کر دیا گیا. (۲۴۳) چونکہ مشرقی حصہ کی چھت بری طرح متاثر ہوئی تھی، اس لیے سلطان قیتبائی نے مسجد شریف کی تمام چھت نئے سرے سے ڈلوائی. (۲۴۴) سادہ چھت کی بجائے اس نے حکم دیا کہ چھت پر دو گنبد تعمیر کر دیئے جائیں۔ ایک حجرہ مطہرہ پر اور دوسرا محراب عثمانی پر. گنبدوں کی تعمیر کی خاطر مشرق کی جانب مسجد میں ۲،۲۵ ذرع (تقریباً ۱ میٹر ۱۰ سنٹی میٹر) کا اضافہ ناگزیر ہوگیا. دونوں محرابوں پر سنگ مرمر لگایا گیا جن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے.

تعمیر نو کا کام رمضان ۱۱۸۸ ہجری (۱۴۸۳ء) میں پایہ تکمیل و پہنچا مسجد نبوی شریف ... [illegible] ... کی تعمیر نو سے وہ قدیم مدرسہ بھی جو کہ باب السلام اور باب الرحمہ کے درمیانی علاقے میں مسجد شریف سے باہر واقع تھا جو محسن حقیق کے نام سے مشہور تھا نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور اس میں پتھر کا بھی اہتمام کیا گیا اس کا نیا نام سلطان اشرف قیتبائی کے نام پر مدرسہ اشرفیہ قرار پایا جو اپنی بے پناہ علمی خدمات کی بنا پر مدینہ طیبہ کا سب سے بہترین تعلیمی ادارہ بن گیا عثمانی دور حکومت میں ترکوں نے اس کی تعمیر نو کی اور چونکہ یہ کام سلطان محمود کے دور میں ہوا تھا اس لیے یہ مدرسہ بھی مدرسہ محمودیہ کے نام سے جانا جانے لگا سلطان قیتبائی نے حجرہ مطہرہ (یعنی کاشانہ سرکار دو عالم ﷺ) پر بھی بہت سا کام کروایا جس کی تفصیلات اس کے متعلقہ باب میں دی گئی ہیں اگرچہ سلطان قیتبائی نے مسجد شریف کے رقبے میں کوئی اضافہ نہیں کیا لیکن انہوں نے مسجد شریف کے اندر مسقف (چھتے ہوئے) رقبے میں اضافہ ضرور کیا ستونوں کی تعداد جو پہلے ۲۹۰ تھی وہ اب بڑھ کر ۳۰۵ ہوگئی تھی سلطان قیتبائی کی تعمیر نو پر ۱۲۰،۰۰۰ دینار خرچ ہوئے تھے۔

عثمانی دور حکومت میں مسجد مصطفوی کی تعمیر نو اور توسیع

۹۲۳ ہجری میں عثمانیوں نے مملوک خاندان سے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی حجاز کے گورنر نے قاہرہ میں سلطان کے دربار میں حاضر ہو کر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی چابیاں پیش کر کے حجاز پر ترکوں کی عملداری کو خوشی سے قبول کر لیا مگر ترک سلطان نے ملک حجاز کہلانے کی بجائے اپنے لیے 'خادم الحرمین الشریفین' کے لقب کو پسند کیا جس سے حرمین الشریفین سے اس کی عقیدت اور احترام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کے دور میں ترکوں نے مدینہ طیبہ پر خصوصی توجہ دی اور صحیح معنوں میں اسے عروس البلاد بنا دیا۔ مسجد نبوی شریف خاص طور پر ان کی توجہ کا مرکز رہی۔

اس وقت چونکہ سلطان قیتبائی کی بنوائی ہوئی مسجد نبوی شریف شاندار حالت میں تھی، ترکوں نے اس کو ویسا ہی رہنے دیا۔ البتہ جب کبھی بھی ضرورت پیش آتی وہ اپنے مصری نائبین کو فرمان ارسال کر دیتے اور وہ حسب سابق ضروری مرمت یا ترمیم کرواتے رہے اور یوں قدیم عمارت تقریباً تین صدیوں تک نور اسلام کی ضیاء باری کرتی رہی۔ عثمانی دور میں پہلی بار مرمت کا کام سلطان سلیمان القانونی کے دور میں ہوا جس نے باب الرحمہ اور شمال مشرقی مینارے کی تعمیر نو مصری گورنر کے ذریعے کروائی۔ (۲۴۵) محمد خضر اروی (جو کہ دسویں صدی ہجری کے ایک وقائع نگار تھے) نے سلطان سلیمان قانونی کے کروائے ہوئے کاموں کی تفصیلات مرتب کی تھیں۔ سلطان سلیمان نے طوغان الشیخ کی بنائی ہوئی اضافی محراب کو جو کہ منبر رسول مقبول ﷺ اور باب السلام کے درمیان واقع ہے ۹۴۸ ہجری میں از سر نو تعمیر کروایا اور اسی نسبت سے یہ محراب آج بھی محراب سلیمانی کہلاتی ہے۔ مسجد شریف کی غربی دیوار جو کہ خاصی بوسیدہ ہو چکی تھی نئے سرے سے تعمیر کروائی گئی اور ساتھ ہی ریاض الجنۃ میں سنگ مرمر کا نیا فرش ڈلوا دیا گیا۔ اس نے مقصورہ شریف کی چھت بھی مرمت کروائی اور اس کے گنبد میں جو سیسے کی پلیٹیں لگی ہوئی تھیں ان کو نئی پلیٹوں سے بدل دیا۔ صحن مسجد میں واقع قبہ (گنبد) جو کہ عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ۵۶۷ ہجری میں بنوایا تھا بھی نئے سرے سے تعمیر کروایا گیا۔ اپنے ۲۳ سالہ دور حکومت میں سلیمان الفاتح نے مسجد شریف میں بہت سے کام کروائے، مثلاً باب السلام کی مرمت (۹۴۰ ہجری)، باب الرحمہ کی مرمت (۹۴۷ ہجری) وغیرہ۔ شمال مشرقی مینارے (جو کہ مینارہ سنجاریہ کہلاتا تھا) میں شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہونے لگ گئے تھے۔ اسے گرا کر اس کی جگہ ایک نیا مینارہ تعمیر کروایا گیا جو مینارہ سلیمانیہ کہلانے لگ گیا ابتداء میں تمام تر اخراجات مصری خزانے سے آتے تھے، مگر سلطان سلیمان فاتح نے تمام اخراجات اپنی جانب سے کرنے شروع کر دیئے۔ مرمت یا تعمیر نو کے لیے جب بھی ضرورت ہوتی تو مواد بمع معماروں اور سنگ تراش وغیرہ سب اونٹوں پر آستانہ (استنبول) سے آیا کرتے تھے۔ مسجد نبوی شریف میں ان کی

دیگر خدمات کے علاوہ محراب سلیمانی کی تعمیر تھی جو آج بھی اپنی جگہ سلامت ہے اور اپنے بنانے والے کے نام کی وجہ سے مشہور و معروف جاریہ ہے. اسے محراب حنفیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں حنفی فقہ کے امام نماز پڑھایا کرتے تھے. محراب کی پشت پر لگی تختی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر ۱۷ محرم الحرام ۹۴۸ ہجری (مئی ۱۵۴۱ء) کو شروع ہوئی تھی ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین سلطان سلیم دوم نے بقیہ کام مکمل کروائے جن میں محراب سلیمانی میں سنگ مرمر کے نقش و نگار والے حصے جڑے گئے تھے

ابتدائی عثمانی دور میں بوقت ضرورت مرمت یا تعمیر نو کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی قابل ذکر کام نہیں کروایا گیا. ۹۸۰ ہجری میں سلطان سلیمان القانونی نے بھی زیادہ تر مرمت ہی کروائی. (۲۴۶) سلطان مراد سوم کے دور میں باب النساء سے مینار و سنجریہ تک کی دیوار نئے سرے سے ڈلوائی گئی اور اس کام کے لیے تمام تر اخراجات اوقاف مسجد نبوی شریف سے حاصل کئے گئے. ایک زلزلے کی وجہ سے مسجد نبوی شریف کی چھت کے کچھ حصے متاثر ہوئے جنہیں ۹۹۷ ہجری میں ٹھیک کروا دیا گیا اور ساتھ ہی مسجد میں نقش و نگار اور خطاطی بھی کروائی گئی اور ستونوں پر سونے کا رنگ چڑھایا گیا.

سلطان مراد کا سب سے زیادہ دیدہ زیب کام ان کا منبر شریف بنوا کر ارسال کرنا ہے جو کہ انہوں نے ۹۹۸ ہجری میں بھیجا اور آج بھی زیر استعمال ہے. قدیم منبر شریف اٹھوا کر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا تھا جہاں وہ بھی آج تک استعمال ہوتا ہے. سلطان مراد چہارم کے دور میں صحن مسجد کے گرد واقع روشوں کی چھتیں نئے سرے سے ڈلوائی گئیں اور ان پر چھوٹے چھوٹے بے شمار گنبد بنوا دیئے گئے تھے. سلطان عبدالمجید اول کے دور میں ۱۹۱ ہجری میں باب السلام سے لے کر شرقی دیوار تک سنگ مرمر کا فرش ڈلوایا گیا اور ستونوں پر دیدہ زیب ٹائلیں لگوائی گئیں.

سلطان سلیم سوم (۱۲۰۳-۱۲۲۲ ہجری) کے دور میں مزید مرمت کروائی گئی. ستونوں پر سلطان عبدالمجید اول نے جو ٹائلیں لگوائی تھی وہ ناپائیدار ثابت ہوئیں. لہذا انہیں اتروا کر سنگ مرمر لگوا دیا گیا. اسی دور میں باب جبریل کی بھی تعمیر نو ہوئی. بعض ستونوں پر ترکی زبان میں نعتیں کندہ کروائی گئیں. سلطان محمود دوم کے دور میں مرمت کا مزید کام ہوا. حجرہ اطہر پر سلطان اشرف قیتبائی کے دور میں بنائے گئے گنبد کو نئے گنبد سے تبدیل کیا گیا اور ۱۲۲۳ ہجری میں پہلی بار اسے سبز رنگ کیا گیا جو کہ آج تک ہو رہا ہے جس کی نسبت سے گنبد شریف کو 'سبز گنبد' یا قبۃ الخضریٰ یا گنبد خضریٰ کہا جاتا ہے. محمد علی پاشا (جو کہ عثمانیوں کی طرف سے مصر کے والی تھے) نے حجرہ الشریفہ کی مرمت میں ذاتی دلچسپی لی. حجرہ مطہرہ کی جانب قبلہ کی دیوار پر آج بھی ہمیں ۱۲۲۸ ہجری کندہ نظر آتی ہے. مقصورہ مطہرہ کی دیواروں پر دیدہ زیب ٹائلیں لگائی گئیں. ابراہیم پاشا (جو کہ عثمانیوں کی طرف سے حجاز کا والی تھا) کو مسجد شریف میں وسیع پیمانے پر مرمت کروانے کا اختیار دیا گیا اور یوں یہ تمام کام نہایت تن دہی سے ۱۲۳۰ ہجری میں پایہ تکمیل تک پہنچا. بدنام زمانہ برطانوی جاسوس جان لڈوگ برکہارٹ (جو کہ دراصل سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا) نے ۱۲۳۰ ہجری (۱۸۱۵ء) میں مدینہ کا سفر کیا. اس نے اپنے سفرنامے میں آنکھوں دیکھا حال قلمبند کیا ہے جن میں سے چند تفصیلات قاری کے استفادے کے لیے ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

- ریاض الجنۃ کے حصے میں واقع ستونوں پر وسط ارتفاع تک سنگ مرمر لگایا گیا تھا جن پر خوبصورت نقش و نگار تھے.
- چھت پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے تھے.
- سوائے دیوار قبلہ کے باقی سب دیواروں پر سفید رنگ کیا گیا تھا. دیوار قبلہ پر سنگ مرمر لگایا گیا تھا اور اسے خوبصورت خطاطی سے مزین کیا گیا تھا.
- قبلہ کی جانب کی روشوں میں سنگ مرمر کا فرش لگایا گیا تھا جب کہ وہ حصے جو کہ مقصورہ شریفہ کے اردگرد تھے وہاں ٹائلیں لگائی گئی تھیں.

قدیمی طرز پر مسجد نبوی شریف کا ترکیچ سا منظر

- خواجہ شیخ پر بہت سی قبریں بنی ہوئی تھیں
- صحن مسجد میں ریت بچھائی گئی تھی اور اس سے ملحق ایک گنبد تھا جس میں مسجد نبوی شریف کے نمونوں تجربات کے طریقے محفوظ تھے
- مسجد شریف کے چار دروازے تھے باب السلام باب الرحمہ باب جبریل اور باب النساء باب السلام پیشانی پر مرمر اور رنگین پتھر لگائے گئے تھے جس پر خوبصورت انداز میں خطاطی کی گئی تھی

مرمت کا یہ کام بھی زیادہ دیر نہ چل سکا اور جلد ہی اس بات کا انکشاف ہوا کہ بعض حصوں کو نئے سرے سے بنانے کی شدید ضرورت تھی مزید برآں نمازیوں کی تعداد میں اضافے کے سبب اس رائے کا کھلے عام اظہار کیا جانے لگا تھا کہ مسجد شریف کو مزید وسعت دینے کا وقت پھر آن پہنچا تھا ابھی منصوبہ صرف خیالوں تک ہی محدود تھے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک حادثہ ہوگیا۔ پرانے گنبد سے ایک لوح سنگ گر کر نمازیوں کے سروں پر آ رہی جو کہ سیدنا عمر بن الخطاب کی قبر اطہر کے سامنے امام کے لیے کھڑے تھے (۲۴۷) اور مسجد شریف کے ایک امام۔ الشیخ محمد الاسکندرانی۔ موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے اس سے پہلے عثمانی حصے میں بھی چھت کا کچھ حصہ گر چکا تھا۔ (۲۴۸) بنا ۱۲۶۵ ہجری میں اس وقت کے گورنر یعنی شیخ الحرم (داؤد پاشا نقریتی) (۲۴۹) نے سلطان عبدالمجید دوم کو درخواست پیش کی کہ مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کی منظوری دی جائے۔ سلطان کے احکام پر دو آدمیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو کہ رمزی آفندی اور ایک انجنیر عثمان آفندی پر مشتمل تھی جس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ مدینہ طیبہ کے اہل الرائے اصحاب سے رابطہ کریں اور ایک قابل عمل توسیعی منصوبہ پیش کریں۔ سلطان عبدالمجید نے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ قدیم مسجد کا ہو بہو ماڈل تیار کر کے لایا جائے جس میں اس کے سارے خدوخال واضح ہوں تاکہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے مسجد شریف کیسی ہوا کرتی تھی اور نئے منصوبے کے تحت تعمیر نو میں استعمال کئے جانے والے مواد از قسم پتھر وغیرہ کے نمونے سلطان کو ارسال کئے جائیں۔ انجنیر آفندی نے پوری تن دہی سے اس کام کو انجام دیا۔ مسجد شریف کے مختلف حصوں کی پیمائش کر کے ۱/۵۳ سکیل پر سنگ مرمر کا ایک ماڈل تیار کیا گیا جو لکڑی کے مضبوط تختوں پر نصب کر کے آستانہ ارسال کر دیا گیا (۲۵۰) سلطان نے اسے مسجد خرقہ شریف میں استنبول میں رکھوا دیا جہاں یہ ماڈل آج بھی محفوظ ہے جس کی تصویر اس کے فنی اور تعمیری خدوخال کو اجاگر کرتی ہے جیسے کہ وہ تعمیر مجیدی سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تعمیر نو کے نقشے اور تفاصیل ارسال کی گئیں۔ ان تفاصیل کی روشنی میں سلطان عبدالمجید دوم نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کا فرمان جاری کیا جب ہم پرانے ماڈل اور نئی تعمیر شدہ مسجد میں موازنہ کرتے ہیں تو ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ باب السلام پر قدیم مینارہ جوں کا توں رہنے دیا گیا تاکہ سلطان محمد بن قلاوون کی تعمیر کی یاد تازہ رہے جو کہ اس کے حکم سے ۷۰۶ ہجری میں کروائی تھی۔

منصوبے پر پورا غور و خوض کرنے اور تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد سلطان نے توسیعی اور تعمیر نو کے منصوبے کی منظوری دے دی شروع میں تو سلطان کا خیال تھا کہ مسجد مصطفوی کو ترکی فن تعمیر کے سانچے میں ڈھال کر ایک بہت ہی عظیم الشان عمارت بنائی جائے جس میں گنبدوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ مگر جب ان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ایسی تعمیر کے لیے ستونوں کو اپنی موجودہ جگہ سے ہٹانا پڑے گا تو انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مسجد نبوی شریف میں تقریباً ہر ستون اپنی تاریخی، اثری اور دینی اہمیت رکھتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا مثلاً اسطوانہ سیدہ عائشہ کی اہمیت اسی مقام پر ہے کیونکہ حضور سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے

فرمان کے مطابق اسرائیلوں کو پتہ چل جائے کہ اس جگہ کا تقدس کیا ہے تو وہ وہاں نماز ادا کرنے کے لیے قریب نکالا کریں گے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ متبرک ستونوں کا معاملہ ہے جن کی تمام تر اہمیت ریاض الجنہ میں خاص مقامات سے منسلک ہے اور انہیں کسی اور جگہ منتقل کرنے سے ان کی تمام اہمیت ختم ہو جاتی امت مسلمہ کی نظر میں ان ستونوں کی اہمیت سے پیش نظر ایسا کرنا ممکن نہ تھا اور سلطان جو کہ انتہائی درجے کے عاشق رسول تھے اس کام کے لیے امت کو ان کی تاریخ اور وراثت سے محروم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لہذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان آثار نبویہ کو ان کی اصلی جگہوں پر ہی رہنے دیا جائے جس سے ان کے تجویز کردہ ڈیزائن پر عمل درآمد ناممکن ہو گیا۔

جنیوی اور مارسیلین انجینیرز نے مدینہ طیبہ کے مختلف پہاڑوں کا معائنہ کیا تاکہ تعمیر میں استعمال ہونے والا پتھر نکالا جا سکے۔ سلطان کی خواہش تھی کہ تمام مواد حدود حرم نبوی شریف سے ہی لیا جائے۔ کئی ہفتوں کے بعد انہوں نے وادی عقیق میں آبار علی کے علاقے کے قریب چند پہاڑ پائے جہاں سے ہر قسم کا نفیس پتھر مل سکتا تھا۔ قدیم مدنی ایک نہایت ہی دلچسپ اور دلوں کو گرما دینے والے واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے (۲۵۱) جب مہندسین رسنیات اور سنگ تراشوں کی ٹیم ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق پتھر کی تلاش میں سرگرداں تھے اور حاصل شدہ پتھروں کا معائنہ کر رہے تھے تو اچانک ایک اعرابی ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ان کا مقصد معائنہ پوچھنے پر ان کو اشارہ کرکے کہنے لگے کہ ان کی دلی مراد فلاں پہاڑی میں پنہاں ہے اور اپنے ہاتھ سے ان کو اشارہ کر کے ان کو اس طرف متوجہ کر دیا۔ جونہی وہ سب اس طرف دیکھنے کے لیے مڑے تو وہ اعرابی چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گئے جیسے کہ وہاں کوئی شخص تھا ہی نہیں۔ جب انہوں نے اس پہاڑ پر جا کر کھدائی کی تو ان کی دلی مراد وہیں سے برآمد ہوئی۔ اس پہاڑ کو اب جبل الحرم کہا جاتا ہے جو کہ ذوالحلیفہ کے پاس ہے

جبل حرمی ایک دور تصویر جس میں کبوتر اڑتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ کبوتریاں یا مسجد نبوی میں رہتے ہیں

جب برآمد ہونے والے نمونے سلطان کو ارسال کیے گئے اور انہیں اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ان پتھروں کو مسجد شریف میں لگانے کی منظوری دے دی۔ یہ پتھر تین چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے نکالا گیا جن کو آج بھی اہل مدینہ جبال الحرم کہتے ہیں جو کہ مسجد نبوی شریف سے دس کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی عقیق میں آبار علی کے علاقے کے نواح میں ذوالحلیفہ کے ایریا میں واقع ہیں ان پہاڑوں میں کھدائی کی خوشی سے ڈالے گئے بڑھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تعمیر کے لیے سنگ تراشوں کو کتنا گہرا کھودنا پڑا ہوگا۔ یہ تینوں پہاڑیاں جبل الحرم الاکبر، جبل الحرم الاوسط اور جبل الحرم الاصغر کہلاتے ہیں ان پہاڑیوں کی چٹانیں سرخ سینڈ سٹون سے بنی ہیں جس کی سطح کو ہموار کر کے جب رگڑا جاتا ہے تو ہو بہو سنگ عقیق کی سی چمک آنے لگ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے جبل احمر بھی کہا جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی شاہراہ جامعات (جسے عرف عام میں غیر مسلموں کی سڑک یا طریق خواجات کہا جاتا ہے) ان پہاڑیوں کے بیچ سے گزرتی ہے۔ ان میں سے دو پہاڑیاں تو مسجد نبوی شریف سے دس کیلومیٹر کے فاصلے پر طریق خواجات سے شہر کی جانب واقع ہیں جب کہ تیسری اس سڑک کے اس پار واقع ہے۔

اس سلسلے میں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس منصوبے پر کام کرنے والے تمام حضرات جن میں انجینیر سے لیکر عامل و مزدور سب شامل تھے وتقی اور پرہیزگار تھے اور سب کے سب حفاظ قرآن کریم تھے۔ ایک پورا سفینہ انجینیر عبدالحکیم آفندی کی سرکردگی میں معماروں، سنگ تراشوں، ترکھانوں، آہن گروں اور دیگر کاریگروں اور مشینری کو لے کر ینبع کی بندرگاہ پر یکم رجب المرجب ۱۲۶۶ ہجری

مصنفات مدینہ منورہ میں
ذہبی عہد کی تصویر جس کے
پیچھے مسجد نبوی کی قدیم
شمالی دیوار ہے

کونگر انداز ہوا تمام کاریگروں کو انہی پہاڑوں کے دامن میں بسایا گیا اور وہیں ایک ورکشاپ تعمیر کی گئی۔ پہاڑوں سے جو پتھر کھودا جاتا اس کو ورکشاپ میں تراشا جاتا اور اس کو مطلوبہ شکل میں ڈھال کر مسجد نبوی شریف روانہ کیا جاتا (۲۵۲) تمام ستون، شہتیر، دروازوں کی چوکھٹیں غرضیکہ جو بھی پتھر کا کام ہوتا انہیں پہاڑیوں سے حاصل کردہ چٹانوں سے تیار کئے جاتے اور ان کو مطلوبہ معیار کے مطابق آخری شکل بھی وہیں دی جاتی تھی چونکہ باربرداری کے لیے جدید گاڑیاں وغیرہ تو بھی معرض وجود میں نہیں آئی تھیں سب سامان اسی گاڑیوں پر لادا جاتا جن و باربرداری کے جانور چار گھنٹوں میں کھینچ کر مسجد نبوی کے ایریا میں لاتے تھے۔ فصیل شہر طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے قریب ایک نیا دروازہ نوید گیا تاکہ تکمیل وتنزیل کے وقت اہل مدینہ طیبہ کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ فصیل میں اس نئے دروازے کو باب المجیدی کہا جاتا تھا

۱۲۶۶ ہجری میں کام پورے زور وشور سے شروع ہوگیا۔ ابتداء میں کام کی نگرانی انجنیر رعیف پاشا نے کی۔ مسجد شریف کو نمازیوں کے لیے ہمہ وقت مہیا کرنے کے لیے اس کے مختلف حصوں کو باری باری مسمار کیا جاتا اور پھر جب اس جگہ پر تعمیر نو ہو جاتی تو اگلا حصہ مسمار کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے جسے مسمار کیا گیا وہ صحن مسجد میں گنبد تھا جہاں بہت سے تبرکات نبوی شریف اور مصاحف قرآنیہ اور مخطوطے محفوظ تھے۔ اس کے بعد شمالی رواق کی چھت کو گرایا گیا اور اسے تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد شرقی جانب سے کام شروع کیا گیا شرقی جانب میں چھ توسیع کی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کے لیے قدیمین شریفین کی جانب جگہ بنائی جاسکے ۱۱ شعبان ۱۲۶۹ ہجری کو رعیف پاشا کی جگہ ایک دوسرے انجنیر بکیہ پاشا نگران مقرر کیا گیا جنہوں نے پوری جانفشانی سے باقی کام کی تکمیل کروائی۔ اس طرح تمام کام مختلف مراحل میں مکمل ہو جو کہ عقبی جانب سے شروع ہو کر جانب قبلہ پر اختتام پذیر ہوا تمام قدیم تعمیر کو مرحلہ وار مسمار کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا تھا اور صرف مقصورہ شریف بچا تھا جسے مسمار نہیں کیا گیا۔

ترک سلطان عبدالمجید
جن کے عہد میں مسجد نبوی کی
تعمیر جدید ہوئی

دکتور محمد السید الوکیل کے بقول، باہر کی دیواریں سنگ سیاہ سے بنائی گئی تھیں جو کہ حرہ کے علاقوں سے حاصل کیا گیا تھا اور شہتیر سرخ پتھر سے بنائے گئے تھے جو کہ جبل الحرم سے نکالا گیا تھا۔ (۲۵۳) وہ ستون جو ریاض الجنۃ میں واقع ہیں سنگ سرخ سے بنائے گئے تھے جن پر سفید سنگ مرمر لگایا گیا تھا اور ان پر جو نقش ونگار کندہ کئے گئے تھے ان میں سنہری رنگ بھرے گئے تھے۔ ان ستونوں کے کراؤن سونے کے پانی سے پالش کئے گئے تھے۔ ان ستونوں کے علاوہ دیگر ستون جبل الحرم سے نکالے گئے سرخ پتھروں سے بنائے گئے تھے۔

مسجد سے متصل شمالی جانب مکاتیب (مدرسے) بنوائے گئے تھے اور وسط صحن سے تیل ذخیرہ کرنے کا کمرہ بنائے جانے پر مسجد شریف کی شمالی دیوار کے باہر ایک کمرہ بنوا دیا گیا تھا جہاں روشنی کے لیے چراغوں میں استعمال ہونے والا تیل ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ یوں شمال مشرقی جانب ایک دروازہ تھا جو کہ مکاتیب (جن کو کتاتیب کہا جاتا تھا) کی طرف جاتا تھا اور شمال مغربی جانب تیل ذخیرہ کرنے کا کمرہ ہوا کرتا تھا اور درمیان میں وہ مشہور زمانہ دروازہ تھا جس کو اس وقت باب التوسل کہا جاتا تھا اور جسے سعودی دور میں باب المجیدی کہا جانے لگا تھا پہلی منزل پر کتاتیب مدرسوں میں بچوں کو ترکی، فارسی اور عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

مشہد علی میں
حافظ عبد اللہ زہدی بیگ
کی خطاطی کا ایک نمونہ

سارے کام کی تکمیل میں ۱۳ سال کا عرصہ صرف ہوا جو کہ ذوالحجہ ۱۲۷۷ ہجری میں مکمل ہوا اس منصوبے پر کل ۱۴۰،۰۰۰ سونے کے تھیلے استعمال ہوئے تھے جن میں سے ایک تھیلہ سکہ رائج الوقت کی ۵ مجیدی شرفیوں پر مشتمل تھا (یہ اشرفی ۱۳۰ قرشوں پر مشتمل تھی) اس دور میں جو بھی آلات اور مشینری مہیا ہو سکتی تھی اسے استعمال کر کے بہترین فن تعمیر کا شاہکار بنایا گیا۔ عشق رسول ﷺ میں رچی ذوق و شوق کے ساتھ بننے والی یہ عمارت عثمانی طرز تعمیر اور مدنی روایات کا حسین امتزاج تھی جسے مدینہ طیبہ کی پر کیف فضاؤں نے روئے زمین کا بہترین فن پارہ بنایا تھا انجنیئروں اور کاریگروں کے علاوہ ۳۵۰ مزدوروں نے محنت شاقہ سے اس شاہکار نور کو تعمیر کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جب منصوبہ مکمل ہو گیا تو جبل الحرم کے دامن میں ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا جہاں سے جم غفیر کا ایک جلوس حرم مدنی کی طرف نعتیں اور قصیدے پڑھتے ہوئے روانہ ہوا اور بارگاہ رسالت مآب کی چوکھٹ پر صلوۃ و سلام کے بعد اختتام پذیر ہوا (۲۵۴) سید جعفر البرزنجی نے جو کہ اس جلوس میں شامل تھے اس روح پرور منظر کی تصویر کشی کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کے پڑدادا کا وجد آفرین قصیدہ برزنجیہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔

جب تعمیر کا کام مکمل ہوا تو تزئین و آرائش کے کام کو اسی ذوق و شوق سے جاری رکھا گیا اس وقت کے مشاہیر خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے در و دیوار پر اپنے شاہکار تخلیق کئے حافظ عبداللہ زہدی بیگ نے (جو کہ مشہور ترکی خطاط تھے) تین سال کی محنت شاقہ سے خط ثلث میں دیوار قبلہ پر، محرابوں اور ستونوں پر، گنبدوں کی اندرونی جانب اور مختلف دروازوں کی محرابوں پر قرآنی آیات کے وہ شاہ پارے اپنی یادگار چھوڑے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں بعض ستونوں پر قصیدہ بردہ شریف کے اشعار بھی کندہ کئے گئے تھے۔

ترکی دور میں توسیع در تعمیر نو کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ستونوں کو استوار کرتے وقت ان کے ڈیزائن اور ان پر نقش و نگار سے مسجد نبوی شریف کی مختلف ادوار میں تعمیر کے مختلف مراحل واضح ہو جائیں۔ ریاض الجنۃ میں وہ ستون جن پر نقش و نگار بنے ہیں وہ ان حدود کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ دور رسالت مآب ﷺ میں پہلی تعمیر کے وقت ۱ ہجری میں تھے۔ اس وقت مسجد شریف کا رقبہ ۷۰ × ۶۰ ذرع تھا۔ دوسری تعمیر نو اور توسیع حضور سرور کائنات ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے اس وقت ہوئی جب کہ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تھا۔ اس توسیع کے بعد اس کا رقبہ ۱۰۰ × ۱۰۰ ذرع ہو گیا تھا اس دوبارہ تعمیر شدہ مسجد کی حدود کا تعین اس طرح سے کیا کہ اس جگہ جو ستون استوار کئے گئے ان پر چھت کے قریب یہ کلمات کندہ کروا دیئے تھے [ہذا حد مسجد النبی علیہ السلام۔] یہ تحریر آج بھی دیکھی جا سکتی ہے جو کہ شمالاً جنوباً ستونوں پر کندہ کی گئی ہے

جہاں تک مسجد نبوی شریف کی دور رسالت مآب ﷺ میں چھت کی اونچائی کا تعلق ہے اسے چند ستونوں پر پھول بنا کر ظاہر کیا گیا ہے.(۲۵۵)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب مسجد شریف کی تعمیر جاری تھی اور مختلف مقامات پر ستونوں اور بنیادوں کے لیے کھدائی ہو رہی تھی تو اس وقت اسطوانہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے پاس زمین سے فوارے کی طرح پانی نکلنا شروع ہوگیا لہذا اس جگہ پر ایک کنواں کھود دیا گیا اور اس کے پانی کو نالیوں کے ذریعے صحن مسجد میں لایا گیا جہاں پر ایک منہل (سبیل) بنا دی گئی جہاں سے نمازیوں کے استعمال کے لیے وہ پانی دستیاب ہوتا تھا. جیسا کہ خدشہ تھا وہاں صارفین کا ہجوم لگ جاتا اور پانی زمین پر پھیل کر حفظان صحت کا مسئلہ کھڑا کر دیتا جس سے مسجد شریف کی حرمت مجروح ہونے لگ گئی مزید برآں چونکہ وہ پانی ریاض الجنۃ سے نکلتا تھا لوگوں نے اسے جنت کا پانی کہہ کر آب زمزم سے بھی زیادہ تقدس دینا شروع کر دیا تھا لہذا سعودی دور میں اس کنویں کو مٹی سے بھر دیا گیا اور صحن میں واقع مخرج کو بند کر دیا گیا، بہتہ وہ سبیل سن ستر کی دہائی کے اخیر تک صحن مسجد میں موجود ہوا کرتی تھی. اسی طرح ایک اور کنواں حجرہ مطہرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے دروازے کے عین سامنے بھی ہوا کرتا تھا. ہجوم کی وجہ سے قدیمین شریفین کی طرف نمازیوں کے لیے وہاں نماز ادا کرنا محال ہو جاتا تھا. لہذا اس کنویں کو بھی مٹی سے بھر کے بند کر دیا گیا تھا.

مسجد کے صحن میں کھجور کے درختوں کا ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی ہوا کرتا تھا جسے بستان فاطمہؓ یا بستان السیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کہا جاتا تھا. اس کے قریب بھی ایک چھوٹا سا کنواں ہوا کرتا تھا جو کہ ان درختوں کی آبیاری کے لیے استعمال ہوتا تھا. اسے بئر النبی علیہ افضل الصلوۃ والسلام کہا جاتا تھا. اس بستان میں ۱۲ کھجور کے درخت تھے جن کا پھل سلاطین بلاد الاسلامیہ کو تحفتاً ارسال کیا جاتا تھا. صحن مسجد پر ریت اور سنگریزے بچھائے گئے تھے اور جب بجلی نہیں ہوا کرتی تھی تو سر شام اس پر پانی چھڑک دیا جاتا اور وہاں درود و صلوٰۃ کی محفلیں جمتیں اور لوگ تلاوت اور عبادت میں ہر طرف مشغول رہتے تھے. سعودی دور میں نعت گوئی کو تو سرے سے ختم کر دیا گیا مگر وہاں پھر بھی ادبی اور علمی محافل لگا کرتی تھیں، مگر جوں جوں عقائد میں تشدد پسندی کا رجحان آتا گیا اسے بھی خیر باد کہہ دیا گیا. اس جگہ کو اہل مدینہ 'الحصوہ' کا نام دیتے تھے.

مسجد نبوی شریف کے متعلق ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کردہ اعداد و شمار

بیسویں صدیں میں سب سے مشہور سفر نامہ حجاز مصری جنرل ابراہیم رفعت پاشا کا ہے جنہوں نے مصری کاروان حج اور محمل کے قافلوں کی تین بار کمان کی تھی اور یوں تین بار زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے تھے. انہوں نے اپنے سفر نامے کو بہت جان فشانی سے مرتب کیا جو کہ دراصل حرمین اشریفین کی باتصویر تاریخ سے کم نہیں. اس میں دی گئی تصاویر تو صحیح معنوں میں نادر تصور ہوتی ہیں. موصوف نے اسے مرآۃ الحرمین کے نام سے دو جلدوں میں ۱۹۲۵ء میں چھپوایا تھا.

اگرچہ اس کا معتد بہ حصہ تو سرکاری معائنہ رپورٹ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے تمام تر اخراجات کی تفصیل اور مختلف قبائل کے سرداروں سے ملاقاتیں بدقت تمام شامل سفر نامہ کر دی ہیں، لیکن معاصرین کے مقابلے میں ان کا سفر نامہ بہت حد تک جذبات کی نسبت حقائق پر مبنی ہے. مختلف تاریخی مقامات کی زیارات کے ذکر کے بعد انہوں نے مسجد نبوی شریف کی بہت سی تصاویر اور تفاصیل مہیا کی ہیں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ بیسویں صدی کے شروع میں ترک دور کی تعمیر شدہ مسجد کی عملی طور پر پیمائش مولف نے خود اپنے ہاتھوں سے کی اور اسے آنے

...نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ...کے مطابق مسجد نبوی شریف کی ...

...	۱۲۲.۴۵	میٹر
...	۱۰۴۵	...
...	۹۲	...
...		
...	۹	...

...وقت مستعمل تھا۔ یہ وہ وقت تھا جس میں ... پائے جاتے تھے جن کی تفصیل یہ ہے

... جن کی تعداد ... تھی۔ ان میں باب السلام اور باب الرحمہ شامل ہیں۔ ایک صدر دروازہ تھا جسے باب الوصل کہا جاتا تھا۔ اس کے ...

باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء

... شریف سے ... تھے۔ ... تھے۔ ... تھا۔ ... تھا۔ ... تھا

پھر ۸۹۲ ہجری میں بجلی گرنے پر تباہ ہو جانے سے انہوں نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا تھا [illegible] سن ۱۰۹۱ ہجری میں مرمت ہوتی رہی ہے مراد ہے تاریخی یادگار کے طور پر رہنے دیا یہ اس صحن باب السلام پر [illegible] قلاون نے ۶۷۹ ہجری میں بنوایا تھا اور اس وقت یہ مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین یادگار باقی رہ گیا ہے [illegible] نے پچاس ہاتھ کے سامنے مسجد شریف کے باہر تعمیر کروایا تھا جو کہ مدرسہ اشرفیہ سے متصل تھا نے ترک دور میں تعمیر [illegible] ہو جانے کا تھا

سلطان عبدالمجید دوم کے جانشینوں نے بوقت ضرورت مسجد شریف کی مرمت اور تزئین کا کام جاری رکھا سلطان عبدالعزیز خان نے باب اسلام پر نقش و نگار بنوائے بیسویں صدی میں سعودی عملداری میں آنے سے پہلے مدینہ طیبہ کے ترک گورنر فخری پاشا نے ۱۳۳۶ ہجری (۱۹۱۷ء) میں محراب النبوی شریف اور محراب سلیمانی کی مرمت اور تزئین کروائی۔

۱۹۲۵ میں جب آل سعود نے مدینہ طیبہ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو ابتدائی چند سالوں میں انہوں نے کوئی خاص تبدیلی نہیں کروائی بلکہ صرف انتظامی امور کی طرف توجہ مبذول رکھی اور اس سلسلے میں جو تبدیلی بھی انہوں نے مناسب سمجھی وہ کروائی البتہ جو مقدس دیواروں پر چند جگہوں پر جو مختلف تحریریں تھیں ان میں سے جو ان کے عقائد کے برخلاف پائی گئیں ان پر بہت بھدے طریقے سے پلستر تھوپ دیا گیا اور اس صحن کی شمالی جانب جہاں جہاں ایسی تحریر پائی گئی اسے بدل دیا گیا مثلاً اس کی جگہ پر "یا محمد" کے الفاظ پائے گئے تو وہاں اسے "یا مجید" کے الفاظ سے بدل دیا گیا اور یہ عمل تا حال جاری ہے قصیدہ بردہ شریف کے اشعار پر بھی سیمنٹ تھوپ دیا گیا

یہ وہ ابتدائی دور تھا جب کہ فرقہ وہابیہ کے خلاف ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی تھیں اور معاندانہ پروپیگنڈا زور شور سے جاری تھا جس کی وجہ سے حجاج کرام کی آمد پر بھی کافی اثر پڑا تھا مگر جوں جوں امن عامہ کی صورت حال بہتر ہونے لگی اور شہر نبوی میں امن قائم ہو گیا تو پہلے کی سی رونقیں بحال ہو گئیں تاہم پہلے دس سالوں میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف میں کوئی کام کروایا ہو عبدالقدوس الانصاری کے مطابق ۱۳۵۴ ہجری میں مصری حکومت کے خرچے پر ان رقوم سے کچھ مرمت کا کام کروایا گیا جو کہ ایسی وقف جائیدادوں سے حاصل ہوتی تھی جو مصر میں مسجد نبوی شریف کے نام پر صدیوں سے وقف تھیں۔ (۲۵۷)

عثمانی دور سے سعودی دور تک کی تعمیرات اور توسیعات ایک ایسا حیران کن باب ہے جو کہ پچھلے پچھتر سالوں میں رقم ہوا ہے ان سالوں میں دو بار مسجد شریف وسیع کی گئی اور دوسری توسیع کے بعد تو اس کا رقبہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف سے دس گنا بڑھ گیا ہے۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ وہ کام جو کہ سلطان عبدالمجید دوم کے دور میں ہوا وہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف کی بہترین خدمت کی مثال ہے۔ اس میں سے بہت سا حصہ تو نئی توسیعات کی نذر ہو گیا ہے مگر قبلہ کی جانب کا مقصورہ شریف کا حصہ جب تک قائم رہے گا ترک دور کی عظمت رفتہ اور سلطان عبدالمجید ثانی کے عشق رسول کی یاد دلاتا رہے گا۔

شاہ سعود بن عبدالعزیز پہلا سعودی توسیعی منصوبہ کا افتتاح کرتے ہوئے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

سعودی دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیعات

۱۳۴۸ ہجری میں شاہ عبدالعزیز کے احکام سے مسجد شریف کے صحن کی طرف چند ستونوں کی مرمت کروائی گئی اس کے بعد ۱۳۵۰ ہجری میں مشرقی اور مغربی روشوں میں چند ستونوں پر تجدید کا کام ہوا۔ (۲۵۸) ۱۳۵۴ ہجری میں شاہ عبدالعزیز نے مصری حکومت سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت دونوں حکومتوں کے تعاون سے مسجد نبوی شریف کی مرمت اور دیکھ بھال کا انتظام کیا جانے لگا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے مصر میں کئی گاؤں مسجد نبوی شریف کے لیے وقف تھے جن کی سالانہ آمدنی صدیوں

پہلی سعودی توسیع کے دوران مسجد نبوی کی عمارت کا ایک منظر

سے حرم مدنی کے مصارف کے لیے استعمال ہوتی آئی تھی۔ (۲۵۹) دونوں حکومتوں کے تعاون سے اس کام کے لیے ٹیمیں تشکیل دی گئیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مرمت کا کام کروایا، لیکن یہ تمام کام وسیع پیمانے پر نہ تھا۔ اس طرح سعودی دور حکومت کی پہلی دو دہائیوں میں زیادہ کام نہ ہو سکا اگرچہ زائرین اور حجاج کرام کی تعداد سفر کی سہولتیں بہتر ہونے کی وجہ سے پہلے کی نسبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور مسجد شریف میں تنگی کی شکایت عام ہو رہی تھی۔ ۱۳۶۹ ہجری میں چند مصری اخباروں نے اس مسئلے پر لوگوں کی توجہ دلائی جس کی دیکھا دیکھی عالم اسلام کے میڈیا نے اس مسئلے کو خوب اچھالا اور یوں ہر طرف سے توسیع کے مطالبات ہونے لگے۔ (۲۶۰) جریدۃ المدینہ نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں خاص اپیلیں شائع کیں جس کے نتیجے میں انہوں نے جریدۃ المدینہ کی ایک اشاعت میں (نمبر ۳۰۱، مورخہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۸ ہجری) ایک کھلے خط میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ بعد میں انہوں نے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو اس سلسلے میں باقاعدہ فرمان شاہی صادر کر دیا کہ مسجد شریف کی توسیع عمل میں لائی جائے

ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کو اس منصوبے کے لیے پیشہ ورانہ سفارشات پیش کرنے کے لیے مامور کیا گیا۔ انہوں نے مسجد نبوی شریف کی قدیم عمارت کا بتفصیل معائنہ کیا جس سے یہ بات منکشف ہوئی کہ مشرق کی جانب دیواروں میں کچھ رطوبت اور نمی کے آثار در آئے تھے۔

ماہرین کی یہ ٹیم مصری اور پاکستانی انجنیروں پر مشتمل تھی۔ مصری ماہرین نے جن کی اس کمیٹی میں اکثریت تھی سفارشات دیں کہ مسجد شریف کی تمام عمارت جو کہ ترک دور میں تعمیر ہوئی تھی بشمول حجرہ مطہرہ کے مسمار کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔ انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ نئی عمارت کی بلندی ۱۴ میٹر ہونی چاہئے۔ بنیادوں کی مجوزہ گہرائی بھی مدینہ طیبہ کی ارضیاتی قوت اور تحمل سے غیر متناسب تھی۔ حجرہ مطہرہ کے مسمار کئے جانے کی تجویز پر بہت سے لوگوں کا ماتھا ٹھنکا اور اس منصوبے کے اصل محرکات پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

دوسری سعودی توسیع کے دوران مسجد نبوی کی تعمیر کا منظر

پاکستانی انجنیروں نے ان سفارشات سے زبردست اختلاف کیا اور شاہ عبدالعزیز کو ایک یادداشت پیش کی جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ پرانی عمارت مضبوطی کے لحاظ سے بہت پائیدار تھی جسے گرانا انتہائی نامناسب تھا۔ انہوں نے مختلف طرح کے ارضیاتی ٹیسٹ کر کے اس بات کی ناقابل تردید شہادت دی کہ قدیم عمارت کو مزید پچاس سال کے لیے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ تاہم انہوں نے توسیع کی ضروریت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات سے اتفاق کیا کہ مسجد شریف کے صحن سے لیکر شمالی حصہ کو مسمار کر کے نئی اور وسیع عمارت تعمیر کر دی جائے درآں حالیکہ قدیم حصے کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ بنیادیں زیادہ گہری نہ کھودی جائیں اور نئی تعمیر کی بلندی کو قدیم عمارت کی بلندی سے

جتنا بھی ممکن ہو [illegible] سے معلومات کا مزید
گہرا مطالعہ کرنے کی ہدایت کی تھیں [illegible] ارشیائی
ٹیموں اور انجینیرنگ ماہرین کے بعد انہوں نے پاکستانی انجینیروں
کی سفارشات قبول کرتے ہوئے پاکستانی انجینیروں سے کام لیا تھا

(۱) جناب محمد شفیع صاحب

(۲) جناب محمد سلیمان صاحب

(۳) جناب محسن علی صاحب

ان سفارشات کے مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۰ ہجری
ایک شاہی فرمان (نمبری ۲۷۔۴۔۲۸۔۸۸) جاری ہوا جس میں توسیع
کے منصوبے کی رسمی طور پر منظوری دے دی گئی (۲۶۱) کام کی نگرانی
شہزادہ عبداللہ الفیصل کے ذمے لگائی گئی پلان کے مطابق تمام گھر،
دوکانیں اور کھلے علاقے جن میں گلیاں اور سڑکیں شامل تھیں بحق سرکار
حاصل کیے گئے ان کا تمام رقبہ ۲۲،۹۵۵ مربع میٹر تھا (۲۶۲) مکانوں
اور دکانوں کی ملکیت حاصل کرنے کے بعد ان کو گرانے کا کام مغربی
جانب سے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو شروع ہوگیا پہلا گھر جو کہ مسمار کیا گیا
وہ سید سمہودی کا تھا جو کہ مدینہ طیبہ کے نامور مورخ ہو گزرے ہیں جو کہ
اس وقت وقف عمارت کی شکل میں ایک رباط بن چکا تھا جسے وقف سمہودی کہا جاتا تھا۔ (۲۶۳)

۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری کو شاہ سعود (جو اس وقت ابھی ولی عہد
تھے) نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا اور اس منصوبے کی ابتداء کا افتتاح کیا جس
کے لیے اہل مدینہ نے بہت بڑی پارٹی کا بندوبست کیا۔ تمام علاقہ خالی
ہو جانے کے بعد ۱۱ شعبان ۱۳۷۲ ہجری کو مغربی جانب باب الرحمہ کے
قریب نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور پھر تعمیر کا کام زور شور سے شروع
ہوگیا۔ اگرچہ بہت سا بنیادی کام تو شاہ عبدالعزیز کے دور میں ہوا مگر اس
منصوبے پر وسیع بنیادوں پر عمل درآمد ان کے جانشین شاہ سعود بن
عبدالعزیز کے دور میں ہوا جنہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو جنوب
مغرب جانب خشت اول رکھی۔ (۲۶۴) منصوبے کی تکمیل پر ربیع الاول
۱۳۷۵ ہجری (۱۹۵۵ء) کو شاہ سعود نے اس کا رسمی افتتاح کیا۔ (۲۶۵)
اس شاندار منصوبے میں عمائدین امت کی دلچسپی کا اس بات سے اندازہ

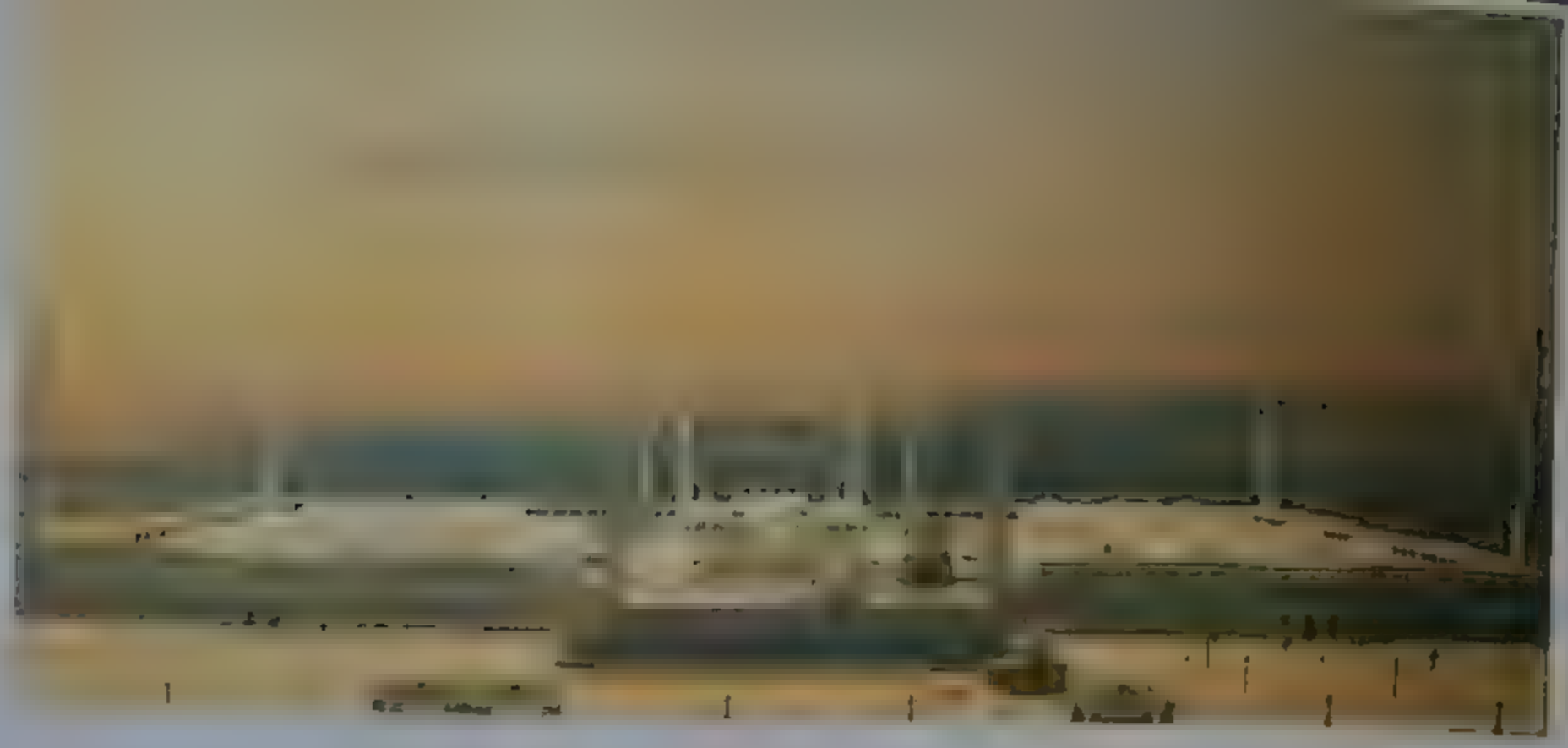

۵۱۴ میں ... ہے
... ی ... ی ... ی ... میں
... ...
... ... ۵
... ... ہے
سیلن ... ختم ... یا ہے

گایا جاسکتا ہے کہ اس افتتاحی تقریب میں مصر کے شاہ فاروق اور پاکستان سے صدر غلام محمد خاص طور پر شمولیت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔ سعودی دور کی اس پہلی توسیع کے بعد مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶,۳۲۰ مربع میٹر ہو گیا تھا (۲۶۶) جب کہ اس سے پہلے ترکی دور کی مجید یہ عمارت کا رقبہ ۵,۳۰۲ مربع میٹر تھا تعمیر نو کے بعد اس کی پیمائش یہ تھی

شمال سے جنوب کی طرف طول = ۱۲۸ میٹر

مشرق سے مغرب تک عرض = ۹۱ میٹر

قدیم حصے میں جسے جوں کا توں رہنے دیا گیا بھی چند تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ مثلاً باب ابوبکر الصدیقؓ پہلے صرف ایک دروازہ ہوا کرتا تھا مگر اب اسے وسعت دے کر تین دروازوں کا مجموعہ بنا دیا گیا البتہ نئے تعمیر شدہ حصے میں تمام دروازے نئے سرے سے بنائے گئے تھے۔ مشرقی جانب تین دروازوں پر مشتمل ایک نیا دروازہ بنایا گیا تھا جسے باب عبدالعزیز کہا جاتا تھا اور اس کے بالکل سامنے مغربی جانب ایسا ہی دروازہ بنایا گیا جس کا نام باب سعود رکھا گیا شمال میں باب توسل کا نام بدل کر باب المجیدی کر دیا گیا اور اس کے مشرق اور مغرب میں دو اور دروازوں کا اضافہ کیا گیا جن کو بالترتیب باب عثمان بن عفانؓ اور باب عمر بن الخطابؓ کہا جاتا تھا (۲۶۷)

ٹائلیں اور پتھر کی سلیبیں بنانے کے لیے ذوالحلیفہ کے علاقے میں آبار علی کے قریب ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی گئی تھی جہاں عام اسلامی کے تجربہ کار ماہرین تعینات کیے گئے تھے جو کہ انجنیئر کے ماہرین کی زیر نگرانی کام کرتے تھے۔ چار سو نفوس پر مشتمل اس افرادی قوت میں ۱۴ انجنیئر تھے جن میں سے ۱۲ مصری ۲ شامی اور ایک پاکستانی تھے جب کہ دیگر عملہ معماروں، سنگ تراشوں، اور فن تعمیر سے منسلک دیگر پیشہ وروں پر مشتمل تھا اس کے علاوہ ۵۰۰ مزدوروں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ کام کے تقدس کی وجہ سے ہر کس و ناکس رضا کارانہ طور پر اس میں شمولیت کا متمنی تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستانی سفیر بھی اپنے تئیں وہاں مزدوری کرنے کو ایک سعادت عظیم سمجھتے تھے۔ کام کی تکمیل میں اس وقت موجود جدید ترین مشینری جن میں کرینیں روڈ رولر اور ٹریکٹر شامل تھے استعمال ہوئے تھے تاکہ کام نہایت سرعت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

موقع پر کام کی نگرانی کے لیے ایک ہمہ وقتی پروجیکٹ آفس مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں قائم تھا جہاں ۵۰ اہل کار جن میں انتظامی امور کے ماہرین سے لے کر سٹور کیپر اور اکاؤنٹینٹ تک سب مل کر ایک ٹیم کی طرح کام کرتے تھے۔ ٹیکنیکل برانچ کی سربراہی انجنیئر فہمی مومن کرتے تھے جن کے تحت تین ڈرافٹس مین اور ایک سیکریٹری کام کرتے تھے۔ پروجیکٹ ڈائریکٹر شیخ محمد صالح قزاز تھے جو کہ براہ راست وزیر مملکت شیخ محمد عوض بن لادن کے تحت تھے (۲۶۸) اس وقت تمام منصوبہ پر ۵۰ ملین سعودی ریال کی لاگت آئی تھی

یہ منصوبہ مکمل ہوئے ابھی صرف دو دہائیاں ہی گزری ہوں گی کہ مسجد شریف پھر نمازیوں کے لیے تنگ پڑنے لگی اور اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس میں مزید توسیع کی جانی چاہیے شاہ فیصل مرحوم نے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر توسیع کی ضروریات کا از سر نو جائزہ لینا شروع کیا اور حکم دیا کہ مغربی جانب میں واقع تمام مکانات خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیے جائیں اس کام میں کچھ

انتہائی تاریخی اہمیت کے مواقع جات بھی [illegible] ہیں جن میں نبی یدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کا مزار اور مشہد حضرت مالک بن سنان بھی شامل تھے۔ اس کام کو تین مرحلوں میں مکمل کیا گیا تب جا کر مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے کو خدوخال ملے۔ ان شاہی احکامات کے تحت مسجد شریف میں ۸۳،۵۵۰ مربع میٹر کے کھلے رقبے کا اضافہ کیا گیا جو کہ تاریخی المناخہ کے وسیع علاقے پر محیط تھا۔ شاہ سعود کی تعمیر کردہ سائبانوں میں بجلی سے چلنے والی چھتریاں (Etherial Umbrelas) جو موسمی حالات کے مطابق کھلتی اور بند ہوتی ہیں نصب کی گئیں۔ پہلے مرحلے میں مغربی جانب کے خالی پڑے ہوئے علاقوں کی جگہ پر فی الحال کے لیے شیڈ نصب کیے گئے۔ منصوبے کی ابتدا تو شاہ فیصل کے دور میں ہی ہو گئی تھی مگر اس پر عملی جامہ شاہ خالد کے دور میں پہنایا گیا۔

ان دنوں حج سخت گرمی کے موسم میں ہوا کرتا تھا۔ جب مولف ہذا نے اپنا دوسرا حج ۱۹۸۴ء میں ادا کیا تو انتہائی رش کے دنوں میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سایہ دار شیڈ لاکھوں انسانوں کے لیے کتنے باعث رحمت تھے جہاں ہانپتے کانپتے حجاج کرام گرمی سے بچاؤ کا آسرا ڈھونڈا کرتے تھے۔ شاہ خالد کے دور میں المناخہ کا مزید علاقہ حاصل کر کے ان میں اسی طرح کے شیڈ نصب کیے گئے اور تمام علاقے کی تزئین و آرائش کی گئی۔ فینسی تنصیبات کے ذریعے بجلی کی روشنی کا مناسب بندوبست کیا گیا اور ان شیڈوں میں پنکھے نصب کروا دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شرقی جانب بھی دکانوں کے مالکانہ حقوق حاصل کر کے بہت سا علاقہ مسجد شریف کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ اس طرف واقع بازاروں میں اسی طرح کی تنصیبات کے ذریعے مزین بجلی کی فراہمی کی گئی تاکہ مسجد شریف کے گردونواح کی تزئین میں ایک حسین تناسب پیدا ہو سکے۔ مسجد کا رقبہ اب بڑھ کر ۴۵،۰۰۰ مربع میٹر ہو چکا تھا اور ارد گرد کھلا علاقہ اس کے علاوہ تھا جس میں یوٹیلیٹی ایریاز اور زائرین کے لیے وضو خانے وغیرہ بنائے گئے تھے۔ اس کھلے علاقے کو مسجد علی کرم اللہ وجہہ تک بڑھا دیا گیا تھا اور درمیان میں واقع عمارات اور دیگر تعمیرات کو صاف کر دیا گیا تھا۔ (۲۶۹)

ابھی ایک ہی دہائی گزری ہو گی کہ سفری سہولیات کے پیش نظر حجاج کرام کی تعداد میں گونہ گوں اضافہ پھر اس بات کا متقاضی تھا کہ مسجد شریف کو مزید وسعت دی جائے۔ اس کے پیش نظر خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے ابتدائی دور میں بڑے بڑے اسلامی ممالک اور کنسلٹنگ انجنیئروں سے سفارشات طلب کی گئیں کہ مزید وسعت کس انداز میں اور کس حد تک کی جائے۔ تین سال کے عرصے میں بہت سی تجاویز سامنے آئیں جن کی روشنی میں ایک عظیم الشان منصوبہ ترتیب دیا گیا جس کے تحت تاریخ مسجد نبوی شریف میں سب سے بڑی توسیع ہونا قرار پائی جس کی تکمیل پر مسجد شریف اس وقت موجودہ رقبہ سے بڑھ کر دس گنا ہوئی

تھی جو کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوۃ کے دور میں تعمیر شدہ مسجد نبوی شریف سے سو گنا بڑی ہو گی تھی (۲۷۰) عالمی شہرت کے مصری معمار اسماعیل فہمی نے اس منصوبے کے خدوخال نہایت نمایاں طور پر پیش کئے۔ جب ماسٹر پلان بن کر تیار ہو گیا تو بن لادن گروپ کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے اس منصوبے کو 'تسلیم مفتاح' کی بنیادوں پر عملی جامہ پہنایا۔ یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس سے پہلے منصوبے کی تکمیل بھی اسی کمپنی کے ہاتھوں ہوئی تھی جسے شاہ سعود کے دور میں مکمل کیا گیا تھا پورے کام کی تکمیل کے لیے چھ سال کا عرصہ لگا ہوا۔

جمعہ ۹ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو ایک بہت ہی عالیشان اور پر تکلف تقریب میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے "بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ" کہتے ہوئے اس عظیم تر منصوبے کا افتتاح خشت اول رکھ کر کیا۔

اس منصوبے کی تکمیل کے لیے مسجد نبوی شریف کے اردگرد ۱۰۰،۰۰۰ مربع میٹر کا وسیع و عریض علاقہ خریدا گیا جس میں زیادہ تر الرومیہ اور السنبلیہ کے علاقے شامل تھے۔ ان علاقوں کے حصول کے لیے ۳ بلین ریال کا زرکثیر صرف ہوا۔ اس عظیم الشان منصوبے کے حجم کے مطابق بن لادن گروپ نے مرکز شہر سے دور وادی العقیق کے بطن میں ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی۔ مملکت سعودی عرب کے مختلف علاقوں کا سروے کیا گیا تاکہ بہترین قسم کا پتھر نکالا جا سکے۔ اس سروے کے نتیجے میں القصیم کے علاقے میں واقع پہاڑوں کا پتھر بہترین اور مناسب پایا گیا جو کہ چمکدار گرینائٹ کی چٹانوں پر مشتمل تھا جسے دیواروں میں استعمال کیا گیا۔ اسی طرح نجران کے علاقے کا لیکروگرینائٹ ستونوں اور اندر کے کام کے لیے بہت مناسب پایا گیا۔ ان تمام معائنوں کے بعد اور مناسب ورکشاپیں بنوا کر مورخہ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری (یکم مارچ ۱۹۸۶ء) کو شیخ بکر بن محمد لادن کی زیر نگرانی کام کی باقاعدہ ابتداء کی گئی۔

چونکہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کا علاقہ نرم زمین پر مشتمل تھا اس لیے اس میں بہت گہرائی تک کھدائی کی ضرورت پیش آئی جو کہ بعض اوقات ۵۴ میٹر تک چلی گئی تھی آہنی سلاخوں سے بنے مضبوط جال جن میں لاکھوں ٹن فولاد استعمال ہوا تھا اس گہرائی میں بچھائے گئے تاکہ عمارت اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو کہ تمام علاقہ مستقبل میں زلزلوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے اور جھٹکوں سے متاثر نہ ہو۔ ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسجد شریف کی تمام عمارت ستونوں پر استوار کی جائے جن کو جھٹکوں سے متاثر نہ ہونے والے سٹیل کے خولوں میں اٹھایا گیا تھا جو کہ زیر زمین نہایت مضبوط آہنی جالوں سے بنی سطح پر تعمیر کیے گئے تھے۔ اس سے نہ صرف سعودی حکومت بلکہ اس منصوبے پر کام کرنے والے تمام عملے کی لگن اور جاں فشانی کا اظہار ہوتا ہے جنہوں نے اس مقدس عمارت کو اتنا پائیدار انداز میں تعمیر کیا ہے کہ آئندہ کئی صدیوں تک یہ عمارت انشاءاللہ قائم و دائم رہے گی۔

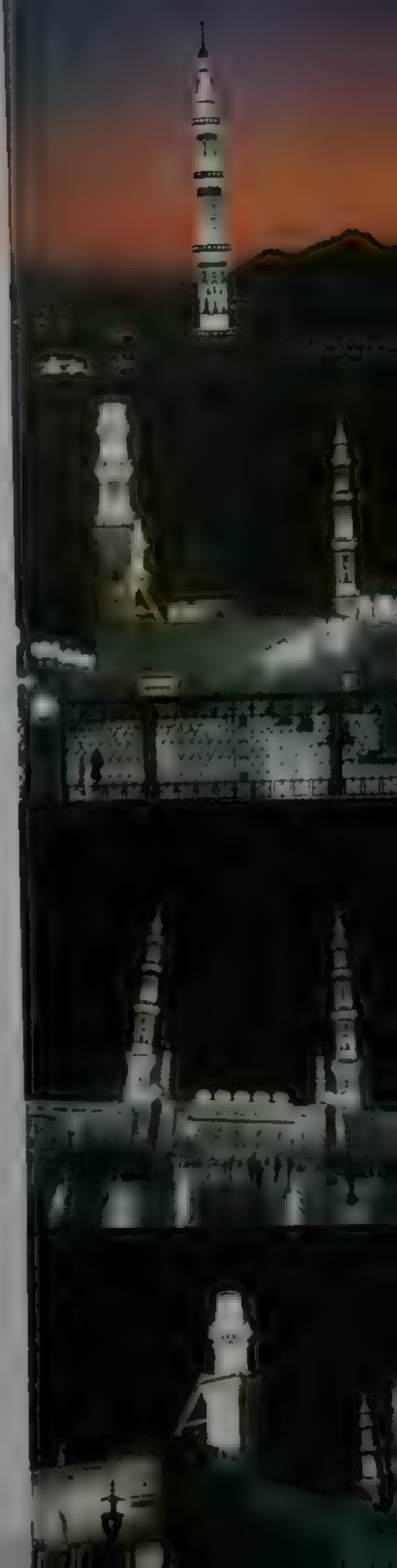

ہر ہفتہ جس دن اس منصوبے پر [illegible] اس وقت [illegible] اس میں استعمال ہونے جانے والے تعمیری مواد، مشینری اور تعمیل [illegible] بلند و بالا کرینیں اور تعمیری مشینری جو کہ اس منصوبے کی تکمیل میں استعمال ہوئیں پہلے ہی سے سعودی عرب کے مختلف حصوں میں پہنچی ہوئی تھیں ستونوں کی مضبوطی کے لیے تیل سے بنائے گئے خول ۲ میٹر گہرائی تک پہنچے ہوئے تھے ان کی کل تعداد ۸،۵۲۵ تھی جب ایک خول بن کر تیار ہو جاتا تو الٹراسونیک سینسرز (Ultrasonic Sensors) کے ذریعے ان کی پائیداری ٹیسٹ کی جاتی

ان تیل کے خولوں پر ایک خاص قسم کا کیمیائی مادہ لگایا جاتا تھا تاکہ تیل سے بنے یہ خول صدیوں تک زنگ کے مضر اثرات سے بچے رہیں سب ملا کر ۲،۱۷۰ ستون استوار کیے گئے جس پر اس عظیم الشان عمارت کا تعمیر شدہ ڈھانچہ کھڑا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ شہریوں کے آرام میں خلل نہ پڑے اور اسی وجہ سے تمام بھاری مشینری جو کہ سیمنٹ بنانے اور پتھر پیسنے کے کام آتی تھی شہر سے باہر بیس کیلومیٹر دور کارخانوں میں نصب کی گئی تھی وہ پتھر جو کہ دور دراز علاقوں سے حاصل کیا جاتا وہیں پر اس کی تراش خراش اور نوک پلک سنواری جاتی اور فنی ماہرین کی پوری تسلی کے بعد سیدھا موقع پر بھیج دیا جاتا تھا

وہ تمام تر وسائل جو جدید دور مہیا کر سکا مسجد نبوی شریف کی اس نئی توسیع کے لیے بروئے کار لائے گئے ان میں کمپیوٹرائزڈ ڈیزائننگ سے لے کر بھاری بھرکم مشینری اور لیزر سے کاٹنے والے آلات بھی شامل تھے چار دانگ عالم سے ماہرین اور کاریگر اس کام کی تکمیل کے لیے تعینات ہوئے تھے مسلمان ممالک سے مزدوروں کی کثیر تعداد نے اس منصوبے پر دن رات شفٹوں میں پوری تندہی سے کام کیا رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر امت اسلامیہ کے یہ سپوت اس مقدس تعمیر میں ہمہ وقت مگن نظر آتے تھے ایک طرف اگر شلوار قمیص میں ملبوس پاکستانی مشق مدینہ میں سرشار اپنے کام میں سرگرم نظر آتا تھا تو دوسری طرف یمنی یا مصری بھی اپنے قومی لباس میں ہی انہماک سے مشغول نظر آتے تھے ہر کسی نے بقدر ہمت اوست اس میں پوری تندہی سے کام کیا مدت معینہ میں کام کو پورا کرنے کی غرض سے مختلف شفٹوں میں کام چوبیس گھنٹے جاری رہتا تاکہ مسجد نبوی شریف نمازیوں کے لیے بند نہ ہو اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا کہ مسجد شریف پہلے کی طرح کھلی رہے اور جہاں جہاں کام ہوتا ہوتا اسے باڑ لگوا کر علیحدہ کر دیا جاتا تھا اور جوں جوں عمارت کا کچھ حصہ بن کر تیار ہو جاتا اسے پبلک کے لیے کھول دیا جاتا تھا۔

عمارت کو بہترین بنیادوں پر استوار کرنے اور اس کی مناسب تزئین و آرائش کے لیے ہر قسم کا مطلوبہ مواد (جن میں پتھر سیمنٹ لکڑی اور سٹیل سب شامل تھے) اکناف عالم سے حاصل کیا گیا اگر تزئین کے مقاصد کے لیے امیزمائیٹ سنگ مرمر (Amazmite marble) کینیا سے منگوایا گیا تو ۷۵،۰۰۰ مربع میٹر پر پھیلے فرش پر ٹائلیں لگوانے کے لیے برازیل سے چکروسا سنگ مرمر (Chakrosa marble) درآمد کیا گیا بہترین سفید مرمر جسے کرارہ (Kerara marble) کہا جاتا ہے اٹلی کے پہاڑوں سے حاصل کیا گیا جسے چھتوں اور زینوں پر استعمال

یا گیا اس نئیں سنگ مرمر کی خوبی یہ ہے کہ سخت چلچلاتی دھوپ میں بھی اگر کوئی اس پر سے ننگے پاؤں گزرتا ہے تو وہ اسے ٹھنڈا محسوس کرتا ہے.
یونان اور پرتگال سے بھی خالص رنگ اور اقسام کا مرمر منگوایا گیا جو کہ نقش و نگار کے لیے استعمال ہوا مسجد شریف کی دیواروں پر مختلف قسم کے سنگ مرمر کے آمیزے سے ٹائلیں لگائی گئیں جو کہ مختلف ممالک سے درآمد کیا جاتا تھا چھدار ٹائلیں برطانیہ سے منگوائی گئیں جن کو ان گنبدوں پر استعمال کیا گیا جو کہ باب مکہ گنبد کے صدر دروازے پر استوار کیے گئے ہیں ان ٹائلوں سے باب قبہ پر استوار سات مینار مزین کیے گئے ہیں
جہاں حرم سے ہو کر ایک طرف مشہد سیدنا امیر حمزہ اور جنت کا پہاڑ احد نظر آتا ہے تو دوسری طرف سامنے جنت کا باغ یعنی ریاض الجنہ نظر آتا ہے.
یوں کہہ لیجیے کہ نبی نے اپنی قسموں میں پہنچے ان انمول خزینوں کے منہ کھول دیے اور اس کے شرق و غرب میں پھیلے جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں نے بقدر ہمت و استطاعت بتعمیر نبوی کے لیے اپنے وسائل کا نذرانہ پیش کیا

لکڑی کے کام کے لیے مراکش کے جنگلات سے شیشم کی نرم مگر مضبوط لکڑی درآمد کی گئی ان جنگلات سے لکڑی کے تودے کاٹ کر ہرمنی روانہ کیے جاتے تھے جہاں ان پر ضروری Wood treatment and processing کے بعد ان کو مطلوبہ خوبصورت شکلوں میں ڈھال لیا جاتا تھا جہاں تک دروازے میں استعمال شدہ لکڑی کا تعلق ہے اسے برسلونا سے منگوایا گیا تھا. دھات کے ذریعے خطاطی کا کام اور ایسا ہی زیبائشی کام سوئیزرلینڈ سے کروایا گیا. بلند و بالا میناروں پر کلس (Crescent) مضبوط پیتل سے بنائے گئے جن کو سوئیزرلینڈ کی بھٹیوں میں ڈھالا گیا اور پھر ان کے کلسوں پر ۲۳ قیراط سونے کا ملمع کیا گیا. وکل انڈسٹری بھی اس سعادت سے محروم نہیں رہی تھی کھڑکیوں اور خوبصورت جالیوں کی ڈیزائننگ اور تیاری اور ورنش جدہ کی ایک ورکشاپ میں کی گئی جس کے لیے شیشم اور اخروٹ کی لکڑی مراکش سے منگوائی گئی تھی.
زمین کے لیے ایسے نمونے اور ڈیزائن چنے گئے جو کہ عرف عام میں جیومیٹریکل ڈیزائن مشہور ہیں جو مدینہ طیبہ کے پرکیف ماحول میں اور بھی

حسین فخر کہتے ہیں

قرآنی آیات کی کھدائی سے لے کر ان کی تنصیب کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے منتخب آیات قرآنی کو اپنے ہاتھ سے ایک خاص قسم کے اوراق پر لکھا جن سے بعد میں اس خاص ٹائپ کی کاربن کے سٹینسلز پر اتارا گیا جہاں سے خاص تکنیکی کاریگری سے ان شہ پاروں کو بھورے رنگ کے سنگ مرمر کی سلوں پر منتقل کیا گیا جن کی ہاتھوں سے ریتلی (Sand Blasting) کر کے صاف کیا گیا اور پھر چمکدار پالش کی گئی جس سے اس کے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو گیا پھر ان الواح کو مسجد شریف کی چار دیواری کے اندر کی طرف سکرننگ کے اوپر ان ٹائیلوں کو چسپاں کر دیا گیا۔ خطاطی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات سنگ مرمر کی سلوں پر مسجد شریف کی چاروں دیواروں کے اندر لگائی گئی ہے جس کی کل لمبائی چار کیلومیٹر بنتی ہے۔ تاریخ مسجد نبوی شریف میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ نقاشی اور خطاطی کے لیے کمپیوٹر کو استعمال کیا گیا جن کے لیے بہترین فونٹ (Fonts) اور خطوط کا انتخاب کیا گیا۔ زائر و ناظر خطاطی کے ان شاہکاروں کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے کیونکہ ان قرآنی آیات کی خطاطی کے پس پردہ کلام الٰہی کے اپنے منور حسن و جمال کا پرتو بھی انتہائی اچھوتے انداز میں عیاں نظر آتا ہے۔

نئی تعمیر میں استعمال شدہ خشت و سنگ سب کا سب پیشگی بنا ہوا تھا، یعنی (Pre-fabricated) تھا جسے موقع سے بہت دور ہی آپس میں جوڑ دیا جاتا تھا اور پھر جب موقع تعمیر پر ان کو لایا جاتا تو کرینوں کی مدد سے یا کاریگر کے ہاتھوں سے ان کے مختلف اجزاء جائے مطلوبہ پر نصب کر دیئے جاتے تھے۔ ہر ایک حصے کو انتہائی ماہرانہ انداز سے ڈیزائن کیا جاتا اور پھر اس ایک حصے کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جب چھوٹے چھوٹے اجزاء اپنی مواصفات (Specifications) کے مطابق تیار ہو جاتے تو ان کو جوڑ کر ایک حصہ مکمل کر لیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے ستونوں کے مختلف اجزاء کو جو کہ نجران کے گرینائٹ سے تراشے جاتے تھے نجران کے موقع جات پر ہی تراشا اور خراشا جاتا تھا اور پھر ان کو مسجد نبوی شریف منتقل کر دیا جاتا تھا۔ مدینہ نجران روڈ ان دنوں سامان تعمیر سے لدے ٹرکوں سے دن رات مشغول رہتی تھی اور ان دنوں ایسے لگتا تھا گویا کہ پوری مملکت اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ہمہ تن اسی کام پر منہمک تھی۔

دور ارضی کے نیچے وسیع و عریض تہہ خانے بنائے گئے ہیں جو کہ ۸۲،۰۰۰ مربع میٹر کے رقبے پر محیط ہیں جہاں بہت سی خدمات اور یوٹیلیٹی کے مراکز واقع ہیں۔ (۲۷۱) عامۃ الناس کی سہولت کے لیے مسجد شریف کے چاروں طرف زیر زمین دو منزلہ کار پارکنگ ایریاز بنائے گئے ہیں جہاں مقررہ نرخوں کے عوض گاڑیاں گھنٹہ بھر یا روزانہ یا ماہانہ بنیادوں پر پارک کی جا سکتی ہیں۔ پارکنگ کی زیر زمین بالائی منزل میں ۲،۲۲۲ خصوصی گاڑیاں اور ۸۲ بڑی گاڑیاں مثلاً ٹرک وغیرہ پارک کرنے کی گنجائش ہے، جبکہ نچلی منزل پر ۲،۲۲۲ کاریں اور ۴۴ بڑی گاڑیاں

پارک کی جا سکتی ہیں۔ ان پارکنگ کے وسیع علاقوں تک ۳۰ عدد زینوں کے علاوہ بجلی کے زینے (Esca ators) نصب ہیں۔ شریف کے نظام کو مزید آسان بنانے کے لیے شارع ستین (موجود شارع الفیصل) پر چلنے والی گاڑیاں کسی بھی جانب سے اس کار پارکنگ تک پہنچ سکتی ہیں تاکہ مسجد شریف میں آنے جانے کے لیے لوگوں کو زحمت کا سامنا نہ ہو۔

خواتین و مرد حضرات کے لیے علیحدہ علیحدہ وضو خانے اور غسل خانے مسجد شریف کے باہر کھلے ایریا میں چاروں طرف ملتے ہیں جن سے ہجوم کے دنوں میں لاکھوں فرزندان توحید استفادہ کرتے ہیں۔ غسل خانوں میں فرش کے ذریعے نکاسی آب کا انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد اور حرم النبوی شریف میں ایک بہت پائیدار پانی کی سپلائی کا نظام بنایا گیا ہے اور یوں لاکھوں نمازیوں کے لیے ہمہ وقت غسل اور وضوء کا بندوبست مسجد شریف کے چاروں طرف کر دیا گیا ہے۔ مستورات اور حضرات کے لیے الگ الگ عمارتیں اس کام کے لیے مختص ہیں جہاں آمد و رفت کے لیے عام سیڑھیوں کے علاوہ بجلی کے زینے بھی لگائے گئے ہیں۔ جائے وضوء پر بیٹھنے کے لیے اونچی جگہیں بنائی گئی ہیں تاکہ پانی گرنے سے کپڑے غلیظ نہ ہوں۔ وضوء کی کل ٹونٹیوں کی تعداد ۲،۴۳۲ ہزار ہے۔ پانی کے نکاس کے لیے وضو خانوں اور غسل خانوں سے نالیاں نکال کر مین نکاس کے نظام سے منسلک کر دی گئی ہیں جہاں سے یہ پانی مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع زرخیز علاقوں کو آب پاشی کے لیے سپلائی کر دیا جاتا ہے۔ استعمال شدہ پانی کے نکاس کا انتظام اتنا بہترین ہے کہ شدید بارشوں کی وجہ سے بھی کبھی پانی چند منٹوں سے زیادہ ٹھہرا نظر نہیں آتا۔

انتہائی سخت کوالٹی کنٹرول، نگرانی اور محنت شاقہ اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے سب سے بڑے راہنما اصول رہے تھے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس منصوبے سے منسلک ہر اہل کار نے نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن نفیس مدینہ طیبہ جاتے اور کام کی رفتار کا جائزہ لیتے رہتے اور کئی بار ایسا ہوا کہ موقع پر ہی انہوں نے پلان سے ہٹ کر ہدایات دیں تاکہ مسجد نبوی شریف میں مزید سہولتوں کا اضافہ کیا جا سکے۔ پایہ تکمیل تک پہنچنے پر مسجد نبوی شریف کا چھتا ہوا حصہ پہلے کی نسبت پانچ گنا وسیع ہو چکا تھا جہاں اب ۱۸۰،۰۰۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نمازیوں کے لیے مزید گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے چھت پر بھی صف بندی کے لیے برآمدوں کا بندوبست کیا گیا ہے اس طرح چھت کا ۶۷،۰۰۰ مربع میٹر رقبہ بھی کام میں لایا گیا ہے جہاں مزید ۹۰،۰۰۰ نمازیوں کے بیک وقت نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ چھت پر بسہولت جانے کے لیے ۱۸ عدد عریض سیڑھیاں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ چار بجلی سے چلنے والے دو رویہ زینے بھی لگائے گئے ہیں۔ باب السلام سے لے کر (جسے باب نمبر ایک دیا گیا ہے) باب البقیع تک ۸۶ چھوٹے بڑے دروازے مسجد شریف کے چاروں طرف نمازیوں کی آمد و رفت کے لیے لگائے گئے ہیں۔ پہلے صرف آٹھ دروازے ہوتے تھے جن میں ۱۶ کواڑ نصب تھے، مگر تعمیر نو اور توسیع کے بعد ان بڑے مدخلوں کی تعداد ۲۵ ہو گئی ہے جن میں ۶۵ دروازے نصب ہیں۔ تہہ خانوں کو جانے کے لیے علیحدہ دروازے ہیں۔ صدر دروازوں کو

بڑھتا ہوا رش دیکھ کر بنایا گیا تھا جب کہ اس میں استعمال ہونے والے مواد سے [illegible] کا وزن
اور سائز کے لحاظ سے ان کی تعمیر اور ڈیزائننگ اس انداز سے کی گئی ہے کہ ان سے [illegible]
کی وجہ سے پیدا ہونے والے ۱۸ امدازیے ہیں جو کہ صرف چند منٹوں میں [illegible] (۱۰ سے ۱۵ منٹ) پر محیط ہوتے
ہیں۔ نماز فجر کے وقت، کمزور اور بوڑھوں کے لیے بجلی کے زیادہ بوجھ کا باعث ہیں

اس بڑی توسیع سے پہلے مسجد شریف کے صرف چار مینار ہوا کرتے تھے جب کہ اب ان کی تعداد ۱۰ ہو گئی ہے۔ نئے تعمیر شدہ مینار ۹۰ میٹر بلند ہیں جو کہ دور سے ہی زائرین کی نظروں کا محور بن جاتے ہیں۔ مسجد شریف کے نئے حصے میں کل ۲،۵۶۷ ستون ہیں جن میں سے ۲۰۰ ستون کا قطر ۱۴ فٹ ہے جب کہ باقی ۵۵۰ ستون محل وقوع کی مناسبت سے مختلف حجموں کے ہیں۔ دور ارضی ۶،۵۴۴ مربع میٹر پر محیط ہے جب کہ چھت کا بالائی حصہ ۱۵ ہزار مربع میٹر رقبے پر محیط ہے

جوں جوں مسجد شریف کی تعمیر اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی منصوبے کے منتظمین اور انجینیروں کے ذہنوں میں چند نئی تجاویز بھی جنم لے رہی تھیں جسے دوران تنفیذ ہی بعد از منظوری منصوبے میں شامل کر لیا جاتا تھا ان میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ نئے تعمیر شدہ حصے میں صحنوں کو کھلا چھوڑنے کی بجائے ایسے گنبد بنا دیے جائیں جو کہ موسمی اثرات کے مطابق حرکت میں لائے جا سکیں۔ یعنی اگر بارش زیادہ ہو تو یہ حرکت کر کے کھلے علاقوں کو بند کر دیں اور جب کھلا آسمان دیکھنا مقصود ہو تو ان کو چھتے ہوئے حصے پر لے جایا جا سکے۔ یہ تجویز دراصل اس مسلم جرمن انجینیر کی تھی جس نے مسجد شریف کے پرانے حصے میں آٹومیٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں (Ethereal Umbrellas) ڈیزائن اور نصب کی تھیں۔ ابتداء میں صرف ایک ایسا گنبد تعمیر کیا گیا اور پھر جب خادم الحرمین شریفین نے معائنے کے بعد اس کی منظوری دے دی تو ۲۶ اور گنبد تعمیر کیے گئے۔ یوں ایسے گنبدوں کی کل تعداد ۲۷ ہے۔ گنبدوں کی تعمیر سے مسجد نبوی شریف فن تعمیر کے دور حاضر کے محیر العقول عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ ہر ایک گنبد کا ایک ایک حصہ خصوصی ماہرین کی نگرانی میں مواصفات کے مطابق بنایا گیا۔ سردی گرمی سے بچاؤ کے لیے خاص عازلہ مواد استعمال کیا گیا اور گنبدوں کے اندر کی جانب خوبصورت نقش و نگار اور ڈیزائن بنائے گئے۔ ان گنبدوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت مسجد شریف کی عمارت کے ایر کنڈیشننگ نظام سے مربوط اور منسلک ہے۔ ہر گنبد کا وزن ۸۰ ٹن ہے۔ کیمیا سے درآمد کردہ امیزونائٹ سنگ مرمر (Amazonite marble) سے ان کے اندرونی حصوں میں نقش و نگار بنائے گئے ہیں ان گنبدوں کے بعض حصے زر خالص سے مزین ہیں اور یوں ہر گنبد میں ۲،۵۰ (اڑھائی) کیلو گرام خالص سونا استعمال ہوا ہے ان گنبدوں کے باہر کے حصوں پر جرمنی سے درآمد شدہ ٹائلیں لگائی گئی ہیں

مسجد شریف میں سردی اور گرمی کے مطابق ایک بہت ہی پیچیدہ ایر کنڈیشننگ کا نظام نصب ہے جس کے چلر یونٹ دنیا میں کسی بھی عمارت میں استعمال ہونے والے سب سے بڑے یونٹ ہیں۔ یارک کمپنی نے مدینہ طیبہ سے سات کیلومیٹر باہر دنیا کے سب سے بڑے چلر یونٹ (Chiller Units) کی تنصیب کی جہاں سے زیر زمین سرنگ میں سے نالیوں کے ذریعے ٹھنڈا پانی مسجد نبوی شریف کے تہہ خانے میں پہنچایا جاتا ہے۔ وادی العقیق کے اس پار واقع اس چلر کمپلیکس کا رقبہ ۷۰،۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ مسجد نبوی شریف سے اتنی دور اس کمپلیکس کے بنائے جانے میں اصل مقصد یہ تھا کہ مسجد شریف کے ارد گرد کا علاقہ بہت قیمتی ہو چکا تھا اور اس کی تجارتی قیمت کروڑوں ریالوں تک پہنچتی تھی لہذا اس سے ایک طرف تو پیسے بچت بھی ہو گئی اور دوسری طرف مسجد شریف کے ارد گرد کا علاقہ دیگر تجارتی سرگرمیوں کے لیے بچ گیا اور ساتھ

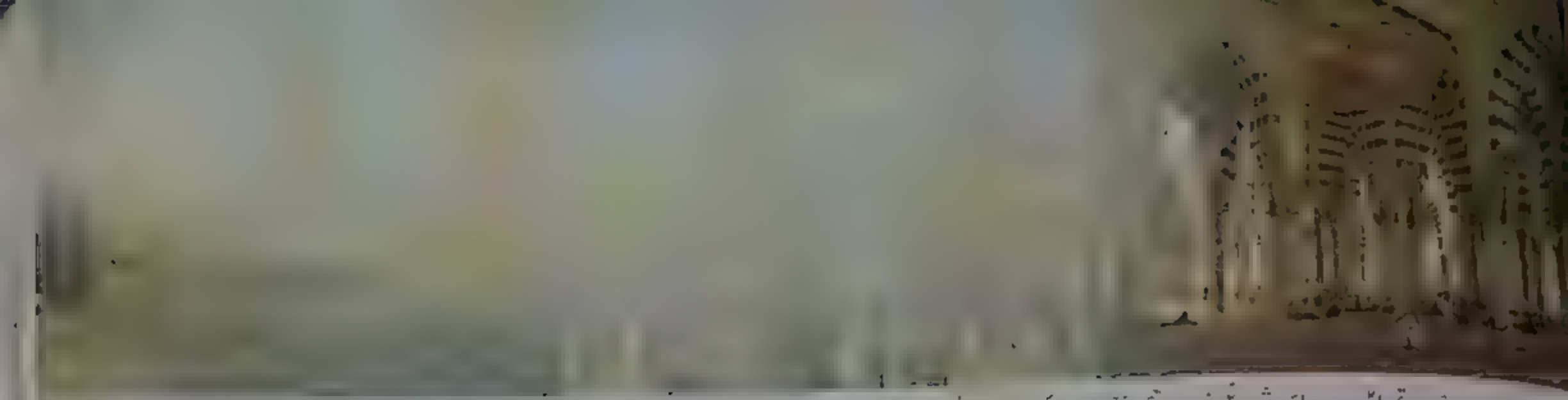

ی ساتھ اہل مدینہ اس شدید گرمی سے بچ جاتے ہیں جس کی شدت سے بچنے کی وجہ سے ہر سال [illegible] بہت سی بڑے یونٹ نصب ہیں جن میں سے پانچ تو مستقل طور پر کام کرتے ہیں جبکہ ۱۰ تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔ وقت ایک مشین کام میں لائی جاتی ہیں چلر پلانٹ سے مسجد نبوی شریف تک ٹھنڈی ہوا صرف چند منٹوں میں ۱۳۶۰۰ ٹن فی منٹ کی رفتار سے پہنچ جاتی ہے جس سے بڑے بڑے ہال اور صحن بھی ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ ہوا کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ۵۰ بڑے بڑے پنکھے (Blower) اس ٹھنڈی ہوا کو ان تک پہنچاتے ہیں۔ چلنگ پلانٹ (Chilling Plant) میں فی منٹ ۱۰۰۰۰ ٹن ہوا ٹھنڈا کرنے کی گنجائش ہے جہاں تک مسجد شریف سے پرانے نلکے کا تعلق ہے وہاں اب بھی بجلی سے پنکھوں سے کام لیا جاتا ہے درحقیقت شیشم کے پنکھوں نے پیتل سے بنے پنکھے بھی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں

مسجد شریف کے پیتل کے پنکھے میں پیتل کی جالیاں لگائی گئی ہیں جو کہ نہ صرف دیدہ زیب ہیں اور مسجد شریف کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ یہ ٹھنڈی ہوا کے فلٹر جیسے کا کام بھی کرتی ہیں جو کہ پنکھے سے ایئر کنڈیشننگ کے نظام سے نالیوں کے ذریعے منسلک ہیں مسجد میں ٹھنڈی ہوا اتنی وافر مقدار میں پہنچائی جاتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ مسجد کے اندرونی حصوں میں بلکہ اس سے باہر ۱۰۰ میٹر تک اوپن ایئر میں بھی ٹھنڈک سے مستفید ہوتے ہیں۔ پانی کے نظام کی طرح بجلی کا نظام بھی بہت وسیع بنیادوں پر کیا گیا ہے۔ مشہور طیبہ بجلی کے سپلائی کے نظام کے علاوہ مسجد نبوی شریف کا اپنا ایٹ پاور جنریٹنگ پلانٹ (Power Generating Plant) بھی ہے جس میں ۲۵،۰۰۰ کیلو واٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش ہے جو کہ احتیاطی تدابیر پر نصب ہے تاکہ ایمرجنسی کی صورت میں بجلی کی سپلائی منقطع نہ ہونے پائے یہ نظام خودکار ایکٹو ونگ ذرائع سے یا مشینی ذرائع سے ہاتھ سے چلایا جاتا ہے

مسجد شریف میں روشنی کے بندوبست کے لیے خوبصورت فانوس (Chandeliers) نصب کیے گئے ہیں جن میں ترسیل نور کے لیے بجلی کا ایک نہایت ہی پیچیدہ نظام نصب ہے۔ یہ تمام فانوس جدہ کی ایک فیکٹری میں بنائے گئے تھے مسجد شریف کے فانوس میں حرم نبوی شریف کے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے ان فانوسوں کو خاص طور پر ڈیزائن کیا گیا تھا جن پر نہایت ہی دیدہ زیب انداز میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں مسجد شریف میں کل ۶۸ فانوس ہیں جو کہ پیتل کے بنے ہیں مگر ان پر سونے سے ملمع کاری کی گئی ہے۔ جونہی اندھیرا چھاتا ہے بجلی کے قمقموں اور فانوسوں کی روشنی سے مسجد شریف کے اندر اور باہر اجالا ہو جاتا ہے اور میناروں پر اتنی ضیاء پاشی ہوتی ہے کہ کئی میل دور سے ہی یہ مینار لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔ مسجد شریف کے باہر کھلے علاقے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فرش پر بلند و بالا ستون نصب ہیں جن میں تیز روشنی والے بلب چاروں طرف نور بکھیرتے ہیں۔

مسجد شریف میں کسی ناگہانی حادثے یا کسی تخریبی کارروائی سے بچنے کے لیے ہمہ وقت سیکیورٹی کا نظام نصب ہے جس کا مرکز تہہ خانے میں ہے مختلف جگہوں پر کافی اونچائی پر کیمرے نصب ہیں جو کہ کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن (Closed Circuit Television - CCTV) کے ذریعے سیکورٹی کے نظام رئیسی سے منسلک ہیں اور چوبیس گھنٹے مسجد شریف کے احاطے میں اور اس کے باہر نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں ایک ہی ایک نہایت جدید صوتی نظام (Sound System) اور ٹیلی ویژن نظام بھی نصب ہے جو کہ نہ صرف براہ راست ریڈیو سٹیشن سے منسلک ہے بلکہ بوقت ضرورت سعودی ٹیلی ویژن سے منسلک کیا جا سکتا ہے تاکہ خاص خاص مواقع پر مثلاً عیدین یا تراویح کے وقت سعودی

توسیع مسجد نبوی کا افتتاحی کتبہ

عرب ورثہ مراکز کے دیگر ذمہ داروں سے ملا جائے اور چار ماہ کے عرصہ میں پہلے عازمین اس کی تشریح سے مستفید ہوں۔ سیکورٹی کے اس نظام سے حادثات سے بچاؤ کے لیے دفاع مدنی کے زیر انتظام مسجد شریف میں ۶۵ مختلف مقامات پر پانی کے پائپ مرتب بجھانے کے آلات نصب ہیں ہنگامی اقدام کے لیے سیکورٹی نظام مسجد شریف کے تین جانب کام کرتا ہے تاکہ ہر مشکوک حرکت کی تمام تفتیش کی جائے کسی نمازی کو مسجد شریف میں اچانک حادثہ پیش آجانے کی صورت میں ایمرجنسی فوری طبی امداد کا بندوبست ہے اور ایمبولینس موقع پر پہنچ جاتی ہیں مسجد کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سیکیورٹی کے ہر دار کارندے ایک ایک بات پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے اپنے مراکز سے رابطہ رکھتے ہیں۔

نمازیوں کے لیے پینے کا پانی مہیا کرنے کے لیے مکہ المکرمہ سے خاص طور پر آب زمزم منگوا کر واٹر کولروں میں بھرا رہتا ہے ابتداء میں تو نلکوں پر لا کر آب زمزم دیا جاتا تھا مگر اب منصوبہ بندی کی جارہی ہے کہ مکہ شریف سے پائپ لائن کے ذریعے آب زمزم کی براہ راست ترسیل شہر نبوی شریف کر دی جائے مسجد شریف میں ہر وقت ٹھنڈا آب زمزم دستیاب ہوتا ہے جو کہ اس کے ہر حصے میں مختلف روشوں میں رکھے گئے کولروں میں وقتے وقتے کے بعد بھر دیا جاتا ہے۔ اس کام پر مامور عملہ اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ نمازیوں اور زائرین کو پینے کے لیے آب زمزم کی قلت نہ ہو۔ یہ کام ماضی میں آغا حضرات مشکیزے کندھوں پر اٹھا کر کٹورے ہاتھوں میں لیے مختلف صفوں میں گھوم پھر کر کیا کرتے تھے

ماضی بعید میں مسجد شریف اور اس کے گرد و نواح میں آغا حضرات صفائی کا انتظام خود کرتے تھے مگر بعد میں اس کام کے لیے عملہ کا بندوبست کیا گیا جو جاروب کشی کرتے۔ اب چونکہ مسجد شریف کا رقبہ پہلے کی نسبت دس گنا بڑھ چکا ہے اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ بھی عملی طور پر مسجد کا حصہ ہی تصور ہوتا ہے اس لیے صفائی کا ٹھیکہ سعودی کمپنیوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا عملہ پوری لگن سے اس کام کو سرانجام دیتا ہے۔ اندر صفائی تو عموماً چھوٹے ویکیوم کلینروں سے یا دیگر چھوٹی مشینوں کے ذریعے کی جاتی ہے مگر باہر کی جانب اس مقصد کے لیے بڑی مشینیں استعمال ہوتی ہیں حتیٰ کہ دیواروں سے گرد و غبار جھاڑنے کے لیے بھی خاص گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی سی کرینیں نصب ہیں جن پر چڑھ کر عملہ صفائی کا بندوبست کرتا ہے۔ صفائی کا ٹھیکہ کم بولی دینے والے کو ملتا ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تک یہ ٹھیکہ دلہ گروپ یا بن لادن گروپ کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے آج تک صفائی کا بہت معیاری بندوبست کیا ہے۔ ٹھیکیدار کمپنی مرد اور عورتوں کے عملہ کو بھرتی کر کے خواتین و حضرات کے حصوں میں صفائی کا انتظام کرتی ہے۔ آب زمزم کی سپلائی اور ہر وقت کولروں کو بھرے رکھنا بھی انہیں ٹھیکیداروں کا کام ہے۔ مسجد نبوی شریف کے اندر اور باہر صفائی کا اتنا اچھا انتظام کیا گیا ہے کہ کوئی بھی اس عملے کی تعریف کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ بلدیۃ الحرم کی چھوٹی چھوٹی سی گاڑیاں مسجد شریف کے ارد گرد وقتاً فوقتاً چکر لگاتی رہتی ہیں جو اس بات کو یقینی بناتی ہیں کو مسجد شریف کے ارد گرد سامان بیچنے والے نمازیوں کا راستہ نہ روکیں۔

صدیوں سے مسجد نبوی شریف اہل مدینہ طیبہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرتی آرہی ہے اور اسی سنہری روایت کے تسلسل کے طور پر آج بھی مسجد شریف میں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ روزانہ بعد نماز عصر حفاظ بچوں کی ٹولیاں مسجد شریف کے مختلف حصوں میں قطار اندر قطار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتی ہیں جہاں انہیں قراءۃ تجوید اور علوم قرآن مجید فرقان حمید سکھائے جاتے ہیں۔ قدیم شہر مدینہ میں پرانی رباطوں میں جو مدارس اور لائبریریاں موجود تھیں ان سب کو یکجا و مندمج کر دیا گیا ہے اور ایک بہت بڑی لائبریری قائم کر دی گئی جو کہ باب العثمان بن عفانؓ کے اوپر واقع ہے جہاں نہ صرف تاریخ مدینہ پر نادر کتب موجود ہیں بلکہ قدیم رباطوں کی لائبریریوں میں جو قلمی نسخے

اور مخطوطے موجود تھے وہ بھی وہیں محفوظ کر دیے گئے ہیں اس لائبریری کے متعلق مزید معلومات متعلقہ باب میں دی گئی ہیں

مستقبل میں جب بھی کبھی مسجد شریف کی توسیع کی ضرورت پیش آئے گی اس کے لیے ابھی سے پیش بندی کر دی گئی ہے. کسی ایسی ممکنہ ضرورت کے پیش نظر عمارت کی قیمت اتنی پختہ کی گئی ہے کہ اس کے اوپر دوسری یا تیسری منزل تعمیر کر دی جائے. ماسٹر پلان کے تحت اگرچہ مسجد نبوی شریف کی توسیع عمل ہوئے بارہ سال گزر چکے ہیں مگر ابھی بھی اس کے کچھ حصوں پر متواتر عمل ہو رہا ہے جس کے تحت گرد و نواح کے علاقوں کو خرید کر تجارتی بنیادوں پر بڑی عالیشان عمارتیں اور پلازے بنانے کا عمل جاری ہے. ابھی پچھلے سال عنبریہ کا آدھا علاقہ خالی کروا کر اسے خالی چھوڑ دیا گیا ہے اور اب سمانیہ کا علاقہ بھی کافی حد تک صاف کر دیا گیا ہے جسے فی الحال مسجد کی شرقی جانب کھلا رکھا گیا ہے تاکہ ہجوم نہ رہے مگر ماسٹر پلان کے تحت یہ سارا علاقہ فائیو سٹار ہوٹلوں کی آماجگاہ بن جائے گا جہاں چھوٹے ہوٹلوں اور رہائشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی. اسی طرح دھیرے دھیرے سمانیہ کا باقی علاقہ بھی خالی کروا کر اس ماسٹر پلان کے مطابق تجارتی بنیادوں پر نئے سرے سے بنایا جائے گا اس سارے علاقے کو جی النجار کا نام دیا جائے گا.

آخری مینار کی تعمیر مکمل ہونے پر قلعوں کی تعمیب کے موقع پر شاہ فہد بن عبدالعزیز کی تحریر

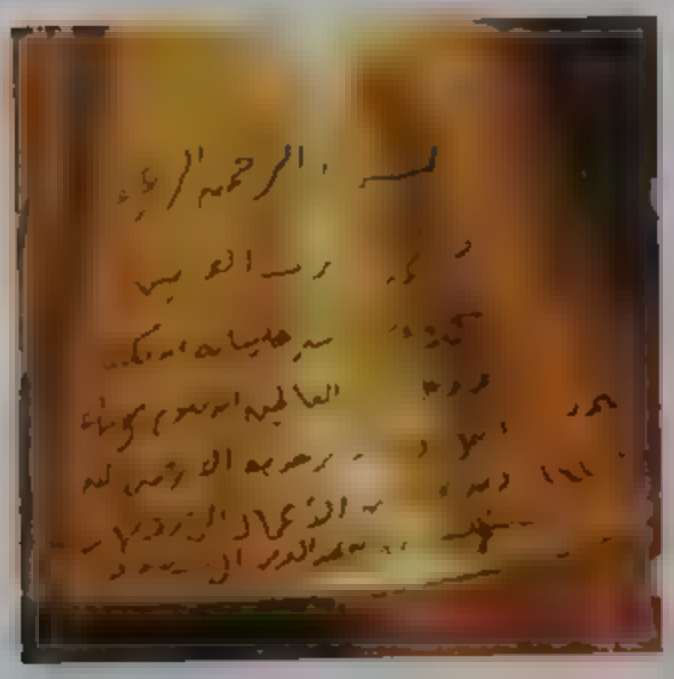

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ماضی میں مسجد شریف کے صرف ۱۸ مدخل تھے جن کی تعداد بڑھا کر ۸۱ کر دی گئی ہے جن میں سے آٹھ تو صرف تہہ خانے کو جانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں.

مسجد نبوی شریف کے قدیم حصے میں واقع اہم تاریخی حیثیت رکھنے والے

اسطوانات رحمت منزلت یعنی مبارک ستون

روز اول سے ہی جب سے مسجد نبوی شریف میں کھجور کے تنوں سے بنے ستون کھڑے کر کے ان پر چھت ڈالی گئی تھی ان ستونوں کے مقامات کو نہایت ہی خاص قسم کی اہمیت بلکہ مسجد شریف کے دیگر حصوں پر

فوقیت حاصل رہی ہے کیونکہ ان میں سے [illegible] کسی نہ کسی اہم واقعہ سے جڑا ہوا ہے [illegible] میں سے صرف پانچ ہی نظر آتے ہیں جبکہ باقیماندہ تین حجرہ مطہرہ کے اندر چلے گئے ہیں. رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان ستونوں کو خاص اہمیت دیتے تھے. ایک مرتبہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے جب ان کے غلام یزید بن العبیدؒ نے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ ان ستونوں کے قریب نماز پڑھنے کا بہت التزام کرتے ہیں تو انہوں نے چند ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے پاس نمازیں ادا کرتے دیکھا ہے.] (۲۷۲)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [جب موذن اذان دے چکتا تو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک بعض اصحابہ کرام ان ستونوں کا رخ کر لیتے جہاں دو نماز ادا کرتے ...] (۲۷۳)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [میں نے بعض جلیل القدر اصحابہ کرام کو نماز مغرب کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ستونوں کی طرف جلدی جلدی جاتے دیکھا.] (۲۷۴) اس حدیث مبارکہ سے تمام ستونوں کی فوقیت اجاگر ہوتی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود ہوا کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام نے یہ رائے دی ہے کہ ہمیں ریاض الجنۃ میں واقع ہر ستون کے پاس نماز ادا کر لینی چاہئے جیسا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے.

آنے والے چند صفحات میں ہم ان چند ستونوں کی اہمیت بیان کرنا چاہیں گے جو کہ تاریخ اسلام میں کسی نہ کسی واقعہ سے منسوب رہے ہیں.

اسطوانہ مخلقہ

خلوق ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے اور عربی زبان میں مخلقہ اس جگہ یا چیز کو کہتے ہیں جس پر خلوق ملا یا گیا ہو. اس معطر ستون کو اس لیے مخلقہ کہا جاتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر خلوق ملا کرتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ: [ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی دیوار پر دیکھا کہ کسی نے بے احتیاطی سے اس پر تھوک پھینک دیا تھا جس پر آں حضرت ﷺ نے نارضگی کا اظہار فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا: [نماز کے دوران اللہ کریم تم سب کے سامنے ہوتا ہے، لہذا کسی کو اس طرف تھوکنا یا ناک کا فضلہ پھینکنا نہیں چاہئے.] (۲۷۵) پھر سرور دو عالم ﷺ نے بنفس نفیس ایک چھڑی کی مدد سے اسے کھرچ ڈالا (۲۷۶) اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس پر خلوق مل دیا جائے. (۲۷۷) روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ایسا حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ہوا تھا اور انہوں نے اس پر عطر خلوق ملا تھا. (۲۷۸)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے [اللہ کے رسول ﷺ نے جانب قبلہ کی دیوار پر کسی کا پھینکا ہوا تھوک یا ناک کا مادہ دیکھا اور اسے کھرچ ڈالا۔] (۲۷۹) جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کسی صحابی نے قبلہ کی دیوار پر رسول اللہ ﷺ کے مصلی کے سامنے تھوک پھینک دیا تھا یہ بات چونکہ آداب مسجد کے صریحاً منافی تھی اس لیے سرکار دو عالم ﷺ کو اس کا بہت رنج ہوا اور آپ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے کھرچ ڈالا۔ اور فرمایا [جب بھی تم میں سے کوئی حالت نماز میں ہوتا ہے وہ اس وقت اپنے رب سے براہ راست ہم کلام ہوتا ہے جو اس وقت اس نمازی اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہذا اسے نہیں چاہئے کہ وہ قبلہ کی جانب تھوکے] روایات کے مطابق حضرت عثمان بن مظعون فوراً اٹھے اور اسے صاف کیا اور اس پر خلوق کی خوشبو مل دی مسجد نبوی شریف میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے کسی حصے پر عطر ملا گیا ہو اس کے بعد اس روایت کو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قائم رکھا۔

مصلی النبوی شریف کے قریب ہی دیوار قبلہ کے پاس وہ تاریخی کھجور کا تنا بھی تھا (حنانہ) جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس واقعہ کا ذکر (جس میں جب رسول اللہ ﷺ کے لیے نیا منبر بنایا گیا اور حضور سرور کائنات ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے تو وہ تنا زار و قطار رونے لگ گیا تھا) ہم نے اسی باب میں اوپر اور ایک دوسری جگہ پر باب ''تبرکات نبوی شریف'' میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے یہاں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ اس مقام پر جہاں اسطوانہ مخلقہ چھت کو سہارا دینے کے لیے کھڑا کیا گیا تھا وہاں قریب ہی کھجور کا ایک اور تنا بھی تھا جس پر سرکار دو عالم ﷺ بوقت خطاب کھڑے ہو کر ٹیک لگایا کرتے تھے اس ستون کی اہمیت کی ایک اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں تدوین مصحف الشریف سے پہلے قرآنی سورتیں اور آیتیں مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں (مثلاً پتھر کے ٹکڑے اوراق وغیرہ پر) وہ وہاں رکھی رہتی تھیں تاکہ نمازی مسجد نبوی شریف میں آکر قرآن کریم کی تلاوت کر سکے جب سیدنا ذوالنورین عثمان بن عفانؓ جامع القرآن نے مصحف کی صورت میں ان کو یکجا کر دیا اور اس کے مختلف نسخے تیار کروا کر مختلف علاقوں میں روانہ کئے تو بعض قدیم مخطوطے اسی ستون کے نیچے دفن کر دیئے تھے (واللہ اعلم بالصواب) (۲۸۰) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصحف شریف کا وہ نسخہ جو کہ دوران محاصرہ ان کے ذاتی استعمال میں تھا وہ بھی اس مقام پر رکھ دیا گیا تھا جو کہ مصلی النبوی الشریف اور حجرہ مطہرہ کے درمیان واقع ہے۔ بعد میں بنو امیہ کے دور میں جب حجاج بن یوسف نے مصحف شریف پر اعراب لگوائے تو اس نے ایک نسخہ مدینہ طیبہ بھی روانہ کیا جو کہ مصحف عثمانی کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اسے ایک صندوق میں رکھا گیا تھا جس کو "صندوق المصحف" کہا جاتا تھا جو کہ اسطوانہ مخلقہ کے پاس رکھا رہتا تھا۔ مصحف شریف کے اس نئے نسخے کے آنے پر مصحف عثمانی کو حضرت ابان بن عثمانؓ نے وہاں سے اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

آج کل یہ مبارک ستون محراب النبوی الشریف کی پشت کے ساتھ متصل ہے اور محراب کے اوپر اگر دیکھیں تو اس ستون پر "اسطوانہ مخلقہ" لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کا نچلا حصہ محراب النبوی الشریف کا حصہ بن چکا ہے۔

اسطوانہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ

ماہ رجب المرجب ۲ ہجری میں جب بیت المقدس سے کعبۃ المشرفہ کی جانب تحویل قبلہ ہوگئی تو ماضی کی عقبی جانب روئے قبلہ قرار پائی اور پرانی قبلہ کی دیوار عقبی دیوار بن گئی۔ احکام الٰہی کے تحت فوری طور پر منہ تو دوران نماز جانب قبلہ کیا جانے لگا مگر عمارت مسجد شریف میں چند تبدیلیاں ناگزیر ہوگئی تھیں جن کو کرنے میں کچھ وقت درکار تھا۔ نئی جانب قبلہ کی دیوار میں پہلے اس مقام پر ایک دروازہ ہوا کرتا تھا جسے بند کر دیا گیا ان چند دنوں میں جب کہ مسجد شریف میں ضروری تبدیلیاں لائی جاری تھیں رسول اللہ ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر نماز کی امامت کرواتے رہے۔ جب سب تبدیلیاں لائی جا چکیں تو سرور کائنات ﷺ نے مقام مصلی النبوی شریف پر نماز پڑھانی شروع کر دی لیکن جہاں پر آپ حضور ﷺ نے درمیانی عرصے میں چند دن کھڑے ہو کر نماز ادا کروائی تھی وہاں ایک ستون بنا دیا گیا تھا۔ الطبرانی میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی ایک روایت کچھ اس طرح ہے: [اس مسجد میں اس ستون سے پہلے (قریب) ایک ایسا بقعہ مبارکہ ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم پڑ جائے تو وہ اس کی طرف جھپٹ پڑیں۔ پھر لوگوں کو معلوم ہوگیا تو اصحابہ کرام اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہو جایا کرتی تھی۔ یہی اسطوانہ قرعہ ہے۔]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن الحکم ایک اور اصحابی کی معیت میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر تھے دوران گفتگو ام المومنین سیدتنا عائشہؓ نے فرمایا: [مجھے اس مسجد میں ایک ایسے ستون کا پتہ ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا پتہ چل جائے تو وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے اس پر لپک پڑیں اور یوں قرعہ نکالنا پڑ جائے گا۔] دونوں اصحاب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو سیدۃ عائشہؓ کے پاس چھوڑ کر چلے آئے۔ باہر نکلنے پر وہ مسجد شریف میں ایک طرف چھپ کر بیٹھ گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تاک میں رہے جیسا کہ وہ سوچ رہے تھے جوں ہی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ باہر تشریف لائے سیدھا اس ستون کی جانب چلے گئے اور وہاں نماز ادا کرنے لگے۔ جس سے یہ بات طے ہوگئی کہ وہ ستون جس کا ذکر سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے دوران گفتگو کیا تھا وہ وہی ستون تھا جس کے پاس حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے باہر آنے پر نماز ادا کی تھی۔ (۲۸۱) قارئین کی یاددہانی کے لیے ہم یہ تصریح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ رشتہ میں سیدۃ عائشہؓ کے سگے بھانجے تھے (حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ ان کی والدہ تھیں) اور ام المومنین سیدۃ عائشہؓ ان سے اتنا پیار کرتی

تھیں کہ انہیں ام عبداللہ کہا جاتا تھا مروان یہ بات سمجھتا تھا کہ سیدۃ عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کچھ نہیں چھپائیں گی، لہذا وہ چھپ کر ایک طرف بیٹھ گیا اور جونہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے وہاں نماز ادا کی تو وہ اور دیگر ساتھی سب سمجھ گئے کہ وہ ستون کونسا تھا جس کا ذکر سیدتنا عائشہؓ نے کیا تھا اس کے بعد جوں جوں اس بات کا چرچہ ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت اس ستون کے پاس نماز ادا کرنے لگ گئی.

اس واقعہ اور روایت کی نسبت سے اس ستون کو 'اسطوانہ عائشہ' کہا جاتا ہے. اور چونکہ اس روایت میں ہجوم سے بچنے کے لیے قرعہ نکالنے کا بھی ذکر ہے [.... کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا پتہ چل جائے تو وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے اس پر پک پڑیں اور یوں قرعہ نکالنا پڑے گا.] اس لیے اسے 'اسطوانہ قرعہ' بھی کہا جاتا ہے. ساتھ ہی اسے 'اسطوانہ مہاجرین' بھی کہا جاتا رہا ہے کیونکہ ابتداء میں اس جگہ پر مہاجرین کا ہجوم ہوا کرتا تھا. سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر ابن الخطابؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت عمرو بن عبداللہؓ اس کے پاس نماز ادا کیا کرتے تھے (۲۸۲) حضرت یزید بن العبیدؒ (جو کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کے غلام تھے) سے مروی ہے. [میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وہ اس ستون کے قریب نماز ادا کرنے کا بہت التزام کرتے تھے جہاں کہ مصحف شریف پڑا رہتا تھا ایک دن میں نے ان سے پوچھا ''اے ابو مسلم، میں اکثر آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اس ستون کے پیچھے نماز ادا کرنے کا التزام کرتے ہیں'' اس پر انہوں نے فرمایا [میں نے ہمیشہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس ستون کے پاس نماز ادا کیا کرتے تھے.] (۲۸۳) مورخین

مدینہ طیبہ کی اکثریت کی رائے میں اس روایت میں جس ستون کا ذکر ہے وہ وہی ستون [illegible] مصحف شریف اسی کے سامنے دھرا رہتا تھا یہ کہنا بے محل نہیں کہ آج بھی قرآن کریم کے [illegible] پیتل سے بنی الماریوں میں رکھے رہتے ہیں۔(۲۸۴)

یہ ستون ریاض الجنہ میں پہلی سطر کے ستونوں میں شامل ہے۔ حجرہ مطہرہ سے تیسرا [illegible] جانب قبلہ سے بھی یہ تیسرا ستون ہے۔ محراب النبوی شریف کی طرف سے دیکھا جائے تو یہ [illegible] مورخین مدینہ طیبہ نے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ یہ جگہ ریاض الجنہ میں بہت ہی متبرک مقام [illegible]

اسطوانۃ التوبہ

قبر اطہر سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھے ستون کا نام اسطوانہ التوبہ ہے اسے [illegible] بھی کہا جاتا ہے جب بنو قریظہ کے یہودیوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ خندق کے دوران دشمن سے سازباز کرکے غداری کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ۵ ہجری کو غزوہ خندق کے فوراً بعد ان کا محاصرہ کرلیا جو کہ دو ہفتہ جاری رہا۔ یہودی تو پہلے ہی اپنے کئی حصنوں کے دفاع کرنے پر پریشان تھے مگر اوپر سے جب ان کا محاصرہ کیا گیا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ بنو نضیر کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس سے بھی وہ واقف تھے۔ انہیں نوشتہ دیوار صاف نظر آرہا تھا۔ جوں جوں محاصرہ شدید ہوتا گیا ان کے اعصاب اور حوصلے جواب دیتے گئے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر الاوسی الانصاریؓ کو صلح کی بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیجا جائے یہ قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف رہا تھا اور اس وجہ سے حضرت ابولبابہؓ کے بنو قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ پرانے مراسم تھے ان کا خیال تھا کہ ان حالات میں شاید وہ ان کے لیے اپنے دل میں کچھ نرم گوشہ رکھتے ہوں اور ان کے کچھ کام آسکیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہؓ کو بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیج دیا۔

جب ان سے بات چیت جاری تھی تو یہودیوں نے ان کا دل موم کرنے کے لیے اپنے بچوں اور عورتوں کو ان کے پاس بھیجا تاکہ ان کے جذبہ ترحم کو ابھارا جاسکے۔ انہوں نے ان سے استفسار کیا: ''آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم محمد (ﷺ) کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟'' انہوں نے کہا اگر تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو.... اور پھر (غیر ارادی طور پر) انہوں نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کردیا... جس سے وہ سمجھ گئے کہ وہ قتل کردیے جائیں گے۔'' اسی وقت حضرت ابولبابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ان کا بیان ہے کہ: [رب العزت کی قسم میں نے ابھی اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہیں ہلایا تھا کہ مجھے یہ احساس ہوگیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے بدعہدی اور بیوفائی کا ارتکاب کیا تھا۔](۲۸۵) یہ ایک ایسا جرم تھا جو قرآن کریم کے احکام کی صریح خلاف ورزی تھا: [اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت کرو۔](۲۸۶) احساس گناہ اور ضمیر کی ملامت نے ان پر لرزہ طاری کردیا اور شرمندگی سے وہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش نہ ہوئے بلکہ سیدھا مسجد نبوی شریف کا رخ کیا اور اپنے آپ کو انہوں نے اس ستون سے باندھ لیا جسے اسی نسبت سے اسطوانہ توبہ کہا جاتا ہے۔(۲۸۷)

جب بنی قریظہ کا محاصرہ ختم ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے تو اس وقت بھی حضرت ابولبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ اسی حالت میں دو ہفتے تک وہاں بندھے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اگر وہ میرے پاس سیدھا آجاتا تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا، لیکن چونکہ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ کردے میں اسے کھول دوں۔](۲۸۸) ان کی بیوی نے بھی ان کا چہرہ دیکھنے سے انکار کردیا تھا صرف ان کی ایک بیٹی [illegible]

فطری حوائج کی خاطر اور نماز کے لیے ان کو کھول کر چھوڑ دی جاتی تھی اور جوں ہی وہ فارغ ہوتے اپنے آپ کو دوبارہ اسی ستون سے باندھ لیتے تھے. جب اللہ رب الغفور نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیت نازل ہوئی: [اور کچھ وہ ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ایک اچھے کام کو برے کام میں ملانے کا ارتکاب کیا، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے.] (۲۸۹) جونہی یہ خوشخبری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی تو وہ ان کو زنجیروں سے آزاد کرنے کے لیے دوڑے آئے، مگر آفرین ہے ان پر کہ کہنے لگے: [نہیں، نہیں! رب ذوالجلال کی قسم میں اس وقت تک آزاد نہ ہوں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے میرے ہاتھ نہ کھولیں گے.] اس کے بعد رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے ان کی زنجیریں کھول دیں. چونکہ اصحابی رسول مقبول ﷺ کی توبہ اس ستون سے بندھے رہنے کے دوران قبول ہوئی تھی اس لیے اس ستون کو 'اسطوانہ توبہ' کہا جاتا ہے. تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت ابی لبابہؓ نے چھ دیگر اصحابہ کرام کی معیت میں اپنے آپ کو وہاں اس لیے باندھ لیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے. (۲۹۰) یہ بھی روایت ہے کہ جب کبھی کسی کو سزا دینی مقصود ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو اسی ستون سے بندھوا دیا کرتے تھے. ثمامہ بن اثل کو جو کہ یمامہ کا سردار تھا بھی اسی ستون سے باندھا گیا تھا.

حضرت محمد بن کعبؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسطوانہ توبہ کی طرف رخ زیبا کر کے نوافل ادا فرمایا کرتے تھے. البیہقی نے بھی ایک حسن حدیث نقل کی ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر اسطوانہ توبہ کے پاس لگا دیا جاتا تھا. ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق جب بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اعتکاف میں بیٹھتے تو اپنا بستر اسطوانہ توبہ کے قریب لگواتے جس سے ان کا مقصود اتباع سنت رسول مقبول ﷺ ہوتا تھا. قاضی عیاضؒ نے ابن منذرؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت مالک بن انسؒ اسی جگہ بیٹھتے جہاں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیٹھا کرتے تھے، یعنی اس جگہ پر جہاں رسول مقبول ﷺ بوقت اعتکاف استراحت فرمایا کرتے تھے. (۲۹۱)

کمزور و نادار اصحابہ کرام جن میں سرور کائنات ﷺ کے مہمان اور وہ لوگ بھی شامل ہوا کرتے تھے جن کا دل رب ذوالجلال والاکرام نے اسلام کی طرف مائل کر دیا تھا اور ایسے لوگ جن کے پاس مسجد شریف کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ ہوتی (اصحاب الصفہ) اسی ستون کے اردگرد جمع ہوتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے فارغ ہو چکتے تو کمزور و ناتواں، عمر رسیدہ، فقراء، مہمانان دربار رسالت مآب ﷺ اور وہ اصحابہ کرام جن کا مسجد کے علاوہ کوئی ملجاء نہ ہوتا تھا (یعنی اصحابہ الصفہ) آپ حضور ﷺ کے گرد قطار اندر قطار حلقہ

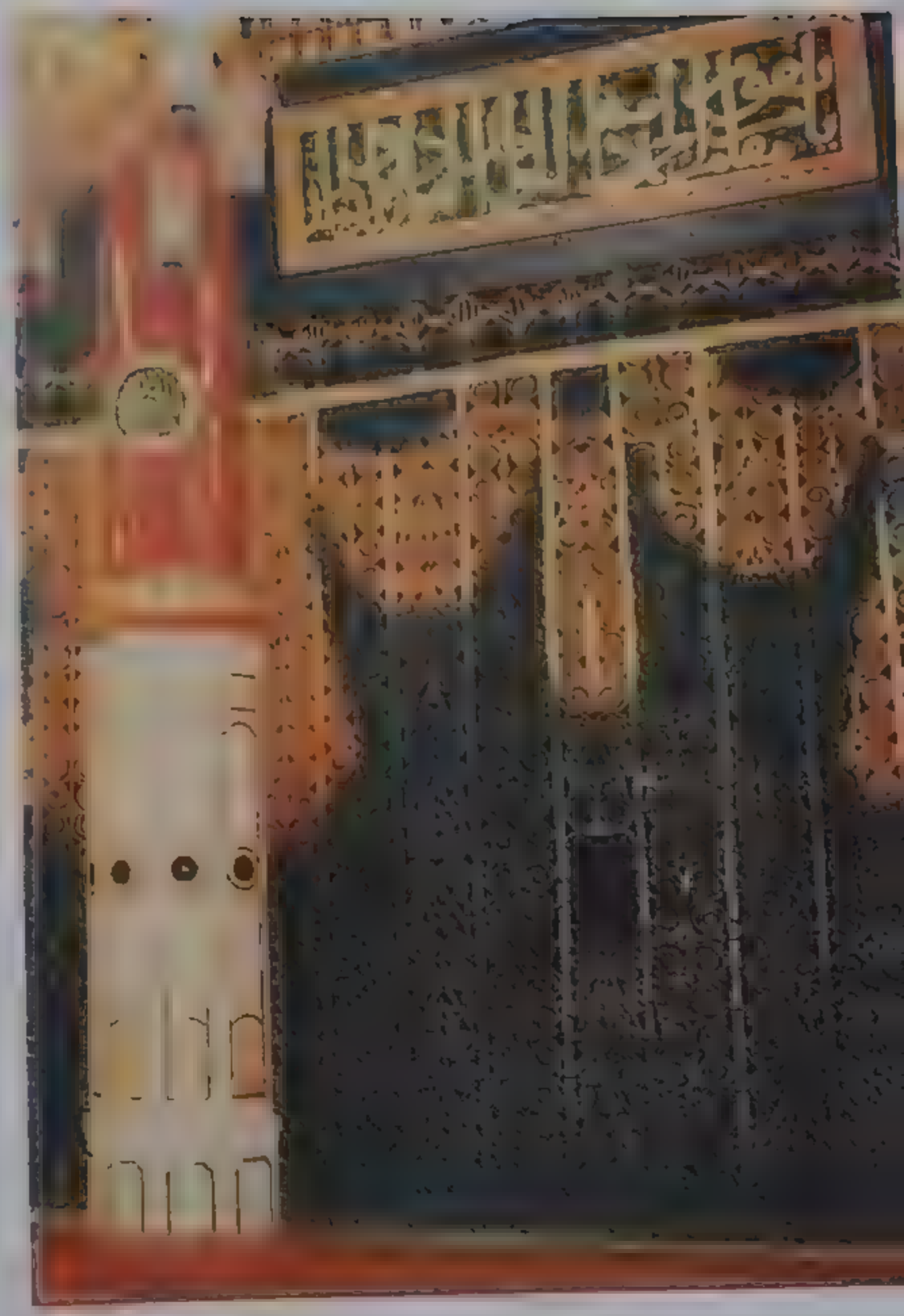

اسطوانہ سریر

فرماتے جن کی تشریح یہ ہے کہ ... آپ تمام عمر ... کرم ... مندرجات پر ... کرتے رہتے ... عمائدین شہر آپ حضور ... کی خدمت میں حاضر ہونے لگ جاتے تھے۔] (۲۹۲) سمہودیؒ نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس ستون کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اس میں ایک چھوٹی سی محراب بنا دی گئی تھی جسے ۸۸۸ ہجری کی آتش زدگی کے بعد حذف کر دیا گیا تھا

اسطوانہ سریر

مشرق کی طرف اسطوانہ توبہ کے بعد دوسرا ستون اسطوانہ سریر کہلاتا ہے جس میں سے آدھا تو حجرہ مطہرہ کی دیوار کے اندر ضم ہو گیا ہے اور صرف آدھا زائر کی نظروں میں آ سکتا ہے۔ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اعتکاف فرماتے تھے۔ ۲ ہجری میں جب رمضان المبارک کے روزے مسلمانوں پر فرض ہوئے تو آپ حضور ﷺ نے اس ماہ مبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنے کے حکم دیا۔ جب بھی آپ حضور حالت اعتکاف میں ہوتے تو آپ حضور ﷺ کا بستر جو کہ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا تھا وہاں لگا دیا جاتا تھا۔ مقام اعتکاف اس ستون اور حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے درمیان ہوتا تھا جہاں حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہوا کرتا تھا۔

سمہودیؒ کا خیال ہے کہ جب مسجد کی توسیع عمل میں نہیں لائی گئی تھی (یعنی غزوہ خیبر سے پہلے) تو آپ حضور ﷺ کا بستر مبارک اسطوانہ التوبہ کے ساتھ لگایا جاتا تھا مگر توسیع ہو جانے کے بعد یہ اسطوانہ سریر (بستر والا ستون) کے پاس ہوا کرتا تھا۔ روایات میں اس اختلاف کی وجہ سے بعض مورخین کے ذہنوں میں تذبذب پیدا ہو گیا تھا (مثلاً ابن فرحون) جن کا نظریہ یہ رہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسطوانہ سریر ہی اسطوانہ التوبہ ہو۔ تاہم ان روایات کے بین السطور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں روایات متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [آپ حضور ﷺ کے اعتکاف کے لیے ایک پردہ کھڑا کر دیا جاتا جہاں سرکار دو عالم ﷺ رات کو مشغول عبادت رہتے اور جب دن ہو جاتا تھا تو ایک بستر لگا دیا جاتا جہاں آپ حضور ﷺ استراحت فرماتے تھے۔] (۲۹۳) ایسی ہی ایک اور حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں بیٹھتے تو پردہ لگا کر عارضی طور پر ایک احاطہ سا بنا دیا جاتا تھا جس کے اندر آپ حضور ﷺ کا بستر بھی ہوا کرتا تھا جو کہ کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے

اسطوانہ سریر

بنا ہوا تھا یہ مقام تخیلہ اس جگہ بنایا جاتا جو کہ قبر اطہر کے سامنے والے ستون (غالباً جو آج سریر کہلاتا ہے) اور قندیلوں کے درمیان تھی (عین ممکن ہے کہ ابتداء میں اسطوانہ توبہ کے پاس اس وقت جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ روایت بیان کی تھی قندیلیں رکھی ہوتی ہوں) اور اس پر سرکار دو عالم ﷺ استراحت فرمایا کرتے تھے۔] وہ خیمہ یا عریش جو وہاں گاڑا جاتا تھا جس کے اندر اتنی گنجائش ہوا کرتی تھی کہ ایک چارپائی لگائی جایا کرتی تھی یقیناً اتنا بڑا ہوگا جو کہ دونوں ستونوں کے درمیانی حصے پر گھتا ہوگا اس طرح دونوں روایت میں بدرجہ اتم تطابق پایا جاتا ہے۔ بہر حال اسطوانہ التوبہ ایک الگ ستون تھا اور اسطوانہ السریر الگ ہوا کرتا تھا اسطوانہ شریف حجرہ مطہر کے اتنا قریب تھا کہ رسول متبوع ﷺ اپنا سر مبارک حجرہ مطہرہ میں موجود کھڑکی کی جانب کر دیتے تھے جہاں سے اندر سے ہی ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ بالوں میں تیل لگاتیں اور کنگھی کر دیا کرتی تھیں۔

اسطوانہ الحرس (المحرس)

جب منافقوں اور یہودیوں کی معاندانہ سرگرمیاں طشت از بام ہوئیں اور مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کو خطرہ محسوس کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رضا کارانہ طور پر آپ حضور ﷺ کے کاشانہ مبارکہ پر پہرہ دینے کی آرزو کی۔ غزوہ احد کے عسکری عملیات کے دوران تو ایک طرح کی مدینہ طیبہ پر ایمرجنسی نافذ ہو چکی تھی اور اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو مسلح ہو کر سوتے تھے اور حضور سرکار دو عالم ﷺ بھی ان دنوں مسلح رہتے تھے۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ انہی ایام میں سے ایک رات حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پوری طرح مسلح ہو کر اپنے اسلحہ کی جھنکار کے ساتھ کاشانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور پہرہ دینے کی درخواست کی اور یوں وہ حجرہ مطہرہ کی دہلیز کے باہر رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ اسی طرح دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ پہرہ دار سفر و حضر میں پاسبانی و حرس کا فرض ادا کرتے تھے۔ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنہیں دربار رسالت مآب ﷺ پر پہرہ دینے کا شرف حاصل ہوا ان میں درخشاں نام: شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے تھے۔ چند دیگر احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہ در اقدس کے باہر رات کو کھڑے پہرہ دیتے تھے۔ تاہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرائض سب سے زیادہ بار ادا کئے۔ دروان سفر تو اور بھی بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام آتے ہیں جن میں سیدنا بلال بن رباحؓ (جنہوں نے یہ فریضہ وادی القریٰ میں ادا کیا)، حضرت محمد بن مسلمہؓ (جو یوم احد پر پہرہ دار تھے) اور حضرت سعد ابن معاذؓ (جنہوں نے یوم بدر یہ فریضہ انجام دیا تھا) کے اسمائے گرامی آتے ہیں ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا ہے کہ وہ دن بھر بیر اریس کے دروازے پر دربانی کے فرائض ادا کرتے رہے تھے۔ یہ تمام حارسین رات بھر چوکھٹ مصطفوی پر چاک و چوبند کھڑے رہتے اور اگر ٹیک لگانے کی ضرورت ہوتی تو پاس ہی موجود ستون کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے جسے اسی نسبت سے بعد میں محرس (مقام پہرہ داری) یا اسطوانہ حرس کہا جانے لگا تھا۔ اسے اسطوانہ علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ پہرہ داری کی سعادت زیادہ تر انہی کے حصے میں آتی تھی۔ حضرت موسیٰ بن سلمہؒ سے مروی ہے [میں نے جعفر بن عبداللہ بن الحسینؒ سے اسطوانہ علی بن ابی طالبؓ کے محل وقوع کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: "یہ وہ جگہ ہے (قبر اطہر کے قریب) جہاں علی بن ابی طالبؓ پہرہ دار کے طور پر بیٹھا کرتے تھے۔"] (۲۹۴)

یہ حفاظتی اقدامات اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ قرآنی آیت "[اور اللہ تعالیٰ آپ کی نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔] (۲۹۵) کا نزول نہ ہوا تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے پہرہ داروں کو منع کر دیا تھا۔ چونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قیام بھی حجرہ اطہر کی جوار رحمت میں ہوا کرتا

تھا اس لیے دوسروں کی نسبت یہ فرائض ادا کرنے کی سعادت ان کے حصے میں زیادہ آتی تھی [illegible] رضی اللہ وجہہ اسی ستون کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کی وجہ سے خاص طور پر اس کی نسبت شیر خدا علی ابن ابی طالب سے ہوئی ابن ہشام کی تحقیق کے مطابق تو یہ جگہ مصلیٰ شیر خدا کہلا رہی تھی.

ایک اور وجہ سے بھی اس ستون کی اہمیت ثابت ہے. بنو ہاشم کے عمائدین اسی جگہ اپنے اجتماعات منعقد کرتے تھے. یعنی مجلس قلادہ بھی یہیں سجتی تھی.(۲۹۶)

اسطوانہ الوفود

رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی تو زبان زد خاص و عام تھی. دوست ہو یا دشمن جب مہمان بن کر آتے تو سب کے لیے درِ اقدس وا ہو جاتا. عشاق رسول مقبول ﷺ (مثلاً حضرت ربیعہ بن کعبؓ) ساری ساری رات کاشانہ اقدس کی چوکھٹ پر موجود رہتے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی وقت بھی آنے والے مہمان کے لیے دربار رسالت مآب ﷺ بند رہا ہو. حضور پرنور ﷺ آنے والے وفود اور مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم فرماتے اور حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر انہیں شرف ملاقات بخشتے جہاں پر اسطوانہ وفود استوار تھا. سرکار دو عالم ﷺ ستون کے پاس تشریف رکھتے اور ان وفود سے گفتگو فرماتے جو کہ اکناف جزیرۃ العرب سے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے حاضر ہوتے تھے. اس لیے اس ستون کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ یہاں بہت سے قبائل کے متکبر سرداروں نے اپنا سر تسلیم خم کیا تھا. آنے والوں میں مسلم و غیر مسلم محضر و بدو وفود سب شامل ہوتے تھے. وفود خواہ نجران کے نصاریٰ ہوں یا بنو تمیم کے سرپھرے سردار یا پھر بنو سعد بن بکر کے اعرابی، سب کا اسی مقام پر استقبال کیا جاتا تھا.

یہ وہی جگہ ہے جہاں بنو تمیم کے ایک فرد نے حجرات مطہرہ کے پیچھے سے کرخت آواز میں یہ آوازہ لگایا تھا کہ: ''اے محمد (ﷺ) باہر آؤ تاکہ ہماری شان و شوکت کا مشاہدہ کر سکو.'' تکبر میں ڈوبی اس کی کرخت اور بدویانہ آواز نے عرش اعظم تک کو ہلا کر رکھ دیا اور رب ذوالجلال کی ناراضگی کو للکارا. اسی وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: [بے شک جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے.](۲۹۷) وہ لوگ اپنے وفد کے ہمراہ اپنا ایک شعلہ بیان مقرر اطارد بن حاطب اور ایک شاعر زبرقان بن بدر بھی لائے تھے. ان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان ابن ثابت ؓ کو بلا بھیجا جو اذن حاضری سن کر بازار سے بھاگتے ہوئے آئے یہاں تک کہ ان کا سانس پھول گیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے جواب آں غزل کے طور پر حضرت حسان بن ثابت ؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے مقرر اور شاعر کا ترکی بہ ترکی جواب دیں. جناب حسان بن ثابتؓ کے لیے ایک تپائی (سٹول) منگوائی گئی جس پر کھڑے ہونے کا حکم ہوا اور سرکار دو عالم ﷺ نے دعا کی: [اے اللہ روح الامین کے ذریعے حسان کی معاونت فرما!]

اس کے بعد شعر گوئی کا مقابلہ شروع ہوا. زبرقان پوری تیاری کے ساتھ آیا ہوا تھا مگر حضرت حسان بن ثابت ؓ کو تو اچانک طلب کیا گیا تھا. انہوں نے مدمقابل کی تیز و تند ابیات کو سنا اور پھر اسی بحر اور ردیف و قافیہ میں فی البدیہہ دنداں شکن جواب دینے لگ گئے. مقابلہ کانٹے دار تھا. زبرقان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی دھوم جزیرۃ العرب میں دور دور تک تھی، مگر شاعر دربار رسالت مآب ﷺ حضرت حسان بن ثابت ؓ کا شہرہ بھی آفاق عرب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا. جلد ہی زبرقان شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اور حضرت حسان بن ثابتؓ جو کہ عکاظ کے بین العرب مقابلوں میں اپنا لوہا منوا چکے تھے فائز و کامران قرار پائے جس پر الاقرع بن حابس التمیمی برمحل پکار اٹھا: ''مجھے اپنے باپ کی قسم،

باب لوفود ہال پر داخل ہوتے ہیں
مقصورہ شریف کی غربی جانب
دیوار جو کہ ریاض جنہ میں ہے
جس میں تین متبرک ستون ضم
ہوگئے ہیں
میں طرف سے
پہلا اسطوانہ اسریر
دوسرا اسطوانہ الحرس
تیسرا اسطوانہ لوفود

باب لوفود کے سامنے (یعنی ہال میں داخل ہونے والوں کا مقررہ مقام ہے جہاں وہ قبیلے کے لوگ ان وقت اترا کرتے تھے جب وہ مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے) اسطوانہ وفود کا آدھا حصہ تو زائرین کی نظروں سے غائب ہے جب کہ اس کا باقی حصہ حجرہ مطہرہ کی دیوار میں ضم ہو گیا ہے اسے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہا جاتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں مدینہ کے اجتماعات بھی یہیں ہوا کرتے تھے اسطوانہ وفود اور اسطوانہ الحرس کے درمیان مشہور باب الوفود واقع ہے

اسطوانہ مربع القبر الشریف

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کا حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کے بالکل سامنے شمالی جانب تھا اور دونوں کے درمیان چھوٹی سی مسقف راہداری تھی نماز فجر سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ خواب سے بیدار ہوتے اور کاشانہ اقدس سے نکل کر اسی راہداری کے راستے مسجد شریف کی طرف آتے تو باب حجرہ سیدۃ النساءؓ کے دروازے پر آکر [الصلاۃ الصلاۃ] ارشاد فرماتے اور پھر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ﴾ (۲۹۸) (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے) یحییٰ نے ابی الحمراءؓ سے روایت کی ہے [میں نے دیکھا کہ رسول مقبول ﷺ چالیس دن تک نماز فجر سے پہلے حجرہ مطہرہ سے باہر تشریف لا کر بیت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کی طرف تشریف لاتے اور دروازے کی چوکھٹ کو دست مبارک میں تھام کر فرماتے 'السلام علیکم اہل البیت ﴿ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ﴾

بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور گورنری میں جب تمام حجرات مقدسہ کی اراضی لے کر مسجد نبوی شریف میں شامل کر دی گئی تھی تو باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ پر جہاں سرکار دو عالم ﷺ چوکھٹ کو پکڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے وہاں ایک ستون بنا دیا گیا تھا جو کہ حجرہ مطہرہ کے قریب تر ہونے کی نسبت سے جس میں قبور مطہرہ ہیں 'اسطوانہ مربع القبر' (یعنی وہ ستون جو قبر اطہر کے احاطے کے پاس ہے) کہلاتا تھا۔ اسے 'اسطوانہ مقام جبریل امین' بھی کہا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ مقام جبریل امین یہ ہے یہاں رسول اللہ ﷺ جبریل امین کو ہر رمضان المبارک میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دو بار قرآن پاک سنایا تھا۔ مقصورہ شریف کی موجودہ عمارت میں یہ ستون پنجگوشہ کے اندر آچکا ہے اور اسی وجہ سے یہ نظروں سے اوجھل ہے اور اسے دیکھنا ناممکن ہو چکا ہے۔ سمہودیؒ کے الفاظ میں جب سے پنجگوشہ تعمیر ہوا ہے لوگ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔

اسطوانہ تہجد

جب لوگ رات کے وقت اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مطہرہ کے عقب میں سجادہ بچھا دیا جاتا تھا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کو رات کے پچھلے پہر یہ نوافل ادا کرتے دیکھ لیا۔ ان کے اتم درجہ اتباع رسول مقبول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ جو بھی سنت وہ آپ کے اتباع میں اس وقت مسجد

شریف کا رخ کرلیتا اور آپ حضور سے پیچھے نوافل ادا کرنے تک جاتا اور روز بروز یہ تعداد بڑھتی رہتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا یہ لوگ پہلے سے آکر انتظار میں بیٹھے رہتے تھے ام المومنین سیدہ عائشہ سے مروی ہے ایک مرتبہ آدھی رات کے بعد رسول مقبول ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز ادا فرمائی اور چند اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی دوسرے روز جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک دوسرے سے بات کی تو اگلی رات مزید لوگ اس وقت نماز میں شامل ہوگئے یوں اس بات کا چرچا سب میں ہوا اور تیسری رات لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور سب نے آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی چوتھی رات اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اس رات آپ حضور ﷺ صرف نماز فجر کے لیے باہر تشریف لائے اور نماز فجر ادا فرمانے کے بعد حضور سرکار دو عالم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے تشہد پڑھا [اشھد ان لاالہ الا اللہ و اشھد ان محمد الرسول اللہ ۔] پھر اس کے بعد فرمایا اما بعد، یقیناً تمہاری مسجد میں اس وقت حاضری مجھ سے چھپی نہ تھی لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی تعمیل نہ کر پاؤ۔ [اگلی صبح جب لوگوں نے آپ حضور ﷺ سے استفسار کیا کہ آپ نے وہ نماز کیوں نہیں پڑھی تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا [مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس سے روگردانی کرنے لگو] (۲۹۹)

محراب تہجد

اس جگہ پر ستون تعمیر کر دیا گیا تھا جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نوافل ادا فرمائے تھے اور اسے 'اسطوانہ تہجد' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ آج کل یہ ستون حجرہ مطہرہ کے اس حصے کے اندر ہے جو کہ دراصل سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کا حجرہ مبارکہ ہے۔ باہر کھڑا ہوا پولیس کا حارس اگر اجازت دے تو اندر جھانکنے پر اس مبارک ستون کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی محراب ہے جسے محراب سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کہا جاتا ہے اس کی فضیلت میں حضرت سعید بن عبداللہ بن فضیلؒ سے مروی ہے۔ [ایک مرتبہ میرے ساتھ حضرت محمد بن حنفیہؒ بھی تھے۔ میں نے اس مبارک ستون کے سامنے نماز ادا کی۔ انہوں نے مجھے کہا: میں نے تمہیں اکثر اس ستون کے سامنے نماز ادا کرتے دیکھا ہے، کیا اس کا کوئی اثر بھی ہوا؟ میں نے کہا نہیں اس پر انہوں نے فرمایا "اسی ستون کے سامنے نماز ادا کیا کرو کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ نصف شب کے بعد بچھا کرتا تھا۔"

یوں تو اس بقعہ نور کا ہر گوشہ اور ستون متبرک اور مقدس ہے مگر تاریخی اہمیت کے حامل استوانات جن کی حیات طیبہ شہ بطحاء سید العرب والعجم ﷺ سے نسبت رہی ہے وہ یہی آٹھ ستون ہیں۔ ان سب ستونوں کی پہچان یہ ہے ایسے ہر ستون پر اس کا نام بہت خوبصورتی سے کنداں کیا گیا ہے۔

متفرقات (مسجد نبوی شریف کے متعلق چند متفرق معلومات)

(۱) مسجد نبوی شریف میں کن کن خلفائے راشدین نے خلافت کا حلف اٹھایا

یوں تو جس دن سے حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس مسجد شریف کی خشت اول رکھی تھی اس کا تقدس اوج ثریا سے بھی بلند ہو گیا تھا اور جیسا کہ ہم نے اس باب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ مسجد مصطفوی صرف ایک مسجد ہی نہ تھی بلکہ یہ ایک کامل اور ہمہ

تبلیغی ادارہ تھا جہاں عبادات کے علاوہ دینیات اسلامی کے ہر شعبے میں رہنمائی [illegible] جاتی رہی ہے کہ یہ چشمہ نور وہدایت ہی [illegible] مقرر معلومات اور دارالافتاء وقت بھی تھا اور اس کا یہ مقام اس وقت تک [illegible] مدینہ طیبہ سے منتقل نہ کر دیا گیا۔ اس چشمہ نور وہدایت کے [illegible] رسول مقبول ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کا [illegible] بنی ساعدہ میں کی چند انصار اور مہاجرین اسلام کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے بعد یہ طے کیا تھا کہ عمومی اور سرعام بیعت منبر رسول مقبول ﷺ پر مسجد نبوی شریف میں لی گئی تھی (۳۰۰) اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطابؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ اور شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت عام بھی اسی مقام پر مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت بھی مصلی رسول مقبول ﷺ پر کھڑے ہوئے ہوئی تھی جب کہ وہ نماز فجر ادا کروا رہے تھے سیدنا عثمان بن عفانؓ کی شہادت باب جبریل کے سامنے ان کے گھر دار آل عثمان میں ہوئی تھی جب کہ باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا خلیفہ راشد الرابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ بھی مصلی مصلی النبوی پر ادا کی گئی تھی اور پھر اس کے بعد بہت سے اسلام کے کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نمازہائے جنازہ اسی مقام پر ادا ہوئی۔ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وہ آخری صحابی تھے جن کا جنازہ اسی مقام پر پڑھا گیا تھا۔ اس کے بعد عموماً نماز جنازہ وہاں ادا کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی تھی کیونکہ میت وہاں رکھنے سے میت کے پاؤں حجرہ مطہرہ کی جانب ہو جاتے تھے جو کہ بے ادبی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی میت وہاں رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنے کی مخالفت کی تھی۔

(۲) مسجد نبوی شریف کے اصلی فرش کی سطح

مصر کے سلطان بیبارس کے دور میں یہ طے کیا گیا کہ مسجد شریف کا چوتھا مینارہ۔ (جو کہ دار مروان بن الحکم کے مسجد شریف سے متصلہ مکان کے کونے پر تعمیر ہوا تھا اور جسے سلیمان بن عبدالملک کے حکم پر مسمار کر دیا گیا تھا) دوبارہ اپنی جگہ پر تعمیر کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے فرش کو بہت گہرائی تک کھودنا پڑا تھا تاکہ مینارے کا ڈھانچہ بہت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ جب کھدائی قد آدم کے برابر (یعنی تقریباً پانچ یا چھ فٹ) نیچے تک گئی تو مسجد نبوی شریف کا وہ فرش برآمد ہو گیا جس سے نہ صرف اس وقت کے دار مروان کے فرش کی سطح ظاہر ہو گئی بلکہ مسجد مصطفوی شریف کے اس دور میں فرش کی سطح بھی عیاں ہو گئی جس پر کالے رنگ کی ریت ڈالی ہوئی تھی (شاید جبل سلع کے دامن سے بطن وادی بطحان سے لی گئی ہو گی)۔ (۳۰۱) فرش کی یہ سطح وہ تھی جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور گورنری میں بنایا گیا تھا جیسا کہ بہت سی روایتوں سے ثابت ہے کہ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد شریف میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نہ صرف فرش مسجد نبوی شریف کو بلند سطح پر لے آئے تھے بلکہ انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو دوسری تین دیواروں کے مقابلے میں کافی چوڑا تعمیر کروا دیا تھا تاکہ اس پر طغیانی کا اثر نہ ہو۔

جب ۸۸۱ ہجری میں حجرہ مطہرہ کی مرمت کی جا رہی تھی تو اس وقت اس بات کا انکشاف بھی ہوا کہ کاشانہ اقدس کے اندر کے فرش کی سطح جہاں قبور مطہرہ واقع ہیں حجرہ مطہرہ اور اس کے گرد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تعمیر کردہ پنجگوشہ کے فرش کی سطح سے ڈیڑھ ذرع (تقریباً ۰٫۷۵ میٹر) سے نیچی تھی جو بذات خود اس وقت (۸۱۱ ہجری) میں مسجد شریف کے عمومی فرش سے ڈیڑھ ذرع نیچی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کاشانہ اقدس کے فرش کی سطح اس وقت باہر کے مسجد شریف کے فرش کی سطح سے تین ذرع (یعنی ڈیڑھ میٹر) نیچی تھی۔ (۳۰۲) حجرہ مطہرہ کے اندر کے فرش کی سطح اور مسجد شریف کے عمومی فرش میں یہ تین ذرع کا تفاوت تو ۸۸۱ ہجری میں تھا۔ اب جب کہ پانچ مزید صدیاں گزر چکی ہیں اور اس دوران مسجد شریف کو کم از کم تین مرتبہ از سر نو تعمیر کیا گیا ہے (دو بار تو عثمانی دور حکومت میں اور ایک بار سعودی دور حکومت میں) اور اتنی ہی بار اس میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا گیا ہے، اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں سطوح میں تفاوت مزید بڑھ گیا ہو گا۔

پچھلی پانچ یا چھ صدیوں میں مسجد نبوی شریف کی کرسی اتنی بلند ہوگئی ہے کہ ان قدیم آبادیوں میں (جو کہ باب جبریل کے سامنے۔ مثلاً حارۃ الاغوات۔ واقع تھیں جن میں بہت ہی قدیم تاریخی عمارتیں بھی ۱۹۸۰ء تک اچھی حالت میں موجود ہوا کرتی تھیں) بہت ہی قدیم تاریخی عمارتوں کے دروازوں کے سامنے سے جو تنگ گلیاں گزرتی تھیں ان کو بھی اسی سطح پر لایا گیا تھا جس کی وجہ سے ان عمارتوں کے دروازے بعض حالات میں صرف آدھے نظر آیا کرتے تھے جب کہ ان کے آدھے حصے گلیوں میں مٹی وغیرہ ڈالنے کی وجہ سے زیر زمین چلے گئے تھے ان عمارتوں میں داخل ہونے کے لیے بہت جھک کر ان دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ مسجد شریف کی سطح مختلف ادوار میں اوپر کی جانب اٹھائی جاتی رہی تھی۔ بقول عبدالقدوس الانصاری ''ان سڑکوں اور گلیوں کی سطح اتنی بلند ہوگئی ہے کہ ان رباطوں میں داخل ہوتے وقت یا تو چھلانگ لگا کر نیچے اترنا پڑتا ہے یا پھر پرانی طرز کی پتھر کی سلوں سے بنی سیڑھیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔'' (انصاری، ص: ۱۸۷)

اس سلسلے میں عبدالقدوس الانصاری نے آثار قدیمہ کی ان بہت سی باقیات کا حوالہ دیا ہے جو کہ مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات پر مکانات وغیرہ کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی کے دوران دریافت ہوئی تھیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب انہوں نے اپنی کتاب ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۳۴ء) میں طبع کی تھی۔ اس بارے میں سب سے زیادہ حیران کن انکشافات وہ ہیں جن میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب ۱۳۳۵ ہجری (۱۹۱۵ء) میں فخری پاشا نے سوق المناخہ کے علاقے میں کھدائی کا حکم دیا تھا (وہ علاقہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے غربی جانب ہوا کرتا تھا اور جس کا کافی حصہ اب نئی تعمیر شدہ مسجد اور اس کے یوٹیلیٹی ایریا میں شامل ہو چکا ہے) تو دوران کھدائی چند ایسے بند کمرے دریافت ہوئے تھے جہاں ان انسانوں کی باقیات پائی گئی تھیں جو کہ صدیوں پہلے وہاں بسا کرتے تھے اور ان کے کپڑے تک دیواروں سے لٹکے ہوئے تھے جو کہ

وہاں تازہ ہوا کی آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکے تھے. اس سے فاضل مصنف نے رائے قائم کی تھی کہ عین ممکن ہے کہ جدید مدینہ شریف کے نیچے قدیم مدینہ طیبہ کے مکانات دفن ہو کر رہ گئے ہوں. (۳۰۳)

محراب سلیمانی

یہ محراب ۹۰۸ ہجری میں بنائی گئی تھی. اس سے پہلے اسی جگہ ایک سادہ سی قدیم محراب تھی جسے ۶۱۰ ہجری میں صوفان شیخ نے بنوایا تھا اس کی پشت پر موجود کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ محراب کو سلطان سلیمان بن سلطان سلیم بن سلطان بایزید خان العثمانی نے ۹۳۸ ہجری میں بنوایا تھا. (۳۰۴) اسی وجہ سے اسے محراب سلیمانی کہا جاتا ہے. اس کی تزئین اور زیبائش کا کام سلطان کے بیٹے اور جانشین سلطان سلیم دوم نے کروایا. ایام عثمانیہ میں تمام مذاہب کے اماموں کو اپنے فقہ کے مطابق مسجد نبوی شریف میں باری باری نماز ادا کروانے کی اجازت تھی، اور فقہ حنفیہ کے امام اس مقام پر امامت کرواتے تھے اور درس و تدریس کرتے تھے جس کی وجہ سے اسے محراب الحنفی یا محراب الاحناف بھی کہا جاتا تھا. یہ محراب مصطفوی کی غربی جانب واقع ہے اور اسے سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جس میں جگہ جگہ سیاہ پتھروں کی ٹکڑیاں لگائی گئی ہیں محراب پر خوبصورت خطاطی کے فن پارے بھی موجود ہیں جو کہ ترک مسلم فن تعمیر کا طرہ امتیاز رہا ہے. فخری پاشا دور گورنری میں پہلی جنگ عظیم کے دوران اس کی مرمت کروائی تھی.

محراب سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ

یہ محراب حجرہ مطہرہ کے اندر محراب تہجد اور اسطوانہ تہجد کے درمیان واقع ہے. سفید سنگ مرمر سے بنی یہ خوبصورت محراب اس اونچے چبوترے پر بنائی گئی ہے جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء کی قبر اطہر ہے. درحقیقت یہ محراب اس مقام پر واقع ہے جہاں سیدۃ النساء العالمین شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی دلہن بن کر آئی تھیں. (۳۰۵) چونکہ یہ محراب بھی حجرہ مطہرہ کے اندر واقع ہے اس کا نظارہ بھی کوئی قسمت والا ہی کر سکتا ہے.

محراب تہجد

یہ خوبصورت محراب جو کہ مسجد نبوی شریف میں واقع ہے دیگر محاریب سے مقابلتاً چھوٹی ہے اور حجرہ مطہرہ کی شمالی جانب کی دیوار کے وسط میں بنائی گئی ہے. چونکہ پیتل کی بنی ہوئی الماریاں شمالی جانب پوری دیوار کے ساتھ ساتھ رکھی ہوئی ہیں جن میں مصحف شریف کے نسخے رکھے رہتے ہیں اس لیے یہ مبارک محراب نظر نہیں آتی. یہ اس اسطوانہ تہجد کے بدیل کے طور پر بنائی گئی تھی جو کہ مقصورہ شریفہ کے اندر آجانے کی وجہ سے عامۃ الناس کی پہنچ سے باہر ہو گیا تھا اسکی سیدھ میں حجرہ مطہرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر اسطوانہ تہجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نماز تہجد کے لیے سجادہ بچھایا کرتے تھے اور پھر جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہجوم ہونے لگا تو آں حضرت ﷺ نے وہاں سے اپنا سجادہ مبارکہ اٹھوالیا. اسے سلطان قیتبائی نے بنوایا تھا اور اس پر لکھا ہوا ہوتا تھا: ''ہذہ متہجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''. سلطان عبدالمجید کے دور میں اس کی تزئین اور مرمت ہوئی تھی.

خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر مسجد مصطفوی سے متصل غربی جانب بھی ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک دریچہ مسجد شریف کے اندر کھلا کرتا تھا. ابتداء میں تو تقریباً تمام گھروں کے (جو کہ مہاجرین نے مسجد نبوی شریف کے اردگرد تعمیر کیے تھے) دروازے اور دریچے مسجد

خوخہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ
کی یادگار کے طور پر
باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ
پر لگائی گئی تختی

نبوی شریف میں کھلتے تھے جن کو خوخہ کہا جاتا تھا تاکہ ان کو مسجد شریف میں آنے جانے کی سہولت ہو غزوہ احد سے پہلے تمام دروازے بند کروا دیئے گئے تھے سوائے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کے۔ اب صرف چند دریچے (خوخے) باقی رہ گئے تھے جو کہ مسجد شریف میں کھلتے تھے۔ وفات سے چند روز قبل سرکار دو عالم ﷺ نے منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آخری وعظ فرمایا اس میں دیگر باتوں کے علاوہ آپ حضور ﷺ نے ان تمام دریچوں (خوخوں) کو بند کر دینے کا حکم دیا تھا سوائے خوخہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [آپ میں سے اپنی جائیداد اور دوستی میں میری طرف ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی فراخدل نہیں ہے۔ اور اگر مجھے اپنے لیے کسی خلیل پسند کرنے کا اختیار دیا جائے تو میں ابو بکرؓ کو اپنا خلیل بنانا پسند کروں گا، لیکن مجھے اسلامی ربط و اخوت اور پیار زیادہ عزیز ہے اب میری مسجد میں صرف ابو بکرؓ کا خوخہ کھلا رہے گا (یعنی باقی سب خوخے بند کر دیئے جائیں) (۳۰۶) یہ خوخہ منبر رسول مقبول ﷺ کے قریب غربی جانب کی دیوار میں ہوا کرتا تھا۔ اپنی خلافت راشدہ کے آخری دنوں میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے اپنا یہ گھر (خوخہ) ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے ہاتھ ۴۰،۰۰۰ درہم میں بیچ دیا تھا اور ملنے والی رقم سے انہوں نے کچھ تو اپنے قرض چکائے اور باقیماندہ رقم چند مہمان وفود کی خاطر و مدارات میں صرف کر دی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی توسیع کے وقت خوخہ ابو بکرؓ مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا۔ تاہم بعد میں جب ولید بن عبدالملک مدینہ طیبہ آیا تو اس نے حکم دیا کہ اس مقام پر ایک کمرہ بنوا دیا جائے جہاں بعد میں قرآن کریم کے نسخے رکھے جانے لگے تھے۔ اسی طرح مہدی العباسی اور پھر ترکی ادوار میں جب مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع ہونے لگی تو اس کمرے کو مزید مغربی جانب دھکیل دیا گیا جو کہ اس کے پرانے محل وقوع کی سیدھ میں غربی جانب بنایا گیا تھا۔ آج بھی اس مقام کی یاد میں غربی جانب کا دروازہ باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ کہلاتا ہے اور اس مقام کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اندر کی جانب نہایت خوبصورت خطاطی میں یہ تحریر کنداں ہے: ''یہ خوخہ ابو بکر الصدیقؓ ہے''۔ اگرچہ وہ گھر اس جگہ پر نہیں تھا بلکہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے وہ تو دراصل منبر شریف کے قریب اس دیوار سے متصل تھا جو کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کی انتہائی غربی دیوار تھی۔ لیکن باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ پر یہ تحریر زائرین کو یاد دلاتی رہے گی کہ یہ دروازہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے خوخے کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا جسے سرکار دو عالم نے اپنے آخری خطبے میں مسجد شریف میں باقی رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

مکبریہ

ریاض الجنۃ میں کھڑے ہو کر اگر اپنی دائیں جانب دیکھیں تو منبر مصطفوی کے بالکل سامنے سنگ مرمر کا خوبصورت چبوترہ نظر آتا ہے جو کہ قد آدم سے کچھ زیادہ مرتفع ہے اور شمالاً جنوباً دو ستونوں کے درمیانی علاقے پر محیط ہے۔ اسے مکبریہ (جہاں اذان دی جاتی ہے اور تکبیرات نماز با آواز بلند دہرائی جاتی ہیں تاکہ دور کے نمازی سن سکیں) کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ عین اس جگہ پر نہیں ہے جہاں سیدنا بلال بن رباحؓ یا سیدنا ابن ام مکتومؓ دور رسالت مآب ﷺ میں کھڑے ہو کے اذان دیا کرتے تھے اور نہ ہی کسی روایت سے یہ ثابت ہو سکا ہے کہ سیدنا بلالؓ یا ابن ام

مسجد نبوی شریف میں مکبر کے کھڑے ہونے کی جگہ

مکتومؓ نے وہاں کبھی اذان دی تھی. مگر شروع ہی سے یہ وہ مقام رہا ہے جہاں سے مکبرین حضرات اقامت صلوٰۃ کہتے تھے اور آج بھی نائب امام صاحب وہیں سے با آواز بلند تکبیر وتکرار کرتے ہیں. یہ انتہائی نفیس قسم کے سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اور ناظرین کو سلطان اشرف قیتبائی کی خدمات کی یاد دلاتا ہے. سوائے معمولی مرمت اور پالش کے یہ مکبریہ اپنی اصلی حالت میں آج بھی وہی ہے جو کہ سلطان قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا اسے آٹھ ستونوں پر استوار کیا گیا ہے. عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے کہ پہلے دو ایسے مکبریے تھے مگر نمازیوں کے لیے جگہ کی گنجائش نکالنے کے لیے ایک کو مسمار کر دیا گیا تھا اور اب صرف ایک باقی بچا ہے. (۳۰۷)

آٹو میٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں

مسجد نبوی شریف کے قدیم حصے کے شمالی جانب دو بڑے کھلے صحن ہیں جنہیں الحصوہ کہا جاتا تھا کیونکہ موجودہ تعمیر سے پہلے وہاں ریت اور سنگریزے (الحصوہ) بچھے رہتے تھے. کبھی وہاں روحانی، دینی، علمی اور ادبی محفلیں جمتی تھیں مگر آج وہاں بوقت نماز صرف نمازیوں کے جمگھٹے ہوتے ہیں یا لوگ قرآن خوانی میں مشغول رہتے ہیں. رمضان کے آخری عشرے میں یہاں اعتکاف کے لیے آئے ہوئے حضرات اپنے تکئے جما لیتے ہیں. اس حصے کی سب سے بڑی خاصیت جو زائر کی نظروں کو اپنی طرف جذب کرتی ہے وہ ٹیفلون (Teflon) کے مادے کی دبیز چادر سے بنی خوبصورت چھتریاں ہیں جو آہستہ آہستہ کھلتے وقت ایسی نظر آتی ہیں جیسا کہ کھلتا ہوا پھول اپنی پنکھڑیاں کھولتا ہے. نظروں کو موہ لینے والی یہ چھتریاں نمازیوں کو موسمی اثرات سے بچاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کھلتے اور بند ہوتے وقت ایک مسحور کن منظر پیش کرتی ہیں. جب یہ چھتریاں پوری طرح کھل کر تن جاتی ہیں تو اوپر سے مسجد کی چھت سے اگر دیکھا جائے تو بہت ہی خوبصورت نظر آتی ہیں. جب کبھی شہر نبی پر بادل چھا جائیں یا شام اپنا ملگجا اندھیرا بکھیرنا شروع کر دیتی ہے تو یہ چھتریاں بند ہو کر خوبصورت ستونوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جس سے منظر اور بھی حسین لگنے لگتا ہے.

ان کا بنیادی مقصد نمازیوں کو شدید دھوپ اور گرمی کے اثرات سے بچانا ہے. انہیں جرمنی کی کمپنی بوڈو ریش (Bodo Rash) نے ڈیزائن کیا تھا اور بورو ہیپولڈ (Buro Happold) نے بنایا تھا. یہ کھلنے اور بند ہو جانے والی چھتریاں دونوں صحنوں میں نصب کی گئی ہیں اور ہلکے وزن والے مواد سے بنائی گئی ہیں جو ہائیڈرولک نظام سے اس طرح کھلتی ہیں جیسے کہ ایک پھول کھلتا ہے اور جب یہ تمام چھتریاں کھل جاتی ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاف قسم کی محراب دار چھت ہو. اسے ٹیفلون کی مائیکرو پولس (Micropolis) نیم شفاف جھلی سے بنایا گیا ہے جو بہت پائیدار مگر بہت ہلکے مواد سے بنائی گئی ہے اور گرمی کو اپنے اندر جذب کر لینے کی بے انتہا صلاحیت رکھتی ہے. جن ستونوں پر یہ چھتریاں نصب ہیں ان کا ڈیزائن بھی دیگر ستونوں جیسا ہے جو کہ شاہ سعود کے دور میں بنائے گئے تھے.

ایسی چھتریوں کی کل تعداد بارہ ہے: ہر صحن میں چھ چھتریاں ہیں. یہ اپنی نوعیت کی سب سے بڑی چھتریاں ہیں جو کسی جگہ پر نصب کی گئی ہیں. حال ہی میں ایسی ہی چند موبائل چھتریاں جو کہ حجم میں بہت چھوٹی ہیں مکۃ المکرمہ میں مسجد الحرام میں مہیا کی گئی ہیں جو کہ نماز ظہر اور جمعہ کے وقت کعبۃ المشرفہ کے قریب لائی جاتی ہیں تاکہ امام صاحب کو سایہ فراہم کیا جا سکے. مسجد نبوی شریف میں نصب ان چھتریوں کے بازو ہر چھتری کے مرکزی نقطے پر واقع ہائیڈرولک نظام سے منسلک ہیں جو ان کو خودکار طریقے پر کھولتا اور بند کرتا ہے. اس میں ایسے حساس آلے لگائے

گئے ہیں کہ جب بھی تیز آندھی یا طوفان کا سامنا ہو جس کی رفتار ۱۲ میل فی سیکنڈ سے زیادہ ہو تو یہ ہائیڈرولک نظام خودکار نظام کو معطل کر دیتا ہے اور چھتریاں بند پڑی رہتی ہیں اور اگر بارش ہو تو بارش کا پانی چھتریوں پر جمع ہو کر اپنے مرکز کی طرف بہہ نکلتا ہے جہاں سے ستون میں لگائی گئی نالیوں کے ذریعے ستون کی تہہ میں چلا جاتا ہے جو آگے جا کر عمارت کے پانی کے نکاسی کے نظام رئیسی سے منسلک ہیں۔ ہر چھتری ۳۰۰ مربع میٹر کے رقبے کو گھیرتی ہے۔ ہر ایک میں ۴۸ فوس لگے ہیں جیسے کے دیگر روشوں اور ستونوں میں نصب ہیں جن سے صحنوں میں روشنی کی چکاچوند پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ بجلی کا نظام کسی وجہ سے معطل بھی ہو جائے تو بھی یہ چھتریاں سورج سے توانائی حاصل کر کے چمکتی رہتی ہیں کیونکہ چھتریوں کے اوپر سولر سیلز (Solar-cell Panels) لگائے گئے ہیں جو ری چارج ایبل بیٹریوں (Rechargeable Batteries) میں شمسی توانائی جمع کرتے رہتے ہیں۔(۳۰۸)

مسجد مصطفوی میں موجود بعض تاریخی شہپارے اور دلچسپ معلومات

(۱) ربیع الاول کا مہینہ مسجد مصطفوی شریف کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی خشت اول سرکار دو عالم ﷺ نے ماہ ربیع الاول ۱ ہجری میں رکھی۔ فتح خیبر محرم ۷ ہجری میں ہوئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی تعمیر نو رسول اللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ چونکہ یہ توسیع فتح خیبر کے کچھ ہی دیر بعد ہوئی تھی اس لیے باور کیا جاتا ہے کہ یہ تعمیر نو بھی بدست سید الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ماہ ربیع الاول ۷ ہجری میں ہی شروع ہوئی تھی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ نے تعمیر نو بھی ربیع الاول (۱۷ ہجری) میں شروع کروائی؛ سیدنا عثمان نے بھی تعمیر نو اسی ماہ ۲۹ ہجری میں شروع کروائی۔ پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تعمیر نو کا منصوبہ بنایا تو تعمیر کا کام بھی ربیع الاول ۸۸ ہجری کو شروع کیا گیا۔ سلطان اشرف قیتبائی نے بھی تعمیر نو اسی ماہ (ربیع الاول ۸۸۷ ہجری) میں شروع کروائی۔ شاہ سعود نے اس کی توسیع کے منصوبے کا افتتاح (ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری) و رتعمیر نو کے لیے سنگ خشت بھی ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو کر رکھی۔ منصوبے کا باقاعدہ افتتاح ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری کو کیا گیا۔

(۲) مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین تعمیر وہ پنج گوشہ اور اس کے اندر واقع کاشانہ اقدس ہے جسے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۸۸-۹۱ ہجری میں تعمیر کروایا تھا سوائے چند مرمتوں کے جو کہ مختلف ادوار میں کروائی گئیں، یہ حصہ مسجد شریف کا قدیم ترین حصہ ہے۔

(۳) جانب قبلہ کا حصہ اور اس میں جو کام کروایا گیا ہے وہ سلطان عبد المجید دوم (۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری) کے دور کی یادگار ہے

(۴) مقصورہ شریف کے سبز جالی والے حصے کی [illegible] سلطان قیتبائی نے ۸۸۷ ہجری میں تعمیر کروائے تھے

(۵) مقصورہ شریف کی سبز جالی شاہ ظاہر بیبرس (۶۶۸ ہجری) کی یادگار ہیں اس سے پہلے لکڑی کی جالی لگائی گئی تھی جو کہ مسجد شریف میں آگ کے حادثے میں جل کر خاکستر ہوگئی تھی۔ اسے ۶۹۴ ہجری میں سلطان زین الدین کتبغا نے مرمت کروایا تھا۔

(۶) موجودہ سبز گنبد سلطان عبدالحمید نے ۱۲۳۳ ہجری میں تعمیر کروایا تھا اور پہلی بار اس پر سبز رنگ بھی انہوں نے کروایا تھا۔

(۷) مینارہ رئیسیہ جو کہ سبز گنبد کے قریب ہے سلطان اشرف قیتبائی (۸۸۸ ہجری) کی یادگار ہے۔ چند مرمتوں اور تبدیلیوں کے سوا باقی کا مینارہ سلطان قیتبائی کا بنوایا ہوا ہے۔

(۸) باب السلام کا مینار اس وقت قدیم ترین مینار ہے جسے سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کروایا تھا۔ اس سے پہلے چھ صدیوں سے اس جگہ پر کوئی مینارہ نہیں تھا کیونکہ وہ مینارہ جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوایا تھا اسے سلیمان بن عبدالملک نے حکماً مسمار کروادیا تھا۔ اس کے بعد عثمانیوں نے اس کی دیکھ بھال کی اور تھوڑی بہت مرمت کروائی تاکہ اسے وقت کی تباہ کاریوں سے بچایا جاسکے۔ اسی طرح سعودی حکومت نے بھی اس کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کی ہے۔ مگر اس کی تاریخی اہمیت کو بحال رکھنے کے لیے یہ بات بتانا بہت ضروری ہے کہ اندر سے ابھی تک یہ مینارہ کچی مٹی کا بنا ہوا ہے۔

مسجد نبوی شریف کی
دیواروں پر کی گئی خطاطی

(۹) محراب النبوی شریف کو سلطان اشرف قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا (۸۸۸۔۸۹۰ ہجری)۔ سعودی دور میں جب کہ مسجد نبوی کی آخری بار توسیع ہو رہی تھی تو اس میں کچھ تزئین و آرائش کا کام کیا گیا تھا۔

(۱۰) محراب عثمانی کو بھی ۸۸۸-۸۹۰ ہجری میں سلطان قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا۔

(۱۱) سنگ مرمر سے بنا منبر یہ بھی سلطان قیتبائی کی یادگار ہے۔

(۱۲) دوسرا صحن شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں ۱۹۵۲ء میں بنا تھا۔

(۱۳) اس کے علاوہ باقی کے تمام کام خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور کے ہیں۔

(۱۴) موجودہ منبر شریف سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے۔ البتہ اس پر کچھ کام سعودی دور میں بھی ہوا ہے۔

(۱۵) مسجد شریف کے لیے اس سے پہلے سلطان قیتبائی نے سنگ مرمر سے بنا ایک منبر ۸۸۸ ہجری میں بھیجا تھا جو کہ آج کل مسجد قباء میں محفوظ ہے اور ابھی تک زیر استعمال ہے۔ یہ مسجد قباء کے قبلہ کی دائیں جانب پڑا ہے۔

حواشی

(۱) القرآن الکریم (التوبہ:۱۸۰)

(۲) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر۳۲۲۱

(۳) امام ابی الحسن البلاذری،فتوح البلدان، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۵۸.اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح مسلم (ج.۲،نمبر۳۲۲۱)،الترمذی (سنن۔۳۰۹۹)،مسند امام احمد (۳۔۸:۸۹و۹۱)،الحاکم (مستدرک ۱۔۴۸۷) اور البیہقی (دلائل النبوہ:۵۔۲۶۴) سب میں مروی ہے.

(۴) ابن کثیر (ت.۷۷۴ہجری)،البدایہ والنہایہ، ج:۳،صفحات:۱۸۱۔۱۹۲.نیز تفسیر الطبری،۱۱۔۲۱

(۵) ابن کثیر،البدایہ والنہایہ، ج:۵،ص:۲۰ (بین قوسین اضافہ صرف تشریح کی غرض سے کیا گیا ہے).

(۶) محمد بن علی بن محمد الشوکانی،تفسیر القرآن الکریم بعنوان فتح القدیر، ج:۲،صفحات:۵۰۲۔۵۰۴

(۷) صحیح بخاری، ج:۲،نمبر۲۸۱،صحیح مسلم، ج:۲،نمبر۳۲۱۸

(۸) صحیح بخاری، ج:۲،نمبر۲۸۲

(۹) نورالدین علی بن احمد السمہودیؒ،وفاالوفاء باخبار دارالمصطفی (ت:۹۱۱ہجری)،داراحیاء التراث العربی، بیروت، جزء۱،صفحات:۷۴۔۸۹

(۱۰) الشیخ عطیہ محمد سالم، امام اور خطیب مسجد نبوی شریف اور مدرس الموطاء لامام مالکؒ، خطاب ''المسجد النبوی الشریف'' مورخہ ۱۱۔۱۰۔۱۴۰۹ ہجری سے 'دراسات حول المدینۃ المنورہ من محاضرات النادی الادبی، المجلد الثانی' کے ضمن میں مدینہ منورہ کی ادبی کلب نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا، پہلا ایڈیشن (کتاب نمبر۹۸)،صفحات:۹۸۔۹۲.بنائے کعبۃ شرفہا اللہ تعالیٰ کے متعلق روایت کے لیے دیکھئے تاریخ مکہ از ابو ولید الازرقی (ت:۲۱۹ہجری)،المکتبۃ التجاریہ،مکۃ المکرمہ،۱۹۹۵،ج:۱،ص:۸۲.

(۱۱) سنن ابن ماجہ، باب الاقامہ،۱۹۸۔۵۵

(۱۲) مسند امام احمد،۳۔۱۵۴

(۱۳) ابن سعد،طبقات الکبری،دارصادر، بیروت، ج:۱،ص۲۳۹.نیز دیکھئے جنرل ابراہیم رفعت پاشا،مرآۃ الحرمین،مطبعۃ دارالکتب المصریہ بالقاہرہ،۱۹۲۵ج ۱،ص ۴۶۱

(۱۴) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۲۰و۴۲۱

(۱۵) ابن سعد،مصدر مذکور،ص:۲۳۹

(۱۶) قطب الدین الحنفی،تاریخ المدینہ،مکتبۃ الثقافات الدینیہ، پورٹ سعید، مصر،ص ۹۳

(۱۷) ایضاً

(۱۸) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۲۰

(۱۹) ایضاً،نمبر۳۱۹

(۲۰) ابن سعد،مصدر مذکور،ص:۲۳۹.نیز سمہودیؒ،مصدر مذکور،ص:۳۲۷

(۲۱) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۲۴۵.یہ حدیث مبارکہ کافی طویل ہے اور متعلقہ اقتباس اس حدیث مبارکہ کے آخری حصے میں ہے.

(۲۲) سنن النسائی،المساجد،حدیث نمبر۶۹۵.صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۲۰.صحیح مسلم،باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ،حدیث نمبر۸۱۶

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۲۰ نیز ج:۵،نمبر۲۶۹.

(۲۴) ہجرت مبارکہ کے بعد تقریباً سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی قبلہ رہا تا آنکہ اسے قرآن کریم (البقرہ:۱۴۴) کے احکام کے تحت جانب اسے بیت اللہ شریف تحویل کر دیا گیا.

(۲۵) ازمنہ قدیم سے ہی عربوں میں 'ذرع' پیمائش کا پیمانہ رہا ہے جس کا طول جدید پیمائش کے حساب سے تقریباً آدھا میٹر لمبا ہوتا تھا (۴۸ سنٹی میٹر) لغوی لحاظ سے ذرع ایک ہاتھ کو کہتے ہیں جو کہ ایک عام قد و قامت کے جوان کی کہنی سے لے کر اس کی انگشت شہادت تک کی لمبائی کو ظاہر کرتا ہے. انگریزی میں یہ ایک کیوبٹ (Cubit) کہلاتا ہے جو کہ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ۱۸ انچ کا ہوتا ہے. ذرع حجاز اور دیگر عرب ممالک (بالخصوص مصر میں جہاں اسے لوہے کے گز یا میٹر کی طرح بنایا جاتا تھا) میں مستعمل تھا جو کہ دو بالشتوں پر مشتمل ہوتا تھا (شبر عربی میں بالشت کو کہتے ہیں). سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۳۴۰.

(۲۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۲۳۹

(۲۷) ایضاً

(۲۸) سمہودیؒ، ص:۳۳۴. خنجبہ غرقد کی طرح کی ایک جھاڑی ہوا کرتی تھی. یہ جگہ اب بقیع الغرقد کے اندر آ چکی ہے.

(۲۹) ایضاً

(۳۰) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص ۱۴۶

(۳۱) ایضاً، ص ۲۰. نیز سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۳۳۴

(۳۲) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۶۹. صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۰۶۸

(۳۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۳۸۲

(۳۴) ایضاً، ج:۲، نمبر ۴۳۷

(۳۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص ۳۳۵

(۳۶) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۸۶

(۳۷) ایضاً، نمبر ۶۲۹. نیز صحیح مسلم، احادیث نمبر:۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵ اور ۱۹۹۶ و ۳۶۹۳ اور الموطاء امام مالک کی حدیث نمبر ۵۳۸.

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۵۶

(۳۹) القرآن الکریم (الحجرات:۲) اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے گفتگو کرتے وقت اونچی آواز میں بات کرو جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ (ایسا کرنے سے) تمہارے اعمال غارت کر دیئے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو.)

(۴۰) القرآن (الاعراف:۳۱)

(۴۱) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۶۳

(۴۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۵۵۸

(۴۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۲۱۹

(۴۴) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۴۸

(۴۵) ایضاً، ج:۵، نمبر ۲۴۵

(۴۶) ایضاً، نمبر ۲۶۹. سید سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا تھا.

(۴۷) ابی تراب الظاہری، الآثار المقتفیٰ لقصۃ ہجرۃ المصطفیٰ، ص:۵۱. صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰

(۴۸) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۳۶. یہاں یہ بیان کرنا خارج از محل نہ ہوگا کہ بعد میں حضرت عمار ابن یاسرؓ نے جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی فوج کے ہاتھوں شہادت پائی جب کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے سینہ سپر تھے.

(۴۹) ابوالفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ناشر دار الرشید، حلب، ج:۳، ص ۱۸۹. نیز سید سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۳۱. یہ

حدیث مبارکہ ایک سے زیادہ کئی راویان کرام سے نقل ہوئی ہے.

(۵۰) البیہقی، دلائل النبوۃ، ۲۔۵۴۲

(۵۱) سمہودی، مصدر مذکور، ص: ۳۲۷

(۵۲) تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص: ۱۳۷

(۵۳) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۵۰۰

(۵۴) ایضاً، باب ۲۳ حدیث نمبر ۳۸۲

(۵۵) سنن ابی داؤد نمبر ۳۹۹

(۵۶) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۷۸۵

(۵۷) محمد بن محمد بن احمد بن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ الشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، مکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ ص: ۱۶۴

(۵۸) الشیخ احمد بن عبد الحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۱۰۴.

(۵۹) ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور، ص ۱۸۳

(۶۰) الموطاء امام مالکؒ، ج: ۱، نمبر ۳۷۳۔۴۸ حضرت ابوذر الغفاریؓ فرمایا کرتے تھے: [سنگریزوں کو ایک بار ٹھیک کر کے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر انہیں ویسے ہی رہنے دیا جائے تو یہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے. (ایضاً، نمبر ۳۴۷۔۴۹ وباب ۹۔نمبر ۹۔۱۳۔۴۵)

(۶۱) ابن ضیاء المکی، ص ۱۸۳

(۶۲) الموطاء امام مالکؒ، ج: ۱، نمبر ۳۷۶۔۵۱

(۶۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۸

(۶۴) ابن الجوزی (۵۱۰۔۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ص: ۳۹

(۶۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص ۳۴۰

(۶۶) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۹

(۶۷) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۱۲۶

(۶۸) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج: ۱، ص: ۴۷۷

(۶۹) سیدۃ عاتکہؓ مکہ مکرمہ کی ایک متمول خاتون تھیں قبول اسلام کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کر لی تھی اور وہاں آ کر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے شادی کر لی تھی. جب ان کی شہادت ہوئی تو انہوں نے سیدنا عمر فاروقؓ سے ۱۲ ہجری میں شادی کر لی. اور پھر جب سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت ہوئی تو انہوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ سے شادی کی. ان کی موت بھی شہادت سے ہوئی. اس کے بعد انہوں نے شادی نہیں کی اور اسی مکان میں مقیم رہیں حتی کہ ۴۱ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا. لہذا ایکے بعد دیگرے تین اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زوجیت میں رہنے کی وجہ سے جن تینوں کی اموات شہادت کی وجہ سے ہوئی تھیں، سیدۃ عاتکہؓ کا اہل مدینہ طیبہ میں ایک خاص مقام تھا. وہ شاعرہ بھی تھیں اور سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت پر انہوں نے بہت ہی جذباتی مرثیہ بھی لکھا تھا. بعض مورخین نے غلطی سے باب عاتکہ کو عمۃ الرسول ﷺ سیدۃ عاتکہ بنت عبد المطلبؓ سے منسوب کر دیا ہے اور بعض نے تو اسے یزید کی پوتی (عاتکہ بنت عبداللہ بن یزید بن معاویہ) سے منسوب کر دیا ہے. حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عمۃ الرسول سیدۃ عاتکہ بنت عبد المطلبؓ نے کبھی اس مکان میں سکونت اختیار نہیں کی اور جہاں تک عاتکہ بنت عبداللہ بن یزید کا تعلق ہے وہ اگر اس مکان میں رہی بھی ہوگی تو ہجرت مبارکہ کے ایک صدی کے بعد. لہذا پہلی صدی میں اوائل اسلام میں یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ اس دروازہ کو دوسری صدی کی اسی نام کی خاتون سے نسبت دے دی جاتی. یقیناً یہ دروازہ صحابیہ سیدۃ عاتکہ بنت زید بن عمروؓ کے نام سے منسوب تھا، مگر بعد میں اسے دوبارہ باب الرحمہ ہی کہا جانے لگا جو کہ آج تک چلا آ رہا ہے.

(۷۰) غالی محمد امین الشنقیطی، الدرۃ الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص ۵۶

(۷۱) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۵۶

(۷۲) ابن سعد،طبقات الکبریٰ،دارصادر، ج:۱،ص:۲۵۵

(۷۳) صحیح بخاری، ج.۱،نمبر۳۹و۴۰

(۷۴) القرآن الکریم (البقرہ ۱۴۴)

(۷۵) حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ہے:[جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ انصار میں اپنے ننھیال کے ہاں رونق افروز ہوئے. آپ حضور ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی لیکن آپ حضور ﷺ کی خواہش یہ رہی کہ قبلہ کا رخ مکۃ المکرمہ میں کعبۃ المشرفہ کی جانب ہو۔]صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۳۹و۴۰

(۷۶) سمہودیؒ،مصدر مذکور،صفحات:۳۶۲_۳۶۳

(۷۷) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۳۹. یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے آخری حصے میں حضرت براء بن العازبؓ نے بیان کیا ہے کہ:[پہلی نماز جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ المشرفہ کی جانب رخ اقدس کر کے ادا کی تھی وہ نماز عصر تھی جس میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شریک تھے. پھر ان میں سے ایک اصحابی نماز ختم ہونے کے بعد جب ایک مسجد کے قریب سے گزرے جہاں لوگ ابھی مسجد ایلیا (یروشلم) کی جانب منہ کر کے نماز ادا کر رہے تھے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ:[اللہ کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی جانب رخ انور کر کے نماز ادا کی ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے بھی اپنے منہ کعبہ کی جانب موڑ لیے....الخ]

(۷۸) اگرچہ اس کے راوی اس وقت بنفس نفیس موجود نہیں تھے کیونکہ وہ تو اس واقعہ کے پانچ سال بعد حلقہ اسدم میں آئے تھے، لیکن روایت حدیث مبارکہ میں ان کے مقام کو مدنظر رکھ کر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کی معلومات کسی مصدر اول پر ہی مبنی ہوں گی ،یعنی ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ کے روز اول سے ہی وہاں موجود تھے اور جو اس مقام طاہرہ کو اچھی طرح جانتے تھے.

(۷۹) منقول از ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور، ص:۱۶۵

(۸۰) سمہودیؒ،مصدر مذکور، ص:۳۶۷

(۸۱) ابن زبالہ کے مطابق ،تحویل قبلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً دس دن تک اس مقام پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرواتے تھے جہاں کہ ستون سیدۃ عائشہؓ ہے سمہودیؒ،مصدر مذکور، ص ۳۶۷.

(۸۲) جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ ہجری)، ص ۸۱

(۸۳) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۷۵ نیز ج:۹،نمبر۴۳۴

(۸۴) ایضاً، ج:۵،نمبر۲۶۹

(۸۵) القرآن الکریم (آل عمران ۳۷و۳۹ اور سورۃ مریم:۱۱ اور سورۃ ص:۲۱). اس کے علاوہ جمع کے صیغے میں بھی لفظ محاریب قرآن کریم میں سورۃ سباء:۱۳ میں استعمال ہوا ہے.

(۸۶) صالح لمعی مصطفیٰ، (Al-Madına al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱، ص:۴۷

(۸۷) صحیح بخاری، ج ۹،نمبر۴۳۵ نیز ج:۲،نمبر۲۸۶و۲۸۷

(۸۸) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱،نمبر۴۶۳

(۸۹) ایضاً، ج ۱،نمبر۴۶۲

(۹۰) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر۱۱۲

(۹۱) ایضاً، ج:۱،نمبر۵۷۸. ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ دیگر تجاویز کے ضمن میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تجویز پیش کی تھی کہ آگ کی مشعل روشن کر دی جائے. ایضاً، نمبر۵۸. اس معاملے میں ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں کچھ مزید تفاصیل بھی دی ہیں. ابن

سعد، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۲۴۷.

(۹۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۷۳۵

(۹۳) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص: ۳۴۸. نیز ابن نجار (ولادت. ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص: ۱۶۴

(۹۴) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص: ۴۷۹. حضرت نافعؒ نے حضرت عمر ابن الخطابؓ سے روایت کی کہ: [حضرت بلالؓ ایک لکڑی کی تپائی پر کھڑے ہو کر ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے حجرہ مبارکہ پر اذان دیتے تھے جو کہ مسجد نبوی شریف کے باہر تھا..... ....] ابن نجار، مصدر مذکور، ص: ۱۶۴. چھٹی صدی ہجری کے اس فاضل مورخ نے تحریر کیا ہے کہ اس وقت بھی (یعنی چھٹی صدی ہجری میں) وہ سٹول اس گھر میں محفوظ تھا جو کہ کبھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ہوا کرتا تھا سید سمہودیؒ نے بھی ابن زبالہ کے بیان کی رو سے یہی کہا ہے اور وہ سٹول یا ستون جو کہ مربع شکل کا تھا دار آل عمرؓ میں محفوظ تھا اور اسے المتمار کہا جاتا تھا. یہ گھر مسجد نبوی شریف سے متصل جنوب مشرقی کونے کی طرف تھا جہاں آج کل جنازے کے لیے لائی گئیں میتیں رکھی جاتی ہیں اور جو علاقہ مسجد نبوی شریف کی قبلہ کی دیوار سے متصل ہے. دیکھئے سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۵۳۰

(۹۵) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص: ۴۷۹

(۹۶) سنن ابی داؤد، ۰۰۴۰_۰۷۴۱

(۹۷) سیدنا بلال بن رباحؓ صرف مسجد نبوی شریف کے موذن ہی نہیں تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خزانچی بھی تھے اور اہل خانہ رسول مقبول ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھا کرتے تھے. سرور کائنات ﷺ کے عاشق زار ہونے کی وجہ سے جب آں حضرت ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو وارفتہ محبت رسول مقبول حضرت بلالؓ اپنے آپ کو اذان دینے سے عاری سمجھنے لگے. وہ ہمیشہ گم سم رہا کرتے تھے اور یاد حبیب میں زیادہ وقت رو رو کر گزارنے لگے. آخر کار انہوں نے مدینہ طیبہ سے شام منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا. سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں ایک بار وہ اپنے محبوب رسول امین ﷺ کو سلام پیش کرنے مدینہ طیبہ آئے. لوگ تو پہلے ہی ان کے دیدار کو ترس گئے تھے اور ان کی آواز میں اذان سننے کے لیے بے تاب تھے، لہذا ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اذان دیں. بہت رد و کد کے بعد انہوں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اصرار پر اذان دینی کی حامی بھر لی اور اذان شروع کی. جونہی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں ان کی آواز گونجی پیر و جوان مرد و زن اپنے گھروں سے دیوانہ وار باہر آ گئے کیونکہ ایام رسول مقبول ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی تھی. جونہی وہ ان الفاظ 'اشہد ان محمد الرسول اللہ' پر پہنچے یہ عاشق زار رسول مقبول ﷺ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور زار و قطار رونے لگ گئے اور بعض روایات کے مطابق وہ باقی ماندہ اذان کو جاری نہ رکھ سکے اور بے ہوش ہو گئے مدینہ طیبہ سے پھر شام چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا جہاں ان کی مرقد مبارک زیارت گاہ عشاق ہے.

(۹۸) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص: ۱۷۸

(۹۹) بلوائیوں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا. محاصرہ اتنا شدید تھا کہ وہ سیدنا عثمانؓ کو مسجد نبوی تک جانے نہیں دے رہے تھے بلکہ ان کے قتل کے درپے تھے. اس پر احتجاج کرتے ہوئے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ نے چھت پر چڑھ کر ان لوگوں سے کہا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی نمازیوں کی لیے تنگ پڑ گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: [جو بھی اس قطع ارضی کو خریدے گا تا کہ مسجد کی توسیع عمل میں لائی جا سکے تو اللہ اس کو اس سے کہیں بہتر انعام بہشت میں دے گا.] وہ میں ہی تو تھا جس نے اپنی جیب سے اس زمین کی قیمت ادا کی مگر آج تم لوگ مجھے اسی مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو!'' فتح الباری، ج:۱، ص ۴۰۸

(۱۰۰) ہاشم دفتر دار اور جعفر فقیہ، توسعات الحرم النبوی الشریف و مشاریع جلالۃ الملک سعود کافۃ، مطبعۃ الانصاف، بیروت، ۱۳۷۳ ہجری، ص: ۲۷. یہ کتاب حرم النبوی شریف کی لائبریری میں کیٹلاگ نمبر ۳۴۷۷۵ پر دستیاب ہے جسے ۳_۵_۱۴۱۸ ہجری میں لائبریری میں شامل کیا گیا.

(۱۰۱) ابن سعد، ج ۱۰، صفحات: ۲۵۰_۲۵۱

(۱۰۲) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۳۷۴

(۱۰۳) ایضا، ج:۴، نمبر ۷۸۳

(۱۰۴) ابن سعد، ج:۱،۲۵۱

(۱۰۵) ابن ضیاء المکی، ص:۱۷۳

(۱۰۶) صحیح بخاری، ج:۴، نمبر۷۸۴

(۱۰۷) منقول از ابن ضیاء المکی، ص۱۶۹

(۱۰۸) ایضاً، ص:۱۶۹

(۱۰۹) قطب الدین الحنفی (ت:۹۹۰ ہجری)، تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص:۱۰۲. نیز یوسف عبدالرزاق، معالم دارالہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۱، ص:۲۳۸

(۱۱۰) پیمائش کے معیار کچھ اس طرح تھے: ذرع (ایک ہاتھ) جو دو بالشتوں پر مشتمل ہوتا تھا اور ہر بالشت (یعنی آدھ ذرع) پانچ انگلیوں کے برابر سمجھی جاتی تھی منبر شریف کے ایک زینے کی اونچائی جو کہ ابن زبالہ نے بیان کی ہے وہ ایک بالشت اور دو انگلیوں کے برابر تھی سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ جب ایک بار مسجد شریف کے صحن کی کھدائی کرنی پڑی تو منبر شریف کے نیچے سنگ مرمر کا بنا ہوا حوض نکلا تھا جو منبر شریف کے محل وقوع کی تصدیق کرتا تھا. سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۴۰۳۔۴۰۴۔

(۱۱۱) ابن ضیاء المکی، ص:۱۷۴

(۱۱۲) ابن نجار، ص:۱۵۹

(۱۱۳) ابن نجار، ص۱۵۹

(۱۱۴) ابی الحسن علی بن حسین المسعودی (ت:۳۴۶ ہجری)، مروج الذہب ومعادن الجواہر، بیروت، ج:۳، ص:۳۲

(۱۱۵) سمہودیؒ، صفحات: ۳۹۸۔۳۹۹. ابن اثیر کے مطابق عبدالملک بن مروان اور پھر اس کے بعد ولید بن عبدالملک کو بھی منبر شریف کو دمشق لیجانے کا خبط سوار ہوا تھا مگر حضرت سعید بن المسیّب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا. الکامل فی التاریخ، ج:۳، صفحات: ۶۱۔۶۲.

(۱۱۶) محمد (جمال) بن احمد المطری، التعریف، مصدر مذکور، ص:۲۷

(۱۱۷) ابی الحسین محمد بن احمد الجبیر (ابن الجبیر ۔ ولادت: ۵۴۰ ہجری)، رحلۃ ابن جبیر، دارالکتاب اللبنانی، صفحات: ۱۴۱۔۱۴۲. چونکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپ حضور ﷺ کا منبر شریف حوض کوثر پر واقع ہے، عین ممکن ہے کہ اسی حدیث مبارکہ کی وجہ سے چند عشاق نے اس چبوترے کو 'حوض' کہنا شروع کر دیا ہوگا.

(۱۱۸) المطری، ص:۲۷

(۱۱۹) سمہودیؒ، ص:۴۰۸

(۱۲۰) ایضاً، ص:۴۱۳

(۱۲۱) المسعودی، مصدر مذکور، ج:۳، ص:۳۲

(۱۲۲) ابن جبیر، الرحلہ (ترجمہ بزبان انگریزی رولینڈ براڈہرسٹ)، ص:۱۴۲

(۱۲۳) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص۹۱

(۱۲۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۷۴۳

(۱۲۵) ایضاً، ج:۲، نمبر۴۰

(۱۲۶) ایضاً، ج:۳، نمبر۳۰۸ و ج:۲، نمبر۴۱ نیز ج:۴، نمبر۷۸۳

(۱۲۷) ایضاً ج:۴، نمبر۷۸۵

(۱۲۸) ابی سعید المفضل بن ابراہیم الجندی (ت:۳۰۸ ہجری)، فضائل المدینہ، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۷، ص:۳۷

(۱۲۹) صحیح بخاری، ج:۲،نمبر۴۱

(۱۳۰) قاضی عیاضؒ،ابی الفضل بن موسیٰ الاندلسی،الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ،قاہرہ،۱۹۵۰،ص:۲۰۰.سمہودی،خلاصۃ الوفاء،المکتبۃ العلمیہ، مطبوعہ دمشق،۱۹۷۲،ص۲۳۲.

(۱۳۱) سمہودی،خلاصۃ الوفاء،ص:۲۳۳

(۱۳۲) قاضی عیاض،مصدر مذکور،ص:۲۰۰

(۱۳۳) ابن جبیر،رحلۃ ابن جبیر،ص:۱۴۱

(۱۳۴) ابن بطوطہ(محمد بن عبداللہ)(Travels in Asia and Africa)،سروسز بک کلب،لاہور،۱۹۸۵،ص:۷۱

(۱۳۵) ایضاً،ص:۷۲

(۱۳۶) صحیح بخاری،ج:۱،نمبر۴۹۲

(۱۳۷) جامع الاحادیث،۷۔۱۷۶(حدیث نمبر۱۳،۸۹۲)

(۱۳۸) الاستیعاب(حاشیہ الاصابہ،۲۔۱۲۱۔۱۲۲)

(۱۳۹) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،صفحات:۵۹۶۔۹۷

(۱۴۰) ناجی محمد حسن الانصاری،عمارۃ وتوسعہ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ،مدینہ ادبی کلب،۱۴۱۶،ص:۵۷

(۱۴۱) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،صفحات:۶۷۰۔۶۷۱

(۱۴۲) عبدالقدوس الانصاری،آثار مدینۃ المنورہ،ص:۹۷

(۱۴۳) صحیح بخاری،ج:۱،نمبر۴۳۷

(۱۴۴) دفتر دار اور فقیہ،مصدر مذکور،ص:۲۷

(۱۴۵) صحیح بخاری،ج:۱،باب۶۲

(۱۴۶) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،ص:۴۸۶

(۱۴۷) ابن نجار،مصدر مذکور،ص۱۷۲

(۱۴۸) رسول اللہ ﷺ نے مسجد شریف کی جنوبی جانب مکان کے لیے زمین حضرت جعفر بن طیارؓ کو اس وقت دی تھی جب کہ وہ ابھی ہجرت حبشہ پر ہی تھے.سیدنا عمر فاروقؓ نے اس مکان کا تقریباً آدھا حصہ مبلغ ۱۰،۰۰۰ درہم کے عوض خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا تھا۔ابن نجار،ص:۱۷۲

(۱۴۹) غالی محمد الامین الشنقیطی ،الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین،دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ،جدہ،۱۹۹۱،ص:۸۹

(۱۵۰) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،ص:۴۸۹

(۱۵۱) ابن ضیاء المکی،مصدر مذکور،ص:۱۸۱

(۱۵۲) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،ص:۴۸۹

(۱۵۳) ابن نجار،ص:۱۷۱

(۱۵۴) جمال المطری،مصدر مذکور،ص:۱۷۳

(۱۵۵) ابن نجار،ص:۱۷۳

(۱۵۶) الموطاء امام مالکؒ،ج:۱،نمبر۳۰

(۱۵۷) جنرل ابراہیم رفعت پاشا،مرآۃ الحرمین،ج:۱،ص:۴۸۰

(۱۵۸) القرآن الکریم(الحجرات:۲و۳)

(۱۹۰) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر۵۹۲۴۔ سنن ابی داؤد، ۴۶۳۱۔۵۹۱۵۔ ابی داؤد کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان تکرار ہوئی تھی جس میں اول الذکر نے ان وجوہات سے پردہ اٹھایا تھا جنہوں نے انہیں ابوتراب (شیر خدا علی المرتضیٰؓ) پر تبرابازی سے منع رکھا تھا اور انہوں نے تبرابازی پر مدینہ طیبہ کی گورنری پر لات مارنے کو ترجیح دی تھی۔ جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، دمشق، ص ۱۷۷۔ مسجد نبوی شریف میں برسر منبر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر سرعام تبرابازی کی جاتی تھی اور جو اس سے انکار کرتا اس کی درگت بنادی جاتی تھی۔ کتنے ہی ایسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جن کو اس قبیح حرکت کے خلاف احتجاج کرنے پر زدوکوب کیا گیا۔ حضرت حجر بن عدی الکندیؓ اور ان کے ساتھیوں کو ۵۱ ہجری میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حجاج بن یوسف تو اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رتبے اور مقام کا لحاظ کئے بغیر ہر اس شخص کو اس وقت تک کوڑے لگواتا جب تک کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم نہ کرنے لگ جاتا۔ مثال کے طور پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کی پیٹھ پر اس وقت تک درے برستے رہے جب تک کہ انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو برا بھلا کہنا شروع نہیں کیا۔ بدقسمتی سے اس قبیح رسم کا اجراء حضرت معاویہؓ کے دور میں مسجد نبوی شریف سے شروع ہوا اور ہر ایک گورنر کو حکم نامہ ارسال کر دیا کہ وہ اپنی اپنی جامع مساجد میں بوقت خطبہ برسر منبر اس کو رواج دیں۔ دیکھئے احمد بن محمد ابن عبدربہ، کتاب العقد الفرید، انگریزی ترجمہ محمد شفیع، ناشر پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۳۵، صفحات: ۲۷۵ و ۸۲۸۔ حضرت معاویہؓ کا کوفہ کا گورنر (ابن ابیہ) اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس وقت تک زدوکوب کرواتا جب تک کہ وہ جبر و اکراہ کے تحت شیر خدا علی المرتضیٰؓ کو سب وشتم نہ کرنے لگ جاتے اور جو انکار کر دیتا اس کا سر قلم کر دیا جاتا۔ دیکھئے۔ مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجواہر، ج:۳، ص:۳۲۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے بھی اس سلسلے میں ایک احتجاجی خط حضرت معاویہؓ کو ارسال کیا تھا کہ برسر منبر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی کردار کشی کا سلسلہ بند کیا جائے۔ دیکھیے ابن عبدربہ، مصدر مذکور، صفحات: ۴۱۸، ۶۱۷، ۶۱۱ و ۸۲۸ مگر ان تمام احتجاجات اور بے دریغ قتل وغارت اور ظلم وستم کے باوجود اس قبیح رسم کو جاری رکھا گیا تا آنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت آ گیا اور انہوں نے جرأت رندانہ سے کام لیکر اس کا خاتمہ کیا۔ دیکھئے: ابن الاثیر (ت: ۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، ج:۴، صفحات ۹۸۔۹۹۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ سے ملنے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے ان سے استفسار کیا: [تم نے کب سے یہ جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ناراض ہے جنہوں نے غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شرکت فرمائی تھی جس کے نتیجے میں اللہ ان سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو گیا تھا؟] اس سوال نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے جو کہ حضرت عبیداللہؒ ان کو سمجھانا چاہتے تھے۔ یہ ایک طرح کی سرزنش تھی جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے خیالات پر تازیانے کا کام کیا اور انہوں نے اس قبیح رسم کو ختم کرنے کے لیے عملی اقدام کئے اور اپنے تمام گورنروں کو حکم نامہ جاری کر دیا کہ وہ فوراً حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو سب وشتم کرنا بند کر دیں اور اس کی جگہ ان کے نام کے ساتھ 'کرم اللہ وجہہ' کے الفاظ استعمال کیا کریں۔

(۱۹۱) سمہودیؒ، ص:۵۱۳۔ انہوں نے ابن زبالہ کا ایک طویل بیان نقل کیا ہے۔

(۱۹۲) ایضاً، ص:۵۱۳

(۱۹۳) ابن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۲۶۰

(۱۹۴) سمہودیؒ، ص۔۵۱۷

(۱۹۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص۔۱۶۷

(۱۹۶) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۴، ص:۱۴

(۱۹۷) الطبری (Chronique de Abou Djafer Mohammed Tabari, tr. H. Zontenberg, 1867, IV pp. 161-2)
تاریخ الامم والملوک (عربی)، بیروت، ج:۶، صفحات: ۴۳۵۔۴۳۶۔

(۱۹۸) صالح العمی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص:۶۷

(۱۹۹) بلاذری (Kitab Futuh al-Buldan). Tran. in English by Philip K. Hitti, 1916, p. 20.

(۲۰۰) امام ابی الحسن ابلاذری، فتوح البلدان (عربی)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱، ص:۲۱

(۲۰۱) دفتر دار وفقیہ، مصدر مذکور، ص ۲۸

(۲۰۲) ایضاً

(۲۰۳) ابن نجار، ص ۱۷۶

(۲۰۴) ایضاً، ص ۱۷۵

(۲۰۵) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، بلاد الحجاز، ۱۹۸۳، ص:۱۶۸

(۲۰۶) ابن نجار، ص:۱۷۷

(۲۰۷) ایضاً، ص:۱۷۶

(۲۰۸) جانب شرقی کی موجودہ دیوار میں باب جبریل اور باب البقیع کے درمیاں جو دو کھڑکیاں ہیں وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو دروازے تعمیر کروائے ہوئے تھے. باب البقیع کی جانب والی کھڑی کی جگہ جو دروازہ تھا اسے باب النبی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ قدمین الشریفین کے بالکل سامنے تھا جب کہ دوسری کھڑی کی جگہ جو دروازہ تھا وہ چونکہ خوخہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے سامنے تھا اس لیے اسے باب علیؓ کہا جاتا تھا. ترکوں نے ان دروازوں کی یاد زندہ رکھنے کے لیے ان کی جگہ کھڑکیاں لگوادی تھیں. آج کل ان دونوں کھڑکیوں میں ایرکنڈیشنر لگوادیئے گئے ہیں.

(۲۰۹) ابن نجار، صفحات: ۱۷۷۔۱۷۸

(۲۱۰) ابی الحسن محمد بن احمد الاندلسی (المشہور ابن جبیر)، سفرنامہ بعنوان 'الرحلۃ'، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ص:۱۴۳

(۲۱۱) ایضاً

(۲۱۲) دکتور سلیمان عبدالغنی المالکی، مصدر مذکور، ص:۱۶۸

(۲۱۳) عباس کرارہ، الدین والتاریخ الحرمین الشریفین، مطبوعہ مرکز الحرمین بمکۃ المکرمہ (۱۹۸۰) ص ۲۴۶

(۲۱۴) صالح لمعی مصطفیٰ (Al-Madina al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱، ص:۷۱

(۲۱۵) دکتور محمد السید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، دار المجتمع للنشر والتوزیع، جدہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، صفحات: ۱۲۳۔۱۲۴ و سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۶۸۳

(۲۱۶) ابن نجار نے ابن زبالہ کی روایت نقل کی ہے جس کے مطابق ہر مینارے کی بلندی ۵۵ ذرع (۲۲،۵ میٹر) تھی اور اسے ۸x۸ ذرع رقبے پر استوار کیا گیا تھا مصدر مذکور، ص:۱۸۲. صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص:۷۱.

(۲۱۷) سمہودی، ص:۵۲۶

(۲۱۸) دکتور عارف مفضی المسعر، ہذہ بلادنا۔ الجوف، ۱۹۹۸، صفحات: ۴۲۔۴۴

(۲۱۹) صالح لمعی مصطفیٰ، ص:۷۲

(۲۲۰) ابن نجار، ص:۱۷۵

(۲۲۱) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۵۳۶

(۲۲۲) ابن نجار، ص:۱۷۸. مورخین نے اس روایت کو جعفر المعضور سے منسوب کیا ہے کہ اس کی یہ خواہش کہ مسجد شریف کو شرقی جانب وسعت دے دی جائے کے پس پردہ سیاسی محرکات تھے، یعنی وہ دار آل عثمان بن عفانؓ کو مسمار کر کے اسے مسجد شریف میں اس لیے شامل کرنا چاہتا تھا تا کہ آل عثمانؓ بھی اہل بیت الطاہرہ کی طرح عوام کی حمایت سے محروم ہو جائیں. تاہم اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی. امویوں کی طرح عباسی بھی اپنے اقتدار کو حتی الوسع طول دینے کے چکر میں تھے اور ہر اس ممکنہ رکاوٹ کو رستے سے ہٹا دیتے تھے جس سے مستقبل قریب یا بعید میں انہیں اپنے خلاف کسی شورش کی بو آتی تھی.

(۲۲۳) صالح لمعی مصطفیٰ، ص:۷۷

(۲۲۴) ابلاذری، ص:۲۱

(۲۲۵) صالح لمعی مصطفی،ص۷۶.

(۲۲۶) ابن نجار،صفحات:۱۸۲_۱۸۳

(۲۲۷) سمہودی،ص:۵۳۹

(۲۲۸) ابن نجار،ص:۱۷۹

(۲۲۹) ایضاً،صفحات:۱۷۹_۱۸۰

(۲۳۰) عباس کرارہ،مصدر مذکور،ص.۲۴۶

(۲۳۱) البلاذری،ص:۲۱

(۲۳۲) عباس کرارہ،مصدر مذکور،ص:۲۴۶.ان تبرکات اور آثار نبویہ کے متعلق مزید کچھ معلومات میسر نہیں سوائے اس کے کہ ان میں سے چند عثمانی اپنے ساتھ آستانہ لے گئے تھے جو کہ آج کل توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہیں.

(۲۳۳)ابن نجار،ص:۱۸۲

(۲۳۴) ابن جبیر،الرحلہ،دارالکتاب اللبنانی،بیروت،صفحات:۱۴۲_۱۴۳

(۲۳۵) جمال المطری،التعریف بما انست الہجرہ من معالم دارالہجرہ،المکتبہ العلمیہ،مدینۃ المنورہ،۱۴۰۲،ص:۲۷.نیز سمہودی،ص:۵۹۸

(۲۳۶) الشیخ جعفر بن اسماعیل البرزنجی،نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین،ص.۵۶

(۲۳۷) منقول از سمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص:۳۱۸اور۵۹۹

(۲۳۸) سمہودی کے مطابق بیبارس نے ۵۳ تجربہ کار معمار،لکڑی کے تختے،آہنی اور سیسے کا سامان مصر سے ارسال کئے تھے.وفاء الوفاء،ص:۶۰۴

(۲۳۹) صالح لمعی المصطفیٰ،مصدر مذکور،ص۷۹

(۲۴۰) ایضاً،ص:۸۰

(۲۴۱) ایضاً

(۲۴۲) برزنجی،مصدر مذکور،ص:۶۰

(۲۴۳) دکتور محمد السید الوکیل،مصدر مذکور،ص:۱۴۵

(۲۴۴) سمہودی،خلاصۃ الوفاء،ص:۳۲۴

(۲۴۵) صالح لمعی مصطفیٰ،ص:۸۸

(۲۴۶) ہاشم محمد سعید وفتر دار،ذکریات طیبہ،مکتبۃ الفقیہ،مدینہ منورہ،پہلا ایڈیشن،۱۹۵۱،ص:۱۴۸

(۲۴۷) علی بن موسیٰ آفندی،وصف المدینۃ المنورہ،صفحات:۵۷و۵۸

(۲۴۸) البرزنجی،مصدر مذکور،ص:۸۰

(۲۴۹) مدینہ طیبہ کے گورنر کو عثمانی دور میں شیخ الحرم کہا جاتا تھا.لہذا اس لقب کو مسجد نبوی کا امام نہ سمجھا جائے.

(۲۵۰) البرزنجی،ص:۸۱

(۲۵۱) منقول از انجنیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم الکعکی،معالم المدینۃ المنورہ،ج:۱(قسم الجبال)،ص:۴۱۰.اس واقعہ کا تفصیلی ذکر شیخ جعفر البرزنجی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب نزہۃ الناظرین میں کیا ہے،جو کہ نہ صرف اس تعمیر کے وقت مسجد نبوی شریف میں فقہ شافعیہ کے امام تھے بلکہ اس کی افتتاحی تقریب میں شامل ہوئے تھے:صفحات:۷۵_۷۷.

(۲۵۲) البرزنجی،ص۲۳۰

(۲۵۳) دکتور محمد الوکیل،المسجد النبوی عبر التاریخ،ص:۱۵۹

(۲۵۴) انجنیر عبدالعزیز الکعکی، مصدر مذکور، ص:۴۱۷

(۲۵۵) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور، ص:۱۰۴. نیز دیکھئے الشیخ عطیہ سالم کا لیکچر مورخہ ۱۱۔۱۰۔۱۴۰۹ جسے دراسات حول المدینہ میں شامل کیا گیا ہے جسے مدینہ طیبہ کی ادبی کلب نے ۱۹۹۴ میں طبع کروایا تھا، ص:۹۰

(۲۵۶) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، صفحات:۴۴۸۔۴۹۹

(۲۵۷) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، صفحات:۱۰۳۔۱۰۴

(۲۵۸) الدارہ، دارۃ الملک عبدالعزیز کا مجلّہ برائے ماہ دسمبر ۱۹۸۶، ص:۲۱۰

(۲۵۹) انجنیر عبدالعزیز کعکی، معالم مدینۃ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جزء دوم، ص:۲۱۵

(۲۶۰) دفتر دارو فقیہ، مصدر مذکور، صفحات:۵۷۔۵۹

(۲۶۱) ایضاً، صفحات:۳۶۔۴۱

(۲۶۲) عباس کرارہ، صفحات:۲۳۵۔۲۳۶. فاضل مولف نے جس رقبہ کا ذکر کیا اسے مسجد نبوی شریف کا کل رقبہ نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ اس میں بہت سا علاقہ اردگرد کی سڑکوں اور دیگر سہولیات کے علاقے بھی شامل تھے.

(۲۶۳) دفتر دارو فقیہ، ص:۶۰

(۲۶۴) عباس کرارہ، ص:۲۳۶

(۲۶۵) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الزاہر، یکے از مطبوعات سعودی وزارت اطلاعات، ۱۴۲۰ ہجری جسے سعودی حکومت کے جشن صد سالہ کی تقریبات کے سلسلے میں جاری کیا گیا، ص:۸۱

(۲۶۶) ایضاً

(۲۶۷) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص:۸۱

(۲۶۸) ایضاً، صفحات:۷۷۔۸۰

(۲۶۹) ایضاً

(۲۷۰) یہ تمام تر تفاصیل ایک داکومنٹری فلم سے لی گئی ہیں جسے پاکستان ٹیلی ویژن نے بن لادن گروپ کے تعاون سے نشر کیا تھا

(۲۷۱) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الزاہر، ص:۸۳

(۲۷۲) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، صفحات:۹۸۔۹۹.

(۲۷۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۵۹۸

(۲۷۴) ایضاً، نمبر ۴۸۲

(۲۷۵) ایضاً، ج:۲، نمبر ۳۰۴

(۲۷۶) ابن شبہ، ج:۱، صفحات:۱۹۔۲۲.

(۲۷۷) ایضاً، ص:۲۳

(۲۷۸) ابن نجار، مصدر مذکور، ص:۲۳

(۲۷۹) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۰۱

(۲۸۰) محمد کمال اور محمد اسماعیل ابراہیم، البلاد المقدسہ، قاہرہ، ۱۹۵۰، ص:۱۶۷

(۲۸۱) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، صفحات:۹۶۔۹۷

(۲۸۲) ابن نجار، ص:۱۶۹

حجرہ مبارکہ (مقصورہ الشریفہ)

﴿اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو، تو کہیں سلام ہو تم پر، واجب کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو (یہ انہیں کہہ دیں) جو کرے تم میں سے کوئی بری بات نادانی سے پھر پلٹ آئے (یعنی توبہ کرے) اس کے بعد اور سنور جائے تو وہ بہت بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔﴾ القرآن الحکیم (۱)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، یوم قیامت اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی۔ (حدیث مبارکہ) (۱)

میری حیات بھی تمہارے لئے بہتر اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ (زندگی میں تو) میری باتیں (احادیث مبارکہ) تم سنتے ہو یا پھر لوگ تم تک پہنچا دیں گے۔ میری وفات کے بعد تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اگر تمہارے اعمال صالح ہوں گے تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری تعریف کروں گا اور اگر میں یہ دیکھوں گا کہ تمہارے اعمال غیر صالح ہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ (حدیث مبارکہ) (۱)

باب ۱۵

امام النوویؒ فرماتے ہیں: [جب کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے لیے آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جس طرف رسول خدا ﷺ کی قبر اطہر ہے جبکہ اس کی کمر قبلہ کی جانب ہو (آج کل اس مقام کو مواجہ شریف کہا جاتا ہے). وہاں باادب کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر درود و صلوات پڑھے اور پھر تقریباً ایک ذراع (آدھا میٹر) اپنے دائیں ہاتھ کو چلے کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا سر مبارک حضور رسالت مآب ﷺ کے شانوں کے برابر ہے. وہاں کھڑا ہو کر سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں سلام پیش کرے. پھر زائر تھوڑا سا اور آگے بڑھ جائے (تقریباً آدھا میٹر مزید آگے کی طرف) اور سیدنا عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام پیش کرے.] (۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی سند سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے: یہ مسنون ہے کہ قبر اطہر سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ پر حاضری دینے کے لیے قبلہ کی طرف سے آیا جائے (بایں حالیکہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور منہ سرکار دو عالم ﷺ کی جانب ہو) اور پھر کہا جائے کہ: ''السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' (۳).

ابن الجوزی کے الفاظ میں: ''جو بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر زیارت کے لیے حاضر ہو اس کو چاہئے کہ وہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ وہاں کھڑا ہو جیسا کہ وہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہو.'' (۴) ایک حدیث مبارکہ کچھ اس طرح ہے: [کوئی بھی آدمی ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر درود بھیجے اور اللہ کریم میری روح کو میرے بدن میں نہ لوٹائے تاکہ میں اس کے درود و صلوات کا جواب دے سکوں.] (۵)

مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنہ سے متصل مشرقی جانب تمام کائنات کا مقدس ترین وہ بقاع نور اور کاشانہ اقدس واقع ہے جسے عرف عام میں مقصورہ شریف یا حجرہ مطہرہ کہا جاتا ہے اور جہاں صاحب لولاک سید الکونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم محو استراحت ہیں. اس حجرہ مبارکہ کی تعمیر بھی مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی تھی اور اس کی زمین بھی مسجد شریف کی زمین کی طرح حضرت سہل اور حضرت سہیلؓ (جو کہ بنو نجار کے دو یتیم بچے تھے) کی ملکیت تھی. ان دونوں یتیموں کو اس زمین کا معاوضہ دیکر دریتیم اور سیدۃ آمنہ کے لال حبیب کبریا احمد مجتبیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے وہ جگہ اپنی مسجد اور اپنے گھر کیلئے خرید فرمائی. مسجد شریف کی طرح اس کا گارا مٹی بھی بقیع الخضبہ (جو کہ بقیع الغرقد کا ہی ایک حصہ تھا اور اس کے جنوب میں واقع تھا) کے میدان میں تیار کیا گیا تھا اور وہیں پر اس کی کچی مٹی کی اینٹیں بنائی جاتیں اور جب سورج کی حدت سے وہ سوکھ جاتیں تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کو اٹھا کر مقام تعمیر پر لاتے تھے. اس کام میں اشرف الانبیاء سرور مرسلاں تاجدار مدینہ ﷺ برابر کے شریک رہے اور اگر کوئی اصحابی عرض کرتا کہ حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا! لائیے یہ اینٹیں مجھے اٹھانے دیجئے تو رسول رحمت علیہ الف الف صلوۃ وسلام مسکرا کر فرما دیتے کہ اینٹیں تو بہت پڑی ہیں، وہاں سے اٹھا لیجئے. اس لحاظ سے اس مقدس ترین بقعہ ارض کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی تمام تر عمارت اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک ہاتھوں سے مکمل ہوئی اور اس کا سنگ بنیاد شاہ دوسرا کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا.

گارے اور مٹی سے بنی، بواروں کے ساتھ جن میں کھجور کے پتے اور ٹہنیاں استعمال ہوئی تھیں، یہ عمارت اس وقت کے مدینہ طیبہ میں شاید سب سے زیادہ سادہ سی عمارت تھی جو شہنشاہ دو عالم ﷺ نے اپنے لیے تعمیر کی تھی اور جہاں بعد میں صدیقہؓ بنت صدیقؓ اور حبیبہ حبیب رب ذوالجلال ﷺ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ دلہن بن کر آئیں اور سرکار دو عالم ﷺ نے انکے ساتھ تقریباً نو سال تک اس حجرہ مطہرہ کو شرف قیام بخشا. اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے حجرات مبارکہ کا دیدار کیا ہوا تھا وہ بھی ان کی عمارتی سادگی کے معترف تھے جیسا کہ حضرت ابوامامہؓ نے حجرات نبویہ کے انہدام کے وقت فرمایا تھا: [اے کاش کہ ان حجرات مبارکہ کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا تاکہ جب لوگ اپنے عالیشان گھروں کو تعمیر کرتے تو دیکھتے کہ وہ کس قسم کے گھر تھے جو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول

مواجہ شریف درجالیاں

محتشم ﷺ کے لیے پسند فرمائے تھے جب کہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ قادر مطلق ہے اور اسی کے پاس دنیا و مافیہا کے خزائن کی کنجیاں ہیں۔]

بعد میں ایسے ہی حجرات مبارکہ اس حجرہ مطہرہ کے مشرق، جنوب اور شمال میں تعمیر ہو گئے تھے جو کہ دوسری ازواج مطہرات اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے لیے تھے۔ سب کی سادگی یکساں تھی تقریباً تمام حجرات مبارکہ کھجور کی سوکھی ٹہنیوں کو مٹی میں گوندھ کر بنائے گئے تھے۔ نہ کوئی دنیاوی شان و شوکت اور نہ کوئی امتیاز۔ اگر کوئی امتیاز تھ تو صرف یہ تھ کہ وہ تمام حجرات مبارکہ ختمی مرتبت فخر موجودات ﷺ کی اقامت گاہیں تھیں۔ باقی حجرات مبارکہ کی طرح اس حجرہ مبارکہ کا بھی ایک دروازہ ہوتا تھ جو کہ شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا تھ اور صرف ایک کواڑ پر مشتمل تھا۔ اس کے اوپر سیاہ رنگ کا اونی پردہ لٹکا رہتا تھ جس کی لمبائی تین ہ تھ (تقریباً ڈیڑھ میٹر) اور چوڑائی آدھا میٹر تھی۔ (۶) شمالی جانب بھی ایک دروازہ تھا جو قدرے چھوٹا تھ اور ایک برآمدے میں کھلتا تھ اور خاتون جنت سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے کھلتا تھا۔ حضرت حریث بن الصائبؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت حسن البصریؒ (۲۱-۱۱۰ ہجری) سے سنا (۷) کہ وہ فرمایا کرتے تھے: [میں رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت میں بلوغت کی دہلیز پر تھا اور میں اپنے ہاتھوں سے ان حجرات مبارکہ کی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھ ہر گھر میں ایک کمرہ ہوا کرتا تھ](۸) انہی ایک کمرے کے کاشانہ ہائے اقدس میں چولھے بھی جلتے تھے اور انہی میں مقیم امہات المومنینؓ گھر کا کام کاج بھی کرتی تھیں۔ ابتدائی دنوں میں گھروں میں روشنی کے لیے کوئی چراغ نہیں ہوا کرتے تھے جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے واضح ہے۔ (۹) یہ صورت احوال شاید دو یا تین سال تک رہی تھی۔ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی خانہ آبادی کے بعد تک ان کے حجرہ مبارکہ میں بھی چراغ نہیں تھا اور پھر سیدۃ النساءؓ کی فرمائش پر شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ ایک چراغ لے کر آئے تھے۔ اس روایت سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ امہات المومنین کے گھروں میں کوئی دنیاوی روشنی کا انتظام نہیں تھا، ہاں مگر وہ تمام حجرات مبارکہ جن کا نام اللہ رب العزت کو اتنا پیارا لگا کہ اس نام کی ایک پوری سورۃ قرآن کریم میں نازل فرما دی، نور حبیب رب ذوالجلال ﷻ سے سراسر منور و تاباں تھے ایک ہمدانی اصحابیہ تھیں جنہیں حضور ختمی مرتبت خاتم النبیین ﷺ کی معیت میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، بیہقی نے ابو اسحاقؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان اصحابیہ سے سوال کیا کہ رہبر جادہ حق ہادی جن و بشر ﷺ کے چہرہ انور کی کیفیت تو بیان کرو۔ جواب میں انہوں نے فرمایا [چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا جس کی نظیر نہ کبھی پہلے دیکھی نہ بعد میں] جضرت ابن ابی ہالہؓ کی حدیث مبارکہ میں ہے: [دیدار کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم ﷺ عظیم ترین بزرگ ہستی اور محتشم و معظم اور بارعب شخصیت تھے۔ گویا آپ حضور ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن و تاباں تھا۔]- مدارج النبوۃ حصہ اول - صفحات: ۱۳-۱۴۔ ایسی ہی ایک حدیث مبارکہ حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے۔ بے شک جہاں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ اور صاحب الجمال والکمال ﷺ کا جمال جہاں آرا منور و تاباں ہو وہ کاشانہ اقدس تو سراپا نور علی نور ہو گا۔

مغربی دروازے کے ساتھ ہی ایک کھڑکی بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں کھلتی تھی جب بھی حضور سرور دو عالم ﷺ مسجد میں اعتکاف فرماتے تو کبھی کبھار اپنا سر مبارک اسی کھڑکی سے اندر کی طرف کر دیتے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ وہیں سے سر مبارک کو تیل لگا دیتیں اور کنگھی کر دیا کرتی تھیں۔ (۱۰) دروازے کے اوپر ایک روشندان بھی تھا جس کے آگے کپڑا پڑا رہتا تھا اور جہاں شادی ہو جانے کے بعد ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اپنے کھلونے رکھ لیا کرتی تھیں۔

شرقی جانب حجرہ بتول سیدۃ النساء علیہا السلام تھا۔ قدیم دروازہ تاہنوز امت اسلامیہ جب بھی حجرہ مطہرہ میں حاضری کے لیے جاتے ہیں تو اسی دروازے سے گزر کر قدس میں حاضر ہوتے ہیں

الدر المنثور کے مطابق اس حجرہ مطہرہ کا رقبہ کچھ یوں تھا شمالی دروازے سے لیکر جنوبی دیوار تک اس کی چوڑائی ۶ یا ۷ ہاتھ (کم و بیش ۳،۵ ساڑھے تین میٹر) تھی اور شرقاً غرباً اس کی لمبائی دس ہاتھ (۵ میٹر) یعنی ۵ میٹر سے زیادہ نہ تھی البتہ امام المراغی کے مطابق اس بقعہ نور کا رقبہ کچھ اس طرح تھا اس کا عرض ۶ ۔۔ ذرع تھا جب کہ طول ۸ اور ۹ ذرع کے درمیان تھا۔(۱۱) تاہم امام سمہودی کی تحقیقات کے مطابق یہ حجرہ مبارکہ تقریباً مربع شکل کا تھا۔ لیکن وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی جنوبی دیوار (مواجہہ شریف کی جانب کی دیوار) سب سے طویل تھی شرقی اور غربی دیواریں یکساں تھیں اور پھر شمالی جانب کی دیوار اپنی متوازی دیوار سے طول میں تھوڑی سی کم تھی حبیب کبریا محمد مصطفیٰ اور شاہ کونین ﷺ دنیاوی زندگی میں اس چھوٹے سے حجرے میں مقیم تھے مگر تاریخ عام گواہ ہے کہ اسی چھوٹے سے حجرے سے نکلنے والی کرنوں نے دنیا کے دور دراز اور تیرہ و تار کونے بھی منور کر دیئے اور جس کے سامنے قیصر و کسریٰ کے محلات کی روشنیاں بھی ماند پڑ گئی تھیں نور اسلام نے تاریخ بنی آدم کا دھارا بھی اس طرح بدل کر رکھ دیا کہ اب جب کہ قیصر و

الفیہ (Millenium) شروع ہو چکا ہے اس وقت جان نثاران حبیب کبریا علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی تعداد سوا ارب نفوس سے تجاوز کر چکی ہے.

حضور نبی اکرم ﷺ کا سانحہ ارتحال اور حجرہ مبارکہ میں تدفین

یحییٰ نے امام مالکؒ سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعیدؒ کی روایت سے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا ہے: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے کمرے میں تین چاند اترآئے ہیں. میں نے یہ خواب سیدنا ابوبکرؓ سے بیان کیا. وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور اسی حجرے میں آپ کے جسم اطہر کو دفنایا گیا تو ابوبکرؓ نے انہیں کہا: ''یہ پہلا چاند ہے جو تمہارے کمرے میں اترا ہے اور یہ تینوں میں سب سے افضل و بہتر چاند ہے!'' (۱۲)

حجرہ مطہرہ کی مغربی جانب ریاض الجنۃ کی جانب حجرہ مطہرہ کی دیوار جس میں باب. لوفود وراسطوانہ سریر، اسطوانہ وفود اور اسطوانہ الحرس نظر آرہے ہیں

حجۃ الوداع سے واپسی پر دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ کو سر درد اور جسم مبارک میں درد کی شکایت ہوئی. مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور ماہ صفر ۱۱ ہجری کے اختتام کے قریب شدت اختیار کر گیا. حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت مویہبہؓ (جو کہ رسول اللہ ﷺ کے غلامان میں سے ایک تھے) سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات کے وقت طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس قبرستان - یعنی البقیع - میں جا کر وہاں مدفونین کے لیے دعا کروں اور پھر آپ حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا. میں نے تعمیل کی، اور جب حضور والا شان ﷺ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [اے اہل قبور تم پر سلامتی ہو تم خوش قسمت ہو کہ تم ان سے بہتری میں رہے ہو جو کہ ابھی ہمارے پاس ہیں. اختلافات اور فتنے ظلام بحر کی طرح موج در موج اندھے چلے آرہے ہیں جو اندھیری رات سے بھی تاریک تر ہیں، ہر نیا فتنہ پہلے آنے والے فتنے سے بدتر ہے.] پھر آپ حضور ﷺ نے اپنا رخ اقدس میری طرف موڑا اور فرمایا: [مجھے دو پیش کشوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ چاہوں تو اس دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں اور حیات جاوداں لے لوں اور پھر اس کے بعد جنت میں جاؤں اور چاہوں تو اپنے رب کریم سے فوراً وصال حاصل کروں اور جنت میں جاؤں.] میں نے آپ حضور ﷺ سے مودبانہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ پہلی پیش کش کو قبول فرمایئے، لیکن آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے دوسری پیش کش کو اختیار فرمایا ہے. پھر آپ حضور ﷺ نے وہاں مدفونین کے لیے دعا فرمائی اور وہاں سے چلے آئے اور پھر اس کے بعد آپ حضور ﷺ کا مرض آخر شروع ہو گیا. (۱۳)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [اپنی علالت کے دوران رسول اللہ ﷺ مکرر فرماتے تھے: 'میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ اور میں اپنی باری کی شدت سے منتظر تھی. پھر میری باری آ گئی. اللہ رب العزت نے آپ کی روح اقدس کو میرے ہی گھر سے پرواز کروایا ایسی حالت میں کہ جب آپ حضور ﷺ کا سر اقدس میری جھولی اور بانہوں میں رکھا تھا اور پھر آپ حضور ﷺ کو میرے ہی گھر میں دفن کیا گیا (۱۴) صحیح مسلم میں دی گئی ایک اور حدیث مبارکہ میں جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ہی مروی ہے یہ بیان کیا گیا ہے: [اللہ کے رسول ﷺ اپنی مرض آخر میں استفسار فرماتے میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ اور پھر جب آپ میرے حجرے میں تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ کی روح اقدس اسی جگہ سے عالم بالا میں لے جائی گئی اور آپ حضور ﷺ کا سر اقدس میری بانہوں میں تھا.] (۱۵)

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا کر رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیا تھا. ابھی حضور رسالت

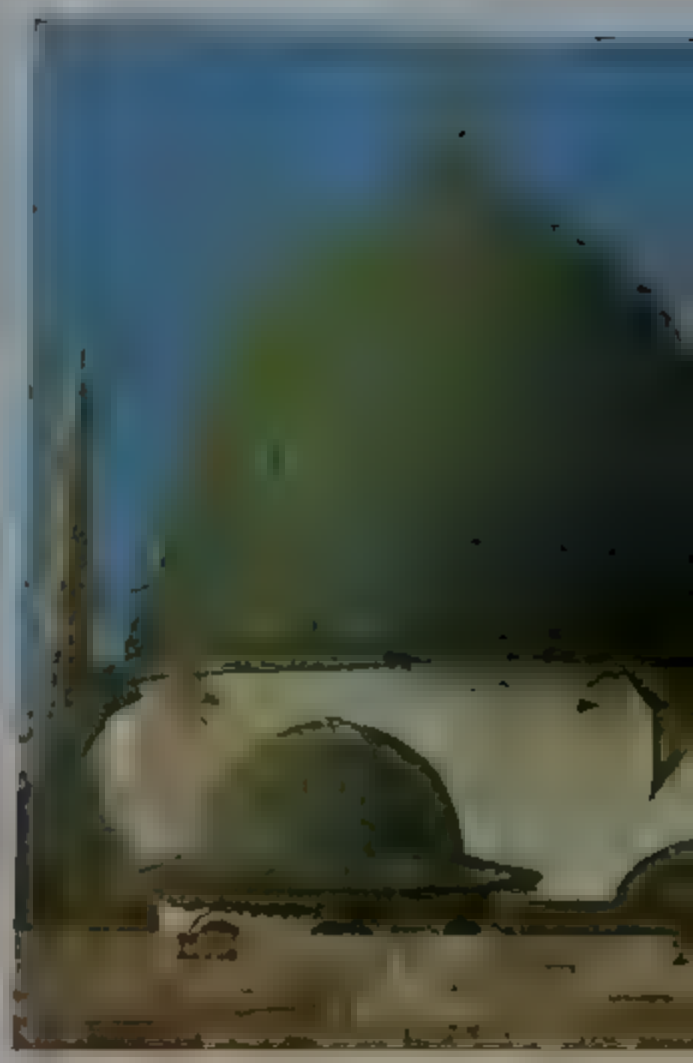

کاشانہ اقدس پر سبز گنبد کی ۱۹۸۴ء میں لی گئی ایک تصویر

آپ ﷺ نے ایک یا دو لقمے ہی تناول فرمائے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ ایک اصحابی (حضرت بشر بن البراء بن المعرور الانصاری ؓ) جنہوں نے اس بھنے ہوئے گوشت میں سے چند مزید نوالے لے لیے تھے موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ اپنی مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ [وہ درد والم جو میرے جسم میں ہے وہ اسی زہر کا اثر ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری انتڑی کو کاٹ رہا ہے۔] (۱۶) یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سیرۃ نگاروں کی متفقہ رائے میں (جن میں ابن اسحاق جیسی شخصیتیں شامل ہیں) حضور نبی اکرم ﷺ مقام رسالت کے ساتھ ساتھ درجہ شہادت پر بھی فائز ہوئے کیونکہ زہر کے اثر سے ہونے والی موت شہادت کی موت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل ہیں جو اسی رائے کے حامل تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی زہر کی وجہ سے شہادت کے مرتبے پر فائز سمجھنا چاہئے۔ (۱۷)

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [ایک دفعہ فاطمہؓ چل کر آپ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں، ان کی چال بالکل رسول اللہ ﷺ کی چال سے ملتی جلتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مرحبا اے جان پدر] پھر آپ حضور ﷺ نے کمال شفقت سے ان کو اپنے دائیں یا بائیں طرف بٹھایا اور پھر ان کو بہت آہستہ سے کچھ راز کی بات بتائی جس پر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ تب میں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ اتنی دیر میں آپ حضور ﷺ نے ان کو کچھ اور راز کی بات بتائی تو انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس پر میں نے تعجب سے کہا: ''میں نے خوشی اور غمی کے اظہاروں کو اتنا قریب کبھی نہیں دیکھا!'' میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا فرمایا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: [نہیں میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات نہیں بتاؤں گی۔] جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو میں نے ان سے پھر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر سال جبریل امین مجھ سے ایک بار قرآن کریم کی تلاوت سماعت کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے دو مرتبہ سماعت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا مطلب میری موت ہے اور میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھے تم آ کر ملو گی۔] اس پر مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔ پھر آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [کیا تم تمام اہل جنت عورتوں کی سردار یا تمام مومنات کی سیدۃ ہونا نہیں چاہو گی؟] اس وجہ سے میں ہنسنے لگی تھی۔] (۱۸)

رسول اللہ ﷺ کی اندوہناک وفات کی خبر مدینہ طیبہ میں چاروں طرف آناً فاناً پھیل گئی اور پورا مدینہ طیبہ غم واندوہ کے بحر بیکراں میں ڈوب گیا۔ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو اس وقت آقائے نامدار ﷺ کے قریب تھے ایک طرح کا سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ موت نے رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کے درمیان برزخ کا ضخیم و دبیز پردہ کھڑا کر دیا تھا۔ بہت سے اصحابہ کرام تو یہ یقین کرنے پر ہی تیار نہ تھے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ جیسی قوی الاعصاب شخصیت بھی اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور وہ تلوار نیام سے باہر نکال کر کہنے لگے کہ اگر کوئی یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ با آواز بلند انہوں نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ: [اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!] ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ کی روح اقدس نے اس وقت پرواز کیا جب کہ ابو بکر ؓ 'السنح' میں جہاں ان کا ایک گھر ہوا کرتا تھا گئے ہوئے تھے سیدنا عمر فاروق ؓ (شدت جذبات میں) کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے: [اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!]۔ بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ نے بیان کیا کہ: [اللہ کی قسم مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا سوائے اس بات کے کہ میں کہے جا رہا تھا۔ [یقیناً اللہ آپ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور آپ حضور ﷺ واپس آ کر کچھ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔] ابن اسحاق کے الفاظ میں۔ ''حضرت سعید بن المسیبؒ کے بیان کے مطابق جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر مبنی

زمجوری برآمد جن عام
تراحم یہ نبی اللہ تراحم

ہے، جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمرؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے:[کچھ بے حس لوگ یہ کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے، لیکن اللہ کی قسم ان کا انتقال نہیں ہوا. آپ حضور اپنے اللہ کے پاس ایسے ہی گئے ہیں جیسے کہ موسیٰ بن عمرانؑ چالیس دن کے لیے اپنے رب کے پاس چلے گئے تھے مگر ان کی قوم کو کچھ پتہ نہیں تھا اور انہوں نے مشہور کر دیا تھا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں. اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ویسے ہی واپس تشریف لے ائیں گے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر آپ حضور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں توڑ دیں گے جو ایسی باتیں کرتے ہیں.](۱۹)

اسی اثناء میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ واپس آ گئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس سے رداء مبارک اٹھائی اور آپ کی جبین طاہرہ کو بوسہ دیا اور یوں گویا ہوئے:[یا رسول اللہ میرے ماں اور باپ آپ پر قربان! حیات و موت دونوں میں آپ کا حسن لازوال یکساں ہے. اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، آپ کو دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھنا پڑے گا.] پھر آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: [اے قسم کھانے والے (یعنی سیدنا عمر فاروقؓ) جلدی مت کرو جب سیدنا ابو بکر صدیقؓ خطاب فرما رہے تھے تو سیدنا عمر فاروقؓ بیٹھ گئے.](۲۰) بخاری شریف کی ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کی جانکاہ خبر ملتے ہی سیدنا ابو بکر صدیقؓ حبیب کبریاء ﷺ کے گھر جو کہ اس وقت غم و اندوہ کے سمندر میں ڈوب چکا تھا حاضر ہوئے. جونہی آپ گھر میں داخل ہوئے آپ کی نظر رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر پر پڑی جو بردہ شریف میں لپٹا ہوا تھا. وہ یوں گویا ہوئے:[میرے ماں باپ آپ پر قربان، کتنی بابرکت تھی آپ کی حیات طیبہ اور کتنے خوبصورت لگتے ہیں آپ موت کے بعد بھی، آپ کو دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھنا ہوگا.](۲۱) اس کے بعد انہوں نے اپنے آقا و مولا شہ لولاک ﷺ کی جبین طاہرہ کو بوسہ دیا جو کہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تھے. (۲۲) غم سے نڈھال لڑکھڑاتے ہوئے ابو بکر صدیقؓ رسول

اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ سے باہر نکلے اور اعلان کیا کہ:

''اے لوگو جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اس کو جان لینا چاہئے کہ آپ حضور ا انتقال فرما چکے ہیں لیکن جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ حی و قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی.'' (۲۳)

اس کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿(اے محمد) بیشک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے.﴾ (۲۴)

اور

﴿محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی ہو چکے. اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہوں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے تو تم اللہ کا کچھ نقصان نہ کر پاؤ گے.﴾ (۲۵)

ان الفاظ پر لوگوں کو قدرے سکون ہوا، مگر پھر بھی ہر کوئی غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا. شدت حزن سے سب کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں. ہر طرف سسکیوں کی آوازیں تھیں. بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے. (۲۶) کچھ پر غشی طاری ہو چکی تھی اور کچھ آہ و بکاہ کر رہے تھے. سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے الفاظ میں: [واللہ جب میں نے ابوبکرؓ کے (مندرجہ بالا) الفاظ سنے تو میری ٹانگیں جواب دے گئیں اور جونہی انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں تو میں زمین پر گر گیا. (۲۷) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گروہ در گروہ دھاڑیں مارتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف دوڑے آ رہے تھے. ہر طرف آہ و زاری تھی اور کسی کو کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ کیا ہوگا. اسی اثناء میں عم رسول حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ بھی حجرہ اطہر سے باہر تشریف لائے اور اعلان کیا: [اے لوگو رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں.] پھر جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قدرے سنبھلے تو رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جانے لگا.

یحییٰ بروایت حضرت مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال پر ملال پیر کے دن ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منگل کو دفن کیا گیا (البتہ ابن اسحاق اور دیگر روایات کے مطابق بروز بدھ رات کے وقت۔ جیسا کہ آگے آئے گا) اور یہ کہ لوگوں نے فرداً فرداً نماز جنازہ ادا کی اور کسی نے امامت نہ کروائی. بعض کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے منبر شریف کے پاس دفن کیا جائے اور کچھ کا خیال تھا کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ آئے تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [کوئی نبی بھی اس جگہ کے علاوہ کہیں نہیں دفنائے گئے سوائے اس جگہ کے جہاں پر ان کی روح پرواز ہوئی ہو.] لہذا آپ کی قبر اطہر بھی اسی جگہ کھودی گئی. جب غسل دینے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حبیب رب ذوالجلال ﷺ کے جسم اطہر سے قمیص مبارکہ اتاری جائے تو انہوں نے ایک آواز سنی: [ان کی قمیص نہ اتاری جائے!] لہذا آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارکہ نہ اتاری گئی.] (۲۸)

سنن ابی داؤد میں شامل ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [بخدا ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آپ کی قمیص اتاری جائے یا نہ جیسا کہ ہم دیگر میتوں کے بارے میں کرتے ہیں، یا یہ کہ قمیص سمیت آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو غسل دیے دیا جائے. جب لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوا، تو اللہ تعالی نے ان پر غنودگی طاری کر دی یہاں تک کہ سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے لگ رہی تھیں. پھر گھر کے ایک کونے سے ایک ندا آئی اور کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا: [رسول اللہ ﷺ کو جس لباس میں آپ ملبوس ہیں انہیں میں غسل دیا جائے.] لہذا انہوں نے قمیص کے اوپر ہی پانی ڈالا اور آپ کے جسم اطہر کو آپ کی قمیص کے ساتھ ہی

اپنے ہاتھوں سے ملا۔] (۲۹) سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے آپ کو غسل دیا جب کہ حضرت فضل بن عباسؓ نے ان کی اس کام میں معاونت کی۔ آپ حضور ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا۔ شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنی چھاتی پر لے لیا اور حضرت عباسؓ، حضرت فضل ابن عباسؓ اور حضرت قثمؓ آپ کے جسم اطہر کو کروٹ دلوا رہے تھے۔ حضرت قثمؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ آپ کے جسم اطہر پر پانی ڈال رہے تھے جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اپنی چھاتی پر ڈال کر غسل دے رہے تھے۔ آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارکہ آپ کے جسم اطہر پر تھی جس کے باہر سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کے جسم اطہر کو ملتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جا رہے تھے۔ [اے وہ ذات جو کہ مجھے اپنے ماں باپ سے بھی پیاری ہے، آپ حیات و موت میں کتنے حسین و جمیل ہیں!] (۳۰) وہ پانی جس سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا وہ آپ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق خاص طور پر قباء میں واقع بیر غرس سے لایا گیا تھا۔ (۳۱) کافور اور مشک آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر پر ملا گیا۔ حضرت ہشام بن عروہؒ نے اپنے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ: [جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارکہ نے پرواز فرمایا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گفتگو کرنی شروع کی کہ کہاں دفن کیا جائے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: [آپ حضور ﷺ کو اسی جگہ دفنایا جائے جہاں سے آپ حضور ﷺ کی روح مبارکہ پرواز ہوئی تھی۔] (۳۲) لہذا آپ کی چارپائی کو اس جگہ سے ہٹایا گیا اور آپ حضور پرنور ﷺ کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔] (۳۳) سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اسی جگہ دفن ہوئے جہاں پر ان کی ارواح قبض ہوئی تھیں۔ (۳۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا: جن میں سے ایک تو آپ کی قمیص مبارکہ تھی اور دو کپڑے اور تھے۔] (۳۵) ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کو سحولیہ کہا جاتا تھا۔] (۳۶)

حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے دروازے کا قدیم تالا

ابن الجوزی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے جو نبی اکرم ﷺ کا جنازہ پڑھے جانے سے متعلق ہے. جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کا جنازہ کس طرح پڑھایا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[جب تم میرے غسل اور کفن سے فارغ ہو چکو تو مجھے میرے اس گھر میں میری قبر کے سرہانے چھوڑ دینا. مجھے تخلیہ میں ایک ساعت (گھنٹہ) تک اکیلا چھوڑ دینا. اللہ کی مخلوق آئے گی اور جبریل امین میرا جنازہ پڑھیں گے، پھر میکائیلؑ آئیں گے، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت آئیں گے اور بہت سوں کے ساتھ میری نماز جنازہ پڑھیں گے. پھر اس کے بعد دیگر تمام فرشتے میری نماز جنازہ پڑھیں گے.][(۳۷) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک اور بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کے اہل خانہ میں سے مرد حضرات آپ حضور ﷺ کو غسل دیں. آپ نے فرمایا تھا:[مجھے یمنی یا مصری کپڑے میں کفنانا اور کفن کے بعد مجھے میری قبر کے دہانے اکیلا چھوڑ دینا اور سب لوگ باہر چلے جائیں تاکہ فرشتے آئیں اور فرداً فرداً میری نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے بعد میرے اہل خانہ علیحدہ علیحدہ میری نماز جنازہ پڑھیں اور پھر باقی کے لوگ فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھیں.][(۳۸)

حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق وہ اصحابی جنہوں نے آپ حضور ﷺ کی قبر اطہر کھودی تھی وہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ تھے.(۳۹) اس وقت دو اصحابی مدینہ طیبہ میں گورکنی کے فرائض انجام دیتے تھے: حضرت ابوعبادہ بن الجراحؓ اور حضرت ابوطلحہ الانصاریؓ. حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے دونوں کو طلب فرمایا. حضرت ابوطلحہؓ پہلے حاضر ہو گئے اور انہیں یہ فخر حاصل ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کھودی. قبر مبارک لحد کے ساتھ کھودی گئی تھی اور اس کو اینٹوں سے بند کیا گیا تھا.(۴۰) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور (بعض روایات کے مطابق) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ قبر اطہر میں اترے اور آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو قبر اطہر میں لٹایا. حضرت شقرانؓ مولی رسول اللہ ﷺ نے قطیفہ (وہ شال جو حضور نبی اکرم ﷺ اوڑھا کرتے تھے) قبر اطہر میں یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ [آپ حضور ﷺ کے بعد اسے بھلا کون پہن سکتا ہے؟][(۴۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر قبر شریف میں اس طرح اتارا گیا کہ حضور والا شان ﷺ کا سر مبارک پہلے تھا.(۴۲) بیہقی کی ایک روایت کے مطابق جونہی رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر قبر شریف میں لٹایا گیا تو لحد کا دہانہ مٹی سے بنی نو عدد اینٹوں سے بند کیا گیا تھا.(۴۳) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے:[بلاشک رسول اللہ ﷺ کو لحد والی قبر میں دفن کیا گیا اور لحد کے دہانے کو مٹی کی اینٹیں کھڑی کر کے بند کیا گیا اور قبر اطہر کی اونچائی زمین سے ایک بالشت تھی.(۴۴) رسول اللہ ﷺ کو بدھ کے دن رات کو دفن کیا گیا.(۴۵)

حضرت محمد بن عمرؒ سے مروی ہے.[جب بالآخر رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر چارپائی پر رکھ دیا گیا (تجہیز و تکفین کے بعد) تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا.[بطور امام کوئی بھی آپ حضور ﷺ کے جنازے کی امامت نہیں کرائے گا کیونکہ حضور رسالت مآب تو حیات و ممات دونوں حالتوں میں خود تمہارے امام ہیں لہذا لوگ گروہ در گروہ کاشانہ اطہر میں داخل ہوتے رہے اور صف بندی کر کے بغیر کسی امام کے نماز ادا کرتے رہے سب ہی فرداً فرداً تکبیریں کہتے تھے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جنازے کے ایک طرف کھڑے یہ کہتے رہے:[یا رسول اللہ آپ پر اللہ کا صلوۃ و سلام ہو. اے اللہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ پر اتارا آپ حضور ﷺ نے ہم تک پہنچا دیا، آپ حضور ﷺ نے حق تبلیغ ادا کیا اور اللہ کی راہ میں جہد میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کی اور وحی کو مکمل کر دیا. اے اللہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھنا جو کہ تو نے اپنے رسول پر اتارا اور آپ حضور ﷺ کے جانے کے بعد ہمیں اپنے دین پر اور آپ حضور ﷺ کی اتباع پر ثابت

قدم رکھنے تمام لوگ 'آمین' کہہ رہے تھے یہاں تک کہ تمام مرد حضرات نے نماز جنازہ ختم کی اور پھر عورتوں اور پھر بچوں نے نماز جنازہ تمام کی۔(۴۶) سب سے پہلے بنو ہاشم کے افراد نے نماز جنازہ ادا کی، پھر مہاجرین نے اور پھر انصار نے اور پھر ان کے بعد مدینہ طیبہ کے دیگر لوگوں نے۔اس کے بعد خواتین اور پھر بعد میں بچوں نے نماز جنازہ ادا کی۔(۴۷) یحییٰ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جنہوں نے قطار اندر قطار کھڑے ہو کر نماز ادا کی مگر ان میں سے کوئی بھی امام نہیں تھا، پھر اس کے بعد آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ نے اور پھر دوسروں نے۔(۴۸)

حضرت جعفر الصادقؒ نے اپنے والد حضرت باقرؒ سے روایت کی [حضور والا شان ﷺ کی قبر اطہر پر پانی چھڑکا گیا اور العرصہ سے لاکر باریک کنکریاں (جن میں ریت ملی ہوئی تھی) اوپر ڈال دی گئیں۔(۴۹) قبر اطہر سطح زمین سے دو بالشت اونچی تھی، (جو تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہوتی ہے)۔(۵۰) رزین العبدری الاندلسی کے قول کے مطابق قبر اطہر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔حضرت بلال ابن رباحؓ پانی کا مشکیزہ لے کر آئے اور سرہانے کی طرف سے قبر اطہر پر پانی چھڑکنا شروع کیا اور پھر سرخ و سفید ریت جس میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے ملے تھے اور جو کہ وادی العقیق کے العرصہ کے علاقے سے لائے گئے تھے، قبر اطہر پر بچھا دیئے گئے۔(۵۱) حضرت غنیم بن بسطام المدنیؒ کا قول ہے۔[میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی گورنری کے دور میں دیکھا تھا اس وقت اس کی سطح زمین سے اونچائی چار انگلیوں کے برابر تھی۔(۵۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو دفن کرنے کے بعد جب حضرت انس بن مالکؓ حجرہ خاتون جنت سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پردے کے پیچھے سے ان سے فرمایا ''انس تم سے یہ کیسے ہوا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر پر مٹی ڈال کر آ گئے ہو؟''(۵۳) اسی طرح اپنے خاوند شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یوں گویا ہوئیں: ''اے ابوالحسن آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دفنا دیا کیا؟'' اور جواب میں شیر خدا علی المرتضیٰؓ نے کہا: ''ہاں! اللہ کے امر سے کوئی مفر نہیں۔''(۵۴) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی چھڑکا جا چکا تو غم سے نڈھال سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ حجرہ مطہرہ میں آئیں۔انہوں نے قبر اطہر سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھ کر بے ساختہ رو پڑیں اور یہ شعریہ کلمات کہے۔

ماذا علی من شم تربت احمد
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
جو بھی احمد مصطفی ﷺ کی قبر اطہر کی مٹی سونگھ لے
اسے ساری عمر کسی اور خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں

صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام عدن لیالیا
میرے اوپر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں
ایسے مصائب کہ اگر کسی دن پر نازل ہوتے تو وہ سیاہ رات میں بدل جاتے

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء نے یہ رباعی بھی کہی تھی:

انا فقدنا کفقد الارض وابلها
وغاب مذغبت عنا الوحی والکتب
فلیت قبلک کان الموت صادفنا
لما نعیت وحالت دونک الکثب

آپ کا ہم سے چلے جانا ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کا مالک چلا گیا ہو
اے کاش کہ آپ سے پہلے ہمیں موت اچک لیتی

اور ہم سے کتاب اللہ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا
آپ کے سانحہ ارتحال کی خبر ہمارے اور آپ کے درمیان
(قبر اطہر کے) ٹیلے کی شکل میں حائل ہو گئی ہے

(بحوالہ: ابن عبدربہ (ت: ۳۲۸ ہجری)، العقد الفرید- الجزء الثالث۔ دار الفکر۔ دمشق، ص: ۱۷۱)

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلا زائر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہی نہیں بلکہ سب سے پہلا مرثیہ بھی مندرجہ بالا رباعیوں کی صورت میں انہیں کے منہ سے نکلا تھا۔ تمام اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ، حضرت کعب ابن مالکؓ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن انیسؓ، اور عمۃ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ وغیرہ) نے دلدوز مرثیے کہے جو کہ عربی ادب میں مرثیہ گوئی کی صنف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ مرثیے مدح و نعت گوئی کی جان بھی ہیں۔ (۵۵) رسول اللہ ﷺ کی اندوہناک وفات پر حضرت حسان ابن ثابتؓ، شاعر دربار رسالت، نے بہت سے طویل مرثئے کہے جن میں سے مندرجہ ذیل اشعار قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:۔ (۵۶)

كان الضياء و كان النور نتبعه — بعد الاله و كان السمع و البصرا
فليتنا يوم واروه بملحده — و غيبوه و القوا فوقه المدرا
لم يترك الله منا بعده احدا — و لم يعش بعده انثى ولا ذكرا
ذلت رقاب بني النجار كلهم — و كان امرأ من امر الله قد قدرا

آپ حضورؐ ایک ایسا نور مجسم تھے جس کا ہم اتباع کرتے ہیں — رب ذوالجلال کے بعد آپ ہی ہماری دیکھ بھال کرتے اور ہماری سنتے تھے
اس دن انہوں نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں لٹا دیا — اور آپ کی لحد پر مٹی ڈال کر آپ کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا
اے کاش کہ اللہ نے ہمیں زندہ نہ رہنے دیا ہوتا — اور کوئی مرد اور عورت یہ غم سہنے کے لیے باقی نہ بچے ہوتے
بنو نجار کو جو عزت ملی تھی وہ (آپ کے جانے سے) جاتی رہی — لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، اللہ نے ہماری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا!

سب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غم کی تصویر بنے ہوئے گم سم سے ہو گئے تھے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے؛ کوئی ڈھارس بندھانے والا نہیں تھا۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ: [جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ طیبہ اندھیرے میں ڈوب گیا اور کسی کو کچھ سجھائی نہ دیتا تھا اور فرط غم سے بعض تو پاس کھڑے ہوئے دوسروں کو بھی دیکھ نہیں سکتے تھے۔ بعض کو تو اپنے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ہم بمشکل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے ہوں گے کہ ہمارے دل و دماغ پر غم و اندوہ کے گہرے بادل چھا گئے۔] (۵۷) سب سے زیادہ غم تو حضور رسالت مآب سے بچھڑنے کا تھا کیونکہ اب آپ کا نورانی چہرہ اقدس ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ایک صحابی، حضرت عبداللہ ابن زیدؓ، تو سجدے میں گر کر رب ذوالجلال والاکرام سے گڑگڑا کر التجاء کر رہے تھے کہ صاحب الجمال اور سید البشر ﷺ کے بعد وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے اور اس لیے دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے اللہ میری بینائی واپس لے لے اور ایسا ہی ہوا۔ والہانہ عشق کی اس سے زیادہ اور کیا مثال مل سکتی ہے؟

بمصداق: تجھے دیکھ کر پھر نہ دیکھوں کسی کو — نگاہوں کو اس درجہ مجبور کر دے

سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں سے بینائی غائب تھی اور اللہ کریم نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد وہ کسی انسان کا چہرہ نہ دیکھ پائیں۔

محدثین اور دور حاضر کے ناقدین حدیث دونوں کا ایک حدیث مبارکہ پر اتفاق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ [ان
وہیں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لیکر اسے بنایا جاتا ہے۔] حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی
بچہ پیدا نہیں ہوتا جس کی ناف میں اس جگہ کی مٹی نہیں ڈال دی جاتی جہاں سے وہ پیدا ہوا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے آخری ایام کو پہنچتا ہے تو
اسے اس جگہ کی طرف بھیج دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی پیدائش کی مٹی لی گئی ہو اور پھر وہ مر کر اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے۔ اور بلاشک میں، ابوبکر
اور عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور ایک ہی مٹی میں دفن ہوں گے۔] (۵۸) اس حدیث مبارکہ میں بہت لطیف سا اشارہ اس قرآنی
آیت کریمہ کی طرف ہے جس میں فرمان الٰہی ہے [ہم نے اسی (مٹی) سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں
دوبارہ نکالیں گے۔] (۵۹) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا خمیر ایک ہی مٹی سے یعنی حجرہ مطہرہ
کی مقدس مٹی سے تھا اور پھر اپنی اپنی باری پر تینوں اسی بقعہ نور میں مدفون ہوئے۔ (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پرملال اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پرملال ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو پیر کے دن ہوا۔ وفات سے پہلے آپ تقریباً دو ہفتہ
تک بستر علالت پر رہے تھے۔ (۶۱) دوران علالت آپ کا قیام اپنے اس گھر میں تھا جو کہ مسجد نبوی کی شرقی جانب باب جبریل کے سامنے
تھا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو آپ کی زوجہ محترمہ سیدۃ اسماء بنت عمیسؓ اور آپ کے فرزند ارجمند عبدالرحمنؓ نے غسل دیا تھا۔ تجہیز و تکفین کے
بعد آپ کا جنازہ مسجد نبوی میں اسی چارپائی پر لایا گیا جس پر رسول خدا ﷺ بوقت وفات محو استراحت تھے۔ (۶۲) سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی
میں نماز جنازہ ادا کروائی جب کہ آپ کا جنازہ منبر رسول ﷺ کے پاس رکھا ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر کے قریب لحد دلی قبر کھودی گئی اور
سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا۔ (۶۳)

حضرت عروہ بن زبیرؒ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے: [میں ابوبکرؓ کے پاس ان کے مرض موت کے دوران گیا
اور انہوں نے مجھ سے استفسار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: ''سحیولیہ کے بنے تین کپاس کے سفید
کپڑوں میں اور ان میں کوئی بھی نیچے پہننے والا کپڑا نہ تھا اور نہ ہی آں حضرت ﷺ کو عمامہ پہنایا گیا!'' اس پر ابوبکرؓ نے پوچھا: ''رسول اللہ ﷺ
کی وفات کس دن ہوئی تھی؟'' انہوں نے جواب دیا: [آپ کا انتقال پیر کے روز ہوا تھا۔] آپ نے پھر پوچھا: ''آج کونسا دن ہے؟'' انہوں
نے جواب دیا: [آج پیر کا دن ہے۔] جس پر آپ نے فرمایا: [مجھے امید ہے کہ آج صبح اور رات کے دوران میرا انتقال ہو جائے گا۔] پھر آپ
نے اس کپڑے کی طرف دیکھا جو زیب تن تھا اور اس کے اوپر کچھ زعفران کے دھبے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کپڑے کو دھو ڈالو اور اس کے
ساتھ دو اور کپڑے ملا لو اور انہیں تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا۔'' میں نے کہا: ''یہ تو پھٹ چکا ہے۔'' اس پر آپ نے فرمایا: [نئے کپڑے پر
پہننے کا زیادہ حق ایک زندہ آدمی کا ہوتا ہے بہ نسبت ایک مردہ کے، اور پھر کفن تو بدن کی رطوبتوں کے لیے ہی ہوتا ہے..... '' (۶۴)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [جب میرے والد ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری
میت روضہ اقدس پر لے جا کر عرض کر دینا کہ یہ ابوبکر ہے جو آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے
وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد وصیت کے مطابق جنازہ وہاں سے جا کر معروضہ پیش
کر دیا گیا۔ وہاں سے ہمیں ایک آواز آئی، لیکن کوئی آدمی بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، کہ انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔] ایسی ہی
ایک روایت سیدنا علی کرم اللہؓ سے بھی مروی ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے ان دونوں روایتوں کو خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے گو

محدثانہ نقد ونظر کی کسوٹی کی رو سے ان روایات کو منکرات میں سے گردانا جاتا ہے مگر ان روایت کی اٹل تاریخی حیثیت پر کلام نہیں

مسجد نبوی شریف میں آپ کا جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ کا جنازہ حجرہ مطہرہ لے جایا گیا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ قبر شریف میں نیچے اترے اور آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا۔(۶۵) طبری نے حضرت عروہ بن زبیرؒ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ سے روایت کی ہے: ''ابوبکرؓ نے سیدۃ عائشہؓ کو وصیت کی تھی کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ لہٰذا جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی قبر کچھ اس طرح سے کھودی گئی کہ آپ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے سامنے آتا تھا اور آپ کی قبر مبارک اپنے آقا و مولا کی قبر اطہر سے متصل تھی۔''(۶۶) حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطبؓ سے مروی ہے: [حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر مبارک رسول اللہ ﷺ کے قبر اطہر کی طرز پر بنائی گئی تھی، اس کے اوپر پانی بھی چھڑکا گیا اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے اس کے اوپر نوحہ بھی کیا تھا۔]''(۶۷)

حجرۂ قدس کے تاے کی تصویر

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی شہادت اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا عمر فاروقؓ محراب النبی کے سامنے کھڑے نماز فجر کی امامت کروا رہے تھے کہ بدبخت ابولولو فیروز نے جو کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ حضرت زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے: [اے اللہ میری موت کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں سے نہ ہو جس نے خواہ ایک سجدہ کیوں نہ دیا ہو جس سے وہ یوم حشر تمہارے سامنے مجھ سے بحث کرنے لگے!](۶۸) جب دوران امامت آپ کو خنجر سے زخمی کر دیا گیا تو سب سے پہلا سوال آپ کا یہی تھا ''مجرم کون بدبخت تھا؟'' جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ فدں بن فدں شخص تھا، یعنی کہ غیر مسلم تھا، تو آپ کے منہ سے نکلا: [الحمدللہ! کوئی مسلمان میرے قتل میں ملوث نہیں ہے!]

آپ کو دو دھاری تیز خنجر سے شدید زخمی کر دیا گیا تھا، تین دن تک طبیبوں نے آپ کے علاج کی پوری کوشش کی مگر گھاؤ اتنے گہرے تھے کہ آپ جاں بر نہ ہو سکے اور تین دن کے بعد یکم محرم ۲۴ ہجری کو بروز پیر آپ نے جام شہادت نوش فرما لیا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب الرومیؓ نے مسجد نبوی شریف میں ادا کی۔ ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین السجاد (زین العابدینؒ) نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے پوچھا کہ نماز جنازہ کے لیے آپ کی میت کو کہاں رکھا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان والی جگہ پر۔](۶۹)

حضرت عمرو بن میمون العودیؒ سے مروی ہے۔ [میں نے سیدنا عمر بن الخطابؓ کو دیکھا (خنجر سے زخمی ہو جانے کے بعد) اور وہ یہ کہہ رہے تھے: [اے عبداللہ بن عمرؓ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ ''عمر بن الخطابؓ ان پر سلام بھیجتے ہیں۔ خبردار امیر المومنین مت کہنا، صرف اتنا کہہ دینا کہ عمر بن الخطابؓ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔] لہٰذا ابن عمرؓ نے ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور (حجرہ اطہر میں) داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو سیدۃ عائشہؓ بیٹھی رو رہی تھیں انہوں نے عرض کیا: عمر بن الخطاب آپ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کرتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔] انہوں نے فرمایا: [میرا ارادہ تو خود یہاں دفن ہونے کا تھا، لیکن میں ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں اور اجازت دیتی ہوں کہ ان کو یہاں دفن کر دیا جائے۔] جب عبداللہ ابن عمرؓ واپس آئے تو سیدنا عمر فاروقؓ نے پوچھا:

[کیا خبر لائے ہو؟] انہوں نے جواب دیا۔ [اے امیر المومنین انہوں نے آپ کو وہاں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔] فاروق ؓ نے فرمایا۔ [میرے لیے اس مقدس مقام پر دفن ہونے سے زیادہ کوئی اور چیز اہم نہیں تھی۔ لہٰذا جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے وہاں لے جایا جائے اور استدعا کی جائے کہ عمر اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دیا جائے، ورنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا.....(۷۰) آپ کی ہدایات پر عمل کیا گیا اور آپ کو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پہلو میں قبر کھود کر حجرہ رسول مقبول ﷺ کے اندر دفن کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے محازی تھا، مگر سیدنا عمر فاروق ؓ کا سر حضور سرور کائنات ﷺ کے گھٹنوں کے محازی رکھا گیا تھا۔(۷۱)

سیدنا عمر فاروق ؓ کی تدفین کے بعد حجرہ مطہرہ میں کسی اور کو دفن نہیں کیا گیا۔ باغیوں کی شدید مزاحمت کے باعث جنہوں نے امیر المومنین سیدنا سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو شہید کر دیا تھا ان کو حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کیا جا سکا۔ اسی طرح چوتھے خلیفۃ الراشد، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت بھی مدینہ طیبہ سے بہت دور واقع ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے وہاں دفن کئے جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکا۔ البتہ جب حضرت حسن مجتبیٰ ؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کو اسی حجرہ مطہرہ میں دفن کیا جائے۔ مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت کے بنی امیہ کے گورنر مروان بن الحکم کی ہٹ دھرمی آڑے آ گئی۔ لیکن اس تمام عرصہ میں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ اسی حجرہ مطہرہ میں مقیم رہیں۔ تاہم جب آپ کا انتقال ہوا تو حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا اور اس طرح وہاں مزید تدفین کا امکان ہی نہ رہا۔ وہ جگہ جہاں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ رہائش پذیر تھیں (اور وہ جگہ تمام حجرہ شریفہ کی ایک چوتھائی کے برابر تھی) اتنی کشادہ تھی کہ وہاں چوتھی قبر بنائی جا سکتی ہے۔ حضرت سعید بن المسیب ؒ سے مروی ہے کہ اس مقام پر سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دفن ہوں گے۔ ان کی روایت کے مطابق: [حجرہ شریف کے اندر مشرقی جانب ایک چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے۔ یہ جگہ دوسری سطح زمین سے کچھ اونچی ہے۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اس مقام پر دفن کیے جائیں گے اور ان کی قبر وہاں پر چوتھی قبر ہو گی۔] (۷۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حجرہ مطہرہ میں چوتھی قبر میں دفن ہوں گے۔ (۷۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہوں گے، پھر وہ شادی کریں گے اور ان کے بچے ہوں گے اور پھر وہ ۴۵ سال تک حیات رہیں گے اور پھر جب ان کا انتقال ہو گا تو ان کو میرے ساتھ (یعنی حجرہ مطہرہ میں) دفن کیا جائے گا۔ پھر (یوم القیامت کو) میں اور عیسیٰ ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھائے جائیں گے۔] (۷۴)

قبور مطہرات کی مزید تفاصیل:

السلطعۃ البہیۃ والتی ضمت فی حنایاہا — حبیب اللہ سید البشر خیر البریۃ

اور جس بقاع نور نے اپنی چار دیواری میں اللہ کے حبیب اولاد آدم کے سردار اور تمام مخلوق سے بہتر ہستی کو ضم کر لیا ہے

امام مالک ابن انس ؒ نے فرمایا: [ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کا حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم تھا: ایک وہ حصہ جہاں خیر الانام رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تھی اور دوسرا وہ حصہ جس میں ام المومنین ؓ رہائش پذیر تھیں۔ دونوں حصوں کے درمیان ایک دیوار ہوا کرتی تھی۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ قبر اطہر والے حصے میں بغیر پردے کے آیا جایا کرتی تھیں، لیکن جب سیدنا عمر فاروق ؓ بھی اس حجرہ میں مدفون ہوئے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا اس حصے میں کبھی بغیر پردے کے نہیں گئیں۔] (۷۵)

حضرت مالک بن اسماعیل ؒ نے حضرت الحسن بن صالح ؒ سے روایت کی ہے: [میں حجرہ اطہر میں داخل ہوا جہاں رسول اللہ ﷺ اور

مقصورہ الشریف کی شمالی دیوار، دائیں جانب باب الشامیہ اور بائیں طرف محراب تہجد نظر آرہا ہے

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مبارکہ ہیں. میں نے دیکھا کہ تینوں قبور مبارکہ مستطیل شکل کی تھیں](۷۶) حماد نے ابراہیمؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو نمایاں کرنے کی غرض سے اس کے اوپر کچھ (سرخ ریت اور سنگ ریزے) ڈال دیا گیا تھا.(۷۷) ابن سعد نے بھی حضرت سفیان بن دینارؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ [میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو دیکھا ہے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور طاہرہ کو بھی. تمام قبور مسنمہ تھیں (جس کا مطلب ہے کہ درمیان سے ان کا کچھ حصہ اوپر اٹھا ہوا تھا جیسے کہ اونٹ کی کوہان ہوتی ہے).(۷۸) حضرت ابوبکر بن عیاشؒ نے بیان کیا کہ حضرت سفیان التمارؒ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر دیکھی تھی جو کو درمیان سے باقی حصوں کی نسبت اوپر اٹھی ہوئی تھی.(۷۹)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ (لوگوں سے مراد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا زیدہ سے زیادہ تابعین حضرات ہیں) آپ کے حجرہ مطہرہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے اور اس بقعہ مبارکہ سے قبر اطہر کی مٹی اٹھا کر لے جایا کرتے تھے.(۸۰) ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی رہائش کے حصے اور قبور اطہر کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے ایسا سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت اور وہاں تدفین کے بعد ہوا. پھر جب دیوار بنادی گئی تو اس میں ایک جھروکہ یا روشن دان رکھ دیا گیا (عربی میں کوی کہلاتا ہے). ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ زائرین حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر کا دیدار کر سکیں. اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ قبر اطہر کی مٹی لے جانے سے باز رہے، لیکن چونکہ یہ دیوار مٹی کی بنی تھی اس لیے اب یہ سلسلہ اس دیوار کے ساتھ شروع ہو گیا اور اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دیوار اور خاص طور پر جھروکے سے مٹی بطور تبرک لے جایا کرتے تھے. اس لیے ام المومنین کو مجبوراً اس جھروکے کو بھی بند کروانا

پڑا (۸۱) اس طرح حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم ہو کر رہ گیا: جنوبی حصہ میں تینوں قبور مبارکہ تھیں اور شمالی حصے میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے اپنی باقی ماندہ حیات بسر کی۔

حضرت ہشام بن عروہؒ نے اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیرؓ) سے روایت کی ہے: [جب ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں حجرہ مطہرہ پر دیوار گر گئی، تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کی۔ اس وقت انہیں ایک قبر میں سے ایک قدم مبارک نظر آیا۔ مدینہ طیبہ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ پہچان سکتا کہ وہ پاؤں کن کا تھا سوائے عروہ بن زبیرؓ کے جنہوں نے کہا: [واللہ یہ پاؤں رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے بلکہ یہ تو سیدنا عمر فاروقؓ کا قدم مبارک ہے۔]] (۸۲)

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا۔]] اگر یہ وجہ مانع نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ کو بہت نمایاں کر کے بنایا جاتا لیکن ڈر تھا کہ کہیں اسے عبادت گاہ ہی نہ بنا لیا جائے۔]] (۸۳)

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ (۸۴) سے مروی ہے: [میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ماں مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے دونوں دوستوں کی قبور کی زیارت کروائیے۔ انہوں نے میرے لیے دروازہ کھول دیا (میں نے دیکھا کہ) قبور مطہرہ سطح زمین سے نہ تو زیادہ نمایاں طور پر بلند تھیں اور نہ ہی اتنی نیچی تھیں۔ ہاں مگر تھوڑی سی بلند ضرور تھیں اور ان کے اوپر وادی کے حصے پر سرخ رنگ کی ریت کی کنکریاں بچھا دی گئی تھیں۔]] وہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ [رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ پہلے تھی، پھر سیدنا ابوبکرؓ کی قبر تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے شانوں سے شروع ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر مطہرہ تھی جو کہ اس مقام سے شروع ہوتی تھی جہاں پر رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین تھے۔]] (۸۵-۸۶)

طبقات الکبریٰ کی ایک روایت کے مطابق، حجرہ الشریفہ کا جس میں تینوں قبور مبارکہ تھیں دروازہ اور سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حصے کے حجرہ مبارکہ کا دروازہ شام کی طرف کھلتا تھا اور جب مشرقی دیوار کے گرنے کے بعد حجرہ مبارکہ کی مرمت کی گئی تو اس دروازے کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر جنوبی دیوار کے قریب تھی اور دیوار اور قبر اطہر کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا، یعنی تقریباً ایک چوتھائی میٹر۔ (۸۷)

حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حجرہ الشریفہ کو دوبارہ تعمیر کروایا اور مٹی اور کھجور کے پتوں سے بنی دیواروں کی جگہ آپ نے دیواروں کو مٹی کے گارے اور اینٹوں سے بنوا دیا۔ حضرت عمرو بن دینارؒ اور حضرت عبیداللہ بن ابی یزیدؒ نے بیان کیا ہے کہ پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے دولت خانہ کے گرد کوئی حفاظتی دیوار نہیں ہوا کرتی تھی مگر سیدنا عمر فاروقؓ نے اردگرد چار دیواری کروا دی تھی۔ یہ چار دیواری اتنی بلند نہ تھی، تاہم حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ان دیواروں کو اونچا کروا دیا۔ (۸۸) ایسی چار دیواری بنوانے کی بظاہر وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وادی مہزور میں موسمی طغیانی کے باعث طوفانی پانی کی تباہی سے (جو کہ اکثر اوقات بقیع الغرقد اور حجرات مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے درمیانی حصے میں آ جایا کرتا تھا) حجرات مبارکہ کو محفوظ کرنے کے لیے بنا دی گئی ہو گی۔ اس وقت کی بہت سی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں بھی داخل ہو جایا کرتا تھا۔ یہ ایسی ہی چار دیواری ہو گی جس کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اونچا کروا دیا ہو گا دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ تمام کے تمام حجرات مبارکہ ایک دوسرے سے متصل تھے اور سب کے دروازے مسجد نبوی شریف میں کھلتے تھے، ایک قیاس یہ

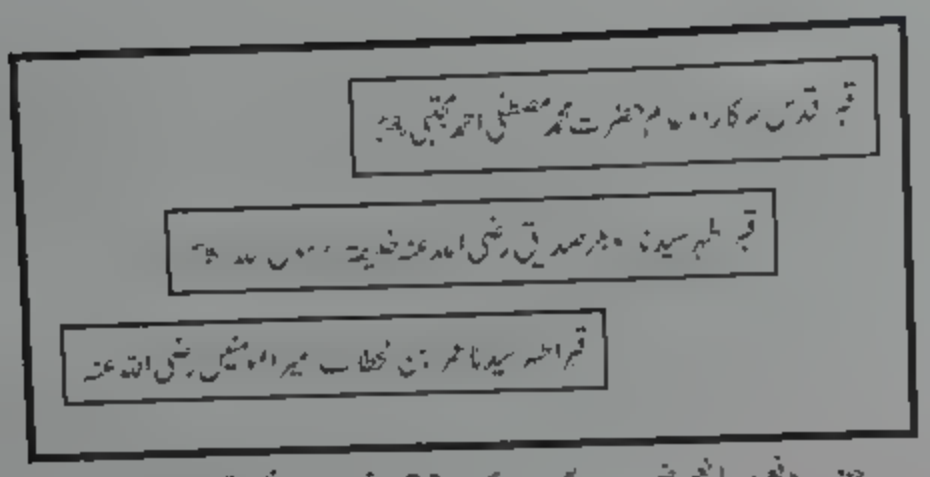

حضرت نافع بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق تینوں قبور مطہرہ کے مکمل وقوع کا تعین کیا گیا۔

بھی ہے کہ وہ چار دیواری تمام حجرات کے گرد بنائی گئی ہوگی نہ یہ کہ صرف حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ (کاشانہ نبویہ) کے گرد. واللہ اعلم بالصواب!

حضرت عبداللہ ابن محمد بن عقیل بن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [ہر رات آخر شب میرا معمول تھا کہ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی شریف چلا جاتا تھا. پہلے میں رسول اللہ ﷺ پر صلواۃ وسلام پڑھتا اور پھر مسجد نبوی میں چلا جاتا اور پھر نماز فجر تک وہیں رہتا. ایک رات میں حسب معمول اپنے گھر سے باہر نکلا اور جب میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے گھر کے پاس پہنچا (۸۹)، تو مجھے ایک بہت ہی پیاری خوشبو آنے لگی اور مجھے رب ذوالجلال کی قسم ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی پھر انکشاف ہوا کہ حجرہ الشریفہ کی ایک دیوار گر چکی تھی. میں اندر داخل ہوگیا اور حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں اپنا صلوٰۃ وسلام پیش کیا..... اور پھر جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو پتہ چل گیا تو انہوں نے اس کے گرد عارضی طور پر قبطی کپڑے سے ایک پردہ کھڑا کروادیا. (۹۰)

جب سورج طلوع ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت وردانؒ (جو پیشہ کے لحاظ سے معمار تھے) کو طلب کیا اور ان کو حجرہ مبارکہ کے اندر جانے کو کہا. حضرت وردانؒ نے درخواست کی کہ کسی آدمی کو ان کی مدد کے لیے مامور کیا جائے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے پائنچے اوپر چڑھا لیے اور اپنی آستینیں اوپر اٹھالیں تاکہ وہ بنفس نفیس اندر جاسکیں. حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ نے بھی کیا. پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ بھی حجرہ شریفہ میں داخل ہونا چاہتے تھے. اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اندر جانے سے منع کردیا اور فرمایا: [ہم نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑے!]. پھر انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت مزاحمؒ (بن ابی مزاحم المکی) کو حکم دیا کہ وہ اندر جائیں اور حضرت وردانؒ کی مدد کریں. بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا: [تم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو کیسا پایا؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ: [وہ مستطیل تھی.] پھر انہوں نے پوچھا [باقی دو قبریں کیسی تھیں؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی سطح زمین سے کچھ بلند تھی. اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا [میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں.] جب سب کام ختم ہوگیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت علی السجادؒ بن حسین ابن علی علیہ السلام (حضرت زین العابدینؒ) سے درخواست کی کہ وہ حجرہ مطہرہ کے اندر جائیں اور صفائی کردیں. اس پر حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ بھی تیار ہوگئے اور انہوں نے بھی اجازت طلب کی. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دیکھ کر پھر انکار کردیا (کیونکہ حجرہ مبارکہ بہت چھوٹا سا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آرام میں خلل پڑے). لہذا حضرت مزاحمؒ کو کہا گیا کہ وہ اندر جائیں اور صفائی کریں جو کہ انہوں نے کی. انہوں نے وہ تمام ملبہ وغیرہ جو کہ قبور مطہر پر گر چکا تھا اٹھایا اور صفائی کر دی پھر قبطی کپڑے کا پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ کے اردگرد لگایا گیا تھا ہٹایا گیا.] (۹۱)

رجاء بن حیوہؒ نے بیان کیا کہ: [ولید بن عبدالملک کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امہات المومنین کے تمام حجرات مبارکہ مسجد نبوی شریف میں شامل کرنے کے لیے حاصل کر لیے. جب ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ ۸۱ ہجری میں تعمیر نو کے سلسلے میں منہدم کیا گیا تو اس میں تین قبریں ظاہر ہوئیں اور ان تینوں کے اوپر غبار اور ریت اٹی ہوئی تھی.] (۹۲) ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی شرقی دیوار گری اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر عامۃ الناس کی نظریں پڑیں تو اہل مدینہ پر رقت طاری ہوگئی اور ہر طرف آہیں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں. اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مجبوراً ایک درزی کو بلانا پڑا جنہوں نے کپڑے کا ایک پردہ بنا کر حجرہ مطہرہ کے گرد لگا دیا پھر وردانؒ (جو کہ اس وقت مشہور معمار تھے) کو طلب کیا گیا تاکہ دیوار کی دوبارہ تعمیر کردی جائے. (۹۳)

اسی معاملے پر لکھتے ہوئے المراغی نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی وفات کے بعد کوئی بھی حجرہ مطہرہ سے اندر نہیں حاصل نہیں کر سکا تھا تاوقتیکہ حجرہ شریفہ کی شرقی دیوار (جو کہ موضع الجنائز کی طرف تھی) منہدم نہیں ہوئی جس سے تینوں قبور مطہرہ نظر آنے گئیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک کہرام مچ گیا لوگوں کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل تھا اور ہر طرف آہ و بکاء کا عالم تھا۔ اس وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے درزی کو بلوا کر حجرہ مطہرہ کے اردگرد قبطی کپڑے کا پردہ ڈلوا دیا۔ پھر انہوں نے وردانؒ سے متعلقہ جانب بنیادیں کھودنا کہا تاکہ نئی دیوار بنائی جا سکے۔ جب وردانؒ کھدائی کر رہے تھے تو ایک جگہ سے دو پیر (قدمین) ظاہر ہوئے جس سے وہ پریشان ہو گئے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اندر گئے اور جا کر دیکھا کہ دونوں قدموں کے اوپر بال تھے۔ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ نے جو اس وقت وہاں موقع پر موجود تھے کہا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، یہ تو تمہارے پڑنانا عمر بن الخطابؓ کے قدمین مبارکہ ہیں۔] (۹۴) جب ان کو لحد میں گیا تھا تو اس وقت حجرہ مبارکہ میں جگہ کم تھی جس کی وجہ سے ان کی قبر شریف کو بنیادوں کے اندر تک لے جانا پڑا تھا [حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ جو کچھ نظر آیا ہے اسے ڈھانپ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر جب مشرقی دیوار مکمل ہو گئی تو حضرت مزاحمؒ ایک جھروکے کے ذریعے اندر داخل ہوئے جو کہ نو تعمیر شدہ دیوار میں اسی مقصد کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے تینوں قبور مطہرہ کو صاف کیا اور غبار، تراب وغیرہ وہاں سے نکال لیے۔ اس کے بعد پردہ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ (۹۵)

ابن نجار رقمطراز ہیں کہ جب مشرقی دیوار گر گئی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابا حفصہؒ (جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے غلام تھے) اور دیگر حضرات کو از سر نو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دیوار بناتے وقت انہوں نے دیوار میں ایک جھروکہ سا رکھ لیا تھا اور جب سارا کام مکمل ہو گیا تو حضرت مزاحمؒ حجرہ مطہرہ میں اسی جھروکے سے داخل ہوئے اور تمام حصے کو ملبہ وغیرہ سے صاف کیا۔ پھر اس کے بعد پردہ ہٹا دیا گیا تھا۔ (۹۶)

۴۵ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے اپنا حجرہ شریفہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے وہ حجرہ سیدۃ عائشہؓ سے ۱۸۰،۰۰۰ درہم میں خرید لیا تھا۔ سیدۃ عائشہؓ بیع نامہ پر اس شرط سے راضی ہوئی تھیں کہ جب تک بقید حیات رہیں گی انہیں وہیں رہنے دیا جائے گا۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے رقم وصول کی اور دوسرے ہاتھ سے غرباء میں تقسیم کر دی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھیں جب تک کہ تمام رقم تقسیم نہ ہو گئی تھی۔ اس طرح ۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی وفات کے بعد حجرہ مطہرہ کا بیعنامہ حضرت معاویہؓ کے نام ہو چکا تھا۔ اسی طرح ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کے ورثا نے بھی ان کا حجرہ حضرت معاویہؓ کو بیچ دیا تھا۔ اس معاملے میں ایک اختلافی بیان حضرت ہشام بن عروہ بن زبیرؒ کا ہے جس کے مطابق حجرہ مطہرہ کو سیدۃ عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو ہبہ کیا ہوا تھا۔ (۹۷)

۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات سے پہلے ایک واقعہ رونما ہوا جس سے اس وقت کی سیاسی کشمکش اور حکومت کے طرز حکومت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جب امام حسن ابن علی المرتضیٰ علیہ السلام کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے (۵۰ ہجری) تو انہوں نے سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو درخواست پہنچائی کہ وہ انہیں حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ ان کی درخواست سے اتفاق فرمایا اور کہلا بھیجا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ خبر جونہی قصر امارت تک پہنچی وہاں گویا زلزلہ سا آ گیا کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا انگاروں پر لوٹنے لگا اور پوری طرح مسلح ہو کر نکل آیا۔ ادھر اہل بیت طاہرہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنی تلوار نیام سے نکال کر باہر آ گئے۔ مدینہ طیبہ میں یک بیک پھر ایک طوفان امڈ آیا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ فریقین میں تصادم ہو جائیں گے۔ صورت حال کو بھانپ کر چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے تاکہ کوئی افہام و تفہیم کی صورت نکل سکے۔ ہریرہؓ اس معاملے میں سب سے آگے تھے اور کافی گفت و شنید کے بعد تصادم کا خطرہ ٹل گیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو شیخین کے پہلو میں

آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کی قبر اطہر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا.(۹۸)

بظاہر تو حالات پر قابو پالیا گیا تھا مگر خلفائے بنوامیہ کے محلات میں چہ میگوئیاں جاری تھیں. انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ آج نہیں تو کل کوئی اور اہل بیت طاہرہ میں سے سرکردہ شخصیت پھر وہاں دفن ہونے کا دعوی کر دے گی. بنوامیہ کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی طور اہل بیت طاہرہ اس بقعہ طاہرہ میں اپنا دائمی مقام بنا سکیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ سمجھ رہے تھے کہ اہل بیت مضبوط ہو کر ان کی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں. لہذا جونہی ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کا انتقال ہوا حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر ایک مضبوط دیوار کھڑی کر کے اس کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا. سمہودی نے اقشہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حکام وقت (عبدالملک بن مروان وغیرہ) نے دروازے کے آگے بہت جلدی دیوار کھڑی کر دی تا کہ کسی اور کے وہاں دفن کئے جانے کا امکان ہی نہ رہے.(۹۹) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت معاویہ ؓ نے تو وہ حجرہ مبارکہ ہی سیدۃ عائشہ ؓ سے خرید لیا تھا، لہذا بنوامیہ کے خلفاء کے اس یک طرفہ عمل پر کون اعتراض کر سکتا تھا. سمہودی ؒ نے ابن زبالہ کے بیان کو نقل کیا ہے جو کہ انہوں نے مشہور تابعی حضرت محمد بن ہلال ؒ سے روایت کیا ہے: [وہ گھر جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر مطہرہ ہے وہی حجرہ ہے جہاں سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ رہائش پذیر تھیں. یہ مربع شکل کا مکان ہے اور اسے سیاہ پتھروں اور جپسم سے بنایا گیا ہے. اس کی قبلہ کی جانب کی دیوار قدرے طوالت میں بڑی ہے، جبکہ شرقی اور غربی دیواریں برابر ہیں لیکن شمالی دیوار تھوڑی چھوٹی ہے. گھر کا دروازہ شمالی جانب ہے جسے سیاہ پتھروں کو جپسم کے ساتھ ملا کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے. عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اس کے گرد ایک پنج گوشہ احاطہ تعمیر کر دیا ہے تا کہ کوئی قبلہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے قبر رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کر سکے. یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق تھا جو اس حدیث مبارکہ پر مبنی تھا: [اللہ یہود کو غارت کرے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو جائے عبادت بنالیا.] مزید یہ کہ: [اے اللہ، میری قبر کو جائے عبادت نہ بننے دینا.] انہوں نے مزید بیان کیا کہ: [حجرہ شریفہ کی اندرونی دیواروں اور پنج گوشے کی دیواروں میں فاصلہ کچھ یوں ہے: شرقی جانب یہ فاصلہ دو ہاتھ ہے، غربی جانب ایک ہاتھ ہے، جبکہ قبلہ کی جانب یہ فاصلہ صرف آدھا ہاتھ یعنی ایک بالشت ہے اور شمالی جانب (جہاں پنج گوشہ کی ایک تکون سی بن جاتی ہے) یہ فاصلہ زیادہ ہے اور کافی جگہ خالی ہے جہاں غسل کے لیے استعمال ہونے والا ٹب پڑا ہوا ہے.](۱۰۰) یہ بیان عبدالرحمن بن ابی زناد کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے خالی جگہ پر کسی ٹب کا ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ٹب وقت تعمیر وہاں رہ گیا ہوگا مگر بعد میں وہاں سے کام کرنے والوں نے اٹھا لیا ہوگا.](۱۰۱)

لیکن جہاں تک وقت کے تعین کا تعلق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے دروازے کو کب بند کیا گیا ہوگا، اس کا تعین کرنے میں ہمیں خاصی دشواری کا سامنا ہے. ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ اس وقت تک جب کہ مروان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کے اندر داخل ہو جایا کرتے تھے. (یاد رہے کہ مروان دو مرتبہ مدینہ طیبہ کا گورنر رہا تھا۔ پہلی بار اس کی گورنری سے معزولی ۵۴ ہجری میں ہوئی تھی).(۱۰۲) وہ مشہور واقعہ کہ جب مروان حجرہ مطہرہ کے اندر گیا تو حضرت ابوایوب انصاری ؓ قبر اطہر سے لپٹے رو رہے تھے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس وقت تک در اقدس بند نہیں کیا گیا تھا. حضرت عبدالمطلب بن حنطب ؓ نے بیان کیا ہے: [مروان حجرہ مطہرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک شخص قبر اطہر سے لپٹا ہوا ہے. مروان نے انہیں ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور سرزنش کرنے لگا کہ: ''جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟'' اس شخص نے قبر اطہر کو بوسہ دیا اور یوں گویا ہوا: [ہاں مجھے معلوم ہے. میں ان اینٹوں اور پتھروں کی زیارت کو یہاں نہیں آیا، میں تو یہاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں. ہم پر ایک ایسا وقت آن پڑا ہے کہ ہمیں اپنے اوپر مسلط کئے گئے حکمرانوں پر نوحہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کا تعلق اسلام سے نہیں رہا!](۱۰۳) یہ واقعہ اس وقت تو ہو نہیں سکتا جب کہ مروان خلیفہ کے طور پر متمکن ہو گیا تھا (۶۴-۶۵ ہجری)، کیونکہ اس

دوران اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ مدینہ طیبہ کا رخ کرتا اور دوسرے یہ کہ اس سے بہت پہلے ہی حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس حملہ کے دوران وفات پا گئے تھے جو کہ قسطنطنیہ پر ۵۱ھ میں کیا گیا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حجرہ مطہرہ اس دور میں کھلا رہتا تھا کیونکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس وقت بقید حیات تھیں (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا تھا) اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ ۵۱ ہجری سے پہلے ہوا تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے اس مذکورہ واقعہ کے علاوہ ایک اور ایسا ہی واقعہ مسعودی نے مروج الذہب میں نقل کیا ہے۔ جب مسلم بن عقبہ نے یزید پلید کے احکام کے تحت مدینہ طیبہ کو تاخت و تاراج کیا، تو لوگ حضرت امام زین العابدینؒ کی تلاش میں نکلے اور تلاش بسیار کے بعد انہوں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے لپٹے ہوئے گریہ وزاری اور فریاد کر رہے تھے۔ (۱۰۴) یہ واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے۔

مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب یزید نے ۶۰ ہجری میں عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی اس وقت تک بنو امیہ کی گرفت حجاز پر کافی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ کا طوطی بولنے لگا تھا۔ جیسا کہ ابن سعدؒ کی اوپر بیان کردہ روایت میں ہے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی تعمیر کردہ احاطے کی دیوار کو اونچا کر دیا تھا۔ مدینہ طیبہ پر بنو امیہ کا مکمل کنٹرول دوبارہ اس وقت قائم ہوا جب کہ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں وقوع پذیر ہوا جس کے نتیجے میں صرف ان مدنی حضرات کی جان بخشی کی گئی جنہوں نے نہ صرف یزید کی بیعت دوبارہ قبول کر لی تھی بلکہ غیر مشروط طور پر اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ اسی واقعہ کے دوران حضرت سعید ابن المسیبؒ کا بیان کہ ان تین دنوں میں وہ قبر اطہر رسول اللہ سے آذان کی آواز سنتے تھے اور اسی پر اقامت کر کے وہ نماز ادا کرتے تھے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ در اقدس اس وقت تک بند نہیں کیا گیا تھا۔ یقیناً یہ قدم ۶۳ ہجری کے بعد اٹھایا گیا ہوگا۔

جہاں تک مٹی اور گارے اور کھجور کے پتوں سے بنائی گئی دیواروں (جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر ہوئی تھیں) کی جگہ کالے پتھروں سے حجرہ مبارکہ کی تعمیر نو کا تعلق ہے تو ہمیں اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر روایت صحیح بخاری شریف میں ملتی ہے جس میں بالصراحت کہا گیا ہے کہ حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ حضرت عروہ بن زبیرؒ کی روایت کے مطابق: ''جب ولید بن عبدالملک کے دور میں حجرہ شریفہ کی دیوار قبور مطہرہ پر گری، تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کر دی.....الخ'' (۱۰۵) یہ حدیث مبارکہ قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جسے عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا جب کہ وہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ ان کی گورنری کا دور ۸۶ ہجری سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ دیوار یا تو ۸۶ ہجری میں یا پھر زیادہ سے زیادہ ۸۷ ہجری میں گری تھی اور اسے بلا تاخیر نئے سرے سے تعمیر کر دیا گیا تھا۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ باقی کی تین دیواروں کو نہیں چھیڑا گیا تھا اور وہ پہلے کہ طرح ہی رہیں جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں انہوں نے امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے تمام حجرات خالی کروا لیے تھے تاکہ انہیں مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا جائے۔ مسجد نبوی کی تعمیر نو ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اسی عرصہ کے دوران انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشہ احاطہ تعمیر کروایا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حجرہ مطہرہ کی مکمل تعمیر جس میں بقول ابن زبالہ سیاہ پتھر اور جپسم استعمال ہوا تھا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ہی ہوئی ہوگی مگر پنج گوشہ احاطہ بنانے سے پہلے۔ اس کی تعمیر کا انداز اُوقت بھی ۸۸-۹۱ ہجری کے دوران ہی ہے۔

تمام مورخین مدینہ طیبہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے اندر چوتھی قبر کی جگہ ابھی خالی ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے بہت سی احادیث مبارکہ کے مطابق وہ جگہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور جب ان کا نزول ہوگا اور وہ اپنی طبعی موت

پائیں گے تو انہیں وہاں دفن کر دیا جائے گا. حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ: [عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے دونوں دوستوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا.] حضرت سعید ابن المسیبؒ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے. (۱۰۶)

۵۵۵ ہجری میں جب صلیبیوں کے غیر مسلم جاسوسوں نے قبر اطہر تک پہنچنے کے لیے ایک سرنگ کھودنے کی کوشش کی اور ان کی سازش بروقت طشت از بام ہوگئی تو سلطان نورالدین زنگی نے پنج گوشہ کے اردگرد کھدائی کر کے اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلوا دیا. (اس معاملہ پر ہم نے باب ''مدینہ طیبہ میں رونما ہونے والے حوادث اور ادوار فتن'' میں پوری تفصیل سے روشنی ڈالی ہے.) مقصورہ شریفہ کے اردگرد وہ بنیاد اتنی گہری کھودی گئی تھی کہ زیر زمین پانی کی تہہ سے پانی نکلنا شروع ہوگیا تھا. (۱۰۷) اس بقعہ نور سے ۲۰ ہاتھ دور کے دائرے میں بیس ہاتھ (یعنی دس میٹر) گہری خندق کھودی گئی تھی. پھر اس خندق میں دوہری پتھروں کی دیوار چنی گئی اور ان دونوں دیواروں کے درمیانی خلا کو سیسہ، فولاد اور تانبہ پگھلا کر پر کیا گیا تھا. اس طرح حجرہ مطہرہ کے اردگرد ایک ناقابل تسخیر فولادی دیوار کھڑی ہوگئی. (۱۰۸) یوں سطح زمین تک حجرہ مطہرہ کے گرد تمام علاقہ اس طریقے سے محفوظ کر دیا گیا. اس مقام پر ہم ایک عام غلط فہمی کو دور کرنا چاہیں گے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ نے حجرہ شریف کے گرد آہنی دیوار کھڑی کر دی تھی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیسہ اور فولاد سے بنی وہ ناقابل تسخیر دیوار صرف سطح زمین تک تھی (نہ کہ سطح زمین سے اتنی بلند تھی کہ پنج گوشہ کا احاطہ کر لیتی) تاکہ آئندہ کسی مجرمانہ تخریبی کارروائی کا خدشہ نہ رہے جیسا کہ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے کیا تھا. بڑے پیمانے پر سیسہ اور فولاد کو پگھلانے کے لیے خاص انتظامات کیے گئے تھے اور مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں واقع ایک ایسے مکان میں کیا گیا تھا جو کہ صدیوں تک 'بیت الرصاص' (یعنی سیسہ کا گھر) مشہور رہا. زنگیؒ کے وزیر، جمال الدین اصفہانی نے پنج گوشہ عمارت پر سنگ مرمر لگوایا. البتہ چھت کے قریب صندل اور آبنوس کی لکڑی سے بنی بہت ہی خوبصورت جالی لگوادی تھی. (۱۰۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنج گوشہ عمارت اس لیے تعمیر کروائی تھی تاکہ اس عمارت کی کعبۃ المشرفہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو سکے. عباسی خلیفہ متوکل باللہ کے دور میں مدینہ طیبہ کے گورنر اسحاق بن سلامہ کو حکم دیا گیا کہ وہ پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر سنگ مرمر لگوا دے جو کہ مکتفی باللہ کے دور تک (۵۴۸ ہجری) رہا (۱۱۰) ابن جبیر۔ جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی۔ نے اپنے سفرنامے میں ہمارے لیے حجرہ مطہرہ کے متعلق بہت سی مفید معلومات چھوڑی ہیں. وہ رقمطراز ہیں:

''حجرہ شریفہ (پنج گوشہ) کی لمبائی قبلہ کی جانب سے ۲۴ بالشت (جو کہ چھ میٹر سے کچھ زیادہ بنتی ہے) ہے، مشرقی جانب ۳۰ بالشت ہے، مشرق سے شمالی کونے تک ۳۵ بالشت اور شمالی کونے سے لیکر مغربی دیوار تک ۳۹ بالشت جبکہ مغربی دیوار کی لمبائی ۲۴ بالشت ہے.'' (۱۱۱)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''روضہ مطہرہ (پنج گوشہ) کے اطراف کی کل لمبائی ۲۷۲ بالشت ہے. یہاں نہایت ہی اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں. دیواروں کے ساتھ ساتھ ایک تہائی بلندی تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے. اس کے اوپر مشک و عنبر کی خوشبویات اور عطریات مل مل کر جگہ سیاہ رنگ کی ہوگئی ہے اور مرور ایام سے کئی مقامات سے خستہ بھی ہو چکی ہے. دیواروں کے اس سے اوپر کے حصہ پر لکڑی کا بہت ہی نفیس کام کیا گیا ہے جو کہ چھت تک چلا گیا ہے، کیونکہ روضہ شریف کا اوپر کا حصہ مسجد نبوی کی چھت کو چھو رہا ہے.'' (۱۱۲)

جمال الدین اصفہانی جو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے چچیرے بھائی اور سلطان نورالدین زنگیؒ کے وزیر بھی تھے انہوں نے آبنوس اور صندل کی لکڑی سے ایک خوبصورت جالی بنوا کر حجرہ شریفہ کے باہر کے احاطے میں لگوادی تھی. یہ جالی مسجد شریف کی چھت تک اونچی تھی. اس جالی سے تمام منظر بہت دیدہ زیب ہوگیا تھا اور حجرہ مبارکہ کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے. لیکن یہ جالی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور مسجد نبوی شریف میں آتش زنی کے حادثے میں جو کہ ۶۵۴ ہجری میں واقع ہوا یہ سب جل کر خاکستر ہوگئی. مسجد نبوی شریف کی چھت کا وہ حصہ

جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر تھا وہ بھی اس آگ کی تباہ کاریوں سے منہدم ہوا اور حجرہ مبارکہ کی چھت پر آ رہا اور چھت یہ تمام ملبہ [illegible] اور قبور مطہرہ پر گر گئی فوری طور پر حادثے کی تمام تفاصیل بغداد میں خلیفہ معتصم باللہ کو روانہ کی گئیں. خواہش تمام کے باوجود خلیفہ مدینہ نہ بھیج سکا کیونکہ تاتاریوں کی یورشوں نے اسے بے دست و پا کر رکھا تھا جو بالآخر سقوط بغداد پر منتج ہوئیں اور خلافت عباسیہ دم توڑ گئی

عباسی خلافت کی بساط الٹنے سے اسلامی دنیا میں سیاسی خلا پیدا ہو گیا اور یوں حجرہ شریفہ کی مرمت کا کام تھوڑی دیر کے لیے متاثر ہوا عباسی خلیفہ سقوط بغداد سے پہلے صرف تھوڑا سا سامان روانہ کر سکا تھا جس سے نہایت ہی ضروری قسم کی مرمت کا کام شروع کیا گیا مگر سامان کی کمی آڑے آ گئی اور یوں یہ کام دو سال تک تاخیر کا شکار ہوتا رہا. اسی اثناء میں اسلامی دنیا کے دیگر حکمرانوں نے مرمت کا بیڑہ اٹھایا اور یوں ۶۵۶ میں حجرہ مطہرہ کی مرمت مکمل ہو گئی. جب مصری ملک الظاہر رکن الدین بیبارس نے حج کیا تو وہ ۶۶۷ ہجری میں مدینہ طیبہ بھی آئے انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشہ کے چاروں طرف علاقے کی اپنے ہاتھوں سے پیمائش کی اور پھر واپس جا کر لکڑی کی ایک خوبصورت جالی بنوا کر روانہ کی جو کہ اس کے اردگرد نصب کر دی گئی. (۱۱۳) اس لکڑی کی جالی کے اندر اردگرد کا کچھ حصہ بھی آ گیا تھا. داخلے کے لیے صرف تین دروازے رکھے گئے جو کہ جنوبی شرقی اور غربی جانب تھے. اس کے بعد ملک العادل زین الدین کتبغا نے ایک اور خوبصورت جالی بنوا کر ۶۹۴ ہجری میں پرانی جالی کے اردگرد نصب کروا دی. اس جالی کی بلندی مسجد نبوی کی چھت کو چھونے لگ گئی. (۱۱۴) ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک اور دروازے کا اضافہ بھی کر دیا جو کہ شمالی جانب کھلتا تھا. ۸۵۳ ہجری میں ظاہر شاہ جقمق نے پنج گوشہ شریفہ کے گرد سنگ مرمر کی ٹائلیں لگوا دیں.

بدقسمتی سے ایک بار پھر مسجد نبوی شریف آگ کے حادثے کا شکار ہو گئی اور ۸۸۶ ہجری میں خوبصورت جالیاں اور قیمتی لکڑی کا کام سب جل کر تباہ ہو گیا اور سلطان قیتبائی نے تانبے کی جالیاں لگوا دیں. لکڑی کے دروازوں کی جگہ مضبوط آہنی دروازے نصب کر دئے گئے جالی کے اوپر کی جانب تانبے کی باریک جالی لگا دی گئی تاکہ کبوتر یا دیگر طیور حرم اندر نہ داخل ہو سکیں. پنج گوشے کے شمالی طرف دونوں طرف دو دروازوں کا اضافہ کر کے حجرہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء ؓ کو بھی اس بقعہ نور میں شامل کر لیا گیا اور اسی سے اندر آنے کے لیے دروازہ بھی رکھا گیا. (۱۱۵) جو کہ آج تک اندر داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے. اس آہنی جالی نے حجرہ مطہرہ کا رقبہ کافی بڑھا دیا تھا.

حجرہ مطہرہ پر گنبد کی تعمیر اور چند مزید تفاصیل

حجرہ مطہرہ پر سب سے پہلے گنبد بنوانے کا شرف سلطان منصور قلاوون الصالحی کو ہوا. یہ گنبد ۶۷۸ ہجری میں بنوایا گیا اور مسجد نبوی کی چھت سے زیادہ بلند تھا. یہ چار گوشہ عمارت پر تعمیر ہوا جو کہ اوپر جا کر آٹھ گوشوں میں تبدیل کر دی گئی تھی. گنبد مبارک لکڑی کے تختوں پر استوار کیا گیا تھا جن کی مضبوطی کے لیے ان کے اوپر سیسے کی پلیٹیں لگا دی گئی تھیں. سیسے کی پلیٹیں لکڑی کے تختوں کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے لگائی گئی تھیں. اس سے پہلے کبھی حجرہ مطہرہ پر گنبد نہیں ہوا کرتا تھا. (۱۱۶) گنبد سے پہلے حجرہ شریف کے اوپر پردہ کی دیوار ہوا کرتی تھی جو کہ ایک میٹر اونچی ہوا کرتی تھی. (۱۱۷) ایسی پردہ کی دیوار سب سے پہلی بار سیدنا عمر فاروق ؓ نے تعمیر کروائی تھی. اس کا مطلب ایک طرف تو یہ تھا کہ حجرہ مطہرہ کا بقیع النور مسجد نبوی شریف کی باقی چھت سے متمیز رہے اور دوسرے یہ کہ جو کوئی بھی کسی غرض سے مسجد نبوی کی چھت پر جائے اسے احساس رہے کہ وہ نہایت ادب کا مقام ہے اور کوئی بھول کر بھی اس پر نہ چڑھے. مقصورہ مطہرہ کے اوپر پردہ کی دیوار ۶۵۸ ہجری تک رہی جس کی بلندی نصف قد آدم تک ہوا کرتی تھی. (۱۱۸)

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ مقتدر شخصیات کے مزارات پر گنبد بنانے کا رواج عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بغداد اور دمشق میں قبہ جات (جن کو عربی میں جنابذ۔ جنبذ کی جمع) اسلامی شخصیات کے مزارات کے فن تعمیر کا ایک باقاعدہ حصہ

بن گیا دوسروں کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد بن چکا تھا جو سلجوقی سلطان ملک شاہ نے پانچویں صدی میں تعمیر کروایا تھا۔اس کے بعد فاطمیوں نے اس طرز تعمیر کو مصر میں خوب رواج دیا اور وہاں تھوڑے ہی عرصے بہت سے مزارات پر گنبد بن گئے۔امام ابوحنیفہؒ کے مزار کی طرح امام شافعیؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد تعمیر ہو چکا تھا۔جب قلاوون خاندان کا دور دورہ ہوا تو گنبد تقریباً تمام مسلم علاقوں میں رواج پا چکا تھا۔ایوبی دور کے بعد مصر میں جتنے بھی گنبد تعمیر ہوئے وہ سب کے سب چوکور عمارتوں پر استوار ہوتے تھے جو کہ اوپر جا کر ہشت گوشہ بنا دی جاتی تھیں اور پھر اس کے اوپر گنبد تعمیر کیا جاتا تھا۔مصر میں چونکہ یہ فن تعمیر بہت مقبول تھا اس لیے سلطان منصور قلاوون نے جب روضہ رسول ﷺ پر گنبد بنوانے کا فیصلہ کیا تو مصری معماروں کی خدمات حاصل کی گئیں اور انہوں نے اس وقت کے مقبول فن تعمیر کو کام میں لاتے ہوئے حجرہ مطہرہ پر ایک ہشت گوشہ حصے پر گنبد بنایا جس کا بنیادی ڈھانچہ چار گوشہ عمارت پر استوار کیا گیا تھا اسی عرصے کے لگ بھگ مصر میں ایسی بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں۔(۱۱۹)

جونہی حجرہ مطہرہ پر گنبد بنایا گیا تو اس کی خوبصورتی اور نسبت روضہ رسول اللہ ﷺ نے اس فن کو چار دانگ عالم میں مقبول کر دیا۔جو بھی زائر باہر سے آتا اس کے دل و دماغ میں روضہ رسول ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتا۔زمین سے لے کر ساتوں آسمانوں تک کوئی بھی بقعہ نور تقدس میں حجرہ مطہرہ کی برابری نہیں کر سکتا۔یہ ایک ایسا مقام اور منظر ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس کا نقشہ اس کے دل میں بستا ہے۔اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے مسلمان جہاں کہیں بستا ہے وہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجدوں کے گنبد اور مینارے گنبد خضریٰ کی شکل اور رنگ کے بنا لیتا ہے۔یہ رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کا اظہار ہے کہ اکثر مساجد سبز گنبدوں کے ساتھ حجرہ اقدس کی شبیہ پر بنائی جاتی ہیں۔بعض حالات میں تو گنبدوں کی شکل اور رنگ بعینہٖ گنبد خضریٰ کی طرح لگتا ہے جس کی ایک مثال پاکستان میں جامعہ مسجد بھونگ (رحیم یار خان) جس پر رئیس غازی صاحب نے کروڑوں روپے خرچ کیے اور کئی مرتبہ معمارین کو حج اور زیارت کے لیے بھیجا تاکہ گنبد خضریٰ کی نقل بمطابق اصل بنائی جا سکے۔ہمارا یہ کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ لگاؤ اور والہانہ محبت مسلمانوں میں نئی ہے، بلکہ روز اول سے ہی جب سے پہلا گنبد شریف تعمیر ہوا لوگوں نے اس کی نقل بنانی شروع کر دی تھی۔اس وقت گنبد مطہرہ کا رنگ ہلکا آسمانی (خفیف سا نیلہ) ہوا کرتا تھا۔لہٰذا اس دور میں جب عشاق نے اس کی نقل بنوانے کی کوشش کی تو وہ تمام نقش و نگار اور شکل و شباہت کو مشہور بزرگوں کے مزاروں پر گنبد تعمیر کر کے اتارا گیا۔پچھلے ساڑھے سات سو سالوں میں بہت سی ایسی عمارتیں زمانے کی دستبرد کی نذر ہو چکی ہونگی،لیکن ان میں سے چند ابھی بھی محفوظ ہیں،مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں جب ان کی تعمیر ہوئی تھی تو روضہ رسول مقبول ﷺ کی شبیہ ان کے بنوانے والوں اور معماروں کی نظروں کے سامنے تھی۔ایسے گنبد زیادہ تر ہندوستان میں اس وقت تعمیر ہوئے جب خاندان تغلق کی حکمرانی تھی جن کا مدینہ طیبہ سے لگاؤ اور اہل مدینہ کی خدمات مسلمہ ہیں۔یہ وہ عہد تھا جب کہ مصر میں مملوک سلاطین کی حکومت تھی۔برصغیر میں اس وقت بھی تین ایسے تاریخی مزارات ہیں جو کہ تغلق دور کی یادگار ہیں اور اسی وقت کے لگ بھگ تعمیر ہوئے جب مدینہ طیبہ میں حجرہ مطہرہ پر پہلا ہشت گوشہ گنبد بنایا گیا تھا اور اس کا رنگ نیلا تھا

۱۷۹۱ء میں لکھا ہوا
فتوح الحرمین کا خطی نسخہ
جو 'بون' جرمنی میں پڑا
ہے، سے لیا گیا
مسجد نبوی کا نایاب خاکہ

اور اسی وجہ سے اسے قبۃ الزرقاء (نیلہ گنبد) کہا جاتا تھا۔(۱۲۰) ان میں سے ایک پاکستان میں ملتان میں واقع ہے (مزار شاہ شمس سبزواری) جو ایک ایسا گنبد ہے جسے شاہان تغلق نے شاہ شمس سے عقیدت کی بنا پر ہشت گوشہ عمارت پر تعمیر کروایا۔ اس کا رنگ نیلگوں مائل ہے۔ دیگر دو مزاران ہندوستان میں ہیں جن میں سے ایک دہلی کے قریب احاطہ ہمایوں میں ہے اور نیلا گنبد کہلاتا ہے۔

شاہ شمس سبزواریؒ کے مزار پر ہشت گوشہ گنبد خاصی دلچسپی کا حامل ہے کیونکہ اسے محمد شاہ تغلق نے تعمیر کروایا تھا جو شاہ شمس کا بہت عقیدت مند تھا۔ لہٰذا اس نے پوری دلجمعی سے مزار کی تعمیر کروائی اور عمارت کو روضہ رسول کی طرز پر نہ صرف ہشت گوشہ بنایا بلکہ گنبد کا رنگ بھی ہلکا نیلا رنگ کا بنوایا جیسا کہ سلطان قلاوون کی تعمیر کردہ عمارت روضہ رسول پر گنبد کا ہوا کرتا تھا۔ ایسی ہی مثال ان مزارات کی ہے جو کہ تغلق خاندان نے تعمیر کروائے تھے لہٰذا ایسے تاریخی نیلے گنبدوں پر ایک نظر سے قارئین کو اس گنبد اطہر کی شکل و شباہت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ نقل جس کی اتنی حسین ہے اصل اس کی کتنی دلربا ہوگی۔ فن تعمیر کی اس مشابہت کا سرا ہے ذکر اس باب سے متعلق تو نہیں لیکن سنجیدہ طالب علم کے خیال کو مہمیز دینے کے لیے کافی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اب موجودہ گنبد خضری اسلامی دنیا میں موجود گنبدوں پر کتنی گہری چھاپ رکھتا ہے۔

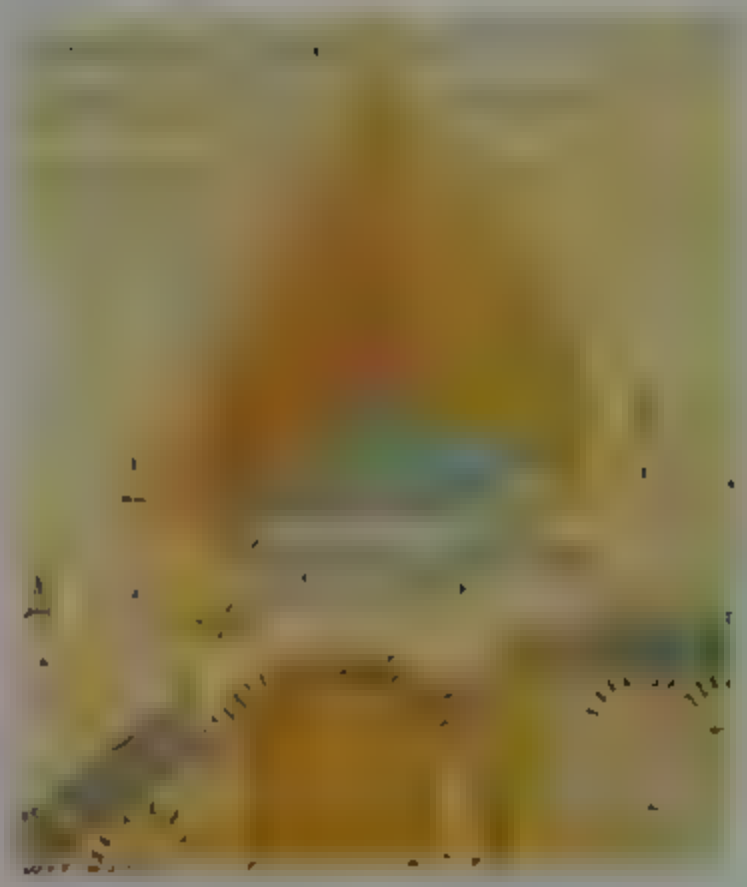

مقصورہ الشریفہ کا ایک مصور کے قلم سے بنایا ہوا خاکہ، ابتدا میں گنبد شریف کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا، گنبد شریف پر حالہ نور مصور کے تخیل کے مطابق ان انوار و تجلیات کی عکاسی کرتا ہے جو کہ اس بقعہ اقدس پر شب و روز برستی ہیں (تقریباً ۱۸۵۰ء)
بشکریہ مجلہ العربی، کویت، نمبر ۲۵۲، ۱۹۷۹ء

ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ حجرہ مطہرہ پر پہلا نیلا گنبد تقریباً ایک صدی تک عشاق کی نگاہوں کا مرکز رہا۔ پھر مرور ایام سے سیسہ پلائے ہوئے لکڑی کے تختوں میں سے چند کمزور پڑ گئے۔ پہلے تو سلطان الناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے ایسے تختوں کو تبدیل کروا کر کچھ مرمت کروادی، مگر بعد میں سلطان اشرف شعبان بن حسین بن محمد نے ۷۶۵ ہجری میں مزید مرمت کا کام کروایا۔(۱۲۱) ابھی ایک صدی اور گزری ہوگی کہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ گنبد شریف کی وسیع بنیادوں پر مرمت یا تعمیر نو کی جائے اور ساتھ ہی اس پنج گوشہ حاطے کی مرمت کی جائے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوایا تھا۔ سلطان اشرف قیتبائی نے شمس بن زمان کو اس بات پر مامور کیا کہ حجرہ مطہرہ کی پورے طور پر چھان بین کی جائے تاکہ اگر ضروری سمجھا جائے تو اس کی مرمت یا تعمیر نو کر دی جائے۔ شمس بن زمان کی رپورٹ کے مطابق حجرہ مطہرہ کی دیواروں کی مرمت کی اشد ضرورت تھی اور خاص طور پر پنج گوشہ شریف کی شرقی دیوار جس میں کچھ دراڑیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں جو کہ اس بات کا فوری تقاضا کر رہی تھی کہ فوری مرمت کے اقدامات کیے جائیں۔

ان کی سفارشات پر عملدرآمد کرتے ہوئے ۱۴ شعبان ۸۸۱ ہجری کو پنج گوشہ شریف کے متاثرہ حصے نکال لیے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ حجرہ مطہرہ کی پرانی چھت بھی ہٹائی گئی اور پتھروں سے بنا ایک چھوٹا سا گنبد حجرہ شریف پر تعمیر کر دیا گیا اور اس کے اوپر مسجد نبوی شریف کی چھت کو مزید بلند کر دیا گیا تاکہ یہ چھوٹا سا گنبد اپنے کلس (ہلال) سمیت مسجد نبوی کی چھت کی نیچے آجائے۔(۱۲۲) اس کے اوپر بڑا گنبد تعمیر کیا گیا ۱۷ شعبان المعظم ۸۸۱ ہجری کو حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا اور دو ماہ میں مکمل ہوا۔ کام ۷ شوال ۸۸۱ ہجری کو ختم ہوا۔(۱۲۳) امام سمہودیؒ جو کہ بنفس نفیس اس مرمت کے کام میں شریک رہے تھے، بیان کرتے ہیں کہ پنج گوشہ عمارت کے اندر حجرہ مطہرہ مستطیل شکل کا تھا جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا تھا اور اس میں داخلے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ امام سمہودیؒ کے اپنے الفاظ میں:

[میں نے اللہ رب العزت سے التجاء کی کہ وہ مجھے انکساری اور ضروری آداب بجالانے کی توفیق دے تاکہ میں اس بقاع طاہرہ میں حاضری دینے کے قابل ہو جاؤں اور میرا عجز و انکساری حضور رسالت مآب ﷺ میں مقبول و منظور ہو جائے اور میں سرور دو عالم شفیع المذنبین علیہ افضل الصلوۃ واتم التسلیم کی شفاعت کے قابل ہو سکوں۔ پھر میں پائیں جانب سے حجرہ مقدسہ میں داخل ہوا۔ جونہی میں داخل ہوا تو ایک

ایسی قسم کی خوشبو نے دل و دماغ کو معطر کر دیا جو کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہ سونگھی تھی. جب میں انتہائی مودب انداز میں صلوۃ وسلام اور التجائے تشفع سے فارغ ہوا تو میں نے اپنی نگاہیں اونچی کیں تا کہ میں اس بقعہ نورا علی نور کی ایک جھلک دیکھ سکوں اور عشاق حبیب کبریاء کو اس حسین ترین منظر کی تفاصیل بتا سکوں. میں نے دیکھا کہ حجرہ مطہرہ کی ارض مقدسہ کی سطح ہموار تھی اور ایسے لگ رہا تھا کہ اس میں کوئی قبر نہیں تھی، سوائے اس کے کہ حجرہ مطہرہ کے وسط میں تھوڑی سی جگہ عام سطح سے ذرا بلند تھی. میرے ساتھ جو اور لوگ تھے انہوں نے کہا کہ یہی جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی ہے. لیکن ایسا خیال ان کی کم علمی کی نشانی تھا کیونکہ امام شافعیؒ نے ایسے خیال کو رد کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں آڑے رخ میں واقع تھی. یہ ایک بے بنیاد خیال تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تو دیوار کے اتنی قریب تھی کہ اس کی لحد اس دیوار کے نیچے چلی گئی تھی جو کہ قبلہ کی جانب ہے. یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ان حالات میں آپ حضور ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں ہو اور وہ بھی آڑے رخ میں ہو!]

[مزید یہ کہ تحفۃ ابن عساکر میں حضرت جابر (بن عبداللہؓ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا جو کہ حضرت بلال بن رباحؓ نے کیا گیا، جنہوں نے مشکیزے سے پانی کا چھڑکاؤ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور قدمین شریفین تک لے گئے اور کچھ پانی جو مشکیزہ میں بچ گیا تھا اسے دیوار پر چھڑک دیا گیا اور ایسا کرتے وقت انہیں سخت دشواری کا سامنا تھا کیونکہ قبلہ کی دیوار اور قبر شریف کے درمیان بمشکل ایک بالشت کا فاصلہ تھا (جس کی وجہ سے وہ وہاں کھڑے نہیں ہو سکتے تھے).....الخ (۱۲۴)

حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار کے گرنے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں اسے دوبارہ بنائے جانے کے ذکر کے بعد، امام سمہودی مزید رقمطراز ہیں:

[ہم نے حجرہ مطہرہ کی تمام تفاصیل اور اس کی پیمائشیں اور حجرہ مبارکہ کی ارض مقدس کی سطح میں نشیب و فراز اور پنج گوشہ کے اردگرد کی زمین کی سطح کے ساتھ اس کے موازنہ کو بیان کر دیا ہے جو کہ اندرون حجرہ شریفہ کی زمین کی نسبت ۳ ذرع (یعنی ڈیڑھ میٹر) بلند ہے اور وہ ملبہ جو حجرہ اطہر سے نکالا گیا وہ بھی کوئی دو ذرع (تقریباً ایک میٹر) کے برابر تھا. پھر انہوں نے حجرہ مبارکہ کی مرمت کا کام ۱۷ شعبان کو شروع کر دیا.]

دلائل الخیرات کا ۱۲۱۰ھ کا لکھا قلمی نسخہ جس سے مسجد نبوی اور روضۂ اقدس کی ڈرائنگ ہم یہاں شائع کر رہے ہیں جس میں روضۂ اطہر کے اوپر نیلا گنبد نظر آ رہا ہے

وہ مزید لکھتے ہیں:

[ماہرین کی رائے کے مطابق شمالی دیوار کی چوڑائی بڑھا دی گئی تا کہ وہ ستون جو کہ پہلے اس کے باہر تھا وہ اس دیوار کے اندر آ سکے. اس طرف (یعنی شمالی جانب) چونکہ کافی جگہ خالی پڑی تھی اس دیوار کی موٹائی کو بڑھانے میں آسانی رہے. تاہم اس دیوار کی موٹائی مختلف مقامات پر کم و بیش تھی؛ ستون کے مشرقی جانب اس دیوار کی موٹائی تین ہاتھ (ذرع)۔ یعنی ڈیڑھ میٹر۔ تھی جبکہ ستون کے مغربی جانب کے حصے کی دیوار کی موٹائی تقریباً آدھا ذرع کم تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر میں واضح کیا گیا ہے.....حجرہ شریفہ کے اندر شرقی جانب تقریباً ایک تہائی حصہ پر چھت ڈال دی

گئی جس سے یہ ایک تہہ خانہ نظر آنے لگ گیا تھا، جبکہ باقی کے دو تہائی حصہ پر چھت نہیں ڈالی گئی کیونکہ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد تعمیر کر دیا گیا تھا۔ حجرہ مطہرہ شرقاً غرباً مستطیل شکل میں ہے۔ انجینئروں اور معماروں نے شرقی جانب حجرہ شریفہ اور پنج گوشہ کی دیواروں کے درمیانی خلا کو پر کر دیا گیا تھا اور ایسا ہی جنوبی جانب کی دونوں دیواروں کے ساتھ بھی کیا گیا اور وہاں موجود خلا کو بھی پر کر دیا گیا۔ اس طرح شرقی اور جنوبی جانب بیرونی اور اندرونی دیواروں کے درمیان کوئی خلا نہیں رہنے دیا گیا تھا، لیکن شمالی جانب کچھ جگہ خالی بچ رہی تھی۔ قبور مقدسہ کے سرہانوں کی جانب ایک گنبد تعمیر کر دیا گیا جو کہ کالے پتھروں سے بنا تھا اور ان کے اوپر سفید (سنگ مرمر) لگا دیا گیا تھا۔ حجرہ شریفہ کی ارض مقدسہ سے لے کر گنبد کے ہلال (کلس) تک کل اونچائی سوا اٹھارہ ذرع (تقریباً نو میٹر) رکھی گئی تھی، جب کہ باقیماندہ حصہ پر چھت کی اونچائی ۱۲ ذرع (۶ میٹر) تھی۔ عمارتی میٹیریل میں سے جو کچھ بچ گیا تھا اس میں سے کچھ تو شمالی دیوار پر لگا دیا گیا تھا اور کچھ لوگ (تبرک کے طور پر) لے گئے تھے۔" (۱۲۵)

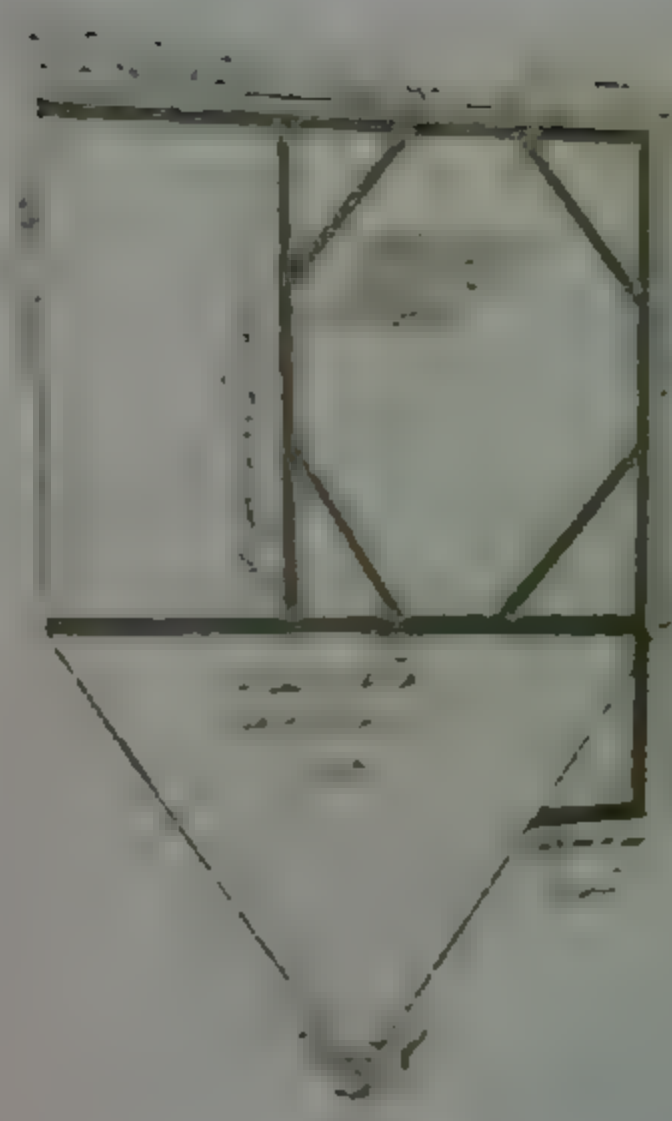

سید سمہودی کی وفاء الوفاء میں مقصورہ شریفہ اور قبور مطہرہ کا وضاحتی خاکہ (ص ۳۱۴)

سب کام انتہائی ادب و احترام اور سرعت تمام کے ساتھ انجام پائے۔ وادی العقیق سے نرم اور صاف ریت لا کر حجرہ شریفہ کے اندر بچھائی گئی تینوں قبور مقدسہ کو نمایاں کرنے کی غرض سے ان مقامات پر زیادہ ریت اور سنگ ریزے بچھائے گئے جن کی سطح زمین سے ذرا بلند کر دی گئی اور مسنّہ شکل بنا دی گئی۔ حجرہ اطہر میں ریگ اور سنگ ریزے ڈالنے سے پہلے اسے مسجد نبوی شریف کے صحن میں بچھا کر اچھی طرح دھویا گیا اور پھر حجرہ شریف لے جایا گیا۔ تمام کام منگل کے روز مورخہ ۷ شوال ۸۸۱ ہجری کو پایہ تکمیل تک پہنچے۔ سلطان قیتبائی نے مدینہ منورہ کی زیارت مورخہ ۲۲ ذوالحجہ (بمطابق ۴ فروری ۱۴۸۰ء) کو کی۔ سلطان نے اپنی حاضری اسی مقام سے دی جہاں سے عامۃ الناس کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں (یعنی مواجہ شریف کے سامنے سے)۔ جب انہیں حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے اظہار معذرت کیا اور کہنے لگے: [اے کاش میرے لیے ممکن ہوتا کہ میں مواجہ شریف سے بھی دور کھڑا ہو سکتا، میرے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔] (۱۲۶) اس سے ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے حد درجہ احترام کی خوشبو جھلکتی ہے۔

اس طرح حجرہ شریفہ کا فرش کسی قسم کے سنگ مرمر یا ٹائلوں کے بغیر رہنے دیا گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے قدمین مبارکہ اس فرش مقدس پر پڑے تھے۔ اور یوں روئے زمین پر یہی وہ واحد بقعہ نور ہے جس کو اسی حالت میں رکھا گیا تھا جہاں وہ تراب مقدس ابھی تک موجود ہے جس پر سرکار دو عالم کے نقش کف پا پڑے تھے۔ تاہم شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق ترکی سلطان سلیمان القانونی نے دسویں صدی کے وسط میں وہاں سنگ مرمر کی ٹائلیں ڈلوا دی تھیں۔ (۱۲۷) سلطان سلیمان نے مقصورہ شریفہ پر واقع چھت نئے سرے سے ڈلوائی اور قدیم گنبد کے نیچے جو سیسہ کی پلیٹوں کے بدلے جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوسیدہ ہو چکی تھیں سیسے کی نئی مضبوط نئی پلیٹیں نصب کروا دیں۔ (۱۲۸)

حجرہ مطہرہ کے فرش اقدس کی سطح کا مسجد نبوی شریف کے فرش کی سطح کا موازنہ

جب حجرہ مطہرہ کی مرمت کا کام ۸۸۱ ہجری میں جاری تھا تو انکشاف ہوا کہ اس فرش اقدس کی سطح جہاں کہ قبور مقدسہ واقع ہیں کی سطح زمین سے جو کہ حجرہ مطہرہ اور پنج گوشہ احاطے کے درمیان ہے تقریباً ڈیڑھ ذرع (یعنی ۷۵ء۰ میٹر) نیچے ہے، جو اس فرش سے جو کہ مسجد

نیسویں صدی کے شروع میں قبر اطہر کی ایک نایاب تصویر جو مدینہ طیبہ سے شائع ہوئی تھی

نبوی کا اس وقت تھا (یعنی ۸۸۱ ہجری) مزید ڈیڑھ ہاتھ (ذرع) نیچے تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس فرش اقدس کی سطح جہاں قبور مقدسہ واقع ہیں اس وقت کی مسجد نبوی کے فرش سے تین ہاتھ (ڈیڑھ میٹر) نیچے تھی۔ شائد یہی وجہ تھی کہ کچھ حصے میں تہہ خانہ بنایا گیا تھا جیسے کہ امام سمہودی نے بیان کیا ہے۔ (۱۲۹) یہ صورت حال ۸۸۶ ہجری میں تھی اور اب جب کہ مزید پانچ صدیاں بیت گئی ہیں اور تمام مسجد نبوی کم از کم تین مرتبہ از سر نو تعمیر ہو چکی ہے۔ دو مرتبہ ترکیوں کے دور میں اور ایک بار سعودی دور میں اور کئی بار سنگ مرمر کا فرش ڈلوایا جا چکا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بیرونی سطح مسجد مزید اوپر اٹھ چکی ہو گی۔

حجرہ مطہرہ کی تعمیر اور مرمت کی چند مزید تفاصیل

۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کو آسمان مدینہ طیبہ پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ رئیس الموذنین، شمس الدین بن الخطیب حسب معمول مینارہ رئیسیہ پر اذان دینے کی غرض سے چڑھے ہی تھے کہ اچانک آسمانی بجلی ان پر کوند گئی۔ موذن موقع پر ہی شہید ہو گئے اور مینارہ رئیسیہ مسجد نبوی کی جانب گر پڑا۔ مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی۔ ناگہانی آگ کی حدت اور بھگدڑ میں مزید دس آدمیوں کی موت واقع ہو گئی۔ آگ اور مینارے کے گرنے سے گنبد شریف کو نقصان پہنچا اور کچھ ملبہ حجرہ مطہرہ کے اندر بھی گر پڑا۔ (۱۳۰) تاہم حجرہ شریفہ محفوظ رہا۔ اگرچہ فوری نوعیت کی مرمت تو کروا دی گئی مگر مکمل تفصیلات کے ساتھ سلطان قیتبائی کو ۱۶ رمضان المبارک (۸ نومبر ۱۴۸۱ء) کو قاصد کے ذریعے پیغام بھیج دیا گیا تا کہ وہ مناسب اقدام اٹھانے کا فرمان جاری کریں۔ سلطان نے مصر سے ضروری سامان اور ایک سو سے زیادہ معمار اور عمال اپنے معتمد شاہین سنجر الجمالی کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ روانہ کر دیئے اور پوری سرعت اور دلجمعی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا۔ باہر والا گنبد جس کو کچھ نقصان پہنچا تھا مکمل طور پر ہٹا لیا گیا کیونکہ شدید آتشزدگی سے اس کی مرمت ناممکن ہو گئی تھی۔ سلطان قیتبائی کے حکم سے ۸۹۲ ہجری میں باہر کی جانب ایک نیا گنبد تعمیر کیا گیا جو کہ صدیوں تک قائم رہا اور جب اس میں کچھ خلل نظر آیا تو ترکی سلطان محمود بن عبدالحمید خان نے اسے گرا کر ۱۲۳۳ ہجری میں دوبارہ گنبد تعمیر کروا دیا جو ابھی بھی موجود ہے اور جسے اس کے سبز رنگ کی وجہ سے گنبد خضریٰ کہا جاتا ہے۔ (۱۳۱)

یہ سال (۱۲۳۳ ہجری جب کہ حجرہ مطہرہ کے گنبد کی تعمیر نو ہوئی) حجرہ مطہرہ کی تعمیر کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو وہابی حملہ آوروں کو جنہوں نے چند سالوں سے مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا ہوا تھا اور بہت تباہی مچائی تھی، ان کو طوسون

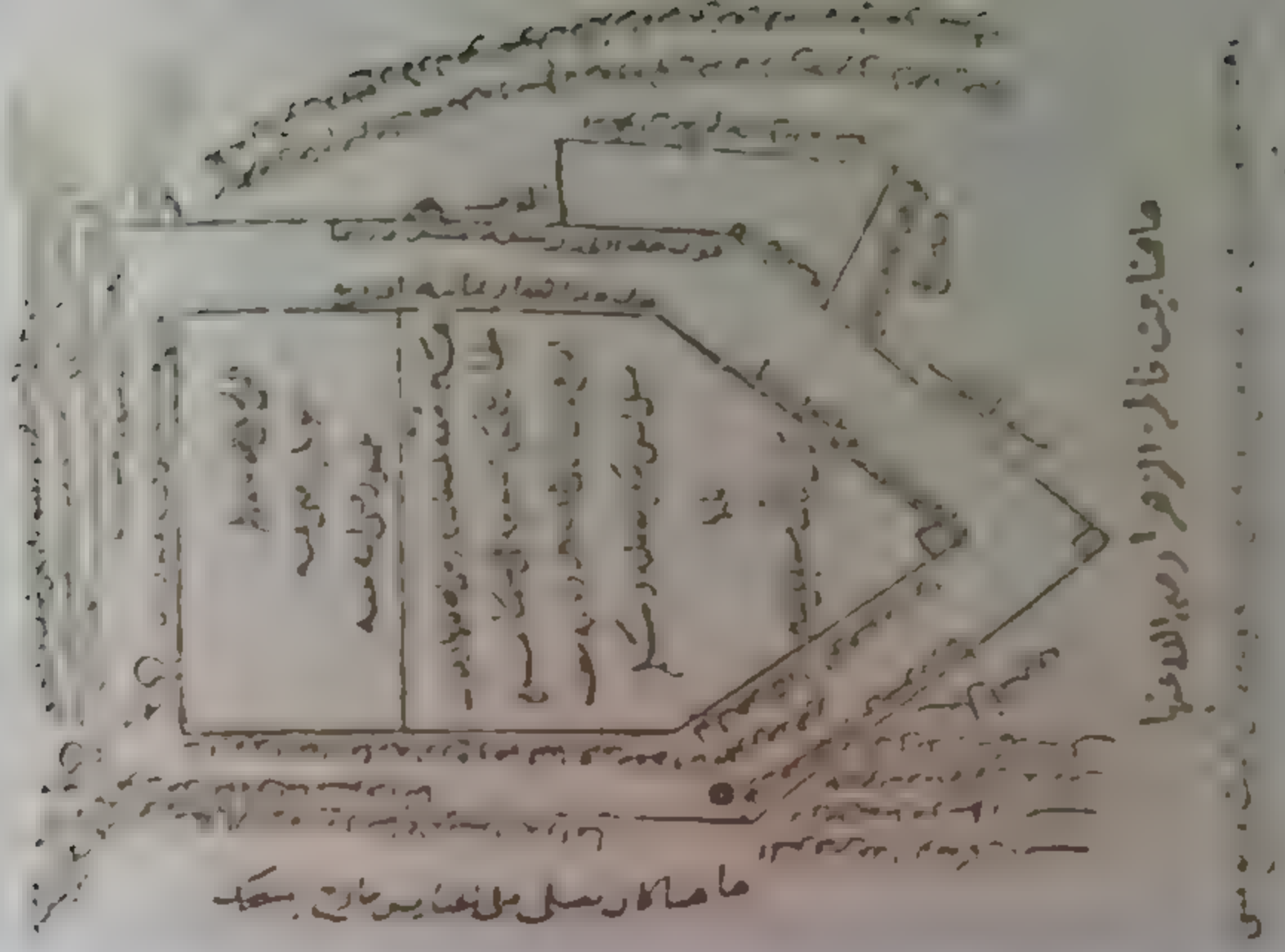

ابن نجار (۵۷۳-۶۴۳ھ)
کا بنایا ہوا قلمی خاکہ جسے
انہوں نے ابن زبالہ کے
دوسری صدی ہجری کے قلمی
نقشے سے اخذ کر کے بنایا تھا
سمہودی (وفاء الوفا، ص ۵۶۳)

پاشا نے ترکی سلطان کے احکام کے تحت نکال باہر کیا تھا یہ اسی واقعہ کے بعد ہوا تھا کہ وہ چھوٹا سا گنبد جو کہ صحن مسجد کے وسط میں موجود تھا (جس کے اندر نوادرات اور تبرکات نبویہ اور مصحف شریف کے چند نہایت ہی قدیم مخطوطے محفوظ تھے) ترکی حکومت نے مسمار کرا دیا اور تمام نوادرات آستانہ (استنبول) لے گئے جہاں توپکاپی میوزیم میں آج تک محفوظ ہیں تا کہ آئندہ کسی بد بخت کو ان پر میلی آنکھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

حجرہ الشریفہ کی تعمیر نو کا اصل سبب بھی بلاواسطہ انہی وہابی حوادث سے منسلک تھا کیونکہ انہوں نے گنبد پر چڑھ کر اس کے بلاوجہ سونے کا سمجھ کر اتارنے کی سعی نا حاصل کی تھی۔ یہ سلطان محمود خان کے دور میں ہوا کہ گنبد شریف کو ۱۲۵۳ ہجری میں سبز رنگ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا۔ گنبد شریف کے مختلف ادوار میں مختلف رنگوں کی وجہ سے اسے ان رنگوں کی نسبت سے شہرت رہی ہے، مثلاً جب اس کا رنگ سفید تھا تو اسے 'قبۃ البیضاء' کہا جاتا تھا، اور جب نیلا رنگ ہو گیا تو اسے 'قبۃ الزرقاء' (شفی) (۱۳۲) کہا جاتا تھا اور پھر ۱۲۵۳ ہجری کے بعد سے اب تک تقریباً ۱۷۰ سال گزر چکے ہیں اور سبز رنگ کی وجہ سے یہ قبۃ الخضریٰ کے نام سے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے۔ (۱۳۳)

امام سمہودیؒ کے علاوہ ایک اور شخصیت جنہوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر کی مزید تفاصیل بیان کی ہیں وہ السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی ہیں جو مایہ ناز تاریخ مسجد نبوی "نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین" کے مصنف اور مشہور برزنجی شیخ اور عالم جعفر برزنجی کے پوتے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں شہرہ آفاق "قصیدہ برزنجیہ" لکھا تھا۔ (۱۳۴) انہوں نے نزہۃ الناظرین میں اپنی نگارشات میں لکھا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ سبز گنبد کے ایک جھروکے سے حجرہ مطہرہ کے اندر جھانکنے کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ حجرہ مطہرہ مربع شکل میں ہے اور اس کے اوپر ایک پردہ دائمی طور پر پڑا تھا جس سے واضح طور پر نظارہ نہ ہو سکا۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا گنبد بھی دیکھا جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر استوار تھا اور اس کے اوپر بھی پردہ ڈالا ہوا تھا (۱۳۵) تاہم ان کے خیال میں پردہ کچھ اس انداز سے پڑا تھا کہ وہ خیمے کی طرح درمیان سے اوپر اٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ دیواروں کے اوپر والے حصے میں لکڑی کی جالی لگی تھی جس سے حجرہ شریفہ پر پردے لٹکائے گئے تھے انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے وہ چاروں ستونوں کے اوپر والے حصے بھی دیکھے جن کے اوپر چھوٹا گنبد بننے سے پہلے حجرہ شریفہ کی چھت ہوا کرتی

تھی اور ان کو ان کی اصلی حالت پر ہی رہنے دیا گیا تھا. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی چھوٹا گنبد ان دیواروں پر استوار ہوا جو کہ پنج گوشہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے اندر واقع حجرہ مطہرہ کی دیواریں ہیں بیرونی گنبد (گنبد خضری) کی اندرونی کیفیت کے متعلق وہ رقمطراز ہیں کہ اندر کی طرف سے یہ نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے. اسے خوبصورت نقاشی اور خطاطی سے سجایا گیا ہے جو کہ ان کے لیے پڑھنا مشکل تھا. وہ صرف اتنا پڑھ پائے تھے کہ ایک طرف اس کے بنانے والے کا نام لکھا تھا جو کہ ''قیتبائی'' (ملک اشرف قیتبائی) تھا

سبز گنبد کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ اسے چار گوشہ بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس میں ۶۷ روشن دان ہیں جن میں سے کچھ تو گول شکل کے ہیں اور باقی کے مستطیل ہیں. جہاں تک اس روزن کا تعلق ہے جس کا المراغی اور دیگر مورخین نے بکثرت ذکر کیا ہے، یہ حجرہ مطہرہ کی چھت کے اس حصے میں روزن کے سامنے تھی جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے ارشادات پر بنایا گیا تھا جب کہ عام الفتق میں شدید قحط کا سامنا تھا. یہ روزن سبز گنبد کی بالائی طرف جنوب میں بدل کے نیچے ہوا کرتا تھا اور جب کبھی بھی خشک سالی یا قحط کا سامنا ہوتا تو اہل مدینہ طیبہ اس روزن کو کھول دیا کرتے تھے اور جونہی دھوپ کی کرنیں حجرہ مطہرہ میں پڑتیں، بادل چھا جاتے اور اہل مدینہ کے لیے باران رحمت کا سبب بن جاتے. صدیوں سے ایسا ہی ہوتا آیا تھا مگر موجودہ حکومت کے بنیاد پرستوں نے اسے بدعت سمجھ کر بند کر دیا ہے، حالانکہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار مبارکہ سے ہی ایسا ہوتا آیا تھا.

مقصورہ شریف کے متعلق عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے: ''موجودہ مقصورہ شریف (باہر کی جالیوں سے لیکر اندرونی گنبد تک) سلطان اشرف قیتبائی کے شاہکاروں میں سے ایک ہے. اندر ایک چھوٹا سا گنبد ہے جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا ہے اور اوپر سفید سنگ مرمر جڑا ہوا ہے اور یہ حجرہ نبویہ کے اوپر استوار کیا گیا ہے جس میں تینوں قبور مقدسہ ہیں. ہمارے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے خلفاء شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مبارکہ ہیں. یہ اندرونی تعمیر چار صدیاں پرانی ہے. تاہم باہر کا گنبد، گنبد خضریٰ، سلطان محمود ثانی کا بنایا ہوا ہے ...'' (۱۳۶) اندرونی چھوٹا گنبد 'قبۃ نور' (گنبد نور) کہلاتا ہے جب کہ باہر والا بڑا گنبد 'قبۃ الخضریٰ' (سبز گنبد) کہلاتا ہے. سلاطین عثمانیہ کے بھیجے ہوئے پردے (کسوۃ الشریفہ) قبۃ نور پر ڈالے جاتے تھے. سلطان عبدالمجید کی کروائی ہوئی مرمت اور تعمیر نو کے بعد قبلہ کی دیوار سے جالی مبارکہ تک ساڑھے سات میٹر فاصلہ ہے، جب کہ شرقی اور غربی جالی کے درمیان چھ میٹر کا فاصلہ ہے. حجرہ مطہر کا کل رقبہ شرقاً غرباً ۱۱ میٹر چوڑائی اور شمالاً جنوباً اس کی لمبائی ۱۹ میٹر ہے. یہ پیمائش اس ناپ پر مبنی ہے جس کے مطابق مدینہ طیبہ کا ایک ذرع (ہاتھ) سرکاری طور پر ۴۲ سنٹی میٹر کے مطابق گردانا جاتا تھا اگرچہ فقہ کی کتابوں میں شرعی ذرع کی لمبائی ۴۸ سنٹی میٹر کے برابر بتائی گئی ہے.

ایوب صبری پاشا، مشہور ترکی مورخ مدینہ طیبہ اور عثمانیوں کے آخری شیخ الاسلام نے ۱۲۹۶ میں یوں لکھا تھا: ''سلطان محمود خان دوم کے زمانے میں گنبد خضریٰ میں کچھ دراڑیں ظاہر ہوئیں جن کا بظاہر سبب دیواروں اور اوپر کی پٹی کی کم چوڑائی اور ضعف سمجھا گیا تھا. لہذا سلطان محمود نے حکم دیا کہ گنبد مبارک کو اس کی بنیادوں تک گرا دیا جائے اور اسے دوبارہ بہت ہی مضبوط اور چوڑے ستونوں پر از سر نو استوار کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یوں موجودہ گنبد ۱۲۳۳ ہجری میں بنایا گیا. (۱۳۷) اسی سال مزید مرمت کا کام بھی کیا گیا اور پھر ۱۲۵۵ ہجری میں اسے سبز رنگ کر دیا گیا. (۱۳۸) ایوب صبری پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۱۹۱ ہجری میں سلطان عبدالحمید کی لکھی ہوئی نعت شریف کے نو اشعار حجرہ

غربی جانب دو شعار سنہرے حروف سے لکھے نظر آرہے ہیں

مطہرہ کے باہر نہائت ہی خوبصورت خطاطی سے لکھے گئے تھے، جن کا ذکر ابراہیم رفعت پاشا نے بھی کیا ہے اور ان میں سے ۱۱ شعر اپنی کتاب مراۃ الحرمین میں نقل کئے ہیں:

انی توسلت بالمختار اشرف من　　رقی السموات سر الواحد الاحد
رب الجمال تعالی اللہ خالقہ　　فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجد (۱۳۹)

میں نے احمد مختار ﷺ کے وسیلے کا سہارا لیا ہے جن کی ذات مبارکہ کو شب اسریٰ آسمانوں پر جانے کا شرف حاصل ہے اور وہ رب واحد الاحد کے راز ہیں

خالق حسن رب ذوالجلال نے انہیں احسن تقویم میں بنایا　　ایسا کہ ہم نے پوری مخلوق میں ان کا ثانی نہیں پایا

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پندرہ اشعار پر مشتمل یہ پورا قصیدہ، کاشانہ اقدس پر نہائت ہی خوشخطی سے سبز جالی کے اوپر والی جگہ پر لکھا گیا تھا، مگر سعودی حکومت کے آنے پر اس کے بہت سے اشعار کو ان پر سیمنٹ لگا کر حذف کر دیا گیا؛ خاص طور پر ایسے اشعار جن میں متصور کونین شفیع المذنبین اور رحمت اللعلمین ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی گئی ہے ان پر سیمنٹ لگا کر اور سبز رنگ چڑھا کر حذف کر دیا گیا مگر ایسے اشعار جو کہ سعودی مکتبہ فکر سے زیادہ متصادم نہیں ہیں اور ان کے علماء کی طبع نازک پر گراں نہیں گزرتے تھے وہ آج بھی کنداں ہیں اور ان پر سنہری رنگ کر کے اجاگر کر دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہے. مواجہ شریفہ کی جالی کے اوپر کی جانب تینوں اشعار جو کہ اس نعت کی جان تھے مٹا کر ان پر لکڑی کی الواح لگا دی گئی ہیں جن پر قرآنی آیات لکھی گئی ہیں. دیگر تین اطراف میں چند مزید اشعار کو حذف کر دیا گیا ہے. اس طرح دست برد سے بچ جانے والے اشعار کی تعداد نو ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

غربی جانب بچ جانے والے اشعار:

یا من یقوم مقام الحمد منفرداً　　للواحد الفرد لم یولد ولم یلد
یا من تفجرت الانہار نابعۃ　　من اصبعہ فروی الجیش ذی العدد

شمالی جانب کنداں اشعار جو کہ ابھی تک محفوظ ہیں وہ یہ ہیں:

رب الجمال تعالی اللہ خالقہ　　فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجد
خیر الخلائق المرسلین درّاً　　ذخر الانام وہادیہم الی الرشد

اس کے علاوہ شرقی جانب قدمین الشریفین کی دیوار پر جالیوں کے اوپر پانچ اشعار رہنے دیئے گئے ہیں، البتہ ایک شعر کے دوسرے مصرع کے کچھ حصہ کو بھونڈے طریقے سے حذف کر دیا گیا ہے. قارئین کرام کی سہولت کے لیے ہم مکمل نعت شریف درج ذیل کر رہے ہیں

شمالی جانب کندہ
اشعار جو کہ ابھی تک
محفوظ ہیں

سلطان عبدالحمید خان اول کی نعت
جو کہ حجرہ مطہرہ کے باہر جالیوں سے اوپر والے حصے میں سنہری حروف میں لکھی گئی تھی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

یا سیّدي یا رسول اللہ خُذ بیدی
اے میرے آقا اے اللہ کے رسول میرا ہاتھ تھام لیجئے

فانتَ نورالہدیٰ فی کل کائناۃ
آپ ہی ساری کائنات میں نور ہدایت ہیں

وانتَ حقاًغیاث الخلق اجمعہم
اور آپ بے شک ساری مخلوق کی مدد کرنے والے ہیں

☆ یا مَن یقومُ مقامَ الحمدِ منفرداً
اے وہ ذات جن کے لیے سب سے منفرد مقام محمود مقرر ہوا

☆ یا من تفجّرت الانہارُ نابعۃً
اے وہ ذات کہ جن کی انگلیوں سے دریاؤں کے سے

انی اذا ساءنی ضَیمٌ یَروعُنی
جب بھی میرا ظلم سے سامنا ہوا اور میں خوف زدہ ہوا

کن لی شفیعاً الی الرحمٰن من زللی
آپ سبب رحمٰن کی بارگاہ میں میری خطاؤں پر میری شفاعت فرمائیں

وانظر بعین الرّضاء لی دائماً ابداً
اور آپ ہمیشہ مجھ پر نگاہ التفات رکھیں

واعطف علیَّ بعفواً منکَ یشملنی
اور آپ مجھ پر ایسی نظر کرم فرمائیں کہ میری کوتاہیوں کو ڈھانپ لے

مالی سواکَ ولا الوی علیٰ احد
نہ آپ کے سوا میرا کوئی ہیں اور نہ ہی میں آپ کے علاوہ کسی کی طرف مائل ہوتا ہوں

و انتَ سرّ النداٰ یا خیرَ مُعتَمدِ
اور آپ ہی ساری التجاؤں کا راز ہیں اور آپ ہی کی ذات سب سے زیادہ معتمد ہے

و انتَ ھادي الوریٰ للّٰہ ذی المددِ
اور آپ سب سے بہتر رہنما اور اللہ کی جانب سے سب کے ہادی ہیں

للواحد الفردِ لم یولد و لم یلدِ
اس یکتا ذات کے ہاں کہ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد

من اصبعہ فرّق الجیش ذی العددِ
چشمے پھوٹ پڑے جن سے لشکر کے لشکر سیر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے تھے

اقولُ یا سید السادات یا سندی
تو میں یا سید السادات اور یا سندی پکارتا ہوں

وامنُن علیَّ بما لا کانَ فی خلدی
اور مجھ پر وہ احسان فرمائیں جو کہ میرے تصور سے بھی بالا ہو

واستُر بفضلکَ تقصیري مدیٰ الامد
اور اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیں

فانني عنکَ یا مولای لم أحد
بے شک اے میرے آقا آپ کے سوا میرا کوئی نہیں

انی توسلتُ بالمختار اَشرف مَن ... رقیٰ السماوات سرّ الواحد الاَحدِ

بے شک میں نے ایسی مختار ہستی کا وسیلہ پکڑا ہے ... جو آسمانوں سے بھی بالاتر تشریف لے گئے اور اللہ واحد لاشریک کے راز ہیں

☆ رب الجمال تعالیٰ اللّٰہ خالقہٗ ... فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجدِ

حسن کے رب نے آپ کی تخلیق کی ... اور پوری کائنات میں آپ جیسا کوئی اور نہیں ہے

☆ خیر الخلائق المرسلین ذری ... نُذخرَ الانام و ھادیہم الی الرُشدِ

آپ ساری مخلوق سے بہتر اور تمام رسولوں سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں ... آپ پوری مخلوق کے ملجاء و ماویٰ اور صراط مستقیم کی طرف ان کے راہنما ہیں

بہ اَلتجئتُ لعل اللّٰہُ یغفرُلی ... ھذا الذی ھو فی ذھنی و مُعتَقدی

انہی کے وسیلے سے میں نے التجاء کی ہے اور امید ہے کہ اللہ مجھے بخش دے گا ... یہی میرا عقیدہ اور ایمان ہے

☆ فمدحُہٗ لم یزل دابی مدیٰ عُمری ... و حُبّہٗ عند ربّ العرش مُستَنَدِ

جب تک میری عمر ہے ہمیشہ ان کی تعریف ہی مرا طرز عمل ہے اور ان کی محبت ہی رب العرش کے ہاں قابل اعتماد سرمایہ ہے

☆ علیہ اذکیٰ صلاۃٍ لم تزل ابداً ... مع السّلام بلا حصر و لا عددِ

ان پر ہمیشہ ہمیشہ بہترین درود ہو ... جس کے ساتھ بے حد و شمار صلوٰۃ و سلام ہو

☆ و علیٰ الآل والصّحب اھل المجدِ قاطبۃً ... بحر السّماح و اھل الجودِ والمددِ

اور تمام آل اور اصحاب کرام پر جو بڑی فضیلت والے ہیں ... اور جو سخاوت اور عفو اور مدد کا سمندر ہیں

(وہ اشعار جن کے سامنے ستاروں کے نشانات ہیں ابھی تک اپنی جگہ موجود ہیں)

اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ جو کہ سید الشیخ عبداللہ بن علوی الحداد العلوی الحسینی الحضرمی (ت: ۱۱۳۲ ہجری) نے لکھا تھا. وہ حجرہ مطہرہ کے اندر نفیس خطاطی سے لکھا گیا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں:

وقفنا علی اعتاب فضلک یا سیدي ... لتقبیل ترب حبّذا لک من ترب

اے ہمارے آقا ہم آپ کے فضل و کرم کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں ... تاکہ چوکھٹ کی زمین کو بوسہ دیں. کتنی عمدہ ہے یہ خاک!

و قمنا تجاہ الوجہ مبارک ... علینا بہ نسقی الغمام لدی الجدب

ہم چہرہ اقدس کے سامنے کھڑے ہیں ایسا مبارک چہرہ ... جس کے توسل سے قحط کی حالت میں بھی ہم پر بادلوں سے بارش نازل ہو جاتی ہے

محمد طاہر الکردی (جو کہ مکۃ المکرمہ کے عصر حاضر کے مشہور وقائع نگار ہوئے ہیں) نے بھی اپنی کتاب تاریخ القویم میں چند تفاصیل مہیا کی ہیں. وہ رقمطراز ہیں:

"مقصورہ شریف کا رقبہ شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر ہے جبکہ شرقاً غرباً یہ ۱۵ میٹر چوڑا ہے. اس کے چاروں کونوں میں بہت ہی مضبوط چار ستون ہیں جو سنگ خارا سے بنائے گئے ہیں اور چھت تک بلند ہیں جس کے اوپر گنبد شریف استوار کیا گیا ہے. جہاں تک حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے رقبے کا تعلق ہے یہ شمالاً جنوباً ساڑھے چودہ میٹر لمبا ہے اور شرقاً غرباً چودہ میٹر چوڑا ہے. یہ حجرہ رئیسیہ سے دو دروازوں کے ذریعے متصل ہے. ایک شرقی جانب ہے اور دوسرا غربی جانب ہے اور دونوں کے درمیان کچھ اونچی جگہ ہے جو کہ بعض مورخین کے مطابق سیدۃ فاطمہ ؓ کی قبر اطہر ہے....." (۱۴۰)

رقبے کی یہ تفاصیل بتولی کی بیان کی گئی تفاصیل سے بہت حد تک مطابقت رکھتی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

قصیدہ کے باقی اشعار

۱۶ میٹر

شمالاً جنوباً

۱۵ میٹر

شرقاً غرباً

حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے متعلق بتنولی لکھتا ہے کہ جنوب کی طرف یہ ۱۴.۵ میٹر لمبا ہے جب کہ شمال کی طرف اس کی لمبائی ۱۴ میٹر ہے، اور شرقاً غرباً اس کی چوڑائی تقریباً سات میٹر ہے اور یہ حجرہ مطہرہ سے دو دروازوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے جو کہ اس کے اندر واقع ہیں۔(۱۴۱)

باہر کی سبز جالیوں اور اندر کے حجرہ شریف جس میں قبور مطہرہ ہیں کے درمیان خالی جگہ ہے جو کہ تین اطراف سے تقریباً تین تین میٹر ہے (جنوب میں قبلہ کی طرف اور مشرق میں قدمین شریفین کی طرف اور مغربی جانب)۔ جنوب مغربی کونے میں اس کھلی جگہ پر ایک بہت ہی ضخیم مصحف شریف رکھا ہوا ہے جو کہ حجاج بن یوسف نے مدینہ طیبہ میں رکھوایا تھا۔ مگر بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ان چھ مصحفوں میں سے ایک ہے جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے تیار کروائے تھے۔ اس کھلی جگہ کے اوپر والی چھت سے جھومر اور سونے اور چاندی کے فانوس لٹکتے ہیں، جن میں سے ۳۱ ہیرے جواہرات سے مرصع ہیں اور چاندی کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ حجرہ شریفہ میں ایسے فانوسوں کی کل تعداد ۱۰۶ ہے۔ سید الکونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے سرہانے مبارکہ کی طرف ایک نادر ہیرا ہے جس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہے جسے سونے کی لوح میں جڑا گیا ہے۔ اس ہیرے کو عرف عام میں 'کوکب دری' کہا جاتا ہے۔(۱۴۲) جس زریں لوح میں اسے جڑا گیا ہے اس میں مزید ۲۲۷ ہیرے بھی جڑے ہیں جو کہ مختلف حجموں میں ہیں۔ اسے حجرہ مبارکہ پر سلطان احمد خان اول ابن سلطان محمد خان نے گیارھویں صدی کی ابتداء میں پیش کیا تھا۔(۱۴۳) یہ تمام معلومات محمد طاہر الکردی کی مہیا کردہ ہیں جن کے بیان کے مطابق، مندرجہ بالا قیمتی اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سے بیش قیمت ہار، سیم وزر اور جواہرات کے تحائف ہیں جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر پڑے ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے مصحف بھی رکھے ہیں۔ چند عینی شاہدوں کے بیانات کے مطابق جنہیں ایک یا دو مرتبہ حجرہ مطہرہ کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر ایک چرخہ، ایک آٹا پیسنے کی چکی اور ایک مشکیزہ بھی محفوظ ہیں جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ہیں۔

حجرہ مطہرہ کے گرد پہلی بار جالی شاہ ظاہر رکن الدین بیبارس نے ۶۶۸ ہجری میں لگوائی تھی جو کہ ۸۸۶ ہجری (۵ نومبر ۱۴۸۱ء) کے آتشیں حادثے میں جل کر خاکستر ہوگئی اور سلطان اشرف قیتبائی نے تانبے کی بنی جالیاں ارسال کیں جو کہ ۸۸۶ ہجری میں نصب ہوئیں گنبد پر پیتل کا ہلال سب سے پہلے عثمانیوں نے ۱۳ شوال بروز منگل ۹۴۶ ہجری کو لگوایا (۱۴۴) آہنی دروازے: باب التوبہ (جنوب میں مواجہ شریف کی طرف)، باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ (جو کہ مشرق میں ہے)، باب الوفود (جو کہ مغربی جانب ہے اور ریاض الجنۃ میں کھلتا ہے)، بھی ۶۶۸ ہجری میں شاہ ظاہر بیبارس نے لگوائے تھے، وہ بھی لکڑی کے تھے اور ۸۸۶ ہجری کے حادثے میں تباہ ہوگئے تھے۔ ایک اور دروازہ جسے باب التہجد یا باب الشامی کہا جاتا ہے، زین الدین کتبغا کے احکام پر ۷۲۹ ہجری میں نصب ہوا تھا۔ یہ تمام دروازے چونکہ جل گئے تھے اس لیے سلطان اشرف قیتبائی نے جب تانبے کی جالی بنوا کر بھیجی تو یہ تمام دروازے بھی دھات کے بنوا دیئے تھے۔ حجرہ مطہرہ کے اندر کھڑکیاں تھی جو کہ سونے کی بنی ہوئی تھیں ترکی سلطان

محمد نے پیش کی تھیں مگر بد قسمتی سے سعود انہیں اکھاڑ کر اپنے ساتھ درعیہ لے گیا تھا (۱۴۵)۔

وقت مقصورہ شریفہ میں چھ دروازے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) چاندی سے بنا باب التوبہ جو کہ مواجہ شریف کے پاس ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔

(۲) باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ جو کہ مشرق میں ہے اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خدام مقصورہ شریفہ اسی دروازے سے اندر جاتے ہیں اور دوسرے ممالک سے آنے والے خوش قسمت وی آئی پی بھی اسی دروازے سے اندر لے جائے جاتے ہیں۔

(۳) باب الوفود جو کہ مغربی جانب ہے۔ یہ دروازہ اسطوانۃ السریر اور اسطوانۃ الحرس کے درمیان ہے اور آج کل بند ہے۔

(۴) باب الشامی شمالی جانب ہے۔ یہ دروازہ باب الوفود سے ذرا چھوٹا ہے اور آج کل اس کے سامنے الماریاں رکھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ ان الماریوں میں قرآن الکریم کے نسخے رکھے رہتے ہیں۔

(۵) پانچواں اور چھٹا دروازہ: یہ دونوں دروازے کاشانہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں داخل ہونے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازہ شرقی جانب اور دوسرا غربی جانب کھلتا ہے جن سے حجرہ مطہرہ میں رسائی ممکن ہوتی ہے۔

عہد عثمانی کے پہلے سلطان کا بھیجا ہوا پردہ جو قبور مطہرہ کے اردگرد ایک عرصہ تک لٹکا رہا

مقصورہ الشریفہ میں آویزاں پردے

ابن نجار کے بیان کے مطابق حجرہ مطہرہ میں پردے ڈلوانے کا شرف سب سے پہلے ابن ابی الہیجاء کو ہو جو کہ مصر کے ایک وزیر تھے۔ انہوں نے عباسی خلیفہ المستضی بامر اللہ سے اجازت لے کر اسے چھٹی صدی ہجری میں حجرہ مطہرہ میں آویزاں کیا تھا۔ یہ پردہ سفید مخمس کا بنا تھا جس پر سرخ رنگ میں قرآن کریم کی سورۃ یسین کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ یہ پردہ دو سال تک رہا اور پھر خلیفہ مستضی بامر اللہ نے ایک نیا پردہ ارسال کر دیا اور پرانا پردہ نجف اشرف میں شیر خدا علی المرتضیٰؓ کے مزار پر لٹکا دیا گیا۔ (۱۴۶) خلیفہ کا نیا بھیجا ہوا پردہ سرخ مخمل کا تھا جس پر سفید رنگ سے کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس پر چاروں خلفائے راشدین کے نام گرامی لکھے گئے تھے۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ نے سیاہ ریشمی پردہ ارسال کیا۔ ابن نجار کے بیان کے مطابق ان کے دور میں تین پردے ہوا کرتے تھے جو حجرہ مطہرہ میں ایک دوسرے کے اوپر آویزاں تھے۔ تاہم سمہودی نے ابن نجار کے بیان سے اتفاق نہیں کیا کہ سب سے پہلے پردے کس نے ڈلوائے تھے۔ وہ ابن رزین العبدری الاندلسی کے بیان پر اعتماد کرتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پردے ملکہ خیزران (ہارون الرشید کی والدہ) نے ڈلوائے تھے۔ اس کے بعد ایک طرح کی رسم ہی چل نکلی کہ پردے ہمیشہ بغداد سے بن کر آتے تھے، مگر بعد میں کسوہ شریفہ مصر سے بن کر آنے لگے جو کہ ہر چھ سال کے بعد بھیجے جاتے تھے۔ ہمارے نزدیک سمہودیؒ کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے۔ عثمانی دور کے آواخر میں یہ پردے آستانہ (استنبول) سے سل کر بھی آنے لگے تھے۔ سلطان عبدالمجیدؒ نے ایک پردہ ۱۲۷۹ ہجری کو روانہ کیا تھا۔ (۱۴۷) ان کے بعد ایک اور پردہ سلطان عبدالعزیز خان نے ۱۲۸۸ ہجری میں بھیجا تھا۔

ایک قدیم پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ پر آویزاں کیا گیا تھا اور اب توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہے

موجودہ پردہ گہرے سبز رنگ کی مخمل سے بنا ہے اور کشیدہ کاری سے بالائی حصے پر خوبصورت خطاطی کی گئی ہے. اگر ہم شرقی جانب سے روزن جالی سے اندر جھانک کر دیکھیں تو پردے کا ایک حصہ جو کہ قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے پڑتا ہے وہ سرخ رنگ میں ہے. جنرل ابراہیم رفعت پاشا جنہوں نے ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۴ء اور پھر ۱۹۰۸ء میں مصری کاروان حجاج کے امیر الحج کے طور پر مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی، اس بات کو بالصراحت بیان کرتے ہیں کہ حجرہ مطہرہ میں تمام دروازوں اور محرابوں پر پردے ہوا کرتے تھے. منبر رسول اللہ ﷺ پر بھی پردہ ڈلا ہوا کرتا تھا. ان کے بیان کے مطابق جالی مبارکہ پر کل اٹھارہ پردے ہوا کرتے تھے جب کہ قبر اطہر پر گیارہ پردے تھے جو کہ سبز مخمل کے تھے. (۱۴۸) منبر رسول ﷺ پر سب سے پہلے پردہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور میں ڈالا گیا تھا.

اس معاملے میں محمد طاہر الکردی لکھتے ہیں: اس کے اوپر سبز پردے ڈالے ہوئے ہیں جن پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا گیا ہے. بالائی حصے پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے: (۱۴۹)

﴿وما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شی علیما﴾.

خوبصورت دائروں کے اندر نہایت ہی خوبصورت کشیدہ کاری سے رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں. زمین سے اڑھائی میٹر کی بلندی پر پردے پر سنہری پٹی لگی ہے جو سرخ مخمل پر ہے اور ۳۰ سنٹی میٹر چوڑی ہے اور اس کے اوپر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے. یہ پردہ خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان نے تیار کروایا تھا جو کہ ترکیہ کے جمہوریہ بن جانے کے بعد ارسال ہوا تھا. (۱۵۰) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پردہ جو ابھی بھی حجرہ مطہرہ پر آویزاں ہے وہ آخری ترکی سلطان کا ارسال کردہ ہے، مگر یہ خیال غلط ہے. سعودی دور میں شاہ سعود نے بھی ایک پردہ ڈلوایا تھا اور پھر بعد میں شاہ فیصل نے ایک نیا پردہ بنوا کر آویزاں کروایا تھا. (مدینہ طیبہ میں ابھی بھی وہ حضرات موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آخری پردہ شاہ فیصل کے دور کا ہے کیونکہ انہیں ان پردوں کے بنانے اور آویزاں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی.)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام کیسے پیش کیا جائے؟

﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے.﴾ (۱۵۱)

﴿اور جب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام، تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے.﴾ (۱۵۲)

[جو حج ادا کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے.] (۱۵۳)

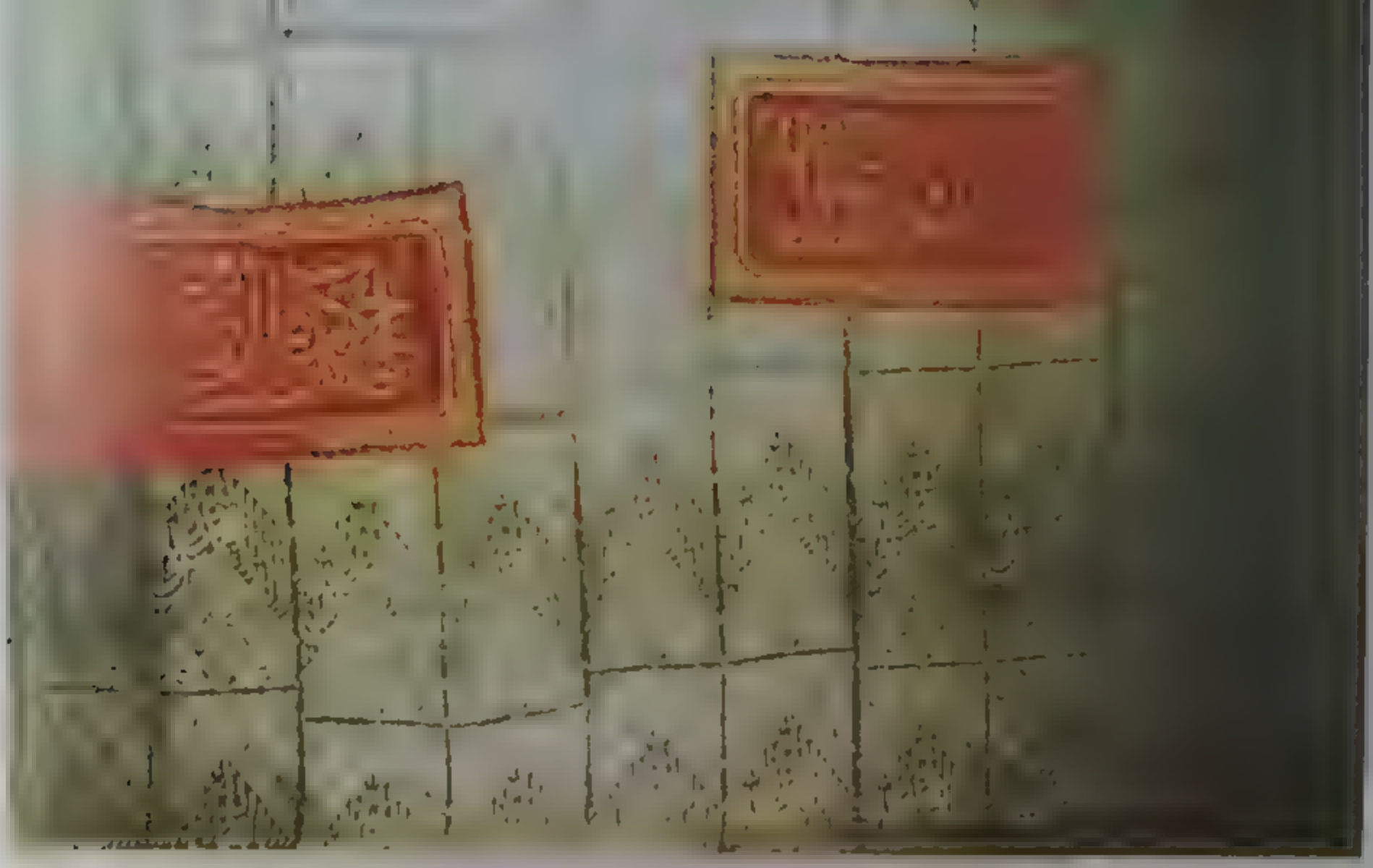

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جو کوئی حج کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے.] (۱۵۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے: [جس نے میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا.] محمد ابن حبان نے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن شیبان سے سنا [میں نے چند سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا. جب میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا تو میں نے حجرہ شریفہ کے اندر سے اپنے سلام کا جواب یوں سنا 'وعلیک السلام'. (۱۵۵)

حضرت جعفر الصادقؒ کا قول ہے کہ جب بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سید العرب والعجم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضر ہوتے تو وہ روضہ مبارکہ کے قریبی ستون کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اپنا سلام پیش کرتے تھے پھر وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے کہتے: یہاں اس جگہ پر رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک ہے (۱۵۶) سیدنا ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے. ''رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو، نہ ہی آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اور نہ ہی بعد میں.'' ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ اپنے قریب ہی واقع ایک حجرہ شریفہ میں کیل ٹھونکنے کا شور سنا تو آپ نے فوراً ہی پیغام بھجوا دیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے.'' (۱۵۷) اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے حجرے کے دروازے کا ایک کواڑ مرمت کرنا پڑا. آپ اس بات کا حد درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس کے آس پاس کسی قسم کا شور نہ ہو اور اس لیے اپنے دروازے کا کواڑ اٹھا کر بقیع الغرقد کے پاس منصع کے ملاقے میں لے گئے تاکہ اس کی مرمت کر سکیں اور حجرہ مطہرہ کے پاس اس کام کی وجہ سے شور نہ ہو.

یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن دینارؒ نے فرمایا [میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کہتے اور پھر ابوبکرؓ اور عمر ابن الخطابؓ پر سلام بھیجتے.] (۱۵۸) حضرت نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی: [جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر پر حاضری دیتے اور کہتے. [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے ابوبکرؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو. (۱۵۹)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تین دن بعد قبر اطہر پر حاضر ہوا، اس نے قبر اطہر سے کچھ مٹی اور ریت اٹھائی اور اپنے منہ اور سر پر مل کر یوں گویا ہوا [یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کا ارشاد سنا ہے جو کہ آپ پر اللہ رب ذوالجلال کی

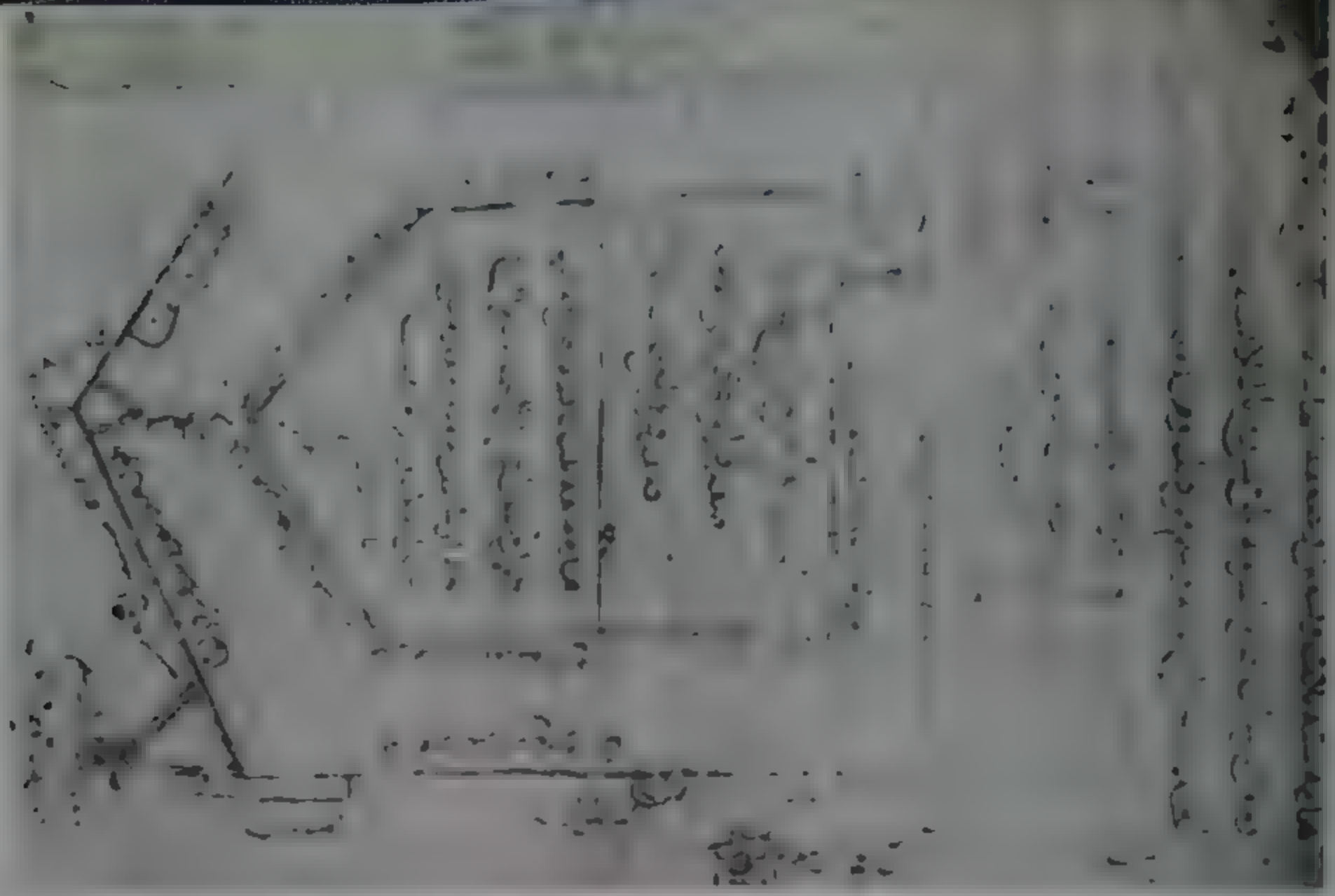

جمال المطریؒ کے قلمی نسخے سے ماخوذ حجرہ مطہرہ اور قبور مقدسہ کے قلمی خاکے کا عکس ۷۶۷ ہجری

طرف سے وحی ہوا تھا ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾'' (۱۶۰) میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (یعنی مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔) لہٰذا میں آپ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں۔ قبر اطہر سے آواز آئی: [اس نے تمہیں معاف فرما دیا ہے!] (۱۶۱) ایک ایسا ہی واقعہ تیسری صدی کی ایک مسلم شخصیت سے مروی ہے۔ حضرت محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبیؒ (۱۶۲) نے بیان کیا کہ جب وہ حجرہ مطہرہ شریف کے پاس بیٹھے تھے تو ایک بدو حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: [یا سید المرسلین بیشک اللہ کریم نے آپ پر اپنی کتاب برحق نازل فرمائی جس میں یہ مذکور ہے: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔﴾ (۱۶۳) پھر اس کے بعد اس نے عرض کیا: [میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کریں تاکہ مجھے معاف کر دیا جائے۔] اس نے مندرجہ ذیل رباعی با آواز بلند پڑھی: (۱۶۴)

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه	فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفدا لقبر انت ساکنه	فیه العفاف و فیه الجود والکرم
اے وہ سب سے بہترین ذات جن کا جسم اطہر اس خاک میں مدفون ہے	آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے سب کوہ و دمن مہک اٹھے ہیں
میں قربان جاؤں اس قبر اطہر پر جس میں آپ استراحت فرما رہے ہیں	جس میں سراسر عفت اور سخاوت جود اور کرم ہے

(یہ رباعی آج بھی مواجہہ شریف کے دائیں اور بائیں جانب والے ستونوں پر نہایت ہی مسحور کن انداز میں کنداں ہے)

اپنا معروضہ پیش کر کے وہ بدو چلا گیا۔ عتبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان پر کچھ دیر کے لیے غنودگی طاری ہو گئی اور انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہوئی۔ آپ نے انہیں فرمایا: [جاؤ اس بدو کے پیچھے اور اس کو خوشخبری دے دو کہ اللہ رب العزت نے میری شفاعت پر اسے معاف فرما دیا ہے۔] (۱۶۵) ابن عبد ربہ (متوفی: ۳۲۸ ہجری) نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: [آپ نے جو فرمایا ہم نے اس پر آمنا و صدقنا کہا، آپ نے جو بھی حکم دیا ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی ہمیں پہنچایا: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی

جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ ﴿ہم سے اپنے آپ پر ظلم سرزد ہو گیا ہے اور اب ہم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں، ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے۔﴾ (احمد بن محمد ابن عبد ربہ، العقد الفرید، صفحات: ۱۷۰۔۱۷۱)۔ اسی طرح ایک مسلم خاتون ایک مرتبہ ام المومنین سیدۃ عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اذن حاضری مانگا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو سکیں۔ چنانچہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ جونہی وہ خاتون اندر حاضر ہوئیں تو ان کے آنسو بہہ نکلے اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کی موقع پر ہی روح پرواز کر گئی۔ (۱۶۶)

صاحب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے: ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: اے اللہ جل جلالہ آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ آپ کے حبیب ہیں اور میں آپ کا بندہ (عبید) ہوں۔ اپنے حبیب کی قبر پر مجھے نار جہنم سے آزادی عطا کر دو۔ ہاتف غیبی نے آواز دی: ارے تو نے صرف اپنے لیے ہی آزادی مانگی ہے؟ تمام مخلوق کے لیے آزادی کیوں نہیں مانگی؟ جا ہم نے تمہیں جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا۔ (ص: ۵۸۳)

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے جب مدینہ طیبہ حاضری دی تو امام مالکؒ نے انہیں نصیحت کی کہ جب تک کہ وہ مسجد نبوی شریف میں رہیں وہ اپنی آواز اونچی نہ کریں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ پھر جب المنصور نے پوچھا: ''اے ابا عبداللہ، کیا دعا کرتے وقت میں قبلہ رخ ہو جاؤں یا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی اپنا منہ رکھوں اور دعا مانگوں؟ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: ''اپنا منہ رسول اللہ ﷺ سے مت موڑیں، کیونکہ وہی تو اللہ کے حضور آپ کے شفیع اور سفارش کار ہیں، اور وہی تو آپ کے جد امجد (سیدنا آدم علیہ السلام) کے روز محشر شفیع ہوں گے۔'' (۱۶۷) اس سلسلے میں امام مالکؒ نے سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے استناد کیا تھا جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو اپنی خطاء کا احساس ہوا تو حضور رب ذوالجلال میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے حضرت محمد ﷺ کے واسطے بخش دے۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا کیونکہ ابھی تک تو میں نے ان کی تخلیق نہیں کی؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اس وقت میں نے عرش اعظم کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ! تو میں جان گیا کہ تیری ذات معلیٰ کے لیے تو اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے کسی اور کا نام لکھنا بعید از قیاس ہے سوائے اس کے کہ وہ تجھے تمام مخلوقات سے پیارے ہوں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا! بیشک وہ مجھے تمام مخلوق سے پیارے ہیں۔ جب تو نے ان کے واسطے سے مجھ سے مغفرت چاہی تو میں نے تمہیں معاف فرما دیا۔ اور اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہرگز پیدا نہیں کرتا!] (۱۶۷)

حضرت یزید بن مہریؒ سے روایت ہے: [جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اجازت طلب کر کے آ رہا تھا تو انہوں نے مجھے فرمایا ''کیا مجھ پر ایک مہربانی کرو گے؟'' میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں بھلا کس قابل ہوں کہ آپ پر مہربانی کر سکوں!'' تب انہوں نے فرمایا: [میری تم سے درخواست ہے کہ جب بھی آپ مدینہ طیبہ جائیں اور آپ کو سعادت نصیب ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دیں تو میرا اسلام ضرور عرض کر دینا۔] (۱۶۸) حاتم بن وردانؒ نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ شام سے خاص قاصد بھیجا کرتے تھے جو کہ ان کا سلام مدینہ طیبہ بحضور سرور کونین ﷺ لایا کرتے تھے۔ (۱۶۹) قاضی عیاضؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے آقا و مولا حضور سید البشر ﷺ کی قبر اطہر پر آئے اور اپنے ہاتھ کھڑے کر لیے اور پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے گئے (۱۷۰)

قبر اطہر کے سامنے والی دیوار پر آویزاں پردہ

ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی شریف میں آئے ور سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہوکر بہت دیر تک روتے رہے پھر آپ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ'' اس کے بعد پھر زاروقطار رونے لگ گئے. پھر کہا: ''علیکم السلام یا اخویا ورحمت اللہ'' انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کو سلام کہا اور پھر باہر نکل آئے. جب سیدنا عمر بن الخطابؓ فتح یروشلم سے حضرت کعب الاحبارؒ کی معیت میں واپس مدینہ طیبہ آئے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کیا. یہ کہنا خارج از محل نہیں کہ دور خلافت راشدہ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے دور میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی اجازت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کے اندر قبر اطہر کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے.

حضرت عبداللہ بن دینارؒ سے روایت ہے: [میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور پھر ابوبکرؓ اور عمر ابن الخطابؓ پر سلام بھیجتے.] (۱۷۱) حضرت نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی: [جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر حضرت عمر فاروق ؓ کی قبور پر حاضری دیتے اور کہتے. [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے ابوبکر ؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو.] حضرت نافعؒ سے ایک اور روایت ہے کہ: 'میں نے عبداللہ ابن عمرؓ کو سو سے زیادہ بار دیکھا ہے کہ وہ (حجرہ مطہرہ میں حاضر ہوکر) کہتے [السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، اور السلام علیک یا ابی.] (۱۷۲) حضرت نافع ؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق ایک اور روایت بھی کی ہے: [جب کبھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے لوٹتے تو مسجد شریف میں دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر حجرہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوکر قبر اطہر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھتے کہ ان کی پشت قبلہ کی طرف ہوتی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرتے اس کے بعد سیدنا ابی بکر اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجتے. (منقول از امام اسماعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی المالکی (۱۹۹-۲۸۲ ہجری) ''افضل الصلاۃ علی النبی ﷺ'' صفحات ۸۲-۸۳).

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ شہادت اور تدفین عمر فاروق ؓ کے وقت مدینہ طیبہ سے باہر تھے اور اس لیے وہ آپ کے جنازے میں شرکت نہ کر سکے تھے. جب بعد میں وہ مدینہ طیبہ واپس آئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے. بڑی دیر تک کھڑے روتے رہے اور اپنی رداء ایک طرف رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے 'بیشک میں آپ کے جنازے میں شریک نہ ہوسکا مگر واللہ میں آپ کی مدح وثناء کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا. پھر اس کے بعد بہترین الفاظ میں انہوں نے امیر المومنین عمر ابن الخطاب ؓ کو خراج تحسین پیش کیا. (ابن عبدربہ (ت ۳۲۸ ہجری) مصدر مذکور، الجزء الثالث، ص: ۱۷۱)

ابی صالحؒ نے مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ: [مدینہ طیبہ کے لوگوں کو قحط کا شدید سامنا تھا ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر

پر حاضر ہوا اور عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ کریم سے دعا فرمائیں تا کہ بارش ہو کیونکہ وہ قحط سے مر رہے ہیں۔] اسی رات اس کے خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بشارت دی کہ: [تم عمرؓ کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہنا۔ ان کو بتا دینا کہ بارش عنقریب ہوگی اور عمرؓ کو کہنا کہ وہ زمین پر عدل قائم رکھے۔] (۱۷۳) یہ رجل صالح حضرت بلال بن حارث المزنیؓ تھے جن کو خواب میں یہ بشارت دی گئی تھی۔ (۱۷۴)

صرف یہی نہیں تھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میرا مم امام المتقین اور خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر پر صلوۃ وسلام کے لیے ہی حاضر ہوتے تھے بلکہ جب کبھی بھی ان پر ابتلاء یا مصیبت آجاتی تو مدنی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر ہی کا رخ کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے التجائیں کرتے تھے۔

المسعودیؒ نے ایک ایسا ہی واقع بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے سوتیلے بھائی زیاد بن ابیہ کو ۵۳ ہجری میں مدینہ طیبہ کے گورنر کے طور پر تعین کرنے کے احکامات جاری کر دیئے تا کہ وہ اپنے معمول کے مطابق آہنی ہاتھوں سے وہاں کی سیاست کو بنو امیہ کے حق میں لا سکیں تو اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا و مولا سرور کائنات اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کا رخ کیا۔ وہ رقمطراز ہیں:

''اس طرح زیاد کی عملداری اہالیان مدینہ طیبہ پر بھی ہونی تھی۔ پیر و جواں، سب مسجد نبوی شریف میں جمع ہو گئے اور اللہ کریم سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے۔ تین دن تک متواتر وہ قبر رسول اللہ ﷺ سے جا کر لپٹ جاتے اور گریہ وزاری کر کے التجائیں کرتے رہے کہ انہیں اس ظالم کی حکمرانی سے نجات دلائی جائے۔'' (۱۷۵)

اس گریہ وزاری کا اثر یہ ہوا کہ زیاد چند دن کے اندر اندر بہت ہی بری موت مر گیا اور مدینہ طیبہ میں گورنری کی حسرت دل میں ہی لے کر چلا گیا۔ اس کے ہاتھ میں جزام کا سیاہ ناسور ہو گیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ یہ واقعہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی حیات طیبہ میں ہی ہوا اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ انہوں نے اس بات کی اجازت بھی تین دن تک دیئے رکھی تا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر سے لپٹ لپٹ کر گریہ وزاری کریں۔ اصحابہ کبار کے اجتماعی عمل کو غیر اسلامی کہنے کی جسارت تو کوئی خارجی بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ امام عالی مقام حسین علیہ السلام بھی پاس ہی اپنے حجرہ مطہرہ میں مقیم ہوا کرتے تھے۔ (۱۷۶)

بہت سی احادیث مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تاجدار جہاں فخر کون و مکاں ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے۔ اور حجرہ مبارکہ کا دروازہ اس تمام عرصے میں کھلا رہا جب تک کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ وہاں مقیم رہیں۔ اوپر بیان کی گئی حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکرؓ کی روایت سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب بھی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو ام المومنین سیدۃ عائشہؓ حجرہ مطہرہ کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا کرتیں تھیں۔ حضرت زید بن اسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے: [ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو دیکھا کہ وہ قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے ایک بات پر رونا آگیا ہے جو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے سنی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا: [ریا تھوڑا سا بھی ہو تو شرک ہے۔ اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرتے ہیں۔] (حافظ ابو نعیم الاصفہانی (ت: ۴۳۰ ہجری) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج۔۱، ص۔۳۵)

امام الماغی رقمطراز ہیں. ''امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ کے مسجد نبوی میں شامل کئے جانے سے پہلے لوگ حجرہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑے ہوجایا کرتے تھے اور یوں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کہا کرتے تھے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات تک حجرہ مبارکہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا تھا۔'' (۱۷۷) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ ایک لحاظ سے نہ صرف قبر اطہر کی متولیہ تھیں بلکہ اس بات پر بہت فخر بھی کیا کرتی تھیں کہ یہ ان کی ملکیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہی کے حجرہ مبارکہ میں محو استراحت ہیں. ہارون بن موسیٰ العروبی سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے ان کے دادا (یعنی حضرت ابی علقمہؒ) سے پوچھا کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا [لوگ حجرہ مطہرہ کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے، اور یہ کہ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوا جب تک کہ سیدۃ عائشہؓ کی وفات نہیں ہوئی.] (۱۷۸) تاہم بعد میں جب حجرہ مطہرہ کے گرد اس کے دروازے پر پتھروں کی دیوار کر کے چاردیواری کر کے اسے ناقابل دسترس بنادیا تھا تو اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ریاض الجنۃ میں حجرہ شریفہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوجاتے تھے. حضرت زین العابدینؒ ہمیشہ ریاض الجنہ میں کھڑے ہوکر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین پر سلام پیش کیا کرتے تھے.

جب حضرت بلال ابن رباحؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو آپ حجرہ مطہرہ میں بھی تشریف لے گئے. ان سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار زار و قطار روتے رہے آپ کے عشق رسول کی انتہائے معراج تھی کہ آپ نے اپنا چہرہ قبر مطہرہ رسول مقبول ﷺ سے ملنا شروع کر دیا. (۱۷۹) بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت بلالؓ شام میں تھے تو ایک رات رسول اللہ ﷺ کی بشارت طیبہ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: [بلال یہ کیا بے رخی ہے؟ کیا ہماری زیارت کو نہیں آؤ گے؟ اس خواب کا دیکھنا تھا کہ حضرت بلالؓ ماہی بے آب کی طرح بے چین ہو گئے اور جلد ہی مدینہ طیبہ کے لیے عازم سفر ہوئے. وہ اپنے آقا و مولا تاجدار مدینہ سرور قلب و

سینہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور اس سے لپٹ گئے. پھر آپ حسنین کریمین علیہما السلام کے پاس گئے اور ان سے بہت پیار کیا. اہل بیت طاہرہ کے ان دونوں شہزادوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ فجر کے وقت حضرت بلالؓ اذان دیں. آپ مسجد نبوی شریف کی چھت پر تشریف لے گئے. جونہی انہوں نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا ایسا لگ رہا تھا کہ گویا مدینہ طیبہ ہلنے لگ گیا تھا، جب انہوں نے اشہدان لا الہ الا اللہ کہا تو اہل مدینہ کے جذبات اور بھڑک اٹھے اور پھر جب آپ نے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو گویا ایک کہرام مچ گیا، خواتین مدینہ بھی اپنے گھروں سے مسجد نبوی کی طرف سسکیاں لیتی اور دوڑتی ہوئی آنے لگیں. اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی آہیں اور سسکیاں بھرتے نہیں دیکھا گیا. (۱۸۰) خود سیدنا بلالؓ اتنی آہ وزاری کر رہے تھے کہ اتنا کبھی بھی ان کو بعد کی زندگی میں نہیں دیکھا گیا. (۱۸۱) یہ واقعہ بیان کرنے والے ابن الاثیر اور ابن العساکر جیسے علماء ہیں.

انھارویں صدی عیسوی کے ایک مصور کی قلمکاری جس میں اس نے مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کے خدوخال اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے

وہ جو یہ دعوی کرتے نہیں تھکتے کہ ''سفر مدینہ طیبہ برائے پیش کردن صلوٰۃ وسلام علی رسول اللہ ﷺ وزیارۃ قبر رسول اللہ ﷺ جائز نیست'' ان کو چاہئے کہ اصحابانِ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سبق سیکھیں. حضرت بلال بن رباحؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور انہوں نے وہ سفر کسی اور غرض سے نہیں بلکہ صرف اور صرف زیارت رسول مقبول ﷺ کے لیے کیا تھا اور ایک ایسے وقت کیا تھا جب کہ تمام جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور ان کی اکثریت اس وقت مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی. (۱۸۲)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مروان بن الحکم کا واقعہ جو کہ مسند امام احمد اور الطبرانی میں مروی ہے جس میں بیان ہے کہ اس نے دیکھا کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ قبر اطہر سے لپٹ کر رو رہے تھے، یہ واقعہ بہت سے راویوں کے ذریعے سے ثابت ہے، جس سے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف حجرہ مطہرہ میں آیا جایا کرتے تھے بلکہ قبر اطہر سے معانقہ (لپٹ جایا کرتے تھے) کیا کرتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جیسے صحابی بھی اپنے ہاتھ قبر اطہر پر رکھ کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے. (۱۸۳) ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ جب یروشلم فتح کر کے واپس آئے تو حضرت کعب الاحبارؒ کی معیت میں سیدھا قبر اطہر پر حاضر ہوئے تھے؛ اس کے بعد کسی اور کام کی طرف انہوں نے توجہ فرمائی. (۱۸۴)

صحابی رسول حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک دوسرے اصحابی حضرت میسرہ بن مسروقؒ کے ذریعے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ کو سرکاری ڈاک دے کر بھیجا. حضرت میسرہؒ رات کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے. وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے یار غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ڈاک اور پیغامات پہنچائیں. (۱۸۵) یہ تمام مثالیں اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کے لیے عازم سفر ہوتے اور پھر جب دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو نہایت ہی انکساری اور ادب سے حاضری دیتے اور حجرہ مطہرہ کے اندر قبر رسول اللہ ﷺ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے.

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں بہت شدید قحط کا سامنا تھا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے تھے. خشک سالی سے کوئی بھی پیداوار نہ ہو سکی تھی اور لوگ بوند بوند پانی کو ترس گئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے. انہوں نے فرمایا: [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی طرف دیکھیں اور حجرہ مطہرہ کی چھت میں ایک سوراخ اس طرح کر دیں کہ قبر اطہر اور چرخ نیلی فام کے درمیاں کوئی چیز حائل نہ رہے.] ایسا ہی کیا گیا اور جونہی سورج کی کرنیں قبر اطہر پر پڑیں بادل چھا گئے اور خوب بارش ہونے لگ گئی. اتنی زیادہ بارش

ہوئی کہ ارض مدینہ خوب سیراب ہوگئی اور بہت زیادہ سبزہ اور چارہ پیدا ہوگیا جسے کھا کھا کر مویشی بہت موٹے ہوگئے۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سال کو 'عام الفتق' (یعنی چربی کا سال) کہا جاتا ہے، کیونکہ چارہ اتنی بہتات سے میسر ہوگیا تھا کہ مویشی کھا کھا کر بہت موٹے ہوگئے اور ان کے اجسام ایسے لگتے تھے جیسا کہ وہ چربی سے پھٹ جائیں گے۔(۱۸۶) اہل مدینہ طیبہ نے اس رسم باراں طلبی کو زندہ رکھا اور جب کبھی قحط سالی کا سامنا ہوتا تو حجرہ مطہرہ میں اس سوراخ کو کھول دیا کرتے تھے حتی کہ جب چھت کی جگہ گنبد نے لے لی تب بھی گنبد شریف میں آسمان کی طرف ایک روزن رکھ دیا گیا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا اور یوں رحمت اللعالمین انیس الغریبین ﷺ کی وساطت اور وسیلے سے اہل مدینہ باران رحمت کا فیضان حاصل کر لیتے تھے۔

زین الدین المراغی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی (ان کا انتقال ۸۱۶ ہجری میں ہوا) وہ رسم جاری وساری تھی۔(۱۸۷) المراغی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے سمہودیؒ (ت: ۹۱۱ ہجری) رقمطراز ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی وہ رسم مدینہ طیبہ میں موجود تھی اور لوگ مواجہ شریف کی طرف کا دروازہ کھول دیتے اور سامنے باادب کھڑے ہوکر التجاء کیا کرتے تھے۔(۱۸۸) جب عثمانیوں نے گنبد شریف کو دوبارہ تعمیر کیا تو بھی اس میں بالائی طرف ایک روزن رکھا گیا تھا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا تھا۔ لیکن وہابیوں نے جب وہ مدینہ طیبہ میں سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے تو انہوں نے وہ روزن گنبد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ آج بھی وہ جگہ جہاں گنبد شریف کا روزن بند کیا گیا تھا واضح طور پر نظر آجاتی ہے جیسا کہ اس تصویر میں آتی ہے جو کہ اس باب کے شروع میں دوسرے نمبر پر دی گئی ہے۔

اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کا کس حد تک ادب اور احترام کرتے تھے، اس کے لیے ہم ایک اور مثال پیش کرنا چاہیں گے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ہے۔ جب وہ امیر المومنین بنے تو ان کے ایک مصاحب نے چاپلوسی کے انداز میں کہا: ''اے امیر المومنین، اگر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور آپ کا انتقال وہاں پر ہو جائے تو آپ واقعی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو حجرہ مطہرہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً اس کی بات کاٹی اور گویا ہوئے کہ: ''اللہ کی قسم میں ہر قسم کی عقوبت کا سوائے جہنم کے سزاوار ہوں گا اگر میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہو جائے کہ میں اس بقعہ نور میں دفنائے جانے کا اہل ہو گیا ہوں''(۱۸۹)

علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ زیارت مدینہ طیبہ واجب اور مستحب ہے البتہ اس بات میں علماء میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ حاجی پہلے مدینہ طیبہ جائے یا حج کے بعد روضہ اقدس پر حاضری دے۔ حضرات علقمہؒ، اسودؒ اور عمرو ابن میمونؒ جو کہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں، کی رائے ہے کہ حاجی کو چاہئے کہ پہلے مدینہ طیبہ جائے تاہم امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے حج ادا کیا جائے اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ حاضری دی جائے۔ شہرہ آفاق سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مولف، قاضی عیاضؒ، جو کہ شافعی علماء میں سے تھے، امام النوویؒ اور حنفی عالم ابن ہمام محمد السواسی (ت. ۸۶۱ ہجری) نے کہا ہے کہ علماء میں مکمل اجماع ہے کہ زیارت قبر رسول اللہ ﷺ ایک مستحب عمل ہے۔ بعض علماء کی

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کی ایک نایاب تصویر یہ توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے۔

(ماخوذ: رائو یوسف حیدری از تحفہ قریہ عبدالستار سیمی)

رائے ہے کہ یہ عمل واجب ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ زیارت قبور سنت رسول اللہ ﷺ ہے لہذا قبر رسول اللہ ﷺ جو کہ پوری کائنات کی مطہر و متبرک بقاع نور ہے اس کی زیارت کو تو درجہ اول کی مسنونیت حاصل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جب وہ مدینہ طیبہ میں تھے تو انہوں نے اپنے استاذ اور جلیل القدر تابعی حضرت ایوب اسختیانیؒ (ت: ۱۳۱ ہجری) کو دیکھا۔ وہ جب آئے تو مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے اور قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے اس انداز میں مودب کھڑے ہو گئے کہ قبلہ ان کی پشت پر تھا۔ وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ ابواللیث السمرقندی امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ''زائر کو چاہئے کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قبر اطہر پشت پر رہے۔'' تاہم شیخ کمال الدین الہمام نے وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے زیارت کا طریقہ اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ جو کچھ ابواللیث نے بیان کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک سابقہ فتوی کی بنا پر تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا تھا اور یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ زائر کو چاہئے کہ وہ اپنا رخ قبر اطہر کی طرف ہی رکھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ اپنا سلام اس طرح پیش کرے کہ اس کا منہ قبر مطہرہ کی طرف ہو اور قبلہ اس کی پشت پر ہو۔'' شیخ الہمام صاحب فتح القدیر فی مناسک الفارسی اور شرح المختار من الصداء الاحناف نے امام ابوحنیفہؒ کی دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کا ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ قبر اطہر کے سامنے حاضر ہوئے اور یوں سلام عرض کیا:

''یا سید الثقلین اور اے نوع انسانی کے سب سے قیمتی خزانے، مجھ پر اپنا رحم و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی خوشیوں کی سعادت سے نوازیں۔ میں آپ کے جود و کرم کا طالب ہوں اور ابوحنیفہ کے لیے آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔''

اگر کسی کو اس مرکز تجلیات کے مواجہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہونے کی جتنی گھڑیاں بھی نصیب ہوں تو ان کو غنیمت جانا جائے اور اگر ازدحام ہو تو ہرگز ہرگز ہلڑ بازی نہ کی جائے اور نہایت ہی انضباط، ادب و احترام سے وہاں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جائے۔ آواز کو جتنا پست رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ وہاں پر متعین حضرات کے قائم کردہ نظام کی پاسداری کرتے ہوئے وہ خوش نصیب لمحے انتہائی عجز و انکساری سے گزارے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے وہاں کے عاملین جھڑک بھی دیں تو آداب دربار رسالت مآب ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صبر اور خاموشی اختیار کریں۔ کسی سے تعارض میں اپنی آواز بھی اونچی نہ کریں ورنہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

سامنے والے صفحہ پر ہم جان کائنات صاحب لولاک ﷺ پر درود و صلوٰۃ و سلام کا ایک گلدستہ پیش کر رہے ہیں جو کہ زائر دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کے وقت پڑھے۔

سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرے، جب فارغ ہو چکے، تو تھوڑا دائیں جانب ہو لے اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما پر سلام پڑھیں، پھر جب مواجہ شریف سے جانے کا ارادہ ہو تو یہ کلمات کہنے چاہئیں:

وَدَّعناکَ یا رسول اللہ غیرَ مودِّع و لا سامحین بفرقتک. نسألک أن تسأل اللہ تعالی أن لا یقطع آثارنا من زیارت حرمک مرۃً أخری.

پھر یہ دعا مانگے: اللھم لا تجعلھا آخر العھد من زیارۃ نبیک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم. اور نہایت ادب سے اس مقام سے رخصت ہو جائے۔

وہ خوش نصیب افراد جن کو حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی

جب سے بنو امیہ کے دور میں کاشانہ نبویہ کے دروازے کے آگے پتھروں کی دیوار کھڑی کر کے اس کو دائمی طور پر بند کیا گیا تھا، کسی کیلیے بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ قبور مطہرہ کی زیارت کر سکے، سوائے ان چند دنوں کے جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے دور میں

بسم الله الرحمن الرحيم

السَّلامُ عَليكَ أَيُّهَا النَبيُّ السَّيِّدِ الكَريمُ ، والرَّسُولُ العَظِيمُ ، الرَّءُوفُ الرَّحيمُ ، و رَحمَةُ اللهِ و بَرَكاتُه . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا سيِّدِنا ويَا نَبيِّنا وحَبيبناوقُرَّةَ اَعيُنِنايااِمَامَ القِبلَتَينِ ويَارَسُولَ الثَقَلَينِ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يانَبيَّ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ ياحَبيبَ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا جَمالَ مُلكِ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَاصَاحِبَ الجَمَالِ ويَا سَيِّدَ البَشَر . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ وعلىاَهلِ بَيتِكَ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِين وعلى اَزواجِكَ اُمَّهَاتُ المومِنِين . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ سَيِّدىَ يَا مُحَمَّد اِبنُ عبدُالله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ ياخَيرَ خَلقِ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَاطه يَايس يَا بَشِيرُ يَا نَذِيرُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَامُزَّمِّلُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَا مُدَّثِّرُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا شَفِيعَ الْمُذنِبِينَ عِندَالله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا مَن اَرسَلَهُ اللهُ تعَالى رَحمَةً لِلعَالَمِينَ . و قَد قَالَ اللهُ تعَالى فِي حَقِّكَ العَظِيم : وَلَو اَنَّهُم اِذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جآءُوكَ فَاستَغفَرُواالله وَاستَغفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواالله توَّابًا رَّحِيماً . اَشهَدُ اَنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَد بَلَّغتَ الرِّسَالَةَ و اَدَّيتَ الأَمَانَةَ و نَصَحتَ الاُمَّةَ وكَشَفتَ الغُمَّةَ وجَلَّيتَ الظُّلمَةَ وجَاهَدتَّ فِى سَبِيلِ اللهِ حقَّ جِهَادِه وعَبَدتَ ربَّكَ حتَّى اَتَاكَ اليَقِينُ . جَزَاكَ اللهُ تَعَالى عنَّاوَّ عَن وَّالِدَينَا وعَنِ الاُمَّتِكَ خَيرَ الجَزَآءِ .

قدمین شریفین کی طرف والی شرقی دیوار شدید بارش کی وجہ سے گر گئی تھی لیکن جب سے اسے دوبارہ بنایا گیا اور اس کے گرد پنج گوشہ احاطہ بنا گیا، یہ عملی طور پر ناممکن ہو گیا کہ کوئی اندر جھانک بھی سکتا۔ تاہم مورخین مدینہ طیبہ نے چند ایسے واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر چند انتہائی خوش نصیب افراد کو اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ابن نجار نے ایک ایسا ہی واقعے کا ذکر کیا ہے کہ ۵۴۸ ہجری میں لوگوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر معمولی آواز سنی۔ اس وقت کے گورنر قاسم بن مہنا الحسینی کو فوراً اس کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ کسی کو اندر داخل کیا جائے تا کہ حقائق معلوم ہو سکیں۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا فرد اندر جائے جو کہ حد درجہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ لہذا شیخ عمر النسائی موصلیؒ کا جو کہ زبدۃ الصوفیاء تھے اور اپنے وقت کے مشہور ولی گردانے جاتے تھے انتخاب کیا گیا۔ وہ بہت عمر رسیدہ اور ایک طرح کے فالج کے مریض تھے۔ بہت ردوقدح کے بعد وہ اندر جانے پر راضی ہوئے۔ انہوں نے چند دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا اور پھر انہیں ایک قندیل دیکر ایک رسی سے باندھ کر حجرہ مطہرہ کے اندر اتارا گیا۔ اندر پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ چھت کا کچھ مواد قبور مطہرہ پر گر گیا تھا۔ انہوں نے اسے ہٹایا اور اس بقاع مطہرہ پر اپنی داڑھی سے جاروب کشی کی۔ معجزانہ طور پر ان کی بیماری جاتی رہی اور وہ اس واقعہ کے بعد نو سال تک زندہ رہے اور ۵۵۶ ہجری میں مکۃ المکرمہ میں وفات پائی۔

ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ ۵۵۴ ہجری میں ہوا۔ اس وقت بھی قاسم بن مہنا الحسینی ہی گورنر تھے۔ ان کو بتایا گیا کہ حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر مرغوب سی بدبو آ رہی تھی۔ اس وقت خدام حجرۃ الرسول میں سے ایک آغا (جن کا نام طواشی بن الاسودؒ تھا) کو اجازت دی گئی کہ وہ صوفی الموصلی (جو کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کے متولی تھے) اور ایک دوسرے صوفی بزرگ ہارون الشادیؒ کے ساتھ اندر جائیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بلی ایک روشن دان سے حجرہ مطہرہ کی دیوار اور پنج گوشہ کی دیوار کے درمیان گر گئی تھی اور وہیں دم توڑ گئی تھی۔ انہوں نے مردہ بلی کو وہاں سے نکالا اور پوری جگہ کو صاف اور معطر کیا۔ یہ واقعہ ۱۱ ربیع الثانی بروز ہفتہ ۵۵۴ ہجری کو ہوا تھا۔ (۱۹۰)

ان کے علاوہ اگر کوئی اور اندر جانے کی سعادت حاصل کر سکا ہوگا تو وہ معمار یا مرمت کرنے والا ہوگا جنہوں نے حجرہ مطہرہ کی مرمت کی تھی۔ جب دوسری بار مسجد نبوی میں ۸۸۶ ہجری میں آگ بھڑک اٹھی اور حجرہ مبارکہ کی چھت اور گنبد کو شدید نقصان پہنچا تھا تو سمہودیؒ اور چند دیگر افراد تین چار دن تک اندر جاتے رہے تھے تا کہ مرمت اور تعمیر نو کا کام ہو سکے۔ امام سمہودیؒ نے اس واقعہ کی تفاصیل خلاصۃ الوفاء میں بیان کی ہیں جن کو پڑھ کر قاری پر وجد طاری ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ایک پیراگراف میں لکھا ہے۔

پنج گوشہ عمارت کے باہر اور موجودہ سطح زمین پر واقع حجرہ شریف کے اندر تو کئی نیک بخت اصحاب اندر جا چکے ہیں۔ ایک ایسی ہی صاحب تصانیف شخصیت مشہور ترکی سیاح جناب اولیا شلبیؒ (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کی ہے جنہوں نے کچھ وقت اوپر والے حصے میں گزارا اور پھر اسے قارئین کے لیے اپنے ''سیاحت نامہ'' میں قلمبند کیا۔ ان کا تعلق چونکہ ترکی مشاہیر میں ہوتا تھا اس لیے بوقت حاضری ان کے ساتھ ترکی نائب اور شیخ الحرم (گورنر مدینہ کو ان دنوں شیخ الحرم کہا جاتا تھا) جن کا نام حسین پاشا تھا اور دیگر چند لوگ جن میں خدام روضہ رسول مقبول (طواشی) بھی گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شرقی جانب سے دروازہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے اندر داخل ہوئے۔ اپنی وجدانی اور روحانی کیفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اور شیخ الحرم نے وہاں جاروب کشی کی اور حجرہ مطہرہ کو صاف کیا۔

وہ رقمطراز ہیں کہ جب وہ داخل ہوئے تو سید الکونین ختم الرسل مولائے کل کی قبر اطہر ان کے سامنے تھی جس پر کعبۃ المشرفہ کے غلاف سے بنایا سبز رنگ کا پردہ پڑا تھا۔ حجرہ الشریفہ میں جا بجا بیش بہاء قیمتی ہیرے اور موتی اور سونے کے بنے شمعدان تھے جنہیں مختلف سلاطین اور امراء نے مختلف اوقات میں حجرہ مطہرہ کی نذر کیا تھا۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی ظن و تخمین کے بس کی بات نہیں تھی۔ شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مطہرہ پر بھی بیش قیمت چادریں تھیں۔ انہوں نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ بیرونی حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء سے لے کر حجرہ مطہرہ

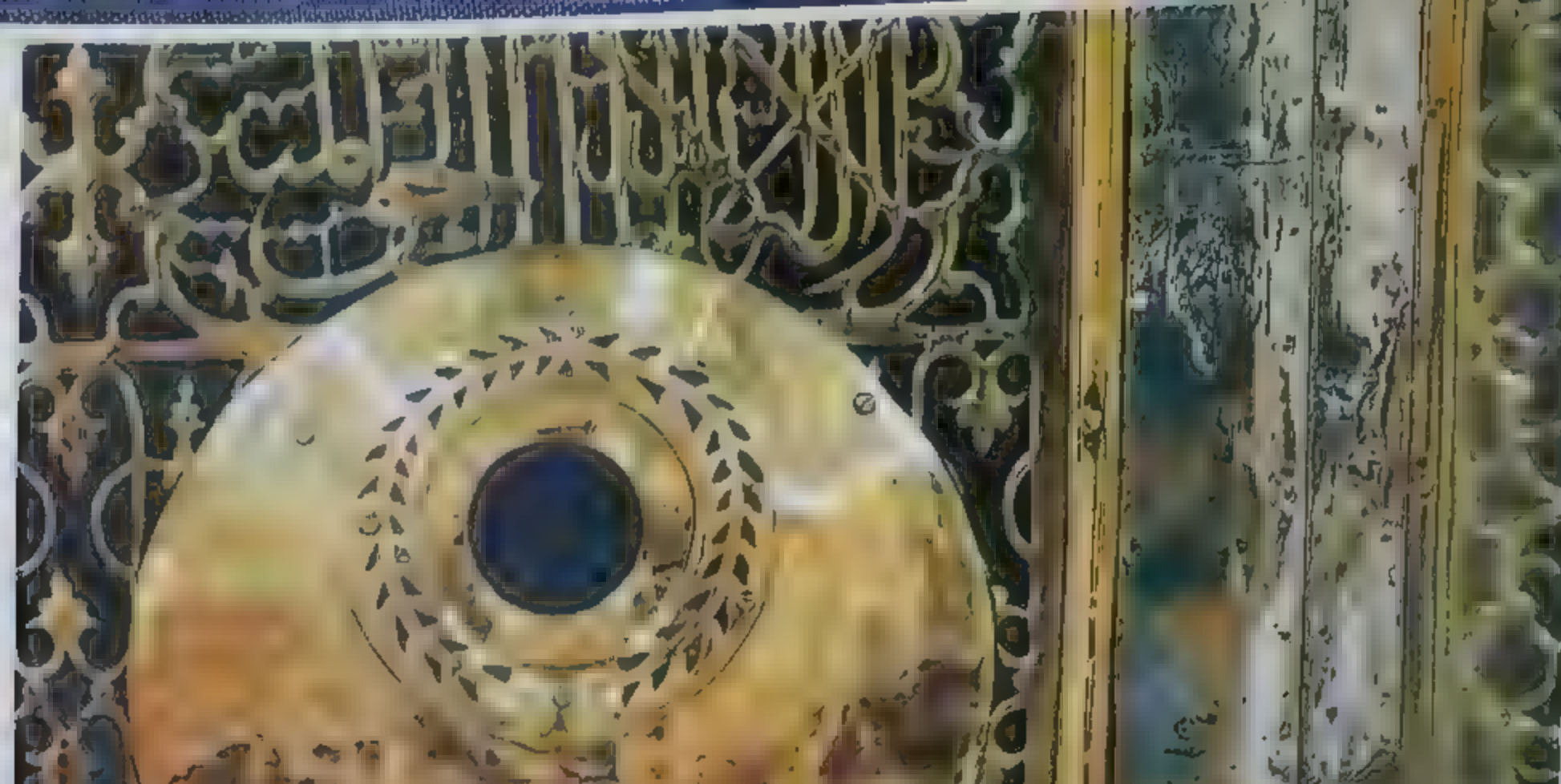

الصلوٰۃ والسلام علیک
یا سیّد و یا سیّدی
حسبی اللہ علیک
یا من احسن و
یا من تفضل

تک زینوں کے تین درجے بنے ہیں جن کو بہت ہی قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا. عقیق، فیروزہ اور یاقوت وغیرہ سے. حجرہ مطہرہ کے اندر سے گنبد اخضر کی بلندی تقریباً ۵۰ ذرع (یعنی ۲۵ میٹر) ہے. نفیس خط طی سے اس کے اندرونی حصے پر مندرجہ ذیل قرآنی آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے:

﴿اللہ نور السمٰوات والارض مثل نورہ کمشکاۃ فیھا مصباح. . .الخ﴾ (۱۹۱)

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ سرکار دو عالم ﷺ کے منبر شریف پر پہلی بار پردہ (کسوہ) خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے چڑھوایا تھا اور پھر ان کے بعد مروان اور دیگر بنوامیہ کے حکمرانوں نے یہ رسم جاری وساری رکھی اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے قبر اطہر پر غلاف ڈالنے کا رواج تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے دوسری صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا کیونکہ سب سے پہلے ایسا کرنے والی خیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران تھیں

کاشانہ اقدس پر بیش قیمت تحائف کی تفصیل اور پس منظر

قارئین میں سے چند کے ذہنوں سے اس بارے میں شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے کہ کہیں حجرہ مطہرہ پر پیش کردہ تحائف کا پس منظر کہیں غیر شرعی تو نہیں، ہم ابتداء ہی میں یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ ایسے تحائف، جو نقد اور قیمتی اشیاء پر مبنی ہوتے تھے، کعبۃ المشرفہ میں بعثت سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے پہلے اور بعد میں بھی اور پھر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں کثرت سے چڑھائے جاتے تھے. جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کی ساری دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی تو سیدنا عمر فاروقؓ نے دو سونے کے ہلال جو مال غنیمت میں ہاتھ لگے تھے کعبۃ اللہ کو بھیج دیئے تھے جو کہ اس کی چھت سے معلق کر دیئے گئے تھے. (۱۹۲) سیدنا عمر فاروقؓ کے طرز

کوکب الدری کا انمول ہیرا

عمل کو سامنے رکھتے ہوئے بنوامیہ کے خلفاء بھی ایسے بہت سے تحائف کعبۃ المشرفہ زیب دیا کرتے تھے، جن میں خاص طور پر ولید بن یزید بن عبدالملک کا نام آتا ہے جنہوں نے سونے سے بنے ہلال اور ایک بیش قیمت سنہری چارپائی کعبۃ المشرفہ روانہ کی تھی جس کے اوپر یہ تحریر کندہ تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. اللہ کے بندے امیر المومنین خلیفہ الولید بن یزید کے حکم سے ۱۰۱ ہجری میں بھیجا گیا. (۱۹۳)

بعد کے ادوار میں اور بالخصوص عباسی دور خلافت میں سونے کے بنے تاج اور جواہرات کعبہ شریف بھیجے جاتے تھے. اور یہ رسم آج بھی جاری وساری ہے. شاہ خالد بن عبدالعزیز نے کعبۃ المشرفہ کا دروازہ خالص سونے سے بنوا کر (جس میں ۶۵ کیلوگرام سونا استعمال ہوا تھا) کعبۃ المشرفہ پر لگوایا تھا، حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سونے اور چاندی کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی حال مسجد نبوی شریف کا ہے کہ وہاں بھی گنبدوں کے ہلال اور دروازوں پر بے تحاشا سونے کا استعمال ہوا ہے. انہیں امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ان تحائف کی شرعی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جو کہ کاشانہ شاہ دوسرا ﷺ پر سلاطین عالم شروع سے ہی بھیجتے چلے آئے ہیں جو زر نقد اور قیمتی جواہر اور سونے کے شمعدان وغیرہ کی صورت میں ہوا کرتے تھے شمعدانوں کا بنیادی مقصد تو تنویر حرم نبوی شریف تھا اور بھیجنے والا اپنے اپنے مقام کے مطابق ایسے شمعدان بھیجتا تھا جو کہ حرم نبوی شریف کے شایان شان ہوتے تھے یعنی سیم وزر سے بنے ہوتے تھے اور یہ رسم وفاء آج بھی نبھائی جا رہی ہے۔ مسجد نبوی شریف میں معلق فانوسوں پر سونے کی تہہ چڑھائی گئی ہے. ان تحائف سے حرم النبوی شریف کا خزانہ بن گیا تھا جس سے کثیر اوقات ان تحائف کو بیچ کر اور زر نقد کو نکال کر مسجد نبوی کی مرمت اور تعمیر کا کام چلایا جاتا تھا. سمہودیؒ نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سب سے زیادہ درخشاں مثال یہ ہے کہ ان کے دور میں چوتھا مینارہ (جو کہ باب السلام پر آج بھی اپنی قدیم اور اصلی شکل میں استوار ہے) جس کو بنو امیہ کے ایک حکمران نے گرانے کا حکم دے دیا تھا اور پھر تقریباً سات صدیوں تک وہاں کوئی مینارہ نہیں تھا، اس کی تعمیر بھی انہیں محاصل حرم (یعنی تحفہ تحائف کو بیچ کر ان کی قیمت حاصل کی گئی) سے کی گئی تھی. انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب سلطان بیبارس نے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو شیخ الخدام شبل الدولہ کافور المظفری نے عرض کیا کہ اگر سلطان اجازت مرحمت فرمائیں تو خزانہ حرم نبوی شریف میں جو بھی تحائف اور شمعدان وغیرہ ہیں ان کو بیچ کر ان کے محاصل سے مذکورہ مینارہ کو تعمیر کروایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۱۹۴)

ایسے تحائف مختلف صورتوں میں پیش کیے جاتے تھے، جن میں کشیدہ کاری کئے گئے پردوں اور چادروں سے لے کر (جو کہ قبور مطہر پر ڈالی جاتی تھیں) سیم وزر سے بنی پلیٹیں اور جواہرات سے مرصع تختیاں بھی شامل تھیں ان میں سب سے زیادہ قیمتی تحفہ 'کوکب الدری' تھا جو ایک بیش بہاء ہیرہ تھا جو اندھیرے میں بھی چمکتا تھا. باقی کی اشیاء میں سونے سے بنے شمعدان یا تاریخی تلواریں تھیں جن کے دستوں پر ہیرے جواہرات لگائے گئے تھے ابراہم رفعت پاشا کے الفاظ میں. ''عام طور پر ایسے تحائف جواہرات یا قیمتی پتھروں کی شکل یا سیم وزر کی صورت میں آتے تھے لیکن ان کے علاوہ بیش قیمت تلواریں بھی تھیں جن کی تعداد ایک سو کے قریب تھی جن پر ہیرے اور سونا لگا ہوا تھا.'' (۱۹۵) شمعدان تو حجرہ الشریفہ میں یا مسجد شریف کے دوسرے حصوں میں قندیلیں جلانے کے لیے استعمال ہوتے تھے تاکہ نمازیوں کو

رات میں آنے جانے اور عبادت کرنے میں آسانی ہو، مگر تلواریں خزائن الحرم میں اس لیے پیش کی جاتی تھیں تاکہ حرم اور حجرہ مطہرہ کا مناسب دفاعی انتظام ہو اس سے ان تحائف کو پیش کرنے والوں کی دلی محبت اور عقیدت کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔

سب سے قیمتی تحفہ جس کا نام 'کوکب الدری' (قیمتی موتیوں کا ستارہ) عثمانی سلطان احمد خان بن سلطان محمد خان نے حجرہ مطہرہ کے لیے پیش کیا تھا۔ یہ دو ہیروں سے مل کر بنا تھا جس میں ایک چھوٹا تھا اور ایک بڑا۔ بڑے ہیرے کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر تھا ان دونوں ہیروں کو سونے اور چاندی سے جوڑ دیا گیا تھا بڑے ہیرے کی اس وقت کی قیمت کا اندازہ تقریباً ۸۰،۰۰۰ دینار (سونے کی اشرفیاں) لگایا گیا تھا۔ ۱۰۴۷ ہجری میں سلطان مراد بن احمد خان نے ایک اور ہیرا تحفتاً پیش کیا جو کہ سونے کی پلیٹ میں جڑا ہوا تھا۔ ۱۱۵۴ ہجری میں شامی امیر الحج نے حجرہ شریفہ پر چھ اور ہیرے پیش کیے جو کہ ایک قیمتی لوح میں لگائے گئے تھے اور ان کے اوپر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین سیدنا ابا بکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کے نام گرامی کندہ تھے اور ساتھ ہی سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ کا اسم گرامی بھی کندہ تھا۔ (۱۹۶)

سلاطین عثمانیہ کے علاوہ ان کی ملکہ اور شہزادے اور شہزادیاں بھی اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں ایسی ہی ایک بیش قیمت پیٹ جس میں جواہر لگے تھے، ملکہ سلطانہ نے ۱۲۹۱ ہجری میں پیش کی جس پر سنہرے حروف میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (۱۹۷)

حجرہ مطہرہ میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں

قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جہاں اربوں کی تعداد میں عشاق حجرہ مطہرہ موجود ہیں وہاں چند شقی القلب منافقین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے تخریبی کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کیا اور حجرہ مطہرہ میں چوری تک کا ارتکاب کر گزرے۔

۸۱۱ ہجری میں مدینہ طیبہ کا ایک گورنر (جماز بن ہبہ بن جماز الحسینی) تھا جو کہ اپنی بد طینتی اور اخلاقی بے راہ روی کے لیے خاصہ بدنام تھا۔ ایک مرتبہ وہ رات گئے مسجد نبوی شریف میں داخل ہوا اور اس قبہ شریفہ کا دروازہ توڑا جو کہ مسجد کے صحن کے وسط میں ہوا کرتا تھا اور اس میں نوادرات اور تحائف رکھے رہتے تھے۔ جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، جن میں سمہودیؒ کے بقول ۲۷ قنطار کے لگ بھگ سونے کی اشیاء از قسم شمعدان وغیرہ تھیں چرانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ حجرہ مطہرہ میں بھی داخل ہوا اور کسوہ شریفہ کے علاوہ وہ فانوس جو وہاں آویزاں تھے ان کو بھی اٹھا لے گیا اور ایسے ہی دیگر سامان بڑے سٹور سے بھی لے کر چلتا بنا۔ ایسی ہی ایک حرکت اس کے ایک بھتیجے شہزادہ عزیز بن ہیازہ بن ہبہ بن الجماز نے کی اور وہ ۸۲۴ ہجری میں اسی قبہ شریفہ میں داخل ہو کر بہت سی قیمتی اشیاء اٹھا لے گیا تاہم اسے پکڑ لیا گیا اور قاہرہ بھیج دیا گیا جہاں وہ جیل میں ذلت کی موت مرا۔ اسی طرح کچھ دوسرے شہزادوں (مثلاً برغوث بن باتیر بن جریس الحسینی اور دبوس بن سعد الحسینی وغیرہ) نے بھی مسجد نبوی شریف میں نقب لگائی اور قیمتی شمعدان لے کر چلتے بنے۔ برغوث تو پکڑا گیا اور گورنر کے حکم سے اسے دار پر لٹکا دیا گیا۔

قبر اطہر پر جھولتا ہوا بیش قیمت جھومر جواب توپ کاپی میوزیم میں سرکار ﷺ کے بردہ شریف کے اوپر آویزاں ہے

بعد میں ایک اور شہزادہ (امیر حسن بن زبیر المنصوری) جو کہ اس وقت گورنر تھا، ۶ ربیع الاول ۹۰۱ ہجری کو دباڑے مسجد نبوی شریف میں اپنے محافظ غنڈوں کے ساتھ آیا اور خدام حرم سے اس قبہ شریفہ کی چابیاں طلب کیں جو کہ صحن کے وسط میں ہوا کرتا تھا۔ جب سٹور کیپر نے چابیاں دینے سے انکار کیا تو اس کو زدوکوب کیا گیا پھر وہ حجرہ مطہرہ کی طرف گیا اور کلہاڑے سے اس کا دروازہ کھول لیا اور جو کچھ بھی نقدی، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ اس کے ہاتھ لگے، لے کر چلتا بنا۔ اس نے یہ تمام سامان دو گھوڑوں اور ایک خچر پر لادا اور اسے اپنے محل میں لے گیا۔ اس تمام مسروقہ سامان کی قیمت بعد میں ۱۳،۰۰۰ دینار بتائی گئی تھی۔

۱۲۲۱ ہجری میں ایک بار پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ اس مرتبہ وہابی لیڈر (سعود بن عبدالعزیز) مدینہ طیبہ پر قبضہ جمانے کے بعد، حجرہ مطہرہ میں گھس گیا اور جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، مثلاً جواہرات، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ، وہ سب اٹھا کر لے گیا۔ یہ سوچ کر کہ گنبد خضریٰ کا ہلال (کلس) بھی کہیں سونے کا نہ ہو ایک کوشش کی گئی کہ اسے بھی اتار لیا جائے۔ جنرل ابراہیم رفعت پاشا بیان کرتے ہیں کہ وہابی بیش قیمت ہیرے اور جواہرات لوٹ کر لے گئے جن کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس لوٹ مار میں سونے چاندی کے علاوہ زمرد کے بنے چار شمعدان، اور ایک مستطیل ہیرا جس سے قندیل کی طرح روشنی نکلا کرتی تھی اور ایک سو کے لگ بھگ تلواریں شامل تھیں جن پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے، جن میں سے ہر ایک کی قیمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے جن کو پچھلے خلفاء اور سلاطین نے پیش کیا تھا، بھی شامل تھے۔ (۱۹۸) وہابی فتنے کا شدید ردعمل ہوا اور عثمانی خلیفہ کے حکم سے طوسون پاشا کو مصر سے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ طویل جھڑپوں کے بعد عبداللہ ابن سعود کو اس کے دیگر مجرم ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور قاہرہ روانہ کر دیا گیا۔ (۱۹۹) طوسون پاشا کی کوششوں سے مدینہ طیبہ کو وہابیوں سے ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو پاک کر دیا گیا۔ ان میں سے ۱۴۴۰ افراد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ سرغنہ لوگوں کو قاہرہ روانہ کیا گیا جہاں سے ان کو استنبول لے جایا گیا جہاں ان کو سر عام پھانسی دے دی گئی۔ (۲۰۰) عبداللہ بن سعود نے لوٹے ہوئے مال میں سے صرف ایک صندوق واپس کیا جس کے اندر مصحف شریف کے تین قدیم مخطوطے تھے، ۳۰۰ موتی اور ایک زمرد کا ٹکڑا تھا۔ باقی ماندہ مسروقہ مال کے متعلق اس کا بیان تھا کہ جب اس کے والد (سعود) نے ان کو وہ تو اس نے ان قیمتی اشیاء کو عرب قبائل کے شیخوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مبینہ طور پر بعض اغوات (خدام حرم) اور شریف مکہ کو بھی اس مال مسروقہ میں سے حصہ دیا گیا تھا۔ مصری حکام نے اسے یقین دلایا کہ وہ سفارش کریں گے کہ عثمانی سلطان ان کو معافی نامہ دے دے۔ لہذا ۱۹ محرم الحرام ۱۲۳۴ ہجری کو انہیں سکندریہ کے راستے استنبول روانہ کیا گیا۔ استنبول پہنچنے پر اس کو اور اس کے دیگر ساتھیوں کو پورے شہر میں گھمایا گیا اور پھر باب ہمایوں کے سامنے استنبول میں ان کے سر قلم کر دیے گئے (۲۰۱) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ 'کوکب الدری' بھی اٹھا کر لے گئے تھے، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت میسر نہیں آ سکا۔ عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے کہ جنگ عظیم اول کے دوران کوکب الدری آستانہ منتقل کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ کبھی واپس نہیں آیا۔ (۲۰۲)

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کا ایک اور حصہ یہ بھی توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے۔
(ماخوذ از الکوکب الدری از مجیبہ فرید عبدالستار میمنی)

تاہم برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، جس نے مدینہ طیبہ کے متعلق اپنی یادداشتیں چھوڑی ہیں، اس بدقسمت وقوعے کے متعلق رقمطراز ہے:

> ''وہابیوں کے مدینہ طیبہ پر قبضہ کے دوران ان کے لیڈروں نے مزار اقدس پر مخزون قیمتی چیزیں چرائیں اور آپس میں بانٹ لیں۔ ان کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ پھر جب مدینہ طیبہ مکمل طور پر ان کے ہاتھ آ گیا تو سعود اور اس کے دیگر چیدہ چیدہ افسروں نے حجرہ مطہرہ میں گھسنے کی کوشش کی، لیکن چونکہ اس سے پہلے وہ اپنے خوابوں میں بہت ہی بھیانک

ازواج مطہرات اور
سیدہ فاطمہ زہرا
رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے حجرات مبارکہ

سپنے دیکھ چکے تھے اس لیے انہیں پردوں کے اس پار جانے اور قبر اطہر کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی تاہم اس نے راستے میں پڑے تمام خزانے لوٹ لیے، جن میں کوکب الدری اور دیگر زر و جواہرات شامل تھے جو کہ عالم اسلام کی مختلف اکناف سے پیش کیے گئے تھے. کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بہت سے تو انہوں نے شریف مکہ شریف غالب کے ہاتھ بیچ ڈالے جن کی قیمت ۱۵۰،۰۰۰ ڈالر بتائی جاتی ہے. باقی ماندہ قیمتی سامان وہ اپنے ساتھ درعیہ لے گیا جو کہ اس کا دارالحکومت تھا وہ تو عمارت کی اور بھی بے حرمتی پر تلے ہوئے تھے مگر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے وہ ایسا نہ کر پائے لالچی وہابی یہ سمجھ بیٹھے کہ گنبد کے اوپر ہلال سونے کا تھا لہذا انہوں نے اسے بھی مسمار کرنے کی ٹھانی. مبینہ طور پر ان کے دو جیالے گنبد سے پھسلے اور گرتے ہی مر گئے، باقیوں پر خوف اور توہم طاری ہو گیا اور اس لیے مزید خرابی سے باز رہے۔" (۲۰۳)

حواشی

(۱) القرآن الحکیم، (الانعام ۵۴) جہاں تک پہلی حدیث مبارکہ کا تعلق ہے یہ البیہقی، شعب الایمان، نمبر ۴۱۶۸ پر درج ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث مبارکہ میں سے ایک ہے دوسری حدیث مبارکہ حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ سے مروی ہے جسے امام اسماعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی اسماعیلی (۱۹۹۔۲۷۲ ہجری) نے ''فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ'' میں نقل کیا ہے، مطبوعہ مکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۷ء، صفحات ۳۶۔۳

(۲) امام النووی، المجموع شرح التہذیب، ج ۸، ص ۲۵۵

(۳) منقول از ابن ضیاء مکی (ت ۸۸۵ ہجری) تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، المکتبۃ التجاریہ، مصطفیٰ احمد الباز، مکہ، ۹۹۶، ص ۲۵۷

(۴) ابن الجوزی (ت: ۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ص: ۷۵

(۵) مسند امام احمد، ۲۔۵۲۷ نیز سنن ابوداؤد، ۱۔۳۱۹، البیہقی، ۵۔۲۳۴

(۶) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۴۶۰ نیز ج: ۳، نمبر ۸۷۳

(۷) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۸۵، ج: ۱، ص ۵۰۱ حضرت حسن البصریؒ کی ولادت ۲۱ ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی اور ان کا انتقال ۱۱۰ ہجری میں بصرہ میں ہوا۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت یسارؒ تھا جو کہ حضرت زید ابن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی پرورش حجرات نبویہ شریفہ کے جوار رحمت اور ماحول میں ہی ہوئی کیونکہ آپ کی والدہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے ہاں کام کیا کرتی تھیں اور اکثر اوقات جب ان کی والدہ کام میں مشغول ہوتیں تو ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ انہیں اپنی گود میں اٹھا لیتی تھیں

(۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ص: ۴۶۳ نیز ابن سعد، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۵۰۱

(۹) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۹۲

(۱۰) ایضاً، ج ۳، نمبر ۲۴۶ و ۲۶۲

(۱۱) زین الدین ابی بکر المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری)، تحقیق النصرہ، ص: ۱۰۶

(۱۲) الموطاء الامام مالک بن انسؒ، ج: ۱، نمبر ۵۴۶

(۱۳) ابن اسحاق، ص ۶۷۸

(۱۴) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۱

(۱۵) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۵۹۸۵

(۱۶) سنن ابی داؤد، ۳۹۔۴۴۹۸: (میں نے ہمیشہ اس کھانے کی کڑواہٹ محسوس کی ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ وہ زہر جو مجھے دیا گیا ایسا لگتا ہے کہ اب وہ میری انتڑیوں کو کاٹ رہا ہے۔)

(۱۷) ابوتراب الظاہری (سعودی عرب کے ہندی نژاد مایہ ناز ادیب جن کا ۲۰۰۲ میں انتقال ہوا)، زھول العقول بوفاۃ الرسول ﷺ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص ۸۴ (اس کو ابن ضیاء المکی" کی تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریفہ۔ ص ۲۵۰ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے)

(۱۸) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۸۱۹، نیز ج: ۵، نمبر ۶۲ صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۶۰۰۳۔ حدیث نمبر ۶۰۰۵ میں اس کی مزید تفصیلات ہیں۔

(۱۹) ابن اسحاق، ص ۶۸۲

(۲۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۱۹

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً ج:۵،نمبر۷۱۶و۷۱۹

(۲۳) ایضاً ج:۲،نمبر۳۳۳۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ابن الجوزی،مناقب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ،ص ۵۰

(۲۴) القرآن الکریم (الزمر:۳۰)

(۲۵) القرآن الکریم (آل عمران ۱۴۴)

(۲۶) صحیح بخاری،ج:۵،نمبر۱۹

(۲۷) ایضاً،ج:۵،نمبر۳۳۷.نیز ابن اسحاق،ص ۶۸۳

(۲۸) الموطاء امام مالکؒ،ج:۱،نمبر۵۴۳

(۲۹) سنن ابی داؤد،۲۰۔۳۱۳۵

(۳۰) ابن اسحاق،صفحات ۶۸۷۔۶۸۸

(۳۱) زین الدین المراغی،تحقیق النصرہ،ص ۹۲

(۳۲) ابن اسحاق،ص:۶۸۸

(۳۳) ابن سعد،ج:۲،ص:۲۹۲

(۳۴) زین الدین المراغی،مصدر مذکور،ص:۹۳

(۳۵) سنن ابی داؤد،۲۰۔۳۱۴۷

(۳۶) ایضاً،۲۰۔۳۱۴۵.دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد سے غلط مطلب نہ اخذ کیا جائے.نجران یمن ہی کا حصہ تھا جو کہ بیسویں صدی کے شروع تک رہا.سہول وہ خاص قصبہ تھا جہاں کا کپڑا مشہور تھا جو کہ یمن میں واقع تھا.

(۳۷) ابن الجوزی، الثبات عند الممات، دار الکتب العلمیہ ، بیروت،۱۹۸۶،صفحات:۷۸۔۷۹

(۳۸) ابن کثیر (ت:۷۷۴ہجری)،البدایہ و النہایہ، دار الرشید، حلب،ج:۵،صفحات:۲۴۶۔۲۴۷

(۳۹) ابن سعد،ج:۲،ص۲۹۶

(۴۰) ایضاً.نیز صحیح مسلم،ج:۲،نمبر۲۱۱۲ بھی اس معاملے میں کافی روشنی ڈالتی ہے اگر چہ اس کا براہ راست تعلق حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی وفات سے ہے کیونکہ انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر بھی لحد کے ساتھ بنائی جائے جیسی کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تھی.

(۴۱) ابن ناصر الدین الدمشقی (ت:۸۴۲ہجری)، صحوت الکثیب بوفاۃ الحبیب، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ و احیاء التراث، دبی،ص ۱۵۵.حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ | ایک سرخ رنگ کا کپڑا حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے نیچے رکھا گیا تھا. | صحیح مسلم،ج.۲،نمبر۲۱۱۲

(۴۲) ایضاً،ص:۱۵۶

(۴۳) ایضاً

(۴۴) ایضاً

(۴۵) ابن اسحاق،ص:۶۸۸

(۴۶) ابن سعد،ج:۲،ص:۲۹۱

(۴۷) ایضاً

(۴۸) زین الدین المراغی،مصدر مذکور،ص:۹۳

(۴۹) مسجد نبوی شریف کی غربی جانب حرہ غربیہ کے اس پار وادی العقیق میں ایک میدانی علاقہ ہے جس کو العرصہ کہا جاتا ہے موسمی طغیانیوں کے باعث وادی کے بالائی علاقوں کی طرف سے بہت ہی نفیس ریت پانی میں بہہ کر آجایا کرتی تھی جو آکر العرصہ میں جمع ہو جاتی تھی جغرافیائی طور پر مدینہ طیبہ میں دو میدانوں کے نام العرصہ کہے جاتے ہیں ایک العرصہ اکبر ہے جو کہ ذوالحلیفہ کی طرف ہے جہاں اب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا کیمپس ہے اور دوسرا العرصہ الصغ

ہے جو کہ بیر رومہ (بیر عثمانؓ) کا علاقہ ہے وہ مقام جہاں سے سرخ ریت لی گئی تھی اور پھر صدیوں تک وہیں سے لی جاتی رہی جو کہ مسجد نبوی تعمیر میں استعمال ہوتی تھی، وہ جگہ اب قصر الضیافہ کے پاس ہے جہاں مدینہ یونیورسٹی کا کیمپس ہے۔ (دیکھئے حاشیہ بر نزہت الناظرین از برزنجی ص ۱۱۱)

(۵۰) ابن نجار، ص:۲۰۴

(۵۱) زین الدین المراغی، مصدر مذکور، ص ۹۴

(۵۲) فتح الباری، ج:۳، ص ۲۵۷

(۵۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز. نیز ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج:۵، ص:۲۵۴.

(۵۴) ابی تراب الظاہری، زھول العقول بوفاۃ الرسول، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص:۱۶۵

(۵۵) ابن الجوزی، وفاء باحوال المصطفی، ص ۸۱۹. نیز انہیں کی دوسری کتاب. منیر العرام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص ۲۰۴

(۵۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۰

(۵۷) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص ۲۵۵

(۵۸) ابن ضیاء المکی (ت. ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۲۳۸.

(۵۹) القرآن الکریم (طٰہٰ ۵۵)

(۶۰) الظاہری، مصدر مذکور، ص ۱۶۵

(۶۱) محمد علی قطب، القبۃ الخضریٰ، ص ۳۹

(۶۲) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۲، ص ۲۶۲

(۶۳) صفوان عدنان داؤدی، مصدر مذکور، ص ۱۸۳

(۶۴) صحیح بخاری، ج:۲، باب ۹۲، نیز الموطاء امام مالک، ج:۱، نمبر ۵۲۲

(۶۵) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، ص ۱۶۶

(۶۶) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴-۳۱۰ ہجری)، تاریخ الامم والملوک (Arabic Translation of Kosegarten Edition)، بیروت ج ۳، ص ۴۲۲

(۶۷) ایضاً، ص:۴۲۳

(۶۸) الموطاء امام مالک، ج:۱، نمبر ۱۰۰۲

(۶۹) ابن سعد، ج:۳، ۳۶۸

(۷۰) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۵۰، و ج:۲، نمبر ۴۷۵

(۷۱) ابن سعد، ج:۳، ص:۳۶۸

(۷۲) ابی تراب الظاہری، مصدر مذکور، ص ۱۲۸

(۷۳) ابن نجار، ص:۲۱۱

(۷۴) ابن الجوزی، الوفاء، ص ۸۳۲۔ ان کی روایت کنز العمال حدیث نمبر ۳۹،۷۱۸ پر مبنی ہے.

(۷۵) ابن سعد، ج:۲، ص ۲۹۴

(۷۶) ایضاً، ج ۲، ص ۳۰۶. نیز محمد علی قطب، القبۃ الخضریٰ، قاہرہ، ۱۹۹۹، ص ۳۷

(۷۷) ابن سعد، ج:۲، ص ۳۰۶

(۷۸) ایضاً

(۷۹) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۴۷۳

(۸۰) ابن نجار، ص:۲۱۱. وہ ہستیاں جن کو مورخین نے 'لوگ' کہہ کر لکھا ہے یقیناً یا زیادہ سے زیادہ تابعین حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اور کون ہو سکتی

تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے اور ام المومنین سیدۃ عائشہؓ ان کو بخوشی اجازت مرحمت فرماتیں قبر اطہر کو چھونا تو ایک طرف ان واقعات سے تو اس بات کی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ قبر اطہر سے تبرک کے طور پر مٹی وہ اصحاب لے جایا کرتے تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کی رشد و ہدایت اور رفاقت سے منور کی ہوئی تھیں.

(۸۱) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، صفحات ۱۰۵۔۱۰۶ نیز دیکھیے صفوان عدنان داؤدی، الحجرات الشریفہ، جدہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ص ۱۸۲

(۸۲) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۴۷۴ و ج ۹، نمبر ۴۲۸

(۸۳) ایضاً، نمبر ۴۱۴

(۸۴) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے رشتہ میں بھتیجے تھے.

(۸۵) سنن ابی داؤد، باب ۲۳، نمبر ۳۲۱۴۔۳۲۱۵. ابن شبہ نے بھی اسی حدیث کو نقل کیا ہے، دیکھیے تاریخ مدینہ، ج ۳، ص ۹۴۵ الطبری، ج ۳، صفحات: ۴۲۲-۲۳

(۸۶) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۳ ہجری) نے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت نافعؒ اور حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی انہیں ظریات کے حامل تھے مصدر مذکور، ص. ۲۴۲.

(۸۷) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۰۷

(۸۸) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۹۴

(۸۹) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا گھر بقیع الغرقد کی ایک طرف بقیع العمات کے ساتھ ہوا کرتا تھا.

(۹۰) سمہودی، الوفاء الوفاء، ص ۵۴۶ نیز محمد علی قطب، القبۃ الخضری، ص ۵۰ نیز دیکھئے صحیح بخاری، ج. ۲، نمبر ۴۷۴ و ج ۹، نمبر ۴۲۸

(۹۱) سمہودی، ایضاً، ص ۵۴۶

(۹۲) فتح الباری، ج ۳، ص: ۲۵۷

(۹۳) ابن نجار، ص: ۲۱۳

(۹۴) اپنی والدہ کی طرف سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی کے بیٹے تھے.

(۹۵) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۸۲

(۹۶) ابن نجار، ص ۲۱۴

(۹۷) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۲۴۷۔۲۴۸

(۹۸) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۱۱۰. نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، دمشق، ص ۱۸۱

(۹۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۴۸

(۱۰۰) ایضاً، صفحات: ۵۴۸۔۵۴۹

(۱۰۱) ایضاً، ص: ۵۴۹

(۱۰۲) احمد بن محمد قلقشندی (ت: ۸۲۱ ہجری) مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ، دار الفکر، دمشق، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۸

(۱۰۳) سمہودی، الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، ناشر حمد الجاسر "رسائل فی تاریخ المدینہ" ۱۹۸۱ء، ص: ۱۵۷. یہ حدیث مبارکہ مسند امام احمد اور طبرانی میں بھی ملتی ہے.

(۱۰۴) ابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (ت: ۳۶۴ ہجری) مروج الذہب ومعادن الجواہر، ج: ۳، ص ۸۵

(۱۰۵) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۴ نیز ج: ۹، نمبر ۴۲۸

(۱۰۶) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۵۸

(۱۰۷) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، ص: ۹۳

(۱۰۸) ماخوذ از سیاحت نامہ اولیا شلبی، ص ۱۲۴

(۱۰۹) صفوان عدنان داؤدی، الحجرات الشریفہ، ص ۱۸۳

(۱۱۰) ابن جبیر، ص۲۱۴

(۱۱۱) ابن جبیر، رحلۃ (Rendered into english as Travels of Ibn Jubayr by Roland Broadhurst)
Goodword Books New Delhi, 2001، ص۱۴۱

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) المطری، التعریف، ص۳۹

(۱۱۴) ایضاً، ص۳۹، نیز زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، صفحات:۸۴_۸۵

(۱۱۵) سمہودی، خلاصۃ الوفا، ص۳۰۲

(۱۱۶) ایضاً، ص:۳۲۰

(۱۱۷) سمہودی، الوفا، بما یجب بحضرۃ المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص۱۰۱

(۱۱۸) سعد، تقد بن عمر بن علی الاسفراینی المکی (ت ۷۸۶ ہجری)، رسدۃ الاعمال، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۲۵ نیز یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۹۸۱ء، ص ۲۵۹

(۱۱۹) ڈاکٹر محمد حمزہ اسماعیل الحداد، القسی فی العمارۃ المصریۃ الاسلامیہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۳ء

(۱۲۰) خاندان تغلق حرمین الشریفین سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا اور ان کے دور میں ہندوستان سے نقدی اور دیگر تحفے تحائف بھیجے جاتے تھے۔ انہوں نے یہاں بہت سے رباط اور مدارس بھی قائم کیے تھے۔

(۱۲۱) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات:۳۰۵_۳۰۶

(۱۲۲) حاجی محمد حسن عبدالقادر الانصاری، عمدۃ وسعۃ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ، یکے از مطبوعات مدینہ منورہ ادبی کلب (کتاب نمبر ۹۵)، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۸۔ نیز: سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۶۲۹

(۱۲۳) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص:۳۱۲

(۱۲۴) ایضاً، ص۳۰۹

(۱۲۵) ایضاً، صفحات ۳۰۹_۳۱۱

(۱۲۶) ایضاً، الوفاء الوفاء، ص ۶۱۷

(۱۲۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۱۲۷

(۱۲۸) صالح لمعی مصطفیٰ، المدینہ المنورہ ۔ تصورہا العمرانی و تراثہا المعماری (Medina al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱ء، ص ۸۳

(۱۲۹) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات:۳۰۹_۳۱۱

(۱۳۰) ایضاً، ص ۳۲۲

(۱۳۱) تاہم یہ بیان شیخ عبدالحق محدث کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتا جس کے مطابق ان کی مدینہ طیبہ کی زیارت کے وقت گنبد شریف کا رنگ سبز تھا جذب القلوب (اردو ترجمہ ۔ دیار المحبوب ۔ از حکیم سید عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی، ص:۱۲۶)

(۱۳۲) عربی میں الفیحاء سے مراد صحن یا دالان ہوتا ہے جس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ الفیحاء سے مراد صرف گنبد اور حجرہ مطہرہ ہی نہ تھا بلکہ صحن مسجد نبوی بھی ہوگا۔

(۱۳۳) السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات:۲۱۵_۱۲۹

(۱۳۴) ایضاً، صفحات:۱۹۴_۱۹۸

(۱۳۵) اندرونی گنبد شریف کو "قبۃ النور" کہا جاتا ہے۔

(۱۳۶) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ، ص ۹۲

(۱۳۷) ایوب صبری پاشا، مرآۃ الحرمین (مطبوعہ بزبان ترکی ۱۳۰۰ ہجری) ترجمہ کے اقتباس عبدالقدوس انصاری سے نقل کیے گئے ہیں۔

(۱۳۸) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دار الکتب المصریہ بالقاہرہ، ۱۹۲۵، ج ۱، ص ۲۶۵

(۱۳۹) ایضاً، ص ۲۷۵

(۱۴۰) محمد طاہر الکردی المکی، کتاب التاریخ القویم لمکۃ و بیت اللہ الکریم، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۵ ہجری، الجزء الاول، ص: ۱۴۵

(۱۴۱) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، ص ۳۲۷

(۱۴۲) تحقیق النصرہ کے ناشران کے بیان کے مطابق کوکب الدری کا حجم کبوتر کے انڈے کا سا ہے اور اس کا وزن ۴۷ قیراط ہے اور اسے ایک سونے کی طشتری میں جڑا گیا ہے، دراس کے اردگرد دیگر بہت سے ہیرے جڑے ہیں اسے سلطان احمد خان نے ۱۰۱۵ ہجری کے عید بھگ روضہ اطہر پر پیش کیا تھا المراغی، تحقیق النصرہ، مصدر مذکور، ص ۱۰۸ حاشیہ

(۱۴۳) محمد طاہر الکردی المکی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۴۶

(۱۴۴) سمہودی، وفاء بما یجب بتعریف مصطفیٰ، ص ۱۹۷ (یہ رسالہ "رسائل فی تاریخ المدینہ" کے ضمن میں حمد الجاسر مرحوم نے شائع کیا تھا)

(۱۴۵) السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات: ۲۰۹۔۲۱۰

(۱۴۶) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۱۴

(۱۴۷) السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات: ۲۰۷۔۲۰۸

(۱۴۸) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۴۶۰

(۱۴۹) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۰)

(۱۵۰) محمد طاہر الکردی المکی، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۱۴۵

(۱۵۱) القرآن الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۵۲) القرآن الکریم (الانعام ۵۴)

(۱۵۳) البیہقی، الکبریٰ، ۵۔۲۴۶ و شعب الایمان ۴۱۵۴ و دار قطنی ۲۔۲۷۸ اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں

(۱۵۴) ابن الجوزی (ت ۵۹۷ ہجری) مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص ۲۷۳ انہوں نے اس کو البیہقی اور دار قطنی کی روایت کردہ احادیث کی بنا پر بیان کیا ہے۔

(۱۵۵) اصفہانی، ترغیب (۱۰۲) منقول از ابن الجوزی، مثیر الغرام، مصدر المذکور، ص ۲۷۴

(۱۵۶) ابن النجار، ص ۲۲۳

(۱۵۷) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۱۰۷

(۱۵۸) موطاء امام مالک، باب ۹، نمبر ۹۔۲۲۔۷۱

(۱۵۹) ابن سعد، ج: ۴، ص ۱۵۶

(۱۶۰) القرآن الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۶۱) القرطبی، تفسیر القرآن، ج: ۵، ص ۲۶۵

(۱۶۲) ان کا پورا نام محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمر بن عتبہ بن ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور ان کا انتقال ۲۲۸ ہجری میں ہوا تھا۔

(۱۶۳) القران الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۶۴) ایسی ہی ایک اور روایت محمد بن حرب الہلالی سے ابن الجوزی نے مثیر الغرام میں نقل کی ہے، مصدر مذکور، ص ۲۷۵

(۱۶۵) المراغی، ص ۱۱۱، نیز ابن الجوزی نے اس واقعہ کو ایک اور راوی کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ محمد بن حرب الہلالی۔ (ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص ۲۷۵)

(۱۶۶) ایضاً، ص: ۱۰۶، اگرچہ تمام روایتوں میں اس زائرہ محترمہ کا نام نہیں بتایا گیا، مگر اگر وہ ایک اصحابیہ نہیں تھیں تو ایک تابعیہ تو ضرور تھیں۔

(۱۶۷) قاضی عیاضؒ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، مطوعہ قاہرہ، ۱۹۵۰، جزء دوم، ص: ۳۳، اس کے بعد نقل کی گئی حدیث مبارکہ جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے اسے ہم نے سمہودیؒ (وفاء الوفاء، صفحات: ۱۳۷۱۔۱۳۷۲) سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی

ہے الطبرانی نے اس میں چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو یہ ہے ا ، روہ تیری والدہ میں سب سے آخری ہی ہیں ہے

(۱۶۸) قاضی عیاض، الشفاء، جزء دوم، ص ۶۸ نیز ابن تیمیہ، المکی (ت ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ مشرفہ و مسجد الحرام والمدینہ الشریفہ والقبر الشریف، مکۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۶، ص ۲۵۲

(۱۶۹) ایضاً، یہ بتانا خارج از محل نہیں ہوگا کہ حاتم طائیؓ انہیں وردانؓ کے فرزند تھے جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں حجرہ مطہرہ کی دیوار کو دوبارہ تعمیر کی تھی۔ نیز دیکھئے: ابن الجوزی، مثیر العزام الساکن الی اشرف الاماکن، ص ۲۷۳

(۱۷۰) قاضی عیاضؒ، الشفاء، ص ۷۰

(۱۷۱) الموطاء امام مالک، باب ۹، نمبر ۹۔۲۲۔۷۱

(۷۲) قاضی عیاض، شفاء، ص ۷۰

(۱۷۳) محمد علوی المالکی المکی الحسنی، مفاهیم یجب ان تصحح، دار الانصار، دمشق، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۵، ص ۹۷

(۱۷۴) حافظ ابن حجر، فتح الباری، ج ۲، ص ۴۱۵ نیز سمہودیؒ، ص: ۱۳۷۴

(۱۷۵) ابی الحسن علی بن حسین المسعودی (ت ۳۴۶ ہجری) آپ صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد میں سے تھے اور شہرہ آفاق کتاب "مروج الذہب و معادن الجواہر" کے مصنف ہیں، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج: ۳، ص ۳۲

(۱۷۶) سمہودی، وفاء الوفا، ص ۱۳۶۸، ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۲۳۴

(۱۷۷) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۰۵

(۱۷۸) ابن نجار، ص ۲۱۱

(۱۷۹) السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت: ۱۰۷۰ ہجری) الجواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ، ناشر احمد سعید بن سلم، مدینہ المنورہ، ۱۹۹۷، ص ۲۶

(۱۸۰) ابن الاثیر (ت: ۶۳۰ ہجری) اسد الغابہ، ج: ۱، ص ۴۱۷

(۱۸۱) ابن ناصر الدین الدمشقی (ت: ۸۴۲ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۱۶۹

(۱۸۲) السید محمد کبریت الحسینی، مصدر مذکور، صفحات: ۶۶۔۶۷، نیز ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۵۱۔۲۵۲

(۱۸۳) سمہودی، الوفا بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۱۵۸

(۱۸۴) تقی الدین سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ الخیر الانام، ص ۵۶

(۱۸۵) ایضاً

(۱۸۶) سنن الدارمی، باب ۵، سمہودی، الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، ص ۸۹، ابن الجوزی، وفاء باحوال المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۸۸، کبریت الحسینی، مصدر المذکور، ص ۸۹

(۱۸۷) المراغی، ص: ۱۱۵

(۱۸۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۶۰، السید محمد کبریت الحسینی، مصدر مذکور، ص ۸۹

(۱۸۹) جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۱۴۵

(۱۹۰) ابن نجار، ص ۲۱۷

(۱۹۱) ماخوذ از اولیا چلبی، الرحلۃ الحجازیہ، جسے ڈاکٹر صفصفی احمد المرسی نے عربی میں ترجمہ کیا اور دار الآفاق العربیہ نے قاہرہ سے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا، ص: ۱۳۲، قرآن الکریم کی مذکورہ آیت کریمہ سورۃ النور ۳۵ ہے۔

(۱۹۲) محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد الازرقی (ت: ۲۴۴ ہجری)، تاریخ مکہ، ناشر مصطفیٰ احمد الباز، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۵، ج: ۱، صفحات ۲۴۲۔۲۴۳

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) السمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۲۸

Personal Narrative of a Pilgrimage ... صفحات ۳۶۹_۳۷۰

سلامتی ہو تم پر اے اہالیان شہر (بقیع الغرقد)،
تم پر جو ایمان والے ہو اور مسلمان ہو! انشاءاللہ ہم تم سے آملنے والے ہیں.
میں اللہ رب العزت سے اپنے اور تمہارے لئے مغفرت اور سلامتی کی دعا مانگتا ہوں. (۱)

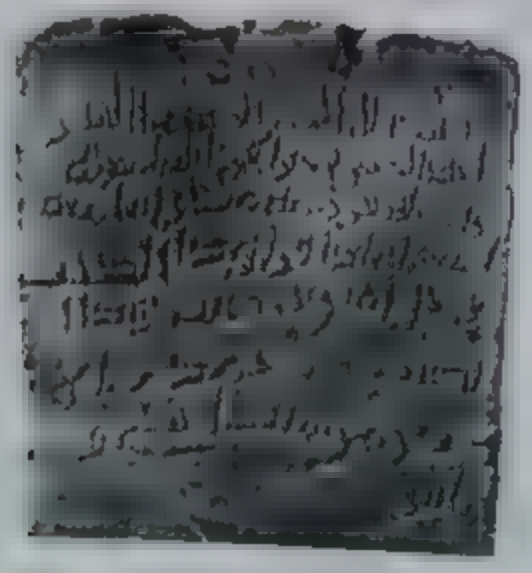

مسجد نبوی شریف کی جنوب مشرقی جانب بقیع الغرقد کا قبرستان ہے جو کہ مدینہ طیبہ کا سب سے مشہور مدفن و قبرستان ہے یہ مدینہ طیبہ کے نہایت ہی اہم تاریخی مقامات میں سے ایک منفرد مقام ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں واقع ہے اور اہل اسلام کی قدیم زمانہ سے آنے والے فرزندان توحید کی زیارت گاہ ہے ایک بلند و بالا بلکے سفید رنگ کی چار دیواری میں خوبصورت آہنی جالی لگی ہوئی ہے یہ بقیع الغرقد کا احاطہ کیے ہوئے ہے ابتدائے اسلام میں یہ قبرستان بہت تھوڑے سے رقبے میں ہوا کرتا تھا اس کی پہلی بار توسیع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیانؓ کے دور میں ہوئی، پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً مزید توسیعات ہوتی رہیں. بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی دور حکومت کے اواخر میں یہ صرف ۱۵،۰۰۰ مربع میٹر (۱۵۰×۱۰۰) پر محیط تھی سعودی دور میں سب سے پہلی توسیع شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ہوئی، پھر اس کے بعد ۱۹۷۹ میں شاہ خالد کے دور میں مزید اراضی اس میں شامل کر دی گئی تھی لیکن سعودی دور کی سب سے بڑی توسیع شاہ فہد کے دور حکومت میں ہوئی ہے اور آج اس کا کل رقبہ ۵۶،۰۰۰ مربع میٹر ہے.

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے وقت وہاں بہت سے قبرستان تھے (۳) یہودیوں کے اپنے اپنے قبرستان ہوا کرتے تھے جب کہ عربوں کے مختلف قبائل کے اپنے اپنے قبرستان تھے. مدینہ طیبہ چونکہ اس وقت مختلف چھوٹے چھوٹے محلوں میں بٹا ہوا تھا اس لیے ہر قبیلہ اپنے ہی علاقے میں کھلی جگہ پر اپنی میتوں کو دفنا دیتا تھا. قبائل کا الگ قبرستان تھا جو زیادہ مشہور تھا، گو کہ وہاں چھوٹے چھوٹے کئی اور قبرستان بھی تھے قبیلہ بنی ظفر کا اپنا قبرستان تھا اور بنی سلمہ کا اپنا الگ قبرستان تھا. دیگر قبرستانوں میں بنی ساعدہ کا قبرستان تھا جہاں کی جگہ بعد میں سوق النبی (المناخہ) قائم ہوا جس جگہ پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں بھی کھجوروں کے جھنڈ میں چند مشرکین کی قبریں تھیں ان تمام قبرستانوں میں بقیع الغرقد سب سے پرانا اور مشہور قبرستان تھا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمانوں کے قبرستان کے لیے منتخب فرمایا تو اس کے بعد سے آج تک اسے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے جو تا ابد رہے گی.

بقیع الغرقد کا مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر انتخاب اور اہمیت

حضرت عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں صرف مسلمانوں کی قبریں ہوں، اس غرض سے آنحضرت ﷺ نے مختلف جگہوں کو ملاحظہ بھی فرمایا. یہ فخر بقیع الغرقد کے حصے میں لکھا تھا. جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا [مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو (یعنی بقیع الغرقد) کو منتخب کرلوں.] اسے اس دور میں بقیع الخبخبہ کہا جاتا تھا، اس میں بے شمار غرقد کے درخت اور خودرو جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں. یہاں مچھروں اور دیگر حشرات الارض کی بھرمار تھی اور مچھر جب اڑتے تو ایسے لگتا تھا کہ دھوئیں کے بادل چھا گئے ہوں. وہاں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے. رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نشانی کے طور پر رکھ دیا اور فرمایا. 'یہ ہمارے پیش رو (سلف) ہیں! ان کے بعد جب بھی کسی کی فوتیدگی ہوتی تو لوگ تاجدار مدینہ ﷺ سے پوچھتے کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے تو آقا ﷺ فرماتے ''ہمارے پیش رو (سلف) عثمان بن مظعونؓ کے قریب''. (۴)

بقیع عربی میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں درختوں کی بہتات ہو. (۵) مدینہ طیبہ میں اس مقام کو بقیع الغرقد کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ وہاں غرقد کے درختوں کی بہتات تھی. (۶) اس کے علاوہ وہاں دیگر خودرو صحرائی جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں. اسے جنت البقیع بھی کہا جاتا ہے. جنت کا عربی میں ایک مطلب 'باغ' یا 'فردوس' بھی ہے اس لیے یہ جگہ زیادہ تر عجمی زائرین میں 'جنت البقیع' کے نام سے ہی جانی جاتی ہے. ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عرب عموماً اپنے مقابر اور قبرستانوں کو ''جنت'' ہی کہہ کر پکارتے ہیں. اس کا ایک نام 'مقابر البقیع' بھی ہے جو اعرابیوں میں زیادہ مشہور ہے.

مقابر البقیع مسجد نبوی شریف کے باب جبریل کے سامنے شرقی جانب واقع ہیں۔ پرانے شہر میں یہ قبرستان فصیل شہر سے باہر ہوا کرتا تھا اور وہ دروازہ جو اس کی طرف کھلتا تھا اسے اسی نسبت سے 'باب البقیع' کہا جاتا تھا جب کہ اس کا اصلی نام 'باب الجمعہ' تھا۔ ۱۹۸۴ء تک 'حارۃ الاغوات' کی تاریخی آبادی مسجد نبوی اور البقیع کے درمیان حد فاصل تھی۔(۷) مگر اس کے بعد جب وہ ساری آبادی مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دی گئی، تو عملی طور پر مسجد نبوی اور بقیع الغرقد کے درمیان صرف خالی جگہ ہی باقی رہ گئی ہے۔ علامتی طور پر مسجد نبوی کی حد بندی کے لیے اس کے اردگرد خوبصورت آہنی جالی دار دیوار موجود ہے جو کہ کم و بیش پرانی فصیل کی باقیات پر بنائی گئی تھی اب وہی دیوار مسجد نبوی شریف کو بقیع الغرقد سے الگ کرتی ہے۔ کسی دور میں یہاں سے شارع ابوذر گزرا کرتی تھی اس کے شمال سے شارع ملک عبدالعزیز گزرتی ہے اور جنوب میں شارع علی ابن علی حالب ہے اور مشرق میں شارع ستین (شارع ملک فیصل) کی سرکلر روڈ یعنی طریق دائری گزرتی ہے۔

ہجرت مبارکہ کے بعد چونکہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے گھر پر قیام پذیر تھے جو کہ بقیع الغرقد سے تقریباً ۱۵۰ میٹر کے فاصلے پر تھا، چند روایتوں سے مترشح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آمد مبارک کے چند ہی دن بعد بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے۔(۸) رحمت العالمین شفیع المذنبین ﷺ وہاں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے، کبھی کبھار دن کے وقت اور کبھی آدھی رات کے بعد اور وہاں مدفونین کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ الموطاء امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [ایک رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کپڑے پہننے کے بعد باہر کو چل دیئے۔ پھر میں نے اپنی جاریہ بریرہؓ کو آپ کے پیچھے پیچھے جانے کے لیے بھیجا۔ وہ آں حضرت ﷺ کے پیچھے ہو لی یہاں تک کہ حضور والا شان ﷺ بقیع الغرقد پہنچ گئے۔ آپ حضور ﷺ جب تک اللہ رب العزت نے چاہا وہاں کھڑے رہے اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ بریرہؓ آپ کے آنے سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی اور سارا ماجرا مجھے بتایا۔ میں نے آپ حضور ﷺ سے اس وقت تک کچھ نہیں کہا جب تک کہ صبح نہیں ہوئی۔ پھر میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور والا شان ﷺ نے فرمایا۔ مجھے بقیع الغرقد بھیجا گیا تھا تاکہ میں ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر کروں۔](۹)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ: [جب بھی رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد

زائرات کے بعد بقیع الغرقد کا دروازہ زیارت کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ زائرین کا جم غفیر زیارت اور سلام کے لیے اندر کا رخ کر رہا ہے۔ اس تصویر میں دور افق سے رخ مدینہ طیبہ پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کی روپہلی کرنیں بقیع الغرقد پر پڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں (دسمبر ۲۰۰۲ء)

تشریف لے جاتے تو آپ اہل بقیع کے [illegible] مغفرت فرماتے. جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے اس [illegible] دعا کیا تو آپ نے فرمایا: [مجھے ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا ہے.] حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے: [جب ام المومنین عائشہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے لیے کیسے دعا کروں؟ تو آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [کہو. سلام ہو تم پر اے اہل بقیع جو کہ مومنین میں سے ہیں. اللہ کریم ان پر رحم کرے جو ہم سے پہلے جا چکے ہیں اور جو بعد میں جانے والے ہیں، اور ہم بھی انشا اللہ تمہارے ساتھ آملیں گے.] (۱۰) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ البقیع کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: [السلام علیکم، اے قبور میں تو استراحت مومنین کی جماعت اللہ کریم نے تمہیں ان امتحانات سے بچا لیا ہے جو کہ تمہارے جانے کے بعد آرہے ہیں!.] پھر آپ حضور ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف دیکھا اور فرمایا: [یہ لوگ تم سے بہتر ہیں.] اصحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور وہ کس طرح؟ ہم بھی تو ویسے ہی ایمان لائے ہیں جیسا کہ وہ لائے تھے، ہم نے بھی ہجرت کی جیسا کہ انہوں نے کی تھی، ہم نے بھی اللہ کی راہ میں ویسے ہی خرچ کیا جیسا کہ وہ کرتے تھے، تو پھر وہ ہم سے بہتر کس لحاظ سے رہے؟] اس پر آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [وہ اپنے نیک اعمال کا پھل دنیا میں حاصل کرنے سے پہلے ہی چل دیئے اور میں ان پر گواہ ہوں. جہاں تک تمہارا تعلق ہے، تم نے ان کے جانے کے بعد اپنے اعمال کے پوری طرح دنیاوی ثمر حاصل کئے ہیں، اور مزید برآں کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کرو گے!] (۱۱)

غرقد کا درخت

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بہت ہی طویل حدیث مروی ہے جس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک رات بقیع الغرقد جانے کا تذکرہ کیا ہے، جس میں دوسری باتوں کے علاوہ، یہ روایت بھی ہے کہ: [.....آں حضور ﷺ نے وہاں طویل عرصے تک قیام فرمایا. پھر آپ حضور ﷺ نے تین مرتبہ (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے، اور پھر واپس تشریف لے آئے.....] (۱۲) علماء اور فقہاء نے اس حدیث مبارکہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسلمان کے لیے قبرستان میں دعا کرتے وقت اپنے ہاتھ اٹھانا سنت رسول مقبول ﷺ اور مستحب عمل ہے. ایک اور حدیث مبارکہ میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر مرتبہ بقیع الغرقد تشریف لے جایا کرتے تھے اور خاص طور پر رات کے پچھلے پہر اور پھر وہاں جا کر فرماتے: [اے اللہ اہل بقیع الغرقد کی مغفرت فرمانا.] (۱۳) بیہقی کے مطابق، ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کی ۱۴ تاریخ کی رات کو بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے. یہ اسی سنت خیر الانام ﷺ کا نتیجہ تھا کہ اہل مدینہ ہمیشہ شب برات کی رات (یعنی ۱۴ شعبان المعظم) کو کثیر تعداد میں جنت البقیع جایا کرتے تھے. (۱۴) تاہم اب ایسا نہیں رہا کیونکہ طبقہ ارباب بسط و کشاد اس کے برعکس مکتب فکر رکھتا ہے.

ایک اور حدیث مبارکہ کی رو سے یوم حشر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما کے اپنی قبور مطہرہ سے اٹھائے جانے کے بعد وہ لوگ جو سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے وہ جنت البقیع سے ہوں گے. (۱۵) اسی طرح ایک دیگر حدیث مبارکہ کی رو سے: [ستر ہزار نفوس بقیع الغرقد سے اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے بدر کامل کی طرح منور ہوں گے اور وہ بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے.] (۱۶) حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جو کوئی بھی ہمارے اس قبرستان میں دفنایا جائے گا، ہم اس کے شفیع ٹھہریں گے اور اس کی شہادت دیں گے.] (۱۷) بہت سے دیگر راویان (مثلاً حضرت عقبہ بن

نوقد کے درخت کی
بیل اور قسم

عبدالرحمٰنؓ اور جابر بن عبداللہؓ) سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [دونوں نالوں (یعنی وادیوں) کے درمیان - وادی بطحان وروادی العقیق کے درمیان - ایک ایسا قبرستان ہے جس سے اتنی روشنی اور نور ظاہر ہوگا کہ آسمان اور زمین میں پھیل جائے گا.] اس سے مراد بنی سلمہ (بنی حرام) کا قبرستان ہے جو کہ جبل سلع کی غربی جانب ہوا کرتا تھا. اس کے ایک طرف وادی بطحان بہا کرتی تھی اور دوسری طرف ذرا فاصلے پر وادی العقیق تھی چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو غزوہ احد میں شدید زخم آئے تھے ان کو مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور پھر جوں جوں ان کی ارواح طاہرہ قبض ہوتی گئیں انہیں اسی بنی حرام کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا. ان میں سے ایک کا نام حضرت عمرہ بن سکنؓ تھا. اسی طرح حضرت ابوسعید المقبریؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ انہیں بنی سلمہ کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے کیونکہ انہوں نے حضرت کعب احبارؒ سے اس کی فضیلت کے متعلق سن رکھا تھا. (۱۸) یہ قبرستان اب ناپید ہے اور مدت مدید سے اس کے محل وقوع کا بھی پتہ نہیں (۱۹) قدیم مورخین نے بھی اس معاملے میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کی. تاہم احادیث مبارکہ سے کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا محل وقوع یا تو اس کھجوروں کے باغ کے قریب ہوگا جو کہ سبعہ مساجد کے سامنے سڑک کے اس پار مغرب میں واقع ہے یا پھر مسجد بنی حرام اور مسجد قبلتین کے درمیان کسی اور جگہ واقع ہوگا کیونکہ بنی سلمہ (جو کہ قبیلہ بنو حرام کی ایک شاخ تھا) مسجد قبلتین کے آس پاس رہتا تھا لہذا پرانی یثربی آبادیوں اور رہائشوں کے اندازے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ وہیں کہیں تھا جہاں کہ وہ دونوں قبائل بستے تھے.

ایسی بھی روایات ملتی ہیں کہ کبھی کبھار حضور سرور کونین ﷺ جب جنت البقیع میں ہوتے تو وہیں زمین پر تشریف فرما ہو جاتے اور شمع رسالت کے پروانے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس نور اولین و آخرین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے گرد حلقہ زن ہو کر بیٹھ جاتے. (۲۰) انصار میں سے جو اصحابی جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہوئے وہ حضرت اسعد بن زرارہؓ تھے. (۲۱) ابھی مسجد نبوی زیر تعمیر ہی تھی کہ ان کا انتقال ایک ایسی مرض سے ہوا جو کہ کالی کھانسی کی طرح کی کوئی بیماری تھی. مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا کسی انصاری کا جنازہ جو کہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا وہ انہی حضرت اسعد بن زرارہؓ کا تھا. مہاجرین میں سے سب سے پہلے جن کو وہاں دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے جو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے برادر نسبتی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بھی قریبی رشتہ دار تھے اور بدری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے. (۲۲) وہ مہاجرین میں سے پہلے اصحابی تھے جن کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا تھا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن کئے گئے تھے. ان کی وفات پر جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے، تو آپ حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے (۲۳) اور پھر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا

بقیع الغرقد ۱۹۳۰ء،
پس منظر میں مسجد نبوی
شریف اور قدیم فصیل شہر
کے ساتھ ساتھ
باب البقیع نظر آرہا ہے

جائے. دفن فرماتے وقت حضور والا شان ﷺ نے فرمایا: [عثمان بن مظعونؓ ہمارے بہترین پیشرو (سلف) ہیں. (۲۴)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جب ان کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک پتھر اپنے دست مبارک سے اٹھا کر ان کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا: [تاکہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہاں دفن کیا جائے.] (۲۵) حضرت محمد بن عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے: [میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے. یہ اونچی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ یہ ایک علم (جھنڈے) کی طرح ہے. (۲۶) رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر بقیع الغرقد کے اس حصے کا نام "الروحاء" رکھا تھا. (۲۷) ابوغسان سے مروی ہے کہ: "مجھے بہت سے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت اسعد بن زرارہؓ کی قبور بقیع میں الروحاء کے حصے میں ہیں: الروحاء اس قبرستان کا وہ حصہ ہے جو کہ البقیع کے وسط میں واقع ہے اور اس کے اردگرد پگڈنڈیاں ہیں. (۲۸) یہ روایت آج بھی سچ ہے اور البقیع کے اس حصے کے اردگرد سڑکیں موجود ہیں- یہ وہی خطہ ہے جہاں کہ جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک ہے. فرزند رسول حضرت ابراہیمؓ عالم شیر خواری میں انتقال کر گئے تھے اور انہیں بھی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قریب ہی دفن کیا گیا تھا. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے: [جب ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ: [انہیں ہمارے پیش رو (سلف) کے قریب ہی دفن کیا جائے.] (۲۹) ان کی عمر ابھی سولہ ماہ کی تھی جب ان کا انتقال ہوا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں البقیع میں دفن کیا جائے. ان کے لیے جنت میں ایک دایہ ہے جو کہ ان کی شیر خواری کی مدت پوری ہونے تک ان کو دودھ پلائے گی.] (۳۰) ایسی ہی ایک اور روایت حضرت عطاؓ سے بھی ہے: [جب حضرت ابراہیمؓ کو دفن کیا جا رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کی نظر مبارک چند کنکریوں پر پڑی جو کہ قبر کے اندر تھیں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو ہٹا کر ہموار کر دو، کیونکہ جسم کے لیے یہ زیادہ بہتر ہے. اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب اس کے بندے کو کوئی کام سونپا جائے تو وہ اسے ایسے طریقے سے کرے کہ اس کا حق ادا ہو جائے.] (۳۱) سبحان اللہ کیا شان ہے میرا امم اور میرا کاروان امت مسلمہ کی کہ جب اپنے فرزند ارجمند کی فوتیدگی کا غم بھی تھا اور ان کی میت سامنے دھری تھی تب بھی امت کی ہدایت کا مشن جاری و ساری تھا.

جب سیدۃ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، تو اس وقت بھی آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں "ہمارے سلف کے قریب دفن کیا جائے". لہذا انہیں بھی اسی علاقے میں ان کے قریب ہی دفنایا گیا. وہیں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی خواتین و حضرات کی تدفین کے لیے ایک جگہ مقرر کر دی گئی. آپ ﷺ کے اتباع حسنہ میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اہل خانہ کے لیے جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر علیحدہ علیحدہ جگہیں بنا لیں. (۳۲) اس کے بعد جب بھی کسی کا انتقال ہوتا تو اہل قبیلہ ان کو اپنے اپنے عدقوں

جنت البقیع شریف میں
حضرت ابراہیمؓ بن رسول
اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی
ایک قدیم تصویر

میں دفن کیا کرتے تھے سوائے شہدائے غزوہ احد کے جن کو ان کی جائے شہادت اور میدان جنگ میں ہی دفن کیا گیا. البتہ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے اور بعد میں ان کی ارواح طاہرہ نے مدینہ طیبہ میں پرواز کیا، تو ان میں سے اکثریت کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا سوائے ایک یا دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو اپنے اپنے گھروں میں دفن کیے گئے تھے. رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اس قبرستان کے فضائل اتنے ہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے بقیع الغرقد میں ہی مدفون ہونے کو ترجیح دی. چند روایات کے مطابق وہاں پر مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی. (۳۳)

ہجرت مبارکہ سے پہلے اور ابتدائے اسلام میں بقیع الغرقد صرف ایک قبرستان ہی نہیں ہوا کرتا تھا، بلکہ یہ ایک ایسا منطقہ تھا جو کثیر المقاصد کمیونٹی ایریا تھا. مثال کے طور پر اسی کے ایک حصے سے جس کو " بقیع الخبخبہ " کہا جاتا تھا مٹی اور گارا لیا گیا تھا جس سے مسجد نبوی اور حجرات نبویہ شریفہ کی تعمیر کی گئی تھی. وہیں اینٹیں بھی بنائی گئیں. اسی کے ایک حصے میں بیئر ایوب تھا جو کہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا کنواں تھا جس کے پانی سے گارا اور اینٹیں بنائی گئیں تھیں. اسی کے شمال کی طرف مناصع کا علاقہ تھا جس میں کھجوروں اور دوسری قسم کے درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں جہاں خواتین مدینہ طیبہ رفع حاجت کے لیے رات کے وقت جایا کرتی تھیں. اسی کے اردگرد اکثر اوقات منڈیاں بھی لگا کرتی تھیں جہاں باہر سے آئے ہوئے سوداگر اپنا مال بیچا کرتے تھے. پہلی بار جب ایک زانی کو حدود کی سزاء کے تحت سنگسار کیا گیا تو بھی البقیع کا ہی انتخاب کیا گیا. (۳۴) چونکہ یہاں جھاڑیوں کی کثیر تعداد تھی اس لیے اکثر اوقات لوگ وہاں رفع حاجت کے لیے بھی چلے جاتے تھے جیسا کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے: ''ہم میں سے کچھ رفع حاجت کے لیے البقیع چلے جاتے اور پھر واپس اپنے گھروں کو آ کر طہارت کر کے اور وضوء بنا کر مسجد میں آتے اور دوبارہ نماز میں شامل ہو جاتے تھے.....'' (۳۵) ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ نوجوان وہاں پر یا اس کے کچھ حصے پر جسمانی ورزشیں بھی کیا کرتے تھے، کیونکہ ان میں سے کچھ لمبی چھلانگ لگانے کے مقابلے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر پر سے کود کر کیا کرتے تھے. حضرت خارجہ بن زیدؓ سے مروی ہے: [مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے دور میں نوعمر تھے تو قبروں کے اوپر سے چھلانگنے کی مشق کیا کرتے تھے اور سب سے اچھا جمپ لگانے والا وہ تصور ہوتا تھا جو کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کو پھلانگ سکتا تھا.] (۳۶)

شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے کچھ زمین بقیع الغرقد سے لے کر ایک کمرہ وہاں بنا لیا تھا. اس سلسلے میں ہمیں بہت سی روایات ملتی ہیں. انہوں نے وہاں ایک گھر بھی بنایا ہوا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی تاریخ میں 'بیت الحزن' کے نام سے مشہور ہوا (غم واندوہ کا

جنت البقیع شریف کی
موجودہ حالت

گھر) جہاں اپنے بابا جان سید الکونین ﷺ کی وفات کے بعد سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء زیادہ تر اپنا وقت گزارا کرتی تھیں لیکن [illegible] بعد ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کسی اور نے بھی وہاں قیام کیا ہو، جیسے کہ سمہودی کے بیان کے مطابق "[illegible] وہاں صرف بہت سی قبور ہی رہ گئی ہیں۔" (۳۷) یہ جگہ بھی البقیع میں 'دار عقیل' کے پاس ہی تھی۔

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند مشاہیر کے اسمائے گرامی جو بقیع الغرقد میں مدفون ہیں

بعض مولفین نے تو اپنی تالیفات ہی اس موضع پر مختص کی ہیں جن میں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء اور تفصیل شامل ہیں جن کو مدینہ طیبہ میں دائمی قیام اور بقیع الغرقد میں دفن ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ ان کے مطابق ایسے اسماء کی فہرست ہزاروں تک پہنچتی ہے اور بعض روایات کے مطابق تو ان کی تعداد دس ہزار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی زیادہ ہے۔ (۳۸)

ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں ہی اس کے اردگرد رہائش پذیر تھے بقیع الغرقد میں مدفون ہونا تو قدرتی بات تھی، مگر آسمان اسلام کے ان درخشندہ ستاروں کی بقیع الغرقد سے لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مرکز مدینہ طیبہ سے میلوں دور وادی عقیق کے کنارے یا اس پار رہائش پذیر تھے، ان کی وصیتوں کے مطابق ان کی میتیں کندھوں پر اٹھا کر اتنی دور سے بقیع الغرقد لائی گئیں۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نوفیلؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ کا تعلق ایسی ہی چند مثالوں سے ہے۔ (۳۹) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ کا انتقال الجرف میں ہوا مگر ان کا جنازہ مدینہ طیبہ لایا گیا اور انہیں البقیع میں دفن کیا گیا۔ عمرو بن عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے۔ [جب ۵۹ ہجری میں حضرت ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے ان کے جنازے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر بقیع الغرقد لائے جو کہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے والد محترم کے متعلق موقف کو بنظر تحسین دیکھتے تھے۔] (۴۰) ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ: "وہ (ابو ہریرہؓ) العقیق میں فوت ہوئے اور انہیں مدینہ طیبہ لایا گیا اور ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی" (۴۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ان کے جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے۔ اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود الحضرمیؓ کا انتقال بھی الجرف میں ہوا لیکن ان کا جنازہ بھی بقیع الغرقد ہی لایا گیا۔ (۴۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا محل وادی العقیق میں تھا جو کہ مسجد نبوی سے تقریباً بارہ کیلومیٹر دور تھا، مگر ان کے انتقال پر بھی ان کا جنازہ کندھوں پر اٹھا کر مسجد نبوی شریف میں لایا گیا جہاں ان کا جنازہ ہوا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔ بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کے جنازے

حضرت شاہ سن عالمؒ
کی قبر اطہر کی تصویر
پس منظر میں جبل احد کا
ایک حصہ بھی نظر آ رہا ہے
(۱۳۹۸ھ)

کو مسجد نبوی شریف میں منبر رسول ﷺ کے پاس رکھ کر جنازہ ادا کرنے پر اعتراض کیا، مگر جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے مداخلت کی تو ان کا جنازہ ریاض الجنۃ ہی میں پڑھایا گیا اور پھر انہیں بقیع الغرقد میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ عادل عبدالمنعم ابوالعباس نے ایک بہت پرانا مگر گمنام مخطوطہ شائع کیا ہے جس میں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو کہ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں۔ اس فہرست میں سے ہم نے صرف چند مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی چنے ہیں جو کہ وہاں دفن ہیں جن میں سے اکثر کی تحقیق دیگر مختلف مآخذوں سے بھی کر لی گئی ہے:

حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ
حضرت ابی بن کعبؓ
حضرت ابو یاسر (کعب بن عمرو) الانصاریؓ
حضرت اسید بن الحضیرؓ
حضرت جابر بن عبداللہؓ
حضرت حارث بن خزیمہؓ
حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ
حضرت خباب مولی عتبہ بن غزوانؓ
حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ
حضرت قتادہ بن النعمان الانصاریؓ
حضرت سعد بن مالک (ابوسعید الخدریؓ)
حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاریؓ
حضرت سعید بن زید بن عمرو العدویؓ (۴۸)
حضرت مالک بن ربیعہؓ
حضرت محمد بن عمرو بن حزم الانصاریؓ

حضرت ابوہریرہؓ (۴۳)
حضرت ابوشریح الکعبی الخزاعیؓ
حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ
حضرت اوس بن ثابت بن منذر الانصاریؓ
حضرت جبار بن صخر الانصاریؓ
حضرت حفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اللخمیؓ
حضرت خفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)
حضرت کعب بن مالک الانصاریؓ
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
حضرت سلمہ بن اکوعؓ
حضرت سہل بن ابی خیثمہؓ
حضرت صائب بن یزید الکنانیؓ
حضرت مامور الخصیؓ
حضرت محمد بن ابی کعبؓ

حضرت الارقم بن ابی الارقمؓ
حضرت ابوسفیانؓ
حضرت اسعد بن زرارہؓ
حضرت اوس بن خولی بن عبداللہ الانصاریؓ
حضرت جبیر بن مطعم القریشیؓ
حضرت حسن بن علی بن ابیطالبؓ
حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ القریشیؓ
حضرت زید بن خالد الجہنیؓ
حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ
حضرت سعد بن معاذؓ
حضرت سہل بن بیضاء القریشیؓ
حضرت سعید بن زید بن نوفل القریشیؓ
حضرت صہیب بن سنان الرومیؓ (۴۹)
حضرت محمد بن مسلمہ الانصاریؓ (۴۵)
حضرت محمد ابن علی کرم اللہ وجہہ (محمد بن حنفیہؓ) (۴۶)

حضرت معاذ ابن الحارث الانصاریؓ
حضرت مقداد بن اسود الاشجعیؓ (۴۷)
حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ
حضرت عبداللہ بن ثابت الانصاریؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ
حضرت عمرو بن خزام بن زیدؓ
حضرت ہند بن حارثہ الاسلمیؓ

حضرت مخرمہ بن نوفل القریشیؓ
حضرت نوفل بن معاویہ الدیلیؓ
حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عمر بن الخطابؓ
حضرت علقمہ بن وقاص اللیثیؓ
حضرت عقبہ بن عمرو (ابو مسعود البدریؓ)

حضرت مغیرہ بن الاخنس الثقفیؓ
حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
حضرت عبداللہ بن کعبؓ
حضرت عبداللہ بن حنظلہ الغسیل الملائکہؓ
حضرت عثمان بن عفانؓ
حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ
حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

مشاہیر صحابیات اور سیدات اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہن میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ
سیدۃ رقیہ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ
ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ
ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ
ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ
ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ
سیدۃ ام رومانؓ (والدہ سیدۃ عائشہ صدیقہ)
سیدۃ صبیہ بنت الحارثؓ

سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ
سیدۃ ام کلثوم صاحبزادی رسول اللہ ﷺ
ام المومنین سیدۃ جویریہؓ
ام المومنین سیدۃ زینب بنت زمعہؓ
ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ
ام علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ
سیدۃ ام سلیمؓ (والدہ حضرت انس بن مالکؓ)

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ
ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ
ام المومنین سیدۃ سودہؓ
ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حیؓ
ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ
اخت علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ ام ہانیؓ بنت ابی طالب
سیدۃ اروی بنت کریز (والدہ حضرت عثمان بن عفانؓ)

ام ابراہیمؓ سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ اپنے گھر مشربہ ام ابراہیمؓ (جو کہ العوالی میں ہے) میں ہی مدفون ہیں، لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ وہ باقی امہات المومنین کے ساتھ ہی بقیع الغرقد میں مدفون ہیں جن کے خیال میں آپ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، ان میں واقدی اور ابن سعد جیسے بلند پایہ مورخین ہیں، اور ہمارے خیال میں انہیں کی بات زیادہ معتبر اور حقیقت پر مبنی ہے۔ ابن سعد نے تو واضح الفاظ میں لکھا ہے: [حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیمؓ کا انتقال محرم ۱۶ ہجری میں ہوا حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کی قبر بقیع الغرقد کے اندر واقع ہے۔] (۵۰)

بقیع الغرقد کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے، بقیع الغرقد حضور رسالت مآب ﷺ کے دور حیات میں موجودہ رقبہ سے کہیں کم رقبہ پر محیط تھی ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر مختلف قبور کے محل وقوع کے بارے میں مورخین مدینہ طیبہ نے صفحات پر صفحات لکھے ہیں اور بعض نے تو مستقل کتابیں اسی موضوع کی نذر کی ہیں۔ علامہ الاقشہری (ت: ۷۳۹ ہجری) نے تو ۲۵۲ صفحات پر محیط ایک کتاب بعنوان: ''الروضۃ الفردوسیہ والحزیرۃ القدسیہ'' صرف بقیع الغرقد کے لیے تحریر کی تھی۔ (۵۱) ایسے ہی ایک دوسری کتاب ''الروضۃ الستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابہ''

جنت البقیع انہدام سے پہلے
پس منظر میں گنبد خضرا کا کچھ
حصہ اور مسجد نبوی کے دو مینار
بھی نظر آ رہے ہیں
(۱۸۹۵ء)

بھی لکھی گئی، بدقسمتی سے اس کے مخطوطے کا پہلا ورق ناپید ہے اور اس لیے اس کے مولف گوشہ گمنامی میں ہی رہے۔(۵۲) اس کتاب میں بڑی عرق ریزی سے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تفاصیل جمع کی گئی ہیں جو یہاں مدفون ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے مدینہ طیبہ کے مورخین (ابن زبالہ اور ابن شبہ وغیرہ) کے علاوہ اس شہر مقدس کے بہت سے زائرین نے اپنی یادداشتیں اور سفرنامے چھوڑے ہیں جن کی بنا پر صدیوں سے بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے بارے میں اتفاق رائے رہا ہے۔ بالخصوص چند سیاحوں کے سفرناموں نے اس معاملے میں بعد میں آنے والوں کی کافی رہنمائی کی ہے۔ ابن جبیر (ولادت: ۵۴۰ ہجری) جسے مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت ۵۸۰ ہجری میں حاصل ہوئی، اپنے مشہور سفرنامے میں رقمطراز ہیں: ''البقیع مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ آپ اس میں باب البقیع کی جانب سے داخل ہوتے ہیں۔ جونہی آپ داخل ہوتے ہیں آپ کے دائیں ہاتھ پر حضرت صفیہؓ عمۃ الرسول اللہ ﷺ کی قبر ہے، اور اس سے ذرا آگے امام مالک بن انسؒ کی قبر ہے جو کہ امام دارالہجرہ تھے۔ ان کی قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم کی قبر ہے اور اس کے اوپر بھی سفید رنگ کا گنبد ہے، اس کے بعد داہنی طرف حضرت عبدالرحمٰن ابن عمر بن الخطابؓ (المشہور ابو شحمہ) کی قبر ہے جن کو ان کے والد نے کوڑوں کی سزا دی تھی جس کے نتیجے میں وہ بیمار ہو گئے تھے اور بالآخر انتقال کر گئے تھے۔ اس کے سامنے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی قبور ہیں۔ پاس ہی اس کے سامنے ایک چھوٹا سا مقبرہ ہے جس میں امہات المومنین، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، کی قبور مطہرہ ہیں جن کے پاس ہی ایک اور مزار ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی تین صاحبزادیوں کی قبور ہائے مطہرہ ہیں۔''

''ان کے بعد حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا مزار آتا ہے جس میں حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی قبر ہے جو کہ دروازے کے داہنی جانب ہے۔ اس مزار کے اوپر ایک بلند گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ کا سر حضرت عباسؓ کے پائیں جانب ہے، اور دونوں قبور مبارکہ سطح ارض سے کافی بلند ہیں، ان کی دیواریں سنہری پلیٹوں سے سجی ہوئی ہیں جن میں خوبصورت ستاروں کی شکل کے کیل لگے

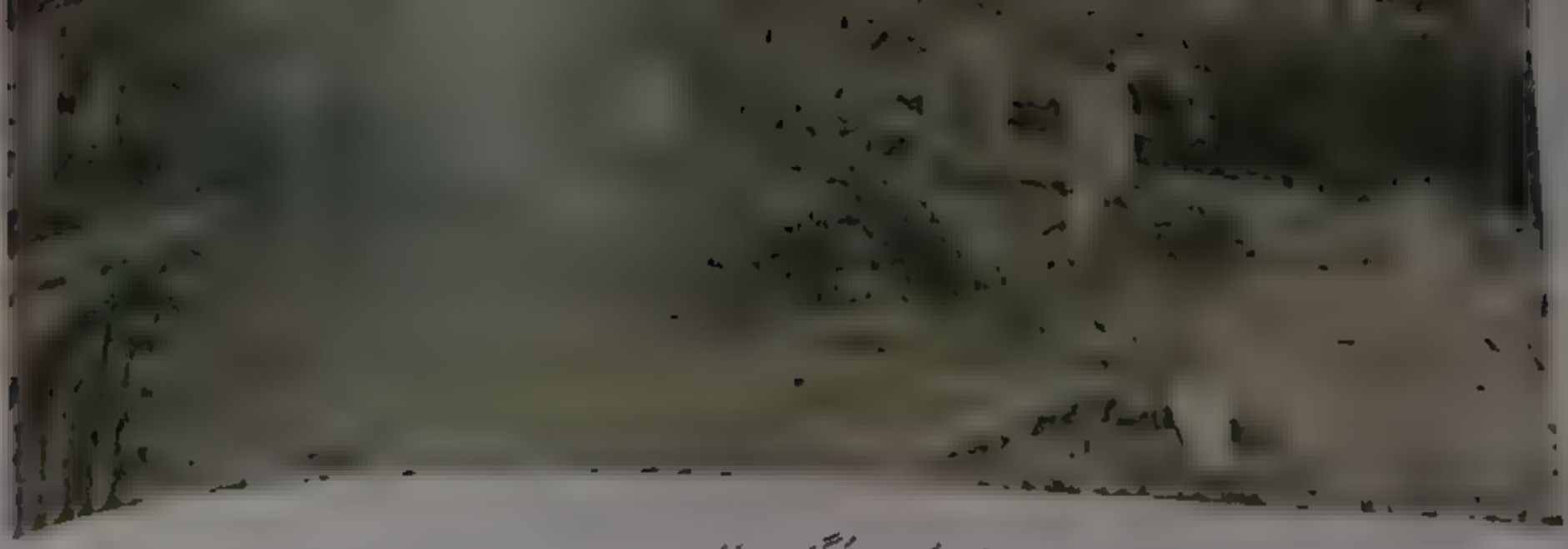

جنت البقیع کی اس تصویر میں دائیں طرف قبہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ اور بائیں طرف قبہ حضرت ابوسعید الخدریؓ نظر آرہے ہے (ابراہیم رفعت پاشا ۱۹۰۸ء)

ہیں. بعینہٖ فرزند رسول مقبول حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک بھی سجائی گئی ہے."

"حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مزار کے پچھواڑے ایک گھر ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے جسے "بیت الحزن" (غم کا گھر) کہا جاتا ہے کیونکہ اس گھر میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے بابا جان احمد مختار ﷺ کی وفات کے بعد رنج و حزن کی وجہ سے عزلت نشیں رہی تھیں. بقیع کے آخر میں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کا مزار ہے جس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد ہے ذرا سے ذرا آگے سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ، ام علی کرم اللہ وجہہ، کی قبر مطہرہ ہے. اس طرح صرف چند ہی مشہور قبریں جانی پہچانی جاتی ہیں باقی کا بقیع الغرقد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، مہاجرین اور انصار، کی قبور سے بھرا پڑا ہے." (۵۳) تاہم اس تفصیلی بیان میں سیدۃ حلیمہ سعدیہ کی قبر مطہرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا. ان سے پہلے کے مورخین نے بھی اس کا کبھی ذکر نہیں کیا. اگلے صفحہ پر دی گئی تصویر میں ہم نے کوشش کی ہے کہ چند مشہور و معروف قبور کا محل وقوع بیان کیا جائے.

وہ علاقہ جہاں سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک ہے اور اس سے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ قدیم بقیع الغرقد کا حصہ نہیں تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا. یہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے حضرت ابان بن عثمانؓ کی ملکیت تھا اور اسے 'حش کوکب' کہا جاتا تھا. تاہم بعد میں مروان بن الحکم نے جب وہ مدینہ طیبہ کا گورنر بنا تو اس نے مشرقی دیوار گرا کر سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک کا علاقہ بقیع الغرقد میں شامل کر دیا تھا. (۵۴) دیوار گرانے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا باپ الحکم بھی اسی علاقے میں دفن کیا گیا تھا. اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ وہ پتھر جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے نصب کیا تھا اس کو اٹھا کر حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر پر نصب کر دے مگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اصرار پر اسے واپس اسی جگہ رکھنا پڑا. (۵۵) حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر کے آس پاس بنو امیہ کے چند لوگوں کی قبور بھی تھیں جو کہ ان کے دور میں وہاں مدفون ہوئے تھے؛ ان دنوں میں اس علاقے کو "حد" کہا جاتا تھا.

مورخین میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ وہ قبر جو کہ بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ، ام علی کرم اللہ وجہہ الکرم، سے منسوب ہے وہ درحقیقت ان کی قبر نہیں ہے بلکہ حضرت سعد ابن معاذؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کی قبور ہیں اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے. اس معاملے میں تمام احادیث مبارکہ متفق ہیں کہ جب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [چلیں، میری والدہ کے گھر چلتے ہیں!] آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک یہ کہہ کر اتار کر دی: [ان کو غسل دینے کے بعد یہ قمیص ان کے کفن کے نیچے پہنا دی جائے.] پھر آں حضرت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا جائے حضرت عمر بن الخطابؓ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے قبر کھودی اور رسول اللہ ﷺ کچھ دیر ان کی قبر میں لیٹے رہے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے تاکہ ان کی قبر کو انوار الٰہیہ سے منور کر دیں. آپ حضور ﷺ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کو اپنی ماں کی طرح پیار کرتے تھے کیونکہ جب آپ حضور ﷺ شعب ابی طالب میں تھے تو انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی طرح

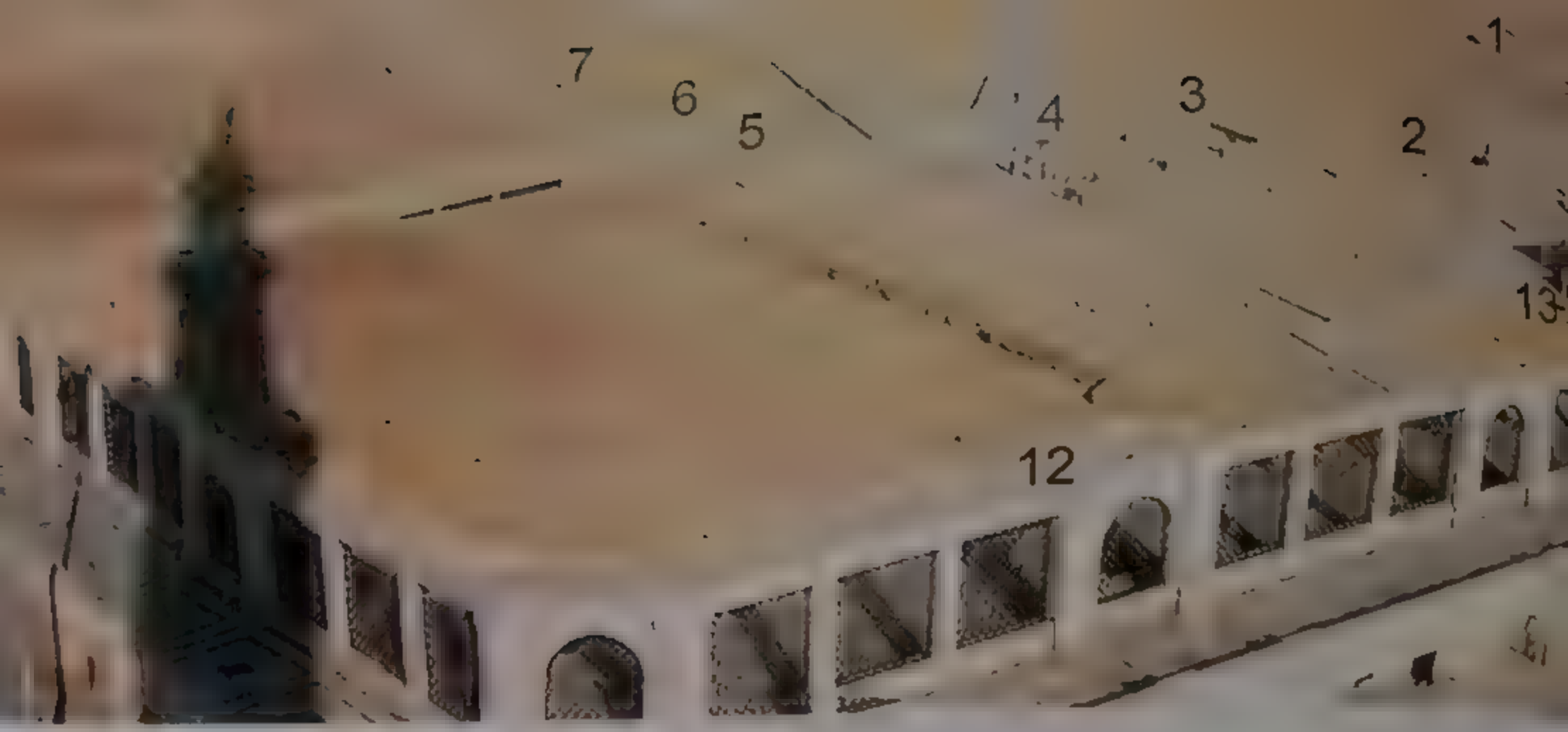

بقیع شریف میں اہم مزارات کی تفصیل

۱- قبر اہل بیت الاطہار:

سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسنؓ، امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ، امام جعفر الصادقؒ، سر مبارک امام حسینؓ

۲- قبور بنات النبی ﷺ

سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ

۳- قبور امہات المومنین رضوان علیہن اجمعین:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہؓ، سیدہ جویریہؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ صفیہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ ام ابراہیمؓ، سیدہ حفصہ بنت عمرؓ

۴- دار عقیل (برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم):

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ

۵- قبر حضرت امام مالکؒ دائیں طرف قبر امام نافعؒ (امام مالک کے استاد)

۶- قبر عبدالرحمٰن الاوسط ابن عمر فاروقؓ

۷- قبر ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ:

یہ احاطہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ یہاں سب سے پہلی تدفین (حضرت اسعد ابن زرارہؓ) کی ہوئی جسے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا۔ یہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سیدہ فاطمہ بنت اسدؓ (والدہ حضرت علیؓ)، حضرت محمد بن حنفیہؒ و دیگر صحابہ کرامؓ مدفون ہیں

۸- شہدائے واقعہ حرہ

اسی جگہ ایک یا دو شہدائے احد بھی مدفون ہیں

۹- قبر مبارک حضرت سیدنا عثمان ابن عفانؓ

۱۰- سیدہ حلیمہ سعدیہؓ اور ان کی بیٹی سیدہ شیماؓ

۱۱- اس احاطے میں امام اسماعیلؒ کو اُن کا مزار مسجد نبوی شریف کی توسیع کے باعث منہدم کرنے کے بعد دفن کیا گیا تھا

بقیع شریف کے آخر میں چوکھٹے کے اندر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک حضرت سعد ابن معاذؓ اور دوسری حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ہیں (یہ دونوں قبور اس تصویر میں نظر نہیں آرہی ہیں)

۱۲- بقیع العمات

(جہاں رسول اللہ ﷺ کی دو پھوپھیاں اور سیدہ ام البنینؓ (زوجہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم یعنی حضرت عباس علمدارؓ کی والدہ ماجدہ مدفون ہیں)

۱۳- دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف وضو خانہ بنایا گیا ہے

دیکھ بھال کی تھی. حادیث مبارکہ میں تو یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور فرمایا کہ ان کو اسے کفن کے طور پر پہنایا جائے ابن زبالہ نے حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ، جو کہ مہاجرہ اصحابیہ تھیں، کو 'الروحاء' میں حمام ابی قطیفہ کے سامنے دفنایا تھا.'' انہوں نے مزید کہا ہے کہ: ''اس کے پاس ہی فرزند رسول حضرت ابراہیمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبریں تھیں.'' (۵۷) ابن زبالہ دوسری صدی ہجری کے سب سے پہلے مورخ مدینہ طیبہ تھے. نہ صرف یہ کہ ابتدائی مورخین کا اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ ان کی قبر الروحاء میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس تھی بلکہ آج کے مورخین، مثلاً ابراہیم العیاشی امدنی، بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں. ابراہیم العیاشی نے تو اس بات کی شدید مخالفت کی ہے کہ ان کی قبر اس جگہ پر نہیں جہاں پر غلط لعام کے طور پر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ علاقہ اس وقت بقیع الغرقد کا حصہ ہی نہیں تھا. (۵۸) اس کے علاوہ ابن شبہ نے عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی قبر سیدۃ فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کے قریب تھی. ایسی ہی چند روایت کو بنیاد بنا کر شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قبر جو کہ دار اہل بیت میں ہے وہ قبہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کی ہے نہ کہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی.

قبور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کتبوں کی تنصیب اور قبوں کی تعمیر

بقیع الغرقد کے تقدس، احترام اور اہمیت کی وجہ سے روز اول سے ہی اس کا بہت خیال رکھا جاتا رہا ہے. ابن زبالہ نے حضرت عیسیٰ بن عبداللہؒ سے روایت کی ہے. ''میں نے حسن بن قطیفہؒ کو دیکھا ہے جو اپنی تنخواہ بیت المال سے لیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ذمے بقیع الغرقد میں قبور کی دیکھ بھال لگائی گئی تھی.'' (۵۹) آثار قدیمہ کی باقیات اس بات کی شہادت بھی دیتی ہیں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں لوگ اپنے اپنے عزیزوں کی قبور پر یادداشت کے لیے پتھر کی سلیں لگا لیا کرتے تھے. اس سلسلے میں رائل اشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں ۱۹۳۰ء میں ایک مضمون چھپا تھا بعنوان ''حضرت عثمانؓ کے دور مبارکہ سے ۳۱ ہجری (۶۵۲ء) کا سب سے قدیم اسلامی کتبہ'' جس میں اس بات کا تجزیہ کیا گیا تھا کہ سب سے پہلا قبر کا کتبہ جو کہ کوفی رسم الخط میں کسی قبر پر ملا ہے وہ ۳۱ ہجری کا ہے. اگرچہ مدینہ طیبہ میں ایسا کوئی کتبہ محفوظ نہیں کیا گیا، لیکن حجاز میں دریافت ہونے والا یہ پہلا کتبہ تھا جو کہ ایک اصحابی، حضرت عبدالرحمٰن ابن خیر الحاجریؓ کی قبر پر نصب تھا. دو وجوہات کی بنا پر یہ کتبہ ہمارے لیے بہت اہم ہے: اولاً یہ پہلا کتبہ ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط سے عبارت کنداں ہے جو بغیر نقطوں اور اعراب کے ہے اور ثانیاً یہ کہ یہ پوری اسلامی دنیا میں پہلا کتبہ ہے جس پر اس کے بنانے کی تاریخ کنداں ہے. (۶۰)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ تمام قبور پر ایسے کتبے نصب تھے، یہ دور از کار اور غیر حقیقی بات ہے، لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ بہت سی یا چند قبور پر ایسے کتبے ضرور لگ چکے ہوں گے. اس آثار قدیمہ کے انکشاف کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ایک اصحابی کی قبر پر نصب شدہ کتبہ تھا جو کہ خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں ہی وقوع پذیر ہوا تھا. یہ بھی صحیح ہے کہ یہ قبر مبارکہ بقیع الغرقد میں نہیں تھی، مگر چونکہ یہ ایک صحابی کی قبر تھی جو کہ ۳۱ ہجری میں شہید ہوئے تھے، اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جیسا کہ بہت سے مورخین کے بیانات سے واضح ہے، ایسے کتبے جنت البقیع میں بھی لگ چکے ہوں گے. اس کے اوپر کنداں عبارت جو کہ ایک ایسے رسم الخط میں ہے جو کہ نبطی خط کی ترقی یافتہ شکل تھی جس کی کوکھ سے خط کوفی نے جنم لیا تھا. اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یہ قبر عبدالرحمٰن ابن خیر الحاجری کی ہے. اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے پڑھنے سے گزرنے والے جب اس تحریر کو پڑھیں تو ان کے لیے دعائے خیر کریں. آمین! یہ تحریر جمادی الثانی اکتیسویں سال میں لکھی گئی. (یعنی لگ بھگ جنوری - فروری ۶۵۲ء).'' (۶۱)

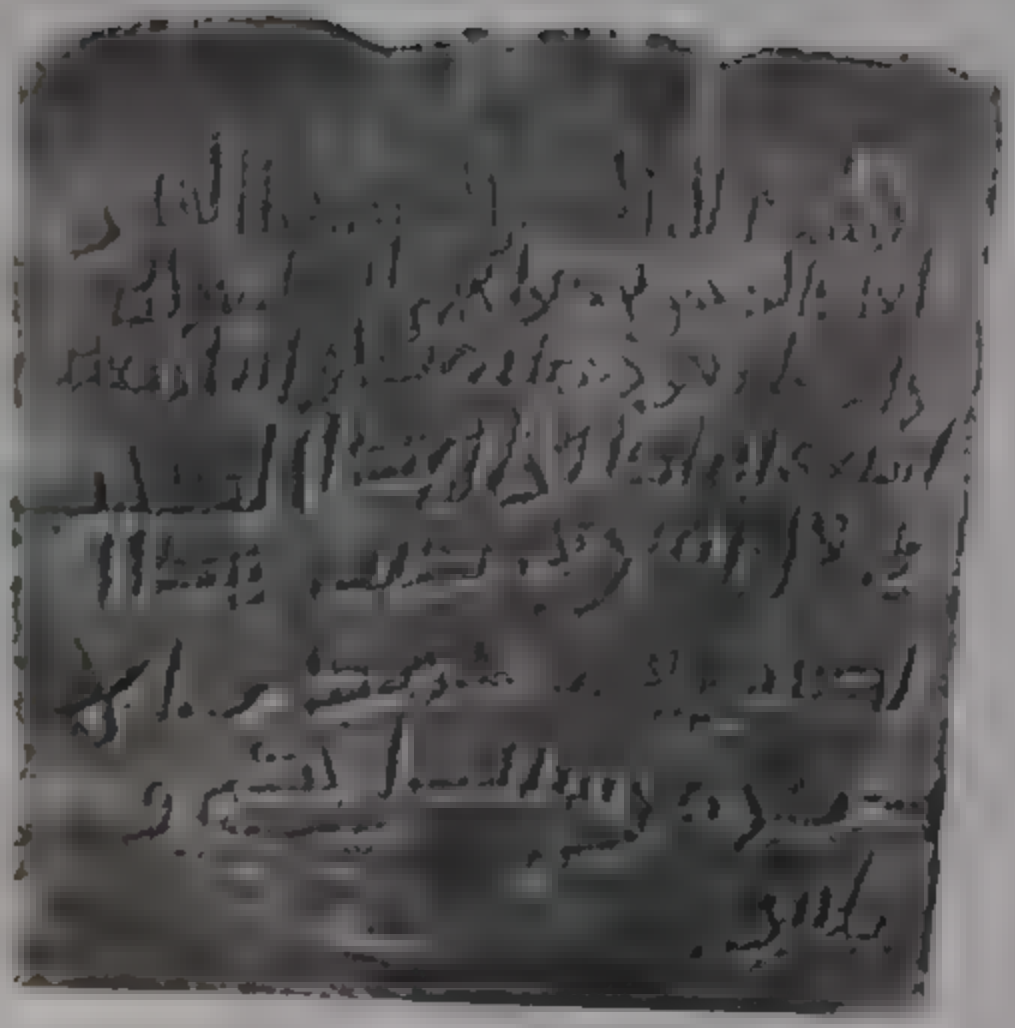

اسلامی دنیا کی سب سے قدیم لوح جو حضرت عبدالرحمٰن بن الحاجریؓ کی قبر پر لگائی گئی تھی یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا دور اور سن ۳۱ ہجری تھا۔

اس آثار قدیمہ کی شہادت سے جو کہ ۳۱ ہجری میں اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب کہ حضرت عثمان بن عفانؓ سریر آرائے خلافت راشدہ تھے، یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم قبور کا کتنا احترام اور فوت شدہ احباء کی یاد کس طرح دعاؤں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق قبور پر پتھر نصب کئے جاتے تھے، لیکن آنے والے وقتوں میں مرحوم کی یاد زندہ رکھنے کے لیے ان پتھر کی لوحوں یا کتبوں پر عبارات تحریر کی جاتی تھیں۔ ابن شبہ نے بھی ایک ایسی ہی روایت کی ہے جس میں اس نے ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی قبر پر کتبے کا ذکر کیا ہے۔ ان کی قبر اطہر کے متعلق لکھتے ہوئے وہ رقمطراز ہے: [ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مبارک بقیع میں ہے۔ جب حضرت محمد بن زید بن علیؒ (ابن حسین علیہ السلام) کو سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر کے قریب دفنائے جانے کی خاطر ان کے لیے قبر کھودی جا رہی تھی تو تقریباً ۸ ہاتھ (ذرع) (یعنی چار میٹر) کی گہرائی پر ایک ٹوٹا ہوا کتبہ ملا تھا جس پر لکھا ہوا تھا: ''ام سلمہؓ زوجۃ اطاہرہ رسول مقبول ﷺ'' اور اس سے ان کی قبر اطہر کی شناخت بھی ہو گئی تھی۔ (۶۲) مسعودی (ت ۳۴۶ ہجری) نے لکھا ہے کہ اہل بیت طاہرہ کے قبور پر کتبے کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے۔

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سب تعریف اللہ کے لیے جو ہر زندہ چیز پیدا کرتا ہے اور پھر اسے موت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے یہ قبور صاحبزادی رسول اللہ ﷺ سیدۃ النساء، الفردوس سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کے فرزند حسن ابن علی علیہ السلام، اور علی ابن حسینؒ ابن علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت محمد بن علیؒ اور حضرت جعفر بن محمدؒ کی ہیں۔'' سمہودی نے بھی ایسے چند واقعات قلمبند کئے ہیں جن میں چند مشاہیر کے قبور کے کتبے البقیع یا دیگر جگہوں سے زیر زمین کھدائی کے وقت دریافت ہوئے تھے۔

امت مسلمہ کی نگاہوں میں اس تاریخی مقبرے کے بے حد احترام کی وجہ سے جب مشائخ اور بزرگوں کی قبور پر گنبد بنانے کا رواج ہوا (اور خاص طور پر ایسا عباسی دور میں ہوا) تو وہاں بھی بہت سی مشہور قبور پر گنبد تعمیر کروا دیئے گئے۔ بعض اوقات ایسے گنبد صرف ایک ہی قبر پر تھے، لیکن زیادہ تر ایک سے زیادہ قبور کے مجموعے پر (جو کہ ایک ہی گروہ سے متعلق تھیں۔ مثلاً اہل بیت الطاہرہ، امہات المومنین رضوان اللہ علیہن، یا بنات الرسول اللہ ﷺ وغیرہ) صرف ایک ہی گنبد بنا دیا گیا تھا۔ پہلا گنبد جو کہ بقیع الغرقد میں تعمیر ہوا وہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے مزار پر تھا اور اسی کے احاطے میں اہل بیت الطاہرہ کی سرخیل شخصیتوں: سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؑ، امام حسن ابن علیؑ، امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ اور امام جعفر الصادقؒ کی قبور تھیں (۶۳) یہ گنبد عباسی خلیفہ ناصر ابوالعباس احمد بن المستضی نے ۵۱۹ ہجری میں تعمیر کروایا تھا۔ (۶۴) لیکن اس سے بھی بہت پہلے شہدائے احد کے مقبرہ تو تیسری صدی ہجری میں ہی تعمیر ہو چکے تھے جیسا کہ ابراہیم رفعت پاشا کی مرآۃ الحرمین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقبرے کے دروازے پر جو لوح سنگ ۱۹۲۲ء تک نصب تھی اس پر سن تعمیر ۲۷۵ ہجری کنداں کیا گیا تھا (مرآۃ الحرمین، الجزء الاول، صفحات ۳۹۲۔۳۹۳)

روایات میں ہے کہ اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوسعید الخدریؓ نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر

جنت البقیع کے انہدام سے پہلے کی ایک نایاب تصویر
۱-مقبرہ حضرت عباسؓ
۲-مقبرہ دختران رسول اللہ ﷺ
۳-مقبرہ امہات المومنینؓ
۴-مقبرہ حضرت عقیل بن ابوطالبؓ
۵-مقبرہ حضرت امام مالکؒ اور شیخ القراء حضرت نافعؒ
۶-مقبرہ حضرت ابراہیمؓ (سرکار ﷺ کے بیٹے)

کوئی خیمہ نہ لگایا جائے۔ انہوں نے اپنی جائے تدفین کا انتخاب بھی خود کیا تھا، بیٹے کو بتا دیا تھا۔ (۶۵) ایک اور روایت کچھ اس طرح ہے۔ [حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا تھا کہ کھجور کے دو پتے ان کی قبر پر رکھ دیے جائیں۔] حضرت محمد بن عمر بن علیؒ سے مروی ہے۔ [میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے اس کا سرہانہ پیر کی اس طرح کا بنا ہوا تھا جو کہ کافی بلند تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے کہ کوئی جھنڈا ہو۔] (۶۶) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ (یہ ان کے بھائی تھے جن کو ابو شحمہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے) پر بکری کے بالوں سے بنا ہوا ایک خیمہ تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''اس کو ہٹا دو کیونکہ اس کے اعمال اس کو سایہ فراہم کریں گے۔'' (۶۷) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر کوئی خیمہ نہ لگایا جائے۔ (۶۸) ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ہی بعض قبور پر خیمے وغیرہ لگنے شروع ہو گئے تھے، گو کہ اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: ''جب حسن بن الحسن بن علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک خیمہ نصب کروا دیا تھا جو کہ تقریباً ایک سال وہاں موجود رہا اور پھر اسے ہٹا دیا گیا۔ اس وقت انہوں نے ہاتف غیبی سے یہ سنی جو کہہ رہی تھی۔ ''کیا انہیں وہ مل گیا جو کچھ ان سے کھو گیا تھا؟'' ساتھ ہی ایک دوسری ندا آئی کہ: 'نہیں وہ مایوس ہو کر جا رہے ہیں لیکن ان کی روایت سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فسطاط لگانے کی ممانعت کی گئی تھی (۶۹) سخت گرمیوں میں اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ قبر وغیرہ کھودنے کے لیے اس جگہ خیمہ لگا لیا جاتا تھا تاکہ گرمی کی حدت سے بچا جا سکے۔ سب سے پہلی روایت جس میں اس بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا تھا کہ چونکہ ان کی تدفین دن کے وقت ہوئی اور موسم انتہائی گرم تھا گورکنوں کو سایہ فراہم کرنے کے لیے ایک خیمہ لگا لیا جائے۔ (۷۰) لیکن ایسا لگتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ایسا کوئی رواج ضرور ہو گیا تھا کہ قبور پر مستقل خیمے نصب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ابن سعد حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق اپنی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں: [حضرت عبیداللہؓ کی قبر پر ایک خیمہ ہوا کرتا تھا اور قبر پر پانی بھی چھڑکا جاتا تھا۔] (۷۱)

ان تمام روایات سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے خیمہ وغیرہ لگانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر تابعین رضوان اللہ علیہم کے دور میں یہ رواج عام ہو گیا تھا۔ اگر حضرت عبیداللہ ابن عبداللہ ابن عمرؓ کی قبر پر خیمہ تھا اور اس سے پہلے ان کے چچا (حضرت عبدالرحمٰن) کی قبر پر بھی خیمہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اہل بیت میں سے حضرت حسن مثنیٰ ابن حضرت حسن علیہ السلام کی قبر پر سال بھر خیمہ رہا تھا، تو اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ ایسا صرف ایک یا دو قبروں پر نہیں ہوا ہو گا بلکہ اس بات کا عام رواج ہو چکا ہو گا۔ بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بقیع الغرقد میں ایک جگہ لے کر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے لیے ایک گھر بنوا دیا تھا جہاں سیدۃ بتولؓ صاحبزادی رسول ﷺ اپنے بابا جان ﷺ کی وفات کے بعد عزلت نشین ہو کر اپنے حزن و غم کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ قبروں پر مزارات بنوانے کا براہ راست تعلق اس رسم سے ہے جس میں بعض اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور پر خیمے (فساطیط) لگائے گئے تھے۔

عمر بن شبہ النمیری، المشہور بابن شبہ (۱۷۳-۲۶۲ ہجری) تاریخ مدینہ کے اولین استادوں میں دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ بعنوان ''اخبار المدینہ النبویہ'' جس کا وہ حصہ جو کہ زمانے کی دستبرد سے بچ سکا ہے آج کل ''تاریخ المدینہ المنورہ'' کے

نام سے چار جلدوں میں دستیاب ہے. دراصل یہی معرکۃ الآراء کتاب بعد میں آنے والے مورخین کے لیے مآخذ رئیسی ثابت ہوئی ہے. اس کتاب میں ایک ایسا انکشاف کیا گیا ہے کہ وہ جب اپنی کتاب تالیف کر رہے تھے اس وقت حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر اطہر پر جنبذہ (جو کہ فارسی کے لفظ گنبد کی عربی شکل ہے) بنا ہوا تھا جن کو کہ ان کے اپنے گھر دار اثلح میں (جو کہ حضرت مقداد بن الاسودؓ کے گھر کے بازو میں تھا) میں بنی عبدالاشہل کے ملاقے میں بالکل اخیر میں دفن کیا گیا تھا (جو کہ آج کل بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں پڑتی ہے. (۷۲) ان کا جنازہ سرکار دو عالم ﷺ نے ادا فرمایا تھا اور اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی معیت میں اس گھر میں دفنایا تھا حضرت محمد بن منکدرؒ نے حضرت محمد بن شرحبیلؒ سے روایت کی ہے کہ: [ایک شخص نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر سے مٹھی بھر مٹی اس دن اٹھائی جس دن ان کو دفن کیا گیا تھا، اس سے مشک کی طرح خوشبو آ رہی تھی.] (۷۳)

یہ 'جنبذہ' پہلی صدی کے اواخر میں یا دوسری صدی کے اوائل میں اکلوتی مثال معلوم ہوتی ہے مگر یہی جنبذہ بعد میں بہت سے مزارات پر قبے اور گنبدوں کا پیش رو ثابت ہوا. یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور پھر اسلامی دور کی ابتداء میں اکثر اوقات قبور کمروں کے اندر ہوا کرتی تھیں. صرف یہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو آپ حضور ﷺ کے حجرہ مطہرہ میں دفن کیا گیا، بلکہ آپ کے خلیل سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور دست راست سیدنا عمر فاروقؓ بھی اسی حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے حضرت سعد ابن معاذؓ، حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ کے والد ماجد) بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے اپنے رہائشی کمروں میں دفن ہوئے. جہاں تک زمانہ قبل از اسلام کی تدفین کا تعلق ہے تو ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر مطہرہ بھی کمرے میں ہی واقع تھی. نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اور نہ ہی کسی اصحابی نے زمانہ قبل از اسلام کی ایسی قبروں پر سے کمرے گرائے اور نہ ہی زمانہ بعد از اسلام کی قبور جو کمروں میں واقع تھیں (مثلاً حضرت مالک بن سنانؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبور طاہرہ) پر سے کمرے گرائے جانے کا حکم دیا. جب ابوسفیان اپنی مکی فوج کی سربراہی میں غزوہ احد کے لیے مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑا تو اس سلسلے میں مورخین خاص طور پر اس بات کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ جب اس کی فوج الابواء کے پاس پہنچی تو اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے تجویز دی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کو اکھاڑ کر ان کے جسد خاکی کو ممکنہ قیدی ہو جانے والے مکیوں کی رہائی کے لیے بطور تاوان نکال لیا جائے. اس

انیسویں صدی کے آخر میں ایک ترک سیاح کی لی ہوئی تصویر جس میں بائیں جانب والا قبہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کا ہے جب کہ درمیانی قطار کا درمیانی قبہ حضرت عثمانؓ کا ہے جب کہ دائیں جانب کا بڑا قبہ بنات الرسول ﷺ یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی تین شہزادیوں کا مزار ہے

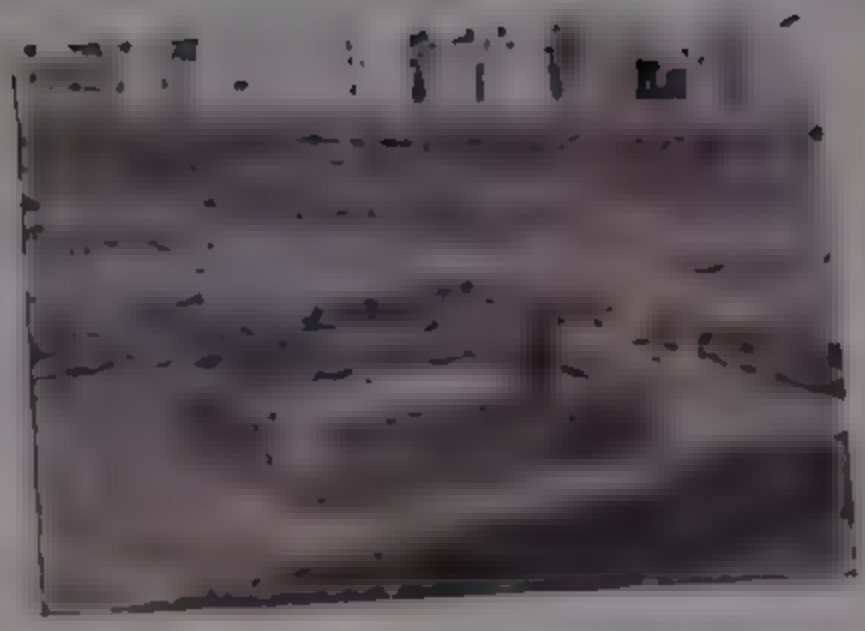

قبر فرزند رسول متبوں ﷺ
حضرت ابراہیمؓ (متوفی ۱۰ھ)

نے ابوسفیان سے کہا "اگر تم (سیدہ) آمنہ ام (حضرت) محمد (ﷺ) کی قبر کو دیکھنا چاہتے ہو تو یثرب میں ہے اگر تم میں سے کوئی بھی ان کے ہاتھ قیدی بنے یا تو ہم اسے ان کے جسد خاکی کے بدلے رہائی دلوا دیں گے" (۷۴) تاہم ابوسفیان نے دور بینی کا مظاہرہ کیا اور اس کے ردعمل سے ڈرتے ہوئے اس نے اس تجویز کی مخالفت کی رسول اللہ ﷺ کی اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر پر جانے کے سلسلے میں بہت سی احادیث مبارکہ ہیں کسی بھی ایک روایت میں یہ مذکور نہیں کہ آپ حضور ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا ہو کہ ان کی والدہ ماجدہ کی قبر کے اوپر واقع تعمیر گرا دی جائے یا یہ کہ قبر اطہر کو مسمار کر کے اسے سطح زمین کے برابر کر دیا جائے ابن سعد نے تو اس کے برعکس ایک ایسی حدیث مبارکہ روایت کی ہے جس سے یہ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر کو مرمت فرمایا اور یہ فرماتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ کر سکے | ان کی ممتا اور محبت نے مجھ پر غلبہ کیا اور مجھے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا | (۷۵)

اس کے علاوہ چند اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر فسطاط (خیمہ) جو کہ قبہ کی ابتدائی شکل تھی - بنائے جانے لگے تھے جیسا کہ مفتی شرح موطا، امام مالک میں روایت ہے کہ | حضرت عمرؓ نے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی قبر پر فسطاط لگوایا، ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی قبر پر اور حضرت محمد بن حنفیہؒ نے ابن عباسؓ کی قبر پر اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیے کہا جو کہ اس کو فخر اور ریاء کے لیے بنائے | حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی وفات پر | جب ان کا انتقال طائف میں ہوا تو ان پر حضرت محمد بن حنفیہؒ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر مسنم (اونٹ کی کوہان کی طرح) بنائی اور اس پر فسطاط لگوایا | (جاء الحق وذہق الباطل از مفتی احمد یار خاں نعیمی، ص ۲۹۲) یہی فساطیط بعد کے باقاعدہ قبوں کے پیش رو بنے اور مشروع سمجھے گئے جیسا کہ ہم نے ابن شبہ کی روایت بیان کی ہے حضرت سعد ابن معاذ کی قبر اطہر پر گنبد تو دوسری صدی میں ہی تعمیر ہو گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اوپر بیان کی گئی شرعی حیثیت کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اکا دکا مثالوں کے علاوہ اسلامی دنیا میں عباسیوں کے دور سے پہلے قبور پر بہت بڑے گنبد تعمیر کرنے کا رواج عام نہ تھا۔ یہ عباسی ہی تھے جنہوں نے عظیم الشان قبوں کو رواج دیا اور پھر اسے مقبول بنا دیا نتیجے کے طور پر پہلے موصل اور بغداد میں اور پھر میدان کرب و بلاء میں اور پھر مدینہ طیبہ اور مکۃ المکرمہ میں جنابذ (جنبذہ کی جمع) بنانے کا رواج ہو گیا۔ ارشید نے سب سے پہلے اپنے مشیر خاص الفضل بن یحییٰ برمکی کی والدہ کے قبر پر مزار بنوایا اور پھر مامون الرشید نے ہارون الرشید اور جناب حضرت علی بن موسیٰ رضاؓ کی قبور پر شاندار مقبرے تعمیر کروائے۔ عباسیوں نے شیعہ حضرات کو خوش کرنے کے لیے اہل بیت کی قبور طاہرہ پر خصوصی توجہ دی اور یوں بقیع الغرقد میں واقع قبۃ اہل بیت عباسیوں کی اس عنایت خاص کا مرہون منت رہا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا یہ فعل اہل بیت طاہر کی تعظیم و تکریم کے لیے کم مگر اپنے جد امجد حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مقام کو اجاگر کرنے کے لیے زیادہ لگتا ہے۔ ان کی خلافت کی ابتدائی دو صدیوں میں جب کہ وہ اپنی قوت کی معراج پر تھے، انہوں نے ایسا نہیں کیا، لیکن جونہی ان کی گرفت اسلامی سلطنت پر کمزور پڑنی شروع ہوئی اور ان کا قرامطیوں اور فاطمیوں جیسے طوفانوں سے مقابلہ ہوا تو نمود و نمائش کے خارجی اثرات زیادہ شدت سے نمایاں ہونے لگے۔ ہر عباسی خلیفہ کا مزار نہایت شاندار بنایا جانے لگا اور ہر بڑے بزرگ یا ولی یا امام اہل بیت کی قبر پر بیش قیمت گنبد بننے لگے۔ سب سے پہلا شاندار قبہ جو بقیع الغرقد میں بنا وہ ۵۱۹ ہجری میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور دیگر اہل بیت کی قبور پر بنایا گیا۔ (۷۷) اس کے بعد یہ اسلامی دنیا میں مزارات کے فن تعمیر کا باقاعدہ حصہ بن گیا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر پر پہلا قبہ اسامہ بن سنان الصالحی

نے ۶۰۱ ہجری میں تعمیر کروایا جو کہ سلطان صلاح الدین یوبیؒ کے نائبین میں سے ایک تھے (۷۹)

بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور کا محل وقوع

جہاں تک بقیع الغرقد میں مشہور قبور کی پہچان اور ان کے محل وقوع کا تعلق ہے، ابن زبالہ اور ابن شبہ کی بیان کردہ روایات ہماری کافی حد تک راہنمائی کرتی ہیں چونکہ پہلی ایک یا دو صدیوں میں قبور پر کمرے یا زیادہ تعداد میں کتبے نصب نہیں تھے، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی کثیر تعداد کی قبور مطہرہ کا تعین مشکل ہو گیا تھا لیکن یہ صرف ظن وتخمین کی ہی بات نہیں تھی، بلکہ ابتدائی مورخین کی نگارشات اور اہل مدینہ کی غیر منقطع اور متسلسل زبانی روایات تھیں جن کے ذریعے مشہور صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور کا محل وقوع ایک سے دوسری نسل اور پھر یکے بعد دیگرے اگلی نسلوں تک متواتر منتقل ہوتا رہا اس وقت کے مروجہ حالات میں شائد اس سے بہتر اور کوئی دوسرا طریقہ کار بھی نہیں تھا ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس تواتر کے پس منظر میں وہ سوانح حیات اور تواریخ مدینہ طیبہ بھی تھیں جو اس دور میں لکھی گئیں اور یوں روایات کی کڑیاں ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری نسل تک ملتی چلی گئیں.

ان نگارشات اور تواریخ میں سب سے اہم ابن زبالہ اور ابن شبہ کی اخبار مدینہ طیبہ، ابن سعد کی طبقات الکبریٰ، ابن نجار کی تاریخ مدینہ طیبہ، المطری اور المراغی کے تجزیاتی حاشیے، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن جبیر کی رحلۃ اور ابن بطوطہ کا سفر نامہ، اولیا شلبی کا سیاحت نامہ، العیاشی اور بتنولی کی زیارتی یادداشتیں، اور سب سے اہم بیسویں صدی کے مصری امیر الحج کا سفر نامہ 'مرآۃ الحرمین' اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں. مدینہ طیبہ کا برزنجی خاندان بقیع الغرقد میں واقع قبہ جات کا صدیوں سے وہابیوں کی پہلی یلغار تک متولی رہا تھا اور جب ترکوں نے دوبارہ قبہ جات تعمیر کروا دیئے تو پھر بھی برزنجی خاندان ہی البقیع کا متولی مقرر کیا گیا تھا جو کہ بیسویں صدی کے شروع تک رہا تھا. اسی معزز خاندان کی ایک مشہور شخصیت، شیخ جعفر بن اسماعیل البرزنجی نے اپنی مایہ ناز تاریخ مدینہ ''نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین'' میں بقیع الغرقد میں واقع مزارات کی ممکنہ حد تک صحیح تصویر کشی کی ہے. (۸۰) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوائے چند قبور کے جن کے محل وقوع کا اختلاف شروع ہی سے ہے، باقی مقامات کے محل وقوع کافی حد تک غیر متنازعہ فیہ ہیں. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اگر روایات پر جایا جائے تو بقیع الغرقد میں مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی، مگر معدودے چند ہیں جن کی قبور کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے اور مورخین کے نزدیک وہی معتبر محل وقوع ہیں.

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، سب سے پہلے اور سب سے بڑا مزار حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے قبر پر ۵۱۹ ہجری میں تعمیر ہوا

تھ جسے قبۃ اہل البیت کہا جاتا تھا۔اس کے دو دروازے تھے: ایک شمال میں اور دوسرا مغربی جانب۔اس میں حضرت عباسؓ کے علاوہ اہل بیت کی نہایت ہی سرکردہ شخصیتوں کی قبور طاہرہ بھی تھیں۔دیگر قبہ جات بعد کے ادوار میں مختلف بادشاہوں اور سلاطین نے تعمیر کروائے تھے، یا پھر زائرین نے چندہ جمع کر کے کچھ کو تعمیر اور مرمت کروایا تھا۔صرف بقیع الغرقد کے لیے ہی نہیں بلکہ شہدائے احد، مشہد حضرت مالک بن سنانؓ وغیرہ کے لیے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ کم وبیش دس قبہ جات (گنبد) بقیع الغرقد میں ہوا کرتے تھے۔ہم نے میں سے صرف تین ہی کی تصاویر حاصل کر پائے ہیں جو مختلف وقتوں میں مختلف زائروں نے مختلف زاویوں سے کھینچی تھیں۔ان قبہ جات کے نام مندرجہ ذیل تھے:

(۱) قبہ عباسؓ یا قبۃ اہل البیت الطاہرہ
(۲) قبۃ بنات الرسول اللہ ﷺ
(۳) قبۃ امہات المومنین (زوجات رسول اللہ ﷺ)
(۴) قبۃ ابراہیم فرزند رسول اللہ ﷺ
(۵) قبۃ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
(۶) قبۃ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ
(۷) قبۃ عمات رسول اللہ ﷺ
(۸) قبۃ امام نافع اور امام مالکؒ
(۹) قبۃ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ
(۱۰) قبۃ ام علی ابن ابی طالب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ
(۱۱) ایک اور قبہ جو عرف عام میں بیت الحزن کے نام سے مشہور تھا۔

ان میں سے ہر قبہ کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ قبور تھیں اور ترکی حکومت نے بہت ہی احتیاط سے ان تمام قبور کے اوپر کتبے لگا رکھے تھے تاکہ مختلف قبور کی مناسب نشان دہی ہو سکے۔جب مولف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو دیکھا کہ ابوالنبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ اور صحابی رسول حضرت مالک بن سنانؓ کے مزارات پر بھی سنگ مرمر کے کتبے نصب تھے جن پر تفاصیل لکھی ہوئی تھیں۔ان تمام قبوں کو جو بقیع الغرقد میں یا مدینہ طیبہ میں کسی اور جگہ پر واقع تھے، مثلاً سید الشہداء وغیرہ، وہابیوں نے جب پہلی بار ۱۸۰۵ء میں مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تھا تو انہیں مسمار کر دیا تھا۔انہوں نے نہ صرف ان قبوں کو زمین بوس کر دیا بلکہ ان کے اندر موجود قبور کو بھی گرا کر ان کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔(۸۲) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ ابتداء میں ایسے گنبد نہ تھے مگر نہ صرف قبروں کے نشانات تھے بلکہ مشہور قبور پر الواح قبور بھی نصب تھیں جن سے ان کی پہچان قائم تھی، اور پھر آٹھ صدیوں سے وہاں موجود ہونے سے ان کا اپنا تشخص اور مقام بن چکا تھا جو کروڑوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن تھا۔مزید برآں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کے اردگرد پنج گوشہ اور حجرہ مبارکہ اور بہت سے دیگر اصحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم کی قبور مطہرہ پر مکانات کا ہونا اس بات کی مضبوط دلیل تھی کہ ان کو ان کی حالت پر رہنے دینے سے نہ کوئی حرج تھا اور نہ کسی فتنے کا ڈر تھا۔ حجرہ اطہر سید خیر الانام ﷺ کے گرد جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنجگوشہ تعمیر کروایا تو اس وقت کم وبیش ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں بقید حیات تھے مگر کسی نے بھی ان سے تعرض نہیں کیا۔ مگر تشدد پسندی نے اپنا رنگ دکھایا اور کروڑوں فرزندان توحید کے احتجاج کے باوجود بقیع الغرقد میں واقع ان گنبدوں اور قبور کو مسمار کر دیا گیا۔ (۸۳) اس سے نہ صرف کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا بلکہ ان قبور پر موجود تختیوں اور الواح کو ضائع کر دیا گیا جن سے ان کی شناخت ہمیشہ کے لیے جاتی رہی۔ آٹھ سال کے بعد جب وہ لوگ نکال دیئے گئے تو ترکوں نے قبہ جات پھر سے تعمیر کروا دیئے۔ ان قبہ جات کے متولی خوش قسمتی سے اس وقت بقید حیات تھے، اس لیے تعمیر نو اور قبور کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئی۔ بمشکل ایک ہی صدی گزری ہوگی کہ وہابیوں نے پھر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی اور جونہی وہاں ان کا قبضہ ہوا، انہوں نے پھر پرانی تاریخ کو دہرایا اور ان تمام قبہ جات کو دوبارہ مسمار کر دیا۔ اب کی بار تو بقیع الغرقد میں موجود قبور کا پوری طرح نام ونشان مٹا دیا گیا اور اب سوائے چند کھنڈرات کے باقی کی بقیع الغرقد ہل چلائے ہوئے کھیت کی سی لگتی ہے۔ قبروں پر نشانات تو ایک طرف سب قبروں کو مسمار کر کے زمین ہموار کر دی گئی تھی اور ادھر ادھر سیاہ رنگ کے پتھر پھینک دیئے گئے تاکہ گورستان کی ویرانی میں مزید اضافہ ہو سکے۔

زائرین جب بقیع الغرقد کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو ان کو کوئی بتانے والا نہیں کہ کونسی قبر کس کی ہے۔ سعودی معتمین جو البقیع کے صدر دروازے پر ملتے ہیں کا ان مقصد پیسے بٹورنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اول تو ان جہلاء کو مشہور قبور مطہرہ کا اتہ پتہ ہی معلوم نہیں ہوتا اور اگر اندر لے جا کر بتاتے بھی ہیں تو ان کے بیانات تضادات سے مزین ہوتے ہیں اور بالآخر یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ یہ سب بدعتیں تھیں جن کو ان لوگوں نے ختم کر کے نیکی کمائی ہے۔ سیدھا سادا سب اہل البقیع پر سلام پڑھو اور چلتے بنو۔ اور زائر منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ مولف ہذا کے ساتھ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔

ان مشکلات کی بنا پر ہمیں ان مشہور اور قدیم قبہ جات (جن کو وہابیوں نے گرا دیا تھا) کے محل وقوع کے مطابق ان میں واقع قبور مطہرہ کا کھوج لگانا پڑا جو کہ مختلف تاریخی کتب اور سفرناموں میں درج تھیں اور جن کی تصدیق چند پرانی تصاویر بھی کر رہی تھیں۔ (۸۴) بہت سے مورخین اور نقشہ جات کا تفصیلی مطالعہ اور موازنہ کرنے کے بعد ہمیں امام سمہودیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیانات حقیقت کے زیادہ قریب نظر آئے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ مدینہ طیبہ میں گزارا تھا۔ امام سمہودیؒ تو پچیس سال تک مسجد نبوی شریف کے فقہ شافعی کے امام بھی رہے تھے اور ان کی ساری زندگی مدینہ طیبہ کی تاریخ کی تدوین ہی میں صرف ہوئی تھی لہذا قارئین کی سہولت کے

مزار اہلبیت منہدم شدہ
جامت میل (تصویر شعیب
ڈینش ریجنل رپورٹ ۱۹۲۹ء)

لیے ہم نے ان مختلف قبہ جات کے حساب سے ان میں واقع قبور کی تفاصیل فراہم کی ہیں اگرچہ اب قدیم قبہ جات تو ناپید ہیں مگر ان میں سے تمام کی جگہ چند آثار اور کھنڈرات ضرور چھوڑ دیئے گئے ہیں جو امت مسلمہ کی بے اعتنائی پر نوحہ کناں ہیں۔ یہ آثار مورخین کی بتائی ہوئی تفاصیل کے عین مطابق ہیں تفصیلات کے معاملے میں ہم نے بہت سے نقشہ جات کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ اور مقارنہ بھی کیا۔ مثلاً ان تفاصیل کا موازنہ جو کہ ابن جبیر نے دی ہیں اور ایرانی زائرین کو دیئے گئے ایرانی مورخوں کے مختلف نقشوں سے، مگر ان تمام معاملات میں ہمارا اعتماد انتہائی ثقہ قسم کے مورخین پر زیادہ رہا ہے جیسا کہ امام سمہودیؒ اور شیخ جعفر برزنجی وغیرہ۔

چند معروف و مشہور قبور مطہرہ کا محل وقوع

دار اہل بیت الطاہرہ یا دار عباس بن عبدالمطلبؓ

جس جگہ یہ قبہ ہوا کرتا تھا وہاں ابھی بھی اس عمارت کی چند باقیات ہیں۔ یہ جگہ بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی پہلی سڑک جو کہ دائیں طرف کو بقیع کے اندر کی طرف جاتی ہے اس پر تھوڑی دور ہی بائیں طرف واقع ہے۔ بقیع الغرقد میں سب سے معروف و مشہور یہی جگہ ہے جس میں مندرجہ ذیل قبور ہیں:

(۱) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

(۲) سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء و بتولؓ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ
(شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق یہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کی قبر ہے)

(۳) سید الشباب الجنۃ امام حسنؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ

(۴) حضرت علی ابن حسینؒ (حضرت امام زین العابدینؒ)

(۵) حضرت محمد بن علی بن حسینؒ (حضرت امام محمد باقرؒ)

(۶) حضرت جعفر ابن محمدؒ (حضرت امام جعفر الصادقؒ)

ان قبور مطہرہ کے علاوہ ایسی بھی روایات موجود ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا باقی کا دھڑ خاک کربلاء میں مدفون ہے کیونکہ آپ کا سر مبارک یزید کے دربار میں بھیج دیا گیا تھا جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اسے مناسب تدفین کے لیے بھیج دیا تھا۔ چنانچہ اس سر مبارک کو بھی آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی پائیں جانب واقع ہے۔ (۸۶) ابتدائی ایام میں سب سے مشہور مورخ جس نے سب سے پہلے اس بات کا ذکر کیا

دائیں طرف سے
قبہ نمبر ۱
حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
حضرت فاطمۃ الزہراءؓ
حضرت امام حسنؓ
حضرت امام زین العابدینؒ
حضرت امام محمد باقرؒ
اور حضرت امام جعفر الصادقؒ
قبہ نمبر ۲
دختران رسول اللہ ﷺ
حضرت زینبؓ
حضرت ام کلثومؓ
حضرت رقیہؓ
قبہ نمبر ۳
ازواجِ مطہرات
حضرت عائشہؓ معہ دیگر
امہات المومنینؓ
قبہ نمبر ۴
حضرت زینب بنت امام حسنؓ
(تصویر شعیب قریشی از مجاور، پورٹ
۱۹۲۵ء)

ہے وہ القرطبی ہیں جنہوں نے اس معاملے میں بہت سی تفاصیل مہیا کی ہیں کہ امام عالی مقام کا سر مبارک کیسے کیسے اور کہاں کہاں سے ہوتا ہوا یزید کے پاس لے جایا گیا اور پھر اس نے اسے مدینہ طیبہ کے گورنر کو روانہ کر دیا جس نے اسے حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔(۸۷) ابن کثیر بھی ابن سعد کا حوالہ دیکر اسی رائے کے حامل نظر آتے ہیں جن کے بیان کے مطابق عمرو بن سعید بن العاص نے اسے البقیع میں آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے جوار رحمت میں دفن کروا دیا تھا۔(۸۸) تاہم اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ یہ بات شیعہ اور سنی حضرات میں متنازعہ رہی ہے شیعہ حضرات اس بات کی تردید کرتے ہیں اور ان میں سے اکثریت کی رائے ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک دمشق میں ہی مدفون ہے۔ وہاں تو حسین علیہ السلام کے نام پر ایک مزار بھی ہے۔

زبیر بن بکار کی ایک روایت کے مطابق شیر خدا علی المرتضیٰؓ کا جسد خاکی بھی انہی قبور کے ساتھ مدفون ہے۔(۸۹) مسعودی رقمطراز ہیں ''ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ [ان کو (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو) مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے قریب ہی دفن کر دیا گیا تھا۔''](۹۰) تاہم بعد کے مورخین اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن جیسا کہ امام سمہودیؒ نے نصیحت کی ہے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جب بھی آپ بقیع الغرقد جائیں تو سب اہل بیت طاہرہ پر سلام پیش کریں۔(۹۱)

اسی طرح کا اختلاف سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر مطہرہ کے متعلق بھی ہے۔ مختلف مآخذوں کی حتمی شہادتیں اتنی وزنی ہیں کہ اغلب امکان یہی ہے کہ سیدۃ النساءؓ کی قبر شریف بقیع الغرقد ہی میں اسی مقام پر ہے جہاں صدیوں سے مشہور ہے۔ تاہم ایک یا دو ایسی روایات بھی ہیں جن کے مطابق آپ کی تدفین اسی حجرہ مطہرہ میں ہی ہوئی جہاں کہ آپ رہائش پذیر تھیں۔ اس نقطہ نظر کے حامی محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن جعفر الصادق بن محمد الباقرؒ ہیں جن سے مروی ہے: ''سیدۃ فاطمہؓ کی قبر ان کے گھر میں ہی تھی جو کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں داخل کر دیا تھا۔''(۹۲) مشاہیر علماء میں سے ابن الجوزی بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں۔(۹۳) شیعہ حضرات کی بھی کثیر تعداد اسی نقطہ نظر سے متفق ہے۔ لیکن اس کے برعکس قدیم ترین مورخین میں سے کوئی بھی اس نظریے کا حامی نظر نہیں آتا، بلکہ انہوں نے ایسی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے حتمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدۃ بتولؓ جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا تھا۔

ابن سعد نے اپنی شہرہ آفاق طبقات الکبریٰ میں بہت سی روایات پیش کی ہیں جن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا۔ سب سے زیادہ معتبر بیان فرزند سیدۃ بتولؓ حضرت حسن ابن علیؓ کا ہے جنہوں نے بستر مرگ پر اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین ابن علیؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کی صورت میں سب سے پہلے تو یہ کوشش کی جائے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے رجوع کیا جائے اور اگر وہ اجازت دے دیں تو ان کو حجرہ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ تاہم اگر ایسا کرنا ناممکن ہو جائے تو انہیں بقیع الغرقد میں ان کی والدہ محترمہ کے قریب دفن کر دیا جائے۔(۹۴) بدقسمتی سے اس وقت جو سیاسی صورت حال درپیش تھی

جس کی وجہ سے بنو امیہ کو بالادستی حاصل ہو چکی تھی باوجودیکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے بخوشی اجازت بھی دے دی تھی، مروان بن الحکم کی ضد آڑے آ گئی اور اس نے اس وقت کے گورنر سعید بن العاص کو مجبور کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے بھائی کی وصیت کے پہلے حصے پر یہ کہتے ہوئے عملدرآمد نہ کرنے دیا جائے: ''اللہ کی قسم، نہیں ہرگز نہیں علیؓ کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اندر دفن نہیں ہو سکتا جبکہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ حش الکوکب میں مدفون ہوں۔'' (۹۵) اس شدید موقف کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں حالات کچھ اس ڈگر پر چلنے لگے کہ یوں نظر آ رہا تھا کہ فریقین کے درمیان مسلح تصادم ہونے چلا تھا۔ تاہم خون خرابے سے بچنے کے لیے امام عالی مقام علیہ اسلام نے حضرت حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر کے قریب بقیع الغرقد میں دفن کر دیا۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جو بغیر کسی قسم کے شک و شبہ کے اس اٹل حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ جناب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؑ البقیع میں ہی مدفون ہیں۔ (۹۶)

دوسری ہم شہادت اہل بیت اطہرہ کے ایک اہم فرد کی ہے (حضرت عمر بن علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ) جنہوں نے دوٹوک الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جناب سیدۃ الزہراءؑ کی قبر اطہر اس پگڈنڈی پر واقع تھی جس کو ذقاق نبیہ کہا جاتا تھا اور جو کہ البقیع میں دار عقیل کے کونے کے بعد آتی تھی (۹۷) اس سے بھی زیادہ ناقابل تردید شہادت ہمیں اس بات سے ملتی ہے کہ امام عالی مقام سیدنا حسین علیہ السلام نے سیدۃ فاطمۃ الزہراءؑ کی لونڈی سیدۃ رقیہؓ کا خیمہ ان کی قبر اطہر کے قریب نصب کروا دیا تھا۔ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؑ کے سایہ عاطفت میں اتنے سال گزارنے کے بعد سیدۃ رقیہؓ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی اپنی مالکہ کے پہلو میں ہی گزارنا چاہیں گی جس کو امام حسین علیہ السلام نے قبول کرتے ہوئے اس کا خیمہ بقیع الغرقد میں قبر اطہر کے قریب ہی نصب کروا دیا تھا۔ (۹۸) المسعودی کے حوالے سے امام سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ ۳۲۰ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک کتبہ ان قبور کے پاس سے کھدائی کے وقت نکلا تھا جس کے اوپر یہ کندہ تھا: ''یہ قبریں حضرت فاطمۃ الزہراءؑ صاحبزادی رسول مقبول ﷺ سیدۃ النساء العالمین اور حسن ابن علیؓ، علی بن حسینؒ، محمد ابن علیؒ اور جعفر بن محمدؒ کی ہیں۔'' (۹۹) مسعودی سے بہت پہلے واقدی بھی یہی حقیقت بیان کر چکے تھے۔ (۱۰۰)

اس سلسلے میں ایک اور اہم روایت حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے بہت قریب تھیں۔ ان سے مروی ہے:

''ایک دن میں نے سیدہؑ سے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ حبشہ میں لوگ درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں سے ایک قسم کا خیمہ سا بنا لیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: [مجھے ایسا ہی خیمہ بنا کر دکھاؤ۔] جب میں نے ان کو دکھانے کے لیے ایک ایسا خیمہ بنایا تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور تبسم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے کسی نے انہیں مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے مجھے یہ وصیت کی: [جب میرا انتقال ہو جائے تو تم مجھے غسل دینا علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود رہیں۔ کسی اور کو اندر مت آنے دینا۔] (۱۰۱) سیدۃ النساء کی یہ خواہش یا وصیت آپ کی حد درجہ شرم و حیاء کی عکاسی کرتی ہے، لیکن اس روایت میں یہ کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہیں (یعنی ان کے حجرہ مبارکہ میں) دفن کیا جائے۔ اس وصیت پر عمل ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رات کے وقت آپ کو بقیع الغرقد میں دفن کیا۔ (۱۰۲) دار قطنی اور بیہقی کی روایت کے مطابق سیدۃ بتولؓ کو آخری غسل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دیا تھا۔

قبور اہل بیت طاہرہ پر گنبد کی تفاصیل

اہل بیت طاہرہ کی قبور مطہرہ پر جو گنبد تھا وہ سطح زمین سے ہشت گوشہ تھا، جب کہ گنبد گول اور مخروطی شکل کا تھا۔ اب چونکہ گنبد ناپید ہے تو زائرین کے ذہنوں میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؑ کی قبر اطہر کے متعلق شکوک ہیں کہ اس قبہ اہل بیت میں ان کی قبر کا اصل محل وقوع کہاں تھا۔ اس معمے کو حل کرنے کے لیے ہمیں ان زائرین اور سیاحوں کی روایات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے جنہوں نے ان قبہ جات گرائے جانے سے پہلے بقیع

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین

الغرقد کی زیارت کی تھی. اس سلسلہ میں ہم جناب محمد الدین مرحوم، ایڈیٹر رسالہ 'صوفی' کی مایہ ناز تالیف ''سیرۃ فاطمہؓ'' سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو ۱۳۳۵ ہجری (۱۹۱۵ء کے لگ بھگ) بقیع الغرقد کی زیارت سے فیضیاب ہوئے تھے، وہ رقمطراز ہیں:

یہ روضہ مبارکہ جنت البقیع میں ایک سادہ گنبد ہے. جس کی عمارت زیادہ شان دار نہیں اور نہ نقاشی کا کام ہے. چھت ضریح پر زربفت کا کپڑا ڈالا ہے. حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے مزار کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی طلائی کی چادر آویزاں ہے. جو کئی ہزار روپیہ میں تیار ہوئی ہوگی. عمارت کے باہر دروازے پر یہ شعر لکھا ہے:

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمه

مزار کے اندر سیدۃ فاطمہؓ کی قبر اطہر جنوب مغربی کونے میں سطح زمین سے بلندی پر واقع ہے.] (۱۰۳)

دار بنات رسول اللہ ﷺ

معتبر ترین روایات کے مطابق اس قبہ کے احاطے میں مندرجہ ذیل قبور مطہرہ تھیں، جہاں اب چند پتھر رکھ کر تین قبور کے نشانات ظاہر کئے گئے ہیں:

(۱) سیدۃ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال غزوہ بدر کے فوراً بعد ماہ رمضان ۲ ہجری میں ہوا تھا)
(۲) سیدۃ ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال ۹ ہجری میں ہوا تھا)
(۳) سیدۃ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ
(۴) سیدۃ ام ہانیؓ (اخت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

دار امہات المومنین زوجات رسول اللہ ﷺ

بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی یہ مطہر و متبرک احاطہ زائر کے بالکل سامنے پڑتا ہے. ثقہ روایتوں میں اس قبہ شریف کے اندر گیارہ قبور تھیں، جو ذیل درج ہیں:

(۱) ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ (ان کا انتقال ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا)
(۲) ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ (ان کا انتقال رسول مقبول ﷺ کی وفات سے ۴۱ دن پہلے ہوا)
(۳) ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ (ان کا انتقال ۱۶ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)
(۴) ام المومنین سیدۃ رملہ بنت ابوسفیان (ام حبیبہؓ) (ان کا انتقال ۴۴ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)
(۵) ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمرؓ (ان کا انتقال ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

قبر مبارک امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین
(۳۲۹ ہجری)

(۶) ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ (ان کا انتقال ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۷) ام المومنین سیدۃ جویریہ بنت الحارثؓ (ان کا انتقال ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۸) ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی (ان کا انتقال ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۹) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا) (۱۰۴)

(۱۰) ام المومنین سیدۃ ام سلمہ بنت ابی امیہؓ (ان کا انتقال ۶۱ یا ۶۲ ہجری میں یزید کے دور میں ہوا)

(۱۱) ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ (ان کا انتقال ۲۶ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)

جہاں تک ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ (حضرت رملہؓ بنت ابوسفیان) کے اس مقام پر دفن ہونے کا تعلق ہے تو قدیم مورخین نے اس سلسلے میں اپنے تحفظات کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی قبر ان کے حجرہ مبارکہ متصلہ مسجد نبوی شریف کے اندر ہی ہوگی، کیونکہ عباسی دور میں مسجد نبوی کی توسیع کے لیے جب کھدائی کی گئی تو اس جگہ سے ایک لوح سنگ نکلی تھی جس پر کنداں تھا: ''یہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر ہے۔'' یہ علاقہ آج کی مسجد نبوی کے صحن میں اس جگہ واقع ہے. جہاں چھتریاں نصب ہیں.

اولیا شلبی (ولادت. ۱۰۲۰ ہجری) اپنے سیاحت نامے میں دیگر جگہوں کے علاوہ اپنی زیارت مدینہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ قبہ امہات المومنینؓ کے دروازے پر ایک کتبہ آویزاں تھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قبر مطہرہ کی تعمیر نو سلطان سلیمان خان بن سلیم شاہ بن بایزید خان بن محمد خان کے حکم سے ۹۵۰ ہجری میں انجام پائی۔'' (۱۰۵)

اولیا شلبی نے اپنے سیاحت نامے میں ایک حیران کن انکشاف یہ کیا ہے کہ اس مقام پر جہاں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کی قبور مطہرہ ہیں، وہاں سب امہات المومنین کی قبور نہیں. یہ بیان ترکی دور کے دیگر مورخین کی آرا سے بھی مطابقت رکھتا ہے، جن کا خیال ہے کہ وہ جگہ نو یا دس قبور کے لیے انتہائی ناکافی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے چند کی قبور قبہ عقیل بن ابی طالبؓ کے احاطے کی طرف ہوں جو بعد میں قبہ وغیرہ بناتے وقت اسی قبہ کے نیچے آ گئی ہوں.

ہم یہ بھی ذکر کرنا چاہیں گے کہ اگرچہ تمام مورخین مدینہ طیبہ میں اس معاملے پر اتفاق ہے کہ سوائے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدۃ میمونہؓ کے دیگر تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن مدینہ طیبہ میں بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، لیکن پھر بھی دو ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ (ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ) کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی قبور مطہرہ دمشق میں واقع ہیں حالانکہ کسی بھی بڑے سیرۃ نگار نے اس بات کا اشارہ تک نہیں کیا ابن جبیر نے بھی ایک انکشاف کیا ہے کہ ۵۸۰ ہجری میں انہوں نے ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ کی قبر کی زیارت دمشق میں کی تھی جو کہ دمشق کے مغربی مضافات میں 'جبانہ' کے قبرستان میں واقع تھی. انہوں نے ابن عساکر کی 'فضائل

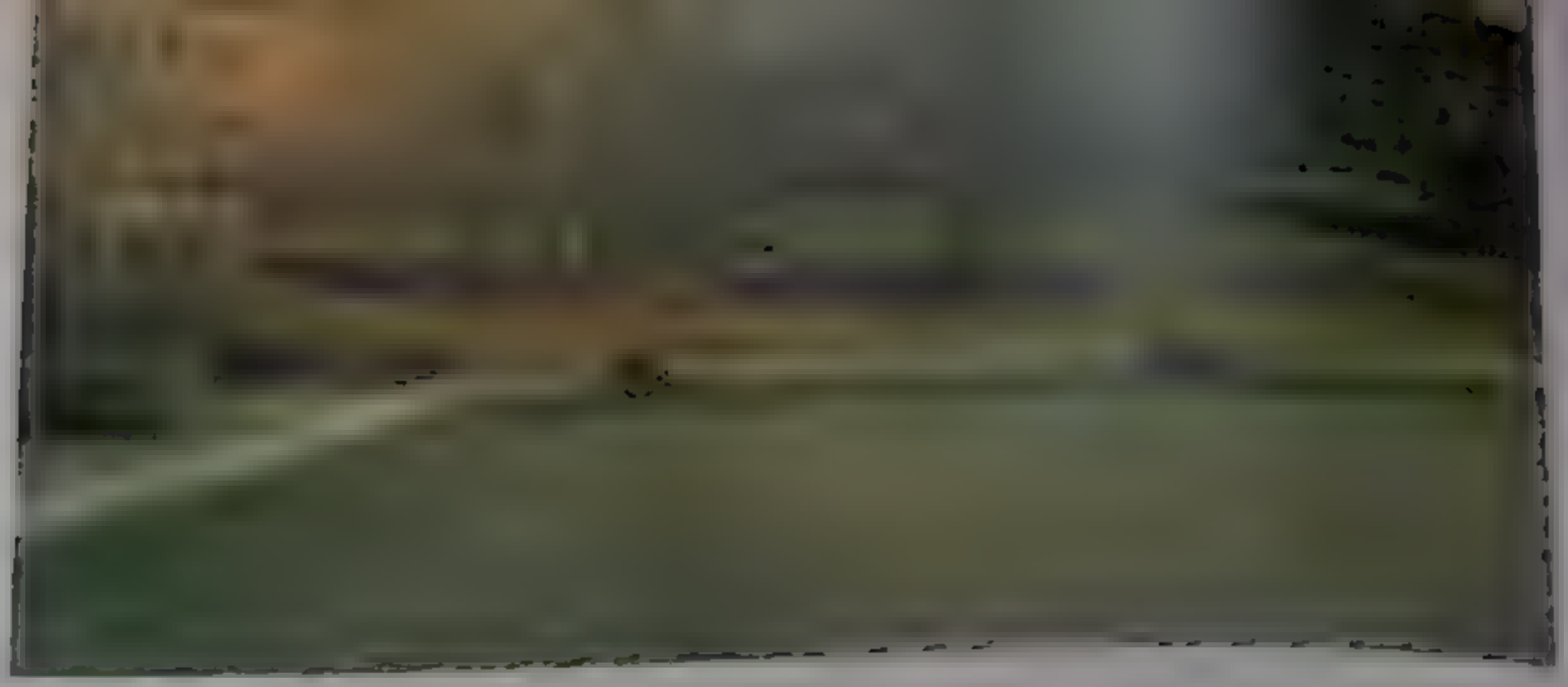

قبور اہل بیت
رضوان اللہ علیہم اجمعین
تفصیل صفحہ ۔ ۶ پر درج ہے

دمشق' کا حوالہ بھی دیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر مطہرہ دمشق میں تھی (۱۰۷) لیکن حیرانی کی بات ہے کہ وہ بھی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مطہرہ کا ذکر نہیں کرتے کہ وہ دمشق میں واقع تھی یا نہیں اس کے برعکس ابن شبہ نے ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر یہ قرار دیا تھا کہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی قبر بقیع الغرقد میں واقع ہے. واللہ اعلم بالصواب قارئین کے تجسس اور تشفی ذوق کے لیے ہم دمشق میں واقع مزاروں کی تصاویر آگے دے رہے ہیں.

دار فرزندار جمند رسول مقبول ﷺ حضرت ابراہیمؓ

احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات حتمی ہے کہ فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر 'الروحاء' کے حصے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب تھی. چونکہ سب سے پہلے مہاجرین اور انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا انتقال رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوا اسی خطہ میں مدفون ہوئے جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے 'الروحاء' کا نام دیا تھا، اس لیے احاطہ اہل بیت الطاہرہ کے بعد بقیع الغرقد کا وہ حصہ جو مورخین اور زائرین کی توجہ کا مرکز رہا ہے وہ یہی خطہ ہے. اس خطے میں بے شمار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہوئے، جن میں سے صرف مشاہیر کے نام گرامی ہم تک پہنچے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۲) حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ

(۳) سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ (ام حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (انہوں نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے خاص طور پر استدعا کی تھی کہ انہیں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے).

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین

(۵) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ. آپ نے اپنی قبر کی جگہ کا انتخاب اپنی زندگی میں ہی کرلیا تھا اور پھر جب آپ کا انتقال وادی العقیق میں ہوا تو آپ کی میت تقریباً بارہ کیلومیٹر سے کندھوں پر اٹھا کر لائی گئی تھی. (۲۰۰۱ء)

(۷) حضرت اسعد ابن زرارہؓ

(۸) حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ. آپ غزوہ بدر میں شدید زخمی ہوگئے تھے لیکن انتقال مدینہ طیبہ پہنچ کر ہوا تھا.

(۹) حضرت محمد بن الحنفیہؒ (فرزندار جمند حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۱۰) عباسی خلیفہ الواثق باللہ

ایک اور لحاظ سے بھی بقیع الغرقد کا یہ حصہ بہت ہی اہمت کا حامل ہے کیونکہ عشرہ مبشرہ

قبور آل ہاشم

۱۔ قبر عقیل بن ابی طالبؓ

۲۔ قبر عبداللہ بن جعفر الطیارؓ

المشہور بجواد العرب

۳۔ قبر ابی سفیان بن الحارث

بن عبدالمطلب، ابن عم النبی ﷺ

جو آپ کے رضائی بھائی تھے

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تین وہیں مدفون ہیں۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس کے علاوہ بانیان مذاہب اربعہ میں سے حضرت امام مالک بن انسؒ بھی وہیں محو استراحت ہیں۔

دار حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

جنت البقیع میں داخل ہوتے ہی یہ جگہ احاطہ قبور مطہرہ سیدات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے احاطے کی بائیں (شمالی) جانب پڑتی ہے۔ معتبر ترین روایات کے مطابق اس علاقے میں مندرجہ ذیل قبور ہیں:

(۱) حضرت عقیل بن ابی طالب۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی

(۲) حضرت عبداللہ ابن جعفر الطیارؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے

(۳) حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ۔ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی

(۴) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین میں سے بھی ایک یا دو اسی احاطے میں مدفون تھیں۔

(۵) ایسی بھی روایات ہیں کہ سیدۃ فاطمۃ الصغریٰ بنت امام عالی مقام حضرت امام حسین ابن علیؓ بھی وہیں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دار امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفانؓ

یہ قبر اطہر پرانی بقیع الغرقد کے انتہائی مشرق میں اور جدید بقیع الغرقد کے عین وسط میں واقع ہے۔ حضرت مالک بن ابی عامرؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے کہا: [لوگ اپنے اقرباء کی میتوں کو حش کوکب میں دفن کرنے سے کتراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ ایک صالح شخص کو مار دیا جائے گا جسے اس جگہ میں دفن کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد لوگوں کی میتیں وہاں دفن ہونے لگ جائیں گی۔ ابی عامرؓ نے کہا کہ سب سے پہلے وہاں جو مدفون ہوئے وہ حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ (طبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج:۳، ص:۷۷) اس احاطے میں مشہور و معروف قبر اطہر جامع القرآن سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کی ہے! جب تک قبہ تھا اس وقت اس کے اندر ایک اور قبر بھی تھی جو کہ بقیع الغرقد کے متولیوں میں سے کسی ایک کی تھی۔

بلوائیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفانؓ کو آپ کے گھر میں لگ بھگ دو ماہ تک محصور کر کے نہایت سفاکی سے شہید کر دیا تھا۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ کا یہ نہایت ہی افسوس ناک باب تھا۔ شہید کرنے کے بعد دو تین دن تک بلوائی مدینہ طیبہ میں دندناتے پھرتے تھے اور

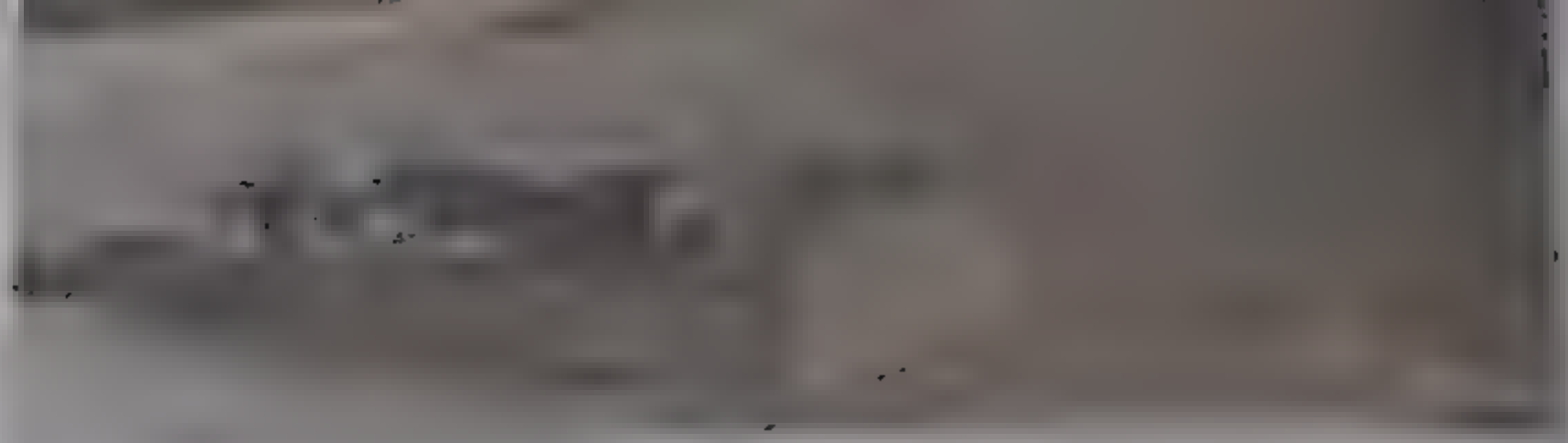

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ
انہدام کے بعد
(۱۹۲۶ء)

انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی میت کو دو دن تک کہیں دفن نہیں ہونے دیا دو دنوں کے بعد جب ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ نے مداخلت کی تو چار اصحابہ کرام۔ حضرت جبیر بن المطعمؓ، حضرت حکم بن حزامؓ، حضرت ابوجہم بن حذیفہؓ اور حضرت نیار بن مکرم الاسلمیؓ نے رات کے اندھیرے میں آپ کی میت دار عثمان سے نکالی۔ آپ کی بیٹی سیدۃ عائشہ بنت عثمانؓ نے مشعل روشن کی اور یوں آپ کا جسد اطہر اس وقت کی بقیع الغرقد کے باہر شرقی دیوار کے ساتھ اس علاقے میں دفن کر دیا گیا جو کہ آپ کے بیٹے حضرت ابان بن عثمانؓ کی ملکیت تھا اور 'حش کوکب' کہلاتا تھا۔(۱۱۰) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، مروان بن الحکم کے دور میں وہ دیوار گرا دی گئی اور یوں یہ علاقہ بھی بقیع الغرقد میں شامل ہو گیا تھا قبر سیدنا عثمانؓ کے اوپر سب سے پہلے قبہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک وزیر نے تعمیر کروایا تھا جسے وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر اپنی پہلی یلغار میں منہدم کر دیا تھا۔ آٹھ سال کے بعد عثمانی سلطان محمود نے ۱۲۳۳ ہجری میں ایک نیا قبہ تعمیر کروا دیا تھا (۱۱۱) یہ قبہ تقریباً ایک سو سال تک قائم رہا اور پھر وہابیوں کی متشدد لہروں کی نذر ہو گیا اور اسے ماہ شوال ۱۹۲۵ء میں دوبارہ پھر گرا دیا گیا۔ تاہم یہی ایک ایسا خطہ تھا جو کہ پوری طرح مسمار نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ارد گرد فرش تک سلامت چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ اکناف عالم اسلام سے احتجاج کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں مروان بن الحکم نے اپنے باپ 'الحکم بن العاص' کو بھی سیدنا عثمانؓ کی قبر کے قریب ہی دفن کروا دیا تھا۔

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ
انہدام سے پہلے

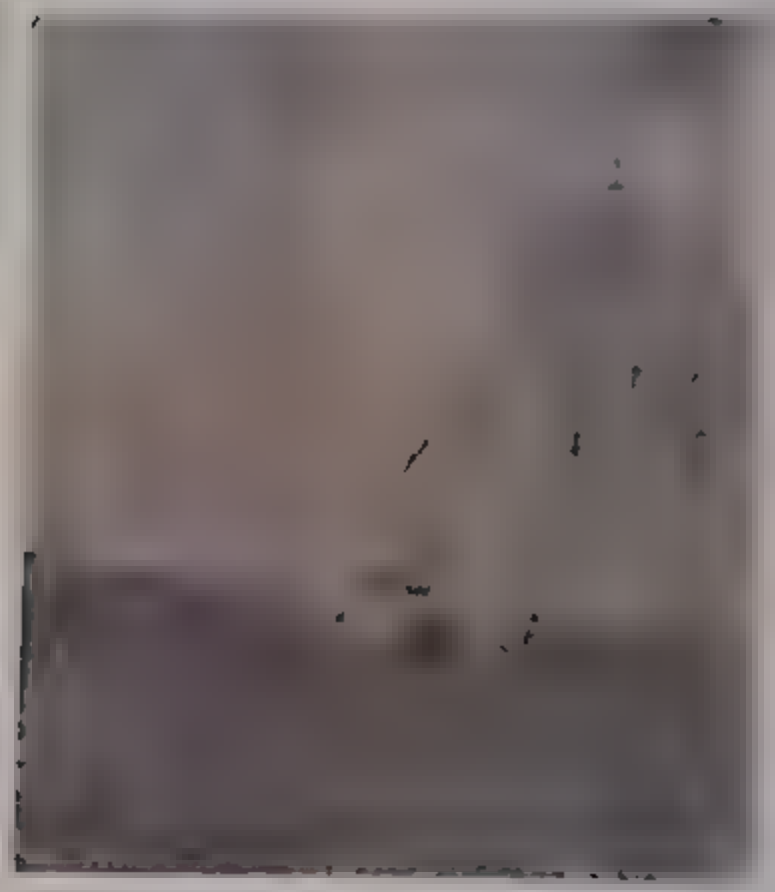

دار عمات رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں) کا احاطہ

یہ شروع سے ہی بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مغربی کونے میں ایک الگ خطے کے طور پر رہا ہے۔ جیسا کہ جنت البقیع کو 'بقیع الغرقد' کہا جاتا ہے ویسے ہی اس علاقے کو بھی 'بقیع العمات' کہا جاتا تھا اور دونوں کے درمیان ایک سڑک حد فاصل کے طور پر ہوا کرتی تھی اب یہ منطقہ بقیع الغرقد کی چار دیواری کے اندر ہے اور اندر داخل ہونے پر اگر زائر اپنے بائیں ہاتھ باہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہے تو تھوڑے فاصلے پر ہی یہ مربع شکل کا احاطہ ملتا ہے جس میں تین قبور ہیں۔

سمہودیؒ کے مطابق ان تینوں قبور پر کوئی قبہ نہیں ہوا کرتا تھا، صرف ایک بلند چار دیواری تھی جس کے اندر یہ قبور مطہرات تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبہ جو ۱۹۲۵ء تک موجود تھا اور وہابیوں نے اسے مسمار کیا تھا وہ ترکوں کا تعمیر کردہ تھا۔ اس قبہ میں مندرجہ ذیل تین قبور تھیں:

(۱) سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ (حضرت زبیر بن العوامؓ کی والدہ ماجدہ)
(۲) سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ
(۳) سیدۃ ام البنینؓ بنت حزام بن خالد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے شادی کر لی تھی اور

قبر مبارک دائی
سیدہ حلیمہ سعدیہؓ
انہدام سے پہلے

انہیں کے بطن سے ان کے بیٹے ابوالفضل عباس عامدارؓ تولد ہوئے تھے)

دار شیخ القراء سیدنا امام نافعؒ کا احاطہ

یہ احاطہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی قبر کے احاطے سے ذرا نیچے شرقی جانب 'الروحاء' کے کونے والے مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل دو قبور ہیں:

(۱) امام نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں شیخ القراء بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا شمار مدینہ طیبہ کے مشاہیر تابعین کرام میں ہوتا ہے اور انہوں نے کثرت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۲) امام مالک بن انس الاصبحیؒ۔ آپ فقہ مالکیہ کے بانی ہیں اور ایک طویل عرصہ تک مسجد نبوی شریف کے امام رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کو امام دارالہجرہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی قبور مبارکہ اور فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک کے درمیان ایک اور قبر بھی ہوا کرتی تھی، جس پر گنبد نہیں تھا۔ وہ قبر حضرت عبدالرحمن الاوسطؒ بن عمر ابن الخطابؓ (جن کو عام طور پر ابوشحمہ بھی کہا جاتا ہے) سے منسوب تھی۔ ان کو ان کے والد ماجد حضرت عمر فاروقؓ نے جرم کے ارتکاب پر حدود کی سزا کے طور پر اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے تھے جس سے وہ بیمار پڑ گئے تھے اور اسی حالت میں انتقال کر گئے تھے۔

قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر سے شمال کی جانب سیڑھیاں اترتی ہیں۔ اسی پگڈنڈی پر بالکل سامنے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی قبر ہے اوپر دی گئی تصویر ۱۹۷۲ء کی ہے جب کہ پرانی بقیع الغرقد کی چاردیواری اس قبر شریف کے پاس سے ہو کر گزرتی تھی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کسی بھی قدیم مورخ نے سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر مبارک کا بقیع الغرقد میں ہونے کے متعلق ذکر نہیں کیا حتیٰ کہ امام سمہودیؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے: ''بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ، مرضیۃ الرسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بقیع الغرقد میں ہے، لیکن ہمیں اس کے لیے کوئی سند نہیں مل سکی۔'' (۱۱۴) اس کے برعکس اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کا بیان ہے کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر شریف کے ساتھ ہی سیدۃ ام ایمنؓ اور سیدۃ شیما بنت حلیمہ سعدیہؓ (رسول اللہ ﷺ کی رضائی بہن) کی قبور بھی وہیں واقع ہیں۔ اس اکلوتے بیان کے علاوہ ہمیں اور کوئی تاریخ شواہد نہیں مل سکے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ ہی کی ہے۔ لیکن بقول امام سمہودی، جب بھی زائر وہاں جائے تو ان تینوں ہستیوں پر فاتحہ خوانی مستحسن عمل ہے۔

اس صفحہ پر دائیں دونوں تصاویر بنی سیدہ حلیمہ سعدیہ کے مقبرہ کو گرانے کے بعد کی ہیں اوپر ۱۹۷۳ء نیچے ۲۰۰۲ء

دار سعد ابن معاذؓ (جو کہ مبینہ طور پر سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا دار تھا)

موجودہ بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی جانب نصف قد آدم دیواروں کے احاطے میں دو قبور ہیں. عرصہ قدیم سے یہ مشہور رہا ہے کہ ان میں سے ایک قبر سیدۃ فاطمہ بنت الاسدؓ (شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ) کی ہے، مگر روز اول سے ہی مورخین اس بات کی نفی کرتے رہے ہیں. حتی کہ امام سمہودیؒ نے بھی اس کی تردید کی ہے. ساتھ ہی ساتھ یہ دعویٰ صحیح ترین احادیث کے بھی خلاف جاتا ہے. کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن میں مذکور ہے کہ سیدۃ فاطمہ بنت الاسدؓ بقیع الغرقد میں دفن ہوئی تھیں اور چونکہ یہ جگہ اس وقت بنو عبد الاشہل کی رہائش گاہ تھی اور بقیع الغرقد سے کافی دور تھی. یہ دعوی کہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کو بقیع الغرقد کے باہر دفن کیا گیا تھا سراسر احادیث نبویہ شریفہ کے برعکس ہے. تاہم اس کے برعکس اس بات کے کئی تاریخ شواہد ہیں کہ مذکورہ قبر حضرت ابو سعید الخدریؓ کی ہے جہاں تک دوسری قبر کا تعلق ہے یہ بھی حتمی طور پر ثابت ہے کہ وہ قبر شریف حضرت سعد ابن معاذؓ کی ہے. ان کو غزوہ خندق کے دوران تیر لگنے سے شدید زخم آیا تھا اور چند دن تک مسجد نبوی میں ان کا خیمہ نصب رہا تا کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ان کی تیمارداری فرمائیں. پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہیں ایک گھر میں جسے دار ابن افلح میں جو کہ بنی عبد الاشہل کے قبیلے کے گاؤں میں تھا دفن کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی. حضرت محمد بن منکدرؒ نے حضرت محمد بن شرحبیلؒ سے روایت کیا ہے "ایک شخص (یقیناً وہ ایک اصحابی ہی ہوں گے) نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر مبارک سے اس دن جب ان کی تدفین ہوئی مٹھی بھر مٹی اٹھائی. اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی." (۱۱۵) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے دوسری صدی ہجری میں اس پر گنبد (عربی میں جنبذہ) تعمیر ہو چکا تھا یہ بات اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان کے اہل خانہ میں سے تابعین کرام نے اس جلیل القدر صحابی رسول مقبول ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلا قبہ تعمیر کر دیا تھا (لسان العرب ۴۸۲/۳ جنبذہ فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی گنبد کے ہیں جو کہ عرب میں 'قبہ' کا مترادف ہے).

ان قبہ جات کے علاوہ بقیع الغرقد میں اور بھی بہت سے معروف مقامات ہیں جہاں امت اسلامیہ کے ان گنت سپوت محو استراحت ہیں. جب ہم فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک سے مشرق کی جانب آگے کی طرف بڑھتے ہیں تو بائیں ہاتھ پر نصف قد آدم سیاہ پتھروں سے بنی چار دیواری کے اندر بھی چند قبور ملتی ہیں. اس مقام پر وہ شخصیتیں جنہوں نے یزیدی افواج (جن کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا) کے ہاتھوں ۶۳ ہجری میں جام شہادت نوش فرمایا تھا، اجتماعی قبر میں مدفون ہیں. (۱۱۶) مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے، چند کے نام یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہؓ (مع اپنے سات بیٹوں کے)، حضرت عبداللہ ابن زیدؓ، حضرت معقل ابن سنانؓ (جنہیں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں شمولیت کا اعزاز حاصل تھا) شامل تھے. مختلف روایات میں ہے کہ ۶۰ سے ۷۰ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس واقعہ میں شہید ہوئے تھے اس اجتماعی قبر میں دفن کئے گئے تھے. ان کے علاوہ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو غزوہ احد میں شدید زخمی ہوئے تھے اور مدینہ طیبہ میں آ کر انہوں نے دم توڑا تھا وہ بھی اسی جگہ دفن کئے گئے تھے.

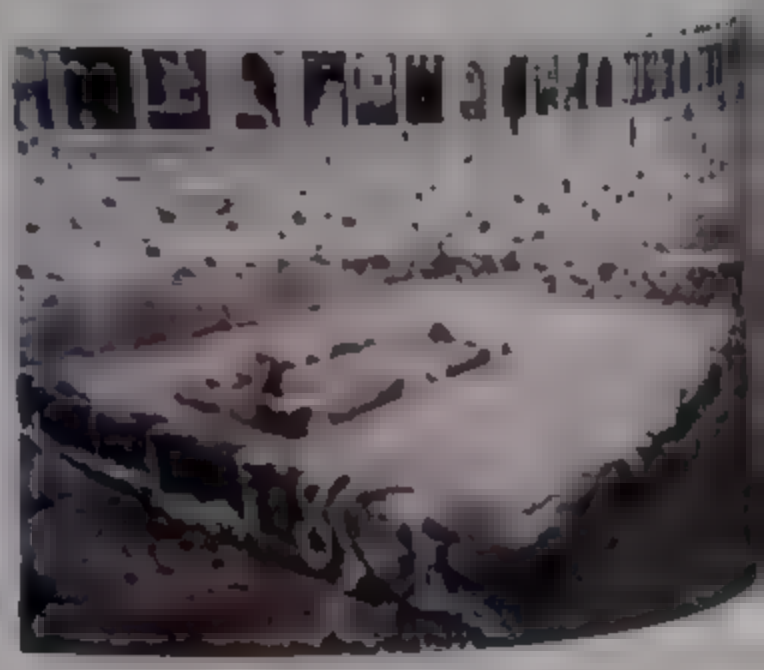

اس کے سامنے ہی پگڈنڈی کی دوسری جانب حضرت اسماعیل بن جعفر صادقؒ (جو کہ اسماعیلیوں کے بانی امام ہیں) کی قبر ہے (۱۱۷) ان کا اصل مدفن تو بقیع الغرقد کے بالکل پرانے شہری فصیل کے ساتھ در امام زین العابدینؒ کے پاس تھا جو کہ باب الجنائز اور شارع ابی ذر الغفاریؓ کے سنگم پر فصیل کے اندر کی طرف تھا ایک ننگ سی گلی ہوا کرتی تھی جو کہ اس مزار پر جایا کرتی تھی جس کا نام ہی زقاق امام اسماعیل ہوا کرتا تھا امام سمہودی کے مطابق اس مزار کے اوپر ایک گنبد تھا جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے قبہ کی مانند تھا جسے فاطمیوں کے ایک شاہ نے تعمیر کروایا تھا جو مصر پر حکمران تھا تاہم جب قدیم فصیل ڈھائی گئی تو ساتھ ہی یہ مزار بھی ہموار کر دیا گیا اور امام اسماعیل کی باقیات کو بقیع الغرقد میں اس مقام پر منتقل کر دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی حضرت زین العابدینؒ کا تاریخی نواں بھی پہنچا دیا گیا تھا

یہ چند ایک مشہور و معروف قبور کی تفاصیل ہیں جن کے محل وقوع تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہے ہیں۔ ابن نجار (ولادت ۵۷۸ ہجری) کے الفاظ میں ''باقی کی بقیع الغرقد ایک کھلے علاقے کی شکل میں ہے جو کہ شوریلی زمین (سنخہ) پر مشتمل ہے جہاں کوئی نہیں جانتا کہ کون سی شخصیت، کون سے اصحابی یا تابعی، یا علماء اسلام کا جلیل زیر زمین محو استراحت ہے۔'' (۱۱۸) چونکہ تمام اکناف عالم سے مسلمان مدینہ طیبہ زیارت اور تحصیل علم کے لیے آتے رہے ہیں بہت سے تو واپس جاتے رہے مگر ان میں ان گنت ایسے بھی تھے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو ہی اپنا مسکن بنایا اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ ہی ان کا مدفن بن گیا اس طرح عالم اسلام کے درخشندہ ستارے بقیع الغرقد کی شوریلی زمین کے نیچے اپنے شفیع مشفق ﷺ کے سایہ عاطفت میں مسجد نبوی کے جوار رحمت میں مدفون ہیں۔ براعظم ہند میں سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے لے کر حسین احمد مدنی تک اور مصر سے امام سمہودیؒ اور شیخ جعفر برزنجیؒ وغیرہ، انیسویں صدی کے کوہ قاف کی سحر انگیز شخصیت امام شامل نقشبندی جن کی روحانیت کی زلف دراز کی خوشبو سے آج بھی چیچنیا، انگشتیا اور داغستان کے کوہ و دمن مہک رہے ہیں سے لے کر قطب دوراں ضیاء الدین مدنیؒ تک، سب اسی بقیع الغرقد میں محو استراحت ہیں اور یوم نشور کے انتظار میں ہیں کہ کب صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور کب وہ اپنی جبینوں کے ساتھ جو کہ ماہ تمام کی طرح منور و تابناں ہوں گی وہ اپنی قبور شریفہ سے باہر آئیں گے اور رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کا استقبال کریں گے۔

مسجد ابی کعبؓ (مسجد البقیع)

بقیع الغرقد کی تفاصیل کے متعلق باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک نہایت ہی باریک مگر ایک اہم نقطے کی طرف قارئین کی توجہ دلانا چاہیں گے۔ جب ہم جنت البقیع میں داخل ہوتے ہیں اور ہمارا منہ 'دار امہات المومنین' یا 'دار عقیل' کی طرف ہوتا ہے، تو وہ جگہ جہاں پر ہر وقت ہجوم لگا رہتا ہے، یہ مقام بقیع الغرقد میں بہت ہی اہمیت اور تقدس کا حامل ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں پر شفیع المذنبین اور انیس الغریبین حبیب کبریا علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کھڑے ہو کر اپنے امتی مدفونین بقیع کے حق میں رب ذوالجلال کے سامنے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ (۱۱۹) اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد حضرت ابی بن کعبؓ یا مسجد بنی جدیلہ کہلاتی تھی۔ ابن شبہ کے بیان کے مطابق یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد ابی بن کعبؓ میں جایا کرتے تھے اور آں حضرت ﷺ نے بہت دفعہ اس جگہ نماز بھی ادا کی تھی ایک مرتبہ رحمت العالمین ﷺ نے فرمایا: [اگر اس بات کا خدشہ نہ ہو کہ لوگ گروہ در گروہ اس جگہ کا رخ کریں گے تو میں زیادہ سے زیادہ نمازیں اس جگہ ادا کروں۔] امام سمہودیؒ کا بیان ہے کہ ۹۰۲ ہجری میں امیر شجاعی نے چاہا کہ اس مسجد کی تعمیر نو کر دی جائے۔ جب اس مسجد کی بنیادیں گہرائی تک کھودی جا رہی تھیں تو نیچے سے پتھروں سے بنی پرانی دیواریں ظاہر ہو گئیں جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ مسجد کی باقیات تھیں۔ (۱۲۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ ہجری) جنہوں نے مدینہ طیبہ میں ۲۳ ربیع الاول ۹۹۷ ہجری سے رجب ۹۹۸ ہجری تک قیام کیا اور اپنی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ 'جذب القلوب الی دیار المحبوب' تحریر کی، وہ بھی اس مسجد کے متعلق رقمطراز ہیں کہ یہ مسجد جو کہ رقبے میں بہت چھوٹی سی ہے اور اسے ان دنوں میں 'موقف النبی' - یعنی وہ مقام جہاں پر رسول مقبول ﷺ بوقت زیارت بقیع الغرقد کھڑے ہوا کرتے تھے کہا جاتا ہے (۱۲۱) ان کے بعد دسویں صدی ہجری کے ایک اور مورخ لعبا سی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسجد ابی بن کعبؓ دار امہات المومنین اور دار عقیلؓ کے مغرب میں موجود تھی اور اسے کثر وقات مسجد البقیع بھی کہا جاتا تھا (۱۲۲) پھر جب وہ قدیم مسجد قریب الانہدام ہوگئی تو ترکوں نے اسکی تعمیر نو کروادی اور اس کی محراب کو مرمت کروایا (۱۲۳) یہ ۱۲۹۵ ہجری میں ہوا اور اس کے دروازے پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا دیا گیا جس پر لکھا تھا ''یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زیادہ مرتبہ نماز ادا فرمائی تھی۔'' ابراہیم رفعت پاشا کے مطابق ۱۹۰۱ء میں یہ مسجد بہت خستہ حالت میں تھی۔ جب سعودی دور شروع ہوا تو گورکنوں نے وہاں اپنے کھدائی کے آلات رکھنے شروع کر دیئے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ مسجد بے اعتنائی کا شکار ہوتی گئی اور جیسے جیسے بقیع الغرقد مختلف توسیعی مراحل سے گزرتی گئی ویسے ویسے اس آثار نبویہ کی باقیات معدوم ہوتی چلی گئیں، اور پھر ایک دن اس کا ملبہ اٹھا کر پھینک دیا گیا اور یوں 'موقف النبی' 'موقف الزائرین' میں تبدیل ہوگیا جہاں زائرین جوتیاں لیکر کھڑے ہوکر ادھر ادھر تک رہے ہوتے ہیں مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مقام پر جوتیوں سمیت کھڑا ہے جہاں رسول مقبول ﷺ کی جبین طاہرہ کئی بار سجدہ ریز ہوئی تھی۔ بقیع الغرقد میں مختلف جگہوں پر سٹولوں پر بیٹھے مرشدین سے اگر اس کا استفسار کیا جائے تو پہلے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور پھر بعد میں بقیع الغرقد میں واقع آثار نبوی (یعنی مسجد حضرت ابی بن کعبؓ) کے متعلق اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے شرک کے متعلق وعظ جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں

اس جگہ سے بائیں ہاتھ ایک تکونی سی جگہ ہے جس میں بھی کافی قبور ہیں، یہاں سابقہ زمانوں میں بقیع الغرقد کے بہت سے متوبوں ور مشائخ کی قبور ہیں جن میں خاص طور پر مدینہ طیبہ کے سمان خاندان جو کہ قادریہ سلسلہ کے مشہور مشائخ تھے، کے بزرگوں کی قبور ہیں (حال ہی میں وہاں جدید تدفین بھی ہونی شروع ہوگئی ہیں)۔ اسی طرح جہاں مختلف زبانوں میں بہت بڑے بڑے سائن بورڈ لگائے گئے ہیں، ان کے اس پار (جہاں حال ہی میں ایک شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے) عثمانی دور کے ترک زعماء اور علماء کی قبور ہوا کرتی تھیں۔

اسی طرح ایک اور نقطہ جو کہ ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ اگر ہم بقیع الغرقد کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر مسجد نبوی شریف کی طرف ایک نگاہ ڈالیں تو جو چیز اچنبھا سا معلوم ہوتی ہے وہ ہے جنت البقیع کا سطح ارضی جو کہ مسجد نبوی شریف کے گردونواح سے بہت اونچا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اونچائی بذات خود ہی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ پچھلے چودہ سو سالوں میں بے شمار افراد

مسجد قبلتین کے بازو میں واقع قبرستان جہاں بنی سلمہ کے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مدفون ہیں

اس بقعہ طاہرہ میں دفن ہوتے رہے ہیں، جن سے قدرتی طور پر یہاں کی سطح اردگرد کے علاقوں سے بلند ہوتی گئی. اس کی زمین بہت حد تک شوریلی ہے اور بے اعتنائی کا شکار قبور زیادہ عرصہ اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتیں اور موسمی اثرات سے جلد ہی بیٹھ کر ہموار ہو جاتی ہیں. صدیوں کے مرور ایام نے ایک قبر پر کئی کئی قبریں استوار کر دی ہوں گی، اس سے ان سوالات کا جو کئی زائرین کے ذہنوں میں ابھرتے ہوں گے جواب خود بخود مل جاتا ہے. علاوہ ازیں اہل مدینہ طیبہ کے اقوال کے مطابق اس علاقے میں بھی جہاں نئی قبور بنائی جاتی ہیں وہاں بھی چھ ماہ سے زیادہ کوئی قبر قائم نہیں رہتی اور اس کی جگہ دوسرا مردہ دفنا دیا جاتا ہے. بلدیہ الحرم کے لوگ مختلف پیمائش کی بہت سی قبریں تیار رکھتے ہیں تاکہ دفنانے کے لیے آنے والوں کا وقت ضائع نہ ہو. مدینہ طیبہ میں کندھوں پر میت کے اٹھانے کا رواج اب تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بلدیہ کی گاڑیاں یہ خدمت انجام دیتی ہیں اور میت کو سٹریچر پر لاد کر بقیع الغرقد کے مشرقی دروازے سے لایا جاتا ہے. زیادہ تر تدفین نماز فجر کے بعد ہی ہوتی ہے لیکن اکا دکا تدفین کے واقعات روز روشن میں بھی ہوتے رہتے ہیں خاص طور پر ان میتوں کے جن کے جنازے دن کے وقت کی نمازوں کے فوراً بعد مسجد نبوی شریف میں ادا کیے جاتے ہیں.

سعودی دور میں بقیع الغرقد کے گرد چار دیواری کو ۱۹۷۹ء میں مرمت کروایا گیا تھا. بعد میں جب شاہ فہد کے دور میں مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں سب سے بڑی توسیع عمل میں آئی تو بقیع الغرقد کی حدود میں بھی اضافہ کیا گیا اور اس کے گرد اگرد خوبصورت اور مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی گئی. داخلے کے بعد دائیں ہاتھ پر ایک مسقف شیڈ تعمیر کیا گیا اور وہاں پانی کی ہمہ وقت فراہمی کے لیے ٹونٹیاں لگا دی گئیں اور پینے کا پانی بھی وافر مقدار میں مہیا کیا گیا. حال ہی میں دائیں جانب بھی (جہاں کبھی ترک مشائخ کی قبور ہوا کرتی تھیں) زیادہ حصہ پر مسقف شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے. دار اہل بیت کی طرف جانے سے منع کرنے کے لیے سبز جالی نصب کر دی گئی ہے. زیارت کے لیے اوقات مختص ہیں. ماضی میں تو خواتین و حضرات دونوں کو اندر داخلے کی اجازت تھی، مگر ۱۹۸۵ء کے بعد سے خواتین کے اندر جانے کی اجازت نہیں رہی اور مردوں کو بھی نماز فجر، ظہر اور عصر کے بعد تقریباً ایک ایک گھنٹہ تک اندر جانے کی اجازت ہے.

مدینہ طیبہ میں چند دیگر قبرستان

اگرچہ مدینہ طیبہ میں یوم اول سے سب سے اہم قبرستان بقیع الغرقد اور بنو سلمہ کا قبرستان ہی رہے ہیں لیکن بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی اپنی آبادیوں میں یا پھر اپنے اپنے آبائی قبرستانوں میں بھی دفن ہوتے رہے. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو موجودہ مدینہ طیبہ میں جہاں جہاں بھی اس وقت قبائل کے گاؤں آباد تھے وہاں کوئی نہ کوئی قبرستان ضرور تھا. اس بات کے ان گنت تاریخی شواہد سامنے آ چکے ہیں. نئی تعمیرات کے سلسلے میں جب بھی گہرائی میں کھدائی ہوئی تو کوئی نہ کوئی قبر ضرور برآمد ہوئی اور بہت سے مدفونین کی میتیں صحیح سلامت نکلیں جنہیں بعد میں یا تو اسی جگہ ہی دفن کر دیا گیا یا پھر ان کے اجساد خاکی کو دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا گیا. مدینہ طیبہ کے عصر حاضر کے مشہور مدنی مورخ اور آثار قدیمہ کے ماہر ابراہیم العیاشی نے ایک ایسا ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے. وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ شارع حبیب پر (مسجد نبوی شریف کے جنوب میں الزروان کا علاقہ جہاں آج کل قصر الحکم اور مدینہ طیبہ کی شریعت کی عدالتیں اور اسواق

قصرِ عروہ بن زبیرؒ کے پاس تاریخی مقبرہ جہاں حضرت عروہ بن زبیر مدفون ہیں (۲۰۰۳ء)

لحرم تعمیر ہوئے ہیں) کھدائی ہو رہی تھی تو سطح زمین سے تقریباً چار میٹر نیچے سے ایک پرانی قبر سے ایک خوبصورت نوجوان کی میت برآمد ہوئی جن کی داڑھی گھنی اور سیاہ تھی، اور جسم پوری طرح سلیم تھا اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ میت اپنی آنکھیں کھول کر کھدائی کرنے والوں کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی. فاضل مصنف کے خیال میں وہ میت شہدائے احد میں سے کسی کی تھی. اس کے بعد اس میت کو پورے احترام کے ساتھ بقیع الغرقد میں دفن کر دیا گیا. (۱۲۴) ایسے بے شمار واقعات اہل مدینہ بیان کرتے ہیں. خاص طور پر حرہ غربیہ اور وہ علاقہ جہاں اب وقف داؤدیہ کی عالی شان عمارت تعمیر کی گئی ہے وہاں ایسے بہت سے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں.

قبر مبارک والدِ ماجد سید الانبیاء سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ

واقدی کا بیان ہے کہ: ''حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ گھر سے شام کے سفر کو نکلے. اپنے کاروباری معاملات سے فارغ ہو کر انہوں نے واپسی کا رخت سفر باندھا اور مدینہ طیبہ میں آ کر رک گئے. وہاں پر ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ وہ انہیں ان کے ننھیال کے ہاں ہی چھوڑ جائیں جب قافلہ مکۃ المکرمہ پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے متعلق استفسار کیا اور انہیں بتایا گیا کہ چونکہ وہ راستہ میں بیمار پڑ گئے تھے اس لیے انہیں ان کے ننھیال میں بنی عدی کے ہاں (جو کہ بنو النجار کی ایک شاخ تھی) چھوڑ آئے ہیں. اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا جن کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ تو وفات پا چکے تھے اور یہ کہ انہیں 'دار النابغہ' میں دفن کر دیا گیا تھا. وہ واپس چلے گئے اور اس خبر سے اپنے والد (حضرت عبدالمطلب) کو مطلع کیا.'' (۱۲۵)

مسجد قباء کے قبلہ کی جانب قدیم قبرستان جہاں بہت سے اصحابہ کرام مدفون ہیں

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: [جناب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہبؓ کے ساتھ تھے. جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ اپنے ننھیال بنی عدی بن النجار کو ملنے گئے. سیدۃ ام ایمنؓ بھی ہمراہ تھیں. یہ چھوٹا سا قافلہ دو اونٹوں پر سفر کر رہا تھا. سیدۃ آمنہؓ آپ کے ساتھ دار النابغہ میں ٹھہریں. انہوں نے وہاں ایک ماہ قیام کیا جناب رسول مقبول ﷺ کو اس وقت کے اہم واقعات یاد تھے. ایک مرتبہ آپ حضور ﷺ نے بنی عدی بن النجار کا اطم (چوبارہ) دیکھا تو اسے پہچان لیا اور فرمایا: ''میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا، جو کہ اس اطم میں ایک انصاری کی جاریہ ہوا کرتی تھیں اور میں اپنے (والد کے) ننھیال میں سے ایک ماموں کے ساتھ

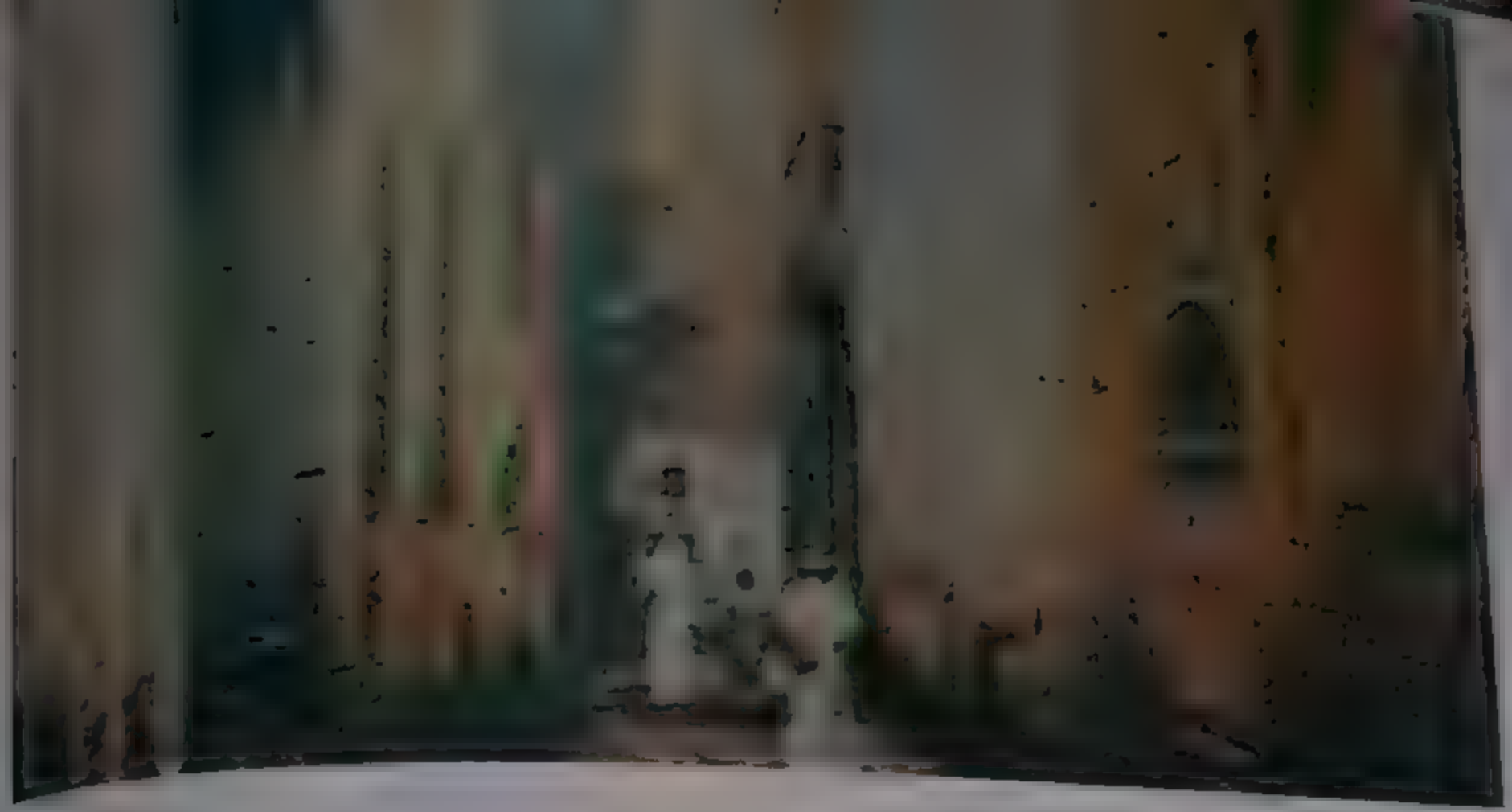

۱۹۸۰ء میں (۱۹۰۰ء تا ۲۰۰۰ء) جس
میں حضرت عبد عبداللہ
عبد مطلب کی قبر ہو سکتی
تھی پر یہ گنبد مسجد نبوی
توسیع کے اندر آ گئی ہے

کھیل کرتا تھا اور ہم دونوں مل کر ایک پرندے کو جو کہ اس اطم پر آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا اڑا دیا کرتے تھے. پھر آپ نے ایک گھر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا یہ ہے وہ گھر جس میں میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رہا تھا اور اسی گھر میں میرے والد، عبداللہ بن عبدالمطلب، کی قبر ہے اور میں نے بنی عدی کے کنوئیں کے پاس ایک جوہڑ میں تیرنا سیکھا تھا.] (۱۲۶)

حضرت ابی زید لحارثیؓ سے مروی ہے [ابوالنبی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر دارالنابغہ میں ہے.] اس بیان کی مزید تصدیق ایک اور تابعی حضرت فلیحؒ بن سلیمانؒ نے کی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ:[ان کی قبر دارالنابغہ میں ہے.] سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ شام سے واپسی پر مدینہ طیبہ میں بیمار پڑ گئے تھے. انکی یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور قبائلی رسوم کے مطابق انہیں ان کے قبیلے کے علاقے میں ہی بنی نجار کے ایک گھر میں دفن کر دیا گیا. طبقات الکبری، اسد الغابہ اور الاستیعاب بھی اسی بیان کی تائید کرتے ہیں. انہوں نے جو وراثت اپنے در یتیم کے لیے چھوڑی، وہ یہ تھی: (۱۲۷)

(۱) سیدۃ ام ایمنؓ، جو کہ ان کی جاریہ تھیں (آپ کا اصلی نام برکہ حبشیہ تھا اور آپ حضرت اسامہ بن زید بن الحارثہؓ کی والدہ تھیں)
(۲) ۵ عدد اونٹ،
(۳) ایک گھر جس میں سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ رہا کرتی تھیں اور جہاں پر رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی، اور
(۴) ایک تلوار جس کا نام "ماثور" تھا. (۱۲۸)

بیسویں صدی کی ستر کی دہائی کے شروع میں جب شاہ فیصل مرحوم نے مسجد نبوی شریف کو مغربی جانب وسعت دینے کا حکم جاری کیا، تو اس طرف کردوں نواح میں جتنا علاقہ تھا اس کو حکومت نے حاصل کر لیا. زقاق طوال (طوال سٹریٹ) جس میں یہ دارالنابغہ واقع تھا بھی اسی توسیع کی زد میں آ گیا. تمام رہائشی مکانات، سکول، رباطیں اور تاریخی قبور جن میں حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ کی قبر بھی شامل تھی، اسی توسیعی منصوبے سے متاثر ہو گئے اور ایک رات بلدیہ مدینہ طیبہ کے حکام نے اس پورے علاقہ سے تمام قبور ہٹا دیں اور راتوں رات ان قبور میں محو استراحت اجساد طاہرہ اور سلیمہ کو نکال کر بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا ان میں ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کا جسد خاکی بھی تھا. ہم نے بہت سے ذریعوں سے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ دارالنابغہ سے سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے جسد اطہر کے علاوہ چھ اور اصحابہ کرام کے اجساد خاکی بھی برآمد ہوئے تھے اور پھر انہیں اسی رات بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا تھا. ان سب کے اجساد خاکی بالکل سلیم اور تروتازہ نکلے تھے. اسی طرح کا معاملہ مشہور اصحابی حضرت مالک بن سنانؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا. یہ تمام مقامات اب مسجد نبوی کی مغربی جانب میں توسیع شدہ عمارت کا حصہ بن چکے ہیں محتاط اندازے کے مطابق یہ جگہ مغرب میں باب العقیق کے تھوڑا اندر کی طرف ہے.

الابواء کے قریب سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ ام النبی علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی قبر مبارک

امّ النبی سیدۃ آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف کی قبر اطہر

اگرچہ قبر ام النبی سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ تاریخ مدینہ طیبہ کا جزو نہیں، لیکن چونکہ ماضی قریب میں اس موضوع پر متضاد بیان بازی ہوئی ہے، ہم چاہیں گے کہ چونکہ ابو النبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب ؓ کی قبر کی تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں، ساتھ ہی امّ النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کے بارے میں بھی قاری کی معلومات کو درست کر دیا جائے تاکہ سرور دو عالم ﷺ کے والدین کریمین کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے. حضرت نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہریہ کی قبر اطہر الابواء میں ہے جو کہ مستورہ گاؤں سے تقریباً آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے. رابغ سے اس کا فاصلہ ۴۳ کیلومیٹر ہے. الابواء کے گاؤں میں زیادہ تر بنو محمد اور بنو ایوب کے لوگ آباد ہیں. عصر جدید کے سعودی عرب میں اس وادی کو وادی الخریبہ کا نام دیا جاتا ہے مگر ابھی بھی الابواء کا نام زبان زد عام ہے. چونکہ باہر سے آئے ہوئے اکثر زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت کے دوران ابواء بھی چلے جایا کرتے تھے اور یہ بات عصر حاضر کے مدینہ کے علماء کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اس لیے اس قبر اطہر کو ہموار کر دیا گیا. پھر جب بین الاقوامی طور پر احتجاجات کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے مبہم سی روایات میں پناہ ڈھونڈنی شروع کر لی جس سے انہوں نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی سعی لاحاصل کی گئی کہ امّ النبی سیدۃ آمنہ بنت وہب ؓ کی قبر تو سرے سے الابواء میں تھی ہی نہیں. یہ اپنی ہی چودہ سو سال کی مستند تاریخ کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف تھا. ہمارا مقصد اس تنازع کو طول دینا نہیں، بلکہ اس سلسلے میں جتنی بھی مستند روایات وارد ہوئی ہیں ان کو قارئین کی توجہ میں لانا ہے.

ابن اسحاق رقمطراز ہیں: [حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا انتقال اس وقت جب وہ آپ حضور ﷺ کو چھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کے ننھیال کو ملانے کے بعد واپس مکہ لوٹ رہی تھیں، الابواء میں ہوا جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے.] (۱۲۹)

ابن اسحاق سے اتفاق کرتے ہوئے اور اپنے بیان کو دیگر حوالوں سے مزید قوی بناتے ہوئے واقدی دوٹوک الفاظ میں لکھتے ہیں:

[رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ اور سیدۃ ام ایمنؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ روانہ ہوئے. اس وقت آپ حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی. آپ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ حضور کے والد کے ننھیال گئی تھیں. سیدۃ ام ایمن نے بیان کیا ہے: ''ایک دن دو آدمی یہودیوں میں سے میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ''لاؤ ہمیں احمد پر ایک نظر ڈالنے دو.'' دونوں نے آپ حضور ﷺ کو دیکھا. پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''یہ اس قوم (امت) کے نبی ہیں اور یہ یثرب ان کی جائے ہجرت ہے. اب بہت قتل وغارت ہوگا اور فسادات ہوں گے.'' یہ بات آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی سن لی اور وہ ڈر گئیں اور انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ان یہودیوں سے چھین لیا. اس کے بعد جب آپ مکہ واپس آ رہی تھیں تو 'الابواء' میں انتقال فرما گئیں.] (۱۳۰) ابن الجوزی کا بیان ہے: ''جب حلیمہ سعدیہؓ رسول اللہ ﷺ کو مکہ واپس چھوڑ گئیں تو آپ

حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ آمنہ کے پاس رہنے لگے. جب آپ حضور ﷺ کی عمر چھ سال کی ہوگئی تو وہ عازم مدینہ طیبہ ہوئیں تا کہ آپ اپنے والد ماجدؓ کے ننھیال سے ملا لائیں جو کہ بنی عدی بن النجار سے تھے: اس وقت آپ کے ہمراہ سیدۃ ام ایمنؓ یعنی آپ حضور ﷺ کی دایہ بھی تھیں وہ مدینہ میں ن لوگوں کے پاس ایک ماہ رہے اور پھر عازم مکہ ہوئے. سیدۃ آمنہ کا انتقال الابواء کے مقام پر ہوا اور وہیں ان کی قبر بھی ہے پھر جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر الابواء کے پاس سے گزرے تو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے اور وہاں جا کر روتے رہے۔" (۱۳۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو نقل کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ دارالنابغہ میں مدفون ہیں، ابن سعد ان تمام واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو کہ ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی وفات حسرت آیات تک ہوئے تھے وہ رقمطراز ہیں پھر آپ (یعنی سیدۃ آمنہؓ) اپنے لخت جگر کے ساتھ مکہ کے واپسی سفر پر روانہ ہوگئیں اور جب آپ الابواء پہنچیں تو وہاں آپ کا وصال ہوگیا. آپ کی قبر وہیں پر ہے. پھر ام ایمنؓ آپ کے ساتھ دونوں اونٹوں پر سوار مکہ پہنچ گئیں. انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بعد آپ کی دیکھ بھال کی. جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے موقع پر الابواء سے گزرے تو آپ نے فرمایا: [بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دی ہے.] (۱۳۲) کیا اس بیان سے بھی بڑھ کر اور کوئی سند ہو سکتی ہے جو کہ کسی اور کا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سگے چچیرے بھائی کا ہے؟

بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر پر جانے کا ذکر ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے: [ہم اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے. جب آپ قبر پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: جانتے ہو یہ قبر کس کی ہے؟ ہم نے عرض کیا: "یہ تو صرف اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں." آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [یہ میری والدہ (ماجدہ) آمنہ کی قبر ہے، جبریل امین نے مجھے اس کا راستہ دکھایا ہے!] (۱۳۳)

ابن سعد کا بیان ہے: [رسول اللہ ﷺ الابواء کے پاس سے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر گزر رہے تھے. آپ نے فرمایا: [بلا شک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے.] لہذا آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اور اس قبر کو اپنے ہاتھوں سے مرمت کیا اور اس کے پاس زار و قطار رونے لگے. یہ دیکھ کر سب اصحابہ کرام بھی زار و قطار رونے لگے. آپ نے فرمایا: [میں نے ان کی محبت کو محسوس کیا ہے جس سے مجھے رونا آ گیا.] (۱۳۵) اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کو مکہ میں دفن کیا گیا تھا، ابن سعد نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ: [یہ غلط ہے. ان کی قبر تو الابواء میں ہے.] (۱۳۶)

ابوعبداللہ الاسدی (جو کہ تیسری صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے تھے) کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے امام سمہودیؒ نے لکھا ہے کہ ان مساجد میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا دو نمازیں ادا کی تھیں ایک مسجد الابواء میں بھی ہے جو کہ اس گاؤں کے وسط میں واقع ہے. (۱۳۷) الابواء کے گاؤں کے وسط میں ایسی مسجد کا ہونا جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ نے وہ نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ حضور ﷺ الابواء تشریف لے گئے تھے. الابواء کے باسی آج بھی ایک مسجد کا ذکر کرتے ہیں جو کہ اسی قصبے کے پاس ہی ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے مسجد النبی کہا جاتا ہے. یہ مسجد اب صرف کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے. نبی اکرم ﷺ پہلی بار اس علاقے میں صرف معدودے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ ودان (جو کہ پہلا غزوہ تھا جس کی قیادت حضور پر نور ﷺ نے بنفس نفیس فرمائی تھی اور بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ امن پر منتج ہوئی تھی بایں حالیکہ بنو ضمرہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا) پر تشریف لے گئے تھے. ابن اسحاق کے الفاظ میں: [پھر آں حضرت ﷺ ہجرت مبارکہ کے بارھویں ماہ صفر کے اخیر میں نکل پڑے یہاں تک

کہ آپ حضور ﷺ ودان پہنچ گئے تا کہ بنوقریش اور بنوضمرہ سے مقابلہ کیا جاسکے. مخشی بن عمرو الضمری نے معاہدہ امن کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی. اسے غزوہ الابواء کا نام دیا گیا ہے.](۱۳۸) اہم بات یہ ہے کہ ودان کا قصبہ الابواء سے چھ میل کی مسافت پر تھا جہاں بنوضمرہ رہا کرتے تھے اور ابن اسحاق کے علاوہ تمام قدیم سیرۃ نگاروں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ "خرج من المدینہ لسبع عشرۃ لیلۃ خلت من صفر سنۃ اثنتین حتی بلغ ودان." اس قلیل مدت کے غزوہ میں نہ تو اس وقت کوئی جنگ ہوئی اور نہ ہی حضور پرنور ﷺ ابواء تشریف لے گئے تھے. "حتی بلغ ودان" سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ صرف ودان تک ہی تشریف لے گئے تھے. اس تناظر میں گر دیکھا جائے تو الابواء جا کر نماز ادا کرنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا. ابواء میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ غزوہ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے. جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ غزوہ حدیبیہ میں مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ کی قبر اطہر پر تشریف لے گئے تھے، خود بھی احمقوں کی جنت میں بستے ہیں اور دوسروں کو بھی بیوقوف بنانے کی سعی کرتے ہیں. غزوہ حدیبیہ میں تو صرف صلح حدیبیہ ہی ہوسکی تھی وہ بھی مکۃ المکرمہ سے چھ میل باہر بیٹھ کر؛ معاہدے کی شرائط کے تحت تو آپ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں اس وقت جا ہی نہیں سکتے تھے اور بغیر عمرہ کئے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے. صلح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد اور مشرکین مکہ کی یہ شرط مان لینے کے بعد کہ آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے، آں حضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہی ستر اونٹوں کی قربانی دی اور پھر مدینہ طیبہ کا رخ فرمالیا. (۱۳۹) تمام مورخین اور سیرۃ نگاروں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ہی گئے تھے نہ کہ بعد میں یا اس سے پہلے. ذہن رسا کتنی ہی اڑان کیوں نہ بھر لے اور اس بارے میں وارد احادیث مبارکہ کی کتنی بھی تاویلیں نہ کرلے دلائل یہ ثابت کرنے سے قاصر رہیں گے کہ جب آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو مکہ میں اس مبینہ قبر پر کیسے تشریف لے گئے تھے جو مدعیان کے مطابق سیدۃ آمنہ بنت وہب ؓ کی تھی اور مکہ مکرمہ کے اندر ہی تھی.

جہاں تک ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے منسوب اس حدیث کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تھی جس میں اس زیارت کے علاوہ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا پر سیدۃ آمنہ ؓ قبر سے باہر زندہ ہو کر آئی تھیں اور ایمان لانے کے بعد اپنی قبر میں واپس تشریف لے گئی تھیں، اس روایت کے حد درجہ ضعف اور موضوع ہونے کی تصدیق مشاہیر علمائے کرام نے کی ہے جن میں حافظ ابو الفضل بن ناصر الدین، جوزقانی، ابن الجوزی، ذہبی اور حافظ ابن حجر شامل ہیں. اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی حدیث مبارکہ جس میں شک سے کہا گیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے مکہ میں اپنی والدہ ماجدہؓ کی قبر کی زیارت یا تو عمرۃ القضاء یا پھر حجۃ الوداع کے وقت کی تھی، محدثین کی رائے میں ضعیف ترین روایت ہے. جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اکابر اور اقدم سیرۃ نگاروں نے ان روایات کا سرے سے بطلان کیا ہے کہ سیدۃ آمنہؓ مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں. ابن اسحاق اور ابن سعد سے لے کر حافظ دمیاطی تک سب نے ایسی روایات کو غلط قرار دیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ سیدہ آمنہؓ مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں. امام ذہبی تو اس روایت کے موضوع ہونے پر اس درجہ اصرار کرتے تھے کہ حلفاً اعلان کیا کرتے تھے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے علامہ سیوطی نے ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے منسوب روایت کو حد درجہ ضعیف قرار دیا ہے. مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے. "السیرۃ الحلبیہ" از علامہ ابی الفرج نورالدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (المتوفی: ۱۰۴۴ ہجری)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲، صفحات: ۱۵۴-۱۵۷.

مجدالدین فیروز آبادی کا بیان ہے: [الابواء میں ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر ہے. ان کو وہاں دفن کئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ ابو النبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب، سفر تجارت کے دوران مدینہ میں انتقال کر گئے تھے. ان کی بیوہ، سیدۃ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب، ہر سال مدینہ طیبہ جایا کرتی تھیں اور ان کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں. جب رسول اللہ ﷺ

چھ سال کی عمر کے تھے، تو وہ عبدالمطلب اور ام ایمنؓ (جو کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کی دایہ تھیں) کی ہمراہی میں مدینہ طیبہ گئیں. واپسی پر ان کا انتقال الابواء میں ہو گیا۔'' (۱۴۰) فیروز آبادی کے اس بیان پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ان کی کتاب ''المغانم المطابہ فی معالم طابہ'' کے ناشر حمد الجاسر مرحوم نے، جو کہ مشہور سعودی تاریخ دان ہوئے ہیں، بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں: ''الابواء میں ایک قبر ہے جو کہ (سیدۃ) آمنہ سے منسوب ہے۔'' (۱۴۱) یاقوت الحموی البغدادی (ت: ۶۲۶ ہجری) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب معجم البلدان میں بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ: [وبالابواء قبر آمنۃ بنت وہب ام النبی ﷺ..... یعنی ابواء میں سیدۃ آمنہ بنت وہب ام النبی ﷺ کی قبر ہے.....] (۱۴۱)

مکۃ المکرمہ سے پرانے راستے کے ذریعے براستہ بدر اگر مدینہ طیبہ کا سفر کیا جائے تو رابغ کے صنعتی شہر سے بتیس کیلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ طیبہ کی جانب مستورہ کا چھوٹا سا قصبہ ہے. اس سے گزر کر تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر داہنی جانب ایک پختہ سڑک نکلتی ہے جہاں الابواء کا ایک بورڈ بھی لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے. اس سڑک پر چلتے ہوئے آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر الابواء کا گاؤں ہے جس سے پہلے ایک پٹرول پمپ ہے. گاؤں اور پٹرول پمپ سے ذرا پہلے اگر پشت الابواء کی طرف ہو تو داہنی جانب سیاہ اور گہرے رنگ کے پہاڑ ہیں سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر تو مسمار کی جا چکی ہے مگر ایک پہاڑی پر ایک پگڈنڈی طرح کا راستہ جاتا ہے جو کہ اس پہاڑی کی چوٹی تک جاتا ہے. گاؤں کے باسیوں کے مطابق لوگ اسی پگڈنڈی سے گزر کر پچھلی چودہ صدیوں سے اس قبر اطہر پر حاضری دیتے رہے ہیں، مگر وہ کام جو ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نہ کر سکی وہ اہل عرب کے موجودہ انتہا پسندوں نے کر دکھایا ہے اور وہ بھی اتنی ڈھٹائی سے کہ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے سیرۃ نبوی کے اہم سوانح کو بھی غلط ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں. چونکہ بعض زائرین تمام پابندیوں کو توڑ کر وہاں پہنچ جایا کرتے تھے، لہذا اب اس راستے میں خندق کھود دی گئی ہے تاکہ کوئی وہاں نہ پہنچ سکے.

مشہد سید الشہداء سیدنا حمزہ ابن عبدالمطلبؓ

اس تاریخی مشہد کو ہم نے اسی کتاب کے ایک اور باب ''مدینہ طیبہ کے کوہسار'' میں 'جبل احد' کے ضمن میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے. یہ قبرستان غزوہ احد کے میدان جنگ میں واقع ہے جہاں ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ عم رسول اللہ ﷺ تھے. ان کی قبر اطہر پر جو گنبد ہوا کرتا تھا وہ بقیع الغرقد کے دیگر قبوں کی طرح ۱۹۲۶ء میں مسمار کر دیا گیا تھا، اور باقیات میں سے صرف چند نشانات چھوڑ دیئے گئے تھے جن سے معلوم ہو سکے کہ وہاں ان کی قبر اطہر واقع تھی.

قباء میں واقع قبرستان

یہ قبرستان مسجد قباء کے جنوب مشرقی کونے کے باہر مسجد قباء سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک بلند و بالا چار دیواری کے اندر ہے. چونکہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کثیر التعداد قباء کے گاؤں میں بھی آباد تھی جہاں ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا پہلا قدم مبارک رکھا تھا، وہاں پر وفات پانے والے اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے قبیلے کے قریب واقع ان کے آبائی گورستانوں میں دفن کر دیا جاتا تھا. وہاں بھی چونکہ بہت سے شعوب و قبائل آباد تھے، اغلب امکان یہی ہے کہ وہاں بھی کئی قبرستان ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتے چلے گئے؛ خوش قسمتی سے ایک قبرستان بچ گیا ہے، جو کہ مسجد قباء کے قریب ہی واقع ہے، جہاں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ مدفون ہیں. یہ دو حصوں میں منقسم ہے اور دونوں حصوں کے بیچوں بیچ سے ایک چھوٹی سی سڑک گزرتی ہے، مگر دونوں حصوں کے اردگرد ایک بلند و بالا دیوار احاطہ کئے کھڑی ہے. اس کے علاوہ قباء میں بیر غرس کے پاس بھی ایک قبرستان ہوا

کرتا تھا، جس کا ذکر ہم نے بیر غرس کے ضمن میں کیا ہے. ایک عرصہ پہلے تو اس کے گرد ایک چاردیواری بھی ہوا کرتی تھے اور ایک بہت ہی پرانی طرز کا دروازہ ہوا کرتا تھا. اب چاردیواری تو غائب ہو چکی ہے مگر دروازہ آثار قدیمہ کے ستونوں کی شکل میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے اور اپنا حال زار زبان حال سے ہر زائر کو سناتا ہے. رہا قبرستان تو وہ اس علاقے کے من چلوں کے لیے فٹ بال گراؤنڈ بن چکا ہے.

ایسا ہی ایک اور قبرستان مسجد قبلتین سے متصلہ چاردیواری کے اندر واقع ہے. اونچی دیواریں نظارے سے مانع ہیں. یہ اس قبیلے کا قبرستان ہوا کرتا تھا جو کہ وہاں آباد تھا اور جن کی زمین پر مسجد قبلتین بنائی گئی تھی.

حضرت مالک بن سنانؓ کا مزار اور مسجد جو کہ اب مسجد نبوی شریف میں آ چکے ہیں

تیسرا تاریخی قبرستان العوالی میں مشربہ ام ابراہیمؓ کی چاردیواری کے اندر ہے. جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بعض غیر مصدقہ روایات کے مطابق ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ بھی وہیں مدفون ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے. البتہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ وہاں چند اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور ہوں. اس کے اردگرد کے علاقے کی (جس کو دشت کہا جاتا تھا) زیادہ تر آبادی اہل بیت طاہرہ کے افراد کی ہوا کرتی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ اس قبرستان میں زیادہ تر قبور افراد اہل بیت ہی کی ہیں، جن میں سے سب سے مشہور سیدۃ نجمہ خاتون ہیں جو اثنا عشری حضرات کے آٹھویں امام کی زوجہ محترمہ تھیں.

مسجد کتیبہ مسجد نبوی شریف کے جنوب میں پل کے اس پار واقع ہے. اس کے صحن میں بھی ایک اصحابی کی قبر ہوا کرتی تھی اور یہ دراصل مسجد کم اور مزار زیادہ تھا صوفی سلسلہ سنوسی انہیں اصحابی کی اولاد سے متعلق تھا. اب یہ قبر گرا کر اسے صحن مسجد بنا دیا گیا ہے.

مشہد حضرت مالک بن سنانؓ

حضرت مالک بن سنانؓ غزوہ احد میں شدید زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے. انہی زخموں کی وجہ سے آپ کی شہادت آپ کے گھر میں ہوئی جو کہ پرانی مسجد نبوی شریف کے شمال مغرب کی جانب واقع تھا. آپ کو گھر ہی میں دفن کیا گیا تھا. پچھلے توسیعی منصوبے سے پہلے ان کا مزار مشہور و معروف تھا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد مالک بن سنانؓ کے نام سے مشہور تھی، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یہ تمام علاقہ اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے. ابوالنبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ کی قبر کی طرح حضرت مالک بن سنانؓ کی قبر اطہر بھی کھودی گئی تھی اور ان کا جسم سلیم بھی بقیع الغرقد منتقل کر دیا گیا تھا. ان معدودے چند مقبروں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں اور بھی دیگر قدیم تاریخی قبرستان تھے جن میں سے کچھ کے آثار تو ابھی تک موجود ہیں. ایسا ہی ایک قبرستان مسجد الفتح کے نیچے مغربی جانب ہے اور دوسرا مسجد جمعہ سے متصل علاقے میں ہے. مسجد جمعہ سے متصل قبرستان میں زیادہ تر قبور حضرات اہل بیت کی ہیں.

حواشی

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ یہ دعا حضور واما شان ﷺ نے ہمیں اس وقت سکھائی جب کہ آپ حضور ﷺ البقیع کی زیارت کو گئے ہوئے تھے صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۱۲۸

(۲) ابن ۔ثیر۔ عز الدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، بیروت، ج ۲، ص ۵۴۶

(۳) مثلاً "بقیع الخیل یا بقیع الزبیر وغیرہ (ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ عربی میں 'بقیع' درختوں کے جھنڈ کو کہا کرتے تھے، ان جگہوں پر صرف چند قبور ہوا کرتی تھیں اور بقیع الغرقد کی طرح یہ مقامات باقاعدہ قبرستان نہیں تھے.

(۴) ابن سعد، طبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ج: ۳، ص ۳۹۷

(۵) مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، دار الیمامہ للبحث و الترجمہ و النشر، الریاض، ناشر حمد الجاسر، ۱۹۶۹، ص ۶۱

(۶) ایسی خاردار جھاڑیاں بے آب جگہوں پر خودرو نباتات کی طرح اگتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں ویرانی کی علامت سمجھا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے غرقد کے درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ یہودیوں کا درخت ہے. صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۹۸۵. بہذا اب ایسا کوئی درخت بقیع الغرقد میں تو ایک طرف پورے مدینہ طیبہ میں دیکھنے کو نہیں ملتا. البتہ چند خاردار مغیلوں کے درخت کہیں کہیں ہوا کرتے تھے. آج سے تیس سال پہلے چند دیگر قسم کے درخت بھی ہوا کرتے جو دو مشہور قبروں کے پاس تھے. ایک جنڈی کا درخت حضرت عثمانؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا اور دوسرا پیلو کا درخت تھا جو کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا مگر اب بقیع الغرقد کو ہر قسم کی جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا ہے.

(۷) یہ آبادی زیادہ تر وقف عمارتوں پر مشتمل تھی (رباط اور دیگر قدیم عمارتیں وغیرہ)، جن کو پچھلے چودہ سو سالوں سے مختلف ادوار میں مسلم سلطانوں نے "وقف فی سبیل اللہ" کے طور پر تعمیر کر دیا تھا سب سے بڑا اور قدیم ترین وقف کمپلیکس رباط المغربی تھا جس کو شاہان مراکش نے وقف کیا تھا.

(۸) حضرت سلمان الفارسیؓ تیسری بار جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ بقیع الغرقد میں موجود تھے اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا. ابن اسحاق، ص ۹۷.

(۹) الموطاء امام مالکؒ، ج ۱، نمبر ۵۷۳

(۱۰) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۲۱۲۷؛ مسند امام احمد، ۶۔۲۲۱؛ نیز ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۔۱۷۳۔۲۶۲ ہجری) تاریخ المدینہ، ج: ۱، صفحات ۸۷-۸۹. یہ حدیث مبارکہ عام طور پر خواتین کو قبور کی زیارت کرنے کی اجازت دینے کے مسئلے میں پیش کی جاتی ہے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کو دعا کا سکھایا جانا کہ اہل بقیع پر کیسے سلام اور دعا کہی جائے، بدیہی طور پر امت مسلمہ کی دیگر خواتین کو بھی بقیع الغرقد کی زیارت دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کسی عمل کو اپنی زوجہ مطہرہ کے لیے تو جائز قرار دیں مگر امت کی خواتین کو منع فرما دیں.

(۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ص ۹۴

(۱۲) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۲۱۲۷

(۱۳) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۲۱۲۶

(۱۴) السید جعفر بن اسمائیل المدنی البرزنجی، برهة الناظرین فی مسجد سید الاولین و الآخرین، ص ۳۱۵

(۱۵) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الهجره من معالم دار الهجره، مکتبة دار مصطفیٰ الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۷ زیر عنوان "تاریخ المدینۃ الشریفہ، ص ۱۰۱ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں یوں ہے: [میں سب سے پہلا ہوں گا جسے یوم حشر اٹھایا جائے گا، پھر ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ اور پھر ہم البقیع کو جائیں گے جہاں اس کے مدفونین اٹھائے جائیں گے...] جلال الدین السیوطی، جامع الحدیث، نمبر ۴۷۵۶. الی کم اور الترمذی نے بھی

یہی حدیث مبارکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے روایت سے بیان کی ہے

(۱۶) ابن حبان نے اسے ثقہ احادیث میں سے جانا ہے (احادیث، ۵۔۴۷) الطبرانی، المعجم الکبیر، ۲۵۔۱۸۸، نمبر ۴۴۵، ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۱۹۳ ابن نجار نے اس حدیث مبارکہ کے تمام راویوں کے سلسلے کو بیان کیا ہے جسے ام قیس بن محسنؓ نے روایت کیا تھا: [....رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ام قیس " کیا تم یہ قبرستان دیکھ رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ نے فرمایا اس جگہ سے ستر ہزار لوگ اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے جو بلا حساب اور اپنے کسی عمل اور فعل کے مواخذے کے بغیر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے'' ابن نجار (۵۶۸۔۶۴۱ ہجری)، الدرة الثمینه فی تاریخ المدینه، مکتبة الثقافة الدینیه، قاهره، ۱۹۹۵، ص ۲۲۹

(۱۷) منقول از ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۱۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۱۷

(۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۱۷۴ ان کے قول کے مطابق جب انہوں نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا تھا (یعنی دسویں صدی ہجری) تو اس وقت بھی بنی سلمہ کا قبرستان ناپید تھا

(۲۰) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۴۴۴ حضرت علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے [ہم ایک جنازے کے ساتھ بقیع الغرقد گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف لے آئے اور پھر ہم آپ حضور ﷺ کے گرد حلقہ لگا کر بیٹھ گئے. صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۳۹۸ و صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۴۴۴.

(۲۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۹۶

(۲۲) ابن الاثیر (ت ۶۳۰ ہجری)، اسد الغابه فی معرفة الصحابه، دار الکتب العلمیه، بیروت، ج:۳، ص:۵۹۱ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک پتھر رکھا اور فرمایا [تاکہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہاں دفن کیا جائے]، سماعیل بن عبداللہ الاسکداری (ت ۱۱۸۲ ہجری)، مرعیب اهل المودہ والوفاء فی سکن دار الحبیب المصطفیٰ، مکتبة الثقافه، المدینة المنوره، ص ۹۴

(۲۳) سنن ابی داؤد، ۲۰۔۳۱۵۷

(۲۴) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، اسد الغابه فی معرفة الصحابه، دار الکتب العلمیه، بیروت، ج.۳، ص:۳۸۶

(۲۵) یہ حدیث مبارکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب میں نقل کی ہے. اردو ترجمہ، نوری کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۱۷۳

(۲۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۳، ص ۳۹۷

(۲۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۱۰۰

(۲۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۲۳

(۲۹) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۳، ص ۳۸۶

(۳۰) یہ حدیث مبارکہ ابن شبہ نے اپنی تاریخ مدینہ میں نقل کی ہے. دیکھئے ج:۱، ص ۹۷. سمہودی نے اسے وفاء الوفاء میں، جزء دوم، ص ۸۳ پر نقل کیا ہے

(۳۱) ابن شبہ، ج:۱، ص:۹۸

(۳۲) ایضاً، ص ۱۲۱

(۳۳) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۱۸

(۳۴) حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [ہم اسے بقیع الغرقد لے گئے. نہ ہم نے اسے کسی طریقے سے باندھا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی کھائی وغیرہ کھودی. ہم نے اسے ہڈیوں، ڈھیلوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے مارا....] صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۰۰۲ تاہم چند مورخین نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے خیال میں البقیع سے مراد "البقیع المصلاۃ" (جو کہ مسجد الغمامہ کے قریب ہی واقع تھی). دیکھیے سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص:۳۶۴.

(۳۵) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۹۱۷

(۳۶) صحیح بخاری، ج.۲، باب نمبر ۸۰

(۳۷) سمہودی، وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۹۱۸۔ ابن جبیر کے سفرنامے کے مطابق ان کے سفر مدینہ طیبہ کے دوران (۵۸۰ ہجری) میں بھی وہ بیت الحزن موجود تھا اور زیارت گاہ خاص و عام تھا تاہم کچھ اس قسم کی بھی روایات ہیں کہ یہ جگہ دراصل مسجد حضرت فاطمۃ الزہراء ہوا کرتی تھی، جیسے کہ امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ انہوں نے بقیع الغرقد میں مسجد حضرت فاطمۃ الزہراءؓ میں نماز ادا کی تھی۔

(۳۸) سمہودی، خلاصہ الوفاء، ص ۳۱۸۔ دراصل یہ بیان امام مالک کا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ کی مدارک میں منقول ہے۔

(۳۹) سنن ابی داؤد، ۱۶۔۱۰۔۳۱۔ نیز المطری، مصدر مذکور، ص ۶۳۔ نیز ابن سعد، ج ۳، ص ۳۸۴

(۴۰) ابن سعد، ج ۳، ۳۴۰

(۴۱) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج: ۶، ص ۳۱۵

(۴۲) جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۶

(۴۳) بلاد الشام العسقلان میں ایک اصحابی رسول ﷺ کی قبر ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر بتایا جاتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ عادل عبدالمومن ابو العباس، الروضۃ المستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابہ، مکتبۃ الثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷، ص ۶۵ اگرچہ فاضل مولف نے اپنی حتمی رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جنت البقیع میں ہی مدفون ہیں، مگر ابتدائی مورخین میں سے کسی نے بھی (جیسے کہ ابن زبالہ اور ابن شبہ) نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں تاہم سب سے زیادہ معتمد روایت ابن نمیر کی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال ۵۹ ہجری میں وادی العقیق میں ان کے گھر میں ہوا تھا اور یہ کہ ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے ادا کروائی تھی۔ دیکھئے: مصطفیٰ الرفاعی، عوان النجابہ فی معرفۃ من مات بالمدینہ المنورہ من مشاہیر الصحابہ، المکتبہ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ۱۹۸۴، ص ۲۲۲۔ مزید برآں العقیق میں ہی مدینہ طیبہ کے ائرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے چند کھنڈرات کے قریب چند اہل بیت حضرات (حضرت علی العریضیؒ، حضرت امام جعفر الصادقؒ کے سب سے چھوٹے فرزند) کی قبور ہیں اور ان میں سے ایک کے متعلق یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر ہے۔ عام طور پر اسے مدرسہ ابو ہریرہؓ یا مقبرہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، اس مزار کی چھت گرا دی گئی ہے اور قبور کو بھی منہدم کر دیا گیا ہے، صرف چار دیواری باقی رہ گئی ہے جس کے اندر تین قبور ہیں۔ زائرین نے اندر جھانکنے کے لیے دیوار میں ایک روزن سا بنا لیا تھا مگر اب اسے بھی بند کر دیا گیا ہے۔ (۲۰۰۳ء میں اسے گرا کر تمام علاقہ ہموار کر دیا گیا ہے) اس مقام کے متعلق بہت سا اختلاف رائے ہے یقینی طور پر یہ مقبرہ حضرت ابو ہریرہؓ کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ تو سمہودیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے۔ البتہ شیعہ حضرات اس کے متعلق اور رائے رکھتے ہیں: ان کے خیال میں وہ قبور اہل بیت طاہرہ میں سے ان کے مشاہیر کی ہیں، مثلاً حضرت علی عریضیؒ، اور قریب واقع مدرسہ حضرت جعفر صادقؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ابراہیم رفعت پاشا نے مرآۃ الحرمین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ۱۹۰۲ء میں وہ جگہ مقبرہ علی عریضیؒ کے نام سے مشہور تھی

(۴۴) ان کا شمار اصحابہ الصفہ میں ہوتا ہے بعض تواریخ میں ان کے نام کو خفاف الغفاریؓ بھی لکھا گیا ہے۔

(۴۵) آپ ان تین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں شامل تھے جنہوں نے یہودی کعب بن الاشرف کو قتل کیا تھا۔

(۴۶) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد سے تھے اور عربوں کے جغرافیہ دانوں کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں)، مروج الذہب و معادن الجواہر، ص ۱۳۹۔ اس سلسلے میں مسعودی نے چند شیعہ روایات کا ذکر بھی کیا ہے جن کے مطابق وہ کسی پہاڑی پر خفیہ مقام پر چلے گئے تھے۔ سنی روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ نیز: ابی حبان البسطی (ت: ۳۵۴ ہجری) مشاہیر الصحابہ و التابعین، مکتبۃ الثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ص: ۵۷

(۴۷) ان کا انتقال بھی الجرف میں ہوا تھا، لیکن ان کی میت کندھوں پر لاد کر بقیع الغرقد لائی گئی تھی۔ سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۱۷۵

(۴۸) آپ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ ان کا انتقال بھی ۵۱ ہجری میں العقیق میں ہوا تھا اور ان کی میت بھی بقیع الغرقد لائی گئی تھی۔

(۴۹) ابی الحسن البسطی (ت ۳۵۴ ہجری)، مشاہیر الصحابہ والتابعین، مصدر مذکور، ص ۴۱

(۵۰) ابن سعد، ج: ۸، ص ۲۱۶

(۵۱) Al Madina Al Munawwara in One Hundred Manuscripts

ہے اس کتاب میں سو مخطوطوں کا ایک تنقیدی جائزہ

(۵۲) ی ف ا ن ا ی ا ی ا ی

(۷۷) حضرت عباسؓ کے نام سے خاندان عباسیہ کی خلافت جانی جاتی ہے۔

(۷۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۳۱

(۷۹) المراغی، ص ۱۲۷

(۸۰) شیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، دار الکتب والوثائق المصریہ، (ISBN 977-5231-14-0), 1995, pp: 310-315

(۸۱) جنرل ابراہیم رفعت پاشا جو کہ مصری حکومت کی طرف سے امرالحج رہے تھے اور انہوں نے پہلی بار مدینہ طیبہ کی زیارت ۱۳۲۱ ہجری میں کی تھی رقمطراز ہیں کہ اس وقت بیت الاحزان۔ بیت الحزن۔ بقیع الغرقد میں ۱۳۲۱ ہجری (بمطابق) ۱۹۰۲ء) میں موجود ہوا کرتا تھا اس اس کے اوپر ایک گنبد بھی تھا۔ اس جگہ پر سیدۃ فاطمۃ الزہراء نے وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد عزلت گزینی اختیار کر لی تھی۔ مرآۃ الحرمین، ج ۱، ص ۴۲۶

(۸۲) چھ سال کے غاصبانہ قبضے کے بعد جب عثمانیوں نے وہابیوں کو مدینہ طیبہ سے مار بھگایا، تو ابراہیم پاشا نے، جو اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا، سلطان محمود خان کو لکھا کہ وہ تمام قبہ جات اور مسجد الغمامہ جو کہ وہابیوں نے مسمار کر دیئے تھے ان کو دوبارہ تعمیر کروایا جائے۔ بہذا سلطان محمود کے احکام پر انہیں جگہوں پر دوبارہ قبہ جات تعمیر کروائے گئے۔ دکتور محمد سید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، پہلا ایڈیشن، دار المجتمع، جدہ ۱۹۸۸ء، ص: ۱۶۸۔ بیسویں صدی کے شروع میں وہابی جب دوبارہ برسر اقتدار آ گئے تو انہوں نے ۱۹۲۵۔ ۱۹۲۶ء میں ان تمام قبوں کو دوبارہ مسمار کر دیا اور ان کا ملبہ بقیع الغرقد سے باہر پھینک دیا گیا۔ صالح لمعی مصطفیٰ، Al Medina al-Munawwara - Urban Development and Architectural Hentage، بیروت، ۱۹۸۱، ص: ۳۰

(۸۳) اہل سنت والجماعت کے ایک گروہ کی یہ دلیل بڑی وزنی ہے کہ وہ پنج گوشہ عمارت جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کے گرد تعمیر کروائی تھی وہ بعد میں آنے والے دیگر مزارات کی پیش رو تھی۔ اس سلسلے میں ہم اس روایت کی وضاحت کرنا چاہیں گے کہ جس کو بنیاد بنا کر قبہ جات کو گرایا گیا تھا اور قبور مطہرہ کو ہموار کر دیا گیا تھا۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف کے باب الدفن سے لی گئی ہے جس کے مطابق ابو ہیاج الاسدی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ [مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ ہی کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔] اس حدیث مبارکہ کو صحیح سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب حضرت خالد بن الولید ؓ کو قدید میں ہبل کے بت کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا اور انہوں نے بے دریغ تلوار کا استعمال اور قتال کیا اور وہاں کے لوگ سراپا احتجاج بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اس مہم پر روانہ فرمایا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ حکم بھی تھا مگر معترضین یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مہم تو حجاز کے سب سے بڑے صنم کدے اور بت خانے اور اس میں واقع مشرکین کی قبور کے متعلق تھیں اور جن تصاویر کے ازالے کے لیے حکم ہوا وہ بھی مشرکانہ تھیں۔ ان کا اطلاق مسلم مشاہیر کی قبور پر کیسے مانا جا سکتا ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے!

(۸۴) ماضی قریب میں سعودی عرب کے چند مشاہیر نے تاریخ مدینہ طیبہ پر بہت کچھ لکھا ہے۔ بہت سوں نے تو پہلو تہی کی ہے۔ اگرچہ ان مورخوں نے تھوڑا بہت حوصلہ کر کے بقیع الغرقد کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور اس کی اہمیت امت مسلمہ کے لیے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ سارا کچھ ملا کر بھی قابل قدر تفصیل مہیا کرنے سے شرماتے ہیں۔ ان کے مایہ ناز مورخ عبدالقدوس الانصاری نے بھی بقیع الغرقد کے بارے میں نہایت ہی عامیانہ قسم کی معلومات فراہم کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

(۸۵) المسعودی رقمطراز ہیں: ابا عبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ابن علی کرم اللہ وجہہ نے ۱۴۷ ہجری میں انتقال فرمایا اور البقیع میں اپنے والد اور دادا کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کی قبور طاہرہ پر پتھر کی ایک لوح نصب تھی جس پر مذکور تھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب تعریف اللہ کے لیے جو ہر زندہ چیز پیدا کرتا ہے اور پھر اسے موت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے۔ یہ قبور: بنت رسول اللہ ﷺ سیدۃ النساء الفردوس سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ اور ان کے فرزند حسن ابن علی علیہ السلام، اور علی ابن حسین ؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت محمد بن علی ؓ اور حضرت جعفر بن محمد ؓ کی ہیں۔'' مروج الذہب ومعادن الجواہر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ج ۳، ص ۳۴۸۔ نیز دیکھئے سمہودی، ص: ۹۰۵۔ اس روایت سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگرچہ اس وقت بقیع الغرقد میں قبہ جات نہ تھے مگر قبور پر لوحات سنگ نصب کرنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔

(۸۶) شیخ احمد ابن عبدالحمید العباسی، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد دربزونی الحسینی، ۱۳۹۵۔ یہ کتاب مکتبۃ الحرم النبوی شریف میں بطور کتاب نمبر ۱۲۵۳۶

مورخہ ۱۵۔۷۔۵۴ ہجری سے ماخوذ ہے

(۸۷) ڈاکٹر سید حمید شطاری، سید حسین، سید ایک، سید حسن کا بچہ سے ماخوذ، ابن تیمیہ کی پیدائش، ناشر، مکتبہ عربی حیات، پہلا ایڈیشن ۹۸۵ء، ص ۹۔

(۸۸) بیناقی فاضل، امام نے ابن کثیر کی بدایہ، نہایہ، ج ۸، ص ۴۲۲ حوالہ دیا ہے (خط کشیدہ، خاط تمہارے ہیں)

(۸۹) جعفر بن اسماعیل ابرنجی، مصدر مذکور، ص ۳۲

(۹۰) مسعودی، مصدر مذکور، ص ۳۸۵

(۹۱) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۲۷

(۹۲) محمد طاہر الکردی المکی نے ایک روایت زبیر بن بکار کے حوالے سے دی ہے دیکھئے التاریخ قویم مکہ، بیت اللہ الکریم، ج ۶، ص ۳۷۴

(۹۳) ابن الجوزی (ت ۵۹۷ ہجری) ایواب ذکر مدینۃ الرسول، ناشر مرزوق علی ابراہیم، مدینہ منورہ، ص ۴۰۔

(۹۴) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۱۱

(۹۵) جعفر بن اسماعیل ابرنجی، مصدر مذکور، ص ۱۰۱

(۹۶) ابن شبہ، ج:۱، ص ۱۱۰۔ نیز مسعودی، ج:۳، ص ۳۴۸

(۹۷) ایضاً، ص ۱۰۵

(۹۸) ابن شبہ، ج:۱، ص ۱۰۶

(۹۹) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات ۴۲۵۔۴۲۶

(۱۰۰) ایضاً، ص ۴۲۶

(۱۰۱) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۰۵

(۱۰۲) ابن شبہ، ج:۱، صفحات:۱۰۴۔۱۱۰

(۱۰۳) محمد الدین، ایڈیٹر، صوفی، سیرۃ فاطمہؓ، ۱۳۳۵ ہجری، ص ۲۰۴

(۱۰۴) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو وصیت کی تھی کہ [مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ نہ دفنایا جائے، اس کے بجائے مجھے میری ساتھیوں کے ساتھ (زوجات الطاہرات الرسول اللہ ﷺ) کے ساتھ البقیع میں دفنا دیا جائے کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میں ان سے کسی طور بہتر سمجھی جاؤں] صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۴۷۴

(۱۰۵) اولیا شلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ (عربی ترجمہ از دکتور صفصفی المرسی بعنوان "الرحلۃ الحجازیہ")، ناشر دار الآفاق العربیہ، قاہرہ، ۱۹۹۰، ص: ۱۵۰

(۱۰۶) ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ جنت المعلاۃ مکۃ المکرمہ میں اور ام المومنین حضرت میمونہؓ السرف (مسجد تنعیم کے پاس تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر) میں مدفون ہیں

(۱۰۷) ابن جبیر، ابی الحسین محمد بن احمد، مصدر مذکور، ص ۱۶۵

(۱۰۸) ابن سعد، ج:۳، ص ۳۹۷

(۱۰۹) ابن نجار مدینہ طیبہ کے پہلے مورخ ہیں جنہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں لیکن پہلے کی ثقہ روائتیں اس کے برعکس ہیں کیونکہ ان کے مطابق ان کا مزار اشام میں ہے اور وہاں مرجع خلائق رہا ہے البرزنجی، مصدر مذکور، ص ۳۱۴

(۱۱۰) ابن شبہ، ج:۱، صفحات ۱۱۱۔۱۱۴

(۱۱۱) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۲۶

(۱۱۲) اولیا شلبی، مصدر مذکور، ص ۱۴۹

(۱۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق، پہلے کسی بھی مورخ نے کسی دور میں حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کی قبر مبارک کا کہیں ذکر نہیں کیا ہوسکتا ہے کہ یہ اہل مدینہ طیبہ زبانی روایات کا حصہ ہو یسے اور بہت سے آثار ہیں جن کے متعلق کوئی مستند روایت تو نہیں ملتی مگر شروع سے ہی اہل مدینہ طیبہ کی روایات کے مطابق وہ مستند یا تو آثار نبویہ شریفہ کے طور پر مشہور ہیں یا پھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیات طیبہ سے متعلق بتائے جاتے رہے ہیں. یہی وجہ ہے کہ کثر مورخین نے ایسے آثار کو درخور اعتنا نہیں سمجھا.

(۱۱۴) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۱۹

(۱۱۵) ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبداللہ بن محمد، (ت ۲۳۵ ہجری) کتاب المغازی، دار الاشبیلیہ، الریاض، ۱۹۹۹، ص ۲۵۰

(۱۱۶) اس واقعہ میں ۷۰ ۴، ۱۲ افراد یزیدی فواج کی سفاکانہ حرکتوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے جن میں ۷۰ تو حفاظ قرآن تھے اور ۷۰۰، ۱ صحابی کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم میں سے علماء تھے. ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزر رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر فرمایا: [میرے اصحابہ کرام میں سے بہترین لوگ یہاں قتل کر دیئے جائیں گے.] صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کی پیشین گوئی ۶۳ ہجری میں پوری ہوگئی جب کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے ردعمل میں مدینہ طیبہ سراپا احتجاج بن گیا؛ ادھر مکۃ المکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کر دی اور ادھر مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن حنظلہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن المطیع ؓ نے یزیدی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا اس پر سیخ پا ہو کر یزید نے دس ہزار کا لشکر جرار مسرف بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ روانہ کیا. یزیدی افواج نے نہ صرف قتل عام کیا بلکہ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی بے حرمتی کی یوں مسجد نبوی شریف کا تقدس ابنائے اسلام کے اپنی ہی ہاتھوں مجروح ہوا.

(۱۱۷) تاہم اسماعیلی حضرات اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے. ان کی روایات کے مطابق امام اسماعیل ؓ دمشق میں مدفون ہیں، اور وہاں پر وہ ایک مزار کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس گھر کے کھنڈرات کا ذکر کرتے ہیں جہاں امام اسماعیل ؓ رہائش پذیر رہے تھے. ان کی روایات کے مطابق بقیع الغرقد کے قرب میں دفن ہونے والے عبداللہ بن جعفر الصادق ؓ تھے نہ کہ اسماعیل بن جعفر الصادق ؓ. اس سلسلے میں مزید تفاصیل ان کے ویب سائٹ <www ismaili net> پر دیکھی جا سکتی ہیں

(۱۱۸) ابن نجار، ص ۲۳۳

(۱۱۹) ایضاً، ص ۲۳۴

(۱۲۰) سمہودی، وفاء الوفاء، ص. ۳۹۹

(۱۲۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۹۳

(۱۲۲) شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۸۶

(۱۲۳) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۴۲۰. نیز احمد یاسین الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، دار العلم، جدہ، ۱۹۹۳، ص ۶۴

(۱۲۴) ابر ہیم العیاشی المدنی، مصدر مذکور، ص ۲۲۲.

(۱۲۵) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۹۹. ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری) نے البدایہ والنہایہ میں واقدی کو نقل کیا ہے: مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۸۱، جز ۲، ص ۲۶۳

(۱۲۶) ابن سعد، ج. ۱، ص ۱۱۶

(۱۲۷) ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۱۱۶

(۱۲۸) رسول اللہ ﷺ کو اس تلوار سے بہت پیار تھا اور جب آں حضرت ﷺ ہجرت پر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اس وقت وہ تلوار آپ کے ساتھ تھی.

(۱۲۹) ابن اسحاق، ص ۳۷

(۱۳۰) منقول از ابن کثیر، مصدر مذکور، جز ۲، ص ۲۷۹

(۱۳۱) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، صفۃ الصفوۃ، المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، ج: ۱، ص: ۴۱.

(۱۳۲) ابن سعد، ج: ۱، ص ۱۱۶

(۱۳۳) ابن شبہ، ج: ۱، ص ۱۱۷

(۱۳۴) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۲۱۳۰

(۱۳۵) ابن سعد، ج: ۱، ص ۱۱۷

قباء- باب المدینہ

جو رسول اللہ ﷺ کا استقبال کر کے زندہ جاوید ہو گئی

”مجھے مسجد قباء میں دو رکعت ادا کر لینا دو بار بیت المقدس جانے سے زیادہ بھلا لگتا ہے.
اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے، تو وہ اپنے اونٹوں کو پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کر دیں گے.“
(حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ)

قباء ایک مشہور قصبہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے جنوب میں شہر سے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ازمنہ قدیم سے ہی اسے باب المدینہ المنورہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنوب کی طرف سے آنے والوں کے لیے (بالخصوص مکۃ المکرّمہ کی جانب سے) مدینہ طیبہ سے پہلے قباء ہی آنے والوں کا استقبال کرتا تھا۔شہر حبیب سے قدرے اونچی سطح زمین پر واقع یہ قصبہ طلوع اسلام کے بعد سے بہت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے "[ہم عصر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتے اور پھر جب کبھی قباء جایا کرتے تو وہاں ایسے وقت میں پہنچتے کہ سورج ابھی کافی بلند ہوتا تھا۔](۱) اس حدیث مبارکہ سے ہمیں اندازہ ہوجاتا ہے کہ مسجد نبوی شریف اور قباء میں فاصلہ اتنا تھا کہ پیدل چلنے والا انسان نماز ظہر اور عصر کے درمیان بڑی آسانی سے وہاں پہنچ سکتا تھا۔آج کے شہر مدینہ طیبہ پر یہ بات شاید لاگو نہ ہو کیونکہ اب تو شہر نبی اتنا پھیل چکا ہے کہ قباء کا سیٹلائٹ ٹاؤن اور شہر عملی طور پر ایک ہی بن چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قباء اب مدینہ طیبہ کی مضافات بن چکا ہے۔البتہ مسجد نبوی شریف اور قباء کے درمیان فاصلہ ذرا زیادہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ جدید سڑکوں کے جال نے ٹریفک کے راستے بنانے کیلئے سڑکوں کو گھما پھرا دیا ہے اور اس طرح یہ فاصلہ کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتا ہے مگر سنت نبوی پر عمل پیراء ہونے والے عشاق آج بھی اسی راستے سے پیدل سفر کر لیتے ہیں جہاں حضور مصطفیٰ ﷺ کے قدمین شریفین لگا کرتے تھے۔

وہ پگڈنڈی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ تھی، جہاں سے نہ جانے سید الانبیاء ﷺ کتنی بار پاپیادہ یا سواری پر اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جلو میں گزرے ہوں گے آہستہ آہستہ وسیع ہوتی گئی اور طریق قباء کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔قباء جانے کے لیے دیگر راستوں کے علاوہ آج بھی مشہور راستہ وہی ہے، جس کو مزید وسعت دے کر ایک کشادہ سڑک بنا دیا گئی ہے جو دراصل اب دو حصوں میں تقسیم ہے اس کے درمیان آبادی کی ایک پٹی حائل ہے: ان میں سے ایک قباء جانے کے لیے (قباء طالع) اور دوسری قباء سے واپسی (قباء نازل) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔یہ دونوں سڑکیں شارع فیصل پر پل کے نیچے سے ہوتی ہوئی مسجد نبوی شریف سے قباء کو ملاتی ہیں۔دونوں سڑکوں کے دونوں طرف بلند و بالا عمارتیں ہیں جن کے نیچے بڑی بڑی دکانیں اور شوروم کھلے ہوئے ہیں جہاں زمانے بھر کا سامان بکتا ہے اور زندگی کی ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے۔آج کے دور میں مکۃ المکرّمہ سے آنے والی طریق الہجرہ (ہجرہ ہائی وے) قباء کے پاس سے ایک طرف ہو کر گزرتی ہے۔زمانہ قدیم میں تو اس شاہراہ تجارت پر ایک اہم پڑاؤ ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی وہ اہمیت نہیں رہی یثربی دور میں بنو سالم اور بنو عمر بن عوف کے بنو خزرج کے قبیلے وہاں رہا کرتے تھے۔ان کے علاوہ یہودیوں کے بھی بہت سے گھر مختلف محلوں میں علیحدہ رہا کرتے تھے۔بنو انیف کے لوگ جو کہ اپنا تعلق بنو عمالقہ سے جوڑا کرتے تھے وہ بھی وہیں آباد تھے۔ساکنین قباء میں سے جو لوگ صاحب حیثیت تھے وہ اس وقت بھی اپنے اطام (حصار اور حویلیاں) بنا کر رہا کرتے تھے۔قباء کی آبادی زیادہ تر کاشتکاری کیا کرتی تھی اور کچے مکانوں میں رہتی تھی۔بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

مسجد قباء اسلام کی پہلی مسجد
۱۳۲۶ ہجری
حفاظت پر مامور ترک فوجی

۶۴۸

قباء کے اردگرد کا علاقہ حرہ شوران کے ساتھ بھی لگتا تھا جو زیادہ تر لاوا سے اٹے ہوئے چٹیل میدانوں پر مشتمل تھا جسے اہل قباء چراگاہوں کے طور پر استعمال کرتے تھے۔قباء میں سطح آب سطح زمین سے زیادہ دور نہیں تھی اس لیے وہاں گھریلو اور زراعتی مقاصد کے لیے کافی تعداد میں کنویں کھودے گئے تھے جن سے کھیتوں کی آبیاری کی جاتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ یہاں کھجور کے باغات اور زراعت کی بہتات تھی۔آج کے مدینہ طیبہ میں جب ہم مدینہ شہر اور قباء کا موازنہ کرتے ہیں تو قباء میں تاریخی کنوؤں کی تعداد نسبتاً زیادہ نظر آتی ہے۔اس کی زمین آج بھی زرخیز ہے اور سونا اگلتی ہے۔جگہ جگہ گھنے کھجوروں کے باغات نظر آتے ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ

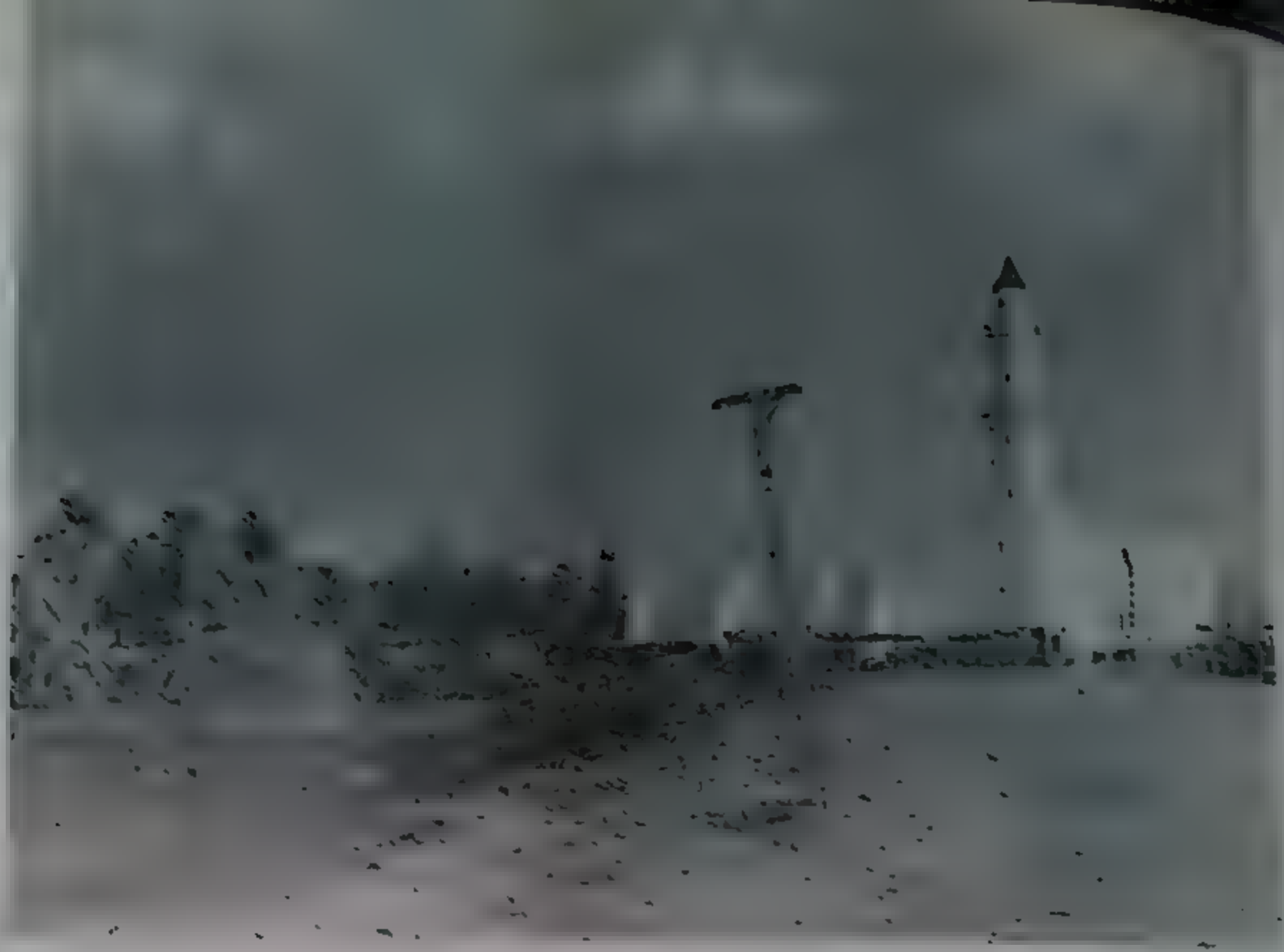

مسجد قباء
۱۳۳۰ ہجری

مدینہ طیبہ کے مشہور ترین باغات صرف قباء ہی میں ہیں. مدینہ طیبہ کا قدیم ترین باغ ''الجزع'' بھی قباء میں ہے جہاں قسم قسم کی کھجوروں کے علاوہ، نگور اور انار بھی ہوتے ہیں اور یہ باغ صدیوں سے اہل مدینہ طیبہ کو ثمر ہائے گوناگوں مہیا کرتا آیا ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں ایک ایسا کھجور کا درخت بھی ہے جو کہ پچھلے پانچ سو سالوں سے پھل دیتا آرہا ہے. (۲) باغ حضرت سلمان فارسیؓ کے اجڑنے کے بعد اور مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی وجہ سے بہت سارے باغوں کے معدوم ہو جانے سے ''العجوہ'' کھجور اب زیادہ تر قباء کے باغات سے آتی ہے جو کہ دیگر علاقوں کی عجوہ سے بدرجہا بہتر ہے. (۳) اس کے علاوہ یہاں تربوز، کھیرے اور ٹماٹر بہت ہوتے ہیں جو کہ کھجوروں کے باغات میں ان کے درختوں کے درمیان واقع کیاریوں میں بوئے جاتے ہیں. یہاں ہلکے رنگ کا گلاب بھی بکثرت ہوتا ہے جس کی خوشبو مدنی ماحول میں اور بھی بہت ہی بھینی بھینی معلوم ہوتی ہے.

یہ قصبہ جو کہ کبھی چھوٹا سا ہوا کرتا تھا اب بہت وسیع ہو چکا ہے، لیکن اس کی آبادی آج بھی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں. زمانہ قدیم میں یہ زیادہ تر لاوے سے بنے حرے کی ہموار زمین پر مشتمل تھا، مگر اب ترقی کے اس جدید دور میں یہاں سڑکوں کا جال بچھ چکا ہے اور سطح زمین کافی حد تک ہموار ہو چکی ہے، لیکن اب بھی اگر اس کی قدیم آبادیوں میں جایا جائے تو نشیب و فراز واضح طور پر نظر آجاتے ہیں. قدیم زمانے میں انہی نشیب و فراز کے درمیان سے ندی نالے نکلتے تھے جو کہ وادیوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے. دور حاضر میں بھی اگر ایک باغ بلند سطح پر ہے تو دوسرا کافی ڈھلوان میں نظر آتا ہے. یہاں مدینہ طیبہ کی طرح عمرانی ترقی کی آمد کافی دیر سے شروع ہوئی ہے اور جوں جوں مدینہ طیبہ کی گھنی آبادی کے علاقے مسجد نبوی کے توسیعی منصوبوں کی نذر ہوتے رہے، وہاں سے بے گھر ہونے والے کثیر تعداد میں یہاں آبسے ہیں، جس کی وجہ سے ترقی کی رفتار کافی حد تک تیز ہو گئی ہے. قباء ایک ایسا تاریخی قصبہ ہے جس کی اہمیت صدیوں سے مسلم ہے اور بیرونی ممالک سے آنے والے زائرین اس میں واقع تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے جوق در جوق قباء کا رخ کرتے ہیں. جب سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اسے نوازا، قباء کی قسمت بدل گئی اور سرکار دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ کے علاوہ قباء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد میں آثار کی بھی امین ہے. رسول اللہ ﷺ اس قصبے سے بہت پیار فرماتے تھے اور یہاں بسنے والوں سے ملنے جلنے کے لیے اکثر اوقات قباء تشریف لے جایا کرتے تھے. ایسی احادیث کا شمار کرنا مشکل ہے جس میں قباء کا ذکر خیر ہے.

گمنامی کے گوشوں سے نکل کر شہرت کے آسمان پر چکا چوند کرنے والا یہ ماہ قباء اس وقت طلوع ہوا جب اس نے اپنے دیرینہ ساتھی انبیاء سرور دو عالم ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ (۴) کے لیے فرش راہ کر دیئے اور ۱۲ ربیع الاول (۲۷ ستمبر ۶۲۲ء) کو پیر کے دن قافلے کو اس کی دھرتی پر انوار الٰہیہ کی ایسی بارش ہوئی کہ اس کے ایک ایک ذرے سے وادی سینا بھی رشک کرنے لگ گئی جب مہاجرین کے خانماں قافلے قباء کے سینے پر اپنے خیمے گاڑے ہوئے تھے اس دھرتی کے ایک سپوت حضرت کلثوم بن الہدم ؓ اپنے آنگن میں سرور کائنات ﷺ کی موجودات علیہ افضل الصلوۃ واتم التسلیم کا حق مہمان داری ادا کر رہے تھے۔ (۶) آپ نے ان کے ہاں چار دن قیام فرمایا (۷) جب کہ حضرت ابوبکر ؓ حضرت خبیب بن اساف ؓ کے ہاں ٹھہرے جن کا تعلق بنی حارث سے تھا جو کہ بنو خزرج کی ایک شاخ تھی۔ (۸) رسول اللہ ﷺ قباء میں اپنے قیام کے دوران اہلیان قباء کے ہاں اکثر چلے جایا کرتے تھے۔ شیر خدا علی المرتضیٰ ؓ بھی جن کو مکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹانے کا فریضہ سونپا گیا تھا اپنے فریضے سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے پاپیادہ چلتے ہوئے آبلہ پا ہو کر اپنے قافلہ سالار اور پیر و امام سید العرب والعجم ﷺ سے تین دن بعد (یعنی ۱۵ ربیع الاول) ؓ ملے تھے۔ انہوں نے بھی قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کے ہاں آ کر قیام فرمایا۔ (۹) حضور نبی اکرم ﷺ ابھی قباء میں ہی قیام فرما تھے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ دوبارہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے حق کا یہ متوالہ جو کتنا عرصہ سے راہ عشق کی صعوبتیں برداشت کرتا نہ جانے کئی سالوں سے انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزار رہا تھا۔ جونہی انہیں خبر ہوئی کہ رحمت پناہ ﷺ کا مہتاب عالم تاب ارض قباء کو اپنی لازوال کرنوں سے منور و تاباں کر رہا ہے تو وہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان حاضریوں میں انہوں نے تین میں سے دو نشانیاں صحیح پائیں (تیسری نشانی کی تصدیق انہوں نے مدینہ طیبہ میں جا کر کی تھی)۔ جوں جوں آپ حضور ﷺ کا قیام قباء میں طول پکڑتا جا رہا تھا، اہل مدینہ بے چین و مضطرب ہوئے جا رہے تھے۔ چار دنوں کے قیام میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے قباء کو وہ انمول تحفہ دیا کہ اس کے سینے پر بننے والی مسجد قباء عمرے کی حد تک کعبۃ اللہ کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔ کعبہ کے گرد تو عمرے کے سارے واجبات ادا کرنے سے عمرے کا ثواب ملتا ہے، مگر مسجد قباء کو یہ فخر عظیم حاصل ہو گیا کہ وہ نہ صرف عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے گارا اور پتھر ڈھوئے اور چنے تھے، بلکہ اس کے مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں صرف دو رکعت نماز ادا کرنا ہی عمرے کا ثواب دے دیتا ہے۔

قباء میں چار دن قیام فرمانے کے بعد قافلہ سالار امت محمدیہ ﷺ نے اپنی اصلی منزل کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ علی الصبح روانگی ہوئی اور اپنے جانبازوں کے جلو میں رسول اللہ ﷺ نے پہلا پڑاؤ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی آبادی میں وادی رانونا کے کنارے کیا۔ (۱۰) کیا نظارے تھے جو ارض قباء نے نہیں دیکھے اور کیا برکتیں تھیں جو اس چھوٹے سے قصبے نے اپنے دامن میں نہ سمیٹی ہوں گی! بنی سالم میں ہی آپ حضور ﷺ نے نماز جمعہ ادا کی۔ (۱۱) مسجد جمعہ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔ (۱۲) بنو نجار (جو کہ رشتہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب ؓ کے ننھیال تھے) کی ننھی منی بچیاں دف بجا بجا کر تاجدار حرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے لیے ترحیبی نغمات گا رہی تھیں۔ وہ مقام بھی مسجد جمعہ کے سامنے ہی تھا جہاں بعد میں مسجد بنات النجار بن گئی (بدقسمتی سے وہ مسجد اب ناپید ہے اور اس کی جگہ وہاں اہل محلہ کی گاڑیاں پارک ہوتی ہیں)۔ وہاں سے یہ قافلہ ایک جلوس کی شکل میں مدینہ طیبہ لے جایا گیا جس میں خصوصی گارڈ آف آنر کا انتظام اوس و خزرج کے قبائل نے کیا تھا۔ ارض قباء پر جہاں جہاں سرور کائنات ﷺ نے اپنی جبین طاہر رکھی وہاں وہاں پر ایک مسجد تعمیر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دھرتی پر مدینہ طیبہ کے دوسرے علاقوں کی نسبت آثار نبویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

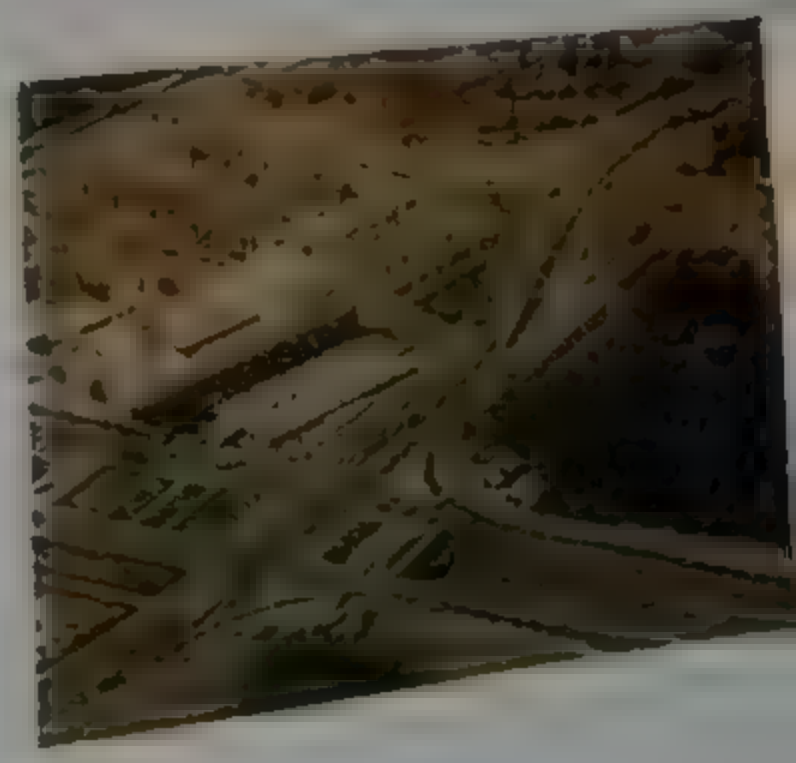

مسجد قباء کا فضائی منظر ۱۹۸۰ء

مسجد قبا۔ اور پشت کی
جانب بیت فاطمہ لزبہ ہ
سلام اللہ علیہ کی ایک
نایاب تصویر

ہجرت مبارکہ کے چھ یا سات ماہ بعد (جس عرصہ میں آں حضور ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے ہاں مقیم رہے) رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن الحارثہؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لایا جا سکے۔ اس وقت تک مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ حضرت نبی اکرم ﷺ کے دو حجرات مبارکہ بھی تیار ہو چکے تھے۔ مکہ مکرمہ سے تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ بھی پہلے قباء میں حضرت کلثوم ابن ہدمؓ کے ہاں مہمان رہے۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل خانہ بھی تھے۔ پھر جب سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ جو کہ اس وقت حاملہ تھیں تشریف لائیں تو وہ بھی قباء میں ہی ٹھہریں اور اسی اثناء میں ان کے ہاں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی ولادت ہوئی، جو کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے بچے تھے جن کی پیدائش ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔ (۱۴) یوں ارض قباء کو ایک اور فخر کا مقام مل گیا: ہجرت مبارکہ کے بعد مہاجرین کے ہاں پہلے بچے کی ولادت بھی ارض قباء پر ہی ہوئی۔

قباء میں تاریخی مقامات

ہجرت مبارکہ کے بعد بے گھر مہاجرین جن کے پاس رہنے کا کوئی انتظام نہیں تھا وہ مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک چبوترے (یعنی 'الصفہ' یا 'الظلہ') پر قیام کرتے تھے۔ بعد میں جب مزید مہاجرین آ گئے تو صفہ کا مقام بھی تنگ پڑ گیا۔ لہذا ان کے قیام کے لیے قباء میں عارضی انتظامات کیے گئے۔ اس علاقہ کو 'حی المہاجرین' اور بعد میں اسے 'حوش المہاجرین اور العرفات بھی کہا جاتا تھا۔ ابن جبیر جس نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی، وہ اس آبادی کے متعلق لکھتے ہیں:

''قصبے (قباء) کے آخر پر ایک اونچی سی جگہ یا ٹیلہ نما مقام ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے۔ اس پر 'دار الصفہ' واقع ہے جہاں حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ نے قیام فرمایا تھا۔ اصحاب صفہ میں سے بہت سے دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وہیں ٹھہرے تھے۔ اس ٹیلے کو 'العرفات' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفات کو ٹھہرے تھے (جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے) اور معجزے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام کو میدان عرفات کا جلوہ دکھایا تھا جہاں ان کے دیگر ساتھی فریضہ حج کے دوران وقوف عرفات کر رہے تھے۔ قباء میں تاریخی مقامات کی تعداد اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔'' (۱۵)

اس مقام پر ایک خوبصورت مسجد ہوا کرتی تھی جس کو مسجد عرفات کہا جاتا تھا جسے مسمار کر دیا گیا ہے اور وہ مسجد اور اس کا محل وقوع اہل قباء کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں (لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوئی)۔ اسی طرح اس بستی کی باقیات بھی ویران کر دی گئی ہیں۔ تاہم اس کی کچھ باقیات جہاں اصحاب الصفہ (مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ) نے عارضی طور پر قیام فرمایا تھا، ابھی بھی بقید حیات ہیں مگر انتہائی

خستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں ہیں۔ اس کے علاوہ قباء میں ایک اور تاریخی مقام قبا کا قدیم قلعہ ہے جس کی عمارت سے اس کی عظمت رفتہ کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے۔

تقریباً نو صدیاں پہلے ۵۸۰ ہجری میں جب ابن جبیر نے قباء کی زیارت کی، وہ اس میں واقع تاریخی مقامات کے متعلق لکھتے ہیں:

"مسجد قباء کے قبلہ کی جانب حضرت ابوایوب الانصاریؓ کا گھر ہے اور اس گھر کے احاطے میں مغربی جانب ایک کنواں ہے جس کے پاس ہی ایک چوڑا پتھر پڑا ہے جس پر لوگ وضو کرتے ہیں اور پھر دار بنی النجار کے بعد دار عائشہؓ ہے جس کے سامنے دار عمرؓ، دار فاطمہؓ اور دار ابوبکرؓ ہے جس کے سامنے بیر اریس ہے جس کا پانی نمکین ہوا کرتا تھا مگر جونہی اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اس کا کھارا پانی میٹھا اور پینے کے قابل ہو گیا اور اسی کنویں میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی گر گئی تھی۔" (۱۶)

جب سیدنا علی ابن ابی طالبؓ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے شادی کی تو انہوں نے مسجد قباء سے متصل ایک گھر لے لیا اور اہل بیت طاہرہ کے یہ سرخیل چھ ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق، مسجد قباء کی مغربی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ اس گھر کی جگہ تھی جہاں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے ہاتھوں سے اس چکی میں جو پیسا کرتی تھیں جو حضور سرور دو عالم ﷺ نے انہیں جہیز کے طور پر دی تھی۔ (۱۷) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی مقامات تھے جو کہ قباء میں تھے، مثلاً بیر غرس، بیر اریس وغیرہ جن میں سے چند تو ابھی تک بقید حیات ہیں (اگرچہ لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرنے کے لیے انہیں بند کر دیا گیا ہے) جب کہ باقی کے آثار اور مقامات ترقی کی اندھی دوڑ میں بلڈوزروں سے روندے جا چکے ہیں۔

مسجد قباء کا قدیم منبر

اہم تاریخی مقامات مثلاً دار حضرت کلثوم بن الہدمؓ، دار سعد بن الخیثمہ (جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوقت ہجرت قیام فرمایا تھا)، مسجد سیدۃ فاطمہ زہراءؓ اور بیر اریس وغیرہ سب مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی آڑ میں منہدم کر دیئے گئے تھے (حالانکہ یہ تمام مقامات مسجد قباء کی قبلہ کی جانب واقع تھے جس طرف مسجد شریف بڑھائی نہیں گئی)۔ ان میں صرف چند ایسے ہیں جو کہ مسجد قباء میں آ گئے، مگر باقیوں کی جگہ پارکنگ گراؤنڈ بنا دیئے گئے ہیں۔ جہاں تک بیر اریس کا تعلق ہے وہ بیچارہ سڑک اور درختوں کے جھنڈ کے نیچے دفن کر دیا گیا ہے۔

ان دنوں جب قباء، العوالی اور قربان تقریباً تقریباً پھیل کر ایک ہی آبادی بن چکے ہیں۔ وہاں چند بچے کھچے آثار اور تاریخی مقامات کے نشانات اب بھی موجود ہیں جن میں مسجد جمعہ، مسجد شمس، مسجد مصبح، بیر غرس، بستان حضرت سلمان فارسیؓ (مولف کی مدینہ طیبہ میں ۲۰۰۲ء کے اواخر میں حاضری پر معلوم ہوا کی وہاں درختوں کی باقیات کا بھی صفایہ کر دیا گیا ہے)، بستان حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہے)، بیر العہن (عام زائرین کی نظروں سے اوجھل انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے)، مشربہ ام ابراہیمؓ، مسجد الفضیخ (یہ مسجد گست ۲۰۰۲ء میں گرا دی گئی تھی)، بستی مہاجرین اور یہودیوں کی چند قدیم بستیاں وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام بچے کھچے مقامات کی تفصیل اپنے اپنے متعلقہ ابواب میں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، مسجد قباء کے قریب ہی قبلہ کی جانب وہ تمام تاریخی مقامات ہوا کرتے تھے جو حیات

مسجد قباء کی ایک نایاب تصویر
بیسویں صدی کے شروع میں

رسول مقبول ﷺ سے کسی طور منسلک رہے تھے۔ مثلاً دار سعد بن الخیثمہؓ اور دار کلثوم بن الہدمؓ (جہاں سرور دو عالم ﷺ نے ہجرت پر قیام فرمایا تھا) پاس ہی بیر اریس (بیر خاتم) ہوا کرتا تھا۔ قبہ ہی کی جانب دو چھوٹی چھوٹی مساجد بھی ہوا کرتی تھیں جن میں سے ایک مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ تھی جو اس مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں وہ گھر ہوا کرتا تھا جو کہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدۃ النساء سیدۃ فاطمہؓ سے شادی کے بعد لیا تھا اور جہاں پر دونوں نے چھ ماہ تک قیام فرمایا تھا۔ ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد شمس کے نام سے مشہور تھی۔ مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی وجہ سے وہ تمام جگہ صاف کر دی گئی تھی۔ اب نہ تو وہاں مسجد ہے اور نہ ہی وہ تاریخی مکانات پہلے تو اس جگہ کو خالی پلاٹ کی صورت میں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اب ۲۰۰۲ء کے اواخر میں وہاں ایک شاپنگ سنٹر زیر تعمیر ہے۔ ان مکانات کی جگہ پر حال ہی میں کھجوروں کی ایک منڈی قائم کر دی گئی ہے۔ صرف تاریخ کے جھروکوں سے ماضی میں جھانکنے کے لیے ہم یہاں ابراہیم رفعت پاشا کی ۱۹۰۲ء میں لی گئی مسجد فاطمۃ الزہراء اور مسجد شمس کی تصویر دے رہے ہیں۔

مسجد قباء

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ورود مسعود کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ اس گاؤں میں ایک مسجد کی تعمیر تھی جسے عالم اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ فرزندان توحید نے رسول اللہ ﷺ کی امامت میں پوری آزادی کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ حضرت سعد بن الخیثمہؓ ان بارہ انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے بیعت عقبہ سے واپسی پر اپنے گھر کے پاس ایک احاطے میں نماز پڑھنے کا بندوبست کیا تھا۔ یہ زمین ایک عورت کی ملکیت تھی جس کا نام 'لیہ' تھا جہاں وہ اپنے بار بردار جانور باندھا کرتی تھی۔ (۱۸) حضرت سعد بن الخیثمہؓ نے وہ زمین لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی تا کہ اس پر مسجد تعمیر کی جا سکے۔ اس کے احاطے میں ایک کنواں ہوا کرتا تھا جس کا نام 'بیر قباء' تھا۔ (۱۹) اسی نسبت سے اس مسجد کو مسجد قباء کہا جانے لگا۔

قباء کی بستی میں
مسجد فاطمہ الزہراءؓ
اور مسجد شمس کی ایک
نایاب تصویر

الطبرانی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہا کہ وہ آپ کی ناقہ 'قصویٰ' پر بیٹھ کر اس جگہ کا چکر لگائیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ناقہ رسول پر بیٹھنے کی کوشش کی مگر وہ چھلانگ لگا کر کھڑی ہو گئی اور ان کو اپنے اوپر بیٹھنے نہ دیا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے کوشش کی، مگر اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کیا تم میں سے کوئی اور ہے جو اس پر سوار ہونے کی کوشش کرے گا؟] اس پر حضرت علی المرتضیٰؓ کھڑے ہوئے اور قسمت آزمائی کی کوشش کی۔ سب دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ قصویٰ بڑے آرام سے بیٹھی رہی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آسانی سے اس پر سوار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مسجد قباء کے صدر دروازے کے اوپر نامور ترک خطاط استاد مصطفیٰ عزت" کا لکھا ہوا کتبہ

اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دو اور جہاں جہاں یہ چکر لگائے اس پر نشان لگا دیا جائے اور پھر انہیں نشانات کی حدود پر مسجد تعمیر کر دی جائے، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔] (۲۰) اس طریقے سے مسجد قباء کی حدود تعین کی گئی۔ احاطہ مسجد کے اندر ہی ناقہ رسول قصویٰ کے باندھنے کے لیے جگہ مختص کر دی گئی۔

جب زمین کی تحدید ہو چکی تو ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا: [اے اہل قباء آؤ مجھے حرہ سے پتھر لا کر دو۔ یوں جب بہت سے پتھر جمع ہو چکے تو ایک پتھر کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر خشت اول کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھ دی۔] (خیاری، ص: ۵۲) دیگر روایات کے مطابق حضرت ابن ابی الخیثمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شمالی جانب سنگ بنیاد رکھا، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے باری باری پتھر رکھے، اور پھر ان کے بعد باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پتھر رکھے۔ (۲۱) رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بشانہ کام کرتے اور تعمیر کے لیے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے۔ (۲۲) الطبرانی کی ایک اور روایت کے مطابق مشہور صحابیہ سیدۃ شموس بنت نعمانؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد تعمیر کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ حضور ﷺ پتھر اور اینٹیں اپنی کمر پر لاد لیتے یہاں تک کہ آپ کی کمر مبارک جھک جاتی۔ آپ کے کپڑے اور چہرے مبارک پر مٹی کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ جب بھی کوئی اصحابی آپ حضور ﷺ کی کمر مبارک سے کوئی پتھر اٹھانے کی کوشش کرتا تاکہ آپ حضور ﷺ پر بوجھ کم ہو جائے تو آپ اسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ وہ جا کر آپ کی طرح دوسرے پتھر اٹھا کر لے آئیں۔ (۲۳) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کام کرتے وقت مدحیہ کلمات پڑھتے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے آپ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اور وابستگی جھلکتی ہے، جس نے ان کے نام گرامی کو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے:

کامیاب و کامران ہے وہ جو مسجد کی تعمیر کرتے ہیں
اور کھڑے اور بیٹھے تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں
اور اپنی راتیں رب ذوالجلال کی عبادت میں گزارتے ہیں۔

جواب میں رسول اللہ ﷺ بھی تعریفی اشعار پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے تعمیر ہونے والی مسجد قباء نہایت ہی سادہ سی عمارت تھی جس کی دیواریں پتھروں سے اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کو گارے میں ملا کر بنائی گئی تھیں۔ اس کے شہتیر کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ سترہ ماہ بعد جب تحویل قبلہ کا حکم آ گیا تو مسجد قباء کا قبلہ بھی کعبۃ المشرفہ کی طرف کر دیا گیا۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مروی ہے: [ہم مسجد قباء میں نماز پڑھ رہے تھے جب کسی نے آ کر اعلان کیا کہ تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا ہے اور اس کے مطابق ہم سب نے اپنے رخ نماز کی حالت میں کعبۃ المشرفہ کی جانب موڑ لیے۔] جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حضرت معاذ ابن جبلؓ اس مسجد میں امامت کروایا کرتے تھے۔ ان کے بعد حضرت سالمؓ جو کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے امامت کروایا کرتے تھے اور اصحابہ کبار میں سے (حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر ابن الخطابؓ) جو بھی وہاں آتے انہیں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ (۲۵) صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

مسجد قباء شریف کا جدید تعمیر کے بعد اندرونی منظر

عہد مملوک میں تعمیر ہونے
والی محراب اور ممبر کی یک
نایاب تصویر، یہ جگہ عہد
رسالت ﷺ سے چلی
آرہی تھی مگر مسجد کی موجودہ
جدید تعمیر کے بعد اب یہ جگہ
شامل مسجد تو ہے مگر محراب
اور ممبر یہاں سے ہٹا کر نئی
جگہ تعمیر کیا گیا ہے

[جب شروع میں مہاجرین عصبہ میں (جو کہ آج بھی قباء میں مشہور مقام ہے) ہجرت رسول اللہ ﷺ سے پہلے آئے تو حضرت سالمؓ جو کہ حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے وہاں نماز پڑھایا کرتے تھے۔] (۲۶) رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں حضرت سعد بن عابدؓ جو کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے مسجد قباء میں موذن کے فرائض ادا کرتے تھے۔

مسجد قباء کی اہمیت کے پیش نظر حکمران اور سلاطین اسلام اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پہلی بار اس کی توسیع حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں ہوئی جیسا کہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمنؒ کی روایت سے ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی صومعہ اور قبلہ کے درمیان ہے وہ حضرت عثمانؓ کی توسیع کا نتیجہ ہے۔ (۲۷) ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور گورنری میں ۹۱-۹۳ ہجری میں اس کی تعمیر نو ہوئی۔ سب سے پہلے اس مسجد میں مؤذنہ ان کے دور میں تعمیر ہوا۔ ابن نجار کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب اس کی تعمیر نو کی تو اس کی توسیع بھی کر دی جس سے اس کا رقبہ کافی بڑھ گیا ستونوں پر دیدہ زیب ڈیزائنوں سے اس کی تزئین کی گئی۔ ستون پتھر کے تھے جن کو سیسہ کے ساتھ مضبوط کر دیا گیا تھا۔ (۲۸) نہوں نے اس کی چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال کی۔ (۲۹) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بنائی ہوئی مسجد قباء چار صدیوں سے زیادہ عرصہ تک رہی۔ پھر مرور ایام سے اس میں شکست و ریخت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اس لیے ابویعلی الحسینی نے اس کی مرمت کروائی۔

ابن شبہ کے مطابق دوسری صدی ہجری کے اواخر میں مسجد قباء کی پیمائش کچھ اس طرح تھی:
۶۶x۶۶ ذرع (یعنی ۳۳x۳۳ میٹر) جبکہ اس کی بلندی ۱۹ ذرع (یعنی ساڑے نو میٹر) تھی۔
مسجد کے درمیان ایک کھلا صحن تھا جو کہ ۵۰ ذرع طویل اور ۲۶ ذرع عریض تھا۔ اس کے تین دروازے تھے۔ چھت کو ۳۳ ستونوں پر استوار کیا گیا تھا۔ مسجد کے چار مینار بھی بنائے گئے تھے جن کو ۹x۹ ذرع کی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا۔ ان میناروں کی بلندی ۵۰ ذرع (۲۵ میٹر) تھی۔ (۳۰) انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رات کے وقت روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ۲۴ قندیلیں یا شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔
۴۳۵ ہجری میں ابویعلی الحسینی نے اسے تعمیر کروایا۔ عبدالقدوس الانصاری نے خاص طور پر ایک آثار قدیمہ کی لوح سنگ کا ذکر کیا ہے جس پر اور تحریر کے علاوہ یہ بھی لکھا ہوا تھا۔ ''شریف ابویعلی احمد بن الحسن بن احمد بن الحسن بن علی نے اسے چار سو پینتیس سن ہجری میں تعمیر کیا۔'' (۳۱) اس کے بعد ۵۵۵ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نورالدین زنگیؒ کے وزیر تھے اس کی تعمیر نو کی۔ (۳۲) اصفہانی کی تعمیر نو کے بعد جب ابن جبیر نے مسجد قباء کی زیارت کی تو اس کی خوبصورتی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے ہمیں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی ہیں۔

"یہ مسجد مربع شکل کی ہے جس کا طول و عرض ایک جیسا ہے اس کا ایک سفید رنگ کا مینارہ ہے جو بہت دور سے ہی نظر آنے لگتا ہے۔ صحن کے وسط میں مبرک ناقہ ہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ قصویٰ بندھا کرتی تھی۔" (۳۳)

اس کے بعد اسے ۶۷۱ ہجری میں مرمت کیا گیا اور پھر ۷۳۳ ہجری میں سلطان ناصر بن قلاوون نے اس کی مرمت کی پھر سلطان اشرف برسبائی کے دور میں ۸۴۰ ہجری میں شیخ خدام قاسم الحلبی کی نگرانی میں اس کی مرمت ہوئی۔ (۳۴) ۸۷۷ ہجری میں اس کا ایک مینارہ گر گیا تھا لہٰذا سلطان اشرف قیطبائی نے ۸۸۱ ہجری میں اس مینارے کو اور ساتھ ہی ملحقہ متاثرہ دیواروں کو دوبارہ بنوادیا۔ کام کی نگرانی شمس بن زمان نے کی جو کہ اس وقت مسجد نبوی میں حجرہ مطہرہ کی مرمت بھی کروا رہے تھے۔ سلطان قیطبائی کے دور میں اس کی چھتوں کو ہٹا کر نئی چھتیں ڈلوادی گئیں۔ العباسی بیان کرتے ہیں کہ دسویں صدی ہجری میں مسجد قباء کی پیمائش ۶۰ × ۶۰ ذرع (یعنی ۳۰ میٹر × ۳۰ میٹر) تھی (۳۵) اس کے بعد عثمانی ترکوں کا دور آگیا جنہوں نے بھی مسجد قباء کی خوب دیکھ بھال کی سلطان عبدالمجید ثانی نے ۱۲۴۰ ہجری میں اسے نئے سرے سے تعمیر کروایا۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق مجیدیہ دور کی بنی ہوئی مسجد قباء کا رقبہ ۴۰ × ۴۰ میٹر تھا جب کہ اس کی بلندی ۶ میٹر تھی۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صحن مسجد میں مبرک ناقہ کے مقام کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا تھا۔ (۳۶)

عہد عثمانی میں تعمیر شدہ محراب

اس کے بعد بھی اس میں مرمت کا کام ہوتا رہا؛ پھر سلطان محمود ثانی نے ۱۲۴۵ ہجری میں اسے نئے سرے سے بنوادیا اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ۱۳۸۸ ہجری میں اس کی تعمیر سعودی وزارت حج و اوقاف کی نگرانی میں ہوئی۔ اس وقت اس پر ۸۰۰،۰۰۰ ریال خرچ آئے۔ ۱۹۸۴ء میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کی نئے سرے سے تعمیر کا حکم صادر کیا۔ انہوں نے خاص ہدایات جاری کیں کہ اس کی تعمیر نو ایسے انداز سے کی جائے کہ اس میں اسلامی فن تعمیر کی جھلک نمایاں رہے اور ساتھ ہی ساتھ مسجد کی عمارت جدید دور کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو۔ چونکہ پچھلی تین دہائیوں میں زائرین کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، اس لیے اس کو مزید توسیع دینے کے احکامات بھی جاری کئے۔ مسجد کا سنگ بنیاد ۱۴ صفر ۱۴۰۵ ہجری میں رکھا گیا

تعمیر نو کا کام بن لادن گروپ کے ذمے لگا جنہوں نے محنت شاقہ اور پوری لگن سے اسے ۱۹۸۶ء میں پایہ تکمیل تک پہنچادیا۔ تعمیر کے دوران ۶۰۰ سے ۸۰۰ کاریگر اس منصوبے پر کام کرتے رہے۔ ماضی میں اس کا رقبہ ۳۵۲، امربع میٹر تھا، جواب بڑھ کر ۴۶۵، ۷ مربع میٹر ہوگیا ہے۔ مسجد کے اندر ۴،۵۰۰ مرد اور زنانہ حصہ میں ۱،۰۰۰ خواتین بیک وقت نماز ادا کرسکتی ہیں۔ مسجد شریف کے باہر کے علاقے کا فرش خوشرنگ گرینائٹ کے بلاکوں سے بنایا گیا ہے۔ مسجد کا فرش سطح زمین سے تقریباً ایک منزل بلند ہے اور شمالی جانب نیچے اتر کر زنانہ اور مردانہ بیت

الخلاء اور وضو خانے بنائے گئے ہیں: مردوں کی طرف کل ۳۴ وضو بنانے کی جگہیں ہیں جب کہ زنانہ طرف ۲۳ خواتین بیک وقت وضو بنا سکتی ہیں کل رقبے میں سے ۴۲۷ مربع میٹر کا علاقہ صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے۔

سینٹری ایریا کے ساتھ ہی تجارتی علاقہ ہیں جس میں بہت سے سٹال اور دکانیں بنائی گئی ہیں جہاں عموماً تحائف اور مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکتی ہیں خوبصورت شجر کاری کر کے مسجد کے ماحول کو بہت خوشنما بنا دیا گیا ہے۔ ان میں کہیں کہیں مدینہ طیبہ کے روایتی درخت یعنی کھجور کے پیڑ لگا کر اس منظر کو روایتی مدنی رنگ دے دیا گیا ہے جو کہ طلوع آفتاب کے وقت مسحور کن نظر آتا ہے۔ قباء کو مدینہ طیبہ سے ملانے والی وہ ئی وے جب مسجد قباء کے قریب سے زیر زمیں انڈر پاس سے گزرتی ہے تو اس سے یہ منظر اور بھی حسین ہو جاتا ہے۔ پاس ہی پانی کے فوارے لگے ہیں جن کی جل ترنگ اہل ذوق کو دعوت فکر دیتی ہے۔ مسجد شریف کے چار مینار ہیں اور ایک بہت بڑا گنبد ہے جو کہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہے۔ معذور زائرین کے لیے خاص انتظامات اور راستے بنائے گئے ہیں تا کہ وہ اپنی وہیل چیر پر اندر جا سکیں۔ مسجد شریف کو مرکزی ایر کنڈیشننگ نظام سے ٹھنڈ اور گرم کیا جاتا ہے۔ غرض آج کی مسجد قباء بہت دیدہ زیب مگر منجھے ہوئے فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہے۔ چاروں ہند مینار اور متعدد چھوٹے بڑے گنبد اس کی عظیم الشان تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ شاہ فہد کے دور میں بنائی گئی مساجد کا ایک طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ہر قسم کی جدید سہولتیں فراہم کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قدیم اسلامی فن تعمیر اور جدید نظریات کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ یہ تمام خوبیاں مسجد قباء میں بدرجہ اتم موجود ہیں صحن مسجد کے اردگرد مسقف دالان اور برآمدے ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے ہیں۔ صحن کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے اس پر بجلی سے کھلنے اور بند ہونے والی مضبوط ترپال (کینوپیس) ڈالی گئی ہے جو کہ ۱۲ طویل بڑی پٹیوں کی صورت میں چھت کا سا سایہ مہیا کرتی ہیں۔

مسجد شریف کا فرش ایسے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جس پر موسمی اثرات اور خاص طور پر گرمی اثر نہیں کرتی۔ مسجد کے اردگرد گاڑیاں پارک کرنے کے لیے وسیع پارکنگ ایریاز بنا دیئے گئے ہیں۔ بسیں اور لیموزین مدینہ طیبہ اور قباء کے درمیان زائرین کے آنے جانے کے لیے بہت اہم کردار کرتی ہیں۔ تعمیر نو کے مرحلے میں ایک بار جب حبیب بورقیبہ صدر تیونس نے مسجد قباء کی زیارت کی تو انہوں نے تیونسی گرینائٹ سے بنا ہوا خاص میٹریل اور انجینئر اور کاریگر بھیجنے کی پیش کش کی۔ یوں موجودہ محراب کی چمک اور خوبصورتی میں تیونسی خلوص بھی میسر ہو گیا۔ مسجد کی تعمیر پر کل ۱۳۰ لاکھ اینٹیں استعمال ہوئیں جو کہ ارض پاک مدینہ طیبہ کی تراب سے میمنی فیکٹری میں بنی تھیں۔ شاہ فہد نے عامۃ الناس کے لیے مسجد قباء کا ۱۴۰۷ ہجری (۱۹۸۷ء) میں افتتاح کیا۔ مسجد کے ساتھ رہائشی ایریا بھی ہے جہاں امام صاحب اور دیگر عملہ رہائش پذیر ہے۔

مسجد قباء کے ضمن میں ہم ایک اور بات قارئین کے گوش گزار کرنا چاہیں گے کہ سلطان قیطبائی نے ۸۸۸ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک خوبصورت منبر بنوا کر مسجد نبوی شریف روانہ کیا تھ جو کہ ایک صدی کے لگ بھگ منبر رسول اللہ ﷺ کے مقام پر رہا۔ پھر بعد میں جب سلطان مراد ثانی نے ایک اور منبر بنوا کر مسجد نبوی کی نذر کیا تو وہ پرانا منبر ہٹا کر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا جو کہ آج بھی محراب کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ یہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہے اور اس کے دروازے گہرے بھورے رنگ کے ہیں جن پر نفیس لکڑی کا کام کیا گیا ہے جس سے مصری کاریگروں کی مہارت اور عشق رسول کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ منبر شریف اب بھی زیر استعمال ہے اور مسجد قباء کے امام صاحب اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کے مورخین میں سے امام سمہودی اور شیخ احمد العباسی نے رسول اللہ ﷺ کا مسجد قباء پر جانے کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ حضور ﷺ جب بھی عازم قباء ہوتے تو پہلے بنی زریق میں مسجد مصلاۃ (مسجد الغمامہ) تشریف لے جاتے اور پھر وہاں سے وادی بطحان کے کنارے کنارے قباء روانہ ہو جاتے۔ (۳۸) صدیوں سے وہی راستہ 'طریق سویقہ' یا 'درب قباء' کے نام سے جانا جاتا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا وہی پرانا راستہ قباء روڈ بن گیا۔ ایسے زائرین جو مسجد قباء پیدل جانا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اسی طریق

قبا کی بستی اور
مسجد قبا شریف
کا ایک خوبصورت منظر

قبا، پر چلیں کیونکہ یہ وہی راستہ ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے نہ جانے کتنی بار پا پیادہ اور سواری پر سفر کیا تھا اور آپ کی تقلید میں ہزاروں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جانبازان رسول اسی راہ سے گزرے ہوں گے.

مسجد قباء کا تاریخی اور شرعی مقام

[بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب پاک ہونا چاہتے ہیں اور اللہ پاک لوگوں کو پیار کرتا ہے] (۳۹) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارکہ سے ہی اس آیۃ کریمہ کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے. ہم نے باب مسجد نبوی شریف میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے. یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ مفسرین اور علماء کے قریب دونوں مساجد کی (یعنی مسجد نبوی شریف اور مسجد قباء) روز اول سے جب سے ان کی خشت اول رکھی گئی تھی بنیاد تقویٰ پر مبنی ہے، لیکن بایں ہمہ مسجد نبوی شریف مسجد قباء پر فوقیت رکھتی ہے.

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قباء سواری پر یا پیادہ جایا کرتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے. (۴۰) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضور ﷺ قباء کو ہفتے کے دن تشریف لے جاتے، اور جاتے وقت یا تو سواری پر یا پھر پا پیادہ تشریف لے جاتے اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے. (۴۱) حضرت محمد ابن منکدرؒ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ قباء ہر سال رمضان کو ہی صبح تشریف لے جاتے.] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کبھی پیدل چل کر جاتے اور کبھی سواری پر. اس پر حضرت نافعؒ نے ایک دوسری روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ [پھر آپ حضور ﷺ مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرتے]

صحابیہ سیدۃ ام بکر بنت مسورؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: [مسجد قباء اگر آسمانوں میں یا افق پر بھی ہوتی تو ہم اپنے

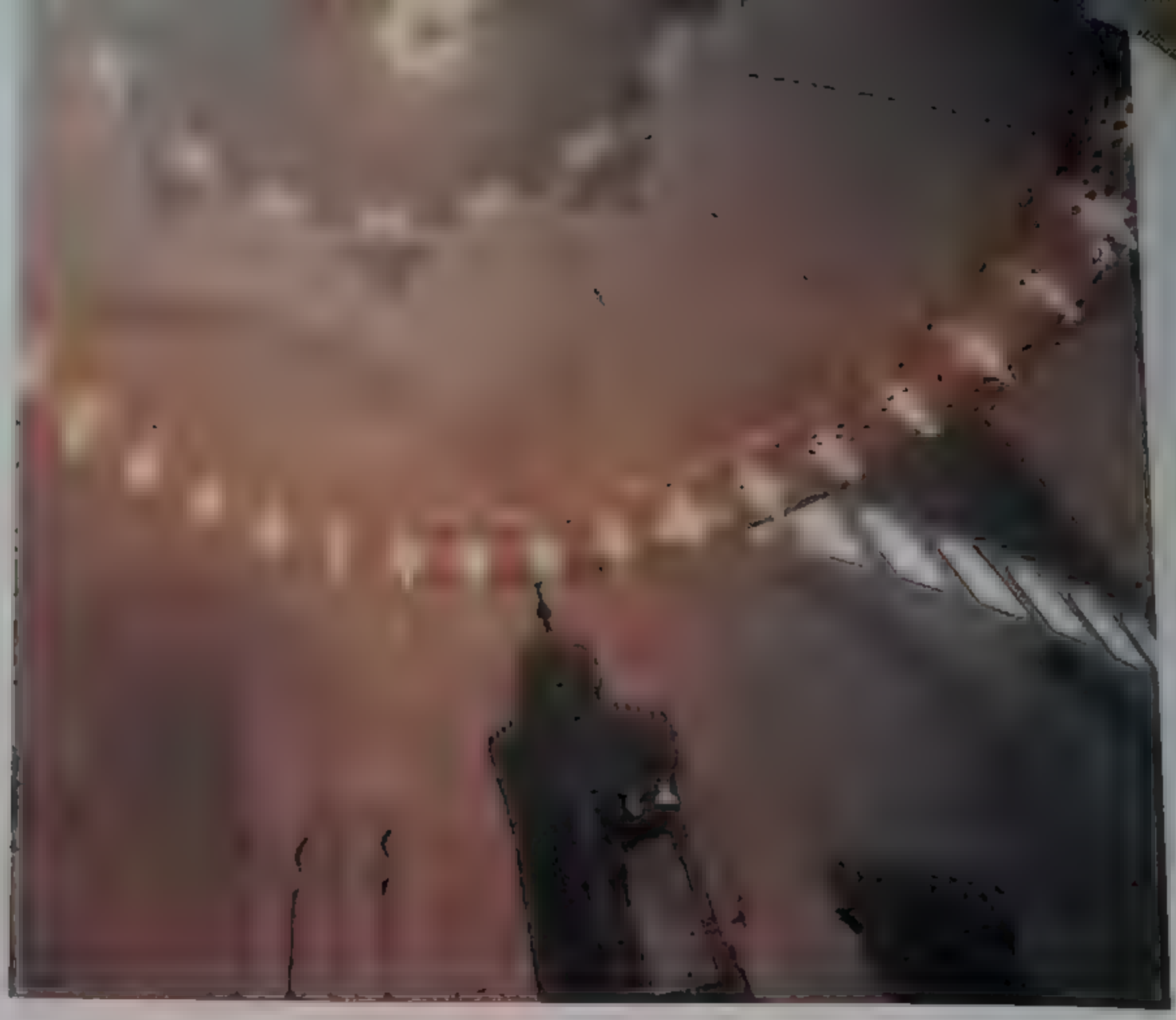

مسجد قباء شریف
کے گنبد کا اندرونی منظر

دنوں کو تازیانے مار مار کر انہیں مجبور کر دیتے کہ وہ ہمیں وہاں لے چلتے۔] (۴۲) مسجد قباء کے متعلق لکھتے ہوئے فیروز آبادی نے ''مغانم المطابہ فی معالم طابہ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت سعد بن عمرو بن سلیم الزرقیؓ سے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہوتے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیدل آپ حضور ﷺ کے اردگرد ہو کر چلتے اور اس طرح آپ ہر ہفتے کے دن قباء تشریف لے جاتے۔'' اور حضرت زید بن اسلمؒ سے مروی ہے [شکر ہے رب ذوالجلال کا جس نے قباء کو ہمارے قریب تر بنایا ہے۔ اور اگر یہ فتح پر بھی ہوتی تو ہم اپنے اونٹوں کو پیٹ پیٹ کر ہمیں اوپر لے جانے پر مجبور کر دیتے۔'' (۴۳) صاحب مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور پرنور ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قباء تشریف لے جا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بھی دراز گوش پر سوار ہونے کی دعوت دی کمزوری کے باعث حضرت ابوہریرہؓ سے سوار نہیں ہوا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے آپ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر سوار ہونے کی سعی کی جس کی وجہ سے دونوں نیچے آ رہے۔ دوسری بار بھی رحمت دو عالم ﷺ نے ان کو دعوت دی اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تیسری بار نبی الرحمۃ ﷺ نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے خجالت سے سوار ہونے سے معذوری ظاہر کر دی۔ یہ واقعہ بھی طریق قباء پر کسی مقام پر ہوا تھا۔

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ [میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا: ''مجھے مسجد قباء میں دو رکعت ادا کر لینا زیادہ بھلا لگتا ہے بہ نسبت اس کے میں بیت المقدس میں دو بار جاؤں۔ اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے تو وہ اپنے اونٹوں کے بطنوں کو پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کریں۔'' (۴۴)

حضرت اسید ابن حضیر الانصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قباء میں ایک نماز ایک عمرہ کے برابر ہے۔] (۴۵) ابن حبان نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے: [.... میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی نے اس (مسجد) میں نماز ادا کی وہ عمرہ

کے برابر ہے۔] (۴۶) حضرت سعید بن ابی رقیشؓ سے مروی ہے کہ: [حضرت انس بن مالکؓ مسجد قباء تشریف لائے اور نماز ادا کی۔ جب انہوں نے سلام کے ساتھ نماز ختم کی تو وہیں تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی ان کے گرد بیٹھ گئے۔ انہوں نے فرمایا، سبحان اللہ ما اعظم حق ہذا المسجد، کیا مقام ہے اس مسجد مبارک کا کہ اگر اس تک پہنچنے کے لیے ایک ماہ کا سفر بھی کرنا پڑتا تو بھی لوگ وہاں پہنچتے۔ جو بھی اپنے گھر سے اس ارادے سے روانہ ہوا کہ وہاں جا کر چار رکعت نماز ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عمرہ کا اجر دے گا۔] (۴۷) حضرت سہل بن حنیفؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ [جو کوئی بھی اپنے گھر سے وضوء بنا کر چلے اور پھر مسجد قباء میں صرف اس مقصد سے جائے کہ وہ وہاں نماز پڑھے گا تو اس کی وہ نماز ثواب میں ایک عمرے کے برابر ہوگی۔] (۴۸) ایک اور روایت میں ہے [جس نے اس میں نماز ادا کی اسے عمرے کا ثواب مل گیا۔] (۴۹)

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج:۱، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۱۳۹۹

(۲) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۸۵، ص ۱۶۴

(۳) عجوہ کھجوریں بہت مشہور اور قیمتی ہیں۔ اس کا اچھی کوالٹی کا ایک کیلوگرام بھی عام موسم میں ۶۰-۷۰ ریال سے کم نہیں ملتا۔ حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اگر کوئی سات عجوہ کی کھجوریں صبح سویرے کھائے گا، اس پر زہر کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس دن اس پر جادو کا اثر ہوگا] صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۳۵۶

(۴) القرآن الکریم (التوبہ: ۴۰)

(۵) ابن اسحاق، ص ۲۲۷-۲۲۷؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، (The Life and Work of the Prophet of Islam)، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد، ج ۱، ص ۱۲۶؛ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمت العالمین، ج ۱، ص ۱۰۲

(۶) جب کہ بہت سے سیرۃ نگاروں کے مطابق رسول اللہ ﷺ حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں ٹھہرے تھے، کچھ ایسی بھی روایات ہیں کہ آپ حضور ﷺ حضرت سعد بن الخیثمہؓ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ تاہم سیرۃ نگاروں (جن میں ابن اسحاق بھی شامل ہیں) کا اتفاق اس بات پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیام تو حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں فرمایا تھا مگر چونکہ حضرت سعد بن الخیثمہؓ اس وقت کنوارے تھے اور ان کا مکان کافی وسیع و عریض تھا، اس لیے دن کے وقت آپ حضور ﷺ وہاں دربار عام لگایا کرتے تھے جہاں ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ابن اسحاق، ص ۱۳۵؛ نیز محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القویم لمکہ و بیت اللہ الکریم، ج ۱، ۱۳۸۵، ص ۲۵۲

(۷) اس معاملے میں خاصہ اختلاف رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قباء میں کل کتنے دن قیام فرمایا تھا۔ صحیح بخاری کی روایات کے مطابق آپ حضور ﷺ وہاں چودہ دن ٹھہرے تھے صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۴۱۰؛ نیز صحیح مسلم، باب المسجد و مواضع الصلوٰۃ، نمبر ۸۱۶۔ تاہم تمام مصادر اور مآخذوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو تشریف لائے تھے جب کہ سوموار کا دن تھا اور ایسے ہی اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ آپ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف روانگی فرمائی تھی اور راستے میں وادی رانونا کے کنارے مدینہ طیبہ میں پہلی باجماعت نماز جمعہ ادا کی تھی

(۸) سیرۃ النبویہ لابن ہشام، مؤسسہ علوم القرآن، بیروت، ج ۱، ص ۴۹۳

(۹) ابن ہشام، ص ۱۳۵

(۱۰) ابوبکر الجزائری، ہذا الحبیب (انگریزی ترجمہ: The Beloved Muhammad)، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸، ص ۱۳۳

(۱۱) سیرۃ النبویہ لابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۴۹۴

(۱۲) مسجد الجمعہ کی تفاصیل تاریخی مساجد سے متعلق باب میں دی گئی ہیں

(۱۳) اس واقعے کی یاد میں وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، جو کہ مسجد الجمعہ کے سامنے تھی اور اسے مسجد بنات النجار کہا جاتا تھا احاطہ تو ابھی بھی موجود ہے مگر مسجد کو مسمار کر دیا گیا ہے

(۱۴) صحیح مسلم، ج. ۳، کتاب الآداب، نمبر ۴۴۳۵ صحیح بخاری، ج. ۵، نمبر ۲۴۸

(۱۵) ابی الحسن محمد بن احمد (ابن جبیر)، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، ص ۱۴۵

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۳۹۷

(۱۸) ابن شبہ، عمر بن شبہ النمیری (۱۷۳_۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج ۱، ص ۵۴

(۱۹) اسے ابن نجار نے نقل کیا ہے، دیکھئے محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۶۴

(۲۰) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۳۶۸_۳۶۹

(۲۱) الشیخ احمد بن عبد الحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۱۶۸. چند فاضل مورخوں نے ایسے اصحابہ کرام میں حضرت عثمان بن عفان ؓ کا نام گرامی بھی کم فہمی سے شامل کر دیا ہے حالانکہ وہ اس وقت ہجرت حبشہ پر تھے اور کافی دیر کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت پر تشریف لائے تھے.

(۲۲) حضرت ابی غازیہؓ سے مروی ہے [حضرت عمر بن الخطاب ؓ مسجد قباء پیر اور جمعرات کے دنوں میں جاتے تھے ایک مرتبہ جب وہ وہاں تھے تو ان کو اپنے خاندان میں سے کوئی بھی فرد وہاں نظر نہ آیا اس پر انہوں نے فرمایا [اللہ کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی چھاتیوں تک اینٹیں اٹھاتے تھے تاکہ اس مسجد کی تعمیر ہو سکے اور اس مسجد کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی جب کہ جبریل امین نے آپ کو قبلہ دکھایا تھا . . [منقول زمطری، ص ۴۷ نیز دیکھئے محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۶۴.

(۲۳) سمہودیؒ نے اسے خلاصۃ الوفاء میں نقل کیا ہے، صفحات: ۲۵۲-۲۵۳

(۲۴) ایضاً، ص ۲۵۴

(۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص ۴۶. نیز ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۳۹۷

(۲۶) صحیح بخاری، ج:۶۶۱

(۲۷) ابن شبہ، ج ۱، ص ۵۲

(۲۸) ابن النجار، مصدر مذکور، ص ۱۱۳

(۲۹) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۳۹۶

(۳۰) ابن شبہ، ج ۱، ص ۵۷

(۳۱) ایضاً، ص ۷۸

(۳۲) براہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور

(۳۳) ابن جبیر، مصدر مذکور، ص ۱۴۵

(۳۴) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۷۵

(۳۵) احمد العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۹

(۳۶) ابراہیم رفعت پاشا، ج:۱، ص ۳۹۷

(۳۷) یہ تفاصیل ہم نے اخبار مدینہ و دارالاشاعت فی عہد السعودی الظاہر سے لی ہیں جو سعودی وزارت اطلاعات نے ۱۴۲۰ ہجری میں [illegible] سالہ جشن کے سلسلے میں جاری کی تھی۔

(۳۸) محمد لعیاری، مصدر مذکور، ص ۱۶۹

(۳۹) القرآن الکریم (التوبہ ۱۰۸)

(۴۰) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۲۸۵

(۴۱) ایضاً، ج ۲، نمبر ۲۸۴

(۴۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۴۵

(۴۳) فیروز آبادی، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، پہلا ایڈیشن، ۱۹۶۹، صفحات: ۳۲۸-۳۲۹

(۴۴) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۷۲

(۴۵) الترمذی، ابواب الصلوٰۃ (۳۲۴)

(۴۶) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۷۲

(۴۷) ایضاً، ص: ۳۷۳

(۴۸) مسند امام احمد، ۳-۴۸۷. نیز دیکھئے ابی سعید المفضل البجندی، مصدر مذکور، ص ۴۱

(۴۹) منقول از احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، ۱۹۹۳، ص: ۵۲

مقام الصفّہ اور اصحاب الصفّہ رضوان اللہ علیہم

﴿ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان لوگ انہیں تونگر اور امیر سمجھ بیٹھے تاکہ انہیں کچھ دینا نہ پڑے تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا وہ لوگوں سے گڑگڑا کر دست سوال دراز نہیں کرتے اور تم جو خیرات کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لئے ان کا اجر اللہ کے ہاں ہے، ورنہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ رنج﴾(۱)

'الصفہ' یا 'مقام صفہ' یا 'ظلہ' (سایہ دار جگہ) یا آج کے مدینہ طیبہ میں ''دکۃ الاغوات'' ایک چبوترہ ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں باب جبریل علیہ اسلام سے داخل ہوتے ہی چند قدم کے فاصلے پر دائیں جانب پڑتا ہے صاحب قاموس فیروز آبادی نے دار قطنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''یہ ایک سایہ دار جگہ تھی جو کہ مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں تھی۔''(۲) عربی میں 'صفہ' چبوترے یا گھر میں اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے جو کہ عموماً بیٹھنے کا کام آتا ہے۔ یہ مقام یا چبوترہ مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے کیونکہ اس کی تعمیر مسجد نبوی شریف کے ساتھ ہی رحمت اللعالمین ﷺ کے احکام سے عمل میں لائی گئی تھی اور جناب سرکار دو عالم انیس الغریبین ﷺ اکثر اوقات روزانہ اپنے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جنہوں نے اپنا گھر گھاٹ نہ ہونے کی وجہ وہیں ڈیرہ لگایا ہوا تھا ملنے کے لیے اس صفہ پر جلوہ افروز ہو جایا کرتے تھے اور شمع رسالت کے پروانے اردگرد حلقہ زن ہو کر سید خیر الانام ﷺ کے لبان مبارک سے وحی الٰہی کی تفسیر و تشریح سنا کرتے تھے محب الفقراء والغرباء والمساکین ﷺ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور اکثر اوقات یہ اصحاب صفہ مائدۃ رسول پر مدعو ہوتے اور تاجدار مدینہ ﷺ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ ایک طویل حدیث مبارکہ کے مطابق جسے حضرت مقداد بن الاسودؓ نے روایت کیا ہے [رسول اللہ ﷺ کی عادت طاہرہ تھی کہ رات کے وقت حجرہ مطہرہ سے باہر تشریف لاتے تو ان کو سلام کہتے۔ سلام کہنے کا انداز اتنا دھیما اور آہستہ ہوا کرتا تھا کہ صرف وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہی سن پاتے جو کہ اس وقت جاگ رہے ہوتے اور باقی نیند سے بیدار نہ ہونے پاتے۔](۳)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے عربی میں 'صفہ' کا مطلب چبوترہ یا 'سٹیج' ہوتا ہے۔ ہجرت مبارکہ کے بعد جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر جاری تھی تو انیس الغریبین سید نا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے بے گھر مہاجرین یا مسافرین اور غرباء کے لیے جن کا مدینہ طیبہ میں پہلے سے کوئی جاننے والا نہ تھا اور جن کے پاس رہنے سہنے کا اپنا کوئی بندوبست نہ تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں ایک جگہ مخصوص کر دی جائے جہاں وہ سب حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں رہ سکیں۔ پہلے پہل مسجد نبوی شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی اور یوں اس کی چار دیواری کے اندر وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کھلے آسمان کے نیچے سو جایا کرتے تھے۔ شروع میں تو ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم صرف رات وہاں بسر کرتے تھے اور دن دانائے سبل اور مولائے کل ﷺ کی خدمت میں گزار دیتے تھے۔ تاہم بعد میں ان کے لیے مسجد نبوی شریف کے پچھلے حصے میں ایک قسم کی سٹیج سی بنا دی گئی اور اتنے حصے پر چھت بھی ڈلوا دی گئی تھی تا کہ وہ موسمی اثرات یعنی سردی اور بارش وغیرہ سے محفوظ رہ سکیں۔ اسی لیے اس جگہ کو 'اظلہ' (یعنی سایہ دار جگہ) بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کا چبوترہ حجرہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے درمیان تھا جس کے ایک طرف ام المومنین سیدۃ سودہؓ کا حجرہ مبارکہ پڑتا تھا۔ (۵) تاہم قدیم مورخین کی متفقہ رائے یہی ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے یہ صفہ اس جگہ ہوا کرتا تھا جہاں کہ اب منبر رسول اللہ ﷺ موجود ہے۔

ابتداء میں اس کا محل وقوع جہاں بھی ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم آ گیا اور اس کے مطابق مسجد نبوی کی جنوبی دیوار (مکۃ المکرمہ کی جانب) جانب قبلہ قرار پائی اور شمالی جانب میں سابقہ قبلہ کی دیوار تا ابد عقبی دیوار بن گئی تو اس کے مطابق ضروری تعمیری تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ یہ ۱۸۰ ڈگری کی تحویل تھی، یعنی قبلہ شمال سے بالکل جنوب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اس کے مطابق مسجد نبوی شریف میں ضروری تبدیلیاں کی گئیں، مثلاً سابقہ عقبی جانب جو دروازہ تھا اسے بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ مصلائے رسول اللہ ﷺ نے لے لی اور سابقہ مصلاء کی جگہ ایک دروازے نے لے لی۔ اسی طرح صفہ چبوترہ جو کہ پہلے جنوبی جانب تھا اسے مسمار کر کے شمالی جانب بنانا پڑا تھا۔ اس کے بعد بھی جب فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی تو اس وقت بھی اسے مزید پیچھے ہٹانا پڑا تھا۔ لیکن جیسا کہ بہت سے زائرین سمجھ بیٹھتے ہیں کہ موجودہ دکۃ الاغوات ہی اصل صفہ کی جگہ ہے یہ صریحاً بے بنیاد بات ہے۔ (۶) احادیث مبارکہ کی رو سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ جگہ پر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن میں سے کسی ایک کا حجرہ مبارکہ تھا۔ حقیقت تو

اکثر تصاویر میں اس جگہ کو چبوترۂ اصحاب صفہ لکھا ہوتا ہے مگر یہ درست نہیں، یہ جگہ دکۃ الاغوات ہے اور چبوترۂ اصحاب صفہ کے قریب شمال مشرق میں ہے

یہ ہے کہ سہولت کے مطابق صفہ کا مقام کئی بار تبدیل ہوا، دو تین بار تو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران، اور پھر بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت راشدہ کے دور میں جب توسیع مسجد ہوئی تو وہ بھی چونکہ شمال کی جانب تھی، اس لیے لامحالہ مقام صفہ میں بھی تبدیلی کرنی پڑی تھی۔

اسی طرح جب سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے مسجد کی توسیع کی تو بھی اسے مزید پیچھے ہٹانا پڑا ہوگا اور پھر نصف صدی بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مزید توسیع کی تو انہوں نے تمام حجرات مبارکہ کو خرید کر مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا اور پھر صفہ کا مقام بھی بدل دیا اور اس دن سے آج تک وہ کبھی مقام صفہ اور کبھی دکۃ الاغوات کے نام سے اسی جگہ پر موجود ہے۔ تاہم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جونہی آخری اصحابی صفہ نے وہاں سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ میں کسی اور جگہ اپنی رہائش اختیار کر لی تھی اس کے بعد عملاً اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کے آثار مبارکہ، سب سے اولیں اسلامی درسگاہ اور مسجد نبوی شریف کا ایک حصہ سمجھ کر اسے ہمیشہ قائم رکھا گیا۔ اس لیے زائرین کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آج کا 'دکۃ الاغوات' اسی جگہ پر قائم ہے جہاں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا کرتا تھا لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ یہاں پر امہات المومنین رضوان اللہ علیہن میں سے کسی ایک کا حجرہ مبارکہ ہوا کرتا تھا۔ یہ جگہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور پر نوار میں مسجد شریف کا حصہ تھی اور نہ ہی خلافت راشدہ میں کبھی رہی تھی بلکہ اس جگہ حجرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن ہوا کرتے تھے۔ ایسا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی گورنری کے دور میں ہوا کہ تمام حجرات مبارکہ کو حاصل کر کے انہیں مسجد میں داخل کیا گیا تھا۔ یوں یہ حصہ ۸۸-۹۱ ہجری کے دوران مسجد نبوی شریف میں شامل ہوا تھا۔ لہٰذا ہماری نظر میں اس مقام کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ درحقیقت اس کا تقدس تو مقام الصفہ سے بھی کہیں زیادہ ہے کیونکہ نہ جانے ہادی برحق سرور کونین ﷺ نے اسی مقام پر کتنی بار شب باشی اور آرام فرمایا ہوگا اور جیسا کہ آں حضرت ﷺ کا معمول تھا نہ جانے اس مقام پر آقائے دو جہاں ﷺ نے راتوں کو کتنے طویل سجدے کیے ہوں گے۔ اس نقطہ نظر سے اس بقعہ نور کی اہمیت اصلی مقام صفہ سے بھی ہزار درجہ زیادہ ہے۔

وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنہوں نے عارضی طور پر الصفہ کے مقام پر قیام کیا تھا، ان کی سوانح حیات پر کچھ لکھنا ہماری اس کتاب کے موضوع سے ناانصافی ہوگی، البتہ اگر کوئی قاری اس میں دلچسپی رکھتا ہو تو اسے حیات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ضخیم جلدوں کو کھنگالنا ہوگا جو کہ صرف اور صرف انہیں کی حیات مبارکہ پر لکھی گئی ہیں، مثلاً طبقات الکبریٰ، حلیۃ الاولیاء یا اسد الغابہ وغیرہ۔ ہم صرف یہی کہنے پر اکتفاء

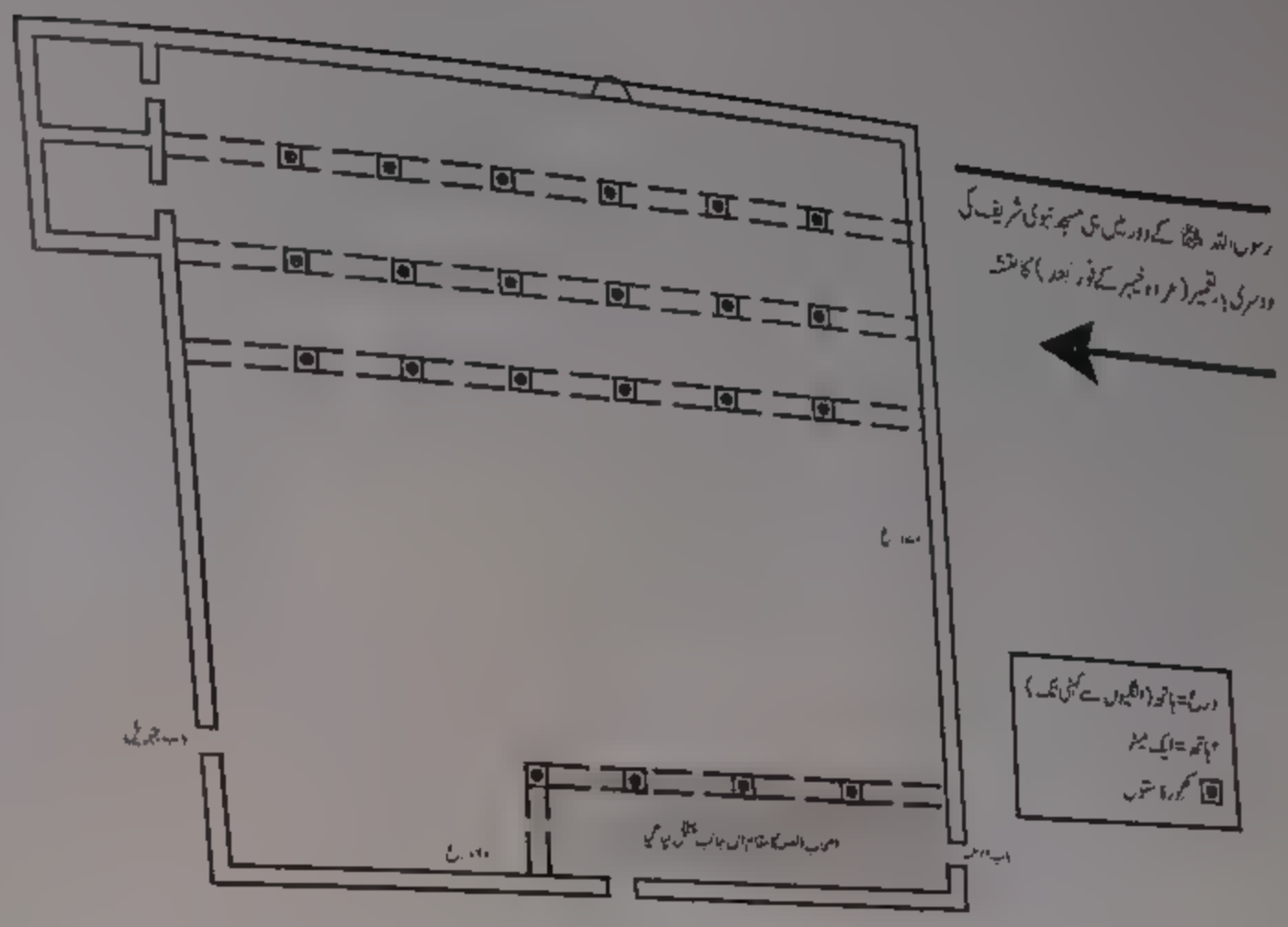

کریں گے کہ اسی مقام صفہ سے ایسی کتنی ہستیاں تھیں جنہوں نے دربار رسالت مآب ﷺ میں رہ کر نبی الامی الحکیم ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علم و عرفان کے بحر ذخار میں غواصی سے رموز ہائے نہفتہ کے لاکھوں لوء لوئے لالہ حاصل کیے اور پھر اپنی حیات دنیوی میں ہی عروج کی ان منزلوں تک پہنچے کہ ان میں سے بہت سے کسی نہ کسی صوبے کے گورنر کے طور پر تعین ہوئے یا عساکر اسلامیہ کے سپہ سالار بنائے گئے۔ (۷) اس گروہ جانباز ان رسول مقبول ﷺ یعنی اصحاب الصفہ پر مستقل کتب بھی لکھی گئیں جن کے مصنفین میں علامہ شمس الدین ابی الخیر محمد بن عبدالرحمن السخاوی (ت: ۹۰۲ ہجری) جیسے جید علماء کرام شامل ہیں (رجحان الکفۃ فی اخبار اہل الصفہ)۔

ابتداء میں تو یہ صرف ایک سطح زمین سے ذرا اونچا چبوترہ تھا جس پر کھجور کے سوکھے پتوں کو گارے سے ملا کر چھت ڈال دی گئی تھی جو کہ کھجور کے تنوں کے ستونوں پر استوار تھی یہ چھتا ہوا حصہ تین اطراف سے کھلا ہوتا تھا اور صرف پچھلی طرف دیوار ہوا کرتی تھی۔ چونکہ یہ تھا زمین سے ذرا بلند تھی اسے الصفہ کہا جانے لگا۔ رقبہ کے لحاظ سے یہ کافی بڑا تھا جس پر بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بسیرا کرتے تھے احادیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدۃ زینبؓ سے شادی کی تو ولیمہ کے لیے ۳۰۰ اصحابہ کرام کو مدعو کیا گیا تھا اور ان مہمانان گرامی میں سے بہت سوں کے بیٹھنے کا اہتمام الصفہ پر ہی کیا گیا تھا۔ (۸)

الصفہ دراصل ایک طرح کا ایسا مقام تھا جہاں مسافروں اور نووارد مہاجرین کا استقبال کیا جاتا تھا۔ تاہم ان میں سے کچھ انصار بھی ہوا کرتے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے ہمہ تن اور ہمہ وقت وقف کر دیا تھا۔ انہیں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو 'اصحاب الصفہ' کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ان کو "ضیوف الاسلام" ۔ اسلام کے مہمان ۔ کہہ کر پکارا تھا۔ چونکہ اکثریت مہاجرین میں سے تھی، اس لیے بعض اوقات اس جگہ کو صفۃ المہاجرین بھی کہا گیا ہے۔ (۹) اصحابہ الصفہ میں سے مہاجرین اپنا گھر گھاٹ چھوڑ کر اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وسیلہ نہیں تھا اور ابتداء میں تو روزگار کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔ اہل مکہ بنیادی طور پر تاجر پیشہ تھے جب کہ مدنی حضرات زیادہ تر کاشتکاری کرتے تھے۔ لہذا ان مہاجرین میں سے جو کاشتکاری نہیں جانتے تھے ان لیے یک بیک مدنی حالات میں ڈھل جانا خاصہ دشوار تھا۔ اس لیے سید العرب والعجم ﷺ نے ایسے حضرات کو اپنی جوار رحمت میں ہی مسجد کے ایک کونے میں رہائش فراہم کر دی تھی اور بسا اوقات جو کچھ بھی دربار رسالت مآب ﷺ میں موجود ہوتا قاسم حوض کوثر ﷺ ان سب میں تقسیم کر دیتے یہ احباب چونکہ ضیوف الرسول تھے اس لیے اہالیان مدینہ بھی حتی المقدور ان کی خدمت سے پیچھے نہ رہتے بلکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ سے مروی ہے: [اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام میں سے تھے جن کے پاس رہنے کو کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں وہ مسجد میں ہی سو جایا کرتے تھے جہاں کہ یک سایہ، جگہ کا اہتمام کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کے پاس (موسمی اثرات سے بچنے کے لیے) کچھ بھی نہیں تھا۔] (۱۰)

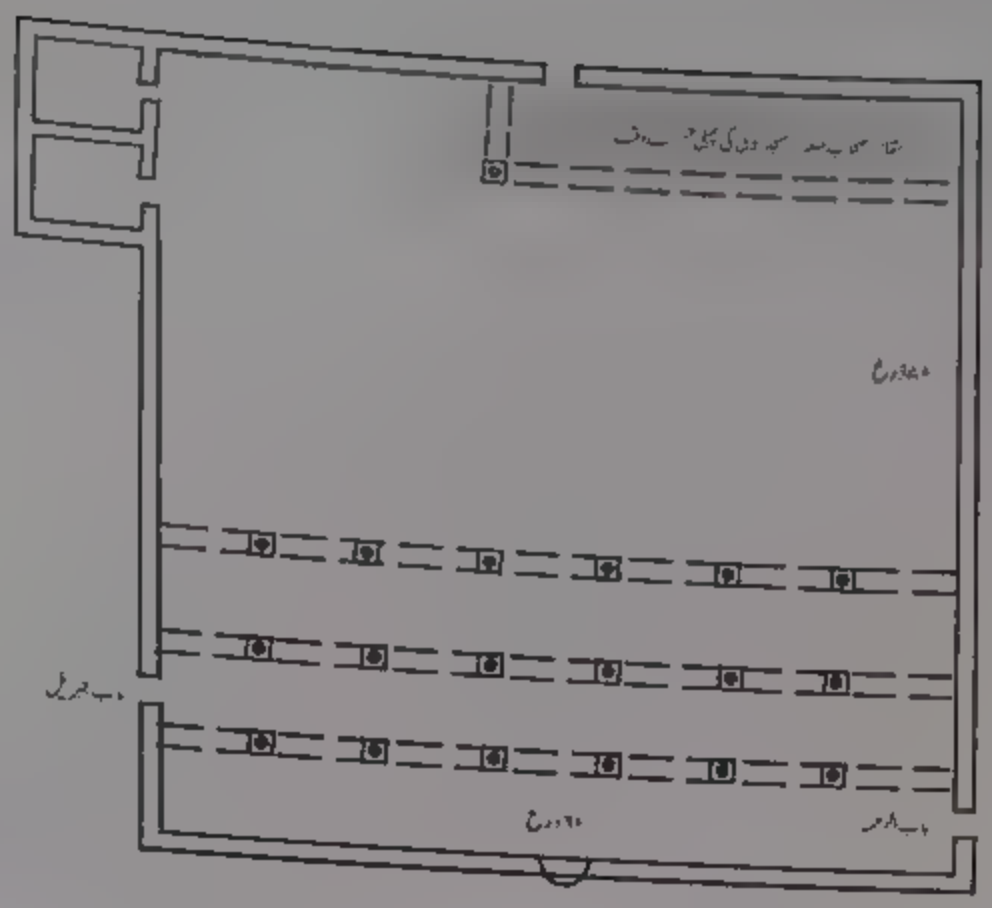

رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ سے تعمیر شدہ
پہلی مسجد نبوی کا خاکہ

ذرع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۴ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون

انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اکثر اوقات انہیں اپنے ہاں مدعو کر لیتے. حضرت سعد بن عبادہؓ تو ایک وقت میں ۸۰ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کو اپنے مائدہ پر مدعو کر لیا کرتے تھے. (۱۱) حضرت محمد ابن سیرینؒ سے مروی ہے: [جب شام ڈھل جاتی تو کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ساتھ ایک اصحابی الصفہ کو لے جاتا، یا پھر ایک اصحابی دو اصحاب الصفہ کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کبھی کوئی پانچ حضرت الصفہ کو اپنے ساتھ لے جاتا، مگر حضرت سعد بن ابی عبادہؓ ہر رات اسّی اصحاب الصفہ کو ساتھ لے جاتے تھے.] حضرت محمد ابن مسلمہؓ کی تجویز پر حضرت معاذ ابن جبلؓ نے الصفہ کے دو ستونوں کے ساتھ رسی باندھ دی تھی جہاں صاحب حیثیت اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، جن کے کھجوروں کے باغات وغیرہ تھے، پکی اور نیم پکی کھجوروں کے گچھے لٹکا دیا کرتے تھے (۱۲) ان کے فقر و فلاس کے عالم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کیونکہ بہت سی روایات اس سلسلے میں اس بات کا کھل کر ذکر کرتی ہیں کہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے پاس لباس وغیرہ کی بھی اتنی ہی کمی ہوتی تھی جتنی کہ خوراک کی تھی. حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: [میں نے ستر ایسے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم دیکھے جن کے پاس کوئی ردا، تک نہیں ہوتی تھی. ان کے پاس صرف تہبند ہوا کرتے تھے یا ایسی چادریں تھیں جن کو وہ اپنے گلوں کے گرد تک باندھ لیا کرتے تھے. ان میں سے کچھ کی یہ چادریں صرف ان کی ٹانگوں تک پہنچتیں اور کچھ کی ان کی ایڑیوں تک. اور ان کو اپنے ان کپڑوں کو بہت احتیاط سے لپیٹ کر رکھنا پڑتا تھا تاکہ ان کے ستر نہ کھل جائیں. (۱۳) ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا: [میں نے تیس کے لگ بھگ ایسے اہل الصفہ کو دیکھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے. ان میں سے کسی کے پاس بھی اپنے تن کا بالائی حصہ ڈھانپنے کے لیے کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا. (۱۴) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے تیس ایسے حضرات کو دیکھا ہے جو کہ نبی الرحمہ المزمل والمدثر علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے صرف اپنے تہبندوں میں نماز ادا کرتے تھے، اور میں بھی انہی میں سے ایک تھا.] (۱۵)

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [میں اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان بیٹھا تھا. ان میں سے کچھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر بیٹھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے پاس کپڑے نہیں تھے، جبکہ ان میں سے ایک قرآن کریم پڑھ رہا تھا. اچانک رسول رحمت رؤف الرحیم ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے. جب رسول اللہ ﷺ وہاں کھڑے ہوئے تو قاری نے تلاوت بند کر دی اور آپ کو مرحبا کہا رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: [کیا کر رہے تھے؟] ہم نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ایک قاری قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور ہم اسے سن رہے تھے.] تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا. [الحمد للہ! جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو شامل کیا ہے جن کے متعلق مجھے حکم ہے کہ میں ان کے ساتھ رہوں. پھر آں حضور ﷺ ہم میں گھل مل کر بیٹھ گئے، جیسے کہ وہ ہم میں سے ہی ایک ہوں. جب آپ حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اور سب آپ کے گرد حلقہ زن ہو کر ایسے بیٹھ گئے کہ سب کی نگاہیں آپ کے چہرہ اقدس پر مرکوز تھیں. راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے تھے سوائے راوی

ے (حضرت ابو سعید اخدریؓ) آپ نے فرمایا [اے گروہ مساکین و مہاجرین یوم القیامۃ تم پر نور کامل برسے گا تم لوگ اغنیاء سے پہلے جنت
پہنچ جاؤ گے، یعنی پانچ سو سال پہلے۔] (۱۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ صحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم انتہائی مفلس ہوا کرتے تھے (۱۷) ایک مرتبہ رسول
اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا [تم میں سے جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہے وہ اپنے ساتھ تین مہمان لے جائے
اور جس کے پاس چار افراد کا کھانا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ پانچ یا چھ کو لے جائے] (۱۸) بہذا سیدنا ابوبکرؓ اپنے ساتھ تین اصحاب
الصفہ کو لے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاں دس اصحاب الصفہ کو مدعو کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق [ان کے ساتھ اہل
(اہل صفہ) پانی ڈھوتے اور مسجد کے گھڑوں میں ڈالتے، لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اسے پیستے اور جو کچھ بھی حاصل ہوتا اس سے صفہ پر مقیم
اپنے بھائیوں کے لیے کھانا لے آتے۔] (۱۹) حضرت ابی ذر الغفاریؓ سے روایت ہے [میں بھی اہل الصفہ میں سے تھا۔ جب ہمیں شدید
بھوک ستاتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور آپ حضور ﷺ اپنے اصحابیوں کو ہم میں سے ایک ایک کو اپنے ساتھ
جانے کے لیے فرما دیتے، اور اس طرح ایک ایک کر کے ہمارے ساتھی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ چلے جاتے یہاں تک کہ دس
اس سے بھی کم رہ جاتے جن کو رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اپنے ساتھ لے جایا کرتے اور ہم مائدہ رسول اللہ ﷺ سے حضرتناول کرتے اور
جب ہم کھانا کھا چکتے تو رحمت اللعالمین ﷺ فرماتے: جائیں اور اب مسجد میں سو رہیں!] (۲۰)

ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت یاعش بن تخفط الغفاریؓ سے مروی ہے: [میرے والد اہل الصفہ میں سے ایک تھے رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے ساتھ حجرہ عائشہؓ میں آئیں جب ہم گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عائشہؓ ہمارے لیے کھانا۔ ئیں آپ شیشہ
لے کر آئیں اور ہم نے کھایا۔ پھر آں حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ ہمارے لیے کھانا لے کر آئیں۔ سیدۃ عائشہؓ پھر شیشہ لے کر آئیں جو کہ
مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنا تھا۔ وہ بھی ہم نے کھالیا۔ پھر آں حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ ہمیں کچھ پینے کے لیے بھی دیجئے۔ ام المومنین رضی
اللہ عنہا ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں اور ہم نے پی لیا۔ اس کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: چاہو تو یہاں سو رہو اور چاہو تو مسجد
میں جا کر سو رہو] انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ ایک بار جب وہ اپنے پھیپھڑوں میں درد کی وجہ سے اپنے منہ کے بل الٹے لیٹے ہوئے تھے تو
کسی نے انہیں اپنے پاؤں سے ہلایا اور فرمایا: [اس طرح سونے کو اللہ پسند نہیں فرماتا]۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو آپ رسول اللہ ﷺ تھے
(۲۱)

رسول اللہ ﷺ اہل الصفہ کا بہت خیال فرماتے۔ جب بھی کوئی تحفہ سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا جاتا تو
آں حضور ﷺ ان کو اپنے ساتھ شریک کر لیتے اور جب کبھی کوئی صدقہ آتا تو آں حضور ﷺ انہیں کو بھجوا دیتے۔ جب سیدنا حسن ابن علی مرتضیٰؓ
کی پیدائش ہوئی تو آں حضور ﷺ نے جناب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو فرمایا کہ نومولود فرزند اہل بیت کے بالوں کے وزن کے ذن کی چاندی
اہل الصفہ کو بطور صدقہ دے دی جائے (۲۲) امام زین العابدینؒ سے مروی ہے: [جب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے ہاں حضرت حسین علیہ السلام
کی پیدائش ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نہیں، بلکہ مولود کا سر
منڈا دیا جائے اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی اہل صفہ کے مساکین کو تصدق کر دیں۔] (حلیۃ الاولیاء، ج:۱ص.۴۱۶)
حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ اہل صفہ کو کھانا کھلانے
میں بہت سخی اور کریم تھے۔ (۲۳) رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سے کتنے ہی معجزے تکثیر طعام کے مروی ہیں کہ جب بالکل تھوڑا سا کھانا
سب اہل الصفہ کے لیے کفایت کر گیا، جب کہ ان کی تعداد بعض اوقات ۳۰۰ سے بھی متجاوز ہوتی۔ (۲۴)

مسجد نبوی متصل حجرہ حضرت صفہ
اور اکیۃ الاخوات

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے مروی ہے [ایک مرتبہ ہم ۱۳۰-افراد رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تھے اللہ کے پیارے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا. کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی کھانا ہے؟ ایک آدمی ایسا تھا جس کے پاس ایک صاع آٹا یا اسی قسم کی کوئی چیز تھی جو کہ گندھا ہوا تھا اتنی دیر میں ایک مشرک جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہاں آنکلا جو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہانک کر لا رہا تھا حبیب کبریا، سید الانبیاء ﷺ نے اسے فرمایا کیا تم ان میں سے ایک کو بیچنا چاہو گے یا ہمیں تحفہ دینا چاہو گے؟ اس نے جواب دیا نہیں وہ تحفہ نہیں دے گا بلکہ اسے بیچنا چاہے گا رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک بھیڑ خرید لی جسے ذبح کیا گیا اور اس کا گوشت تیار کیا گیا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کلیجہ بھونا جائے (راوی نے کہا) اللہ کی قسم ان ۱۳۰-افراد میں سے کوئی بھی نہیں بچا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے نہ دیا ہو، بلکہ اگر کوئی غیر حاضر تھا تو اس کا حصہ بھی رکھ لیا گیا. پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے دو برتن بھر لیے جس میں سے ایک میں شوربہ تھا اور دوسرے میں گوشت تھا، اور ہم سب نے اپنا پیٹ بھر کر کھایا، لیکن پھر بھی دونوں برتنوں میں کھانا موجود تھا اور میں نے اسے اپنے اونٹ پر رکھ لیا.] (۲۵)

رسول اللہ ﷺ اہل الصفہ کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال فرماتے تھے اور ایسے اصحاب کو ان کی تعلیم پر مامور کرتے جو کہ پڑھے لکھے تھے. حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے: [میں نے اہل الصفہ میں سے چند لوگوں کو پڑھنا لکھنا اور قرآن سکھایا.] (۲۶) تمام اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم اپنا زیادہ تر وقت قرآن کریم پڑھنے میں گزارتے. یوں انہوں نے تدبر قرآن اور تفہم دین براہ راست صاحب قرآن اور ختم الرسل ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حاصل کیا. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایک گروہ بہت اچھا قرآن پڑھا کرتا تھا. وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے اور پھر راتوں کو اکٹھے بیٹھ کر ایک دوسرے سے قرآن کریم کے معانی و مفاہیم پر باتیں کرتے رہتے. درحقیقت یہ گروہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارا تھا اور انہوں نے بھی سراج منیر، شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ ﷺ سے قربت کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کیا. اصحاب الصفہ زہد، پرہیزگاری، تقویٰ اور احسان (تصوف) میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے. خلوت و جلوت میں قرآن کریم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا. ذکر و فکر کی تمام تر رعنائیاں ان میں جلوہ گر تھیں. قرآن کریم نے ان کے فقر اور لگن کی تعریف کرتے ہوئے محب الفقراء والمساکین اور انیس الغریبین علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کو ان کے ساتھ انس و محبت کا کہا: ﴿اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں.﴾ اس آیۃ کریمہ کے نزول پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [شکر ہے اللہ رب ذوالجلال کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کیساتھ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ان سے مانوس رہوں.] ان میں سے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے تو احادیث رسول اللہ ﷺ کو حفظ کر لیا اور پھر اسی انمول خزانے کو اگلی نسلوں میں بانٹتے رہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ وغیرہ. حدیث مبارکہ کے

طالب علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقام صفہ کے ان سپوتوں کا روایت حدیث میں کتنا بلند مقام ہے۔ اتنی زیادہ احادیث اور کسی اصحابی نے روایت نہیں کیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فقر اور استغناء کی دولت سے مالا مال تھے۔ ان کے استغناء کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: [روایات میں آیا ہے کہ جب کبھی کوئی کسی اہل الصفہ کو کوئی چیز پیش کرتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی کو پیش کر دیتے جو آگے کسی تیسرے اہل الصفہ کو پیش کر دیتے اور کرتے کرتے وہ چیز پہلے اہل الصفہ کے پاس گھوم پھر کر واپس آ جاتی۔](۲۸)

ان کے زہد و تقوی کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جانا چاہئے کہ انہوں نے کسی اور واجب دینی سے کنارہ کشی کر لی تھی یا دنیا سے قطع تعلق کر لی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کبھی بھی غزوہ یا سرایا کا وقت آیا سب سے پہلے جہاد کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والے یہی فرزندان توحید ہوا کرتے تھے اور اس طرح وہ لشکر اسلامی کا ہراول دستہ تصور ہوتے تھے فاتح اقلیم رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی ایسے فریضے کے لیے صلائے عام دیا تو سب سے پہلے لبیک کہنے والے یہی اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم ہوتے تھے۔ اور کبھی تو ایسے بھی ہوتا کہ جونہی رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی اطلاعات ملتیں جو فوری اور راست اقدام کی متقاضی ہوتیں تو اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم آناً فاناً سر بکفن تیار ملتے۔ اگر رات کے وقت مدینہ طیبہ کے کسی گھر پر کوئی حملہ کر دیتا اور یہ ضروری ہو جاتا کہ فوری طور پر اس حملہ آور کا مقابلہ یا پیچھا کیا جائے تو انہیں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند موقع پر پہنچ کر حملہ آور کو مار بھگاتے تھے۔ چونکہ وہ دن رات دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر رہا کرتے تھے انہیں آج کی زبان میں ایسے معاملوں میں ایک ایسی بٹالین یا 'گروہ جاں بازاں یا گروہ سرفروشاں' کا نام دیا جا سکتا ہے جس کا کام ہی فوری نوعیت کے اقدام کرنا ہوتا تھا (Quick Action Task Force)۔ ان میں سے بہت سوں نے غزوہ بدر اور دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی اور جام شہادت نوش فرمایا تھا، مثلاً حضرت زید بن الخطابؓ وغیرہ، اور بہت سے اہل الصفہ غزوہ احد میں بھی سر بکف شریک تھے اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوئے تھے، مثلاً حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ۔ کچھ غزوہ خیبر اور غزوہ تبوک میں بھی شہید ہوئے تھے (۲۹) ان ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے جن کو دھوکے سے بیر معونہ پر نجدیوں نے شہید کر دیا تھا، ان میں کثیر تعداد اہل الصفہ ہی کی تھی۔ (۳۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں معاشی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کی تعداد بھی کم ہوتی گئی۔ ابن الجوزی کے مطابق: ''اہل الصفہ مسجد نبوی میں اس وقت تک قیام کرتے جب تک کہ ان کو نان و نفقہ کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ تاہم جونہی اسلامی فتوحات نے نئے مواقع پیدا کئے تو ان کو دوسروں پر انحصار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ان میں سے اکثر تو مسلم فاتحین کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے تھے۔''(۳۱)

ابن ہشام کے بیان کے مطابق اہل الصفہ کی تعداد مختلف وقتوں میں مختلف رہی تھی۔ کم سے کم ۱۱۲ افراد سے لے کر ۳۰۰ افراد ایک وقت میں مقام الصفہ پر مقیم رہے تھے۔ ایک روایت میں ان کی کل تعداد ۶۰۰ - اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بتائی گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کی ایک روایت کے مطابق ایک دن ان کی تعداد ۱۳۰ تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک بھیڑ خریدی تھی جسے ذبح کرنے کے بعد اس کا کلیجہ بھونا گیا اور پھر معجزہ نبویہ سے وہی کلیجہ ۱۳۰ مہمانان دربار رسالت مآب ﷺ کے لیے کافی ثابت ہوا۔ (۳۲) کچھ تو صرف وہاں چند دن ہی رکے تھے اور جونہی ان کے باہر رہنے کا بندوبست ہوا اور انہیں روزگار کے لیے کوئی کام مل گیا، تو وہ الصفہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق: [میں نے صفہ پر ۳۰۰ سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھا۔](۳۳) بحقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ مشرف بالاسلام ہو کر مقام صفہ پر سکونت پذیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیگر اصحاب الصفہ پر عریف بنا دیا تھا۔ جب کبھی من حیث الجماعت تمام اصحاب الصفہ کو بلانا مقصود ہوتا یا کسی کام پر لگانا ہوتا تو حضرت ابوہریرہؓ کو طلب کر کے احکام دے

نبوی شریف میں داخل ہونے والے ایک قدیم دروازے کا اندرونی منظر، عہد عثمانی میں تجدید و تعمیر کے بعد

دیئے جاتے تھے اور وہ اپنے گروہ جاں بازاں تک احکام پہنچاتے تھے. یوں وہ کافی عرصہ تک اس جماعت کے سربراہ رہے تھے. حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ انہوں نے ان میں سے بہت سوں کو کہیں نہ کہیں امیر یا گورنر بنائے جاتے دیکھا تھا، جیسا کہ صادق مصدوق رسول والنبی الکریم ﷺ نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے بہت پہلے فرما دیا تھا. اہل صفہ میں سے سب سے زیادہ مشہور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

(۱) حضرت بلال ابن رباحؓ
(۲) حضرت ابوذر الغفاریؓ (جندب بن جندہ)
(۳) حضرت ابوعبادہ بن الجراحؓ
(۴) حضرت ابوسلمہ المخزومیؓ
(۵) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ
(۶) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۳۴)
(۷) حضرت طخفت بن قیس الغفاریؓ
(۸) حضرت عباد بن خالد الغفاریؓ
(۹) حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ
(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ
(۱۱) حضرت سلمان الفارسی (ابوعبداللہ)ؓ
(۱۲) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ
(۱۳) حضرت سعد بن مالکؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ)
(۱۴) حضرت کعب بن مالکؓ
(۱۵) حضرت ابولبابہؓ
(۱۶) حضرت ابوالدرداءؓ
(۱۷) حضرت سالم بن عمیرؓ
(۱۸) حضرت عتبہ بن غزوانؓ
(۱۹) حضرت حنظلہؓ بن ابوعامر الراہب (الغسیل الملائکہؓ)
(۲۰) حضرت زید بن ثابتؓ
(۲۱) حضرت حارثہ بن النعمان الانصاریؓ (۳۵)
(۲۲) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
(۲۳) حضرت زید بن الخطابؓ
(۲۴) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ
(۲۵) حضرت صہیب بن سنان الرومیؓ
(۲۶) حضرت صائب بن خالدؓ
(۲۷) حضرت طلحہ بن عمروؓ
(۲۸) حضرت طلحہ بن عبداللہ النضریؓ (۳۶)
(۲۹) حضرت معاذ بن الحارثؓ
(۳۰) حضرت عبداللہ بن انیس الجہنیؓ
(۳۱) حضرت شقرانؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۲) حضرت سفینہؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۳) حضرت ثوبانؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۴) حضرت عبیدؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۵) حضرت ابوموہبہؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۶) حضرت ابوعسیبؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۷) حضرت سالمؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۸) حضرت ہلال ابن رباحؓ
(۳۹) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ
(۴۰) حضرت خباب بن الارتؓ
(۴۱) حضرت الاغر المزنیؓ
(۴۲) حضرت حرملہ بن ایاسؓ
(۴۳) حضرت حبیب بن زید بن عاصم الانصاریؓ
(۴۴) حضرت البراء بن مالک بن النضرؓ (برادر حضرت انس بن مالکؓ)
(۴۵) حضرت اوس بن اوس الثقفیؓ
(۴۶) حضرت جعیل بن سراقہ الضمریؓ
(۴۷) حضرت جاریہ بن حمیلؓ
(۴۸) حضرت جرہد بن خویلدؓ

(۴۹) حضرت ثابت بن الضحاکؓ (۵۰) حضرت ثابت بن وولیعہ الانصاریؓ

(۵۱) حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ (۵۲) حضرت ابوریحان شمعون الازدیؓ

(۵۳) حضرت عبدالرحمن بن صخرؓ (۵۴) حضرت عبداللہ بن بدر الجہنیؓ

(۵۵) حضرت عرباض بن ساریہ السلمیؓ (۵۶) حضرت طلحہ بن عمرو البصریؓ

(۵۷) حضرت صفوان بن بیضاءؓ (۵۸) حضرت شداد بن اسیدؓ

(۵۹) حضرت سائب بن خدادؓ (۶۰) حضرت سالم بن عبید الاشجعیؓ

(۶۱) حضرت ابارزینؓ (۶۲) حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ

(۶۳) حضرت خبیب بن یسافؓ (۶۴) حضرت خریم بن اوسؓ

(۶۵) حضرت حکم بن عمیرؓ (۶۶) حضرت حجاج بن عمروؓ

(۶۷) حضرت حذیفہ بن اسیدؓ (۶۸) حضرت اسماء بن حارثہؓ

(۶۹) حضرت مقداد بن الاسودؓ (۷۰) حضرت ثقیف بن عمروؓ

(۷۱) حضرت دکین بن سعید المزنیؓ

یوں تو تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فخر موجودات وجہ تخلیق کائنات ﷺ پر دل و جاں سے فدا تھے اور خدمت خیر الوراء ﷺ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو میں رہا کرتے تھے، لیکن اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم میں سے کچھ ایسے بھی پروانے تھے کہ شمع رسالت پر ہمہ تن اور ہمہ وقت نثار تھے جیسے کہ حضرت ربیعہ بن کعبؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جو کہ سایہ کی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے. حضرت ربیعہ بن کعبؓ تو ان جان نثاروں میں سب سے بازی لے گئے تھے آپ سرور کونین ﷺ کو وضوء کرواتے اور تاجدار مدینہ ﷺ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے اور جب تک آقائے انس و جاں ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف نہ لے جاتے حضرت ربیعہ بن کعبؓ خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور جب حضور رسالت مآب ﷺ آرام فرمانے کے لیے اپنے کاشانہ اقدس میں چلے جاتے تو وہ حجرہ مبارکہ کی چوکھٹ پر سر نیاز رکھ کر سو جاتے اور جونہی ان کے کان میں ہلکی سی آہٹ آتی کہ آقائے نامدار ﷺ بیدار ہو چکے ہیں یا باہر تشریف لا رہے ہوتے تو وہ فوراً پکار اٹھتے: لبیک یارسول اللہ ﷺ. انہوں نے ایک روایت میں بیان کیا ہے: [میں دن رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا کرتا تھا اور آپ کے لیے وضوء کے پانی کا آفتابہ لے کر آتا یا دیگر ذاتی ضروریات کا خیال کرتا تھا. ایک مرتبہ فخر موجودات اور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ''کعب کچھ مانگو، تمہاری آرزو پوری ہوگی!'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں جنت میں بھی آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں سید المرسلین اور رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا: بس یہی یا اور بھی کچھ؟ میں نے عرض کیا: بس یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہی آرزو ہے! آپ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے کثرت سے سجدہ ریزی کیا کرو.](۳۷)

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے، صفہ کا چبوترہ بے گھر اور مساکین مہاجرین کے لیے معرض وجود میں لایا گیا تھا، لیکن اس کردار کی وجہ سے جو کہ اس مقام نے امت مسلمہ کی تعلیم میں ادا کیا اسے ایک تعلیمی ادارہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ (علم الحدیث) اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (علم القرآن) اسی ادارے کے فارغ التحصیل تھے. ہم اسے دنیا کی پہلی رہائشی یونیورسٹی قرار دے سکتے ہیں کیونکہ اس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش اور خوراک کا بھی بندوبست کیا گیا تھا. ''دن میں یہ ایک درس گاہ نظر آتی اور رات کے وقت یہ ایک مکمل ہوسٹل تھا کیونکہ طلباء کہیں اور جا کر رہ نہیں سکتے تھے.''(۳۸) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے فارغ

ہو جاتے تو وہ صحابہ کرام جن میں ضعیف، بوڑھے، فقراء و رسول اللہ ﷺ کے مہمان اور وہ حضرات جن کا الصفہ کے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ نہ تھا، حلقہ زن ہو کر رسول اللہ ﷺ کے گرد حلقہ در حلقہ در قطار بیٹھ جاتے اور آں حضرت ﷺ ان کو وحی الٰہی کی وہ آیات پڑھ کر سناتے جو کہ اس پچھلی رات میں نازل ہوئی ہوتیں اور آپ حضور ﷺ اس کی تفسیر و تشریح فرماتے۔ پھر بعد میں حاضرین ان مفاہیم پر آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے رہتے، یہاں تک کہ دن کافی چڑھ جاتا اور شہر کے عمائدین رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے آجاتے تھے جب ان عمائدین کو حضور نبی اکرم ﷺ کی قربت میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تو ان میں سے اکثر ناک بھوں چڑھاتے کیونکہ وہ ان غرباء اور مساکین کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے جو کہ اپنے آقا کے گرد حلقہ زن ہو کر بیٹھے ہوتے تھے۔ اس پس منظر میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا نزول ہوا جس کا ایک حصہ اس باب میں اوپر بھی نقل کیا گیا ہے:

﴿اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے؟ اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔﴾ (۴۱)

اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کو ان عشاق رسول مقبول ﷺ کی خاطر کتنی عزیز تھی کہ حبیب کبریاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام کو فرمایا گیا کہ ان سے انس رکھیں اوپر دی گئی حدیث مبارکہ سے بھی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود رسول مقبول ﷺ ان کو کتنا عزیز رکھتے تھے، انہیں اپنے گرد قطار اندر قطار بٹھاتے۔ اور پھر لبان مبارک سے جو کلمہ بھی نکلتا ان عشاق کے دلوں پر ثبت ہو کر رہ جاتا کوئی حضرت ثوبانؓ کی طرح سید الکونین ﷺ کے چہرہ اقدس پر نگاہیں جمائے حسن لازوال کا نظارہ لیتا رہتا اور کوئی سیدنا سلمان فارسیؓ کی طرح کھجور کے پتوں سے بنے پنکھوں کو جھلتا رہتا تاکہ سردار انبیاء ﷺ کو گرمی محسوس نہ ہو۔ اس مقام کو 'مقام اہل العرفان' بھی کہا گیا ہے، بعد میں آنے والے مسلمانوں نے عام طور پر، اور اہل تصوف نے خاص طور پر زہد و تقوی، پرہیز گاری اور فقر میں 'اہل الصفہ' کا اتباع کیا ہے اور مقام الصفہ سے ان کی وابستگی نے ان کو 'صفی' کا نام دیا جو لہجوں کے اختلاط اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ 'صوفی' کہا جانے لگا۔ لفظ صوفی کو دوسری وجہ تسمیہ یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر و بیشتر اون (صوف) کے جبے پہنا کرتے تھے۔ ایسی شخصیتوں میں حضرت عبادہ ابن الجراحؓ اور حضرت سلمان الفارسیؓ کا نام سرفہرست ہے گو کہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جو کھردرے اونی جبے اور دلق (گدڑیاں) پہننے میں مشہور تھے۔ بھوک سے نڈھال ہو کر بھی اللہ کے یہ پراسرار بندے مجاہدوں اور ذکر کی ریاضتوں میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: [لوگوں نے مجھے منبر رسول اللہ ﷺ اور حجرہ مبارکہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے درمیان مشقت اور ریاضت (صرع۔ ادھر ادھر لڑکھڑا کر بھاگتے) کرتے دیکھا۔ ان میں سے کچھ نے کہا کہ یہ مجنون (پاگل) ہے، لیکن میں جنون میں مبتلا نہیں تھا بلکہ میرا یہ حال بھوک سے ہوا تھا۔] لیکن اس فاقہ کشی کے باوجود بھی وہ ذکر الٰہی سے لمحہ بھر بھی غافل نہ رہے۔ حضرت عکرمہؓ نے ان سے روایت کی ہے: ''میں دن میں اپنے رب سے بارہ ہزار بار استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، اور یہ میرے (یا آں حضرت ﷺ کے) دین کے مطابق ہے۔'' ان کے پوتے (نعیم بن المحرر بن ابی ہریرہؓ) سے مروی ہے: ابو ہریرہؓ کے پاس ایک دھاگا ہوا کرتا تھا جس میں ایک ہزار گرہیں دی ہوئی تھیں وہ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ اس کی پوری تسبیح نہ کر لیتے تھے۔ سیدنا سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کے ذکر و تسبیح و تحلیل کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کھانے پر تشریف فرما ہوتے تو ان کے برتنوں سے بھی تسبیح و تحلیل کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ اصحاب الصفہ اکثر مل کر ذکر کی محافل کا اہتمام کرتے تھے اور پھر کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ خود سرکار دو عالم ﷺ ان کے ساتھ اجتماعی ذکر جلی میں شرکت فرما لیتے تھے۔ حضرت ثابت البنانیؒ سے مروی ہے: ''حضرت سلمان (الفارسیؓ) چند دیگر اصحاب کے ساتھ مل کر گروہ کی شکل میں (فی عصابۃ

عربی میں عصابہ دس سے کم آدمیوں کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے) اللہ عزوجل کا ذکر کر رہے تھے اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور فرمانے لگے [تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟] ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے [(ذکر) جاری رکھو کیونکہ میں نے دیکھا کہ آپ پر رحمت حق کا نزول ہو رہا تھا، سو میں نے بھی چاہا کہ تمہارے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاؤں] پھر ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا [اللہ کا شکر ہے کہ اللہ رب العزت جل جلالہ نے میری امت میں ایسے مردان حق پیدا کیے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ہمراہ رہوں] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج.۱، ص.۴۲۰) اہل الصفہ کے یہ اصفیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بعد آنے والوں کے لیے صبر و استقامت، فقر و فاقہ مستی، تزہد و تذکر اور مجاہدوں کی ایسی شمعیں روشن کر گئے کہ بعد میں آنے والے اولیائے کرام کو ان کی میراث سے خوشہ چینی کیے بغیر نہ بنی اور یوں انہی کی مثالیں تصوف کی بنیاد بنیں. اس نقطہ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ تصوف کی ابتداء اور نشوونماء مقام الصفہ سے ہوئی تھی تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا.

اگرچہ معاشی حالات کے بہتر ہونے پر اصحاب الصفہ مقام صفہ سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ کے دوسرے حصوں میں آباد ہوتے رہے، مگر وہ جگہ ان ہستیوں کی یادیں اپنے دامن میں لیے زندہ جاوید ہوگئی. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تو قباء میں اس مقام پر منتقل ہوگئے تھے جسے نبی کی نسبت سے 'دار الصفہ' کہا جاتا تھا. حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور بہت سے دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس مقام پر کچی جھونپڑیوں میں رہنے لگ گئے تھے. ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اس وقت بھی اس آبادی کے آثار موجود تھے وہ رقمطراز ہیں

'قصبے (قباء) کے آخر پر ایک اونچی سی جگہ یا ٹیلہ نما مقام ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے. اس پر 'دار الصفہ' واقع ہے جہاں حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ نے قیام فرمایا تھا. اصحاب صفہ میں سے بہت سے دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی وہیں ٹھہرے تھے اس ٹیلے کو 'العرفات' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفات کو ٹھہرے تھے (جب کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے) اور معجزے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام کو میدان عرفات کا جلوہ دکھایا تھا جہاں ان کے دیگر ساتھی فریضہ حج کے دوران وقوف عرفات کر رہے تھے. قباء میں تاریخی مقامات کی بھرمار ہے. ان کی تعداد اور اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے.'' (۴۲)

اس آبادی کی باقیات آج بھی قباء میں موجود ہیں. اکثر لوگ اسے 'بستی مہاجرین' کا نام دیتے ہیں جبکہ دراصل یہ 'دار الصفہ' ہے. ان کا پرانا طرز تعمیر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اسے کئی سو سال پہلے نئے سرے سے بسایا گیا ہوگا. اب چھتیں مفقود ہیں مگر دیواروں کے کھنڈرات زبان حال سے اپنے آثار قدیمہ ہونے پر مصر ہیں اگرچہ بے اعتنائی اور مادیت پرستی نے اس کے بہت سے حصے پر باغات اگا لیے ہیں یا اس کے سینے کو چیر کر سڑکیں نکال لی گئی ہیں.

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں معاشی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کی تعداد بھی کم ہوتی گئی. ابن الجوزی کے مطابق. ''اہل الصفہ مسجد نبوی میں اس وقت تک قیام کرتے جب تک کہ ان کو نان ونفقہ کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا. تاہم جونہی اسلامی فتوحات نے نئے مواقع پیدا کیے تو ان کو دوسروں پر انحصار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی. ان میں سے اکثر تو مسلم فاتحین کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے تھے.'' تاہم یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا مدینہ طیبہ میں کوئی رہنے کا ٹھکانا نہ ہوتا تھا وہ اسی مقام صفہ پر قیام کرتے تھے. دوسری صدی ہجری کے آخر تک ہمیں ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اللہ کے پراسرار بندوں کی ایک کثیر تعداد وہاں موجود رہا کرتی تھی. ابن الجوزی نے اپنی صفۃ الصفوہ میں ایسے چند تبع تابعین کرام کا ذکر کیا ہے جو کہ نہ صرف وہاں قیام پذیر تھے، وہ دن کو ثنیۃ الوداع یا اس سے بھی پرے سے لکڑیاں اکٹھی کر کے بازار میں بیچا کرتے تھے اور

باقی تمام وقت مقام صفہ پر گزارتے تھے. انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اہل صفہ اور بطور خاص حضرت ابونصر المصابؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی. انہوں نے خلیفہ کو کھری کھری پند و نصیحت سے نوازا جس سے ہارون الرشید پر رقت طاری ہوگئی اور وہ زار و قطار رونے لگ گیا. اس سلسلے میں ابن الجوزی نے محمد ابن اسماعیل بن ابی فدیکؒ کی اور ایک روایت بھی نقل کی ہے جو فرماتے ہیں: ہمارے ہاں ایک شخص ہوا کرتے تھے جو عام طور پر فاتر العقل مشہور تھے، وہ کسی سے بات نہ کرتے جب تک کہ کوئی اس سے بات نہ کرتا، وہ اپنا وقت اہل صفہ کے ساتھ مسجد نبوی شریف کے آخری حصے میں مقام صفہ پر گزارتے اور جب کوئی ان سے سوال کرتا تھا تو وہ بہترین جواب دیتے تھے جو کہ سوال کرنے والوں کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا، ایک دن میں ان کے پاس آیا اور وہ مسجد شریف میں اہل صفہ کے ساتھ اپنا سر زانو پر دھرے اردگرد سے بے نیاز بیٹھے تھے. میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کو حرکت دی جس پر وہ چونک کر ہوشیار ہو گئے. میں نے انہیں کچھ دیا جو کہ انہوں نے لے لیا۔" (۴۳) اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے فقراء اور زہاد نے مقام صفہ کو آباد کر رکھا تھا انہی لوگوں نے اپنے بعد میں آنے والے صوفیاء کرام کے طرز زندگی متعین کرنے میں مثالی کردار ادا کیا اور علم کے ساتھ ساتھ عرفان کی شمع کو روشن رکھا تھا. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنے بے جا نہ ہوگا کہ مقام صفہ بعد میں بنائی گئی رباطوں اور خانقاہوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا.

جہاں تک موجودہ 'دکۃ الاغوات' کا تعلق ہے یہ ۱۲×۸ میٹر رقبے پر محیط ہے. اس چبوترے کی بلندی تقریباً آدھا میٹر ہے اور اس کے گرد تانبے سے بنی خوبصورت جالی لگائی گئی ہے جس کو اب سفید رنگ کر دیا گیا ہے. عثمانیوں کے دور میں اس مقام پر شیخ الحرم بیٹھا کرتے تھے (۴۴) اسی نسبت سے اسے اکثر دکۃ یا صفۃ شیخ الحرم بھی کہا جاتا تھا. اس کے علاوہ ایسے خدام حجرہ مطہرۃ جنہوں نے دنیاوی شہوتوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی اور وہ خدام جو کہ مسجد نبوی شریف کی مختلف انداز سے خدمت پر مامور تھے، وہاں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے. یہی لوگ حجرہ مطہرہ کے اندر جا سکتے تھے اور جالی کے اندر کے محتویات کی صفائی وغیرہ کیا کرتے تھے. نسبت حجرہ رسول مقبول ﷺ کی وجہ سے انہیں عزت و احترام سے 'آغا' کہا جاتا تھا (اغوات آغا کی جمع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صفہ کو بھی دکۃ الاغوات کہا جاتا ہے). عامۃ المسلمین کی نظر میں ان کے احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عام آدمی تو ایک طرف سلاطین عالم بھی انہیں 'سیدی' (یعنی میرے آقا) کہہ کر پکارتے تھے. انہی اغوات میں سے سیدی کامل جیسے صاحب علم و عرفاں بزرگ ہو گزرے ہیں جن کی کرامتوں کا ذکر اکثر اہل مدینہ آج تک کرتے ہیں. ان کا انتخاب، تقرر اور تبادلے براہ راست آستانہ (قصر سلطانی۔ استنبول) سے ہوا کرتے تھے. سلطان عبدالحمید ذاتی طور پر 'بواب' (حجرہ مطہرہ کے چوکیدار) کا انتخاب کرتے تھے اور فرمان جاری کرتے تھے. سلطان محمود خان نے ۳۹ آغاؤں کا انتخاب کر کے مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا جن کے ذمے فرائض منصبی کے طور پر دکۃ الاغوات پر بیٹھ کر صرف تلاوت قرآن کرنا اور صحیح بخاری شریف، قاضی عیاض کی شفاء، دلائل الخیرات اور درود شریف پڑھنا لگایا گیا تھا. ان کی تنخواہوں کا معتد بہ حصہ سلطان عبدالحمید اور ان کی والدہ اپنے ذاتی نفقہ سے ارسال کرتی تھیں. ایسے اغوات قراء کرام اور مفسرین حضرات کی تعداد ۲۰۴ تھی جو اسی مقام صفہ پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے.

سب سے پہلے جنہوں نے مسجد نبوی شریف میں خدام کا تقرر کیا وہ حضرت معاویہؓ تھے. بعد میں عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے اسے ایک باقاعدہ انتظامی کیڈر کی شکل دے دی اور ان کا ماہانہ مشاہرہ مقرر کر دیا گیا۔ یہی انتظام کئی صدیوں تک چلتا رہا. بعض روایات میں ہے کہ جب سلطان نورالدین زنگیؒ نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو انہوں نے بارہ خدام کا تعین کیا جو ہیجڑے تھے اور دینی لحاظ سے صاحب علم اور بہت متقی اور پرہیزگار تھے. سلطان نورالدینؒ نے انہیں مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کی صفائی وغیرہ کے لیے تعین کیا. چونکہ زائرین میں مرد و زن سب شامل ہوتے تھے اس لیے بطور خدام ایسے افراد کا تعین برمحل تھا جو کہ دنیاوی شہوتوں کی قید سے آزاد تھے. ایسا اس لیے بھی کیا گیا کیونکہ

کعبۃ المشرفہ پر ایسے افراد کے تعین کی مثالیں موجود تھیں سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان کا ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بارہ اور ایسے ہی خدام کا اضافہ کر دیا۔(۴۵) انہوں نے خدام حجرہ مطہرہ اور خدام مسجد النبوی شریف کی نوکری مستقل بنیادوں پر استوار کی جن کو دیگر ملازمین حرم کی طرح مراعات اور مشاہرہ دیا جاتا تھا۔سلطان صلاح الدین ایوبی نے دو گاؤں کو (نقدہ و رقبلہ) جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر اسعید کے علاقے میں واقع تھے مستقل طور پر مسجد نبوی شریف کے ان خدام خاص (یعنی آغاؤں) کے لیے وقف کر دیا تھا۔ان کے بعد مملوک سلاطین نے بھی اس روایت کو قائم رکھا اور وہ ایسے اوقاف کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے سلطان ملک الصالح عماد الدین نے مزید دیہات کو ۷۴۰ ہجری میں وقف کیا (۴۶) ہیجڑے پن کے علاوہ حافظ قرآن ہونا لازمی شرط ہوا کرتی تھی۔(۴۷) زیادہ تر خدام حرم افریقہ سے لیے جاتے تھے،مگر اگر مطلوبہ معیار یعنی باکردار اور قابلیت اور تقوی کے حامل افراد نہ ملتے تو پھر اس بات میں استثناء رکھا گیا کہ برصغیر ہند سے ایسے لوگوں کو لایا جائے ایوبیوں نے جو دریائے نیل کے کنارے وقف قائم کئے ان کی تمام آمدنی انہی آغا حضرات کی فلاح و بہبود پر صرف ہوتی تھی۔ان آغاؤں میں غالب اکثریت افریقیوں کی ہوتی مگر کچھ ہندی نژاد بھی ہوا کرتے تھے عام طور پر ایسا ہوتا کہ وہ خدام (ہیجڑے) جو کہ استنبول وغیرہ میں شاہی محلوں میں اچھی شہرت کے حامل ہوتے انہیں کو حرمین الشریفین کی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا۔

اس تمام عرصے میں جب سے ایسے خدام مسجد نبوی کی خدمت پر مامور ہوئے تھے،انہوں نے بلند کرداری اور خدمت خلق کی بے نظیر مثالیں قائم کی ہیں۔ان میں سے بہت سے تو تقویٰ اور صوفیانہ طرز زندگی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے اور انہوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے کارہائے خیر انجام دیئے اور فلاحی اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔عنبریہ کا منطقہ جہاں مدینہ طیبہ کا ریلوے سٹیشن اور مسجد عنبریہ واقع ہیں،یہ سب عنبر آغا کے نام سے موسوم ہیں جنہوں نے اہل مدینہ طیبہ کی فلاح کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی تھیں۔مدرسہ آغا بہرام اور بشیر آغا کی لائبریری جو کہ مسجد نبوی کے جنوب میں واقع ہوا کرتے تھے،ان کے بانیوں کی دینی اور تعلیمی خدمات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ان اداروں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی تعلیم میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

مشہور ترکی سیاح اولیا شلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) کے بیان کے مطابق، جب اس نے گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ طیبہ حاضری دی تو مسجد نبوی شریف میں ایسے خدام کی تعداد جن کو ترکی زبان میں 'طواشی' کہا جاتا تھا سات سو سے متجاوز تھی۔(۴۸)

جہاں ان آغا حضرات کی بے پایاں خدمات جریدہ تاریخ مدینہ طیبہ پر ثبت ہیں، وہاں بدقسمتی سے چند ایک ایسے واقعات بھی روایت کئے گئے ہیں کہ ان میں سے چند نے اپنے منفرد مقام اور وقار سے ناجائز فائدے بھی اٹھائے اور سیاسی معرکوں اور دنگلوں میں شریک ہوتے رہے۔محلات میں جس عزت و وقار سے انہیں دیکھا جاتا تھا اس سے چند خدام حرم بہت سے سیاسی معاملات میں مشیر سمجھے جانے لگے تھے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شیخ الحرم اور ایوب آغا اور دیگر آغاؤں کے درمیان چپقلش پیدا ہو گئی جو کہ مدینہ طیبہ میں خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی جس نے شہر حبیب کا امن غارت کر دیا۔اس کے نتیجے میں حکمرانوں کو آہنی ہاتھ استعمال کرنا پڑا اور تب جا کر یہ شورش ختم ہو سکی۔بالآخران میں سے بہت سوں کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔اس وقت شریف مکہ مبارک بن احمد بن زید ہوا کرتا تھا جو بڑا جابر مشہور تھا۔اس کے ظلم و ستم کی چکی میں لکڑی کے ساتھ گھن بھی پسا اور بہت سے بے گناہ مدنی اس کشمکش میں ردعمل کا شکار ہوئے۔حکام کو جس پر بھی شک گزرا کہ اس نے آغاؤں کا کسی طرح بھی ساتھ دیا تھا یا صرف ان کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ ہی رکھتا تھا،اسے بے دردی سے تہہ تیغ کر دیا گیا۔اس طرح چند علمائے کبار پر بھی زد آئی اور ان کو بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔سید عبدالکریم البرزنجی ان مشاہیر علماء میں سے تھے جن کو اسی شک میں موت کی سزا ملی۔(۴۹) اس سختی سے وقتی طور پر تو یہ شورش تھم گئی مگر جلد ہی یہ کشمکش ۱۱۴۸ ہجری میں ایک طرف بشیر آغا اور دیگر آغا صاحبان اور دوسری طرف اہالیان مدینہ طیبہ کے درمیان جھڑپوں کی صورت میں ایک بار پھر شعلہ بار ہو گئی جس کو کچلنے کے لیے حکام

وقت کو دوبارہ آہنی ہاتھ استعمال کرنے کی ضرورت پڑی (۵۰) اس کے بعد عموماً ان آغا حضرات کا سیاسی کردار ختم ہو کر رہ گیا۔

حبیب بتولی نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۱۹۱۰ ہجری میں کی تھی۔ اس وقت حرم نبوی شریف میں کل ۱۰۰ اطواشی یعنی خدام حرم ہوا کرتے تھے ان تمام کے معاملات آستانہ (استنبول) میں طے ہوتے تھے۔ ان کے مشاہرے کافی زیادہ ہوا کرتے تھے کیونکہ ان کے تمام اخراجات کے کفیل وہ تمام اوقاف تھے جو کہ مختلف اطراف عالم میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ زائرین حرم بھی ان کو تحفے تحائف پیش کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تو جب تک اس کے بدیل کا تقرر نہ ہو جاتا اس کا مشاہرہ دوسرے آغاؤں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ (۵۱) جنرل ابراہیم رفعت پاشا سابق جنہوں نے اسی دور میں تین چار مرتبہ مصری امیر الحج کے فرائض ادا کیے تھے حرم نبوی شریف میں کل ۵۷ آغا ہوا کرتے تھے، جن میں سے زیادہ تر خدمت حجرہ مطہرہ پر مامور تھے۔ ان آغا حضرات کے سربراہ عرف عام میں شیخ الاغوات کہلاتے تھے جبکہ ان کا سرکاری عہدہ "المستسلم" تھا یعنی حجرہ مطہرہ کے ابواب کی چابیاں اور دیکھ بھال ان کی ذمہ داری تھی۔

شاہ عبدالعزیز کے دور سے ان کے تمام انتظامی اور دفتری امور فرمان شاہی مورخہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۶ کے تحت طے ہونے لگے اس کے بعد مجلس وزراء کے فرمان مورخہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۴۶ ہجری کے ذریعے ان کے مشاہرے اور دیگر مراعات کا از سر نو تعین کیا گیا۔ ان کی فنڈ دہندہ کے لیے بہت سی عمارتیں وقف ہیں جو کہ مکہ، مدینہ، جدہ، طائف، الاحساء، مراکش، عراق، مصر اور یمن میں واقع ہیں اور رئاسۃ الحرمین الشریفین کے دائرہ اختیار میں ہیں لیکن مسجد نبوی شریف کی توسیع کے منصوبے کی تکمیل کے بعد صفائی اور مرمت کا کام بڑی بڑی کمپنیوں کو ٹھیکہ پر دے دیا گیا ہے (مثلاً دلہ گروپ یا بن لادن گروپ وغیرہ)۔ اس طرح آغاؤں کا کام کافی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ آج کل تو ان کا کام صرف حجرہ مطہرہ کی دیکھ بھال کرنا اور بڑی بڑی شخصیتوں کا استقبال کرنا رہ گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تعداد بھی بہت کم ہو گئی ہے۔ ۲۰۰۱ء کے اوائل میں ان کی تعداد صرف ۱۲ رہ گئی تھی جو مسجد نبوی شریف پر مامور ہیں و اسی طرح کعبۃ المشرفہ پر بھی اب صرف ۱۴ خدام مامور ہیں۔ (۵۲) ماضی میں ان کے کیڈر میں ۴۲ مختلف وظائف ہوا کرتے تھے، مگر اب تو صرف ۴ وظائف ہیں جن پر معدودے چند آغا حضرات متعین ہیں۔ باب جبریل سے مسجد نبوی شریف میں داخلے کے بعد دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ یہ انہی آغاؤں کا حجرہ ہے۔ ان کا کام بھی اب تقریباً رسمی سا ہی رہ گیا ہے: یعنی خادم الحرمین الشریفین کی آمد پر یا ان کے ساتھ حرم نبوی شریف پر دیگر کبار شخصیتوں کے آنے پر اپنے مخصوص لباس میں ان کا روائتی استقبال کرنا اور قہوہ وغیرہ پیش کرنا۔

حواشی

(۱) القرآن الکریم (البقرہ ۲۷۳) اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں بوا علیٰ مودودی لکھتے ہیں "اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا تھا، اور اپنی روزی کمانے کے قابل نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے لوگوں کا ایک گروہ ہوا کرتا تھا جنہیں 'اصحاب صفہ' کہا جاتا تھا۔ بوالاعلیٰ مودودی (Towards Understanding the Quran)، انگریزی ترجمہ تفہیم القرآن، ناشر اسلامک فاؤنڈیشن، ج ۱، ص ۲۱۲

(۲) محمد الدین فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، المغانم لمطابہ فی معالم طابہ، یکے از منشورات دار الیمامہ للبحث والترجمہ والنشر، الریاض، ناشر حمد الجاسر، ۱۹۶۹ ص: ۲۲۰۔ عربی سے ہی یہ لفظ انگریزی میں گیا، جو اسے صوفہ کہتے ہیں اور وہاں سے ہوتا ہوا یہی لفظ اردو میں بھی داخل ہو چکا ہے۔

(۳) صحیح مسلم، ج: ۳، کتاب الاشربہ، نمبر ۱۵۰۳۔

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھانے کے لیے مدعو کیا اور جب سب کھانا تناول فرما چکے تو ارشاد ہوا [اب آپ جا سکتے ہیں اور مسجد میں جا کر سو جائیں۔ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی (جب وہ شادی شدہ نہ تھے) اکثر اصحاب صفہ کے پاس ہی سو جایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری، ج: ، نمبر ۴۲۵

(۵) محمد طاہر الکردی المکی، کتاب التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم، پہلا ایڈیشن، ۱۴۱۲، ج: ۶، صفحات: ۳۷۳۔۳۷۴

(۶) غالی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، تیسرا ایڈیشن، مدینہ طیبہ، ۱۹۹۱، ص: ۶۲

(۷) حضرت ابو ہریرہؓ خود بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بحرین کے گورنر رہے تھے۔ پھر حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ کے دور میں وہ مدینہ طیبہ کے گورنر بھی رہے۔ آپ کی گورنری کے دوران ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بصرہ کے گورنر رہے۔ کوفہ شہر کی بنیاد انہوں نے ڈالی تھی۔ حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر رہے۔ حضرت عمار ابن یاسرؓ کوفہ کے گورنر رہے۔ حضرت عبادہ ابن جراحؓ فلسطین کے گورنر رہے۔ حضرت انس ابن مالکؓ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے دور میں مدینہ طیبہ کے گورنر رہے۔ (سنن ابی داؤد، ۴۱-۴۸۸۶۔) یہ تو صرف چند معروف مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں اصحابہ الصفہ رضوان اللہ علیہم میں سے کتنے ایسے درخشندہ ستارے تھے جن کو عساکر سلام کی سپہ سالاری سونپی گئی اور انہوں نے فتوحات اسلامیہ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت زید ابن ثابتؓ نے جہاد فی سبیل اللہ میں نہ صرف عساکر سلام کی قیادت کی بلکہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر بھی متعین رہے۔

(۸) اکرم ضیاء العمری، (Medinan Society at the Time of the Prophet)، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۵، ص: ۸۷۔

(۹) سنن ابی داؤد، کتاب الخراف، ۲-۳۲۱

(۱۰) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵، ج: ۱، ص ۲۵۵

(۱۱) محمد محمد حسین شراب، المدینۃ المنورہ والعصر الراشدین، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۴، ج: ۱، ص: ۲۲۰

(۱۲) ابن النجار، ص ۱۶۶

(۱۳) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۴۳۳

(۱۴) ابن سعد، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۲۵۵

(۱۵) ایضاً

(۱۶) سنن ابی داؤد، ۲۵_۳۶۵۸

(۱۷) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۵۷۶۔ اس طویل حدیث کے آخر میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ: [اللہ کی قسم، جب ہم سے کوئی بھی اس سے کچھ لیتا، تو نیچے

سے اور کھانا ظاہر ہوجاتا۔ ہم سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر کھانا دسترخوان پر لگائے جانے سے پہلے سے بھی زیادہ تھا]

(۱۸) صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، ج:۳، نمبر ۱۵۰۷، نیز صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۵۷۶

(۱۹) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الامارہ، نمبر ۴۶۸۲

(۲۰) القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج:۳، ص ۳۴۰

(۲۱) سنن ابی داؤد، ۴۱-۵۰۴۲

(۲۲) البیہقی، سنن، ۹-۳۰۴

(۲۳) صحیح بخاری (اردو ترجمہ)، ج:۲، نمبر ۵۰۹

(۲۴) صحیح بخاری، ج:۶، نمبر ۴۵۹، و ج:۸، نمبر ۲۶۳ و ج:۴، نمبر ۷۸۱

(۲۵) الموطاء امام مالک، ۲۳-۵۱۰۵

(۲۶) سنن ابی داؤد، ۲۳-۳۴۰۹

(۲۷) القرآن الکریم (الکہف:۲۸)

(۲۸) امام غزالی، احیاء علوم الدین، انگریزی ترجمہ از فضل الکریم، سندھ ساگر اکیڈیمی، لاہور، ج.۱، ص ۹۰

(۲۹) اکرم ضیاء العمری، مصدر مذکور، ص ۹۱

(۳۰) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۶۸۲

(۳۱) محمد محمد حسین شراب، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۲۲۱

(۳۲) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الاشربہ، نمبر ۵۱۰۶

(۳۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی تعداد ذرا کم معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی وجہ یہ تھی کو انہوں نے ۷ ہجری میں اسلام قبول کیا تھا اور اغلب امکان یہ ہے کہ سو وقت تک بہت سے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم جو وہاں مقیم رہے تھے اپنے آپ کو معاشی طور پر مستحکم کرنے کے بعد شہر کے دیگر علاقوں میں منتقل ہو چکے تھے اور بہت سے اصحاب الصفہ نے تو اس وقت تک شادیاں بھی کر لی تھیں اور ان کا وہاں رہنا ناممکن تھا۔ مزید برآں بیر معونہ کا واقعہ بھی ۷ ہجری سے پہلے رونما ہو چکا تھا جس میں ستر اصحابہ کرام نجدیوں نے دھوکے سے شہید کر دیئے تھے۔

(۳۴) ان میں سے کچھ نام امام سخاوی (ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی۔ متوفی ۹۰۲ ہجری) کی ''رجحان الکفہ فی اخبار اہل الصفہ'' کے قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں جس کی تلخیص و تجزیہ (Al-Medina al-Munawwara in One Hundred Manuscripts) میں دی گئی ہے جسے مدینہ منورہ ریسرچ اینڈ سٹڈیز سنٹر نے ۱۴۲۰ میں نشر کیا، صفحات:۲۲۰-۳۳۲

(۳۵) حضرت حارثہ بن النعمانؓ انصار میں سے تھے اور ان کی بہت سی جائیداد تھی جو کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کی رہائشی ضروریات کے تحت ایک ایک کر کے دربار رسالت مآب ﷺ میں تحفتاً پیش کر دی تھی تا کہ حجرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن تعمیر ہو سکیں۔ انہوں نے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ رہنا پسند کیا ان کا ایک گھر مسجد نبوی شریف کے شرقی جانب ہوا کرتا تھا جہاں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق سیدتنا ام ابرہیم ماریہ قبطیہؓ مدینہ طیبہ آنے پر اور مشربہ ام ابراہیم منتقل ہونے سے پہلے رہی تھیں۔ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ان کا ایک گھر حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے گھر کے پاس بھی ہوا کرتا تھا مگر ان کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ انہیں اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ ہمہ وقت دربار رسالت مآب ﷺ میں رہنا زیادہ بھاتا تھا۔

(۳۶) ابن سعد، ج:۷، ص:۵۱، نمبر ۵۵ سے لیکر نمبر ۷۱ تک اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کے نام ہم نے حافظ ابی نعیم الاصفہانی کی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱، سے لیے ہیں۔

(۳۷) سنن ابی داؤد، ۲-۱۳۱۵؛ ابن الکثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۰۸

(۳۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Emergence of Islam، ص ۱۹۸

(۳۹) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۶۳

(۴۰) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۱

(۴۱) القرآن الکریم (الکہف: ۲۸)

(۴۲) ابن جبیر، ابی الحسین محمد بن احمد، رحلۃ، دار الکتاب اللبنانی، ص ۱۴۵

(۴۳) جمال الدین ابی الفرج الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) صفۃ الصفوۃ المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، ج ۱، ص: ۵۳۲-۵۳۳

(۴۴) عبد القدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۵، ص: ۹۴

(۴۵) الشیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، صفحات: ۲۵۲-۲۵۳

(۴۶) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج: ۱، ص: ۴۶۹

(۴۷) مصطفیٰ بن محمد بن عبد اللہ العلوی الرفاعی، اتحاف المومنین بتاریخ مسجد خاتم المرسلین، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۴، ص ۸۴

(۴۸) اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) سیاحت نامہ (عربی ترجمہ بعنوان: الرحلۃ الحجازیہ)، ص ۱۲۸

(۴۹) حافظ عبد السلام ہاشم، المدینۃ المنورہ فی التاریخ، یکے ز منشورات مدینہ ادبی کلب (نمبر ۲۵)۔ مکتبۃ الحرم النبوی، کیٹلاگ نمبر ۱۹۷۷۸، مورخہ ۱۷-۱۲-۱۴۱۵ ہجری

(۵۰) جعفر حسین بن ہاشم الحسینی (ت: ۱۳۴۰ ہجری)، الاخبار الغریبہ فی ذکر ما وقع بطیبۃ الحبیبہ، یہ کتاب ایک مخطوطے کی شکل میں ہے جو کہ دارۃ ملک عبد العزیز کی لائبریری میں ہے۔ منقول از دکتور عبد اللہ بن عبد الرحیم العسیلان، المدینۃ المنورہ فی آثار المولفین وباحثین قدیما وحدیثا، ص ۲۹

(۵۱) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، ص: ۳۶۹

(۵۲) روزنامہ 'الحیاۃ' بروز پیر ۱۸ جون ۲۰۰۱ آرٹیکل از: محمود السید الدغیم

رچرڈ برٹن (برطانوی جاسوس) نے اپنے کتاب میں اس مسجد نما عمارت کا سکیچ یہ کہہ کر شامل کیا ہے
MUSALLA AL-NABI, THE PROPHET'S PLACE OF PRAYER

سکیچ تیار کردہ: C.F Keil Lith

مسجد غمامہ، ترک دور میں

مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد

سرکار دو عالم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں مختلف جگہوں پر مساجد تعمیر کی جائیں اور یوں مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ نو دیگر مساجد بھی معرض وجود میں آ چکی تھیں جو کہ مساجد البیوت کہلاتی تھیں جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مسجد نبوی شریف کی آذان کے ساتھ ہی نماز ادا کروایا کرتے تھے

جاں نثاران رسول مقبول ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے یہ بہت ہی عزت و وقار کا لمحہ ہوتا جب کبھی حبیب کبریا، علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم ان کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے. ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی جب کہ ان میں سے کسی کو سرور دوعالم ﷺ کی میزبانی نصیب ہو جاتی. حضور رسالت مآب ﷺ کبھی بھی کسی کی دعوت یا درخواست رد نہ فرماتے اور دوران ورود مسعود اگر کسی گھر میں نماز کا وقت آجاتا تو آقائے دوجہاں سید انس وجاں ﷺ سے درخواست کی جاتی کہ وہ میزبان کے گھر میں نماز کی امامت فرمائیں مختلف سماجی مواقع (مثلاً شادی بیاہ، تیمارداری یا عزاداری یا دیگر سماجی اور ریاستی ضروریات وغیرہ) پر بھی حضور نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک ہوتے تھے. اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی اصحابی محض اس لیے حضور پرنور ﷺ کو اپنے گھر تشریف لانے کی درخواست کرتا کہ آپ ان کے گھر میں نماز ادا فرمائیں. (۱) اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ از خود تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کسی قریب کے گھر میں تشریف لے جاتے تاکہ وہاں جا کر تھوڑی دیر کے لیے ستالیں، جیسا کہ اکثر احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ آقائے دوجہاں سید انس وجاں ﷺ سیدۃ ام سلیمؓ (حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ماجدہ) کے ہاں بئر حاء تشریف لے جاتے اور وہاں قیلولہ فرماتے اور پھر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو وہیں نماز کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے. (۲) اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی کے ہاں ویسے ہی تشریف لے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے جیسا کہ بروایت حضرت صمصعہؓ کئی بار ایسا ہوا کہ حضور رسول مقبول ﷺ حضرت ابوسعید الخدریؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہیں ان کے ہاں اکثر مرتبہ نماز بھی ادا کی. (۳) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں بعض ایسے بھی مقامات ہیں جہاں کسی غزوے کے دوران سرکار دوعالم ﷺ عساکر اسلام کی قیادت کے لیے خیمہ زن ہوئے اور پھر وہاں کئی کئی دن نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ غزوہ احزاب کے دوران جبل ذباب پر مسجد الرایہ یا جبل سلع پر مسجد فتح کے مقام پر ہوا اور غزوہ بنو قریضہ کے موقع پر مسجد بنو قریضہ کے مقام پر ہوا) اور کبھی کسی سفر کے دوران کسی مقام پر رات بھر قیام فرمایا اور وہاں ایک یا دو نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس وغیرہ)! ایسے تمام مقامات پر جہاں جہاں حبیب کبریا صاحب لولاک ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی اور وہ بقعہ ہائے طاہرہ مشاہدہ گاہ انوار مصطفوی ہوئے، وہیں آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مساجد تعمیر کرلیں جہاں آج تک فرزندان توحید سربسجود ہونا اپنے لیے سعادت مندی اور باعث صد افتخار و توقیر سمجھتے ہیں. دور دراز سے آئے ہوئے مسلمان تو اظہار عشق میں ان مقامات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ کہاں کہاں سید وسرور محبوب رب ذوالجلال ﷺ کے قدمین شریفین پڑے تھے تاکہ وہیں پر جبین نیاز رکھ دی جائے.

ایسے خوش نصیب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جن کے ہاں رسول اللہ ﷺ نے دوگانہ ادا کی ہوتی وہ اس مقدس ومطہر مقام پر نشانات لگا لیتے. حضرت ابی یحییٰؒ نے حضرت سلمہؒ سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے بنی وائل کے علاقے میں ایک مسجد میں قبلہ کی طرف واقع دو ستونوں کے درمیان ایسی جگہ پر نماز ادا فرمائی جو کہ امام کی جگہ سے پانچ ذرع (اڑھائی میٹر) پیچھے تھی. ہم نے اس مقام پر ایک کیل ٹھونک لیا تھا (تاکہ جگہ کا تعین رہے)]. (۴) بعض مقامات پر ستون کھڑے کر دیئے گئے تھے جن پر خوشبو ملی جاتی تھی جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس بقاع طاہرہ پر سید الساجدین اور امام المتقین ﷺ نے نماز ادا کی تھی، جیسا کہ مسجد قباء میں تھا. اور پھر انہی ستونوں کے گرد عشاق رسالت مآب ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سجدہ ریز ہونا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ تو مسجد قباء میں اس خوشبودار ستون کے گرد نماز ادا کرنے میں بہت شہرت رکھتے تھے. (۵) کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ان مقامات کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے کہ میرا مام سرکار دوجہاں ﷺ نے کس کس جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی.

جب ولید بن عبدالملک کا دور آیا اور عبائے ولایت مدینہ طیبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ طیبہ کے شانوں پر ڈال دی گئی تو مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کے ساتھ ساتھ ولید نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان تمام مقامات کا پتہ لگائیں جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ

بار نماز ادا کی تھی اور پھر ان جگہوں پر مساجد تعمیر کر دی جائیں۔(۶) لہٰذا ایسے مقامات پر باقاعدہ مساجد بنانے کا سہرہ نہ صرف مشہور تابعی بلکہ سیدنا عمر فاروقؓ کی پوتی کے بیٹے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والی مدینہ طیبہ کے سر ہے جنہیں بعد میں امیر المومنین بننے پر ان کے دور کو خلافت راشدہ کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ ایسی مساجد میں مسجد الاجابہ، مسجد بنی قریضہ، مسجد الفضیخ، مسجد الفتح اور مسجد الفسح وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد بقید حیات تھی اور مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی اور اسی وجہ سے ان مساجد کے محل ہائے وقوع کے بارے میں کوئی تنازع نہیں رہا کیونکہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان تمام مقامات سے بخوبی آشنا تھے اور تحقیق اور تصدیق کے لیے موجود تھے۔ ابو غسانؒ کی روایت ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مساجد کے مقامات پر نمازیں ادا کی تھیں جو کہ مدینہ طیبہ یا اس کے مضافات میں واقع ہیں۔ ایسی تمام مساجد کو خوبصورت پتھروں سے بنایا گیا ہے جن پر نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔ ایسا اس وقت ہوا جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف تعمیر کی۔ انہوں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے درخواست کی کہ وہ ان تمام مقامات کی نشان دہی کریں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی اور اس وقت کثیر تعداد میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں موجود تھے پھر انہوں نے ایسی تمام مساجد کو دوسری مساجد سے ممیز وممتاز کرنے کے لیے انہیں ایسے خوبصورت نقش ونگار والے پتھروں سے تعمیر کیا جیسے کہ مسجد نبوی شریف میں استعمال ہوئے تھے۔(۷) ایسی تمام مساجد میں تقریباً ایک قدر کافی حد تک مشترک تھی: یعنی وہ رقبے میں بہت چھوٹی تھیں اور عموماً ۷×۷ ذرع (یعنی ۳،۵×۳،۵ میٹر) رقبے پر ہوتی تھیں (گو کہ یہ پیمائش ہر مسجد پر اگو نہیں تھی)۔(۸) دیگر تمام مساجد جہاں اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے نماز ادا کی تھی، ان کو بالکل سادہ مواد، بغیر نقش ونگار کے پتھروں اور عام طرز تعمیر سے بنایا گیا تھا۔

ایسی تمام مساجد جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا عرصہ مدید تک موجود رہیں اور عشاق کی اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کی پیاس بجھاتی رہیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت کی حالت خستہ ہونی شروع ہو گئی سوائے ان چند کے جن کی نگہداشت اور مرمت میں مختلف اوقات میں بعد میں آنے والے حکمرانوں نے دلچسپی رکھی۔ ابن نجار کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ سے مندرجہ ذیل اقتباس چھٹی صدی ہجری میں ایسی تمام مساجد کی زبوں حالی کی تصویر کشی کرتا ہے:

"یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ طیبہ میں اس وقت بہت سی مساجد ہیں جو کہ حالت انہدام میں ہیں اور بوسیدہ ہو چکی ہیں: ان میں سے بعض میں تو صرف ایک آدھا محراب یا ستون بچا ہوا ہے۔ ان کا ملبہ از قسم پتھر وغیرہ لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں تا کہ اپنے مکانات بنا سکیں۔ ان مساجد میں ایک مسجد قباء بھی ہے جو کہ مسجد ضرار کی جگہ کے قریب ہے، اس میں اب صرف چند ستون بچے ہیں جو کہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں۔ اس کے علاوہ دو اور مساجد ہیں جو کہ البقیع کے نزدیک ہیں جس میں سے ایک مسجد الاجابہ ہے جس میں صرف ستون اور محراب کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جبکہ باقی کا تمام حصہ کھنڈر بن چکا ہے؛ دوسری مسجد 'مسجد بغلہ' یا 'مسجد بنی ظفر' ہے جس میں صرف ایک ستون بچا ہے اور وہ بھی زبوں حالی کا مظہر ہے۔ اس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جو تاریخی آثار (آثار النبویہ) میں سے ہے کیونکہ اس کے اوپر رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں۔ بایں ہمہ یہ مستحب ہے کہ زائران تمام مساجد میں نماز ادا کرے۔"(۹)

یہ نہایت ہی قابل افسوس بات ہے کہ اگرچہ ان مساجد میں سے کچھ تو اچھی حالت میں موجود ہیں اور کچھ انتہائی خستہ حالت میں کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں مگر حجاج اور زائرین کے ان کی طرف جانے پر مدینہ طیبہ میں اس وقت صاحب اقتدار طبقہ کی طرف سے ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مقامات تک رسائی اور راہ نمائی کے فقدان کا مکمل اور تسلی بخش انتظام کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی سعی بسیار سے ایسے کسی مقام یا مقامات پر پہنچ ہی جاتا ہے تو مباحث یا مطوع فورس کے ہاتھوں بیہودہ سوال وجواب اور بے عزتی کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ مسجد قباء اور مسجد قبلتین کے علاوہ دیگر تاریخی مساجد جو کہ تعمیر نو کے مراحل بھی طے کر چکی ہیں وہ بھی اکثر وبیشتر

مسجد جمعہ (قبا کی بستی میں)
۱۳۲۶ ہجری

مقفل ملتی ہیں اور زائر وہاں نماز ادا کرنے کی حسرت دل میں سمیٹے واپس لوٹنے پر مجبور ہوتا ہے.

صدیوں سے مورخین مدینہ طیبہ نے ان مساجد کی کیفیات اور اہمیت جتاتے جتاتے تاریخ کے صفحوں پر صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور ہم تک تمام تفاصیل پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے. ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر دور حاضر تک ایسی مساجد کو دو صنفوں میں تقسیم کیا گیا ہے. ایک مساجد جہاں پر رسول اللہ ﷺ کا ایک یا زیادہ بار نمازیں ادا کرنا ثابت ہے اور ایسی مساجد جہاں یہ ثابت تو نہیں کہ وہاں حبیب رب المشرقین اور رب المغربین ﷺ نے نماز ادا کی تھی مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مساجد اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیر کروائی تھیں.

جیسا کہ مدینہ طیبہ میں تاریخی کنوؤں کے ضمن میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد سات ہے، اسی طرح اکثر اوقات ان تاریخی مساجد کی تعداد بھی سات بتائی جاتی ہے جہاں کہ رسول مقبول ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی جبکہ ان دوسری مساجد کی تعداد جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نماز ادا کیا کرتے تھے کہیں زیادہ ہے اور ان کی حیثیت بھی تاریخی اعتبار سے تاریخ مدینہ طیبہ کے ضمن میں کچھ کم نہیں. بعض روایت میں ایسی تمام مساجد کی تعداد ۱۸ بتائی گئی ہے. ان میں سے تمام تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، اور قدیم مورخین نے بھی اقرار کیا ہے کہ ان کے متعلقہ ادوار میں بھی وہ مساجد صرف نام کی حد تک تاریخ کے اوراق پر تھیں حالانکہ ان کو معدوم ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا اور تلاش بسیار کے بعد بھی ان کے محل ہائے وقوع کا اتہ پتہ ان مورخین کو نہ مل سکا تھا. البتہ چند مشہور مساجد بقید حیات رہیں اور زمانے کی بے اعتنائی کے باوجود آج بھی کھنڈرات کی شکل میں کہیں نہ کہیں نظر آجاتی ہیں. ذیل کے صفحات میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس وقت موجود ایسی مساجد کے متعلق تفاصیل جمع کر دی جائیں. تاریخی مساجد میں سب سے زیادہ اہم مسجد نبوی شریف ہے اور اس کے بعد مسجد قباء کا نام آتا ہے. ان کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے ان پر سیر حاصل بحث الگ الگ بابوں میں کی ہے. تاہم دیگر تمام تاریخی مساجد کی تفاصیل کو اس باب میں یکجا کر دیا گیا ہے.

مسجد الجمعہ:

یہ مشہور مسجد موضع قباء میں واقع ہے اور مسجد قباء سے مسجد نبوی شریف جاتے ہوئے دائیں طرف آتی ہے. ہجرت مبارکہ کے موقع پر اس علاقے میں بنی سالم کا قبیلہ آباد تھا اور ساتھ ہی کچھ گھر بنی نجار کے بھی تھے. مسجد قباء کا سنگ بنیاد رکھ کر جب رسول اللہ ﷺ عازم مدینہ طیبہ ہوئے تو آپ حضور ﷺ اور تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلوس کا گزر وادی رانونا سے ہوا جہاں بنی سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج کے لوگ آباد تھے. انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ کچھ دیر ان کے ہاں رکیں. لہذا رحمت العالمین ﷺ نے کچھ دیر وہاں قیام فرمایا اور اسی اثنا میں وہاں نماز جمعہ کا وقت آگیا. چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں پہلی باجماعت نماز جمعہ اس مقام پر ادا کی اور پھر اس کے بعد اسی جگہ پر باقاعدہ مسجد بنا دی گئی. (۱۰) آج کی مسجد جمعہ اسی جگہ پر اسی واقعہ کی یاد تازہ کرتی

ہے اہمیت کے لحاظ سے مسجد الجمعہ تیسری مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مبارکہ کے بعد باجماعت نماز کی اقتدا فرمائی تھی پہلی دو مساجد میں مسجد قباء اور مسجد بنوانیف کا نام آتا ہے.

یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ بہت سے سیرۃ نگاروں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ نماز جمعہ ادا کی گئی تھی. بلاشک ہجرت مبارکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اقتداء آزادانہ ماحول میں کروائی، لیکن حضور پرنور ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہؓ نماز جمعہ باجماعت کرواتے رہے تھے حضرت محمد ابن سیرینؒ کا بیان ہے: [مدنی حضرات رسول اللہ ﷺ کی آمد مبارکہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے فرض ہونے سے پہلے ہی جمع ہو جایا کرتے تھے. درحقیقت یہی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے اس نماز کا نام 'جمعہ' رکھا تھا. ان کا کہنا تھا کہ یہودی ہفتہ وار اپنا اجتماع ہفتہ کے دن (یوم السبت) کرتے ہیں اور نصاری اپنا اجتماع اتوار کے دن کرتے ہیں لہذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمان بھی ہفتہ میں ایک دن مختص کریں تا کہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز ادا کی جا سکے انہوں نے کہا کہ ہفتے کا دن یہود کا ہے اور اتوار کا دن نصاریٰ کا ہے کیوں نہ ہم 'العروبہ' (اس وقت جمعہ کے دن کو العروبہ کہتے تھے) کو اس کام کے لیے مختص کر لیں لہذا وہ تمام حضرات حضرت اسعد ابن زرارہؓ کے ہاں جمع ہوئے اور باجماعت دو رکعت نماز ادا کی اور اسی نسبت سے اس دن کو یوم الجمعہ (جمع ہونے کا دن) کہا جانے لگا اور حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے اس خوشی میں ایک بکری ذبح کرنے کا بھی اہتمام کیا. وہ جمعہ عالم اسلام میں سب سے پہلا جمعہ تھا. (۱۱)

مسجد الجمعہ ابتداء میں مسجد نبوی شریف کی طرز پر انتہائی سادہ تعمیر کی گئی. اس کی بنیادیں پتھر کی تھیں جب کہ دیواریں کچی اینٹوں کی بنی تھیں. ابن شبہ کے مطابق اسے 'مسجد عاتکہ' بھی کہا جاتا تھا. (۱۲) ابن نجار کے مطابق اسے مسجد الغبیب بھی کہا جاتا تھا اور یہ وادی رانونا کے وسط میں واقع تھی اور اس کی شمال میں مزدلف تھا جو کہ حضرت متبن بن مالکؓ کا اطم تھا. اسے مسجد الوادی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ وادی ذی سلب میں واقع تھی. (۱۳) مسجد کے سامنے بنو نجار کے قدیم گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں مسجد بنات النجار ہوا کرتی تھی جو کہ اب معدوم ہو چکی ہے.

اس مسجد کی تعمیر نو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ۸۸ ہجری میں ہوئی. اس کا طرز تعمیر بھی ان دیگر مساجد جیسا تھا جو کہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب تھیں. بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر نو عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دور میں دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئی. پھر اس کے بعد صدیوں تک اس کی مرمت یا تعمیر نو کا کہیں ذکر نہیں ملتا تا آنکہ عثمانیوں کی نظر التفات اس کی زبوں حالی پر پڑی اور ترکی سلطان مظفر بایزید (۹۱۸-۸۸۶ ہجری) کو اس کی تعمیر نو کا فخر حاصل ہوا. اوپر دی گئی تصویر ترکی دور کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہے اور ۱۹۶۰ کی دہائی سے متعلق ہے. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی بلند سطح پر تعمیر کی گئی تھی اور ۸×۵،۵ میٹر کے رقبے پر بنائی گئی تھی جس پر ایک چھوٹا سا مگر جاذب نظر گنبد تعمیر کیا گیا تھا. سیڑھیاں چڑھ کر اس مسجد میں جایا جا سکتا تھا. گنبد کے اندر خوبصورت نقش و نگار کے علاوہ دیدہ زیب خطاطی کی گئی تھی جو کہ

مسجد قبلتین
(دو قبلوں والی مسجد)
۱۳۲۶ ہجری

ترکی طرز تعمیر کا طرہ امتیاز تھا۔

اس مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کیا ہے۔ یہ مسجد 'مسجد قباء' سے تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے۔ اس کا موجودہ رقبہ ۶۳۰۰ مربع میٹر ہے اور اس پر پانچ گنبد بنائے گئے ہیں۔ پانچواں اور وسطی گنبد سب سے بڑا ہے جس کا قطر ۱۲ میٹر ہے جبکہ باقی کے ہر ایک گنبد کا قطر صرف ۵ میٹر ہے۔ اس کا صرف ایک ہی مینارہ ہے جو سطح ارضی سے ۲۵ میٹر بلند ہے۔ اندرونی حصہ میں خوبصورت فانوس آویزاں ہیں جس سے اس کی مشابہت قدرے ترکی طرز تعمیر سے ملتی ہے۔

نماز کے دالان کے علاوہ جہاں ۶۵۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں، مسجد کے ساتھ یوٹیلٹی ایریا بھی بنایا گیا ہے جو طلبا اور قراء حضرت کی درسگاہ کے علاوہ امام صاحب کی رہائش اور خواتین و حضرات کے لیے وضو خانہ جات پر مشتمل ہے۔ زنانہ حصہ ۸۵ مربع میٹر کا ہے اور مسجد کے عقبی حصے میں واقع ہے۔ وضو خانہ میں مرد حضرات کے لیے دس غسل خانے اور تین سطروں میں وضوء کے لیے جگہیں بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح خواتین کے لیے ۶ غسل خانہ جات اور ۲۲ عدد وضوء کی جگہیں بنائی گئی ہیں۔ امام اور موذن حضرات کے لیے دو رہائشی مکانات بھی مسجد کے کمپلیکس میں شامل ہیں زائرین حضرات کو انتباہ ہے کہ وہ اگر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو صرف اس وقت جائیں جب کہ نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کا وقت ہو، ورنہ مایوسی ہوگی۔

مسجد قبلتین:

حرۃ الوبرہ (حرۃ الغربیہ) میں یہ مسجد غربی جانب وادی العقیق کے العرصہ کے میدان کے قریب واقع ہے۔ اسے مسجد قبلتین (یعنی دو قبلوں والی مسجد) کہا جاتا ہے۔ بنی سواد بن بنی سلمہ (جسے عرف عام میں بنی سلمہ کہا جاتا ہے) اس علاقے میں رہا کرتے تھے اور اسی کے قریب ہی ان کا آبائی قبرستان بھی تھا۔ ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال (جب کہ ابھی سترہ یا اٹھارہ ماہ گزرے تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنی سلمہ میں ایک صحابیہ سیدۃ ام بشر بن البراءؓ کے گھران کے بیٹے کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک کثیر تعداد بھی ہمراہ تھی۔ اہل خانہ نے نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خاطر و مدارات کے لیے ظہرانے کا بندوبست کیا اور یوں وہاں کافی دیر ہوگئی۔ اسی دوران نماز (ظہر) کا وقت آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز کی امامت فرمائی۔ جونہی آقائے دو جہاں ﷺ نے تیسری رکعت شروع کی قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوگیا:

﴿ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا، تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو﴾۔ (۱۴)

نئی تعمیر شدہ مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) ۱۴۲۰ ہجری

اور دوران نماز تیسری رکعت میں امام القبلتین اور نبی الحرمین ﷺ نے اپنا منہ کعبۃ المشرفہ کی طرف پھیر لیا چونکہ تحول قبلہ کے احکام کے تحت یہ ۱۸۰ ڈگری (شمال سے جنوب کی طرف) کی تحویل تھی، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن میں خواتین و مرد سب شامل تھے) کو بھی نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں اپنا منہ نئے قبلہ کی طرف کرنا پڑا اور یوں خواتین و حضرات کو اپنی سطریں بھی تبدیل کرنی پڑیں تاکہ حکم الٰہی کی تعمیل ہو سکے. زمخشری کے مطابق مرد حضرات نے خواتین کی سطور کی طرف رجوع کیا اور خواتین نے مرد حضرات کی جگہ لے لی اور رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے عقب میں واقع پرنالے کی طرف منہ کر کے باقی کی دو رکعتوں کو مکمل کروایا اور اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا کیونکہ اس مسجد میں ایک ہی نماز کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کیا تھا یعنی پہلے بیت المقدس کی طرف اور پھر بیت اللہ شریف کی طرف. (۱۵) مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے [اس وقت ظہر کی نماز کا وقت تھا جس دوران تحویل قبلہ سرانجام پائی] (۱۶) لیکن پہلی پوری نماز جو تحویل قبلہ کے احکام کے تحت ادا ہوئی وہ نماز عصر تھی اور مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی جس میں فرزندان توحید کا رخ کعبۃ المشرفہ کی طرف تھا ایسا بروز پیر ماہ رجب کے وسط میں ۲ ہجری (جنوری ۶۲۴ء) کو ہوا. (۱۷) واقدی کا بیان بھی یہی ہے کہ تحویل قبلہ ماہ رجب کے وسط میں ہجرت مبارکہ کے تقریباً سترہ ماہ بعد ہوئی تھی. (۱۸)

تاہم بعض روایات میں اس معاملے میں قدرے تفاوت پایا جاتا ہے. کچھ کا خیال ہے کہ یہ نماز ظہر کی تھی جب کہ اکثریت کا خیال ہے کہ ایسا نماز عصر کے وقت ہوا تھا. بعض روایات کے مطابق ایسا مسجد بنی سلمہ میں ہوا تھا جب کہ کچھ سماء کا خیال ہے کہ تحویل قبلہ مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس معاملے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے. ان کی رائے میں تحویل قبلہ کے حکم کی تعمیل تو مسجد بنی سلمہ میں ہی ہو گئی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ دو رکعتیں کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ زیبا کر کے ادا کروائی تھیں، لیکن پوری نماز جو کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی وہ نماز عصر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی تھی. (۱۹)

جونہی تحویل قبلہ کی خبر شہر میں پھیلی وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حالت نماز میں تھے انہوں نے اسی وقت اپنے رخ نئے قبلہ کی طرف موڑ لیے. حافظ بن ابی بکر بن مردویہؒ نے سیدۃ نویلہ بنت مسلمؓ سے روایت کی ہے کہ: [ہم نماز ظہر (یا عصر) بنی حارثہ میں مسجد بلیا (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے پڑھ رہے تھے. ہم نے ابھی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ مبارک بیت الحرم کی طرف موڑ لیا ہے. لہذا مستورات نے مردوں کی جگہ لے لی اور مرد حضرات مستورات کی سطروں پر کھڑے ہو گئے. پھر ہم نے باقی کی دو رکعتیں بیت الحرم کی طرف منہ کر کے ادا کیں.] (۲۰) حضرت سعید ابن المسیبؒ کے بیان کے مطابق ایسا غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے ہوا، یعنی ماہ رجب میں.

اس کے بعد بنی سلمہ کے اصحاب نے اس خاتون سے درخواست کی کہ وہ اپنا مکان مسجد بنائے جانے کے لیے وقف کر دیں. انہوں نے یہ درخواست بخوشی قبول کر لی. اس طرح اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی. (۲۱) تاہم علمائے کرام کی اکثریت کی رائے ہے کہ اس مقام پر پہلے ہی ایک مسجد تھی جو کہ بنی سلمہ کی مسجد تھی ایسے علماء کرام بھی یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت مذکورہ خاتون کے ہاں تشریف لے گئے تھے

مسجد الاجابہ مسجد بنی معاویہ
تعمیر نو سے پہلے

جن کا گھر اس مسجد سے متصل یا قریب تھا اور جونہی نماز کا وقت ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا کی (نہ کہ اس خاتون کے گھر میں) تاہم سب علماء کرام کا متفق رائے اس بات پر ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم اسی جگہ اور اسی نماز کے دوران ہوا جب کہ ابھی پہلی دو رکعتیں ادا ہوئی تھیں جن کو مسجد ایبیہ (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے پڑھا گیا تھا اور باقی ماندہ دو رکعتیں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کی گئیں۔ یہ بعد تا ابد کعبۃ المشرفہ ہی مومنین کا قبلہ رہے گا۔ پہلی کامل نماز جو بیت الحرم کی طرف رخ کر کے رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائی وہ مسجد بنی سلمہ سے واپسی پر نماز عصر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہی ادا ہوئی اور اس تحویل کے مطابق مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب کا از سر نو تعین کیا گیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی نماز ادا کی تھی جس کی پہلی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف ادا ہوئی تھیں اور باقی کی دونوں رکعتیں بیت الحرم کے قبلہ کی طرف رخ زیبا کر کے ادا فرمائی گئی تھیں جس سے یہود اور مسلمانوں میں تفریق واضح ہو گئی تھی اور چونکہ تحویل قبلہ کے احکام بھی اسی مقام پر نازل ہوئے تھے، اس لیے اس مسجد کو دو قبلوں والی مسجد یعنی "مسجد قبلتین" کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور آج تک اسی نام سے پہچانی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں وادی بطحان کے اس پار حرہ غربیہ میں اس مسجد کے قریب ایک اور وادی ہوا کرتی تھی جس کو "القاع" کہا جاتا تھا جو بارشوں کے موسم میں شدید طغیانی میں آجایا کرتی تھی۔ المرجانی کے بیان کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر پر روانہ ہوئے تو اس وقت وہ وادی طغیانی سے لبریز تھی اور پانی کی گہرائی خطرناک حد تک پہنچ گئی تھی جس سے عسا کر اسلام کو اس کو عبور کرنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزے کی بدولت نہ صرف عسا کر اسلام پانی کی سطح کے اوپر سے چل کر گزر گئے بلکہ باربرداری کے تمام جانوروں قسم اونٹ، دو خچر بھی اس کے اوپر سے ایسے گزر گئے جیسے کہ وہ سطح زمین ہو۔ اس کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی یک روایت ہے: [ہمیں 'القاع' پر طغیانی سے واسطہ پڑ گیا۔ جب ہم نے پانی کی پیمائش کی تو یہ ۱۴ قامت کے برابر گہرا تھا۔ اس پر نبی رحمت شعار اور معجز نگار ﷺ سجدے میں چلے گئے اور خاص دعا فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا [اللہ کا نام لے کر پانی کی سطح پر چل پڑو۔] ہم سب نے پانی کی سطح کے اوپر چل کر اس کو عبور کیا۔ اس سے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی تصدیق ہو گئی جب کہ انہوں نے سمندر کو عبور کیا تھا] (۲۲) وہ معجزہ بھی اسی مسجد کے آس پاس ہوا تھا۔

وہ مسجد جو کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ایام میں موجود تھی وہ پتھروں اور گارے مٹی کو کھجور کے پتوں سے ملا کر بنائی گئی تھی۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور مبارک آیا تو اسے منقوش پتھروں سے سنوارا گیا۔ ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں مسجد انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھی۔ لوگ اس کے پتھر تک اٹھا کر لے گئے تھے اور صرف چند کھنڈرات بچے ہوئے تھے۔ (۲۳) تقریباً ایک صدی بعد المطری نے بھی اس کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ مسجد کے اردگرد کھجوروں کے جھنڈ اور زرعی فارموں کی کثرت تھی اور تمام علاقہ 'القاع' کہلاتا تھا۔ (۲۴)

عبدالقدوس الانصاری کے الفاظ میں: "ہمیں اس مسجد کی تعمیر اور مختلف ادوار میں مرمت کی تاریخ کے بارے میں زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچ سکیں، سوائے اس کے کہ شیخ الذام شاہین الجمدی نے ۸۹۳ ہجری میں اس کی مرمت کروائی اور انہوں نے اس کی بوسیدہ چھت کو نئے سرے سے

نئی تعمیر شدہ مسجد الاجابہ
۲۰۰۱ء

ڈیوڑھی اس کے بعد عثمانی ترک سلطان سلیمان نے ۹۵۰ ہجری میں اس کی مرمت کروائی جیسا کہ اس سنگ لوح سے ثابت ہوتا تھا جو کہ اس کے صدر دروازے پر ۱۹۰۲ء تک موجود ہوا کرتی تھی ابراہیم رفعت پاشا کی سفری یادداشتیں اور وہ تصاویر (جو کہ انہوں نے ۱۹۰۲ء میں لی تھیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد نہایت ہی بے اعتنائی اور شکست وریخت کا شکار رہی تھی (۲۶) شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو کی گئی تھی.

جب مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کی چند دیگر تاریخی مساجد کی تعمیر نو اور توسیع کے احکام بھی جاری کئے تھے اس منصوبے کے تحت مسجد قبلتین کی قسمت نے بھی یاوری کی اور اس کی توسیع اور تعمیر نو عمل میں آئی. مسجد النبوی شریف کی طرح یہ کام بھی بن لادن گروپ کے سپرد ہوا اور اس کے مشاورتی انجینئر عبدالوحید الوکیل قرار پائے پرانی عمارت کو مکمل طور پر مسمار کر کے اس سے ملحقہ علاقے بھی حاصل کر لیے گئے اور پھر اس تمام علاقے کی سطح تقریباً تین میٹر تک بلند کر دی گئی جس پر عصر جدید کی تمام تر سہولیات سے لیس موجودہ مسجد قبلتین کی تعمیر عمل میں لائی گئی.

قدیم مسجد کا رقبہ تو صرف ۴۲۵ مربع میٹر ہوا کرتا تھا جب کہ جدید تعمیر کے بعد مسجد اور اس سے ملحقہ یوٹیلٹی علاقوں کو ملا کر کل رقبہ ۳،۹۲۰ مربع میٹر سے بھی زیادہ ہو گیا ہے. یعنی پہلے کی نسبت نو گنا اضافہ کر دیا گیا اس کا طول ۹۵ میٹر ہے جب کہ یہ مشرقی جانب سے ۸۳ میٹر عریض ہے اور مغربی جانب سے اس کا عرض ۸۲ میٹر ہے اور اسی جانب اس سے ملحقہ مدینہ طیبہ کا ایک قدیم قبرستان بھی ہے جس کے گرد چار دیواری کر دی گئی ہے تمام رقبے سے ۱۹۰، امربع میٹر پر نماز کا ہال تعمیر کیا گیا ہے جس میں بیک وقت ۲،۰۰۰ مرد نماز ادا کر سکتے ہیں خواتین کے لیے ۴۰۰ مربع میٹر پر گیلری تعمیر کی گئی ہے (۲۷) تحفیظ اور تدریس القرآن کے لیے طلباء کے لیے بہت بڑا رقبہ رکھا گیا ہے. پرانے قبلہ (بیت المقدس) کی سمت ظاہر کرنے کے لیے صدر دروازے کے اندرونی طرف چھت کے قریب ایک مصلا کا نقشہ بنا دیا گیا ہے جو درحقیقت اس مقام کی یاد میں بنایا گیا ہے کہ وہاں تحویل قبلہ کی آیات کریمہ کا نزول ہوا تھا اس سے پہلے اسی دیوار پر تحویل قبلہ کی آیت لکھی گئی تھیں مگر ان کو مٹا کر دیوار کو صاف کر دیا گیا ہے. اس کے علاوہ وضوء کے لیے کافی کھلا علاقہ رکھا گیا ہے جس میں غسل خانوں اور پانی کا وافر انتظام کیا گیا ہے. مسجد کے اردگرد کے علاقے میں خوبصورت شجر کاری کی گئی ہے اور فوارے نصب کیے گئے ہیں جس سے یہ تمام علاقہ مدینہ طیبہ کے حسین ترین علاقوں میں شمار ہونے لگ گیا ہے. اردگرد کی سڑکوں پر دور تک خوبصورت درخت لگائے گئے ہیں جن کے پیچھے سے اگر مسجد کا نظارہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مسحور کن منظر پیش کرتی ہے. مسجد کے دو بلند مینارے ہیں. اندر کی جانب گنبدوں پر خوبصورت نقاشی اور خطاطی کی گئی ہے جس کے لیے مراکش کے مشہور خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں.

مسجد الاجابہ:

شارع ملک فیصل (پرانا نام شارع ستین یا پہلا طریق دائری) پر بقیع الغرقد کی شمال مشرقی جانب (شارع ستین اور شارع ملک عبدالعزیز کے چوک کی بائیں طرف) مسجد الاجابہ واقع ہے جو کہ مدینہ طیبہ کی قدیم ترین نو مساجد میں سے ایک ہے. چند سال پہلے اس کے قریب 'سن سٹروک ہسپتال' ہوا کرتا تھا رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں یہاں انصار کا قبیلہ بنو معاویہ (بن مالک بن عوف الاوسی) آباد تھا اور اسی نسبت سے یہ 'مسجد بنو معاویہ' کے نام سے جانی جاتی تھی.

مسجد الغمامہ

حضرت عامر بن سعدؓ نے اپنے والد ماجد کی روایت سے بیان کیا ہے: [کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ العوالی سے تشریف لائے۔ آپ کا گزر مسجد بنی معاویہ کی طرف سے ہوا جہاں آپ حضور ﷺ نے تھوڑی دیر قیام فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی رسول اللہ ﷺ نے بہت لمبا سجدہ کیا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا [میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں جن میں سے رب ذوالجلال نے دو قبول فرما لی ہیں مگر تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔ میں نے اللہ رب العزت جل شانہ سے دعا کی کہ میری امت قحط کی وجہ سے تباہ نہ ہو اور اس نے میری وہ دعا قبول فرمائی میری دوسری دعا تھی کی میری امت طوفان نوح کی طرح طغیانی سے غرق نہ ہو اور یہ دعا بھی اللہ رب العزت نے قبول کر لی ہے۔ میں نے تیسری دعا مانگی تھی کہ میری امت آپس میں قتل و غارت میں مبتلا نہ ہو مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی] (۲۸) چونکہ اس مسجد میں سید المرسلین رحمت العالمین ﷺ کی دو دعائیں قبول ہوئی تھیں اس لیے شروع سے ہی اسے مسجد الاجابہ (دعاؤں کی قبولیت والی مسجد) کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے۔

حضرت عاتک بن الحارثؓ سے مروی ہے: [حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس بنی معاویہ کے گاؤں میں تشریف لائے جو انصار کا ایک گاؤں ہے۔ انہوں نے استفسار کیا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس مقام پر کھڑے ہو کر آپ کی اس مسجد میں نماز ادا کی تھی؟'' میں نے کہا ''ہاں۔'' اور پھر میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں سرور دو عالم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی۔ اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کا کتنا اہتمام کرتے تھے کہ کونسے مواقع پر کس مقام پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ ریزی کی تھی۔

جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) کے بیان کے مطابق اس مسجد کی وہ عمارت جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروائی تھی ان (مطری) کے ایام میں بہت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ یہ بنو معاویہ قبیلے کے گاؤں کے کھنڈرات اور خربہ کے وسط میں واقع تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک ٹیلے پر ہوا کرتا تھا۔ (۳۰) امام سمہودی نے لکھا ہے کہ (دسویں صدی کے اوائل میں) یقیناً مطری کے بعد اس مسجد کی مرمت ضرور ہوئی نظر آتی ہے لیکن آج کل یہ خستہ حالت میں بقیع الغرقد کے شمال میں العریض کی طرف ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات میں واقع ہے شرقاً غرباً اس کا طول ۲۵ ذرع (۱۲.۵ میٹر) ہے جب کہ قبلہ کی جانب اس کی چوڑائی تقریباً ۲۰ ذرع (۱۰ میٹر) ہے۔ (۳۱)

دسویں صدی ہجری میں العباسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک کافی بڑی مسجد تھی جو کہ ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات کے درمیان واقع تھی۔ اس کی چاردیواری موجود ہے جو شرقاً غرباً ۲۵ ذرع طویل ہے اور شمالاً جنوباً تقریباً ۲۰ ذرع عریض ہے اور اس کی قبلہ کی محراب کافی بڑی ہے۔ (۳۲) ۱۸۵۲ء میں انگریز جاسوس رچرڈ برٹن (Richard Burton) نے لکھا کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ یہی بات فلبی (Philby) نے ۱۹۳۱ء میں لکھی ہے۔ اس بات کا ذکر خارج از محل نہیں کہ جب وہابیوں نے ۱۹۲۴ء میں مدینہ طیبہ پر یلغار کی اور انہوں نے بہت

نئی تعمیر شدہ مسجد الغمامہ

۲۰۰۰ء

سے مقابر اور مزارات کو مسمار کیا تو یہ مسجد بھی ان کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکی خلافت کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جس میں مولا محمد علی جوہر بھی شامل تھے اس مسجد پر واقع گنبد بھی ان کے ہاتھوں توڑ پھوڑ کا شکار ہوا تھا (۳۳) تاہم بعد میں شہزادہ محمد بن عبدالعزیز (جو کہ مدینہ طیبہ کے پہلے سعودی گورنر تھے) کی مداخلت پر اسے مرمت کروا دیا گیا اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں بھی اس کی تعمیر نو ہوئی محکمہ اوقاف کی ایک رپورٹ کے مطابق جسے سعید الدربی نے مرتب کیا تھا اس کا کل رقبہ اس وقت ۵۵۶،۸ مربع میٹر تھا (۳۴) اس کے بعد دوبارہ اس کی تعمیر نو خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی جب کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع ہو رہی تھی۔

مسجد الغمامہ:

ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مدینہ طیبہ میں نماز عید الفطر ادا فرمائی پہلی دو عیدیں تو سرور کائنات ﷺ نے دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں کے صحنوں میں ادا کیں جو کہ مرکز مدینہ طیبہ یعنی مسجد نبوی شریف کے مضافات میں واقع تھے۔ حضرت زید بن البکار ؓ کی روایت کے مطابق پہلی عید آں حضرت ﷺ نے حارۃ الدوس میں ابن ابی جنوب ؓ کے گھر کے قریب ادا کی مگر دوسری عید الی کم بن العدیٰ ؓ کے گھر کے صحن میں اور تیسری عید حضرت عبداللہ بن درۃ المزنی ؓ کے ہاں ادا کی جو کہ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت کثیر بن الصلت ؓ کے گھروں کے درمیان واقع تھا اور چوتھی عید حضرت عبداللہ بن کثیر بن الصلت ؓ کے ہاں ادا فرمائی مگر پانچویں عید آں حضرت ﷺ نے اس جگہ ادا فرمائی جہاں آج کل مسجد مصلیٰ موجود ہے۔ (۳۵)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ نماز عید کا اجتماع کسی کھلے اور بڑے گراؤنڈ میں ہو۔ احادیث مبارکہ میں اگرچہ ان تمام گھروں کا تواتر سے ذکر ہے جہاں جہاں سرور دو عالم ﷺ نے پہلی چار یا پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں، مگر چونکہ وہ تمام گھر کئی ہاتھوں میں بکتے رہے لہذا مورخین کے لیے یہ خاصا دشوار کام تھا کہ ان گھروں کے محل ہائے وقوع کا تعین کر سکتے، سوائے اس مقام کے جہاں سب سے پہلی بار کھلی گراؤنڈ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عید اور نماز استسقاء ادا فرمائی اور پھر طول حیات وہیں عیدین کی نمازوں کی اقتداء فرماتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مصلیٰ کا رخ فرماتے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر سر بسجود ہو جاتے۔ بہت سی احادیث مبارکہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ مسجد مصلیٰ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی جانب اس سڑک پر واقع تھی جو کی بنی زریق کی طرف جاتی تھی۔ حضرت سعید بن المسیب ؓ نے حضرت ابی عطا ؓ سے پوچھا۔ [اے ابا محمد کیا آپ کو دار کثیر بن الصلت ؓ کا محل وقوع معلوم ہے؟ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت سعید بن المسیب ؓ نے فرمایا۔ [رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارک سے نکل کر اس جگہ (دار الصلت) تشریف لائے۔ آپ حضور وہاں کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کے پیچھے قطاریں بنالیں اور پھر آپ حضور ﷺ

نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جس کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔] (۳۶) اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ کا محل وقوع نہ صرف صحابہ کرام بلکہ تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اچھی طرح معلوم تھا (حضرت سعید بن المسیب) مشہور تابعی تھے اور حضرت مسیبؓ کے فرزند تھے جنہیں بیعت رضوان میں شرکت کرنے کا شرف حاصل تھا)۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں یہ ایک کھلا سا میدان ہوا کرتا تھا جو حضرت عبدالرحمن الصتؓ کے گھر کے پاس تھا۔ عیدین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بھی اسی سنت پر عمل کیا گیا۔ تاہم اموی دور میں ایک طرح کا منبر عارضی طور پر نصب کیا جانے لگا تھا تاکہ امام عیدین کی نمازوں کا خطبہ دے سکے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (۳۷)

حضرت عبدالرحمن بن عبسؓ سے مروی ہے [حضرت ابن عباسؓ سے استفسار کیا گیا کہ کیا انہوں نے کبھی عیدین کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، اگر میں بالغ نہ ہوتا تو میں ایسا نہ کر پاتا۔ رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لیے اپنے کاشانہ رحمت سے تشریف لائے اور اس مقام تک آئے جو کہ کثیر بن الصتؓ کے گھر کے پاس تھا۔ پھر آپ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی، خطبہ دیا اور اس کے بعد خواتین کی سطور کی طرف تشریف لے گئے۔..(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ [رسول اللہ ﷺ مصلی کی طرف تشریف لے جاتے اور ایک عنزہ (برچھی) لے کر کوئی آپ حضور ﷺ کے آگے آگے چلتا جسے بوقت نماز آپ کے آگے گاڑ دیا جاتا اور پھر آپ حضور ﷺ اس کے سامنے نماز کی امامت فرماتے] (۳۹) بتدائی دنوں میں اسے مسجد مصلیٰ کہا جانے لگا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم اکٹھے ہوتے ہیں، جہاں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور بارش کے لیے دعا مانگتے ہیں اور جہاں ہم عیدین کے موقع پر رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، لہٰذا اس جگہ پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے اور نہ ہی کوئی خیمہ گاڑا جائے (یعنی اس جگہ کو اسی کام کے لیے مختص رہنے دیا جائے اور یہاں کوئی گھر نہ بنایا جائے)۔ (۴۰)

جب رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ الاستسقاء اسی جگہ ادا کی تو ایک بادل آں حضرت ﷺ پر سایہ فگن رہا اور پھر جونہی دعا ختم ہوئی تو بارش ہونے لگ گئی۔ اسی لیے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے مسجد الغمامہ (یعنی بادل والی مسجد) کہنا شروع کر دیا۔ حضرت عباد بن تمیمؓ نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ مسجد مصلیٰ نماز استسقاء کے لیے تشریف لے گئے؛ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے قبلہ کی جانب رخ زیبا کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر اپنے جبہ مبارک کو الٹا کر کے پہن لیا۔] (۴۱) ابن شبہ نے ابو غسان الکنانی کی روایت نقل کی ہے جس کے مطابق مصلاۃ النبی ﷺ (مسجد مصلاہ) کے کونے سے دار مروان بن الحکم تک ایک ہزار ذرع کا فاصلہ تھا (تقریباً ۵۰۰ میٹر)۔ دار مروان مسجد نبوی

مسجد صدیق اکبرؓ کے دروازے پر لکھا ہوا کتبہ

مسجد ابوبکر صدیقؓ اور عین الزرقا کی ایک نایاب تصویر (۱۹۰۸ء)

مسجد سیدنا ابوبکر صدیق
مدینہ منورہ سے قبل

شریف کے موجودہ باب سلام سے متصل ہو کرتا تھا (۴۲)

الغمامہ کو سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا جب کہ وہ مدینہ طیبہ میں ان مساجد کی تعمیر کروا رہے تھے جہاں رسول مقبول ﷺ نے ایک یا زیادہ بار نماز ادا کی تھی۔ محمد یاسین خیاری نے بہت ہی دلچسپ سوال اٹھایا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہر اس جگہ پر مسجد تعمیر کروا رہے تھے جہاں جہاں رسول مقبول ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی تھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس مقام پر مسجد تعمیر نہ کی ہو جہاں پر رسول رحمت ﷺ نے نہ صرف کئی بار عیدین کی نمازیں کروائی تھیں بلکہ نماز استسقاء کے لیے اسی جگہ کا انتخاب فرمایا تھا۔ خاص طور پر جب کہ اتباع سنت رسول مقبول ﷺ میں خلفائے راشدین کے علاوہ عم رسول مقبول ﷺ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے بھی عیدین اور نماز استسقاء کی جگہ پر ادا کی ہو وہی عمارت یا کم از کم اس کے کچھ کھنڈرات اس وقت تک ضرور موجود تھے جب سلطان محمد بن قلاوون نے ۷۴۸ ہجری اور ۷۵۲ ہجری کے دوران اس کی تعمیر نو کی تھی۔ پھر اس کے بعد امیر برد باک معمار نے ۸۶۱ ہجری میں اسے مرمت کیا (۴۳) جب عثمانیوں نے پہلی بار مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو جہاں ان لوگوں نے قبور پر سے گنبد گرائے وہاں اس مسجد کی بھی شامت آئی اور اسے مسمار کر دیا گیا تاہم جب ترکوں نے چھ سال بعد مدینہ طیبہ پر دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا تو انہوں نے اسے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا (۴۴)

مسجد الغمامہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغرب میں تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۶ x ۱۲ میٹر ہے۔ اسے آخری مرتبہ ترکوں نے تعمیر کروایا تھا اور اس کے بعد اس کی مرمت وغیرہ ہوتی رہی ہے۔ یوں اس کی عمارت ترکوں کے فن تعمیر کی یادگار ہے جسے حرہ کے سیاہ پتھروں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ چھت پر خوبصورت گنبد بنے ہوئے ہیں جو کہ ترکی طرز تعمیر کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ جب تک مسجد نبوی شریف کی توسیع نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک یہ ایک بہت ہی گنجان آباد علاقے میں واقع تھی۔ مگر جب سے توسیعی منصوبے پر عمل ہوا ہے اردگرد کا تمام علاقہ صاف کر دیا گیا ہے اور یہ تاریخی مسجد دور سے ہی زائرین کی نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے گو کہ بہت کم خوش قسمت زائر ہوں گے جنہیں اس میں دو رکعت نماز ادا کرنا نصیب ہوتا ہے کیونکہ عموماً یہ مسجد مقفل ہی رہتی ہے۔

اسی منطقہ میں تین دیگر مساجد:

اسی علاقے میں تین اور بھی مساجد ہیں جو تاریخی نوعیت کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ (۲) مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ

(۳) مسجد سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

قدیم مورخین نے ان تینوں میں سے دو مساجد کا تو ذکر کیا ہے (یعنی مسجد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ) مگر

مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(نئی تعمیر کے بعد)

تیسری مسجد (مسجد حضرت عمر ابن الخطابؓ) کا پرانی تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی کسی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ پہلی دونوں مساجد ان شخصیتوں کے ساتھ کیسے اور کب منسوب ہوئیں. عام خیال یہ ہے کہ اپنے اپنے دور خلافت میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان مقامات پر یا تو رہائش پذیر رہے ہوں گے یا پھر ان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ وہاں ضرور ہوا ہوگا لیکن یہ خیال کرنا کہ ان دونوں شیخین کریمین رضوان اللہ علیہم نے وہاں عید کی نمازیں ادا کروائی ہوں گی بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ فدایان رسول مقبول ﷺ تو سنت نبوی شریف سے سرمو انحراف کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاس ہی مسجد الغمامہ ہو اور وہ عید کی نماز دس یا بیس گز دور جا کر ادا کروائیں. تاہم بعض روایات سے یہ بات ضرور ثابت ہے کہ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ نے دوران محاصرہ سیدنا عثمانؓ اس جگہ سکونت اختیار کی تھی اور وہیں پر نماز بھی ادا کرواتے رہے تھے. سمہودی کا خیال ہے کہ مسجد الغمامہ سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ نے اس جگہ پر نماز عید ادا فرمائی تھی. اسی نسبت سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وہاں نماز عید الضحیٰ بھی ادا کروائی کیونکہ عثمان خلافت سنبھالنے کے بعد ایک نماز عید بھی انہوں نے مدینہ طیبہ میں ادا نہیں کی تھی کیونکہ امیر المومنین بنائے جانے کے بعد وہ فوراً ہی کوفہ روانہ ہو گئے تھے اور پھر کبھی واپس نہ لوٹ سکے تھے. مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے متعلق تو قدیم و جدید مورخین سب نے سکوت اختیار کیا ہے، سوائے اس کے کہ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ یہ عثمانی دور میں تعمیر ہوئی جیسا کہ اس کی عمارت سے مترشح ہوتا ہے.

مسجد سیدنا علی بن ابی طالبؓ
(تعمیر جدید سے پہلے)
۱۹۷۰ء

مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ سے ذرا ہٹ کر جنوب کی طرف مسجد سیدنا عثمان بن عفانؓ (مسجد ذوالنورینؓ) ہے. مدینہ طیبہ کی تاریخ میں کسی بھی مورخ نے ایسی کسی مسجد کا ذکر نہیں کیا جو کہ خلیفہ راشد ثالث سے منسوب ہو. البتہ قلعہ شامی جو کہ فصیل مدینہ طیبہ کے شمال مغربی کونے پر واقع تھا اس کے اندر ترک دور میں ایک مسجد بنائی گئی تھی جو کہ مسجد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کہلاتی تھی. جب قلعہ مسمار کر دیا گیا تو یہ مسجد بھی ملک عدم سدھار گئی. ایسا لگتا ہے کہ چونکہ تین مساجد دیگر تین خلفائے راشدین کے نام سے منسوب تھیں، پوری خلافت راشدہ کو نمائندگی دینے کے لیے تیسرے خلیفہ راشد یعنی حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام کی بھی ایک مسجد بنا دی گئی تا کہ چاروں یاران نبی کے احترام میں تفاوت نہ رہے. یہ چوتھی مسجد سعودی حکومت نے تعمیر کروائی ہے اور مسجد النبوی شریف سے قباء جانے والی سڑک پر پل سے ذرا پہلے بائیں ہاتھ واقع ہے. اسی طرح ایک مسجد مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے نام سے منسوب تھی جو کہ المناخہ کے علاقے میں گنجان آبادی میں ہوا کرتی تھی. آخری توسیع کے وقت وہ مسجد بھی شہید کر کے اس کا علاقہ بھی مسجد نبوی شریف کے کام لایا گیا تھا.

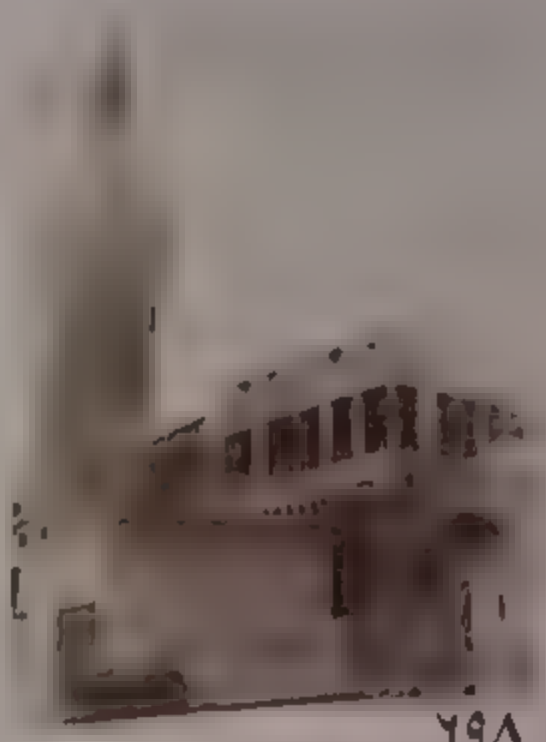

مسجد ابوبکر صدیقؓ (۲۰۰۰ء)

مسجد سیدنا عمر بن خطابؓ (۲۰۰۰ء)

مسجد ابوبکر صدیقؓ

مسجد ذو
جس کے صفدرت تھی
اب معدوم ہو چکے ہیں

اگر ہم قربان روڈ سے (جو کہ بقیع الغرقد اور مسجد نبوی شریف کے درمیان سے جنوب کو جاتی ہے) جنوب کی طرف جائیں تو بائیں ہاتھ یک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے جس کا سبز رنگ کا گنبد دور سے ہی زائر کی نظروں کو جذب کر لیتا ہے. مسجد ذوالنورین ؓ کی طرح یہ مسجد بھی حصرف سیدنا بلال ابن رباح ؓ کے نام سے منسوب ہے حالانکہ اس سے پہلے وہاں کوئی تاریخی مسجد اس نام کی نہیں تھی. (۴۵) بعض مورخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت بلال بن رباح ؓ کی رہائش گاہ اسی جگہ تھی مگر اس کی تصدیق نہیں ہو سکی. سیدنا بلال ابن رباح ؓ کا مکان تاریخی طور پر المناخہ کے اس پار حرہ غربیہ کی جانب تھا اور اسی کی اندر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی، مگر ابتدائے عہد سعودی میں وہاں سرکاری عمارت قیم کر دی گئی تھی اور وہاں وزارۃ برق واہاتف متمکن تھی اور پھر جب عمرانی توسیع عمل میں آئی تو اس کے آثار بھی معدوم ہو گئے.

مسجد النور:

حضرت انس ابن مالک ؓ سے مروی ہے [دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم رات کے وقت رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوئے اور معجزانہ طور پر دو روشنیاں ان کے آگے آگے چل رہی تھیں جس سے ان کا راستہ روشن ہو گیا تھا اور پھر جب ایک مقام پر دونوں کے راستے الگ الگ ہوئے تو وہ روشنیاں بھی ان کی طرح ان کے دونوں راستوں پر چل پڑیں یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے] (۴۶) امام احمد نے مسند میں یہی حدیث حضرت قتادہ الظفری ؓ کے واسطے سے بیان کی ہے. (۴۷) وہ دونوں اصحابہ کرام حضرت اسید بن حضیر ؓ اور حضرت عباد بن بشر ؓ تھے (۴۸) جن کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے تھا.

ابن زبالہ نے حضرت افلح بن سعید ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز مسجد التوبہ میں ادا کی جو کہ قباء کے علاقے العصبہ میں تھی جو کہ بنو جحیم کے پاس تھا. تاہم سمہودی ؒ نے زور دے کر کہا ہے کہ مسجد التوبہ کو مسجد النور سے گڈمڈ نہ کیا جائے. ان کے بیان کے مطابق مسجد التوبہ بنی جحجبہ کے گھروں کے پاس تھی جو کہ بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے. مسجد النور جو اوپر بیان کیے گئے معجزے کی یاد میں اس جگہ پر تعمیر کی گئی تھی جہاں سے دونوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے الگ الگ ہوئے تھے وہ تو قبیلہ بنی عبدالاشہل کے علاقے میں تھی کیونکہ ان دونوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دوست خانے اسی قبیلے میں تھے. بنی عبدالاشہل حضرت سعد ابن معاذ ؓ کا قبیلہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کے شمال مشرقی حصے میں بقیع غرقد کے اس پار آباد تھا نہ کہ قباء میں. لہذا امام سمہودی ؒ کی

مسجد النور کی ایک اور نایاب تصویر

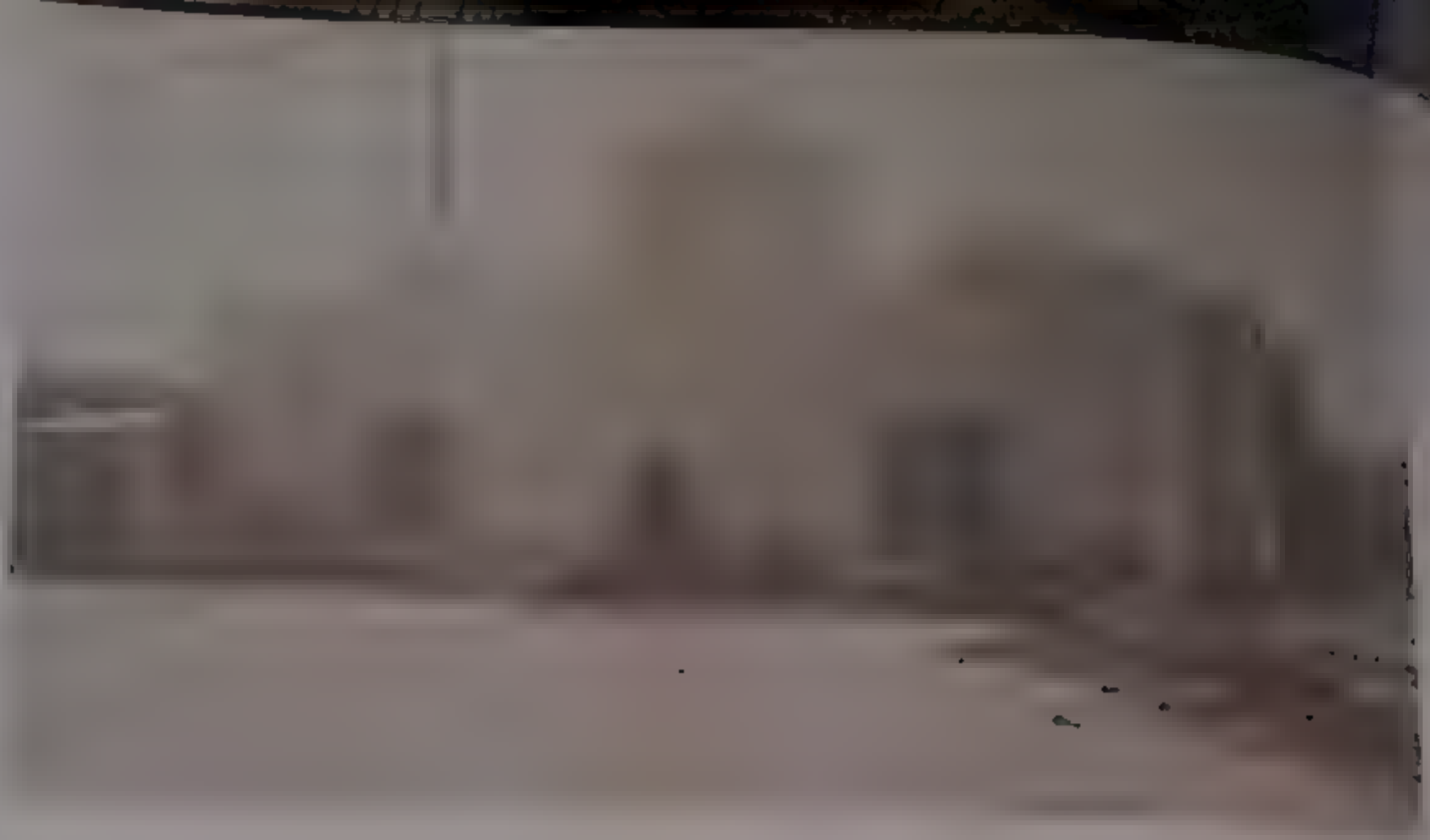

مسجد السقیا
جو العمر ریلوے اسٹیشن کی
حدود میں واقع ہے

رائے میں وہ مسجد بنی عبدالاشہل کے علاقے میں تھی جس کا اتہ پتہ لوگ بھول چکے تھے.(۴۹)

عرصہ مدید سے لوگ اس مسجد کا محل وقوع فراموش کر چکے تھے حتی کہ سمہودیؒ سے پہلے کے مورخ جمال المطری بھی اس سے نا آشنا تھے لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد لوگوں نے مسجد التوبہ کو جو کہ قباء میں تھی اور ساتھ ہی ساتھ مسجد سیدۃ فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام جو کہ حرہ غربیہ میں تھی کو مسجد انور کے ساتھ گڈمڈ کر دیا تھا اور لوگ ان دونوں مساجد کو مساجد انور کہنے لگ گئے تھے.(۵۰) پہلی بار اس مسجد کی تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوئی تھی لیکن اس کے بعد اس کی مرمت اور تعمیر نو وغیرہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں. حکمرانوں کی بے اعتنائی نے صدیوں میں اس کو شکست وریخت کے زوال پذیر مرحلے سے گزرنے پر مجبور کر دیا اور یہ صرف کھنڈرات کی شکل میں ہی اپنی بے بضاعتی کا ظہار کرتی رہی اور پھر تجدیدیت کی تیز وتند آندھیوں نے اس کے کھنڈرات کو بھی ملک عدم میں دھکیل دیا.

جہاں تک مسجد التوبہ کا تعلق ہے دسویں صدی ہجری کے مدینہ طیبہ کے مورخ الشیخ العباسی المدنی نے بیان کیا ہے کہ بہت تگ ودو کے بعد وہ مسجد التوبہ کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوئے تھے جو کہ بئر حجیم کے پاس تھی اور اس طرح دسویں صدی ہجری میں مسجد التوبہ دوبارہ منصۂ شہود پر نمودار ہوگئی (۵۱) السید احمد یاسین خیاری (ت.۱۳۸۰ ہجری) کے الفاظ میں: ''یہ مسجد اپنے کنویں (بئر حجیم) کے ساتھ ایک بہت ہی جانا پہچانا مقام ہے جو کہ اس بستان میں واقع ہے جو کہ شیخ ابراہیم دراندلی الترکی کی ملکیت ہے جو کہ عین الزرقاء کے محکمے کے ڈائریکٹر ہیں. کنواں تو سوکھ چکا ہے مگر وہ باغ بستان العصبہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ اسی مسجد کے نام کی بدولت ہے.''(۵۲)

مسجد سقیا
(زیر تعمیر حالت میں)
(۲۰۰۲ء)

مسجد السقیاء:

شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور بئر سقیاء پر پہنچے جو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت تھا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [وضوء کے لیے میرے لیے پانی لایا جائے جب آں حضرت ﷺ وضوء بنا چکے تو آپ حضور ﷺ قبلہ رو ہوئے اور تکبیر کہی اور یوں گوہر افشاں ہوئے: [بیشک تمہارے بندے خلیل اور نبی ابراہیم علیہ السلام نے تم سے اہل مکہ کے لیے دعا کی اور بیشک تمہارا بندہ، تمہارا نبی اور رسول محمد مصطفی (ﷺ) تم سے اہل مدینہ کے حق میں دست بدعا ہے کہ ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں دگنی برکت دے.] (۵۳) ابن زبالہ نے بروایت حضرت عمر بن عبداللہ الدینارؒ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب فاتح قلوب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے نکلے تھے اور آں حضرت ﷺ نے بئر سقیاء کے پاس مدینہ طیبہ میں پڑاؤ لگایا تھا.(۵۴) ایک ایسی ہی روایت حضرت ابی قتادہؓ سے بھی ہے.

مسجد الفتح کی سات مسجدوں میں سے ایک مسجد ابوبکر صدیقؓ

ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کے مطابق جب غزوہ بدر کے لیے لشکر مدینہ روانہ ہوا تو پہلا پڑاؤ حرہ غربیہ میں السقیاء کے مقام پر لگا تھا۔ یہ ایک کنواں تھا جو کہ ۷ × ۷ فٹ کے قطر کا تھا (۵۵) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: جب کبھی اہل مدینہ کو قحط سالی کا سامنا ہوتا تو سیدنا عمر بن الخطابؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے درخواست کرتے کہ وہ بارش کے لیے دعا کریں۔ وہ (حضرت عباسؓ) دعا کرتے۔ [اے اللہ، ہم اپنے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرتے تھے کہ وہ آپ سے دعا کریں اور آپ ہمیں باران رحمت سے نواز دیتے تھے، اور اب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے چچا (یعنی مجھ سے) سے کہہ رہے ہیں کہ آپ سے دعا کروں کہ آپ باران رحمت برسائیں۔ اللہ ہم پر باران رحمت نازل فرما۔] اور پھر بارش ہونے لگ جاتی (۵۶) یہ وہ مقام تھا جہاں سیدنا عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا کا وسیلہ تھا تاکہ استسقاء کے لیے دعا کریں۔ حضرت عباسؓ نے یہ دعا فرمائی تھی:

''اے اللہ ہم پر جو بھی مصائب نازل ہوتی ہیں ہماری اپنی کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ مصائب تائب ہو جانے سے رفع ہو جاتی ہیں میری قوم میرے پاس اس رشتے کی نسبت سے آئی ہے جو کہ میرا تمہارے نبی (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ گو کہ ہم گنہگار ہیں مگر ہم توبہ کرتے ہیں۔ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما اور رزق عطا کر۔'' جونہی انہوں نے اپنی دعا ختم کی پہاڑوں جیسے گھنے بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگ گئی۔ اسی وجہ سے حضرت عباسؓ کو ''ساقی الحرمین'' کہا جاتا ہے۔ (۵۷)

یہ تاریخی مسجد اسی نام کے تاریخی کنویں کے ساتھ جنہوں نے مدنیوں کی تاریخ میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا آہستہ آہستہ بے اعتنائی کا شکار ہو گئی اور یوں چند صدیوں میں یہ عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اس کا نام صرف تاریخ کی کتب تک محدود ہو کر رہ گیا ساتویں صدی ہجری اور زمانہ مابعد کے مورخین مثلاً جمال مطری وغیرہ نے اس کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا کیونکہ یہ مسجد اس وقت معدوم ہو چکی تھی۔ امام سمہودیؒ کو بہت تگ و دو کرنی پڑی اور پھر کہیں انہیں کامیابی نصیب ہوئی کہ وہ اس تاریخی مسجد اور کنویں کا کھوج لگا سکے۔ انہوں نے اس مقام پر کھدائی کروائی اور تب جا کر مسجد اور کنویں کے کھنڈرات دریافت ہوئے۔ انہوں نے اس کی تعمیر نو اور مرمت کروادی اور اس طرح یہ مسجد دوبارہ نویں صدی ہجری میں منظر عام پر آ گئی۔ (۵۸)

عثمانیوں نے اس کی دیکھ بھال پر خاصی توجہ دی اور ان کے ایک کمانڈر آغا قاسم کی نگرانی میں اس کی تعمیر نو ہوئی۔ السقیاء کے کنویں کو صاف کروایا گیا اور مسجد کی تزئین کے لیے اس کے اوپر خوبصورت گنبد بنوائے گئے۔ بیسویں صدی کے طلوع پر جب مدینہ ریلوے سٹیشن کا افتتاح ہوا تو یہ مسجد اور کنواں ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر آ گئے۔ مدینہ طیبہ کے چند دور حاضر کے سعودی مورخین نے بیان کیا ہے کہ عثمانیوں کے آخری دور میں جب عنان حکومت ان کے ہاتھ سے سرکتی نظر آ رہی تھی تو اہالیان مدینہ اور اردگرد کے بدوؤں میں آپس میں ٹھن گئی جس سے خانہ جنگی کی سی صورت حال پیدا ہو گئی اور ترکوں کو راست اقدام اٹھانے پڑے اور جو بھی مجرم ہاتھ لگا اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ ایسی سخت سزائیں مسجد السقیاء کے قریب دی جاتی تھیں۔ اس لیے اس مسجد کو مسجد رؤس (یعنی سروں یا کھوپڑیوں والی مسجد) کہا جانے لگا تھا۔ (۵۹) الانصاری لکھتے ہیں: ''تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد السقیاء یا قبۃ الرؤس مدینہ ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے جبکہ بئر السقیاء (کنواں سقیاء) قبۃ الرؤس کی غربی جانب واقع ہے۔ ان دونوں کے درمیان ان دنوں مکہ روڈ (عنبریہ روڈ) گزرتی ہے۔ (۶۰)

آج کل مسجد پھر بے اعتنائی کا شکار ہے اور اس کی عمارت خطرناک نظر آتی ہے جس کی وجہ سے عامۃ الناس کو اس کی زیارت سے باز رکھا گیا ہے علی حافظ کے مطابق جو کہ ایک وقت میں مدینہ بلدیہ کے چیرمین رہ چکے ہیں، السقیاء کا کنواں اس وقت عنبریہ روڈ کے نیچے دفن

مساجد سبعہ کی بات کریں
یہ جو سات
میں سے یہ مساجد واضح ہو
نظر آتی ہیں ہفت مساجد
مسجد (مسجد سیدنا علی) جو
جبل سلع کے ایک حصہ پر
واقع تھی وہ نظروں سے اوجھل
ہے (تصویر ۹۶۰)

ہو چکا ہے (۶۱) جب کہ مسجد ابھی تک موجود ہے اور ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے اور خطرناک آثار قدیمہ نظر آتی ہے۔

نوٹ: یہ امر باعث مسرت ہے کہ جب مولف ہذا نے جون ۲۰۰۱ء میں اس مسجد کی دوبارہ زیارت کی تو اس پر تجدید کا کام شروع ہو چکا تھا اس کے پرانے خدوخال نئے سرے سے سنوارے جا رہے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہوتا ہے۔ گنبدوں کی تجدید آثار قدیمہ کے صوبوں کو مدنظر رکھ کی گئی ہے جبکہ اس کی باقی عمارت پر کام ہو رہا ہے اور اس کے اردگرد کا میدان بھی سنوارا جا رہا ہے کیونکہ ریلوے سٹیشن کی عمارت میں مدینہ طیبہ کے عجائب گھر کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد نے مدینہ طیبہ کے عجائب گھر کا افتتاح چند سال پہلے کر دیا تھا مگر محکمہ آثار قدیمہ کی نیم دلانہ سعی سے کوئی قابل قدر آثار اس میں نہ لائے جا سکے سوائے اس کے کہ چند پرانے پتھروں (جو کو مدینہ طیبہ کے علاقے سے کم اور سعودی عرب کے دیگر علاقوں سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں) اور مصحف اور مختلف قبائل کی تلواریں جمع کر دی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود عامۃ الناس کو وہاں جانے کی کھلی چھٹی نہیں مل سکی۔

مساجد الفتح:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے مسجد فتح کے مقام پر تین دن تک دعا فرمائی (بروز پیر، منگل اور بدھ) بروز بدھ جو دعا آپ حضور ﷺ نے دو نمازوں کے درمیان مانگی تھی وہ مستجاب ہوئی اور ہم سے ہر ایک سرور دو عالم ﷺ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار دیکھ سکتا تھا۔] (۶۲)

حضرت جابرؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعا بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیاں قبول ہوئی تھی ان (حضرت جابرؓ) کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی بھی وہ کسی مشکل سے دوچار ہوتے تو وہ بدھ کے دن اس مقام پر چلے جاتے اور دونوں نمازوں کے درمیان (ظہر اور عصر) اسی جگہ پر کھڑے ہو کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی دعائیں قبول فرماتے۔ (۶۳) زائرین اور حجاج کرام کو چاہئے کہ جب بھی وہ سبعہ مساجد زیارت کی لیے جائیں تو مسجد الفتح میں جو کہ جبل سلع کے دامن میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے رب ذوالجلال سے دعا مانگیں کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دعائیں مانگیں تھیں۔ ایک تو سنت رسول مقبول ﷺ کا اتباع بھی ہو جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ رب ذوالجلال کے سامنے اپنے دل کی مراد اس مقام قبولیت پر کھڑے ہو کر مانگنے کا موقع مل جائے گا یہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کا مجرب نسخہ ہے۔

اس مشکل گھڑی میں جب کفار مکہ نے مختلف قبائل کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی تھی اور مسلمان جو کہ ان سے عددی لحاظ سے کہیں فروتر اور سامان ضرب و حرب کی قلت کا شکار صرف ایک خندق کی دفاعی لائن سے دشمن کے سامنے

عثمانی دور کی مسجد
سیدنا ابوبکر صدیقؓ

سینہ سپر تھے، تو ایسے اوقات میں یہ امام اور سپہ سالار سرکار دو عالم ﷺ کبھی مسلم فوجی دستوں کا جو مختلف مورچوں پر ڈٹے ہوئے ہوتے معائنہ فرماتے اور کبھی جبل ذباب پر چڑھ کر دشمن کی فوجی کارروائیوں کا ملاحظہ فرماتے۔ کبھی کبھار سرکار دو عالم ﷺ اس چھوٹی سی پہاڑی پر تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے: [اے اللہ جو کہ کتاب برحق کے نازل کرنے والا ہے اور جس کے حکم سے بادل ہواؤں میں تیرتے پھرتے ہیں، ان کو شکست فاش دے اور ہمیں فتح مبین عطا کر۔] یہ رات جب مسلمان دشمن کے زبردست دباؤ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو دشمن کی اگلی صفوں میں جاسوسی کے مشن پر روانہ کیا۔ یہ اور ایسے بہت سے دیگر مشن دے کر کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی پہاڑی سے روانہ کیا گیا تھا۔

بعض روایت کے مطابق سورۃ الفتح کا نزول بھی اسی پہاڑی کی چوٹی پر ہوا تھا اور بعض راویین کرام کے مطابق سورۃ الانفال کی آیہ کریمہ ﴿اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آ پڑا اور اگر باز آؤ تو تمہارا ہی بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔﴾ (۶۴) اسی مقام پر نازل ہوئی تھی۔ ابن عقبہ اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں کہ جب دوران حرب کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کو آ کر خبر دی کہ بنو قریضہ نے غداری کا ارتکاب کیا ہے تو اس وقت آپ حضور ﷺ اسی جگہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بات سن کر حضور پرنور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: [خوش خبری ہو آپ کو! اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آن پہنچی ہے۔] یہ اسی ارشاد رسالت مآب ﷺ کی بدولت ہے کہ اس مسجد کا نام ہی مسجد فتح پڑ گیا۔

حضرت عمر بن الحکم بن ثوبانؓ سے مروی ہے کہ انہیں ایک ایسے صحابی نے بیان کیا جنہیں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب ذوالجلال سے دشمن کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی دعا فرمائی تھی (۶۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ مسجد الفتح تشریف لے گئے جو کہ پہاڑی پر واقع ہے اور جب نماز عصر کا

سبع مساجد میں
مسجد حضرت عمر فاروقؓ کی
موجودہ حالت
تصویر: ۱۹۹۰ء

وقت ہو تو آپ حضور ﷺ نے وہاں نماز عصر ادا فرمائی (۶۶) غزوہ کے دوران وہ مسجد تو نہیں تھی البتہ اس چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی تھی جسے یہ فخر حاصل رہا کہ دوران غزوہ کئی بار رسول اللہ ﷺ کی جبین مقدس اس پر سجدہ ریز ہوئی لیکن چونکہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں لفظ مسجد استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس واقعہ کے بعد وہاں پر سادہ سی عمارت ضرور تعمیر کر دی ہوگی جو کہ باقی مساجد کی طرح مٹی گارا اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو ملا کر استوار کی گئی ہوگی اور پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور گورنری آیا تو دیگر مساجد کی طرح اس کی تعمیر نو بھی نقش و نگار سے مزین پتھروں سے ہوئی ہوگی (۶۷) اس وقت یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی مسجد تھی جو صرف تین ستونوں پر استوار تھی (۶۸) جمال المطری بیان کرتے ہیں کہ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا ہے جو کہ مسجد کی شمال مغربی جانب ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ عمارت کے تین ستون تھے جن میں سے درمیانہ ستون اس مقام پر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی تھی (آج کی مسجد الفتح میں اب عمارت میں کوئی ستون تو نہیں مگر جیسا کہ می حافظ نے بیان کیا ہے وہ مقام محراب کے بالکل سامنے تھا) (۶۹) اس مسجد کو مسجد الاحزاب بھی کہا جاتا رہا ہے یہ ایک بہت چھوٹی سی مگر سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بہت ہی اہم مسجد ہے جو کہ پہاڑی پر واقع ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بنائی ہوئی عمارت تقریباً پانچ سو سال تک موجود رہی اور اس کے بعد سیف الدین الحسین ابی الہیجاء نے اسے ۵۶۵ ہجری میں نئے سرے سے تعمیر کروا دیا اس کے بعد اور چار صدیاں گزر گئیں اور مسجد مزید شکست و ریخت کا شکار ہو گئی لہذا چند مخیر حضرات نے مل کر اسے ۹۸۲ ہجری میں مرمت کروا دیا دسویں صدی ہجری کا مورخ الشیخ حمد بن عبدالحمید العباسی لکھتا ہے کہ ان کے دور میں مسجد کی پیمائش شمالاً جنوباً ۲۰ ذرع اور شرقاً غرباً ۱۶ ذرع تھی اس کے بعد عثمانیوں کے دور میں

سبع مساجد میں سے
مسجد سیدنا حضرت علیؓ
کی ایک اور نایاب تصویر

اس کی تعمیر نو ہوئی. ترکی صاحب مرآۃ الحرمین ایوب صبری پاشا کے مطابق مسجد کی تعمیر نو ۱۲۷۰ ہجری میں سلطان عبدالمجید اول کے دور میں انجام پائی. اس کے بعد سعودی حکومت نے بھی اس کی مرمت اور دیکھ بھال کی اور کچھ نفیس قسم کی ٹائلیں سیڑھیوں پر لگادی گئی ہیں لیکن مسجد کا بنیادی ڈھانچہ تقریباً وہی ہے جو کہ ترکوں کے دور میں تھا. سعید الدربی کی تحقیق کے مطابق اس کا کل رقبہ ۹۸۰۵ مربع میٹر ہے. (۷۰)

مسجد الفتح کے علاوہ جبل سلع کے دامن میں اس کے جوار میں چند اور مساجد بھی ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوران غزوہ اپنے اپنے خیمے نصب کئے ہوئے تھے. حضرت سلمان الفارسیؓ (جن کی مشاورت سے طویل و عمیق خندق کھود کر دشمنوں کے دانت کھٹے کئے گئے تھے) کا کیمپ اس گھاٹی کے دامن میں قریب ہی تھا جب کہ دیگر اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے بھی قریب قریب ہی تھے. روایتوں میں ہے کہ چھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے اس طرف نصب کئے ہوئے تھے جن میں وہ استراحت کرنے کے علاوہ نوافل پڑھا کرتے تھے. حضرت معاویہ بن سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خیموں میں نمازیں ادا کی تھیں. (۷۱) ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت معاذ بن سعدؓ (بن ابی وقاص) سے مروی ہے اس بات کی مزید توثیق کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد الفتح کے گرد واقع مساجد میں بھی نمازیں ادا کی تھیں. (۷۲) لہٰذا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مقامات پر خیمے نصب کرنے اور ان میں رسول اللہ ﷺ کے نماز ادا کرنے کی یاد میں وہاں الگ الگ مساجد تعمیر کروادی گئی تھیں جن میں سب سے زیادہ اہم مقام مسجد الفتح کا ہے.

۲۰۰۲ء کے وسط میں مدینہ طیبہ کے محکمہ اوقاف نے ان مساجد کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کرنے کے منصوبے کی ابتداء کی ہے جس کے تحت مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، مسجد سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ کو منہدم کر کے وہاں ایک بڑی مسجد کی تعمیر پر کام شروع ہو چکا ہے. کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد سبعہ مساجد کی جگہ لے گی اور شائد یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ اس کا نقشہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے اس کی چھت پر سات گنبد بنائے جائیں گے. آج کل اس منصوبے پر زور شور سے کام جاری ہے. تا حال (وسط ۲۰۰۳ء) مسجد حضرت سلمان فارسیؓ اور مسجد فتح اس منصوبے کی دست برد سے محفوظ ہیں، مگر کل کیا منصوبہ بنتا ہے یہ تو وقت بتائے گا.

مدینہ طیبہ میں قدیم ترین تاریخی عمارت:

عمرانی ترقی نے جہاں ہر اہم اور غیر اہم تاریخی ورثے پر بلڈوزر چلائے ہیں وہاں عصر حاضر کے مشہور عمرانی محقق صالح لمعی مصطفیٰ کی تحقیق کے مطابق ابھی بھی قدیم ترین اور مدینہ طیبہ کا آثار قدیمہ ہونے کی دعوی دار عمارت جو اس اکھاڑ پچھاڑ سے بچ سکی ہے وہ مسجد سلمان

مسجد سلمان فارسیؓ
کا ایک خوبصورت منظر

فارسیؓ ہے جسے ۵۷۷ ہجری میں سیف الدین بن ابی الہیجاء نے تعمیر کروایا تھا۔(۷۳)

ابراہیم رفعت پاشا کی کی گئی پیمائش کے مطابق یہ مسجد انیسویں صدی کے شروع میں ۲۰ ذرع طویل اور ۱۷ ذرع عریض تھی۔انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ جو کہ مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی اس کی عمارت بھی تاریخی ورثہ ہی ہے کیونکہ اس کی تعمیر نو بھی زین الدین زیغم بن حشرم (گورنر مدینہ طیبہ) نے ۸۷۶ ہجری میں کروائی تھی۔بدقسمتی سے مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو تین سال پہلے مسمار کر کے اس کی جگہ کار پارکنگ کی جگہ نکالی گئی ہے مندرجہ ذیل تصویر میں مسجد حضرت سلمان فارسیؓ دکھائی گئی ہے جو کہ اگرچہ بادی النظر میں تو اچھی حالت میں نظر آتی ہے مگر بہت ہی خستہ حالت میں ہے اور اس کے در و دیوار کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شکست و ریخت کا عمل بڑی تیزی سے جاری ہے۔اس وقت مدینہ طیبہ میں یہی ایک مسجد ہے جس کی عمارت قدیم ترین ہے اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہے مگر جو اس کے باوجود بھی قابل استعمال ہے۔اگرچہ دولت کی ریل پیل اور عمرانی تجدد نے بہت سے قیمتی آثار قدیمہ نگل لیے ہیں مگر اب بھی وقت ہے کہ امت کے مقتدر طبقے آگے آئیں اور سعودی عرب میں صاحب اقتدار حضرات سے رابطہ کر کے امت کے قیمتی تاریخی اثاثے کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔نئی عمارتوں کا سحر اپنی جگہ مسلم ہے مگر قدیم تاریخی ورثے اپنی منفرد اہمیت اور جاذبیت رکھتے ہیں۔جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو یہود بے بہبود سے پاک وصاف فرمایا تو ان اطام کو جو کہ سابقاً یہود کی ملکیت تھے اور اب مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے گرائے جانے سے منع فرمایا۔ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے:[ان اطام کو مسمار نہ کیا جائے۔یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث ہیں۔]ان آثار قدیمہ کی حفاظت کرنا نہ صرف مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کا سبب ہے بلکہ ایسا کرنے سے وہ مذہبی فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے جو کہ اس مذکورہ فرمان رسول اللہ ﷺ سے امت پر فرض ہے۔

ہم نے مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کی چند تصاویر اسی لیے پیش کی ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر فوری اقدام نہ کیے گئے تو یہ

صدیوں سے ماضی میں ان مساجد کی تعداد مختلف بتائی جاتی رہی ہے۔ ابن جبیر نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی انہوں نے اپنے سفرنامے میں اس جگہ پر صرف تین مساجد کا ذکر کیا ہے مسجد فتح، مسجد حضرت سلمان انصاری اور مسجد حضرت علی بن ابی طالب (۴۴) ابن نجار (ت ۶۴۳ ہجری) نے مسجد الفتح کے علاوہ تین مساجد کا ذکر کیا ہے لیکن اس نے بھی ان مساجد کا نام نہیں لکھا وہ لکھتا ہے کہ ان میں سے صرف دو اچھی حالت میں تھیں جب کہ تیسری حالت انہدام میں تھی المطری (جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے موذن تھے) بھی اپنی تاریخ مدینہ میں ذکر کرتے ہیں کہ ان مساجد میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں جب کہ تیسری کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ وہ تقریباً معدومیت کے دہانے پر کھڑی تھی کیونکہ اس کے کھنڈرات بھی غائب ہو چکے تھے سعد اللہ بن عمر الاسفرائینی المکی (ت: ۷۸۶ ہجری) زبدۃ الاعمال کے مطابق "ساتویں صدی ہجری میں مسجد امیر المومنین علی ابن ابی طالب" کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ مسجد جبل سلع کے بالکل نیچے قبلہ کی جانب ہے جبکہ مسجد سلمان فارسیؓ اس کے شمال میں ہے۔ رچرڈ برٹن (تقریباً ۱۸۵۲ء) میں اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ اس مقام پر چار مساجد تھیں مسجد الفتح، مسجد سلمان الفارسیؓ جس کے پیچھے مسجد علی ابن ابی طالب" تھی اور اس کے پیچھے ایک اور مسجد تھی جس کا نام وہ مسجد ابوبکر صدیق" بتاتا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں علی بن موسیٰ آفندی لکھتا ہے کہ وہاں صرف چار مساجد تھیں [جبل سلع کے مغرب میں چار مساجد ہیں، جن میں سے ایک مسجد الفتح ہے جو کہ ایک تاریخی عمارت ہے جو غزوہ الاحزاب کی یاد میں بنائی گئی تھی] (۷۵) مسجد الفتح کے علاوہ اس نے کسی اور مسجد کا نام تک نہیں لکھا۔

بیسویں صدی کے شروع میں وہ علاقہ جو منطقۃ السبع کے اندر آتا تھا اسے عموماً سبع مساجد کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بعد میں ان سات مساجد میں سے دو کو منہدم کر کے لاریوں اور بسوں کی پارکنگ کی جگہ بنا لی گئی اور تجارتی سٹال لگا دیئے گئے جس میں مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکنے لگ گئیں چونکہ اب صرف پانچ مساجد رہ گئی تھیں "بستہ آہستہ یہ علاقہ خمسہ مساجد کے نام سے جانا جانے لگا۔ تاہم جنوری ۲۰۰۰ء میں مسجد سیدنا ابوبکر صدیق" جسکی عمارت شاندار حالت میں تھی کو بھی شہید کر کے گراؤنڈ اور پارکنگ ایریا میں شامل کر دیا گیا لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جون ۲۰۰۲ء میں مسجد سیدنا عمر فاروق" اور مسجد سیدنا ابوبکر صدیق" کی جگہ ایک بڑی مسجد کا افتتاح کیا گیا جس پر مکمل ہونے پر سات گنبد ہوں گے اور اسے ہی سبع مساجد کی نعم البدل سمجھا جائے گا۔ ان سات مساجد کے نام جو اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)	مسجد الفتح	(یہ پہاڑی کی چوٹی پر ہے)
(۲)	مسجد حضرت ابوبکر الصدیق	(جو کہ دراصل موجودہ مسجد علی بن ابی طالب" ہے)
(۳)	مسجد حضرت عمر بن الخطاب"	(اب معدوم ہے)
(۴)	مسجد علی بن ابی طالب	(یہ مسجد ماضی قریب میں مسجد ابوبکر صدیق" کے نام سے جانی جاتی تھی اب منہدم ہو چکی ہے)
(۵)	مسجد حضرت سلمان فارسیؓ	(تا حال موجود ہے اور اس وقت مدینہ طیبہ میں سب سے قدیم عمارت تصور کی جاتی ہے)
(۶)	مسجد حضرت ابوذر غفاریؓ	(یہ مسجد کئی صدیوں سے معدوم ہو چکی تھی)

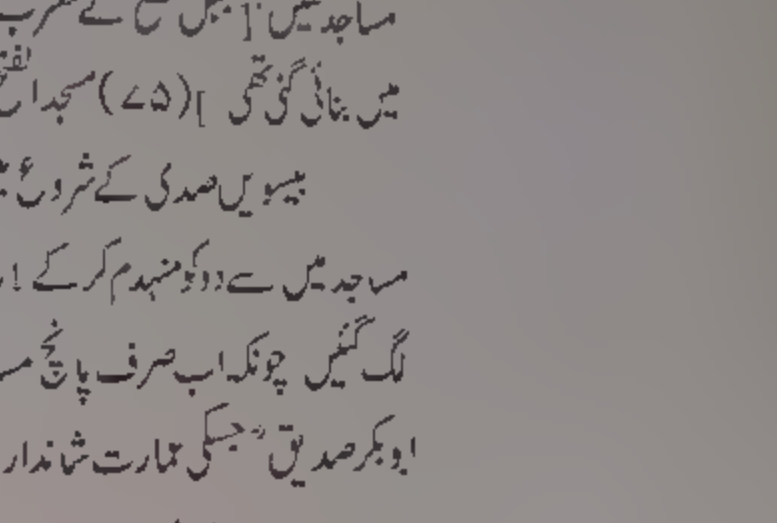

اوپر والی مسجد سیدنا حضرت علیؓ جبکہ نیچے والی مسجد حضرت فاطمۃ الزہراؓ دراصل یہ مسجد سعد بن معاذ کے نام سے جانی جاتی تھی یہ دونوں مساجد سبع مساجد میں سے ہیں

مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ

(۷) مسجد سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ (دراصل یہ مسجد حضرت سعد ابن معاذؓ کے نام سے منسوب تھی)۔

ان مساجد میں سے مسجد حضرت ابو بکر صدیقؓ تو ۲۰۰۰ء میں شہید کردی گئی تھی اور مسجد سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ کا دروازہ دیوار کھڑی کر کے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے سعید لدربی کی مرتب کردہ رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۹ ہجری میں ان مساجد کی پیمائش حسب ذیل تھی:

(۱)	مسجد الفتح	=	۹۸،۵ مربع میٹر
(۲)	مسجد حضرت سلمان فارسیؓ	=	۷۶،۴۶ مربع میٹر
(۳)	مسجد حضرت علی بن ابی طالبؓ	=	۷۳،۴۰ مربع میٹر
(۴)	مسجد حضرت ابی بکر صدیقؓ	=	۲۱۵،۳۵ مربع میٹر
(۵)	مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ	=	۳۵،۹۲ مربع میٹر

مسجد سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ اور مشتاقان اہل بیت کا شوق زیارت

محراب مسجد سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ کی ایک نایاب تصویر

مسجد فسح:

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ جبل احد کے دامن میں شعب جرار کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور انہوں نے بروایت حضرت رافع بن الخدیجؓ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند نمازیں اس مسجد میں ادا فرمائی تھیں۔ (۷۷) حضرت رافع بن الخدیجؓ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جو ابھی کم عمر ہی تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو خصوصی استثناء عطا فرمایا تھا اور انہیں غزوہ احد میں نہ صرف شمولیت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ جب گھمسان کا رن پڑا اور کفار پے در پے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملہ آور ہو رہے تھے تو

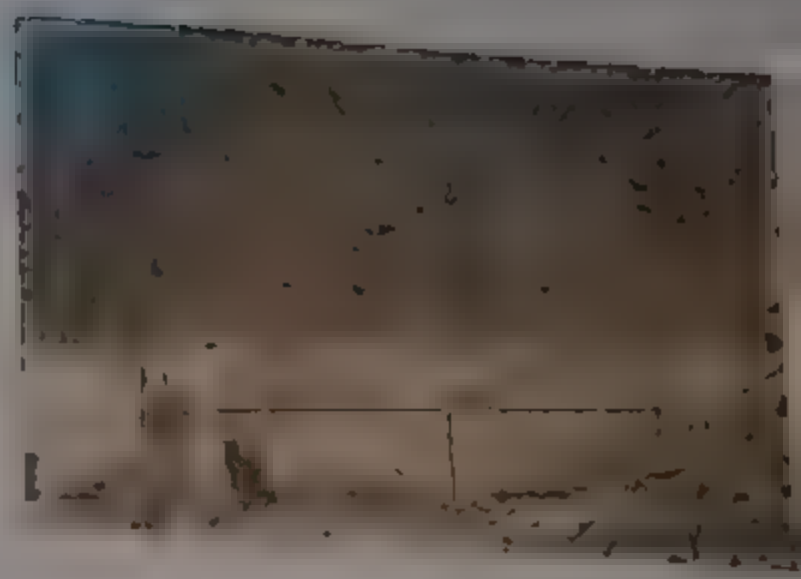

اس وقت یہ ننھا سا جان باز رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد ہی رہا تھا اور اس وجہ سے تاریخ اسلام میں غزوہ احد کے واقعات کے بیان میں انہیں عینی شاہد کی حیثیت حاصل رہی ہے المطری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اس مقام پر ادا کی تھیں جب کہ جنگ کا شور و غوغا تھم گیا تھا۔(۷۸) حضرت عمرؓ جو کہ غفراء کے غلام تھے سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر یوم احد کو بیٹھ کر پڑھائی تھی (کیونکہ آں حضرت ﷺ زخمی ہو چکے تھے) اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی تھی (۷۹) اسی مقام پر ایک قدیم مسجد ہے جسے مسجد فسح کے نام سے شہرت حاصل ہوئی

بعض وقائع نگاروں کا خیال ہے کہ اسے مسجد فسح اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآنی آیت کریم ﴿اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے﴾ (۸۰) کا نزول اسی جگہ ہوا تھا تاہم یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ مفسرین کی متفقہ رائے میں یہ آیت زمانہ تنزیل کے اعتبار سے مکی ہے نہ کہ مدنی۔ البتہ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ چونکہ وہ بہت چھوٹی سی جگہ تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کو پڑھ کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یاد دہانی کروائی ہوگی کہ وہ سکڑ کر بیٹھیں تا کہ زیادہ سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس چھوٹی اور سطح مرتفع پر بیٹھ سکیں کیونکہ ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ اپنے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ کے قریب بیٹھ سکے۔

مسجد فسح

المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) نے اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی لیکن اس کے برعکس الشیخ العباسی نے دسویں صدی ہجری میں لکھا ہے کہ اس نے اس مسجد کی پیائش کی تھی جو کہ جبل احد کے دامن میں واقع ہے اور یہ کہ وہ ۱۸ اذرع عریض تھی (۸۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطری کے بعد اس کے رقبے میں کچھ نہ کچھ توسیع ضرور ہوئی ہوگی۔ ان کھنڈرات سے جو کہ آج بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ العباسی کی پیائش زیادہ صحیح ہوگی۔ دیواروں پر چونے کے بچے کھچے پلستر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکوں کے دور میں اس کی مرمت ہوئی ہوگی اگرچہ کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن عثمانی دور کی چند ایک دیگر تاریخی مساجد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں اس کی مرمت ضرور ہوئی ہوگی۔ آج کل یہ مسجد جس زبوں حالی اور کس مپرسی کے عالم میں ہے اس کو دیکھ کر انسان دو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ بقعہ ارض ہے جہاں نہ صرف کہ رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے بلکہ جبین اطہر بھی سجدہ ریز ہوئی اور جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اقتدائے رسول مقبول ﷺ میں نمازیں ادا کی تھیں۔ کون جانتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہو جہاں ایک شیدائے رسول شدید زخمی حالت میں لایا گیا ہو جس کی آخری آرزو یہ تھی کہ ان کا سر قدمین شریفین پر دھر دیا جائے اور رسول رحمت ﷺ نے اپنے پائے مبارکہ دراز فرما دیئے تھے اور پھر اس سرفروش کی روح اسی مقام طاہرہ سے پرواز ہوئی ہو۔ اس لحاظ سے یہ جگہ صرف تبرکات تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ میں سے ہی نہیں بلکہ اسے ساتھ ساتھ آثار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ بھی حاصل ہے کیونکہ ان سب نے بیٹھ کر نماز وہیں ادا کی تھی۔ فلبی نے ۱۹۳۵ء میں لکھا ہے کہ یہ مسجد مسجد تفسح اور مسجد غسل (کیونکہ بعض کے نزدیک غزوہ احد میں حضور سرور کونین ﷺ کے زخموں کو اسی جگہ دھویا گیا تھا) کے نام سے بھی جانی جاتی تھی۔

مسجد فسح کا ایک اور منظر

جس حالت انہدام میں آج یہ اثر رسول مقبول ﷺ ہے اس کے بیان کرنے کا یارا تو نہیں، مگر صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ اس کے در و دیوار منہدم ہو چکے ہیں، قبلہ کی دیوار نصف قد آدم تک

مسجد فتح کے کھنڈرات

ہے اور محراب جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے کی لگتی ہے نہایت ہی خستہ حالت میں ہے. صحن مسجد میں کوڑا اور پتھر اور ڈھیلے پڑے ہیں اور اس سے ملحقہ حصہ میں بکریوں کا باڑا ہے اور وہ غیر مکلف جانور پوری آزادی سے اس میں گھومتی اور چرتی رہتی ہیں اور اپنے اعمال غیر مکلفہ انجام دیتی ہیں. جانور تو جانور ہے وہاں تو ہمسایوں کے بچے اسی مقام پر آگ کا الاؤ روشن کر کے بیٹھے تھے جہاں کبھی سرور کائنات ﷺ کا سر اقدس سجدہ ریز ہوا تھا. العیاذ باللہ.

مسجد بنی ظفر:

حضرت محمد بن فضالہ الظفریؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ ان کے پاس ملاقہ بنی ظفر میں تشریف لائے اور ایک چٹان پر تشریف فرما ہوئے جو کہ اب بھی مسجد میں موجود ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت سعد ابن معاذؓ اور چند دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آں حضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے. رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں. انہوں نے تلاوت شروع کی حتی کہ وہ اس آیت کریمہ تک آ گئے: ﴿تو کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہباں بنا کر لائیں گے.﴾ (۸۲) اس پر رسول اللہ ﷺ پر رقت کا یہ عالم تھا کہ آپ حضور زار و قطار رو رہے تھے اور آنسوؤں سے ریش مبارک بھیگ گئی. پھر آں حضرت ﷺ یوں گویا ہوئے: [اے میرے مالک میں ان پر تو گواہ ہو سکتا ہوں جن کو میں نے دیکھا ہے لیکن میں ان کی گواہی کیسے دوں گا جن کو میں نے دیکھا ہی نہیں.] (۸۳) زبیر بن بکارؒ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر تشریف فرما تھے جو کہ مسجد میں تھا. (۸۴)

ابن نجار نے اس مسجد کے متعلق کچھ یوں لکھا ہے: [اسے مسجد البغلہ (یعنی خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے. یہ نہایت ہی خستہ حالت میں ہے. اس میں صرف ایک ستون بچا ہے جس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) کے پاؤں کا نشان ہے.“ سمہودی کے بیان کے مطابق اس مسجد کی مرمت عباسی خلیفہ المنتصر باللہ نے ۶۳۰ ہجری میں کروائی تھی اور اس کی پیمائش ۲۱×۲۱ ذرع تھی کیونکہ اس کی محراب کی داہنی جانب ایک لوح سنگ نصب تھی جس پر لکھا ہوا تھا:

”اللہ تعالیٰ امیر المومنین ابی جعفر المنصور المنتصر باللہ کی حکومت کو دوام بخشیں۔ محررہ ۶۳۰ ہجری“

تاہم عبدالقدوس الانصاری نے لکھا ہے کہ اس نے نے وہی لوح سنگ پتھر کی دیوار میں نصب دیکھی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمہودی کے بعد بھی اس کی مرمت یا تعمیر نو ہوئی ہوگی جو کہ ترکی دور میں ہوگی. جہاں تک اس تاریخی لوح سنگ کا تعلق ہے یہ سعودی دور کی ابتدا میں اپنی جگہ سے غائب ہوگئی اور انصاری نے حاشیہ میں ایک فٹ نوٹ دے کر چونکا سا دیا ہے:

انہدام سے پہلے مسجد بنی ظفر کی ایک نادر تصویر
(احمد یاسین ضیاری)

''بعد میں میں نے خود اس لوح سنگ کو شیشے کے ایک شوکیس میں بحفاظت تمام دیکھا جو کہ دار الکتب المصریہ (قاہرہ) میں داخل ہوتے وقت نظر آتا ہے۔ وہاں کے جنرل مینیجر نے مجھے بتایا کہ ایک مدنی اس لوح سنگ کو اٹھا کر مصر لے آیا اور اس کی منہ مانگی قیمت لے کر ان کے ہاتھ بیچ گیا۔''(۸۶)

سبحان اللہ: گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

المطری لکھتے ہیں کہ: مسجد بنی ظفر قبیلہ بنی ظفر کی تھی جو کہ اوس کی ایک شاخ تھا اور یہ البقیع کے شرقی جانب حرہ (شرقیہ) کی طرف واقع ہے اور آج کل اسے مسجد بغلہ (خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے۔ زید بن بکارؒ نے حضرت انس بن فضالہ الظفریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار زید بن عبید اللہ (زیاد بن عبید اللہ بن عبد اللہ الحارثی ۱۳۳ ہجری سے عباسیوں کی جانب سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) نے حکم صادر کر دیا کہ وہ پتھر اٹھا لیا جائے جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے لیکن جب قبیلہ بنی ظفر کے مشائخین نے زید سے رجوع کیا اور اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پتھر پر استراحت فرمائی تھی تو اس نے وہ پتھر اسی جگہ پر لوٹا دیا۔ مطری یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بے اولاد خواتین جن کو اولاد کی خواہش ہوتی تھی وہ اس پتھر پر آ کر بیٹھ جاتیں اور دعا کرتیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ سے نواز دیتا۔(۸۷) اس کے قریب ہی کچھ اور آثار مبارکہ ہیں جن میں سے ایک حضور نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو کہ قبلہ کی جانب ہے اور ساتھ ہی مغربی جانب کچھ اور نشانات ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی کہنی اور انگلیوں کے ہیں اور لوگ حصول برکت و سعادت کے لیے ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔(۸۸) قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) نے بھی اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ ان کے دور میں بھی وہ آثار مبارکہ موجود ہوا کرتے تھے قبلہ کی جانب ایک چٹان تھی جس پر خچر کے پاؤں کے نشانات تھے جب کہ مغربی جانب ایک چٹان تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارک اور انگلیوں کے نشانات تھے۔(۸۹) دسویں صدی ہجری میں العباسی بھی ان بیانات کی تائید کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اضافہ بھی کیا ہے کہ چٹان پر خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی پر سوار ہو کر وہاں تشریف لائے تھے اور جب آپ حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو اسے قریب ہی باندھا ہوا تھا۔(۹۰)

مدینہ طیبہ کے تقریباً سب بڑے بڑے مورخوں نے جن میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی شامل ہیں اس مسجد اور اس میں موجود تمام تبرکات اور آثار نبوی شریف کا ذکر کیا ہے، لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ ماضی بعید میں حکمرانوں نے اس مسجد کی دیکھ بھال کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے۔ سمہودی نے بھی تبرکات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔(۹۱) العباسی نے دسویں صدی میں تحریر کیا تھا کہ اس مسجد کا رقبہ ۲۱x۲۱ ذرع تھا۔ البتہ ۱۳۰۳ ہجری میں علی بن موسیٰ آفندی نے لکھا تھا کہ اس کے اوپر دو علیحدہ علیحدہ گنبد تھے: ایک گنبد کے نیچے سنگ سیاہ میں بڑے بڑے پیالے بھے تھے جن کے متعلق روایت ہے کہ وہ اہل بیت طاہرہ پر مباہلہ کے وقت آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ دوسرے گنبد کے نیچے کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) دفن تھی۔(۹۲) گنبدوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عثمانیوں نے اس کی مرمت یا تعمیر نو کروائی ہوگی ایسا لگتا ہے کہ وہابی یلغار کے بعد دونوں گنبدوں کو دیگر گنبدوں کے ساتھ ہی مسمار کر دیا گیا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں تھے۔ حتیٰ کہ وہ پتھر

بھی جس پر رسول اللہ ﷺ کے خچر کے پاؤں کے نشانات تھے وہ بھی ایک عرصہ ہوا غائب ہو چکا ہے. اوقاف مدینہ کے ملازم سعید الدربی کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۹ ہجری تک اس مسجد میں آثار موجود ہوا کرتے تھے اور یہ کہ اس وقت مسجد ۲۱X۲۱ ذرع کے رقبے پر محیط تھی اوپر دی گئی دلدل کے قدموں کے نشان کی تصور ۱۹۷۲ء کی ہے جو کہ ایک عاشق تبرکات رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام تبرکات ۱۹۷۲ء تک مسجد کے کھنڈرات میں موجود ہوا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد اچانک کہیں غائب ہو گئے. ۱۹۷۵ء تک ہمارے جانے والے بہت سے احباب کو ان کی زیارت نصیب ہوئی تھی. انہیں تبرکات کے متعلق لکھتے ہوئے خیاری لکھتے ہیں:

اس مسجد میں تبرکات بھی ہیں جو کہ قبلہ کی جانب پڑے ہوئے ہیں. ایک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو ایک چٹان پر ثبت ہے اور اس کے قریب ہی مغربی جانب ایک اور پتھر ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارک کا نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی کہنی مبارک رکھ کر ٹیک لگائی ہوئی تھی اور ایک اور پتھر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔" (۹۳)

مسجد بغلہ کے قریب ہی ایک اور مسجد ہوا کرتی تھی جسے مسجد مائدہ کہا جاتا تھا جو کہ اس مقام پر تعمیر ہوئی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کے مسیحی پادریوں اور وفد کے ساتھ مباہلہ (۹۴) کے لیے منتخب فرمایا تھا اور جس جگہ پر اس دن حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ حضور ﷺ کے لیے لکڑیاں گاڑ کر اس پر ردائے مبارکہ لگا کر سائبان کھڑا کیا تھا اور حضور پرنور ﷺ دیگر اہل بیت طاہرہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے (شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما).

وفد نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مباہلے کا واقعہ:

سیرۃ نگاروں نے وفد نجران سے گفتگو کا تفصیلی ذکر کیا ہے. جب بات چیت کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو قرآنی احکام کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ فریقین مباہلہ کریں گے:

﴿پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں.﴾ (۹۵)

ایسا پہلی شوال ۱۰ ہجری کو ہوا تھا اور جو جگہ اس مباہلہ کے لیے منتخب کی گئی تھی وہ بقیع الغرقد کے قبرستان کے پاس حرہ میں تھی. (۹۶) جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے مروی ہے، انہوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی تھی گو کہ ان کا بیان کسی اور سیاق و سباق میں تھا لیکن اسی ضمن میں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق

مسجد بنی ظفر اور مقام مباہلہ کی موجودہ حالت اب اسے ویران کر کے گرداگرد قد آدم دیوار کھڑی کر دی گئی ہے

مسجد ذوقطاری کی
قدیم عمارت

کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ سے اپنے مدینہ طیبہ کے گورنر بنائے جانے سے معذرت کرلی تھی کیونکہ وہ اسی واقعہ کی روشنی میں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور کسی طور بھی ان پر تبرا بازی کے لیے تیار نہ تھے۔(۹۷)

وقت مقررہ پر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں اس مقام پر تشریف لے آئے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسین علیہ السلام کا (جو کہ اس وقت صرف پانچ سال کے تھے) ہاتھ تھاما ہوا تھا جنہوں نے حضرت حسن علیہ السلام کا (جن کی عمر اس وقت سات سال کے لگ بھگ تھی ہاتھ تھاما ہوا تھا)۔ان کے پیچھے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء چلے آرہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ حضور ﷺ کے اہل بیت طاہرہ صرف یہی لوگ تھے پھر پانچوں اس سائبان کے نیچے بیٹھ گئے جو کہ سایہ کرنے کی غرض سے لگایا گیا تھا جب عیسائی وفد نے دیکھا تو ان سب سے جو زیادہ عقلمند سمجھا جاتا تھا وہ کہنے لگا ''ان معصوم چہروں کی بددعا سے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔اگر یہ ہمیں بددعا دے دیں ہم صریح گھاٹے میں رہیں گے اور روئے زمین سے نیست و نابود کردیئے جائیں گے''(۹۸) بنا بریں وہ لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور پھر مباہلہ سے راہ فرار اختیار کر گئے اور ان کے سرداروں نے درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے ایک معاہدہ طے کرلیا جس کی رو سے انہوں نے ۱،۰۰۰ کپڑوں اور ۲،۰۰۰ دینار سالانہ خراج دے کر مدینہ طیبہ کی عملداری میں آنے کا عہد کرلیا (۹۹) حضرت عبیداللہ ابن جراحؓ کو اس معاہدے کو نافذ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے نجران روانہ کیا تھا۔(۱۰۰)

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس دن عید الفطر (یعنی شوال کی پہلی تاریخ) تھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اہل بیت طاہرہ کے لیے آسمان سے پانچ پیالوں میں بہشتی کھانا نازل فرمایا۔اسی وجہ سے اس مقام پر جو مسجد تعمیر کی گئی تھی اسے مسجد مائدہ یا فارسی اور اردو میں ''مسجد پنج پیالہ'' کہا جاتا تھا تاہم جیسا کہ علی بن موسیٰ آفندی نے ۱۸۸۵ء میں کہا ہے، دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب تھے اور ان کے اوپر گنبد تعمیر کئے گئے تھے (یعنی مسجد مائدہ۔پنج پیالہ۔اور مسجد بنی ظفر)۔اسی طرح ابراہیم رفعت پاشا نے جنہوں نے سعودی حکومت کے آنے سے پہلے دو تین بار مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنی مشہور زمانہ 'مرآۃ الحرمین' میں لکھا ہے کہ مسجد بنی ظفر مسجد مائدہ سے مختلف اور الگ تھی جہاں تک مسجد مائدہ کا تعلق ہے وہ تصدیق کرتے ہیں کہ یہ مسجد نبوی شریف سے ۲۰ منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع تھی اور اس کے اندر گول گول پیالہ نما اشیاء تھیں جو کہ مبینہ طور پر آسمان سے نازل ہوئے تھے۔تاہم وہ یہ کہتے ہیں کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مسجد مائدہ وہ مسجد تھی جہاں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مائدہ کا نزول ہوا تھا (۱۰۱) یہ ایک ایسی اغوا بات ہے جس سے فاضل مصنف کو بتائی گئی اس مبنی بر کذب روایت کے ڈھول کا پول خود بخود کھل جاتا ہے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری عمر تو فلسطین میں رہے اور اپنی پہلی زندگی میں مدینہ طیبہ نہ دیکھ سکے تھے)۔

اسی طرح ایک اور مصری سیاح لبیب البتنونی (جنہوں نے مدینہ طیبہ کی ۱۹۰۰ء میں زیارت کی تھی) بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مسجد مائدہ بقیع الغرقد کے شرق میں واقع تھی (۱۰۲) ابراہیم العیاشی (جو کہ سعودی آثار قدیمہ کے ماہر تصور ہوتے ہیں) نے اس مسئلہ پر اپنی مہر تصدیق یوں ثبت کی ہے:

عامۃ الناس اسے مسجد مائدہ کہتے ہیں معلوم نہیں سے اس نام سے کیسے پکارنا شروع ہوا، شاید اس لیے کہ اس جگہ پر ایک دوسرے کے قریب تین مختلف مساجد بن گئی تھیں، اس جگہ پر تین محراب پائے جاتے ہیں. اور شائد اسی وجہ سے لوگ مسجد بغلہ کو مسجد مائدہ سمجھ لیتے ہیں جس کی عمارت اب صرف دیواروں تک ہی محدود ہے جن پر چھت کا فقدان ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گنبد ہے یہ کھنڈرات اس باغ کے شرقی جانب واقع ہیں جو کہ آل رفاعی کی ملکیت ہے. (۱۰۳)

عبدالقدوس الانصاری نے ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۲۲-۱۹۲۳ء) میں تحریر کیا کہ مسجد کے کھنڈرات اس وقت تک موجود تھے اور اس کا رقبہ ۳،۷۰ میٹر مربع تھا (۱۰۴) الخیاری کے مطابق مسجد بنی ظفر کی جگہ پر (یا اس کے کچھ حصہ پر) مرکز الدعوۃ والارشاد کا دفتر تعمیر کر دیا گیا ہے اس سے ملحقہ باقی علاقہ دیوار کھڑی کر کے مقفل کر دیا گیا ہے جہاں سے آہنی دروازے کے روزنوں سے جھانکنا پڑتا ہے. اندر ملبے کے ڈھیر نظر آتے ہیں. دو مختلف مقامات پر پرانے پتھروں کے ڈھیر ہیں- ایک احاطے کے شرقی جانب اور دوسرا مدعوۃ والارشاد کے دفتر کی طرف. وہ ڈھیر جو کہ مکتب الدعوۃ والارشاد کی جانب ہے وہ مسجد بنی ظفر کا ملبہ ہے جب کہ دوسری جانب پنج پیالہ کے ملبہ کا ڈھیر ہے.

اس مقام کے پاس سے جنوب کی طرف جو سڑک جاتی ہے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ اندر کی طرف جب موقف ہذا جولائی ۲۰۰۱ء میں گیا تو ایک اور مسجد تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی. (۲۰۰۲ میں یہ مسجد مکمل ہو چکی ہے اور وہاں پانچ وقت نماز ہوتی ہے) اس مسجد کو مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ نئی مسجد 'مسجد بنو ظفر' ہے. اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ نئی مسجد قدیم تاریخی مسجد بنو ظفر کے قریب ہے اور یہ بھی کہ یہ اللہ ہی کا گھر ہے، لیکن حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ نہ یہ مسجد بنو ظفر ہے اور نہ ہی یہ اسی مقام پر تعمیر ہوئی ہے جہاں پرانی تاریخی مسجد ہوا کرتی تھی. وہ مسجد آثار رسول مقبول ﷺ میں سے تھی مگر جدید مسجد کو ہم وہ درجہ نہیں دے سکتے. اس کا محل وقوع وہیں ہے جہاں چودہ سو سال سے چلا آرہا تھا جس کے کچھ حصے پر اب مکتب دعوۃ والارشاد بن چکا ہے. (۱۰۵) باقی ماندہ حصے کو چار دیواری میں محصور کر دیا گیا ہے اور لوگوں کو اس کے اندر جھانکنے پر بھی بعض اوقات مطوعین مشکل صورت حال سے دوچار کر دیتے ہیں.

مسجد ابوذر غفاری، ۲۰۰۱ء

مسجد حضرت ابوذر الغفاریؓ:

اس تاریخی مسجد کا محل وقوع آج کل شارع ابوذر غفاری کے انصار ہوٹل کے قریب محلہ باب تمار میں ہے. اس کے سامنے شیراٹن ہوٹل زیر تعمیر ہے اور دوسری طرف بلدیہ مدینہ طیبہ نے حرۃ الواقم کی جانب ایک خوبصورت فوارہ لگایا ہوا ہے. ماضی میں اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے: مثلاً 'مسجد بحیری'، 'مسجد سجدہ'، 'مسجد شکر' اور 'مسجد الاسواف'. اس کو 'مسجد سافلہ' (۱۰۶) اور 'مسجد طریق السافلہ' بھی کہا جاتا رہا ہے. (۱۰۷) تاریخ کے اوراق یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس تاریخی مسجد کو ''مسجد ابوذر غفاری'' کب اور کیوں کہا جانے لگا مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جمال

قدیم مسجد معرس
کی ایک نادر تصویر

المطری کے دور میں بھی آٹھویں صدی ہجری میں یہ مسجد حضرت ابوذر الغفاریؓ سے منسوب ہو چکی تھی. ابراہیم العیاشی کے رائے یہ ہے کہ چونکہ بہت سی دیگر مساجد مشاہیر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منسوب تھیں لوگوں نے اس مسجد کو حضرت ابوذر الغفاریؓ کے نام سے منسوب کر دیا ہوگا.

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ مسجد النبوی شریف کے صحن میں حاضر تھے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد کی جانب تشریف لے جا رہے تھے. وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو لیے. انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بازار میں ایک احاطے میں داخل ہو گئے جہاں آپ حضور ﷺ نے وضوء فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر بہت طویل عرصے تک سجدے میں چلے گئے جب انہوں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: [جبریل امین نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کو جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا پھر آپ حضور ﷺ نے اسی بات کو دوبارہ دہرایا کہ جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا.] (۱۰۸) ایک اور روایت میں اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے: [اسی وجہ سے شکرانہ کے طور پر میں سجدہ میں چلا گیا.] اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا، اور چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ امام احمدؒ نے مسند میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے.

العباسی نے دسویں صدی ہجری میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ خستہ حالت میں تھی. اس کے رقبے کا طول صرف ۸ ذرع تھا. چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر بہت طویل سجدہ کیا تھا اس لیے اسے مسجد سجدہ بھی کہا جاتا تھا. پچھلے چالیس سالوں کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے ابراہیم العیاشی مرحوم نے لکھا ہے کہ: ''جب میں نے یہ مسجد چالیس سال پہلے دیکھی تھی تو یہ بالکل اتنے رقبے پر ہی محیط تھی جتنا کہ سید سمہودیؒ نے بیان کیا تھا حالانکہ اسے ایک مدنی 'علوی سقاف' نے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا تھا. اس وقت یہ صرف ایک غیر مسقف چار دیواری پر مشتمل تھی اور وہ دیواریں بھی گارے سے بنائی گئی تھیں. اس کے مغربی جانب کھجوروں کا ایک باغ ہوا کرتا تھا جو کہ بستان یحیی بن عبدالجلیل البری کی ملکیت ہوا کرتا تھا. (۱۱۰)

شاہ فیصل کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی جو کہ عرصہ تیس سال تک موجود رہی. ۲۰۰۱ء میں اس کی تعمیر نو شروع ہوئی جو کہ ۲۰۰۲ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی. اب یہ ایک نہایت ہی عالی شان مسجد بن چکی ہے. جس کو سطح ارضی سے کافی بلند کر کے بنایا گیا ہے. اس کے قبلہ کی جانب خوبصورت درخت لگے ہیں اور بہت ہی خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں. ۲۰۰۲ء سے اس کے بالکل سامنے شریٹن ہوٹل تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے. یہ مسجد چونکہ اکثر و بیشتر بند رہتی ہے مولف کو موقع نہیں مل سکا کہ اس میں دوگانہ ادا کر سکے.

مسجد معرس:

'مسجد معرس' میقات ذوالحلیفہ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی. (۱۱۲) یہ اس جگہ واقع تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکۃ المکرمہ سے واپسی پر استراحت فرمائی تھی اور شب باشی کی تھی. خیری کے بیان کے مطابق ۱۳۷۵ ہجری کے لگ بھگ اس مسجد کے کھنڈرات موجود تھے اور

مسجد معرس کی
موجودہ حالت

اس کے ساتھ ہی ایک منہدم کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد ذوالحلیفہ کی داہنی جانب تھا انہوں نے مزید کہا ہے کہ یہ علاقہ ایک زرعی فارم ہوا کرتا تھا جہاں کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی۔(۱۱۳) تاہم اسی کتاب کے حاشیے میں ناشرین نے یہ وضاحت کردی ہے کہ مرحوم مولف کے بعد وہ تمام علاقہ موجودہ مسجد میقات یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے احاطے میں آگیا ہے مسجد ذوالحلیفہ چونکہ کافی وسیع ہے اور اس کے اردگرد ایک وسیع و عریض یوٹیلیٹی ایریا اس کو گھیرے ہوئے ہے اس لیے اس مقام کی پہچان نا مشکل ہے کہ وہ تاریخی مسجد معرس کس جگہ واقع تھی سعید الدربی نے ۱۳۹۹ ہجری میں اپنی گائیڈ-'دلیل مساجد المدینۃ النورہ'- میں لکھا ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ کے علاوہ اس کے قبلہ کی جانب ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جس کے صحن میں ایک کنواں بھی تھا۔(۱۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے:[رسول اللہ-کا (حج) کا راستہ 'الشجرہ' کی طرف سے ہوا کرتا تھا اور واپسی پر سرور کونین ﷺ معرس کے راستے تشریف لاتے اور بلاشک جب بھی رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو آپ حضور ﷺ نے مسجد الشجرہ میں نماز ادا کی اور جب واپس تشریف لائے تو ذوالحلیفہ میں وادی کے عین بیچ میں نماز ادا کی اور اس کے قریب ہی رات کو استراحت فرمائی حتی کہ صبح ہوگئی۔(۱۱۵) اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ (یعنی مسجد الشجرہ) اور مسجد معرس دو الگ الگ مساجد تھیں اور دونوں مختلف مقامات پر تھیں اور یہ کہ موخر الذکر مسجد پہلی مسجد سے ذرا دور واقع تھی۔ایک جانے کا راستہ تھا تو دوسرا واپس آنے کا تھا۔

مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ اس معاملے میں ہماری مزید رہنمائی کرتی ہے۔حضرت موسیٰ بن عقبہؒ سے مروی ہے کہ: حضرت سالم بن عبداللہؒ کے والد (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر فاروقؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ حضور ﷺ مسجد معرس کے بطن میں وادی ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے تو مجھے یہ نداء دی گئی کہ:[تم اس وقت ایک مقدس وادی میں ہو۔] حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں اونٹوں سے اترنے کا کہا جہاں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اترا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی اور یہ مقام اس مسجد سے نیچے کی جانب تھا جو کہ وادی کے درمیان میں واقع ہے۔یعنی سڑک اور مسجد کے درمیان۔(۱۱۶) المراغی (ت:۸۱۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی مسجد (معرس) بھی وہاں صرف اتنے فاصلے پر تھی جو کہ ایک تیر کی مسافت پر تھی۔(۱۱۷) تاہم وہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اس جگہ کا تعین جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بہت سی روایات میں بتائی تھی کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی کافی

وادی عتیق میں مسجد معرس
کی ایک اور تصویر

مشکل کام ہے کیونکہ ایک مرتبہ وادی بطحاء میں شدید طغیانی آگئی تھی جس سے سب نشانات مٹ گئے تھے اور یہ پہچاننا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ تمام مقامات کہاں تھے۔(۱۱۸)

بعد میں اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو کہ بیسویں صدی کے وسط تک معرض وجود میں رہی ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ ۱۳۷۳ ہجری میں بہت تگ و دو اور تحقیق کے بعد وہ اس قابل ہوئے تھے کہ قدیم مسجد معرس کا جائے وقوع معلوم کر سکیں۔اس کی قدیم بنیادیں دریافت ہو گئیں جو کہ ایک کاشتکار نے اپنے پانی کے ذخیرہ کرنے کے لیے بنوائے ہوئے تالاب کے نیچے دفن کر دی تھیں اور جہاں سے آزادی سے اس مقدس مقام کی بے حرمتی کے مرتکب ہوا کرتے تھے اور پھر میڈیا میں زبردست مہم کے بعد وہ کہیں اس قابل ہوئے تھے کہ اس مسجد کی حرمت بحال کر سکیں۔(۱۱۹) وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد 'مسجد المیقات' کے جنوب میں تقریباً ۱۵۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھی اور اس کے قریب ایک کنواں بھی تھا جو کہ اس وقت قریب الانہدام تھا۔

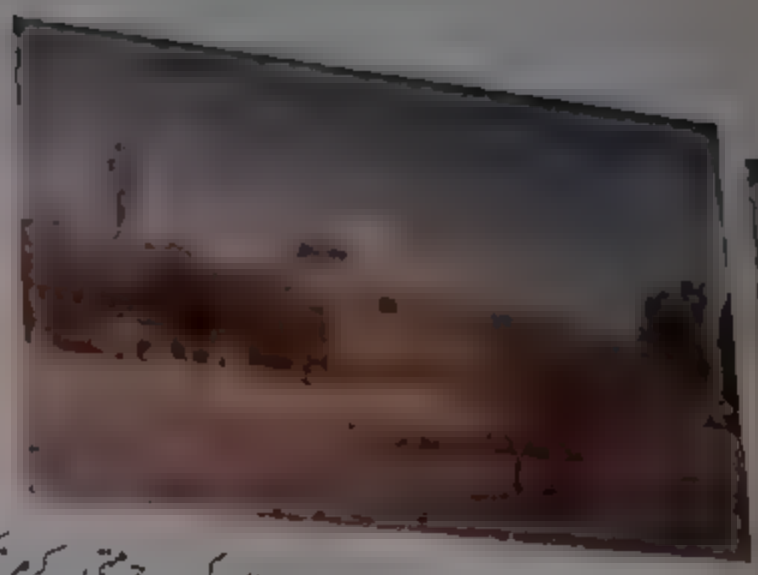

وادی عقیق کے مغربی کنارے پر واقع مسجد شجرہ جسے اب مسجد ذوالحلیفہ (مسجد میقات) کہا جاتا ہے پہلی سعودی تعمیر کے بعد

مسجد ذوالحلیفہ:

جنوب (مکۃ المکرمہ) سے مدینہ طیبہ آنے والے حضرات کے لیے باب المدینہ وہ مقام ہے جو کہ اہل مدینہ کے لیے حج اور عمرہ پر جانے کے لیے نقطہ میقات ہے۔اسے مسجد الشجرہ بھی کہا جاتا تھا لیکن آج کل یہ مسجد ذوالحلیفہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ وادی العقیق کے مغربی کنارے واقع ہے۔مسجد نبوی شریف سے تقریباً نو یا دس کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی العقیق کے اس علاقے میں یہ مسجد طریق الہجرہ پر اس علاقے میں واقع ہے جسے ابیار علی یا آبار علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہ تمام علاقہ آبار علی کے نام سے ہی مشہور ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس علاقے میں کنویں کھدوائے ہوئے تھے اور آج بھی ان میں سے چند بچے ہوئے کنویں مسجد ذوالحلیفہ سے پانچ دس منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اس کی تعمیر نو ہوئی۔اس وقت اسے پتھر اور جپسم سے بنی دیواروں سے بنایا گیا تھا۔کئی صدیوں تک یہ عمارت قائم رہی لیکن بالآخر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی۔زین الدین نامی ایک شخص نے ۸۶۱ ہجری میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔العباسی کے بیان کے مطابق: ''وہ جگہ جہاں لوگ احرام پہنتے ہیں اس مقام پر نہیں ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام زیب تن فرمایا تھا، کیونکہ وہ مسجد تو کچھ عرصہ پہلے منہدم ہو چکی ہے۔یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کے گرد چار دیواری کا احاطہ تھا۔اس کی جگہ اب عثمانیوں کے زیر اشراف ایک شخص محمود بیگ السبحق نے مسجد تعمیر کروادی ہے۔(۱۲۱) یہ حال تو دسویں صدی میں تھا جبکہ وہ ایک چھوٹی اور سادہ سی عمارت ہوا کرتی تھی اور اس کی چھت کھجور کے تنوں سے بنے شہتیروں سے بنی تھی۔بعد میں عثمانی حکومت سے اجازت لے کر برصغیر کے چند مسلمانوں نے اس مسجد کو ۱۰۹۰ ہجری میں دوبارہ تعمیر کروادیا۔یہ سلطان محمد چہارم کے دور میں ہوا تھا۔اس وقت بھی مسجد نہایت سادہ اور پتھر کی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی تھی اور اس کا کل رقبہ ۵۲ مربع ذرع تھا۔

بیسویں صدی میں حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا اور یہ چھوٹی سی مسجد حجاج کے جم غفیر پر تنگ پڑنے لگی تو سعودی حکومت نے ۱۳۷۵ ہجری میں (جب کہ مسجد نبوی شریف بھی زیر تعمیر تھی) اسے نئے سرے سے تعمیر کروادیا۔جلد ہی یہ نئی مسجد بھی حجاج کے لیے کم پڑنے لگی، لہذا جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم الحرمین الشریفین کے احکام پر اس مسجد کو دوبارہ وسعت دینے کا منصوبہ تیار ہوا۔سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ ہجری کو ہوئی۔اس منصوبے کے تحت آبار علی کے علاقے کو ترقی دے کر ہموار

میقات کا ایک خوبصورت نظارہ (۲۰۰۵ء)

کیا گیا تا کہ حجاج کرام کی آمد و رفت میں آسانی ہو اور ان کو لانے اور لے جانے والی ٹریفک جن میں بڑی بڑی گاڑیاں اور بسیں استعمال ہوتی ہیں میں رکاوٹ نہ ہو. مؤسسہ محمد بن لادن کا انتخاب کیا گیا تا کہ اس بڑے منصوبے پر عمل درآمد کیا جا سکے. موجودہ مسجد ۶،۰۰۰ مربع میٹر پر محیط ہے جس میں سے ۴،۰۰۰ مربع میٹر کا علاقہ نماز ادا کرنے کے لیے وقف ہے جہاں بیک وقت ۵،۰۰۰ نمازی بآسانی سما سکتے ہیں. اگر اس تمام رقبے کو شامل کیا جائے جو کہ پارکنگ اور دیگر یوٹیلیٹی خدمات کے لیے استعمال ہوتا ہے تو کل رقبہ ۹،۰۰۰ مربع میٹر تک پہنچ جاتا ہے. چونکہ یہ مسجد وادی بطحاء کے بطن میں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ ایک بہت ہی حسین منظر پیش کرتی ہے. جس کو طرح طرح کی شجر کاری کر کے مزید چار چاند لگائے گئے ہیں. مسجد دو بلند دیوانوں کے درمیان واقع پلازا نما علاقہ میں واقع ہے جس کا رقبہ ایک ہزار مربع میٹر سے بھی زیادہ ہے. اس کی عمارتی خوبصورتی عالیشان گنبدوں اور محرابوں سے مزید بڑھ گئی ہے جو کہ دونوں دالانوں پر سجے ہیں. صرف اس کے صحن کا رقبہ ۶۲ مربع میٹر ہے.

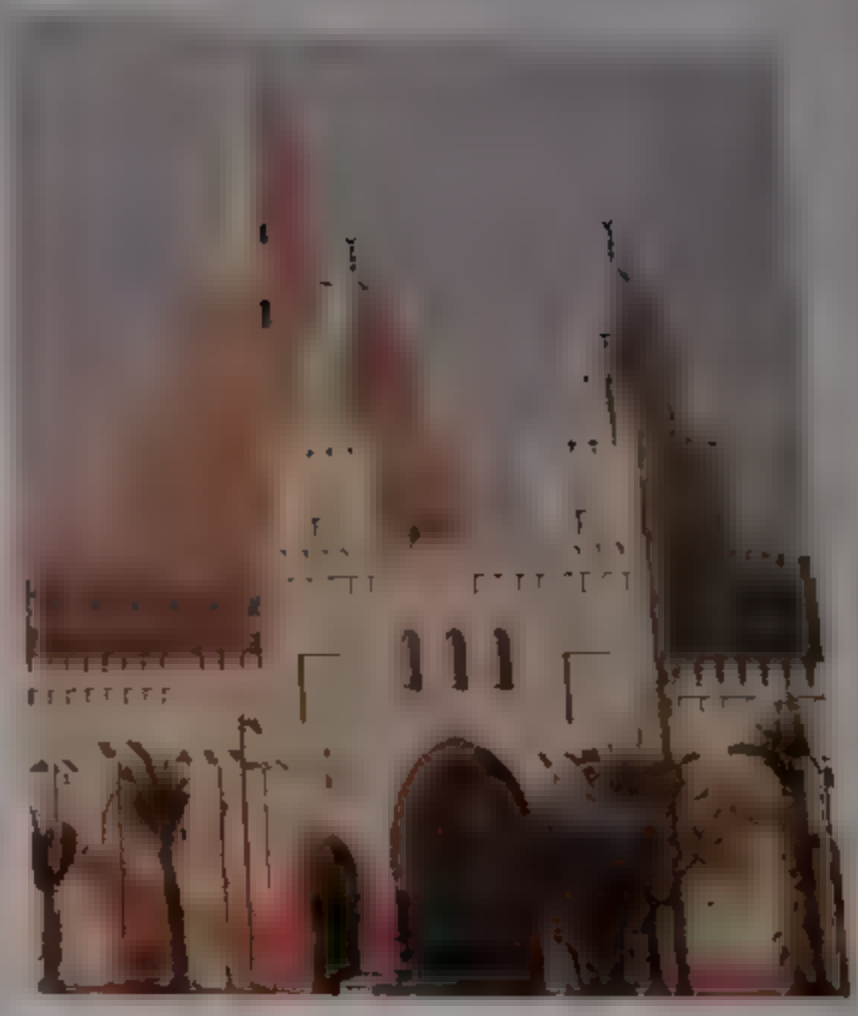

مسجد ذوالحلیفہ کا بیرونی دروازہ

وادی بطحاء میں چاروں طرف کوہساروں سے گھرے طویل القامت سفیدے کے درختوں کے درمیان واقع یہ مسجد ذوالحلیفہ ہے جو کہ نہ صرف ایک حسین قدرتی منظر پیش کرتی ہے بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں پر معتمرین اور حجاج کرام احرام پہن کر اپنے اس روحانی سفر پر مکۃ المکرمہ کی جانب گامزن ہوتے ہیں جسے عرف عام میں حج یا عمرہ کہا جاتا ہے. سرخ پتھروں سے بنی بلند و بالا بے شمار محرابی چھتیں جو کہ دو ایوانوں میں بنائی گئی ہیں مسجد ذوالحلیفہ کو دونوں جانب سے گھیرے میں لیے ہوئی ہیں. مسجد سے ملحق علاقے میں دفاتر اور رہائشی علاقہ بھی ہے جہاں سٹور اور دیگر یوٹیلیٹی خدمات موجود ہیں. کھجوروں کے درختوں سے بھرپور لان چاروں طرف حسن مدینہ طیبہ میں اضافہ کرتے ہیں. چونکہ مسجد ایک ایسی وادی میں واقع ہے جہاں ماضی میں اکثر طغیانی آجایا کرتی تھے اس لیے اسے سطح ارضی سے کافی بلند بنایا گیا ہے چھت پر سولہ میٹر سے بھی بلند گنبد سجائے گئے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے ۴،۸ میٹر کے فاصلے پر ہیں. صحن مسجد میں ایک چھوٹا سا لان چھوڑ دیا گیا ہے جہاں کیکے کے سرسبز درخت لگے ہیں جن کے درمیان ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے جس کو ۴،۵ x ۴،۵ میٹر کے رقبے پر استوار کیا گیا ہے. یوٹیلیٹی اور سروس ایریا ۶۶۰، ۹ میٹر کے علاقے پر محیط ہے جہاں ۵۱۲ غسل خانے اور ۵۵۶ احرام بدلنے کے حمام بنائے گئے ہیں جسے دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جہاں خواتین و حضرات احرام بدل سکتے ہیں. اس کے علاوہ دونوں حصوں میں وضوء کے لیے بہت سی ٹونٹیوں کا انتظام کیا گیا ہے. ایک وسیع و عریض رقبہ پارکنگ کے لیے مختص ہے جہاں سڑکیں بنا کر کاروں اور بسوں کے ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا ہے جہاں ۵۰۰ کاریں اور ۸۰ بسیں بیک وقت پارک ہو سکتی ہیں. چونکہ یہ مسجد چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے اور حجاج یا معتمرین کا وقوف وہاں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ تک ہی ہوتا ہے اس لیے یہ مسجد ایک دن میں لاکھوں فرزندان توحید کے لیے کافی ثابت ہوتی ہے. کار پارکنگ کے درمیان گزرگاہوں پر خوبصورت شیڈ لگے ہوئے ہیں جہاں عمرہ اور حج کے لیے ضروری سامان (مثلاً احرام، پٹیاں اور چپلیں وغیرہ) اور چائے پانی کا سامان بکثرت دستیاب ہے.

مسجد الرایہ (مسجد ذباب):

یہ تاریخی مگر چھوٹی سی مسجد 'العیون' کی آبادی کے درمیان جبل ذباب کی چوٹی پر موجود ہے. طریق العیون سے شرقی جانب جاتے

ہوئے یہ مسجد محط الزغبی کی پشت پر چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے اس کے ارد گرد قریب مکانات پرانے مدینہ طیبہ کی طرز تعمیر کی یاد دلاتے ہیں آدھے سے زیادہ جبل ذباب تو آس پاس کے علاقے کو پارکنگ مہیا کرنے کے لیے ختم کر دیا گیا ہے عام تصور پر تو مسجد رایہ کا نام دیا گیا ہے لیکن ماضی میں اسے مسجد قرین (۱۲۳) اور مسجد زاویہ کے نام سے بھی جانا جاتا تھا جب مصنف نے جولائی ۲۰۰۱ء میں اس مسجد کی زیارت کی تو یہ مقفل تھی۔ صرف وضوء کا علاقہ کھلا تھا مگر مسجد کا کمرہ بند تھا۔ محلے کے لوگوں کے بیان کے مطابق یہاں پانچ وقت نماز ہوتی ہے اسے چھوٹی چھوٹی پکی اینٹوں سے بنایا گیا ہے جو کہ قدیم مدینہ طیبہ کے فن تعمیر کا مظہر ہے یہ تاریخی مسجد صرف ایک کمرے پر ہی مشتمل ہے جس میں ایک پرانی وضع قطع کی محراب ہے۔ اس میں موجود الکوٹی کھڑکی کو ایر کنڈیشنر کے لیے استعمال کر لیا گیا ہے اسے باقاعدگی سے سفیدی کی جاتی ہے۔

مسجد الرایہ کی تاریخی اہمیت:

غزوۂ احزاب میں فوجی کارروائیوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے جبل ذباب کی چوٹی پر اپنا خیمہ نصب کروایا تھا جو کہ اتنی بلندی پر تھا کہ وہاں سے سالار اعظم تاجدار مدینہ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت پر ہر طرف سے نظر رکھ سکتے تھے اور اس طرح تمام میدان جنگ جو کہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا سرور دو عالم ﷺ کی نگاہوں کے سامنے تھا عسکری نقطہ نظر سے یہ مقام نہایت ہی موزوں تھا حضرت ابی سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے اپنا عریش (خیمہ) جبل ذباب پر نصب کروایا تھا۔] ابن زبالہ اور ابن شبہ نے بھی ایسی ہی روایات حضرت عبدالرحمٰن الاعرجؒ سے نقل کی ہیں (۱۲۴) بنوامیہ کے دور میں (جب مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ کچھ مجرموں کو جبل ذباب (جسے جبل الرایہ بھی کہا جاتا تھا) پر دار و رسن کی سزا دی گئی۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے پرزور احتجاج کیا اور مروان کو کہلا بھیجا کہ کیا تمہیں یہی جگہ اس کام کے لیے ملی تھی جہاں پر حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنا خیمہ نصب کروایا تھا؟ اس پر وہ قبیح رسم اس جگہ سے ختم کر دی گئی۔ ابن شبہ کے بیان کے مطابق ایک بار مروان نے جبکہ وہ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا وہاں پر ایک آدمی کو مصلوب کروایا تھا جس نے ذباب نامی ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مروان کی سرزنش یہ کہتے ہوئے کی کہ تم نے اس مقام کو جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں کیسے مقتل و مصلب بنوا دیا ہے؟ پھر اس کے بعد اس جگہ کی کبھی بے حرمتی نہیں ہوئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں باقاعدہ مسجد تعمیر کروا دی تھی جو کہ آج تک مسجد الرایہ یا مسجد الذباب کے نام سے جانی جاتی ہے۔ (۱۲۵)

حضرت ہشام بن عروہ بن الزبیرؒ نے بھی اس آثار نبوی شریف کی بے حرمتی کے خلاف ابن زیاد سے یہ کہتے ہوئے احتجاج کیا تھا: ''کتنی شرم کی بات ہے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ مبارکہ نصب کیا تھا وہاں لوگوں کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔'' جہاں تک اسے مسجد الرایہ (عربی میں الرایہ جھنڈے اور علم کو کہتے ہیں) کہے جانے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں واقدی نے ایک اور چونکا دینے والا انکشاف کیا ہے کہ یزید بن حرمز لوگوں کو جرائم کی پاداش میں موت کی سزا دیتا تو ان کو اس پہاڑی پر تہہ تیغ کیا جاتا تھا جب ان لوگوں کو اس مقتل (جبل الذباب) پر لے جایا جاتا تو ایک آدمی جھنڈا اٹھا کر آگے آگے چلتا تھا لہذا اس جگہ کا نام ہی 'الرایہ' پڑ گیا (۱۲۶)

المراغی نے اس مسجد کا سرسرا ہے ذکر کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بھی مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد میں سے ایک ہے (۱۲۷) ایک طویل عرصے تک یہ مسجد بے اعتنائی اور شکست و ریخت کا شکار رہی پھر شہزادہ جہاں بیگ النیر وزی نے ۸۴۵ یا ۸۴۶ ہجری میں اس کی تعمیر نو

مسجد ارایہ
(مسجد ذباب) کی ایک
نادر تصویر

کروائی اس کی قدیم طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک بنیادی طور پر اسی زمانے کی تعمیر ہے اور اس لحاظ سے یہ مدینہ طیبہ کی قدیم اور اثری عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔

مسجد الفضیخ:

تابعین حضرات ہاشم بن عروہ بن الزبیرؒ اور حارث بن فضیل الانصاریؓ کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر جہاں بعد میں مسجد فضیخ بنی تھی نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ ابن شبہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مرفوع روایت پر مبنی اپنے بیان میں کہا ہے کہ بنی نضیر کے محاصرے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نمازیں ادا فرمائی تھیں جہاں پر اب مسجد فضیخ موجود ہے۔ چونکہ بنی نضیر کا محاصرہ چھ دن تک جاری رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر نمازیں ادا کی تھیں لیکن اس وقت تک یقینی طور پر کسی مسجد کا وجود نہ تھا کیونکہ وہ یہود کا علاقہ تھا۔ مسجد کی تعمیر بنی نضیر کے یہودیوں کے مدینہ بدر ہونے کے بعد ہی عمل میں آئی ہوگی لیکن جب مسجد بن گئی تو ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نمازیں ادا کی تھیں جیسا کہ امام احمد اور ابو یعلیٰ کی روایت مروی از حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہوتا ہے۔

مسجد ارایہ
(مسجد ذباب) کی ایک
نایاب تصویر

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ [جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو آپ حضور ﷺ نے اس مقام پر اپنا خیمہ مبارکہ نصب کروایا تھا جہاں پر مسجد فضیخ تعمیر ہوئی۔ چھ دن تک آں حضرت ﷺ نے اسی مقام پر اپنی نمازیں ادا فرمائیں۔ پھر بعد میں جب شراب نوشی حرام قرار دے دی گئی اور اس حرمت کی خبر حضرت ابوایوب الانصاریؓ اور دیگر انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی جو کہ اس وقت اس جگہ بیٹھے فضیخ (جو کہ کھجوروں سے کشید کی ہوئی ایک قسم کی شراب تھی) پی رہے تھے، انہوں نے اپنے شراب کے مٹکے اسی وقت اس کنویں میں انڈیل دیئے (یہ کنواں اس مسجد کے صحن میں واقع تھا)۔ اسی واقعہ کی نسبت سے اس مسجد کا نام ہی مسجد الفضیخ پڑ گیا۔ (۱۲۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اسی روایت کے مطابق جب حرمت خمر کا قرآنی حکم (۱۳۰) آن پہنچا تو ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اس وقت شراب پی رکھی تھی جن میں حضرت ابوایوب الانصاری بھی شامل تھے نے اسی کنویں میں قے کر کے اپنے معدے خالی کر ڈالے اور جو شراب ان کے مٹکوں میں باقی بچی ہوئی تھی وہ بھی انہوں نے اسی کنویں میں انڈیل دی تھی۔ جب بعد میں اسی مقام پر مسجد کی تعمیر ہوئی تو وہ مسجد بھی اسی واقعہ کی نسبت سے مسجد الفضیخ ہی

مسجد ابرایہ
(مسجد قباب)
۲۰۰۱ء

کہلائی۔(۱۳۱) زائرین کو اکثر وہ کنواں دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ صحن مسجد میں ابھی تک موجود ہے اور اسے ایک مین ہول کے ڈھکنے سے ڈھانپا گیا ہے یہ کنواں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع رسول مقبول ﷺ کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔

سمہودیؒ کے مطابق یہ ایک مربع شکل کی مسجد تھی جس کا رقبہ ۱۱ x ۱۱ ذرع پر محیط تھا۔اسے شیخ الخدام الشجاعی الجمالی نے ۸۹۳ ہجری (۱۴۷۸ء) میں تعمیر کروایا تھا۔صالح کمعی مصطفیٰ کی رائے میں اس کی مرمت یا تعمیر نو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں ۱۸۴۹-۱۸۵۰ء میں ہوئی ہوگی (۱۳۲)۔تاہم علی بن موسیٰ آفندی جنہوں نے اپنی 'وصف المدینہ' ۱۳۰۳ ہجری (۱۸۸۵ء) میں لکھی تھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں مسجد پر کوئی چھت نہیں تھی۔یہ بیان اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ترکی دور میں اس مسجد کی تعمیر دو بار ہوئی تھی۔ایک بار تو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں اور پھر ۱۸۸۵ء کے بعد اس کی تعمیر میں استعمال شدہ کالے پتھر اور محراب اور گنبد اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ترکی طرز تعمیر ہی ہے۔مسجد کے اندر اور باہر سفیدی کی گئی ہے لیکن پھر بھی کئی جگہ سے سفیدی کے ہٹ جانے سے اس کی اصلی عمارتی خصوصیات اجاگر ہو جاتی ہیں۔اس مسجد میں صرف ایک برآمدہ ہے جو کہ ۱۹ میٹر لمبا اور ۴ میٹر چوڑا ہے اور اس پر پانچ مضبوط گنبد سجے ہیں۔

بدقسمتی سے مسجد قضیح کے متعلق اب خاصہ ابہام پایا جاتا ہے۔ابن نجار نے لکھا ہے کہ مسجد قضیح مسجد قباء کے قریب ہے اور اس کی شرقی جانب ہے اور وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسے مسجد شمس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ابن نجار اور سمہودیؒ کے مطابق یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کا رقبہ ۱۰x۱۰ ذرع تھا۔مسجد قباء کے قریب آج بھی ایک احاطہ ہے جس کو چار دیواری سے محیط کیا گیا ہے۔اب تو اس احاطے کے اندر صرف چند کھنڈرات ہی ہیں، مسجد کا کوئی نام و نشان باقی نہیں چھوڑا گیا۔یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مسجد شمس ہے۔العباسی نے کہا ہے کہ یہ مسجد 'مسجد شمس' ہی ہے۔چونکہ یہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جہاں قباء میں سب سے پہلے سورج کی کرنیں پڑتی ہیں اس لیے لوگ اسے مسجد شمس کہنے لگ گئے ہیں۔(۱۳۴) شیعہ حضرات کی روایات کے مطابق یہ مسجد 'ردالشمس' ہے۔تاہم العباسی نے اس نظریئے کی مخالفت یہ کہہ کر کی ہے کہ معجزہ ردشمس تو الصحباء کے مقام پر وقوع پذیر ہوا تھا جو کہ خیبر کے قریب ہے نہ کہ مدینہ طیبہ میں جیسا کہ سیدۃ اسماء بنت عمیس ؓ کی بیان کردہ روایت میں ہے۔سمہودیؒ اور مطری دونوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ الصحباء کے قصبے میں وہ مسجد موجود ہے جہاں پر وہ مذکورہ معجزہ رونما ہوا تھا۔(۱۳۵)

غالی الشنقیطی جنہوں نے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں گزاری تھی نے تو دوٹوک الفاظ میں اپنی تاریخ مدینہ طیبہ 'الدرالثمین' میں کہا ہے کہ وہ

مسجد جس پر پانچ گنبد ہیں وہی مسجد الفضیخ ہے جسے بسا اوقات مسجد شمس بھی کہہ دیا جاتا ہے انہوں نے بھی بسیار کے بعد حقیقت واقعہ سے الگ کیا ہے اور ان افواہوں کی پرزور تردید کی ہے کہ یہ مسجد شمس نہیں ہے بلکہ مسجد الفضیخ ہی ہے اور اس کے اثبات کے لیے انہوں نے اپنی تاریخ میں ایک راہنما نقشہ بنا کر سمجھایا ہے۔(۱۳۶)

ماضی قریب کے ایک اور مورخ مدینہ طیبہ احمد یاسین الخیاری نے بھی مسجد فضیخ کو مسجد الشمس کہے جانے پر بہت تحقیق و تدقیق کی ہے اور انہوں نے بھی پورے وثوق سے کہا ہے کہ مسجد شمس اپنی جگہ قباء کے قریب ہے جبکہ وہ مسجد جو کہ مسجد الفضیخ کے نام سے جانی جاتی ہے وہی مسجد فضیخ ہی ہے دونوں الگ الگ مساجد ہیں قاری کی تسلی کے لیے ہم ان کی تاریخ مدینہ

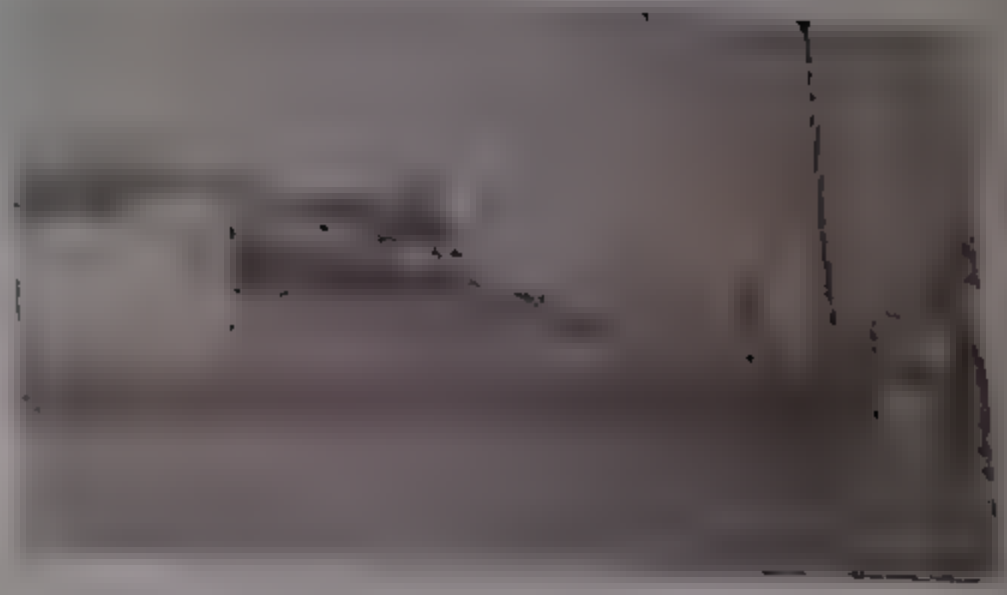

مسجد الفضیخ کی یک نما تصویر جس میں پانچ گنبد ہوا کرتے تھے، عمارت بضع قطع سے خالی ہونا ہے کہ اسے شمالی دیوار میں تبدیل کیا گیا تھا

سے مندرجہ ذیل اقتباس اردو میں دے رہے ہیں:

"یہ مسجد قباء کی مسجد کے مشرق میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جو کہ ایک وادی کے کنارے پر ہے اور مسجد شمس (یعنی سورج والی مسجد) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ نام اسے اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ بوقت طلوع سورج کی شعاعیں اس پر سب سے پہلے پڑتی ہیں۔ یہ ایک مستطیل شکل کی چھوٹی سی مسجد ہے تاہم اس وقت وہاں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نہیں بچا جو کہ ایک گری ہوئی دیوار کی شکل میں ہے جو کہ محض ایک میٹر طویل ہوگی۔ مورخین میں اس بارے میں کچھ اختلاف ہے کیونکہ بعض لوگ اسے مسجد الفضیخ کہہ دیتے ہیں نہ کہ مسجد الشمس۔ لیکن میرے پاس علاقے کے باشندگان کی ناقابل تردید شہادتیں ہیں اور جو اس بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ مسجد شمس ہے نہ کہ مسجد فضیخ مسجد فضیخ اس سے الگ مسجد ہے جو کہ کافی فاصلے پر واقع ہے۔ یہ تو مسجد شمس ہے جو قربان کے علاقے میں قباء اور العوالی کے درمیان واقع ہے جبکہ مسجد فضیخ العوالی میں حرہ کے شرقی جانب واقع ہے۔"(۱۳۷)

یہی نظریہ عبد القدوس الانصاری کا ہے جو کہ سعودی مورخین اور محققین کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں اگرچہ اس مسجد کے متعلق دو آرا تھیں، مگر اس بات پر سب کا اتفاق رہا ہے کہ یہ وہ متبرک جگہ تھی جہاں پر سرکار دو عالم ﷺ خیمہ زن تھے اور وہاں حضور پرنور ﷺ نے کئی نمازیں بھی ادا کی تھیں۔ اس نقطہ نظر سے یہ بہت ہی تکلیف دہ امر ہے کہ اس مقدس مقام پر موجود مسجد کو نہایت ہی بے دردی سے اگست ۲۰۰۱ء میں شہید کر دیا گیا ہے۔ اب یہ مسجد نہ صرف صفحہ تاریخ مدینہ سے معدوم ہو جائے گی بلکہ آنے والے وقتوں میں اہل مدینہ کی یاد سے بھی فراموش ہو چکی ہوگی۔ جب ہم نے اگست ۲۰۰۲ء میں اس جگہ کی زیارت کی تو وہ منہدم شدہ جگہ ناگفتہ بہ حالت میں تھی۔ عمارت پر تو کبھی کا بلڈوزر پھر چکا تھا مگر اس کا ملبہ سابقہ صحن میں بکھرا پڑا تھا اور وہ تاریخی کنواں جو شراب کی حرمت کے واقعہ سے منسوب تھا اسے ملبہ سے بھر دیا گیا تھا۔ دسمبر ۲۰۰۲ء میں دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہ جگہ صاف کر دی گئی تھی اور اس پر اب اہل محلہ کی گاڑیاں پارک ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ بابری مسجد کی طرح اگر کوئی غیر مسلم یہ حرکت کرتا تو پورا عالم اسلام حرکت میں آجاتا، مگر وائے آثار رسول مقبول ﷺ تمہارا رونا کس سے رویا جائے۔ العیاذ باللہ! انتہائی خاموشی کے ساتھ

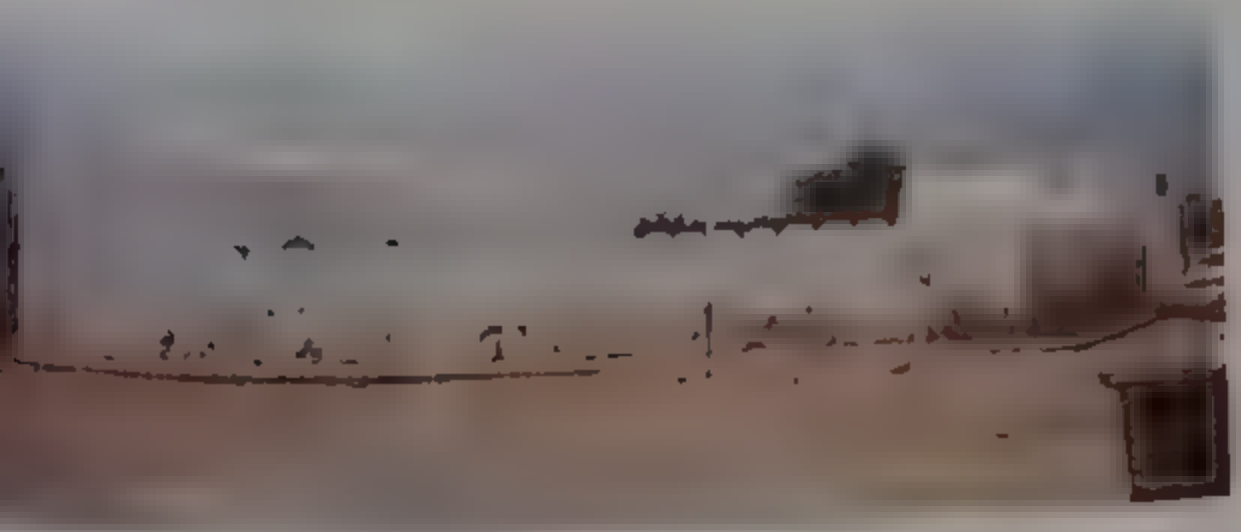

انہدام سے پہلے مسجد فضیخ (تصویر: ۲۰۰۰ء)

مسجد بنی قریضہ کے آثار
جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے
نماز ادا فرمائی

مسجد فضیخ بھی ان مساجد کے ساتھ شہادت کی فہرست میں شامل ہو چکی ہے جن کا نام و نمود پچھلے بیس سالوں میں مٹایا جا چکا ہے۔

مسجد بنو قریضہ:

محل وقوع اس مسجد کا محل وقوع مسجد فضیخ کی شرقی جانب تھوڑے فاصلے پر حرہ شرقیہ میں حجازیہ کے بستان کے پاس ہے۔ اردگرد چند مکانوں کے کھنڈرات ہیں جہاں کافی عرصہ پہلے مسافر اور فقراء رہا کرتے تھے جن کے پاس اپنی رہائش کا بندوبست نہ ہو سکتا تھا۔ الزہراء ہسپتال سے گر ہم مشربہ ام ابراہیمؓ کے پاس سے گزرتے ہوئے آدھا کیلومیٹر آگے کی طرف معذوروں کے ہسپتال سے آگے نکل جائیں تو اسی سڑک پر دائیں طرف اس تاریخی مسجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہسپتال کی دیوار سے ذرا آگے دائیں جانب چند آثار قدیمہ موجود ہیں اور کچھ پرانے مکانات ہیں جن کے آگے دیوار کھڑی کر کے ان پر شیشہ کے ٹکڑے لگا دیئے گئے ہیں۔ وہ بستی بنی قریضہ ہے اور بالکل سڑک کے کنارے پر کھنڈرات پر ٹین کی چھت ڈال کر اس میں کافی عرصہ ہوا ایک ورکشاپ بنا دی گئی تھی، بس وہی جگہ مسجد بنو قریضہ کی ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں رسول اللہ اور تاجدار مدینہ ﷺ نے اپنا عریش نصب کروایا تھا اور بنو قریضہ کا غزوہ سر کیا تھا۔

ابن نجار کے مطابق مسجد بنی قریضہ العوالی میں تھی اور اس کا رقبہ ۲۰×۲۰ ذرع پر محیط تھا جس میں ۱۶ ستون تھے جن میں سے زیادہ تر ان کے دور میں (چھٹی صدی ہجری میں) گر چکے تھے اور مسجد صرف ایک احاطے کی شکل میں تھی جس کی دیواریں نیم منہدم تھی اور چھت مفقود ہو چکی تھی۔ ان کے بیان کے مطابق پہلی نظر پر تو یہ مسجد قباء کی طرح نظر آتی تھی۔ اس کے گرد بہت سے کھجوروں کے باغات تھے اور یہ مشربہ ام ابراہیم کے قریب تھی۔ (۱۳۸) المراغی نے بیان کیا ہے: مسجد بنی قریضہ مسجد شمس سے کافی دور مشرق کی طرف واقع ہے۔ یہ حرہ شرقیہ میں ہے۔ پاس ہی ایک بستان کو راستہ جاتا ہے جو کہ حجازیہ کے نام سے مشہور ہے اور ایک وقف جائیداد ہے جسے غرباء اور مسافروں کے لیے تصدق کیا گیا ہے۔ اس کے اردگرد نیم منہدم مکانات ہیں جو کہ بنی قریضہ کے ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ابن زبالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں یہودی زبیر بن باطا القریظی کا اطم ہوا کرتا تھا۔ (۱۳۹) حضرت سلمان فارسیؓ اسی زبیر بن باطا کے غلام رہے تھے۔

سمہودیؒ نے بھی اپنے پیشروؤں کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ: ظاہر ہے کہ یہی مسجد مسجد بنی قریضہ ہے جس کا ذکر صحیحین میں موجود ہے جسے حضرت ابو سعید الخدریؓ نے روایت کیا ہے: [بنی قریضہ کے لوگوں نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی تحکیم پر ہتھیار ڈال دینے کی پیش کش کی لہذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو طلب

مسجد بنی قریضہ کے کھنڈرات
(تصویر احمد یاسین خیاری)

مسجد بنی حرام

فرمایا جو کہ یک دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ انصار کو فرمایا کھڑے ہو کر اپنے رئیس کا استقبال کیجیے. پھر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا [یہود نے تمہاری تحکیم پر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے.] حضرت سعدؓ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بندی بنالیں.] سمہودیؒ نے اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "جب وہ مسجد کے قریب پہنچے" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف ہرگز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے بلکہ بنی قریضہ کے محاصرے پر تھے، چنانچہ اس مسجد سے مراد مسجد بنی قریضہ ہی ہے جہاں کہ آں حضرت ﷺ اس وقت تشریف فرما تھے. (۱۴۰) چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ دن وہیں قیام فرمایا تھا یقیناً وہاں مسجد بنا دی گئی ہوگی. الشیخ العباسی نے دسویں صدی ہجری میں تحریر کیا ہے کہ مسجد بنی قریضہ العالیہ (اعوالی) میں مسجد شمس کی شرقی جانب کافی فاصلے پر واقع تھی جس کے قریب حدیقہ مجازیہ کا پارک تھا جو کہ غرباء اور مسافروں کے لیے وقف تھا. (۱۴۱)

عصر حاضر کے چند مورخین مسجد بنو قریضہ کے محل وقوع کے بارے میں مغالطے کا شکار ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ وہی مسجد جس کو ماضی میں مسجد ففیخ کہا جاتا تھا وہی دراصل مسجد بنی قریضہ ہے حالانکہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ مسجد بنی قریضہ اور مسجد ففیخ دو الگ الگ مساجد ہیں. مسجد ففیخ کا تعلق غزوہ بنو نضیر سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر چھ دن محاصرے کی غرض سے قیام فرمایا تھا اور مسجد بنی قریضہ کا تعلق غزوہ بنی قریضہ سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقے کا محاصرہ فرمایا تھا جو کہ دو ہفتے تک جاری رہا تھا. یہودیوں کے یہ دونوں قبائل الگ الگ بستیوں میں رہتے تھے جو کہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھیں اور ذہن رساء خواہ کتنا ہی کیوں نہ پرواز کر لے عقل سلیم ہرگز یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کرتے وقت اپنا خیمہ بنو قریضہ میں نصب کیا تھا یا بنو قریضہ کا محاصرہ کرتے وقت بنو نضیر کے علاقے میں اپنا عریش مبارک لگوایا تھا. دوسری صدی کے مورخ ابن شبہ نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ مسجد بنو قریضہ ایک الگ مسجد تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریضہ کا محاصرہ کرتے وقت اپنا عریش نصب کروایا تھا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس دوران ایک خاتون کے گھر میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے جس کا تعلق الخضر سے تھا. بعد میں وہ گھر اسی مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں سرور دعالم ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ اسی مسجد کے مشرقی حصے میں تھا جو مینارہ کے قریب ہی تھا (جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا) جو کہ (ابن شبہ کے دور میں) گر چکا تھا. (۱۴۲) جب کہ مسجد الففیخ وہ مقام ہے جہاں پر سرکار دو عالم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے محاصرہ بنو قریضہ کے وقت اپنا عریش مبارک نصب کروایا تھا اور جہاں پر سید العرب والعجم ﷺ چھ دن تک متواتر نمازیں ادا کرتے رہے تھے. (۱۴۳)

حضرت علی بن رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نمازیں اس گھر میں ادا فرماتے رہے جو کہ الخضر کی ایک خاتون کی ملکیت تھا بعد میں وہ گھر مسجد بنو قریضہ میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ مسجد بنی قریضہ کے شرقی حصے میں ہے جہاں مینارہ ہوا کرتا تھا جو کہ گر چکا ہے. (۱۴۴) اس مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا تھا اور اس کے ساتھ ایک مینارہ بھی بنوایا تھا. سمہودیؒ کے مطابق ۸۹۳ ہجری میں یہ مسجد ۴۴ x ۳۴ ذرع کے رقبہ پر تھی. ان کے بیان کے مطابق شاہین الجمالی نے جو کہ اس وقت شیخ الحرم تھے (گورنر مدینہ طیبہ) اسے ۸۹۳ ہجری میں نئے سرے سے تعمیر کروایا تھا. سید احمد الخیاری کے بیان کے مطابق یہ ایک بہت ہی مشہور و معروف مسجد ہے جو کہ مسجد الففیخ اور مشربہ ام ابراہیم کے درمیان العوالی کے علاقے میں واقع ہے.

مسجد شیخین

مسجد بنی حرام:

محل وقوع: مسجد نبوی شریف سے سبعہ مساجد (موقع غزوہ الاحزاب) کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد 'السیح' کے علاقے میں سڑک کی داہنی جانب آبادی کے اندر کی طرف واقع ہے جو کہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہے. یہ ایک خوبصورت مسجد ہے جس کا ایک مینارہ ہے اور ایک چھوٹا سا گنبد اس کی چھت پر سجایا گیا ہے. اسے ۱۴۰۹ ہجری میں پرانی مسجد کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا.

بنی حرام جو کہ قبیلہ الخزرج کی ایک شاخ تھا مسجد نبوی شریف سے کافی فاصلہ پر آباد تھا دوران کو مسجد نبوی میں نماز جمعہ وغیرہ پر آنے کے لیے وادی بطحان سے گزر کر آنا پڑتا تھا جو کہ اکثر و بیشتر طغیانی کا شکار رہتی تھی. ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرما دی کہ وہ تمام کا تمام قبیلہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہو جائے. (۱۴۷) ایسا غزوہ الاحزاب سے پہلے ہوا ہوگا کیونکہ احادیث مبارکہ کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ بن حرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کو دوران غزوہ اپنے گھر (جہاں پر اب مسجد ہے) مدعو کیا تھا اور آمد رسول مقبول ﷺ کی خوشی میں ایک چھوٹی سی بکری ذبح کی تھی جو معجزہ سید العرب والعجم ﷺ کے سبب ۱۵۰۰ - اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کفایت کر گئی جو کہ خندق کھودنے میں مشغول تھے. رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز بھی اسی جگہ ادا فرمائی تھی. (۱۴۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس جگہ مسجد تعمیر کروادی تھی. صدیاں گزرنے پر یہ مسجد کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی جس کا رونا ہر مورخ مدینہ طیبہ روتا رہا مگر اس کی تعمیر نو پر کبھی توجہ نہیں دی گئی. بالآخر مورخ مدینہ ابراہیم العیاشی کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور انہوں نے چند مخیر حضرات کے تعاون سے اس کے کھنڈرات پر ۱۳۸۸ ہجری میں ایک مسجد بنوادی اور بعد میں اوقاف مدینہ طیبہ نے اس کا انتظام و انصرام سنبھال لیا. بعد میں جب مسجد نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ منفذ کیا گیا تو اس مسجد کو بھی دوبارہ تعمیر کروا دیا گیا. یہ مسجد پانچ وقت نماز کے لیے کھلتی ہے. یہ ایک ایسی آبادی میں ہے جس کی سڑکیں اور گلیاں پرانی طرز پر تنگ سی ہیں اور اسی وجہ سے باہر سے آئے ہوئے زائرین اکثر اس کی زیارت سے محروم رہ جاتے ہیں.

مسجد شیخین:

مسجد نبوی شریف سے مشہد سیدنا امیر حمزہؓ (احد) کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد بائیں ہاتھ پر آتی ہے. اس کے اوپر دو گنبد تعمیر کیے گئے ہیں. یہ ایک گلی میں مین روڈ سے ۵۰ یا ۶۰ میٹر کے فاصلے پر اندر کی طرف واقع ہے (۲۰۰۲ء میں اس کے سامنے کی عمارت گرا دی گئی ہے اور اس وقت یہ کھلا سا میدان ہے اور دور ہی سے مسجد نظر آ جاتی ہے). جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لیے نکلے تو پہلا پڑاؤ اسی مقام پر ہوا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ لگوایا تھا. وہاں دو متصل اطام ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں ایک نابینا یہودی اور دوسرے میں ایک بوڑھی نابینا یہودیہ رہا کرتی تھی. چونکہ دونوں ہی معمر (یعنی شیخ) تھے اس لیے وہ علاقہ انہی 'شیخین' کے نام پر مشہور ہو گیا. فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں. (۱۵۰) ترکوں نے اس مسجد کے اوپر دو گنبد تعمیر کروا دیئے تھے. یہ دونوں گنبد شاید ان دونوں اطام کی یاد میں تھے جو کہ کبھی وہاں ہوا کرتے تھے یا پھر اس علاقے کی نسبت سے جس کو 'الشیخین' کہا جاتا تھا ایسا کیا گیا تھا.

مسجد شیخین
اگست ۲۰۰۲ء

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو نمازیں اس مقام پر ادا فرمائی تھیں. اس کے علاوہ علی الصبح سالار امم سید العرب والعجم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اسی جگہ سے ہتھیار بندی کی تھی اور دو درعیں زیب تن فرمائی تھیں (۱۵۱) زرہ کے لیے عربی لفظ 'درع' ہے. اسی مناسبت سے اس مسجد کو مسجد درع بھی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اسے مسجد بدائع بھی کہا جاتا رہا ہے (۱۵۲) ابتدائی دنوں میں اسے مسجد عدوی بھی کہا جاتا تھا (۱۵۳) آج کل اوقاف مدینہ نے اس کا نام 'مسجد خیر' رکھا ہوا ہے (۱۵۴) اس پڑاؤ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی حربی تیاریوں کا معائنہ فرمایا تھا. آں حضرت ﷺ نے حربی قوت کے لیے جسمانی قابلیت رکھنے والے افراد کو ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی. شکر اسلام کے ساتھ اس وقت چونکہ بہت سے بچے بھی شوق جہاد میں چلے آئے تھے لیکن چونکہ وہ بہت کم عمر تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دی تھی. حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ ان کو شیخین کے مقام سے واپس کر دیا گیا تھا (۱۵۵) کیونکہ ان کی عمر اس وقت بہت کم تھی. چونکہ شوق شہادت اتنا زیادہ تھا کہ بچے ساتھ چلنے پر اصرار کر رہے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریڈ منعقد فرمائی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ جنگ کے فرائض ادا کرنے کے قابل بھی ہیں یا کہ نہیں. حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت براء بن العازبؓ اور حضرت ارابع الاوسیؓ کو اجازت نہ مل سکی کیونکہ وہ سب اس وقت نابالغ تھے. وہ مشہور واقعہ جس میں ایک نابالغ بچہ (حضرت رافع بن الخدیجؓ) اپنے پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑا ہو گیا تھا تاکہ اس کا قد لمبا نظر آئے بھی اسی مقام پر ہوا تھا جب کہ ایک اور بچہ جو کہ اس سے قوی تھا مگر نابالغ ہونے کی وجہ سے مسترد ہو گیا تھا وہ حضرت سمرہ بن جندبؓ تھے جنہوں نے احتجاج کیا کہ ان سے فروتر نابالغ کو اجازت دے دی گئی تھی. لہذا انہوں نے چیلنج دے دیا کہ ان کا مقابلہ کروایا جائے. ان کے جذبے کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو کشتی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کا حکم صادر فرمایا. مقابلے میں حضرت سمرہ بن جندب جیت گئے اور انہیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت کر دی گئی. وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا.

تین سو منافقین کے گروہ کو لے کر رئیس المنافقین ابن ابی نے عسا کر اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا. حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے "جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد پر روانہ ہوئے تو کچھ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ واپس لوٹ گئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات پر دو گروہوں میں بٹ گئے تھے. ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ 'ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے' جب کہ دوسرا گروہ کہہ رہا تھا. 'ہم ان سے نہیں لڑیں گے'. تب وحی الٰہی کا نزول ہوا: ﴿تو تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں دو فریق ہو گئے ہو اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کی حرکتوں کے سبب. کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز وہ اس کے لیے راہ نہ پائے گا.﴾ (۱۵۶) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ طابہ ہے جو کہ ہر ایک کو اس کے گناہوں سے صاف کر دیتا

مسجد مستراح
(مسجد بنی حارثہ)
موجودہ حالت

ہے جیسا کہ ایک بھٹی چاندی کو اس کے کھوٹ سے الگ کر دیتی ہے۔(۱۵۷) وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا۔

مسجد مستراح (مسجد بنی حارثہ)

مسجد شیخین سے تھوڑے ہی فاصلے پر احد کی طرف جاتے ہوئے عین سڑک پر ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے جو مسجد مستراح کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں اسے مسجد بنی حارثہ کے نام سے جانا جاتا تھا کیونکہ وہاں بنی حارثہ کا قبیلہ (اوسی) آباد تھا۔ ابن شبہ کے مطابق اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد (حضرت حارث بن سعد بن عبید الحارثیؓ) کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کی مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ بنی حارثہ کی اصلی رہائش حرہ شرقیہ میں تھی جو کہ بنو عبدالاشہل کی جانب رہا کرتے تھے مگر وہ موجودہ مسجد مستراح کے قریب آ کر بس گئے تھے۔(۱۵۸)

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر غزوہ احد سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے استراحت فرمائی تھی اور اسی مناسبت سے اس مقام پر تعمیر شدہ مسجد کو مسجد مستراح کہا جاتا ہے۔ ماضی میں اس کے قریب ترکوں کا تعمیر کردہ ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی جگہ شاندار کوٹھیوں اور گھروں نے لے لی ہے۔ مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کروایا ہے اور یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔

مسجد مصبح (مسجد بنو انیف)

مسجد مستراح کی ایک
نادر تصویر

اسے مسجد بنو انیف بھی کہا جاتا ہے یہ چھوٹی سی مسجد جو کہ صرف چار دیواری پر مشتمل ہے ایک بلند سطح پر مسجد قباء کے سامنے والے علاقے میں واقع ہے۔ اس کے اردگرد ملبے کے ڈھیر ہیں اور ذرا فاصلے پر ڈھوان میں کچھ کھجوروں کے باغات بھی ہیں۔ مسجد قباء کے سامنے سے اگر سروس روڈ پر آبادی کے اندر کی طرف مڑا جائے تو آگے جا کر مستودعات الغسان کے فوراً بعد اس خستہ حال مسجد کی چار دیواری نظر آتی ہے۔ قبیلہ بنی انیف جو کہ دیومالائی طور پر اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے قدیم ترین ساکنین عمالقہ کی اولاد بتاتے تھے ہجرت مبارکہ کے وقت وہاں آباد تھے۔(۱۵۹) اس کے پاس کچھ یہود بھی آباد تھے۔ ان گھروں کے سامنے ایک اونچی سطح مرتفع تھی جہاں پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ المراغی بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد بنی عمر بن عوف اور العصبہ کے درمیان واقع ہے۔(۱۶۰)

مسجد مصبح
(مسجد بنی انیف)

مدینہ طیبہ کی دیگر تاریخی مساجد کی طرح یہ چھوٹی سی مسجد بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے مگر انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے. مسجد جمعہ یا اور مساجد کی طرح سیرۃ رسول مقبول ﷺ میں اس مقام کا نام بھی امر ہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاران کھڑے ہوکر انتظار کیا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلی بار نماز فجر ادا کی تھی. اس وقت چونکہ فجر کی نماز کو صبح کی نماز کہا جاتا تھا لہذا اس جگہ پر تعمیر ہونے والی مسجد بھی مسجد المصبح کہلائی. غیر مسقف اور بوسیدہ چار دیواری کی صورت میں موجود مگر تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم مسجد کا اکثر لوگوں کو علم تک نہیں صرف اہل محلّہ اسے جانتے ہیں یا پھر اکا دکا زائر وہاں کبھی کبھی دوگانہ ادا کرنے چلا جاتا ہے. احاطے کے اندر قالین بچھا ہوا ہے اور ایک مصلیٰ بھی دھرا ہے جو کہ محراب کی جگہ پر پڑا امت کی بے اعتنائی کا رونا روتا رہتا ہے.

حضرت عبدالرحمٰن بن حارثہ ؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی فجر کی نماز حرہ میں ایک بلند مقام پر ادا کی پھر آپ حضور ﷺ اپنی سواری پر بیٹھے اور بئر غرس کے قریب مقام عزق پر ٹھہرے. ابن زبالہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عاصم بن سویدؓ سے مروی ہے کہ بنوانیف کے ایک بزرگ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی نماز فجر بنوانیف میں ادا کی تھی. حضرت عاصمؓ نے مزید بیان کیا کہ انہوں نے ان لوگوں (بنی انیف) کو دیکھا کہ وہ اس جگہ پر پانی چھڑکا کرتے تھے اور پھر انہوں نے اس جگہ پر مسجد بنالی تھی. (۱۶۱)

مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام مورخین نے (ابن زبالہ سے لے کر سمہودیؒ تک) اس مسجد کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے. (۱۶۲) الشیخ احمد العباسی کے بیان کے مطابق دسویں صدی ہجری میں یہ مغربی قباء میں بنی عزق کی طرف واقع تھی. (۱۶۳) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ: ''حرہ کے علاقہ میں مشہور بستان القویم کے پاس ایک چھوٹی سی غیر مسقّف مسجد ہے جسے مسجد مصبح کہا جاتا ہے اور یہ اس راستہ پر واقع ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ مہاجر کی حیثیت سے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے.'' (۱۶۴) خیاری بھی اس بیان کی توثیق کرتے ہیں کہ یہ غیر مسقّف مسجد عین الزرقاء کے پانی کی تالابوں کے پیچھے واقع ہے جو کہ شاہ سعود کے دور حکومت میں تعمیر ہوئے تھے اور یہ ایک ٹیلے پر ہے اور اہل محلّہ اسے مسجد مصبح کہتے ہیں جو شائد اس وجہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس مقام پر آپ حضور ﷺ کا استقبال ہوا تھا اور اس کے قریب ہی مغربی جانب ایک اطم ہے اور ثنیات الوداع ہے جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کا پرجوش استقبال کیا تھا. (۱۶۵)

مسجد مصبح
(مسجد بنی انیف)

مولف ہذا نے اس مسجد کی کئی بار زیارت کی ہے اور وہاں کے باسیوں سے کافی پوچھ گچھ بھی کی ہے اور سب یہی کہتے ہیں کہ یہ مسجد مصبح یا مسجد مصبح ہے اور وہاں کے رضا کار خادم سے بھی کئی بار ملاقات کی ہے جو کہ رضا کارانہ طور پر اس کی دیکھ بھال کرتا ہے. اس کی دیواریں بمشکل دو میٹر بلند ہیں اور ایک چھوٹا سا

مسجد السبق
دستمبر ۲۰۰۲ء

محراب بھی ہے لگتا ہے کہ اسے عثمانی دور میں تعمیر کیا گیا تھا مگر وقت کی چیرہ دستیوں نے اسے مائل بہ شکست وریخت کر دیا ہے۔اب صرف خادم ہی چند اہل محلّہ مخیّر حضرات کی مدد سے اس کی دیواروں کو ہاتھوں سے پلستر کر دیتا ہے اور عموماً اس کی نگہداشت کرتا ہے۔

مسجد السبق اور مسجد بنی زریق

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ:[رسول اللہ ﷺ نے گھڑ دوڑ کے مقابلے کا اہتمام کیا. جو گھوڑے سدھائے ہوئے تھے ان کی دوڑ حفیہ سے ثنیات الوداع تک ہوتی (موخرالذکر مقام مقابلے کی آخری منزل ہوتی) اور وہ گھوڑے جو ابھی تک سدھائے نہیں گئے تھے ان کی دوڑ ثنیات الوداع سے مسجد بنی زریق تک ہوتی اور یہ کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی اس مقابلے میں حصہ لیا تھا.] وہ کہا کرتے تھے کہ وہ اس دوڑ میں اول آئے اور ان کا گھوڑا ان کے سمیت منزل (یعنی مسجد بنی زریق) کے اندر گھس گیا تھا.(۱۶۶)

مسجد بنی زریق ان تاریخی مساجد میں سے ایک تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے بھی بہت پہلے یثرب میں معرض وجود میں آچکی تھیں. یہاں بنی زریق کے وہ افراد جنہوں نے بیعت عقبہ اول پر اسلام قبول کیا تھا نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے. حضرت عمر بن حنظلہؓ سے مروی ہے :[مسجد زریق سب سے پہلی مسجد تھی جہاں (مدینہ طیبہ میں) قرآن کریم پڑھنا شروع کیا گیا. جب حضرت ابورافع بن ۔ لک الزریقؓ نے بیعت عقبہ کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن کریم کا وہ حصہ دیا جو کہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا. حضرت ابورافعؓ اسے اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے آئے اور انہوں نے اپنے قبیلے کے افراد کو اکٹھا کیا اور قرآنی سورتوں کی تلاوت اس مسجد میں کرنے لگ گئے .] انہوں نے مزید بیان کیا: [جب نبی اکرم ﷺ نے وہ مسجد دیکھی تو اس کی قبلہ کی سمت صحیح دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا.](۱۶۷) اس لحاظ سے اس مسجد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ ہجرت مبارکہ سے پہلے سب سے اولیں مسجد تھی جو کہ مدینہ طیبہ میں بنائی گئی تھی جہاں قرآن کریم کی تلاوت ہوتی اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے چند نمازیں بھی ادا فرمائی تھیں.(۱۶۸)

مسجد السبق
(مسجد بنی زریق)
کی ایک قدیم تصویر

مسجد بنی زریق مسجد نبوی شریف کے جنوب میں واقع اسواق الحرم یعنی قدیم درب الجنائز (موجودہ قصر الحکم شریعہ کورٹ اور مسجد الغمامہ کے درمیانی حصے میں) کے کسی حصے پر ہوا کرتی تھی.(۱۶۹) اب اس تاریخی مسجد کا نام ونشان باقی نہیں رہا.

یہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور بعض روایات کے مطابق آقائے دوجہاں ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ مرتبہ وہاں نماز بھی ادا فرمائی تھی، لیکن جہاں تک مسجد السبق کا تعلق ہے اس نام کی کوئی مسجد نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور نہ ہی ابتدائی صدیوں

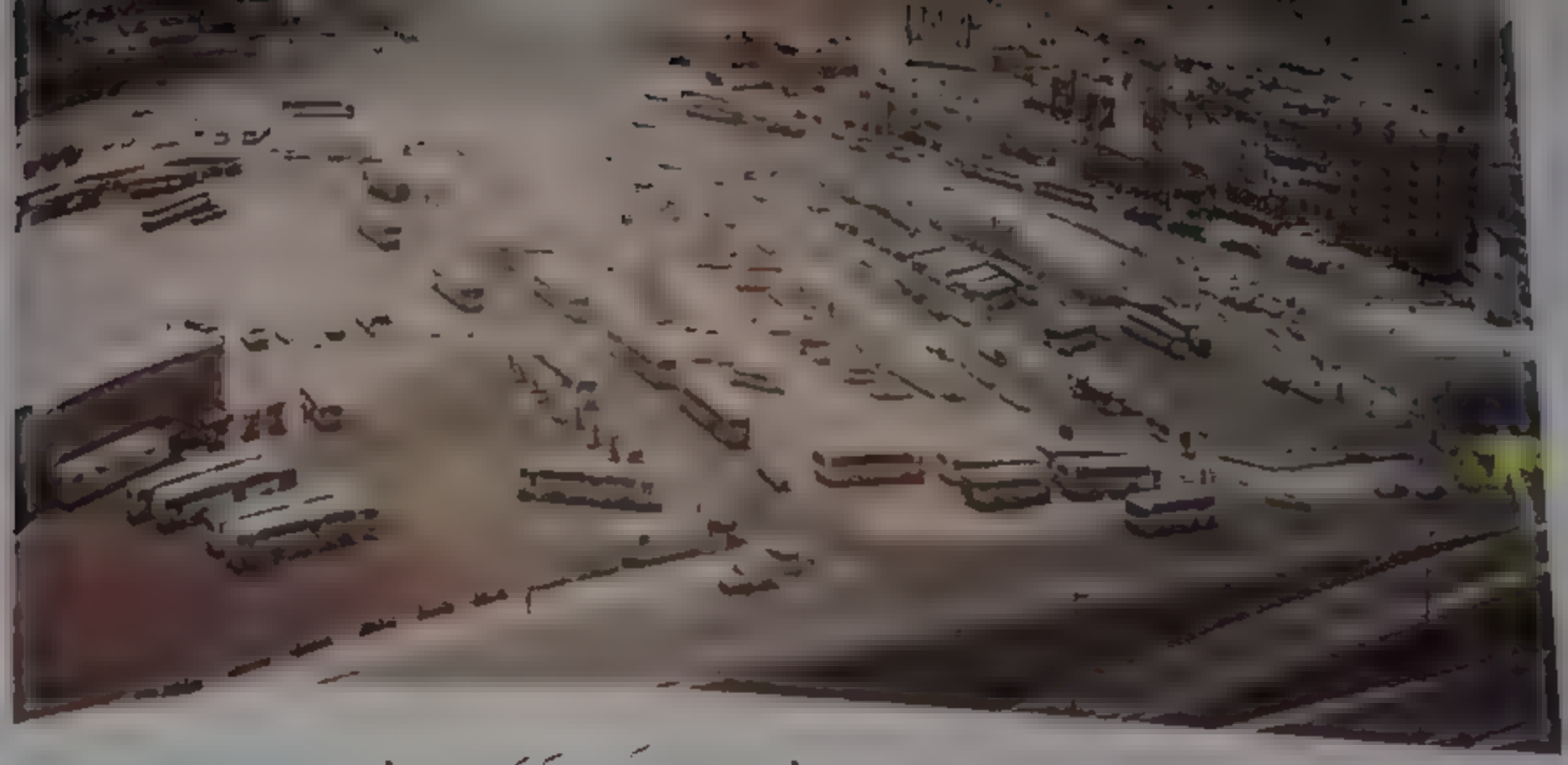

مسجد السبق کا ایک
قدیمی منظر

میں اس کا کسی نے ذکر کیا ہے. ابن شبہ، ابن نجار اور نہ ہی المطری یا المراغی نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے. یہ نویں صدی ہجری میں معرض وجود میں آئی. مسجد سبق کے نام سے اس کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کے مقابلے کروایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں جنگی استعداد اور قابلیت برقرار رہے اور چونکہ ایسے تمام مقابلے (مسابقات) دو جگہوں کے درمیان ہوا کرتے تھے. یعنی ثنیات الوداع (جو کہ شمالی جانب سے مسجد سبق کے قریب تھا) اور مسجد بنو زریق کے درمیانی علاقے - جو ایک دوسرے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھے (۱۷۰). لہذا اس جگہ پر جو مسجد تعمیر ہوئی اس کو مسجد سبق یعنی مقابلوں والی مسجد کہا جانے لگا. سید احمد الخیاری کے مطابق نویں صدی ہجری میں قاضی الحرمین اشریفین سید محی الدین الحسینی نے اس مسجد کی تعمیر کا اہتمام کیا. گھڑ دوڑ کے مقابلوں کے ساتھ اس جگہ کی نسبت سے اس مسجد کو مسجد السبق کہا جانے لگا. (۱۷۱) ایسی ہی رائے کا اظہار علامہ عالی الشنقیطی نے کیا ہے. (۱۷۲)

مسجد سبق اب سعودی پبلک ٹرانسپورٹ کمپنی (SAPTCO) کے بسوں کے اڈے سے ملحقہ شمالی حصے پر واقع ہے. شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو اور توسیع ہوئی. اس کے قبلہ کی جانب SAPTCO کمپاؤنڈ کے طرف ہے اور جنوبی جانب اس کی عمارت میں حجاموں کی دکانیں ہیں جو کہ قدیم مدنی طرز کے فصد وغیرہ کے طریقہ علاج میں مہارت رکھتے ہیں. (دسمبر ۲۰۰۴ء میں یہ مسجد منہدم کر دی گئی ہے).

مسجد بنی دینار

ہجرت پر مدینہ طیبہ آنے پر سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے بنی دینار بن النجار کی ایک خاتون سے شادی کی تھی. ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ حضور نور مجسم ﷺ ان کے گھر میں نماز ادا کر کے اسے منور کریں. رسول اللہ ﷺ نے بخوشی ان کی دعوت قبول فرمائی اور درخواست کو منظور فرما کر وہاں نماز کی امامت فرمائی (۱۷۳) حضرت ایوب بن صالح الدیناریؒ سے مروی ہے کہ [حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے قبیلے کی ایک خاتون سے شادی کی. پھر ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لائیں اور نماز ادا کریں تاکہ وہ بھی اس جگہ نماز ادا کیا کریں. رسول اللہ ﷺ نے بشفقت تمام ان کی درخواست قبول فرمائی اور اس جگہ نماز ادا کی جہاں اب مسجد بنی دینار ہے.] (۱۷۴) ابن شبہ نے بھی مسجد بنی دینار کو ان مساجد میں شامل کیا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے کم از کم ایک بار نماز ادا کی تھی. (۱۷۵) انہوں نے حضرت عتبہ بن عبد المالکؓ کی روایت نقل کی ہے جنہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی نمازیں بنی دینار کی مسجد میں ادا کی تھیں. (۱۷۶) ابن اسحاق اور ابن زبالہ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علاقہ جو کہ بئر سقیاء کے جنوب مغرب میں ہے وہاں قبیلہ الخزرج کی شاخ بنی دینار کی آبادی تھی. آج کل کے مدینہ طیبہ میں یہ علاقہ مسجد عنبریہ کے جنوب میں پل کے اس پار واقع ہے. اس میں ایک قدیم تاریخی لوح سنگ نصب ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط میں ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' لکھا ہوا ہے

مسجد بنی دینار
(تصویر ۲۰۰۱ء)

بنی دینار کا یہ علاقہ بعد میں غسالین (دھوبیوں کا علاقہ) کا علاقہ مشہور ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ کی شہر پناہ کے باہر کی جانب اس جانب دھوبیوں نے اپنے دھوبی گھاٹ بنا لیے تھے جس کی وجہ سے شہر پناہ کا اس طرف کا دروازہ باب مغیسلہ کہلاتا تھا۔ بنی دینار کی مسجد اسی علاقے میں واقع تھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد بنادی تھی جسے مسجد بنی دینار کہا جاتا تھا تاہم بعد میں جب تمام علاقہ دھوبیوں کا علاقہ مشہور ہوگیا تو اس مسجد کو مسجد غسالین کہا جانے لگا۔ آج کل بھی علاقے کے لوگوں میں یہ مسجد مغیسلہ ہی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے یہ (شہر پناہ مدینہ طیبہ میں واقع) سابقہ باب مغیسلہ کی طرف واقع تھی۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک اور بڑی مسجد بن گئی ہے جو کہ تمام جدید سہولتوں سے آراستہ ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہوگیا ہے۔ اس تاریخی مسجد کے قرب وجوار میں اس بڑی مسجد کے بنائے جانے سے یہ اثر رسول مقبول ﷺ اور اثر صحابی جلیل حضرت ابوبکر صدیق ؓ گمنامی کی دھند لکے میں آگئی ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ قریب بسنے والے لوگوں سے استفسار کرنے پر بھی اس کا اتہ پتہ لگانا محال ہے۔

یہ اس آبادی (محلہ المالحہ) مدسہ عسکریہ کے عقب میں واقع ہے جو کہ مسجد کتیبہ کی جنوب کی طرف ہے اور آبادی میں تقریباً آدھا کیلومیٹر اندر کی طرف جانا پڑتا ہے۔ یہ کافی گنجان آباد علاقہ ہے مگر حیرانی کی بات ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ اس اہم تاریخی مسجد سے ناواقف ہیں۔ مولف ہذا نے پہلی بار اس مسجد کی اگست ۲۰۰۱ء میں زیارت کی۔ دروازہ بند تھا لیکن دروازے کے باہر پینے کے پانی کا ایک کولر نصب تھا جو کہ راہگیروں کو ٹھنڈا پانی مہیا کرتا تھا۔ یہ قدیم طرز کی عمارت ہے لیکن اس کی شکل و شباہت سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال اچھی طرح سے کی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اسے رنگ و روغن اور سفیدی کی جاتی ہے۔ دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے مگر تاریخی اہمیت کے لحاظ سے اس کا مقام ان دیگر مساجد سے کم نہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے اور جسے سرور دو عالم ﷺ کی جبین طاہرہ نے سجدہ ریزی کر کے رشک ثریا بنا دیا تھا۔

مسجد کتیبہ (کاتیبہ)

حضرت ابورافع بن مالک الزریق ؓ نے بیعت عقبہ اول میں اپنے قبیلے بنی زریق کے نقیب کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ غزوہ احد میں ان کی شہادت ہوئی لیکن ان کی تدفین مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ دست رسول مقبول ﷺ پر بیعت کرنے کے بعد وہ قرآن کریم کا ایک حصہ جو کہ اس وقت تک نازل ہوا تھا اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لائے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے انہوں نے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی جس میں قرآن کریم کے ان حصوں کی تلاوت کی جاتی تھی۔ آپ ان چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جن کی میتیں احد میں شہادت کے بعد مدینہ طیبہ لائی گئی تھیں اور اپنے اپنے قبیلے کے علاقوں میں ان کی تدفین کر دی گئی تھی۔ آپ کو بھی ان کے اپنے گھر میں ہی دفن کیا گیا تھا۔ بعد میں ان کے لواحقین نے اس گھر پر ایک مسجد تعمیر کروادی تھی۔ اس طرح ان کی قبر مبارک اس

مسجد کی صحن میں آ گئی تھی. انہیں کی اولاد میں سے مشہور صوفی سلسلہ ''سنوسی'' کا اجرا ہوا جس کا زیادہ تر نفوذ براعظم افریقہ میں آج بھی ہے.

اس مسجد سے ملحقہ علاقے میں عثمانیوں نے اپنی سپاہ کیلیے عارضی بارکیں تعمیر کی ہوئی تھیں. چونکہ فوجی یونٹوں یا بٹالین کو عربی میں ''کتیبہ'' کہا جاتا ہے اسی نسبت سے یہ علاقہ کتیبہ کہلانے لگ گیا تھا اور پھر اسی نسبت سے اس مسجد کو بھی مسجد الکتیبہ کے نام سے پکارا جانے لگا. اگرچہ اس مسجد کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ سے تو نہیں لیکن چونکہ یہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے ابتدائی ادوار سے متعلق ہے (اور عین ممکن ہے کہ یہ اصحابہ یا تابعین کرام کے دور میں تعمیر ہوئی ہو) اسے بھی تاریخی مساجد میں شمار کیا جاتا ہے. سعودیوں نے حضرت ابورافع بن مالک الزرقیؓ کی قبر کا تو صفایا کر دیا ہے اور اسے صحن مسجد میں شامل کر دیا ہے مگر مسجد اب بھی سیم حالت میں ہے اور اس میں روزانہ نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہے. پہلے تو یہ سنوسی خاندان کی زیر نگہداشت تھی مگر اب یہ محکمہ 'اوقاف حرم' کی پناہ میں ہے. باہر سے دیکھنے سے بھی یہ ایک قدیم عمارت نظر آتی ہے اور اندر داخل ہونے پر بھی ایک مزار یا گھر کا سا سماں پیش کرتی ہے اور مدینہ طیبہ کی قدیم مساجد کی طرح لگتی ہے. اوقاف حرم اس کی باقاعدہ دیکھ بھال کرتا ہے اور سفیدی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے. عمارت کے باہر سے مغربی جانب کی دیوار کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کے سیاہ رنگ کے قدیم پتھروں سے بنے حصے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ ترکوں سے بھی پہلے وقت کی یادگار ہے. اس مسجد کا صرف ایک ہی قدیم طرز کا مینارہ ہے.

مسجد کا تبیہ کا مینار

مسجد مینارتین

ابن زبالہ اور یحییٰ کے بیان کے مطابق حضرت حرام بن سعد بن محیصہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر نماز ادا فرمائی تھی جہاں مسجد مینارتین ہے جو کہ وادی العقیق الکبیر کے راستے پر واقع ہے. (۱۷۷) جمال المطری کے دنوں میں یہ مسجد طاق نسیاں کی نذر ہو چکی تھی اور انہوں نے اس کے محل وقوع کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے. تاہم سمہودیؒ کی تگ و دو اور تحقیق اور تفتیش سے اس تاریخی مسجد کے کھنڈرات کی دریافت کر لی گئی اور یوں یہ تاریخی ورثہ ایک بار پھر نویں صدی ہجری میں منصۂ شہود پر نمودار ہو گیا. آج کل کے مدینہ طیبہ میں اگر ہم مسجد نبوی شریف سے شاہراہ عنبریہ (قدیم شاہراہ مکہ) سے ہو کر وادی العقیق کی جانب جائیں تو ریلوے سٹیشن سے تقریباً آدھ کیلومیٹر کے فاصلے پر پٹرول پمپ سے ذرا آگے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا میدان نظر آتا ہے جہاں دور سے ہی کچھ کھنڈرات نظر آ جاتے ہیں جو کہ اسی تاریخی مسجد منارتین (دو میناروں والی مسجد) کے ہیں. چونکہ یہ کھنڈرات کی صورت میں کس مپرسی کے عالم میں ہے لہذا اعلاقے کے باسی اس پر کوڑا کرکٹ پھینک کر اس تبرک رسول مقبول ﷺ کے تقدس کی پاسداری کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں. (نوٹ: مدینہ طیبہ کی ایک حالیہ حاضری کے دوران اس مقام کی زیارت کے لیے جب جانا ہوا تو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ آخر کار ارباب بست و کشاد کی حمیت جاگ اٹھی ہے اور اب اس مقام پر بہت بڑی مسجد کی تعمیر جاری ہے جسے مسجد مینارتین کے نام سے پکارا جائے گا. مگر جس جگہ وہ چھوٹی سی مسجد تھی جسے فخر موجودات سرور کائنات ﷺ کی سجدہ گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا وہ جگہ غلط منصوبہ بندی سے نئی عمارت کے صدر دروازے پر پڑتی ہے جو عمارت مکمل ہونے پر نمازیوں کی جوتیوں کی آماجگاہ بنے گی.)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اسی مقام سے گزر رہے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی آں حضور ﷺ کے

مسجد مینارتین کی
موجودہ حالت

ہمراہ تھی. اچانک حضور پرنور ﷺ کی نگاہ مبارکہ ایک مردہ بکری کی سڑی ہوئی لاش پر پڑی جس سے ماحول میں تعفن پھیل چکا تھا. تعفن کی وجہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند نے اپنے ناک اپنے ہاتھوں سے بند کر لیے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس سے بھی کمتر ہے جتنی کہ اب اس بکری کی مردہ لاش کی اس کے مالک کی نظر میں ہے.] (۱۷۸) یہ ارشاد گرامی بھی اسی مقام سے گزرتے ہوئے ہوا تھا.

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان چند تاریخی مساجد کے علاوہ مورخین مدینہ طیبہ نے اور بھی بہت سی مساجد کا ذکر کیا ہے جہاں تاجدار مدینہ ﷺ نے ایک یا دو نمازیں ادا فرمائی تھیں لیکن زمانہ قدیم سے ان کے محل ہائے وقوع اور موجودگی بارے لاعلمی کا اظہار کیا ہے. ایسی مساجد میں مسجد بنی عمرو بن مبذول، مسجد بنی عدی (حضور ﷺ کے ننھیال) دار نابغہ (وہ گھر جہاں آقا حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب مدفون تھے)، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی عضیہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی الحارث بن الخزرج، مسجد السنح، مسجد بنی خطمہ، بیت عتبان بن مالکؓ، بیت صرمہ فی بنی عدی اور بنی مجمم کے علاقے میں صدقہ الزبیر میں بنائی گئی مسجد وغیرہ. دیگر تاریخی مساجد کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک اور بھی مسجد موجود ہے. احادیث مبارکہ کے گنج ہائے گراں مایہ میں حضرت جابر بن اسامہؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو اصحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی معیت میں ایک بازار سے گزرتے دیکھا تو اصحابہ کرام سے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری قوم (یعنی قبیلہ) کے لیے مسجد کی جگہ منتخب کر کے آئے. میں نے واپس آ کر اپنے اہل قبیلہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مسجد کی تخطیط کی ہے یعنی مسجد کے لیے جگہ اور زمین کی حد بندی کی ہے اور ہم نے اس جگہ لکڑی گاڑ لی ہے جہاں سرکار دوعالم ﷺ نے نماز کی اقتداء فرمائی ہے.] یہ مسجد قبیلہ بنی جہینہ کے لیے تخطیط کی گئی تھی جہاں اثر مبارکہ رسول مقبول ﷺ کے طور پر صدیوں تک ایک چھوٹی سی مسجد قائم تھی. آج بھی اسی جگہ پر جبل سلع کے دامن میں (جہاں ابتداء میں قبیلہ بنی جہینہ کو بسایا گیا تھا) غار سجدہ کی پہاڑی کے قریب ہی مدرسہ ناصریہ کے پچھواڑے یہ مسجد واقع ہے.

ویسے تو روز اول سے جب سے ارض مدینہ طیبہ پر شہ دنیا و دیں اور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدمین شریفین رکھے تھے اس شہر خوباں کی ہر گلی اور ہر نکڑ پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مساجد تعمیر کر دی تھیں، مگر عمرانی ترقی کے مختلف ادوار میں بہت سی ایسی مساجد کا صرف نام ہی تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہ سکا ہے. چنانچہ ہم نے صرف ان مساجد کا ذکر کیا ہے جو کسی نہ کسی طور پر موجودہ صدی تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہیں.

مسجد مینارتین

اہل بیت الطاہرہ سے منسوب مساجد میں سے ہم نے مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر کیا ہے جو کہ مسجد الغمامہ کے قرب میں اب بھی موجود ہے. سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ایک مسجد المنہ کے علاقہ میں جوار حرم میں ہوا کرتی تھی جو کہ توسیع مسجد نبوی شریف کی وجہ سے اس کے احاطے میں

بستان سلمان فارسیؓ کے سامنے مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ

آنے کی وجہ سے مسمار کردی گئی تھی. ان کے نام سے منسوب ایک اور مسجد بستان سیدنا سلمان فارسیؓ کے سامنے پٹرول پمپ کے اس پار موجود ہے جو عموماً مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے نام سے بھی جانی جاتی ہے جو کہ اس جگہ بنائی گئی تھی جہاں پر بیت بنت الیہودی ہوا کرتا تھا. یہاں سیدۃ النساء کی کرامت سے ان کی ایک جاننے والی یہودی لڑکی زندہ ہوئی تھی جب کہ آپ اس کی شادی کے سلسلے میں وہاں مدعو تھیں. وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد آج بھی موجود ہے. ملحقہ عمارت میں تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ ہے. اب اس مسجد کا نام الخریجی مسجد رکھ دیا گیا ہے جیسا کہ حال ہی میں نصب کئے گئے سائن بورڈ سے ظاہر ہوتا ہے.

مسجد ضرار (شرکی مسجد)

نوٹ: اس جعلی مسجد کے متعلق تفصیل مہیا کرنے سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ یہ کوئی مسلمانوں کی تاریخی مسجد تھی. ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم قاری کو منافقین اور شیاطین لوگوں کی ان ریشہ دوانیوں کے متعلق معلومات فراہم کرسکیں جو کہ دشمنان اسلام جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف روز اول سے کیا کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے قدمین شریفین اس جگہ پر نہیں دھرے. لہذا اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کا کوئی نماز ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.

ہجرت مبارکہ پر رسول اللہ ﷺ کا مدینہ طیبہ میں ورود مسعود اور اسلام کا اثر و نفوذ منافقین اور دشمنان اسلام کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور ان کے مختلف ٹولے اسلام اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہوگئے تھے. ان دشمنان اسلام میں سے ایک ابو عامر الراہب (۱۷۹) بھی تھا جس کا تعلق الخزرج قبیلے سے تھا اور وہ قباء میں رہا کرتا تھا. اس نے دین مسیحی قبول کیا ہوا تھا اور ان کا پادری بن چکا تھا اور مدینہ طیبہ کے چند بدوؤں میں تھوڑی بہت مقبولیت رکھتا تھا. عروج اسلام کے خوف سے اس نے منافقین سے گٹھ جوڑ کر کے اسلام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کردیا. اسلام کی معاندت نے اسے اس حد تک اندھا کردیا تھا کہ وہ ہر اس گروہ سے ملتا تھا جو ابھی حلقہ اسلام میں نہیں آیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی امداد طلب کرتا. تاہم غزوہ بدر میں کفار مکہ کی عبرت ناک شکست اور اس کے بعد بنو نضیر کے یہود کی مدینہ بدری سے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھرتا نظر آرہا تھا. غزوہ احد میں بھی اس نامراد نے ایک گڑھا کھود کر اس پر گھاس پھوس ڈال دیا تھا اور جب رسول مقبول ﷺ کا گزر اس پر سے ہوا تو آں حضرت ﷺ اس میں گر کر زخمی ہوگئے تھے. ان تمام حرکتوں کے باوجود اسے کوئی کامیابی نہ ہوسکی. اسی مایوسی میں اس نے روم کا سفر کیا اور شام چلا گیا تاکہ وہاں کے مسیحیوں کی حمایت حاصل کرسکے. بعد میں وہ وہیں نصرانی دین پر گمنامی کی موت مرا.

مسجد سیدۃ فاطمہ الزہرہ
اور مسجد شمس کی ایک
نایاب تصویر

مدینہ طیبہ سے چلے جانے سے پہلے اس نے ایک گھناؤنی سازش کا ارتکاب کیا اور ایک مسجد بنانے کی سازش کی جس میں اس کا منصوبہ تھا کہ منافقین جمع ہوا کریں گے اور نام نہاد اور جعلی مسلمانوں کے روپ میں وہ اسلام کی وحدت پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے اس بدبخت کا خیال تھا کہ عیسائی ہونے کے ناطے وہ شامی عیسائیوں اور رومی شہنشاہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر ان کی فوجی مدد سے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے اس مسجد کے تعمیر کنندگان کے ارادے خطرناک تھے جس سے وہ مومنوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور اس نام نہاد مسجد کو نقطہ اجتماعت کے طور پر اسلام کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔(۱۸۰) اگر ان کی سازش کامیاب ہو جاتی تو وہ جعلی مسجد جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار (یعنی شر اور نقصان والی مسجد) کہا ہے مسلمانوں کے خلاف منافقین اور کفار کی کارروائیوں کا مضبوط گڑھ بن جاتی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے دوران اس نے ایک بار یہ الزام لگایا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے دین حنیف میں نئے عقائد کی آمیزش کی ہے اور پھر یہ کہنے لگا: ''اے میرے اللہ جو بھی جھوٹا ہو وہ بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہو کر مرے!'' جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔اس دشمن اسلام مکار اور کذاب کے ساتھ بعینہ یہی ہوا۔مدینہ طیبہ سے وہ مکہ مکرمہ گیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو وہ طائف چلا گیا اور پھر جب طائف پورا مسلمان ہو گیا تو وہ شام کی طرف نکل گیا اور وہاں بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہی مرا۔(۱۸۱)

جیسا کہ ہم نے باب 'قباء' میں بیان کیا ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے وہ جگہ جہاں مسجد قباء کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ 'لیہ' نامی ایک عورت کی ملکیت تھی جو وہاں اپنے باربردار جانور مثلاً گدھا وغیرہ باندھا کرتی تھی۔(۱۸۲) رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور وہاں مسجد قباء کی بنیاد پڑنے سے وہ جگہ تقدس کی اوج ثریا پر جا پہنچی لیکن منافقین کا ٹولہ مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا کہ وہ ایک نجس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں جہاں کبھی گدھے بندھا کرتے تھے۔(۱۸۳)

بنو عبید کے ایک منافق خدم بن خالد نے اپنے مکان کا کچھ حصہ ان منافقوں کی نذر کیا تا کہ وہ وہاں مسجد بنا لیں۔اور لوگوں کے علاوہ بنی ذبیہ کے ابو حبیبہ بن الازعر اور عباد بن حنیف اور بنو جحجبا اور بنو ثعلبہ کے چند افراد نے مل کر اس کی عمارت تعمیر کی۔(۱۸۴) غزوہ تبوک سے کچھ ہی عرصہ پہلے جب یہ جعلی مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔اس وقت رسول مقبول ﷺ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔چنانچہ آپ حضور ﷺ نے کہلا بھیجا کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی درخواست پر غور فرمائیں گے۔جب رسول مقبول ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے باہر وادی ذی اوان کے گاؤں میں فروکش تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے ایک ساعت کی مسافت پر تھا تو وحی الٰہی کا نزول ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منافقین کی ریشہ دوانیوں کی

خبر دی گئی اور متنبہ کیا گیا ﴿اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں. اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا. (بلکہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور پاک اور صاف لوگ اللہ کو پیارے ہیں. ﴾ (۱۸۵)

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم ؓ اور چند دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں اور اس کو آگ لگا دیں. جب وہ نام نہاد مسجد (۱۸۶) مسمار ہو چکی تو حضرت سالم بن عوف ؓ نے اس کے ملبے کو آگ لگا دی. پھر رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو ایسے ہی پڑا رہنے کا حکم دیا اور لوگوں کو اس جگہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کا فرمایا. (۱۸۷) اس طرح اس سازش کا قلع قمع کر دیا گیا اور ابو عامر الراہب اور دیگر منافقین کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے. حکم رسالت مآب ﷺ کے مطابق اس علاقے کے لوگ وہاں کوڑا کرکٹ اور مردار جانوروں کی نعشیں پھینکا کرتے تھے. (۱۸۸) طبری نے خلف بن یمین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ: [میں نے منافقین کی نام نہاد مسجد کی جگہ دیکھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور میں نے اس کے صحن میں موجود اس جگہ کا بھی معائنہ کیا ہے جہاں سے امیر المومنین جعفر المنصور (عباسی خلیفہ) کے دور تک دھواں نکلا کرتا تھا. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: [یہ کرہ ارض پر جہنم ہے.] (۱۸۹)

اس نام نہاد مسجد کا محل وقوع مسجد قباء کے قریب ہوا کرتا تھا. ابن نجار کے زمانے میں چھٹی صدی ہجری میں اس کے گرد دیواروں کا ایک احاطہ سا ہوا کرتا تھا جس پر کسی قسم کی چھت نہیں تھی اور لوگ اس کی دیواروں کے پتھر تک اٹھا کر لے جاتے تھے. (۱۹۰) تاہم المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ کسی کو بھی پتہ نہیں کہ وہ نام نہاد مسجد کس جگہ تھی. (۱۹۱) مغربی سیاح العیاشی جس نے مدینہ طیبہ کا سفر گیارھویں صدی میں کیا تھا کہتا ہے کہ ان دنوں میں مسجد قباء کے قریب ایک احاطہ ہوا کرتا تھا جس کو اس نام نہاد مسجد کی جگہ بتایا جاتا تھا. (۱۹۲) علی بن موسیٰ آفندی (جو کہ ترکوں کے آخری مورخ مدینہ ہوئے ہیں) بھی کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ مسجد قباء کے شمال میں تھی مگر وہ کسی جگہ کا بطور خاص ذکر نہیں کرتے. باور کیا جاتا ہے کہ توسیع شدہ مسجد قباء کے کمپلیکس میں اس کی جگہ آج کل غسل خانے بنوائے گئے ہیں لیکن یہ بات صرف عامۃ الناس کی زبانی ہے جو کہ مدنیوں کی نسل در نسل روائتوں پر منحصر ہے مگر ان کو تاریخی سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہوگی اور شاید یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیت نے اس پر سرے سے کچھ کہنے سے احتراز کیا ہے.

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۳۸۴-۱۳۸۶

(۲) امام نورالدین علی بن احمد السمہودی (ت:۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، دار احیاء التراث العربی، مصر، جزء دوم، ص ۸۸۱

(۳) الشیخ حمد بن عبدالحمید العباسی (متوفی دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد دربزونی الحسینی، ۱۳۹۵، صفحات ۱۹۴-۱۹۵

(۴) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص ۷۱

(۵) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۴

(۶) حافظ ابن نجار (ولادۃ ۵۸۷ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ (تحقیق وتعلیق دکتور محمد زینہم محمد عزب)، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۵، ص ۱۹۱.

(۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ص ۴۷-۴۷- العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۶

(۸) ایسی مساجد میں سے جو ۷×۷ ذرع رقبہ پر تعمیر ہوئی تھیں ان میں مسجد بنی خدرہ (بئر بصہ کے قریب)، مسجد السقیاء (یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۲۷۵)، مسجد الرایہ جو کہ جبل ذباب پر واقع ہے، مسجد غسالین (مسجد بنی دینار جو کہ العباسی، ص ۱۹۶- کے بیان کے مطابق ۶×۶ ذرع پر تھی) اور مسجد بنوظفر جو کہ عبد القدوس الانصاری کے بیان کے مطابق ۷×۷ ذرع کے رقبے پر تھی- اس کے کھنڈرات آج بھی اتنی ہی جگہ پر محیط ہیں.

(۹) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۱ (بین القوسین اضافہ صرف تشریح کے لیے ہے).

(۱۰) ابن اسحاق، The Life of Muhammad، انگریزی ترجمہ از الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص ۲۲۸

(۱۱) تفسیر القرطبی، ۱۸-۸۹، راوی (حضرت محمد ابن سیرینؒ) ایک بہت ہی مشہور اور ثقہ تابعی تھے جو حضرت انس ابن مالکؓ کے غلام تھے اور انہوں نے کثرت سے انہیں کے سلسلے سے احادیث کی روایت کی ہے.

(۱۲) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۶۸

(۱۳) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۴۲۰

(۱۴) القرآن الکریم (البقرہ:۱۴۴)

(۱۵) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۱۵

(۱۶) محمد کبریت الحسینی المدنی، محاسن المدینۃ المنورہ، ص:۲۲۵

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، وفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص:۲۶۳

(۱۹) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، صفحات:۴۱۵-۴۱۶

(۲۰) تفسیر ابن کثیر، قاہرہ، ج:۱، ص ۲۷۹

(۲۱) عالی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص ۲۳۵

(۲۲) ابن ضیاء المکی (ت:۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ الشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، الکمتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ص ۲۰۶

(۲۳) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۰

(۲۴) المطری، ص ۵۱

(۲۵) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص ۱۲۹

(۲۶) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۱۴

(۲۷) احمد یاسین احمد خیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، صفحات:۲۸۷-۸۸

(۲۸) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۲۹۰۶ نیز ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص: ۶۸

(۲۹) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱ ص ۶۷. نیز قطب الدین الحلبی (ت ۹۹۰ ہجری) تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ، مصر، ص ۱۳۹. یہ حدیث الموطاء امام مالک سے لی گئی ہے

(۳۰) جمال المطری، مصدر مذکور، صفحات ۱۱۶-۱۱۷

(۳۱) سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۳۸۵

(۳۲) الشیخ احمد بن عبد الحمید العباسی (ت: دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ النورہ، ص ۱۷۶

(۳۳) حوالہ؟؟؟؟

(۳۴) سعید الدربی، دلیل مساجد المدینۃ النورہ، وزارۃ الاوقاف، ادارۃ الاوقاف المدینۃ، ۱۳۹۹، کتاب نمبر ۱۲۵۱۹، مکتبۃ الحرم النبوی، مسجد النبوی، مورخہ ۱۳-۷-۱۴۱۵ ہجری

(۳۵) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۲.

(۳۶) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۱۳۵

(۳۷) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۷۶ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبدالرحمن الصلت نے مروان کے لیے پہلی بار منبر نصب کیا تھا.

(۳۸) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۹۴

(۳۹) ایضا نمبر ۹۰

(۴۰) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۲

(۴۱) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۱۳۹-۱۴۰

(۴۲) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۳۸

(۴۳) خیاری، مصدر مذکور، صفحات ۰۲ -۱۰۳ نیز احمد سعید سلم، امدینۃ المنورہ فی القرن الرابع عشر الہجری، ص ۲۶.

(۴۴) برزنجی، حوالہ؟؟

(۴۵) محمد امین الشنقیطی، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۴۶) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۵۴

(۴۷) خیاری، مصدر مذکور، ص ۱۵۰

(۴۸) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ، ۱۹۸۱، ص ۱۸۴

(۴۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۷۷

(۵۰) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، صفحات ۲۰۰-۲۰۱

(۵۱) ایضا، ص ۲۰۳

(۵۲) خیاری، مصدر مذکور، ص: ۱۵۰. یہ کتاب مرحوم مولف کے پسماندگان نے کئی بار طبع کی ہے اور جب بھی نیا ایڈیشن چھپتا ہے تو مرور ایام سے آنے والی عمرانی اور دیگر تبدیلیوں کے پیش نظر مختلف تاریخی مقامات کے متعلق نئے حواشی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے. چوتھے ایڈیشن میں ایک وضاحت اور حاشیہ کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں. العصبہ کا محل وقوع اب مسجد قباء کی مغربی جانب ہے اور مکۃ المکرمہ سے آتے ہوئے طریق ہجرہ پر دائیں ہاتھ پڑتا ہے جو کہ شیخ عبدالحمید عباس کے مزرع سے پہلے ہے دیکھئے ص ۱۶۰

(۵۳) زین الدین ابی بکر المراغی (ت ۸۱۶ ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دار الہجرۃ، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ النورہ

(۵۴) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۷. ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ الدیناری کی روایت اس معاملے میں بہت اہم ہے کیونکہ وہ ایسے قبیلے سے تھے (بنی دینار) جو کہ مسجد سقیاء کے بالکل پاس ہی جنوب کی طرف بستا تھا.

(۵۵) ایضا

(۵۶) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۱۲۳

(۵۷) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۸ حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کو ساقی الحرمین الشریفین اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک طرف تو وہ بئر زمزم کے متولی تھے اور دوسری طرف ان کی دعا کی قبولیت سے اہل مدینہ اور حرم مدینہ پر باران رحمت برسی تھی

(۵۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۹۴

(۵۹) علی بن موسیٰ افندی، وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۳۰۳ ہجری ۱۸۸۵ء، رسائل فی تاریخ المدینہ، نشر احمد الجاسر مرحوم، ص ۳۹۴

(۶۰) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ، ص ۱۳۲

(۶۱) علی حافظ، (Chapters from the History of Medina)

Annexture "Archaeological Guide Map to Medina al-Munawwara

(۶۲) مسند امام احمد، ۳-۳۳۲ ابن شبہ نے بھی ایک حدیث نقل کی جو کہ حضرت عبدالمطلب بن حنطبؓ سے مروی ہے مصدر مذکور، ج ۱، ص ۵۸

(۶۳) مسند امام احمد، ۳، ۳۳۲، ابن شیبہ، ج: ۲، ص ۷۳. نیز الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۸

(۶۴) القرآن الکریم (الانفال: ۱۹)

(۶۵) قرآن الکریم (الانفال. ۱۷۹)

(۶۶) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۸۳۰-۸۳۱

(۶۷) ایضاً، ص ۱۸۴

(۶۸) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۷

(۶۹) علی حافظ، مصدر مذکور، ص: ۹۰

(۷۰) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۸

(۷۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۷۸، انہوں نے حضرت معاذ ابن سعدؓ کی حدیث نقل کی ہے.

(۷۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۸۳۶

(۷۳) صالح لمعی مصطفیٰ، (Almadino Al-Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage)

بیروت، ۱۹۸۱، صفحات: ۴۱۶-۴۱۷

(۷۴) ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ص: ۱۴۶

(۷۵) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص ۱۷

(۷۶) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۸

(۷۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص: ۵۷

(۷۸) جمال المطری، التعریف، ص: ۴۵

(۷۹) ابن اسحاق، مصدر مذکور (حاشیہ از ابن ہشام)، ص ۷۵۵. نیز ابن کثیر (ت. ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، جزء ۴، ص ۳۳.

(۸۰) القرآن الکریم (المجادلہ: ۱۱)

(۸۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۴

(۸۲) القرآن الکریم (النساء: ۴۱). ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۵۲۹

(۸۳) الطبرانی، مجمع. لزوائد، ۷-۴۱. سمہودی نے بھی توثیق کی ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے راویان کا تمام سلسلہ ثقہ ہے. وفاء الوفاء، ص ۳۸۳. ابن شبہ، ج: ۱، ص ۶۱

(۸۴) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۵

(۸۵) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۸۴

(۸۶) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص: ۱۳۱ (حاشیہ)

(۸۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے. بہت سے دیگر سیاحوں نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بے اولاد خواتین اپنے خاوندوں کی ہمراہی میں اس متبرک پتھر پر جا بیٹھتی تھیں تاکہ اس کی برکت سے ان کے بانجھ پن کا علاج ہو سکے. اہل مدینہ طیبہ عموماً اس کے معجزانہ اثرات میں اعتقاد رکھتے تھے.

(۸۸) جمال المطری، التعریف، صفحات:۴۹-۵۰
(۸۹) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، مصدر مذکور، ص:۱۳۸
(۹۰) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۵
(۹۱) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات ۷۲۸-۷۲۹
(۹۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص.۱۱ (ایسا لگتا ہے کی حقیقت نے افسانے کا روپ دھار لیا تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ کی قدیم تواریخ سے لے کر آج تک کسی مصنف نے یہ نہیں کہا کہ دلدل وہاں پر مدفون تھی ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد دلدل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھی اور ان سے ان کے فرزند ارجمند حضرت حسن علیہ اسلام اور پھر حضرت حسین علیہ السلام کو ملا جن سے ان کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس گیا دلدل نے کافی طویل زندگی پائی. ور آخر میں اس کی بینائی جاتی رہی تھی جس کے نتیجے میں وہ مدینہ طیبہ کے ایک کنویں میں گر پڑی تھی اور چونکہ اسے اس کنویں سے نکالنا بہت مشکل کام تھا تو کسی نے اسے تیر مار کر شہید کر دیا تا کہ اس کی زندگی جس اذیت میں پھنس گئی تھی اس سے اسے نجات مل جائے. اسد الغابہ، ج:۱، ص ۱۴۰.
(۹۳) احمد یاسین الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۲۲
(۹۴) اسلامی اصطلاح میں مبہلہ س چیلنج کو کہتے ہیں کہ فریقین اپنے اپنے مرد اور عورتوں کو ساتھ لیکر آئیں اور پھر جھوٹے پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار کریں.
عبداللہ یوسف علی، تفسیر القرآن بزبان انگریزی، دار العربیہ، بیروت، ص ۱۳۸
(۹۵) القرآن الکریم (آل عمران:۶۱)
(۹۶) سمیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج:۱۵، صفحات:۱۹۸-۱۹۹
(۹۷) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۹۲۴. سنن ابی داؤد، ۴۰۳۱-۵۹۱۵
(۹۸) شبیر احمد عثمانی، تفسیر القرآن، شاہ فہد قرآن کمپلیکس، مدینہ النورہ، ص ۷۵
(۹۹) سمیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج.۱۵
(۱۰۰) صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۴۵۱. قاری اگر اس سلسلے میں مزید معلومات چاہیں تو ہم انہیں سمیح عاطف الزین کی عربی زبان میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ ''خاتم النبیین محمد ﷺ'' تجویز کریں گے جس کو صرف قرآن اور احادیث مبارکہ کی اساس پر مرتب کیا گیا ہے.
(۱۰۱) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص:۴۲۰ (تشریح صرف وضاحت کے لیے ہے)
(۱۰۲) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، مکتبۃ الثقافیۃ الدینیہ، مصر، ۱۹۹۵، ص:۳۵۷
(۱۰۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۲۸۸
(۱۰۴) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص:۱۳۰
(۱۰۵) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص:۱۲۲ (حاشیہ)
(۱۰۶) محمد کبریت المدنی الحسینی، محاسن المدینہ، ص:۲۵۷
(۱۰۷) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۸۵
(۱۰۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ النورہ، طبع دمشق، ۱۹۷۳، ص:۳۹۸
(۱۰۹) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، صفحات:۱۸۵-۱۸۶
(۱۱۰) ابراہیم العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، مصدر مذکور، ص:۳۰۳
(۱۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۷۳
(۱۱۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص:۱۶
(۱۱۳) احمد یاسین الخیاری، تاریخ المدینۃ النورہ فی الاشعار العربیہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص:۶۰
(۱۱۴) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۹۰

(۱۱۵) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۶۰۸

(۱۱۶) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۱۶۰ اور ج:۳، نمبر ۵۲۹ اور ج:۳، نمبر ۵۲۹

(۱۱۷) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۵۸

(۱۱۸) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۱۷۴ اور المراغی ص:۱۵۸

(۱۱۹) ابراہیم العیاشی، مصدر مذکور، ص. ۴۳۷

(۱۲۰) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص:۳

(۱۲۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۹۰

(۱۲۲) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص:۱۶

(۱۲۳) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۷

(۱۲۴) ایضاً صفحات. ۱۸۶-۱۸۷

(۱۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص:۶۲

(۱۲۶) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۲۷۵

(۱۲۷) المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۱۴۴

(۱۲۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۴۵

(۱۲۹) ابن شبہ، ج:۱، ص:۶۹ (بین القوسین اضافہ صرف وضاحت کے لیے کیا گیا ہے)۔

(۱۳۰) القرآن الکریم (المائدہ:۹۰)

(۱۳۱) محکمہ اوقاف کی طرف سے بھی جو لوح لگائی گئی تھی اس پر بھی مسجد الفضیخ ہی لکھا ہوتا تھا مگر جنوری ۲۰۰۰ء میں 'الفضیخ' کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا۔

(۱۳۲) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۲-۲۰۳

(۱۳۳) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص. ۸۲۳

(۱۳۴) العباسی، ص:۱۷۱

(۱۳۵) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۱۰۲۸

(۱۳۶) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات:۱۴۰-۱۴۴

(۱۳۷) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیما و حدیثا، ۱۹۹۳، صفحات:۱۲۴-۱۲۵

(۱۳۸) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، صفحات:۱۹۰-۱۹۱

(۱۳۹) المراغی، مصدر مذکور، صفحات:۱۳۷-۱۳۸

(۱۴۰) سمہودی، وفا الوفاء، ص:۸۲۴ نیز صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۴۷. صحیح مسلم ج:۳، نمبر ۴۳۶۸

(۱۴۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۷۲

(۱۴۲) ابن شبہ، ج:۱، ص:۷۰ (قوسین میں اضافے صرف تشریح کے لیے کیے گئے)

(۱۴۳) ایضاً، ص:۹۶

(۱۴۴) ایضاً، ص:۷۰

(۱۴۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۸۲۵

(۱۴۶) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص:۱۴۷

(۱۴۷) ابن شبہ، ج:۱، ص:۷۸

(۱۴۸) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن، معالم المدینۃ المنورہ، قسم الجبال، صفحات:۳۱۴-۳۱۵

(۴۹) ابن شبہ، ج:۱، ص ۴۸

(۱۵۰) مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر محمد لجنہ، ص ۲۱۲

(۱۵۱) صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنے آستانہ مبارکہ سے ہتھیار بند ہو کر رخصت ہوئے تھے مگر یہ بھی ایک معروف حقیقت ہے کہ یوم احد پر رسول اللہ ﷺ نے دو زرہیں زیب تن کی ہوئی تھیں جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس مقام پر دوسری زرہ زیب تن کی ہوگی۔ اس کے علاوہ دوسری بات جو اس بات کی توثیق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں پر رسول اللہ ﷺ نے رات کا کچھ حصہ گزارا تھا اور علی الصبح نماز فجر کے بعد کوچ کا حکم صادر فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مقام سے علی الصبح دوبارہ ہتھیار بندی کی گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۲) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۶۵

(۱۵۳) ایضاً

(۱۵۴) غازی بن سالم التمام، رسائل فی آثار المدینۃ النبویہ، ناشر مدینہ ادبی کلب، ۲۰۰۰، صفحات: ۴۱-۴۲.

(۱۵۵) مجد الدین فیروز آبادی، مصدر مذکور، ص: ۲۱۲

(۱۵۶) القرآن الکریم (النساء: ۸۸) منافقین کی بیوفائی کا ایک فوری اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں دو قبائل فرار کا سوچنے لگ گئے تھے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: یہ آیت: جب تم میں سے دو فریقوں نے جانے کا سوچ لیا تھا.... ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی (یعنی بنی سلمہ اور بنی حارثہ) اور اگر اللہ تعالیٰ یہ نازل نہ فرماتا کہ وہ ان کا محافظ ہے تو مجھے یہ بات گوارا نہ تھی۔ (۱۲۲:۳)

(۱۵۷) صحیح بخاری، ج. ۵، نمبر ۳۸۰۱ نیز ج ۳ نمبر ۱۰۸ جس میں الفاظ کا تھوڑا سے اختلاف ہے.

(۱۵۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۶۵

(۱۵۹) ایضاً، ص: ۸۷۵

(۱۶۰) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۵۴

(۱۶۱) ابراہیم العیاشی، مصدر مذکور، صفحات ۲۴۴-۲۴۶

(۱۶۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۷۵

(۱۶۳) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۲۰۳

(۱۶۴) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص: ۱۰

(۱۶۵) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۲۵

(۱۶۶) صحیح مسلم، ج. ۳، نمبر ۴۶۱۰ اور ۴۶۱۱. دوسرے مقابلے میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے گھوڑے سمیت اندر کود گئے تھے وہ مسجد بنی زریق کہلاتی تھی.

(۱۶۷) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۲۰۶

(۱۶۸) ابن زبالہ کی روایت کے مطابق، یہ واضح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کوئی نماز وہاں ادا کی تھی یا کہ نہیں، مگر اتنا تو روایات سے واضح ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے وہاں وضوء فرمایا تھا اور مسجد میں بھی داخل ہوئے تھے احمد یاسین احمد الخیاری، ص ۱۵۲

(۱۶۹) الخیاری کے بیان کے مطابق اس کا محل وقوع تقریباً اس جگہ ہو سکتا ہے جو کہ اب اس سڑک کے نیچے آ گئی ہے جو کہ قباء کی طرف سے مسجد نبوی کے زیر زمین کار پارکنگ کے علاقے میں جاتی ہے. مصدر مذکور، ص: ۱۵۲ (حاشیہ). ابراہیم العیاشی بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں، مصدر مذکور، صفحات: ۲۱۲-۲۱۴

(۱۷۰) الشیخ احمد العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۹۱

(۱۷۱) الخیاری، مصدر مذکور، ص. ۱۳۰

(۱۷۲) غالی محمد لامین الشنقیطی، مصدر مذکور، ص ۲۳۲

(۱۷۳) امراغی، مصدر مذکور، ص ۱۴۹

(۱۷۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۶۶

(۱۷۵) ابن شبہ، ج ۱، ص ۶۴

(۱۷۶) ایضاً، ص ۷۰

(۱۷۷) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات ۸۷۸-۸۷۹

(۱۷۸) ایضاً

(۱۷۹) اسے تقدیر کا کھیل کہیے یا قسمت کی ستم ظریفی کہ وہی ابو عامر الراہب ایک ایسے اصحابی کا والد تھا جو فدایان رسول مقبول ﷺ میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے یعنی حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ۔ بیٹے نے تو غزوہ احد میں جام شہادت نوش کر کے ابدی زندگی پائی اور آسمان سے فرشتے نازل ہو کر بعد از شہادت ان کو غسل جنابت دینے آئے، مگر باپ ابوجہل کی طرح اسلام کا اشد ترین دشمن تھا کہ تا زندگی اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا اور پھر جلا وطنی میں بھگوڑے کی موت مرا جیسا کہ صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ نے بہت عرصہ پہلے بتا دیا تھا۔

(۱۸۰) قرآن الکریم (التوبہ ۱۰۷)

(۱۸) ابن اسحاق، ص: ۲۷۸

(۱۸۲) ابن شبہ، ج: ۱، ص ۵۴

(۸۳) البلاذری، فتوح البلدان، صفحات ۱۷-۱۸

(۱۸۴) ابن اسحاق، صفحات: ۲۴۳-۲۴۴

(۱۸۵) القرآن الکریم (التوبہ: ۱۰۷-۱۰۸)

(۱۸۶) ضرار اور ضرار کا مطلب ہی نقصان اور شر ہوتا ہے۔ اسے مسجد ضرار اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ کلام اللہ نے بھی اسے یہی نام دیا تھا ﴿اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ الخ﴾

(۱۸۷) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص: ۸۱۹

(۱۸۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص: ۳۷۷

(۱۸۹) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص: ۸۱۸

(۹۰) ابن نجار، مصدر مذکور، ص: ۱۹۵

(۱۹۱) المطری، مصدر مذکور، ص ۴۷

(۱۹۲) رحلۃ العیاشی، ص: ۱۰۹

مدینہ طیبہ میں تاریخی کنویں اور نظام آبرسانی

سخت پتھریلی زمین میں جہاں قدرتی وسائل کی عموماً کمی ہوتی ہے اور زمین آتش فشانی عمل سے نکلنے والے لاوے کی تہوں سے بنی ہو، وہاں پانی کا وافر مقدار میں موجود ہونا رب ذوالجلال کا ایک انمول عطیہ ہے. ہجرت کے ضمن میں ہم نے ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے جس میں مدینہ طیبہ کی اسی خاصیت کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے [مجھے تمہاری ہجرت کی منزل دکھادی گئی ہے جو کہ ایک شوریلی زمین (سبخہ) ہے جہاں پانی اور کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو آتش فشانی لاوں سے بنے سنگلاخ علاقوں کے درمیان واقع ہے اور سیاہ پتھروں اور چٹانوں پر مشتمل ہے] زمانہ قدیم میں جب وادیوں میں موسمی طغیانی سے پانی کے ندی نالے مدینہ طیبہ کے بیچوں بیچ یا قرب وجوار سے گزرتے تھے تو طیبہ کے قدیم باسی اس بہتے ہوئے پانی کو جوہڑوں کی شکل میں محفوظ کرلیا کرتے تھے. لیکن پانی کو ذخیرہ کرنے کا یہ طرز کہن اکثر اوقات انسانی اور مال مویشیوں کی ضروریات کے لیے کم پڑ جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب قوم عاد کے کچھ افراد یثرب میں آباد ہوئے تو انہوں نے زیر زمین پانی کے حصول کے لیے کنویں کھودے لیکن اس ارض طیبہ کی رضیاتی تکوین اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات ہمیشہ آڑے آتی رہیں. سنگلاخ زمین کا سینہ چیر کر کنویں کھودنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے لیے بہت سرمایہ اور سخت مشقت کی ضرورت ہوتی تھی. یہی وجہ تھی کہ صرف معدودے چند اہل ثروت ہی اس عیاشی کے متحمل ہو سکتے تھے اور عام آدمی پینے کے صاف پانی کی بوند بوند کے لیے ترس جاتا تھا

بلدۂ طاہرہ وطیبہ کی ارضیاتی ساخت (Topography) کی وجہ سے کنویں کو بہت گہرائی تک کھودنا پڑتا تھا جو ایک ایسا کام تھا جس پر زر کثیر صرف ہوتا تھا اسی لیے سوائے چند کنووں کے جو کسی ایک فرد کی نجی ملکیت ہوتے تھے اکثر کنویں اجتماعی طور پر مختلف شعوب وقبائل کی تحویل میں تھے جن سے ہر قبیلے کے اپنے لوگ بلاشرکت غیرے استفادہ کر سکتے تھے. زمانہ قبل از اسلام میں یثرب کی اقتصاد پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی اور زیادہ تر کنویں بھی انہیں کے حلقوں میں پائے جاتے تھے ایسے کنویں نہ صرف یہود کی ضروریات پوری کرتے تھے بلکہ وہ اسے تجارتی بنیادوں پر بھی استعمال کرتے تھے اور پانی کے ایک ایک ڈول کے بدلے منہ مانگی قیمت وصول کرتے تھے. اس کے علاوہ عموماً یہودیوں کے ہر اطم کے وسط میں ایک کنواں ضرور ہوتا تھا. ان کنووں کی دیواریں اور منڈیریں بہت ہی مضبوط پتھر کی سلوں سے بنائی جاتی تھیں اور ان کی سطح آب تک اترنے کے لیے زینے تعمیر کیے جاتے تھے جنہیں برصغیر کے بعض علاقوں میں باولی کے نام سے جانا جاتا ہے. بئر رومہ (یا بئر عثمان بن عفانؓ) ایسے کنووں کی مثالیں ہیں جو کہ آج بھی اپنی اصلی حالت پر موجود ہیں. ایسے کنوؤں سے غلام نیچے جا کر پانی بھر کر لاتے تھے، جس کی مثال بئر حضرت ایوب الانصاریؓ ہے جو کہ فصیل شہر کے باہر باب المجیدی کی طرف ہوا کرتا تھا. (۱) عام کنووں سے روائتی طریقوں سے پانی نکالا جاتا تھا جس میں دلوہ (ڈول) ڈال کر پانی اوپر لایا جاتا تھا ایسے کنوؤں کو سوانی کہا جاتا تھا. آج بھی مدینہ طیبہ کے اس دور کے چند کنویں باقی ہیں جو اپنے دور کے مخصوص فن تعمیر کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں.

کنویں سے پانی نکالنے کا ایک قدیم طریقہ

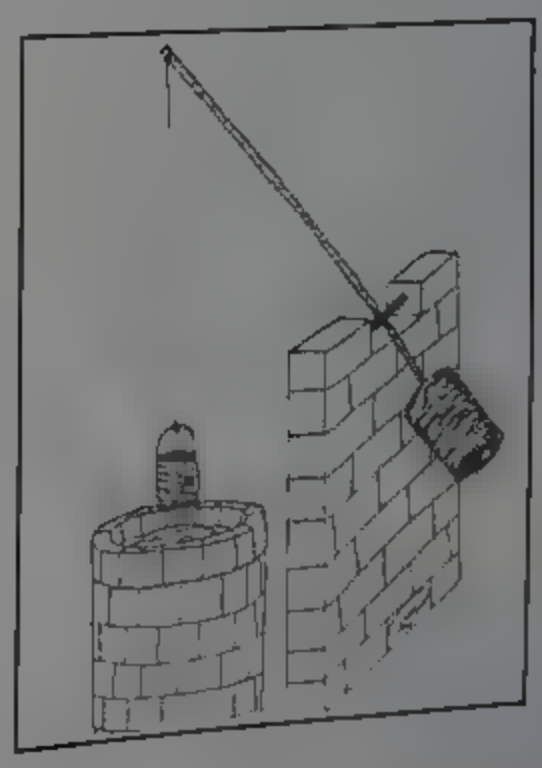

ازمنہ قدیم سے مدینہ طیبہ کے گردونواح میں واقع مضافات، زرعی اراضی اور چراگاہوں میں بھی ایسے کنویں تھے جو زراعت آب پاشی اور مال مویشیوں کی ضروریات کو پورا کرتے تھے. اس دور کی شاعری میں ایسے کنووں کا بکثرت ذکر ملتا ہے جیسا کہ جب غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ نے مدینہ طیبہ پر پورے لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھائی کر دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو دفاعی اقدام کے طور پر شمالی جانب ایک گہری اور لمبی خندق کھودنی پڑی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ (جو کہ دربار رسالت مآب ﷺ کے اتنے ہی مشہور شاعر تھے جتنے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ تھے) نے مدینہ طیبہ کی اس خوبی کا ذکر اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز میں کیا ہے. دشمنان اسلام کو مخاطب ہو کر انہوں نے ارض طیبہ کے متعلق فرمایا تھا:

جاؤ قریش کو بتا دو کہ جبل سلع اور اس کا وہ خطہ جو کہ العریض اور الصمد کے درمیان ہے
ایک ایسا بقعہ ارض ہے جہاں ہمارے حرب آزمودہ اونٹ کنووں سے پانی نکالنے میں مہارت رکھتے ہیں

جہاں قوم عاد کے کھودے ہوئے کنووں کی آج بھی بہتات ہے
جہاں چشموں کا پانی ان کنووں میں پانی کی سطح کو بلند رکھتا ہے
یہ کنویں اس دھرتی کی آبیاری کرتے ہیں اور اسے سرسبز و شاداب کر کے فصلیں اگاتے ہیں،
اور جب فصلیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں تو ہر طرف اپنا سنہری رنگ و بو بکھیر دیتی ہیں.
اہل مدینہ (تمہاری طرح) دوس اور مراد کے قبائل کے ہاتھ گدھے بیچ کر گزارا نہیں کرتے
ہم اپنا رزق اپنی اراضی کاشت کر کے حاصل کرتے ہیں جس کے دفاع کے لیے ہم اپنی جانیں بھی
قربان کرنا جانتے ہیں
ہمت ہے تو آؤ (تم ہمیں بزدل نہیں پاؤ گے).
ہم نے ہل چلا چلا کر اپنی دھرتی کو محنت کش کاشتکاروں کی طرح اپنے خون پسینے سے سینچا ہے
ایسی سرسبز و شاداب وادی تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی.

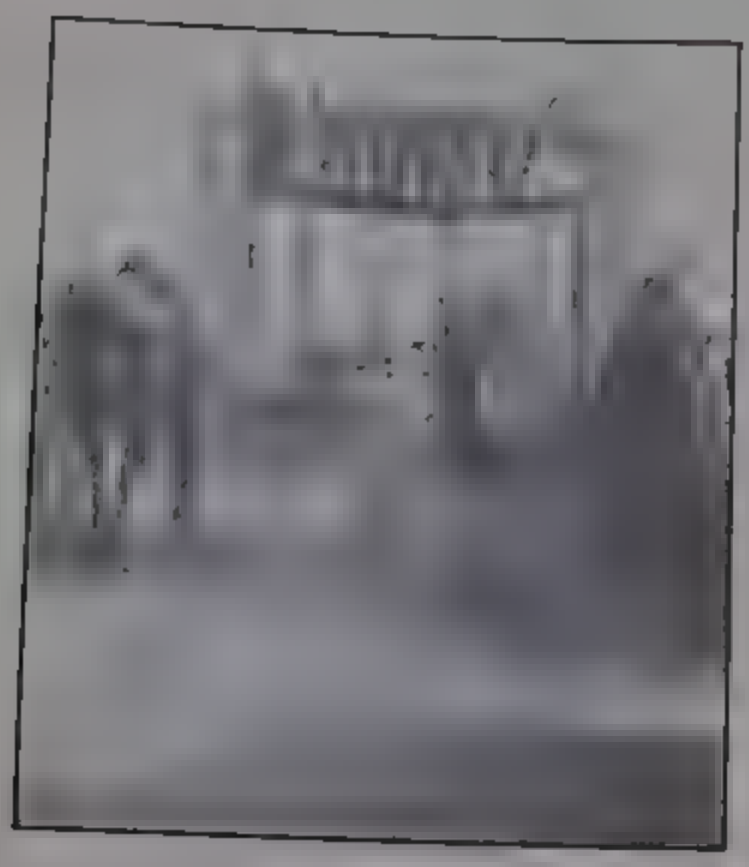

کنویں سے پانی نکالنے کا
ایک قدیم طریقہ

جہاں کی سرزمین جس قسم کے آتش فشانی لاوے کی چٹانوں سے بنی ہے وہاں زیر زمین پانی کی بہتات ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں. لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کنووں کی کھدائی پر زر کثیر صرف ہوتا تھا اس لیے صرف معدودے چند لوگ ہی کنوؤں کے مالک تھے جب کہ دوسرے لوگ اونٹوں یا دوسرے باربردار جانوروں پر پانی لاد کر لاتے یا پھر غلام چمڑے کے مشکیزے اپنے کندھوں پر اٹھا کر پانی ڈھویا کرتے تھے. ہجرت مبارکہ کے پہلے سال جب مہاجرین ابھی پوری طرح معاشی طور پر مستحکم نہیں ہوئے تھے تو ان میں سے اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دوسروں کے لیے پانی ڈھو کر حصول معاش کرتے تھے. اس سلسلے میں سب سے درخشندہ مثال سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ہے جو کہ ایک یہودی شمعون کا پانی ڈھوتے تھے جو کہ انہیں بہت دور سے لانا پڑتا تھا اور ہر پانی کے مشکیزے کے بدلے ان کو صرف ایک کھجور کا دانہ بطور معاوضہ ملتا تھا. وہ کنواں (جو کہ شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق قباء میں بئر غرس تھا) اتنا دور تھا کہ دن بھر میں شیر خدا علی المرتضیٰ سلام اللہ علیہ صرف سولہ مشکیزے ہی اس یہودی کے گھر پہنچا پاتے تھے جن کے عوض ان کو سولہ کھجوریں ملتیں. مواخات کے تحت چونکہ سرکار دو عالم ﷺ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں رشتہ مواخات قائم ہو چکا تھا اس لیے شیر خدا رضی اللہ عنہ ان سولہ کھجوروں میں سے آٹھ کھجوریں حضور رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیتے تھے. رشتہ مواخات کے تحت عموماً ہر دو فریق باری باری کام کرنے کے پابند تھے اور دیگر اصحابہ کرام میں یہی اصول مسلمہ تھا کہ اگر ایک بھائی ایک دن کام کرتا تو دوسرے دن دوسرا بھائی کام کرتا تھا. مگر شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰؓ سرکار دو عالم ﷺ کی باری کے دن بھی خود ہی پانی ڈھوتے تھے. محبت کا یہ رشتہ اتنا پائیدار تھا کہ آپ روزانہ آٹھ کھجوریں دربار رسالت میں پیش کرتے تھے.

قبل از اسلام کے ان کنووں میں سے جو ابھی تک اپنی اصلی حالت میں باقی بچے ہوئے ہیں ایک ایسا کنواں بھی ہے جو کہ کعب بن الاشرف یہودی کے محل کے صحن میں ہوا کرتا تھا. اس کی آثار قدیمہ کی شکل میں باقیات اس کی قبل از اسلام کنووں کی طرز تعمیر اور پائیداری کا منہ بولتا ثبوت ہے جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یثرب قدیم میں لوگوں کو پانی کے حصول کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی تھی. اگرچہ اس یہودی کا محل تو بے اعتنائی کے سبب زبوں حالی میں مبتلا ہے مگر کنواں ابھی بھی اچھی حالت میں ہے اگرچہ اس میں اینٹ پتھر اور کوڑا کرکٹ پھینک کر آدھے سے زیادہ حصے کو بھر دیا گیا ہے. یہود کی مدینہ بدری پر وہ محل اور کنواں لامحالہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے قبضے میں رہا ہوگا اور نہ جانے صدیوں تک کتنے مومنین کی پیاس بجھانے کا سبب بنا ہوگا یا پھر اس محل کے اردگرد واقع کھجوروں کے ہرے بھرے باغات کی آبیاری کرتا رہا ہوگا.

ازمنہ قدیم کے ایسے بہت سے کنویں تھے جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیر ملکیت آ چکے تھے اور حضور رسالت مآب ﷺ کئی

باران کنووں کو شرف زیارت بخش چکے تھے. بہت سے ایسے کنویں تھے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور پھر ان کا پانی تبرک و تقدس کی ان بلندیوں کو چھونے لگا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا پانی پینا باعث ثواب اور سعادت سمجھتے تھے. کتنے ایسے کنویں تھے جن کے پانی سے رسول مقبول ﷺ نے غسل فرمایا یا وضوء اور پینے کے لیے استعمال فرمایا ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن میں اس بات کا بالصراحت ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کنووں کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے جڑ چکی تھی اور ان کنووں سے پانی پینا باعث سعادت سمجھتے تھے. حضرت سعید بن عبدالرحمن بن رشیقؒ سے مروی ہے کہ [حضرت انس بن مالکؓ ہمارے پاس قباء میں آئے اور بئر غرس کے محل وقوع کے متعلق پوچھنے لگے (اور پھر اس کے بعد انہوں نے وہ تمام حدیث مبارکہ بیان فرمائی جس میں رسول اللہ ﷺ کا اس کنویں کے پاس تشریف لانا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالنے کا ذکر ہے). (۳) بہت سے کنویں تو میٹھے پانے کے تھے جب کہ کچھ ایسے بھی تھے جن کا پانی کھارا ہوتا تھا اور پینے کے لیے مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا. موخر الذکر قسم کے کنووں میں لوگ اکثر اوقات کوڑا کرکٹ پھینک دیا کرتے تھے. چند کنویں مسجد نبوی شریف کے آس پاس تھے جب کہ کچھ دور دراز علاقوں میں تھے نزدیکی کنووں میں بئر حضرت ابوایوب الانصاریؓ بھی شامل تھا جو کہ اس علاقے میں آ گیا ہے جہاں بقیع الغرقد کی توسیع کر کے گورستان بن چکا ہے. اسی کنویں سے پانی نکال کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مٹی اور گارا تیار کیا گیا تھا اور اسی سے اس کی اینٹیں سینچی گئی تھیں اسی پانی سے حجرات مبارکہ اور آستانہ مبارکہ ہادی صراط مستقیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلم کے لیے اینٹین اور گارا تیار کیا گیا تھا. اس کے علاوہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کا ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ بئر حاء کے قریب پڑتا تھا. بئر بصہ کا کنواں بقیع الغرقد سے جنوب مشرقی جانب بنو خدرہ کے علاقے میں حضرت ابوسعید الخدریؓ کے گھر کے پاس ہوا کرتا تھا. شمالی جانب تو بہت ہی مشہور کنواں تھا جو کہ بئر حاء کے نام سے مشہور تھا. اس کے علاوہ شمال مغربی جانب حضرت مالک بن سنانؓ کا کنواں تھا. حضرت انس بن مالکؓ کا بھی اپنا کنواں ہوا کرتا تھا (۴) حضرت سلمہ زوجہ حضرت رافعؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے ہاں مقیم تھے تو وہ (یعنی حضرت ابوایوبؓ) سرور کونین محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے لیے مالک بن نضر کے کنویں سے پانی ڈھویا کرتے تھے. (۵)

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے زمانہ خلافت راشدہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقہ میں تیئیس-۲۳ کنویں کھدوائے تھے. ان کنووں سے نہ صرف اس علاقے کی اراضی کی آبیاری ہوتی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پھل اور سبزیاں مہیا کرتا تھا بلکہ اکثر لوگ (خاص طور پر حجاج کرام) پینے کے لیے بھی انہیں کنووں سے پانی حاصل کرتے تھے. اسی طرح حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جو کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی اور ایک جلیل القدر تابعی تھے بھی اپنے محل کے قریب رفاہ عامہ کے لیے ایک کنواں وقف کیا ہوا تھا جو کہ مدینہ طیبہ سے وادی ذوالحلیفہ جانے والے راستے پر واقع تھا اور حجاج کرام اور زائرین اس سے پوری طرح مستفید ہوتے تھے. اس کے علاوہ اس کنویں نے اہل مدینہ طیبہ کی پانی کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا. جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھتی گئی پانی کی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا. حضرت معاویہؓ کے حکم پر مروان بن الحکم نے اہالیان مدینہ طیبہ کی سہولت کے لیے قباء میں ایک بہت بڑا کنواں کھدوانے کا اہتمام کیا اور پھر اس کا پانی زیر زمین نلکوں کے ذریعے مدینہ طیبہ لایا گیا جس کو عین الزرقاء کہا جاتا تھا. اسی طرح اہل بیت الطاہرہ میں سے حسین بن زید بن علی بن الحسینؓ نے تین کنویں کھدوائے تھے جن کو عیون الحسین کہا جاتا تھا (۶) جو کہ مدینہ طیبہ کے شمال کی جانب کے علاقے میں واقع تھے اور انہی کنووں کی نسبت سے آج بھی وہ علاقہ العیون ہی کہلاتا ہے. ایک کنواں سیدۃ فاطمہ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالبؓ نے اپنے گھر میں حرہ الوبرہ میں کھدوایا تھا جس سے اردگرد کے علاقے مستفید ہوتے تھے. (۷)

اونٹ یا بیل جوت کنوؤں سے پانی نکالا جاتا تھا
تصویر برائے سرزمینِ یثرب
(۱۹۰۳ء)

تاریخ مدینہ طیبہ میں سات کنوؤں نے بہت ہی شہرت پائی ہے کیونکہ ان کا پانی رسول رؤف الرحیم ﷺ کی ذات بابرکات نے مختلف مواقع پر استعمال فرمایا تھا۔ امام دارمی میں دی گئی ایک حدیث مبارکہ میں جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے بیان کیا گیا ہے کہ تاجدار مدینہ شہ بطحاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے مرض الموت میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے لانے کے لیے حکم دیا تھا جس کی تعمیل کی گئی اور پھر انہی سات مشکیزوں سے حیات طیبہ کا آخری غسل صحت فرمایا اور پھر اس کے بعد آخری نماز کے لیے کاشانہ اقدس سے باہر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ اسی نسبت سے وہ کنویں سات متبرک کنویں کہلائے جن کے نام یہ ہیں:

بئر الاریس، بئر الغرس، بئر الرومہ (بئر سیدنا عثمان غنیؓ)، بئر بضاعہ، بئر بصہ، بئر حاء، بئر العہن (۸)

چونکہ ابتداء میں ان تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہوا کرتا تھا ان میں سے اکثر و بیشتر پینے کے لیے بہت کم استعمال ہوا کرتے تھے لیکن جب سرور کائنات صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ نے ارض طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو ان کنوؤں کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ جب کبھی آپ حضور ﷺ کسی کنویں پر تشریف لے جاتے اور لوگ اس کے پانی کے کھارا ہونے کی شکایت کرتے تو سرور کونین ﷺ اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال دیتے جس سے ان کنوؤں کا پانی تبرک و تقدس کی اوج ثریا پر جا پہنچتا۔ اس معاملے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کا پانی بابرکت اور شفاء آور تھا اور اگر کوئی بیمار آجاتا تو امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اکثر اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کنوؤں کے پانی سے غسل کرنے کا نسخہ بتایا کرتی تھیں۔ نسبت رسول مقبول ﷺ سے یہ ساتوں کنویں تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں اور چودہ صدیوں تک مسلمان جوق در جوق ان کی زیارت کرنے اور ان کے پانی سے شفایاب ہونے کی کوشش کرتے آئے ہیں۔

سیرۃ طیبہ سے نسبت کی وجہ سے ان کنوؤں کی اہمیت کے پیش نظر مدینہ طیبہ کے حکمران ان کنوؤں کی دیکھ بھال کا خاص اہتمام کرتے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان میں سے بعض بے اعتنائی کا شکار بھی رہے اور یوں وہ یا تو وہ منہدم ہو گئے یا پھر ان میں پانی خشک ہو گیا۔ امام المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں صرف چھ کنویں مشہور تھے جب کہ ساتویں کی پہچان بھی اکثر لوگوں کو نہیں تھی۔ (۹) تاہم ان کے دو سو سال بعد امام سمہودیؒ نے بہت ہی تگ و دو کے بعد اس ساتویں کنویں کا کھوج لگایا اور کھدائی کروا کر اس کی مرمت کروائی اور عامۃ الناس کو مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مختلف ادوار کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے ان کنوؤں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور یوں وہ کنویں صدیوں تک عاشقان تبرکات نبوی کی پیاس بجھاتے رہے۔ اس دور میں عمرانی ترقی اور ایک مخصوص مکتبہ فکر نے ان تبرکات نبوی شریف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی بجائے کافی حد تک پس پشت ڈال دیا ہے۔ دو کنویں تو چونکہ مسجد نبوی شریف کے قریب واقع تھے وہ تو اس کے توسیعی منصوبے کی نذر ہو گئے اور ایک مسجد قباء کے چوراہے پر دفن کر دیا گیا ہے۔ چند کو جو ابھی تک موجود ہیں یا تو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے (بئر رومہ) یا پھر ان کو ڈھانپ دیا گیا ہے (بئر غرس اور بئر عہن) تاکہ کوئی ان سے اپنی پیاس نہ بجھا سکے اگرچہ ان میں سے تین بقید حیات ہیں اور ابھی تک ان میں پانی موجود ہے۔ تاریخی نقطہ نگاہ سے ان کی مسلمہ اہمیت کے پیش

نظر ہم ان کنووں کی تاریخ پر روشنی ڈالنا چاہیں گے جن کا تعلق سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سیرۃ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رہا ہے۔

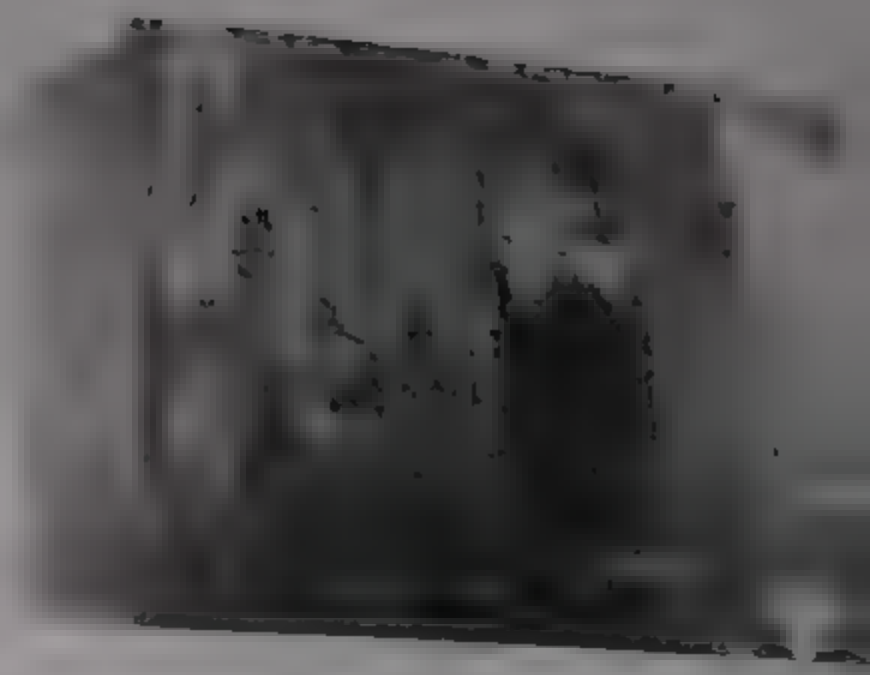

تہدام سے پہلے بئر حاء کی ایک بہت پرانی تصویر (تصویر احمد یاسین خیری)

بئر حاء:

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے:[حضرت ابوطلحہؓ (جو کہ رشتہ میں ان کے سوتیلے والد تھے) مدینہ طیبہ میں انصار میں سب سے زیادہ امیر آدمی تھے اور بئر حاء (حاء کا کنواں) جو کہ مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا ان کی ایک ایسی جائیداد تھی جو انہیں بہت محبوب تھی. رسول اللہ ﷺ اس کے زینے سے اتر کر اس کنویں میں تشریف لے جاتے اور اس کے میٹھے پانی سے محظوظ ہوتے تھے.]

باب فہد سے داخل ہوتے ہی بائیں جانب فرش مسجد نبوی پر جو نشانات بنائے گئے ہیں ان سے بئر حاء کے متبرک کنویں کا محل وقوع ظاہر کرنا مقصود ہے

(۱۰) رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات اس کنویں پر تشریف لے جاتے اور اس کا پانی استعمال فرماتے اور اکثر اس کے گرد واقع نخیل و اشجار کے سائے میں استراحت فرماتے. جہاں تک اس کے نام 'حاء' کا تعلق ہے اس سلسلے میں بہت سی روایات ہیں. بعض کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی کا نام ہوگا جب کہ کچھ مورخین کی رائے میں اس کا یہ نام اس علاقے کی نسبت سے تھا جہاں یہ واقع تھا. احادیث مبارکہ میں بھی اسے 'بئر حاء' ہی کہا گیا ہے.

صحیح مسلم کے مطابق حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:[حضرت ابوطلحہؓ مدینہ طیبہ کے امیر ترین انصار میں شمار ہوتے تھے جن کی بہت سی جائیداد تھی جس میں بئر حاء کا باغ بھی شامل تھا جو انہیں بہت محبوب تھا. یہ باغ مسجد نبوی شریف کے سامنے (قریب تھا) اور سرکار دو عالم ﷺ اکثر اس کنویں پر تشریف لے جاتے اور اس کے میٹھے پانی سے محظوظ ہوتے تھے. جب اس آیت مبارکہ کا نزول ہوا: ﴿تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ تم راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو.﴾ (القرآن آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابوطلحہؓ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ تم راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو﴾ میری سب سے محبوب جائیداد تو بئر حاء ہے، لہذا میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں جس سے مجھے اس کا انعام و اکرام ملے گا. لہذا یا رسول اللہ ﷺ آپ جس مقصد کے لیے چاہیں اسے استعمال میں لائیں. شہ دوسرا ﷺ نے فرمایا:[شاباش! یہ تو بہت منافع بخش جائیداد ہے. جو تم نے کہا میں نے سن لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنے اعزہ و اقارب پر خرچ کرو. لہذا حضرت ابوطلحہؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور آپ حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کے اقارب اور ان کے چچیرے بھائیوں (حضرت صفوان بن معطلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ) میں تقسیم فرما دیا.] (۱۱) اس طرح اس فرمان ربانی کے نزول کے بعد حضرت ابوطلحہؓ وہ پہلے اصحابی بن گئے تھے جنہوں نے اپنی محبوب ترین جائیداد فی سبیل اللہ تصدق کی تھی اور بئر حاء کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلی زرعی جائیداد تھی جو کہ اس حکم رب ذوالجلال کے بعد صدقہ کی گئی.

۷۵۲

جب حضرت حسان بن ثابتؓ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے خلاف الزام تراشی میں ملوث ہو گئے تو ان کے قبیلے کے ایک فرد نے (حضرت صفوان بن معطلؓ جن پر اس معاملے میں تہمت لگائی گئی تھی) انہیں برا بھلا کہا اور دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ حضرت صفوانؓ نے حضرت حسان بن ثابتؓ پر تلوار کھینچ لی کیونکہ انہوں نے ان پر ہجویہ شعر کہے تھے. حضرت صفوانؓ نے (جو کہ

مسجد نبوی میں بئر "حاء" کا خاکہ

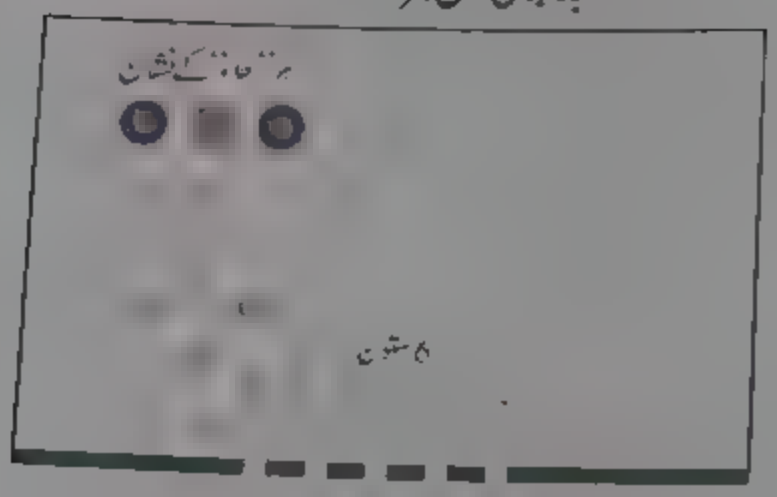

(بھی عیب اچھے شاعر تھے) یہ شعر پڑھتے ہوئے ان پر اپنی تلوار سے وار کر دیا

تجھے میری تلوار کی دھار اب تمہاری خبر دیتی ہے

جب تم میرے جیسے آدمی پر تہمت لگاؤ گے تو بدلے میں تمہیں ہجو یہ شعر نہیں ملیں گے۔

اس وار سے حضرت حسان بن ثابت زخمی ہو گئے ابن اسحاق کے بیان کے مطابق جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوا تو قصاص کے طور پر سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت صفوان بن معطل سے بئر حاء میں سے وہ حصہ جو کہ انہیں عطا کیا گیا تھا وہ واپس لے کر تعویض کے طور پر حضرت حسان بن ثابت کو عنایت کر دیا گیا۔ابن اسحاق کے مطابق اس دور میں یعنی جب کہ وہ معرکۃ الآراء سیرۃ رسول اللہ ﷺ مدون کر رہے تھے وہ جائیداد بنی جدیلہ کا محل (قصر) کہلاتی تھی وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں تو یہ حضرت ابوطلحہ بن سہل کی ملکیت تھی جنہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ پر تصدق کر دیا تھا اور پھر آپ نے قصاص کے طور پر سے حضرت حسان بن ثابت وان زخموں کے قصاص میں عطا کر دیا جو انہیں لگے تھے۔(۱۲) ابن شبہ نے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت صفوان تلوار سونتے ہوئے حضرت حسان بن ثابت کی تلاش میں نکل پڑے جب کہ انہوں نے اپنے مشہور اطم میں پناہ لی ہوئی تھی جو کہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب تھا یہ مذکورہ واقعہ اسی محل پر ہوا۔(۱۳)

بعد میں جب حضرت معاویہؓ نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی تو انہوں نے اس جائیداد کا بڑا حصہ اپنے لیے خرید لیا اور اس پر محل بنوایا جس کی وجہ سے وہ تمام علاقہ قصر بنی جدیلہ کہلانے لگ گیا کیونکہ ان دنوں وہاں بنی جدیلہ آباد تھے (۱۴) چونکہ یہ جائیداد مسجد نبوی شریف کے قریب تھی اس لیے حضرت معاویہؓ نے اسے ۱۰۰،۰۰۰ درہم میں خریدا تھا۔

یہ علاقہ جہاں بنی جدیلہ (جو کہ بنی معاویہ النجاریہ کی ایک شاخ تھی) آباد تھے مسجد نبوی شریف کی شمالی جانب تھا (۱۵) ابن نجار (وفات ۵۷۸ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ۱۰ ذرع (تقریباً ۵ میٹر) گہرا تھا اور اس میں پانی کی گہرائی ۵ ذرع تھی اور اس کنویں کا قطر ۳،۵ ذرع تھا (۱۶) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) کے بیان کے مطابق یہ کنواں ان دنوں فصیل شہر جناں کے ساتھ انتہائی شمالی جانب واقع تھا اور ایک اسی محلے میں پڑتا تھا جسے انویریہ کہا جاتا تھا کیونکہ نویریہ کی چند مخیر خواتین نے اسے خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔(۱۷)

علی بن موسیٰ آفندی کے مطابق (۱۸۸۵ء میں) بئر حاء اور اس کے اردگرد کھجوروں کے بستان کا معتد بہ حصہ سلیمان کردی اور مصطفیٰ کردی کی ملکیت تھا جبکہ اس کے کچھ حصے کی ملکیت مرجان آغا سیم کے پاس تھی (۱۸) خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع سے پہلے یہ کنواں باب عبدالمجید کے سامنے والے علاقے میں ہوا کرتا تھا۔اس کی شرقی جانب پرانا فندق بہاء الدین تھا (قارئین کرام اسے سمانیہ کے علاقے میں موجودہ فندق بہاء الدین پر محمول نہ کریں جو اب ۲۰۰۳ کے اوائل میں زیر انہدام ہے)۔ابراہیم العیاشی کے مطابق اگرچہ یہ علاقہ بہت گنجان آباد تھا اور بئر حاء کے اردگرد اس وقت بہت سے ہوٹل اور عمارتیں بن چکی تھیں، مگر یہ کنواں جدید عمرانی ضروریات کی دستبرد سے سن ستر کی دہائی تک محفوظ رہا تھا۔محکمہ اوقاف حرم نے اسے اپنی تحویل میں لے کر اسے پکے پردے دیا تھا۔ ان کے مطابق کنواں اگرچہ سوکھ چکا تھا مگر اس پر ایک چھت ہوا کرتی تھی اور اس کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔(۱۹) اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی متروکہ غیر آباد مسجد بھی ہوا کرتی تھی۔

جب شاہ فہد کے دور میں مسجد نبوی شریف کی آخری بار توسیع ہوئی تو حکومت نے بئر حاء اور اس کے اردگرد کا تمام علاقہ حاصل کر لیا اور پھر اس عدقے کا کثیر حصہ موجودہ مسجد نبوی شریف کے اندر آ گیا۔اس کا موجودہ محل وقوع مسجد نبوی شریف کے اندر ہے اور پیچان کے لیے مسجد

بئر اریس کی نادر تصویر
انہدام سے پہلے اس پر ایک
گنبد بھی ہوا کرتا تھا

شریف کے اس حصے میں نشان بنا دیئے گئے ہیں. جب ہم باب ملک فہد (گیٹ نمبر ۲۱) سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صرف چند قدم پر پہلی ستونوں کی رو میں اگر ہم تھوڑا بائیں طرف چلیں تو دو ستونوں کے درمیان سطح فرش پر تین گول دائرے بنے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ستونوں کی جانب والے دونوں دائرے نیلگوں سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں جب کہ درمیانی دائرہ گلابی رنگ کے مرمر سے بنا ہے. یہ تینوں دائرے باب نمبر ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان سامنے پڑتے ہیں. یہی وہ جگہ ہے جہاں کہ مدینۃ الرسول ﷺ میں وہ تاریخی کنواں تھا جہاں سرکار دوعالم ﷺ اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور استراحت فرماتے تھے. پہلے اتنے حصے پر قالین نہیں ہوا کرتا تھا مگر اب کی بار جب رمضان المبارک ۱۴۲۳ ہجری کو حاضری ہوئی تو اس جگہ کو قالین سے ڈھانپ ہوا پایا گیا. بادثوق ذرائع کے مطابق بئر حاء کا مبارک کنواں ابھی تک زیر زمین تہہ خانہ میں موجود ہے لیکن چونکہ عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے اس لیے لوگ اس کی زیارت یا اس کے پانی سے استفادہ سے محروم ہیں. اس کنویں میں آج کے دور میں بھی پانی وافر مقدار میں موجود ہے جو کہ بارشوں کے موسم میں کنویں کی منڈیروں سے بہنے لگ جاتا ہے اور یوں عشاق کی پیاس بجھائے بغیر نکاسی آب کے نظام سے مل کر باہر نکل جاتا ہے.

بئر اریس:

ماضی میں مسجد قباء کے نواح میں یہ بہت ہی معروف مبارک کنواں ہوا کرتا تھا. زمانہ جاہلیت میں چونکہ اسے اریس نامی یہودی نے بنوایا تھا اس لیے یہ کنواں 'بئر اریس' کے نام سے ہی جانا جاتا رہا. اسے 'بئر خاتم' بھی کہا جاتا تھا. حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ اپنے گھر سے وضوء کر کے یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ وہ تمام دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزاریں گے. وہ مسجد نبوی شریف آئے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو پتہ چلا کہ آپ حضور ﷺ فلاں جانب تشریف لے جا چکے تھے. وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں بھی آپ حضور ﷺ کے نقش قدم پر اسی طرف چل دیا یہاں تک کہ میں بئر اریس پر پہنچ گیا. میں اس بستان کے لکڑی کے دروازے پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حوائج سے فارغ ہو کر وضوء بنا چکے تھے. میں سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ حضور ﷺ نے اس وقت اپنی پنڈلیوں تک تہبند کو اٹھایا ہوا تھا اور کنویں کی منڈیر پر اس انداز سے تشریف فرما تھے کہ پائے مبارکہ کنویں میں لٹک رہے تھے. میں نے سلام عرض کیا. پھر میں واپس دروازے کے اندر کی طرف جا کر بیٹھ گیا تاکہ میں دروازے پر دربانی کر سکوں. اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہاں تشریف لے آئے اور دروازے پر دستک دی. میں نے پوچھا کہ کون ہیں تو انہوں نے فرمایا. ابوبکرؓ!. میں نے عرض کیا کہ انتظار فرمایئے اور میں خود اندر گیا اور عرض کیا کہ ابوبکرؓ اذن حاضری چاہتے ہیں. سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں اندر آنے دیں اور

سر اریس کی یک ور
نادر تصویر جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ اونٹوں کی مدد
سے پانی نکالا جاتا تھا
(تصویر: رفعت پاشا، ۱۹۰۲ء)

نہیں جنت کی بشارت دیں. میں ان کے پاس واپس آیا اور انہیں اندر جانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنادی. حضرت ابوبکرؓ اندر آئے اور سرکار دو عالم ﷺ کی داہنی جانب اسی کنویں کی منڈیر پر اپنی ٹانگیں ویسے ہی لٹکا کر بیٹھ گئے اور جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ساقین مبارکہ سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا ویسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کیا. میں واپس آکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا. میں اپنے بھائی کے متعلق سوچ رہا تھا جو کہ وضو کرنے کی وجہ سے مجھ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آنے والے تھے میں دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر اللہ نے ان کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا. میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا. میں نے پوچھا کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: عمر بن الخطابؓ. میں نے کہا انتظار فرمایئے. پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا ''عمرؓ اذن حاضری کے لیے درخواست گزار ہیں! حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہوا: انہیں اندر آنے دیجئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت دے دیجئے. اس طرح وہ بھی اندر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے میں پھر واپس آکر بیٹھ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر اللہ نے فلاں کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا. میں ابھی یہی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی. میرے استفسار پر انہوں نے کہا 'عثمان بن عفان!' میں نے کہا انتظار فرمایئے اور پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ان کے متعلق عرض کیا جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ انہیں اندر آنے دیجیے اور انہیں بلوہ اور فساد کی خبر دیں جو کہ انہیں درپیش ہوں گے. میں نے آکر ان سے عرض کیا کہ اندر تشریف لے آئیں اور ان کو بہشت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی ان فتنوں کی اطلاع بھی دی جن کا کہ ان کو سامنا کرنا تھا. وہ اندر گئے اور دیکھا کہ کنویں کی منڈیر کا وہ حصہ جہاں سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے خالی نہ تھی. لہذا وہ (آپ حضور ﷺ کے سامنے منڈیر پر) مقابل سمت میں بیٹھ گئے.... (۲۰) حضرت سعید بن المسیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کنویں کی منڈیر پر سرکار دو عالم ﷺ کے شانہ بشانہ بیٹھنے کی ترتیب (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ داہنی جانب اور حضرت عمر بن الخطابؓ باہنی جانب) سے مراد یہ تھی کہ شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما بعد از وفات بھی حجرہ مطہرہ میں ایک ہی کمرے میں محو استراحت ہوں گے جب کہ سیدنا عثمانؓ جگہ نہ مل سکنے کے باعث ان کے سامنے بیٹھے تھے، یعنی ان کے لیے حجرہ مطہرہ میں جگہ نہ تھی اور اس لیے وہ بقیع الغرقد میں قدمین شریفین کے سامنے مدفون ہوئے. (۲۱)

یہ واقعہ جس مقام پر رونماء ہوا تھا وہ بستان اور بئر اریس تھا جو کہ فیروز آبادی کے بیان کے مطابق مسجد قباء کی غربی جانب ایک باغ میں ہوا کرتا تھا جو کہ نویں صدی ہجری میں بنی حسین ابن علیؓ کی اولاد الاشراف کے قبضہ میں تھا. شروع میں یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کا

نام اریس تھا جسے حضرت عثمان بن عفانؓ نے مدینہ طیبہ کے عامۃ المسلمین کے لیے خرید کر ہبہ کر دیا تھا۔ یہی وہ کنواں تھا جہاں بیٹھے بیٹھے اس میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی گر گئی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے۔ ایسا ان کے دور خلافت کے چھٹے سال میں ہوا تھا۔ تین دن تک اس کنویں کا پانی نکالا جاتا رہا یہاں تک کہ اس کا پانی بالکل خشک ہو گیا مگر وہ متبرک انگوٹھی نہ ملنی تھی اور نہ ملی۔ اس انگوٹھی کا گم ہونا تھا کہ سیدنا عثمانؓ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کے خلاف فتنوں اور یورشوں نے سر اٹھا لیا جو بالآخر ان کی طویل محصوری اور شہادت پر منتج ہوئے۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان کو ایک خط لکھا اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی خاتم یعنی انگشتری مبارک سے مہر لگائی اس انگوٹھی پر تین سطروں میں یہ حروف کنداں تھے ['محمد' (ﷺ) ایک سطر میں، 'رسول' دوسری سطر میں اور 'اللہ' تیسری سطر میں تھا۔] حضرت انسؓ نے مزید بیان فرمایا کہ [رسول اللہ ﷺ کی انگشتری تاحیات آپ حضور ﷺ کے ہاتھ میں رہی، پھر اس کے بعد وہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی اور بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی۔ جب حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ تھے تو ایک بار وہ بئر اریس کی منڈیر پر بیٹھے تھے انہوں نے وہ انگوٹھی اپنی انگشت سے اتاری اور اس سے کھیل رہے تھے کہ اچانک وہ انگوٹھی ان کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی ہم حضرت عثمانؓ کے ساتھ تین دن تک اس کنویں پر جاتے رہے اور اسے تلاش کرتے رہے۔ آخر کار کنویں کا تمام پانی خشک ہو گیا مگر وہ انگشتری نہ مل سکی۔] (۲۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ [رسول اللہ ﷺ سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور اس کا نگینہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی مبارک کی جانب ہوا کرتا تھا اس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کنداں تھے لوگوں نے بھی ویسی ہی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں جب سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا تو یہ فرماتے ہوئے اپنی انگوٹھی پھینک دی [میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا] اور اس کے بعد آں حضور ﷺ نے چاندی کی انگشتری پہننی شروع کر دی اور لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں۔] حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مزید فرمایا [رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ انگشتری حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہنی اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اور پھر ان کے بعد حضرت عثمانؓ نے اس وقت تک پہنا جب تک کہ وہ ان کے ہاتھ سے بئر اریس میں نہ گر گئی۔] (۲۴)

نبی کریم ﷺ کی انگشتری (خاتم) سرور کائنات ﷺ کے اس کنویں میں گم ہونے کے واقعہ نے اس کو 'انگشتری والا کنواں' یا 'بئر الخاتم' کے نام سے مشہور کر دیا۔ ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۴ ذرع گہرا تھا جس میں اڑھائی ذرع گہرا پانی ہوا کرتا تھا اور اس کا قطر پانچ ذرع تھا المطری کے بیان کے مطابق شیخ سیف الدین ابوبکر بن احمد السلمی نے اس میں زینہ بنوا دیا تھا تاکہ لوگوں کو سطح آب تک جانا آسان ہو جائے۔ سطح آب کے پاس ایک تہہ خانہ بھی بنوا دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کو بیٹھنے میں آسانی ہو اس کنویں پر ایک سنگ تعمیر نصب تھی جس پر اس کی مرمت کا سال ۷۱۴ ہجری لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اس کے بعد نجم الدین یوسف الرومی نے جو کہ امیر طفیل کے وزیر تھے اس کی مرمت کروائی۔ فیروز آبادی کے بیان کے مطابق اسے الرومی نے بنوایا تھا اور سیف الدین نے اس کی مرمت کروائی تھی۔ (۲۶)

بئر اریس کی ایک پرانی تصویر

بئر اریس کا متبرک کنواں اس جگہ برگ اور فٹ پاتھ کے درمیان واقع تھا

عثمانیوں نے اس کی قیمہ نو کروائی اور اس پر چبوترہ کا بنا ہوا ایک گنبد بھی تعمیر کروایا ایک اور گنبد اس کے غربی جانب بھی تعمیر کروایا ابراہیم رفعت پاشا جس نے مصری حجاج کے میر الحج کے طور پر مدینہ طیبہ کی ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۴ء، اور پھر ۱۹۰۸ء میں زیارت کی، اپنی ذکریات طیبہ (مرآۃ الحرمین) میں بیان کرتے ہیں کہ الاریس کے کنویں کا پانی میٹھا تھا اور بہت وافر مقدار میں موجود ہوا کرتا تھا اونٹ یا دیگر بار بردار جانور پانی کھینچنے کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے اس کا پانی نہ صرف زائرین کے پینے کے کام آتا تھا بلکہ اس کے نواح میں واقع زرعی فارم اور بستان کو بھی سیراب کرتا تھا جو کہ بستان ابن نبی کے نام سے مشہور تھا اور وقف جائیداد تھی جسے محمد پاشا العثمانی نے وقف فی سبیل اللہ کر دیا تھا اور اس وقت وقف حرم النبوی شریف کے تحت تھا، وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس باغ میں انواع واقسام کے پھل ہوتے تھے اور قبا اور مدینہ طیبہ کے لوگ یہاں سیر وتفریح کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ (۲۷)

بدقسمتی سے بے اعتنائی نے اس تاریخی کنویں کی حالت اتنی خستہ کر دی تھی کہ یہ برلب انہدام تھا قاری شریف احمد کے بیان کے مطابق جنہوں نے بئر اریس کی زیارت ۱۹۵۶ء میں کی تھی، اس میں پانی ہوا کرتا تھا مگر جب وہ ۱۹۶۴ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت سے دوبارہ بہرہ ور ہوئے تو اس کا پانی سوکھ چکا تھا اور گردونواح میں بسنے والے بچے اس میں زینوں کے ذریعے اتر کر کھیلنے کی غرض سے جایا کرتے تھے (۲۸) اس کے نتیجے میں ۱۹۶۴ء میں اس کنویں کو مسمار کر دیا گیا اور اس سے حاصل ہونے والے علاقے کو مسجد قباء کے قریب ایک میدان اور پارک میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ صاحب ''ابواب تاریخ امدینہ'' علی حافظ نے جو کہ اس وقت بلدیہ مدینہ طیبہ کے رئیس ہوا کرتے تھے بہت ہی دکھ بھرے لہجے میں لکھا ہے:

> بلدیہ مدینہ طیبہ نے اس علاقے کو ہموار کر کے مسجد قباء کے پاس ایک میدان بنا دیا ہے اور ایسا کرنے سے وہ کنواں اسی میدان کے نیچے دب گیا ہے تاہم اسے ابھی بھی کھود کر ایک تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جا سکتا ہے (۲۹)

اس کے بعد جب مساجد مدینہ طیبہ کے منصوبے کے تحت مسجد قباء اور اس کے گردونواح کا علاقہ مزین کیا گیا تو وہ میدان ایک بار پھر مسمار کر دیا گیا اور وہاں سے اب قباء۔ مدینہ روڈ گزرتی ہے۔ یوں یہ تاریخی اور متبرک کنواں جس کی منڈیر پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اتباع کامل میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف رکھا کرتے تھے اور جس کا میٹھا شفا آور پانی صدیوں فرزندان توحید کی پیاس بجھاتا رہا آخر کار کچھ تو قباء روڈ اور کچھ فٹ پاتھ کی نیچے دفن ہو کر رہ گیا ہے جیسا کہ ایسے بہت سے آثار مبارکہ کے سلسلے میں ہوا ہے بلدیہ مدینہ طیبہ کے اہل کاروں نے یہ گوارا بھی نہیں کیا کہ اس کے مقام پر کوئی نشانی ہی لگا دیتے یا یہ کہ وہاں کوئی کتبہ نصب کر دیا جاتا۔ نتیجہ کے طور پر عشاق آثار نبویہ کو قدیم اہل قباء کی تلاش کرنا پڑتی ہے تاکہ ان کو اس مقام کا صحیح محل وقوع معلوم ہو سکے جو کہ سیرۃ رسول مقبول ﷺ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے نام سے جڑا ہوا تھا۔ اس کا کچھ حصہ تو سڑک کے نیچے ہے جب کہ کچھ حصہ اس مقام پر فٹ پاتھ کے نیچے چلا گیا ہے جہاں کہ اوپر دی گئی تصویر میں دو اصحاب کھڑے نظر آتے ہیں۔ ابراہیم العیاشی نے ''المدینہ بین الماضی والحاضر'' میں جو نقشہ دیا ہے وہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (۳۰) بلدیہ قباء کے پرانے ملازموں نے بھی جو اس علاقے کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اسی مقام کی نشاندہی کی ہے۔ اس جگہ پر جہاں بستان النبی ہوا کرتا تھا آج کل چند خوبصورت درخت لگا دیئے گئے ہیں، لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جب کہ کوئی بتانے والا بھی باقی نہ ہوگا کون بتا سکے گا کہ بئر اریس کس جگہ واقع تھا اور یوں یہ آثار بھی دیگر آثار مبارکہ کی

طرح یادوں کے دھندلکوں میں گرد آلود ہوتے ہوتے طاق نسیاں کی نذر ہو جائے گا.

یہاں اس بات کا ذکر بھی بے محل نہیں ہوگا کہ چند معلمین جو کہ زیارات کروانے کا اہتمام کرتے ہیں اور زائرین کو مختلف تاریخی مقامات پر لے جاتے ہیں اکثر و بیشتر اس تکونے پارک کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ مسجد قباء کے جنوب مغرب میں اب سڑک واقع ہے جہاں چند پتھر رکھے ہوئے ہیں (جیسا کہ مندرجہ بالا تصویر سے ظاہر ہے)، لیکن با تحقیق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ وہ جگہ نہیں جہاں کہ بئر اریس کا کنواں ہوا کرتا تھا. یہ تصویر صرف حوالے کی غرض سے دی گئی ہے تا کہ قارئین کرام ان نیم معلمین کے کہنے پر یقین نہ کر لیں.

بئر بضاعہ:

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ بضاعہ مدینہ طیبہ میں ایک کھجوروں کا باغ تھا.(۳۱) حضرت سہلؓ سے ہی مروی یک اور روایت میں ہے کہ [میں نے بئر بضاعہ سے پانی لا کر اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں نوش فرمانے کے لیے پیش کیا] (۳۲) ایک اور روایت میں اس بات کی مزید صراحت موجود ہے کہ بئر بضاعہ قبیلہ بنی ساعدہ (جو کہ الخزرج کی ایک شاخ تھے) کے کنووں میں سے ایک کنواں تھا.(۳۳) یہ کنواں بئر حاء سے تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر اور ثقیفہ بنی ساعدہ سے تقریباً ۳۰۰ میٹر کے فاصلے پر تھا.

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ کیا وہ بئر بضاعہ کے پانی سے وضوء وغیرہ کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا کنواں تھا جہاں عورتیں اپنے غلیظ سینیٹری کے کپڑے، مردار کتے اور گلی سڑی چیزیں پھینک دیا کرتے تھے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [پانی پاک ہوتا ہے اور کسی چیز سے ناپاک نہیں ہوتا.] (۳۴) حضرت ابو سعید الخدریؓ کی ہی ایک اور روایت میں ہے: [میں نے سنا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ حضور ﷺ کے لیے جس کنویں سے پانی لایا جاتا ہے وہ بئر البضاعہ ہے جس میں لوگ مردار کتے، غلیظ کپڑے اور غلاظت پھینکا کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پانی پاک ہوتا ہے اور کسی چیز سے ناپاک نہیں ہوتا.] (۳۵)

سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سنا تھا جن میں ابی اسید الساعدیؓ، ابو حمیدؓ اور ان کے اپنے والد محترم (حضرت سعدؓ) بھی شامل تھے کہ: رسول اللہ ﷺ بئر بضاعہ پر تشریف لائے اور اس ڈول یا برتن سے وضوء بنایا جس سے ان کنویں سے پانی نکالا جاتا تھا اور جو پانی اس میں بچ رہا اس کو بئر بضاعہ میں ہی لوٹا دیا گیا. پھر آں حضرت ﷺ نے اسی برتن میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور اسی کنویں میں ڈال دیا اور پھر اس سے پانی نکلوا کر نوش فرمایا. آپ حضور ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں جب کبھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوتا: اسے بضاعہ کے پانی سے غسل دلوا دو. اور جب کوئی مریض اس کنویں کے پانی سے غسل کر لیتا تو وہ صحت یاب ہو جاتا.] (۳۶) حضرت ابی اسید الساعدیؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو بئر بضاعہ کے پاس رکتے ہوئے دیکھا. آپ ﷺ کے گھوڑے نے اسی کنویں کے پانی سے سیر ہو کر اپنی پیاس بجھائی. پھر سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اسی کنویں سے پانی نوش فرمایا اور اسی سے وضوء بھی بنایا اور پھر اس کے پانی میں برکت کے لیے دعا فرمائی.] (۳۷) رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو وہ یہی کہتا کہ ''مجھے بئر بضاعہ کے پانی سے نہلوا دیجئے. چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا اور وہ مریض شفایاب ہو جاتا.] (۳۸) امام ابی داؤد (ت: ۲۰۲ ہجری) کی روایت کے مطابق اس کے پانی کی سطح ایک قد آدم کے برابر تھی اور اس کا قطر تقریباً چھ ذرع تھا.(۳۹)

سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے: [ہم بیماروں کو بئر بضاعہ کے پانی سے تین دن غسل دیتے اور وہ شفایاب ہو جاتا تھا.] (۴۰)

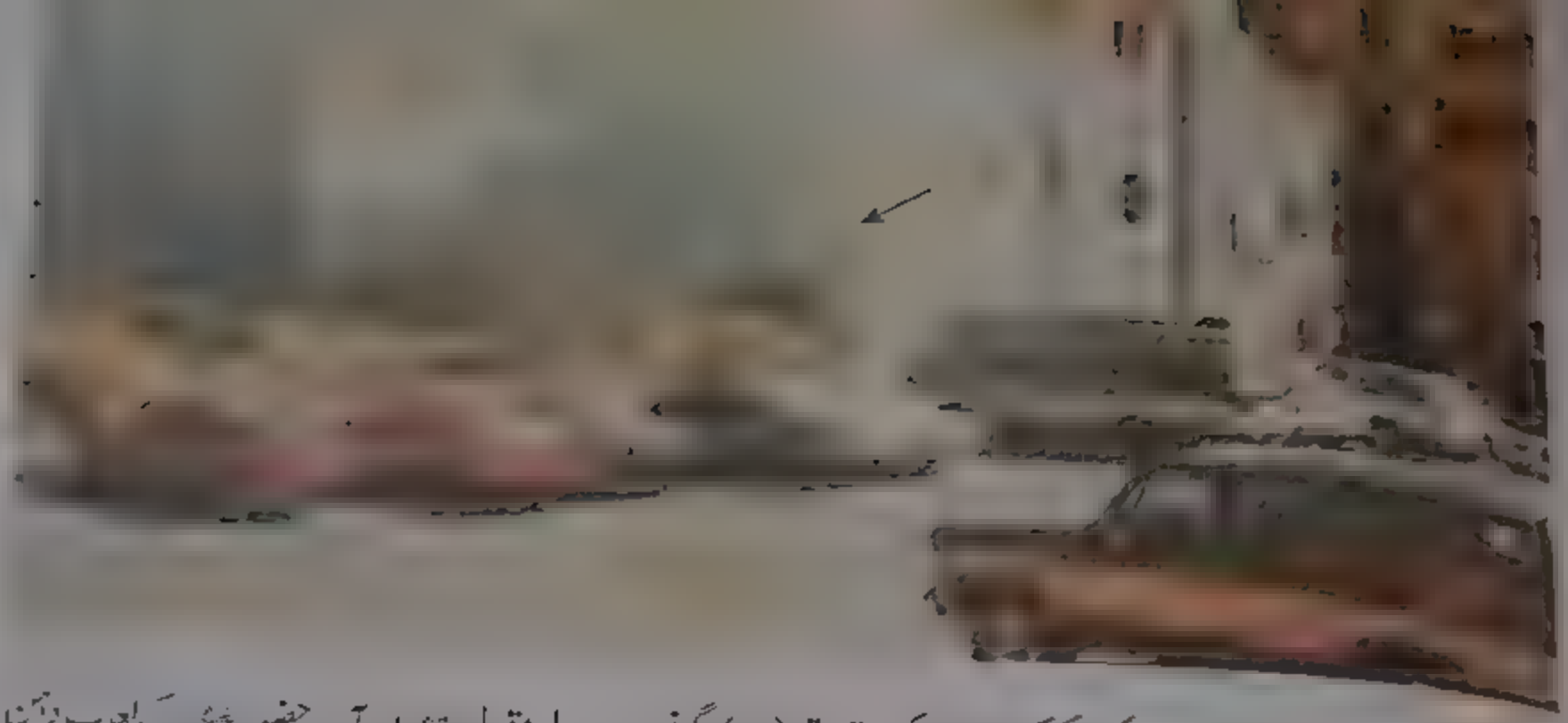

اگرچہ لوگ ماضی میں اس میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے (۴۱)، مگر نسبت رسول مقبول ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے لعاب دہن کے ساتھ مل جانے سے یہی پانی مطہر و پاک ہوگیا اور لوگوں کے لیے باعث شفاء و برکت بن گیا

امام ابوداؤد سے مروی ہے: [میں نے اس پر اپنی چادر پھیلا کر بئر بضاعہ کے قطر کی پیائش کی ہے جو کہ ۶ ذرع بنتی تھی. جب میں نے دربان سے پوچھا جس نے مجھے ازراہ کمال مہربانی اس باغ کے اندر جانے کی اجازت دی تھی کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے بعد اس کی تعمیر میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی کا رنگ بھی نہیں بدلا تھا.] (۴۲) ابن العربی نے بیان کیا ہے کہ یہ کنواں شوریلی زمین کے درمیان واقع ہے اور اس کے پانی کا ذائقہ کچھ تبدیل ہوا ہے. (۴۳).

عیاشی نے اپنے سفرنامہ میں گیارھویں صدی کے وسط میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ بئر بضاعہ بئر حاء کے شمال مشرق میں باب شامی کی جانب واقع تھا. اس نے اس بات کی تصدیق بھی ببانگ دہل کی ہے کہ جو مریض بھی اس کا پانی استعمال کرتا تھا وہ شفایاب ہو جاتا تھا. (۴۴) گیارھویں صدی کے ایک اور مورخ شہر جاناں۔ الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی۔ نے بیان کیا ہے کہ یہ کنواں ۳۳، ۱۱ ذرع گہرا تھا اور یہ کلر اور شوریلی زمین میں بنی ساعدہ کے گھروں کے بیچوں بیچ واقع تھا اور اس کی مغربی جانب ایک چھوٹے سے اطم کی باقیات بھی تھیں جو کہ کبھی حضرت ابی دجانہ ؓ کا اطم ہوا کرتا تھا. (۴۵) غالی الشنقیطی کے کہنے کے مطابق یہ کنواں بئر حاء سے ۳۰۰ میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب کی جانب تھا. (۴۶) علی حافظ نے بیان کیا ہے کہ جب شریف زید نے اس متبرک کنویں پر اپنے اپارٹمنٹ تعمیر کروائے تو اس کنویں پر ایک الگ کمرہ تعمیر کروا دیا تھا. انہوں نے اس کنویں کی طرف ایک علیحدہ گزرگاہ تعمیر کروائی تاکہ خواہش مند حضرات کو اس تک دسترس میسر ہو سکے. وہ بیان کرتے ہیں ''شریف زید نے اس کنویں کو ہر کسی کے لیے قابل دسترس بنا دیا. میں نے بذات خود اسے دیکھا ہے. مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ سیمنٹ کے بنے مضبوط کمرے کے اندر اس کنویں کو بہت محفوظ کر دیا گیا تھا.'' (۴۷) بعد میں شریف نے یہ عمارت وزارت تعلیم کو کرائے پر دے دی تھی جنہوں نے ان اپارٹمنٹس میں مدرسہ تحفیظ القرآن بنا دیا تھا. (۴۸) اسی کنویں کی نسبت سے اس علاقے کو 'حی البضاعہ' (محلہ بضاعہ) کہا جاتا تھا.

تاہم چودہ صدیوں بعد مسجد نبوی شریف کی توسیع کے عظیم تر منصوبے نے اس کنویں کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر فنا ثبت کر دی. جب گردونواح کے تمام علاقے حاصل کر کے تجارتی مقاصد کے لیے نیلام عام میں رکھ دیئے گئے تو اس کنویں کی انمول زمین کا مول بھی مادی انداز سے لگا دیا گیا. اس تمام محلے کی زمین کو جہاں کبھی تاریخ مدینہ طیبہ کے نادر نمونے اور تبرکات ہوا کرتے تھے فائیو سٹار ہوٹلوں اور تجارتی پلازوں کے لیے بڑے بڑے بزنس مینوں نے خرید کر ہموار کر دیا غازی بن سالم التمام کے مطابق جب مسجد نبوی شریف کے گرد کے تمام علاقے حاصل کر لیے گئے تو ان کو تجارتی پلاٹوں میں تقسیم کر کے انہیں سب سے زیادہ بولی دینے والے کے ہاتھ بیچ دیا گیا. بئر بضاعہ کے رقبہ پر

مسجد نبوی شریف کے قریب
بئر بصہ کی ایک نادر تصویر
۱۹۲۰ء

پلاٹ نمبر ۱۲۹ بنا جو کہ 'دارایاف' نے سب سے زیادہ بولی دے کر خریدیا یوں یہ تاریخی کنواں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طیبہ سینٹر کے عقب میں دار ایلاف کے کمپلیکس کے سامنے زیرِ زمین دفن ہو گیا۔

بئر بصہ:

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق جناب رسالت مآب غریبوں کے واحد یتیموں کے مولیٰ ﷺ اکثر ان شہداء کے پس ماندگان کے گھروں پر جا کر ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے جو کہ کسی غزوہ میں کام آئے ہوتے تھے۔ ایک ایسے ہی موقع پر حضور سرورِ کائنات ﷺ حضرت ابوسعیدؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا [اے ابا سعید کیا تمہارے پاس بیری کے پتے (سدر) ہیں کیونکہ آج چونکہ یوم جمعہ ہے میں اپنا سر دھونا چاہتا ہوں؟] حضرت ابوسعیدؓ نے عرض کیا [جی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔] اور پھر سدر لیکر آپ حضور ﷺ کے ساتھ بئر بصہ پر گئے جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک دھویا اور دھوون کا پانی واپس کنویں میں ڈال دیا](۵۰)

یہ کنواں بنی خدرہ کی ملکیت تھا جو کہ حضرت ابوسعید الخدری کا قبیلہ تھا اور جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ (خاص طور پر صحیح مسلم میں دی گئی حدیث) میں ذکر ہے وہ وقعہ جب کہ حضرت ابوسعید الخدریؓ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے تو ایک سانپ نکل آیا تھا مگر حضرت ابوسعید الخدریؓ نے اپنی نماز جاری رکھی تھی بھی اسی علاقہ میں بئر بصہ کے قریب ہی ان کے گھر میں رونماء ہوا تھا۔

مجدالدین فیروز آبادی نے مغانم المطابہ میں بیان کیا ہے ''یہ کنواں بقیع الغرقد کے قریب اور قباء جانے والی سڑک کے بائیں ہاتھ پڑتا ہے۔'' یہ کنواں ایک بڑے باغیچے میں واقع ہے جس میں دو کنویں ہیں۔ مدینہ طیبہ کے قدیم باسیوں کے کہنے کے مطابق بڑا کنواں بئر بضہ یا بئر بصہ ہے جب کہ چھوٹا کوئی دوسرا غیر معروف کنواں ہے۔ ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۱ ذرع گہرا تھا جس میں سے ۲ ذرع پر پانی رہتا تھا اور اس کا قطر ۹ ذرع تھا وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ (چھٹی صدی ہجری میں) اس کی زیارت کے لیے گئے تو دیکھا کہ یہ کنواں پتھر کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا مگر بہت ہی خستہ حالت میں تھا کیونکہ ایک بار قریبی وادی میں طغیانی کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا بہت زیادہ نقصان ہو گیا تھا۔ طغیانی کے بعد اس کے پانی کی سطح پر بہت زیادہ سبز کائی اگ آئی تھی مگر جب اسے ہٹایا گیا تو اس کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل پایا گیا تھا (۵۲)

بر بصہ ۱۹۷۰ء

۷۶۰

جنت کے چشموں میں سے
ایک چشمہ بئر غرس،
بیسویں صدی کے اوائل میں
(تصویر مکتبہ پاکستان دارالحکومت)

۶۹۶ ہجری میں شیخ الخدام الحرم عزیز الدولہ ریحان البدری الشہابی نے اس کی مرمت کروا کر اسے عامۃ الناس کے لیے وقف کر دیا۔ اس کا پانی نمکین ہوا کرتا تھا۔(۵۳)

چودہ سو سال تک راہ نوردان شوق کی پیاس بجھاتے رہنے کے بعد اس متبرک کنویں کا حشر بھی دوسرے آثار نبویہ کی طرح یہی ہوا کہ اسے بھی عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔ اس اہم تاریخی کنویں کا کھوج آج کے مدینہ طیبہ میں لگانا محال ہے اگرچہ مدینہ طیبہ کے کچھ معاصر مورخین اشارۃً یہ کہتے ہیں کہ یہ ابھی بھی بقیع الغرقد کی شرقی جانب سڑک کے اس پار کھجوروں کے باغ میں موجود ہے

بئر غرس:

یہ کنواں جنت کے چشموں سے ایک چشمہ ہے۔ حدیث مبارکہ(۵۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ بئر غرس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے تو فرمانے لگے: [کل رات میں نے ایک خواب دیکھا جس میں میں نے دیکھا کہ میں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمے کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چشمہ یہی کنواں ہے۔](۵۵) حضور سرور کائنات ﷺ جب ہجرت پر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب الانصاریؓ آپ کے لیے بئر ابی انس کے کنویں سے پانی بھر کر لاتے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارکہ میں منتقل ہو گئے تو حضرت انس بن مالکؓ اور ہندؓ اور سیدۃ اسماءؓ بنت حضرت حارثہ بن النعمانؓ بئر سقیاء سے پانی بھر بھر کر رسول اللہ ﷺ اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے لیے لاتے تھے۔ اس کے بعد آپ حضور ﷺ کے ایک حبشی غلام رباحؓ کبھی بئر غرس اور کبھی بئر سقیاء سے پانی بھر کر لاتے تھے۔(۵۶) ابن زبالہ کے قول کے مطابق ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بئر غرس پر تشریف فرما ہوئے اور پانی کا ایک ڈول لانے کا فرمایا جس کی تعمیل فوری طور پر کی گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے وضوء فرمایا اور ڈول میں باقی بچے پانی کو اسی کنویں (بئر غرس) میں انڈیل دیا۔(۵۷)

بئر غرس، دسمبر ۱۹۹۹ء

عمر بن الحکم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سب سے بہتر کنواں بئر غرس ہے: یہ جنت کے چشموں سے ایک چشمہ ہے اور اس کا پانی سب پانیوں سے افضل اور بہتر ہے۔] رسول اللہ ﷺ اس کنویں

رس اندرونی جانب
دسمبر ۱۹۹۹ء

کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے اور اسی کے پانی سے سرکار دو عالم ﷺ کو آخری غسل بھی دیا گیا تھا۔(۵۸) شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میرا انتقال ہو جائے تو بئر غرس سے سات مشکیزے لا کر اس کے پانی سے مجھے غسل دیا جائے۔] (۵۹) حضرت باقر بن زین العابدینؒ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو غسل دیتے وقت تین بار نہلایا گیا تھا۔ پانی میں سدر (بیری) کے پتے ملے تھے۔ آپ حضور ﷺ کو قمیص میں ہی غسل دیا گیا تھا اور جو پانی غسل کے لیے استعمال ہوا تھا وہ بئر غرس سے لایا گیا تھا جو کہ حضرت سعد بن الخیثمہؓ کی ملکیت تھا۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ حیاۃ طیبہ میں اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔(۶۰) حضرت سعید بن رقیشؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے بئر اراغرس (بئر غرس) کے پانی سے وضوء فرمایا اور باقیماندہ پانی اسی کنویں میں واپس لوٹا دیا۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ بئر غرس کا پانی پیتے تھے اور اسی کے پانی سے آں حضور ﷺ کو آخری غسل دیا گیا تھا۔] (۶۱) چونکہ یہ کنواں حضرت سعد بن الخیثمہؓ کی ملکیت تھا، حضرت محمد باقر بن علی زین العابدینؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کے لیے اس کنویں سے پانی لایا گیا تھا جو کہ الخیثمہؓ کی ملکیت تھا اور اسے بئر غرس کہا جاتا تھا۔(۶۲)

یہ کنواں مسجد قبا سے تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی بطحان کے کنارے پر واقع ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ارشاد رسالت مآب ﷺ کی تعمیل میں اس کنویں سے سات مشکیزے بھر کر لائے گئے تھے جن سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا تھا۔(۶۳) ابن حبان نے حضرت انس بن مالکؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ بھی اپنے پینے کے لیے پانی اسی کنویں سے منگوایا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی کنویں سے پانی پیتے اور وضوء بناتے دیکھا تھا۔(۶۴)

ابن نجار کے مطابق چھٹی صدی میں یہ کنواں جس علاقے میں واقع تھا وہ غیر آباد ہو چکا تھا اور اس کنویں کا بہت سا حصہ خستہ حالت میں تھا کیونکہ وادی (وادی بطحان جو کہ اس کے ساتھ ہی سے گزرتی تھی) میں طغیانی کے سبب اس میں طوفان کا پانی بھر گیا تھا۔ یہ کنواں ۱۰ اذرع گہرا تھا جب کہ پانی ۷ ذرع نیچے تھا۔(۶۵) المطری کے مطابق اسے آٹھویں صدی ہجری میں چند مخیرّ حضرات نے دوبارہ بنا دیا تھا۔ سمہودیؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسے خواجہ حسین بن الجواد المحسن الخواجگی نامی شخص نے مرمت کروایا تھا اور اس کے نواح میں ۸۸۲ ہجری میں ایک باغ بھی لگوا دیا تھا۔ انہوں نے اس کے پانی کی سطح تک پہنچنے کے لیے اس میں زینہ بھی لگوایا اور اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔(۶۶)

اس متبرک کنویں کے متعلق لکھتے ہوئے شیخ جعفر برزنجی نے تیرھویں صدی ہجری کے اخیر میں بیان کیا ہے کہ کافی عرصہ سے اس کنویں کے گرد ایک قبرستان بن چکا تھا۔(۶۷) تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں (۱۴۲۱ ہجری میں) 'جنت کے چشموں میں سے یہ چشمہ' اوپر سے ڈھانپ کر ممنوع اور متروک الاستعمال کر دیا گیا ہے۔ بہت بھونڈے طریقے سے اس کی منڈیروں پر لکڑیوں کے تختے ڈال دیئے گئے ہیں۔ اس کے گرد کسی قبرستان کا نشان بھی باقی نہیں بچا۔ ترکوں کے دور میں اس قبرستان کے گرد جو چار دیواری کر دی گئی تھی وہ بھی منہدم ہو گئی ہے البتہ اس کے دروازے کے دو ستون آثار قدیمہ کی کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے جانے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زبان حال سے شکوہ بلب ہیں کہ کل جہاں اہل مدینہ کی کثیر تعداد مدفون تھی آج وہاں اہل محلّہ کے بچے آزادی سے فٹ بال کھیلتے ہیں۔ جس کنویں سے پانی پینا حضرت انس ابن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابی اپنے لیے اتباع سنت رسول مقبول ﷺ کی ایک علامت اور دلیل سمجھتے تھے اور باعث سعادت گردانتے تھے آج اگر کوئی اس کنویں کی تلاش میں سرگرداں وہاں نظر آ جائے تو اسے شرک کا مرتکب قرار دے دیا جاتا ہے۔

بئر عثمان بن عفانؓ
کی ایک نایاب تصویر
تصویر رفعت پاشا ۱۹۰۸ء

بئر الرومہ:

مسجد قبلتین کے شمال میں تقریباً دو میل کے فاصلے پر بئر الرومہ واقع ہے جو کہ دراصل وادی العقیق الاصغر کے زیریں حصے میں قدیم وادی اضم کے اس حصے کے قریب واقع ہے جہاں کبھی وادی العقیق کی طغیانی کا پانی آکر جمع ہوا کرتا تھا. آج کل یہ کنواں مختلف النوع کھجوروں کے بستان میں واقع ہے.

شہر حبیب میں ابتدائی ایام میں پانی کی شدید قلت ہوا کرتی تھی اور قدرت کا یہ عظیم سرمایہ ان دنوں اکثر و بیشتر یہود بے بہبود کی اجارہ داری میں تھا جن میں سے بعض تو اسے تجارتی بنیادوں پر چلاتے تھے اور پانی کے ایک ایک ڈول کے بدلے درہم بٹورتے تھے. ہجرت مبارکہ اور مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی آبادکاری کا ذکر ہوتا ہے تو بئر الرومہ کا کردار آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے جس نے سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے جود و کرم سے ارض مقدس کے ان مسکین و بے آسرا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے اپنے آبی وسائل پیش کرنے کا منہ کھول دیا تھا.

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں رومہ نامی ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کی نسبت سے اسے بئر الرومہ کہا جانے لگا تھا. وہ اس کے پانی کو بہت مہنگے داموں بیچتا. ہجرت مبارکہ کے بعد جب مدینہ طیبہ میں پانی کی قلت محسوس ہونے لگی تو اس نے پانی کے ایک ڈول کے دام اور بڑھا دیئے؛ ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق: ''یہ ایک یہودی کی ملکیت تھا جو کہ مسلمانوں کو اس کا پانی بیچا کرتا تھا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کوئی اس کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا، اس میں سے نکالے جانے والے ہر پانی کے ڈول کے بدلے اللہ رب العزت اسے جنت میں انعام سے نوازے گا. حضرت عثمان بن عفانؓ اس یہودی کے پاس گئے اور اسے خریدنے کا عندیہ دیا لیکن یہودی نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا. لہذا حضرت عثمانؓ نے اس کا آدھا حصہ مبلغ ۱۲،۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔''

''خرید و فروخت کے معاہدے کے تحت یہ کنواں ایک دن مسلمانوں کے لیے مختص ہو گیا تھا کہ وہ اس سے پانی نکالیں اور دوسرے دن اس یہودی کی باری ہوتی تھی تاکہ وہ اس کے پانی کو بیچ سکے. چند دنوں کے بعد یہودی نے محسوس کیا کہ اپنی باری کے دن مسلمانوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے جب کہ دوسرے دن جب کہ یہودی کی باری ہوتی تھی کوئی بھی پانی لینے نہیں آتا تھا. لہذا تنگ آکر اس نے اس کا دوسرا حصہ یعنی دوسرے دن استعمال کرنے کا حق بھی حضرت عثمانؓ کو بیچ دیا جس کے عوض اسے ۸،۰۰۰ درہم ملے۔''(۶۸)

بئر رومہ، ۱۹۷۰ء

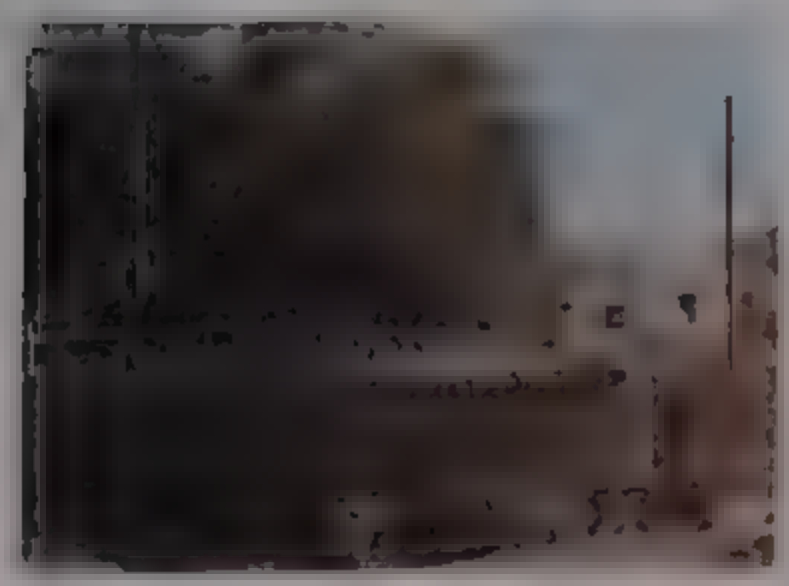

تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں دراصل بنی مزنی قبیلے کے ایک فرد کی ملکیت تھا جس نے اسے غفاری قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھ بیچ دیا تھا جس کا نام رومہ تھا. اس شخص کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا لہذا وہ اس کا پانی بیچ کر اپنی روزی کماتا تھا مگر وہ شخص بھی اسے بہت مہنگے داموں فروخت کرتا تھا.

لبغوی نے حضرت بشر بن بشیہ اسلمیؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق: ''جب مہاجرین مدینہ طیبہ پہنچے تو یہاں پانی کی بہت قلت تھی بنی غفار کا ایک فرد ایک چشمے (عین) کا مالک تھا جسے الرومہ کہا جاتا تھا. وہ اس کا پانی 'مد' کے حساب سے بیچا کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ کنواں مسلمانوں کو فی سبیل اللہ دے دینے کا فرمایا کہ اسے اس کے بدلے جنت میں ایک چشمہ ملے گا. اس نے عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ میرے اور میرے بیوی بچوں کے لیے اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، لہذا میں اسے یونہی نہیں دے سکتا.] جب سیدنا عثمان بن عفانؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اسے ۳۵،۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ کیا میرے لیے بھی جنت میں انعام کے طور پر ایسا ہی چشمہ ہوگا جیسا کہ آپ نے دوسرے شخص کے لیے فرمایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ہاں.] اس پر سیدنا عثمانؓ نے عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ میں نے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا ہے.] (۶۹) عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ کی روایت ایک روایت کے مطابق: ''(کنواں خریدنے اور وقف کئے جانے کے بعد) ایک بار رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے. آپ حضور ﷺ کے لیے پانی کا ایک ڈول نکالا گیا جسے آپ نے خوش ہو کر نوش فرمایا اور دیگر باتوں کے علاوہ ارشاد فرمایا [۱- عثمان نے جنت کما لی ہے: اور ۲- اس وادی میں ہمیشہ پانی کی بہتات رہے گی.] (۷۰) حضرت عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطبؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گرمیوں کے دنوں میں بئر المزنی (بئر الرومہ) پر تشریف آور ہوئے کنویں کے قریب ہی آپ حضور ﷺ کے لیے ایک خیمہ لگا دیا گیا. اگرچہ سخت گرمیوں کا موسم تھا مگر اس کنویں کا پانی ٹھنڈا تھا. جب اس کا تھوڑا سا پانی آپ حضور ﷺ نے نوش فرمایا تو ارشاد کیا: [یقیناً یہ نقی (صاف) اور میٹھا پانی ہے!] (۷۱)

ابتدائے اسلام میں اس کنویں کے گرد و نواح میں مدینہ طیبہ کے بہت مشہور محلات اور قصور ہوا کرتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عامر کا محل وغیرہ) جو وقت کے ساتھ ساتھ مٹتے چلے گئے. ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ اس کے دور میں کنویں کی حالت بہت خستہ ہو چکی تھی اور یہ دیکھنے میں ایک کھنڈر سا لگتا تھا. (۷۲) المطری کے بیان کے مطابق، شیخ محب الطبری نے جو کہ مکۃ المکرمہ کے قاضی القضاۃ تھے اپنی جیب سے اس کی ۷۵۰ ہجری میں مرمت کروائی تھی ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۸ ذرع گہرا تھا جب کہ اس کا قطر ۸ ذرع تھا اور اس کا پانی میٹھا تھا. (۷۳)

بتدا میں تو یہ پتھر کی سلوں سے بنایا گیا تھا مگر زمانے کی شکست و ریخت سے جب یہ قریب الانہدام ہو گیا تو عثمانیوں نے اس کی تعمیر نو کروائی. اس کے پانی کی سطح صرف ۲ ذرع ہوا کرتی تھی. ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں یہ کنواں بہت اچھی حالت میں تھا اور اس کے ساتھ ہی پانی کی تخزین کے لیے تالاب بنا دیا گیا تھا اور آنے والوں کی سہولت کے لیے قریب ہی آرام کی جگہ بنا دی گئی تھی اس کے اردگرد خوبصورت درخت اور سرسبز و شاداب زرعی فارم ہوا کرتے تھے. (۷۴)

یہ کنواں اب اوقاف حرم نبوی شریف کی تحویل میں ہے جنہوں نے اسے وزارت زراعت کو پٹے پر دیا ہوا ہے. چونکہ اس کے گرد و نواح اول سے ہی سرسبز و شاداب درختوں اور زرعی فارموں کی بہتات رہی ہے، سعودی وزارت زراعت نے وہاں نباتاتی ریسرچ سینٹر (Botanical Research Center) قائم کیا ہوا ہے جہاں انواع و اقسام کی کھجوروں کے درختوں پر ریسرچ ہوتی ہے. یہ کنواں اسی فارمز کے ساتھ منسلک ہے قریب ہی ایک جانوروں کا ہسپتال اور پولٹری فارم ہے جو کہ اسی ریسرچ سینٹر سے ملحق ہیں. یوں تجربہ گاہ اور ریسرچ سینٹر ہونے کے علاوہ اس سے حاصل شدہ پیداوار اہل مدینہ طیبہ کو تجارتی بنیادوں پر مہیا کی جاتی ہیں. وزارت زراعت نے اسے تجارتی

عامر حسین کے لیے
دار سے مرشاں کا
ایک منظر جس میں
پانی کی ٹینکی اور
قریبی مسجد کا مینار
نظر آ رہا ہے
تصویر دسمبر ۱۹۹۹ء

بنیادوں پر چلانے کے لیے اسے احمد خوجہ کو پٹہ پر دیا ہوا ہے. کنواں ابھی تک پانی کے وسائل سے مالا مال ہے اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے اس میں ایک ٹیوب ویل نصب کیا گیا ہے جو کہ اس سے پانی نکال کر قریب ہی واقع تالاب میں جمع کر دیتا ہے جہاں سے نالیوں کے ذریعے پانی آگے پہنچایا جاتا ہے. احمد یاسین الخیاری کے بیان کے مطابق وزارت زراعت یہاں ایک زرعی سکول بنانے کا سوچ رہی تھی. اگرچہ یہ عامۃ الناس کے لیے بند کر دیا گیا ہے مگر طلبائے زراعت کے لیے کھلا رہتا ہے ریسرچ کے علاوہ یہ اہل مدینہ طیبہ کو زرعی مشورے بھی فراہم کرتا ہے.

مولف ہذا کو آخری بار ۲۰۰۳ء میں اس تاریخی کنویں کی زیارت کا موقع ملا تھا. کنویں کو لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے مگر جھانکنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کنواں کافی گہرا ہے اور پانی وافر مقدار میں موجود ہے. کنویں کے قریب ہی ایک بلند ٹینکی بنی ہوئی ہے جہاں ٹیوب ویل سے موٹروں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے جس سے یہ پانی نیچے تالاب میں آتا ہے. پانی بہت ہی صاف اور شفاف اور میٹھا ہے. پینے میں بہت مزیدار ہے. اردگرد کے تمام علاقے میں کھجوروں کے درختوں کی بھرمار ہے جہاں بہترین انواع کی کھجور پیدا ہوتی ہے.

ہر عثمان بن عفانؓ
کے اس حصے کی تصویر
جس پر چھت ڈال دی
گئی ہے یہیں سے
قدیم سیڑھیاں اترتی
تھیں جس کے ذریعے
لوگ نیچے پانی کی تہہ تک
اترا کرتے تھے
تصویر جولائی ۲۰۰۱ء

بئر سقیاء:

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ وہ علاقہ جہاں بئر سقیاء واقع ہے السقیاء الفلج کہلاتا تھا شروع میں یہ کنواں بنی زریق کے ذکوان بن عبد قیس زرقی کی ملکیت تھا جس سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے خرید لیا تھا. (۷۶) ابی داؤد نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں کافی عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کے حریم خانہ اور اہل بیت الطاہرہ کے لیے پانی بئر سقیاء سے آیا کرتا تھا.

ماہ رمضان ۲ ہجری میں غزوہ بدر پر روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جیش اسلام کا پہلا پڑاؤ اس مقام پر لگایا تھا اور تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تیار ہو کر اس مقام پر جمع ہو جائیں. اس وقت یہ کنواں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت میں آ چکا تھا جنہوں نے اس کے قریب ہی ایک مسجد بھی بنائی ہوئی تھی. یہ وہ مقام ہے جہاں سالار اعلیٰ عساکر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنی مٹھی بھر مجاہدین کی حربی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جو کہ سب سے پہلے اہم معرکہ حق و باطل کے لیے دشمنان اسلام کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لیے گامزن ہونے والے تھے. رسول اللہ ﷺ نے بئر سقیاء کے پانی سے وضوء فرمایا. ۳۱۳ مجاہدین اسلام نے بھی وہیں وضوء کیا اور میرا امام جمیل الشیم اور شفیع الامم علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما

بئر سقیاء کی قدیم
اور نادر تصویر
تقریباً ۱۹۵۰ء

کی اقتداء میں مسجد سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ میں رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریزی کی. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد سقیاء اور بئر سقیاء دونوں قریب قریب واقع تھے. یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ مسجد سقیاء تو اسی مقام پر تھی مگر بئر سقیاء ذوالحلیفہ کی جانب دو کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھ جیسا کہ چند لوگوں نے لکھ کر الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے. درحقیقت دونوں مقام ایک ہی علاقے میں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے.

یہی وہ مقام تھا جہاں تاجدار حرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے ارض حرم ہونے کا اعلان بھی کیا اور جہاں اہل مدینہ طیبہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ کریم ان کے صاع اور مد میں برکت فرما اور ان کے رزق میں افزائش اور برکت عطا فرما. سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں روانہ ہوئے اور بئر سقیاء پہنچے جو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت تھا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کے لیے پانی لایا جائے جب آپ حضور ﷺ وضوء فرما چکے تو قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہی اور پھر یوں دعا کی: اے اللہ، بیشک ابراہیم تیرے بندے اور تیرے خلیل نے اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی اور بیشک محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا رسول، اسی طرح جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، اہل مدینہ کے لیے ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں دگنی برکات کے لیے تیرے حضور دعا گو ہے.] (۷۷)

بئر سقیاء، مسجد سقیاء کے قریب ہوا کرتا تھا، بائیں ہاتھ پرانے مدینہ ریلوے اسٹیشن کی عمارت بھی نظر آ رہی ہے

المطری (ت. ۷۴۱ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں یہ کنواں بہت ہی ناگفتہ بہ حالت میں تھا، لیکن پھر بھی پانی سے بھرپور تھا جو قدرے نمکین لگتا تھا (۷۸) تاہم انہوں نے یہ بات بالصراحت لکھی ہے کہ ان دنوں میں بئر سقیاء کے متعلق اہل مدینہ دو رائے رکھتے تھے: دونوں مقامات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے. کچھ عجمی درویشوں نے ۷۷۸ ہجری میں اس کی مرمت کروائی تھی اور اسی نسبت سے بعد میں اسے بئر عجم کہا جانے لگا تھا. (۷۹) المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں بئر السقیاء (جسے ان دنوں میں سقیاء السعدؓ کہا جاتا تھا) خشک ہو چکا تھا اور بہت ہی خستہ حالت میں تھا. (۸۰)

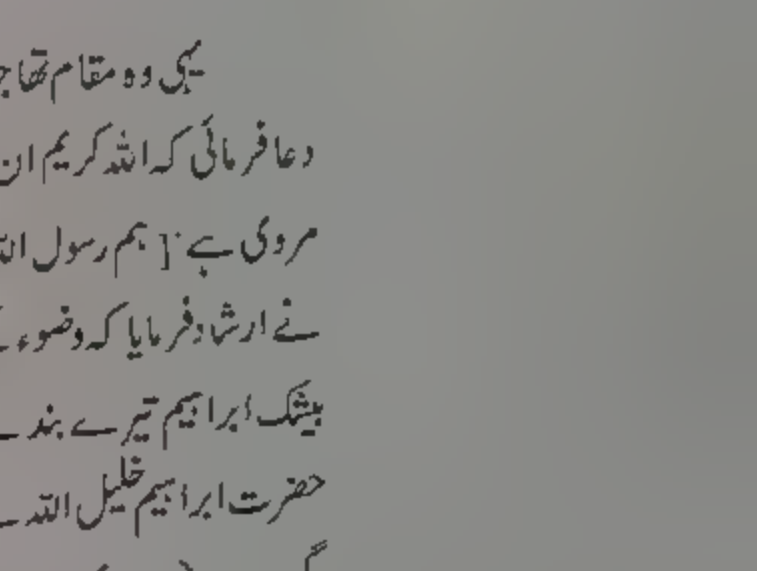

۷۶۶

عبدالقدوس الانصاری نے آثار مدینہ میں جو پہلی بار ۱۹۳۵ء میں چھپی تھی نے بہت ہی کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ بئر سقیاء اور مسجد سقیاء دونوں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے. یہ مسجد تو ترکوں کے بنائے ہوئے ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر آ گئی تھی مگر بئر سقیاء عمرانی ضروریات کے تحت بنائی جانے والی مکہ روڈ (موجودہ نام عنبریہ روڈ) کے اس پار چلا گیا تھا. (۸۱) ابراہیم العیاشی نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے. وہ رقمطراز ہیں: ''بئر سقیاء ریلوے سٹیشن کے جنوب مغرب میں واقع ہے جب کہ مسجد سقیاء ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک سڑک (عنبریہ روڈ) حد فاصل ہے.'' (۸۲)

سر بلیس جس کا قدیمی نام
سر العسر وقت اس مارتے
ہے آج کل قبا ں یا
منطقۃ العین کہا جاتا ہے

علی حافظ کے بیان کے مطابق جو کہ مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے رئیس رہے تھے، بئر سقیا، تو عنبریہ روڈ کے نیچے آ چکا ہے (۸۳)، جب کہ مسجد سقیاء ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے. مشہور سعودی تاریخ دان حمد الجاسر نے یہ کہتے ہوئے اس بیان کی پرزور تائید کی ہے ''بئر سقیاء ریلوے سٹیشن کے جنوب مشرق میں واقع ہے. وہ سڑک جو آبار علی کی طرف جاتی ہے اسے ریلوے سٹیشن سے علیحدہ کر دیتی ہے اور یہ میدان عنبریہ مسجد سے (آبار علی کی طرف) جانے والوں کے بائیں ہاتھ (تقریباً ۱۰۰ میٹر دور) پڑتا ہے. بئر عروہ بن زبیرؓ کی طرف جانے والی طریق عنبریہ (عنبریہ روڈ) بناتے وقت یہ بئر سقیاء زیر زمین دفن ہو کر رہ گیا ہے. ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں اسے دوبارہ نکال لیا جائے گا تا کہ اس کے پانی سے عنبریہ کے میدان میں لگے اشجار کو سینچا جا سکے.'' (۸۴) بیچارے حمد الجاسر یہ حسرت دل میں لیے اس دنیا سے سدھار گئے ہیں.

ان تمام تر محققانہ آرا کے باوجود ہم قارئین کی توجہ مدینہ طیبہ کے باسی اور مورخ احمد یاسین الخیاری کے بیان کی طرف بھی مبذول کروانا چاہیں گے جنہوں نے تمام مورخین کی آراء سے ہٹ کر نہایت ہی چونکا دینے والا بیان دیا ہے کہ بئر سقیاء دراصل بئر انس بن مالکؓ تھا اور اسی طرح انہوں نے بئر ایہاب (اہاب) کو بئر زمزم کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے. مگر حقیقت وہی ہے جو کہ ابن شبہ سے لے کر حمد الجاسر بیان کر گئے ہیں.

بئر العہن:

یہ کنواں مسجد شمس کے سامنے کی طرف تقریباً ۱۰۰۰ میٹر کے فاصلے پر مسجد قباء کی شرقی جانب کھنڈرات کے درمیان (اس وقت جلے ہوئے) کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے. اگرچہ بادی النظر میں یہ کنواں سوکھا ہوا لگتا ہے جیسے کہ اس میں پانی نہیں، مگر قریب جا کر دیکھیں تو پانی نظر آ جاتا ہے. اسے لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے. ترکوں کے دور کی پرانی موٹریں ابھی بھی اس میں نصب ہیں. اردگرد آثار قدیمہ کے مکانات ہیں اور ساتھ ہی وہ پرانی بستی ہے جہاں کہ کبھی مہاجرین کو آباد کیا گیا تھا. پاس ہی چند کھجوروں کے درخت ہیں جنہیں جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے مگر ان کے جھکے ہوئے نیم جلے تنے زبان حال سے خاموش احتجاج کناں ہیں کہ آؤ دیکھو آثار نبویہ کا تقدس کس طرح پامال کیا گیا ہے. یہ کنواں ان سات کنوؤں میں شامل تھا جن کو یہ سعادت عظیم حاصل تھی کہ رسول رحمت ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ان میں ڈالا تھا اور پھر صدیوں تک عشاق اس کے پانی سے روحانی لذت حاصل کرتے رہے تھے.

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے تھے اور آپ حضور ﷺ نے اس کا پانی نوش فرمایا اور وہاں وضوء بھی فرمایا تھا. (۸۵) یہ کنواں العالیہ میں بنی امیہ بن زید کی ملکیت تھا اور زمانہ جاہلیت میں اسے بئر العسیرہ (یا بئر العسرہ۔ یعنی تنگدستی کا کنواں) کہا جاتا تھا. ابن زبالہ کے بیان مبنی بر روایت حضرت سعد بن عمروؓ کے مطابق. [رسول اللہ ﷺ نے بنی امیہ بن زید کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم

سے نوازا اور جب اس کنویں کو دیکھا تو فرمایا [اس کنویں کا کیا نام ہے؟] انہوں نے عرض کیا: ''عسرۃ'' جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: [نہیں اس کا نام ''یسرہ'' ہے۔] انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا تھا اور اس کا پانی بھی استعمال فرمایا تھا۔] (۸۶) اس کے بعد سے اس کنویں کو ''بئر الیسرہ'' یا ''بئر الیسیرہ'' کہا جاتا رہا ہے۔ (۸۷) المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) رقمطراز ہیں ''بئر العہن عالیہ میں ہے اور اس کے گرد ایک زراعتی فارم ہے اور اس کے قریب تاریخی درخت بھی ہے۔ اس کنویں کو دوسرے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے یہ بھی ذاتی ملکیت میں چلا گیا ہے کیونکہ اسے علی بن المطرف العمری شہید نے خرید لیا تھا۔ اس کا پانی کھارا ہے اور یہ اونچی سطح پر واقع ہے۔'' (۸۸) الشیخ العباسی نے بیان کیا ہے کہ دسویں صدیں ہجری میں یہ العوالی کے درمیان واقع تھا (یاد رہے العوالی کا قدیم نام جیسا کہ احادیث مبارکہ میں بھی درج ہے وہ العالیہ ہی ہے۔ اس علاقے کو آج کل قربان بھی کہا جاتا ہے) اور اس کا پانی تھوڑا کھارا سا ہے اور یہ کہ اس وقت یہ کنواں علی بن الحسن الحسینی المدنی کی ملکیت ہے۔ (۸۹) صاحب 'وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۳۰۳ ہجری ۱۸۸۵ء' نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس دور میں اس کنویں میں وافر مقدار میں پانی ہوا کرتا تھا اور یہ زیر استعمال بھی تھا۔ آج بھی (۲۰۰۲ء) اگر اس کنویں کی زیارت کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اردگرد چند تاریخی کھنڈرات اور اجڑا ہوا باغ چند دہایاں پہلے تک اسی کنویں سے آبیاری حاصل کرتے تھے۔

ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ وہ کنواں جس کا ذکر المطری نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ وہ العالیہ میں ہے، دراصل وہی کنواں ہے جو کہ قربان میں ہے۔ بئر الیسرہ یا بئر الیسیرہ کی بجائے اسے بئر العہن کہا جاتا ہے۔ (۹۰) درحقیقت اس کنویں کے اردگرد کے علاقے کو آج بھی ''منطقہ العہن'' کہا جاتا ہے جیسا کہ اس کے باہر لگے ہوئے ایک قدیم بورڈ سے ظاہر ہے

دیگر تاریخی کنویں جو اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرتے رہے ہیں

بئر زمزم

بئر سقیاء کے نواح میں ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جسے عرف عام میں زمزم کا کنواں (بئر زمزم) کہا جاتا تھا۔ اسے ''بئر فاطمہ (بنت حسین ابن علیؓ)'' بھی کہا جاتا تھا (۹۱) ولید بن عبدالملک کے دور میں جب اہل بیت طاہرہ کو حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے قوت کے بل بوتے پر نکال باہر کیا گیا تھا، تو امام عالی مقام کی شہزادی سیدۃ فاطمہ بنت الحسینؓ حرہ غربیہ کی سطح مرتفع میں آباد ہو گئی تھیں۔ اپنے نئے گھر میں انہوں نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا یہ سطح مرتفع چونکہ سخت لاوے کی چٹانوں سے بنی تھی اس لیے اس کنویں کی کھدائی میں کافی دشواری پیش

خروج غربیہ میں سرسیاب
(باب)
تصویر دلی ۲۰۰۲ء

آ رہی تھی. جب یہ مشکل سیدۃ فاطمہ بنت حسینؑ کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے وضوء کر کے اس چٹان پر دو رکعت نفل ادا کئے اور دعا فرمائی (۹۲) اس کے بعد جب کھدائی کا کام شروع کیا گیا تو سب مشکلیں آسان ہو چکی تھیں اور کام بغیر کسی رکاوٹ کے مکمل ہو گیا اور زیر زمین پانی نکل آیا. اہل بیت الطاہرہ کے معتقدین نے اسے بئر زمزم کہنا شروع کر دیا تھا. مراغی کے بیان کے مطابق ان کے دور میں حجاج کرام اس کا پانی نسبت اہل بیت الطاہرہ کے سبب چار دانگ عالم میں لے جایا کرتے تھے.

ابن نجار نے اس کنویں کا ذکر نہیں کیا تاہم جمال المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) نے ''تعریف'' میں اس کنویں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کی رائے اس سلسلے میں منقسم ہے کہ آیا بئر سقیاء ہی بئر زمزم ہے یا یہ کہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع کنواں بئر زمزم ہے. ان کی رائے میں چونکہ پہاڑی پر واقع کنویں کا پانی دور دراز علاقوں میں لے جایا جاتا ہے یہی کنواں بئر زمزم ہے. بنی امیہ کے دور میں ہشام بن عبدالملک کے بیٹے نے اسے خریدا تھا کیونکہ اسے ''پہاڑی پر واقع علاقہ بہت اچھا لگتا تھا.'' (۹۴) مزید برآں جیسا کہ بئر سقیاء کے ضمن میں ہم نے مختلف معاصر مورخین مدینہ طیبہ کی آراء سے یہ ثابت کیا ہے کہ بئر سقیاء تو دراصل اب عنبریہ روڈ کے نیچے دفن ہو چکا ہے، تو وہی کنواں جو اس سے تھوڑا آگے چل کر پہاڑی پر واقع ہے اور جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اغلب ہے کہ وہی کنواں بئر زمزم ہو سکتا ہے.

ابراہیم العیاشی (جو کہ مدینہ طیبہ میں آثار قدیمہ کے بانی اور استاد سمجھے جاتے ہیں) کی تحقیق کے مطابق جبل انعم (وہی پہاڑی جس کا ذکر ہم نے کیا ہے) پر واقع کنواں ہی دراصل سکینہ بنت الحسینؑ کا کنواں ہے. (۹۱) تاہم اس معاملے میں امام مراغی (ت ۸۱۶ ہجری) کا بیان اس سے متضاد ہے جو کہ اسی کنویں کو بئر سعدؓ (یعنی بئر سقیاء) سمجھتے ہیں. (۹۷) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی کے اختتام پر بھی یہ لکھا ہے کہ ان کے دور میں بئر زمزم پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا. (۹۸) مولف نے اس موقع کا ملاحظہ کیا ہے. باہر سے دیکھنے پر کنویں کی دیواریں نظر آتی ہیں مگر اوپر جا کر معلوم ہوتا ہے کے انہیں دیواروں کے کچھ حصوں کو گرا کر اس کنویں کو بھر دیا گیا ہے اور یوں یہ کنواں اپنے ہی ملبے سے اٹا ہوا ہے.

اس مقام پر ہم ایک اور معاصر مدنی محقق کی تحقیق بھی قاری کی نظروں میں لانا چاہیں گے. غازی بن سالم التمام نے بالصراحت لکھا ہے کہ بئر زمزم حی الزمزم میں (عنبریہ سٹیشن کے شمال مغرب میں) اس علاقے میں واقع تھا جس کو آج کل حارہ الغربیہ کہا جاتا ہے. اسے مسمار کر دیا گیا تھا اور اس کا موجودہ محل وقوع ''محطہ نفط للمحروقات'' کے نیچے دفن ہو چکا ہے. (۹۹)

بئر عروہ بن زبیر جس میں
اترنے کے لیے سیڑھیاں
ہوا کرتی تھیں

بئر ایہاب (اہاب)

یہ کنواں بھی حرۃ الغربیہ میں واقع تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی استعمال فرمایا تھا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال کر اسے تبریک کی بندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ ابتداء میں یہ کنواں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا مگر بنی امیہ کے دور میں اسے اسماعیل بن ولید بن ہشام نے خرید لیا تھا اور اس کے پاس اپنا محل بنوایا تھا۔ حضرت محمد بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ بئر اہاب پر تشریف لائے جو کہ حرہ میں ہے اور ان دنوں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا۔ وہاں آپ حضور ﷺ نے ان کے بیٹے عبادہ بن سعدؓ کو دیکھا جو کہ کنویں پر تعمیر شدہ دو ستونوں سے بندھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا۔ بعد میں جب سعدؓ آئے تو پوچھا کہ کون آئے تھے۔ بیٹے نے والد سے سب ماجرا کہا تو انہوں نے کہا یقیناً آپ رسول اللہ ﷺ تھے۔ وہ (حضرت عبادہؓ) آپ حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور جلد ہی آپ حضور ﷺ تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ (عبادہؓ) اسّی سال کے ہو کر فوت ہوئے اور اس وقت بھی جوان نظر آتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک بھی ڈالا تھا۔] اس کنویں کے محل وقوع کے بارے میں ابتدائی مورخین بھی مخمصے کا شکار رہے ہیں۔ بعض نے تو اسے بئر زمزم کا دوسرا نام ہی کہہ دیا ہے۔ شیخ سمہودیؒ بھی اس سلسلے میں تذبذب کا شکار ہیں اور انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہی کنواں بئر زمزم ہو۔ تاہم شیخ العباسی (ت: دسویں صدی ہجری) نے واضح طور پر لکھا ہے کہ بئر ایہاب اور بئر زمزم دونوں مختلف کنویں تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج بھی یہ کنواں حرہ غربیہ میں مسجد منارتین کی غربی جانب تھوڑے فاصلے پر ٹرکوں کے اڈے کے درمیان واقع ہے۔ اسی کنویں کی نسبت سے یہ علاقہ 'حی اہاب' یعنی اہاب کا علاقہ کہلاتا ہے۔ اس پر موجود قدیم عمارت کو عمداً نیم مسمار کر دیا گیا ہے مگر کنویں میں آج بھی پانی ہے۔

بئر عروہ بن زبیر
ستمبر ۲۰۰۲ء

بئر عروہ بن الزبیرؓ

اس کنویں کی باقیات وادی العقیق میں حضرت عروہ بن زبیرؒ کے محل کے کھنڈرات کے سامنے موجود ہیں۔ ذوالحلیفہ کی طرف جانے والے وادی العقیق کے پل کے شروع میں بائیں جانب یہ دونوں تاریخی آثار واقع ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سے سڑک گزرتی ہے۔ کبھی ایسا بھی دور تھا جب کہ اس کنویں کا پانی عباسی خلفاء کے لیے بغداد تک لے جایا جاتا تھا۔ ہارون الرشید کے لیے تو خاص طور پر اس کا پانی بوتلوں میں بھر کر لے جایا جاتا تھا۔ (۱۰۰) چونکہ حضرت عروہ بن زبیرؒ پہلی صدی ہجری کے سات فقہاء

بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
گست ۲۰۰۳ء

کے سرخیل سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان سے علمی استفادہ کے لیے ان کے محل کا چکر لگایا کرتے تھے، اس لیے ہر آنے والا ان کے کنویں کے پانی سے بھی مستفید ہوتا تھا، یوں ابتدائے تاریخ مدینہ سے ہی یہ کنواں شہرت کے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا.

صدیوں تک اس کا میٹھا پانی اہل مدینہ کی پیاس بجھاتا رہا بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک یہ کنواں خدمت اہل مدینہ میں پیش پیش رہا کیونکہ یہ اس بڑی شاہراہ پر واقع تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے براستہ ذوالحلیفہ براہ راست مکۃ المکرمہ تک جاتی ہے. آج بھی اس کنویں میں پانی موجود ہے اور پرانے اہل مدینہ کے اقوال کے مطابق اس کا پانی گردے میں پتھری کے علاج کے لیے اکسیر سمجھا جاتا تھا. اس کے پاس ہی اس عمارت کی باقیات بھی موجود ہیں جن سے گزر کر ایک زینہ اس کی سطح آب تک جاتا تھا. اب اس کنویں کے دہانے پر مضبوط لوہے کا جال ڈال کر اس کے پانی کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے. اگرچہ یہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے مگر اس کنویں کی گہرائی بہت زیادہ نظر آتی ہے.

بئر علی کرم اللہ وجہہ (ابیار یا آبار علی کرم اللہ وجہہ)

کنوؤں کی ایک کثیر تعداد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقے میں کھدوائے تھے آج بھی موجود ہے. ان کنوؤں کی شہرت نے تو ذوالحلیفہ کے نام کو بھی گہنایا ہوا ہے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہونے کی وجہ سے یہ تمام علاقہ 'ابیار علی' یا 'آبار علی' کہلاتا ہے. ان تمام کنوؤں کے متعلق تفصیل ہم نے وادی العقیق کے ضمن میں باب ''مدینہ طیبہ کی وادیاں'' میں فراہم کی ہیں.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لگوائے گئے تمیس کنوؤں سے ابھی تک چند موجود ہیں اور وافر مقدار میں پانی مہیا کرتے ہیں. یہ دونوں کنویں ایک دوسرے کے قریب ہی ایک کھجوروں کے باغ میں واقع ہیں. (تصویر جولائی ۲۰۰۳ء).

بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اگست ۲۰۰۲ء

مدینہ طیبہ میں قدیم فراہمی آب کا نظام-عین الزرقاء

ایام جاہلیت سے لے کر ہجرت مبارکہ تک اور پھر اس کے بعد سے موجودہ صدی کے شروع تک مدینہ طیبہ میں فراہمی آب کا بڑا ذریعہ کنویں ہی تھے جن میں مندرجہ بالا سات متبرک کنویں بھی شامل تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ عین الزرقاء (یا عین الازرق) کے زیر زمین پانی کی فراہمی کے نظام نے بھی اہل مدینہ کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے. حضرت معاویہؓ کے دور میں مروان بن الحکم نے اہل مدینہ کی آبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو زیر زمین نظام تعمیر کروایا تھا وہ بلاشبہ اموی دور کا شاہکار ہے. اس نظام کی تعمیر کے وقت کئی مرتبہ حضرت معاویہؓ نے بذات خود اس منصوبے کی نگرانی بھی کی تھی. (۱۰۱)

اس نظام کے تحت مسجد قباء کی غربی جانب ایک بہت بڑا کنواں کھودا گیا تھا جس کا پانی زیر زمین بڑی نالیوں کے ذریعے مدینہ شہر تک لایا گیا

تھا۔ یہ بڑا آنواں بستان جعفریہ میں مسجد قباء کے پاس تھا جس کو ایک راہٹ کہا جا سکتا ہے۔ اونٹوں اور دیگر بار بردار جانوروں کی مدد سے اس سے پانی نکالا جاتا تھا جسے قریب ہی ایک بہت بڑے تالاب میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اس تالاب کو نالیوں کے ذریعے شہر نبوی تک منسلک کر دیا گیا تھا۔ قباء کا علاقہ چونکہ عام مدینہ طیبہ سے کافی اونچائی پر واقع ہے اس لیے پانی کی ترسیل نچلے علاقوں تک بہت آسان تھی۔ البتہ بڑی بڑی نالیوں کا جال بچھانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا جسے بہت تندہی سے سرانجام دیا گیا تھا۔ پانی کے بہاؤ کو برقرار رکھنے کے لیے راستے میں کئی مقامات پر اضافی کنویں بھی کھود کر ان سے پانی نکالا جاتا تھا اور پھر اسی نظام سے منسلک بڑی نالی میں ڈال دیا جاتا تھا۔ المراغی کے مطابق مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر یہ بڑی نالی پانی کو ایک بہت بڑے تالاب میں ڈال دیتی تھی جس پر ایک بہت بڑا گنبد تعمیر کیا گیا تھا۔ اس زیر زمین بڑے ذخیرے سے کئی نالیاں نکلتی تھیں جو اندرون شہر تک جاتی تھیں فاتو پانی یک نالی کے ذریعے الجرف کے علاقے کی طرف نکال دیا جاتا تھا۔ اس طرح پورا شہر نبوی اس عظیم تر آبی نظام سے مستفید ہوتا تھا جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور آبی ضروریات بڑھتی گئیں اس نظام فراہمی آب کے لیے مزید کنویں کھود کر اس سے منسلک کئے جاتے رہے اور اس طرح مدینہ طیبہ تک جو پانی پہنچتا وہ بہت سے کنوؤں سے نکالا جاتا تھا مثلاً بئر اریس، بئر رباط، بئر بویرہ، بئر جدیلہ اور بئر عبدالرحیم السقاف وغیرہ اس سے پانی کے اخراج کے لیے مختلف مقامات پر "منہل" (جمع: منابل۔ پانی کے پانی کے مخرج) بنائے گئے تھے۔

یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ زیر زمین پانی کی فراہمی کا یہ نظام سب سے اولین، منفرد اور ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جو کہ ارض حجاز میں کسی شہر میں تعمیر کیا گیا تھا۔ دولت اسلامیہ کی توسیع کے ضمنی فوائد میں ایک فائدہ یہ بھی رہا تھا کہ مسلمانوں کو دیگر ممالک میں مختلف رفاہی نظام دیکھنے کے مواقع میسر آئے جن میں سابقہ رومی علاقے اور خاص طور پر بلاد الشام بھی شامل تھے جہاں پانی کی فراہمی مختلف نہروں اور دریاؤں کے ذریعے ہوتی تھی۔ ان کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے فیصلہ کیا کہ اہل مدینہ کی خدمت کے لیے بھی کوئی ایسا نظام جاری کیا جائے تاکہ لوگوں کو گھر بیٹھے پانی میسر آ جائے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ طیبہ کے گورنر مروان بن الحکم کو اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حکم دیا۔ مروان کی آنکھیں نیلی (عین الازرق) تھیں۔ عربی زبان میں "عین" ذومعنیان لفظ ہے۔ یعنی اس کا مطلب آنکھ بھی ہے اور چشمہ بھی۔ چونکہ اس منصوبے کو عملی جامہ اس نے پہنایا تھا اس لیے اس نئے جاری کئے گئے فراہمی آب کے نظام کو "عین الزرقاء" کہا جانے لگا جس کا مطلب "نیلی آنکھ" یا "نیلا چشمہ" ہے۔

تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ ۵۶۰ ہجری میں سیف الدین ابی الہیجاء کی گورنری کے دور میں پانی کی ترسیل مسجد نبوی شریف تک کرنے کے لیے عین الزرقاء کے قریبی پانی کے ذخیرے سے زیر زمین نالی کے ذریعے باب السلام کی جانب سے صحن مسجد نبوی شریف میں بھی ایک منہل کا اجراء کیا گیا تھا۔ اس منہل سے فوارے کی شکل میں پانی نکلتا تھا جو فراہمی آب کے علاوہ مسجد شریف کی خوبصورتی میں بھی اضافے کا سبب تھا۔ استعمال شدہ پانی ایک نالی کی ذریعے مسجد شریف سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ تاہم بعض لوگ وضوء اور پیاس بجھانے کے علاوہ اسے دیگر ضروریات کے لیے بھی استعمال کرنے لگے جس سے مسجد شریف کا تقدس مجروح ہوتا تھا۔ مزید برآں اس سے مسجد شریف میں حفظان صحت کے مسائل بھی پیدا ہو گئے تھے۔ اس لیے اسے منقطع کر کے اس نظام کو مسجد نبوی شریف میں بند کر دیا گیا۔ (۱۰۲) البتہ نمازیوں کی سہولت کے لیے المناخہ کے باہر ایک منہل موجود تھی جہاں سے پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔

پانی کے اس عظیم نظام ترسیل کی اہمیت کے پیش نظر تمام حکمرانوں نے اس کی مناسب دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی کیونکہ شہر نبوی کے باسیوں کی شہری زندگی اس پر بہت انحصار کرتی تھی۔ مواسم حج میں تو اس نظام کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں دور دراز سے آئے حجاج کرام اس نظام سے پوری طرح مستفید ہوتے تھے۔ نویں صدی کے آخر میں سلطان اشرف قیتبائی نے اس نظام کی مرمت اور توسیع کا حکم دیا۔ اس تمام تر دیکھ بھال کے باوجود چونکہ یہ نظام طرز کہن پر چل رہا تھا اس لیے کبھی کبھار اس میں تعطل بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ عثمانی دور کے شروع میں ایک بار اس کی زیر زمین نالیاں مسدود ہونے سے پانی کی فراہمی کا پورا نظام تعطل کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ سلطان سلیمان قانونی نے ۹۳۲ ہجری میں

عین الزرقاء سے پانی کا نکاس آسان بنانے کے لیے ایک مخرج

اس نظام کی تجدید، توسیع اور صفائی کا حکم دیا اور یوں اہل مدینہ کو ایک بہتر نظام میسر آ گیا. اس کے بعد ۹۹۹ ہجری میں سلطان مراد اور پھر ۱۱۱۱ ہجری میں سلطان سلیم نے اسے مرمت کروا کر ان میں چند مزید کنوؤں کے پانی کا اضافہ کیا. سلطان عبدالحمید دوم نے اس میں مزید اضافہ کیا. (۱۰۳)

درحقیقت پورے حجاز میں یہ یکتا نظام فراہمی آب اپنی مثال آپ تھا اور دیار مغرب سے آنے والے زائر اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے. برطانوی جاسوس رچرڈ برٹن جو مدینہ طیبہ ۱۸۵۰ میں آیا تھا اس نظام کے متعلق رقمطراز ہے: ''یہ پانی کی نہر زیر زمین چلتی ہے جو کہ سطح زمین سے تقریباً تیس فٹ نیچے سے گزرتی ہے. مختلف مقامات پر مخرج بنائے گئے ہیں جن سے نہ صرف پانی نکالا جاتا ہے بلکہ تازہ ہوا بھی ان سے داخل ہو کر پانی کو صاف رکھتی ہے ان مخرجوں میں سطح آب تک جانے کے لیے عوام کی سہولت کے لیے زینے نصب کئے گئے ہیں. یہ عظیم کام سلطان سلیمان (Sulaiman the Magnificent) کا کارنامہ تھا. شہر کو پانی مہیا کرنے کے بعد وافر پانی شمال مغرب کی طرف نکل جاتا تھا. جہاں جہاں سے اس کی نالیاں گزرتی تھیں اس کی گزرگاہ کے اوپر مختلف مسافتوں پر نصف قد آدم دیواروں کے (کنویں کی منڈیر کی طرح) گول دائرے بنائے گئے ہیں جیسا کہ افغانستان (اور بلوچستان) میں کاریز کے نہری نظام کے لیے بنائے گئے ہیں. مدینہ طیبہ سے نکل کر یہ نظام شمال میں کھجور کے بستانوں اور باغوں میں اپنے اختتام پر پہنچ جاتا ہے. اپنے قیام مدینہ کے دوران میں نے اسی پانی کو پیا اور جیسا کہ اہل شہر کہتے ہیں ہمیشہ میں نے اسے میٹھا اور صاف پایا ہے.'' (۱۰۴)

پینے کے علاوہ عین الزرقاء کے نظام سے زراعتی آبپاشی کے لیے بھی پانی مہیا کیا جاتا تھا پانی کی فراہمی کے ان مخرجوں کو الدبل (جمع الدیاں) کہا جاتا تھا عموماً یہ مخرج دو قسموں کے ہوتے تھے: پہلے وہ تھے جو کہ کنویں کی طرز پر ہوتے تھے جن سے پانی روائتی طریقوں سے نکالا جاتا تھا۔ یعنی رسی کے ساتھ ڈول باندھ کر ان میں ڈال دیا جاتا تھا اور پھر کر باہر کھینچ لیا جاتا تھا. دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سطح زمین سے کچھ بلندی پر پانی کے ذخیرے کے لیے خزان (Reservoir) بنا دیئے جاتے تھے جن کے ساتھ زینے تعمیر کئے گئے تھے جن پر چڑھ کر لوگ اپنی ضروریات کے لیے پانی نکال لیا کرتے تھے. عام آدمیوں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں پیشہ ور 'سقے' (ماشکی) بھی ہوا کرتے تھے جو ان مخرجوں سے پانی نکال کر بہت ہی کم داموں پر مشکیزے کندھوں پر اٹھائے گھر گھر پانی پہنچانے کا کام کرتے تھے. مسجد نبوی شریف میں بھی یہ سقے مٹی سے بنے لمبوترے مٹکوں کو کندھوں پر اٹھائے چکر لگایا کرتے تھے اور نمازیوں کو پانی پیش کیا کرتے تھے. ایسے سقوں کی اجرت مقرر نہیں ہوتی تھی بلکہ پینے والا جو کچھ بھی دیتا وہ بخوشی قبول کر لیتے تھے. بن اسی کی دہائی تک ایسے سقے اکثر مسجد نبوی شریف میں نظر آتے تھے.

عوام کی سہولت کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں ایسے منہل اور مخرج تعمیر کئے گئے تھے (مثلاً مسجد الغمامہ، باب السلام، حارۃ الاغوات، مشہد نفس الذکیہ اور باب مصری وغیرہ). یہ تمام سبیلیں اور منہل ان علاقوں کے ناموں کی نسبت سے مشہور ہو گئے تھے، مثلاً: عین الحارہ، عین باب السلام، عین الزکی، عین المناخہ وغیرہ جہاں عین کا مطلب چشمہ ہوتا تھا. عبدالقدوس الانصاری کے مطابق ۱۳۵۳ ہجری میں پورے شہر میں ایسے منہل کی کل تعداد اتھی جن میں سے ۷ زیر زمین تھے جن تک پہنچنے کے لیے زینوں سے اترا جانا پڑتا تھا جب کہ تین ایسے تھے جن کے خزان بہت اونچائی پر بنائے گئے تھے جن پر زینوں سے چڑھ کر یا تو روائتی طریقوں سے پانی نکالا جاتا تھا یا پھر ایک ایسا بھی منہل تھا جس سے مشینی طریقے سے پانی حاصل کیا جاتا تھا. ان تمام مخرجوں سے صارفین خود یا سقوں کے ذریعے پانی حاصل کرتے تھے. اس سارے نظام کو مناسب طریقے پر چلانے کے لیے قواعد وضوابط نافذ تھے جس میں ٹیکس کا نظام اور سقوں کے متعلق قوانین شامل تھے. ان قوانین کے تحت سقے پیشہ ورانہ ضابطہ اخلاق کے پابند تھے جن کی خلاف ورزی پر صارفین کو عدالت میں جانے کا حق تھا. اس نظام کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے ایک محکمہ قائم کر دیا گیا تھا.

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں مدینہ طیبہ کی آبادی میں ہوشربا اضافہ ہونے لگا شہر کی قدیم فصیل آہستہ آہستہ ختم کردی گئی اور چاروں طرف آبادی پھیل گئی جس کی وجہ سے عین الزرقاء کا قدیم نظام جدید تقاضوں سے ہم آہنگی برقرار نہ رہ سکا. پرانے شہر کے گردکئی آبادیاں بن گئی تھیں جن تک اس نظام کہن کو لے جانا محال تھا. ان مشاکل کے پیش نظر سعودی حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ یہ فرائض تھے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ مدینہ طیبہ کی بڑھتی ہوئی آبی ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے. مختلف تجاویز پر غوروخوض کے بعد ۱۹۷۸ء میں اس کمیٹی نے سفارشات دیں کہ ایک نیا محکمہ تشکیل دیا جائے جو پورے کا پورا نظام بدل کر نیا نظام فراہمی آب چلائے. ان سفارشات کے تحت ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے تحت ایک نیا محکمہ قائم ہوا جو کہ محکمہ آب رسانی اور نکاسی آب (Water and Sewage Department) تھا جس کا پہلا سالانہ بجٹ ۳۱۴ ملین سعودی ریال تھا. قدیم محکمہ عین الزرقاء کے تمام ملازمین کو اس نئے محکمے میں شامل کیا گیا.

اپنے آخری ایام میں عثمانیوں نے بھی اس معاملے پر غوروخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آب رسانی کا نیا نظام روشناس کرایا جائے. پہلی جنگ عظیم میں ان کے ایک ملٹری گورنر بصری پاشا نے ایک منصوبے کی منظوری دی تھی جس کے تحت جبل عیر کے علاقے میں ایک بہت بڑا کنواں کھودا جانا تھا جس سے بجلی سے چلنے والی موٹروں سے پانی نکال کر نالیوں کے ذریعے شہر کو سپلائی کیا جانا تھا. اس کام کے لیے ۱۲ انچ قطر کے مضبوط فورڈی پائپ نصب کیے جانے لگے تھے جو کہ مسجد عنبریہ تک پہنچ گئے تھے جہاں دیوقامت خزان تعمیر کیے گئے تھے. تاہم اچانک ان کی حکومت ختم ہوجانے سے یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا. البتہ سعودی دور میں ان نصب شدہ پائپوں کو عین الزرقاء کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا. سعودی دور میں جب مسجد نبوی شریف کے پہلی توسیعی منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو محمد بن لادن نے جبل تیاب کی چوٹی پر ایک بہت بڑا خزان تعمیر کروادیا جہاں سے پانی پائپوں کی مدد سے نیچے لایا جاتا تھا. اس منصوبے کی کامیابی نے بڑے منصوبوں کی راہ کھول دی اور بحیرہ احمر سے پانی لائے جانے کے منصوبے ترتیب دیئے گئے. ان منصوبوں کی تکمیل پر کھارے سمندری پانی سے نمکیات زائل کرکے صاف پانی بڑے نلوں کے ذریعے ایک بہت بڑے خزان میں لایا جاتا ہے جو کہ مسجد قباء سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے. اس خزان میں ۹۰،۰۰۰ کیوبک میٹر پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے. اس نظام کا سب سے بڑا پلانٹ بحیرہ احمر کے قریب اور ینبع سے ۴۱ کیلومیٹر دور لگایا گیا تھا. اس عظیم تر منصوبے کا مقصد نہ صرف مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرنا تھا بلکہ ینبع کے بندرگاہی شہر کو بھی سیراب کرنا تھا. اس نئے نظام نے نظام کہنہ کو یکسر بدل کر رکھ دیا. فراہمی آب کے لیے زیرزمین ۴۲ انچ قطر کا بڑا پائپ استعمال کیا گیا جو ۱۷۶ کیلومیٹر کی مسافت طے کرکے قباء پہنچتا ہے. اس نئے نظام کے تحت روزانہ ۲۰ ملین گیلن پانی مدینہ طیبہ پہنچتا ہے جو صارفین کو گھر گھر پہنچایا جاتا ہے. اس نئے نظام نے شہر نبوی میں طرز زندگی کو ایک نئی سمت عطا کردی ہے.

اگرچہ اب مدینہ طیبہ کی آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے مگر فراہمی آب کا جدید نظام اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے کہ مواسم حج میں بھی لوگوں کو پانی کی کمی محسوس نہیں ہوتی. مدینہ طیبہ کے اردگرد اتنے واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹ لگ چکے ہیں کہ اب صاف پینے کا معدنی (Mineral Water) پانی بوتلوں میں بند وافر مقدار میں ہر گلی اور محلے کی نکڑ پر موجود دکانوں میں دستیاب ہے. دیگر فوائد کے علاوہ اس سے بلدیہ مدینہ طیبہ کے نظام آب رسانی پر بوجھ کم ہوگیا ہے چونکہ لوگوں کی قوت خرید بڑھ گئی ہے عام آدمی بھی معدنی پانی کو بلدیہ کے پانی پر ترجیح دیتا ہے. بلدیہ کا پانی تو اب گھر کی دیگر ضروریات تک محدود رہ گیا ہے.

حواشی

(۱) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص:۲۴۸

(۲) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، طباعت ۱۹۷۸،۵، ص ۴۶۲

(۳) زین الدین ابی بکر المراغی (ت:۸۱۶ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دارالہجرہ، مکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ص ۷۰

(۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۴۲، ۷۴۵

(۵) یوسف عبدالرزاق، معالم دارالہجرہ، بیروت، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱

(۶) مجدالدین فیروزآبادی، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ص:۲۹۱

(۷) جمال المطری (ت:۷۴۱ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دارالہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ہجری)، ص:۵۹

(۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۹۸۳

(۹) المراغی، مصدر مذکور، ص:۱۷۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۱۱ و ج ۲، نمبر ۵۴۰. نیز ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۱۵۷

(۱۱) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۸۵ نیز ۲۱۸۶

(۱۲) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات:۴۹۸-۴۹۹. فیروزآبادی، ص:۳۷

(۱۳) ابن شبہ، مصدر مذکور، صفحات:۲۷۲-۲۷۳

(۱۴) عبدالقدوس الانصاری، ص:۲۴۵

(۱۵) فیروزآبادی، ص:۳۷

(۱۶) ابن نجار، ص:۱۰۲

(۱۷) المطری، مصدر مذکور، ص:۲۷

(۱۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ (۱۳۰۳ہجری بمطابق ۱۸۸۵ء)، ص:۲۷

(۱۹) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۱۶۳

(۲۰) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۹۱۱. صحیح بخاری، ج:۹۰، نمبر ۳۶۷

(۲۱) المراغی، ص:۱۶۹

(۲۲) فیروزآبادی، ص:۲۵

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۶۷

(۲۴) ایضاً، ج:۷، نمبر ۷۵۶

(۲۵) ابن نجار، ص:۱۰۳

(۲۶) فیروزآبادی، صفحات:۲۷-۲۸.

(۲۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، صفحات:۳۹۸-۳۹۹.

(۲۸) قاری شریف احمد، معین الحج، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، پہلا ایڈیشن، ص:۴۸۸.

(۲۹) علی حافظ، ابواب تاریخ المدینۃ المنورہ (اردو ایڈیشن)، ص:۱۲۹. حیرانی کی بات ہے کہ اسی کتاب کے انگریزی ترجمے سے یہ پیراگراف حذف کردیا گیا ہے، شائد اس لیے کہ ایک سابق رئیس بلدیہ حرم النبوی شریف کے دل کی آواز سے کوئی موجودہ مقتدر شخصیت چیں بجبیں ہوگئی ہو۔

(۳۰) ابراہیم المدنی العیاشی، مصدر مذکور، ص ۲۳۸

(۳۱) صحیح بخاری، ج.۸، نمبر۲۶۵

(۳۲) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ج ۱، ص ۵۰۵

(۳۳) سمہودیؒ، ص:۹۵۶

(۳۴) سنن ابی داؤد، ۱-۰۰۶

(۳۵) یضاً نمبر۰۰۷ اس حدیث مبارکہ کا ذکر الترمذی نے بھی کیا ہے (اردو ترجمہ بدیع زمان، ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸)، ص ۶۷.
مسند امام احمد نسائی اور البیہقی میں بھی یہ حدیث مبارکہ موجود ہے۔

(۳۶) ابن سعد، ج:۱، ص:۵۰۵

(۳۷) ایضاً

(۳۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص:۴۵۳

(۳۹) ایضاً، ص۴۵۳

(۴۰) فیروز آبادی، ص ۳۲

(۴۱) سنن ابی داؤد، ۱-۰۰۶

(۴۲) ابن ضیاء المکی (ت.۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والقبر الشریف، ص:۱۴۰

(۴۳) ایضاً

(۴۴) رحلۃ عیاشی (المدینۃ المنورہ فی رحلۃ العیاشی)، ص ۱۵۷

(۴۵) الشیخ، حمد بن عبدالحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۲۶۴.

(۴۶) غالی محمد امین، الشنقیطی، ص ۱۶۵

(۴۷) علی حافظ، مصدر مذکور، ص ۱۱۹

(۴۸) محمد السید الوکیل، ص:۱۵۰

(۴۹) غازی بن سالم التمام، رسائل فی آثار المدینۃ النبویہ، مدینہ منورہ ادبی کلب، پہلا ایڈیشن، ۲۰۰۰، ص:۷۳

(۵۰) ابن نجار، صفحات.۱۰۶-۱۰۷

(۵۱) حوالہ؟

(۵۲) ابن نجار، صفحات.۱۰۶-۱۰۷.

(۵۳) فیروز آبادی، ص:۳۱. المطری، ص:۵۵

(۵۴) ابن سعد، ج:۱، ص:۵۰۴

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ایضاً

(۵۷) سمہودیؒ، ص ۹۷۹

(۵۸) ابن سعد، ج.۱، ص.۵۰۵

(۵۹) سنن ابن ماجہ، ج:۱،ص.۴۷۱

(۶۰) سمہودی،ص ۹۷۔۹ نیز ابن شبہ،ج ۱،صفحات ۱۶۱-۱۶۳

(۶۱) ابن شبہ،ج:۱،ص:۱۶۱

(۶۲) ایضاً،ص:۱۶۲

(۶۳) ایضاً،ص:۱۶۱

(۶۴) الشیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ ہجری)،جذب القلوب الی دیار المحبوب،ص ۵۹

(۶۵) ابن نجار،ص ۱۰۶

(۶۶) سمہودی،ص ۹۸۱

(۶۷) الشیخ جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی،تزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین،ص ۳۲۲

(۶۸) سمہودیؒ،خلاصۃ الوفاء،ص.۴۵۸

(۶۹) منقول از سمہودی،ص ۹۶۹

(۷۰) ابن سعد،ج:۱،ص ۵۰۶

(۷۱) ایضاً

(۷۲) ابن نجار،ص.۱۰۸

(۷۳) ایضاً،ص.۱۰۹

(۷۴) جنرل ابراہیم رفعت پاشا،مرآۃ الحرمین،ج:۱،ص.۴۳۰

(۷۵) سید احمد یاسین،احمد الخیاری (ت ۱۳۰۸ ہجری)،تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیما وحدیثا،چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳ء،مدینہ طیبہ،صفحات:۱۸۴-۱۸۵

(۷۶) ابن شبہ،ج:۱،ص:۱۵۹

(۷۷) المراغی (ت ۸۱۶ ہجری)

(۷۸) المطری،ص.۵۹

(۷۹) یوسف عبدالرزاق،ص.۲۹۰

(۸۰) المراغی،ص:۱۸۰

(۸۱) عبدالقدوس الانصاری،ص:۱۳۲ (بین القوسین الفاظ صرف وضاحت کے لیے ہیں).

(۸۲) ابراہیم المدنی العیاشی،ص:۱۷۷

(۸۳) علی حافظ (Chapters from the History of Medina)،اس کتاب کے آخر میں وضاحت کے لیے نقشہ دیا گیا ہے.نیز دیکھئے:غالی محمد الامین لشنقیطی،مصدر مذکور،ص.۲۳۸ جن کے الفاظ میں بئر سقیا جدہ روڈ (جسے ماضی میں کبھی جدہ روڈ اور کبھی مکہ روڈ کہا جاتا تھا مگر موجودہ نام عنبریہ روڈ ہے) کے نیچے مدفون ہے.

(۸۴) حمد الجاسر مرحوم،فیروز آبادی کی مغانم المطابہ فی معالم طابہ میں ان کا ضمیمہ ایک قابل قدر اضافہ ہے،ص ۴۵۶

(۸۵) سمہودیؒ،وفاع الوفاء،ص:۹۸۲

(۸۶) ایضاً،نیز ابن شبہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے.

(۸۷) شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی،ص:۲۵۷

(۸۸) المطری،ص:۵۹

(۸۹) ایضاً،ص ۲۶۱

(۹۰) ابراہیم العیاشی،ص:۲۵۰

(۹۱) محمد کبریت الحسینی المدنی (ت:۱۰۷۰ہجری) الجواہر السنیہ فی محاسن المدینہ،۹۹۷ صفحات ۱۴۸-۱۴۹

(۹۲) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء،ص:۵۱۹.ان کا بیان ہے کہ بطانۃ بل بیت الطاہرہ سیدۃ فاطمۃ بنت حسینؓ نے ۱۰۰ رکعت نماز ادا کرکے خود کدال اٹھا کر کنوئیں کی کھدائی شروع کردی مگر جب مزدوروں نے دیکھا تو وہ آگے آگے اور باقی کا کام انہوں نے مکمل کیا

(۹۳) المراغی،ص ۱۸۰

(۹۴) شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی،ص ۲۴۳

(۹۵) علی حافظ،ضمیمہ (Archaeological Guide Map to Medina al-Munawwara)

(۹۶) ابراہیم العیاشی،ص ۲۲۶

(۹۷) المراغی،ص ۱۸۰

(۹۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ،ص:۳۳

(۹۹) غازی بن سالم التمام،ص:۷۱

(۱۰۰) شیخ احمد بن عبد الحمید عباسی،ص ۲۵۰

(۱۰۱) محمد کبریت الحسینی المدنی،ص:۲۹۲

(۱۰۲) المراغی،ص:۱۷۸،نیز فیروز آبادی،ص:۲۹۶

(۱۰۳) عبد القدوس الانصاری،صفحات ۲۵۹_۲۶۱

(۱۰۴) رچرڈ برٹن (Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Mecca)

Vol. 1 , a Reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published

by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN 486-21217

(۱۰۵) ایضاً

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے
... گروہ واقع اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
... کے تاریخی اہمیت سے حامل کھڑکیوں کی چند تفاصیل

جب سرورِ کائنات سید البشر ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کاشانہ کو شرف اقامت بخشا تو اس وقت تک بنوخزرج کے صرف چند گھرانے وہاں آباد تھے. باقی کی زمین زیادہ تر خالی تھی یا وہاں چند کھجوروں کے درخت ہوا کرتے تھے جن سے نہ صرف پیداوار حاصل ہوتی تھی بلکہ ان کے سائے میں لوگ آرام کرتے اور بچے اور بچیاں جھولے ڈال کر کھیلا کرتے تھے جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ان کی رخصتی سے متعلق مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے بہت سی روایات اس بات کی نشاندہی بھی کرتی ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے آس پاس اور احاطہ مسجد نبوی شریف کے دور و نزدیک اخزرج کے مختلف شعوب کے چند اور گھر بھی تھے. شمالی جانب بنی ساعدہ کا چھوٹا سا گاؤں تھا (موجودہ مقام سقیفہ بنی ساعدہ کے آس پاس) جب کہ اس سے متصل شرقی جانب الزوراء اور بستان حاء تھا. ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ جب تاج دار مدینہ ﷺ نے ارض طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو اس وقت انصار کے 9 گاؤں (چھوٹی چھوٹی آبادیاں) اس علاقے میں آباد تھے جہاں مختلف شعوب و قبائل کے لوگ بستے تھے اور ارد گرد کھجوروں کے درخت وافر تعداد میں ہوا کرتے تھے.(۱)

جس جگہ پر مسجد نبوی شریف اور کاشانہ اقدس اور حجرات مبارکہ کی تعمیر عمل میں آئی وہاں بھی کھجور کے درختوں کے جھنڈ ہوا کرتے تھے اور اس کے خالی حصے پر ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں. یہ تمام علاقہ ان چند بستیوں پر مشتمل تھا جن میں اکثر و بیشتر مٹی اور گارے کے بنے ایک منزلہ مکان ہوا کرتے تھے کہیں کہیں کوئی استثناء بھی تھا کہ دو منزلہ مکانات (جیسے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر) یا اکا دکا 'طُم' (جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ کا محل افراع) یا سقیفے (جیسے سقیفہ بنی ساعدہ) نظر آجاتے تھے شرقی جانب بنوخزرج کے گھر تھے جب کہ غربی جانب زیادہ تر بنو اوس کی شاخیں آباد تھیں. شمال مغرب کی جانب قبیلہ بنو ساعدہ آباد تھا. یہ تمام آبادیاں زیادہ گنجان آباد نہ تھیں بلکہ اکا دکا گھروں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں. بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں مسجد شریف کی غربی جانب جبل سلع تک سوائے بنو ساعدہ کے خال خال ہی کوئی گھر ہوا کرتا تھا. اسی طرح صحابیہ سیدۃ عائشہ بنت قدامہؓ سے مروی حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں [ہم سے جب کوئی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب کھڑا ہوتا تو بغیر کسی رکاوٹ کے رسول اللہ ﷺ کا کاشانہ مبارک نظر آجاتا تھا.](۲)

بے گھر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آبادکاری کے لیے رحمت اللعالمین اور انیس الغریبین ﷺ نے مسجد نبوی شریف کے ارد گرد واقع خالی زمین اور اس ارضی کو جو کہ انصار نے برضا و رغبت بحضور رسالت مآب ﷺ ہبہ کر دی تھی (مثلاً حضرت حارثہ بن النعمانؓ وغیرہ نے) مختلف پلاٹوں میں تقسیم فرمایا اور مہاجرین کے لیے مختص فرما دی. یوں حیاۃ طیبہ کے دوران مسجد شریف کے چاروں اطراف میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر بن گئے تھے. قربت کاشانہ اقدس رسالت مآب ﷺ کے حصول کی خاطر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو بھی کرتے تھے. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے. [بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی شریف کے قریب منتقل ہونا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ باقی کا شہر نبوی ویران ہو جائے لہذا آپ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا [اے معشر بنی سلمہ! کیا تم نہیں چاہتے کہ تم مسجد نبوی میں آنے کے لیے جتنے زیادہ قدم چلو گے اس کا اتنا ہی ثواب لو گے؟ اس پر انہوں نے اپنی پرانی آبادی میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا.](۳)

مغربی جانب سب سے معروف گھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ (خوخہ ابوبکرؓ) اور سیدنا عمر بن الخطابؓ (دار قضاء الدین) تھے اس طرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک چھوٹا سا دروازہ یا دریچہ (عربی میں خوخہ کہلاتا تھا) مسجد شریف میں کھلتا تھا. بڑے دروازوں کے علاوہ جو کہ باہر کی گلیوں کی طرف ہوا کرتے تھے مسجد شریف سے متصل گھروں کی کھڑکیاں

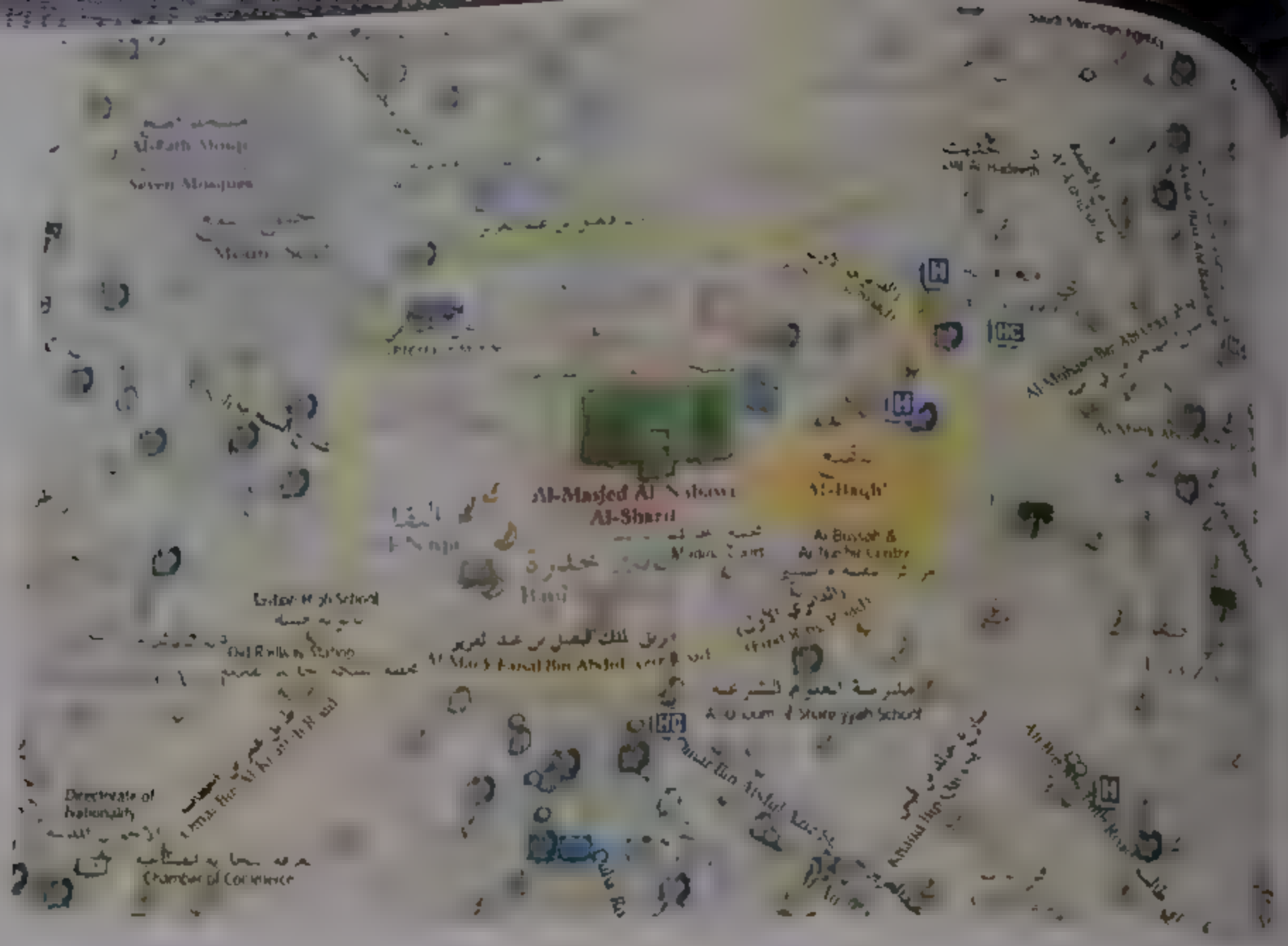

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً
کا عمومی نقشہ
۲۰۰۵ء

دروازے مسجد شریف میں جس کھلتے تھے جس نے ان کے تعمیر کا مسجد شریف میں آنا جانا آسان بنا دیا تھا. جہاں تک ایسے دروازوں کا تعلق ہے جو کہ مسجد میں کھلتے تھے ان کو غزوہ احد سے پہلے ہی بند کرنے کے احکام ہو گئے تھے سوائے حجرات مبارکہ رسول الامین ﷺ اور بیت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے. البتہ کھڑکیاں اور خوخے (دریچے) کھلے رہنے دیئے گئے تھے مگر ان کو بھی حیاۃ طیبہ کے آخری ایام میں بند کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا سوائے خوخہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے جس کو استثنائے خصوصی سے وا رکھا گیا تھا. یہ خوخہ اس وقت کی مسجد شریف کی غربی دیوار سے متصل اور موجودہ مقام منبر شریف کے قریب تھا.

مسجد شریف کی غربی جانب اس مقام کی طرف جہاں بعد میں مسجد الغمامہ تعمیر ہوئی زیادہ تر علاقہ خالی تھا جہاں بعد میں بے گھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے نصب کر لیے تھے اور اسی نسبت سے یہ علاقہ 'فساطیط' (یعنی خیموں کا علاقہ) کہلاتا تھا یہاں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ کا خیمہ بھی کافی دیر تک رہا تھا. حضرت محمد بن عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ عیدین کی نمازوں کے لیے مصلی (موجودہ نام مسجد الغمامہ) تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس گزرگاہ سے تشریف لے جاتے تھے جو کہ ''اصحاب الفساطیط'' (جھگیوں یا جھونپڑیوں والے اصحاب) کے علاقے سے گزرتی تھی.] (۴) تاہم شرقی جانب کچے اور پکے مستقل گھر بن چکے تھے جن میں سے بعض تو زمانہ قدیم سے تعلق رکھتے تھے جن میں سب سے زیادہ اہم و اشہر گھر 'دار ابو ایوب الانصاریؓ' اور 'دار اسعد بن زرارہؓ' تھے. اس اراضی کا معتد بہ حصہ حضرت حارثہ بن نعمان الانصاریؓ کی آبائی ملکیت تھا جن کے یک سے زیادہ گھر اس علاقے میں ہوا کرتے تھے. یکے بعد دیگرے انہوں نے اپنے تمام گھر شہ دوسرا خیر الوریٰ ﷺ کو ہبہ کر دیئے تھے جن میں سے بعض پر تو حجرات مطہرات تعمیر ہوئے اور بعض کی زمین مہاجر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دے دی گئی تھی.

یوں چند ہی سالوں میں گرد و نواح میں تمام علاقہ گنجان آباد ہو گیا تھا کیونکہ انصار و مہاجرین سب قربت کاشانہ اقدس میں اسی طرف کھچے چلے آتے تھے. ارد گرد کے کھلے علاقے کو پلاٹوں میں منقسم کر کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختلف گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا. جنوبی جانب کے علاقے میں ہاشمی و مطلبی آباد کیے گئے تھے (حضرت عباس بن عبد المطلبؓ، سیدنا حمزہ بن عبد المطلبؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، سیدۃ فاطمۃ بنت اسدؓ (ام علی کرم اللہ وجہہ)، جب کہ شرقی جانب یار غار سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عثمان

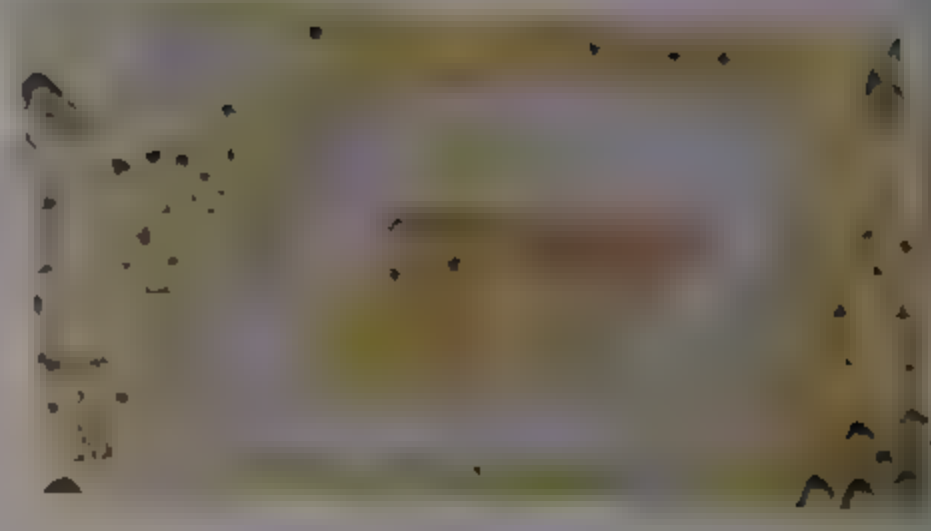

مدینہ طیبہ زادا اللہ شرفہ
ایک مصور کے خاکہ کے
مطابق ۱۸۵۳ء
میں کچھ اس طرح تھا
(خاکہ Cheter Beatty سے
ماخوذ بحوالہ عربی ثمارہ ۲۰۰۳)

بن عفانؓ کے گھر تھے کچھ عرصہ بعد جب حضرت خالد بن الولیدؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کو بھی اسی جانب گھر عطا ہوئے. تاہم مسجد نبوی شریف سے متصل شرقی جانب کا حصہ پہلے تو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی ملکیت تھا مگر جوں جوں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن زوجیت طاہرہ میں آتی گئیں وہاں سرکار دو عالم ﷺ کے حجرات مبارکہ بنتے گئے. انہی کے درمیان خوخہ علی کرم اللہ وجہہ تھا اور انہیں کے مابین حجرہ مطہرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء تعمیر ہوا تھا. اس جگہ پہلے حضرت حارثہ بن نعمانؓ کا ایک گھر تھا جن کو رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی ہمسایہ ہونے کا شرف ڈیڑھ دو سال تک رہا. آستانہ مبارکہ کے تمام حجرات مبارکہ شرقی جانب ہی تھے اور سب کے دروازے مسجد شریف میں ہی کھلتے تھے.

شرقی جانب دار سیدنا عثمانؓ و دار ابی بکرؓ کے درمیان ایک چھوٹی سی گلی نکلتی تھی جو گزرگاہ سید الانبیاء والاتقیاء سید الکونین ﷺ تھی جہاں سے ہو کر آپ حضور ﷺ بقیع الغرقد یا بنی عبدالاشہل اور دیگر اوسی جاں نثاروں کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے. دار سیدنا عثمانؓ اور حجرات مبارکہ کے درمیان ایک چوڑی گلی تھی جہاں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جنازے پڑھائے گئے جو کہ حیاۃ طیبہ میں انتقال کرتے رہے. اسی نسبت سے یہ جگہ جنازگاہ (موضع الجنائز) بن گئی جہاں بعد میں بھی جنازے رکھے جایا کرتے تھے مغربی جانب سب سے اہم گھر خوخہ سیدنا صدیق اکبرؓ اور دار عمر بن الخطابؓ تھا. اسی جانب حضرت عمار ابن یاسرؓ کا گھر بھی تھا.

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ گھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ورثاء کو منتقل ہوتے رہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی اگلی نسلوں کے تحت آتے رہے، مگر زیادہ تر یہ گھر ان کے اصل بنانے والوں کے نام سے ہی مشہور رہے، مثلاً دار آل عمرؓ، دار آل عثمانؓ، دار خالد ابن الولیدؓ اور دار ابو بکرؓ وغیرہ جو کہ زیادہ تر شرقی، غربی اور جنوبی اطراف میں تھے. شمالی جانب ابتداء میں بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات تھے جن میں سے چند تو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی ملکیت میں تھے اور باقی ماندہ گھروں میں زیادہ مشہور گھرانے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کے تھے. جب بھی مسجد نبوی شریف کی توسیع عمل میں آئی تو زیادہ تر شمالی جانب کا علاقہ ہی حاصل کر کے اس میں شامل کیا جاتا رہا۔ خواہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں غزوہ خیبر کے بعد ہو یا سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں ہو یا سیدنا عثمانؓ کی خلافت راشدہ میں یا پھر مہدی عباسی اور اس کے بعد کے ادوار میں ہو۔ زیادہ تر اسی جانب واقع مکانات کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا اس لیے اس جانب بسنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات میں سے چند کے نام صرف تاریخی حوالوں کی صورت میں باقی رہ سکے جب کہ ان کے ورثاء دوسری جگہوں پر منتقل ہوتے گئے. ان میں سے بہت سے گھروں کے مقیمین نے تو برضاء و رغبت اپنے مکانات مسجد شریف کے لیے ہبہ کر دیئے تھے مگر کچھ کو بہت بحث و تمحیص کے بعد بیچنے پر رضامند اور قائل کیا جا سکا تھا. پچھلے صفحے پر دیئے گئے خاکہ میں جسے بہت سے مشاہیر مورخین کی کتب میں دیئے گئے اشاروں اور بلدیہ مدینہ طیبہ کے ماضی قریب میں بنائے گئے نقشوں سے (کیونکہ بہت سے مشہور مکانات ۱۹۸۰ء تک موجود تھے) اخذ کیا گیا ہے چند معروف گھروں کا تقریبی نقشہ پیش کیا گیا ہے جن کی تفاصیل نیچے دی گئی ہے.

دار ابو ایوب الانصاریؓ

وہ پہلا مبارک گھر جس کو مدینہ طیبہ میں شہ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت مبارکہ کے بعد شرف اقامت سے نوازا تھا وہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا گھر تھا جہاں نہ صرف کہ شہ دوسرا ﷺ سات ماہ تک اقامت پذیر رہے بلکہ جہاں جبریل امین علیہ السلام اس

۱-دار حضرت ابوایوب انصاریؓ

۲-دار حضرت عثمانؓ (بڑا گھر)

۳-دار حضرت عثمانؓ (چھوٹا گھر)

۴-دار ریطہ

۵-دار حضرت ابوبکر صدیقؓ

۶-دار جبلہ بن عمرو الساعدی

۷-دار حضرت خالد بن ولیدؓ

۸-دار حضرت عمرو بن العاصؓ

۹-دار موسیٰ بن ابراہیم

۱۰-دار عبداللہ بن حسن الاصغر بن علی بن زین العابدینؒ

۱۱-دار آل حسنؓ

۱۲-دار آل عمرؓ

۱۳- دار حضرت حارثہ بن نعمانؓ (بعد میں یہ گھر دار حضرت جعفر الصادقؒ کے نام سے مشہور ہوا)

۱۴-دار مروان بن حکم

۱۵-دار حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

۱۶-خوخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

تمام عرصہ میں وحی الٰہی لے کر آتے رہے اس گھر کے شمال کی جانب قریب ہی چھوٹی سی گلی کی دوسری جانب سیدنا عثمان بن عفان ؓ کا مکان تھا. یہ مکان تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت سی وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے. ازمنہ قدیم میں یمنی بادشاہ تبع نے اسے بنوایا تھا جس نے یثرب کو تاخت وتاراج کرنے کی غرض سے اس پر چڑھائی کردی تھی مگر جونہی اسے معلوم ہوا کہ یہ مقام نبی موعود دعائے خلیل و نوید مسیح ﷺ کی ہجرت کا مقام تھا تو اس نے پسپائی اختیار کرلی. اس نے رسول منتظر اور ہادی برحق جناب رسالت مآب ﷺ کے نام ایک خط لکھا اور اپنے ایک نمائندہ کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا جس کے لیے اس نے یہ مکان بھی تعمیر کروایا. حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی نمائندے کی اولاد سے تھے اور نسل در نسل وہ خط اس وقت ان کے پاس محفوظ تھا جب کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مخرج صدق (مکۃ المکرمہ) سے ہجرت فرما کر مدخل صدق (مدینہ طیبہ) منتقل ہوئے. (۵) حضرت ابوایوب انصاریؓ کے انتقال کے بعد یہ مکان ان کے آزاد کردہ غلام (حضرت افلحؓ) کی ملکیت میں چلا گیا جنہوں نے اسے مغیرہ بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام کے ہاتھ ۰۰۰،۱ دینار میں فروخت کردیا (۶) جس نے اس کی مرمت کروا کر اسے مدینہ طیبہ کے فقراء کے نام وقف کردیا تھا. اس نے مکان کے صحن میں ایک کنواں بھی کھدوا دیا جس سے مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کے لیے پینے کا پانی فراہم کیا جاتا تھا. (۷) ایوبی خاندان کے شاہ شہاب الدین غازی نے اسے خرید کر وقف عام کردیا اور وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کردیا جسے ''مدرسہ شہابیہ للمذاہب الاربعہ'' کہا جاتا تھا. (۸) تیرھویں صدی ہجری میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کردی گئی جہاں بعد میں زاویہ جنید کا قیام عمل میں آیا (۹) ابراہیم رفعت پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں اس مکان میں ایک محراب قبلہ موجود ہوا کرتی تھی جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں اپنے قیام مبارک کے دوران رسول اللہ ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے. (۱۰)

۱-گنبد والی عمارت کی جگہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد رہا کرتی تھی
۲-جیولری کی دوکان اس جگہ تھی جہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا
۳-موجودہ باب البقیع کے سامنے حضرت عثمانؓ کے دو گھر ہوتے تھے
۴-باب جبریل کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا گھر تھا
۵-باب النساء کے سامنے حضرت خالد بن ولیدؓ کا گھر تھا
(تصویر عرطیل بتاریخ ۱۹۰۷ء)

اگرچہ یہ مکان اوقاف مدینہ طیبہ کی تحویل میں رہا مگر اس علاقے کی تجارتی قدر و قیمت میں اتنا اضافہ ہوگیا تھا کہ اس کی پہلی منزل میں دکانیں بنادی گئی تھیں مندرجہ بالا تصویر جو کہ اس کے انہدام سے پہلے ۱۹۷۲ء میں لی گئی تھی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے کونے میں زیورات کی دکان ہوا کرتی تھی جب کہ ایک جانب ایک چھوٹی سی دکان اور بھی تھی جس میں بچوں کی دلچسپی کا سامان اور مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکا کرتی تھیں. یہ تمام علاقہ مسمار کرکے مسجد نبوی شریف کے سامنے کی جانب کھلا علاقہ بنا دیا گیا ہے. مندرجہ ذیل تصویر میں تقریبی طور پر اس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں کبھی یہ مبارک گھر ہوا کرتا تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا.

دار سیدنا عثمان بن عفانؓ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دو مکان تھے جو کہ مسجد نبوی شریف میں باب جبریل علیہ السلام کے مقابل تھے. ان میں سے ایک کو 'الدار الکبریٰ' اور دوسرے کو 'الدار الصغریٰ' کہا جاتا تھا. یہ دونوں مکان رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں تعمیر ہو چکے تھے. سیدنا عثمانؓ کے گھر اور دار ابوایوب الانصاریؓ کے درمیان ایک تنگ گلی حد فاصل ہوا کرتی تھی جسے زقاق حبشہ کہا جاتا تھا. ابن جبیر کے مطابق. ''حضرت عثمان بن عفانؓ کو دار الکبریٰ میں شہید کیا گیا تھا اس مکان کے ایک حصے کو اسد الدین شیرکوہ (سلطان صلاح الدین الایوبیؒ کے چچا) نے خرید کر اس میں اپنے لیے انہوں نے قبر تعمیر کروالی تھی. پھر بعد میں جب شیرکوہ اور ان کے بھائی نجم الدین ایوبی (پدر صلاح الدین

دار آل عثمان بن عفانؓ
کا قدیم دروازہ
تصویر ۱۹۵۰ء

ایوبی) کا انتقال ہوا تو ان کی میتیں مدینہ طیبہ لائی گئیں اور ان دونوں کے اجساد خاکی کو مکان کے اسی حصے میں دفن کیا گیا تھا۔(۱۱) جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نورالدین زنگی کے وزیر تھے اس کے باقی کے کچھ حصے کو خرید کر اس میں ایک وقف (رباط) قائم کر دی تھی جسے رباط اصفہانی کہا جاتا تھا چونکہ یہ رباط قائم کرتے وقت انہوں نے اس کا مقصد وحید ان حجاج کرام کو مفت رہائش مہیا کرنا تھا جو کہ بلاد عجم (ایران، افغانستان اور ہندوستان) سے آئے ہوتے تھے، اس لیے اسے رباط عجم بھی کہا جاتا تھا۔اصفہانی نے بھی اپنے لیے اس کے ایک کونے میں قبر کہ جگہ بنائی تھی اور وصیت کی تھی کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو ان کی میت مدینہ طیبہ لاکر اسی جگہ دفن کی جائے(۱۲) اور ایسا ہی کیا گیا۔موصل کے قلعے میں وہ پابند سلاسل تھے جب ان کی موت واقع ہوئی مگر حسب وصیت ان کی میت پہلے مکہ اور پھر مدینہ طیبہ لائی گئی اور اسی مقام پر دفن ہوئی جو کہ قدمین الشریفین کے بالکل سامنے اسی دار سیدنا عثمانؓ میں تھی۔

عثمانی دور میں اسے دار شیخ الحرم بھی کہا جاتا تھا۔دار سیدنا عثمانؓ کے چھوٹے حصے (دار الصغریٰ) میں بھی ایک رباط قائم تھی جسے مراکشی حجاج نے تعمیر کروایا تھا اور رباط سیدنا عثمان کہلاتی تھی۔(۱۳)

دار سیدنا ابو بکر الصدیقؓ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے یار غار اور سیدنا صدیق اکبرؓ کو دار عثمان الصغریٰ کے سامنے جگہ عطا کی تھی جہاں انہوں نے اپنا مکان بنوایا۔(غربی جانب ان کا ایک چھوٹا سا مکان بھی تھا جس کو خوخہ ابو بکر صدیقؓ کہا جاتا تھا جو کہ اس مکان کے علاوہ تھا) خلیفۃ رسول اللہ ﷺ بن جانے کے بعد وہ اسی مکان میں مقیم رہے تھے۔انہوں نے اپنا دوسرا مکان (خوخہ ابو بکرؓ) ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے ہاتھ ۴۰،۰۰۰ درہم میں بیچ دیا تھا۔پھر تاحیات مشرقی جانب والے مکان میں رہے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔مرور ایام سے اس مکان کی ملکیت میں تبدیلی آتی رہی اور بالآخر دار ریطہ میں ضم ہو گیا جہاں زاویہ سمان قائم تھا۔اس کے علاوہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا ایک اور گھر اعوالی میں السنح کے محلے میں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

دار ریطہ

باب النساء کے مقابل ریطہ بنت ابی العباس السفاح کا مکان تھا۔جنوبی جانب اس کے مقابل دار سیدنا ابو بکر صدیقؓ تھا جہاں خلیفہ الراشد الاول کا انتقال ہوا تھا۔بعد میں یازکوج نامی ایک شامی شہزادے نے اسے خرید لیا تھا اور اس جگہ ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ الحنفیہ'' قائم کر دیا تھا جسے عرف عام میں مدرسہ یازکوجیہ کہا جاتا تھا۔اس نے بھی یہ وصیت کی تھی کے اس کے مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ طیبہ لاکر اسی جگہ دفن کی جائے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(۱۴)

اس مکان کے متعلق عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں: ''دار ریطہ آج کا زاویہ سمان ہے۔یہ بہت ہی وسیع مکان ہے جس کا دروازہ باب النساء کے سامنے ہے۔مطری نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مکان دراصل دار سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہے مگر امام سمہودیؒ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ دار ابو بکر صدیقؓ اس مکان کے پچھواڑے میں دار عثمان الصغری کے مقابل تھا جہاں کسی زمانے

مکتبہ عارف حکمت
(دارِ آلِ حسنؓ)

میں زاویہ شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ تھا جو کہ بعد میں زاویہ سمان کہلانے لگا تھا۔ لیکن مرورِ ایام سے یہ دونوں مکان ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے اور مدینہ طیبہ کے سلسلہ قادریہ کے شیوخ 'السمان' یہاں رہائش پذیر تھے۔ یوں رفتہ رفتہ زاویہ شیخ عبدالقادر جیلانی ''زاویہ سمان'' کہلانے لگ گیا تھا۔ اسی مکان کے ایک حصے میں بعد میں پاکستان ہاؤس قائم ہو گیا تھا۔

دارِ عبداللہ ابن عمر بن الخطابؓ

جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو جنوب کی جانب وسعت دینے کے لیے چند مکانات کی اراضی کو خریدنا پڑا۔ اس توسیع میں حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ بھی متاثر ہوا تھا۔ باہمی مفاہمت سے ان سے حجرہ مطہرہ کا کچھ حصہ لے کر جنوب میں اس سے ملحقہ زمین تبادل میں ان کو دے دی گئی پہلے یہ خالی زمین ہوا کرتی تھی اور یہاں کھجوروں کے سکھانے کے لیے ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا۔ حجرہ مطہرہ کے بدلے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کو اس جگہ پر مکان تعمیر کروا دیا گیا جہاں وہ تاحیات مقیم رہیں۔ تاہم اپنے انتقال سے پہلے انہوں نے وہ مکان اپنی چچیری بہن (حضرت زید بن الخطاب کی صاحبزادی) کو تاحیات ہبہ کر دیا تھا۔ (۱۵) ان کے انتقال کے بعد یہ مکان حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حصے میں آ گیا اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل وہیں آباد رہی۔ اسی لیے اس مکان کو دارِ آلِ عمرؓ کہا جاتا تھا۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا تو یہ مکان ایک بار پھر توسیع کی زد میں آ گیا۔ انہیں اس کا مزید کچھ حصہ جانب قبلہ کو وسیع کرنے کے لیے درکار تھا۔ بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ انہیں مزید باہر کی طرف کچھ جگہ دے دی جائے اور اس کے بدلے میں وہ حجرہ مطہرہ کی جانب کا حصہ دینے پر تیار ہو گئے بشرطیکہ ان کے مکان سے ایک خوخہ یا گزرگاہ سیدھی حجرہ شریف تک بنا دی جائے۔ چنانچہ ایک سرداب کے ذریعے اس مکان کو اندر تک رسائی دے دی گئی تھی۔ اس اتفاق کے بعد آلِ عمرؓ ہمیشہ اسی مکان میں رہے۔ عبدالقدوس الانصاری کے بیان کے مطابق جب ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۳۴ء) میں انہوں نے اس مکان کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ عمارت بہت بوسیدہ ہو چکی تھی اور دیکھنے میں یہ گھر کم مگر مدرسہ زیادہ لگتا تھا۔ صحن میں ایک خشک اور متروک کنواں اور ایک قدیم درخت بھی تھا۔ یہ مکان بہت سے کمروں پر مشتمل تھا جن کو مسجد نبوی شریف کے لیے بطور سٹور استعمال کیا جاتا تھا۔ مواجہ شریفہ تک آنے جانے کے لیے ایک سرنگ (سرداب) تھی جو کہ محراب عثمانی کے پاس

دارآل حسن (عارف حکمت لائبریری) جو مسجد نبوی شریف کے ماڈل میں تو موجود تھا مگر تعمیر کے وقت ختم کر دیا گیا ہے

سے گزرتی تھی.

سن ستر کی دہائی میں اسے مسمار کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک سڑک نے لے لی جو کہ جانب قبلہ کے آگے سے گزرتی تھی. تاہم بعد میں جب توسیع حرم نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ شروع ہوا تو اس کی جگہ ایک طویل و عریض ہال تعمیر کر دیا گیا جو کہ دیوار قبلہ سے متصل شرقاً غرباً جاتا ہے. اب وہاں جنازے کے لیے آنے والی میتیں رکھی جاتی ہیں اور کچھ حصہ بڑی شخصیتوں کے لیے مدخل کا کام دیتا ہے. درمیان میں جنوبی جانب سے ایک دروازہ بھی بنا دیا گیا ہے جو امام صاحب اور دیگر ممتاز شخصیتوں کی گزرگاہ کے طور پر مختص ہے. تاہم وہ خوخہ جو کہ شباک آل عمرؓ کے نام سے مشہور تھا اس کی جگہ مواجہ شریف کے مقابل ایک خوبصورت کھڑکی ہے جہاں اس وقت محراب عثمانی کی بائیں جانب ٹی وی کے بڑے بڑے کیمرے نصب ہیں.

دار حسن بن زید (دار آل حسنؓ)

یہ گھر دار ابوایوب انصاریؓ اور دار جعفر الصادقؒ کے مقابل واقع تھا. سمہودیؒ کے مطابق دار جعفر الصادقؒ دار ابوایوب انصاریؓ سے متصل جانب قبلہ ہوا کرتا تھا جب کہ دار حسن بن زید ان دونوں کے مقابل غربی جانب تھا اور ان کے درمیان ایک گلی حد فاصل تھی. دراصل شروع میں یہ ایک اطم کی طرز پر بنایا گیا تھا مگر جب حسن بن زید بن الحسنؓ وہاں منتقل ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے از سر نو ایک عام گھر کی طرز پر بنایا. بعد میں ایک اور مرحلہ آیا جب کہ اس مکان میں شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری قائم کر دی گئی جو کہ مدینہ طیبہ کی بہترین قدیم لائبریریوں میں شمار ہوتی تھی جس میں بہت ہی نادر قلمی نسخے موجود ہوا کرتے تھے. اس لائبریری پر یک گنبد بنایا گیا تھا. تاہم مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے تحت اسے مسمار کر کے تمام علاقہ کھول دیا گیا اور اس میں موجود علم کے موتی مکتبۃ الحرم میں منتقل کر دیئے گئے.

دار حضرت امام جعفر الصادقؒ

ابتداء میں یہ گھر حضرت حارثہ بن النعمان الانصاریؓ کی ملکیت تھا. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کے اور بھی کچھ گھر تھے جو کہ مسجد نبوی شریف سے متصل تھے. یہ گھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر سے متصل جنوب کی طرف تھا اور اس لیے زیادہ مشہور تھا کہ اس جگہ سرکار دو عالم ﷺ کے اہل خانہ (ام المومنین سیدۃ سودہؓ اور سیدات الطاہرات سیدۃ زینبؓ و سیدۃ النساء بتولؓ بنات الرسول ﷺ) نے

ہجرت کے بعد وہاں کچھ دیر قیام فرمایا تھا اور پھر جب ان کے حجرات مبارکہ بن کر تیار ہو گئے تو تمام اہل خانہ اس مکان سے منتقل ہوئے تھے۔ بعد میں اسی مکان میں ناقہ رسول مقبول ﷺ قصویٰ بندھا کرتی تھی اور یہیں مبرک ناقہ بھی تھی جو صدیوں تک قائم رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں یہ مکان حضرت حسن بن الحسنؒ (حسن مثنیٰؒ) کو ان کے آبائی حجرہ مبارکہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے عوض دے دیا گیا۔ اہل بیت الطاہرہ کی ملکیت میں یہ مکان مختلف اصحاب کے پاس رہا اور آخر کار اس مکان میں حضرت جعفر الصادقؒ مقیم ہو گئے جنہوں نے اس میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کر دی تھی۔ اسی مقام پر حضرت جعفر الصادقؒ درس دیا کرتے تھے۔

فاطمیوں کے دور میں ایک بار ان کے مسیح کمانڈوز نے اس گھر پر حملہ کر دیا اور تبرکات اہل بیت میں سے جو بھی ان کے ہاتھ لگا جن میں حضرت جعفر الصادقؒ کے قلمی مخطوطے بھی شامل تھے لے کر مصر بھاگ گئے۔ صدیوں تک یہ گھر دار جعفر الصادقؒ کے نام سے ہی مشہور رہا۔ بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسے شیخ احرم شاہین الجمالی الشجاعی نے خرید لیا اور اسے اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ دائرۃ الاوقاف المدینۃ المنورہ کے ریکارڈ کے مطابق ۱۲۵۵ ہجری میں اسے وقف جائیداد تسلیم کر لیا گیا اور پھر اس کے بعد اسے دار نائب الحرم کہا جانے لگا۔ جب نائب الحرم کا عہدہ سعودی دور میں ختم کر دیا گیا تو اس مکان کو کرائے پر اٹھا دیا گیا۔ اب اس کا نشان تک بھی باقی نہیں ہے کیونکہ اب یہ تمام علاقہ ہموار کر کے کھلا ایریا بنا دیا گیا ہے۔

دارالقضاء (دار قضاء الدین) اور غربی جانب دوسرے مکانات

یہ گھر جو کہ خوخہ سیدنا ابوبکرؓ سے متصل اس کی غربی جانب ہوا کرتا تھا سیدنا عمر فاروقؓ کی ملکیت تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق اس گھر کو ان کے قرضہ جات چکانے کے لیے بیچ دیا گیا تھا جو کہ وقت شہادت ان کے ذمہ واجب الادا تھے۔ اسے حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ نے خریدا تھا۔ چونکہ یہ گھر ایک خاص مقصد کے لیے فروخت کیا گیا تھا یعنی قرضہ جات کی ادائیگی (قضاء الدین) کے لیے اس لیے یہ گھر ابتداء میں تو دار قضاء الدین کے نام سے مشہور ہوا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے صرف دار القضاء کہا جانے لگا۔ شہادت کے وقت سیدنا عمر فاروقؓ کے ذمہ کچھ قرضہ جات واجب الادا تھے جس کے لیے انہوں نے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ اور اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کا قرضہ ادا کرنے کے لیے وہ گھر بیچ دیا جائے جسے اس وقت حضرت معاویہؓ نے خرید لیا۔ (۱۷) بعد میں کچھ عرصہ وہاں دار المال اور دیوان کے دفاتر بھی قائم رہے۔ (۱۸) چند روایات اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ اسی گھر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیسرے خلیفہ راشد کے چناؤ کے لیے تحکیم کی تھی اور اس سلسلے میں جتنے اجلاس بھی ہوئے اسی مقام پر ہوئے اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ابتدائی بیعت بھی اسی مکان میں ہوئی تھی۔ (۱۹) عربی میں قضاء کا ایک مطلب فیصلہ کرنا بھی ہے۔ چونکہ خلافت راشدہ کا فیصلہ بحق سیدنا عثمانؓ بھی اسی جگہ ہوا تھا اس لیے بھی اس مکان کو 'دار القضاء' کہا جانے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے۔ (۲۰) روایات کے مطابق بعد میں اس مکان کو سیدنا عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ سے خرید لیا تھا۔

جب عباسیوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو ابوالعباس السفاح کے ماموں نے اس گھر کو مسمار کر کے اسے مسجد نبوی شریف کے ساتھ ملحق کر دیا جو کہ ایک کھلے صحن کی شکل میں تھا جو باب السلام سے لے کر باب الرحمہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ جب ۱۳۸ ہجری میں زید بن عبداللہ مدینہ طیبہ کے گورنر ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے ایک ملحق (Annexe) کی شکل دے دی جس کا دروازہ مسجد نبوی شریف میں کھلتا تھا۔ (۲۱) بعد میں ۸۸۸ ہجری میں اسی جگہ مدرسہ اشرفیہ قائم ہوا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے یہاں شرعی عدالت (محکمہ الشرعیہ - قضاء المدینہ) بھی قائم ہوئی جسے ترکوں کے دور میں باہر منتقل کر کے اسے مدرسہ المحمودیہ بنا دیا گیا۔ (۲۲)

زاویہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (زاویہ الشمعدان) کا دروازہ تصویر ۱۹۴۳ء

در الفتناء سے غربی جانب متصل ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جو کہ عبداللہ بن علی بن عوف بن عبدالحارث بن زہرہ کی ملکیت تھا جو کہ انہیں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ہبہ کر دیا تھا یہ وہی گھر تھا جس کے متعلق اس کے پہلے مالک نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی تھی کہ جب سے وہ اس مکان میں منتقل ہوئے تھے انہیں نظر بد نے آلیا تھا اور ان کا خاندان تتر بتر ہو گیا تھا ور ان کی امیری غربت و افلاس میں بدل گئی تھی، جس پر رسول اللہ ﷺ نے رشاد فرمایا تھا کہ [یہ گھر چھوڑ دو۔ یہ منحوس گھر ہے (یعنی اس گھر کی نحوست کے سب تم پر یہ افتاد پڑی ہے)۔(۲۳)

اس کے قریب ہی ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جسے دار الکبریٰ کہا جاتا تھا۔اس مکان کی اہمیت یہ تھی کہ یہ پہلا گھر تھا جسے کسی مہاجر اصحابی نے سب سے پہلے بنایا تھا اور اس کی بنیاد رسول مقبول ﷺ نے بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مہمان اسی گھر میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ یہ وہی گھر ہے جہاں سے ایک مہمان رات کی تاریکی میں اس گیسٹ ہاؤس کی کچھ چیزیں چرا کر لے گیا تھا جس کی شکایت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کی تھی۔

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا 'فارع' نامی اطم بھی مسجد نبوی شریف کی اسی جانب واقع تھا جس کے گرد بعد میں سیدۃ سکینہ بنت الحسینؓ اور جعفر بن یحیی البرمکی نے اپنے گھر بنائے تھے۔(۲۴) یہ گھر انداز اباب الرحمہ کے مقابل کچھ فاصلے پر ہوا کرتے تھے۔ سمہودیؒ کے بیان کے مطابق یہ مکان جعفر برمکی کی حویلی کے اندر آچکا تھا جو کہ باب الرحمہ کے مقابل تھی۔ اسی اطم کے سائے میں رسول اللہ ﷺ کے آرام فرمانے کی روایت بھی ملتی ہے۔ (خلاصہ الوفاء، ص ۵۸۹) اسی جانب ذرا مزید آگے کی طرف حضرت سعد بن ابووقاصؓ کے دو گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں حضرت ابی رافعؓ غلام سید الابرار سرور کونین ﷺ نے ایک چھوٹی سی دوکان کھول لی تھی۔(۲۵)

دار خالد بن الولیدؓ

یہ گھر بھی دراصل حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی آبائی جائیداد میں سے تھا اور انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دیا تھا۔ جب حضرت خالد بن ولید حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا کچھ حصہ ان کو عطا کر دیا۔(۲۶) یہ جگہ مسجد نبوی شریف کے گرد دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات سے چھوٹی تھی جس کے لیے حضرت خالد بن ولید نے سرکار دو عالم ﷺ سے استدعا کی تھی مگر چونکہ اس وقت رہائشی اراضی کی شدید قلت ہو چکی تھی تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں یہ فرما کر جواب دے دیا کی اس گھر کو افقی طور پر پھیلانے کی بجائے آسمان کی طرف بڑھا لیا جائے (یعنی کثیر المنزلی بنا لیا جائے)۔(۲۷) اگرچہ حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق منتقل ہو گئے تھے مگر یہ گھر انہیں کے لواحقین کے قبضہ میں رہا تاہم مدت مدید کے بعد اس مکان میں ایک رباط بنا دی گئی جسے رباط السبیل کہا جاتا تھا۔ بعض لوگ اسے رباط خالد بن الولیدؓ بھی کہتے تھے۔ اس کے اوپر بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا تھا۔ جنگ عظیم اول میں فخری پاشا نے اس رباط اور گنبد کو مسمار کروا دیا تھا۔(۲۸)

اس گھر کے عقب میں دار عمرو بن العاصؓ ہوا کرتا تھا جو کہ فاتح مصر اور بطل اجنادین حضرت عمرو بن العاصؓ کی ملکیت ہوا کرتا تھا۔

دار مروان بن الحکم

یہ گھر مسجد نبوی شریف کی جانب قبلہ کی دیوار سے متصل جنوب مغربی کونے میں واقع تھا. جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو ان کو مسجد کو جنوبی جانب بڑھانے کی غرض سے بنی ہاشم کے چند مکانات یا ان کے کچھ حصے خریدنے پڑے تھے. یہ مکان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا تھا. اس مکان کا کچھ حصہ مسجد شریف میں آ گیا اور باقیماندہ حصہ پر آل عباس قابض رہے مگر بعد میں جب مروان بن الحکم گورنر مدینہ طیبہ بنا تو اس نے وہ حصہ ان سے خرید لیا اور یوں یہ گھر دار مروان بن الحکم کہلانے لگا. بحیثیت گورنر وہ اس مکان میں رہائش پذیر رہا تھا. اس کے بعد بھی اس گھر میں بنوامیہ کے امراء اور گورنر یہاں رہتے رہے اور یوں یہ گھر ایک طرح کا گورنر ہاؤس بن گیا تھا. اگر خلیفہ وقت مدینہ طیبہ آتے تو بھی اسی مکان میں ٹھہرتے تھے. عباسی دور کے شروع میں حضرت امام مالکؒ بھی اس مکان میں رہے اور اسی مکان میں وہ تاحیات درس حدیث و فقہ دیتے رہے. ۶۶۸ ہجری میں سلطان قلاوون نے یہاں ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا جو کہ مدرسہ بشیریہ کہلاتا تھا جہاں کے فارغ التحصیل عالم اسلام کے بہت ہی مشاہیر علماء ہوئے ہیں.

دار ابو ہریرہؓ اور دار سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف اور مصلاۃ العید (مسجد الغمامہ) کے درمیان ہوا کرتا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اسی گزرگاہ سے جاتے جہاں سے گزرتے وقت ان کا مکان رسول اللہ ﷺ کے بائیں ہاتھ پڑتا. (۳۰) نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور معمول یہ تھا کہ جب مسجد العید تشریف لے جاتے تو جاتے وقت ایک گزرگاہ سے تشریف لے جاتے اور جب واپس لوٹتے تو دوسرا راستہ اختیار فرماتے. ایک حدیث مبارکہ میں روایت ہے کہ ایک بار نماز عید کے لیے جب سرور کائنات ﷺ نکلے تو راستے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے گھروں کو شرف زیارت اور سعادت بخشا. (۳۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں کے گھر دو مختلف گزرگاہوں پر واقع تھے اور دونوں مسجد نبوی شریف اور مسجد مصلّیٰ کے درمیان ہوا کرتے تھے. تاہم بعد میں جب حضرت ابو ہریرہؓ حضرت معاویہؓ کے دور میں گورنر مدینہ ہوئے تو انہوں نے اپنے لیے ایک محل وادی مکیمین میں بنا لیا تھا جو کہ وادی العقیق کی ایک شاخ ہے اور شہر حبیب کے جنوب میں واقع ہے جہاں آج بھی ان کے محل کے کھنڈرات موجود ہیں. اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی ایک محل وادی العقیق میں تھا جہاں حضرت معاویہؓ کے دور میں ان کا انتقال ہوا تھا.

دار مروان بن الحکم اور مسجد المصلّیٰ (مسجد الغمامہ) کے درمیان ۰۰۰، اذرع (۵۰۰ میٹر) کا فاصلہ تھا. اس جانب جن دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر ہوا کرتے تھے ان میں حضرت مطیع بن الاسودؓ کا گھر بھی تھا جو کہ دار العنقاء کہلاتا تھا. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے حضرت حسان بن ثابتؓ کا اطم 'افراع' بھی باب الرحمہ کی سیدھ میں ہوا کرتا تھا. غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے خواتین اور بچوں کی حفاظت کے لیے مختلف اطموں میں ٹھہرا دیا تھا تاکہ یہود کوئی گڑبڑ نہ کر سکیں. سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ، عمۃ الرسول ﷺ، کو چند دیگر خواتین کے ساتھ حضرت حسان بن ثابت کے اسی اطم میں ٹھہرایا گیا تھا اور جب ایک یہودی نے اس اطم پر چڑھنے کی کوشش کی تو انہوں نے تلوار سونت لی اور اس کا کام تمام کر دیا اور یوں تاریخ اسلام میں وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے کسی غزوے کے دوران کسی کافر کو ہلاک کیا تھا.

چونکہ مسجد نبوی شریف سے مسجد الغمامہ تک کے تمام علاقے پر پکا فرش بنا دیا گیا تھا اس لیے اسے البلاط کہا جاتا تھا بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی جانب اپنے گھر بنائے ہوئے تھے (جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) ان میں سے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات صدقہ کے طور پر 'وقف لاولاد' کر دیئے تھے (یعنی ایسے گھر جو کہ ان کی اولاد کے تصرف میں تو رہے مگر وہ انہیں فروخت یا ہبہ کرنے کے مجاز نہ تھے) مزید برآں چونکہ 'سوق مدینہ طیبہ' اسی جانب واقع تھا یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ غربی جانب بہت سے گھروں میں دکانیں بن گئی تھی، جیسے کہ ان میں سے ایک گھر 'دار الفاکہہ' کہلاتا تھا مسجد الغمامہ سے مزید مغرب کی جانب قبیلہ بنی غفار کے گھر ہوا کرتے تھے. (۳۳) ان میں سے کئی مکانات ایسے بھی تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا زیادہ بار نماز ادا کی تھی کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے اکثر ان کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اگر ایسے میں وقت نماز آ جاتا یا اہل خانہ خاص طور پر یہ درخواست کر دیتے تو وہیں نماز بھی ادا کر دیتے تھے.

مسجد نبوی شریف کی جنوبی طرف بھی گنجان آباد علاقہ تھا. مسجد سے متصل اسی طرف تو بنی ہاشم کے مکانات تھے جن میں حضرت عباس بن عبد المطلبؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، سید الشہداء حضرت حمزہؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ وغیرہ. ان میں سے اکثر مکانات توقتاً فوقتاً مسجد شریف کی توسیع میں کام آتے رہے جس کی تفصیل مسجد نبوی شریف کے زمرے میں دی گئی ہے. ان میں سے بہت سے مکانات کی بنیادیں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارکہ سے رکھی گئی تھیں جیسا کہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا مکان تھا جس کا پرنالہ تک رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے حضرت عباسؓ کے کندھے پر کھڑے ہو کر نصب فرمایا تھا. حضرت عمار بن یاسرؓ کا مکان سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں توسیع کے کام آیا تھا جس کے بدلے سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کو اسی جانب ذرا فاصلے پر زمین دے دی تھی. جب حضرت عمار بن یاسرؓ جہاد شام پر نکلے تو میدان جنگ سے حضرت عمر فاروقؓ کو درخواست بھیجی کہ ان کا گھر تعمیر کر دیا جائے. چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا گھر ان کی جہاد سے واپسی سے پہلے اپنی نگرانی میں تعمیر کروا دیا. (۳۴)

اسی جانب ذرا آگے بنی زریق کا قبیلہ آباد تھا جہاں حضرت ابن ام مکتومؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ اور ابو سفیانؓ کے مکانات بھی تھے. جہاں آج کل 'سوق الحرم' کے نام کا بازار ہے وہاں بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسا کرتے تھے. انہیں گھروں میں ایک مکان رویشد الثقفی کا بھی تھا جہاں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اس گھر میں شراب کشید کیا کرتا تھا. جونہی سیدنا عمر فاروقؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس تمام گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیا تھا. (۳۵)

حواشی

(۱) حافظ ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج۔۳، ص ۱۷۷
(۲) حافظ ابن نجار، لدرۃ الثمینہ فی تاریخ لمدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۵، ص ۲۳۳
(۳) صحیح بخاری، ج۔۳، نمبر ۱۱۱
(۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ص:۷۹۳
(۵) ابی تراب الظاہری، الآثار المتفیٰ لقصہ ہجرۃ المصطفیٰ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص۔۴۸
(۶) عبد القدوس لانصاری، آثار المدینۃ لمنورہ، مدینہ طیبہ، چوتھا ایڈیشن، ص۔۲۵
(۷) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۲۵۹
(۸) ابن ضیاء المکی۔ محمد بن محمد بن احمد ابن ضیاء المکی (ت:۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفہ، المسجد احرام و مدینۃ الشریف والقبر الشریف، مکتبۃ التجاریہ، مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۶۳
(۹) یوسف عبد الرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۱، ص:۱۹۹
(۱۰) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص:۴۶۱
(۱۱) جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ ہجری)، ص:۳۶
(۱۲) ایضاً، ص ۳۵
(۱۳) یوسف عبد الرزاق، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۱-۲۰۰
(۱۴) المطری، ص:۳۶
(۱۵) الموطاء امام مالک، باب ۳۶، ۴۵-۳۷
(۱۶) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۲۶۰
(۱۷) ابن شبہ، ج:۱، صفحات:۲۳۳-۲۳۴
(۱۸) ایضاً، ص ۲۳۳
(۱۹) الشیخ جعفر بن اسماعیل لمدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، ص:۲۳۳
(۲۰) ایضاً
(۲۱) ابن شبہ، ج:۱، ص ۲۳۳
(۲۲) ایضاً، ص۔۲۳۴
(۲۳) ایضاً، ص:۲۳۵
(۲۴) ایضاً، صفحات۔ ۲۷۵-۲۷۶
(۲۵) ایضاً، ص:۲۳۵
(۲۶) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵، ج۔۴، ص ۲۵۳
(۲۷) ابن شبہ، ج ۱، ص ۲۴۴
(۲۸) یوسف عبد الرزاق، ص:۲۰۳
(۲۹) ایضاً
(۳۰) ابن شبہ، ج ۱، ص:۳۶
(۳۱) ایضاً، ص:۱۳۷
(۳۲) ایضاً، صفحات:۲۵۷-۲۵۸
(۳۳) ایضاً، ص ۲۶۱
(۳۴) ایضاً، صفحات:۲۴۵-۲۴۶
(۳۵) ایضاً، صفحات:۲۴۹-۲۵۰

اور وقف مکانوں کی تفصیل

﴿ یاایہاالذین آمنوااصبروادصابروارابطواواتقواللہ لعلکم تفلحون ﴾ صدق اللہ العظیم

اے ایمان والوصبر کرواور صبر میں دشمنوں سے آگے رہواور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرواور اللہ سے ڈرتے رہواس امید پر کہ کامیاب ہو۔(۱)

جیسا کہ ہم نے اس سے پچھلے باب میں بیان کیا ہے کہ وہ مکانات جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسجد نبوی شریف کے ارد گرد تعمیر کیے تھے اکثر و بیشتر انہیں کے لواحقین کی وراثت میں نسل در نسل منتقل ہوتے رہے تھے تاہم ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کہ دوسرے اشخاص کے ہاتھ بک گئے تھے مگر ایسے تمام مکانات اپنے اصل مالکوں کی نسبت سے صدیوں تک پہچانے جاتے رہے مثلاً دار آل عمرؓ، دار آل عثمانؓ، دار خالد بن الولیدؓ وغیرہ۔ یہود کے ساتھ غزووں کے بعد جب انہیں یا تو مدینہ بدر کر دیا گیا یا پھر ختم کر دیا گیا تو ان کی اراضی، باغات اور مکانات مال غنیمت کے طور پر یا تو مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دی گئیں یا پھر ان میں سے جو فے اور خمس کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبضہ و اختیار میں آئیں وہ رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر رہیں ان میں سے تقریباً تمام جائیدادیں صدقات النبی ﷺ کے طور پر وقف ہو گئیں حتی کہ وہ جائیداد بھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مختص کی تھی (مثلاً باغ فدک) ان سے بھی صرف امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کا کم سے کم خرچہ رکھ جاتا تھا اور باقی کی آمدنی امت اسلامیہ کے دفاع یا رفاہ پر صرف کی جاتی تھی۔ اتباع رسول مقبول ﷺ میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنی تمام جائیدادوں کو 'صدقات' کے طور پر وقف کر دیا تھا۔ ایسا تصدق صرف النبی مال غنیمت سے حاصل ہونے والی جائیدادوں پر ہی موقوف نہیں تھا بلکہ جیسا کہ حضرت ابو طلحہؓ نے بیرحاء کے معاملے میں کیا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس معاملے میں تو اپنی آبائی جائیدادوں کو بھی وقف اور تصدق کرنے سے گریز نہیں کیا۔ صدقات نبوی میں سرفہرست 'الفقیر' الفقیر' نامی کھجوروں کا باغ تھا جو کہ دراصل بستان فارسیؓ ہی کا اصل نام تھا (بعض روایات کے مطابق الفقیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا صدقہ تھا) جو کہ بنو قریضہ کے خاتمے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آ گیا تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی نگرانی میں امت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے وہ باغ جو کہ غزوہ بنی نضیر کے بعد انہیں عطا ہوا تھا اسے تصدق (وقف) کر دیا تھا ایسے ہی ایک اور باغ جو کہ ابھی چند سال پہلے تک موجود تھا وہ صدقہ عباس بن عبدالمطلبؓ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وقف باغات چودہ سو سال سے وقف حیثیت سے ہی موجود رہے ہیں اور ہر آنے والی حکومت ان کی دیکھ بھال کی ذمہ دار تھی کیونکہ عامۃ الناس کی امانت کے وہی امین ہوا کرتے تھے۔ یہ آج بھی موجود ہیں مگر کس مپرسی کے عالم میں اپنے آخری سانس لے رہے ہیں۔ اپنی جانوں کے علاوہ اپنا مال و متاع تصدق کرنے میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ [میں کسی ایسے مہاجر یا انصار آدمی کو نہیں جانتا جس نے اپنی جائیداد میں سے کچھ نہ کچھ تصدق نہ کیا ہو۔] امام شافعیؒ کے قول کے مطابق جسے البیہقی نے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ پر ہمارے ماں باپ فداء ہوں۔ آپ حضور ﷺ کا صدقہ موجود ہے۔ اس کے پاس ہی حضرت زبیرؓ کا صدقہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا صدقہ بھی موجود ہے، اور ایسے ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور سیدۃ فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صدقات ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار صدقات ہیں جو کہ اصحابہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تھے اور جو کہ ابھی تک مدینہ طیبہ اور اس کے مضافات میں موجود ہیں'' (سمہودی، صفحات: ۹۹۸-۹۹۹)۔

ابن شبہ نے تو اس وقف نامے کا پورا متن اپنی تاریخ مدینہ میں دے دیا ہے جو کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تحریر کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا وہ وقف شدہ گھر نہ تو بذریعہ وراثت اور نہ ہی کسی بیعنامہ کی رو سے ان کے ورثا میں منتقل ہوا مگر یہ کہ وہ ان کی اولاد کے قبضہ و اختیار میں رہا تا کہ وہ اسے صدقہ و خیرات کے کاموں کے لیے استعمال کر سکیں۔ (۲) تاریخ اسلام میں شاید یہ سب سے اولیں وثیقہ وقف نامہ ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صدقات کے متعلق یہ تحریری حکم دیا تھا: [یہ جائیدادیں وراثت میں منتقل نہیں ہوں گی اور نہ ہی ان کا ہبہ کیا جا سکے گا، مگر یہ صرف مساکین اور دور و نزدیک سے آنے والے غریب الدیار مسافرین (ابناء السبیل) کے لیے وقف رہیں گی۔ یہ امر زمانہ امن و جنگ دونوں میں یکساں طور پر نافذ العمل رہے گا۔ ان کا انتظام و انصرام صرف وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ

عمارۃ غوات کا وہ گنجان آباد علاقہ جو مدینہ طیبہ کی قدیم ترین رہائشی عمارتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا اور جہاں زیادہ تر رہائشیں واقع تھیں

نے اپنی زمین پر حکومت کا حق دیا ہوگا۔] (۳)

تقوی اور پرہیزگاری کی یہ مثالیں سامنے رکھتے ہوئے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات اور اراضی صدقہ کے طور پر وقف کردی تھیں۔ تاریخ مدینہ طیبہ میں صدقات حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، صدقات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، صدقات حضرت زبیر بن العوامؓ بہت ہی شہرت کے حامل رہے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بہت سے کنویں اور مکانات کو غرباء مساکین، ابناء السبیل (غریب الدیار مسافروں) اور اپنے ان اقرباء پر تصدق کر دیا تھا جو محتاج اور ضرورت مند تھے۔ (۴) ایسے صدقات نہ صرف مدینہ طیبہ کی حدود میں بلکہ مدینہ طیبہ کے باہر بھی واقع تھے اور ان میں مسافرین اور غرباء اور فقراء کے لیے مفت کھانے اور رہائش کا بندوبست کیا جاتا تھا تاکہ وہ شہر مقدس میں حاضری پر اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہ محسوس کریں۔

اسی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے مدینہ طیبہ میں بعد کے ادوار میں بھی یہ رجحان قائم رہا اور لوگ اپنے گھروں کو وقف قرار دے دیا کرتے تھے۔ تاریخ کے جھروکوں سے جھانکنے پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایسے تمام مکانات جو کہ وقف کر دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر مسجد

نبوی شریف کے مرکز انوار کی شرقی، جنوبی اور شمالی جوانب ہوا کرتے تھے. صاحب ثروت لوگ یا امراء ورؤساء اس معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس بقاع مبارکہ کے مرکز انوار وتجلیات کے نواح میں کوئی نہ کوئی مکان لے کر تصدق کیا جائے.

وہ بہت سے مکانات یا عمارتیں جو کہ ماضی میں کسی نہ کسی اصحابی جلیل یا کسی بڑی شخصیت کے نام سے منسوب تھیں مختلف ہاتھوں میں خرید وفروخت ہوتی رہیں. ایسی عمارات کو خریدنے کا زیادہ تر رجحان بنوامیہ کے دور میں شروع ہوا اور پھر عباسیوں اور مملوک دور تک محیط رہا ایسی ایک مثال ''دار عاتکہ'' کی ہے جو کہ باب الرحمہ کے سامنے ایک گھر تھا جو ایک مکی صحابیہ سیدۃ عاتکہؓ نے خریدا اور پھر مختلف ہاتھوں میں بکتا بکاتا عباسی دور میں جعفر برمکی کی ملکیت میں چلا گیا. پانچوں صدی کے بعد ہمیں ان عمارتوں کی خرید وفروخت میں تیزی کا ایک خاص رجحان نظر آتا ہے کہ کثر نے مشتریان اور مالکان انہیں محض اس وجہ سے خریدنے لگ گئے تھے تا کہ وہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں فلاح عامہ کے لیے ان کو وقف کر سکیں. ان تمام صدقات اور اوقاف کو ''رباط'' (جمع اربطہ) کہا جاتا تھا. ایسی تمام رباطیں غرباء اور مساکین کے لیے پناہ گاہوں (Assylumn) سے کم نہیں تھیں کیونکہ ان میں رہنے والوں کو مفت رہائش اور دو وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا تھا.

ایسی رباطیں اور وقف مکانات مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب کثرت سے معرض وجود میں آئے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روز اول سے اس جانب مسجد نبوی شریف کی توسیع بہت ہی معمولی حد تک ہوئی تھی اور مخیر حضرات یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب تھے کہ ان کے بنائے ہوئے اوقاف تا بہ ابد قائم رہیں گے. آخری توسیع کے وقت اس علاقے میں پائی جانی والی رباطوں میں بعض رباطیں آٹھ یا نو سو سال پرانی تھیں دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ خدام حرم نبوی الشریف (آغاصاحبان-اغوات) زیادہ تر اسی جانب حارۃ الاغوات میں رہائش پذیر تھے اور لوگ خدام حجرہ مطہرہ کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجالانا چاہتے تھے. عبدالقدوس الانصاری کی تحقیق کے مطابق ان میں سے ایک رباط کے دریچے پر نصب لوح سنگ کے الفاظ کچھ یوں تھے: ''اس مبارک رباط کو وقف فی سبیل اللہ کے طور پر فقیر یاقوت المظفری المنصوری امیر دینی نے فقراء، مساکین اور غریب مردوں کے لیے (نہ کہ خواتین کے لیے) بنایا ہے. اللہ تعالی ان کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس عطا کرے۔ مورخہ ۷۰۶ ہجری'' وہ مزید رقمطراز ہیں کہ اس عمارت کی شکل وشباہت اور کہنہ طرز تعمیر کی بناء پر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ رباط آٹھویں صدی ہجری میں رائج مدنی طرز تعمیر کی عکاسی کرتی تھی. (۵) ایسی ہی چند رباطیں مغربی جانب بھی تھیں.

ان وقف عمارتوں اور مجاوں (Assylumn) نے شہر حبیب میں تقوی اور سنجیدگی کے ماحول کو برقرار رکھنے میں بہت بلند کردار ادا کیا تھا مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے ہی علم کا گہوارہ اور تعلیم وتدریس کا مرکز رہا ہے اور اکناف عالم سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے اسی شہر مقدس کا رخ کرتے آئے ہیں اور اسی مرکز نور سے علم وعرفان کے پھوٹنے والے سوتے دین اسلام کو ایک غالب قوت کے طور پر زندہ رکھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوئے ہیں. اسی بقعہ نور سے فقہاء، علماء، عرفاء ومشائخ اپنے سینوں کو منور کر کے نیر تاباں کی طرح آسمان اسلام پر طلوع ہوتے رہے. کسی کے پاس زاد راہ نہ ہوتی اور کسی کے پاس نان ونفقہ کا فقدان ہوتا. مگر جونہی اس شہر نبوی کی فصیل کے اندر داخل ہو جاتے تو یہ رباطیں اور وقف ادارے اپنے دروازے اور وسائل ان پر کھول دیتے اور ان کی ذمہ داری اٹھ لیتے تھے. وقت کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے وقف اداروں نے تعلیم وتدریس کے لیے ان رباطوں میں مدرسے اور زاویے بھی قائم کر دیئے تھے تا کہ شہر نبی میں آنے والا علم کا متلاشی کہیں پیاسا نہ واپس لوٹ جائے. اس طرح یہ سب رباطیں ضیوف الرسول (رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں) کے لیے وقف تھیں.

بہت سے اوقاف اور رباطیں تو براہ راست اوقاف الحرم اور اوقاف المسجد سے منسلک ہو گئے تھے جب کہ دیگر خاندانی اوقاف کے

رہے میں آتے تھے یا پھر کسی نہ کسی خیراتی ادارے یا عمارت (کمپلیکس) سے منسلک تھے. رباط یا اوقاف مدنی طرز زندگی کا ایک جزو لاینفک
ن گیا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فصیل شہر سے باہر بننے والی حویلیاں اور احواش بھی اپنے احاطوں میں چند کمرے غرباء
مسافرین اور بناء السبیل کے لیے وقف کر دیتے تھے ان میں سے بعض تو صرف مردوں کے لیے مختص تھیں جب کہ مستورات کے لیے علیحدہ
ربطیں موجود تھیں کچھ ایسی بھی تھیں جن کے خالقین نے ان کی خدمات کو صرف صوفیاء کے لیے مختص کیا ہوا تھا. بعض رباطیں ملاقائی حجاج کے
لیے بھی ہو کرتی تھیں جہاں کسی خاص خطے یا ریاست سے آنے والوں کو ترجیح دی جاتی تھی ایسی رباطیں پاک و ہند اور وسط ایشیا کی چند
ریاستوں کے نوابوں اور والیوں نے قائم کی تھیں مثلاً رباط بہاولپور، رباط بھوپال، رباط حیدرآباد، رباط ترکستانی وغیرہ. کچھ ایسی بھی تھیں جہاں
کسی خاص مکتبہ فکر یا کسی خاص شیخ کے مریدین ہی آکر ٹھہر سکتے تھے مثلاً رباط پیر جماعت علی شاہ وغیرہ.

قدیم رباطوں میں سے زیادہ تر کی عمارتیں پتھر کی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں جن میں جپسم وغیرہ استعمال کیا گیا تھا کچھ ایک منزلہ تھیں اور
کچھ دو منزلہ بھی تھیں لیکن عبدالقدوس انصاری کے بیان کے مطابق مدینہ طیبہ میں تین منزلہ کوئی رباط تعمیر نہیں ہوئی تھی. ایسی تمام رباطیں جو کہ
حرم مسجد نبوی شریف میں صدیوں سے قائم تھیں وہ سب کی سب مسجد شریف کے توسیعی منصوبے سے متاثر ہوئیں اور مسمار کر دی گئیں ان میں
سے بعض رباطوں کی عمارتوں اور اراضی کے عوض جن کے خالقین ابھی بھی دوسرے ممالک میں موجود تھے مدینہ طیبہ میں دوسرے مقامات پر
وقف عمارتیں تعمیر کروادی گئی تھیں اور انہیں تجارتی بنیادوں پر کرائے پر دے کر ان سے حاصل شدہ رقم حرم مدنی کے کھاتے میں چلی جاتی ہے اور
یہ عمارتیں اوقاف مدینہ کے زیر انصرام ہیں. ایسی نئی تعمیر کی جانے والی وقف عمارتیں کثیر المنزلی ہیں اور جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں

اگرچہ بڑی بڑی قدیم رباطیں مسجد نبوی شریف کی توسیع کی وجہ سے معدوم ہو چکی ہیں مگر ابھی بھی چند ایک بعض علاقوں میں بچی ہوئی
ہیں عنابیہ کے علاقے میں بھی چند رباطیں تھیں مگر پچھلے دو سال سے وہ علاقہ بھی توسیع کی زد میں آگیا ہے اور وہاں موجود رباطیں راہی ملک
عدم ہو چکی ہیں اور سمانیہ میں موجود رباطیں اپنی باری اور ویزے کا انتظار کر رہی ہیں ڈاکٹر محمد شوقی ابراہیم کے سروے اور مہیا کردہ شماریات
کے مطابق مدینہ طیبہ کے قدیم شہر میں رہائشی عمارتوں کا ۲۴٪ حصہ وقف عمارات پر مشتمل تھا.(۶) مدینہ طیبہ کی موجودہ عمرانی ترقی سے پہلے دور
میں کل کتنی وقف عمارات اور رباطیں تھی اس کا اندازہ لگانا محال ہے لیکن اگر ہم ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کئے ہوئے اعداد و شمار پر انحصار کریں
تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں مدینہ طیبہ میں ۱۰۸ کے لگ بھگ رباطیں موجود تھیں. ان میں دو کمروں پر مشتمل
رباطوں سے لے کر تکیہ مصریہ تک کمپلیکس شامل تھے جس میں ۱۰۰ سے زیادہ کمرے تھے ان وقف عمارتوں کو عام طور پر رباطوں کے نام سے
جانا جاتا تھا مگر کچھ ایسی عمارتیں بھی تھیں جو کہ 'تکیہ جات' کہلاتے تھے. ان ۱۰۸ رباطوں کے علاوہ تکیوں کی تعداد ۸ تھی علی بن موسیٰ آفندی کی
مہیا کردہ معلومات کے مطابق ۱۸۸۵ء میں مشہور ترین رباطوں کی تعداد ۸ تھی جب کہ صوفیاء کے لیے ۱۹ زاوئے (خانقاہیں) تھے جن میں
سب سے زیادہ مشہور 'زاویہ سمان' تھا جو کہ باب النساء کے مقابل حارۃ الاغوات میں واقع تھا. یہ سلسلہ قادریہ کے صوفی مسلک سے منسلک تھا.

لفظی طور پر رباط کا مطلب قلعہ یا حصار ہوتا ہے جو کہ اپنے اندر مقیمین کو بیرونی خطرات اور حملوں سے بچاؤ مہیا کرتا ہے. تاہم مجازی
معنوں میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اندر مقیمین کو مادی، دینی اور روحانی حملوں سے محفوظ رکھتا ہے.(۸) یہ لفظ قرآن کریم کی مندرجہ
ذیل آیت کریمہ میں وارد ہونے والے لفظ سے ماخوذ ہے:

﴿یاایہاالذین آمنوااصبروا وصابروا ورابطوا واتقوااللہ لعلکم تفلحون﴾

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ
کامیاب ہو.(۹)

ذیل میں ہم چند مشہور رباطوں کا ذکر کریں گے۔

رباط الاصفہانی

نورالدین زنگی کے وزیر اور معتمد خاص جمال الدین محمد بن علی بن منصور الاصفہانیؒ (جنہیں تاریخ مدینہ طیبہ میں ہمشہ جواد اور سخی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے شہر حبیب کی بے پناہ خدمت کی تھی اور بہت سی تاریخی مساجد اور عمارتوں کی تعمیر نو اور تجدید کروائی تھی) نے دار عثمانؓ الکبریٰ کو خرید کر اس میں چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر وقف بنیادوں پر ایک نہایت ہی عظیم الشان خیراتی ادارہ قائم کر دیا تھا چونکہ یہ رباط بالخصوص عجمی (ایرانی، افغانی اور ہندوستانی) نادار اور مفلس حجاج اور زائرین کے لیے وقف کی گئی تھی اس لیے لوگوں نے اسے رباط العجمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ جمال الدین الاصفہانی نے اس کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک قبر اپنی زندگی میں تیار کروالی تھی اور وصیت کی تھی کہ موت کے بعد انہیں وہاں دفن کیا جائے جس کے مطابق انہیں وہیں دفن کیا گیا تھا۔(۱۰) ابن الاثیر کے بیان کے مطابق ان کی موت کے بعد ان کی میت پہلے مکۃ المکرمہ لائی گئی اور طواف کعبہ کے بعد حفاظ کی ایک کثیر تعداد کی معیت میں اسے مدینہ طیبہ منتقل کیا گیا اور پھر جنۃ مطہرہ سے ۱۵ اذرع کے فاصلے پر دفن کر دیا گیا۔(۱۱)

رباط سیدنا عثمان بن عفانؓ

دار عثمان بن عفانؓ میں پہلی رباط دیار المغرب (وہ خطہ جو کہ اب مراکش، تیونس، الجزائر اور لیبیا پر مشتمل ہے) کے چند تاجروں نے مل کر بنائی تھی۔ ۴۲۳ ہجری میں وہاں کے چند تاجروں نے دار عثمان بن عفانؓ (دار الصغریٰ) کا وہ حصہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مقابل تھا خرید لیا اور اس کو ان طلباء کے لیے اسے وقف کر دیا جو المغرب کے خطے سے علم کی تلاش میں مدینہ طیبہ آتے تھے۔ صرف موسم حج میں اسے خالی کروالیا جاتا تھا اور اس کے دروازے انہیں ملاقوں کے حجاج کرام کے لیے کھول دیئے جاتے تھے۔ تاہم بعد میں اسے ایک لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا اور صدیوں تک یہ لائبریری فقہ مالکی پر دنیا کی سب سے بہترین لائبریری سمجھی جاتی تھی۔ بارھویں صدی میں جب عثمانی سلطان محمود نے مدرسہ محمودیہ قائم کیا تو اس لائبریری کی تمام کتب (بمع الماریوں کے) وہاں منتقل کر دی گئیں لبیب بتنونی نے جنہوں نے خدیو مصر کے شاہی وفد کے ممبر کی حیثیت سے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اسی دار الصغریٰ کے باہر ایک تختی لگی ہوتی تھی جس پر لکھا ہوا تھا۔ ''سیدنا عثمان بن عفانؓ کو اس مکان میں شہید کیا گیا تھا۔''(۱۴)

رباط خالد بن الولیدؓ

۶۲۰ ہجری میں افغانستان کے چند غزنوی تجار اور حجاج کرام نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے تاریخی مکانات کو جو کہ باب جبریل علیہ السلام کے مقابل واقع تھے خرید کر ان کو ایک رباط کی حیثیت سے وقف کر دیا جو کہ صرف افغانستان اور ہندوستان کے مفلس و نادار حجاج کرام کے لیے مختص تھی۔(۱۵) اس رباط کی تاریخ خاصی دلچسپ رہی ہے کیونکہ یہ مختلف مخیر حضرات کے ہاتھوں بکتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

ایک مرحلے پر یہاں قادریہ سلسلہ طریقت کی خانقاہ ''زاویہ الشیخ عبدالقادر جیلانی'' قائم ہو گیا جو کہ اس رباط کے اس حصے میں تھا جو دار عمرو بن العاصؓ تھا۔ بعد میں یہی زاویہ ''زاویہ سمان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کا خاندان صدیوں سے سلسلہ قادریہ کا سرخیل رہا تھا۔ ۱۸۵۲ میں جب انگریز جاسوس رچرڈ برٹن ایک مسلمان کے بھیس میں مدینہ طیبہ آیا تو اس نے بہت سے مشاہیر کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا۔ اس کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کے خاندان کا طوطی بولتا تھا اور انہیں اہل مدینہ طیبہ بہت عزت و احترام کی

نگاہوں سے دیکھتے تھے.

بعد میں اسی عمارت کے ایک گوشے میں رباط السبیل بھی قائم ہوئی. مدینہ طیبہ میں اموی دور کا رائج کردہ نظام فراہمی آب "عین زرقاء" اہل مدینہ کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تصور کیا جاتا تھا. یہ زیر زمین نظام فراہمی آب مختلف مقامات پر مخرجوں کے ذریعے اہل مدینہ کو پانی فراہم کرتا تھا. اس نظام سے منسلک پانی کی سبیل اگر کسی مقام پر نصب ہو جاتی تھی تو لوگ جوق در جوق اسی مقام کا رخ کرنے لگ جاتے تھے. حارۃ الاغوات میں یہ پہلی سبیل تھی جو کہ رفاہ عامہ کے لیے کسی رباط میں لگائی گئی تھی. چنانچہ اسی نسبت سے اسے رباط سبیل کہا جانے لگا تھا.

بیسویں صدی کے شروع میں ریاست بہاولپور کے نواب نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمر بن العاصؓ کا کچھ حصہ خرید کر وہاں رباط بہاولپور قائم کر دی تھی. نواب آف بہاولپور جب حج پر آئے تو شاہ عبدالعزیز السعود نے ان سے حرمین الشریفین میں مسلم امت کی بہبود کے لیے کار خیر کرنے کا کہا چنانچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ میں ایک دینی مدرسہ "مدرسہ الصولتیہ" (ان کی بیگم کا نام صولت بیگم تھا) کے نام پر قائم کیا جس نے ام القری مکۃ المکرمہ میں تعلیم کے میدان میں بے پناہ خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی مملکت سعودی عرب کے بہت سے نامور علماء اسی مدرسہ صولتیہ کے فارغ التحصیل ہیں. مدینہ طیبہ میں دیگر رفاہی کاموں کے علاوہ انہوں نے باب جبریل کے سامنے مذکورہ دار خالد بن الولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے کچھ حصے پر رباط بہاولپور قائم کی جو کہ ریاست بہاولپور سے آنے والے حجاج کرام کے لیے وقف تھی. بعد میں جب مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور ریاست بہاولپور اس میں ضم ہو گئی تو یہی رباط بہاولپور "پاکستان ہاؤس" بن گئی جو باب جبریل کے سامنے تین دہائیوں تک اہل پاکستان کے لیے باعث افتخار رہی.

جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوا تو دیگر رباطوں کی طرح جو اس حارۃ الاغوات میں ہوا کرتی تھیں اسے بھی بحق سرکار حاصل کر لیا گیا اور اس کے بدلے میں حاصل ہونے والے زر تعویض سے حکومت پاکستان نے جبل سلع کے دامن میں دو "پاکستان ہاؤس" تعمیر کروا دیئے.

رباط ناصر الدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ۵۷۰ ہجری میں مستحق طلباء کے لیے جو کہ دور دراز سے تحصیل علم کے لیے مدینہ طیبہ کا رخ کرتے تھے ایک رباط قائم کی جو کہ مسجد نبوی شریف کے باب النساء کے مقابل تھی.

رباط ام ناصر الدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے مدینہ طیبہ میں بہت سے رفاہی کام کیے جن میں چند مساجد کی تعمیر نو اور مسجد نبوی شریف کے آنگن کے وسط میں ایک قبہ کی تعمیر بھی شامل ہے جہاں مصاحف قرآنیہ کے نادر قلمی نسخے (بشمول مصحف عثمانؓ) اور دیگر تبرکات نبوی شریف کو بحفاظت رکھا گیا تھا. ۵۹۹ ہجری میں انہوں نے اپنے نام سے باب جبریل کے سامنے ایک رباط کا اجراء کیا جو کہ باہر کے ممالک سے آئے ہوئے نادار زائرین اور حجاج کرام کے لیے وقف تھی.

رباط المراغی

یہ رباط ۵۷۱ ہجری میں شیخ ابوبکر بن عبداللہ المراغی نے قائم کی تھی جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں قاضی القضاۃ تھے. یہ رباط مغربی جانب باب السلام کے سامنے واقع تھی. وقف نامہ کے وثیقے میں اس رباط کی تخلیق کا مقصد وحید یہ تھا کہ اسے صرف ان مستحق صوفیاء اور اولیا کرام کے لیے استعمال کیا جائے جو کہ مدینہ طیبہ میں کچھ عرصہ تک قیام کرنے کے خواہش مند ہوں. تاہم مواسم حج میں اس کے دروازے عام حجاج

کرام پر کھول دیے جاتے تھے

رباط النساء

دار خالد بن الولیدؓ کے قریب ہی ایک تاریخی گھر 'دار اسماء بنت الحسین بن عبداللہ بن عبید بن عبد بن عبد المطلب' ہوا کرتا تھا. شروع میں تو یہ گھر ایک انصاری تابعی جبلہ بن عمرو الساعدی کا تھا جنہوں نے اسے سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ بیچ دیا تھا. انہوں نے اس گھر کو مذکورہ اسماء بنت الحسین کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا. چھٹی صدی ہجری میں یہ گھر رباط النساء بن گیا جو کہ باب النساء کے سامنے کی جانب ہوا کرتی تھی.

رباط الشہر زوری

دار عمرو بن العاصؓ کا کچھ حصہ جو کہ دار ابو بکر صدیقؓ سے ملحق تھا مدینہ طیبہ کے قاضی القضاۃ کمال الدین ابو الفضل محمد بن عبداللہ بن القاسم الشہر زوری نے خرید لیا اور وہاں اپنے نام سے ایک رباط وقف کر دی جو کہ مدینہ طیبہ میں ایسے حجاج کرام کے لیے وقف تھی جو کہ وہاں آ کر افلاس و تنگدستی میں مبتلاء ہو جاتے تھے.

رباط الزنجیلی

حارۃ الاعوات میں قائم رباط یمن معروف برباط الحصوہ

اس وقف کا اجراء ۵۷۹ ہجری میں عدن کے ایک نائب گورنر عثمان بن علی الزنجیلی نے کیا. یہ رباط صرف ان لوگوں کے لیے وقف تھی جو کہ فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے یا جو عدن سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا کرتے تھے.

رباط البخاریہ

یہ رباط باب الرحمہ کے سامنے مغربی جانب واقع تھی اور صرف حرم النبوی شریف کے مجاورین کے لیے وقف تھی البتہ ان کے عدم موجودگی میں اسے فقراء و مساکین کے قیام کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا.

رباط المظہر الاحمدی (مظہر الفاروقی النقشبندی)

حارۃ الاعوات کے وسط میں واقع یہ مشہور و معروف رباط مدینہ طیبہ کی چند نہایت ہی اہم رباطوں میں گنی جاتی تھی. اسے ۱۸۷۵ء میں شیخ مظہر النقشبندی (مظہر جان جاناں) کی یاد میں ایک مدرسہ اور تکیہ کے لیے بنایا گیا تھا جسے خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے پیروکاروں کے لیے وقف کیا گیا تھا. اسے خانقاہ اور دار التصوف بھی کہا جاتا تھا. بعد میں یہ رباط مکتبہ محمد مظہر الفاروقی میں تبدیل ہو گئی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی پرائیویٹ لائبریری تصور ہوتی تھی. شہر حبیب میں سب سے زیادہ نادر اور نایاب قلمی نسخے اور تاریخی مخطوطے اسی لائبریری میں محفوظ ہوا کرتے تھے. تاریخ مدینہ منورہ کے سرخیل ابن شبہ البصری (۱۷۱-۲۶۲ ہجری) کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ کا واحد نسخہ جو کہ دنیا میں کہیں محفوظ نہ تھا وہ اسی لائبریری کے توشہ خانے میں تھا. (۱۹) دیگر رباطوں کی نسبت چونکہ یہ رباط اور دار التصوف انیسویں صدی کے آخری حصے میں معرض وجود میں آئی تھی اور اس پر زر کثیر صرف کیا گیا تھا، اس کی عمارت قابل دید تھی اور مدینہ طیبہ کی رباطوں اور وقف عمارت میں سے

حارۃ الاغوات میں قائم
رباط میمن المعروف
برباط الھود کا ایک اور تصویر
قبل از انہدام

چند عظیم شان عمارتوں میں تصور ہوتی تھی جہاں محافل ذکر و فکر کے علاوہ اس کے توشہ خانہ کے بحر ذخار سے اکناف عالم سے آئے ہوئے محققین نایاب اور نادر علم کے لوءلوئے لالہ اور در شہوار تلاش کرنے آتے تھے.

چند دیگر رباطیں اور تعلیمی ادارے

مندرجہ بالا چند رباطوں کے علاوہ شہر حبیب کے مختلف حصوں میں اور بھی بہت سے رباطیں تھیں جو کہ اٹھارھویں اور انیسویں صدیں میں قائم کی گئی تھیں. ایسی رباطوں میں زیادہ تر تعداد ان وقف عمارات اور رباطوں کی تھی جو کہ ایران اور برصغیر کے رؤساء اور والیان ریاست کے نفقوں پر بنی تھیں. ان جدید رباطوں کے ساتھ ملحقہ مدارس یا یتیم خانے بھی ہوا کرتے تھے. ان میں سب سے مشہور رباط ''رباط بھوپال'' تھی جس کے ساتھ ایک بہت بڑا یتیم خانہ بھی قائم کیا گیا تھا. اسے نواب آف بھوپال نے تعمیر کروایا تھا. (۲۰) دوسری اہم رباط ''رباط حیدرآباد'' تھی جسے نظام حیدرآباد نے قائم کیا تھا. ایک رباط نواب آف بہاولپور نے بھی قائم کی تھی جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے. انہی خطوط پر چند اور رباطیں بھی تھیں جنہیں کسی خاص کمیونیٹی یا منطقے کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقے یا کمیونیٹی کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور عموماً ایسی رباطوں کی تعمیر میں مخیّر حضرات نے نمایاں کردار ادا کیا تھا. اس زمرے میں آنے والی ہم چند رباطوں کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ رباط میمنی، رباط بوہرہ، رباط ترکستانی اور رباط جماعت علی شاہ (آخر الذکر رباط کی دو وقف عمارتیں مسجد الایجابہ کے سامنے ابھی تک موجود ہیں). ایسی تمام رباطیں اپنے اپنے مکتب فکر یا کمیونیٹی کی خدمات انجام دیتی تھیں.

اس نوع کی سب سے بڑی رباط یا تکیہ "تکیہ مصریہ" تھا جو کہ مرکز مدینہ طیبہ (مسجد نبوی شریف) سے چھ فاصلے پر جنوب ریلوے سٹیشن کے اس پار مغرب کی جانب واقع تھا مدینہ طیبہ کے آٹھ تکیوں میں سب سے بڑا یہ تکیہ والی مصر محمد علی پاشا نے ۱۸۱۶-۱۸۱۹ء میں وہابیوں کو شکست دینے کے بعد تعمیر کیا تھا اس تکیے کا رقبہ ۸۹×۵۰ میٹر پر محیط تھا چاروں طرف کمرے اور برآمدے تھے اور وسط صحن میں ایک نمائشی گنبد تھا ترک عہد میں بنایا جانے والا یہ تکیہ مخصوص ترک فن تعمیر کی نمائندگی کرتا تھا. اس کی چھت کو قبوں اور گنبدوں سے مزین کیا گیا تھا یہاں پر زیادہ تر ترک اور مصری سرکاری وفود جن میں محمل مصری بھی شامل ہوتا تھا قیام کرتے مگر عام دنوں میں اس کے دروازے خاص و عام پر کھلے رہتے تھے ایریج رفعت پاشا کے بیان کے مطابق یہ تکیہ اپنی ذات میں ایک مکمل وحدت (Self-contained unit) تھا جس کے اندر کھانا پکانے کے اپنے تنور اور مخزن تعمیر کئے گئے تھے. ایک وقت میں اس کے مائدہ پر ۸۰۰ فقراء اور مساکین کھانا کھاتے تھے. سعودی عمل دخل کے بعد اس کی رفاہی سرگرمیاں کافی حد تک پس منظر میں چلی گئی تھیں کیونکہ سے تکیہ کی نسبت سرکاری گیسٹ ہاؤس اور دیگر سرکاری کاموں کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی ہوتی گئی اسے مسمار کر کے اس کی جگہ اعلیٰ عمارات نے لے لی.

مدرسہ محمودیہ جو ۱۸۲۱ء میں قائم ہوا اب توسیع مسجد نبوی شریف میں شامل ہے

ایسا ہی ایک اور وقف ادارہ "وقف داؤدیہ" کے نام سے مشہور تھا جو کہ داؤد پاشا (جو کہ اس وقت گورنر مدینہ طیبہ تھے جب کہ سلطان عبدالمجید کے دور میں مسجد نبوی شریف تعمیر کی گئی تھی) تعمیر کروایا تھا. اس عظیم وقف عمارت کے مسمار کیے جانے کے بعد اوقاف حرم سے ملنے والی تعویض اور رقوم سے محلہ باب تمار کے اس پار شارع سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دائیں ہاتھ ایک وسیع و عریض علاقے پر کثیر المنزلی وقف عمارت تعمیر کر دی گئی ہے جو کہ مدینہ جدید کی چند عظیم الشان عمارتوں میں شمار ہوتی ہے. اس کی پہلی منزل تجارتی مقاصد مشلاً دکانوں اور تجارتی مراکز اور شوروم وغیرہ کے لیے مختص ہے جب کہ اوپر کی منازل کمپنیوں کے دفاتر وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں. رہائشی مقاصد کے لیے پارٹمنٹس کی ان گنت تعداد اس کے علاوہ ہے. وزارت حج واوقاف کے زیر انصرام یہ عمارت پچھلے تین سال سے اکثر و بیشتر خالی نظر آتی ہے جب کہ کسی صدقہ اور رباط میں سکن کے مستحق زائر سڑکوں پر آسمان کے سائے تلے سو رہے ہوتے ہیں.

ایسے اوقاف کے ضمن میں ہم ایک ایسے ادارے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جسے ایک پاکستانی الحاج عبدالغنی دادا نے بیسویں صدی کے وسط میں یتیم خانہ کے طور کر بنوا کر وقف کیا تھا. یہ مشہور یتیم خانہ "دارالایتام الاسلامیہ" کہلاتا تھا اور مدینہ طیبہ کے سب سے بڑے یتیم خانوں میں شمار ہوتا تھا جو کہ یتیم بچوں کو نہ صرف قیام وطعام کی سہولت بہم پہنچاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ایک پیشہ ورانہ مدرسہ بھی ملحق تھا جہاں ان یتیموں کو دینی تعلیم کے علاوہ جدید بنیادوں پر مختلف پیشوں کی تعلیم اور ٹریننگ بھی دی جاتی تھی تاکہ جوان ہو کر وہ معاشرہ کے کارآمد اور فعال رکن بن سکیں. یہاں انگریزی کی تعلیم کا بندوبست بھی تھا. (۲۱)

مکتب و مسجد الرستمیہ
قبل از انہدام

مصری سلطان اشرف قیتبائی کے قائم کیے ہوئے اوقاف

مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کی تعمیر کے بعد جب سلطان اشرف قیتبائی حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ بہبود شہر حبیب کی فلاح و بہبود پر مرتکز کر دی. انہوں نے مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح میں واقع بہت سی جائیداد اور اراضی خرید کر وہاں خیراتی و وقف ادارے قائم کیے جن میں رباطیں، مدارس اور دیگر خیراتی ادارے شامل تھے تاکہ غریب الدیار مفلس اور نادار زائرین اور حجاج کرام کو قیام و طعام کی مفت سہولتیں میسر ہو سکیں. وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے محض طعام و قیام کے علاوہ مدینہ طیبہ کے دیگر باسیوں کے لیے بہت سے دوسرے سماجی دارے بھی بنائے جن میں مدینہ طیبہ میں عامۃ الناس کے لیے ایک پبلک حمام کا قیام بھی شامل تھا جو کہ اپنی نوعیت کا پہلا حمام تھا جو اس ارض مقدس پر بنایا گیا تھا. اس کے علاوہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں آٹا پیسنے کی چکیاں لگوائیں جن پر اس وقت ۶۰،۰۰۰ دینار صرف ہوئے تھے اور ان تمام کی آمدنی خیراتی کاموں کے لیے وقف کر دی گئی. اس کے علاوہ انہوں نے مصر میں بہت بڑے بڑے ذرعی اراضی کے وقف قائم کیے جن سے حاصل ہونے والی آمدنی شہر نبوی شریف پر تصدق تھی جن سے سلطان قیتبائی کے قائم کردہ وقف اداروں کو فنڈز مہیا کیے جاتے تھے. ان سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی بھی ایسے بہت سے بڑے بڑے گاؤں حرم نبوی شریف کے لیے وقف کر چکے تھے. عثمانی اس معاملے میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور انہوں نے بلاد مصر سے حاصل ہونے والے تمام خراج اور ریونیوز کے پانچویں حصے کو حرمین الشریفین کے لیے وقف کر دیا. یوں دریائے نیل کے کنارے واقع بہت سے گاؤں اور ذرعی اراضی حرمین الشریفین کے بے تصدق اور مختص ہو گئے تھے. ان سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی جن میں اناج اور غلہ بھی شامل ہوتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ چندہ کی رقوم بھی شامل ہوتی تھیں مدینہ طیبہ روانہ کر دی جاتی تھیں. سلطان قیتبائی نے دینی علوم کی مختلف اصناف پر مشتمل ہزاروں کتابوں کا مجموعہ مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا جو صدیوں تک مدرسہ اشرفیہ کی لائبریری سے استفادہ کرنے والے ہزاروں طلبائے حق اور علم کے متلاشیوں کی پیاس بجھاتا رہا. بعد میں مدرسہ اشرفیہ کی تعمیر نو اور توسیع کر کے ترک سلطان محمود نے اسے مدرسہ محمودیہ میں ضم کر دیا. اس سے مصر کے مملوک سلاطین کی مدینہ طیبہ سے وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے.

مکتب و مسجد الرستمیہ

ترکوں کے بنائے ہوئے وقف اور رفاہی ادارے

جب ترکوں نے بلاد الحجاز کا انتظام و انصرام سنبھالا تو انہوں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر بہت توجہ دی. فلاحی اداروں کے علاوہ انہوں نے نقد رقوم بھی ارسال کرنی شروع کر دیں. ترک سلاطین کی شہر حبیب سے

دارالایتام اسلامیہ
۱۸۸۰ء

محبت کا اندازہ سلطان محمد الفاتح کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو کہ انہوں نے قسطنطیہ (موجودہ نام استنبول) فتح کرتے اور اس شہر میں داخل ہوتے وقت کہے تھے: ''میں آج سے قیصران روم کے پورے شہر کو رسول اللہ ﷺ کے شہر حبیب پر تصدق کرنے کا اعلان کرتا ہوں'' (۲۳) یوں استنبول میں واقع ہزاروں تجارتی مراکز سے حاصل ہونے والی آمدنی صدیوں تک شہر حبیب کے باسیوں کے قدموں میں نچھاور کی جاتی رہی ان کے علاوہ ان کے جانشینوں نے شہر مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں خیراتی ادارے اور اوقاف قائم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی. شیخ جعفر ابرزنجی نے اس بات کا خصوصی تذکرہ کیا ہے کہ بوسنیا اور ریاست ہائے بلقان کی فتح کے وقت وہاں سے حاصل ہونے والے ہیرے جواہرات انہوں نے ہدیتاً حجرہ مطہرہ کی نذر کر دیئے تھے. سلطان کے علاوہ عثمانی حکومت کے دیگر اہل کار بھی ان معاملوں میں پیچھے نہ رہتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ میں جا بجا وقف عمارتیں اور رباطیں نظر آنے لگی تھیں. وقف داؤدیہ صرف ایک مثال ہے جس کو ترک گورنر داؤد پاشا نے قائم کیا تھا. جہاں یہ وقف قائم کیا گیا وہ تمام محلّہ الداؤدیہ کے نام سے شہرت پا گیا تھا.

ایسے ادارے صرف سلاطین اسلام یا حکومت وقت کے کارندوں کے مرہون منت نہ تھے، بلکہ علماء وفضلاء حتی کہ خدام حجرہ نبویہ مبارکہ 'اغوات کرام' بھی اس کار خیر سے پیچھے نہ رہے تھے۔ ایسا ہی ایک وقف مدینہ طیبہ کے شہرہ آفاق مورخ امام سمہودی کا بھی تھا جنہوں نے اپنا گھر حرم مدنی پر تصدق کر دیا تھا جو کہ پہلی سعودی توسیع تک وقف دار سمہودی کے نام سے جانا جاتا تھا. یہاں ہم ایک اور بات قارئین کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب قدیم سوق النبی یعنی المناخہ کا علاقہ تھا. یہ کھلا میدان ہوا کرتا تھا اور 'برالمناخہ' کہلاتا تھا جہاں مواسم حج میں اذن عام ہوا کرتا تھا کہ جو حاجی بھی چاہے وہاں اپنا خیمہ نصب کر سکتا تھا اور وہ لوگ جن کو کسی سرائے یا رباط میں جگہ نہ مل سکی ہوتی وہ وہاں اپنا خیمہ نصب کر کے رہ لیتا تھا.

خیراتی اور تعلیمی ادارے

گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ طیبہ میں موجود دینی اور تعلیمی اداروں کے متعلق مشہور ترک سیاح اولیا شلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) رقمطراز ہیں: ''باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سلطان سیف الدین ہے جو کہ ۷۲۴ ہجری میں سلطان سیف الدین خوبان اور اس کی ملکہ کی مساعی جمیلہ سے بنایا گیا تھا. اس سے متصل سلطان قیتبائی کا مدرسہ ہے. دوسری جانب باب جبریل کے سامنے ایک مدرسہ ہے جسے سوقولی محمد پاشا نے جو کہ سلطان سلیمان القانونی کے مشیر تھے قائم کیا تھا. باب السلام کے سامنے سلطان محمود سوئم کا قائم کیا ہوا ایک بہت بڑا وقف ادارہ ہے. سب

کو ملا کر اس وقت مدینہ طیبہ میں ۱۱۸ مدرسے ہیں'' (۲۴) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ۲۰ کتاب تھے (جن کو بعد میں غت ء م میں کتاتیب کہا جانے لگا تھا اور یہ بچوں کی تعلیم کے لیے مختص تھے)، سات دار القراء (تدریس القران کے مدرسے) اور سات دار الحدیث تھے. سات سرائیں تھیں جہاں مفلس وغریب الدیار زائرین کے قیام وطعام کا بندوبست تھا ان تمام اداروں کو چلانے کے لیے بڑے بڑے وقف موجود تھے. یہ تمام مدرسے اور تعلیمی ادارے ''صرہ'' کے ذریعے موصوں ہونے والی رقوم سے پورے کئے جاتے تھے. صرہ ان رقوم کے مجموعے کو کہا جاتا تھا جو کہ عثمانی سلاطین مقررہ وقفوں کے بعد سالانہ بنیادوں پر ارسال کیا کرتے تھے جن میں زر نقد کے علاوہ اجناس اور دیگر سامان خورد و نوش بھی ہوا کرتا تھا اس کے علاوہ ایسے بہت سے مقامات تھے جہاں صبح وشام غریب الدیار لوگوں میں مفت لنگر بٹا کرتا تھا. (۲۵)

اکثر وبیشتر یہ رباطیں مفت دینی تعلیم کا بندوبست بھی کرتی تھیں جن کے لیے مختلف مدرسوں سے الحاق کیا جاتا تھا جہاں علوم القرآن کریم، علم الحدیث اور علوم الفقہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی ان مدارس میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) مدرسہ بشیریہ (جو کہ دار مروان میں قائم تھا)
(۲) مدرسہ کشمیریہ
(۳) مدرسہ رستمیہ
(۴) مدرسہ وزیر علم الدین
(۵) مدرسہ حسن آغا
(۶) مدرسہ جلیلہ
(۷) مدرسہ الشفاء
(۸) مدرسہ الاحسانیہ
(۹) مدرسہ ثورۃ افندی
(۱۰) مدرسہ العلوم الشرعیہ (جسے شیخ احمد فیض آبادی نے مسجد نبوی شریف کے سامنے شمال مشرقی کونے کے قریب قائم کیا تھا).
(۱۱) حسین احمد مدنی کا قائم کیا ہوا مدرسہ

مدرسہ العلوم الشرعیہ سے بہت سے معاصر علمائے کرام نے تحصیل علم کی ہے. سعودی دور میں شیخ احمد فیض آبادی اور حسین احمد مدنی نے تعلیم کے میدان میں بہت کوشش کی تھی. دینی تعلیم کے انتظام کے علاوہ حسین احمد مدنی نے عام مدنی کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں اور مدینہ طیبہ کے مضافات میں زرعی فارم بھی قائم کئے. جب ان کا انتقال ہوا تو سوگ میں بہت سے معاصر شعراء نے ان پر مرثیے لکھے تھے.

رباط مظہر فاروقی کا اندرونی منظر

مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا پرائمری سکول رشدی بیگ والی حجاز کے نام پر ''المدرسۃ الرشیدیہ'' ترک دور کا سب سے پہلا جدید مدرسہ تھا. اس سے پہلے جتنے مدارس تھے وہ درس نظامی کے نصاب کی بنیادوں پر چلائے جاتے تھے اور خیراتی اداروں کے مرہون منت تھے. بعد مین اسی مدرسے کو مڈل سکول کا درجہ دے دیا گیا. ترکوں کے آخری ایام تک صرف چار مڈل سکول تھے اور تین پرائمری سکول. رات کے وقت تعلیم بالغاں کے دو مدرسے بھی ہوا کرتے تھے. تعلیم کے میدان میں سب سے زیادہ پیش رفت اس وقت ہوئی جب ترکوں نے ۱۳۱۸ ہجری میں پہلے ثانوی سکول کا افتتاح کیا. یہ سکول باب مجیدی کے باہر واقع تھا اور سعود دور میں اس کا نام بدل کر ''مدرسہ ناصریہ'' رکھ دیا گیا تھا اور جب پہلی توسیع عمل میں آئی تو اس مدرسے کی عمارت ۱۳۷۲ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں آ گئی. سب سے پہلا کالج جو ارض طیبہ پر قائم ہوا وہ ''کلیۃ صلاح الدین الایوبی'' تھا جس میں سکولوں کے فارغ التحصیل طلباء داخل کئے جاتے تھے. اس کے علاوہ ۱۳۲۷ ہجری میں 'دار المعلمین' کے نام سے اساتذہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ الساحہ کے علاقے میں کھولا گیا. ترغیب دینے کے لیے اس کے طلباء کو تین مجیدی اشرفیوں کا ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا.

اپنی حکومت کے آخری دنوں میں ترکوں کا ارادہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے لیے وسیع بنیادوں پر منصوبہ بندی کی جا رہی تھی. اس سلسلے میں امت اسلامیہ سے بھرپور امداد کی اپیل کی گئی تھی. پہلی جنگ عظیم کی تباہکاریوں کے باوجود ترکوں نے اس منصوبے پر کام جاری رکھا. یونیورسٹی کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عمارت زیر تعمیر تھی کہ جب ہاشمیوں نے بغاوت کر کے ترکوں کی بساط الٹ دی اور حجاز میں شریف حسین نے مملکت ہاشمیہ کی بنیاد ڈال دی. یوں یونیورسٹی کی تعمیر کا کام جہاں تھا وہیں رک گیا. تقریباً دو دہائیوں تک وہ خالی عمارت ایسے لگتی تھی جیسے کوئی بھوت بنگلہ ہو. تاہم جب سعودی حکومت نے اپنے پاؤں جما لیے تو انہوں نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا اور اسی مقام پر مدینہ طیبہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا جو جدید خطوط پر تعمیر کیا گیا تھا. اسے ''مدرسہ طیبہ'' کہا جاتا تھا. (ماخوذ از یاسین احمد یاسین الخیاری، صور من الحیاۃ الاجتماعیہ بالمدینۃ المنورہ، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۵، صفحات: ۱۷۷-۱۸۲)

مدینہ طیبہ میں پہلے ثانوی بورڈ (معہد الثانوی) کا قیام ۱۳۸۱ ہجری میں عمل میں آیا اور معہد المتوسط ۱۳۸۶ ہجری میں بنا. جامعہ اسلامیہ کی تاسیس ۱۳۸۱/۳/۲۵ ہجری میں عمل میں آئی. وادی العقیق کی پرکیف فضاء میں اس کا کیمپس تعمیر ہوا. اس کے ساتھ مندرجہ ذیل کالج منسلک کیے گئے تھے:

شریعت کالج (کلیۃ الشریعہ) ۱۳۸۱ میں قائم کیا گیا جس میں مدرسہ علوم الشرعیہ بھی ضم کر دیا گیا تھا.
'کلیۃ الدعوہ واصول الدین' ۱۳۸۶ ہجری میں قائم ہوا.
کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۴ ہجری میں قائم ہوا.
کلیۃ اللغہ العربیہ کی بنیاد ۱۳۹۵ ہجری میں رکھی گئی.
کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۶ ہجری میں قائم ہوا (اس سے پہلے ۱۳۵۰ ہجری میں دار الحدیث کا قیام عمل میں آ چکا تھا).

مدرسہ حسین آغا
توسیع مسجد نبوی شریف
میں آجانے کی وجہ سے
گرایا جارہا ہے

ماضی میں مدینہ طیبہ میں صوفیانہ خانقاہیں اور زاویے

روز اول سے ہی مدینہ طیبہ اسلامی علوم کا گہوارہ رہا ہے. علوم دین خواہ وہ تفسیر قرآن کریم ہو، یا علم الحدیث، فقہی گتھیوں کو سلجھانے کا معاملہ ہو یا تصوف و عرفان کے اسرار و رموز، ان تمام اصناف علوم میں شہر حبیب نے مینارہ نور کا کردار ادا کیا ہے. چار دانگ عالم سے ان علوم کے متلاشی نہ صرف اپنے آقا و مولا شاہ بطحاء و تاج دار کائنات ﷺ کے دربار اقدس میں حاضری دینے بلکہ اپنے اپنے اختصاص میں اپنے افکار و فہم کو مزید جلا دینے کے لیے شہر مصطفوی کا رخ کرتے اور اپنے اپنے ظرف اور سعی کے مطابق اپنی پیاس بجھا کر چلے جاتے تھے. یہ مقدس شہر نہ صرف علماء کرام کی پیاس بجھاتا بلکہ ریاضت و مجاہدے کے میدان کے کھلاڑی، پیران طریقت اور معرفت و عرفان کے متوالے اپنا نفس گم کیے ہوئے طیبہ کی گلیوں میں سرگرداں رہتے تھے. اس کے علم و عرفان اور روحانی منبعوی اور سوتوں سے سیراب ہونے والوں میں جنید و بایزید، احمد الرفاعی اور سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی بھی شامل ہیں.

آج کل مروجہ مکتب فکر کے آہنی ہاتھوں نے اگرچہ بادی النظر میں تصوف اور اہل تصوف کو کافی حد تک پس منظر میں دھکیل دیا ہے، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تصوف کا ہر راستہ اور ہر 'طریقہ' (سلسلہ) صرف اور صرف مدینہ طیبہ کے قلب میں واقع مرکز انوار و تجلیات ہی کی طرف جاتا ہے. ذکر و فکر کی ہر محفل ذکر حبیب ﷺ سے شروع ہوتی ہے اور فضائل مدینہ طیبہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے. ہر ملک اور ہر کمیونیٹی، ہر رنگ و نسل اور ہر زبان و حدت مدینہ طیبہ میں گم ہو کر یک رنگ و یک زبان ہو جاتی ہے اور مدینہ طیبہ کی پر کیف فضاؤں میں صل علیٰ نبینا اور صل علی محمد کے نغمے بکھیر دیتی ہے. صوفیانہ طریقت کے کتنے ہی متوالے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں آج بھی نفس گم کیے سرگرداں نظر آتے ہیں جہاں نہ جانے کتنے جنید و بایزید، کتنے شبلی و غزالی، کتنے رکن عالم اور معین الدین، کتنے ہجویری اور فرید الدین، کتنے سہروردی، نقشبندی، کتنے شاذلی و رفاعی اور نہ جانے کون کون سے بانیان طریقہ ہائے تصوف اپنا سر نیاز و تسلیم خم کیے چلا کرتے تھے. ہر سو کو بکو کتنے مستانے آج بھی اس آستانہ اقدس پر سربگریباں بیٹھے عالم استغراق میں عرفان کے جام پر جام پی جاتے ہیں اور پاس بیٹھوں کو خبر تک نہیں ہوتی. جا بجا متوالوں کے جھرمٹ صلوٰۃ و سلام کی سوغات لیے گنبد خضریٰ کے سائے میں دربار رسالت مآب ﷺ میں زبان حال اور زبان قال سے گلہائے عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں. جذب و شوق کا اظہار جب حضرت حسان بن ثابتؓ، امام بوصیریؒ اور جامیؒ و رومیؒ کی زبان میں ہو تو کون پرواہ کرتا ہے جھجک کیوں کی؟ تصوف تو ہے ہی اپنے محبوب کے لیے جبر سہہ جانے کا نام اور ہر سرزنش پر اپنے لب سی لینے کا نام! سبز گنبد پر نگاہیں گاڑے ہر آنکھ پرنم اور ہر لب سسکیاں لیتا نظر آتا ہے. کون کہتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ذکر و فکر، مجاہدے اور مشاہدے نہیں ہوتے؟

مدرسہ حسین آغا
کا تفصیلی نقشہ

اگرچہ آج لفظ تصوف پر بہت سی بھنویں چڑھ جاتی ہیں اور بہت سے چہرے چیں بجبیں ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ

تکیہ مصریہ کے ایک حصہ
کی نایاب تصویر
۱۹۰۸ء

ماضی میں وہابی مکتب فکر کے نفاذ سے پہلے کوبکو مدینہ طیبہ میں شریعت وطریقت کے حسین امتزاج کے ساتھ مختلف زاویے (خانقاہیں) اور مدرسے قائم تھے جہاں نہ صرف شریعت اسلامی کی مکمل پابندی ہوتی تھی بلکہ ذکر وفکر کی محفلیں سجا کرتی تھیں. شاعری، نعت گوئی اور محافل ذکر و مسجد نبوی شریف کے آنگن (حصوہ) میں بھی سجا کرتی تھیں اور چند مواقع پر (ربیع الاول وغیرہ میں) تو ان محافل کا بطور خاص اہتمام بھی کیا جاتا تھا. جہاں تک خانقاہوں اور زاویوں کا تعلق ہے بیعت وارادت کے معاملے زیادہ تر وہیں طے ہوتے تھے ایسے مدرسے اور زاویے نہ صرف اہل مدینہ طیبہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرتے تھے بلکہ ان میں مقیم شیوخ اکرام اپنے اپنے طریقہ ہائے تصوف کے مطابق مریدوں کو راہ سلوک وعرفان کی منزلیں طے کرواتے تھے. سخت مجاہدوں کے جو میں آٹے کی چکیاں پیس پیس کر مریدین انہیں زاویوں میں ریاضتوں میں کہنہ مشق اور عرفان ومشاہدہ میں درجہ کمال تک پہنچ جاتے تھے.

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے رباط المراغی جو کہ باب الرحمہ کے سامنے واقع تھی صرف صوفیاء کرام کے لیے وقف تھی جہاں دور دراز سے آئے مشائخ قیام فرماتے اور مجاہدے کرتے تھے. علی بن موسیٰ آفندی نے جنہوں نے انیسویں صدی کے مدینہ طیبہ کی سماجی اور ثقافتی حالت پر سیر حاصل بحث کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں میں شہر حبیب کے ہر کونے اور نکڑ پر کوئی نہ کوئی خانقاہ یا زاویہ ضرور تھا. وہ رقمطراز ہیں [جہاں تک زاویوں کا تعلق ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور زاویہ سمان (مقابل باب النساء) ہے. اس کے ایک حصے میں وہ جگہ بھی شامل ہے جہاں سیدنا ابوبکر صدیق اعظمؓ کو آخری غسل دیا گیا تھا اور اسی کے دوسرے حصے میں سقیفہ العمرو (حضرت عمرو بن العاصؓ) میں زاویہ شیخ عبدالقادر الجیلانی ہے. زاویہ السید بدوی باب الرحمہ کے مقابل ہے. زاویہ السنوسی عنبریہ میں منخہ کے اس پار ہے، زاویہ قشاشی زقاق طیار میں قشاشی محلے میں واقع ہے. زاویہ الشیخ جنید بغدادی دار العشرہ (دار آل عمرؓ) کے سامنے ہے جہاں ناقہ رسول مقبول ﷺ در ابوایوب الانصاریؓ کے سامنے بندھا کرتی تھی. زاویہ ابن علوان حی ذروان میں واقع ہے (جہاں آج کل شریعت کی عدالت واقع ہے) زاویہ الشیخ صاوی حارۃ الاغوات میں زقاق الموالید یعنی رباط الشیخ مظہر نقشبندی کے قریب واقع ہے. زاویہ السعدیہ الساحہ کے علاقے میں ہے اور وہیں قریب ہی زاویہ مولویہ (مولانا روم کا سلسلہ طریقت) بھی ہے. زاویہ الرفاعی زقاق بدور میں ہے جو کہ الحرم کے مشرق میں واقع ہے. زاویہ الدسوقی زقاق طیار میں ہے؛ ان کے علاوہ بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے زاویہ جات ہیں جو کہ شاذلیہ اور دیگر سلسلہ ہائے طریقت کے لیے وقف ہیں جن کا ذکر ہم نے طوالت کے ڈر سے نہیں کیا۔'' (۲۷) ان تمام زاویہ جات میں سے سب سے مشہور زاویہ شیخ مظہر نقشبندی کا تھا جسے عام طور پر 'دار التصوف' اور 'خانقاہ' بھی کہا جاتا تھا.

آخر میں ہم سعودی شاہی خاندان کی تخلیق وقف کی جانب دیر مقدسہ میں کی جانے والی سعی کا ذکر بھی کرنا چاہیں گے. حال ہی میں مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی کونے کی جانب ایک بہت بڑا کثیر المنزلی کمپلیکس زیر تعمیر ہے جو شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز ولی العہد کی والدہ کے نام سے وقف ہوگا. دیگر فائیو سٹار ہوٹلوں اور پلازوں کی طرح یہ بھی عظیم الشان پلازہ ہوگا جس میں تجارتی مراکز اور اپارٹمنٹس ہوں گے جو کہ جدید ترین سہولیات سے مزین ہوں گے.

حواشی

(۱) القرآن (آل عمران:۲۰۰)

(۲) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۲۲۸

(۳) ایضاً، ص ۲۲۱

(۴) ایضاً

(۵) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، مدینہ طیبہ، چوتھا ایڈیشن، ص:۱۸۶

(۶) ڈکٹور محمد شوقی بر، ہیم، مجلۃ الدارہ، محرم، ۱۴۰۵، صفحات ۴۲ و ۴۸۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورہ فی اقرن الرابعہ عشر الہجری، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، مدینۃ المنورہ.

(۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، پہلا ایڈیشن، ۱۹۲۵، مکتبۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ج:۱، ص:۳۱۴.

(۸) صالح لمعی مصطفی، (Almedina A Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage)
بیروت، ۱۹۸۱، صفحات. ۲۱۵_۲۱۷

(۹) القرآن الکریم (آل عمران ۹۷)

(۱۰) جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ ہجری)، ص ۳۵

(۱۱) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۲۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۹، ص:۳۱۳

(۱۲) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، بلاد الحجاز، ص:۱۵۶

(۱۳) عبدالقدوس لانصاری، ص ۵۰

(۱۴) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، دار الآفاق العربیہ، قاہرہ، ص:۳۲۰

(۱۵) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، مصدر مذکور، ص:۱۵۸

(۱۶) المطری، ص:۳۶

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً، ص:۱۵۷

(۱۹) صالح لمعی مصطفی، مصدر مذکور، صفحات ۲۵-۲۱۷

(۲۰) انہی رباط بھوپال محلہ مجیدیہ میں قدیم شہر میں واقع ہوا کرتی تھی جسے مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دیا گیا تھا اس کی جگہ اس کے عوض حاصل ہونے والی رقوم سے تین مختلف عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں جن میں سے دو تو شاہراہ ستین پر واقع ہیں۔ یہ نئی عمارتیں بھی وقف عمارتیں ہیں اور حجاج اور زائرین کو کرائے پر دی جاتی ہیں۔

(۲۱) ہاشم دفتر دار، ذکریات طیبہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۵۱، ص:۲۰۰

(۲۲) ڈاکٹر محمد السید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، پہلا ایڈیشن، دار المجتمع، جدہ، ۱۹۸۸، ص:۱۴۸

(۲۳) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبویت کی حاضری (۱۹۲۷ء میں ان کے سفر حرمین الشریفین کا حال)، الفرقان بک ڈپو، لکھنو، ہند، ۱۹۸۶، ص ۶۳

(۲۴) اولیا چلبی (ولادت:۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ، عربی ترجمہ بعنوان: الرحلۃ الحجازیہ، ص ۱۲۸

(۲۵) ماخوذ از اولیا چلبی، مصدر مذکور، صفحات: ۳۷-۱۴۰

(۲۶) سید مناظر احسن گیلانی، مصدر مذکور، ص:۶۳

(۲۷) علی بن موسیٰ سفندی، وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۸۸۵، ناشر حمد الجاسر۔ جو کہ "رسائل فی تاریخ المدینہ" کے جزو کے طور پر شائع ہوا تھا۔

وادیٔ العقیق مدینہ منورہ کے مبارک نظارے

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے

[ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سواری پر وادی العقیق تشریف لے گئے۔ جب آپ حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا، اے عائشہؓ ہم ابھی ابھی العقیق سے آرہے ہیں کتنی پرفضا ہے وہ جگہ! اس میں بہتا پانی کتنا خوبصورت لگتا تھا!

اس پر ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے کہا، یا رسول اللہ (ﷺ) کیا ہم وہاں نہ منتقل ہو جائیں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

اب تو لوگ یہاں آباد ہو چکے ہیں]

مدینہ طیبہ وادیوں کا شہر ہے (۱) جیسا کہ ہم نے پانچویں باب "ارض طیبہ کے جغرافیائی ، ارضیاتی خدوخال اور خصائص" میں بیان کیا ہے شہر حبیب العقیق ، العقل ، بطحان ، رانونا اور مہزور کی زرخیز وادیوں پر مشتمل ہے مرتفع پر واقع ہے چھوٹی چھوٹی وادیاں وجیدہ، مذینب اور مہزور میں دور رسالت مآب ﷺ میں جب ان میں سے چند وادیوں طغیانی سے اب ریز ہو جاتیں تو لوگوں کو آر پار آنے جانے کے لیے بعض اوقات کشتیاں چلانی پڑتی تھیں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ذکر ہے [میں مدینہ سے ساتھی کشتیوں میں بیٹھ کر وادی بطحان کے اس پار چلے گئے جب کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہی رہے] (۲) جنوبی اور جنوب غربی علاقوں میں یہ مدینہ طیبہ میں جب کبھی شدید بارشیں ہوتیں تو یہ طرف جل تھل ہو جاتا اور ان وادیوں میں طغیانی آجاتی تھی تحویل قبلہ سے قبل ایک بار مدینہ طیبہ شدید خشک سالی کا شکار ہو گیا اور جب رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باران رحمت عطا فرمائے ۔ رحمت العالمین اور انیس الغریبین ﷺ نے دعا فرمائی اور فی الفور باران رحمت کا نزول شروع ہو گیا ۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ [اس شدید بارش سے وادی قناۃ ایک ماہ تک بھرپور بہتی رہی تھی] (۳) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: [جب ہم مدینہ پہنچے تو اس وقت یہ جگہ تمام عرب علاقوں سے زیادہ غیر صحت مند سرزمین تھی ۔ وادی بطحان میں بہت گدلا اور غلیظ پانی بہا کرتا تھا ۔] (۴) ان دنوں ارض مدینہ طیبہ بہت سی چھوٹی اور بڑی وادیوں سے مرقع تھی ان سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے نکلتے جو مختلف اطراف میں اس ارض مقدس کو سیراب کیا کرتے تھے ۔ قدیم زراعت کا زیادہ تر انحصار ان ہی بارانی ندی نالوں پر تھا ۔ (۵) چونکہ تمام وادیاں بالائی علاقوں (اعالیہ) سے نکل کر آتی تھیں ان کا پانی زیریں علاقوں (اسافلہ) کو خوب سیراب کرتا تھا اور کاشتکار ان سے بھرپور استفادہ کرتے تھے ۔ وہ تاریخی جھگڑا جس میں ایک انصاری صحابی ایک مہاجر صحابی (حضرت زبیر بن العوامؓ) کے ساتھ نالے سے پانی کے حصول کے حقوق کے بارے میں آپس میں الجھ پڑے تھے اعوالی میں اواسے بنی سنگلاخ زمین سے گزرتی ہوئی وادی کی ایک ندیا کے کنارے ہوا تھا جس پر قرآن مجید فرقان حمید کی اس آیت کریمہ ﴿ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپ کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں ﴾ (القرآن الکریم ، النساء: ۶۵) کا نزول ہوا تھا ۔ (۶)

اسی طرح حضرت ثعلبہ بن ابو مالکؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے: [ان کے بڑوں نے انہیں بتایا کہ قریش کے ایک فرد کی بنو قریضہ کے ساتھ پانی کی سانجھ تھی ۔ دور بار رسالت مآب ﷺ میں وادی مہزور کے بارے میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے جو کہ پانی کے استعمال کے سلسلے میں دونوں میں سانجھ کے معاہدے پر اختلاف رائے سے پیدا ہوا تھا ۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرمایا: [جب آپ کے کھیتوں میں پانی ٹخنے تک پہنچ جائے تو پھر اسے زیریں علاقوں تک جانے سے نہ روکا جائے ۔] (۷) حضرت عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وادی مہزور اور وادی مذینب کے متعلق سنا کہ آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ان کے آگے اس انداز سے بند باندھا جائے کہ بالائی علاقوں سے لے کر نچلے علاقوں تک ان کا پانی ہر ایک کی زرعی اراضی کو اتنا سیراب کر دے کہ ٹخنوں کی بلندی تک پہنچ جائے ۔] (۸)

وادی العقیق اور وادی بطحان کی طرح رانونا اور مہزور کی ندیاں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں بھی انہیں ناموں سے جانی جاتی تھیں (۹) اور مدینہ طیبہ کے لوگوں میں بڑی شہرت رکھتی تھیں کیونکہ ان کے کناروں پر کھجور کے باغوں اور چراگاہوں کی بہتات ہوا کرتی تھی ۔ اکثر اوقات ان کے کنارے مویشیوں اور جانوروں کی منڈیاں لگا کرتی تھیں اور دیگر ثقافتی سرگرمیاں بھی عموماً وہیں پر وقوع پذیر ہوتی تھیں

یہ وادیاں اور ندی نالے نہ صرف آب پاشی کا ذریعہ تھے بلکہ ان کے قرب و جوار میں تجارتی اور ثقافتی سرگرمیوں کے اجتماعات بھی ہوا کرتے تھے. وادی العقیق کے لب جو لگنے والے میلے ٹھیلے اور کاروانی بازار مدنی تجارتی زندگی کا بڑا اہم حصہ ہوا کرتے تھے.

مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی وادی 'وادی العقیق' ہے جس کی گزرگاہ شہر مصطفوی سے جنوبی جانب ہے اور جہاں جہاں سے یہ گزرتی ہے اس علاقے کے چھوٹے ندی نالے اور وادیاں اس میں آکر مل جاتی ہیں مدینہ طیبہ سے شرقی جانب کی وادیوں کا بہاؤ بھی اسی طرف ہوتا ہے اور یوں یہ تمام چھوٹی بڑی وادیاں ارغابہ کے مقام پر وادی العقیق میں ضم ہو کر یکجا ہو جاتی ہیں شہر حبیب کے گردونواح میں واقع بلند و بالا پہاڑ ہونے کی وجہ سے ڈھلوان کی طرف بہتی ہوئی ہر ندی نالا کسی نہ کسی بڑی وادی میں ضم ہو جاتا ہے. رانونا، جفاف (قربان میں) اور مہزور اور مذینب کی وادیاں (بعوان میں) سب سے بڑی وادی بطحان میں آگرتی ہیں اور شمال مشرقی جانب سے بہنے والے تمام ندی نالے وادی قناۃ میں شامل ہو جاتے ہیں (۱۱) جو کہ ارض طائف سے شروع ہو کر میدان احد کے پاس سے گزرتی ہے ارغابہ کے مقام پر ان تمام وادیوں کا سنگھم ہو جاتا تھا جہاں وادی قناۃ میں مجتمع سیلابی پانی وادی العقیق کے دھارے میں شامل ہو جاتا تھا. (۱۲) یوں کم و بیش ۹۲ وادیوں اور ندی نالوں کا پانی جن میں وادی بطحان، ورقناۃ جیسی وادیوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی ندیاں جو کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بہہ نکلتی ہیں سبھی شامل ہیں. (۱۳) شدید بارشوں کے موسم میں جب وادی العقیق میں طغیانی کا پانی اس کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے تو دیکھنے والا دل تھام کر رہ جاتا ہے جیسا کہ اوپر دی گئی ایک تصویر سے ظاہر ہے.

ارض مدینہ طیبہ کے پربتوں کی یہ شہزادیاں بل کھاتی ہوئی گزرتی تھیں اور جہاں سے بھی جاتیں اردگرد کی زمین کو سونا بنا جاتی تھیں. مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ان مبارک وادیوں کے ان خصائص پر روشنی ڈالتی ہے: حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہم اپنے کھیتوں کو پٹے پر دے دیتے ہیں اور یوں ہم اس پیداوار سے حصہ لے لیتے ہیں جو کہ ندی نالوں کے کنارے واقع کھیتوں میں ہوتی ہے.....] (۱۴)

حضرت المقدام بن شریحؒ نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ [میں نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے صحرا میں جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا [رسول اللہ ﷺ صحرا میں ان نہروں (ندی نالوں) کے کنارے تشریف لے جایا کرتے تھے. یک مرتبہ آپ حضور ﷺ صحرا میں جانا چاہتے تھے (مگر بعض وجوہات کی بنا پر ایسا نہ ہو سکا) لیکن آپ حضور ﷺ نے صدقات سے میرے لیے ایک ناقہ ارسال کر دی جسے اس وقت تک سواری کے لیے سدھایا نہ گیا تھا.....] (۱۵)

ن وادیوں میں سے بعض میں قدرتی چشمے بھی ہوا کرتے تھے مگر بعض میں آبپاشی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کنویں بھی کھودے گئے تھے تاکہ سال بھر زراعت اور کاشتکاری کا تسلسل برقرار رہ سکے. یوں ان وادیوں نے ارض طیبہ کو سرسبز و شاداب رکھنے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے. عمرانی ترقی کے سبب اب سوائے وادی العقیق کے دیگر وادیاں تقریباً تقریباً معدوم ہو کر پس منظر میں چلی گئی ہیں مگر تاریخ مدینہ طیبہ کے حوالے سے اور سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے نقطہ نظر سے یہ وادیاں تاریخ مدینہ طیبہ کا جزو لاینفک بن چکی ہیں. اس وقت موجود وادیوں میں سے سب سے اہم وادی العقیق اور قناۃ تو پوری آب و تاب سے موجود ہیں جبکہ وادی بطحان کی کچھ باقیات العوالی میں نظر آجاتی ہیں اور دیگر کی اکثر وادیاں معدوم ہو چکی ہیں. مولف کے ساتھ اکثر ایسا ہوا کہ جب کبھی کسی وادی کے متعلق کسی اہل مدینہ طیبہ سعودی

بھائی سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو یا تو اس نے اپنی لاعلمی کا برملا اظہار کر دیا یا پھر ہنس کر ٹال دیا ذیل میں ہم چند مشہور وادیوں کے متعلق تفاصیل پیش کریں گے۔

بئر عروہ بن زبیرؓ کے قریب سے لی گئی وادی عتیق کی تصویر

وادی العقیق

ارض مقدس کی سب سے طویل اور عریض وادی 'وادی العقیق' ہے. جیسا کہ بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے یہ ارض مقدس کی سب سے مبارک وادی ہے اور جنت کی وادیوں میں سے ایک ہے. حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے: [وادی العقیق میں قیام کے دوران میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آج رات میرے اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور مجھے اس مبارک وادی میں نماز ادا کرنے کا کہا اور حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے کا کہا۔'' (۱۶) اور دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے رات کے پچھلے پہر جب کہ آپ حضور ﷺ ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے ایک رویائے صادقہ دیکھی جس میں آپ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ: [آپ اس وقت بہت ہی مبارک بطحاء (وادی کا بالائی حصہ) میں ہیں (۱۷) ذوالحلیفہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے جو کہ بقعہ برکات وفضائل ہے. (۱۸)

یہ وادی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۰۰ کیلومیٹر دور حرہ بنی سالم سے شروع ہوتی ہے اور مدینہ طیبہ کے مغرب سے حرۃ الوبرہ کے اس پار سے گزر جاتی ہے. جبل عیر کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی یہ وادی گزر کر ارض مقدس میں داخل ہو جاتی ہے. اس مقام اور نقطہ پر چونکہ عمرانی آبادکاری کا عمل اتنا زیادہ نہیں ہو سکا یہاں یہ مبارک وادی بہت ہی حسین منظر پیش کرتی ہے اور اگر کہیں شدید بارانی موسم میں یہ وادی طغیانی سے لبریز ہو کر چل پڑے تو مختلف پہاڑیوں کے درمیان سے اپنا راستہ بناتی ہوئی کبھی کبھی اتنا آپے سے باہر ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والے کا اس کے قدرتی حسن سے حظ اٹھانے کی بجائے دل دہلنے لگ جاتا ہے. قدیم روایات میں ہے کہ جب یمنی بادشاہ 'تبع' یثرب پر چڑھائی کی غرض سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تو اس نے اس عظیم وادی کو دیکھا جو دو پتھریلے اور سنگلاخ علاقوں کو چیر کر گزرتی تھی جس پر اس نے اسے 'العقیق' کہا جس کا مصب 'چیر کر علیحدہ کر دینے والا' ہے. ایک دوسری تھیوری جو اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زمین اور سنگلاخ علاقے سرخ اور سرخی مائل بھورے رنگ کے ہیں جس کی کچھ مشابہت عقیق کے پتھر سے ہے. چونکہ عقیق بلاد العرب میں بہت مقبول پتھر رہا ہے اس لیے اس علاقے کو العقیق کہا جانے لگا تھا، حالانکہ ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس تھیوری کی کوئی بنیاد نہیں تاہم اس بات میں صداقت ضرور ہے کہ اس کے گرد ونواح میں سرخ رنگ کے پہاڑ ہیں جن میں سے تین پہاڑیوں سے جن کو جبال الحرم کہا جاتا ہے سرخ رنگ کا سینڈ سٹون (ریتلا نرم پتھر) حاصل ہوا تھا جس سے سلطان عبدالمجید کے دور میں ۱۲۶۷ ہجری میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو ہوئی تھی. وجہ تسمیہ خواہ کچھ بھی ہو، زمانہ قبل از اسلام سے یہ وادی 'وادی العقیق' ہی کہلاتی رہی ہے.

جغرافیائی طور پر اس مبارک وادی کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: العقیق الاصغر، العقیق الکبیر اور العقیق الاکبر بیر الرومہ (سیدنا عثمانؓ کا کنواں) وادی العقیق الاصغر میں واقع ہے جب کہ بیر حضرت عروہ بن الزبیرؓ وادی العقیق الکبیر میں پڑتا ہے. ابیار علی کرم اللہ وجہہ (یا آبار علی) وادی العقیق الاکبر میں واقع ہیں. وادی العقیق الاکبر مدینہ طیبہ کے قریب سب سے زیادہ مشہور ہے. یہ وادی اتنی وسیع وعریض ہے کہ اس نے اپنے دامن برکات میں بڑے بڑے میدانوں کو بھی سمو لیا ہے، جیسا کہ البیضاء کا میدان ہے جہاں مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن اور بجلی کی تولید و ترسیل کا نظام نصب کیا گیا ہے. اس حصے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وادی العقیق الاکبر کے آنگن میں آبار علی کرم اللہ وجہہ کا میدان ہے جہاں وہ مبارک میقات واقع ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرے کے لیے احرام زیب تن فرمایا تھا. اس علاقے میں رہائشی آبادیاں بھی

بارشوں کی زیادتی ہونے سے
تو طغیانی کی وجہ سے
حدنگاہ تک وادی میں
میں پانی ہی پانی نظر
آتا ہے

آگئی ہیں. مدینہ طیبہ کے قریب ہی اس وادی میں دو بہت مشہور میدانی علاقے آتے ہیں جن کو 'العرصتین' کہا جاتا ہے: بڑا میدانی علاقہ العرصہ الکبریٰ کہلاتا ہے جو کہ جمادات کی پہاڑیوں کے دامن سے شروع ہو کر سعید بن العاص کے محلات کے کھنڈرات تک پھیلا ہوا ہے. ان دنوں اس جگہ شاہی محل (قصر الضیافہ) بن چکا ہے. دوسرا میدان قدرے چھوٹا ہے اور العرصہ الصغریٰ کہلاتا ہے جس میں آج کل مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ الاسلامیہ)، شیرانون ہوٹل، شاہ فہد کا مرکزی ہسپتال، مدینۃ الحجاج اور کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی واقع ہیں.

اس میں سب سے بڑا میدان 'البیضاء' کا تاریخی میدان ہے جس کے ساتھ تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں. آج کل دیگر مقامات کے علاوہ یہاں پر مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن قائم ہے. وہ مشہور واقع جس میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا اسی میدان کے اس حصے میں ہوا تھا جسے ذات الجیش کہا جاتا ہے جب کہ ایک غزوے سے واپسی پر لشکر اسلام میر امم اور سالار اعلیٰ رسوں مقبول ﷺ کی سرکردگی میں ایک رات کے لیے وہاں خیمہ زن ہوا تھا. چونکہ یہاں جیش اسلام نے پڑاؤ لگایا تھا اس لیے اس حصے کو 'ذات الجیش' کہا جانے لگا تھا جو کہ میدان البیضاء کے وسط میں واقع ہے. ان دنوں یہ غیر آباد اور خشک علاقہ ہوا کرتا تھا اور پانی بالکل نایاب تھا نہ وہاں کوئی کنواں تھا اور نہ ہی کوئی چشمہ. پڑاؤ کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وضوء کے لیے پانی کی شدید قلت کا سامنا تھا. فجر کا وقت نکلا جا رہا تھا اور لوگ ادھر ادھر پانی کی تلاش بسیار کے بعد ناامید ہو چکے تھے. ہار گم ہو جانے کی وجہ سے فرزندان توحید کا یہ قافلہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کے مخمصے میں تھا. رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی گود میں رکھے محو استراحت تھے. یہی وہ مقام اور موقع تھا کہ وحی مبارک کا نزول ہوا کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر لیا جائے (القرآن الکریم، المائدہ:٦) (٢٠) یہ بات بھی محل نظر رہے کہ حدود حرم المدینۃ النبویہ اسی مقام ذات الجیش تک ہے اور یوں البیضاء کا کچھ حصہ حرم مدنی شریف کا حصہ ہے. مزید برآں حجۃ الوداع پر روانگی کے وقت ذوالحلیفہ پر احرام زیب تن فرمانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ ٢٥ ذوالقعدہ کو اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں البیضاء میں داخل ہوئے جہاں سے تلبیہ کہنا شروع کیا گیا اور اپنے ساتھ ہدی کے جو اونٹ لے کر روانہ ہوئے تھے ان کو اسی میدان میں حج پر قربانی دینے کے لیے ہار پہنائے گئے تھے. (٢١)

میدان البیضاء کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ شام کی جانب سے ایک لشکر جرار مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے اس پر چڑھائی کے لیے نہیں آئے گا. یہ لشکر شامی جانب سے وارد ہوگا اور جب میدان البیضاء میں پہنچے گا تو اللہ رب العزت جل جلالہ مسلمانوں پر اپنی کمال مہربانی سے اس لشکر عدو کو اسی میدان البیضاء میں غرق کر دیں گے. اس ضمن میں بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں. (ابن شبہ، ض ١، صفحات. ٢٠٩-١١٠). دیگر باتوں

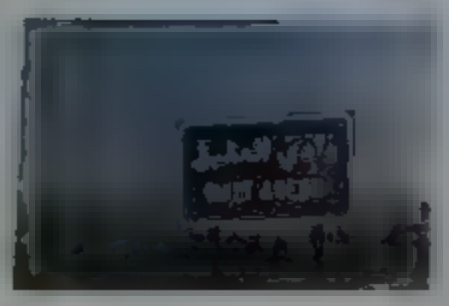

ن عقیق میں محمد ـــ
قدیہ محمدیت
۲۰۰۰ء

کے علاوہ احادیث مبارکہ میں اس بات کی بھی صراحت کردی گئی ہے کہ لشکر عدو کے غرق ہونے کا واقعہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے رونماء ہوگا۔ (صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۳۲۹، اور ابن شبہ، ج ا ص ۲۱۰)

موجودہ دور میں شہر حبیب کو وادی العقیق کے اس پار واقع دوسری آبادیوں کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے اس پر پانچ مختلف مقامات پر پل بنا دیئے گئے ہیں جو حرۃ الوبرہ سے گزرتے ہوئے شہر حبیب سے آمد و رفت میں آسانی پیدا کرتے ہیں مثلاً جامعہ اسلامیہ کا پل، شامی محلہ کا پل، شاہراہ تبوک کا پل اور عروہ بن زبیرؓ کا پل (جہاں سے گزر کر ذوالحلیفہ جایا جاتا ہے۔)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ [میں ایک دن رسول خدا ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر وادی عقیق کی طرف گیا آپ نے فرمایا [اے انس اس وادی کے پانی سے آفتابہ بھر لو ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور یہ ہم کو دوست رکھتی ہے۔] (جذب القلوب ص ۱۶۶)

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے [میں شکار کیا کرتا تھا اور شکار سے حاصل ہونے والا گوشت حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں کافی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکا اور جب حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس تاخیر کا سبب دریافت فرمایا: ''اے سلمہ کہاں رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان دنوں شکار کے لیے بہت دور تک جانا پڑتا ہے۔ مجھے اس کی تلاش میں اس مقام تک جانا پڑتا ہے جہاں سے ثیب کے قریب سے وادی قناۃ کا اجراء ہوتا ہے آپ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم العقیق میں شکار کرنے جاؤ تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا اور میں وادی العقیق پر تمہیں الوداع کروں گا اور تمہاری واپسی تک میں وہیں انتظار کروں گا کیونکہ مجھے وادی العقیق سے بہت پیار ہے۔] (۲۲) اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مبارک وادی سے کتنی محبت فرمایا کرتے تھے۔

وادی العقیق کے نواح میں واقع اراضی کے بہت سے قطعات کو رسول اللہ ﷺ نے اکثر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرما دیا تھا۔ حضرت سعید ابن زیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں سے ہر دو کے زرعی فارم وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے نزدیک واقع تھے (۲۳) البلاذری نے ایسے بہت سے کنوؤں اور ندیوں کا ذکر کیا ہے جو کہ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اراضی کو سیراب کرنے کے لیے مختص تھے جیسا کہ بیر عروہ بن زبیرؓ، حوض عمرو بن الزبیرؓ اور خلیج حضرت نائلہ ؓ زوجہ محترمہ سیدنا عثمان بن عفانؓ وغیرہ خلیج نائلہؓ تو ایک کافی بڑی ندی تھی جس سے سیدنا عثمان بن عفانؓ کی اراضی سیراب ہوا کرتی تھی۔ (۲۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انگوروں کا باغ بھی وادی العقیق میں ہوا کرتا تھا اس باغ کا انگور بہت ہی اعلیٰ قسم کا ہوا کرتا تھا جس سے انہیں کافی منافع ہوتا تھا، یہاں تک کہ عموماً اس سے ۵۰۰، ۱۰ دینار تک کی آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ ان کے انگوروں سے بعض

حضرت عروہ بن زبیرؓ
کے محل کے کھنڈرات
تصویر ۲۰۰۱ء

نوجوان شراب کشید کرلیا کرتے تھے. اس بات کا انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ سود وزیاں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے باغ سے کھجوروں کی تمام بیلیں اکھاڑ کر جلادیں اور اس باغ کو ویران کردیا.

العقیق کی اراضی سے جو کہ ذوالحلیفہ کے قریب تھی ایک حصہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بھی ملا تھا جنہوں نے وہاں اپنا زرعی فارم بنالیا تھا. سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں سیدنا علی کرمہ اللہ وجہہ نے اپنی اس اراضی کو سیراب کرنے کے لیے اس کے مختلف علاقوں میں ۲۳ کنویں کھدوائے اور یوں یہ علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا. ہر طرف سبزہ لہراتا تھا. اس کی پیداوار جو کہ زیادہ تر سبزیاں اور پھل ہوا کرتے تھے اہل مدینہ کو مہیا کیے جاتے تھے. یہ تئیس کنویں نہ صرف شیر خدا سیدنا علیؓ کی اراضی کو سیراب کرتے تھے بلکہ اردگرد کے باسیوں کی آبی ضروریات کی کفایت بھی کرتے تھے آہستہ آہستہ یہ کنویں اتنی شہرت پا گئے کہ یہ تمام علاقہ ''آبار علی'' کے نام سے جانا جانے لگا جو کہ آج بھی ہے.

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے کنویں سوکھ گئے اور کچھ معدوم ہوگئے. ۹۸۲ ہجری میں مدینہ طیبہ کے اشراف (سادات خاندان کو حجاز میں اشراف کہا جاتا ہے) کے ایک فرد احمد بن سعد الحسینی نے اس وقت کے ایک وزیر محمد پاشا کے ایماء پر ان کنووں کی مرمت کروائی اور ان میں سے چند میں سطح آب تک رسائی کے لیے زینے بھی لگوادیئے. آج بھی یہ علاقہ آبار علی کے نام سے ہی مشہور ہے. ان میں سے بہت سے کنویں تو وقت کی ستم ظریفی کی نذر ہو چکے ہیں جب کہ باقیوں میں سے بھی چند اور متروک الاستعمال ہیں. تاہم ان میں سے کچھ میں ابھی تک پانی موجود ہے اور پینے میں اپنی ایک خاص لذت رکھتا ہے. مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے پانی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان میں سے چند میں ٹیوب ویل نصب کروائے گئے تھے. خوبصورت کھجوروں کے جھرمٹ میں یہ کنویں آج بھی اپنے حسن وجمال سے اردگرد کے ماحول کو پرکیف اور پرسرور بنا رہے ہیں. یہ علاقہ ذوالحلیفہ سے زیادہ دور نہیں اور اگر زائر کے پاس وقت ہو تو پندرہ بیس منٹ کی پیدل مسافت پر ان کنووں کی زیارت کی جاسکتی ہے.

آبار علی کے ان باغات کی موجودہ حیثیت پرائیویٹ پراپرٹی کی سی ہے کیونکہ ان باغات کا کچھ حصہ مرحوم منصور الفریدی نے خرید لیا تھا. آج بھی بہت سے زائرین اس جگہ جاکر ان کنووں کے پانی سے فیضیاب ہوتے ہیں اور بعض حضرات تو اس کا پانی بھر کر دور دراز ساتھ لے جاتے ہیں اور ملاقے کے لوگوں میں اس پانی سے شفاء حاصل ہوجانے کے بہت سے قصے بھی مشہور ہیں. تاہم ہم یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھیں گے کہ چونکہ بہت سے زائرین اس جانب کا رخ کرتے تھے جس سے مطوع حضرات چیں بجبیں ہوتے تھے لہذا انہوں نے (۲۰۰۱ء) میں وہ پائپ جو کہ ایک بیر علی سے پانی لاکر باہر کی ٹونٹیوں سے آنے جانے والوں کے لیے پینے کا پانی مہیا کرتا تھا منقطع کردیا ہے اور اس کی بجائے پیچھے سے اسے بلدیہ کے پانی کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے، جس سے شیدایان علی کرم اللہ وجہہ اصلی ابیار علی کے پانی سے محروم کردیئے

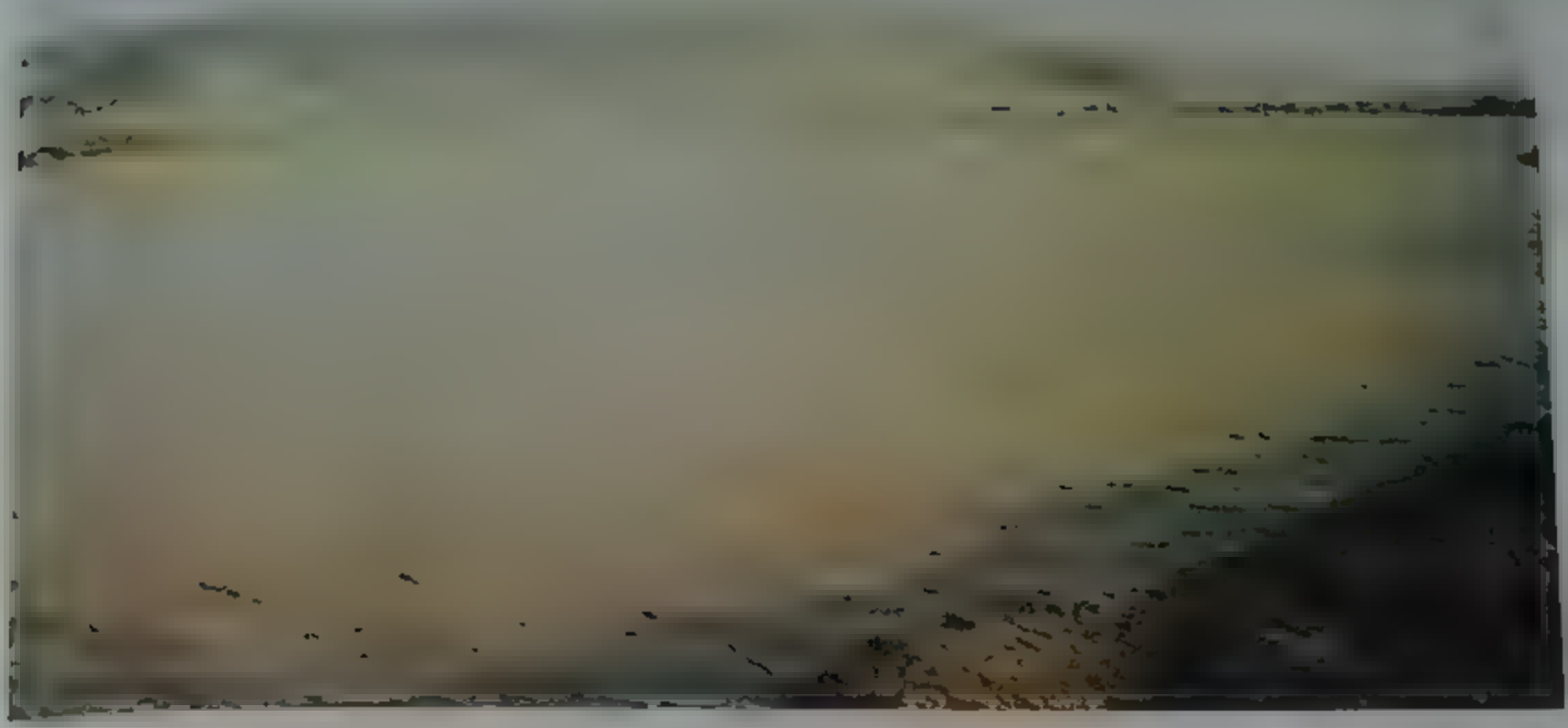

وادی عقیق کا بارش
کے بعد ایک
خوبصورت منظر

گئے ہیں البتہ اگر نماز کا وقت ہو تو اندر جا کر نماز کرنے کا ارادہ ہو تو باغ کے اندر چھوٹی سی مسجد میں وضو کا پانی انہیں کنوؤں سے مہیا کیا جاتا ہے

تاریخ مدینہ طیبہ کے ابتدائی چند سالوں میں ایک اور مشہور واقع بھی وادی العقیق سے جڑا ہوا ہے. رسول اللہ ﷺ نے وادی العقیق کی اراضی کا بہت سا حصہ حضرت بلال بن حارث المزنی ؓ کو عطا کر دیا تھا. اس عطا نامے کی نص کا ترجمہ درج ذیل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وثیقے کی رو سے محمد الرسول اللہ (ﷺ) بلال بن الحارث المزنی کو العقیق سے اراضی عنایت کرتے ہیں تا کہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں.

مہر. محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ: معاویہ بن ابوسفیان ؓ

چونکہ یہ زرعی اراضی دو مختلف وقتوں میں حضرت بلال بن الحارث ؓ کو عطا ہوئی تھی، اس لیے دوسرے حصے کے لیے ایک اور عطاء نامہ تیار کیا گیا تھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النہل اور جزعہ کے علاقے بلال المزنی کو دیئے جاتے ہیں. اس کے علاوہ المزعہ اور غیلہ کے علاقے بھی انہیں عنایت کئے جاتے ہیں. ان منطقوں میں جو بھی نشیب و فراز کی زمین ہے وہ سب انہیں کی ہوگئی. اس علاقے میں واقع کانیں بھی ان کی ہوں گی بشرطیکہ ان کا قبیلہ اسلام پر کاربند رہے گا.

مہر: محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ: ابی بن کعب ؓ

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کی خلافت راشدہ کا دور آ گیا، مگر وہ تمام زمین ویسے کی ویسے ہی پڑی رہی اور حضرت بلال المزنی ؓ یا ان کے اہل خانہ اس سے خاطر خواہ استفادہ نہ کر سکے. چنانچہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے حکم دے دیا کہ چونکہ وہ لوگ اس زمین کو کاشت کر کے اس سے پیداوار حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے جو کہ قدرتی وسائل کے ضیاع کے مترادف ہے لہذا اس زمین کے کچھ حصے کا عطاء نامہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے. بنی مزنہ کا استدلال یہ تھا کہ وہ عطاء جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کی ہو کسی کو اس کے چھیننے کا حق نہیں جب کہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق ؓ کا استدلال یہ تھا کہ یہ زمین محض نمائش کے لیے انہیں نہیں دی گئی تھی بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس سے استفادہ کیا

قصر عروہ بن زبیر بن عوامؓ
کھنڈرات
۱۹۵۵ء

جائے اس لیے بنی مزینی کو وہ حصہ واپس کرنا پڑا جو کہ وہ اس وقت تک زیر استعمال نہ لا سکے تھے۔ یہ حصہ واپس لیے جانے کے بعد بھی بنو مزینی کے پاس کافی زمین باقی بچ رہی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت سی ارضی، پہاڑیاں اور معدنی کانیں عطا فرمائی تھیں۔ حضرت بلال بن الحارثؓ کی اولاد نے باقیماندہ اراضی کا ایک حصہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جو کہ اپنی لگن اور محنت شاقہ سے اس زمین میں موجود ایک یا دو کانوں سے معدنیاتی وسائل کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جب بنی مزینی کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے رجوع کیا اور دلیل پیش کی کہ جب انہوں نے وہ زمین فروخت کی تھی تو یہ بات ان کے علم میں نہ تھی کہ وہ زمین معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ چونکہ سودا طے کرتے وقت اس زمین کی اصلی قدر و قیمت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اس لیے وہ اس سے مناسب مالی منفعت حاصل کرنے سے محروم رہ گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے استدعا کی کہ انہیں اس کا مناسب معاوضہ دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنے ان اخراجات سے مطلع کیا جو کہ ان وسائل کو بروئے کار لانے میں صرف ہوئے تھے اور پھر اپنے اخراجات کو نکال کر ان کانوں سے حاصل شدہ منافع کا مناسب حصہ ان کو عطا کر دیا۔ (۲۷)

وادی العقیق کی دیکھ بھال کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ضیضم المزنیؓ کو وہاں کا والی مقرر کیا تھا۔ بعد کے ادوار میں اگرچہ مدینہ طیبہ کا والی (گورنر) ہوا کرتا تھا مگر وادی العقیق کے لیے ایک الگ والی مقرر کیا جاتا تھا۔ تاہم ۱۹۸ ہجری میں یہ عہدہ ختم کر دیا گیا۔ ایسا عباسی دور میں داؤد بن عیسیٰ کے گورنری کے دوران ہوا۔ (۲۸)

وادی بکیمین
۲۰۰۱ء

مدینہ طیبہ کی ارض مقدس پر واقع تاریخی کنوؤں میں سے دو کنویں اسی وادی العقیق میں واقع ہیں جو کہ بیر الرومہ (سیدنا عثمانؓ کا کنواں) اور بیر العروہ بن الزبیرؓ ہیں۔ بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زرعی اراضی اور مکانات اور محلات بھی اسی وادی مبارکہ میں الجرف کے منطقہ میں تھے، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲۹) کی اراضی یا حضرت ابو ہریرہؓ کی اراضی اور محل وغیرہ۔ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں دائمی رہائش اختیار کر لی تھی اور بعض کے محلات تو بہت عالیشان ہوا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (جو کہ عشرۂ مبشرہ میں شامل تھے)، حضرت عروہ بن زبیرؒ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادوں میں سے چند نے وہاں عظیم الشان محلات (قصور) تعمیر کروا لیے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے باغات سے اعلیٰ قسم کا انگور حاصل ہوتا تھا۔ مسعودی (ت ۳۴۶ ہجری) رقمطراز ہیں: ''اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا محل العقیق میں تعمیر کروایا اس کی دیواریں بہت بلند تھیں یہ

وادی عقیق میں
مسجد عروہ بن زبیرؓ
کے کھنڈرات اس سے
متصل قبرستان میں
آپ مدفون ہیں

ایک بہت ہی وسیع و عریض محل تھا جس کی چھت پر گیلریاں بنی ہوئی تھیں۔" (۳۱)

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک وادی العقیق کا علاقہ بہت پوش رہائشی علاقہ بن چکا تھا جہاں جگہ جگہ عالی شان محلات نظر آتے تھے ان میں سے بہت سے محلات تو قدیم اطموں کی طرز پر قلعوں کی طرح بنائے گئے تھے وادی العقیق کے میدانی علاقوں (اور بالخصوص العرصہ) میں رہائشی مکانات اور محلات کے لیے زمین کم پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے یہاں موجود زمین کی الاٹمنٹ کے لیے طریقہ کار اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا تھا کہ نئے درخواست کنندگان کی حوصلہ شکنی ہو جاتی تھی ایسے پلاٹوں کی منظوری دمشق سے خیفہ وقت سے براہ راست لینی ہوتی تھی (۳۲) امویوں کے عمل دخل کی وجہ سے زیادہ تر یہ پلاٹ امویہ خاندان کے امراء اور رؤساء یا ان کے ہمنواؤں کے قبضے میں آ گئے تھے محلات کی عمارات کی شان و شکوہ کا اندازہ المطری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق سعید بن العاص نے (جو کہ حضرت معاویہؓ اور یزید پلید کے دور میں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) اپنے محل کی تعمیر پر ۲۰۰،۰۰۰ دینار کا زر کثیر خرچ کیا تھا۔ جب یہ محل تعمیر ہوا تو سعید بن العاص ہی العقیق کا والی بھی تھا۔ ان دنوں میں العقیق کے علاقے میں بسنے والوں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ ہوا اور یہاں کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس تک پہنچ گئی۔ وادی العقیق کی خوبصورتی زبان زد عام تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر شعراء نے اسے اپنے عشقیہ اشعار کا موضوع بنایا تھا۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہ باد بہاری جو العقیق سے گزر کر آتی ہے
مجھے اس کا اور زیادہ دیوانہ بنا دیتی ہے
اور یہ میرے جذب و مستی کو ایک نئی مہمیز لگا جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

بارانی مواسم میں چونکہ اس وادی مبارکہ میں طغیانی کا خدشہ رہا کرتا تھا اس لیے ایسے تمام محلات اس کے کناروں پر تعمیر ہوئے تھے۔ مورخین مدینہ طیبہ نے ان محلات اور عمارات میں بعض کے نام بھی گنوائے ہیں جو کہ وہاں پہلی اور دوسری صدی تک مقیم رہے تھے۔ ان میں سے چند مشاہیر کے نام گرامی یہ ہیں:

(۱) محل عروہ بن زبیرؓ
(۲) محل عاصم بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ
(۳) محل عنبسہ بن عمرو بن عثمانؓ
(۴) محل عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن عثمانؓ

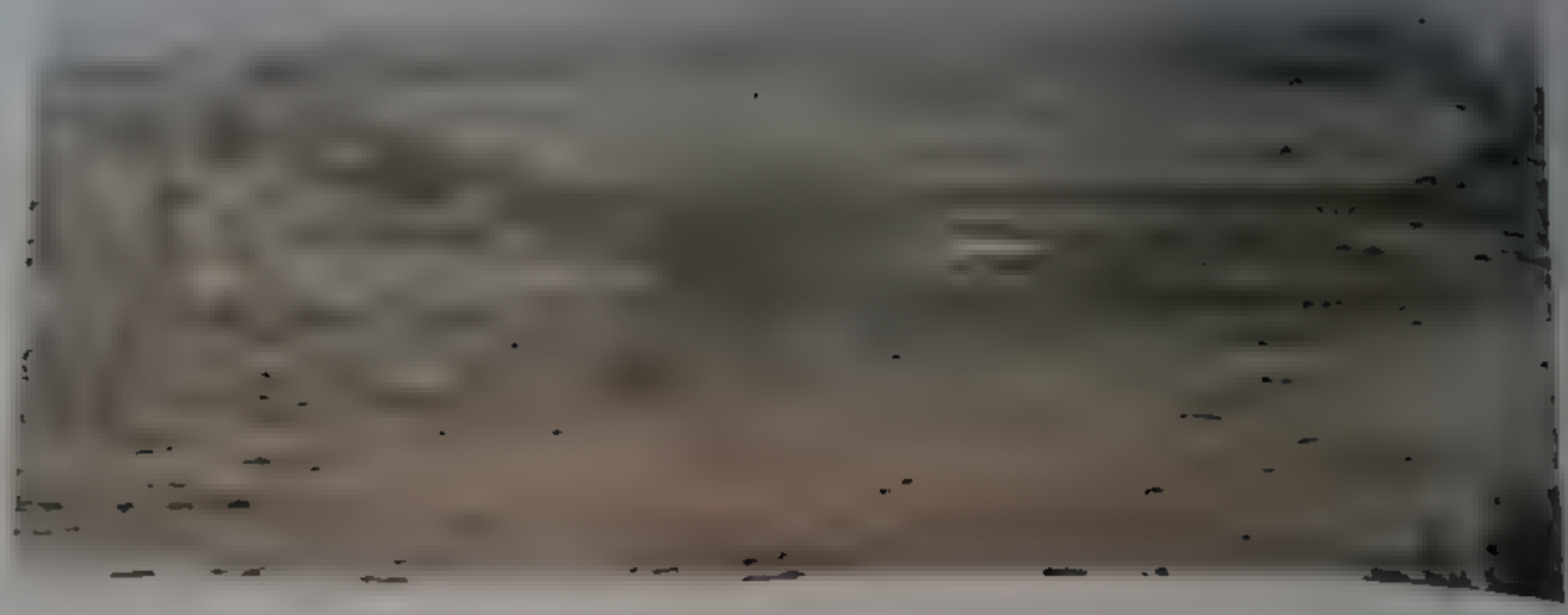

۱۱۰ ای تحقیق کا
یب ، دمشق
، ۲۰۰۳

(۵) محل سعید بن العاص

(۶) محل عنبسہ بن سعید بن العاص جو کہ بیر الرومہ کے قریب تھا

(۷) محل ابی بکر بن عبداللہ بن مصعب الزبیری

(۸) محل اسحاق بن ایوب الحزوی (ان کے اس علاقے میں بہت سے محلات تھے)

(۹) محل ابراہیم بن ہشام

(۱۰) محل سیدۃ سکینہ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالبؓ (حرہ وبرہ کی غربی جانب)

(۱۱) محل مروان بن الحکم

(۱۲) محل عبداللہ بن عامر (بیر الرومہ کے قریب)

(۱۳) محل عبداللہ بن سعید بن العاص

حضرت عروہ بن زبیرؒ نے عبداللہ بن عباس بن علقمہ سے بہت سی اراضی خریدی تھی اور اس میں ایک بہت ہی عالیشان محل تعمیر کروایا تھا۔ابتدائی مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا محل سب سے زیادہ خوبصورت ہوا کرتا تھا روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی خالہ (ام المومنین سیدۃ عائشہؓ) کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا. جب انہوں نے ان کے محل کی شان وشکوہ اور اپنے لیے تیار کرائے گئے انواع واقسام کے کھانوں کو دیکھا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنا منہ دیوار کی طرف کر کے بے اختیار رونے لگ گئیں اور فرمانے لگیں: [رسول اللہ ﷺ نے نہایت ہی صبر اور کفایت شعاری میں اپنی زندگی گزاری تھی درآں حالیکہ آپ حضور ﷺ کا حکم پورے جزیرۃ العرب پر چلتا تھا اور آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ دو کھجور کے دانوں اور سادہ پانی پر پورا پورا دن گزارا کرتے تھے.] یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ان دنوں العقیق کی آبادی ہزاروں نفوس تک پہنچ گئی تھی اور وہاں بسنے والے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سوں کی تدفین بھی اسی وادی العقیق کے کنارے ہوئی تھی. حضرت عروہ بن زبیرؒ بھی اپنے کنویں کے قریب ہی ایک قبرستان میں دفن ہوئے تھے (۳۴) اس قبرستان کے نشانات آج بھی موجود ہیں.

محلات کے علاوہ وادی عقیق کے قرب وجوار میں چند اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زرعی فارم بھی تھے جن میں سے مزارع ابی ہریرہؓ، مزارع عروہ بن الزبیرؒ بساتین عبداللہ بن بکیرؒ اور بستان سعید بن العاص بہت مشہور تھے.

ان تمام محلات کے کھنڈرات صدیوں سے زائرین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں. بارھویں صدی تک تو ان آثار قدیمہ کی نگہداشت بہت

وادی بطحان میں تعمیر شدہ برساتی نالہ۔ ۱۹۹۰ء

استمام سے کی جاتی رہی مگر اس کے بعد ان کی دیکھ بھال سے ہاتھ کھینچ لیا گیا اور یوں تاریخ مدینہ طیبہ کی یہ قدیم وراثت بے اعتنائی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ سعید بن العاص کے محل کے کھنڈرات شاہی محل (قصر الضیافہ) میں مندمج ہو چکے ہیں۔ (۳۵) دیگر میں سے چند کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں مگر زبوں حالی میں مبتلا، موسم کی صعوبتوں اور قدرتی حوادث کے رحم و کرم پر یہ کھنڈرات بھی روبہ تعدیم ہیں۔ رہی سہی کسر مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی نے نکال دی ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی جدید لہر سے وادی عقیق کی قسمت ایک بار پھر جاگ اٹھی ہے۔ سعودی دور میں شاہی محل کے علاوے بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور مجمع القرآن اسی وادی کے عرصوں میں آباد کئے گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا ہسپتال مستشفی ملک فہد بھی اسی وادی کے عرصہ میں بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے زرعی فارم اور بنگلے بھی اسی علاقے میں تعمیر ہوئے ہیں۔

قدیم تاریخی ورثوں کے علاوہ اس بابرکت وادی العقیق کی عظمت آج بھی قائم و دائم ہے کیونکہ اس میں چند ایسے مقامات ہیں جو کہ اسے تابہ ابد زندہ رکھیں گے، مثلاً میقات ذوالحلیفہ، آبار علی کرم اللہ وجہہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ اور جبل الحرم جہاں سے مسجد نبوی شریف اور بالخصوص حجرہ مبارکہ کے لیے سرخ پتھر نکالا گیا تھا۔

وادی بطحان

حضرت زبیر بن بکارؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؒ سے روایت کی ہے: [بطحان جنت کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔] (۳۶) شہر حبیب سے تقریباً سات میل دور جبل عیر کے دامن میں واقع سنگلاخ حرے سے نکل کر یہ وادی العالیہ کی ایک جانب سے گزرتی ہوئی مسجد نبوی شریف کی غربی جانب سے گزر کر (جہاں سے اس کا نام وادی ابوجیدہ ہو گیا تھا) اس کا بہاؤ بل کھاتا ہوا اور جبل سلع کو چھوتا ہوا اثریہ کے ڈیلٹا میں وادی العقیق میں چلا جاتا تھا۔ راستے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے اس میں آ کر شامل ہو جاتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی وادیوں میں یہ وادی درمیانے درجے کی وادی تصور ہوتی تھی۔ قبل از اسلام کے یثرب قدیم میں جب یہود بے بہبود شمال سے آ کر یہاں آباد ہوئے تو انہوں نے اپنی آبادیاں وادیوں کے کنارے بسائیں۔ بنونضیر نے وادی بطحان کے کنارے آبادکاری کی جب کہ بنی قریضہ نے وادی مہزور کے نزدیک ڈیرے ڈال لیے۔ بنوغفیر نے وادی بطحان کے آس پاس بہت سے اطم بنائے اور بستان اگائے تھے۔ العوالی میں وادی صعیب اور وادی بطحان کے سنھم کے قریب بنوقینقع آباد تھے۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں اس مبارک وادی کا ذکر ملتا ہے: مثلاً یہ کہ غزوہ الاحزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کے پانی سے اکثر بار وضوء فرمایا تھا۔ (۳۷)

ماضی میں جب بارانی پانی جمع ہو جاتا تھا اور العوالی میں پانی کے نکاس کا کوئی مناسب بندوبست نہ تھا تو یہ جمع شدہ پانی تقریباً سارا سال آہستہ آہستہ بہتا رہتا تھا۔ اس میں سیوریج کا پانی بھی مل جاتا تھا۔ سارا پانی جمع ہو کر نہر کی صورت میں مسجد نبوی شریف کی غربی جانب مسجد الغمامہ کے پاس سے گزرتا تھا جہاں اس پر ایک قدیم پل بنا ہوا تھا تاکہ لوگوں کی آمد و رفت میں آسانی ہو۔ اس سے آگے ڈھلوان کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا جہاں اس کی طغیانی اکثر قیامت ڈھاتی رہتی تھی۔ اسی وجہ سے جبل سلع کے دامن میں تمام علاقہ اکثر و بیشتر زیر آب آیا رہتا اور اسی مناسبت سے اس کا نام بھی 'الیسیع' (یعنی طوفان زدہ علاقہ) کہلاتا تھا۔

اوپر دی گئی تفاصیل سے قاری کے ذہن میں یہ خیال ضرور ابھرتا ہوگا کہ شاید اب بھی یہ وادی مدینہ طیبہ میں موجود ہوگی۔ دراصل اس علاقے میں اب کسی وادی کا نام و نشان تک نہیں ملتا کیونکہ اس پورے علاقے کو ہموار کر کے ترقی بخش دی گئی ہے۔ جدید ٹاؤن پلاننگ نے تو

وادی بطحان

رہی سہی کسر نکال دی ہے اور العوالی میں تو اس کا وجود برائے نام ہی رہ گیا ہے (صرف وادی صعیب - خاک شفاء کا منطقہ - کے قریب اس کے کچھ بچے کھچے آثار پائے جاتے ہیں) جہاں اس کی حیثیت محض سیورتج کے نالے کی رہ گئی ہے جو کہ العوالی اور قربان کے علاقوں کا فالتو پانی بہا کر لاتا ہے۔(۳۸)

وادی بطحان میں سیلاب کا منظر — خاک شفاء کا علاقہ، ۹۹۰ء

وادی مذینب

العوالی کی زرخیز اراضی کو سیراب کرنے میں وادی مذینب کا کردار بھی بہت اہم رہا ہے۔ وہاں سے اس کا فالتو پانی مدینہ طیبہ کی جانب آجاتا اور وادی بطحان میں شامل ہو جاتا تھا۔ انتہائی جنوب میں واقع حرہ شوران سے یہ وادی نکلتی تھی اور طویل سفر کے بعد وادی بطحان میں ضم ہو جاتی تھی۔ اکثر و بیشتر اس میں سارا سال پانی بہتا رہتا تھا۔ اس کے آبی وسائل کے پیش نظر یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر نے اس کے کنارے آبادکاری کر لی تھی۔(۳۹) اور صدیوں کی کاشتکاری سے اس وادی کے ردگرد بہت سی اراضی اس کے کناروں پر قابل کاشت ہو گئی تھی جہاں بنی نضیر نے کھجوروں کے باغات اور غلے وغیرہ کے لیے کھیت بنا رکھے تھے۔ دراصل اس کو آباد بنی نضر کے یہود نے کیا تھا اور اسی کے مردان کے اطام اور گھر ہوا کرتے تھے۔ کعب بن الاشرف یہودی کے قلعے کے کھنڈرات اسی وادی مذینب میں ہی ہیں

وادی مذینب میں یہودی کعب بن اشرف کے قلعے اور محل کے کھنڈرات ۲۰۰۲ء

وادی مہزور

وادی مذینب کی طرف حرہ شوران سے نکل کر وادی مہزور شرقی حرہ کی جانب نکل پڑتی تھی۔ بنو قریضہ کے علاقہ سے گزر کر مسجد نبوی شریف کے پاس سے بل کھاتی ہوئی یہ ندی سافلہ (ڈھلوان) کے علاقے میں مسجد ابوذر الغفاریؓ کے پاس سے آگے نکل جاتی اور

وادی مذینب

وادی قناۃ میں ضم ہو جاتی تھی (۴۰) العوالی کے علاقہ سے گزرتے ہوئے اور لوگوں کی اراضی کو سیراب کرنے کے علاوہ صدقات رسول اللہ ﷺ میں سے مشربہ ام ابراہیمؓ کو بھی یہی وادی پہنچتی تھی۔ (۴۱) بارش کے دنوں میں اس میں طغیانی کا پانی ڈھلوانی علاقوں کو زیروزبر کر دیتا تھا اور کبھی کبھار تو مسجد نبوی شریف اور بقیع الغرقد کے درمیان واقع علاقے تک اپنی مار کا اثر دکھا دیتا تھا حضرت عبداللہ بن صاحب الخزومیؓ سے مروی ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہو گیا تھا (۴۲) ایک بار سیدنا عثمانؓ کے دور میں جب شدید بارشیں ہوئیں اور اہل مدینہ سخت خائف ہو گئے تھے کہ کہیں وادی مہزور کی طغیانی مسجد نبوی شریف کے گرد کی آبادیوں کو بہا نہ لے جائے، تو سیدنا عثمانؓ نے فوری اقدام کئے اور العوالی میں ایک مقام پر اس کے آگے بند بنا دیا گیا جس سے اس کا پانی وادی بطحان کی طرف مڑ گیا۔ یوں کسی وادی کے پانی کو روکنے کے لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلا ڈیم بنایا گیا تھا وہ سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے احکام سے وادی مہزور پر بنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کی تو انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو دیگر دیواروں کی نسبت بہت مضبوط اور موٹا کر کے بنوایا تھا تاکہ مستقبل میں طغیانی کے بہاؤ کا مقابلہ کر سکے۔ (۴۳) پھر ۱۵۶ ہجری میں جب عبدالصمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس مدینہ طیبہ کے گورنر بنے تو ان کے دور میں بھی وادی مہزور میں شدید طغیانی آئی جس سے العوالی میں واقع صدقات النبی (بشمول مشربہ ام ابراہیم) پانی میں ڈوب گئے تھے اور لوگوں کو بہت جدوجہد کے بعد اس کا پانی وادی بطحان کی طرف موڑنے میں کامیابی ہو پائی تھی۔ بہذا ابو جعفر المنصور نے مستقبل میں ایسے خطرات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک اور بند (ڈیم) بنوانے کا حکم دیا (۴۴) اس کے باوجود بھی اس کا پانی جب اس کی قدرتی قدیم گزرگاہ سے بہتا تو تھوڑی بہت طغیانی کے دنوں میں بھی اس کا پانی اس کے کناروں سے نکل کر مسجد نبوی شریف اور بقیع الغرقد کے قریب کے علاقوں میں مختلف ندی نالوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور السافلہ کے علاقوں میں تباہی مچاتا العریض کی جانب جا نکلتا اور پھر وہاں کی آبادیوں کو زیر آب کرتا ہوا وادی قناۃ میں جا گرتا تھا۔ (۴۵)

بنی قریضہ کے یہودی اس وادی کے کنارے آباد تھے۔ دیگر یہودی قبائل کی نسبت یہ قبیلہ زیادہ امیر تھا اور ان کی زرعی اراضی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جہاں آب پاشی کو بہتر بنانے کے لیے انہوں نے جابجا کنویں بھی کھود رکھے تھے۔ وادی مہزور سے شروع ہو کر ان کی آبادی مشرقی جانب جبل بنو قریضہ تک چلی گئی تھی۔ سوائے چند کنوؤں کے اتنا وسیع اور عریض علاقہ صرف یہی وادی سیراب کیا کرتی تھی۔

وادی رانونا

وادی رانون یا وادی رانونا کے نام سے مشہور یہ وادی بھی حرہ شوران کے علاقے سے آتی تھی اور جبل عیر کی شرقی جانب سے گزر کر مسجد قباء کو اپنی شرقی جانب چھوڑتی ہوئی یہ اپنا طغیانی کا پانی مسجد الغمامہ تک پہنچنے سے پہلے وادی بطحان میں پھینک دیتی تھی۔ پھر یہ مجتمع

پانی وادی جیدہ کے نام سے جبل سلع کی غربی جانب سے گزرتا ہوا وادی العقیق میں ضم ہو جاتا تھا. یہ وہی وادی تھی جس کے کنارے بنی سالم بن عوف کا قبیلہ آباد تھا. ہجرت مبارکہ کے موقع پر اس سے تھوڑی دور ہی جنوب کی طرف رسول اللہ ﷺ حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں قیام فرما تھے. جب سرکار دو عالم ﷺ مسجد قباء کی بنیاد رکھ کر اسے مدینہ طیبہ کی دوسری مقدس مسجد بنا چکے تو سرکار دو عالم ﷺ حق پرستوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے اپنے میر کارواں کی سربراہی میں یہ قافلہ جاں نثاروں وادی رانونا کے پاس سے گزرا تو وہاں کے باسی بنی سالم بن عوف کے مکین دست بستہ عرض کرنے لگے کہ آسمان رسالت کا آفتاب عالمتاب کچھ دیر کے لیے ان کے گھروں کو بھی منور و تاباں کرتا جائے. چنانچہ رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے ان کے ہاں رکے اور اپنا پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں وادی رانونا کے کنارے ادا فرمایا یہ وہی جگہ تھی جہاں شمع رسالت کے پروانوں نے بعد میں مسجد جمعہ تعمیر کروائی تھی اپنی تکوین و تعمیر کے لحاظ سے دوسری مگر نماز جمعہ کے لحاظ سے یہ پہلی مسجد تھی جہاں انصار و مہاجرین نے مل کر میر امم صاحب الجود والکرم ﷺ کی اقتداء میں پہلی نماز جمعہ ادا کی تھی.

وادی قناۃ

طائف کی جانب کے پہاڑوں سے نکلنے والی یہ وادی ایک طویل سفر کرنے کے بعد میدان کارزار احد کے پاس ارض حرم نبوی شریف میں داخل ہو جاتی ہے. جمہ الجاسر کے مطابق یہ وادی وجہ (الطائف) سے نکلتی ہے. (۴۶) اسے وادی قناۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے ادھر کے تمام علاقوں میں (خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں ۶۵۴ ہجری میں آتشفشانی انفجار کے عمل کے نتیجے میں نکلنے والا لاوا مسجد نبوی شریف سے تین میل کے فاصلے پر آ کر رک گیا تھا) یہ وادی اسی نام سے جانی جاتی ہے ارض مدینہ طیبہ میں داخل ہو کر یہ جبل احد اور مدینہ طیبہ کے درمیان سے گزرتی ہے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں یہ جبل احد اور جبل الرماۃ (جبل عینین) کے درمیان سے گزرتی تھی. تاہم چونکہ بہت بار اس میں طغیانی آتی رہی، پانی کے تیز بہاؤ نے اپنا کٹاؤ جاری رکھا اس لیے اس کا رخ بدلنا شروع ہو گیا اور ۷۳۴ ہجری میں اس کا رخ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوسری جانب ہو گیا اور یوں اب یہ وادی جبل عینین اور جبل احد کے درمیان سے گزرنے کی بجائے دونوں کو اپنے شمال میں چھوڑ کر کافی فاصلے سے گزر جاتی ہے.

زمانہ قبل از اسلام کی ایک قدیم روایت کے مطابق یمنی بادشاہ تبع جب یثرب آیا تو اس وادی کو دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ قناۃ الارض ہے (روئے زمین کا نالہ). یوں صدیوں سے اس کا نام قناۃ ہی رہا ہے. قناۃ کا مطلب بھی ندی نالہ (Channel) ہی ہوتا ہے. احادیث کے بحر ذخار سے بھی اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارک میں بھی اسے قناۃ ہی کہا جاتا تھا. جیسا کہ اس باب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے شکار حاصل کرنے کے لیے وادی

جبل رماۃ سے شمال مشرق کا منظر، درمیان میں وادی قناۃ اور اس کا پل نظر آ رہا ہے
تصویر ۲۰۰۳ء

قناۃ کے ساتھ ساتھ بہت دور تک نکل جایا کرتے تھے۔ غزوہ احد اسی وادی کے بطن اور کناروں پر لڑا گیا تھا اگرچہ دیگر وادیوں کی طرح اس میں بھی طغیانی کا پانی بارانی دنوں میں آتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس کا گزر حجاز کے زرخیز ترین علاقوں سے ہوتا تھا اس لیے اہل مدینہ طیبہ نے اس کے پانیوں سے کاشتکاری کے لیے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ طغیانی کے دنوں میں جب یہ بھرپور اور سب ریز ہو کر چلتی ہے تو جبل احد کے دامن میں حسن و جمال مزید نکھر آتا ہے۔

حواشی

(۱) مشہور عربی لغت دانی سے روضہ میں ان وادیوں کا تصور بھرتا ہے جو کہ ساری اور روضہ ادب میں روایتی طور پر مستعمل ہے۔ مدینہ طیبہ کی رہائشی بیت کے پس منظر میں اس کے معانی مختلف ہیں اور اس سے مراد ندی نالے اور بارانی طغیانی کے میل رواں (مجاری السیول) ہیں جن کی حیثیت محض بارانی اور موسمی ہوتی ہے۔ بعد ازاں جنوں سے اس بارے میں ابہام دور کرنے کے لیے ہم نظاۃ وادی کو اس کے عربی مرادفات یعنی ندی نالوں نے معانی میں استعمال کر رہے ہیں

(۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۳۳۹

(۳) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۱۴۳

(۴) ایضاً، ج:۳، نمبر ۱۱۳

(۵) ایضاً، نمبر ۵۳۲، ۵۳۹، ۸۷۱

(۶) ایضاً، ج:۶، نمبر ۵۹ نیز سنن ابی داؤد، ۲۴، نمبر ۳۶۳۰

(۷) سنن ابی داؤد، ۲۴، ۳۶۳۱، ۳۶۳۲ جیسے کہ ابن شبہ نے وضاحت کی ہے یہ واقعہ واد ی مہزور اور وادی مذینب سے متعلق پیش آیا تھا
ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳۔۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۱۷۱

(۸) الموطاء، ۳۶/۲۵۔۲۸

(۹) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۷۵۶ و ۳۱۵۶ (بمطابق موسوعہ الاحادیث)

(۱۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۱۷۵۶

(۱۱) قناۃ کا عربی زبان میں مطلب ہی نالہ (Channel) ہے۔

(۱۲) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، ص ۱۷۵

(۱۳) الخیاری، تاریخ المدینہ المنورہ فی شعر العربی، مدینہ طیبہ، ۱۹۹۳، ص ۵۳

(۱۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۳۲

(۱۵) سنن ابوداؤد، ۳۱/۴۷۹۰

(۱۶) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۶۰۹

(۱۷) ایضاً، ج:۹، نمبر ۴۴۴

(۱۸) ایضاً، ج:۳، نمبر ۵۲۹ و ج:۹، نمبر ۴۴۲

(۱۹) مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، ص ۲۶۶۔ انہوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے الاصغر اور اکبر۔ تاہم معاصر مورخین مدینہ (مثلاً احمد یاسین الخیاری) نے مزید تفصیل میں جانے کی کوشش کی ہے اور اسے تین جغرافیائی طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ الاصغر، الکبیر اور الاکبر، احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینہ المنورہ قدیما و حدیثاً، ص ۲۰۰)

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۶، نمبر ۱۳۱ و ج:۶، نمبر ۱۳۲

(۲۱) ایضاً، ج:۲، نمبر ۶۱۷ و ۶۲۳

(۲۲) ابن شبہ، ج ۱، ص:۱۴۷

(۲۳) الموطاء، امام مالک، ۱۸۰ ۴-۱۱

(۲۴) البلاذری، فتوح البلدان، صفحات: ۲۷-۲۸

(۲۵) السید محمد کبریت الحسینی مدنی (ت ۱۰۷۰ ہجری) ہی سن المدینۃ المنورہ، ص ۱۹۰

(۲۶) ایضاً، ص: ۱۵۰

(۲۷) البلاذری، مصدر مذکور، ص ۲۷

(۲۸) ابن نجار، الدرۃ ثمینہ فی تاریخ مدینہ، ص ۹۸

(۲۹) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۳۳۲ وہ زمین جو کہ لجرف کے علاقے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے قبضے میں تھی، دراصل سیدنا عمر فاروقؓ کی تھی جو کہ ان کے صاحبزادوں نے وراثت میں لی تھی۔

(۳۰) الموطاء، امام مالک، ۱۸۰ ۴-۱۱ "مروان نے کہا ہے ابو محمد میں تمہیں قسم دیتا ہوں، تم اس سواری کو استعمال کرو جو کہ میرے دروازے پر کھڑی ہے اور ابھی بوہریرہؓ کے پاس جاؤ جو کہ اس وقت العقیق میں اپنی زمینوں پر ہیں۔" اس سلسلے میں وادی العقیق پر جامع کتاب محمد محمد حسن شراب کی ہے جو کہ "اخبار الوادی المبارک" (العقیق) کے نام سے مکتبہ دارالتراث نے شائع کی ہے

(۳۱) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (ت ۳۴۶ ہجری)۔ وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اولاد سے تھے اور اس لیے مسعودی کہلاتے تھے۔
مروج الذہب ومعادن الجواہر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ج: ۲، ص: ۳۶۸

(۳۲) فیروز آبادی، مصدر مذکور، ص ۲۵۲

(۳۳) چونکہ عنبسہ نام کے بہت سے افراد نے اسی علاقے میں اپنے محلات تعمیر کروالیے تھے اس لیے اس علاقے کو ہمیشہ حی العنابس (عنبسوں کی کالونی) کہا جاتا تھا

(۳۴) ابن عبدربہ، کتاب العقد الفرید، انگریزی ترجمہ محمد شفیع، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۵، ص: ۱۷۷

(۳۵) خیاری، ص: ۱۷۷

(۳۶) فیروز آبادی، ص ۵۶

(۳۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۳۸

(۳۸) ڈکٹور خلیل ملا خاطر، فضائل المدینۃ المنورہ، ج: ۳، ص: ۲۳۱ وہ لکھتے ہیں: اگر رسول اللہ ﷺ نے وادی بطحان یا وادی صعیب سے مٹی لی تھی تو یہ ایک ہی بات ہے کیونکہ دراصل وادی صعیب وادی بطحان ہی کی ایک شاخ تھی۔

(۳۹) فیروز آبادی، ص: ۴۷۳

(۴۰) ایضاً

(۴۱) سمہودی، وفاء الوفی، ص ۹۸۸

(۴۲) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۷۰

(۴۳) المرنی، ص ۱۸۷

(۴۴) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۷۰

(۴۵) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ، جزو اول، مجلد: ۲، ص: ۱۰۷

(۴۶) فیروز آبادی کے مغانم المطابہ کے ساتھ حمد الجاسر کا دیا گیا ضمیمہ، ص: ۴۵۵

مدینہ منورہ سے احد

احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پانچویں باب "ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص" میں بیان کیا ہے مدینہ طیبہ کا زیادہ تر حصہ ناہموار سطح مرتفع اور سنگلاخ چٹانوں سے مل کر بنا تھا جب کہ اس کا تھوڑا سا حصہ جو کہ قلب مدینہ میں واقع تھا میدانی تھا جسے "جوف المدینہ" کہا جاتا تھا شمال اور جنوب میں دو بلند و بالا پہاڑوں نے اس کی حد بندی کی ہوئی ہے: جنوب میں جبل عیر ہے اور شمال میں جبل احد شمالی اور جنوبی سلسلہ ہائے کوہسار کے علاوہ اس میں بہت سے کم بلندی والے پہاڑ بھی ہیں جو کہ مغربی جانب پھیلے ہوئے ہیں شرقی جانب نسبتاً چھوٹے پہاڑ ہیں اور وہ بھی کافی مسافت پر ہیں یوں یہ پہاڑ شہر مصطفوی کی قدرتی جغرافیائی فصیل کا کام دیتے ہیں تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں زمانہ قدیم سے پائی جانے والی سنگلاخ سطوح مرتفع ہموار کر دی گئی ہیں اور ایک نیا زائر یہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ماضی قریب میں یہ ارض مقدس کیسی لگا کرتی تھی. یہ تمام پربت اور سطوح مرتفع (جن کو عرف عام میں حرہ کہا جاتا ہے)۔ شرقی اور غربی حرہ جات۔ ہمیں اس مقدس منطقہ ارضی کے آتش فشانی تفجر سے پر ماضی کی یاد دلاتے ہیں کیونکہ زمانہ قبل از تاریخ میں ہزاروں یا لاکھوں سال پہلے اس کی سرزمین پر آتش فشانی عمل جاری رہا تھا جو کہ ایک طویل عرصے پر محیط رہا ہوگا. ارضیاتی تکوین کے نقطہ نظر سے اگر اس ارض مقدس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پہاڑ بیسالٹ اور انڈیسائٹ چٹانوں پر مشتمل ہیں جو کہ آتش فشانی عمل سے زیر زمین گرینائٹ کے مادہ کے پگھلنے سے معرض وجود میں آئی تھیں ان میں سے کچھ تو بہت ٹھوس اور سخت چٹانیں ہیں جب کہ کچھ ایسے بھی پہاڑ ہیں (مثلاً. جبل بنو قریضہ) جو کہ محض آتش فشانی راکھ اور پگھلے ہوئے لاوا سے مل کر بنے ہیں جن کا وزن حیران کن حد تک ہلکا اور خفیف ہے. ایسے پہاڑ ٹیلے زیادہ لگتے ہیں اور پہاڑ کم مندرجہ ذیل صفحات میں ہم نے چند پہاڑوں کے خصائص اور فضائل و محاسن پر بحث کی ہے جو کہ کسی نہ کسی طور پر اسلامی تاریخ کے چند ان اہم واقعات سے جو سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارض طیبہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازنے کے بعد وقوع پذیر ہوئے تھے منسلک رہے ہیں.

جبل احد

حدود حرم مدنی کے اندر واقع یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۱۰۰۰ میٹر بلندی پر مدینہ طیبہ کے شمالی جانب شہر نبوی سے تقریباً ساڑے تین کیلومیٹر دور واقع ہے. مسجد نبوی شریف کے باب فہد کے سامنے کھڑے ہو کر اگر ہم شمال کی جانب نظر اٹھائیں تو ہماری نگاہیں اس متبرک پہاڑ کی دور سے ایک جھلک دیکھ لیتی ہیں جو کہ احادیث مبارکہ کی رو سے جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے. یہ بابرکت کوہ رحمت گرینائٹ کی چٹانوں سے بنا ہے جو کہ سرخی مائل نظر آتی ہیں تاہم اس کے کچھ حصے گہرے بھورے رنگ کے بھی ہیں. ماہرین ارضیات کے تجزیوں کے مطابق اس کی سرخی مائل چٹانیں مائکرو کریسٹیلائن بلوری مادے (Microcrystalline structures) سے بنی ہیں. بلاشبہ اس کی چٹانیں زمین کے بطن سے نکلنے والے لاوا کے مادے سے معرض وجود میں آئی ہیں جو کہ زمین سے باہر آنے پر ٹھنڈا ہو کر ٹھوس اور بہت ہی سخت شکل اختیار کر گیا تھا.

جبل احد کی ساخت

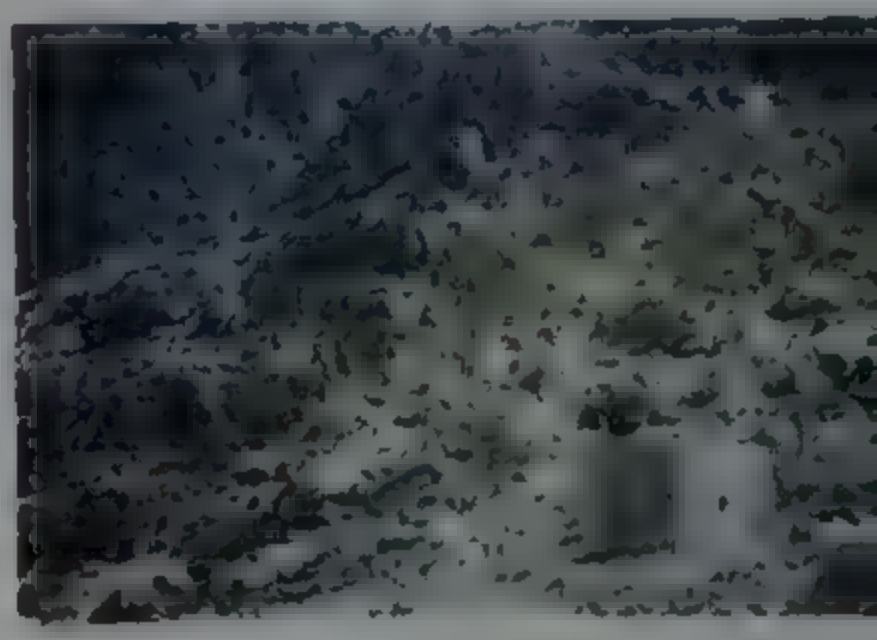

جبل احد کی وجہ تسمیہ اس کا یکتا پن (stand-alone) اور ایک وحدت کے طور پر سب سے الگ اور منفرد ہونا (compact unit) اور مدینہ طیبہ کے دیگر سلسلہ ہائے کوہسار (جو کہ مدینہ طیبہ کے دیگر حصوں میں ایک سے دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک سلسلے کے طور پر پائے جاتے ہیں) سے بالکل علیحدہ ہونا ہے.

(۲) لفظ احد عربی کے احد یا احدیت سے مشتق ہے. بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احد کا لفظ عبرانی زبان سے مستعار ہے. عبرانی میں بھی لفظ احد "یکتا" اور "اکیلا" کے معانی میں استعمال ہوا ہے. جس سے اس نظریے کو کچھ تقویت ملتی ہے. ویسے بھی یہود کے ہاں یہ لفظ اسم معرفہ کے طور پر مستعمل ہے اور چونکہ

جبل احد کی وہ معروف غار جس میں آپ ﷺ نے چھ دیر استراحت فرمائی تھی

یہود یہاں ایک زمانے سے رہتے آئے تھے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہ نام انہوں نے ہی رکھا ہو. جب حضرت یوسف علیہ اسلام کی دعوت پر حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تو ان کے ہمراہ بہت سے یہودی قبائل کے افراد بھی تھے جن میں سے ایک قبیلہ احدیا اوحود بھی تھا. (۳)

مدینہ طیبہ کا یہ سب سے اہم اور متبرک پہاڑ ہے جس سے سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں. یہ پہاڑ ہر آنے والے کو زبان حال سے غزوہ احد کا ایک ایک ورق کھول کر سناتا ہے کہ اس کے آنگن میں کونسا معرکہ حق و باطل ہوا تھا. فخر و افتخار سے اپنا سر آسمان تک بلند کئے ہوئے یہ جبل احد آج بھی اپنی اس تنگ وادی کی طرف اشارہ کر کے بتاتا ہے کہ یہاں اسی دامن کوہ میں لشکر اسلام خیمہ زن ہو کر کفر سے نبرد آزما ہوا تھا. اس کی فضائیں آج بھی ان نعرہ ہائے تکبیر کی صدائے بازگشت سناتی ہیں جو کہ شیر یزداں حیدر کرارؓ نے سیف ذوالفقار لہراتے ہوئے اور ابو دجانہؓ نے سیف رسول مقبول ﷺ ہاتھ میں لے کر اس کا حق ادا کرتے ہوئے لگائے تھے. سیرۃ طیبہ میں کسی اور مشہد نے ایسا مقتل نہیں دیکھا جہاں سرفروشان توحید نے اپنے سالار کارواں اور میر امم علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی حفاظت و سلامتی کے لیے اتنا زیادہ خون کا نذرانہ بیک وقت پیش کیا ہو. یہیں کہیں اسی جبل احد کے دامن میں حضرت ام عمارہؓ کا کٹا ہوا ایک بازو بھی دفن ہے جس کے باوجود بھی اس صحابیہ جلیلہ نے حفاظت رسول مقبول ﷺ کا حق ادا کر کے تا ابد خواتین اسلام کا سر بلند کر دیا تھا. نگاہ جذب و مستی سے اگر دیکھا جائے تو اس کی چٹانوں کا سرخی مائل رنگ، اس کی وادیوں کی سرخ سرخ مٹی اور اس کے دامن میں کھلنے والے ہر پھول کی سرخی اسی داستان خوں چکاں کی یاد دلاتی ہے جس سے عہدہ برآ ہو کر انصار و مہاجرین مدینہ کی جاں نثاری جریدہ عالم پر ثبت ہو گئی تھی. اسی کی مٹی میں آج بھی ستر سرفروشان اسلام محو استراحت ہیں جن میں شہدائے اسلام کے سرخیل سید الشہداء سیدنا امیر حمزہؓ اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ بھی شامل تھے. فرمان رب ذوالجلال کے مطابق یہ سب کے سب زندہ ہیں اور اللہ سے رزق لیتے ہیں مگر ہمیں شعور نہیں. یہ ہر آنے والے کے سلام کا جواب دے کر اس پہاڑ کی عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں.

جبل احد اور ببول کا درخت ۲۰۰۲ء

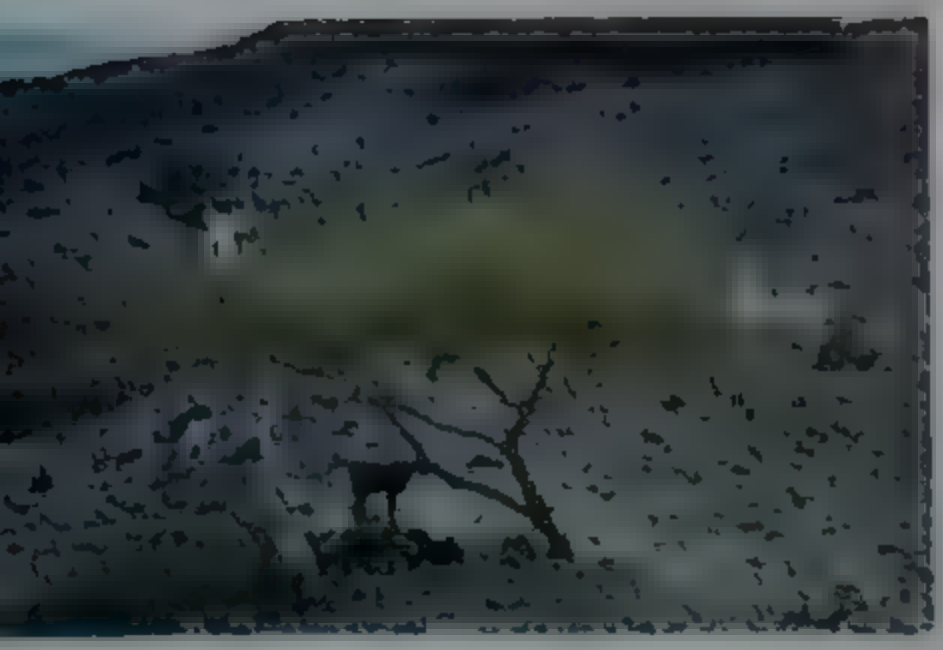

اسی کی ایک غار میں مضمحل و مضطرب جگر گوشہ رسول سیدۃ بتولؓ نے اپنے والد گرامی کے زخم دھوئے تھے. اسی کی ایک ہموار چوٹی پر میر کارواں نے زخموں سے چور فدائیوں کی نئے سرے سے شیرازہ بندی کر کے نہایت ہی مشکل ترین حالت میں ثابت قدم رہنے کا لافانی درس دیا تھا. اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے سعد ابن ابی وقاصؓ تیروں سے کفاروں کے سینے چھلنی کر رہے تھے کہ رحمت دو عالم جوش میں آئی

اور سرکار دو عالم اور تاج دار کائنات ﷺ "آفرین آفرین" کہتے ہوئے پکار اٹھے [میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں!] اور اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے ہو کر جب ابوسفیان نے یہ کہا: "ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں!" تو رسول برحق ﷺ نے عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں!] اور پھر جب کفار بے نیل و مرام واپس ہوئے تو اسی جبل احد کی جھولی میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے اور اپنے جان نثاروں کے سجدوں کی سوغات ڈال دی جگہ چھوٹی سی تھی مگر جبل احد تو تنگ دامن نہیں تھا. اس نے جھولی پھیلائی تو رسول رحمت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ سکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اسی چھوٹی سی جگہ پر بیٹھ کر سب کے سب سربسجود ہو گئے. زخمی ہونے کی وجہ سے یہ نماز امام الامت رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر پڑھائی تھی اور سب نے اقتداء میں بیٹھ کر ہی ادا کی تھی. یہ جگہ آج بھی "مسجد فسح" (سکڑ کر بیٹھنے کی مسجد) کے نام سے ان سعادتوں اور فیوض و برکات کی طرف اشارہ کرتی ہے جن سے جبل احد کا دامن مالا مال ہو گیا تھا.

جبل احد پر یہ نوازشات صرف جنگ احد تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ سرور دین و سرور کائنات ﷺ اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی ہمراہ تھے. پہاڑ کانپ اٹھا اور لرزہ براندام ہو گیا یا یوں کہیے کہ اس کے رگ و پے پر وجد طاری ہو گیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اپنا قدم مبارک اس پر مار کر فرمایا: [اے احد جم کر کھڑے رہو، تمہارے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء ہی تو کھڑے ہیں.] (۴) سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبل احد کو شہیر بھی کہا جاتا تھا. جب بلوائیوں کا کیا ہوا سیدنا عثمانؓ کا محاصرہ بہت طول پکڑ گیا تو ایک دن بالائے بام آ کر انہوں نے بلوائیوں کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا [اللہ تمہیں برباد کرے کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ شہیر پر تشریف لے گئے اور آپ حضور ﷺ کی معیت میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور میں بھی تھا پہاڑ لرزہ براندام ہو گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کی چٹانیں گرنا شروع ہو جاتیں تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جم کر کھڑے رہو کیونکہ تمہاری پشت پر نبی، صدیق اور شہید ہیں!] انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہو تھا. اس پر انہوں نے فرمایا: رب کعبہ کے ہاں میری اس بات پر گواہ رہنا.] (ابی عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ لیثی العصفری المعقب بہ خیاط (ت ۲۴۰ ہجری)، تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۱۰۱)

جبل احد اور اس کی وادی

آپ حضور ﷺ اکثر فرماتے: [یہ (یعنی احد) ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.] (۵) حضرت انس ابن مالکؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں.] (۶) الطبرانی نے حضرت سعد بن سہل الساعدیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جبل احد جنت کے کونوں میں سے ایک کونا ہے.] حضرت سوید الانصاریؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فتح خیبر سے واپس لوٹ رہے تھے جب آپ حضور ﷺ کی نگاہ مبارک احد پر پڑی تو فرمانے لگے. [یہ پہاڑ ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں. یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے. اور (جبل عیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: یہ جبل عیر ہے جو کہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں. یہ جہنم کے ایک دروازے پر واقع ہے.] (۸) ایک اور روایت میں حضرت انس ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد پر ایک نگاہ ڈالی اور

۱۔ جبل احد
۲۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت گاہ
۳۔ جبل عینین
۴۔ سرکار ﷺ کے دندان مبارک اس جگہ شہید ہوئے
۵۔ مدفن شہدائے احد
۶۔ جنگ احد اس جگہ لڑی گئی

فرمایا:[احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔] (۹) چونکہ یہ پہاڑ حدود حرم کے اندر واقع ہے اور حرم نبوی شریف کا ایک حصہ ہے، اس کے نباتات اور جانور بھی ایسے حقوق رکھتے ہیں کہ ان کی پاسداری اور احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لہذا زائر کو یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے مبادا کہ کسی زی روح یا نباتات کو پامال نہ کر بیٹھے۔ بعض روایات میں ہے کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جب وہاں سے گزرو تو اس کے درختوں سے میوہ کھاؤ اور اگر نہ ملے تو اس کے صحراء کی گھاس استعمال کرلیا کرو۔ حضرت زینب بنت نبیطؓ (حضرت انس ابن مالکؓ کی زوجہ محترمہ) اپنے بچوں کو جبل احد پر یہ کہہ کر بھیجا کرتی تھیں: ''جاؤ جبل احد سے میرے لیے بوٹیاں اور درختوں کے پتے لے کر آؤ۔ اگر تمہیں کچھ نہ مل سکے تو میرے لیے ببول کے پتے ہی لے آنا۔'' (۱۰) اور پھر وہ ان پتوں کو اپنے بچوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں کہ وہ ان کو چبائیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے جبل احد رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے سوانح کی ان گنت یادوں کا امین ہے۔ یہیں اس کے دامن میں اسلام کا دوسرا معرکہ حق و باطل گرم ہوا جس میں حیاۃ طیبہ کے دوران سب سے زیادہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا اور خود رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا تھا۔ چہرہ اقدس سے خون بہا تو احد نے دامن پھیلا دیا۔ وہ عہد و پیماں جو کہ صادق الوعد والامین ﷺ نے بیعت عقبہ میں انصاریوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے کیا تھا کہ ''تمہارا خون اور میرا خون ایک ہے، جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا خون بھی گرے گا'' میشت ایزدی نے پورا کر دکھایا اور جہاں ستر کے قریب انصاری جان نثاروں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہاں سید مکی و مدنی ﷺ کا خون بھی اسی جبل احد کے دامن کو رنگیں کر گیا۔ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کیا ہوا عہد نبھانے کے لیے جس رشک فردوس مقام کو عزو شرف بخشا وہ یہی دامن کوہ تھا۔ یہیں پر سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مرحم پٹی بھی کی تھی۔ حضرت ابوحزمؓ سے مروی ہے:[لوگوں میں اس بارے میں اختلاف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یوم احد کس قسم کی مرحم پٹی کی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے پوچھا جو کہ اس واقعہ کے عینی شاہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مدینہ طیبہ میں اس وقت صرف اکیلے زندہ بچے تھے۔ انہوں نے فرمایا:[مدینہ طیبہ میں اس وقت میرے سوا کوئی بہتر نہیں جانتا۔ فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس سے خون دھو رہی تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور پھر کھجور کے پتوں سے بنی ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ زخم میں بھر دی گئی تھی۔] (۱۱)

شہدائے احد کے مزارات اس چار دیواری کے اندر موجود ہیں

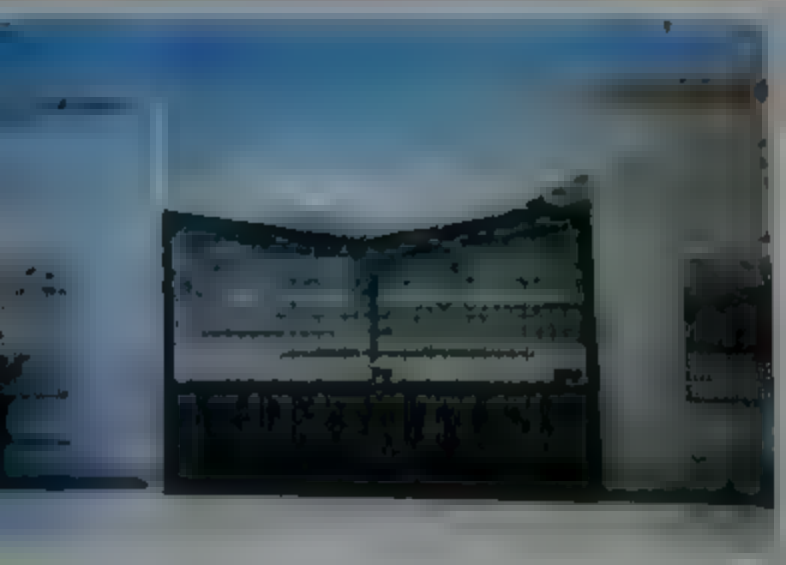

اس نقطہ نظر سے احد کی اہمیت مسلمہ ہے اور حجاج کرام اور زائرین جب مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو دین اسلام کیلیے ان بطل ہائے جری کی قبور مطہرہ پر سلام کے لیے ضرور حاضری دیتے ہیں۔ اتباع سنت رسول مقبول ﷺ میں ہر آدمی وہاں جا کر سلام و دعا کے گلہائے عقیدت بہت احترام سے پیش کرتا ہے اور یوں واقعات یوم احد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ماضی میں حج و زیارت کے علاوہ اہل مدینہ طیبہ جوق در جوق ہر جمعرات

چار دیواری کے اندر تقدیم احد کی مزارات کی تصویر ۲۰۰۲ء

مزار سید شہداؓ پر جایا کرتے تھے اور اس کے نواح میں خیمے لگا کر وقت گزارتے تھے۔ ابراہیم رفعت پاشا کی نگارشات کے مطابق شہداء کی قبور مبارکہ پر مزارات اور پکی قبریں تو ۲۷۵ ہجری میں بن چکی تھیں جیسا کہ مزار شریف کے دروازے پر نصب ایک قدیم لوح سنگ سے ظاہر ہوتا تھا مگر سید نا امیر حمزہؓ کی قبر پر مزار عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے ۵۹۰ ہجری میں بنوایا تھا جسے بعد میں سلطان اشرف قیتبائی نے شاہین الجمالی کی نگرانی میں ۸۹۳ ہجری میں نئے سرے سے بنوایا تھا اور اس میں توسیع بھی کروائی تھی (۱۲)

مزارات شہدائے احد

جب جنگ احد اپنے اختتام کو پہنچی تو رسول کریم ﷺ نے تمام شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی میتوں کا معائنہ فرمایا اور حکم دیا گیا کہ جو جہاں شہید ہوا تھا وہیں دفن کر دیا جائے۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس وسائل کی شدید کمی تھی اس لیے ایک سے زیادہ شہید ایک ہی کفن میں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے (۱۳) حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو ایک ہی کفن میں اکٹھا دفن کیا گیا تھا۔ ۴۶ھ (چھیالیس) سال بعد جب ایک مرتبہ وادی قناۃ میں طغیانی آگئی اور ان میں سے اکثر شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور منورہ پانی کی زد میں آگئیں تو ان کی میتوں کو باہر نکال کر دوسری بلند جگہوں پر نئے سرے سے دفن کر دیا گیا تھا۔ اتنا وقت گزرنے کے باوجود ان میں سے کسی کی میت میں خرابی بدن کے آثار نہ پائے گئے اور سب کے اجسام مبارکہ بالکل صحیح وسالم حالت میں تھے اور ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ ابھی کل ہی شہید ہوئے تھے ایک میت کے جسم سے خون نکل رہا تھا اور ان کا ہاتھ اپنے زخموں پر تھا۔ جب ان کے ہاتھ کو وہاں سے ہٹایا گیا تو زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا، لہذا ان کے ہاتھ کو اسی طرح سی زخم پر رکھ دیا گیا (۱۴) حضرت جابرؓ نے۔ جو کہ ان دونوں شہداء جن کو ایک کفن میں دفنایا گیا تھا میں سے ایک کے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ) کے بیٹے تھے۔ بیان کیا ہے کہ ان کو وہ قبر کھودنا پڑی تھی اور اس سے ان کے جساد نکال کر دوسرے محفوظ مقام پر دفن کرنا پڑا تھا کیونکہ وادی قناۃ میں زبردست طغیانی آگئی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ جب ان کے شہید والد کی میت باہر نکالی گئی تو ایسے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے جسم میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی اگرچہ ان کی شہادت ہوئے چھیالیس سال بیت چکے تھے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے [شہدائے احد کے سلسلے میں ہمیں منادی کر کے بلایا گیا اور ایسا اس وقت ہوا جب حضرت معاویہؓ نے چشمہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ان سب کو (ان کی پرانی قبور سے) چالیس سال بعد نکالا تھا مگر ان کے اجساد صحیح سلامت اور لطیف ونرم تھے] حضرت عمرو بن دینارؒ اور ابازبیرؒ سے مروی ہے کہ [کھدائی کے دوران ایک کدال حضرت حمزہؓ کے قدم پر لگ گیا، ہم نے دیکھا کہ چالیس سال بعد اس سے خون بہنے لگ گیا تھا۔] ابن الجوزی نے بھی

چار دیواری کے اندر شہدائے احد کے مزارات کی ایک دلکش تصویر

ان واقعات کو بیان کیا ہے حضرت معاویہؓ کے دور میں جب اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرنے کے لیے اس علاقے میں کھدائی کروائی گئی تو اس وقت غزوہ احد برپا ہوئے چالیس برس بیت چکے تھے بہت سی قبور کو بھی کھودا گیا اور جب ان میں مدفون شہداء کو نکالا گیا تو وہ بالکل تروتازہ نکلیں اور ایسے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے تھے. گورکن کی غلطی سے اس کا کدال سیدنا حمزہؓ کے ایک پاؤں پر لگ گیا جو زخمی ہوگیا اور اس سے خون بہنے لگ گیا. حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں مدینہ طیبہ میں منادی کروادی تھی کہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ورثاء آکر اپنے ان پیاروں کا دیدار کرلیں جو کہ راہ حق میں شہید ہوئے تھے. (۱۶)

یحییٰ نے امام مالکؒ سے اور انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن ابوصعصعہؒ سے روایت کی ہے کہ ان کو معلوم ہوا کہ انصاریوں میں سے حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی میتیں طغیانی کے سبب ظاہر ہوگئی تھیں. ان کی قبر اس جگہ پر تھی جہاں طغیانی کے پانی نے تباہی مچائی تھی. وہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے اور یوم احد کے شہداء میں شامل تھے. لہذا ان کے اجسام کو باہر نکالا گیا تو ان پر کسی قسم کی تبدیلی کے آثار نہ پائے گئے. لہذا ان کو اسی طرح دوسری جگہ دفن کردیا گیا. ان کا ہاتھ ان کے زخم سے الگ کرکے رکھ دیا گیا مگر وہ ہاتھ دوبارہ اپنی جگہ پر چلا گیا. اس وقت یوم احد گزرے چھیالیس سال ہوچکے تھے. (۱۷)

جب حضرت معاویہؓ نے پانی کے لیے نہر کھدوائی اور ان کی میتیں نکالی گئیں تو ان کے اجساد میں کسی قسم کی بوسیدگی یا سڑنے کے کوئی آثار نہ پائے گئے. (۱۸) امام تاج الدین سبکی نے شفاء اسقام میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عامل نے چشمہ کھودنے کے دن مدینہ طیبہ میں منادی کردی تھی کہ امیر المومنین کا چشمہ جاری ہورہا ہے. جس شخص کا مردہ احد میں مدفون ہو وہ آئے اور اس کو وہاں سے منتقل کرکے کسی دوسری جگہ لے جائے. ابن شبہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے | جب حضرت معاویہؓ نے چشمہ (نہر) کھدوایا تو مدینہ طیبہ میں اعلان عام کردیا گیا کہ آکر اپنے اپنے رشتہ داروں اور اقرباء کا جو کہ احد میں شہید ہوگئے تھے دیدار کرلو. ہم نے ان کی قبور کو چالیس سال بعد کھودا ان کی میتیں ایسے ہی تروتازہ تھیں جیسا کہ وہ حالت حیاۃ میں تھے.] (۱۹)

ان میں سے چند شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تدفین تو ایک ایسے مقام پر کی گئی تھی جو کہ عام حجاج اور زائرین کرام کے علم میں نہیں ہے کیونکہ وہ ذرا فاصلے پر (سیدنا حمزہؓ کی قبر اطہر سے ۵۰۰ ذرع - ۲۵۰ میٹر کے فاصلے پر) ایک اونچی جگہ پر دفن ہیں. (۲۰) ان قبور کا موجودہ محل وقوع مشہد امیر حمزہؓ سے سید الشہداء میر حمزہ سکول کی دوسری جانب ایک چھوٹی سی گھاٹی پر ہے جس کے گرد ترکوں نے ایک چاردیواری تعمیر کروادی تھی جو کہ آج تک قائم ہے. اس چاردیواری کو حال ہی میں مزید بلند

جبل عینین (رماۃ) کی وہ جگہ جہاں آقائی نے حملہ کیا تھا جہاں سیدنا حمزہؓ شہید ہوئے تھے

مسجد سیدنا حمزہؓ
انہدام کے وقت
۱۹۲۵ء

کردیا گیا ہے یہ ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جس میں تین قبور حضرت عمرو بن الجموحؓ، ان کے ایک غلام اور ان کے ایک بھتیجے کی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے پہلی بار حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن الحرامؓ کو اکٹھا ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا، مگر جب تدفین نو ہوئی تو ان کو علیحدہ علیحدہ قبروں میں دفن کیا گیا. واقدی کے مطابق اس قبرستان میں حضرت خارجہ بن زیدؓ، حضرت سعد بن الربیعہؓ، حضرت النعمان بن مالکؓ اور حضرت عبد بن الحسحسؓ بھی مدفون ہیں. (۲۱) اس کے علاوہ اصحابہ کرام میں سے دو اور حضرات. حضرات ابوالیمنؓ اور حضرت خلاد بن عمرو بن الجموحؓ بھی وہیں مدفون ہیں (۲۲)

رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کو اکثر تشریف لے جاتے تھے اور قرآن کریم کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ان کو سلام کہتے ﴿سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.﴾ (سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کے بدلے تمہیں عقبی میں کیا خوب گھر ملا ہے) (۲۳) یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت طاہرہ ہے کہ ان شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور کی زیارت کی جائے. آپ حضور ﷺ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قبر اطہر پر بھی جاتے اور دعا فرماتے. ثعلبی نے اپنی مشہور تفسیر میں ابی اسحاق بن سفیانؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ شہداء کے قبور پر ہر سال تشریف لے جاتے اور وہاں اونچی آواز میں فرماتے: تم پر سلامتی ہو. تمہارا صبر اسی انعام کا مستحق تھا.] پہلے تین خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی سنت کا اتباع کرتے تھے (یعنی ہر سال وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے). جب حضرت معاویہؓ نے حج ادا کیا اور مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے بھی اسی سنت کی پیروی کی.] (۲۴)

مسجد سید الشہدا
قبل از انہدام
تصویر دور عثمانی

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ بھی باقاعدگی سے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر اطہر پر جایا کرتی تھیں. وہ اس کی دیکھ بھال کرتیں اور جب ضروری ہوتا تو اس کی مرمت بھی فرمادیتیں. ان کی قبر پر نشانی کے طور پر ایک پتھر رکھا رہتا تھا. (۲۵) سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ ان شہدائے احد کی قبور پر ہر دو یا تین دن کے بعد تشریف لے جایا کرتی تھیں. (۲۶) حضرت جعفر الصادقؒ سے مروی ہے کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ ہر دو یا تین دن بعد شہدائے احد کی قبور پر جاتی تھیں. وہ وہاں نماز بھی ادا کرتیں اور ان کے لیے دعا بھی فرماتیں اور ان کے غم میں رودیا کرتی تھیں. ایسا وہ اس وقت تک کرتی رہیں جب تک کہ ان کا انتقال نہ ہوگیا. (۲۷)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [قیامت تک جو بھی ان شہداء کی زیارت کے لیے جاکر سلام پیش کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے.] (۲۸) امام البیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے: [رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: [اے اللہ تمہارا بندہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ شہداء ہیں اور ہر اس آدمی کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو ان کو سلام کرتا ہے. ایسا یوم القیامت تک ہوتا رہے گا.] (۲۹)

شہدائے احد کے مزار اقدس
حضرت سیدنا حمزہ
قبل از انہدام
۱۹۰۸ء

امام البیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ: [میرے والد عمر اور میں طلوع آفتاب سے پہلے جمعہ کے دن شہدائے احد کی زیارت کو گئے. میرے والد نے ان سب کو سلام کیا ہم نے ان کا جواب سنا میرے والد نے مجھے پوچھا کہ تم نے میرے سلام کا جواب دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! یہ جواب شہداء نے دیا ہے. پھر انہوں نے مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر ساتھ لے جا کر سب کو علیحدہ علیحدہ سلام پیش کیا. ہم نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ: ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے سنا میرے والد محترم سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگ گئے.]

سیدنا امیر حمزہ بن عبدالمطلبؓ جبل ارماہ (جبل العینین) کے دامن میں شرقی جانب سرخ وادی میں شہید ہوئے تھے. انہیں ان کے اپنے بردہ میں ہی دفن کیا گیا تھا (۳۰) انہیں اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا. (۳۱) ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ چھٹی صدی میں ان کی قبر پر ایک گنبد ہوا کرتا تھا: اس جانب واقع قبور میں سے صرف یہی ایک قبر تھی جس کی پہچان ممکن تھی جب کہ دوسرے شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور کی پہچان نہ تھی اس مزار شریف پر عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے گنبد تعمیر کروایا تھا. یہ ایک بہت بڑا مزار تھا جس کا دروازہ شیشم کی منقش لکڑی سے بنا تھا. عام قبرستان کے گرد ایک چار دیواری تھی جس کا دروازہ عوام کے لیے ہر جمعرات کو کھول دیا جاتا تھا. (۳۲) سیدنا امیر حمزہؓ کی قبر کے ساتھ والی دوسری قبر دربار کے ایک متولی ترک کی تھی. المطری نے بیان کیا ہے کہ شہدائے احد کا عام قبرستان جبل احد کی قبلہ کی جانب واقع تھا اور سوائے قبر سیدنا امیر حمزہؓ کے کسی اور قبر کی پہچان نہ تھی. جہاں تک ان قبور کا تعلق ہے جو کہ مقبرہ امیر حمزہؓ سے شمالی جانب ہیں، یہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بتائی جاتی ہیں جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آنے والے شدید قحط سے جاں بحق ہوئے تھے. ان میں سے کوئی قبر بھی شہدائے احد کی نہیں. سب سے پہلے مقبرہ کے آثار کے طور پر شہدائے احد کے قبرستان کے باہر ایک بورڈ ہوا کرتا تھا جس پر اس کا سن تعمیر ۲۷۵ ہجری لکھا ہوتا تھا. (مرآۃ الحرمین، جز، اول، ص ۳۹۳)

شہدائے احد کی قبور کا ایک اور منظر
۱۹۶۰ء

سعودی حکومت نے جب تمام قبہ جات گرائے تو مشہد سید الشہداءؓ پر واقع گنبد کو مسمار کر دیا گیا.

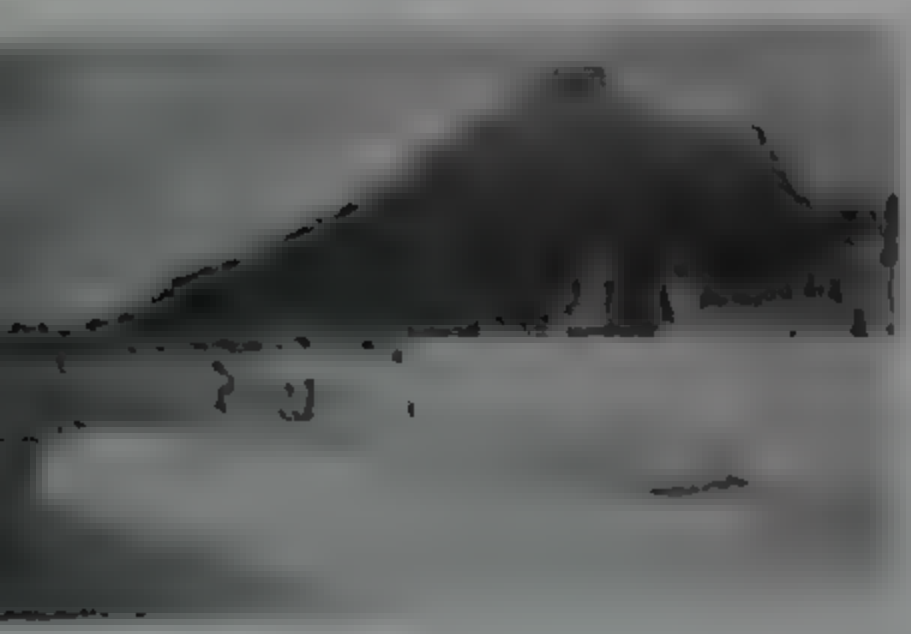

جبل عینین

ارضیاتی طور پر یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل احد ہی کا ایک حصہ ہے جسے ایک تنگ وادی (ندی۔ جسے وادی قناۃ کہا جاتا ہے اور جو کہ وادہ شظاۃ سے الگ ہونے سے بنی ہے) ایک دوسرے سے الگ کرتی تھی. اس کی چٹانی ساخت بالکل جبل احد کی چٹانوں سے ملتی ہے. یہ الگ تھلگ سی علیحدہ پہاڑی (stand-alone hillock) اسلامی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور تاریخ جہاد اسلامی میں ایک سنگ میل سے کم نہیں.

جبل عینین کی پہاڑی جس پر پچاس تیر انداز بٹھائے گئے تھے ۲۰۰۱ء

اس نقطہ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ یہ مقام غزوہ احد کا ایک جیتا جاگتا میموریال ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا. اس کی دفاعی اہمیت کے محل وقوع کی وجہ سے سالار اعظم جناب رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ اس پر متعین کیا تھا جن کو سخت احکامات جاری کئے گئے تھے کہ وہ کسی بھی حالت میں اس سٹریٹیجک چوکی کو خالی نہ چھوڑیں.

تاہم جونہی رزم حق و باطل شروع ہوئی تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے فرار ہوتے نظر آنے لگے. اس سے اس چوکی پر متعین تیر اندازوں کے دستے نے یہ اندازہ لگا لیا کہ جنگ کا حتمی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو چکا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اس پہاڑی سے نیچے اتر آئے. چوکی خالی ہوتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بظاہر ابتدائی فتح ہزیمت میں بدل گئی. خالد ابن ولید کے گھڑ سوار دستے نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان تیر اندازوں کو گھیر کر شہید کر دیا. تیر اندازوں کے شہید ہو جانے کے بعد وحشی اسی پہاڑی کی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور جونہی عم رسول اللہ ﷺ سیدنا امیر حمزہؓ اس کے نشانے پر آئے اس نے ان پر اپنا نیزہ کس دیا جو ان کہ ان کے جسم کے آر پار ہو گیا اور وہ تھوڑی دور جا کر شہید ہو کر گر پڑے. جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی میتوں کا معائنہ فرمایا اور اس چوٹی پر بھی گئے جہاں پر تعینات دستے کی حکم عدولی سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تھا. بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چوٹی پر نماز بھی ادا فرمائی تھی جس کی یاد میں اس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی. مختلف ادوار میں اس پر موجود مسجد اور عمارتوں کی تاریخی ورثے کی حیثیت سے دیکھ بھال ہوتی رہی. سعودی دور کے شروع میں جبل عینین پر اس کی شرقی جانب مسجد اور دیگر عمارتیں تھیں، مگر اسلامی ورثے سے بے اعتنائی نے اپنا رنگ دکھایا اور یوں پچھلی تین دہایوں کے اندر اندر وہ سب عمارتیں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں. اس پہاڑی پر اس مسجد کا نام و نشان تک نہیں ملتا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی. اس پہاڑی کے بغور معائنے کے بعد اس مسجد کی بچی کھچی چند اینٹیں نظر آ جاتی ہیں جو کہ اس کی بنیادوں میں استعمال ہوئی تھیں. المطری کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں پر سے چھپ کر وحشی نے عم رسول حضرت حمزہؓ پر وار کیا تھا. (۳۳)

جبل سلع کی یہ فضائی تصویر اس وقت کی ہے جب مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو ہو رہی تھی

عربی میں 'عینین' کا مطلب 'دو چشمے' ہوتا ہے. چونکہ اس پہاڑی کے قریب ہی میٹھے پانی کے چشمے ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک چشمہ 'عین سیدنا امیر حمزہ' بہت ہی مشہور تھا اس لیے عین ممکن ہے کہ اس پہاڑی کا نام عینین اسی وجہ سے پڑ گیا ہوگا. پرانے وقتوں میں اس مقام پر دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی ہوا کرتی تھیں جن میں سے ایک تو پہاڑی کی چوٹی پر شرقی جانب تھی جب کہ دوسری قریب ہی سطح ارض پر مشرقی جانب تھی. یہ دونوں مساجد غزوہ احد کی یاد میں تعمیر کی گئی تھیں جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی. فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری) رقمطراز ہیں: ''جبل عینین پر دو مساجد ہیں- ایک تو اس کے شرقی کونے میں ہے جب کہ دوسری قریب کی شرقی جانب

مسجد جبل عینین کے
کھنڈرات پس منظر میں
مسجد سید الشہدا
نظر آرہی ہے

وادی کے کنارے پر واقع ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیدنا امیر حمزہؓ اسی مقام پر زخموں کی تاب نہ لاکر شہید ہوکر گر پڑے تھے۔'' (۳۴) یہ دونوں مساجد موجود ہوا کرتی تھیں کیونکہ ترکوں نے ان کی تعمیر نو کروادی تھی۔ تاہم جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اب وہاں کسی مسجد کے آثار تک باقی نہیں ہیں۔

جبل احد میں موجود غار

جبل احد کے درمیان واقع میدان (جہاں جیش اسلامی خیمہ زن تھا) کی طرف جاتے ہوئے دائیں جانب ذرا بلندی پر وہ غار نظر آتی ہے جہاں بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے زخمی ہوجانے کے بعد کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا۔ یہ غار اتنی بڑی ہے کہ اس کے اندر یک آدمی آرام سے لیٹ سکے (۳۵) عموماً اس غار کی زیارت پر وہاں کے کرتے دھرتے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور موجودہ مکتب فکر اسے رسول اللہ ﷺ کا آثار مبارک کہنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

مورخین مدینہ طیبہ کے بعض بیانات نے اس کی تاریخی حیثیت کو وجہ نزاع بنانے میں بہت کردار ادا کیا ہے۔ وہ زیادہ تر حضرت المطلب بن عبداللہ ؓ کی روایت سے استند کرتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کبھی بھی اس غار میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ (۳۶) ابن ہشام نے بھی حضرت عکرمہ ؓ کی روایت پر انحصار کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں نہیں گئے تھے۔ (۳۷) اسی غار کا ذکر کرتے ہوئے ابن نجار نے کہا ہے کہ اہل مدینہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ کے لیے وہاں آرام فرمایا تھا جس کے قریب ہی ایک مسجد ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں آپ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی اور یہ بھی کہ قریب ہی ایک چٹان میں ایک آدمی کے سر کے برابر ایک نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا سر مبارک آرام کی غرض سے رکھا تھا جس سے چٹان کے اس حصے میں نشان پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اس بات کی صراحت بہت پرزور انداز میں کی ہے کہ ایسی تمام روایات غیر مصدقہ ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہیں۔ (۳۸)

جبل احد میں موجود
مشہور غار

تاہم امام المورخین مدینہ حبیبہ امام سمہودیؒ نے ابن نجار کے اس بیان کی کھل کر مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ:
''جہاں تک اس غار کے قریب واقع مسجد کا تعلق ہے، اس کے بارے میں نا قابل تردید شواہد موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ دوسری مساجد کے بارے میں ہے۔'' لہذا خود بخود ابن نجار کی رائے کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔

مندرجہ بالا روایت کا ذکر کرنے کے بعد جسے ابن شبہ نے بھی بیان کیا ہے، امام سمہودیؒ ایک اور روایت بواسطہ امام

احمد لے کر آتے ہیں جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: [اس کے بعد مسلمان پہاڑ (احد) کی طرف دوڑ پڑے (رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں) اور جب وہ آپ حضور ﷺ کو تلاش نہ کر سکے تو کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا "غار، غار! جو کہ محراس (پانی کے چشمے) کے نیچے تھی اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ان کی جانب آنے کا ذکر کرتے ہیں] اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام سمہودی لکھتے ہیں: "یہ صاف ظاہر ہے کہ وہاں اس غار کے علاوہ اور کوئی غار نہیں جو کہ چشمے کے نیچے تھی، وہ جو کہ آج تک مشہور غار ہے..." حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اس غار میں آرام فرمایا تھا جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کئی بار محراس پر گئے تھے (جو کہ آج بھی اسی غار کے اوپر احد کی چوٹی پر واقع ہے) تاکہ چہرہ قدس پر آنے والے زخم دھوئے جا سکیں یہاں ایک سوال ذہن میں ضرور ابھرتا ہے کہ کن کی روایت پر انحصار کیا جائے حضرت عباسؓ کی روایت پر جو کہ اس جنگ میں شریک تھے یا دوسرے راوی پر جو کہ اس غزوہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے؟ مزید برآں امام سمہودیؒ کی رائے اس لیے بھی فوقیت رکھتی ہے کہ انہوں نے اپنی رائے بہت گہری تحقیق و تدقیق کے بعد قائم کی تھی لہذا ہماری رائے میں امام سمہودی کی رائے نہ صرف پر وزن ہے بلکہ حقائق پر مبنی ہے۔

اسی غار کے متعلق لکھتے ہوئے مدینہ طیبہ کے مشہور سعودی مورخ، عبدالقدوس الانصاری، لکھتے ہیں:

"اس غار (جس میں مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا تھا) کے عقب میں شمالی جانب کی چٹانوں پر قدیم کوفی رسم الخط میں بہت سی تحریریں کندہ ہیں۔" (۳۹)

سمہودیؒ کی محققانہ رائے کے علاوہ ان چٹانوں پر قدیم کوفی رسم الخط کی تحریریں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ پہلی صدی میں ان تحریروں کے لکھنے والے بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غار میں کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان تحریروں کے محررین نہ صرف اس غار تک گئے بلکہ اس کے اوپر اور عقب میں بھی پہنچے اور پھر وہاں انہوں نے پتھر کی سلوں پر اپنی یادداشتیں ثبت کر دیں۔ افسوس کہ اب ان تحریروں تک رسائی کی اجازت نہیں۔ زائرین کا اس غار تک پہنچنا بھی جان جوکھوں کا کام ہے: اس کے رستہ میں بھی روڑے اٹکائے جاتے ہیں، کبھی تو اس کے دہانے کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کبھی لوہے کی خاردار تار۔

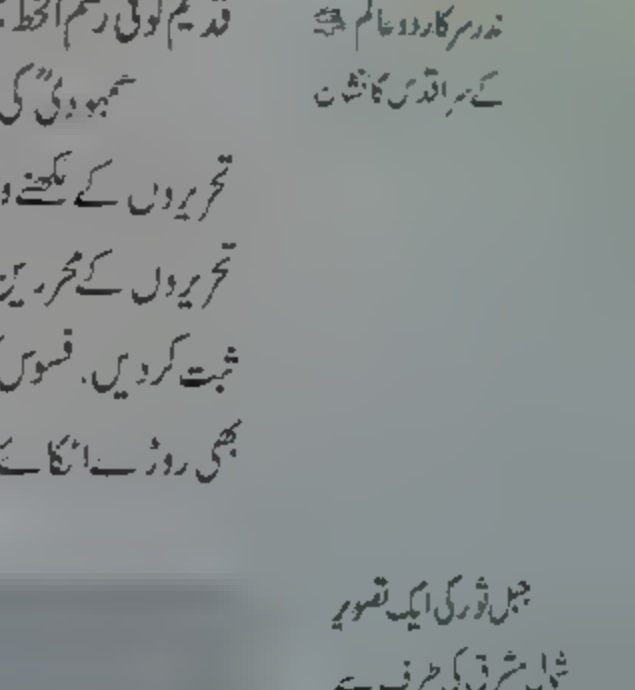

غار جبل احد کے عین سرکار دو عالم ﷺ کے سر اقدس کا نشان

جبل ثور کی ایک تصویر
شمال مشرق کی طرف سے

جبل ثور کی ایک
اور تصویر

جبل ثور

جبل ثور ایک مخروطی شکل کی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب واقع ہے. لغوی معانی میں ثور کا مطلب بیل ہوتا ہے. عین ممکن ہے کہ اس کی مخروطی شکل کی بیل کی کوہان سے مماثلت کی وجہ سے قدیم زمانے میں لوگوں نے اس کو جبل ثور کہنا شروع کر دیا ہوگا. یہ پہاڑ حجم کے لحاظ سے بہت چھوٹا سا ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے بہت عظمت اور فوقیت والا ہے. یہاں سے حرم مدنی کی شمالی حدود شروع ہوتی ہیں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: [جو بھی جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان ہے وہ الحرم ہے.]

مدینہ طیبہ کے زائرین بعض اوقات اس مخمصے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جبل ثور تو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے جو کہ ہجرت مبارکہ کے موقع پر اپنی غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کی تین دن تک میزبانی کا شرف حاصل کر کے شہرت کے آسمان پر پہنچ چکا ہے. مگر حقیقت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں بھی اسی نام کا ایک چھوٹا سا پہاڑ واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ کے جبل ثور یا غار ثور سے بالکل مختلف ہے. یہ جبل احد کے عقب میں واقع ہے اور زمانہ قبل از اسلام سے جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے. دور حاضر کے چند سعودی مورخین نے یہ کہہ کر رہی سی کسر نکال دی ہے کہ جبل ثور سے مراد جبل تیاب ہے جس کے اوپر پانی کا ٹینک بنا ہوا ہے. یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جبل تیاب ہی جبل ثور ہے تو اس معاملے کی دوسرے شرط بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے. احادیث مبارکہ میں جہاں شمالاً جنوباً حدود حرم کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ جبل عیر سے جبل ثور کے اندر ہے وہاں اس بات کی بھی متعدد بار صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی شرقاً غرباً حدود دونوں لابوں (لواسے بنی ہوئی حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کی سنگلاخ زمینیں) کے اندر ہیں. اگر ان مورخین کا استدلال مان لیا جائے تو اس مخمصے کو کون حل کرے گا کہ جبل تیاب تو دونوں حروں کے باہر بہت دور مشرق میں واقع ہے؟ تو ایسے میں شرقاً غرباً حدود کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جبل ثور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب ہے. یہ ایک الگ پہاڑی ہے اور جبل احد سے متصل نہیں. ان دونوں کے درمیان ایک قدیم قبرستان بھی ہے. قبیلہ ولد محمد کے افراد جو کہ وہاں صدیوں سے مقیم چلے آ رہے ہیں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہی پہاڑی صدیوں سے جبل ثور کہلاتی ہے اور طلوع اسلام کے بعد جب سے اسے حرم نبوی شریف کی حد بتایا گیا تھا وہ قبیلہ (جس کے افراد اس سے بہت دور شمال میں رہتے آئے ہیں) اپنی میتوں کو کندھوں پر اٹھا کر اس پہاڑی کے اس پار حدود حرم میں دفنانے کے لیے لاتے رہے ہیں. (۴۱) اس سلسلہ میں مزید تفصیل باب الحرم النبوی الشریف میں دی گئی ہیں.

غار سجدہ ۱۹۰۹ء

جبل سلع

مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی کونے کی سیدھ میں طریق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس پار آدھے میل کی مسافت پر وہ مشہور تاریخی پہاڑ ہے جسے زمانہ قدیم سے جبل سلع کے نام سے پکارا جاتا ہے

فیروز آبادی کے مطابق سلع کا مطلب دو پہاڑوں کے درمیان واقع درہ کا نام ہے۔ (۴۲) اس پہاڑ کا نام زمانہ قدیم سے ہی 'سلع' رہا ہے اسے کب اس نام سے پکارا جانے لگا، یہ جاننا تو محال ہے مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے اسے یہ نام دیا تھا۔ ارامائی زبان میں سلع کا مطلب 'چٹان' ہوتا ہے جو کہ اسم نکرہ ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے آہستہ آہستہ اس پہاڑ کا یہی نام اسم معرفہ بن گیا۔ لہذا قدیم یثرب کے باسی یہود و عرب سب اسے اسی نام سے پکارتے تھے جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اگرچہ اس کی شہرت کی اور وجوہات بھی ہیں، مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے گرد مغربی اور شمالی جانب وہ مشہور زمانہ خندق کھودی گئی تھی جس نے غزوہ احزاب میں مدینہ طیبہ کی دفاعی لائن کا کام دیا تھا۔ دوران جنگ جیش اسلام کے اگلے مورچے اسی پہاڑ کی چوٹی اور اس کے دامن میں سجے تھے۔ وہ سات مساجد جو کہ ان خیموں کی جگہ تعمیر ہوئی تھیں جہاں اس دفاعی جنگ کے کمانڈروں نے دوران جنگ قیام فرمایا تھا اسی جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور اس غزوہ کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس پہاڑ کی چٹانیں مدینہ طیبہ کے دوسرے پہاڑوں سے زیادہ مختلف نہیں اور یہ بھی زمانہ قبل از تاریخ میں ہونے والے آتش فشانی انفجار کے عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی تھیں۔ لیکن رضیاتی معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چٹانیں دوسرے پہاڑوں کی چٹانوں کی نسب زیادہ سخت اور ثقیل ہیں۔ اس پر مختلف جھاڑیوں اور نباتات کا وجود اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ اس کے زیر زمین پانی کے وافر ذخائر ہیں جن کی وجہ سے یہاں دوسرے پہاڑوں کی نسبت ہریالی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر موجود درختوں سے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں جس نے بہت سے عربی شعراء کے کلام میں اسے بہت اونچا مقام دیا ہے۔

اسے جبل ثواب بھی کہا جاتا رہا ہے جیسا کہ حضرت ابی قتادہؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت معاذ ابن جبلؓ اپنے گھر سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کی

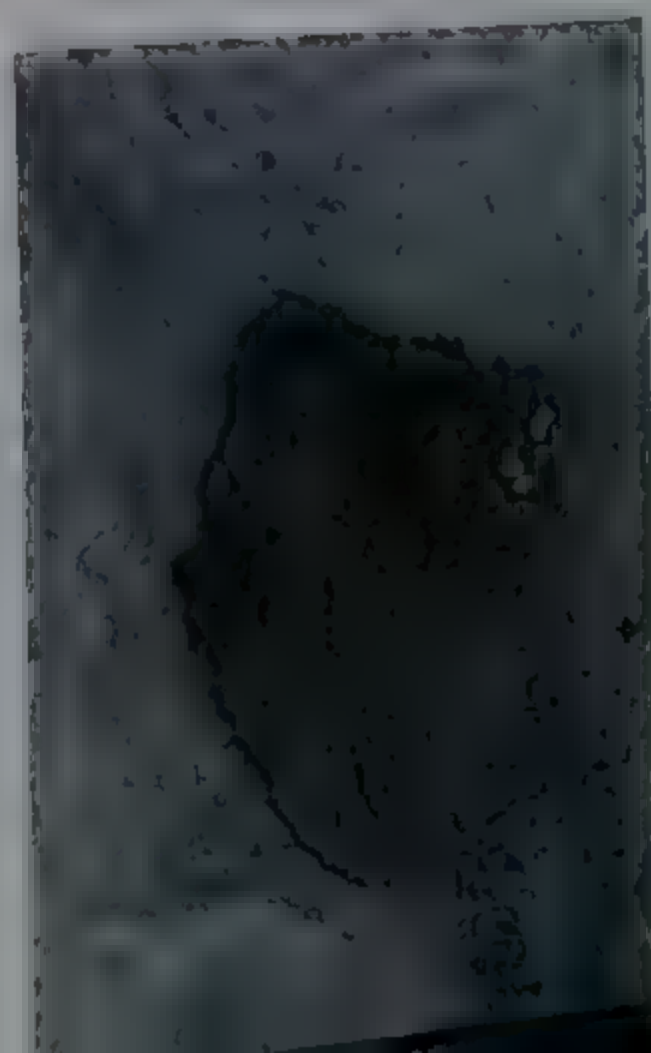

غار سجدہ کے اوپر ایک اور دوسری غار

جبل سلع کی پہاڑی پر تاریخی باقیات

طرف گئے مگر وہ وہاں آپ حضور ﷺ کو نہ پا سکے. پھر وہ آپ حضور ﷺ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہے یہاں تک کہ انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جبل ثواب کی طرف گئے ہیں، لہذا وہ جبل ثواب پر چڑھ گئے اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ایک غار میں دیکھ لیا جس پر جانے کے لیے آج کل لوگوں نے رستہ بنا لیا ہے تاکہ مسجد نبوی شریف آتے جاتے وہاں جا سکیں۔]
(۴۳)

جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اس کتاب کے باب ۱۹ ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں بیان کیا ہے کہ جہاں جہاں غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ جلیل رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے گاڑے تھے وہاں مساجد تعمیر کر دی گئی تھیں. وہ تمام مساجد جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور پورا علاقہ سبع مساجد کے نام سے مشہور رہا ہے. ان میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور مسجد الفتح ہے جو کہ جبل سلع کی اک چوٹی پر واقع ہے جیسا کہ سامنے دی گئی تصویر سے واضح ہے.

چونکہ وادی بطحان کا پانی جبل سلع کے گرد واقع تمام اراضی کی آبیاری کرتا تھا یہ ساری زمین بہت زرخیز ہو گئی تھی جہاں ہر طرف ہریالی اور چراہگاہیں ہوا کرتی تھیں جہاں چرواہے اپنے مویشی چرایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک ؓ کی ایک کنیز ان کے قبیلے کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اس پہاڑی کے دامن میں چرایا کرتی تھی جو کہ سوق مدینہ کے قریب تھا (یعنی جبل سبع). (۴۴) اس کے علاوہ بہت سے قبائل نے اپنی رہائش اسی پہاڑ کے دامن میں منتقل کر لی تھیں جس سے وہ مسجد نبوی شریف کے قریب آ گئے تھے. سب سے پہلے جو لوگ وہاں منتقل ہوئے وہ بنی جہینہ تھے. بعد میں رسول اللہ ﷺ کے اذن خاص سے بنو حرام اور بنو اشجع بھی وہاں آباد ہو گئے تھے.

غزوہ احزاب میں حربی عملیات کے مرکز (Theatre of Operations) ہونے کے علاوہ جبل سلع اور بھی کئی انداز میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مختلف واقعات سے نسبت رکھتا ہے جن کی ایک مثال وہ غار ہے جہاں حضرت معاذ ابن جبل ؓ نے تلاش بسیار کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈا تھا. یہ غار 'کہف بنو حرام' کے نام سے جبل سلع ہی کی ایک چوٹی پر واقع ہے. اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزہ جس سے چٹانوں سے پانی کے چشمہ کا اجراء تھا وہ بھی اسی کی چوٹی پر ہوا تھا.

علاوہ ازیں جبل سلع بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحریروں اور

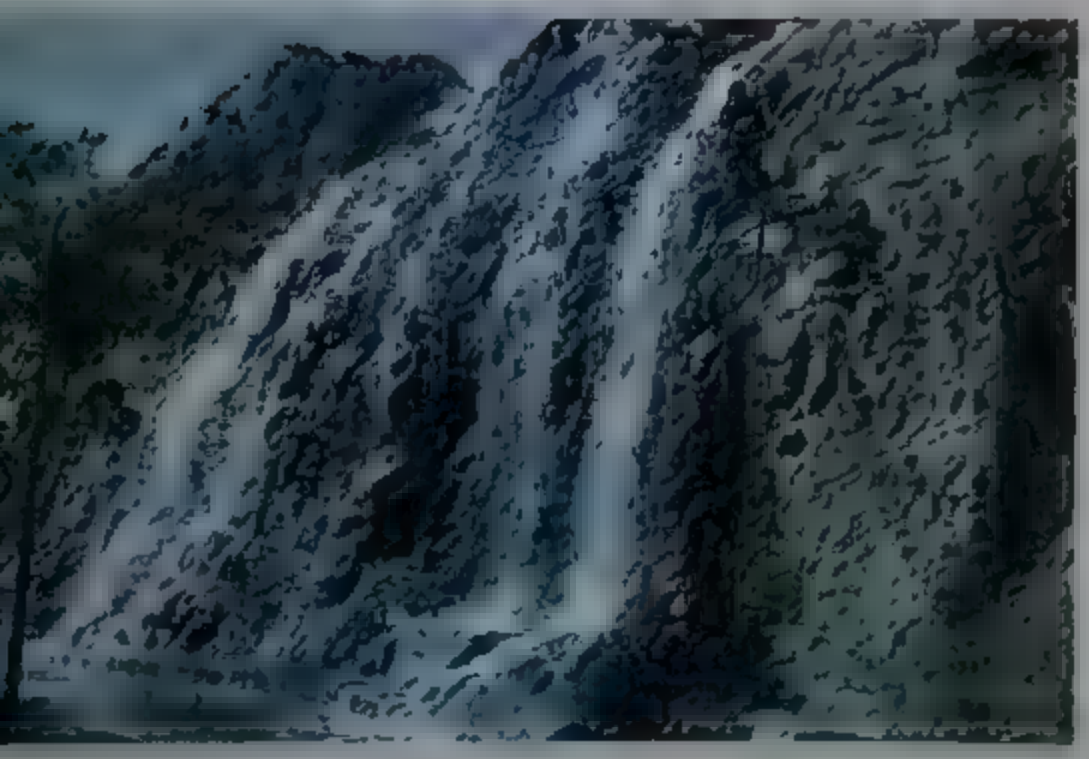

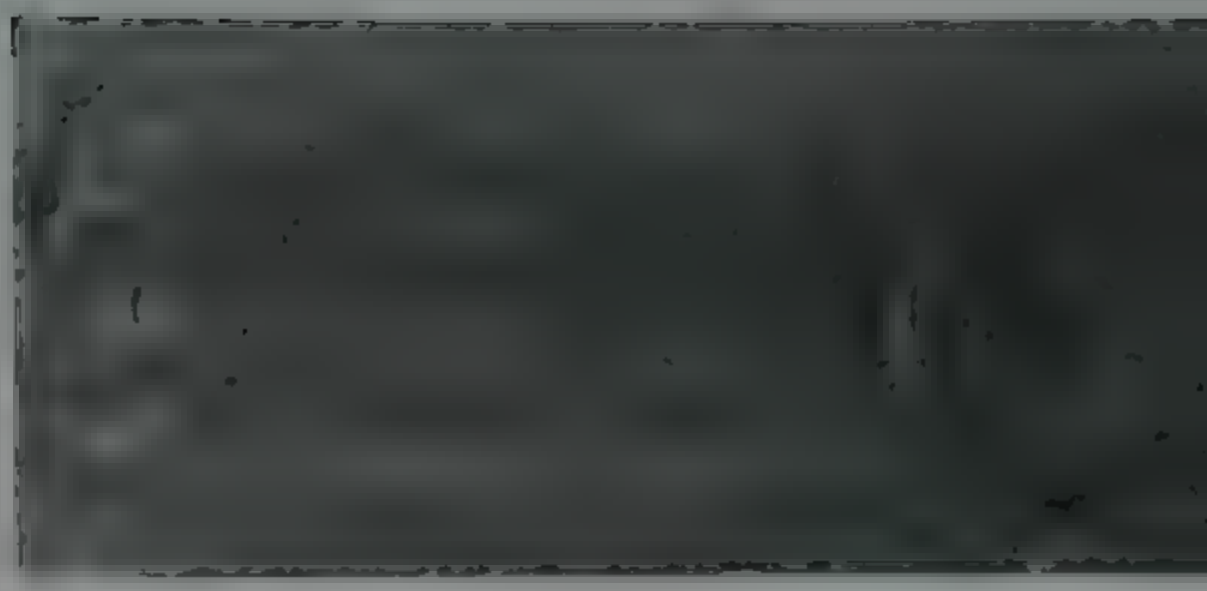

یادداشتوں کا امین تھا جو کہ اس کی مختلف چٹانوں پر کندہ کی گئی تھیں جن میں سیدنا ابو بکر صدیق ؓ، سیدنا عمر فاروق ؓ، سیدنا علی ابن ابی طالب ؓ اور حضرت سعد ابن معاذ ؓ کی یادداشتیں شامل تھی جو کہ انہوں نے اپنے دست ہائے مبارکہ سے ان چٹانوں پر غزوہ خندق کے دوران ثبت کی تھیں. صدیوں سے یہ تحریریں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت دیتی آرہی تھیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کوفی رسم الخط میں مہارت رکھتے تھے اور یہ کہ اسی رسم الخط میں لکھے گئے مصحف شریف کے نسخے انہیں ہستیوں کے ہاتھوں سے تحریر ہوئے تھے. حقیقت تو یہ ہے کہ ہجرت مبارکہ کے چوتھے سال کے یہ نقوش تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی نادر خزینہ تھے. لیکن بدقسمتی سے وہ تمام تحریریں اس علاقے میں بسنے والوں کی بے حسی اور بے اعتنائی سے صرف اس لیے راہی ملک عدم ہوگئیں کہ بے قدر لوگوں نے ان چٹانوں کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے اپارٹمنٹس تعمیر کر لیے ہیں. (۴۵)

ان تحریروں کا ضیاع موجودہ ارباب حل وعقد کے ماتھے پر ایک سیاہ داغ سے کم نہیں جن کی لاپرواہی سے اسلامی تاریخ کے ابتدائی باب کا وہ زریں ورق ہمیشہ کے لیے ضائع ہوگیا جس پر نہ صرف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں سے غزوہ احزاب کے متعلق تحریریں کنداں تھیں بلکہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں رائج عربی رسم الخط پر روشنی پڑتی تھی. لیکن اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مساعی جمیلہ سے ان تحریروں کی تصویریں جریدہ تاریخ مدینہ طیبہ میں محفوظ ہوگئی ہیں. یہ ڈاکٹر حمید اللہ ہی تھے جنہوں نے سن تیس کی دہائی میں ان تصویروں کو اپنے کیمرے میں اتار کر پہلی بار تحقیقی رسالوں کی نذر کیا تھا. ابراہیم رفعت پاشا کی طبع شدہ تصاویر بہت حد تک مبہم اور دھندلی ہیں جن کی اشاعت بھی کسی طور سودمند نہیں.

عثمانی دور میں جبل سلع پر عسکری عمارات کی تعمیر ہوئی جن میں سے بعض کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں.

مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی دوڑ کا اثر اس پہاڑ کے گردونواح پر بھی پڑا اور چونکہ یہ علاقہ مسجد نبوی شریف کے بالکل قریب تھا اس لیے اس کے نواح سے صاف کی جانے والی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگی. یہاں کثیر المنزلی مکانات، ہوٹل اور تجارتی مراکز تعمیر ہو چکے ہیں اور اب یہ علاقہ مدینہ طیبہ کا گنجان ترین علاقہ تصور ہوتا ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے قریب ترین علاقوں میں سے ایک ہے. جبل سلع کا کچھ حصہ توڑ کر وہاں سے حرم النبوی شریف کے گردسڑکوں کے جال کو بچھانے کے لیے شاہراہیں گزار دی گئی ہیں. ٹوٹے ہوئے حصے پر مصنوعی آبشار بنا دی گئی ہے. جبل سلع پر دیگر آثار نبویہ شریفہ کے علاوہ کہف بنو حرام (بنی حرام کی غار) اور عین النبی (رسول اللہ ﷺ کا چشمہ) بھی تھے. غار کے اوپر تعمیر شدہ قبہ مسمار کر دیا گیا ہے مگر کہف بنی حرام سلامت ہے اور اس کے اوپر کی جانب ایک اور چھوٹی سی غار ہے جس سے عین النبی ﷺ جاری ہوتا تھا مگر وہ صدیوں سے سوکھا ہوا ہے. ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں بہت دیر تک سجدے میں چلے گئے تھے. چونکہ اس کے روگرد قبیلہ بنو حرام آباد ہوگیا تھا اس لیے اس غار کو کہف بنی حرام کہا جانے لگا تھا لوگ وہاں جا کر نوافل ادا کرتے تھے. اسی طرح اسی غزوہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پانی کی کمیابی کی شکایت کی تو معجزہ رسوں مقبول ﷺ سے اسی جبل سبع کے سینے سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا جسے عین النبی کہا جاتا تھا.

جبل سلع ہی کے دامن میں شرقی جانب وہ قدیم درہ تھا جہاں سے سرور کائنات ﷺ غزوہ تبوک سے فتح وکامران ہو کر مدینہ شریف میں داخل ہوئے تھے یہ شہرہ آفاق جگہ ثنیات الوداع کے نام سے جانی جاتی تھی. اسی مقام پر مدینہ طیبہ کے

Night and day ma
and Abu Bakr ake Shariah
with God from every
thing unpleasant

جبل سلع پر چار رہجری کی کنداں تحریریں جو اب ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکی ہیں
(تصویریں ذاتی خاص)

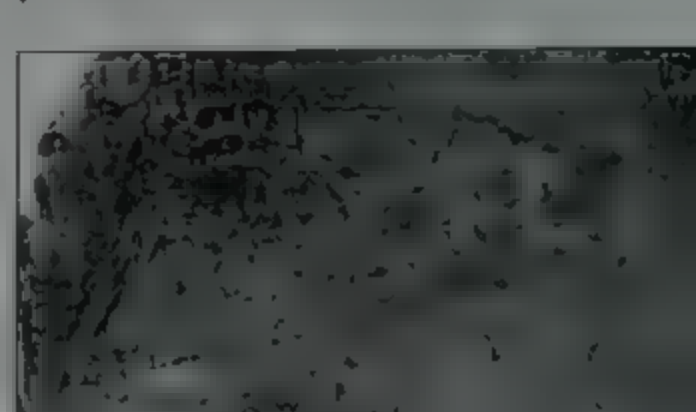

جبل عیر-۲۰۰۳ء

بچوں نے دف بجا بجا کر ''طلع البدر علینا'' کا وہ روح پرور نغمہ گایا تھا جس کے میٹھے بول آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں. عبرانی زبان میں لفظ 'سلع' کا مطلب 'چٹان' ہوتا ہے اور انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق یہ بتا دیا گیا تھا کہ 'آقا و مولا'، 'فرقلیط'، 'وہ نبی جو کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہونے تھے'، 'سردار انبیاء' اور 'سب غائبوں کی غایت اولیٰ' کا شاندار استقبال چٹان پر ہوگا یعنی 'سلع' پر. حضرت یوشع علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہئے انہیں چاہئے کہ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں ور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں.] (۴۶) یہودی علماء نے جب اپنے صحف سماوی کے تراجم کئے تو لفظ 'سلع' کو جو کہ دراصل ایک اسم معرفہ تھا اور بایں حالت ترجمہ کا محتاج نہ تھا، اسم نکرہ کی صورت میں 'چٹان' کر دیا اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو جبل سلع بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا نام زمانہ قبل از اسلام اناجیل میں بھی مذکور تھا اور جسے ان پیشین گوئیوں کے مطابق یہ فخر نصیب ہونا تھا کہ وہاں نبی موعود رسول اللہ ﷺ کا شاندار استقبال ہونا تھا اور ایسا ہوا بھی تھا. اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی. مگر وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا. اور جہاں سرور کونین ﷺ کا استقبال بہت ہی والہانہ انداز میں ہوا تھا اسے بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے. اب وہاں سے ابوبکر الصدیق ؓ روڈ (سابقہ سلطانہ روڈ) گزرتی ہے. نہ وہاں مسجد ہے اور نہ ہی ثنیت الوداع کی گھاٹیاں ہیں. جدید عمرانی دوڑ میں بے حسی نے وہ کرشمے دکھائے ہیں کہ ثنیات الوداع جیسے اہم ترین تاریخی مقامات بھی زیر زمین یا سڑکوں کے نیچے دفن ہو کر رہ گئے ہیں. مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرمہ کے جوار حرم میں جہاں آڈیو کیسٹس بکتی ہیں وہاں طلع البدر علینا کا نغمہ شب و روز با آواز بلند لگا ہوتا ہے تا کہ اس کے استحصال سے مالی منفعت حاصل کی جا سکے مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ثنیۃ الوداع کا مقام معدوم کر کے وہاں سڑک گزار دی گئی ہے.

اسی پہاڑی کی ایک چوٹی پر کہف بنی حرام تھی جس پر دو گنبد بنے ہوئے ہوتے تھے جو کہ ناصریہ پرائمری سکول کے عقب میں اس علاقے میں واقع تھی جہاں کبھی بنو جہینہ آباد ہوئے تھے. غزوہ احزاب کی عسکری کاروائیوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے وہاں استراحت فرمائی تھی. اسے 'کہف الکبیر' کہا جاتا ہے. یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ غار جہاں حضرت معاذ ابن جبلؓ نے رسول اللہ ﷺ کو تلاش بسیار کے بعد پایا تھا وہ اس کے علاوہ ہے جسے 'کہف الصغیر' کہا جاتا تھا جو کہ جبل سلع کے دوسری جانب واقع تھی جہاں ترکوں نے ایک خوبصورت گنبد بنا دیا تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے.

جبل عیر-۹۶۰ء

جبل عیر

جنوبی جانب سے حرم مدنی کی حد بندی کرنے کے علاوہ جبل عیر اس طرف سے مدینہ طیبہ اور حجاز کے باقیماندہ علاقوں کے مابین جغرافیائی طور پر ایک قدرتی حد فاصل ہے. مکۃ المکرمہ اور اسی جانب سے دوسرے شہروں سے بذریعہ طریق الہجرہ آنے والوں کو اسی پہاڑ کے پاس سے گزر کر شہر

حبیب آ نا پڑتا ہے مرکز مدینہ طیبہ سے تقریباً سات کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے بلند و بالا پربت طریق
الحجرہ کی غربی جانب صرف ایک کیلومیٹر پر واقع ہے وادی العقیق جو کہ مدینہ طیبہ سے ۲۰۰ کیلومیٹر دور
سے جاری ہوتی ہے وہ اسی پہاڑ کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی گزر کر ارض مقدس میں
داخل ہوتی ہے۔

جبل سلع پر قلعہ ترک
۲۰۰۳ء

ارض مقدس کے دیگر پہاڑوں کی طرح جبل عیر بھی آتش فشانی انفجار کے عمل کی پیداوار ہے۔ اس کی چٹانیں زیادہ تر گہرے بھورے رنگ کی ہیں مگر بعض مقامات پر ان میں سرخ و سپید دھاریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ پہاڑ ۳،۵ (ساڑھے تین) کیلومیٹر چوڑا اور تقریباً چھ کیلومیٹر لمبا ہے اور سطح سمندر سے ۳۰۰ میٹر بلند ہے اس کی چٹانیں بہت سخت اور بلوری گرینائٹ (Solidified crystallized granite - GP) سے بنی ہیں، مگر کہیں کہیں آتش فشانی راکھ اور نرم مٹی بھی ملتی ہے۔ جبل عیر خود تو ایک خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑ ہے مگر اس کے چند حصے جو کہ اس سے کٹے ہوئے ہیں اور ذوالحلیفہ اور آبار علی تک چلے گئے ہیں وہ زیر زمین پانی کی نعمت سے مالا مال ہیں اور ان پر خاردار جھاڑیاں بکثرت پائی جاتی ہیں جبل عیر پر کہیں کہیں پائی جانے والی نباتات مغیل و ببول قسم کے خاردار خودرو پودے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قدوالا بلسم (بعرف عام بلسان) کا درخت بھی اسی پہاڑ پر پایا جاتا ہے جب اس کے تنے کے چھلکے میں چھید لگا دیئے جاتے ہیں تو ان چھیدوں سے ایک عجیب قسم کی خوشبو والی گوند بہنے لگ جاتی ہے جو بعض طبی خصائص کی حامل ہے اور اسی لیے زمانہ قدیم سے وہ مختلف امراض کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ کی اکثر دکانوں پر یہی گوند روغن بلیسان کے نام سے بکتی ہے اور خالص روغن بلیسان خاصا مہنگا ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک اور جڑی بوٹی بھی یہاں کثرت سے پائی جاتی ہے جسے لغت عام میں 'سنا' یا 'سنا مکی' کہا جاتا ہے جو کہ جلاب آور خصائص کی وجہ سے بلاد عرب سے باہر بھی عطاروں اور حکماء میں مقبول ہے۔

پہاڑیوں کا یہ طویل و عریض سلسلہ جسے اب سلسلہ جبال العیر کہا جاتا ہے، ماضی بعید میں مدینہ طیبہ کے لیے ناقابل تسخیر قدرتی دفاعی لائن کا کام دیتا رہا ہے اور اس سے ملنے والے شرقی اور غربی حرہ جات (حرۃ واقم اور حرۃ الوبرہ) نے مل کر مدینہ طیبہ کو تین اطراف سے ہمیشہ بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان پہاڑیوں میں قدرتی چشموں اور ندی نالوں نے ان تینوں اطراف میں از منہ قدیم سے پہلے تو اہل یثرب اور پھر اہالیان مدینہ طیبہ کے بادیہ نشینوں کے لیے سامان زیست مہیا کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ بہت سے بدو قبائل انہیں علاقوں میں بسنا پسند کرتے تھے جن میں سرفہرست المزنی شعوب تھے۔ ابتدائے اسلام میں جب وادی العقیق مدینہ طیبہ کا سب سے زیادہ پررونق علاقہ ہوا کرتا تھا تو بنو امیہ کے بہت سے امراء اور رؤساء جبل عیر کے دامن کوہ تک اپنے محلات کو لے گئے تھے۔ ماضی میں ان قدیم محلات کے کھنڈرات بہت مشہور رہے ہیں۔ بعض کی باقیات تو ابھی تک موجود ہیں جن میں ابراہیم بن ہشام اور اسحاق بن ایوب المخزومی کے محلات اور طلحہ اور سفیان بن عاصم کے مکانات کے کھنڈرات شامل ہیں۔ جبل عیر کی بعض چٹانوں پر کوفی رسم الخط میں بعض تحریریں اس علاقے کی عمرانی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں جن میں سے کچھ تحریریں تو ۵۸۵ ہجری میں کنداں کی گئی تھیں۔

ابراہیم التیمیؒ نے اپنے والد کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہمیں خطاب فرمایا: وہ شخص جو یہ سوچتا ہے کہ ہم اہل بیت رسول مقبول ﷺ کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی تلاوت کرتے ہیں (اور انہوں نے اس صحیفہ کی جانب اشارہ کیا جو کہ ان کی تلوار کی نیام سے بندھا تھا) دروغ گوئی کا مرتکب ہے۔ اسی صحیفے میں تمام مشاکل کے حل درج ہیں جن میں اونٹوں کی عمروں سے لے کر

جبل سلع پر مزار مسجد کے اوپر چھوٹی مینار ۲۰۰۳ء

قصاص تک کے احکامات درج ہیں اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان کریم بھی شامل ہے کہ: [مدینہ طیبہ جبل عیر سے جبل ثور تک حرم ہے وہ جو کہ اس میں کسی بدعت کا اجراء کرتا ہے اور کسی بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ تعالی کی، اس کے فرشتوں اور تمام مسلم امت کی لعنت ہو۔'' البیہقی نے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے۔(۵۰)

لغوی لحاظ سے العیر کا مطلب عرب میں جانوروں کی وہ قسم ہے جس میں صحرائی گدھے وغیرہ شامل ہیں۔(۵۱) سمہودی نے کہا ہے کہ: لعایر (نہ کہ العیر) جنگلی گدھے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے قبلہ کی جانب العقیق کی شرقی جانب واقع ہے۔(۵۲) ماضی بعید سے مختلف ادوار میں اسے جبل آعیر، عیر (زبر کے ساتھ) العر اور العیر (زیر کے ساتھ) بولا جاتا رہا ہے۔ اسے یہ نام کب اور کیوں ملا اس بارے میں کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ تاہم چند مورخین جن میں ابراہیم العیاشی بھی شامل ہیں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اسے 'العیر' (یعنی جنگلی گدھا) اس لیے کہا جاتا ہوگا کیونکہ دور سے دیکھنے سے اس کی سطح ایک گدھے کی کمر کی مانند نظر آتی ہے۔(۵۳) تاہم بعض مورخین کا خیال ہے (جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ بھی شامل ہیں) کہ دور سے اگر اسے دیکھا جائے تو اس کی سطح خمدار تلوار کی پشت کی سی لگتی ہے۔(۵۴)

چونکہ وحشی گدھے برے اخلاق اور پست صفتوں کے مالک ہوتے ہیں اس لیے اسی نام کی مناسبت سے اس پہاڑ کو بغض والا پہاڑ کہا گیا ہے۔ منافقین کی دست پناہی زیادہ تر اسی جانب سے ہوا کرتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عداوت اسلام میں جو مسجد ضرار تعمیر کی وہ بھی مدینہ طیبہ کی اسی جانب تھی، جب کہ جانب احد ان کی دسترس نہ ہو سکی تھی، حتیٰ کہ یوم احد پر بھی اللہ رب العزت نے ان کا اس کے دامن میں جانا گوارا نہ کیا اور وہ راستہ ہی سے لوٹ آئے۔ ابن ابی رئیس المنافقین کا محل بھی جنوبی جانب ہی تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف شازشوں کی آماجگاہ تھا۔ تاہم وہ کون سی وجوہات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: [العیر ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہین] (۵۵) وہ تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہیں۔ بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ العیر دوزخ کا پہاڑ ہے۔(۵۶) یہی وجہ ہے کہ یہ پہاڑ عامۃ المسلمین کے دلوں میں کوئی محبت نہ پا سکا اور نہ ہی کوئی وہاں اس کی زیارت کرنے جاتا ہے۔ اس کے برعکس شعراء اور ادباء نے جبل سلع اور جبل احد کے بارے میں زمانہ قبل از اسلام سے لیکر موجودہ دور تک بہت سے قصیدے اور تعریفی اشعار لکھے ہیں۔ عثمانی دور میں ترکوں نے جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلع تعمیر کروایا تھا تاکہ جنوب کی طرف سے ممکنہ حملہ آوروں سے بروقت آگاہی ہو سکے۔

جبل الرایہ

جبل ذباب

جبل سلع کی بغل میں شرقی جانب یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل ذباب کہلاتی ہے جو کہ العیون کے علاقے میں واقع ہے. یہ ایک بہت ہی خوبصورت گنجان آباد محلے میں کثیر المنزلی مکانات کے درمیان گھری ہوئی پہاڑی ہے جس کی وجہ سے اکثر اوقات یہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہتی ہے اس پہاڑی کی چوٹی تک مکانات کا سلسلہ قائم ہے اب تو اس پہاڑی کا بہت سا حصہ کاٹ کر زمین ہموار کر دی گئی ہے تا کہ علاقے کے باسیوں کے لیے کمیونیٹی پریا مہیا کیا جا سکے. ساخت کے لحاظ سے اس کی چٹانیں بھی آتش فشانی عمل کی مرہون منت ہیں.

دیکھنے میں تو یہ پہاڑی بہت چھوٹی سی ہے مگر نسبت رسول مقبول ﷺ نے اسے عظمت و تقدس کی ان رفعتوں پر پہنچا دیا ہے کہ آسمان کی بلندیاں بھی اس پر رشک کناں ہیں غزوہ احزاب کے دوران اس پہاڑی کو یہ فخر اور سعادت نصیب ہوئی کہ فخر موجودات فخر نوع انسانی ﷺ نے اس کے اوپر اپنا خیمہ نصب کروایا تھا. چونکہ یہ پہاڑی ایک ایسے مقام پر واقع تھی جہاں سے اس خندق پر جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کھدوائی تھی پوری طرح نظر رکھی جا سکتی تھی، اس لیے سالار امت ﷺ نے اس اہم چوکی کا انتخاب فرمایا (۵۷) حضرت رافع بن عبدالرحمن بن ابی سعید الخدری ؓ کی روایت ہے [رسول اللہ کا خیمہ جبل ذباب کی چوٹی پر نصب کیا گیا تھا.] (۵۸) یوں اس پہاڑی کے نصیب جاگ اٹھے کہ میر کارواں اور مومنین کے سالار اعظم ﷺ نے اس غزوہ کے دوران اپنا کیمپ آفس وہاں قائم فرمایا. رسول اللہ ﷺ کے لیے لگنے والا یہ خیمہ سرخ چمڑے سے بنا تھا اور نہ جانے کتنی ہی دفاعی نوعیت کے اجلاس وہاں منعقد ہوئے تھے. امہات المومنین میں سے سیدتنا عائشہ ؓ، سیدتنا ام سلمہ ؓ اور سیدتنا زینب ؓ باری باری ہمرائی رسول مقبول ﷺ کے لیے تشریف لاتیں. اب اس خیمہ کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دنوں میں ہی تعمیر ہو گئی تھی اور جسے بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے از سر نو تعمیر کروایا تھا. ۱۰×۱۰ اذرع کے رقبے کی یہ مسجد ''مسجد ذباب'' کے نام سے جانی جاتی ہے. اس کے علاوہ اسے ''مسجد الرایہ'' بھی کہا گیا ہے.

ان دنوں جبل ذباب کا تقریباً آدھا حصہ توڑ کر اس کے نیچے سے زمین ہموار کر دی گئی ہے تا کہ علاقے کے لوگوں کے لیے پارکنگ کا ایریا نکالا جا سکے، لیکن دوسرا آدھا حصہ جس پر وہ مسجد شریف ہے ویسے ہی رہنے دیا گیا ہے. یہ مسجد آثار نبویہ میں سے ایک ہے جو کہ ابھی تک نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی ہے. اس کے گرد آبادی پرانی طرز کی ہے اور اس کی گلیاں تنگ ہیں۔ چند عمارتیں نئی بھی ہیں مگر مسجد کی عمارت قدیم ہے اور اوقاف کے زیر انصرام ہے.

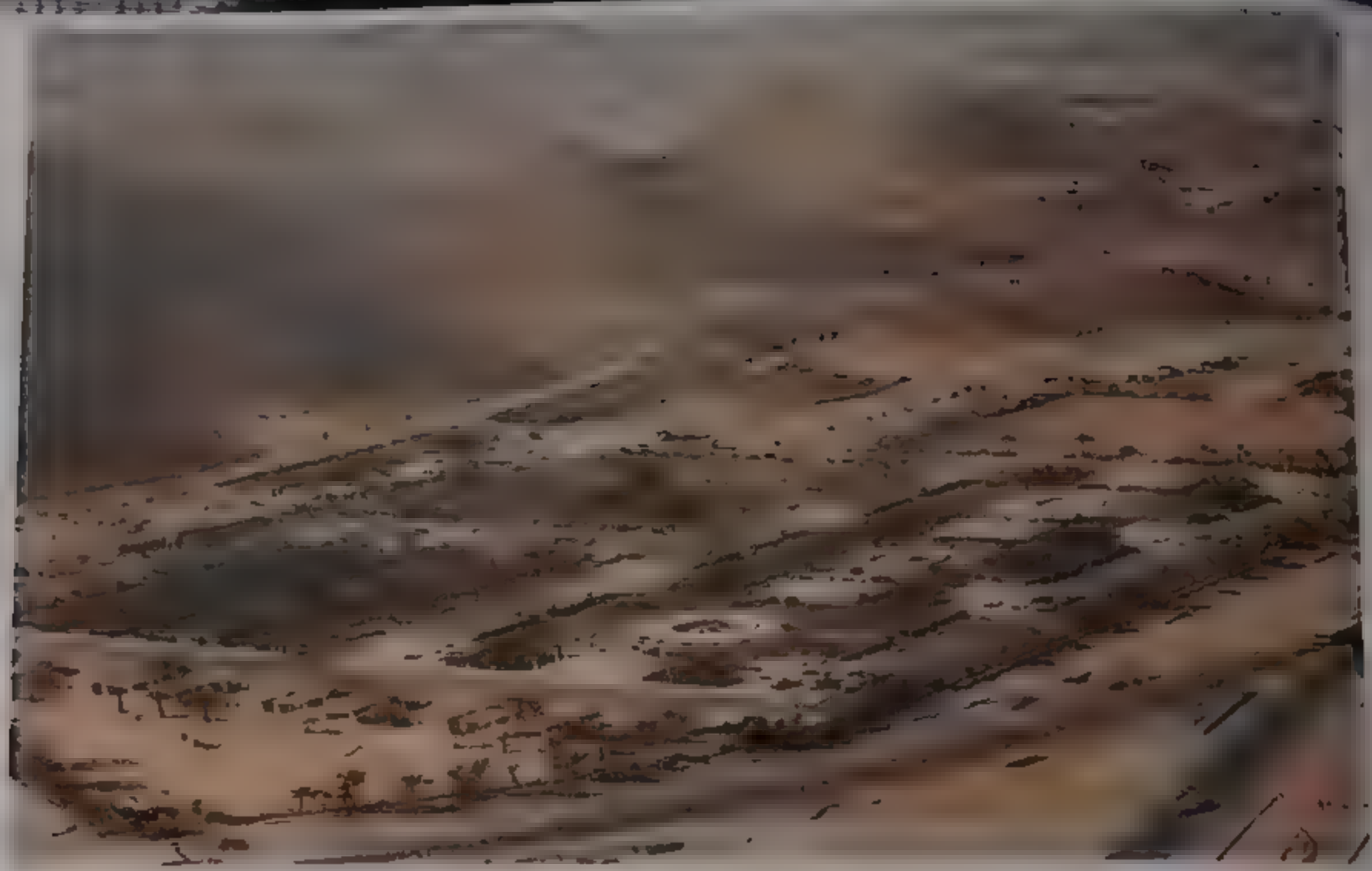

جبل الجرف

جبل الجرف

الجرف کا منطقہ مدینہ طیبہ کی جدید سیٹلائٹ آبادیوں میں سے سب سے خوبصورت علاقہ ہے. اس کا نام 'جبل الجرف' سے مشتق ہے. یہ علاقہ مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جبل احد کے انتہائی غربی جانب سے شروع ہو کر طریق خواجات تک پھیل چکا ہے. قبل از تاریخ کے دھندلکوں میں اگر جھانک کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماضی بعید میں اسے العرض کہا جاتا تھا مگر تبع کے اس کو الجرف کہنے سے اس کا نام الجرف پڑ گیا. اس کا شمار مدینہ طیبہ کے زرخیز ترین علاقوں میں ہوتا رہا ہے. فجر الاسلام میں اس کی وجہ شہرت کا سبب وہاں پر عسکر اسلام کی عارضی چھاؤنی کا قیام تھا جو کہ ساسانی و بازنطینی سرپھروں کی سرکوبی اور ان حکومتوں کے خاتمے کے لیے وہاں خیمہ زن ہوا کرتے تھے.

کبھی کبھار تو رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جیش اسلامی کی ترسیل و ترحیل کے لیے ان کے ساتھ ساتھ الجرف تک تشریف لے جاتے اور پھر مجاہدین اسلام کو الوداع فرماتے تھے. بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ الجرف تک تشریف لے گئے تھے جب کہ موخر الذکر کو یمن کے والی کے طور پر تعینات کر کے بھیجا گیا تھا. اسی مقام کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ وہ لشکر اسلام جو کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ کی سپہ سالاری میں روانہ ہوا (جو حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں آخری لشکر اسلام تھا جو کہ کسی مہم پر روانہ ہوا تھا) اس کا پڑاؤ بھی جبل الجرف کے دامن میں لگا تھا. پھر خلافت راشدہ کے زریں دور میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تو سیدنا عمر بن الخطاب ؓ نے افواج اسلام کے لیے وہاں دائمی چھاؤنی بنانے کا بندوبست کر دیا تھا. عثمانی ترکوں نے اسی پہاڑ پر ایک مظبوط قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا تاکہ کسی بھی ممکنہ بیرونی جارحیت کا سدباب ہو سکے. صلیبی جنگوں کے دوران یہ خطرہ بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ لوگ کہیں مدینہ طیبہ پر لشکر کشی نہ کر دیں. ترک دور میں اگرچہ صلیبی اپنی موت مر چکے تھے مگر پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے دفاع مدینہ طیبہ کے لیے چاروں اطراف میں مضبوط قلعے تعمیر کروائے تھے جن میں سے ایک جبل الجرف پر بھی تھا. یہ قدیم قلعہ آج بھی موجود ہے اور اس جانب مدینہ طیبہ کے حسن و جمال میں اضافے کا سبب ہے.

الجرف کا علاقہ زیادہ تر وادی العقیق میں پڑتا ہے. بیر الرومہ کا تاریخی کنواں بھی العقیق کے اس حصے میں ہے جو کہ الجرف کا جزو ہے. زمانہ قبل از اسلام سے اس کی زرخیزی مشہور و معروف تھی؛ جب یمنی تبع نے قبل از اسلام کے یثرب پر یلغار کی تو وہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع سلسلہ ہائے کوہسار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا: ''میں نے چاروں اطراف کا معائنہ کیا ہے۔ جہاں تک وادی قناۃ کا تعلق ہے یہ بھی غلہ اگاتی ہے مگر یہاں انجیر کے اشجار کا فقدان ہے؛ جہاں تک حرہ جات کے علاقوں کا تعلق ہے یہ بنجر ہیں اور وہاں نہ تو غلہ ہی اگتا ہے اور نہ

جس پہاڑ پر قبہ ماروں واقع ہے اس سے مدینہ منورہ کا شمالی منظر (۲۰۰۰ء)

ہی انجیر. تاہم میں نے الجرف کو دیکھا ہے کہ یہاں غلے اور نجیہ دونوں کی بہتات ہے'' (۶۰)

یہ اسی زمین کی زرخیزی تھی کہ بہت سے جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے الجرف کے علاقے میں اپنے زرعی فارم قائم کر لیے تھے. فیروز آبادی کے مطابق الجرف ایک ایسا علاقہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے شہر سے تین میل دور شمالی جانب واقع ہے. اس میں وہ زمینیں بھی تھیں جو کہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملکیت تھیں یہ جشم اور بیر جمل اسی علاقے میں واقع ہیں'' (۶۱) حضرت عثمان بن عفانؓ نے الجرف کے علاقے میں ایک نہر کھدوانے کا بھی اہتمام کیا تھا جو ان کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو کہ ان کی شہادت کے بعد حضرت نائلہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والی ان کی بیٹیوں کی وراثت میں آ گئی تھیں. اس نہر کو خیبر نائلہؓ کہا جاتا تھا یوں ارض مدینہ طیبہ میں مصنوعی انہار سے آبپاشی کے نظام کا تجربہ سب سے پہلے الجرف کی اراضی پر ہوا جس سے اس کی زمینوں نے سونا اگلنا شروع کر دیا. بیسویں صدی کے وسط تک یہ علاقہ پھل اور سبزیاں اگانے میں بہت شہرت رکھتا تھا

جبل الجرف کی شہرت کی ایک اور وجہ وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ آخری ایام میں جب دجال معلون اس شہر حبیب کا رخ کرے گا تو جبل الجرف پر آ کر رک جائے گا. حضرت مجمن بن الاضرعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں سے خطاب فرمایا: [یوم نجات: تمہیں کیا معلوم کہ یوم نجات کیا ہے؟

اور پھر اسی سوال کو تین بار دہرایا. اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [دجال جبل احد پر چڑھ جائے گا اور مدینہ طیبہ کی جانب دیکھے گا اور اپنے پیروکاروں سے کہے گا. جانتے ہو کہ وہ سفید محل کیا ہے؟ یہ مسجد احمد ہے پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب اترے گا اور تب اس کو پتہ چلے گا کہ اس میں داخلے کے راستوں پر اس کی جانب فرشتے تلواریں سونت کر کھڑے ہوں گے. پھر وہ الجرف کی سبخہ (کلر اور شوریلی زمین) کی جانب اپنا رخ کرے گا اور وہاں خیمہ زن ہو جائے گا پھر مدینہ طیبہ پر تین بار زلزلہ آئے گا. اس پر کوئی بھی منافق مرد اور عورت مدینہ طیبہ میں نہیں رہیں گے اور اسے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیں گے. یہ دن مدینہ طیبہ کے لیے یوم نجات ہوگا.] (۶۲)

جبل الجرف کو یہ بھی فخر حاصل رہا ہے کہ وہاں ''مزرعۃ النبیؐ'' بھی ہوا کرتا تھا جو کہ صدقات النبوی الشریف میں شامل تھا (محمد محمد حسن شراب، اخبار لوادی المبارک (العقیق)، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورہ، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۶). وہاں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مکانات اور محلات تعمیر کیے ہوئے تھے. حضرت مقداد بن الاسودؓ بھی وہیں رہا کرتے تھے.

جماوات

اوسط درجے کی بلندی کی تین پہاڑیوں کا ایک سلسلہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مغرب میں واقع ہے 'جماوات' کہلاتا ہے. ان میں سے ایک جماء تضارع کہلاتی ہے جبکہ دوسری دونوں جماء ام خالد اور جماء العاقر (یا العاقل) کہلاتی ہیں. ان میں سے پہلی دو (یعنی جماء تضارع اور جماء ام خالد) جڑواں پہاڑیاں لگتی ہیں جب کہ تیسری پہاڑی جماء عاقر ان سے الگ تھلگ ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے. یہ پہاڑیاں وادی العقیق اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع ہیں. یہ تینوں پہاڑیاں بھی دیگر سلسلہ جبال کی طرح آتش فشانی عمل کی پیداوار ہیں اور بھورے

جمادات کی پہاڑیاں
۲۰۰۵ء

رنگ کے گرینائٹ بیسالٹ کے مادے سے بنی ہیں.

وادی العقیق کی شرقی جانب اور مدینہ طیبہ کی غربی جانب ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع علاقہ اپنی زرخیزی، آبی وسائل اور سرسبز لہلہاتے کھیتوں کی وجہ سے مشہور رہا ہے. بلاذری کے بیان کے مطابق مدینہ طیبہ میں تین جماوات ہیں، ان میں سے ایک جماء تضارع ہے جس سے بارش کی طغیانی کا پانی بہہ کر ام عاصم اور بیر عروہ بن زبیرؓ کی جانب نکل جاتا ہے. (۶۳) وادی العقیق کے نواح میں ہونے کی وجہ سے بہت سے مدنی ان پہاڑیوں کو جمادات العقیق بھی کہتے ہیں. ان تینوں پہاڑیوں کو اور دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے: مثلاً جماء تضارع کو جبل غرابہ بھی کہا جاتا ہے. لغوی لحاظ سے جماء کے معنی پانی کے چشمے کے ہیں. اس کا دوسرا مطلب ایسی بکری کا سر بھی ہوتا ہے جس پر کوئی سینگ نہ ہوں اور کبھی ایسی عورت کو بھی جماء کہا جاتا ہے جو کہ بہت موٹی ہو. (۶۴) چونکہ جمادات کی چٹانیں سینگوں کی طرح زیادہ نوکیلی نہیں ہیں بلکہ منحنی ہیں اسی لیے اسے ایسی بکری کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کوئی سینگ نہ ہو. ایک حدیث مبارکہ میں مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ''جثا'' بتایا گیا ہے.

جیسا کہ اوپر تصویر میں دکھایا گیا ہے بقیع الغرقد کی جانب کھڑا ہو کر اگر مسجد نبوی شریف کا نظارہ کیا جائے تو دور افق میں جو پہاڑیاں نظر آتی ہیں وہی جمادات ہیں.

جب بنی زیاد بن الحارث نے قبول اسلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جمادات کے علاقے میں بہت سی زمین ان کو الاٹ کر دی تھی اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور مشرکین کے خلاف جہاد کریں گے. اس کے لیے ایک عطاء نامہ تیار کیا گیا جسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تحریر کیا تھا. (۶۵) اس کے بعد بنوامیہ نے اس علاقے کی ترقی میں بہت دلچسپی لی اور پہلی صدی میں اس علاقے میں بہت سے زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات لہلہانے لگے. ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان پہاڑیوں کے اردگرد خالی قطعہ ارضی کا حصول محال ہو گیا تھا کیونکہ وہاں محلات اور عالیشان مکانات کی کثرت ہو گئی تھی جو کہ بنوامیہ کے امراء کے ہوا کرتے تھے. اس کی غربی جانب بہت سے قدیم محلات کے کھنڈرات بھی ہیں جن میں سب سے مشہور حضرت عروہ بن زبیرؓ، عاصم بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ، عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؒ وغیرہ کے محلات کی باقیات ہیں. ان میں سے بہت سے تو جدید عمرانی ضروریات کی نذر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے تاریخی آثار کھنڈرات کے ڈھیر کی صورت میں اپنی عظمت رفتہ پر نوحہ کناں ہیں. اس کی غربی جانب وادی مکیمین بھی ہے جو کہ وادی العقیق کا ہی ایک علیحدہ ہونے والا حصہ ہے جہاں حضرت ابوہریرہؓ کی زمین اور محل ہوا کرتے تھے.

ان پہاڑوں کے نواح کا علاقہ فجر اسلام کے بہت سے واقعات سے جڑا ہوا ہے. ان پہاڑیوں کے مغرب میں وہ میدانی علاقہ جو کہ وادی العقیق کے قلب تک چلا گیا تھا چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرائے جاتے تھے. ابن ہشام کے مطابق 'العرینہ' نجدی قبیلے کے چند افراد کو جنہوں نے بظاہر تو اسلام قبول کیا ہوا تھا مگر اندر سے منافق تھے، انہی

جبل حرم جنوب مشرق کی طرف سے

چراگاہوں میں بھیجا گیا تھا. انہوں نے بدعہدی کی اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے چرانے والے غلام، حضرت یسارؓ، کو شہید کر دیا اور اونٹ لے کر فرار ہو گئے. رسول اللہ ﷺ نے حضرت کرز بن جابر الفہریؓ کو ان کے تعاقب میں بھیجا. انہوں نے ان مجرموں کو جلدی جا لیا اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے جن کو قرآن کریم کی ہدایت کی روشنی میں سزا دی گئی جو کہ اس موقع پر نازل ہوئی تھیں: ﴿وہ لوگ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے. ﴾ (٦٦) یہ واقعہ انہیں پہاڑیوں کے دامن میں غربی جانب ہوا تھا.

احادیث مبارکہ میں روایت ہے کہ: [قیامت کی گھڑی اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک کہ دو آدمیوں کو ان کے خیموں میں جماء کے قریب قتل نہ کیا جائے گا.] اس حدیث مبارکہ کے متعلق فیروز آبادی نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں مذکور واقعہ ان تین میں سے کسی جماء کے دامن میں ہوگا. (٦٧) مدینہ طیبہ کے قدیم مورخین نے دو قدیم قبروں کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ ایک جماء یعنی ام خالد پر واقع تھیں. ابن شہابؒ کی روایت ہے: ''ایک وسیع و عریض قبر (۴۰×۴۰ میٹر) جماء ام خالد پر پائی گئی تھی جس پر ایک لوح سنگ نصب تھی ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نینوا سے ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نمائندہ ہوں جسے اس قریہ میں بھیجا گیا تھا. مجھے موت نے آ لیا ہے اور میں نے وصیت کی ہے کہ مجھے جماء ام خالد پر دفن کیا جائے.'' (٦٨) سمہودیؒ نے ایک اور ایسی ہی قبر کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ اس کے علاوہ تھی جس پر نصب لوح سنگ کچھ اس طرح تھی: ''میں اسود بن سوادہ ہوں اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نمائندے کے طور پر اس قریے کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں.'' (٦٩) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بہت کوششیں کی گئیں کہ ان کو پڑھا جا سکے. ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں الواح سنگ کو پڑھنے کی غرض سے اتارا گیا. ایک تو بہت بھاری ثابت ہوئی اور اسے اسی جماء پر ہی پھینک دیا گیا جب کہ دوسری کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ اسے پڑھ سکتے تھے. اس پر کندا ں عبارت حمیاری زبان میں تھی اور ایک یمنی اسے پڑھنے میں کامیاب ہو گئے. اس پر مکتوب تھا: ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نبی سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی جانب سے یثرب کے لوگوں کی طرف

جبل حرم اور حرم کے کبوتروں کے گھونسلے

وادی مہزور کی طرف سے دیکھیں تو
۱ جبل حمداء شمال
۲ جبل المکمن

بھیجا گیا ہوں۔ یہ لکھتے وقت میں اس شہر (یثرب) کے مغربی جانب ہوں۔'' (۷۰)

ان آثار قدیمہ میں سے کسی کا وجود بعد میں نہیں ملا کیونکہ معاصرین میں سے بہت سے مورخین نے بہت تگ و دو کی ہے کہ ان کا کوئی سراغ مل سکے مگر ان کو ان دونوں میں سے کسی قبر کے آثار نہ مل سکے۔ (۷۱)

مدینہ طیبہ کے دیگر پہاڑ

جبل الحرم

جب ہم مسجد نبوی شریف سے میقات ذوالحلیفہ کی جانب جاتے ہیں تو حرم نبوی شریف کی حدود میں واقع یہ تینوں پہاڑیاں طریق خواجات (خیر مسموں کی سڑک) کے دونوں جانب نظر آتی ہیں ان میں سے بڑی پہاڑی کو 'جبل الحرم الاکبر' کہا جاتا ہے جب کہ دوسری 'جبل الحرم الاوسط' اور تیسری کو 'جبل الحرم الاصغر' کہا جاتا ہے۔ ان تینوں پہاڑیوں کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ ان سے حاصل کی گئی پتھر کی سلوں سے مسجد نبوی شریف کے اگلے حصے (مجیدیہ کا پورا حصہ) کی عمارت کے لیے میٹیریل نکالا گیا تھا جس کی تعمیر ۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری (۱۸۴۸-۱۸۶۱ء) میں ہوئی تھی۔

حجرہ مطہرہ کے اندر اور باہر لگنے والی تمام سلیں اور ستونوں میں استعمال ہونے والا پتھر اور ریاض الجنہ میں استعمال ہونے والا میٹیریل انہیں تینوں جبال الحرم سے لیا گیا تھا۔ جب کام پورے زور شور سے جاری تھا تو کاریگر سنگ تراشوں اور معماروں کی ایک بہت بڑی ٹیم انہیں پہاڑیوں کے دامن میں ٹھہری ہوئی تھی۔ پتھر نکالنے سے ان پہاڑیوں میں گہرے کھڈے پڑ گئے تھے جو کہ ابھی تک اس واقعہ کی یاد دلاتے ہیں۔

جبل بنو قریضہ
تصویر ۲۰۰۴ء

جبل بنو قریضہ

یہ پہاڑ مدینہ طیبہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہ بنو قریضہ کے یہودی قبائل کی رہائش اور زرعی زمین کی آخری حد ہوا کرتی تھی جہاں تک وادی مہزور بہا کرتی تھی سخت آتش فشانی چٹانوں کی بجائے اس کے تودے آتش فشانی راکھ سے مکون ہیں جن میں کہیں کہیں پگھلا ہوا میگما (Magma) اور لاوا (Lava) پایا جاتا ہے۔ اس کا کثیر حصہ بلدیہ مدینہ طیبہ نے کھدوایا تھا تاکہ یہ

معلوم کیا جاسکے کہ کہیں اس کی تہوں میں کوئی قیمتی معدنیات تو نہیں مگر ایسی کوئی چیز نہ پا کر اس منصوبے کو ادھورا ہی ترک کر دیا گیا تھا

جبل مکیمین

یہ سرخ رنگ کا پہاڑ جماء تضارع کے جنوب میں وادی مکیمین کے کنارے واقع ہے۔ اس وادی کو شہرت حضرت ابو ہریرہؓ کی وجہ سے ملی کیونکہ انہوں نے اپنا محل اس علاقے میں بنایا تھا جہاں ان کو زرعی زمین بھی الاٹ ہوئی تھی۔ وہ وہاں کچھ دیر مقیم بھی رہے تھے اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں اسے صدقہ (وقف لولاد) بنا دیا تھا۔ یہ علاقہ حرہ بیضاء کہلاتا تھا۔ یہیں حضرت معز بن مالک الاسمیؓ کو سنگسار کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زناء کا اعتراف کر لیا تھا۔ (۷۲)

حواشی

(۱) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۳۲۰۸

(۲) ابن الکثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، جزء ۴، ص:۹

(۳) Genesis, 46 10, and Exodus 6 15

(۴) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۶۔ مزید دیکھیے: نمبر ۳۵ و ۴۹

(۵) ایضاً، ج ۹، نمبر ۴۳۳ نیز ج ۲، نمبر ۵۵۹۔ نیز الموطاء امام مالک، ۳/۴۵۔۱۰

(۶) منقول از ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت:۳۰۸)، فضائل المدینہ، ص:۲

(۷) الطبرانی، المعجم الکبیر، ۶/۱۸۵۔۱۸۶

(۸) مسند امام احمد، ۳/۴۳۳ و طبرانی المعجم الکبیر ۷/۱۰۶، ابن الکثیر، مصدر مذکور، جزء ۴، ص:۹

(۹) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۲۰۱۸

(۱۰) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳۔۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۸۴

(۱۱) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۱۷۵

(۱۲) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵، ج:۱، صفحات:۳۹۲۔۳۹۳۔

(۱۳) حضرت ہشام بن عامر الانصاریؓ کی روایت کے مطابق اجتماعی اور بڑی بڑی قبریں کھودی گئی تھیں تاکہ ان میں دو دو یا تین تین شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی تدفین کی جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سب سے پہلے قبر میں اسے داخل کیا جائے جسے سب سے زیادہ قرآن کریم یاد ہو

(۱۴) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱، نمبر ۱۰۲۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۲۸

(۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۳، صفحات:۵۶۲_۵۶۳

(۱۶) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۹۳۸_۹۳۹

(۱۷) لموطاء امام مالکؒ، ج ۱، نمبر ۱۰۲۳

(۱۸) ابن سحاق، سیرۃ رسول اللہ۔ انگریزی ترجمہ:(The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، پانچویں طباعت ۱۹۷۸ء، صفحات ۳۳۸_۳۸۹

(۱۹) ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ (ت:۲۳۵ ہجری)، کتاب المغازی، دار اشبیلیا، ریاض، ۱۹۹۹، ص:۲۴۳

(۲۰) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۲۹

(۲۱) ایضاً

(۲۲) الشیخ حمد بن عبداحمید العباسی (متوفی قرن عاشر ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، صفحات ۱۵۹_۱۶۰

(۲۳) القرآن الکریم (الرعد ۲۴) نیز ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۳۲

(۲۴) العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۵۹

(۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۳۲

(۲۶) سمہودیؒ، ص:۹۳۲

(۲۷) ابن نجار (ولادت:۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص:۱۲۷

(۲۸) ابن شبہ، :۱، ص:۱۳۲

(۲۹) منقول از سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات:۹۳۲_۹۳۳

(۳۰) ابن شبہ، ۱، ص:۱۲۸

(۳۱) سمہودیؒ، ص:۹۳۶

(۳۲) ابن نجار، ص:۱۲۷

(۳۳) سمہودیؒ، ص:۸۴۸

(۳۴) مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی (۷۲۹_۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد، لجاسر، ص:۲۸۹

(۳۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، ص ۲۷۰. مولف ہذا نے اس غار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۰ میں دیکھا کہ اس کا اندرونی حصہ پتھروں سے پٹا ہوا تھا۔ غار کے اندر کی جگہ عام جسامت کے دو یا تین حضرات کے بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے کافی ہے۔

(۳۶) ابن شبہ، ج:۱، ص۔ ۷۶۔ نیز فیروزآبادی، ص:۱۲

(۳۷) ابن اسحاق، مصدر مذکور، جزء ابن ہشام کے نوٹس، ص:۷۵۵

(۳۸) ابن نجار، ص ۱۲۷

(۳۹) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص:۱۹۶

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۴ نیز ج:۹، نمبر ۴۰۳ صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۶۰۱

(۴۱) سعود بن عبدالمحی الساعدی و یوسف بن مطر المحمدی، احد۔ الآثار۔ المعرکہ۔ التحقیقات، مدینہ طیبہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۲، صفحات ۴۳_۴۴

(۴۲) فیروزآبادی، ص ۱۸۳

(۴۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۷۸

(۴۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص. ۱۲۵۵

(۴۵) نجفیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ، ج ۱، ص ۲۹۳

(۴۶) Isa·ah xlii. 11, 12

(۴۷) عبرانی میں سمع کا مطلب چٹان ہے (یہاں پر عبرانی لفظ کی شکل دی جائے)

(۴۸) نجفیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، مصدر مذکور، ص ۳۴۷

(۴۹) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۶۰۱

(۵۰) بیہقی، السنن الکبری، ۱۹۶/۵

(۵۱) فیروز آبادی، صفحات ۵۷۴۔۵۷۵

(۵۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۲۶۹

(۵۳) ابر ہیم المدنی العیاشی، ص ۴۷۲

(۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہویؒ، جزب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ 'دیار محبوب تاریخ مدینہ از حکیم سید عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی)، ص:

(۵۵) مسند امام احمد، ۳ ۳۳۳ و طبرانی المعجم الکبیر ۱۰۶/۷ ابن الکثیر، مصدر مذکور، جز ۴، ص ۹

(۵۶) ایضاً

(۵۷) ابن شبہ، ج ۱، ص ۶۳

(۵۸) ایضاً

(۵۹) ایضاً

(۶۰) فیروز آبادی، ص ۸۸

(۶۱) ایضاً

(۶۲) ابن الکثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، بدایہ والنہایہ، ج ۱۵، ص ۶۸. یہ حدیث مبارکہ احادیث کی بہت سی کتابوں میں منقول ہے.

(۶۳) منقول ز فیروز آبادی، ص. ۹۱

(۶۴) ایضاً، ص ۱۰

(۶۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۸

(۶۶) القرآن الکریم (المائدہ: ۳۳)

(۶۷) فیروز آبادی، ص: ۹۱

(۶۸) ابن شبہ، ج ۱۰، ص ۱۴۹

(۶۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۱۰۶۴

(۷۰) انجفیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، جزء ۱، ج. ۱، ص ۳۹۵

(۷۱) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۱۳۳۲۔ نیز العیاشی، ص. ۲۰۹

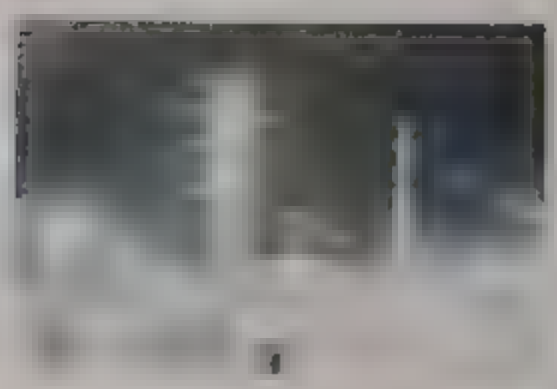

مدینہ طیبہ ایک ایسا ہیرا اور گوہر بے بہاء ہے جسے جس سمت سے بھی دیکھیں تو دل موہ لینے والا ایک نیا رنگ نظر آتا ہے. ہم نے بسیار کوشش کی کہ اس کے ہمہ جہتی منور تابناں خصائص میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ باب ہو مگر آخر پر یہ محسوس ہوا کہ اس کے بہت سے پہلو ابھی بھی تشنہ ہی کے شکوی کناں ہیں لہذا ہم نے مناسب جانا کہ کتاب کے آخر میں چند متفرقات کے متعلق ایک طائرانہ سی نظر ہی ڈال دی جائے جس میں خصائص و مقامات کا اگر مکمل احاطہ نہیں تو کم از کم تذکرہ ہی ہو جائے ان میں جدید دور کے شاہکار بھی ہیں اور قدیم شہ پاروں کا بھی ذکر ہے جو کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں.

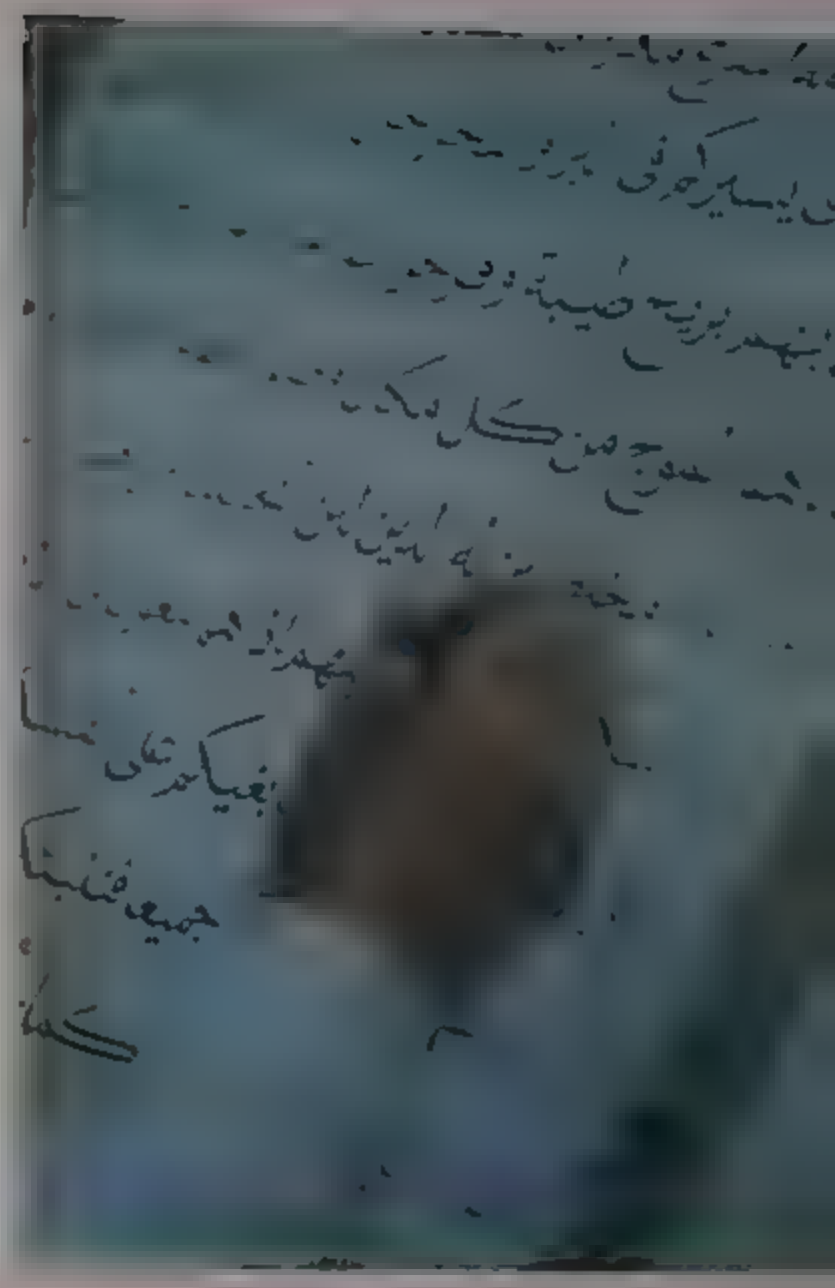

عصر حاضر کے شاہکار

مدینہ طیبہ میں جدید عمرانی ترقی کے قدم سعودی عرب کے دیگر شہروں کے برعکس نسبتاً کافی تاخیر سے لگے، مگر جب ایک بار ارباب اختیار کی نظر التفات یہاں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے بیکراں اور لامتناہی منافع پر پڑی تو انہوں نے اس کی پسماندگی کو دور کرنے کا تہیہ کر لیا. پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اس کی کایا پلٹ گئی اور شہر مصطفوی جو کہ ماضی میں اپنی معیشت کے لیے صرف زائرین کی آمد و رفت پر انحصار کرتا تھا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور یہاں ایسے اداروں اور صنعتوں کا قیام عمل میں آیا کہ نہ صرف یہ معاشی طور پر خود کفیل ہو گیا بلکہ بہت سے معاملات میں تو عالمی سطح پر مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے لگا ہے. اس ریلے میں سب سے زیادہ ترقی ہوٹل انڈسٹری کو ملی ہے. عمرانی ترقی کے نتیجے میں جگہ جگہ فلک بوس ہوٹل، پلازے اور عظیم الشان عمارتیں سر اٹھائے نظر آتی ہیں. تیرہ یا چودہ منزلہ عمارتیں تو عام ہیں مگر ہم نے ان میں سے صرف ان مقامات کو چنا ہے جو عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں یا جو کہ مدنی زندگی میں بہت اہمیت کے حامل شہ پارے ہیں.

ملک فہد قرآن کمپلیس
کی عظیم شان عمارت

مجمع الملک فہد برائے مصحف الشریف

طریق تبوک پر مدینہ طیبہ کی شمال مغربی جانب واقع یہ عظیم الشان کمپلیکس ملک فہد قرآن کمپلیکس کے نام سے جانا جاتا ہے جو کہ اپنی نوعیت کا پوری دنیا میں قرآن مجید فی فن حمید کے لیے سب سے بڑا طباعتی ادارہ ہے ماضی میں سعودی عرب میں طباعت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور حرمین الشریفین کے علاوہ دیگر مساجد میں قرآن کریم کے مصاحف کی کمی بیرونی ممالک سے درآمد کرکے پوری کی جاتی تھی قرآن کریم کے بیشتر حصے کا نزول مدینہ طیبہ یا اس کے گردونواح میں ہوا اور یہیں اس کو عملی طور پر نافذ بھی کیا گیا اور اسی شہر حبیب میں اسے ایک مصحف کی شکل میں یکجا بھی کیا گیا تدریس اور تفہیم قرآن کریم کی کرنیں بھی دور رسالت مآب ﷺ سے لے کر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ وفقہاء کے دور میں مسجد نبوی شریف کے مرکز انوار سے ہی پھوٹتی رہیں صدیوں پر محیط اس عمل کو مزید چار چاند لگانے کے لیے رب ذوالجلال نے ایک بار پھر اسی شہر حبیب کا انتخاب کیا اور یوں خادم الحرمین الشریفین کے ہاتھوں اس عزت وافتخار کا ہار بھی اسی شہر نبوی شریف کے گلے میں ڈالا گیا

جب ۱۴۰۲ ہجری میں اس منصوبے کا اجراء ہوا تو اس کا مقصد وحید یہ قرار پایا کہ اسی شہر انوار وتجلیات کے جوار سے عالمی سطح پر کلام اللہ کی اشاعت وسیع بنیادوں پر کی جائے اس کمپلیکس کا سنگ بنیاد خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ ہجری کو رکھا اور دو سال کی قلیل مدت میں اس عظیم الشان منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا جس پر ۱۸۶ ملین ریال کا زر کثیر صرف ہوا

۶ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۳۰-اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا اس موقع پر شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا:

ملک فہد قرآن کمپلیس میں واقع مسجد

''یہیں، اسی شہر میں آج سے دو سو سال پہلے میں نے اس عظیم الشان منصوبے کی خشت اول رکھی تھی یہی وہ شہر ہے جہاں سے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود پر بے انتہاء خوشیوں کا اظہار کیا تھا انہوں نے آپ حضور ﷺ کی صدائے حق پر لبیک کہا تھا جس سے نوع انسانی کی تقدیر بدل گئی آج یہ خواب پورا ہو گیا ہے اور اب سعودی عرب کے ہر شہری کا فرض ہے کہ اس نعمت عظیم کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں''

۲۵۰،۰۰۰ مربع میٹر پر محیط رقبے پر واقع یہ کمپلیکس ایک خود کفیل وحدت ہے جو کہ ایک بہت بڑے مطبع، تنظیمی موری عمارات، نقول تیار کرنے اور جلد بندی کے ہال اور تحقیق کے لیے قائم کیے گئے اداروں، فنی دیکھ بھال کے ادارے، ایک عالیشان مسجد، ایک لائبریری، ایک کیفے ٹیریا، سٹور، در رہائشی عمارات اور تفریحی علاقوں (جن میں ایک کلب اور کھیل کا میدان بھی شامل ہے) اور دیگر ضروری سہولیات پر مشتمل ہے اس عظیم الشان عمارت کے فرش سنگ مرمر کی چمکدار سلوں سے بنے ہیں اور باب رئیسی کے قریب اندر کی جانب علامت کے طور پر قرآن کریم کا ایک بہت بڑا مجسمہ (Icon) بنا کر نصب کیا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ عظیم کمپلیکس صرف اور صرف قرآن حکیم کے علوم اور اشاعت کے لیے وقف ہے۔

انتظامی طور پر یہ ادارہ وزارۃ اسلامی امور واوقاف اور دعوہ وتبلیغ کے زیر انصرام ہے جس کے روزمرہ امور کو نپٹانے کے لیے ایک جنرل ٹرسٹ قائم کی گئی ہے۔ اس میں سالانہ مصحف شریف کے تیس ملین نسخے تیار کرنے کی گنجائش ہے تاہم سردست ہر سال اس سے ۱۰ ملین نسخے چھپ کر باہر آتے ہیں۔ اس کے چھاپہ خانہ میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ جدید ترین آلات نشر وطباعت، کمپیوٹرز اور مشینری نصب کی گئی ہے جہاں طباعت کے علاوہ جدید جلد بندی کے آلات اور آڈیو ریکارڈنگ کے نظام بھی مہیا کیے گئے ہیں۔ فرقان مجید کی طباعت کے لیے ہر مرحلے پر سائنسی اور لیکٹرانک اور کمپیوٹر کے نظام بروئے کار لائے گئے ہیں جس کے نتیجے میں مصحف الشریف اب مختلف کتابی سائزوں اور شکلوں میں اور مختلف رسوم الخط میں بہت سے انواع واقسام کے دیدہ زیب کاغذ اور جلدوں میں دستیاب ہے۔ چار دانگ عالم میں قارئین کی سہولت کے لیے اس کی کتابت کے لیے الگ الگ اور دیدہ زیب فونٹ (خطوط) اور خطاطی کا انداز اپنایا جاتا ہے۔ مثلاً جنوبی افریقہ، سینیگال، چاڈ اور نائجیریا میں بسنے والے قاریوں کے لیے ورش (جنہوں نے نافع المدنی سے روایت کی ہے) کا انداز اپنایا گیا ہے کیونکہ ان ممالک میں یہی رسم الخط مقبول ہے جب کہ برصغیر پاک وہند اور ایران و افغانستان کے لیے خط نسخ اختیار کیا گیا ہے۔ سوڈان میں رہنے والے لوگوں کے لیے ایک اور خط چنا گیا ہے۔ (۱) یہاں سے پاکٹ سائز سے لیکر بڑی بڑی تقطیع میں مصحف شریف چھپ کر نکلتے ہیں۔ عربی زبان کے علاوہ قرآن کریم کے بیس سے زائد عالمی زبانوں میں تراجم اور تفاسیر شائع کی جاتی ہیں۔ یہ سہرہ بھی قرآن کمپلیکس کے سر ہے کہ تاریخ اسلام میں پہلی بار بریلی نظام کے تحت نابینا حضرات کے لیے کئی جلدوں میں مصحف تیار کیا گیا ہے تاکہ وہ بھی قرآن مجید کے مستفید ہو سکیں۔

کمپلیکس کی ایک عمارت میں آڈیو ریکارڈنگ کی بڑی بڑی مشینیں مشہور قراء کرام کی زبان میں ریکارڈنگ کرتی ہیں اس کا اپنا ریسرچ سینٹر ہے جو کہ قرآنی علوم میں تحقیق کے لیے مختص ہے۔ ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام پر قرآن کمپلیکس میں ۱۴۰ انجینئر، ماہرین، علماء اور عملے کے دیگر ارکان تعینات تھے (۲) جب کہ پورے عملے کی تعداد دو ہزار سے متجاوز تھی۔

جامعہ اسلامیہ (مدینہ اسلامی یونیورسٹی) کے تعاون سے قرآنی علوم، علوم الحدیث اور سیرۃ النبویہ پر انسائیکلو پیڈیا اور ضخیم کتب شائع کرنے کا منصوبہ بھی زیر تجویز ہے۔ سمعی اور بصری آلات (Audio Visual Aids) سے مزین اور ملٹی میڈیا ٹیکنالوجی سے لیس یہ قرآن کمپلیکس قرآن حکیم کے تراجم کو ان زبانوں میں شائع کرتا ہے جو کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں زیادہ بولی جاتی ہیں جن میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی، یونانی، ایطالی، پرتگالی، روسی اور ہسپنی زبانیں یورپی ممالک کے لیے اور بنگالی، برمی چینی، حوسا، کوریائی، فارسی، سندھی، ترکی، اردو اور زولو زبانیں شامل ہیں جو کہ ایشیا افریقہ اور مشرق بعید میں بولی جاتی ہیں۔ جید علماء کرام پر مشتمل ایک ٹیم قرآن کریم پر لگائے گئے اعراب اور

ترکی عدالت کی عمارت
اور کمپلیس

تشکیل کی نگرانی کرتی ہے. صوتی تسجیل اور ریکارڈنگ جدید ترین آڈیو ریکارڈنگ نظام کے ذریعے کی جاتی ہے.

باہر سے آنے والے ہر حاجی کو قرآن کریم کا ایک نسخہ شاہ فہد کی جانب سے تحفہ دیا جاتا ہے. قرآن کریم کی اشاعت اور تفہیم کے لیے دیگر براعظموں میں بڑے پیمانے پر مصحف شریف کے نسخے ارسال کیے جاتے ہیں. ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام تک ۹۹ ملین مفت نسخے ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ اور حجاج کرام میں مفت تقسیم کیے گئے تھے (۳) اس کمپلیکس سے مطبوعہ ۶ ملین نسخے مساجد، مدارس، یونیورسٹیوں، ہوٹلوں اور دیگر دینی اداروں اور سعودی عرب میں واقع کتب خانوں میں ارسال کیے جاتے ہیں. مدینہ طیبہ کے زائرین اور حجاج کرام کو تحفتاً مصحف شریف کے نسخے پیش کیے جاتے ہیں. مملکت سعودی عرب کے سفارت خانے دیگر ممالک اور دینی اداروں کو اس کی ترسیل میں مدد دیتے ہیں. ۱۴۱۷ ہجری کے اختتام تک شاہ فہد قرآن کمپلیکس میں طبع ہونے والے مصحف کے نسخوں کی کل تعداد ۹۱۴،۳۷،۱۱ تک پہنچ چکی تھی.

شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس

مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب حیز روان کے قدم تاریخی گاؤں کی جگہ مدینہ طیبہ کی شرعی عدالت کی عمارت ہے. یہ عمارت روائتی اسلامی طرز تعمیر اور جدید تعمیراتی نظریات کا حسین امتزاج ہے. اس کی کثیر المنزلی عمارت قدیم طرز کے مختلف محراب دار برآمدوں پر استوار کی گئی ہے جو کہ مدنی عمارات کا طرہ امتیاز ہے.

یہ عالی شان چار منزلہ عمارت ۳۰۰،۷ مربع میٹر کے چھتے ہوئے علاقے (Covered Area) پر محیط ہے. پہلی منزل پر رئیس العام اور اس کے نائبین اور قانونی مشیروں کے دفاتر ہیں؛ ساتھ ہی انتظامی امور کا شعبہ اور ریکارڈ آفس ہے. قانونی چارہ جوئی کے لیے آنے والوں کے لیے انتظار کا ایک وسیع و عریض ہال بنایا گیا ہے. دوسری منزل میں مختلف عدالتوں اور قاضی صاحبان کے دفاتر ہیں جو کہ آٹھ شرعی عدالتوں پر مشتمل ہیں جن میں سے چھ میں عدالت عظیا (Supreme Court) کے چیمبر قائم ہیں. عمارت کے تہہ خانے میں پارکنگ ایریا ہے جہاں عدالتوں کے کارندوں اور عوام کے لیے کار پارکنگ کی سہولت موجود ہے.

مدینہ یونیورسٹی

ہجرت مبارکہ پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھنے کے بعد دیگر اہم باتوں کے علاوہ سید العرب والعجم نبی الامی اور حکیم و علیم ﷺ نے اس بات پر بہت زور دیا کہ امت کے نوجوان زیور تعلیم سے آراستہ ہوں. اس ضمن میں ہمیں بے شمار احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حصول علم پر بہت زور دیا. مدینہ طیبہ میں اس وقت پڑھے لکھے حضرات کی شدید قلت تھی اور جتنے مدارس (M.drashes) تھے وہ یہود کے بنائے ہوئے تھے اور انہی کے زیر انصرام چلتے تھے جہاں وہ اپنی دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے معلمین کا فقدان تھا. چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ بدر میں قریش کے قیدیوں کی فدیہ کے عوض رہائی کا مسئلہ آیا تو سرور کائنات ﷺ نے ایک یہ شرط رکھ دی

کہ جو قیدی فدیہ نہ دینا چاہتا ہو وہ اس کی جگہ اپنی رہائی کے عوض مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔
اسی طرح مسجد نبوی شریف میں مقام الصفہ پر یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ وہاں پر مقیم نادار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قران لکھنا اور پڑھنا سکھاتے تھے جو پڑھے لکھے تھے۔ یوں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ مسجد نبوی شریف (جس کے اندر مقام الصفہ جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد مقیم تھی جن کا نان و نفقہ بھی مدنیوں کے باہمی تعاون سے ریاست مدینہ طیبہ کے ذمہ تھا) دنیا کی پہلی درسگاہ یا یونیورسٹی تھی جہاں تعلیم کے علاوہ مستحق افراد کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست بھی تھا صرف یہی نہیں بلکہ یہود بے بہبود سے ہر سطح پر مقابلہ کرنے کے لیے اس بات کی ترغیب دی گئی کہ مسلمان ان کی زبان (عبرانی) بھی لکھنا پڑھنا سیکھیں۔

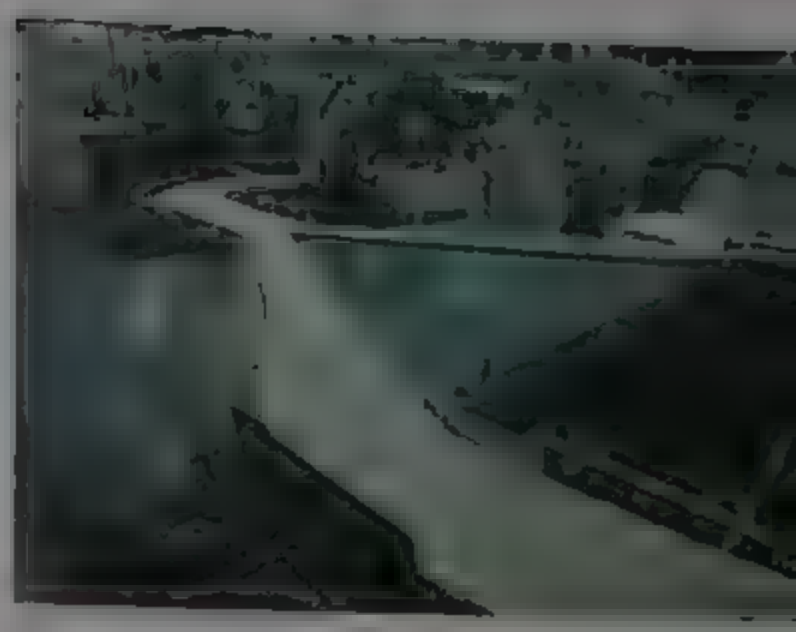

ملک فہد قرآن کمپلیس میں دنیا کی بہترین پرنٹنگ مشینوں پر قرآن کریم کی اشاعت ہوتی ہے

اس سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کی مثال بہت درخشندہ ہے جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی دعائے مبارکہ سے بہت ہی کم عرصہ میں عبرانی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کے فرمان مبارک [طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ] سے مسلم مرد و زن پر حصول علم فرض اور لازم ہو گیا تھا اور شمع رسالت کے پروانے فرمان مصطفوی پر دل و جان سے عمل کیا کرتے تھے پھر خلافت راشدہ کے سنہری دور میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ بچوں اور بالغوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست ہو۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے تحفیظ اور تعلیم القرآن کے لیے مدارس کی بنیاد ڈالی جو وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منازل طے کر کے ایک ہمہ جہتی نظام تعلیم کا پیش خیمہ بنے۔ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں آسمان اسلام پر طلوع ہونے والے درخشندہ ستارے (آئمہ کرام، محدثین اور فقہاء کرام) انہیں مدارس کے فارغ التحصیل تھے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بڑے بڑے مدارس بھی ان آئمہ کرام کی رہائش گاہوں سے رشک کرتے تھے کیونکہ علم کے متلاشی شب و روز ان کے گھروں کے چکر زیادہ لگایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت ربیعہ ابن الرائے اور حضرت امام مالکؒ کے حلقہ ہائے دروس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت امام جعفر الصادقؒ کا حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کرتا تھا کہ بڑے بڑے آئمہ کرام کے علاوہ ایک ایک وقت میں چار یا پانچ ہزار طالب علم ان کے لیکچر سننے اور املاء لینے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے اور ان کے گھر کے اردگرد مدینہ طیبہ کی گلیاں بھی ان کے لیے تنگ پڑ جایا کرتی تھیں اور مجبوراً ان کو اپنی درسگاہ پہلے تو جبل احد کے دامن میں منتقل کرنا پڑی اور پھر جب وہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو اسے مدینہ طیبہ سے باہر اس جگہ منتقل کیا گیا جہاں بعد میں علی العریضؒ کا مزار بنا۔ موجودہ مدینہ طیبہ میں غلط العام میں جو جگہ مزار ابو ہریرہؓ یا ان کی درسگاہ مشہور ہے وہ دراصل حضرت امام جعفر الصادقؒ کی درسگاہ تھی جسے دوسری صدی کی مشہور مدنی یونیورسٹی کا مقام حاصل تھا۔ یوں معلم انسانیت رسول الرشد والہدایہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان۔ [بلاشک ایک وقت آئے گا کہ لوگ اپنے اونٹوں کو تازیانے لگا لگا کر ان کو دوڑنے پر مجبور کریں گے تاکہ علم کی تلاش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا سکیں مگر انہیں مدینہ طیبہ سے زیادہ کسی اور جگہ پر جید عالم اور فاضل لوگ نہیں ملیں گے۔] (۴) کے مصداق مدینہ طیبہ صحیح معنوں میں علم کا گہوارہ بن گیا جہاں سے ہمہ وقت علم و عرفاں کے سوتے پھوٹتے تھے اور تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے اکناف عالم سے کشاں کشاں عازم مدینہ ہوتے تھے۔ عباسی دور میں تو مدینہ طیبہ کی درسگاہیں صرف روحانیت اور دینی علوم کے لیے ہی نہیں بلکہ معاصر علوم کی تمام شاخوں کا کماحقہ احاطہ کرتی تھیں۔

دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح عثمانی دور حکومت میں مدینہ طیبہ میں نظامیہ نظام تعلیم رائج تھا جس کے تحت بڑے بڑے مدارس اور کتاتیب تعلیم و تدریس کے مبارک فریضے کو انجام دیتے تھے۔ بایں ہمہ مسجد نبوی شریف کا اپنا ایک منفرد مقام تھا جس کے جوار رحمت میں مدرسہ محمودیہ یا

مدینہ یونیورسٹی کا مین دروازہ

اور دیگر اسلامی مدارس منارہ ہائے نور کی طرح ہر سو علم کی روشنی پھیلاتے تھے. مسجد نبوی شریف کے صحن میں سلطان عبدالمجید کے حکم سے باب مجیدی کے اوپر کتاتیب تعمیر کیے گئے تھے جہاں طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی. انیسویں صدی میں جب جدید نظریہ تعلیم کا غلغلہ بلند ہوا تو ترکوں نے ان مدارس (کتاتیب) کو جدید بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیا تا کہ ارض طیبہ کے نونہالوں کو معاصر علوم سے روشناس کرایا جا سکے. ان کتاتیب میں ذریعہ تعلیم ترکی اور عربی ہوا کرتا تھا اور بعض میں تو فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی. اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا تھا کہ ان کتاتیب میں دینی تعلیم کے علاوہ طالب علم کو دیگر علوم سے بھی روشناس کرایا جائے. وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ان کتاتیب کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا، کچھ کتاتیب تو سرکار عثمانی کے زیر انصرام چلتے تھے اور کچھ مخیر حضرات کی تگ و دو کا نتیجہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ نجی کتاتیب کی تعداد زیادہ ہوا کرتی تھی بیسویں صدی کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں ان کتاتیب کی تعداد کچھ اس طرح تھی

کتاتیب الامیریہ	۳
کتاتیب الاہلیہ	۶
کتاتیب برائے بنات	۲

ان مدارس سے سالانہ لگ بھگ چار سو طلباء فارغ التحصیل ہوتے تھے. بیسویں صدی کے وسط تک ایسے کتاتیب کی تعداد بڑھ کر ۱۵ ہو گئی تھی جن میں طلباء کی تعداد ۵۰۰ تھی.

اپنی حکومت کے آخری سالوں میں عثمانی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں آستانہ استنبول میں کافی عرصہ سے سوچ بچار ہوتا رہا تھا. اس کام کے لیے انہوں نے عنبریہ ریلوے سٹیشن کی جانب جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عملی طور پر تعمیراتی کام بھی شروع کر دیا تھا مگر ابھی زیادہ پیش رفت نہ ہو پائی تھی کہ مدینہ طیبہ میں شریف مکہ کی بغاوت اور ہاشمیہ حکومت کے قیام نے تمام منصوبے کی بساط الٹ دی اور ترکیوں کا یہ خواب خیر شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا. تقریباً دو دہائیوں تک یہاں پر نامکمل عمارتیں بھوت بنگلہ نظر آیا کرتی تھیں تاہم اس کے بعد سعودی حکومت کو اس کی زبوں حالی پر ترس آ گیا اور ۱۹۴۲ء میں اس جگہ مدینہ طیبہ کا پہلا سیکنڈری سکول (مدرسہ طیبہ الثانویہ) بنا دیا گیا.

اسی اثنا میں برصغیر پاک و ہند سے ایک معروف سماجی شخصیت شیخ احمد الفیض آبادی نے ہندوستان کے صاحب ثروت لوگوں کی مدد سے مدینہ طیبہ میں پہلا جدید بنیادوں پر استوار مدرسہ "مدرسہ علوم الشرعیہ" قائم کیا. دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ مدرسہ دیگر علوم و فنون میں بھی تعلیم دیتا تھا، مثلاً مختلف زبانیں، ریاضی اور جدید سائنس وغیرہ. (۵)

۱۹۲۳ء میں بانی مدرسہ نے اس میں مزید توسیع کا منصوبہ بنایا اور مدینہ طیبہ کے نوجوانوں کو فنی اور پیشہ ورانہ تربیت دینے کے لیے اسی مدرسہ کی ایک شاخ کا افتتاح کیا گیا جہاں طالب علموں کو پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ دی جاتی تھی. مدرسہ کی یہ شاخ بلدۃ الطیبہ شہر مصطفوی میں معاشی خودکفالت کے حصول کی جانب سب سے پہلا اور ایک بہت بڑا قدم تھا جس کے فیضان کے اہل مدینہ آج تک معترف ہیں. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیخ احمد الفیض آبادی نے اس کی مزید شاخیں قائم کیں، مثلاً: دار الحدیث (۱۹۳۰ء)، دار الایتام - یتیم خانہ (۱۹۳۲ء)، مدرسہ التہذیب الخیریہ (۱۹۳۲ء)، الجمعیۃ الخیریہ لتحفیظ القران للکریم (۱۹۶۳ء)، معہد دار البحر و (۱۹۶۹ء) سلسلہ ہائے مدارس بعنوان مدارس منارۃ المدینہ (۱۹۷۸ء) اور مدرسہ الرحمانیہ لتحفیظ القرآن الکریم (۱۹۸۶ء) (۶) اسی طرح ایک اور دردِ دل رکھنے و نے پاکستانی، الحاج عبدالغنی دادا، نے ایک بہت بڑا یتیم خانہ (دار الایتام الاسلامیہ) کھولا جہاں نہ صرف مستحق طلباء اور یتیموں کو مفت کھانا اور رہائش دی جاتی تھی بلکہ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی. (۷) مدینہ طیبہ میں تحفظ القرآن کے لیے سیٹھی برادرز کی مساعی جمیلہ بھی قابل ذکر ہیں.

۱۳۴۴ ہجری (۱۹۲۴ء) میں مدینہ طیبہ میں باقاعدہ محکمہ تعلیم قائم ہوا جس کے بنیادی فرائض میں موجودہ مدارس کے انتظام و انصرام کے علاوہ نئے مدارس کا قیام اور ایک معیاری نصاب تعلیم کا تقرر اور نفاذ بھی شامل تھا محکمہ تعلیم نے ۱۹۴۲ء میں ارض مقدسہ پر پہلا ثانوی سکول (مدرسہ طیبہ) کھولا اور پھر ۱۹۶۷ء میں ایک مڈل سکول (مدرسہ الصدیق المتوسطہ) قائم کیا. اس کے ساتھ ساتھ مزید مدرسوں اور اداروں کو بھی قائم کیا گیا مثلاً انسٹیٹیوٹ آف سائنس (۱۹۶۱ء)، ہیتھ انسٹی ٹیوٹ (۱۹۸۲ء)، سیکنڈری کامرس سکول (۱۹۷۶ء) اور فنی اور پیشہ ورانہ تربیت کا مرکز (۱۹۷۶ء).

ان ابتدائی کاوشوں کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی بھی منصوبہ بندی کی اور یوں ۱۹۶۱ء میں وادی العقیق کے دامن میں ایک نہایت ہی پرفضاء جگہ پر مدینہ یونیورسٹی کے کیمپس کی تعمیر عمل میں آئی. اس کے علاوہ ارض طیبہ کے ہونہاروں کے لیے کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی کی شاخیں بھی مدینہ طیبہ میں ۱۹۷۷ء میں کھول دی گئیں. ان تمام تعلیمی اداروں میں سب سے افضل ادارہ مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ اسلامیہ بالمدینۃ المنورہ) ہے جو پچھلے چالیس سالوں میں اپنے لیے جریدہ عالم میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکی ہے اس کے نصاب اور نظام تعلیم وضع کرنے میں مصری علماء اور بالخصوص جمعیۃ اخوان المسلمون کا ہاتھ زیادہ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل حضرات کے دل و دماغ پر اخوان کے طرز تفکر کی گہری چھاپ واضح نظر آجاتی ہے. جدید آلات اور سہولتوں سے مالا مال یہ جامعہ مندرہ ذیل کالجوں پر مشتمل ہے:

۱- کلیۃ الشریعہ
۲- کلیۃ الدعوۃ واصول الدین
۳- کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ
۴- کلیۃ اللغہ العربیہ والآداب
۵- کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ

سعودی طلباء کے علاوہ جامعہ الاسلامیہ مدینہ المنورہ بدیشی طلباء کو وظیفے اور داخلے کا بھی اہتمام کرتی ہے جس کی وجہ سے دور دراز سے آئے ہوئے تشنگان علم آج بھی مدینہ طیبہ کی بابرکت فضاء میں اس موقر تعلیمی ادارے میں علم حاصل کرتے ہیں.

کالجوں کے علاوہ ایسے مدارس (لڑکوں کے لیے) کی تعداد ساڑھے چار سو کے لگ بھگ ہے جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے دائرہ کار میں

تے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱)	پرائمری اور تحفیظ القرآن	۲۲۲
(۲)	مڈل اور تحفیظ القرآن	۱۱۰
(۳)	سیکنڈری اور تحفیظ القرآن	۴۴
(۴)	مدارس تعلیم بالغاں	۵۶
(۵)	ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس	۳
(۶)	مڈل سکول (مسائیہ۔شام کے اوقات کے لیے)	۷
(۷)	سیکنڈری سکول (مسائیہ۔شام کے اوقات کے لیے)	۵
	کل تعداد	۴۴۷ سکول

ایجوکیشن بورڈ کی ۱۴۱۸ ہجری کی سالانہ رپورٹ کے مطابق منطقہ مدینہ طیبہ میں لڑکیوں کے سکولوں کی تعداد ۵۲۳ ہے لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لیے بھی تحفیظ القرآن کا اتنا ہی اہتمام کیا گیا ہے ماضی میں بھی مدینہ طیبہ میں تعلیم البنات پر لڑکوں کے برابر زور دیا جاتا تھا مگر ان کے زیادہ تر مدارس پرائیویٹ ادارے چلاتے تھے جو مخیر حضرات کے چندوں کے مرہون منت تھے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ ان اداروں اور مدرسوں نے اپنی بساط کے مطابق اہالیان شہر مصطفوی کی گراں قدر خدمت انجام دی تھی۔ قدیم مدارس میں سے چند کے نام تو ابھی تک زبان زد عام ہیں، مثلاً:

مدرسہ فاطمہ الترکیہ (تاسیس: ۱۹۳۳ء)

مدرسہ فوز والنجاح (تاسیس: ۱۹۳۸ء)

مدرسہ مقاصد الاسلامیہ (تاسیس: ۱۹۴۵ء)

مدرسہ بتول التکردنیہ (تاسیس: ۱۹۴۶ء)

مدرسہ الہدایت الاسلامیہ (تاسیس: ۱۹۴۶ء)

بعد میں جب محکمہ تعلیم کا قیام عمل میں آیا تو یہ تمام مدارس سرکاری نظامیہ سکولوں میں ضم کر دیئے گئے جن کے لیے بعد میں الگ محکمہ ادارۃ التعلیم البنات قائم کیا گیا تھا۔ اب مدینہ طیبہ کے ریجن میں کل ۵۲۳ مدارس ہیں جو لڑکیوں کے لیے مختص ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے تحت ہیں۔

مدینہ کی ایک لائبریری میں نہایت قیمتی خطی قرآن کریم

مدینہ طیبہ کی مشہور لائبریریوں پر ایک نظر

آفاق یثرب پر صدر العلی اور نور الہدیٰ کے بدر الدجیٰ ﷺ کے طلوع ہو جانے اور اس کی مدینۃ النبی کی صورت میں پہلی مثالی اسلامی ریاست بن جانے کے دن سے مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن گیا تھا اور اس کا یہ مقام آخر الزمان تک رہے گا۔ قرآن کریم کے معتد بہ حصے کا نزول اسی شہر مقدس میں ہوا اور پھر خلافت راشدہ میں پورے قرآن کو کتابی شکل دے کر ایک مصحف کی شکل میں جمع بھی اسی شہر مقدس میں کیا گیا۔ تجمیع حدیث شریف کا زیادہ تر کام بھی اسی پاک دھرتی پر ہوا اور حدیث پاک کی کتابت اور تدوین بھی کافی حد تک یہیں پر ہوئی۔ صحاح ستہ میں سے الموطاء امام مالکؒ کو تو آخری شکل بھی مسجد نبوی شریف کے احاطے میں ہی دی گئی جبکہ امام بخاریؒ نے اپنی جامع الاحادیث (جو اب صحیح بخاری شریف کے نام سے جانی جاتی ہے) بھی مدینہ طیبہ کی سرزمین پر قیام کر کے مکمل کی تھی۔ جس محلے میں وہ قیام پذیر تھے وہ محلہ بخاریاں

شاہ عبدالعزیز لائبریری کی عظیم الشان عمارت

کہا تا تھا اور امام بخاریؒ کی خدمات کے اعتراف میں ان کی جائے قیام اور مکان پر مسجد امام بخاریؒ تعمیر کی گئی ہے جو تعمیراتی خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت ہے

علوم اسلامیہ کا گہوارہ ہونے کی وجہ سے یہ قدرتی امر تھا کہ یہاں علوم دین کی کتابوں کا ذخیرہ ہمہ وقت موجود رہے۔ مدارس کی لائبریریوں کے علاوہ اہل علم حضرات کی کثیر تعداد نے اپنے اپنے گھروں میں کتب خانے قائم کر رکھے تھے جہاں بہت قیمتی مخطوطے دستیاب ہو کرتے تھے۔ بڑے مدارس کو تو کتابیں اسلامی دنیا کے حکمران بھی تحفتاً ارسال کر دیا کرتے تھے، مثال کے طور پر جب سلطان اشرف قیطبائی نے مدرسہ اشرفیہ کی تعمیر نو کی تو زر نقد کے علاوہ کئی اونٹوں پر لاد کر علم کے موتی مصر سے روانہ کئے تھے۔ یوں صدیوں میں مدینہ طیبہ میں بے شمار پرائیویٹ لائبریریاں معرض وجود میں آچکی تھی جن میں سے بعض تو عالمی شہرت کی مالک تھیں جن کے توشہ خانے قدیم مخطوطوں سے بھرے ہوتے تھے، مشاہدہ اغوات میں رباط مظہر نقشبندیہ میں ایسے ایسے قدیم مخطوطے ملتے تھے جن کی مثال نہیں ملتی دیگر بہت سے جواہر نایاب کی طرح، امام بخاری کا تحریر کردہ صحیح بخاری کا مخطوطہ صرف اسی لائبریری میں دستیاب تھا۔ اسی طرح شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری ایسے فارسی اور عربی زبان میں جواہر نایاب کا سب سے بڑا خزانہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار میں دار آل حسن علیہ السلام میں قائم تھی اور کئی صدیوں سے اہل علم کے لیے مرجع رئیسی کا کام دیتی تھی۔

بشیر آغا کی لائبریری بھی پاس ہی زقاق خیاطین میں ایسے علمی اثاثوں سے بھری ہوتی تھی۔ مکتبہ کتب خانہ اور المکتبہ المحمدیہ بھی کوئی کم اہمیت کی حامل لائبریریاں نہیں تھیں۔ دار سیدنا عثمانؓ میں قائم رباط میں ایک ایسی بھی لائبریری تھی جس کا فقہ مالکیہ کے مخطوطات اور قدیم کتب میں اختصاص دنیا بھر میں مشہور تھا۔ فقہ مالکیہ پر کوئی بھی گوہر نایاب ایسا نہ تھا جو کہ وہاں موجود نہ ہوتا تھا۔ حال ہی میں مدینہ طیبہ کی لٹریری کلب نے سو اہم مخطوطات کے متعلق تفاصیل نشر کی ہیں جو کہ ان پرائیویٹ لائبریریوں میں تھے۔ جب مدینہ طیبہ میں جدید علوم کا رواج ہونا شروع ہوا اور عمرانی ترقی نے بڑے بڑے ڈگ بھرنے شروع کر دیئے تو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ اپنے آباء کی کتابیں اور علم کے موتیوں کو مختلف طاق ہائے نسیاں سے نکال کر یکجا کر دیا جائے اور اس کام کے لیے ایک مرکزی لائبریری کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا۔ سوق المناخہ میں کنگ عبدالعزیز لائبریری ۱۹۷۳ء میں قائم ہوئی جس کا سنگ بنیاد شاہ فیصل مرحوم نے رکھا تھا۔ دس سال کے طویل عرصہ پر محیط جدوجہد سے مدینہ طیبہ میں مختلف نہاں خانوں میں موجود لائبریریوں سے تمام مخطوطے حاصل کئے گئے اور پھر ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ ہجری کو خادم حرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا۔

اس سے بھی پہلے جب مسجد نبوی شریف کی پہلی توسیع ہوئی تو اس میں موجود قدیم لائبریری کو مزید وسعت دی گئی اور بہت سے قدیم

اور نادر مخطوطے اور نسخے اس لائبریری میں منتقل کر دیئے گئے۔ تمام مشاہیر علماء اور عمائدین سے پیل کی گئی کہ وہ اپنی قیمتی کتب کے اثاثے اس مرکزی لائبریری میں جمع کروادیں جس پر لبیک کہتے ہوئے بہت سے اہل علم حضرات نے قدیم کتب اور مخطوطے اس لائبریری کو تحفتاً دے دیئے۔ یوں صرف وہ کتب ہی نہیں جو کہ مدارس کے نہاں خانوں سے حاصل ہوئیں بلکہ اخیاری جیسی شخصیتوں نے بھی اپنے کتب خانے اس مرکزی لائبریری کی نذر کر دیئے۔ مسجد نبوی شریف کے اندر واقع اس لائبریری کا افتتاح امیر عبدالمحسن گورنر مدینہ طیبہ نے ۱۳۹۱ ہجری میں کیا (۸) اس لائبریری کا نام "مکتبۃ الحرم النبوی شریف" ہے اور یہ مسجد شریف کے اندر قدیم باب عمر فاروقؓ اور باب عثمان بن عفانؓ پر واقع کمروں میں قائم کی گئی ہے۔ باب عثمانؓ کی جانب نچلے فلور پر قارئین کے پڑھنے کے لیے تمام سہولتوں سے آراستہ فرنیچر رکھا گیا ہے اور چاروں اطراف میں بند الماریاں کتب سے بھری پڑی ہیں۔ تمام ریکارڈ کمپیوٹرائزڈ ہے۔ اسی کمرے میں تاریخ مدینہ طیبہ پر تقریباً ہر وہ کتاب دستیاب ہے جو کہ پچھلی ایک صدی میں عربی زبان میں ضبط تحریر میں آئی۔ تاریخ اسلام پر مشاہیر اسلام کے کثیر المجلد اتی شاہکار موجود ہیں۔ اس کے اوپر پہلی منزل پر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کتابیں ہیں، مگر یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ صرف ایک مکتب فکر کے علاوہ سیرۃ النبوی پر دیگر زبانوں میں بہت کم کتب اور مواد موجود ہیں اور زیادہ تر الماریاں خالی نظر آتی ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں یہ حال تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی صرف ایک تصنیف حجۃ البالغہ کے علاوہ تفہیم القرآن سب سے نمایاں تھی اور چار دانگ عالم میں سیرۃ نبوی شریف پر شاہکار کتب میں سے کوئی ایک کتاب بھی نظر نہیں آئی۔ تیسری منزل پر مخطوطوں کو محفوظ کیا گیا ہے جہاں ۱۹۰۰ سے زیادہ قدیم قرآنی مخطوطے محفوظ ہیں جو کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر عثمانی دور تک مشاہیر خطاطوں کے شاہکاروں پر مشتمل ہیں جن میں ایک ایسا بھی عجوبہ روزگار مصحف شریف ہے جسے مشہور خطاط علامہ محی الدین نے ۱۲۵۶ ہجری میں قلمبند کیا تھا۔ خطاطی کی دنیا میں یہ نادر عجوبہ ۶۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصحف کی لمبائی ۱۴۲ سنٹی میٹر اور چوڑائی ۸۰ سنٹی میٹر ہے اور اس مصحف کا وزن ۱۵۴ کیلوگرام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے مخطوطے عباسی خلفاء کے توشہ خانوں سے بھیجے گئے تھے جن میں خلیفہ مہدی لدین اللہ کے ارسال کردہ مصحف شریف کا قلمی نسخہ بھی ہے۔ حفاظت کی غرض سے ان مخطوطوں کو بہت ہی محفوظ اور مقفل کمروں میں رکھا گیا ہے جہاں عام آدمی کی رسائی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ عامۃ الناس کی ضیافت طبع کے لیے مصحف شریف کے مشہور مخطوطوں کے نمائندہ صفحات کی عکسی تصویریں فریم کروا کر چاروں طرف الماریوں میں نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اسی کمرے کی دیواروں پر مدینہ طیبہ کی قدیم تصاویر کے عکس بھی لگائے گئے ہیں جن میں مصری صادق بیگ کے کیمرے کی آنکھ سے لی گئی مدینہ طیبہ کی قدیم ترین تصاویر (۱۸۸۲ء) سب سے نمایاں ہیں۔

تمام کتب بہت نفاست سے ترتیب وار رکھی گئی ہیں اور ایک کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا بیس میں درج ہیں جس کے مطابق تمام مندرجات کی

محبوب رب کریم ﷺ کے در اقدس کے پاس شرقی جانب گنبد خضرا کے سایہ میں قدیمین شریفین کی جانب ۱۰ صفحہ جہاں نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے ۲۰۰۵ء

کیٹیلاگنگ کی گئی ہے جدید سمعی اور بصری آلات کی موجودگی نے مرکزی طور پر ایئر کنڈیشنڈ لائبریری کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں جو کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں واقع ہونے کی وجہ سے اور بھی روحانی تسکین کا باعث بنتی ہے ہم کتابوں اور مخطوطوں کی مائکروفیش محفوظ کی گئی ہیں جو کہ ان ریسرچ سکالرز کو دستیاب ہیں جو مملکت سعودی عرب کی کسی بھی یونیورسٹی سے الحاق رکھتے ہوں لائبریری سٹاف کی سرکاری اور عمومی زبان عربی ہے اور انگریزی یا کسی دوسری زبان میں سوالات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا اور سائل کو دقت اٹھانی پڑتی ہے

دیگر تاریخی مقامات اور شاہکار

موضع الجنائز (جنازگاہ)

سوائے چند استثنائی حالات کے کہ جب کہ کسی اصحابی کا جنازہ مدینہ طیبہ سے باہر پڑھایا گیا ہو، زیادہ تر جنازے مقصود کونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے در اقدس کے پاس لائے جاتے تھے اور حضور والا شان ﷺ اپنے کاشانہ مبارکہ کے پچھواڑے یعنی شرقی جانب کی گلی میں ان کی نماز جنازہ ادا فرمایا کرتے تھے آج کل اس جگہ کا زیادہ تر حصہ گنبد خضراء کے سائے میں قدیمین الشریفین کی جانب والی جگہ میں آچکا ہے۔(۹) صحیح بخاری شریف کے مطابق جنازگاہ مسجد شریف کے بالکل قریب شرقی جانب تھی۔(۱۰) ابتداء میں جب کبھی بھی کوئی فوتیدگی ہوتی تو جنازہ اسی موضع جنائز (جنازگاہ) میں لایا جاتا تھا (۱۱) مگر بعد میں چند بار ایسے بھی ہوا کہ جنازہ مسجد نبوی شریف میں رکھا گیا اور وہیں پر رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ﷺ نے جنازہ ادا کیا۔ بعد میں جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کا جنازہ مسجد نبوی شریف کے اندر ہی ادا کروایا تھا اور پھر جب سیدنا عمر فاروقؓ شہید ہوئے تو ان کا جنازہ بھی منبر رسول مقبول ﷺ کے قریب رکھا گیا اور حضرت صہیب الرومیؓ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ چونکہ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی میتیں مسجد نبوی شریف میں لائی جانے لگیں تو بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معترض ہوئے کیونکہ میت کے وہاں رکھنے سے اس کے قدم حجرہ مطہرہ کی جانب ہو جاتے تھے جو کہ سوئے ادب تھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قابل قبول نہ تھا۔ چنانچہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا جنازہ وہاں لایا گیا تو بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، لیکن جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں صراحت کی گئی ہے ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے مداخلت کی اور ان کا جنازہ وہیں پر ادا کیا گیا۔ چند ایسے واقعات کے علاوہ دیگر جنازے شروع سے ہی موضع الجنائز میں ادا ہوتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی اسی جنازگاہ میں ادا فرمائی تھی (۱۲) نماز جنازہ کے علاوہ سورج یا چاند گرہن کی نماز بھی وہیں ادا ہوا کرتی تھی جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ

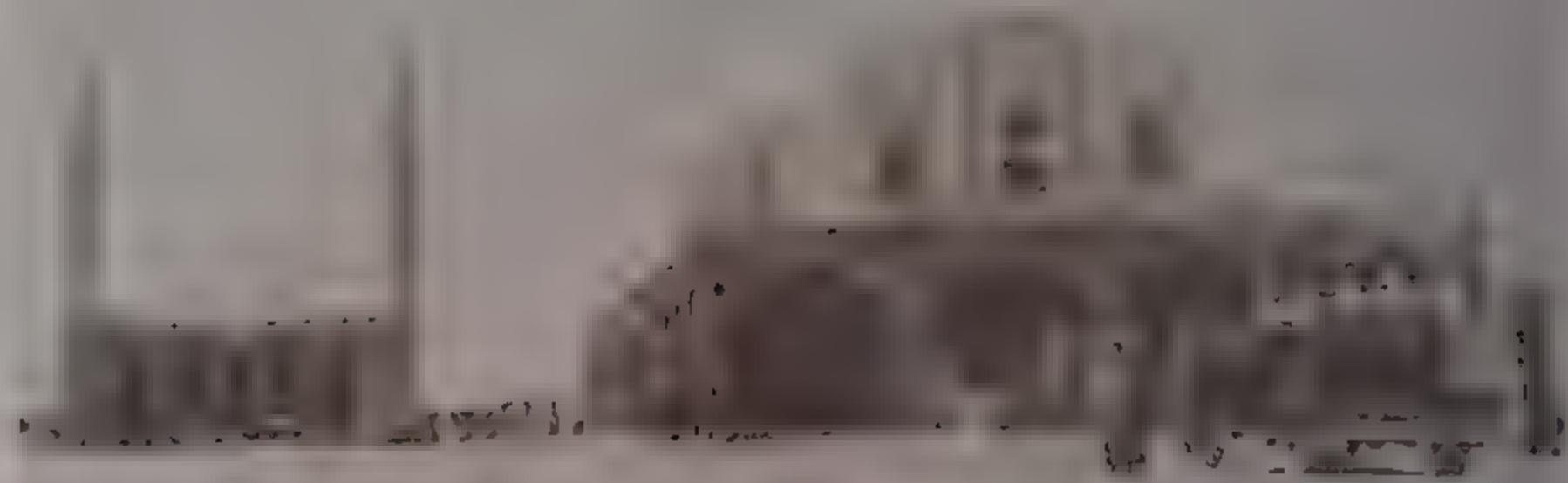

مدینہ ریلوے سٹیشن کی قدیم عمارت، مسجد نبوی کی ایک نادر تصویر

حجرات مبارکہ کے پاس سے گزر کر موضع الجنائز میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ حضور ﷺ نے صلاۃ الخسوف ادا فرمائی۔](۱۳)

ابن سعد نے حضرت محمد بن عمرؓ کی روایت بیان کی ہے [وہ جگہ جہاں جنازے رکھے جاتے تھے اور ان کی نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی وہ موضع الجنائز کہلاتی ہے۔ وہاں آج بھی لوگ اپنی میتوں کے جنازے لاتے ہیں اور وہیں ان کی نماز جنازہ ہوتی ہے یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے](۱۴)

ابتداء میں اس مقام پر دو کھجوروں کے درخت بھی ہوا کرتے تھے جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو انہوں نے ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔(۱۵) اور اس میں سے کچھ حصہ مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا تھا۔ بعد میں جب عثمانیوں کا دور حکومت آیا تو مسجد شریف کو وسعت دینے اور حجرہ مبارکہ کو اتنا وسیع کرنے کے لیے کہ اس کے اوپر مضبوط گنبد بنایا جا سکے شرقی جانب موضع الجنائز کا ۲ ذرع (تقریباً ایک میٹر) مزید علاقہ بھی اس میں شامل کر لیا گیا تھا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے موضع الجنائز کا کافی حصہ تو اب مسجد نبوی شریف کے اندر آ چکا ہے اس کا کچھ بچا ہوا حصہ آج بھی محفوظ ہے اور اس کے گرد بند دیوار کھڑی کر دی گئی ہے جو کہ باب جبریل اور باب البقیع کے درمیان واقع ہے۔ آج کل جنازے مسجد نبوی شریف سے متصل قبلہ کی جانب دار آل عمرؓ کی جگہ بنائے گئے ہال میں لائے جاتے ہیں۔

مدینہ ریلوے اسٹیشن کی قدیم عمارت

حجاز ریلوے

ازمنہ قدیم سے پا پیادہ یا بار بردار اور سواری کے جانوروں پر سوار آبلہ پاء قافلہ ہائے عشاق سوئے مدینہ طیبہ رواں دواں رہتے آئے ہیں۔ شوق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ لق و دق صحراء، ندی نالے اور لاوے کے بنے سنگلاخ خطے بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتے تھے۔ یہ قافلے جب اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں پر سوئے بطحاء و طیبہ چل پڑتے تو ہدی خواں مہار ناقہ تھام کر اپنی سریلی آوازوں سے اس سفر کو اور بھی دلکش بنا دیتے اور زائر درود و صلوٰۃ کی سوغات جھولیوں میں لیے در اقدس پر حاضری کے لیے پورے

حجاز ریلوے کی تعمیر اور افتتاح کی نادر تصویریں ۱۹۰۸ء

ادب اور احترام کے ساتھ منزل بہ منزل اس مبارک سفر کو طے کر لیتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ طویل راستے اور موسمی اثرات سے بیمار اور معمر زائرین بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے مگر اس کے علاوہ، اور کوئی چارہ کار بھی تو نہ تھا! اوپر سے رستے میں بسنے والے بدوؤں (جو صحرائی قزاق کے نام سے مشہور تھے) کی مار دھاڑ کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا:

بقول اقبال:

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور

ہم سفر میرے شکار دشنہ رہزن ہوئے
بچ گئے جو ہو کے بیدل سوئے بیت اللہ پھرے

اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی

خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا
'ہائے یثرب' دل میں لب پر نعرہ توحید تھا

خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل"
شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بیباکانہ چل"

یوں راہ نوردان شوق چاروں اور سے قزاق دشتہائے پر خطر عبور کر کے مدینہ طیبہ پہنچتے تھے۔ سمندری سفر کی سہولتوں نے اس معاملے میں حجاج کرام کی بہت معاونت کی تھی مگر یہ وسیلہ سفر سمندری حدود والے علاقوں کے لیے زیادہ سود مند تھا گو کہ یہ بھی قزاقی سے محفوظ نہیں تھا۔ چنانچہ زیادہ تر سفر قافلوں کی صورت میں ہوتا تھا جو تکلیف دہ ہونے کے علاوہ پر خطر بھی تھا۔ خطرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حجاج کرام کے قوافل کی حفاظت کے لیے کئی مقام پر چوکیاں قائم کروائی تھیں اور عثمانیوں کے دور میں تو قافلے کسی ایک محفوظ مقام پر پڑاؤ لگائے رکھتے تھے تا آنکہ ان میں شامل حجاج کرام اور زائرین کی تعداد اتنی ہو جاتی کہ وہ راہزنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے۔ اس کے علاوہ ترک افواج کے مسلح دستے بھی ان کے ہمراہ بھیجے جاتے تھے تا کہ سفر حجاز بحفاظت تمام ہو۔ بسوں اور آٹو موبیل نے بھی کافی حد تک اس سفر کو آسان بنانے میں مدد دی مگر ابتداء میں لوگ اس کے ذریعے سفر کرنے سے کتراتے تھے۔ دور دراز سے آنے والے قافلے تو ایک طرف مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان طریق سلطانی بھی ان راہزنوں کی دست برد سے محفوظ نہ تھا۔ کئی کئی ہفتوں کے بعد طریق سلطانی پر ایک آدھ لاری چلا کرتی تھی۔ حجاز میں بسنے والے مختلف قبائل محفوظ سفر کے بدلے راہداری وصول کیا کرتے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

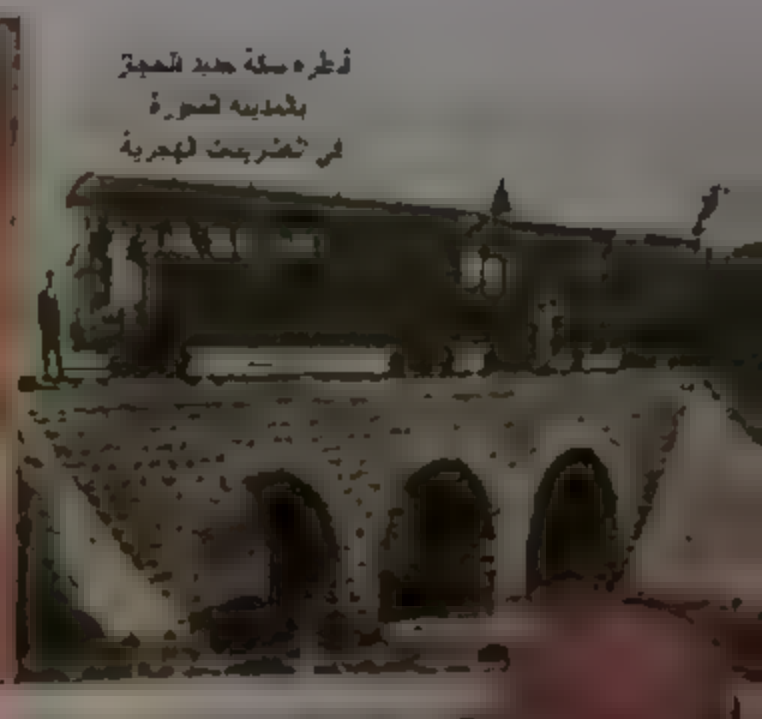

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

تھے اور منہ مانگی قیمتوں پر بار بردار جانور اور سفری اونٹ مہیا کیا کرتے تھے۔ اندرون شہر سفر کے لیے محمل یا گدھا گاڑی یا اونٹ گاڑی استعمال ہوتی تھی۔ محمل اور پالکیاں تو متمول گھرانوں کے لیے مخصوص تھیں جب کہ دوسری سواری (اونٹ وغیرہ) عام آدمی کے آنے جانے میں بہت مددگار تھی اور بہت آسانی سے مل جایا کرتی تھی۔ سفر کی ان صعوبتوں کے پیش نظر بہت سے لوگ حجاز کا رخ کرنے سے گھبراتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ پہلی تیرہ صدیوں میں حجاج کرام اور زائرین کی تعداد میں اتنا اضافہ نہ ہو سکا تھا جتنا کہ اب سفر کی سہولتیں عام ہونے کے بعد ہو گیا ہے۔

ان سفری صعوبتوں کے ازالے کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں ترک حکومت نے ایک بہت ہی انقلابی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ استنبول کو بذریعہ ریل براستہ دمشق اور اردن ارض حجاز سے منسلک کر دیا جائے۔ اپنی نوعیت کا یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جس کے لیے طویل جدوجہد اور زر کثیر درکار تھے۔ سرکاری طور پر اس ریلوے لائن کو ''ترک حجاز تیموری ریلوے لائنز'' (TURKISH HICAZ DEMIRYOLU) کہا جاتا تھا جس کے ذریعے استنبول سے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھائی گئی تھی۔ دراصل عثمانی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ان تمام بڑے بڑے علاقوں کو جو کہ ترک عملداری میں آتے تھے اور مختلف صحراؤں اور بحیروں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے ریلوے لائن کے ذریعے اراضی مقدسہ سے منسلک کر دیا جائے، یہی وجہ تھی کہ منصوبہ سازوں نے استنبول سے دمشق اور پھر وہاں سے یروشلم اور وہاں سے مزید آگے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھانے کا عزم کیا۔ منصوبے کے تکمیل پر یہ ریلوے لائن مکۃ المکرمہ تک لے جائی جانی تھی تاکہ تینوں مقدس مقامات ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے۔ اس عظیم منصوبے کے لیے سلطان عبدالحمید خاں نے عالم اسلام میں بسنے والے تمام فرزندان توحید سے پرزور اپیلیں کیں کہ وہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے دل کھول کر چندہ دیں۔ انہوں نے ہر حاجی اور زائر پر ایک ریال کا ٹیکس بھی عائد کیا جو کہ شریف مکہ کے پاس جمع ہوتا تھا۔ (۱۶) اپیل کا مشتہر ہونا تھا کہ تمام اکناف عالم سے فرزندان توحید نے اس میں دل کھول کر چندے دینے شروع کر دیئے جو کہ شرق اقصیٰ (سنگاپور) سے لے کر مراکش تک بسنے والے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ہندوستان، ایران اور ترکی کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ نظام حیدرآباد دکن نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ عثمانی سلطنت کے تمام ملازمین ہر سال اپنی ایک ماہ کی تنخواہ بطور چندہ دیتے رہے۔ سلطان عبدالحمید نے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

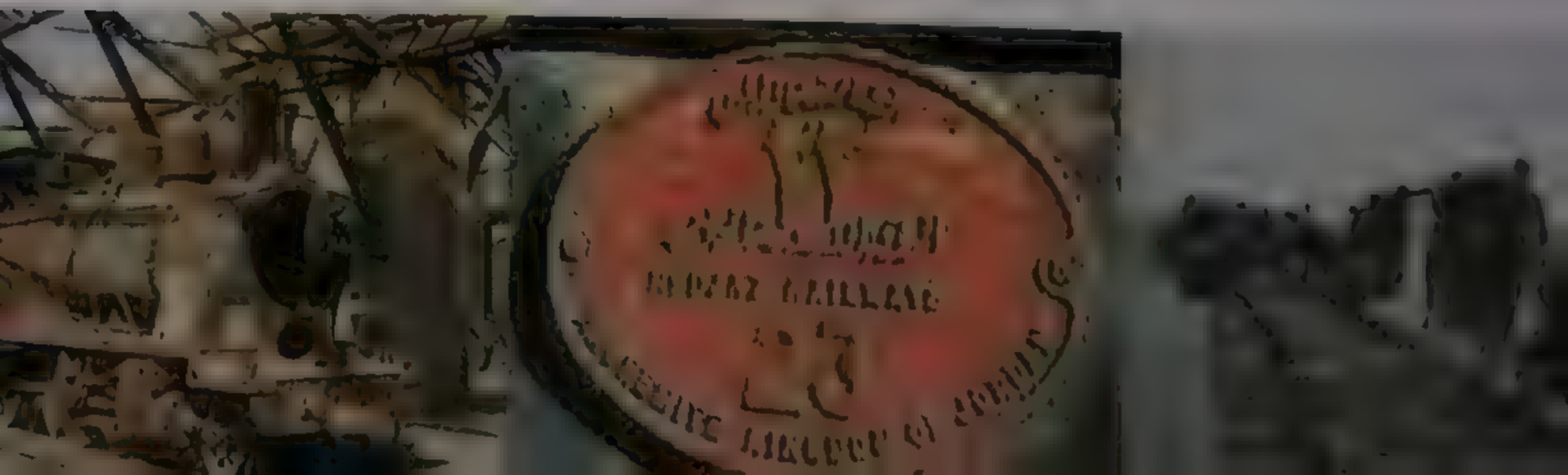

حجاز ریلوے کی باقیات

نفقہ خاص سے ۳۲۰ ہزار لیرہ وچندہ دیا جب کہ شاہ ایران نے پچاس ہزار زر نقد ارسال کیا اور خدیو مصر نے نقد کے علاوہ بڑی مقدار میں تعمیراتی سامان بھی رسال کیا عالم اسلام کے کونے کونے سے مسلمانوں نے اس کار خیر کے لیے کمیٹیاں بنائیں اور سلطان عبدالحمید خاں کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے قربانی کی کھالوں کی رقوم اور نقد چندوں سے اس منصوبے کے لیے رقوم مہیا کیں. چندہ اکٹھا کرنے کی یہ مہم اس منصوبے کی تکمیل تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عامۃ المسلمین وحدت اسلامی کا خواب پورا کرنے کے لیے اس کے بہت بعد تک چندہ ارسال کرتے رہے تاکہ ریل کی پٹری نہ صرف مکۃ المکرمہ بلکہ یمن تک بچھائی جا سکے.

ابتداء میں تو منصوبہ یہ تھا کہ اس میں کام کرنے والے کاریگر و مزدور صرف مسلمان ہی ہوں گے، مگر تجربہ اور مہارت کی کمی آڑے آ گئی اور اس کو دور کرنے کی غرض سے جرمنی سے ایک غیر مسلم انجینئر بھی لینا پڑا تھا. اس کے علاوہ کچھ سٹاف جرمنی، ایطالیہ اور آسٹریا سے بھی منگوایا گیا تھا، تاہم زیادہ تر کام ترک فنی ماہرین، فوج اور مزدوروں نے انجام دیا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی ستمبر ۱۹۰۰ء میں دمشق سے منصوبے پر کام کی ابتداء کی گئی. منصوبے پر عمل درآمد کے دوران بہت سی کٹھن مشکل کا سامنا بھی کرنا پڑا جن میں موسمی اثرات (از قسم طوفان اور سیلاب) اور عرب بدوؤں کی بے جا مداخلت بھی شامل تھی. صحرائی بدو اس منصوبے کو اپنے صدیوں پرانے اونٹوں کے کاروبار کے لیے زہر قاتل سمجھ رہے تھے اور آئے دن لوٹ مار مچا دیتے رہتے تھے اور کاریگروں کو قتل کر کے سامان وغیرہ اٹھا کر لے جایا کرتے تھے. مگر ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود کام اپنی پوری رفتار اور لگن کے ساتھ جاری رہا اور اس منصوبے کو پانچ مرحلوں میں مکمل کیا گیا:-

(۱) دمشق سے عمان تک کام ۱۹۰۳ء میں مکمل ہوا

(۲) عمان سے معان تک کام ۱۹۰۴ء میں مکمل ہوا

(۳) معان سے تبوک تک کام ۱۹۰۶ء میں مکمل ہوا

(۴) تبوک سے مدائن صالح تک کام ۱۹۰۷ء میں مکمل ہوا

حجاز ریلوے کی تختی کی نایاب تصویر

۸۷۲

(۵) مدائن صالح سے مدینہ منورہ تک منصوبے کی تکمیل ۱۹۰۸ء میں ہوئی.

منصوبے کے اختتام پر پہلی ریل گاڑی مدینہ طیبہ کے ریلوے سٹیشن پر ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب ۱۳۲۶ ہجری - یعنی شب معراج) میں آ کر لگی. سرکاری طور پر اس کا افتتاح ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء کو کیا گیا. (۱۷) یعنی ۳ شعبان کو اس کا افتتاح ہوا. اس وقت اس عظیم منصوبے پر ۳۰ لاکھ برطانوی پاؤنڈ خرچ ہوئے جس میں سے دس لاکھ پاؤنڈ سے زاید رقم عالم اسلام سے مسلمانوں کے چندوں سے جمع ہوئی تھی.

ریلوے لائن کے بچھ جانے سے سفری سہولیات میں ایک دم اضافہ ہو گیا اور وہ مجبور و بیکس لوگ جو مدتوں سے اپنے دلوں میں حسرتیں سمیٹے بیٹھے تھے وہ بھی اس مبارک سفر پر روانہ ہونے کے لیے مچلنے لگ گئے. پہلے جو سفر اونٹوں کے ذریعے ایک ماہ سے بھی زیادہ کا

مدینہ منورہ کا تاریخی
بس سٹینڈ

عرصہ لے لیتا تھا اب وہ صرف ۳۶ گھنٹوں میں طے ہونے لگ گیا تھا. سلطان عبدالحمید کی ہدایت پر ترکوں نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا تھا کہ جہاں جہاں مقصود کونین سرور کائنات ﷺ نے کسی غزوے یا سفر کی غرض سے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بعد پڑاؤ کیا تھا اور وہاں کوئی آثار مبارکہ موجود تھا وہاں ریلوے سٹیشن بنا دیا گیا تھا تاکہ زائرین ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی بہرہ ور ہو سکیں سرزمین حجاز میں بڑے بڑے سٹیشن اعلا اور تبوک تھے. یہ اس وقت کا بہت ہی محفوظ اور سستا سفر سمجھا جاتا تھا. دمشق سے مدینہ طیبہ تک ایک طرف کا تھرڈ کلاس کا کرایہ صرف ۳ پاؤنڈ اور ۱۰ شلنگ ہوا کرتا تھا اس سفر میں دوسری سہولت یہ بھی تھی کہ سابقہ ایام کی طرح راستے کے خطرات یکسر ختم ہو گئے تھے. ماضی میں تو قافلے لوٹ لیے جاتے تھے. مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور بے بس عورتیں اور ماں اسباب چھین لیا جاتا تھا، مگر اب ریل میں ترک فوج کے جوان بھی ساتھ ہوتے تھے اور یوں یہ سفر بہت حد تک محفوظ ہو گیا تھا. روس کی دور دراز ریاستوں سے لے کر مسلمان علاقوں کے انتہائی شمال اور مصر اور افریقہ تک کے وہ لوگ جو پہلے اس طرف آنے پر خطرات کا سوچ کر حج و عمرہ و زیارات سے محروم رہ جاتے تھے وہ سب اراضی مقدسہ کی طرف جوق در جوق آنے لگے. مصری قوافل صحرائے سینا کو عبور کر کے حیفہ تک آ جاتے تھے اور پھر ایک برانچ لائن سے حجاز ریلوے سے مستفید ہو جاتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ تک مسافروں کی قطاریں لگی رہتی تھیں.

تاہم یہ کہنا کہ خطرات یکسر معدوم ہو گئے تھے مبالغہ آرائی ہوگا کیونکہ وقتاً فوقتاً بدو قبائل ریلوے کاروانوں پر بھی حملہ آور ہونے سے باز نہ آتے تھے. وہ لوگ جن کا کاروبار ہی صدیوں سے قافلوں کو لوٹنا بن چکا تھا اور وہ یکایک اپنے شکار سے یکسر محروم ہو گئے تھے وہ بھلا اس نئی سفری سہولت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے. یوں کئی بار انہوں نے ریلوے ٹریفک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی. پہلی بار ۱۹۱۲ء میں اور پھر ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ریل کی پٹریاں تک اکھاڑ دیں. عالم اسلام کا دیرینہ دشمن جو کہ صلیبی جنگوں میں خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا تھا جنگ عظیم اول کے بعد ایک بار پھر ہوشیار ہو گیا اور دوبارہ اس کے دل میں وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کی خواہش

مدینہ ریلوے کو دوبارہ
چلانے اور ڈرائی پورٹ
بنانے کے منصوبہ کا اعلان

انگڑائیاں لینے لگ گئی. برطانوی سامراج جو کہ عالم اسلام میں جگہ جگہ اپنے جبر و استبداد کے پنجے گاڑے بیٹھا تھا پھٹی ہوئی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی توحید ملت اسلامیہ کی صرف ایک صداء پر ہر گلی کوچے کی نکڑ پر چندہ جمع کرنے کے لیے صندوق رکھ دیئے گئے تھے جس میں بقدر ہمت اوست ہر مسلمان نے اپنا نذرانہ پیش کر رہا تھا. اس سے وہ بھانپ گیا تھا کہ اس ٹوٹے ہوئے تارے کو مہ کامل بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی. چالاک صلیبی یہ بھی جان چکا تھا کہ یہ منصوبہ صرف مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرمہ تک ختم نہیں ہوگا بلکہ بالآخر تمام عالم اسلام کو ایک شیرازے میں منسلک کر کے دم لے گا. چنانچہ دشمن اسلام عرب بدوؤں کی باغیانہ اور سبوتاژ کی حرکتوں کو مزید ہوا دینے لگ گیا. برطانوی کرنل ٹی ای لارنس (جو کہ عربی تاریخ میں لارنس آف عریبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے) نے برطانوی حکومت کے ایماء پر اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور بدوؤں

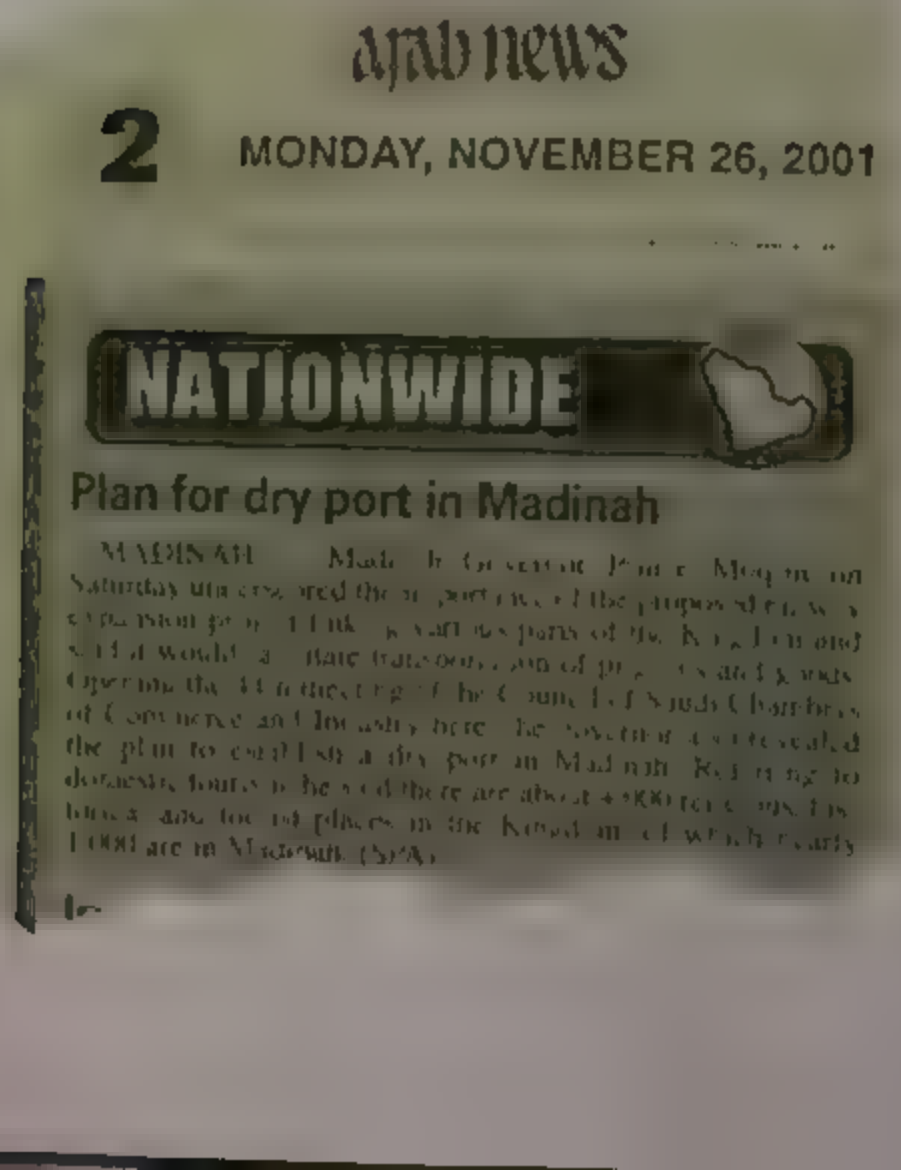

arab news

2 MONDAY, NOVEMBER 26, 2001

NATIONWIDE

Plan for dry port in Madinah

MADINAH Madinah Governor Prince Mogrin on Saturday announced the construction of the proposed new railway station for Hajj as well as parts of the Kingdom and what would make Madinah one of the largest dry ports in the Middle East. Speaking at the meeting of the Council of Saudi Chambers of Commerce and Industry here, he said the decision to establish a dry port in Madinah had been made to cater to domestic loads to be used there are about 4,000 trucks and buses and 60 rail places in the Kingdom, of which nearly 1,000 are in Madinah (SPA).

میں عرب قومیت کا زہر بھر کر وحدت امت مسلمہ پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ حجاز ریلوے سٹیشن کو پہلے تو ۱۹۱۴ء میں سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی مگر یہ وسیلہ سفر رواں دواں رہا۔ آخر کار بدوؤں کی مدد سے وہ مجرم ۱۹۱۷ء میں اسے بری طرح تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد ریلوے لائن صرف ۱۹۲۴ء میں تھوڑے عرصے کے لیے چل سکی مگر پھر حالات نے ایک اور پلٹا کھایا اور یہ ریلوے لائن جو کہ امت کی وحدت کی علامت بن چکی تھی اور جس سے دیار مغرب لرزہ براندام ہو چکا تھا ٹوٹ کر کئی حصوں اور بخروں میں تقسیم ہو گئی اور بالآخر اپنی موت آپ مر گئی۔ پھر جب سعودی حکومت کا سورج طلوع ہوا تو تحریک خلافت کے رہنماؤں نے اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ قوتیں جو وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے میں سرگرم تھیں آڑے آ گئیں اور یہ عظیم الشان منصوبہ بے موت مر گیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا آن لائن کے لفظ میں۔

اس (منصوبے) کی بڑی لائن ۱۹۰۰-۱۹۰۸ میں تعمیر ہوئی تھی جس کا بظاہر مقصد تو مسلمانوں کی عرب میں واقع اراضی مقدسہ تک رسائی کو ممکن بنانا تھا مگر اس کے در پردہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ترک حکومت کا دور دراز صوبوں پر کنٹرول مضبوط کیا جائے یہ طویل لائن جس کو بنانے کے لیے کثیر النسلی قوت انسانی صرف ہوئی تھی اور جسے ایک جرمن انجینئر کی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا تھا، مختلف اور مشکل ارضیاتی سطوح مرتفع سے گزرتی ہوئی ۸۲۰ میل (۱۳۲۰ کیلومیٹر) کی مسافت طے کرتی تھی۔ حیرانی کی بات ہے کہ یہ عظیم الشان اور محیر العقول منصوبہ صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچا تھا یہ دمشق سے جنوب کی جانب درعا کی طرف چلتی تھی جہاں سے اردن کے علاقوں سے گزرتی ہوئی زرقاء، القترانہ اور معان سے ہوتی ہوئی یہ ریلوے لائن شمال مغربی عرب میں داخل ہو جاتی تھی اور پھر وہاں سے ذات الحج اور اعداء سے ہوتی ہوئی یہ لائن مدینہ طیبہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اس کا بڑا حصہ جو کہ ۱۰۰ میل تک پھیلا ہوا تھا اور درعا سے فلسطین کے شمال میں بحر قلزم کے کنارے حیفہ تک تھا وہ تو ۱۹۰۵ء میں ہی بن کر تیار ہو گیا تھا۔'' (۱۸)

ریلوے لائن کی کل لمبائی ۱۳۳۰ کیلومیٹر تھی۔ پہلے مرحلے پر اس نے دو مقدس مقامات کو آپس میں منسلک کیا تھا۔ ایک طرف بیت المقدس (اردن میں یہ ٹرین عمان میں بھی رکا کرتی تھی) اور دوسری طرف مدینہ طیبہ تھا۔ ابتداء میں مدینہ طیبہ میں عنبریہ ریلوے سٹیشن اس کا آخری سٹیشن ہوا کرتا تھا مگر جب فخری پاشا نے مدینہ طیبہ کے گورنر کی حیثیت سے باگ ڈور سنبھالی تو اس نے باب السلام تک ریل کی پٹریاں بچھا کر اسے مسجد نبوی شریف کی دہلیز تک پہنچا دیا۔ دوسرے مرحلے پر اسے مزید آگے تک بڑھایا جانا تھا یعنی مکۃ المکرمہ تک مگر بدقسمتی سے وہ نوبت ہی نہ آ سکی۔ پہلے تو جنگ عظیم اول نے اس عظیم منصوبے کی توسیع کے کام کو سرد خانے میں ڈال دیا اور پھر اس کے بعد عرب بغاوت نے رہی سہی کسر نکال دی اور یوں وحدت امت مسلمہ کا خواب اپنی تعبیر سے پہلے ہی بکھر گیا۔ طول و عرض میں پھیلی ہوئی عظیم مملکت عثمانیہ حصوں بخروں میں تقسیم کر دی گئی تھی اور شرق اوسط کا جغرافیہ تبدیل کر کے عرب قومیت (Arab Nationalism) کے زہر ہلاہل نے ''ایک امت'' کے نظریے کا جنازہ بڑی دھوم سے نکال دیا۔ ہم ایک بار پھر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا آن لائن کے الفاظ کا ترجمہ پیش کرنا چاہیں گے:

''جنگ عظیم سے پہلے ہی (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) عرب کے صحرائی بدوؤں نے اس ریلوے لائن پر متواتر حملے کر کے ناکارہ بنا دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے صدیوں پرانے حج کے راستے اور کاروبار بری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ پھر جب حجاز کے عربوں نے ترک حکومت کے خلاف ۱۹۱۶ء میں بغاوت کر دی، تو لائن کا وہ حصہ جو کہ معان سے مدینہ طیبہ تک جاتا تھا، عرب حملہ آوروں نے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن اس میں انہیں ٹی ای لارنس کی شہہ اور آشیر باد حاصل تھی۔'' (۱۹)

جہاں ریلوے لائن بچھائے جانے سے مدینہ طیبہ تک سفری سہولتوں میں اضافہ ہوا وہاں ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ بجلی اور ٹیلیگراف کی ترسیل بھی ممکن ہو گئی جو ایک نعمت غیر مترقبہ بن کر آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ طیبہ کی معاشی اور معاشرتی زندگی

مسجد جبل الرماۃ کی باقیات، اب یہ باقیات بھی ختم ہو چکی ہیں (تصویر ۱۹۸۰ء)

میں انقلاب لانے کا سبب رئیسی بن گئی.

پونی صدی تک مدینہ طیبہ کا ریلوے سٹیشن اور اس میں بکھرے ہوئے ریل کے انجن اور ڈبے توحید امت اسلامیہ کی بھرپور کوشش کو سبوتاژ کئے جانے پر زبان حال سے نوحہ کناں رہے مگر آخر کار ارباب بسط وکشاد کو اس کی ایک افادیت نظر آئی اور اب اس ریلوے سٹیشن کو تاریخی ورثہ اور آثار قدیمہ سمجھ لیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے پر عجائب گھر تعمیر کیا گیا ہے جہاں چند قدیم آثار کی نمائش کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے: جن میں چند تلواریں، قرآن کریم کے چند نسخے اور زمانہ قبل از اسلام کی چند قبور سے دریافت شدہ الواح سنگ وغیرہ رکھے گئے ہیں.

آج کل اس عمارت پر کام ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسجد سقیاء کی قسمت کا ستارہ بھی چمک اٹھا ہے اور اسے بھی بنایا اور سنوارا گیا ہے.

ریلوے سٹیشن کے احاطے میں کھجوروں کی شجر کاری کی گئی ہے اور اسے دیدہ زیب پارک کی شکل دی جا رہی ہے. تاہم مدینہ طیبہ کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر واقع عمارتوں کے فرش کو بری طرح کھود کر ان کو نیم منہدم کیا گیا ہے اور ارد گرد بسنے والے بدوؤں نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہاں جلدی میں بھاگتے ہوئے ترکوں نے خزائن دفن کر دیئے تھے؛ لہذا ان خزائن کو دریافت کرنے کی غرض سے جگہ جگہ کھدائی کر کے ان میں گڑھے ڈال دیئے گئے ہیں. (۲۰) ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ حال میں سعودی حکومت نے اس مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے پر سوچ وبچار شروع کی ہے اور ان کی کوشش ہے کہ اسے اندرون ملک ریلوے لائنوں سے ملا دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ میں ڈرائی پورٹ (خشک گودی) کا قیام بھی زیر غور ہے.

مدینہ ائرپورٹ

ذرائع آمد ورفت کے سلسلے میں مدینہ طیبہ میں جہاں ہوشربا ترقی ہوئی ہے وہاں ہم شہری ہوابازی کی پریزیڈنسی کی کوششوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں العقول کے جوار میں ایک درمیانے درجے کی ائرپورٹ تعمیر کرادی تھی جسے پرنس محمد ائرپورٹ کا نام دیا جاتا ہے. یہ ائرپورٹ جدید ترین سہولیات اور سامان ہوابازی سے لیس ہے اور مملکت سعودی عرب کی تمام دوسری ائرپورٹوں سے منسلک ہے. حج کے موسم میں تو ائرٹریفک کے حجم کے لحاظ سے جدہ ائرپورٹ کے بعد اس ائرپورٹ کا نمبر آتا ہے. اسے حال ہی میں مزید توسیع دی گئی ہے. اس کے نئے لاؤنجز کا افتتاح ۴ دسمبر ۲۰۰۱ء کو شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کے ہاتھوں ہوا تھا. حج کے موسم میں یہ ائرپورٹ تقریباً چار لاکھ مسافروں کو سفر کی سہولتیں مہیا کرتی ہے جس کی روزانہ اوسطاً تعداد تقریباً ۱۶،۴۰۰ مسافر بنتی ہے. (۲۱)

وہ مساجد یا تاریخی مقامات جواب قصہ پارینہ بن چکے ہیں

مدینۃ النبی ﷺ اسلام کا گہوارہ تھا اور اسی کی گود میں تاریخ اسلامی نے نشوونما اور پھر درجہ کمال تک پہنچنے کے لیے ارتقاء کی منازل طے

مسجد ذرسعد بن حیثمہ

کی تھیں اور یوں اس کی پاک دھرتی نہ صرف تبرکات نبوی شریف بلکہ اسلامی تاریخ کے بے شمار انمٹ نقوش کی امین بن گئی. جیسا کہ شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز گورنر مدینہ طیبہ کے مندرجہ بالا اخباری تراشے میں بیان سے ظاہر ہوتا ہے یہ بلدۃ الطیبہ تقریباً ایک ہزار آثار مقدسہ کا امین ہے تاہم وقت کے دھارے نے ان میں سے بہت سے تبرکات اور آثار مبارکہ کو نگل لیا ہے اور صرف چند ایک معروف و مشہور آثار ہی بچ پائے ہیں جن میں سے صرف چند کا احاطہ ہم نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے. بیسویں صدی میں ان مفقود آثار میں سے بہت سوں کے محل وقوع موجود اور معلوم تھے مگر لاپرواہی اور مصلحتیں آڑے آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تاریخ مدینہ طیبہ کے ان نگینوں کو سوئے ملک عدم ترحیل پر مجبور کر دیا گیا اب ان تمام مفقود گوہر ہائے گراں مایہ کا احاطہ تو ناممکنات میں سے ہے مگر پھر بھی ہم نے کوشش کی ہے کہ ان مشہور مساجد اور مقامات کا ذکر ضرور کر دیں جو کہ بیسویں صدی کے اواخر تک موجود تھے مگر اب یا تو سرے سے ان کا وجود ہی ختم کر دیا گیا ہے یا پھر وہ بھی انتہائی کس مپرسی کے عالم میں کمر باندھے ہوئے ملک عدم سدھارنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں.

(۱) **مسجد جبل الرماۃ:** یہ متبرک مسجد اس پہاڑی پر واقع تھی جہاں رسول اللہ نے دوران غزوہ احد پچاس تیر اندازوں کو تعینات فرمایا تھا. جونہی جنگ کی گرد بیٹھی تو رسول اللہ نے اپنے جانباز شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تدفین کروائی اور اسی پہاڑی کی چوٹی پر نماز ظہر ادا فرمائی. (۲۲). سی سجدہ نیاز کی یاد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی (۲۳) جو مرور ایام اور کئی حکمرانوں کی لاپرواہی کے باوجود بھی اس جبل عینین پر اپنا سر بلند کئے کھڑی رہی. عثمانیوں کے دور میں اس کے اردگرد دیگر عمارتیں بھی تعمیر

مسجد بنات نجار انہدام سے پہلے اور بعد میں

مسجد فتح

ہو چکی تھیں۔ نیں سو ستر کی دہائی تک تو وہ مسجد کافی اچھی حالت میں قائم تھی، مگر آہستہ آہستہ رو بہ تنزل ہوتی گئی اور پھر بالآخر اس کے کھنڈرات بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

(۲) **مسجد عرفات:** یہ مسجد قباء کی جنوبی جانب، کسی مرتفع پر واقع تھی جہاں صحاب الصفہ اور مہاجرین کی بستی بسائی گئی تھیں۔ ۸ ہجری میں جب مسلمانوں نے پہلی بار سیدنا صدیق اکبرؓ کی سرکردگی میں حج ادا کیا تو رسول اللہ ﷺ باقیماندہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر اس سطح مرتفع پر تشریف لے گئے جہاں اصحاب صفہ کے نادار اصحابہ مقیم تھے۔ یوم عرفات کو جب حج کے شرکاء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وقوف عرفات کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے حجاج اصحابہ کرام کا تمام منظر دکھا دیا۔ (۲۴) اس محیر العقول معجزے کی یاد میں اس مقام پر اہل مدینہ نے ایک مسجد تعمیر کر دی تھی جو بیسویں صدی کے وسط تک موجود رہی مگر بعد میں اسے منہدم کر دیا گیا۔

(۳) **مسجد بنات النجار:** ہجرت مبارکہ پر جب سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ والسلام قباء سے سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو بنی نجار کے علاقے میں اس قبیلے کی بچیوں نے دف بجا کر استقبالیہ نغمہ گا کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ ان بچیوں کے ترحیبی کلمات میں بنی نجار کا ذکر خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بنی نجار رشتہ میں سید العرب والعجم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے ننہال تھے۔ ترحیبی نغمے کا مطلع یہ تھا:

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

بعض مورخین کے مطابق بنو نجار کی بچیوں نے یہ استقبالیہ نغمہ مسجد نبوی شریف کے جوار میں گایا تھا کیونکہ وہاں بھی بنو نجار کے لوگ آباد تھے۔ تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسجد الجمعہ کے سامنے بھی بنی نجار کے کچھ افراد بستے تھے اور انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو استقبالیہ دیا تھا۔ اس تاریخی مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جس کا ذکر کم و بیش ہر مورخ مدینہ طیبہ نے کیا ہے۔ مسجد الجمعہ کے سامنے ایک احاطے کے اندر یہ مسجد ہوا کرتی تھی (۲۵) یہ چھوٹی سی مسجد غیر مسقف ہوا کرتی تھی بئیۃ الوداع کی طرح اس مسجد کا بھی اپنا تاریخی تشخص اور مقام تھا مگر پچھلے تین سالوں سے یہ مسجد منہدم کر دی گئی ہے اور اس کھلے احاطے میں اہل محلہ کے بچے اپنی کھیل کود کا شوق پورا کرتے ہیں اور بڑے لوگ اپنی گاڑیاں پارک کر کے اس متبرک مقام کے تقدس کا حق ادا کرتے ہیں۔

(۴) **مسجد الفسح:** اس مسجد کا تفصیلی ذکر باب ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں کیا ہے۔ اس متبرک مسجد کے کھنڈرات کے گرد خاردار تار لگا کر اس تک پہنچنا دشوار بنا دیا گیا ہے۔ زائرین وہاں پر دیکھے جائیں تو پاسبان شریعت ناک بھوں چڑھاتے ہیں مگر

مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ
کی موجودہ حالت

چونکہ اس سے متصل جگہ پر بھیڑ بکریوں کا باڑہ ہے اس لیے وہ غیر مکلّف جانور اس متبرک مسجد کے تقدس کو بری طرح مجروح کرتے رہتے ہیں اور دیکھنے والا اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہے کہ وہ رشک جناں مقام جس پر تقدس کو سو سو ناز ہے کہ وہاں سرکار دو عالم جان کائنات ﷺ نے اپنا سر نیاز بحضور رب ذوالجلال سجدہ ریز کیا تھا اور جہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروادی تھی وہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی اس تمام تر بے ہودگی کے باوجود دل کڑا کر کے تحیۃ المسجد کے لیے وہاں رکوع وسجود کرنے کی جسارت کر بھی لے تو اسے مشرک گردان کر اس کی عزت افزائی کی جاتی ہے. مزید تفاصیل باب ''تاریخی مساجد'' میں دی گئی ہیں.

(۵) **مسجد ابوبکر الصدیقؓ**: یہ مسجد سبع مساجد میں سے ایک تھی جو کہ جبل سلع کے دامن میں اس یادگار کے طور پر بنائی گئی تھی کہ وہاں غزوہ خندق کے دوران اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے نصب تھے. قرون اولیٰ میں تو یہ مسجد سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے نام سے منسوب تھی اور وہ مسجد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اب منسوب ہے وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی مسجد مشہور تھی. پچھلی دو دہائیوں میں سبعہ مساجد کی جگہ صرف خمسہ مساجد ہی رہ گئی تھیں جن میں ۱۹۹۹ء کے اخیر تک مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ شامل تھی مگر پھر اسے منہدم کر کے اس کا رقبہ گاڑیوں کو پارک کرنے کے لیے استعمال کر لیا گیا. البتہ ۲۰۰۲ء کے اواخر میں اس علاقے میں ایک بڑی مسجد کا منصوبہ شروع کیا گیا ہے جو مسجد خندق کہلائے گی. گو کہ یہ مسجد ایک تاریخی یادگار ہی ہوگی مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان چھوٹی چھوٹی مساجد کی جگہ پر ہی مساجد بنا دی جاتیں تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ تو معلوم رہتا کہ ان کٹھن حالات میں لشکر اسلامی کے عمائدین نے کہاں کہاں خیمے لگائے تھے.

(۶) **مسجد ابی بن کعبؓ**: یہ چھوٹی سی مسجد بقیع الغرقد کے اندر واقع تھی اور اسے مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا تھا. قدیم ترین مورخین سے لے کر (ابن زبالہ) مدینہ طیبہ کے معاصر مورخین نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور بیسویں صدی کے وسط تک یہ مسجد موجود رہی اور بعد میں بقیع الغرقد کے گورکنوں نے وہاں اپنے اوزار گورکنی وغیرہ رکھنے شروع کر دیئے تھے اور پھر بعد میں جب بقیع الغرقد کی توسیع کی گئی تو اس مسجد کو مسمار کر دیا گیا اور وہاں زائرین کے کھڑے ہونے کی جگہ بنا دی گئی. اسے مسجد ابی بن کعبؓ کے علاوہ مسجد بنی جدیدہ اور کبھی مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا رہا ہے. اس کے متعلق مزید تفصیل ہم نے بقیع الغرقد کے باب میں دی ہیں.

(۷) **مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ**: مشربہ سیدتنا ام ابراہیمؓ العوالی کے علاقے میں واقع ہے جہاں سیدۃ ماریہ قبطیہؓ رہائش پذیر تھیں اور سرکار دو عالم ﷺ اکثر وہاں تشریف لایا کرتے تھے اور ایک بار تو پورے ۲۹ دن شہ دوسرا ﷺ نے اسی مشربہ میں گزارے تھے. چنانچہ آپ حضور ﷺ نے اتنے دن نماز بھی وہیں ادا فرمائی. ابن شبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو بارہا شرف

مشربہ ام ابراہیمؓ کی دیوار کے ساتھ یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے کلی کا پانی پھینکا تھا اس جگہ یہ سبز پودے اگ آئے بار بار کاٹنے کے باوجود یہ دوبارہ اگ آتا ہے

سجدہ ریزی سے نوازا تھا۔(۲۶) اس دوران جب امام الانبیاء اور میرا مم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا، تو یہ قدرتی عمل تھا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں وہیں دوزانو ہوا کرتے تھے۔ صحیح بخاری نے سیدنا عمر فاروقؓ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ وہ آں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں مشربہ ام ابراہیمؓ حاضر ہوئے تھے۔ اس مشربہ کی جگہ ابتدائی دور میں ہی ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو کہ مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ کہلاتی تھی۔ بعض روایات میں تو یہ بھی دعوی کیا گیا ہے کہ سیدۃ ماریہ قبطیہؓ بھی اسی مشربہ کے بستان میں مدفون ہیں گو کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ دوسری صدی میں اہل بیت الطاہرہ کے چند برگزیدہ افراد وہاں قیام پذیر ہو گئے تھے اور یوں کئی نسلوں تک یہ جگہ نہ صرف ان کی اقامت گاہ رہی بلکہ ملحقہ بستان آہستہ آہستہ اہل بیت الطاہرہ کی آخری آرامگاہ بن گیا۔ اس مسجد کے ساتھ ایک کنواں بھی ہوا کرتا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۵ء میں جب وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تو دیگر آثار کے ساتھ ساتھ اس مسجد کو بھی مسمار کر دیا گیا تھا۔ کھنڈرات کی صورت میں اس اثر مبارکہ نے کئی دہائیوں تک زبان حال سے اپنی بقا کے لیے احتجاج جاری رکھا مگر بالآخر سن اسی کی دہائی میں اس کے کھنڈرات بھی زمیں بوس ہو گئے۔ اب اس مسجد کا نشان تک باقی نہیں رہا، مگر قبرستان کے طور پر اس کے گرداگرد بلند و بالا دیوار کھڑی کر دی گئی ہے تا کہ عشاق آثار نبویہ یا فدایان اہل بیت الطاہرہ اندر جھانک بھی نہ پائیں۔ ہاں البتہ زائرین کو بیوقوف بنانے کے لیے مشربہ کے احاطے کے باہر ایک مسجد کا غیر مکمل ڈھانچہ کھڑا کر دیا گیا ہے اور اکثر مسجد مشربہ کے متعلق سوال کیا جائے تو اس ادھوری مسجد کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے حالانکہ نہ تو وہ مشربہ کے اندر ہے اور نہ ہی اسے اس تاریخی مسجد سے اسے کوئی نسبت اور واسطہ ہے۔

(۸) **مسجد عتبان ابن مالکؓ:** اپنی عمر کے ایک حصے میں حضرت عتبان ابن مالکؓ اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے تھے اور ان کے لیے وادی رانونا عبور کر کے مسجد الجمعہ میں نماز پنجگانہ کے لیے آنا دشوار تھا۔ چنانچہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی اور التماس کی کہ تاجدار حرم منبع جود و الکرم ﷺ ان کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں اور وہاں ایک نماز ادا کریں۔ دربار رسالت مآب ﷺ میں ان کی یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے ان کے گھر نماز ادا فرمائی اور پھر انہوں نے وہاں اپنی ایک مسجد تعمیر کروالی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروادی تھی۔ یہ مسجد الجمعہ کے سامنے کے علاقے میں شمال مشرقی جانب حضرت عتبان بن مالکؓ کے اطم کے اندر تھی جو کہ کھنڈرات کی شکل میں بیسویں صدی کے اواخر تک بقید حیات تھا۔ رو بہ انہدام ہونے کی وجہ سے وہ اطم بھی اب نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے اور اب تو اس کی باقیات بھی ہٹا دی گئی ہیں۔

(۹) **مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ:** جبل سلع کے دامن میں غربی جانب سبعہ مساجد میں سے ایک چھوٹی سے مسجد سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے بھی منسوب تھی۔ تاریخی طور پر اس مسجد کو مسجد ابوذرؓ کہا جاتا تھا۔ قرون اولیٰ میں اسے مسجد سعد بن معاذؓ بھی کہا جاتا رہا تھا۔ ستر کی دہائی میں تو یہ غیر مسقّف تھی مگر بعد میں اس پر چھت ڈال دی گئی تھی مگر پچھلے چار پانچ سال سے اس کے دروازے کے آگے دیوار کھڑی کر کے اس میں داخلے کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ دیگر سبعہ مساجد کی طرح یہ مسجد بھی زیر تعمیر نئی مسجد خندق میں ضم ہو جائے گی۔

(۱۰) **مسجد الشمس:** یہ مسجد جس کو چند معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے مسجد خفیج کے ساتھ نتھی کر دیا ہے العوالی میں وادی بطحان کے کنارے ایک چار دیواری کے احاطے کے اندر ہوا کرتی تھی. شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ایک دو بار اس کو بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی مگر جونہی شیعہ حضرات کا وہاں جمگھٹا لگنے کا سے مسمار کر دیا جاتا تھا اور یوں اب وہ خالی احاطہ ہی رہ گیا ہے اور اس میں مسجد الشمس کے کھنڈرات کی چند باقیات ابھی تک اعلائے کلمۃ الحق کر رہی ہیں.

(۱۱) **مسجد ففیع:** العوالی میں بہت مشہور مسجد تھی جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے محاصرہ بنو قریضہ کے دوران دو ہفتہ تک قیام فرمایا تھا اور نماز پنجگانہ ادا فرمائی تھی. اگست ۲۰۰۱ء میں اسے مسمار کر کے اس کی جگہ اہل محلہ کے لیے کھوں دی گئی ہے تا کہ ایک اور اثر مصطفیٰ ﷺ کا تقدس مجروح کر سکیں. اس معاملے میں ہم نے بہت سی تفاصیل ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں بھی دی ہیں.

(۱۲) **مسجد سیدۃ فاطمۃ بنت حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم:** حرۃ وبرہ (جسے آج کل حارہ غربیہ کہا جاتا ہے) میں مسجد نبوی شریف کے مغرب میں عنبریہ ریلوے سٹیشن کے اس پار حضرت فاطمۃ بنت حسین ؓ کا گھر اور مسجد ہوا کرتی تھی اور زیارت گاہ خاص و عام تھی. ان کو مسمار کر کے اس جگہ پر ''نفط'' کا پٹرول پمپ اور گیس سٹیشن بنا دیا گیا ہے.

(۱۳) **مسجد ثنیۃ الوداع:** ثنیۃ الوداع کی گھاٹیاں ایک درے کی صورت میں جبل سلع کے شرقی جانب ہوا کرتی تھیں جہاں محسن انسانیت سرکار دو عالم ﷺ کا استقبال اہل مدینہ نے ''طلع البدر علینا'' کی نعت دف بجا کر کیا تھا. اس گھاٹی پر یادگار کے طور پر ایک مسجد صدیوں سے قائم تھی. یہ سیدنا ابوبکر الصدیق ؓ روڈ اور سیدنا عثمان بن عفان ؓ روڈ کے چوک کے پاس ہوا کرتی تھی. لیکن جب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ روڈ کا انڈر پاس تعمیر ہوا تو اسے منہدم کر کے وہاں سے سڑک گزار دی گئی. اس کا بچا کھچا حصہ ایک تکونی صورت میں اب بھی باقی ہے مگر کسی قسم کا سائن بورڈ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی. اس کا تھوڑا سا حصہ بچ پایا ہے اور وہاں خوبصورتی کے لیے شجر کاری کر دی گئی ہے. سوائے چند مدنیوں کے اب اس جگہ یا اس کی تاریخی اہمیت اور مقام کو کوئی بھی نہیں جانتا اور ایک دو نسلوں کے بعد تو یہ جگہ بالکل قصہ پارینہ بن جائے گی.

(۱۴) **مشہد نفس الذکیہ:** محمد بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن ابن علی رضوان اللہ علیہم کا مزار (مشہد) جو کہ عباسیوں کے ہاتھوں ۱۶۳ ہجری میں شہید ہو گئے تھے موجودہ نقل جماعی کے بسوں کے اڈے کے پاس ہوا کرتا تھا وہاں ایک مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی تھی اور ساتھ ہی عین الزرقاء کا چشمہ تھا جہاں سے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پانی مہیا کیا جاتا تھا. پانی کے منہل کی اہمیت کے پیش نظر یہ پورا علاقہ سبیل الذکیہ یا عین الذکیہ کہلاتا تھا مگر جونہی آب رسانی کے دیگر ذرائع نے مدینہ طیبہ کے لیے پانی مہیا کرنا شروع کیا اس کی اہمیت ختم ہو گئی اور پلک جھپکنے میں اسے زمین بوس کر کے بلدیہ مدینہ نے اس مسجد کو شہید اور مشہد کو زائل کر دیا.

مدینہ طیبہ کے چند مشہور و معروف علاقے اور آبادیاں

العوالی

سطح مرتفع کے لحاظ سے مدینۃ النبی ﷺ ارضیاتی ساخت کے تفاوت اور نشیب و فراز کے علاوہ دو حصوں میں تقسیم ہے: ایک وہ حصہ ہے جہاں سے جنوبی جانب سے ندی نالے بہہ کر مدینہ طیبہ کی ارض مقدس سے ہو کر گزرتے ہیں. یہ تمام علاقہ اونچا ہے جہاں سے ڈھلوان

کی طرف پانی کا بہاؤ ہوتا ہے یوں ارض نیبہ بالائی اور زیریں علاقوں پر مشتمل ہے عربی زبان میں بالائی علاقے کو ''العالیہ'' اور زیریں علاقے کو ''السافلہ'' کہا جاتا ہے. احادیث مبارکہ میں دونوں علاقوں کا العالیہ اور السافلہ کے نام سے ذکر ہے وہ میدانی علاقے جو بالائی خطے میں تھے وہ العوالی (العالیہ کی جمع) کہلانے لگے تھے اور یوں وہ گاؤں جو کہ اس علاقے میں واقع تھا سے کبھی تو العالیہ اور کبھی العوالی کہا جاتا تھا اور آج تک یہ تمام علاقہ اسی نام سے جانا جاتا ہے گو کہ قباء کا گاؤں شروع سے ہی اپنے نام یعنی قباء سے جانا جاتا تھا مگر ارضیاتی لحاظ سے یہ بھی العوالی ہی کی ایک توسیع تھی اور اسی میں شامل تھا مدینہ طیبہ کی مشہور وادیاں. ''بطحان''، ''مذینب''، ''مہزور'' اور ''جفاف'' اسی العوالی سے ہو کر زیریں علاقوں کی طرف بہتی تھیں. راستے میں مسجد نبوی شریف اور اس کے اردگرد کا کچھ علاقہ میدانی تھا جو کہ جوف مدینہ کہلاتا تھا اور اس سے آگے پھر ڈھلوان آجاتی تھی جو کہ سافلہ کہلاتا تھا جو کہ وادی قناۃ تک چلا جاتا تھا. مسجد نبوی شریف کے شمال میں مسجد ابوذر الغفاریؓ کو مسجد سافلہ اسی نسبت سے کہا جاتا تھا.

زمانہ قدیم سے یہ علاقہ وادیوں کی بدولت بہت زرخیز رہا ہے اور اسی علاقے میں مدینہ طیبہ کے مشہور کھجوروں کے باغات ہوا کرتے تھے اور اسی علاقے میں زیادہ تر کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی. آج سے چالیس یا پچاس سال پہلے تک تو مدنی زراعت کا نوے فیصد حصہ اسی العوالی میں ہوتا تھا مگر اب عمرانی ضرورتوں نے بہت سے باغات اور کھیتوں کو رہائشی علاقوں میں بدل دیا ہے. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باغات بھی اسی علاقے میں تھے جن میں بستان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور بستان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ تو آج تک مشہور وقف باغات ہیں. اسی طرح تاریخی اور متبرک کنوؤں میں سے بئر غرس اور بئر عہن بھی اسی العوالی میں ہیں. ابتدائے اسلام میں یہاں بہت سے مشاہیر صحابی رہائش پذیر تھے جن میں سیدنا عمر فاروقؓ کا گھر بھی شامل تھا جو کہ اب بھی مٹی کے بنے ہوئے کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے. احادیث مبارکہ میں اس علاقے کا کثرت سے ذکر ملتا ہے.

قربان

زمانہ قدیم میں قربان 'العوالی' کے ایک کونے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہوا کرتا تھا. العوالی اس کے جنوبی جانب تھی جب کہ مسجد نبوی شریف اس کے شمال میں تھی. مگر آج کا قربان اتنا پھیل چکا ہے کہ عملی طور پر اب العوالی اور قربان یک جان ہو چکے ہیں. اس کی ابتداء اور وجہ تسمیہ کا کھوج لگاتے ہوئے سید محمد کبریت الحسینی نے گیارھویں صدی ہجری میں بیان کیا ہے کہ دراصل قربان ایک مدنی کا نام تھا جو کہ اس گاؤں میں رہا کرتا تھا. وہ صاحب حیثیت تھا اور ایک بہت بڑے بستان (کھجوروں کا باغ) کا مالک تھا جس میں ایک کنواں بھی تھا جو کہ اسی کے نام سے شہرت پا گیا تھا. اس کی یہ جائیداد مسجد الشمس کے قریب مشرقی جانب ہوا کرتی تھی. یہ گاؤں اور یہ کنواں اتنا مشہور ہوا کہ بالآخر تمام علاقہ اسی قربان کے نام سے جانا جانے لگا یہاں تک کہ العوالی کا معتدبہ حصہ بھی اب اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے. (۲۷)

ابھی چند ہی دہائیاں پہلے کی بات ہے کہ قربان کی زمین سونا اگلتی تھی اور یہاں کی انواع و اقسام کی کھجور، میٹھے اور طرح طرح کے پھل اور اجناس اہل مدینہ طیبہ کی غذائی ضروریات پوری کرتی تھیں، مگر جب شہر طیبہ کی آبادی بے محابا بڑھنے لگی تو ان باغات کی جگہ مختلف آبادیوں نے لے لی. قدیم مدینہ طیبہ کی نسبت چونکہ یہاں آبادکاری اور عمرانی ترقی ایسے وقت میں آئی ہے جب کہ جدید تعمیراتی سہولتیں اور پیسے کی ریل پیل ہے اس لیے اس آبادی کے لیے مناسب شہری منصوبہ بندی کی گئی ہے. سڑکیں کھلی اور بازار جدید ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں اور عمارات کے نقشے باقاعدہ منظور کروانے پڑتے ہیں. اب جب کہ عنابیہ اور سمانیہ کے تمام علاقے خالی کروا لیے گئے ہیں تو اس وقت مسجد نبوی شریف کی قریب ترین آبادی قربان ہی ہے جو کہ بقیع الغرقد کے اس پار سے شروع ہو جاتی ہے. اگر ہم بقیع الغرقد سے جنوب کی طرف قربان روڈ پر چل نکلیں تو سب سے پہلے سبز رنگ کے جدید ہوادار گنبد پر نظر پڑتی ہے جو کہ مسجد سیدنا

بلال بن رباحؓ کی مسجد پر سجایا گیا ہے جس کے نیچے اور اردگرد بازار ہے دوسرا یہ سڑک (جس کو قربان روڈ یا طریق امیر عبدالمجید بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے) کے دونوں جانب تجارتی مراکز اور بڑے بڑے شوروم قائم ہیں جہاں دیگر اشیاء کے علاوہ زیادہ تر بجلی اور الیکٹرانک اور گھریلو استعمال کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں.

الغابہ

جبل احد کی غربی جانب اور مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں میلوں تک پھیلا ہوا ایک بہت بڑا جنگل ہوا کرتا تھا جو کہ مدینہ میمونہ کی تاریخ میں "الغابہ" کے نام سے جانا جاتا تھا. ابن اثیر نے جب اپنی شہرہ آفاق سیرۃ صحابہ کا نام "اسد الغابہ" رکھا تو یقیناً ان کے سامنے یہی حرم مدنی کا "غابہ" تھا جہاں سے نکلے ہوئے اللہ کے شیروں نے رومائی سلطنت کو ہلا دیا تھا.

ازمنہ قدیم سے یہ علاقہ مدینہ طیبہ کی تاریخی وادیوں کے اختتام پر واقع تھا اور نیم ڈیلٹا ہونے کی وجہ سے یہاں پانی، دلدل اور درختوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی اور ان گھنے جنگلات میں خونخوار جنگلی جانور بکثرت پائے جاتے تھے نہ صرف یہ کہ الغابہ کے یہ گھنے جنگلات مدینہ طیبہ کے لیے قدرتی دفاعی اپن کا کام دیتے تھے بلکہ وہاں سے حاصل ہونے والی لکڑی تعمیراتی اور ایندھن کی ضروریات بھی پوری کرتی تھی. لکڑی کی تمام اقسام یہاں پائی جاتی تھیں جن میں شیشم کے درخت بھی شامل تھے. اسی کے ایک حصے سے سید الکونین ﷺ کے لیے منبر شریف بنانے کے لیے لکڑی لائی گئی تھی (۲۸) طغیانی کے موسم میں یہ تمام علاقہ جل تھل ہو جایا کرتا تھا کیونکہ وادی العقیق کا فالتو پانی اسی علاقے سے گزر کر سمندر (بحر احمر) میں جا گرتا تھا چنانچہ یہاں کی زمین بہت شوریلی (سنجہ) تھی تاہم دور حاضر کی سہولیات نے اس وسیع و عریض علاقے کی ارضی کو کلر اور سیم سے پاک کر کے قابل کاشت بنا دیا تھا اور یوں ایک عرصہ دراز تک یہ علاقہ شہر مصطفوی کو اناج اور سبزیاں مہیا کرنے لگ گیا تھا. شوریلی اور دلدلی زمین کو قابل کاشت بنانے کا یہ عمل پچھلے چودہ سو سالوں سے جاری تھا. ابتداء میں ان جنگلات کو زرعی اراضی میں تبدیل کرنے میں کبار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بہت بڑا ہاتھ تھا جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں صدیوں پر محیط جہد مسلسل بھی یہاں سے خودرو جنگلات کا مکمل صفایا نہ کر سکی تھی. مگر جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی پھیلنے لگی یہاں بھی آبادکاری ہونے لگ گئی اور اب تو النخیل کی تمام کالونی اسی خطہ میں آباد ہوئی ہے جو کہ مدینہ طیبہ کی دیگر سیٹلائٹ آبادیوں کی نسبت خوبصورت ترین آبادی ہے. بایں ہمہ ابھی تک اس کا معتدبہ حصہ سرسبز و شاداب خطہ ہے جہاں باغات، پارک اور زرعی فارم کثرت سے ہیں حدیقہ ہری جیسے خوبصورت پارک اور حدیقۃ الحیوانات (چڑیا گھر) وغیرہ اسی علاقے میں واقع ہیں.

دفاع کے علاوہ الغابہ کے جنگلات وسیع و عریض شکارگاہ اور چراگاہ ہونے کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے. حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ "ذی قرد" کی چراگاہ بھی اسی الغابہ میں واقع تھی جہاں سرکار دو عالم ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں جنہیں ایک مرتبہ بنی غطفان کے چند بدطینت افراد اغوا کر کے لے گئے تھے. حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے ان کا پیچھا کیا اور تابڑتوڑ تیروں کی بارش سے بہت جلد ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایسے دم دبا کر بھاگے کہ اونٹنیوں کو پیچھے چھوڑ گئے. (۲۹) ہادی انام رسول اللہ ﷺ بھی چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں جائے وقوعہ پر الغابہ تشریف لے گئے اور ابن زبالہ کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ نے نماز کو قصر (مختصر) کر کے الغابہ میں اس جگہ (یعنی ذی قرد) پر ادا فرمایا تھا. (۳۰) محمد بن الضحاک کی روایت کے مطابق حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی کچھ اراضی الغابہ میں ہوا کرتی تھی جہاں ان کے غلام کام کیا کرتے تھے. اگر انہیں کسی وجہ سے اپنے غلاموں کو بلانا مقصود ہوتا تو وہ جبل سلع پر چڑھ کر ان کو پکارا کرتے تھے. الغابہ جبل سلع سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا اور ان کے خدم

غابہ کے علاقے
کی ایک خیالی تصویر
۲۰۰۳ء

اتنی دور سے اپنے آقا کی آواز سن لیتے تھے (۳۱) مدینہ طیبہ کے تمام مشاہیر مورخین (فیروز آبادی اور سمہودیؒ) نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ الغابہ کا اصل گھنا جنگل جبل سلع سے آٹھ میل کے بعد شروع ہوتا تھا.

مدینہ طیبہ میں دولت اسلامیہ کے قیام کے بعد اس ارض مقدس کی تمام تر اراضی سید کون ومکاں تاجدار دو عالم ﷺ کے زیر فرمان ہو چکی تھی. چنانچہ اس کا استعمال سو فیصدی آپ حضور ﷺ کی صوابدید پر تھا اور صاحب لواک اور قاسم حوض کوثر ﷺ جسے چاہے اس کو الغابہ سے کچھ اراضی سے نواز دیتے تھے جو کہ اکثر و بیشتر اس شکل میں ہوتا تھا کہ اتنے درخت فلاں بن فلاں کو عنایت کئے جاتے ہیں یوں بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ الغابہ میں بہت سے درختوں کے مالک بن گئے اور پھر انہوں نے محنت شاقہ سے اس اراضی کو قابل کاشت بنا کر نہ صرف وہاں اناج اور سبزیاں اگائیں تاکہ مدینہ طیبہ کی غذائی ضروریات پوری ہو سکیں بلکہ شجر کاری سے ان کو طرح طرح کے پھل بھی مہیا کئے. ایسی ہی ایک قطعہ اراضی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے حصے میں بھی آیا تھا. ابن شہاب نے حضرت عروہ بن الزبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: [ابوبکرؓ نے مجھے اپنی الغابہ کی جاگیر سے چند کھجوروں کے درخت دیئے جس سے مجھے تقریباً بیس اوسق کھجوریں مل جایا کرتی تھیں.] (۳۲) چونکہ یہ تمام اراضی دولت اسلامیہ کی ملکیت تھی اس لیے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اپنی صوابدید سے جس اصحابی کو چاہتے کچھ قطعہ عطا کر دیتے تھے.

برق رفتار اسلامی فتوحات کا سلسلہ پہلی نصف صدی تک بڑے زور شور سے جاری رہا جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد زندہ تھی. جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاد کی مہمات میں شرکت کے بعد فتح مند لوٹتے تو مال غنیمت سے ان کو کافی کچھ دیا جاتا تھا. یوں اس مال غنیمت سے بہت سے اصحابہ کرام کے پاس زر کثیر جمع ہو گیا تھا. ایسی ہی ایک مثال حضرت زبیر بن العوامؓ کی ہے. اگرچہ ہجرت سے پہلے بھی وہ مکہ کے متمول افراد میں شمار ہوتے تھے مگر مال غنیمت میں سے حاصل ہونے والی دولت نے انہیں امیر ترین بنا دیا تھا. انہوں نے الغابہ کی اراضی کا بہت سا حصہ مبلغ ایک لاکھ ستر ہزار دینار کے عوض خریدا (بخاری شریف کی روایت میں رقم کا ذکر ہے مگر یہ واضح نہیں کہ یہ دینار تھے یا درہم). جب ان کی شہادت ہوئی تو اس وقت وہ اپنے ذمہ بہت سا قرض چھوڑ گئے جو کہ بائیس لاکھ سے بھی زیادہ تھا. ان کی وصیت کے مطابق ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے الغابہ کی کچھ اراضی اور ان کے چند مکانات (جو کہ زیادہ تر وادی العقیق میں واقع تھے) بیچ کر ان کا قرض چکایا. الغابہ میں ان کی جائیداد کے بعض حصے حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ، عمرو بن عثمان بن عفانؓ، معاویہ بن سفیانؓ اور ابن زمعہؓ (ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ کے بھائی) نے خریدے تھے جس میں سے زیادہ تر قطعات اراضی حضرت معاویہ بن سفیانؓ نے اپنے وکیل (اسٹیٹ مینیجر) عبدالرحمٰن بن ابی احمد بن جحشؓ کے ذریعے خریدے تھے. (۳۳) ان تمام قطعات اراضی کی

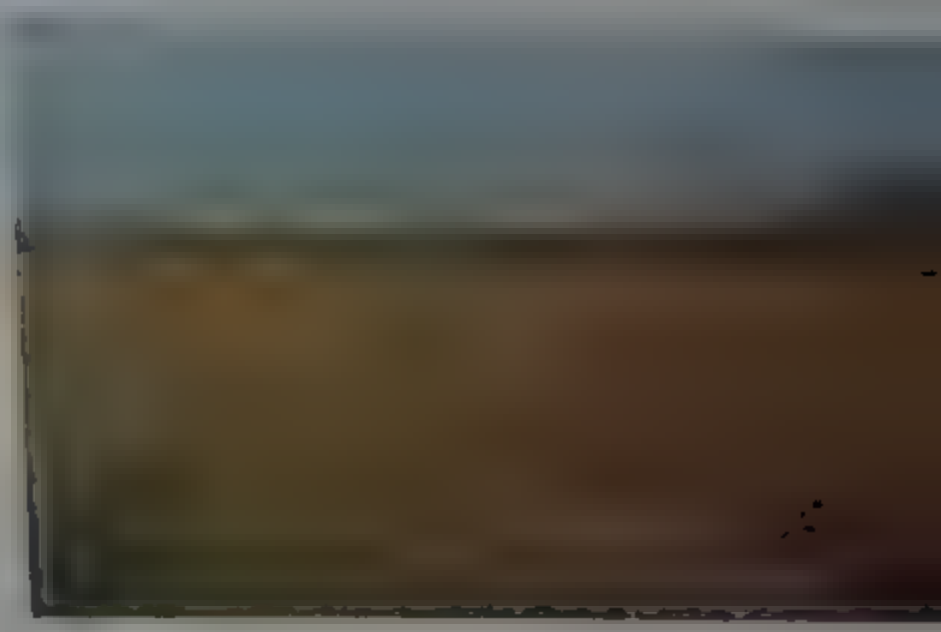

وقف حضرت زبیر بن العوام ؓ کا علاقہ

قیمت جو کہ حضرت زبیر بن العوام ؓ کی مملوکہ تھی پچاس ملین سے بھی متجاوز تھی. باقی اراضی جو بچ رہی تھی وہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہوئی. اسی میں سے ایک حصہ ''وقف زبیر بن العوام ؓ'' کے نام سے آج تک موجود ہے

مذکورہ بالا قیمت خرید اور قیمت فروخت میں ہوشربا فرق سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے زرعی پیداوار حاصل کرنے کے لیے کتنی مساعی نہ کی ہوں گی اور کتنا زر کثیر نہ صرف کیا ہوگا کہ نصف صدی کے قلیل عرصے میں الغابہ کے جنگلات سے قابل کاشت بنائی گئی زرعی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگ گئی تھی اگرچہ روایات میں ان مساعی کی تفاصیل کا تو ذکر نہیں ملتا، مگر ان کے وقف میں واقع ان تاریخی آثار سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ واقعتاً انہوں نے اس زمین پر شب و روز بے محابا محنت کی ہوگی. جبل احد کی شرقی جانب ان کے وقف میں آج بھی ایک بہت بڑے تالاب کے تاریخی آثار ملتے ہیں جہاں حضرت زبیر ؓ کے کنوؤں سے پانی کشید کر کے ذخیرہ کیا جاتا تھا جس سے الغابہ میں ان کی اراضی سیراب ہوتی تھی. یہ مربع شکل کا ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کے بچے کھچے آثار قدیمہ کی پیمائش کے مطابق اس کا رقبہ ۲۴.۷۵×۲۴.۷۵ میٹر (۶۱۲ مربع میٹر) بنتا ہے. اس کی گہرائی ۱.۲۵ میٹر ہے اور اس کی دیواریں جو کہ سنگ سیاہ سے بنی ہیں ۳.۷۵ میٹر چوڑی ہیں. (۳۴)

حرہ شرقیہ یا حرہ واقم

مسجد نبوی شریف سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں بقیع الغرقد کے اس پار کا علاقہ حرہ شرقیہ یا حرہ واقم کہلاتا ہے. جیسا کہ ہم نے تفصیل سے ''مدینہ طیبہ کے طبعی اور ارضیاتی خدوخال'' میں بیان کیا ہے، عربی میں 'حرہ' اس سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں جو کہ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں بہتے ہوئے لاوے سے بنی ہو. مدینہ میمونہ کے شرقی اور غربی جانب ایسے دو مشہور 'حروں' کا ذکر اکثر احادیث مبارکہ میں ملتا ہے جن سے حرم مدنی کی شرقی اور غربی حدود کا تعین ہوتا ہے. شرقی جانب کا حرہ 'حرہ واقم' کہلاتا تھا جس کی وجہ تسمیہ بنو عبدالاشہل الاوسی کے واقم نامی ایک شخص کا اطم تھا جو کہ زمانہ قدیم میں وہاں بنایا گیا تھا. (۳۵)

اسے حرہ زہرہ بھی کہا گیا ہے. ایک بار سرکار دو عالم صادق مصدوق ﷺ اسی حرے کے علاقہ سے اپنے بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں گزر رہے تھے کہ ایک مقام پر رک کر پہلے تو آپ حضور ﷺ نے استرجاع فرمایا یعنی فرمایا [انا للہ وانا الیہ راجعون] اور پھر بعد میں فرمایا کہ اس مقام پر میری امت کے بہت سے برگزیدہ افراد اور صحابی شہید کر دیئے جائیں گے. ۶۳ ہجری میں یزید پلید نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے دس ہزار شامی فوج روانہ کی جس کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا. انہوں نے حرم نبوی شریف کے تقدس کو پامال کیا اور ہزاروں کی تعداد میں مدنی حضرات تہہ تیغ کر دیئے گئے. مدینہ طیبہ کی تاریخ کا سب سے بڑا مقتل یہی حرہ زہرہ بنا جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ بہت پہلے فرما چکے تھے. آج کے مدینہ طیبہ میں اس مقتل کی تحدید کرنا محال ہے کیونکہ حرہ کی سنگلاخ سطح مرتفع کے نشیب و فراز مٹا کر اس تمام علاقے پر آبادیاں قائم ہو چکی ہیں. تاہم بعض معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے اس جگہ کا تعین کرنے کی سعی کی ہے جس کے مطابق اس مقتل کی جگہ مسجد ابوذر غفاریؓ کے مشرق میں تقریباً دو یا تین فرلانگ کے فاصلے پر تھی. غالی الشنقیطی کے بقول یہ مقتل العریض اور مدینہ کے درمیان واقع تھا (۳۶) دراصل حرہ شرقیہ بہت وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور وثوق کے ساتھ اس مقتل کا تعین خاصہ دشوار ہے. ابراہیم العیاشی (جنہوں نے اس موضوع پر بہت تحقیق کی تھی) کی رائے میں یہ جگہ شاہراہ ستین (موجودہ شارع فیصل) پر مسجد اجابہ اور مسجد ابوذر الغفاری کے درمیان مدینہ طیبہ کے مرکزی پولیس ہیڈ کوارٹر (اشرطۃ المدینۃ المرکزیہ) کے سامنے واقع تھی. (۳۷)

مسجد نبوی میں
پہلے پہل جب بجلی
کے قمقمے روشن کیے
گئے اس دور کی ایک
نایاب تصویر
۱۹۰۸ء

حرہ غربیہ یا حرہ وبرہ

حرہ غربیہ کا سنگلاخ علاقہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب مسجد غنبریہ (ریلوے سٹیشن) کے اس پار سے شروع ہوکر وادی العقیق تک چلا گیا تھا. یہ تمام علاقہ بھی لاوہ سے بنی چٹانوں سے اٹا ہوتا تھا جس میں بے شمار نشیب وفراز تھے. حرہ غربیہ کا علاقہ عموماً اہل بیت الطاہرہ کا علاقہ کہلاتا تھا کیونکہ مسجد نبوی شریف کے جوار سے ان کے جبری انخلاء کے بعد اہل بیت اطاہرہ کے بہت سے سرکردہ افراد اسی سنگلاخ علاقے میں آباد ہوگئے تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور سیدۃ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اور ان کے اہل خانہ تھے. یہ علاقہ سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارکہ میں خودرو جھاڑیوں اور درختوں سے اٹا ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ مدینہ طیبہ کی قریب ترین اور آسان چراگاہ کا کام دیتا تھا. ایک بار عرینی قبیلے کے چند افراد نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں کو چرانے والے غلامان مصطفی ﷺ کو شہید کر کے آپ حضور ﷺ کی اونٹنیوں کو ہانک کر لے جانے کی سعی لاحاصل کی تھی. جب وہ بدطینت افراد پکڑے گئے تو سرکار دو عالم ﷺ حرہ وبرہ یعنی حرہ غربیہ تشریف لے گئے اور ان کو موت کی سزا سنائی جس پر عملدرآمد بھی اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر کیا گیا. (۳۸)

قدیم باب مجیدی کے
سامنے دارالضیافہ
کی تصویر جہاں پہلا
جنریٹر نصب ہوا تھا

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ بھی اسی حرہ غربیہ سے متعلق ہے. حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ [میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ تھا کہ ایک بھیڑیا ایک بھیڑ کو لے کر چلتا بنا. چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا اور اس سے اپنے جانور کو چھڑا لیا. اس پر وہ بھیڑیا ان سے مخاطب ہوا: اس دن اس ریوڑ کی رکھوالی کون کرے گا جب کہ یہاں وحشی جانوروں کا راج ہوگا اور میرے (یعنی خونخوار بھیڑیئے) کے علاوہ کوئی ان کا نگہبان نہ ہوگا ؟] (۳۹) فتح الباری کے مطابق یہ واقعہ جس میں قرب قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر ہوا تھا.

حرہ شرقیہ کی طرح حرہ وبرہ یا حرہ غربیہ کی زمین کو بھی ہموار کر کے وہاں آبادکاری کر لی گئی ہے اور وہاں مدینہ طیبہ کی چند خوبصورت عمارات بن چکی ہیں. تاہم ریلوے سٹیشن کی غربی جانب ابھی بھی ایک قدیم آبادی ہے جو کہ 'حارہ غربیہ' کہلاتی ہے جس کی اکثر زمین ابھی تک ناہموار ہے. اس علاقے میں تاریخی مقامات میں سے مسجد منارتین اور سیدۃ سکینہ بنت حسینؓ کا مکان تھا جس کی باقیات کھنڈرات کی شکل میں ملتی ہیں.

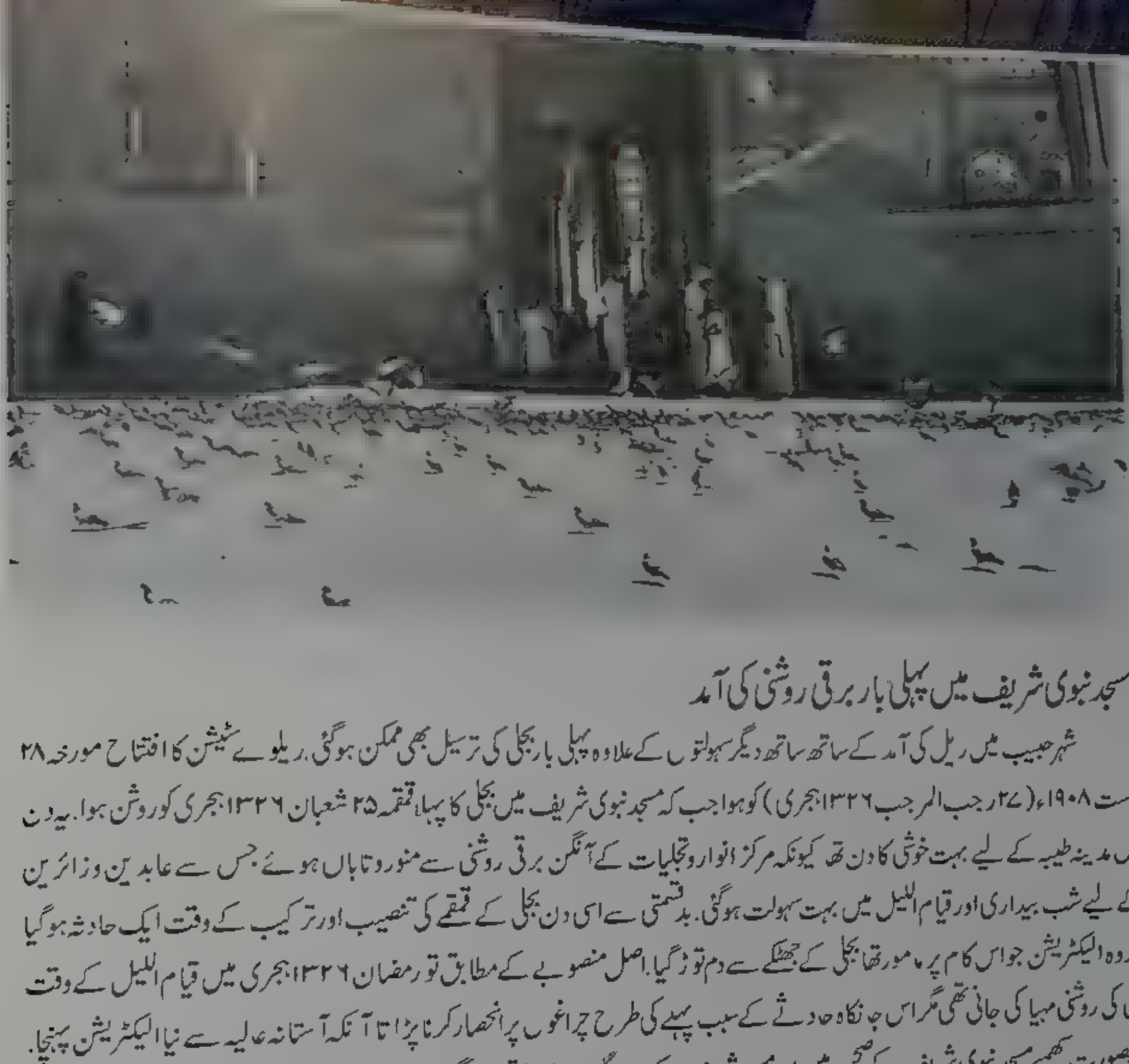

باب مجیدی کے سامنے
صبح کے وقت کبوتروں
کی ٹولیاں دانہ دنکا چگ
رہے ہیں

مسجد نبوی شریف میں پہلی بار برقی روشنی کی آمد

شہر حبیب میں ریل کی آمد کے ساتھ ساتھ دیگر سہولتوں کے علاوہ پہلی بار بجلی کی ترسیل بھی ممکن ہوگئی. ریلوے سٹیشن کا افتتاح مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۶ ہجری) کو ہوا جب کہ مسجد نبوی شریف میں بجلی کا پہلا قمقمہ ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ ہجری کو روشن ہوا. یہ دن اہل مدینہ طیبہ کے لیے بہت خوشی کا دن تھا کیونکہ مرکز انوار و تجلیات کے آنگن برقی روشنی سے منور و تاباں ہوئے جس سے عابدین و زائرین کے لیے شب بیداری اور قیام اللیل میں بہت سہولت ہوگئی. بدقسمتی سے اسی دن بجلی کے قمقمے کی تنصیب اور ترکیب کے وقت ایک حادثہ ہوگیا اور وہ الیکٹریشن جو اس کام پر مامور تھا بجلی کے جھٹکے سے دم توڑ گیا. اصل منصوبے کے مطابق تو رمضان ۱۳۲۶ ہجری میں قیام اللیل کے وقت بجلی کی روشنی مہیا کی جانی تھی مگر اس جانکاہ حادثے کے سبب پہلے کی طرح چراغوں پر انحصار کرنا پڑا تا آنکہ آستانہ عالیہ سے نیا الیکٹریشن پہنچا. خوبصورت کھمبے مسجد نبوی شریف کے صحن میں اور مسجد شریف کے باہر گلیوں میں مختلف جگہوں پر لگائے گئے تھے. باب مجیدی کے باہر دار الضیافہ میں پہلا بجلی کا سب سٹیشن قائم کیا گیا. (۴۰) مدینہ طیبہ میں بجلی کی ترسیل کے لیے نظام حیدر آباد دکن نے خاص طور پر مالی نذرانہ پیش کیا تھا اور یوں مناسب جنریٹرز وغیرہ کا بندوبست کیا گیا. شروع میں بجلی کی سہولت صرف مسجد نبوی شریف تک محدود تھی مگر بعد میں مزید مشینری منگوا کر اسے مدینہ طیبہ کے باسیوں کے لیے بھی مہیا کیا گیا.

ابتداء میں بجلی کا استعمال صرف روشنی حاصل کرنے کے لیے محدود تھا مگر جب سعودی دور میں مسجد مبارک کی پہلی توسیع عمل میں آئی تو اسے دوسرے مقاصد یعنی پنکھوں وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا (۴۱) مزید جنریٹر منگوا کر لگائے جاتے رہے اور اس کار خیر میں مخیر حضرات کا بہت زیادہ ہاتھ رہا ہے. بن لادن خاندان کے افراد نے بھی اس معاملے میں بہت مالی معاونت کی. بجلی کو تجارتی بنیادوں پر مہیا کرنے کے لیے بڑے بڑے جنریٹر منگوائے گئے اور انہیں شہر سے دور آبار علی کے علاقے میں نصب کیا گیا. اہل مدینہ کو زیادہ وولٹیج کی بجلی کی ترسیل صرف ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ممکن ہو سکی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر منورہ جہاں ہر لحظہ انوار و تجلیات الٰہی کی باران رحمت ہوتی ہے عہد جدید کا روشنیوں کا شہر بن گیا. اب تو صرف مسجد نبوی شریف اور اس کے گردونواح میں بجلی کی تنویر کے وہ من ظر دیکھنے والے کی نگاہ خیرہ ہو کر جاتی ہے. اس وقت شہر نبوی میں دو بہت ہی طاقتور پاور سٹیشن بجلی سپلائی کرتے ہیں۔ ایک ائرپورٹ روڈ پر ہے جب کہ دوسرا آبار علی کے علاقے میں واقع ہے۔ ہر دو کی قوت تولید ۳۷ میگاواٹ ہے.

حرم نبوی شریف میں کبوتروں کی موجودگی اور زائرین کی نظر میں ان کا مقام

کتاب کے آخر میں ہم مدینہ طیبہ کی ایک ایسی خصوصیت کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ عشاق مدینہ کے دل میں بہت بلند مقام رکھتی ہے. حرم مدنی شریف کے دیگر بیشمار خصائص کے علاوہ یہاں کے مانوس کبوتر ہیں جن کے جھنڈ کے جھنڈ روضہ اقدس پر پروانہ وار منڈلاتے رہتے

بقیع العرقد کے چند کبوتر

ہیں. طلوع آفتاب پر تو یہ منظر بہت دیدنی ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ستر ہزار قدسیوں کے ساتھ ساتھ یہ ان گنت طائران حرم بھی پھڑ پھڑاتے ہوئے صلوات وسلام کی ڈولیاں در اقدس پر نچھاور کرتے ہیں. زائرین ان طائران حرم نبوی شریف کو بہت قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

عشاق اور مورخین نے حرمین الشریفین میں صدیوں سے کبوتروں کی اتنی تعداد میں پائے جانے کی وجوہ کی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اور اس موضوع پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے ہیں اس سلسلے میں ہمیں دو روایات ملتی ہیں

(۱) طوفان نوح علیہ السلام جب تھم چکا تو انہوں نے اپنے کبوتروں کو جبل جودی سے حکم دیا کہ روئے زمین کا جائزہ لے کر آئیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون کون سا خطہ ہے جو کہ سوکھ چکا ہو. شرق وغرب کا چکر لگانے کے بعد واپس لوٹنے والے کبوتروں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ارض کعبۃ المشرفہ سوکھی ہوئی تھی. سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کبوتروں کے پنجوں میں بلد حرم کی سرخ مٹی بھی دیکھی. انہوں نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعا فرمائی. روایات میں ہے کہ حرمین الشریفین میں موجود کبوتر انہی کبوتروں کی اولاد سے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی روایت سے اس بات کو تقویت ملتی ہے جس کے مطابق انہوں نے بیان کیا کہ طوفان نوح علیہ السلام کے دوران سفینہ حضرت نوح چالیس دن تک کعبۃ اللہ کا طواف کرتا رہا اور پھر حکم الٰہی سے جبل جودی کو روانہ ہو گیا جس کے بعد حضرت نوح علیہ اسلام نے کبوتروں کو زمین کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا جو واپسی پر زیتون کے پتے لیکر آئے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے پاؤں مٹی سے بھرے ہوئے تھے.

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ بوقت ہجرت مبارکہ جب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں غار ثور میں داخل ہوئے تو حرم کعبہ کے کبوتر بھی اڑ کر ساتھ آئے تھے اور غار کے دہانے پر انڈے دے کر وہیں بیٹھ رہے تھے. غار سے باہر تشریف لانے پر سرکار دو عالم ﷺ نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعائے رحمت وبرکت فرمائی تھی اور یہ کہ وہ کبوتر دونوں یاران غار کے قافلے کے ساتھ ساتھ اڑانیں بھرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے تھے. موجودہ کبوتر جنہیں حمام الحمی کہا جاتا ہے انہیں کبوتروں کی نسل سے ہیں. بزار نے اپنی مسند میں اور الہیثمی نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت درج کی ہے جس میں تینوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات کی توثیق کی تھی کہ حمام حرم انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے دہانے انڈے دیئے تھے.

ہمارے آقا ﷺ کے شہر مدینہ کے چند کبوتر

علامہ احمد یاسین الخیاری نے اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان ہے: حمام الحمی الحجازی. انہوں نے اپنے اس رسالے میں اہل حجاز کی نظروں میں ان حمام حرم نبوی شریف کی تکریم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے. دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے مندرجہ ذیل نکات پر خاص طور پر روشنی ڈالی ہے:

(۱) اہل مدینہ طیبہ ان کبوتروں کو بہت عزت اور پیار کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور کوئی مدنی ان کے شکار کا تصور تک نہیں کرتا.

(۲) ایام حج میں پانچ ذوالحجہ کو حرم مدنی شریف کے تمام کبوتر گروہ در گروہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب حج اختتام پذیر ہوتا ہے تو پندرہ ذوالحجہ کو حماموں کے جھنڈ کے جھنڈ واپس آ کر روضہ اقدس پر منڈ۔نے لگتے ہیں. اس سے اہل مدینہ طیبہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ مبارک حمام الحمی ہر سال فریضہ حج ادا کرتے ہیں.

(۳) مدینہ طیبہ کے بچے بھی اس حد تک محتاط ہیں کہ وہ کبھی ان سے کھلواڑ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے انڈوں یا بچوں کو پکڑتے ہیں.

(۴) مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح میں واقع مکانات کے چھتوں پر اکثر اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دانہ دنکا ڈال دیا جاتا اور برتنوں میں پانی رکھ جاتا ہے تاکہ طائران حرم جب چاہیں آ کر شکم سیر ہو سکیں. کسی کی چھت پر حمام حرم کا آ کر بیٹھ جانا باعث رحمت تصور کیا جاتا ہے. موجودہ عمرانی ریلے سے پہلے پرانے مدینہ طیبہ میں اونچے مکانات کی چھت پر ایک طرف کبوتروں کے لیے خاص جگہ تعمیر کر دی جاتی تھی جہاں یہ حجازی کبوتر آزادی سے رہ سکتے تھے. ایسی جگہ کو 'طیرمہ' کہا جاتا تھا اور اسی خصوصیت سے حارۃ الاغوات میں قدیم ترین عمارات میں سے چند ایسی بلند عمارات بھی تھیں جو کہ طیرمہ کے نام سے مشہور تھی.

(۵) نسل در نسل تجربات کی بنا پر اہل مدینہ طیبہ میں اس بات کا خاص طور پر چرچا ہے کہ اگر کسی کا بچہ تین یا چار سال کا ہو کر بولنے کی قدرت سے محروم ہو یا اس کی زبان میں لکنت ظاہر ہو تو اہل خانہ ان کبوتروں کے انڈے لیتے ہیں اور ان کو ابال کر اس بچے کو تین دن تک ایک انڈہ روزانہ کھلاتے ہیں اور قدرت الٰہیہ سے وہ بچہ دیگر بچوں کی طرح بولنے لگ جاتا ہے احمد یاسین خیاری کے الفاظ میں یہ بات مدنیوں میں: 'وہذا امر معروف ومقرور ومشہود ومشہور' ہے

(۶) سلطنت عثمانیہ کے دنوں میں ان طائران حرم کی نگہداشت کے لیے آستانہ عالیہ سے بعض لوگوں کو مشاہرہ ملتا تھا تاکہ وہ مسجد نبوی شریف کے ارد گرد دانے اور پانی کا وافر انتظام کر سکیں.

(۷) عصر حاضر میں زائرین مدینہ طیبہ کثیر تعداد میں دانہ خرید کر مناسب جگہوں پر بکھیر دیتے ہیں. بقیع الغرقد کے سامنے دانہ بیچنے والوں کی کثیر تعداد بیٹھی ہوتی ہے جن میں خواتین وحضرات اور بچے شامل ہوتے ہیں.

حواشی

(۱) شاہ فہد کے بیس سال، روزنامہ عرب نیوز کا سپیشل ایڈیشن جو کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے بیس سالہ دور حکومت کے دوران ان کی حسن کارکردگی پر شائع کیا گیا تھا اشاعت: نومبر ۲۰۰۱ء

(۲) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الظاہر، یکے ز مطبوعات وزارت اطلاعات جو کہ سعودی حکومت کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں اس نے ۱۴۲۰ ہجری میں جاری کی تھیں، صفحات: ۹۳-۹۸

(۳) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ بین العمارۃ والتاریخ، جزء ۲، ص: ۲۶۹

(۴) ترمذی شریف، اردو ترجمہ بدیع الزمان، ناشر ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج ۲، صفحات ۲۲۰-۲۲۱ حاکم نے بھی اس حدیث مبارکہ کو مستدرک میں درج کیا ہے۔

(۵) دکتور/مختار محمد بلول، المدینۃ المنورہ درۃ المدائن، دار بلول للنشر، مدینۃ المنورہ، ۲۰۰۰، ص: ۲۱۹

(۶) ایضاً، ص. ۲۲۰

(۷) ہاشم دفتر دار، ذکریات طیبہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۵۱، ص: ۲۰۰

(۸) غالی محمد امین الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات: ۱۰۷-۱۰۹

(۹) امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء باحوال دار المصطفیٰ، ص: ۵۳۵

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۴۳۲

(۱۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۲۵۷

(۱۲) تاہم بعض سیرۃ نگاروں نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کے مطابق نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ مسجد مصلیٰ کے احاطے میں پڑھائی گئی تھی۔

(۱۳) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۱۵۹

(۱۴) ابن سعد، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۲۵۷

(۱۵) ابن شبہ النمری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج: ۱، ص: ۶

(۱۶) الدارہ، دارۃ الملک عبدالعزیز ریاض کا مجلہ، الریاض، اگست ۱۹۸۷ء، مقالہ حجاز ریلوے سٹیشن، دکتور احمد عبدالقادر، ص ۹۱

(۱۷) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۳۰۱

(۱۸) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، مصدر مذکور، ص: ۱۹۱

(۱۹) "Hejaz Railway", Encyclopaedia Britannica Online
http://members.eb.com/bol/topic?indexref=251981[accessed October 2 2001]

(۲۰) اردو نیوز (عرب نیوز کا ایک ذیلی روزنامہ)، مقالہ از ارسلان ہاشمی، مدینۃ المنورہ، اشاعت ۵ دسمبر ۲۰۰۱۔

(۲۱) عرب نیوز، ریاض، ۳ دسمبر، ۲۰۰۱ء

(۲۲) ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۷۰

(۲۳) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۸۵

(۲۴) فیروز آبادی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۵۹-۲۶۰

(۲۵) خیاری، مصدر مذکور، ص:۱۱۷ (حاشیہ)

(۲۶) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر۳۷۵. جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دربار رسالت مآب میں مشربہ مدابر ہیمؑ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی کیونکہ آں حضرت ﷺ گھٹنے یا کندھے کی درد میں مبتلاء تھے نیز ابن شبہ، ج:۱، ۶۹

(۲۷) محمد کبریت المدنی الحسینی، مصدر مذکور، ص:۲۲۰

(۲۸) صحیح مسلم، کتاب ۴، نمبر۱۱۱۱

(۲۹) صحیح بخاری، ج.۵، نمبر۵۰۷

(۳۰) سمہودیؒ، ص.۱۲۷۶

(۳۱) ایضاً

(۳۲) الموطاء امام مالکؒ، ۳۶-۳۳-۴۰

(۳۳) سمہودیؒ، ص:۱۲۷۶

(۳۴) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص:۱۷۸

(۳۵) فیروز آبادی، ص:۴۲۴

(۳۶) الشنقیطی، ص:۱۵۶

(۳۷) ابراہیم العیاشی، ص:۳۱۰

(۳۸) محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ، معالم وحضارہ، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۶، ص ۱۵۹

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۱۵

(۴۰) احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورہ فی القرن الرابع عشر الہجری، دار لمنار، قاہرہ دار الضیافہ مسجد نبوی شریف کے شمال میں پرانے باب مجیدی کے سامنے ہوا کرتا تھا. یہ وہ مقام تھا جہاں نور الدین زنگیؒ نے مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران قیام کیا تھا در مجرموں کو پکڑنے کے لیے وہاں بیٹھ کر خیرات تقسیم کی تھی

(۴۱) ایضاً

فہرست مضامین

عرض خدمت ۹

باب ۱ قبل از اسلام کا یثرب تاریخ کے آئینے میں ۲۳

یثرب اور قدیم تہذیبیں ۲۶

عمالقہ یثرب میں آباد ہوتے ہیں ۳۰

یہود بے بہبود یثرب میں پناہ لیتے ہیں ۳۳

عربوں کا یثرب میں آباد ہونا اور یہود بے بہبود کے ساتھ صراع اور رسہ کشی ۳۶

قبل از اسلام یثرب کی تہذیب کا جائزہ ۴۰

یثرب کا عمرانی خاکہ ۴۸

اسلام کا آفتاب عالم تاب یثرب کے گھپ اندھیروں کو مدینۃ النبی کی صورت میں منور کرتا ہے ۵۱

باب ۲ دارالہجرہ ۔ یثرب سے مدینہ طیبہ کا سفر ۴۸

باب ۳ فضائل ومحاسن مدینۃ النبی ﷺ ۶۳

باب ۴ مدینہ طیبہ کے اسمائے مبارکہ ۷۹

باب ۵ ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص اور وہاں کے عمرانی ارتقاء پر ایک طائرانہ نظر ۱۰۷

مدینہ طیبہ کی سرزمین کی ارضیاتی (جیولاجیکل) ساخت ۱۱۰

آبادی کے اعداد وشمار ۱۱۳

مدینہ طیبہ کے گرد فصیل کی تعمیر ۱۲۰

مدینہ طیبہ کے گرد بنائے گئے دفاعی قلعے ۱۲۶

مدینہ طیبہ کا عمرانی اور تمدنی ارتقاء ۱۲۷

احواش (مدینہ طیبہ کی حویلیاں۔Housing Compounds) ۱۲۸

باب ۶ مدینہ طیبہ بطور حرم نبوی شریف ۱۳۱

باب ۷ مدینہ طیبہ کے چند ادوار پر فتن ومصائب ۱۵۳

سیاسی مصائب وفتن ۱۵۵

واقعہ حرہ واقم یا حرہ زہرہ ۱۵۷

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا حجاز میں دور حکومت ۱۶۳

شہادت نفس ذکیہ ۱۶۴

مدینہ طیبہ پر بدو قبائل کی یورشیں ۱۶۷

وہابیوں کی مدینہ طیبہ پر یورش ۱۶۹

صلیبی جنگوں کے پس منظر میں یہود ونصاریٰ کی سازشیں ۱۷۰

قدرتی آفات ۱۷۵

نار حجاز ۱۷۵

رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں مدینہ طیبہ اور قرب قیامت کی نشانیاں ۱۷۸

باب ۸	مدینہ طیبہ کی سیاسی اہمیت۔ مدینہ طیبہ بطور دارالسلام	۱۸۵
	مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرتا ہے	۱۸۷
	ابتدائی خطرات اور چیلنج	۱۸۸
	ہجرت مبارکہ کے وقت یثرب کی سیاسی حالت	۱۹۰
	سماجی انقلاب	۱۹۱
	مدینہ طیبہ کا ایک شہری ریاست (City State) کے طور پر افق عالم پر نمودار ہونا	۱۹۳
	مدینہ طیبہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے	۱۹۶
	مدینہ طیبہ کی ریاست بین الاقوامی افق پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرتی ہے	۲۰۰
	حضور نبی اکرم ﷺ کا انداز حکومت	۲۰۲
	مدینہ طیبہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے دور میں	۲۰۶
	مدینہ طیبہ مسلمانان عالم کے روحانی دارالخلافہ کے طور پر	۲۰۵
باب ۹	'انقلاب مدینہ'۔ اسلامی سماجی انقلاب	۲۲۵
باب ۱۰	غزوات النبی ﷺ جو مدینہ طیبہ میں ہوئے	۲۳۵
	غزوہ بنوقینقاع	۲۳۲
	غزوہ احد	۲۳۶
	غزوہ بنونضیر	۲۶۵
	غزوہ احزاب (غزوہ خندق)	۲۶۹
	غزوہ بنوقریضہ	۲۸۳
باب ۱۱	مدینہ طیبہ میں تجارتی سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ	۲۹۹
	تاجدار حرم معبہ جود والکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں پہلے اسلامی بازار کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں	۳۰۱
	مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں صنعت وحرفت	۳۰۶
	ناپنے تولنے کے پیمانے	۳۰۸
	مدینہ طیبہ میں رائج سکے اور کرنسیاں	۳۰۹
	عثمانی دور میں مدینہ طیبہ میں تجارتی سرگرمیاں	۳۱۴
	بیسویں صدی اور مدینہ طیبہ کی معاشی خوشحالی	۳۱۶
	نئے نئے بازار اور نئی نئی منڈیاں	۳۱۸
باب ۱۲	سید تنا مہات لمومنین کے حجرات مبارکہ	۳۲۵
	حجرات مبارکہ کی تعمیر	۳۲۶
	رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کا انہدام	۳۳۳
باب ۱۳	تبرکات نبویہ الشریفہ اور آثار مدینہ طیبہ	۳۳۷
	تبرکات نبوی الشریف اور جلیل القدر اصحابہ کرام کا طرز عمل	۳۴۱
	تبرکات مقدسہ کی شرعی حیثیت	۳۴۴
	حضور سرور کونین سید انس وجاں ﷺ کا پسینہ مبارکہ	۳۴۷
	اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور آقائے نامدار ﷺ کے موہائے مبارکہ کی تعظیم اور حفاظت	۳۴۸
	لباس ہائے مبارکہ جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زیب تن فرمائے	۳۴۹
	حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارکہ	۳۵۰

رسول اللہ ﷺ کی ردائے مبارکہ (بردہ شریف) ۳۵۷
حضور نبی اکرم ﷺ کی مہر مبارکہ (ختم۔انگوٹھی) ۳۵۹
حضور پرنور سرکار دو عالم ﷺ سر مبارک پر قطری عمامہ رکھا کرتے تھے ۳۶۱
مکتوبات شہنشاہ دو عالم علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسیما بنام خسروانِ عالم ۳۶۱
مکتوب مبارک بنام حرقل شہنشاہ روم ۳۶۴
مکتوب مبارک مقوقس حاکم مصر کے نام ۳۶۵
نامہ مبارکہ بنام خسرو پرویز ۳۶۶
شاہ حبشہ نجاشی (اصحمہ) کے نام مکتوب مبارک ۳۶۷
نامہ گرامی بنام منذر بن ساوئی حاکم بحرین ۳۶۸
حضور سرور دو عالم ﷺ کے پیالہ جات مبارکہ ۳۷۰
رسول اللہ ﷺ کا زیر استعمال صاع (تولنے کا پیمانہ) ۳۷۰
حضور نبی اکرم ﷺ کے لباس ہائے مبارکہ ۳۷۱
حضرت نبی اکرم ﷺ کی شمشیر ہائے گوہر بار ۳۷۳
حضور سید الکونین ﷺ کی کمان مبارک ۳۷۶
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ و سلام کے تیر کو سنبھال کر رکھتے ہیں ۳۷۶
عصاء مبارکہ ۳۷۷
حضرت خالد ابن ولیدؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ کو اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا تھا ۳۷۷
رسول اللہ ﷺ کا چوبی منبر شریف ۳۷۸
کھجور کا وہ تنا (حنانہ) جس پر حضور سرور دو عالم ﷺ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے ۳۷۸
تپائی (سٹول) جس پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ آذان دیا کرتے تھے ۳۸۱
ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ کا آئینہ ۳۸۱
حضرت زبیر بن العوام کی شمشیر اور تفنگ (عنزہ۔برچھی) ۳۸۱
اصحابہ کرامؓ نے موہائے مبارکہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے تراشیدہ ناخنوں کا کیا کیا؟ ۳۸۲
قاہرہ میں موجودہ آثار مبارکہ ۳۸۳
ہندوستان، ایران اور فلسطین میں موجود آثار مبارکہ ۳۸۳
پاکستان میں موجود تبرکات ۳۸۴
تبرکات نبویہ کے لئے اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا میوزیم ۳۸۶
مسجد نبوی شریف کے صحن کے وسط میں تبرکات کے لئے قبہ (گنبد) کی تعمیر ۳۸۸
استنبول کا توپکاپی عجائب گھر ۳۸۹
جبل سلع پر کنداں عبارات جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے منسوب تھیں ۳۹۲
مکۃ المکرمہ میں موجود تبرکات اور آثار نبویہ شریفہ ۳۹۴
مولد النبی مکۃ المکرمہ میں خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا آبائی گھر جہاں فخر موجودات ﷺ کا ورود مسعود ہوا ۳۹۵
ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا گھر جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے ۲۸ سال گزارے تھے ۳۹۶
مدینہ طیبہ کے چند دیگر تاریخی اور اثری مقامات ۳۹۷
بستان (باغ) سیدنا سلمان فارسیؓ ۳۹۷
بستان (باغ) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ۳۹۹

سقیفہ بنی ساعدہ ۴۰۰
مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا ۴۰۱
ثنیات الوداع ۴۰۳
وہ خندق جو غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی گئی ۴۰۵
مدینہ منورہ کی چند غاریں یا دیگر مقامات جو آقائے دو جہاں ﷺ یا اصحابہ کرام
یا افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منسوب تھیں ۴۰۶
کہف بنی حرام (غار بنی حرام) ۴۰۶
مشہد نفس الذکیہ ۴۰۷
الغابہ ۴۰۸
وہ تبرکات جو مسجد بنی ظفر اور العوالی میں موجود ہوا کرتے تھے ۴۱۰

باب ۱۴

مسجد نبوی شریف ۴۲۳
مسجد نبوی شریف کی فضیلت اور اہمیت ۴۲۶
مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لئے اراضی کا حصول ۴۲۸
اس قطعہ ارضی مبارکہ کے ارضیاتی خدوخال ۴۲۹
مسجد نبوی شریف کی خشت اول رسول اللہ ﷺ کے دست بابرکات سے رکھی گئی ۴۳۰
سرور دو عالم تاجدار مدینہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے بنفس نفیس کام میں شرکت فرماتے ۴۳۴
مسجد نبوی شریف کا ابتدائی رقبہ ۴۳۷
ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں دروازوں کی تعداد ۴۳۸
مقام الصفہ ۴۳۸
تحویل قبلہ ۴۴۰
ریاض الجنۃ ۴۴۰
مسجد نبوی شریف میں آذان کا اجراء ۴۴۲
غزوہ خیبر کے بعد مسجد نبوی شریف کی توسیع ۴۴۵
منبر رسول مقبول ﷺ ۴۴۶
تاریخ منبر نبوی شریف پر ایک طائرانہ نظر ۴۴۷
جذعۃ الحنانہ (یعنی کھجور کے تنے) کی فراق نبوی میں آہ وزاری ۴۵۲
مسجد نبوی شریف میں روشنی کے انتظامات ۴۵۴
سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف کی توسیع ۴۵۷
بطحا یا بطیحاء ۴۵۹
سیدنا عثمان بن عفان ؓ کے دور خلافت الراشدہ میں مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو ۴۶۱
بنو امیہ کے دور میں مسجد مصطفوی کی دیکھ بھال ۴۶۳
ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال ۴۶۶
حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے ہاتھوں مسجد مصطفوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تفاصیل ۴۶۶
ابتدائی عباسی دور میں مسجد شریف کی توسیع و دیکھ بھال ۴۶۹
دیگر عباسی خلفاء کے ادوار میں مسجد شریف کی مرمت اور دیکھ بھال ۴۷۴
مسجد نبوی شریف میں خوفناک آتش زدگی ۴۷۶
۴۷۷

مسجد نبوی شریف میں دوبارہ آگ کا حادثہ ۴۷۹
عثمانی دور حکومت میں مسجد مصطفوی کی تعمیر نو اور توسیع ۴۸۰
مسجد نبوی شریف کے متعلق ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کردہ اعداد و شمار ۴۸۶
باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء ۴۸۷
سعودی دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیعات ۴۸۸
مسجد نبوی شریف کے قدیم حصے میں واقع اہم تاریخی حیثیت رکھنے والے ستون ۵۰۱
اسطوانہ مخلقہ ۵۰۲
اسطوانہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ ۵۰۴
اسطوانہ التوبہ ۵۰۶
اسطوانہ سریر ۵۰۸
اسطوانہ الحرس (الحرس) ۵۰۹
اسطوانہ الوفود ۵۱۰
اسطوانہ مربع القمر الشریف ۵۱۲
اسطوانہ تہجد ۵۱۲
متفرقات (مسجد نبوی شریف کے متعلق چند متفرق معلومات) ۵۱۳
مسجد نبوی شریف میں کن کن خلفائے راشدین نے خلافت کا حلف اٹھایا ۵۱۳
مسجد نبوی شریف کے اصلی فرش کی سطح ۵۱۴
محراب سلیمانی ۵۱۶
محراب سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء ۵۱۶
محراب تہجد ۵۱۶
خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ۵۱۶
مکبریہ ۵۱۸
آٹومیٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں ۵۱۹
مسجد مصطفوی میں موجود بعض تاریخی شہپارے اور دلچسپ معلومات ۵۲۰
باب ۱۵ حجرہ مبارکہ (مقصورہ شریفہ) ۵۳۵
حضور نبی اکرم ﷺ کا انتقال پر ملال اور حجرہ مبارکہ میں تدفین ۵۳۹
سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے انتقال پر ملال اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین ۵۴۸
سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی شہادت اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین ۵۴۹
قبور مطہرہ کی مزید تفاصیل ۵۵۰
حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو ۵۵۲
حجرہ مطہرہ پر گنبد کی تعمیر اور چند مزید تفاصیل ۵۵۸
حجرہ مطہرہ کے فرش اقدس کی سطح کا مسجد نبوی شریف کے فرش کی سطح سے موازنہ ۵۶۲
حجرہ مطہرہ کی تعمیر اندر مرمت کی چند مزید تفاصیل ۵۶۳
سلطان عبدالحمید خان اول کی نعت جو کہ حجرہ مطہرہ کے باہر جالیوں سے اوپر والے حصے میں سنہری حروف سے لکھی گئی تھی ۵۶۷
مقصورہ شریفہ میں آویزاں پردے ۵۷۰
رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام کیسے پیش کیا جائے؟ ۵۷۱

	وہ خوش نصیب افراد جن کو حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی	۵۸۰
	کاشانہ قدس پر پیش قیمت تحائف کی تفصیل و پس منظر	۵۸۳
	حجرہ مطہرہ میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں....	۵۸۵
باب ۱۶	بقیع الغرقد (مدینہ منورہ کا مشہور اور تاریخی قبرستان)	۵۹۷
	بقیع الغرقد کا مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر انتخاب اور اہمیت	۵۹۸
	اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند مشاہیر کے اسمائے گرامی جو بقیع الغرقد میں مدفون ہیں	۶۰۴
	بقیع الغرقد کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر	۶۰۶
	قبور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر کتبوں کی تنصیب اور قبوں کی تعمیر	۶۱۰
	بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور کا محل وقوع	۶۱۵
	چند معروف و مشہور قبور مطہرہ کا محل وقوع	۶۱۸
	قبور اہل بیت طاہرہ پر گنبد کی تفاصیل	۶۲۰
	دار بنات الرسول اللہ ﷺ	۶۲۱
	دار امہات المومنین زوجات الرسول اللہ ﷺ	۶۲۱
	دار فرزند ارجمند رسول مقبول ﷺ حضرت ابراہیمؓ	۶۲۳
	دار حضرت عقیل بن ابی طالبؓ	۶۲۴
	دار امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عثمانؓ	۶۲۴
	دار عمات الرسول اللہ ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں) کا احاطہ	۶۲۵
	دار شیخ القراء سیدنا امام نافعؒ کا احاطہ	۶۲۶
	قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ	۶۲۶
	دار سعد ابن معاذؓ (جو کہ مبینہ طور پر سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا دار تھا)	۶۲۷
	مدینہ طیبہ میں چند دیگر قبرستان	۶۳۰
	قبر مبارک ابو النبی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ	۶۳۱
	ام النبی سیدۃ آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف کی قبر اطہر	۶۳۳
	مشہد سید الشہداء سیدنا حمزہ ابن عبدالمطلبؓ	۶۳۶
	قباء میں واقع قبرستان	۶۳۶
	مشہد حضرت مالک بن سنانؓ	۶۳۷
باب ۱۷	قباء۔ باب المدینہ۔ جو رسول اللہ ﷺ کا استقبال کر کے زندہ جاوید ہو گئی	۶۴۷
	قباء میں تاریخی مقامات	۶۵۱
	مسجد قباء	۶۵۳
	مسجد قباء کا تاریخی اور شرعی مقام	۶۶۰
باب ۱۸	مقام الصفہ اور اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم	۶۶۵
باب ۱۹	مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد	۶۸۵
	مسجد الجمعہ	۶۸۸
	مسجد قبلتین	۶۹۰
	مسجد الجابہ	۶۹۳
	مسجد الغمامہ	۶۹۵

اس منطقہ میں تین دیگر مساجد ۶۹۷
مسجد النور ۷۰۰
مسجد السقیاء ۷۰۱
مساجد الفتح ۷۰۳
مدینہ طیبہ میں قدیم ترین تاریخی عمارت ۷۰۶
مسجد فسح ۷۰۹
مسجد بنی ظفر ۷۱۱
وفد نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مباہلے کا واقعہ ۷۱۳
مسجد حضرت ابوذر الغفاریؓ ۷۱۵
مسجد معرس ۷۱۶
مسجد ذوالحلیفہ ۷۱۸
مسجد الرایہ (مسجد ذباب) ۷۲۰
مسجد الرایہ کی تاریخی اہمیت ۷۲۱
مسجد الفضیخ ۷۲۲
مسجد بنو قریضہ ۷۲۵
مسجد بنی حرام ۷۲۷
مسجد شیخین ۷۲۷
مسجد مستراح (مسجد بنو حارثہ) ۷۲۹
مسجد مصبح (مسجد بنو انیف) ۷۲۹
مسجد السبق اور مسجد بنو زریق ۷۳۱
مسجد بنی دینار ۷۳۲
مسجد کتیبہ ۷۳۳
مسجد مینارتین ۷۳۴
مسجد ضرار (شرکی مسجد) ۷۳۶
باب ۲۰ مدینہ طیبہ میں تاریخی کنویں اور نظام آب رسانی ۷۴۷
بئر حاء ۷۵۲
بئر اریس (بئر خاتم) ۷۵۴
بئر بضاعہ ۷۵۸
بئر بصہ ۷۶۰
بئر غرس ۷۶۱
بئر الرومہ (بئر سیدنا عثمانؓ) ۷۶۳
بئر سقیاء ۷۶۵
بئر العہن ۷۶۷
دیگر تاریخی کنویں جو اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرتے رہے ہیں ۷۶۸
بئر زمزم ۷۶۸
بئر ایہاب ۷۷۰

بئر عروہ بن الزبیرؓ ۷۷۰
بئر علی کرم اللہ وجہہ الکریم (ابیار یا آبار علی کرم اللہ وجہہ) ۷۷۱
مدینہ طیبہ میں قدیم فرہمی آب کا نظام۔عین لزرقاء ۷۷۱
باب ۲۱ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے اردگرد واقع اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تاریخی اہمیت کے حامل گھروں کی چند تفاصیل .. ۷۷۹
دار ابوایوب الانصاریؓ ۷۸۲
دار سیدنا عثمان بن عفانؓ ... ۷۸۴
دار سیدنا ابابکر الصدیقؓ ۷۸۵
دار ریطہ ۷۸۵
دار عبداللہ ابن عمر بن الخطابؓ .. ۷۸۶
دار حسن بن زید (دار آل حسنؓ) ۷۸۷
دار حضرت جعفر الصادقؒ ۷۸۷
دار القضاء (دار قضاء الدین) اور غربی جانب دوسرے مکانات ۷۸۸
دار خالد بن الولیدؓ ۷۸۹
دار مروان بن الحکمؒ ۷۹۰
دار ابوہریرہؓ اور دار سعد بن ابی وقاصؓ ۷۹۰
باب ۲۲ مسجد نبوی شریف کے گرد چند رباطوں اور وقف مکانوں کی تفصیل ۷۹۳
رباط الاصفہانی .. ۷۹۸
رباط سیدنا عثمان بن عفانؓ ۷۹۸
رباط خالد بن الولیدؓ ۷۹۸
رباط ناصر الدین اللہ ۷۹۹
رباط ام ناصر الدین اللہ ۷۹۹
رباط المراغی ۷۹۹
رباط النساء ۸۰۰
رباط الشہر زوری .. ۸۰۰
رباط الزنجیلی ۸۰۰
رباط البخاریہ ۸۰۰
رباط المظہر الاحمدی (مظہر الفاروقی) ۸۰۰
دیگر رباطیں اور تعلیمی ادارے ۸۰۱
مصری سلطان اشرف قیتبائی کے قائم کردہ اوقاف ۸۰۳
ترکوں کے بنائے ہوئے وقف اور رفاہی ادارے ۸۰۳
خیراتی اور تعلیمی ادارے ۸۰۴
ماضی میں مدینہ طیبہ میں موجود صوفیانہ خانقاہیں اور زاویے ۸۰۷
باب ۲۳ فردوس مدینہ مصطفیٰ ﷺ کی مبارک وادیاں ۸۱۱
وادی العقیق ۸۱۴
وادی بطحان ... ۸۲۲
وادی مذینیب .. ۸۲۳

وادی مہزور ۸۲۳
وادی رانونا ۸۲۴
وادی قناۃ ۸۲۵
باب ۲۴ مدینہ طیبہ کے کوہسار ۸۲۹
جبل احد ۸۳۰
مزارات شہدائے احد ۸۳۴
جبل عینین ۸۳۷
جبل احد میں موجود غار ۸۳۹
جبل ثور ۸۴۱
جبل سلع ۸۴۲
جبل عیر ۸۴۵
جبل ذباب ۸۴۸
جبل ابحرف ۸۴۹
جمدوات ۸۵۰
مدینہ طیبہ کے دیگر پہاڑ ۸۵۳
جبل الحرم ۸۵۳
جبل بنو قریضہ ۸۵۳
جبل مکیمین ۸۵۴
باب ۲۵ متفرقات طیبہ ۸۵۷
عصر حاضر کے شاہکار ۸۵۸
مجمع الملک فہد برائے مصحف الشریف ۸۵۹
شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس ۸۶۱
مدینہ یونیورسٹی ۸۶۱
مدینہ طیبہ کی مشہور لائبریریوں پر ایک نظر ۸۶۵
دیگر تاریخی مقامات اور شاہکار ۸۶۸
موضع الجنائز ۸۶۸
حجاز ریلوے ۸۶۹
مدینہ ایرپورٹ ۸۷۵
وہ مساجد یا تاریخی مقامات جو اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں ۸۷۵
مسجد جبل الرماۃ ۸۷۶
مسجد عرفات ۸۷۷
مسجد بنات النجار ۸۷۷
مسجد الفسح ۸۷۷
مسجد ابوبکر الصدیقؓ ۸۷۸
مسجد ابی بن کعبؓ ۸۷۸
مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ ۸۷۸

مسجد عثمان ابن مالکؓ	۸۷۹
مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ	۸۷۹
مسجد شمس	۸۸۰
مسجد قبلیتین	۸۸۰
مسجد سیدۃ فاطمہ بنت حسین ابن علیؓ	۸۸۰
مسجد ثنیۃ وداع	۸۸۰
مشہد نفس الذکیہ	۸۸۰
مدینہ طیبہ کے چند مشہور و معروف عمارتے اور آبادیاں	۸۸۰
العوالی	۸۸۰
قربان	۸۸۱
غابہ	۸۸۲
حرہ شرقیہ یا حرہ وقم	۸۸۴
حرہ غربیہ یا حرہ وبرہ	۸۸۵
مسجد نبوی شریف میں پہلی بار برقی روشنی کی آمد	۸۸۶
حرم نبوی شریف میں کبوتروں کی موجودگی اور زائرین کی نظر میں ان کا مقام .	۸۸۶

فہرست المراجع

(عربی کتابیں)

١- *وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ ﷺ* : نورالدين علي بن أحمد السمهودى، ت ٩١١هـ، دارالاحياء التراث العربي، بيروت

٢- *خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ ﷺ*: نورالدين علي بن أحمد السمهودى، ت ٩١١ هـ، المكتبة العلمية، المدينة المنورة

٣- *الوفاء بما يجب لحضرة المصطفىٰ ﷺ* : نورالدين علي بن أحمد السمهودى، ت ٩١١ هـ

٤- *أخبار المدينة* : محمد بن الحسن ابن زبالة (ت : ١٩٩ هـ) جمع و توثيق و دراسة : صلاح عبدالعزيز بن سلامه، مركز بحوث ودراسات المدينة المنورة، ١٤٢٤ هـ

٥- *تاريخ المدينة المنورة*: ابو زيد عمر بن شبة النميرى البصرى (١٨٣-٢٦٢ هجرى)، حققه فهيم محمد شلتوت، مصر (٤ مجلدات)

٦- *التحفة اللطيفة فى تاريخ المدينة الشريفة* : الامام شمس الدين السخاوى، دارلكتب العلمية، بيروت

٧- *الدرة الثمينة فى اخبار المدينة* : ابن نجار (ت : ٦٤٣ هـ)

٨- *التعريف بما أنست الهجرة من معالم دار الهجرة* : محمد بن احمد المطرى (ت : ٧٤١ هـ) ، المكتبة العلمية، المدينة المنورة

٩- *تحقيق النصرة بتلخيص معالم دار الهجرة* : الامام زين الدين العراغى ، المكتبة العلمية ، المدينة المنورة

١٠- *معالم دارالهجرة* : يوسف عبدالرزاق، منشورات المكتبة العلمية ، المدينة المنورة ١٤٠١ هـ

١١- *بهجة النفوس والأسرار فى تاريخ دار هجرة المختار*: ابو محمد عبدالله القرطبى المرجانى (٧٢٤-٧٨١ هـ) مطبعة الرجس ١٤٢٥ هـ

١٢- *عمدة الاخبار فى مدينة المختار*: الشيخ احمد بن عبدالحميد العباسى، المكتبة العلمية، المدينة المنورة

١٣- *مرآة الحرمين*: اللواء ابراهيم رفعت باشا، مطبعة دارالكتب المصرية بالقاهرة، ١٩٢٥

١٤- *الرحلة الحجازية* : أوليا شلبى، دار الآفاق العربية، قاهرة

١٥- *الرحلة الحجازية* : محمد لبيب البتنولى، مكتبة الثقافة الدينية، قاهرة

١٦- *رحلة ابن جبير* : ابي الحسين محمد بن أحمد الاندلسى

١٧- *الرحالة الميمون* : عبدالله محمد الحبشى، مكتبة الارشاد ، صنعاء ، اليمن

١٨- *المدينة المنورة فى فجر الاسلام والعصر الراشدين*: محمد محمد حسن شراب ، دارالقلم ، دمشق

١٩- *المدينة فى صدر الاسلام . الحياة الاجتماعية والسياسية والثقافة* : الدكتور محمد العيد الخطراوى، موسسة عموم القران، بيروت

٢٠- *المدينة فى صدر الاسلام . الحياة الادبية* : الدكتور محمد العيد الخطراوى ، موسسة علوم القرآن ، بيروت

٢١- *المدينة فى العصر الاموى* : محمد محمد حسن شراب، مؤسسة علوم القرآن، بيروت

٢٢- *المدينة المنورة فى العصر المملوكى* : (٦٤٨ - ٩٢٣ هـ) عبدالرحمن المديرس، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الاسلامية

٢٣- *المدينة المنورة . اقتصادبات ، المكان ، السكان، المورفولوجية* : دكتور عمر الفاروق السيد رجب، دار الشروق، جدة

٢٤- *تاريخ المدينة* : الامام قطب الدين محمد بن علاء الدين المهروانى الحنفى، دارالكتب العلمية، بيروت

٢٥- *ابواب ذكر مدينة الرسول* : ابي الفرج عبدالرحمن بن الجورى (ت : ٥٩٧ هـ)

٢٦- *المغانم المطابة فى معالم طابة* : مجدالدين ابي طاهر الفيروزأبادى (٧٢٩ - ٨١٧ هـ) دارالىمامة لبحث والترجمة والنشر، الرياض

٢٧- *الجواهر الثمينة فى محاسن المدينة* : السيد محمد كبريت الحسينى المدنى (ت ١٠٧٠ هـ)

٢٨ - *آثار المدينة المنورة*: عبدالقدوس الانصاري، الطبعة الرابعة، المكتبة العلمية التجارية، المدينة المنورة ١٤٠٦ هـ

٢٩ *نزهة الناظرين في مسجد سيد الاولين والآخرين*: السيد جعفر بن اسماعيل البرزنجي، دار الكتب والوثائق المصرية، القاهرة

٣٠ - *المدينة بين الماضي والحاضر*: ابراهيم بن علي العياشي، مكتبة الثقافة، المدينة المنورة

٣١ *رسائل في تاريخ المدينة*: حمد الجاسر، دار اليمامة للبحث والترجمة والنشر، الرياض

٣٢ *تاريخ معالم المدينة المنورة . قديما و حديثا* : احمد ياسين الخياري الحسيني المدني (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٣ - *التحفة الشماء في تاريخ العين الزرقاء*: احمد ياسين الخياري الحسيني المدني (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٤ - *المدينة المنورة واليهود*: محمد احمد ياسين الخياري الحسيني المدني، دار العلم، جدة

٣٥ *المدينة بين الادب والتاريخ*: عاصم حمدان علي حمدان، نادي المدينة المنورة الادبي ١٤١٣هـ

٣٦ - *المدينة المنورة . تطورها العمراني و تراثها المعماري*: صالح لمعي مصطفى، دار النهضة العربية، بيروت، ١٩٨١

٣٧ - *دليل المدينة المنورة الاسلامي*: بهجت صادق المفتي، الرياض، ١٤٢٤ هـ

٣٨ *اخبار الوادي المبارك (العقيق)*: محمد محمد حسن شراب، مكتبة دار التراث، المدينة المنورة ١٤٠٥ هـ

٣٩ - *حسن النبأ في فضل مسجد قبا*: محمد بن علي ابن علان المكي الصديقي (ت 1057هـ)، الرياض، 1418هـ

٤٠ *اتحاف المومنين بتاريخ مسجد خاتم المرسلين*: مصطفى بن محمد الرافعي، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة 1402-1984ء

٤١ *عنوان النجابة في معرفة من مات بالمدينة المنورة من مشاهير الصحابة*: مصطفى بن محمد الرافعي، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة، 1402ء

٤٢ - *المدينة المنورة في آثار المولفين والباحثين قديما و حديثا*: الدكتور عبدالله بن عبدالرحيم عسيلان، المدينة المنورة 1413-1993ء

٤٣ - *اهل الحجاز بعبقهم التاريخي*: حسن عبدالحي قزاز، دار القلم، جدة، الطبعة الولى، 1415- 1995ء

٤٤ - *المدينة المنورة -عادتها و تقاليدها*: عبدالله فرج الرامل الحربي، مطبوعات تهامة، 1999ء

٤٥ - *الروضة المستطابة فيمن دفن بالبقيع من الصحابة*: المحقق عادل عبدالمنعم ابوالعباس، مكتبة الثقافة بالمدينة المنورة

٤٦ *المدينة المنورة - عاصمة الاسلام الاولى*: الدكتور محمد السيد الوكيل، دار المجتمع للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية 1909-1989ء

٤٧ - *دراسات في الحضارة الاسلامية*: الدكتور حسن الباشا، دار النهضة العربية بالقاهرة 1975ء

٤٨ - *الآثار الاسلامية في شمال غرب المملكة*: الدكتور علي بن ابراهيم عمار، الرياض، الطبعة الولى، 1414-1993ء

٤٩ - *كتاب تاريخ القويم بمكة و بيت الله الكريم* (6مجلدات): محمد طاهر الكردي، الطبعة الولى، 1401-4101ء

٥٠ *المدينة المنورة في القرن الرابع عشر الهجري*: احمد سعيد بن سالم، الطبعة الولى 1404-1984ء

٥١ - *طيبة و فنها الرفيع*: المهندس حاتم طه، المدينة المنورة 1404-1984ء

٥٢ - *مواد تاريخ الوهابيين* (الرحلة جوهان لودفيج بور كهارت): الدكتور عبدالله صالح العثيمين، جامعة ملك سعود، الرياض 1412-1991ء

٥٣ - *معالم المدينة المنورة بين العمارة والتاريخ* : المهندس/عبدالعزيز الكعكي *مجلد اول: الجبال -مجلد الثاني*: الحرات والاودية - *مجلد الثالث*: بين العمارة والتاريخ : دار الاحيا التراث العربي، بيروت، الطبعة الاولى 1419-1998ء

٥٤ - *صور من حياة الاجتماعية بالمدينة المنور*: السيد ياسين احمد ياسين الخياري، المدينة المنورة، الطبعه الاوى 1411-1991ء

٥٥ - *الدر الثمين في معالم دار الرسول الامين*: عاتق محمد الشقيصي، المدينة المنورة، الطبعة الولى 1411-1991ء

٥٦ - *كتاب الفصول السنية في الفلاحة المدنية (الرطب و الزراعة)*: محمد كبريت المدني (1012-1070هـ) المدينة المنورة، الطبعة الاولى 1416ء

٥٧ *حارة الاعوات* [illegible] الاسلامية، الطبعة الاولى 1413-1992ء
٥٨ - *تمور الطابة*: المهندس [illegible] الطبعة الاولى، 1419هـ
٥٩ - *كتاب الفلاحة المدنية لمدة الحبر المرية* [illegible] الزراعة بالمدينة المنورة
٦٠ - *النحيل فى عهد النبى*: اديب عمر الحصرى، المدينة المنورة 1414-1951ء
٦١ *ذكريات طيبة*: هاشم محمد سعيد دفردار، مكتبة الفقية المدينة المنورة 1370-1951ء
٦٢ - *عمارة الحرم النبوى الشريف*: سلمى سمر دملوجى - لندن
٦٣ *القبة الخضراء و محاولات سرقة الجسد الشريف* محمد على قصب دار لثقافه نشر، قاهره 1419-1999ء
٦٤ - *الحجرات الشريفة* سيرة و تاريخها، صفوت عدنان داوودى، دار القبة لثقافة الاسلامية، جده الطبعة لاولى 1413-1993ء
٦٥ - *العرب قبل الاسلام*: جرجى زيدان، دراً مكتبة الحياة، بيروت
٦٦ - *مدينة يثرب قبل الاسلام*: الدكتور ياسين غضبان، درالبشير، بيروت 1413-1993ء
٦٧ - *تاريخ العرب القديم و العصر الجاهلى*. الدكتور سيه عاقل، دارة الملك عبدالعزيز بالرياض 1403-1983ء
٦٨ - **الاستراتيجية و دور عباقرة الفكر العسكرى**: اللواء يوسف بن عبدالله حمن جمل الليل، الرياض، 1413هـ
٦٩ - *القباب فى العمارة المصرية الاسلامية*: الدكتور محمد حمزة اسماعيل على الحداد، مكتبة الثقافية الاسلامية بالقاهرة 1413-1993ء
٧٠ - *المدينة بين الادب و التاريخ*: الدكتور عاصم حمدان على حمدان، نادى المدينة المنورة الادبى، الطبعة الاولى 1412-1991ء
٧١ - *تاريخ المكة المشرفة و المسجد الحرام*: محمد بن محمد ابن ضياء المكى، المكتبة التجارية، مكة المكرمة الطبعة الاولى، 1406-1996ء
٧٢ - *الرحاب الطاهرة*: وزارة الاعلام، الرياض، 1414-1993ء
٧٣ **مثير الغرام الساكن الى اشرف الاماكن**: ابن الجورى (المتوفى 597 هـ)، دارالكتب العلمية، بيروت 1994ء
٧٤ *الحرف و الصناعة فى الحجاز فى عصر الرسول*: الدكتور عبدالعزيز بن ابراهيم العمرى، دارالاشبيليا للنشر والتواريخ الرياض 2000ء
٧٥ - *ترغيب اهل المودة و الوفاء فى سكنى دار حبيب المصطفى*: اسماعيل بن عبدالله الاسكدارى مكتبة الثقافة، بالمدينة المنورة 1414هـ
٧٦ - **نظام الحكم و الادارة فى الدولة الاسلامية منذ صدر الاسلام الى سقوط الدولى العباسية**: الدكتور محمد بن عبدالله الشباتى، دار عالم الكتب، الرياض، الطبعة الثالثة، 1411-1999ء
٧٧ - *دراسات حول المدينة المنورة*: محاضرات النادى الادبى، مدينة المنورة
٧٨ - *المدينة المنورة فى مئة مخطوطة*: مركز البحوث و دراسات المدينة المنورة، المدينة المنورة
٧٩ - *تاريخ الكعبة*: الدكتور على حسنى الخربوطلى، دارالجيل، بيروت، الطبعة الثانية، 1408-1978ء
٨٠ - *فضل الحجر الاسود و مقام ابراهيم*: سائد بكداش، دارالبشائر الاسلامية، بيروت
٨١ - *الحرمان الشريفان و المشاعر فى عهد السعودى الظاهر*: وزارة الاعلام، الرياض 1420هـ

(اردو کتب)

۱- جذب القلوب (تاریخ مدینہ) : الشیخ عبدالحق محدث الدہلوی، نوری کتاب خانہ، لاہور

۲- مغازی رسول اللہ ﷺ : حضرت عروہ بن زبیر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۳- غزوۂ اُحد : محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۴- محمد عربی ﷺ میدانِ جنگ میں : علامہ نور بخش توکلی، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد

۵- غزوہ بنی قریظہ : محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۶- حرمین الشریفین اور تبرکات نبوی : علی اصغر چودھری، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

۷- رسول عربی کے ہزار معجزات : مزمل خاتون، اورینٹل پبلی کیشنز، گنج بخش مارکیٹ، لاہور

۸- مدینۃ الرسول : علامہ ابوالنصر منظور احمد، مکتبۂ نظامیہ، ساہیوال

English Books

1. **Towards Understanding the Quran** *(Taf'him Al-Quran)*
   Abu Al-Ala Al-Maududi, The Islamic Foundation, UK

2. **Tafsir-ul-Quran**
   Maulana Abdul Majid Daryabadi, Taj Publishers, Bombay

3. **The Noble Quran** *(English Translation & Commentary by)*
   Published by King Fahad Quran Complex, Medina.

4. **Sahih Bukhari**
   English Translation by Dr. Muhammad Muhsin Khan
   Darul Arabia, Beirut

5. **Sahih Muslim** English Translation
   Abdul Hamid Siddiqi,International Islamic Publishing House, Riyadh

6. **Al-Muwatta** English Translation
   Dr. Mahmoud Matarji, Dar Al-Fikr, Beirut

7. **Seerat Rasool Allah** by Ibn Is'haq Tr. By

8. **A.Guillaume as "The Life of Muhammad"**
   Oxford University Press, Karachi. 1978

9. **Muhammad – His Life based on the Earliest Sources**
   Dr. Martin Lings, Suhail Academy, Lahore-1983.

10. **The Life of Muhammad**
    Muhammad Hussayn Haykal.Darul Isha'at, Karachi-1989

11. **Muhammad at Medina**
Montgomery Watt, Oxford University Press, Karachi, 1981

12. **When the Moon Split**
Safi-ur-Rehman Mubarakpuri, Dar-us-Salam, Riyadh

13. **The Life and Work of the Prophet of Islam**
Dr. Muhammad Hamidullah
English translation of Le Prophete del'Islam: Sa Vie et Son Oeuvre
by Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Research Institute, Islamabad, 1998.

14. **Sunshine at Medina**
Dr. Zakaria Bashir, Islamic Foundation, UK 1990

15. **The Emergence of Islam,**
Dr. Muhammad Hamidullah (Translated and edited by Afzal Iqbal)
Islamic Research Institute Islamabad, 1993

16. **Islam and the Destiny of Man**
Charles le Gai Eaton (Hasan 'Abd al-Hakīm)
First Edition, Suhail Academy, Lahore, 1997

17. **The Battlefields of Prophet Muhammad**
Dr. Muhammad Hamidullah, Huzaifa Publications Karachi

18. **The Prophet's Concept of War**
Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Book Foundation, Lahore

19. **Ghazawat-e-Rasool Allah**
Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Publications 1988

20. **Medinan Society at the Time of the Prophet**

21. Akram Diya Al-Umari, International Islamic Publishing House, Riyadh

22. **The Rightly Guided Caliphs**
Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

23. **The Battles of the Prophet**
Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

24. **The Bible**
Authorized King James Version

25. **History of Arabs**
Philip K. Hitti, Tenth Edition, St. Martin's Press, New York, 1970.

26. **The Geography of Arabia (two volumes)**
Rev. Charles Forster
(First published in 1844 for the Archbishop of Canterbury)
Republished in 1984.

27. **Saudi Arabia and Its Place in the World**
Ministry of Information, Dar Ash-Shrouq, Jeddah, 1979

28. **An Introduction to Saudi Arabian Antiquities**
A publication of Department of Antiquities and Museums,
Ministry of Education Riyadh, 1975

29. **Asir – Heritage and Civilization**
Ministry of Information

30. **Faith & Power – Politics in Islam**
Edward Mortimer, Vintage Books, NY 1982

31. **Saladin and the Fall of the Kingdom of Jerusalem**
Stanley Lane Poole, Sind Sagar Academy, Lahore

32. **Hijaz Before World War I – A Handbook**
Col. David George Hogarth, Arab Bureau, Cairo
Reprint by Falcon-Oleander, 1978

33. **Ihya Ulum-ed-Din**
Imam Ghazali – (Tr. Fazul-ul-Karim)
Sind Sagar Academy, Lahore

34. **This Beloved Muhammad (Hadha Al-Habeeb)**
Abu Bakr Bajir Al-Jazairi, Dar Al-Fikr, Beirut 1998

35. **A Short History of Saracens**
Sayed Amir Ali, McMillan & Co., London, 1955

36. **Muslim Art (English Translation)**
Alexandre Papadopoulo, Thames and Hudson UK

37. **Art and Cities of Islam**
R.A. Jairazbhoy, Ferozesons, Lahore, 1996

38. **Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medina and Mecca**
Richard Francis Burton
A reprint of the Memorial Edition originally published
by Tylston and Edwards in 1893, Vol. 1 - Dover Publications, New York, 1964

39. **Mecca the Blessed, Medina the Radiant: The Holiest Cities of Islam**
Seyyed Hossein Nasr & Kazuyoshi Nomachi
Aperture Publications, UK.

40. **History of Arabia before Muhammad**
De Lacy O'Leary, D.D.
Alliance Publishers, Lahore, reprinted 1989

41. **A Shi'ite Pilgrimage to Mecca (1885-1886)**
An English Translation of Safarnameh of Mirza Muhammad Hosayn Farahani, By Hafez Farmayan and Elton Daniel, Univ. of Texas Press, Austin, 1990.

سترھویں صدی ہجری میں مسجد نبوی ﷺ کا تیار کردہ ایک نایاب خاکہ